





تاریخ وفضائل بیت اللہ

تاریخ وفضائل مکۃ المکرمہ

اس کتاب میں تاریخ مکہ، تعمیر، فضائل، مکہ سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی
زندگی، مکہ مکرمہ قرآن واحادیث کی روشنی میں، اہل مکہ کی عظمت، مشہور مساجد، مکہ کی
معاشی حالت، مشہور و تاریخی مقامات، مقام ابراہیم، حجر اسود، صفا مروہ، عرفات، غارِ حرا،
غار ثور، آب زمزم، مکہ مختلف ادوار میں، دورِ حاضر میں مکہ مکرمہ کی ترقی، مسجدِ حرام، بیت اللہ
کی توسیع، مسجدِ حرام تاریخ کے آئینہ میں، مکہ مکرمہ میں دخول کے آداب، اہل مکہ کی تعظیم،
حرمتِ مکہ، مشہور پہاڑ، مقام و مراتب، حکم تعظیم اور آداب جیسے بے شمار موضوعات
پر مشتمل پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد کی کتاب "تاریخ بیت اللہ"
کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے



مصنف
پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد

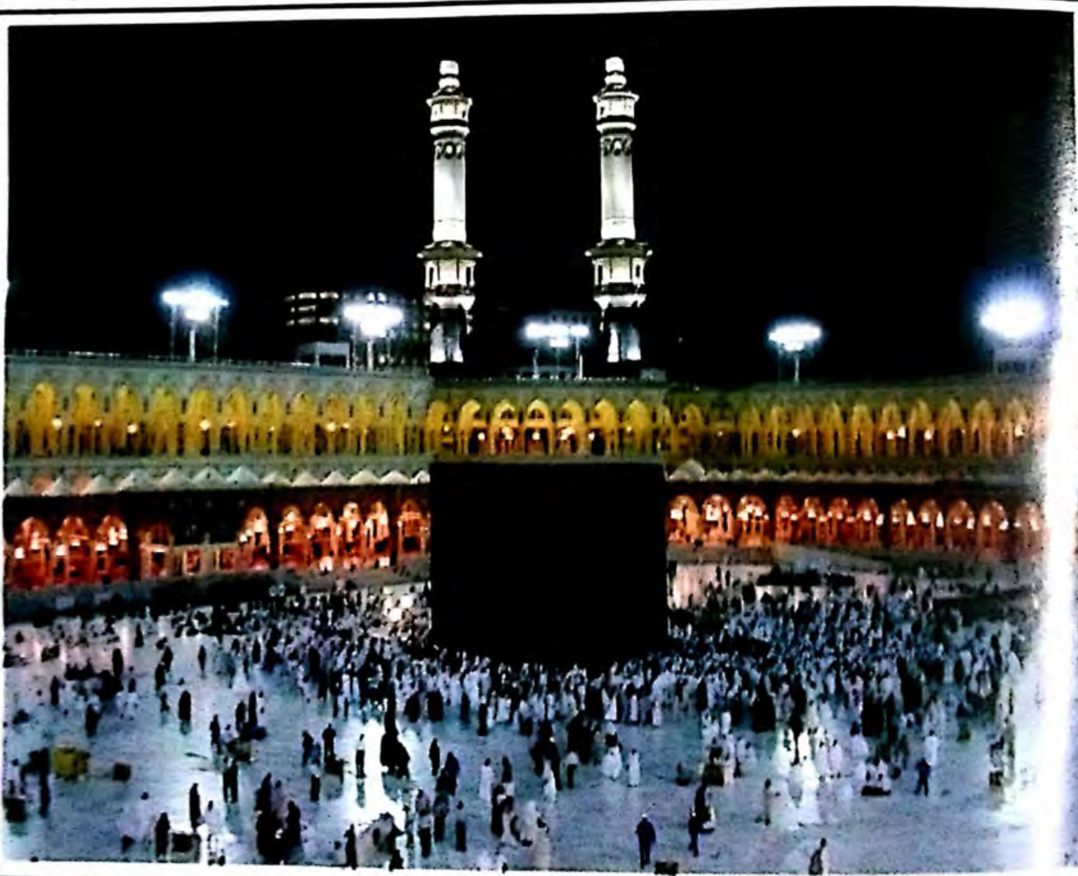
ترجمہ
علامہ مفتی محمد وسیم اکرم القادری

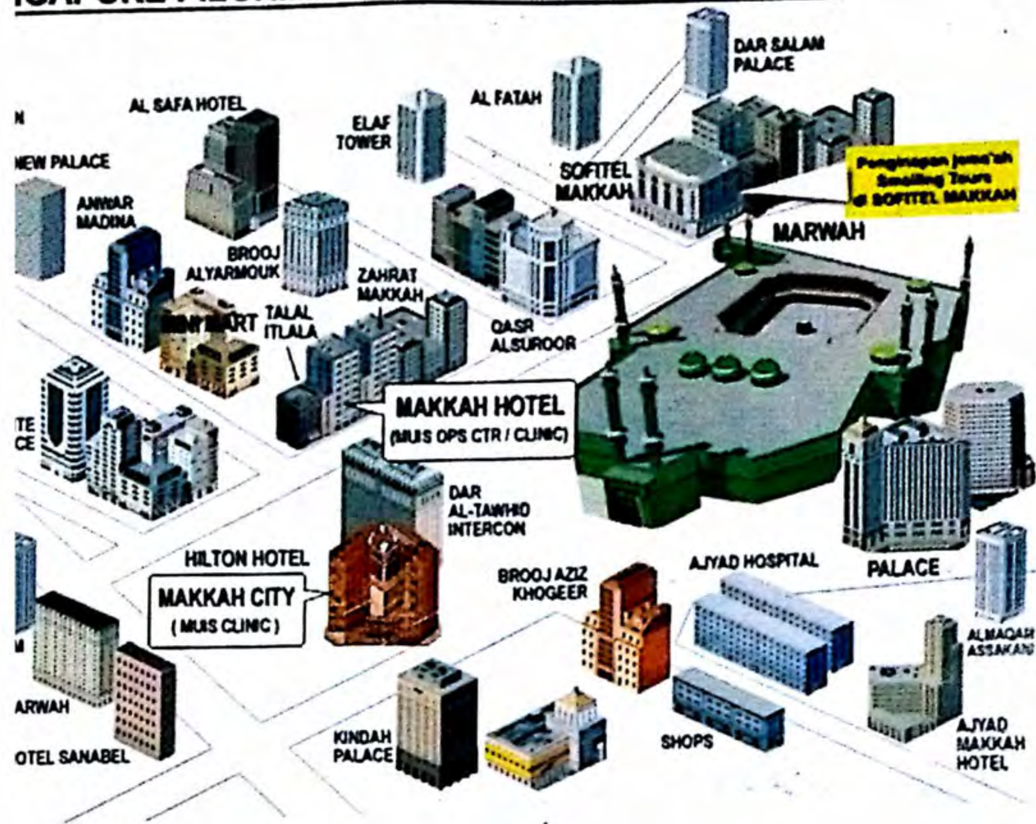


بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

تاریخ وفضائل بیت اللہ

تاریخ وفضائل مکۃ المکرّمہ

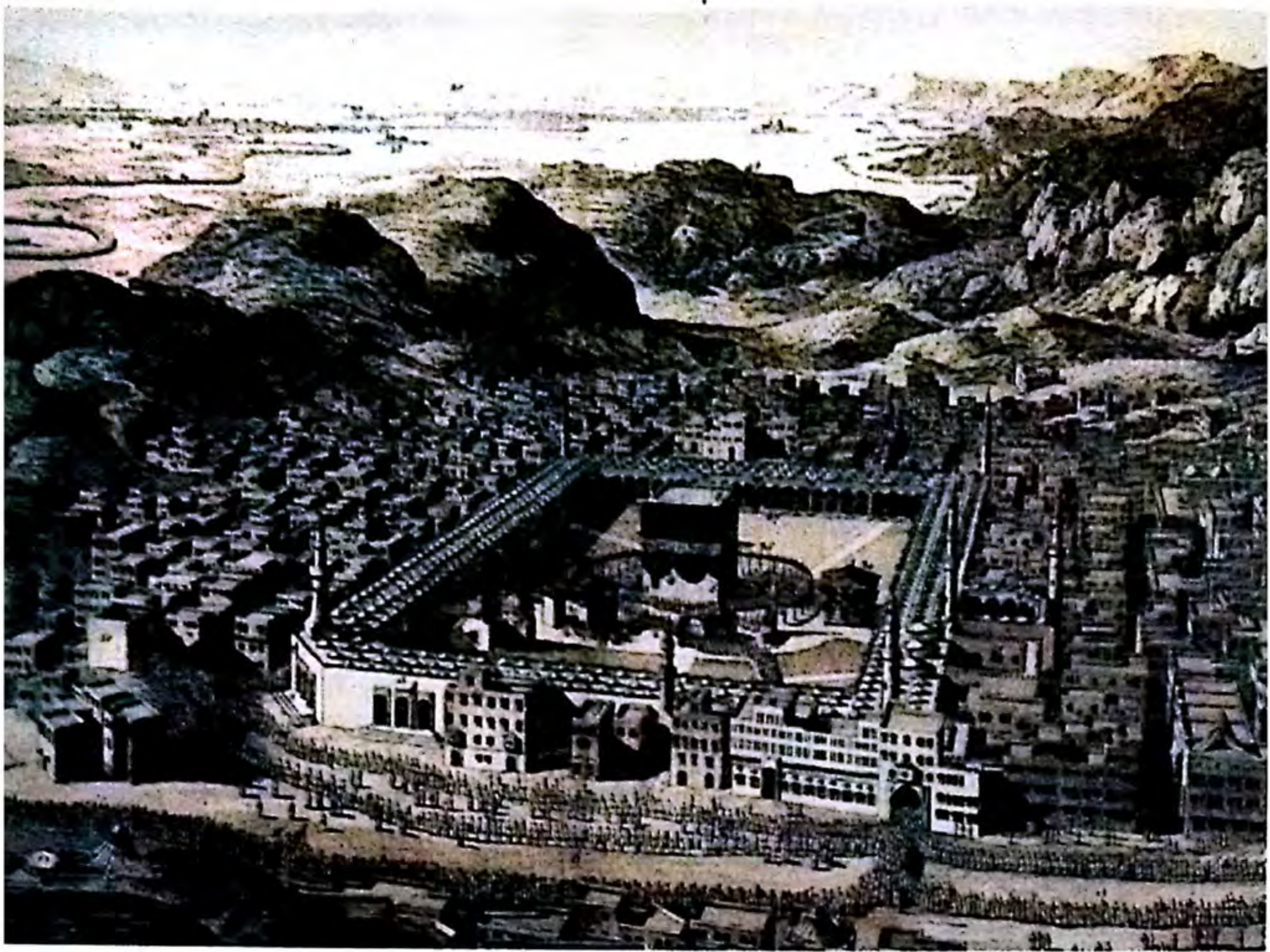




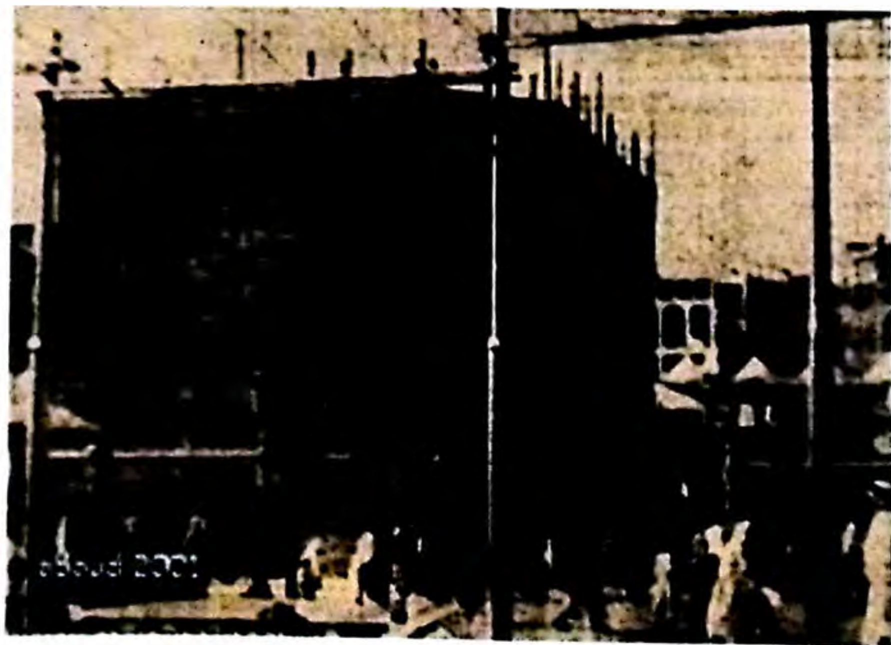
خانہ کعبہ کا نقشہ



خانہ کعبہ کا قدیم منظر



خانہ کعبہ کا قدیم منظر



خانہ کعبہ کا قدیم منظر



سڑک کے اوپر قرآن پاک بنا ہوا



غلافِ کعبہ کی تبدیلی کا منظر



مقامِ حدیبیہ

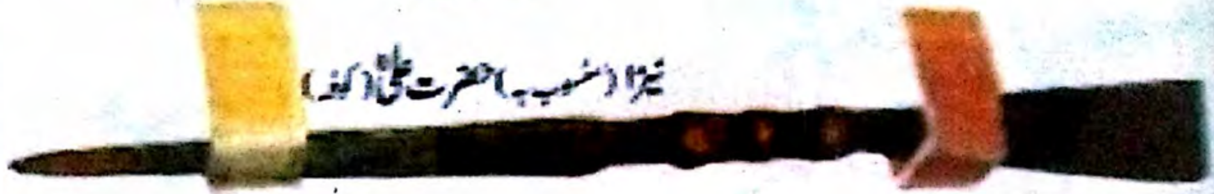


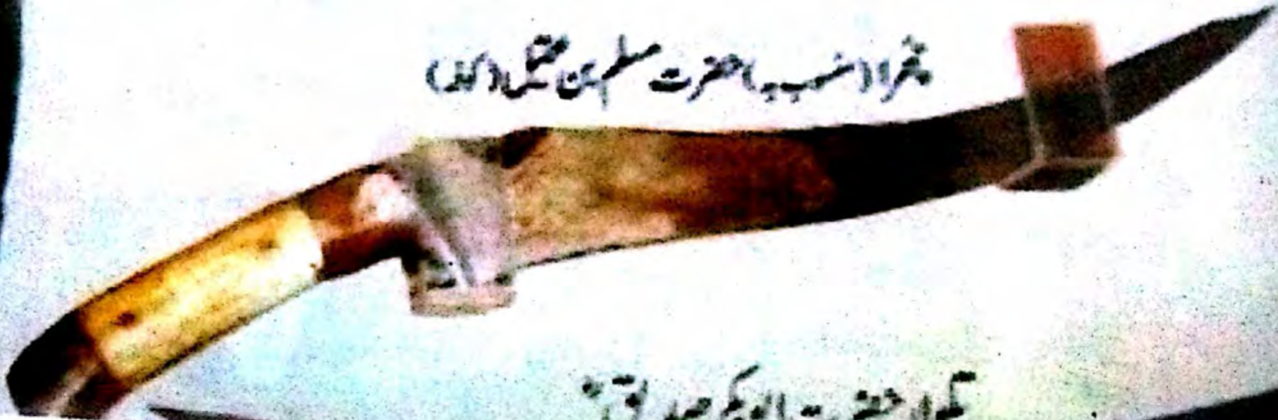
مکہ کلاک ٹاور اور خانہ کعبہ کا منظر


خنجر (منسوب) حضرت زکریا علیہ السلام


خنجر (منسوب) حضرت ابوبکر صدیقؓ
عصا مبارک (منسوب) حضرت

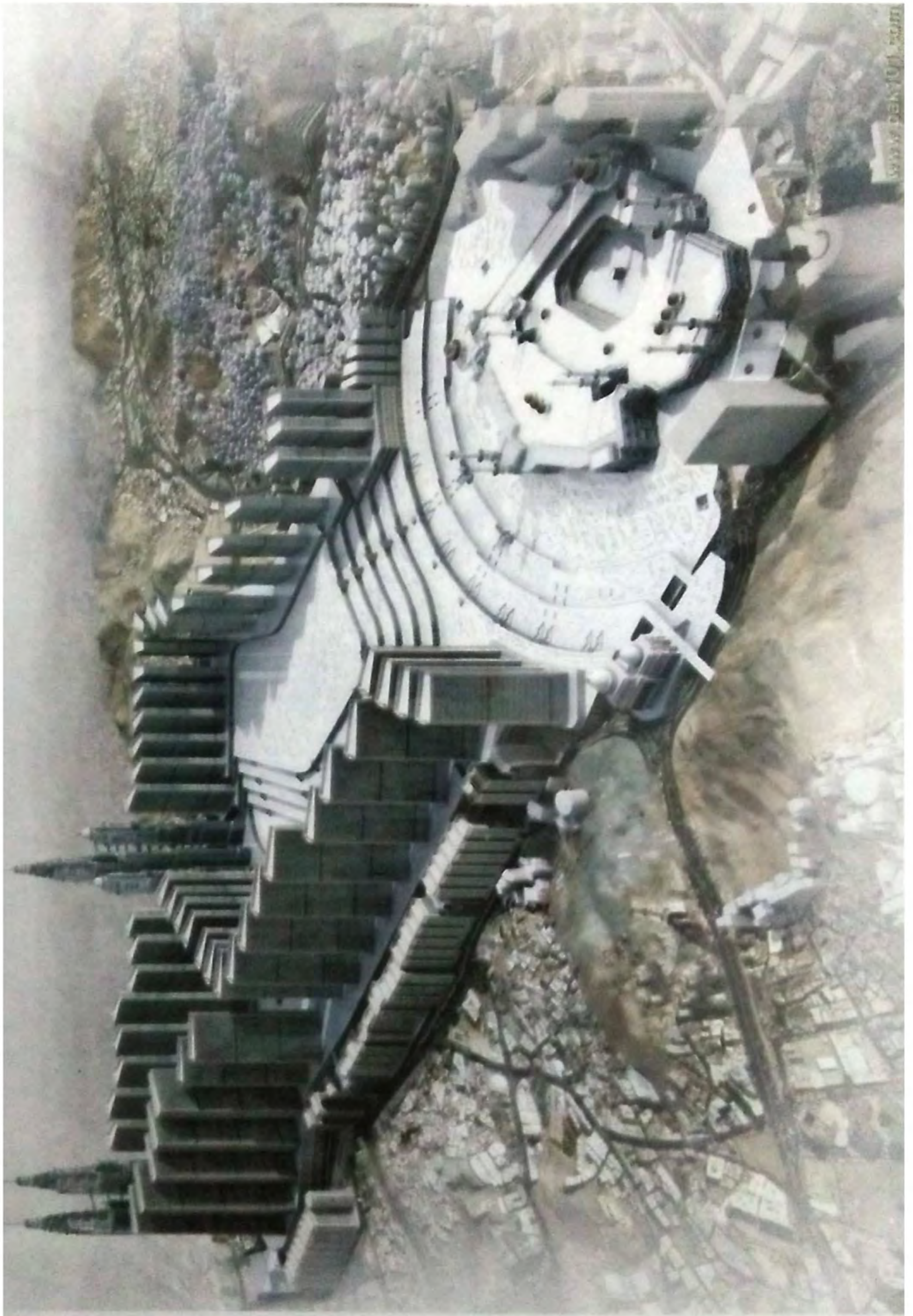

خنجر (منسوب) حضرت علیؓ (کوفہ)


نیزہ (منسوب) حضرت علیؓ (کوفہ)


خنجر (منسوب) حضرت مسلم بن عقیلؓ (کوفہ)
تلوار حضرت ابوبکر صدیقؓ



نبی کریم ﷺ کے زیر استعمال رہنے والی متبرک اشیاء



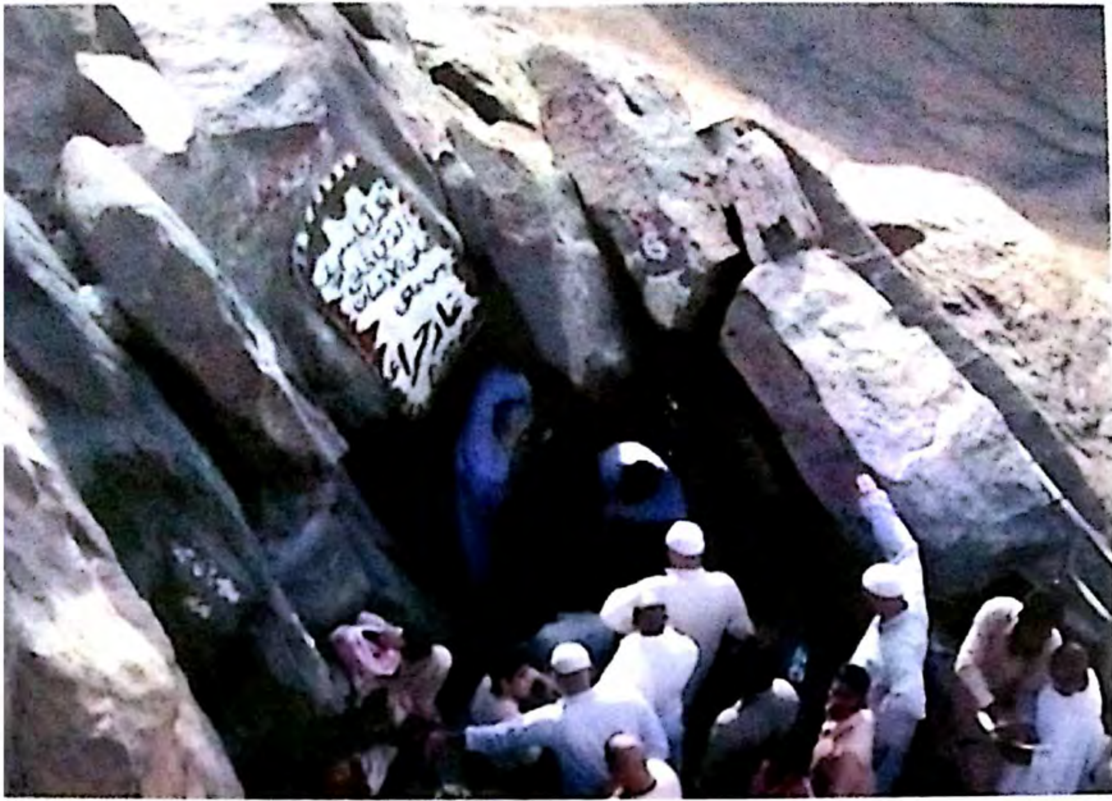
مستقبل قریب میں خانہ کعبہ کا منظر



جبل ثور مکہ المکرّمہ



مسجد اجابہ



غارِ حرا جہاں نبی کریم ﷺ اللہ کی عبادت کے لیے جایا کرتے.



حجرِ اسود



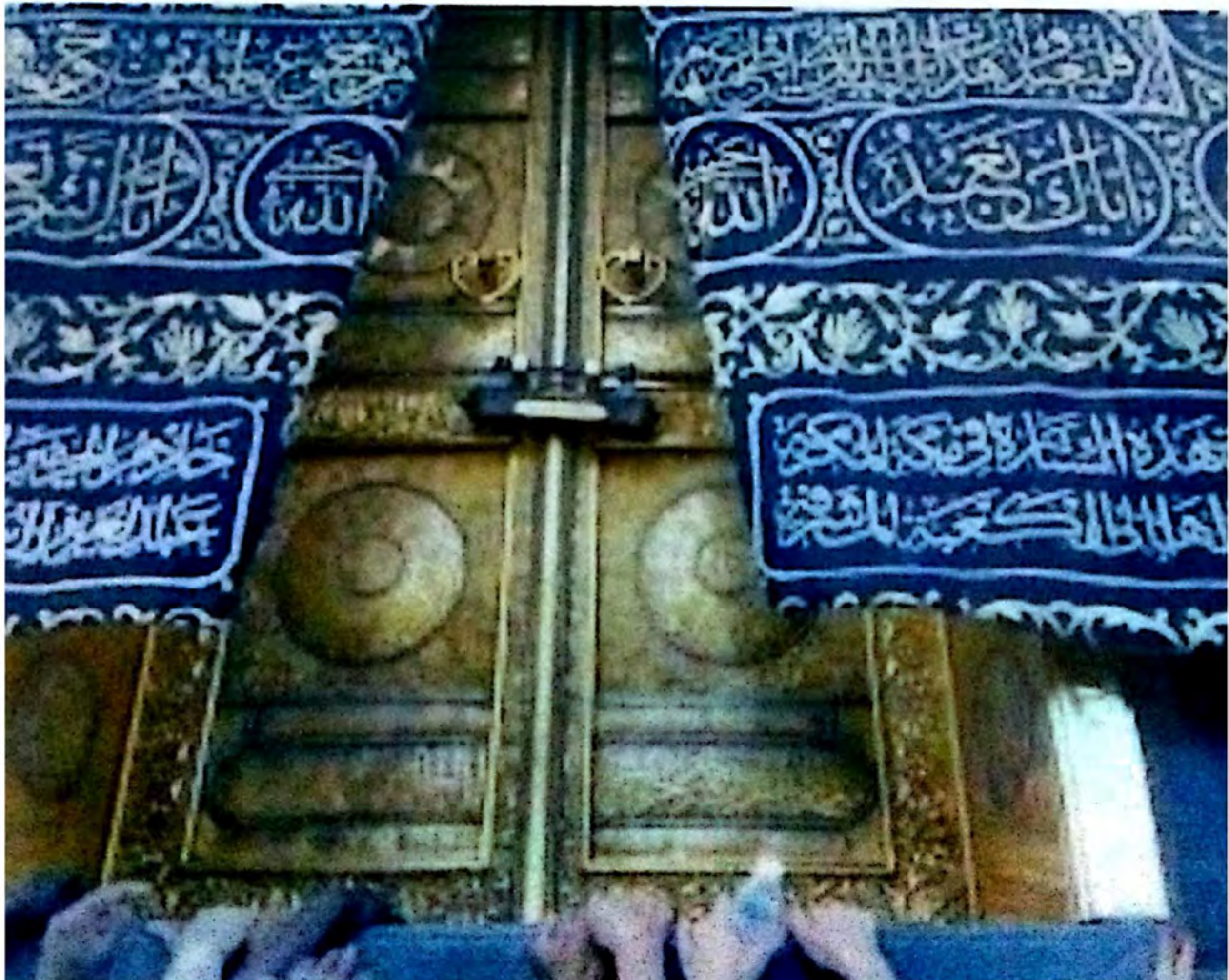
مکہ مکرمہ میں وہ جگہ جہاں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔



میدانِ عرفات



مسجد جعرانہ





شاہ فیصل ہسپتال مکہ



جدہ میں پاکستانی سکول

مسجد نمرہ



مسجد جنّ



آبِ زم زم سے بھرے کولر



مکہ میں مزدلفہ منظر



مکہ کلاک ٹاور ہوٹل



تاریخ وفضائل بیت اللہ

تاریخ وفضائل مکۃ المکرّمہ

تاریخ مکہ، تعمیر، فضائل، مکہ سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی، مکہ مکرمہ قرآن واحادیث کی روشنی میں، اہل مکہ کی عظمت، مشہور مساجد، مکہ کی معاشی حالت، مشہور وتاریخی مقامات، مقام ابراہیم، حجر اسود، صفا، مروہ، عرفات، غار حرا، غار ثور، آب زمزم، مکہ مختلف ادوار میں، دور حاضر میں مکہ مکرمہ کی ترقی، مسجد حرام (بیت اللہ) کی توسیع، مسجد حرام تاریخ کے آئینہ میں، مکہ مکرمہ میں دخول کے آداب، اہل مکہ کی تعظیم، حرمت مکہ، مشہور پہاڑ، مقام ومراتب، حکم تعظیم اور آداب جیسے بے شمار موضوعات پر مشتمل "پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد" کی کتاب "تاریخ بیت اللہ" کا اردو ترجمہ

مصنف

پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد

مترجم

پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری

(ایم اے۔ایم فل) H.O.D (شعبہ اسلامیات)

سپیریئر گروپ آف کالجز سمبڑیال، سیالکوٹ

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام کتاب — تاریخ وفضائل مکۃ المکرمہ (بیت اللہ)

مصنف — پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی المجاہد

مترجم — پروفیسر مفتی محمد وسیم اکرم القادری

ناشر — مشتاق احمد

باہتمام — سلمان منیر

سیٹنگ — گل گرافکس

پرنٹرز — ناصر شہزاد پرنٹرز لاہور

اشاعت — 2014ء

قیمت — روپے

استدعا

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ادارہ نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے اگر دوران طباعت کوئی زیر۔ زبر۔ نقطہ۔ شد یا مد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ کثیر تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کرسکتا۔ پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے دوران اس قسم کی کسی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔ ان شاء اللہ آئندہ طباعت میں درست کردی جائے گی۔ ادارہ

انتساب

اپنے پیارے بیٹے "محمد"

اور

پیاری بیٹیوں (شنباء اکرم، شیباء اکرم اور شیماء اکرم)

کے نام

اللہ تعالیٰ انہیں باعمل مسلمان اور سچا محبّ رسول بنائے۔

ان کے رزق و آبرو میں خیر و برکت عطا فرمائے۔

انہیں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین

از

محمد وسیم اکرم القادری

فہرست



از مترجم:

پیش لفظ

((بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلوة و السلام علیٰ خير خلقه و نور عرشه محمد و علیٰ اله و صحبه و بارك و سلم))

یہ کتاب دنیا جہاں کے سب سے بہترین شہر مکہ مکرمہ کے فضائل ومناقب اور تاریخ واہمیت کی خوب وضاحت کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتاب کا ایک اہم حصہ مسجد حرام کی تعمیر وتوسیع اور مختلف ادوار میں شہر مکہ کے حالات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے درج ذیل اہم مضامین ہیں:

تاریخ مکہ۔	تعمیر وفضائل مسجد حرام۔
مکہ سے محبت۔	رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی۔
مکہ مکرمہ قرآن واحادیث کی روشنی میں۔	اہل مکہ کی عظمت۔
مشہور مساجد۔	مکہ کی معاشی حالت۔
مشہور وتاریخی مقامات۔	فضائل مقام ابراہیم۔
فضائل حجر اسود۔	صفا ومروہ۔
میدان عرفات۔	غار حرا۔
غار ثور۔	فضائل آب زمزم۔
مکہ مختلف ادوار میں۔	دور حاضر میں مکہ مکرمہ کی ترقی۔
مسجد حرام (بیت اللہ) کی توسیع۔	مسجد حرام تاریخ کے آئینہ میں۔
مکہ مکرمہ میں دخول کے آداب۔	اہل مکہ کی تعظیم۔
حرمت مکہ۔	مشہور پہاڑ۔
مشہور مقام۔	

مصنف مدظلہ العالی نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہاں چند اہم حقائق ملاحظہ فرمائیں۔

شہر مکہ کے نام:

قرآن مجید میں مقدس شہر مکہ کے مختلف نام آئے ہیں:

بلد الامین۔	البلد۔	البلدة۔	بیت العتیق۔
بیت الحرام۔	مکہ۔	بکة۔	أم القریٰ۔
حرم۔	آمن۔	وادی غیر ذی زرع۔	معاد۔

قریۃ۔ المسجد الحرام۔
اسی شہر میں اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر خانہ کعبہ ہے۔ بعض کے نزدیک بیت اللہ کی جگہ کو بکہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ کو مکہ کہتے ہیں۔
بعض کے نزدیک کعبہ اور مسجد کا نام بکہ ہے اور ذی طوی اور بطن الوادی کا نام مکہ ہے۔

مکہ کی وجہ تسمیہ:

اس شہر کو مکہ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ جابروں کو ہلاک کر دیتا ہے اور ان کا غرور خاک میں ملا دیتا ہے اور اس کو مکہ اس لئے بھی کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا اژدہام رہتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر طرف سے آ کر لوگ عبادت کرتے ہیں اس لئے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید نے مکہ کو قابلِ احترام شہر قرار دیا ہے۔ سورۃ النمل میں ہے:

((اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا))

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار ہی کی عبادت کروں جسے اس نے عزت و حرمت بخشی ہے۔" (سورۃ النمل:۹۱)

مکہ مکرمہ کا شرف وفضیلت:

مکہ مکرمہ بہت سی عظمتوں کا حامل ہے۔ وہ فی نفسہٖ معظم ومکرم ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر اس شہر کا احترام کرنا فرض ہے۔ وہاں کوئی نامناسب اور ناجائز حرکت کسی سے سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ لوگوں سے لڑنا جھگڑنا، لوگوں کو اذیت دینا، ان کی حق تلفی کرنا، ان پر ظلم کرنا اور وہاں بے دینی کی باتیں کرنا قطعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقدس شہر کو اپنے گھر کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ شہر مدار کائنات فخر انبیاء والرسل نبی آخر الزمان ﷺ کا مسکن و مولد ہے۔
"وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کی عظمت و مرتبت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

دنیا بھر کے شہروں میں مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے، پھر اسی نسبت سے اس کے چاروں طرف تقریباً ۱۲۷ مربع کلومیٹر کے علاقہ کو حرم یعنی واجب الاحترام قرار دیا گیا اور اس کے خاص احکام و آداب مقرر کئے گئے گویا یہ پورا علاقہ اس مقدس شہر کا صحن ہے اور اس کا بھی مکہ مکرمہ ہی کی طرح ادب و احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اس بلد الامین کو ایسی حرمت و امنیت سے سرفراز کیا گیا ہے کہ جو بھی اس حرم پاک میں داخل ہو جائے تو وہ محفوظ و مامون ہو جائے۔

((وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا))

یہی وہ باعظمت شہر ہے جس کی حرمت کی قسم خالقِ کائنات نے سورۃ البلد اور سورۃ التین میں ارشاد فرمائی ہے۔ اس قسم سے بھی مکہ مکرمہ کی عظمت و شرافت کا اظہار مقصود ہے جس کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں مزید شرافت و عظمت آ گئی۔ (آل عمران:۹۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

((ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس))

"مکہ مکرمہ کی حرمت کا فیصلہ لوگوں نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب المناسک باب لا یعضد شجر الحرم)

اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سے حرمت والا قرار دیا ہے جب سے آسمان و زمین کی تخلیق فرمائی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المناسک۔ باب لا یحل القتال بمکۃ)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت جب تک اس حرمِ مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔" (ابن ماجہ، ابواب الحج، باب فضل مکۃ)

کعبہ معظّمہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اس مقدس گھر کو قرآن کریم میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے:

1: الكعبة۔

2: البيت الحرام۔(سورة المائده:۹۷)

3: بيتك المحرم۔(سورة ابراهيم:۳۷)

4: بيتي۔(سورة البقره:۱۲۵)

5: البيت العتيق۔(سورة الحج:۲۹)

6: المسجد الحرام۔

7: قبلة۔(سورة البقره:۱۴۴)

کعبۃ اللہ کی مختصر تاریخ:

کعبہ معظّمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی جانے والی سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں بیت اللہ کی تعمیر بارہ مرتبہ ہوئی اور تعمیر کنندگان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ملائکہ	۲۔حضرت آدم
۳۔حضرت شیث	۴۔حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل
۵۔قوم عمالقہ	۶۔بنو جرہم
۷۔قصی بن کلاب	۸۔قریش مکہ
۹۔عبداللہ بن زبیر	۱۰۔حجاج بن یوسف
۱۱۔سلطان مراد عثمانی ترکی	۱۲۔شاہ فہد بن عبدالعزیز

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کعبہ معظّمہ کی ازسرِ نو تعمیر کی اور حطیم کو بھی کعبہ میں شامل کر دیا۔مگر حجاج بن یوسف نے اپنے دور میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اضافے کو ختم کر کے پھر قریش کی بنیادوں پر اسے تعمیر کیا۔چنانچہ حطیم دوبارہ باہر رہ گئی اور کعبہ کا دروازہ ایک ہو گیا۔اس وقت سے آج تک کعبہ معظّمہ حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر پر چلا آ رہا ہے۔یعنی اس کی مرمت کا کام تو متعدد مرتبہ ہوا لیکن بناء وہی ہے۔

۱۰۳۹ھ میں سیلاب سے کعبہ کو نقصان پہنچا اور سلطان مراد خان عثمانی نے ۱۰۴۰ھ میں اسے دوبارہ تعمیر کیا۔پھر آخر میں شاہ فہد نے طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے کعبہ معظّمہ کی تعمیر و تجدید ضروری سمجھی۔اس لئے انہوں نے محرم ۱۴۱۷ھ میں اس کی تجدید و ترمیم کا حکم دیا۔ چنانچہ چھ ماہ میں یہ کام مکمل ہوا، بنیادوں کو مزید مضبوط کیا گیا، شاذروان کی مرمت کی گئی، دیواروں کی بیرونی جانب کو ہموار کیا گیا، پتھروں

کے درمیان سے پرانا مسالہ نکال کر نیا سیمنٹ مسالہ لگایا گیا، دونوں چھتوں کو از سر نو تعمیر کیا گیا، تینوں ستونوں کو نئی لکڑی سے بنایا گیا اور اس تمام کام کی سعادت ''بن لادن'' کمپنی کو حاصل ہوئی۔

احترام و برکت کعبہ:

پرندوں کا دیوار کعبہ پر نہ بیٹھنا اور احترام کعبہ کو ملحوظ رکھنا بھی عجائبات میں سے ہے۔

اگر کوئی جانور دیوار کعبہ پر بیٹھتا ہے تو وہ اپنے جسم کو دیوار پاک سے مس کر کے بیماری سے شفاء کی غرض سے بیٹھتا ہے۔

شروع سے آج تک اہل مکہ میں یہ بات متعارف رہی ہے کہ اگر کوئی بچہ بات کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے یا عمر بڑھ رہی ہے بولنا نہیں سیکھ سکا تو ورثاء خانہ کعبہ کے کنجی بردار کے پاس لے جاتے اور کنجی بردار خانہ کعبہ کی کنجی اس کے منہ میں رکھ دیتا۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے وہ بچہ بہت جلد بولنے لگ جاتا۔

کسی نئی مشکل کے پڑنے پر اہل مکہ کعبہ شریف کے اندر داخل ہو کر دعا مانگتے۔ جس قدر بھی لوگ داخل ہو جاتے یہ جگہ کافی ثابت ہوتی اور اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت کو ٹال دیتا۔

شروع سے آج تک کسی وقت بھی مطاف میں طواف کرنے والوں سے خالی نہیں رہا۔ اگر کسی وقت انسان طواف نہیں کر رہے تو فرشتے اور جن مصروف طواف ہوتے ہیں۔

کعبۃ اللہ کی مرکزیت:

اگر چہ کعبہ دعوت حنیف کا مرکز رہا تاہم اس کی مرکزیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔ دنیا نے ہمیشہ اسے بین الاقوامی مرکز قرار دیا ہے اور ہمیشہ تعظیم و تکریم کی ہے۔ کعبۃ اللہ کے لیے اقوام نے ہدایا و تحائف بھیجے اور اس کے ادب و احترام کو فخر سمجھا۔ علامہ ابن خلدون اپنی کتاب کے مقدمہ میں بڑی تفصیل سے ان حکومتوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے قدیم زمانہ میں کعبۃ اللہ کو مرکز مانا اور اس کی مرکزیت پر فخر کیا۔

آبادی مکہ کے سبب اوّل:

ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سال پیدائش جدید ترین اثری تحقیقات کے پیش نظر ۲۱۶۰ قبل مسیح ہے۔ تورات میں آپ کی عمر شریف ۱۷۵ سال ہے۔ آپ کا آبائی وطن بابل ہے جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات ''اور'' (UR) ہے اور مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۹۸۴ء میں پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک ٹیم مہم عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا۔

حضرت ابراہیم تارخ ابن ناخور کے بیٹے ہیں، ابوسفیان لقب ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن ساروغ بن رعو بن عابر بن شالح بن ارفخشار بن سام بن نوح۔''

آپ نے یاد الٰہی کے شوق میں جان و مال، اولاد اور وطن سب کچھ چھوڑ دیا۔

☆ سب سے پہلے آپ نے اپنی اولاد کا ختنہ کیا۔ ☆ سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفید ہوئے۔
☆ آپ ہی نے ناخن کٹوائے۔ ☆ اور زیر ناف بال دور کیے۔
☆ سب سے پہلے آپ ہی نے سلا ہوا پاجامہ پہنا۔ ☆ آپ ہی نے خضاب استعمال کیا۔
☆ آپ ہی نے ممبر پر خطبہ پڑھا۔ ☆ سب سے پہلے آپ ہی نے عصا لیا۔

☆ اور مہمان نوازی کی۔
☆ آپ ہی نے ثرید پکوایا۔
☆ آپ ہی نے پراٹھے پکوائے۔
☆ آپ ہی نے سب سے پہلے معانقہ کیا۔
☆ آپ ہی اپنے بعد انبیاء کے باپ ہیں۔
☆ اور ہر آسمانی دین میں آپ کی اتباع کا حکم ہے۔
☆ اور ہر دین والا آپ کی تعظیم کرتا ہے۔
☆ حج کے ارکان آپ ہی کی یادگار ہیں۔
☆ آپ ہی معمار کعبہ ہیں۔
☆ آپ ہی کے قدموں سے لگنے والا پتھر مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔
☆ قیامت میں آپ ہی کو لباس فاخرہ پہنایا جائے گا۔
☆ مسلمانوں کے مردہ بچوں کی آپ اور حضرت سارہ پرورش کرتے ہیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام نمرود کے ہاتھ سے محفوظ ہو گئے اور اس کے مظالم سے نجات حاصل کر لی۔ بابل والوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو وہاں سے ہجرت فرما کر اپنے چچا ہاران کے ہاں مقام حران میں پہنچ گئے۔ ہاران نے آپ کی سعادت مندی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی سارہ کا نکاح ان سے کر دیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ سے معاہدہ کیا کہ تم میری فرمانبردار رہنا۔ میں تیری بات مانوں گا۔ حضرت لوط، حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ تینوں حضرات حران سے مصر چلے گئے۔

مصر کا بادشاہ ظالم تھا، سرکش تھا، مغرور تھا۔ جب کوئی خوبصورت عورت دیکھتا تو شوہر کو قتل کروا دیتا اور عورت پر قبضہ کر لیتا۔ جب یہ مختصر قافلہ مصر پہنچا تو ظالم کے دلالوں نے خبر دی کہ مصر میں ایک حسینہ خاتون آئی ہے۔ بادشاہ نے گرفتار کر کے لانے کا حکم دے دیا۔ سیدنا ابراہیم اس ظالم کے اس ضابطہ سے واقف تھے۔ آپ نے حضرت سارہ سے فرمایا:

''بادشاہ کے پاس جا کر یہ نہ کہنا کہ ابراہیم میرے شوہر ہیں، بلکہ کہنا وہ میرے بھائی ہیں، اللہ تمہیں اس کے ظلم سے محفوظ رکھے گا۔''

حضرت سیدنا خلیل علیہ السلام کا اپنی بیوی کو بہن فرمانے سے مراد دینی بہن ہے نہ کہ نسبی۔ اخوۃ کا اطلاق اخوۃ دینی نسبی دونوں پر ہوتا ہے۔
قرآن مقدس فرماتا ہے:

((انما المومنون اخوۃ))

آپ کا حضرت سارہ کو بہن فرمانا توریہ ہے۔ توریہ کا معنی یہ ہے کہ سمجھنے والے کی مراد کچھ اور ہو اور کہنے والے کی کچھ اور۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیوی کو بہن کہنے سے دینی بہن مراد لیا اور دوسروں نے نسبی سمجھا۔

اسی دوران سپاہیوں نے بھی گھیرا ڈال لیا اور حضرت سارہ کو ظالم کے ہاں لے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس صورت حال سے پریشان ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ ظالم نے چاہا کہ حضرت سارہ کی بے ادبی کرے۔ حضرت سارہ نے فرمایا:

''مجھے اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے کچھ عبادت کر لوں۔''

ظالم نے اجازت دے دی۔ آپ نے غسل فرمایا، وضو کیا اور نماز میں مصروف ہو گئیں۔ دیر ہو جانے پر ظالم آگے بڑھا کہ عین حالت نماز میں زیادتی کرے۔ ارادہ کرنے کے ساتھ ہی اس کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سانس پھول گئی۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگی۔ حضرت سارہ نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر قتل کا الزام لگ جائے گا۔ عرض کرنا تھا کہ اسے ہوش آ گئی۔ پھر وہی ارادہ کیا، پھر ویسا ہی ہوا، پھر ارادہ کیا۔ وہ کہنے لگا: یہ انسان نہیں کوئی جن ہے۔ ایسی ہی ایک اور عورت ہے جسے قبطیوں سے حاصل کیا

گیا (یہ خاتون حضرت ہاجرہ تھیں) ان دونوں عورتوں کو مصر سے نکال دو۔ چنانچہ حضرت سارہ حضرت ہاجرہ کو لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئیں آپ اس وقت نماز میں ہی مصروف تھے۔ حضرت سارہ سے پوچھا خیر ہے؟ آپ نے عرض کی: خیر ہے۔ رب نے ظالم کو ذلیل کیا اور مجھے خادمہ دی جس کا نام ہاجرہ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور چاروں مسافر سیدنا ابراہیم، سیدنا لوط، حضرت ہاجرہ، حضرت سارہ وہاں سے فلسطین آ گئے۔ اہل فلسطین نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کے قدوم میمنت لزوم سے ان کے کاروبار میں قدرت نے برکت دی۔ سیدنا خلیل علیہ السلام نے وہاں مسافر خانے بنائے لنگر جاری کیے۔ سیدنا لوط علیہ السلام کو تبلیغ دین کے لیے روم روانہ فرمایا۔ ایک دن حضرت سارہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار انعامات سے نوازا ہے مگر اولاد سے محروم ہیں، آپ ہاجرہ سے نکاح کر لیں بعید نہیں اللہ تعالیٰ ان کے بطن سے بچہ عطا فرما دے۔ آپ نے نکاح فرما لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ سیدہ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے بے پناہ محبت فرماتیں۔ حضرت ہاجرہ صرف دودھ پلاتیں۔ سیدنا خلیل علیہ السلام احتیاط فرماتے تھے کہ کہیں سارہ ہاجرہ کے ہاں بچے کا ہونا محسوس نہ کر لیں۔ ایک دن تنہائی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام سے پیار فرما رہے تھے کہ حضرت سارہ آ گئیں اور اس قدر غیرت غالب ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ابھی ہاجرہ کو اور اس بچے کو میرے گھر سے نکال دو۔ آپ نے کوشش کی کہ معاملہ ختم ہو جائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ادھر آپ کے سامنے حران والا معاہدہ بھی تھا جس کے آپ پابند تھے۔ اتنے میں خلیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ سارہ کی بات مانو اس میں راز ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کے درمیان حران میں طے پائے جانے والے معاہدہ پیش نظر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو ساتھ لیا اور خانہ کعبہ کی جگہ پر پہنچ گئے۔ بارگاہ اقدس سے حکم ملا ان دونوں کو ہمارے سپرد کر جاؤ۔ یہاں صرف ایک ہی درخت تھا باقی سارا جنگل، نہ سایہ ہے نہ پانی۔ آپ نے کچھ کھجوریں، روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہ کے حوالے کر کے لوٹ پڑے۔ حضرت ہاجرہ نے عرض کی:

''اے ابراہیم! آپ مجھے کہاں چھوڑے جا رہے ہیں، نہ مکان ہے، نہ سامان، یہ بے آب و گیاہ جنگل؟ کیا ایسا کرنے کا حکم آپ کو رب العالمین کی طرف سے ہے۔؟''

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سر ہلا کر فرمایا: ہاں! تب سیدہ ہاجرہ نے کہا: اب مجھے کوئی فکر نہیں۔ میرا رب مجھے ضائع نہ کرے گا۔ اپنے پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو گود میں لیا اور بیٹھ گئیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کچھ دور جا کر پہاڑ کی آڑ میں رکے اور عرض کی:

((رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع))

''اے اللہ! میں نے اپنے اہل و عیال کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دیا ہے۔''

دعا کے بعد آپ واپس فلسطین چلے گئے جب تک کھجور اور پانی رہا حضرت ہاجرہ اطمینان سے رہیں، بیٹے کو دودھ پلاتی رہیں مگر پانی ختم ہونے پر پیاس نے ستایا، لخت جگر نے رونا شروع کیا۔ نور نظر کی بے قراری دیکھی نہ گئی اور صفا سے پہاڑی پر چڑھ گئیں کہ کہیں پانی نظر آئے، مگر نہ ملا، مروہ پر گئیں مگر پانی نہ ملا، نگاہ فرزند ارجمند پر رہتی۔ راستہ کے کچھ حصہ میں سیدہ ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان آڑ ہو گئی، آپ دوڑ کر گئیں، اس آڑ کے نکل جانے پر آہستہ ہو گئیں، یہاں تک کہ مروہ تک گئیں، وہاں چڑھ کر بھی پانی نہ دیکھا، پھر صفا پر آئیں، اسی طرح سات چکر لگائے، ہر دفعہ درمیان میں دوڑ لگاتیں۔ حج میں صفا اور مروہ کی سعی انہیں کی یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی اہلیہ کی یہ ادا پسند آئی اور اسے حج میں لازم قرار دے دیا۔ سیدہ ہاجرہ نے یکا یک ایک مہیب آواز سنی اور بیٹے کی طرف دوڑ پڑیں۔ دیکھا کہ سیدنا اسمٰعیل رو رہے ہیں اور ایڑیاں زمین

پرگزر رہے ہیں، جس سے ایک ٹھنڈا میٹھا چشمہ جاری ہے۔ آپ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس کے گرد بنی بنا کر فرمانے لگیں: ماءزم زم۔ پانی میٹھا ہے۔ بعض نے کہا: ماءزم پانی بہت ہے۔ بعض نے کہا: بنی بناتے فرمار ہی تھیں: زم زم۔ ٹھہر جا! ٹھہر جا۔ بعض نے کہا: زمزمتہ زمزمتہ، ہمہمتہ گن گنا کر بولنے کو کہتے ہیں۔ آپ خوشی میں گنگناتی تھیں، اس لئے نام مشہور زمزم ہوگیا۔ اب آپ اطمینان سے رہنے لگیں اور یوں آبادی مکہ کا سبب بنیں۔

قبیلہ جرہم یمن کا باسی تھا۔ یمن میں قحط سالی ہوئی۔ تلاش معاش کے سلسلہ میں یہ قبیلہ یمن سے نکلا اور مقام کدی میں مقیم ہوا۔ دیکھا کچھ فاصلے پر پرندے اڑ رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے یہاں پانی ہوگا کہ پہلے کبھی یہاں پرندے اڑتے دکھائی نہیں دیئے۔ تحقیق کے لیے ایک نمائندہ بھیجا جو وہاں پہنچا اور دیکھا کہ ایک غیبی چشمہ ہے جس کے پاس ایک خاتون ایک معصوم بچے کو لیے بیٹھی ہے۔ اس کی اطلاع پر قبیلے کے سارے لوگ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہم السلام کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو وہ بھی یہاں ڈیرہ لگالیں۔ حضرت ہاجرہ بھی تنہائی سے پریشان رہتی تھیں، اجازت دے دی کہ صرف رہ سکتے ہیں پانی استعمال کر سکتے ہیں مگر حق صرف ہمارا ہی ہوگا۔ اس قبیلے نے یہ شرط منظور کر لی اور رہائش پذیر ہو گئے۔ اپنے دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی بلالیا، یہاں پر بھی خاصی بستی آباد ہوگئی۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اسی قبیلہ جرہم سے زبان عربی سیکھی۔ نہایت زکی، قابل، ہونہار جوان ہوئے۔ قبیلہ جرہم کے سردار نے اپنی بیٹی کو حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت ہاجرہ کی وفات پر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ۱۴ سال کی ہوگئی تھی۔ اس دوران اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، حضرت سارہ کے بطن سے بھی فرزند ہوئے جن کا نام اسحٰق رکھا گیا۔ حضرت سارہ نے اپنے بیٹے کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں اس عرصہ میں کچھ جوش غیرت بھی کم ہو گیا تب ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے فرمایا: اگر محسوس نہ کرو تو اسمٰعیل کو دیکھ آؤں۔؟ حضرت سارہ نے کہا: آپ چلے جائیں اپنے بیٹے سے ملاقات کرلیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ زمین پر قدم نہ رکھیں اور بہت دیر وہاں نہ ٹھہریں۔

حضرت سارہ کی طرف سے اجازت ملنے پر سیدنا خلیل علیہ السلام پھر دوبارہ مکہ تشریف لے گئے، یہاں آکر معلوم ہوا صاحبزادہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی ہے اور حضرت ہاجرہ وفات پا چکی ہے۔ تلاش کرتے ہوئے اسمٰعیل علیہ السلام کے دروازہ پر آئے۔ آپ اس وقت شکار کے لیے جنگل گئے ہوئے تھے۔ گزراوقات گوشت اور زمزم پر تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو کر دروازہ پر بلایا۔ گھر کے حالات اور گزراوقات کے متعلق پوچھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

''ہم پریشان حال ہیں، گزراوقات مشکل ہوتا ہے۔''

بہو کی ان شکایات پر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: شوہر سے ہمارا سلام کہنا اور یہ کہنا:

''دروازہ کی چوکھٹ بدل لو۔ ایسے ذی شان گھر کے لیے ایسی چوکھٹ مناسب نہیں۔''

شام کے وقت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے تو مکہ مکرمہ کی گلیوں میں نبوت کے برکات وانوار دیکھے سمجھ گئے میرے والد گرامی تشریف لائے ہوں گے۔ بیوی سے پوچھا: کوئی مہمان آیا تھا؟ اس نے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ فرمایا:

''وہ بزرگ میرے والد تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے، مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تجھے طلاق دے دوں تو اس گھر کے اہل نہیں۔''

بیوی کو طلاق دینے کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام نے بنو جرہم میں دوسرا نکاح فرمایا۔ پھر ایک مدت کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ اسی پہلی شرط پر مکہ آنے اور اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپ پھر تیسری مرتبہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ اسمٰعیل علیہ

السلام کے دروازہ پر پہنچ کر اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں معلوم کیا۔گھر سے پتہ چلا شکار پر ہیں۔نئی بہو نے دیکھتے ہی بسم اللہ پڑھی اور اندر آنے کی درخواست کی۔اندر تشریف لانے کی درخواست کی۔غریب خانہ میں قیام کی خواہش کی عرض کی:

''بابا جی آپ کے سر مبارک میں گرد و غبار ہے۔اجازت فرمائیں دھو دوں۔''

آپ نے فرمایا:

''مجھے سواری سے اترنے کی اجازت نہیں۔''

یہ مقدس خاتون ان کی بہو ایک پتھر اٹھا لائیں (اسے ہی مقام ابراہیم کہا جاتا ہے) اور سواری کے رکاب کے پاس رکھ کر عرض کی: یہاں قدم رکھ دیں سر مبارک نیچے جھکا دیں اس طرح آپ اپنے معاہدہ پر بھی قائم رہ سکیں گے اور مجھے خدمت کا موقعہ بھی مل جائے گا۔ سیدنا خلیل علیہ السلام اپنی بہو کی زکاوت سے بہت متاثر ہوئے۔بہو نے غسل کرایا۔نیاز مندی کا مظاہرہ کیا۔خلیل علیہ السلام متاثر ہوئے۔اس دوران آپ نے اپنی بہو سے گھر کے حالات پوچھے۔انہوں نے کہا: بہت اچھی زندگی گزر رہی ہے۔قدرت نے ہمیں کسی کا محتاج نہیں کیا۔میرے مقدس شوہر شکار لے آتے ہیں کھا لیتے ہیں۔زمزم پی لیتے ہیں۔آپ نے دعا فرمائی: اللہ تمہارے گوشت اور پانی میں برکت دے۔اس دعا کا اثر دیکھنے کے لیے منیٰ شریف سے قربان گاہ جایئے تو لاکھوں جانور ذبح شدہ پڑے ہیں۔گوشت لینے والا کوئی نہیں۔آپ نے فرمایا:

''اپنے شوہر سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا تمہاری چوکھٹ اچھی ہے۔اسے غنیمت جانو محفوظ رکھو۔''

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام شام واپس آئے۔اہلیہ نے سارا ماجرہ سنایا۔آپ نے فرمایا:

''وہ میرے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے جو تیرے بارے میں حکم دے گئے ہیں کہ تجھ سے حسن سلوک کروں تیرا ساتھ دوں۔''

حرم مکہ میں دو مرتبہ حاضری تو ہوئی مگر لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہو سکی۔محبت پدری نے پھر جوش مارا۔ حضرت سارہ سے فرمایا: میں پھر اسمٰعیل علیہ السلام کو ملنے جانا چاہتا ہوں۔پہلی دونوں ملاقات نہیں ہوئی۔حضرت سارہ نے غیر مشروط اجازت دے دی۔آپ نے پھر فلسطین سے حرم مکہ کا رخ کیا۔(تاریخ مکہ، صفحہ۴۲، جلد۱)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ پہنچے۔سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھا۔زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیروں کو درست فرماتے رہے تھے۔اس قدر طویل فراق کے بعد باپ بیٹے کی ملاقات کا انداز کچھ عجیب و غریب ہی ہوگا۔باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ فرزند بے اختیار اٹھے۔باپ نے گلے لگایا۔ماتھا چوما۔اس قدر روئے کہ پرندے ہوا میں رونے لگے اور وہاں کچھ قیام فرمایا۔ایک دن فرمایا: اے اسمٰعیل! رب قدوس نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر کروں۔چاہتا ہوں کہ یہ کام صرف اپنے ہاتھ سے کروں اور تم اس میں میری مدد کرو۔آپ نے عرض کی: بسر و چشم حاضر ہوں۔ابراہیم علیہ السلام نے پہلی ذیقعد کو تعمیر کعبہ شروع کی اسی ماہ کی ۲۵ تاریخ کو ختم فرما دی پھر آٹھویں ذی الحجہ کو خواب میں فرزند ذبح کرنے کا حکم ملا۔دسویں ذی الحجہ کو ذبح کا واقعہ پیش آیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا ہے ذبح کے وقت عمر ۱۳ سال نہیں تھی بلکہ زیادہ تھی واللہ اعلم۔ایک سو بیس برس کی عمر میں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا وصال ہوا۔والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کے پہلو میں حطیم کعبہ میں دفن ہوئے۔سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار نے تولیت کعبہ سنبھالی۔خدمت کعبہ کا اعزاز اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں رہا۔زمانہ گزر جانے پر بنو جرہم اور بنو اسمٰعیل میں اختلافات بڑھ گئے تو کسی طرح بنو جرہم نظام مکہ پر قابض ہو گئے اور بنو اسمٰعیل مکہ سے نکل کر قرب و جوار میں مقیم ہو گئے۔بنو جرہم کے مظالم سے لوگ تنگ آ گئے۔ ان کے خلاف تحریک چلی اور بنو جرہم کو مکہ سے نکال دیا گیا۔یہ لوگ مکہ مکرمہ کو چھوڑتے ہوئے چاہ زمزم کو تباہ کر گئے۔مکانات منہدم کر

دیئے۔تبرکات کوضائع کیا۔اس انقلاب کے ساتھ بنو اسمٰعیل کا مکمل غلبہ ہوگیا اور پھر نظام مکہ کو سنبھال لیا۔

(البدایہ والنہایہ،صفحہ ۲۴۰،جلد ۲)

زمزم کو بند پڑے عرصہ گزر گیا تھا۔جناب عبدالمطلب کا زمانہ آگیا۔آپ کو بذریعہ خواب زمزم شریف کھولنے کا حکم دیا گیا۔نشانات بتادیئے گئے۔خواب میں کسی نے کہا: احضر!برہ کھودو۔تو آپ نے پوچھا: برہ کیا ہے؟ تو خواب میں آنے والا غائب ہوگیا۔دوسری رات پھر کسی نے کہا: احضر!مفنونہ مفنونہ کھودو۔جناب عبدالمطلب نے پوچھا، آنے والا غائب ہوگیا۔تیسرے روز پھر یہی شخص ملا اور کہا: احضر!مفنونہ کھودو۔عبدالمطلب نے کہا: وہ کیا ہے؟ خواب میں آنے والا شخص پھر غائب ہو۔اگلے دن خواب میں پھر وہی شخص آیا اور کہا: احضر!زمزم زمزم کھودو۔عبدالمطلب نے پوچھا: زمزم کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

((لاتنزف ابدا))

''وہ کنواں ہے جس کا پانی ختم نہیں ہوگا۔''

((تسقی الجحیج الاعظم))

''لاتعداد حاجیوں کو سیراب کرتا ہے۔''

جب عبدالمطلب نے یہ خواب قریش کو سنائی تو انہوں نے مخالفت کی۔آپ نے مخالفت کی پروا کیے بغیر بتائی گئی جگہ کو کھودنا شروع کر دیا۔تین دن کی محنت شاقہ کے بعد کنوئیں کا کنارہ مل گیا۔عبدالمطلب نے اپنا مقصود پالیا۔یہیں سے بنو جرہم کا خزانہ بھی مل گیا۔جو انہوں نے مکہ مکرمہ سے جاتے ہوئے یہاں پھینک دیا تھا۔یہ خزانہ سونے کے دو ہرنوں، متعدد تلواروں اور قیمتی زرہوں پر مشتمل تھا۔قریش نے پھر جھگڑا کیا کہ ہمیں بھی حصہ دار بنایا جائے مگر عبدالمطلب نہ مانے۔متفقہ طور پر طے ہوا کہ بنی سعد کی کاہینہ کا فیصلہ سب کو تسلیم ہوگا۔حسب اتفاق عبدالمطلب سمیت متعدد افراد اس خاتون کے ہاں چلے، راستہ طویل تھا۔عبدالمطلب کے ہاں اپنا پانی ختم ہوگیا۔ان سے پانی مانگا انہوں نے زمزم میں حصہ دار بناتے نہیں ہو اور یہاں ہم سے پانی مانگتے ہو۔آپ پریشان ہوئے چلنے کے لیے اپنی اونٹنی کو اٹھایا تو نیچے چشمہ ظاہر ہوگیا، اس کمال کو دیکھ کر قریش نے ہتھیار ڈال دیئے۔

مجاہد بن یحییٰ بلخی فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک خراسان کا باشندہ رہتا تھا، وہ بڑا عابد زاہد شب زندہ دار شخص تھا۔دن کو قرآن پاک پڑھتا، ساری رات طواف کرتا، ساٹھ سال سے مقیم تھا، ایک اور صالح اور اس خراسانی کے درمیان دوستی تھی۔اس صالح مرد نے اپنے خراسانی دوست کو دس ہزار دینار بطور امانت دیئے اور سفر پر چلا گیا۔یہ سفر سے واپس پہنچا تو پتہ چلا اس کا خراسانی دوست فوت ہو چکا ہے، یہ اس کے وارثوں کے پاس گیا اور اپنی امانت مانگی۔انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس صالح شخص نے فقہاء مکہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: ہمیں امید ہے تیرا خراسانی دوست جنتی ہوگا تو آدھی رات کے بعد چشمہ زمزم پر جا کر اندر جھانک کر آواز دینا اور خراسانی میں امانت والا ہوں وہ تجھے جواب دے دے گا۔اس نے ایسا ہی کیا مگر چشمہ زمزم سے جواب نہ آیا۔سارا واقعہ علماء مکہ سے ذکر کیا۔انہوں نے افسوس کیا اور کہا: ڈر ہے تیرا دوست جہنمی ہے، اگر وہ جنتی ہوتا تو اس کی روح بھی یہاں ہوتی، اب تو یمن میں بئر بہوت کنوئیں پر جا کر اسی طرح بلا۔تیرا دوست جواب دے گا وہ کنواں جہنم کے کنارے پر ہے۔وہاں جہنمیوں کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔چنانچہ یہ یمن گئے، وہ بیر بہوت پر پہنچ کر آواز دی:

''اے خراسانی!میں صاحب امانت ہوں۔''

تو وہاں روحوں کو چیختے سنا۔ایک سے پوچھا: کیوں عذاب میں مبتلا ہو؟ اس نے کہا: میں ظالم تھا، حرام کھاتا تھا، ملک الموت

نے مجھے یہاں پھینک دیا ہے۔ دوسری روح نے کہا: میں عبدالملک بن مروان کی روح ہوں۔ ظلم کی وجہ سے یہاں عذاب میں ہوں۔ یہ مردصالح کہتے ہیں: میں نے تیسری آواز سنی، یہ میرے دوست کی تھی، میں نے پوچھا: یہاں کیسے تو عابد وزاہد تھا۔؟ خراسانی نے کہا: میری ایک معذور بہن تھی جس سے میں نے لاپرواہی اور قطع رحمی کی اسی وجہ سے ساری عبادات تباہ ہوگئیں اور مبتلا عذاب ہوں، اس نے پوچھا: میری امانت کہاں ہے۔؟ خراسانی نے کہا: میرے مکان کے فلاں کونے میں مدفون ہے، جا کر نکال لو۔ یہ مردصالح صبح کوخراسانی کے مکان پر گیا۔ وہاں سے دفینہ نکالا اور پھر یمن میں اس کی بہن کے پاس پہنچا۔ اس کی ضروریات پوری کیں، وہ خوش ہوگئی، یہ مردصالح واپس مکہ شریف آیا، پھر زمزم پر گیا، آواز دی، خراسانی نے جواب دیا کہ میں اب امن میں ہوں اور بہت سے نجات مل گئی، اب چشمہ زمزم پر ہوں۔

حطیم شریف:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((الحطیم الجدار))

''حطیم کا معنی دیوار کا ہے یعنی کعبہ کی دیوار۔''

ابتداء کعبہ شریف کی وسعت یہاں تک تھی، پھر قریش نے مالی کمزوری کے باعث کم کردی۔ امام ازرقی فرماتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو اسی مقام پر بٹھایا تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس دیوار کے بارے میں حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ یہ حصہ بیت اللہ شریف میں شامل ہے؟ فرمایا: ہاں شامل ہے۔ ام المومنین نے عرض کی: اسے داخل کعبہ کیوں نہ کرلیا گیا؟ جواباً فرمایا: حلال طیب رقم ناکافی ہونے کے باعث اس حصہ کو چھوڑ کر باقی تعمیر کر لی گئی۔''

ایک موقعہ پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دربار رسالت میں عرض کی: حضور! کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ حضور ﷺ نے ام المومنین کو حطیم میں لا کھڑا کیا اور فرمایا: جب جی چاہے یہاں نماز پڑھ لیا کرو! یہ کعبہ کا ہی حصہ ہے۔ (ترمذی، صفحہ: ۲۲۱، جلد ۱)

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:
''حطیم کے دروازہ پر ایک فرشتہ اعلان کررہا ہے: جس نے حطیم کعبہ میں دو نفل پڑھے اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔''
(تاریخ مکہ)

☆ ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہوکر حاضرین سے فرمایا میں اب جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوں۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا:
''میزاب کے نیچے کھڑے ہوکر کی گئی دعا قبول ہوتی ہے۔''

☆ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حطیم میں کھڑے ہوکر فرمایا:
''ایک مرتبہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے شدید گرمی کا شکوہ کیا، وحی آئی: اسمٰعیل! میں تیرے لیے جنت کے دو دروازے حطیم میں کھول دوں گا۔'' (اخبار مکہ، صفحہ: ۲۲۱)

☆ حطیم شریف کی مرمت وتجدید میں مندرجہ ذیل خوش نصیبوں نے اپنے اپنے وقت میں حصہ لیا:

خلیفہ ابو جعفر منصور۔	خلیفہ المہدی العباسی۔
خلیفہ المتوکل علی اللہ۔	خلیفہ المعتضد باللہ۔
وزیر جمال الدین جواد۔	خلیفہ الناصر العباسی۔
خلیفہ المستنصر۔	ملک مظفر۔
ملک الناصر۔	ملک اشرف علی۔
ملک الظاہر۔	القائد علاء الدین۔
امیر زین الدین سودون المحمدی۔	سلطان خمیق۔
سلطان قائتبائی۔	سلطان الغوری۔
سلطان سلیمان خاں۔	سلطان مراد خاں۔
سلطان عبدالمجید خاں۔	سلطان عبدالعزیز شریف حسین ابن علی۔
شاہ خالد بن سعود۔	

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم سیدنا اسمٰعیل علیہم السلام سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا، آبادی مکہ مکرمہ، زم زم شریف کے ذکر خیر کے ساتھ ہی سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر یہودیوں کی طرف سے ہونے والے بے جا اعتراض کا بھی تجزیہ کر لیا جائے۔ متعصب قسم کے یہود نے محض تعصب کی بنا پر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لونڈی کہا ہے۔ اس مسئلہ پر یہود نے زور اس لیے دیا ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو کنیز زادہ ثابت کر کے حضور سید عالم علیہ السلام کی شخصیت کو مطعون کر سکیں اور یہ بتایا جائے کہ سیدنا اسمٰعیل وراثت ابراہیمی میں برابر کے شریک نہیں۔ اسلامی کتب تو حریت ہاجرہ کے عنوان سے بھری پڑی ہیں یہاں مخالفین کے ہی چند حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

☆ عربی توراۃ پر حاشیہ نمبر ۱۶ اپشوق نمبر ۳ میں واضح موجود ہے کہ ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں نہ کہ لونڈی کہ ہاجرہ کی نسبت وہی لفظ آیا ہے جو حضرت سارہ کی نسبت تھا ایشا' (بیوی)۔

☆ عبرانی صحیفہ پریشلات ۱۶/۱ میں ہاجرہ کی نسبت لفظ ''شفحہ'' موجود ہے جس کا معنی خاندانی شخص، شہزادہ یا شہزادی کے ہیں۔

☆ تفسیر مسٹر ہارون، جلد ۳، صفحہ ۴ میں ہے:

''آپ کی دوسری بیوی ہاجرہ حرم کہلائیں۔''

یہودیوں کے عظیم مفسر توریت 'ابی شلوطو' کتاب پیدائش کی تفسیر میں حضرت ہاجرہ کی نسبت لکھتے ہیں:

((بث بوعه هايشا كثيرا نسيم شنعثه ساره مرتاب شيتها بئى شفحه بيت زه ولو كبيره بيت اخيره))

''وہ شہزادی تھی جب بادشاہ نے سارہ کی کرامت دیکھی تو بولا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں خادمہ ہونا دوسرے گھر میں ملکہ ہونے سے بہتر ہے۔'' (البراہیم الباہرہ فی حریت الہاجرہ، صفحہ ۲۲۲)

مفسر توراۃ کی اس واضح تحریر کے بعد اعتراض کی گنجائش تو نہیں تاہم قدرے مزید وضاحت ہے۔ عبرانی زبان میں غلام لونڈی کے لیے مختلف الفاظ موجود ہیں۔ جو غلام یا لونڈی جنگ سے بطور غنیمت ملے اسے ''شبوت'' کہتے ہیں جو رقم سے خریدا جائے اسے 'مقنت کئف'' کہتے ہیں۔ جو بچے غلام لونڈی سے پیدا ہوں انہیں 'یلید یایث'' کہتے ہیں۔ تمام عبرانی توراۃ میں سیدہ حاجرہ کے لیے کوئی ایک

لفظ بھی استعمال نہیں کیا گیا۔

سوال: عبرانی تورات میں موجود ہے: حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ سے ''امتی'' میری کنیز کہا ہے۔

جواب: متعدد بیویوں کا ایک دوسری کو ایسے لفظ استعمال کرنا حجت نہیں بن سکتا کہ ایک سوکن دوسری کو ناراضگی میں یہی کہتی ہے۔

☆ علامہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں ابن قتیبہ نے کتاب العارف میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ حران سے چل کر سرزمین اردن پہنچے تو یہاں صاروق نامی بادشاہ تھا جب اس نے بی بی سارہ پر دست درازی کا ارادہ کیا اور ناکام رہا تو اس نے سیدہ کی کرامت دیکھ کر اپنی بیٹی ہاجرہ کو ابراہیم کے حوالے کر دیا۔

☆ لفظ ہاجرہ عبرانی لفظ ''ہاغاز'' اجنبی بیگانہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، یہ فرعون مصر کی شاہزادی تھی۔ بادشاہ نے سارہ کی کرامت سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ کو ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے لیے وقف کر دیا۔ یہودی معتبر تاریخ سفر ایشاء میں ہے کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔

امام سہیلی نے ارض الانف میں لکھا ہے کہ سیدہ ہاجرہ مصر کے قبطی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی شہزادی تھیں۔

رکن یمانی:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ نے حجر اسود رکن یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا۔ رکن عراقی اور شامی کا استلام نہیں فرمایا۔ (بخاری، صفحہ ۲۱۶، جلد ۱) (مسلم، صفحہ ۴۱۲، جلد 1)

بیت اللہ شریف کے چاروں کونے ارکان کہلاتے ہیں۔ حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی۔

امام سہیلی فرماتے ہیں:

''یہ کونہ تعمیر کرنے والا ابی بن سالم یمانی تھا، اس لیے یہ یمانی مشہور ہوا۔ سیدنا خلیل علیہ السلام نے جو تعمیر فرمائی وہ ان چاروں ارکان پر مشتمل تھی اور آپ ہر کونے کا استلام فرماتے تھے۔ تعمیر قریش میں مالی کمی کے باعث یہ کونے شامل بیت اللہ نہ ہو سکے اور دیوار کر کے نشان قائم کیا گیا، اسی دیوار کو حطیم کہتے ہیں۔''

حضور سید عالم نے فرمایا:

''رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو شخص رکن پر پہنچ کر یہ دعا پڑھے:

((اللهم انى اسئلك العفو والعافية فى الدنيا والاخرة ربنا اتنا فى الدنيا حسنة وفى الاخرة حسنة وقنا عذاب النار))

تو یہ ستر فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔

۵۵۹ھ میں زلزلہ کے باعث رکن یمانی کو نقصان پہنچا جسے بعد میں مرمت کر دیا گیا۔

میزاب رحمت:

بیت اللہ شریف کی چھت کے پرنالہ کو میزاب رحمت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چھت کا پانی حطیم میں گرتا تھا۔ اس پرنالے کو متعدد مرتبہ تبدیل کیا گیا۔ ولید بن عبدالملک نے اولاً لکڑی پر چاندی چڑھائی پھر باہر اور سونا چڑھا دیا ۵۲۹ھ میں ابوالقاسم نے میزاب نصب کیا ۵۴۱ھ میں خلیفہ المکتفی باللہ نے خدمات انجام دیں ۷۸۱ھ میں سلطان احمد خان نے چاندی کا میزاب بھیجا۔ اس کے بعد سلطان عبدالمجید خان نے قسطنطنیہ میں سونے کا میزاب بنوایا ۱۲۷۶ھ میں رضا پاشا کے ہاتھ بھیج کر کعبہ شریف میں نصب کر دیا۔ یہی آج

تک موجود ہے۔ (تاریخ مکہ، صفحہ ۲۳۸، جلد ۲)

عظمت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام:

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان یہ مسئلہ بھی اختلافی پہلو رکھتا ہے کہ اسحاق و اسمٰعیل علیہم السلام میں عظمت کسے حاصل ہے اور اکلوتا بیٹا کون ہے۔ ہم تو قائل ہیں ہی عظمت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر توراۃ و زبور سے بھی ملتا ہے مثلاً:

اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ پیدائش ۱۱/۱۶ اس درس میں جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی عظمت کا ذکر ہے وہاں سیدہ ہاجرہ کا شرف بھی واضح ہے کہ آپ کی ملاقات فرشتہ سے ہوئی تھی اور فرشتہ عموماً حاضری میں رہتا تھا۔

دوسری جگہ اس طرح ذکر ہے:

''اور خداوند نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا: اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر۔!'' (۱۷/۲۱)

تیسری جگہ اس طرح ذکر ہے:

''اسمٰعیل علیہ السلام کا نام فرشتہ کے ذریعہ ان کی والدہ نے رکھا۔'' (پیدائش: ۱۱/۱۶)

یہ شرف سیدنا اسحاق علیہ السلام کو حاصل نہیں۔

چوتھی جگہ اس طرح ہے:

''اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری دعا سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بنا دوں گا۔'' (پیدائش ۱۷/۰)

پانچویں جگہ پر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر اس طرح موجود ہے اور ''اسمٰعیل سے عماسا پیدا ہوا اور عماسا کا باپ اسمٰعیل تھا۔'' (تواریخ ۲/۱۷)

اس درس کو بغور دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسحاقیوں کی بیٹیاں اسمٰعیلیوں کے گھر تھیں۔

پانچویں جگہ پر اسحاق و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کا ذکر خیر اس طرح ہے اور اس کے بیٹے اسحاق اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کا ذکر خیر اس طرح ہے:

''اور اس کے بیٹے اسحاق اور اسمٰعیل علیہما السلام نے مکفیلہ کے غار میں جو مرے کے سامنے حتی صحر کے بیٹے عفرون کے کھیت میں ہے اسے دفن کیا۔ (پیدائش: ۹/۲۵)

اس درس سے ثابت ہے دونوں بیٹے باپ کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ بنی اسرائیل کا اسمٰعیل علیہ السلام کو الگ کرنا عظیم ظلم ہے۔

ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام ہیں:

ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان یہ ایک مسئلہ بھی متنازعہ فیہ ہے کہ ذبیح اسمٰعیل ہیں یا اسحٰق علیہ السلام۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ ذبیح اسحاق ہیں مگر ہمارا موقف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس عنوان پر صرف توراۃ ہی کے حوالوں پر اکتفا مناسب سمجھتا ہوں۔

ایک جگہ اور اس طرح درج ہے:

''خداوند کریم فرماتا ہے: چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا، اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا۔'' (پیدائش:۱۶/۲۲)

اس درس سے واضح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ اب اکلوتا بیٹا کون ہے اسمٰعیل یا اسحٰق علیہ السلام؟ آنے والے دو درسوں سے یہ واضح ہے۔

دوسری جگہ پر ہے:

''جب ابراہام سے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابراہام کی عمر چھیاسی برس کی تھی۔'' (پیدائش:۱۶/۱۶)

تیسری جگہ پر یوں ہے:

''اور اس کا بیٹا اضحٰق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔'' (پیدائش:۲۱/۲۵)

دوسرے اور تیسرے حوالے کو بغور دیکھنے سے مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ اکلوتے اسمٰعیل ہیں جو ۸۶ برس کی عمر میں سیدنا ابراہیم کو عطا ہوئے اور اسحاق سو برس کی عمر میں ملے۔ نیز ذبح کے نشانات بھی مکہ میں ہی پائے جاتے ہیں۔ قربانی کی سنت بھی یہی دلالت کر رہی ہے کہ مذبح مکہ تھا۔

چوتھی جگہ پر اس طرح ہے:

''مدیاں اور عیفا کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور میں اپنے شوکت والے گھر کو جلال بخشوں گا۔'' (یعیا:۶۰/۶۰۰)

شوکت کے گھر سے مراد بیت اللہ شریف ہے۔ مدیان اور عیفا اسماعیل علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ قیدار اسماعیل علیہ السلام تھے جن کی یادگار ان کی اولاد میں آج تک قائم ہے۔

''یہ قصہ مقام موریاہ میں ہوا۔'' (پیدائش:۲۲/۲)

موریاہ مروہ کا دوسرا نام ہے۔

پانچویں جگہ پر اس طرح ہے:

''اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی۔'' (پیدائش:۲۲/۱۷)

یہ واضح ہے کہ بنی اسرائیل ہمیشہ دشمنوں سے مغلوب رہے۔ فرعون نے عذاب میں رکھا۔ فقح بن املیا نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار اسرائیلی قتل کیے۔ (۲ تواریخ ۶/۲۸)

بخت نصر نے توراۃ جلائی، طیطیس نے یروشلم میں ۳۰ لاکھ اسرائیلی تباہ کیے، دقیانوس نے تباہی مچائی۔ بحمد تعالیٰ اسماعیلی ہمیشہ غالب ہے۔ تاریخ میں ہونے والی جنگوں کا جائزہ لیں۔

کعبۃ اللہ کے ملحقات:

کعبہ معظمہ کے چار رکن یعنی کونے ہیں۔

۱۔ رکن حجر اسود:۔ بیت اللہ کا وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے، یہ کعبہ معظمہ کے جنوب مشرقی کونے میں چاندی کے حلقے میں گڑا ہوا ہے۔

۲۔ رکن عراقی:۔ بیت اللہ کا شمال مشرقی گوشہ جو عراق کی جانب واقع ہے۔

۳۔ رکن شامی:۔ بیت اللہ کا شمال مغربی گوشہ جو شام کی طرف واقع ہے۔
۴۔ رکن یمانی:۔ بیت اللہ کا جنوب مغربی گوشہ جو یمن کی جانب واقع ہے۔

شاذروان:

شاذروان سے مراد کعبہ معظمہ کی دیوار کے نچلے حصہ میں اُبھرا ہوا منڈیر نما حصہ ہے۔ یہ کعبہ کا حصہ نہیں ہے۔ البتہ حطیم کی سمت اُبھری ہوئی پٹی کعبہ کا حصہ ہے۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی تعمیر کرائی تھی تا کہ دیواروں کی بنیادوں میں پانی سرایت نہ کرے۔

اس کی دوسری حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں پیتل کے کڑے گاڑ دیئے گئے ہیں جن سے غلاف کعبہ بندھا رہتا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلاف کعبہ لوگوں کی رگڑ سے محفوظ رہے اور اژدھام میں طواف کرنے والوں کے جسم بھی کعبہ معظمہ کی دیواروں سے مجروح نہ ہوں۔

حجر اسود:

ایک مقدس اور متبرک پتھر ہے۔ اس کو نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ سے قبل بے شمار انبیاء کرام اور صالح لوگوں نے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے مس کیا ہے۔ اس کا استلام کرنا اللہ تعالیٰ سے قربت کی ایک نشانی ہے۔ اس کو اسی تصور کے ساتھ بوسہ دینا چاہیے۔ اس کو نافع یا ضار نہ سمجھنا چاہئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

((اِنِّی لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنفَعُ وَلَوْ لَا اَنِّی رَأَیْتُ النَّبِیَّ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ))

(صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)

''میں جانتا ہوں تو صرف ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اگر میں نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے غلط عقائد کی راہ بند کردی۔ یہ عمل چونکہ اللہ کے لئے ہے اس لئے اگر معاذ اللہ کسی وقت حجر اسود نہ رہے تب بھی اس مقام پر وہ تمام اعمال بجالائے جائیں گے جو اب ادا کیے جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان الحجر الاسود نزل من الجنة اشد بیاضًا من اللبن فسودته خطایا بنی اٰدم))

(الترغیب والترہیب کتاب الحج)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ حجر اسود کے سامنے تشریف لے گئے، پھر اپنے دونوں مبارک ہونٹ اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو حضرت عمر ﷺ بھی کھڑے رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! یہی وہ مقام ہے جہاں آنسو بہانے چاہئیں۔''

(ابن ماجہ، ابواب المناسک، باب استلام الحجر)

ایک روایت میں حجر اسود کو یمین اللہ یعنی اللہ کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان اس پتھر کے ساتھ جو ایک خاص عظمت واحترام کا معاملہ کرتے ہیں وہ درحقیقت اسی حیثیت سے ہے کہ یہ گویا اللہ کا ہاتھ ہے، ورنہ ذاتی حیثیت سے اس کا درجہ ایک پتھر سے بڑھ کر اور کچھ نہیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھی (بوسہ واشارہ) کیا جاتا ہے سب اتباع سنت رسول اور شریعت کے حکم کی تعمیل ہے۔

۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرامطی نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، بیسیوں حاجیوں کو قتل کیا، میزاب رحمت اور کعبہ معظمہ کے دروازہ کو اکھیڑ ڈالا اور حجر اسود کو نکال کر اپنے ساتھ لے گیا جو بیس سال کے بعد دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجر اسود جنت سے اتارا گیا، دودھ سے زیادہ سفید تھا، انسانوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا، یہ آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی اتارا گیا۔ آدم علیہ السلام حجر اسود سے مانوس تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا دست قدرت ہے، جس کے ساتھ اپنی مخلوق سے مصافحہ فرمایا ہے۔ مسلمان اس کے پاس جو بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ نواز دیتا ہے۔

حرم کعبہ میں قرامطہ کی خونریز تباہی میں یہ واقعہ بھی پیش آیا۔ ابوطاہر قرامطی نے ابوحلاج سے کہا کہ وہ حجر اسود کو دیوار کعبہ سے نکال دے۔ چنانچہ اس نے ۷ا۳ھ، ۱۴ ذی الحجہ کو پتھر نکالا اور مقام ہجر لے گیا۔ ۲۲ سال تک یہ مبارک پتھر وہاں رہا۔ فاطمی خلیفہ منصور بن قاسم نے اسے لکھا کہ پتھر واپس کر دے مگر وہ نہ مانا، پھر ۵۰ ہزار کی رقم کی پیشکش کی مگر نہ مانا، ابوطاہر بیمار رہا جسم خراب ہو گیا، کیڑے پڑ گئے، اس کی موت پر یہ گروہ ناکام ہو گیا تو ۳۳۹ھ میں حسین قرامطی اس پتھر کو واپس لایا اور امیر مکہ ابوجعفر کو پیش کیا۔ حسن بن مرزوق نے اس پتھر کو اس جگہ پر لگا دیا۔ (علم الاعلام، مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو درج ذیل خصوصیات عطا فرمائی ہیں:

پانی میں ڈالا جائے تو ڈوبے گا نہیں۔

آگ میں ڈالا جائے تو گرام نہیں ہوگا۔

اس کا مس کرنا گناہوں کو مٹاتا ہے۔

اعلان نبوت سے پہلے بھی یہ پتھر حضور کو سلام کہتا تھا۔

اس پتھر کو پھر ایک مرتبہ اپنی اصلی شکل پر کر دیا جائے گا۔

قیامت کے دن اس کا حجم جبل ابی قبیس جتنا ہوگا۔

دارمی نے سیدنا ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود کو اٹھائے گا۔ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جس سے دیکھے گا۔ زبان ہوگی جس سے بولے گا اور اپنے استلام کرنے والے کے حق میں گواہی دے گا۔''

کعبہ انور کا صدیوں سے جوں کا توں چلے آنا، حوادث زمانہ کا ختم کرنے میں ناکام رہنا، نشانات میں سے ہے۔

باب کعبہ:

بیت اللہ کے مشرقی گوشے سے متصل کعبہ کا دروازہ ہے جو بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قریش کی تعمیر سے پہلے اس کے مقابل مغربی جانب دوسرا دروازہ بھی تھا مگر قریش نے اپنی تعمیر میں نہیں بنایا۔ کعبہ معظمہ کے دروازہ کی کرسی وہی ہے جو بیت اللہ کے اندر فرش کی سی ہے اور یہ کرسی بیت اللہ کے بیرونی صحن کی کرسی سے قد آدم سے زیادہ بلند ہے۔ کعبہ کا دروازہ عموماً بند رہتا ہے، خاص خاص موقعوں پر کھولا جاتا ہے اور اندر جانے کے لئے سیڑھی لگائی جاتی ہے۔

مُلتزم:

کعبہ معظمہ کا وہ حصہ جو حجر اسود اور کعبہ معظمہ کے دروازے کے درمیان ہے ملتزم کہلاتا ہے یہ حصہ تقریباً دو میٹر ہے۔ ملتزم کے معنی

ہیں: لپٹنے کی جگہ۔ لوگ اس سے لپٹتے ہیں۔ یہ انتہائی متبرک مقام ہے اور بہت ہی زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ یہ قبولیتِ دعا کی بڑی اہم جگہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا دَعَا اَحَدٌ بِشَيْءٍ فِيْ هٰذَا الْمُلْتَزَمِ اِلَّا اسْتُجِيْبَ لَہٗ))

''میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ اس ملتزم پر جس نے جو دعا کی اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔''

حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کا قول ہے کہ جس آدمی نے ملتزم کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ پیدائش والے دن گناہوں سے پاک تھا۔
(الکفایہ مع فتح القدیر، جلد ۲ صفحہ ۴۰۰)

یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دوسروں کو اذیت پہنچائے بغیر جب بھی کسی کو موقع ملے تو اس مقام پر سنت یہ ہے کہ بیت اللہ کی دیوار سے اس طرح چمٹ کر دعائیں کرے کہ رخسار، سینہ اور ہاتھ چمٹے ہوئے ہوں۔

میزابِ رحمت:

میزاب ایک پرنالہ ہے جو کعبہ کی چھت میں لگا ہوا ہے اس کے ذریعے بارش یا چھت کی دھلائی کا پانی حطیم کی سمت گرتا ہے۔ کعبہ معظمہ کی ابراہیمی تعمیر میں چھت نہیں تھی، قریش نے جب اس کی از سرِ نو تعمیر کی تو اس پر مضبوط اور عمدہ لکڑی کی چھت بھی ڈالی اور اس میں باقاعدہ ایک پرنالہ بھی نصب کیا، ورنہ اس سے پہلے نہ چھت تھی اور نہ ہی پرنالہ۔ اب اوپر نیچے دو چھتیں ہیں۔ چھت میں ۱۱۔۲۷×۴ میٹر طول و عرض کا ایک سوراخ ہے، اس پر شیشے کا ایک مضبوط ڈھکنا ہے۔ جہاں سے کعبہ معظمہ کے اندر طبعی روشنی آتی ہے۔ جب کعبہ معظمہ کو غسل دیا جاتا ہے یا غلافِ کعبہ تبدیل کیا جاتا ہے تو یہ ڈھکنا اُٹھا دیا جاتا ہے اور کعبہ معظمہ کے اندرونی سیڑھیوں سے چڑھ کر اور اس سوراخ سے گزر کر چھت پر آمد و رفت ہوتی ہے۔ پہلے یہ سیڑھی لکڑی کی تھی اب اس کے بجائے مضبوط المونیم کی ۵۰ گول سیڑھیاں بنادی گئی ہیں۔

ابتداء میں پرنالہ پتھر یا لکڑی کا ہوتا تھا بعد میں لکڑی پر سونا چڑھا دیا گیا اور پانی کی گزرگاہ پر قلعی اور باہر کی جانب چاندی چڑھائی گئی۔ پھر سلطان عبدالمجید خان بن سلطان محمود خان عثمانی نے قسطنطنیہ میں سونے کا میزاب تیار کرایا اور ۱۲۷۳ھ میں رضا پاشا کے ذریعے اسے کعبہ معظمہ کی زینت بنایا۔ میزاب کے کناروں پر چاندی کی کیلیں لگائی گئیں تاکہ کبوتر میزاب پر نہ بیٹھیں۔

۱۴۱۷ھ میں جب کعبہ کی تجدید ہوئی تو میزابِ رحمت کو سابقہ طول و عرض کے مطابق از سرِ نو تیار کیا گیا۔ اس کے آگے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور یا اللہ تحریر ہے اور اس کی بائیں جانب یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((جدد هذا الميزاب خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبدالعزيز آل سعود المملكة العربية السعوديه))

''اس پرنالہ کی اصلاح و تجدید سعودی فرمانروا خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود نے کرائی۔''

حطیم:

کعبہ معظمہ سے متصل تین میٹر حصہ کو اور اس کے بعد نصف دائرے کی صورت میں جو جگہ ہے اسے حطیم کہتے ہیں۔ کبھی حطیم نصف دائرہ اور حجر اسماعیل کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں۔ ایک مشہور قول کے مطابق یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی

قبریں ہیں۔

حطیم میں کعبہ معظمہ کی دیوار سے متصل تین میٹر فرش دراصل کعبہ کے اندر کا جزو ہے جو قریش سے پہلے کی تعمیر میں شامل تھا مگر قریش نے حلال روپیہ کی کمی کی وجہ سے اس حصہ کو باہر کر دیا تھا۔ حطیم کے اس تین میٹر والے حصہ میں نماز پڑھنا گویا کعبہ معظمہ کے اندر نماز پڑھنا ہے۔ جسے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا شوق ہو وہ حطیم کے اس حصہ میں نماز پڑھ لے جو کعبہ کی دیوار کے قریب ہے۔

حطیم کو حطیم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہاں لوگ قسموں کے لئے ہجوم کیا کرتے تھے۔ عام لوگ حطیم یعنی نصف دائرے کے اندر ساری جگہ کو کعبہ کا جزء سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ خیال غلط ہے، نہ تو ساری حطیم کعبہ کا جزء ہے اور نہ ہی ساری حطیم کعبہ سے باہر ہے، بلکہ کعبہ کی دیوار سے متصل تین میٹر حصہ یقیناً کعبہ ہی کا جزء ہے۔ اس کے بعد بقیہ حطیم کعبہ سے باہر ہے لیکن طواف سارے حطیم کے باہر سے ہی کیا جائے گا، جو حطیم کے اندر سے طواف کرے گا اس کا طواف نہیں ہوگا۔

غلافِ کعبہ:

کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھانے کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ جیسی واجب التعظیم عبادت گاہ کی ظاہری زیب و زینت کے ساتھ ساتھ اسے خارجی اثرات ہوا، مٹی، دھوپ اور پانی وغیرہ سے محفوظ رکھا جاسکے۔

کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھانے کی رسم بہت پرانی ہے۔ ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے غلاف چڑھایا تھا اور بعض روایات کے مطابق ظہورِ اسلام سے سات سو برس قبل یمن کے حکمران اسعد حمیری تبع نے سب سے پہلے اس پر غلاف چڑھایا۔ زمانۂ جاہلیت میں کعبہ معظمہ پر مختلف اقسام کے غلاف چڑھائے جاتے تھے جو ٹاٹ، چمڑے اور دیباج وغیرہ سے تیار کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس دور میں اس پر قربانی کے جانوروں پر ڈالے جانے والے کمبل، چادریں، یمنی کپڑے کی جھالریں اور ریشمی و اُونی چادریں بھی لٹکا دی جاتی تھیں۔ خالد بن جعفر بن کلاب نے کعبہ معظمہ پر پہلی مرتبہ دیباج کا غلاف چڑھایا۔

اسلام کی تاریخ میں فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یمن کا تیار کیا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف چڑھایا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصری کپڑے قباطی کا غلاف تیار کرایا گیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور ہر سال قباطی کپڑے کا نیا غلاف چڑھاتے تھے۔ جبکہ پرانے غلاف کو اُتار کر اس کے ٹکڑے حجاج کرام میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سال میں دو مرتبہ مصر سے غلاف تیار کراتے اور پہلے غلاف کو اُتارے بغیر نیا غلاف اس پر چڑھا دیتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیباج اور یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف شیبہ بن عثمان کلید بردار کعبہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ پرانا غلاف اتار کر اور کعبہ کی دیواروں کو معطر کر کے اس پر نیا غلاف چڑھایا جائے۔ موصوف ۸/ذی الحجہ کو سرخ دیباج کا غلاف چڑھاتے تھے اور حجاج کے چلے جانے کے بعد دس محرم کو اس غلاف کو ازار پہناتے۔ پھر ۲۷/رمضان المبارک کو قباطی کا غلاف چڑھاتے تھے۔

یزید بن معاویہ (ملعون) نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا اور کعبہ معظمہ کی خدمت کے لئے غلام بھی مقرر کئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور حجاج بن یوسف نے دیباج کے غلاف چڑھائے۔ اُموی خلفاء اپنے پورے دور میں اس پر ہر سال دو مرتبہ غلاف چڑھاتے رہے۔

خلفائے بنو عباس تقریباً پانچ سو برس تک ہر سال بغداد سے غلاف روانہ کیا کرتے تھے۔ ان کے زوال کے بعد مصر اور یمن سے

غلاف آنا شروع ہو گئے ۔ یہ غلاف سرخ، سفید، سیاہ اور سبز رنگوں کے ہوتے تھے ۔ ناصر عباسی نے سیاہ رنگ کا سوتی غلاف چڑھایا جس کے بعد اب تک کالے رنگ کا ہی غلاف چڑھایا جا رہا ہے۔

۷۵۰ھ میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے غلاف کی تیاری پر اٹھنے والے مصارف کے لئے قاہرہ کے نواح میں ایک گاؤں وقف کر دیا۔ پھر سلطان اسماعیل قلاوون نے تین گاؤں کی آمدنی غلاف کعبہ کے لئے وقف کر دی۔ سلطان سلیم خان عثمانی ترکی نے اس وقف شدہ زمین میں مزید سات گاؤں کا اضافہ کیا۔ محمد علی پاشا نے اس کارخیر کے لئے حکومت کی نگرانی میں ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا جس کے ماتحت مصری حکومت ہر سال غلاف تیار کر کے بھیجتی رہی۔

مصر سے غلاف کی روانگی کے موقع پر بہت اہتمام کیا جاتا۔ غلاف کو محمل میں رکھ کر رسومات ادا کی جاتیں اور جلوس نکالا جاتا تھا اور جب غلاف مکہ مکرمہ پہنچتا تو اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ بعض دیگر وجوہ اور غلاف بھیجنے کے موقع پر جاہلانہ رسوم کی شمولیت کی وجہ سے سعودی عرب سے مصر کے اختلافات بڑھ گئے تو مصر سے غلاف آنا بند ہو گیا۔

شاہ عبدالعزیز نے غلاف کی تیاری کے لئے ۱۳۴۶ھ میں مکہ مکرمہ میں مستقل ایک کارخانہ تیار کرایا اور ۱۳۵۵ھ تک اسی کارخانہ کا تیار شدہ غلاف چڑھایا جاتا رہا۔ ۱۳۵۵ھ میں سعودی اور مصری دونوں حکومتوں کے مابین اختلافات ختم ہو گئے تو پھر مصر سے دوبارہ غلاف آنا شروع ہو گیا۔

۱۳۸۱ھ میں پھر یہ سلسلہ رک گیا تو سعودی حکومت نے اسی کارخانہ میں غلاف کی تیاری شروع کر دی جس سے ہر سال کعبہ معظمہ کو مزین کیا جاتا ہے۔ اس کارخانہ میں کعبہ معظمہ کے اندرونی غلاف، حجرہ شریفہ (مدینہ منورہ) کے پردے اور مملکت سعودیہ کے جھنڈے اور سرکاری مہمانوں کے تحائف کیلئے خوبصورت ٹکڑے بھی تیار کیے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ۱۹۶۲ء میں غلاف کعبہ تیار کرنے کی سعادت پاکستان کو بھی حاصل ہوئی تھی۔ جماعت اسلامی نے غلاف کی تیاری کی ذمہ داری اٹھائی۔ جب غلاف بحسن وخوبی تیار ہو گیا تو اسے کراچی سے پشاور تک بذریعہ ریل گاڑی لے جایا گیا ہر چھوٹے بڑے اسٹیشن پر عقیدت مند جہالت کے نشے میں مخمور حدودِ شریعت کو پامال کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں سعودی حکومت نے یہ غلاف چڑھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

غلاف کعبہ تقریباً ۶۷۰ کلوگرام عمدہ اور خالص ریشم سے تیار کیا جاتا ہے جو سینتالیس (۴۷) ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ۱۴۰ھ سے غلاف پر لکھائی شروع ہوئی تھی جو آج تک جاری ہے۔ غلاف کے چاروں اطراف میں سورۃ الاخلاص اور حج سے متعلق آیات اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام سونے اور چاندی کی تاروں سے کڑھائی کیے جاتے ہیں۔ غلاف کعبہ پر تحریر شدہ آیات، اسمائے الٰہیہ اور سائز وغیرہ میں کبھی کبھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کعبہ کے دروازے کا پردہ بھی غلاف ہی کا حصہ ہے جسے برقع بھی کہتے ہیں۔ مگر اپنی آرائش وزیبائش میں باقی غلاف سے ممتاز ہوتا ہے۔

اس پر سورۃ الفاتحہ، سورۃ القریش، سورۃ الاخلاص اور مختلف آیات لکھی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ پردہ کے کناروں پر چھوٹے گول دائروں میں ''اللہ ربی'' آٹھ مرتبہ اور درمیان میں تین جگہ گول دائروں میں ''حسبی اللہ'' لکھا ہوا ہے۔

مقام ابراہیم:

قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا ہے:

((وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی))

''تم ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بنالو۔'' (البقرہ:۱۲۵)

سورۃ آل عمران میں بیت اللہ کے حوالے سے فرمایا گیا:

((فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ))

''اس میں بہت سی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے۔'' (آل عمران:۹۷)

پہلی آیت میں بیت اللہ کو مصلّٰی کے لفظ سے جو تعبیر فرمایا ہے تو اس سے اس گھر کے اصل مقصد تعمیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ نماز کا مرکز ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جوارِ رحمت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بساتے وقت دعا بھی یہی کی تھی:

((ربنا ليقيموا الصلوٰة)) (ابراهيم ۳۷)

''اے رب! میں نے ان کو اس لئے یہاں بسایا ہے تا کہ یہ نماز قائم کریں۔''

مقامِ ابراہیم کے بارے میں علمائے تفسیر کے دو قول منقول ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک اس سے مراد وہ پتھر ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، دوسرے گروہ (جس میں عبداللہ بن عباس، مجاہد اور عطاء جیسے اکابر علمائے تفسیر شامل ہیں) کے نزدیک اس سے مراد حرم کا پورا علاقہ ہے۔ اس گروہ نے مقام کے لفظ کو کسی مخصوص کھڑے ہونے کی جگہ کے بجائے مسکن و مستقر کے مفہوم میں لیا ہے۔ اس تاویل میں وسعت و جامعیت کے ساتھ ساتھ خاص اہمیت رکھنے والا پہلو یہ ہے کہ نظم کلام کے اعتبار سے یہ اس مقصد کو زیادہ واضح کرنے والی ہے جس کے لئے یہ بات یہاں کہی گئی ہے۔ یہاں یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ یہی گھر تمام اولادِ ابراہیم کا قبلہ رہا ہے اس لئے کہ یہی گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے اس مستقر میں تعمیر کیا جس میں ہجرت کے بعد انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ سکونت اختیار کی، لیکن جمہور علماء کے نزدیک پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ان دونوں قولوں میں تطبیق ممکن ہے کہ آخر وہ پتھر بھی تو مسکنِ ابراہیم میں ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کرام نے طواف کے بعد دو رکعت نماز کی ادائیگی کو پورے حرم (مکہ مکرمہ) میں جائز قرار دیا ہے۔

بہر حال مشہور قول کے مطابق یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر کی تھی۔ یہ پتھر فتح مکہ سے پہلے کعبہ معظمہ کے اندر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اسے کعبہ کے متصل نصب کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پتھر فتح مکہ سے پہلے کعبہ کی دیوار کے قریب اس گڑھے میں رکھا تھا جس کو معجن کہتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد موجودہ جگہ میں حجر اسود سے تقریباً ۱۴ میٹر کے فاصلہ پر منتقل کر دیا گیا۔

مقامِ ابراہیم پہلے مطاف سے باہر تھا شاید اس لئے کہ طوافِ کعبہ کی صورت میں ایک پتھر کا طواف نہ ہو اور اس کی تعظیم ایسی نہ ہو جو بت پرستوں کے عمل سے مشابہت رکھتی ہو۔ مگر اب مطاف میں توسیع کی وجہ سے یہ پتھر مطاف کے اندر ہو گیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب پتھروں کو پوجتے تھے لیکن کسی نے بھی حجر اسود یا مقام ابراہیم کی پرستش نہیں کی باوجودیکہ ان کے دلوں میں ان دونوں پتھروں کی عظمت جاگزیں تھی گویا اللہ تعالیٰ نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کو ہر قسم کی پرستش و پوجا سے محفوظ رکھا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور ۱۷ھ میں مکہ مکرمہ میں ایک تباہ کن سیلاب آیا جو ام نہشل کے نام سے مشہور تھا کیونکہ اس سیلاب میں اُم نہشل بنت عبیدہ بن سعید بن العاص ڈوب گئی تھیں۔ یہ پہلا سیلاب مقام ابراہیم کو بھی بہا کر لے گیا جسے بڑی تگ ودو کے بعد تلاش کر لیا گیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے تشریف لائے اور تحقیق کے بعد اسے اپنے دست مبارک سے اس جگہ پر نصب کر دیا اور آج تک وہیں نصب ہے۔

اس پتھر کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی چمک اور نورانیت کو ختم نہ کیا ہوتا تو وہ مشرق سے مغرب تک ہر چیز کو منور کر دیتے۔

مقام ابراہیم ان مقامات میں سے ایک مقام ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک واضح نشانی ہے۔ صدیوں سے یہ پتھر باقی ہے اور اس پر ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشانات بھی محفوظ ہیں۔ مسلم خلفاء نے اپنے اپنے دور میں مقام ابراہیم کی حفاظت اور اس کی زیبائش و آرائش پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ پہلے مقام ابراہیم کو چاندی کے ایک صندوق میں محفوظ کر کے اس کے اوپر ۳×۶ = ۱۸ مربع میٹر کا ایک گنبد نما کمرہ بنا دیا گیا۔ ۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے طواف کرنے والوں کی تکلیف کے پیش نظر پہلے مقام ابراہیم کو مطاف سے باہر منتقل کرنے کا ارادہ کیا لیکن علماء کرام کی مخالفت کے پیش نظر حکومت نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں حکومت نے اس کمرہ کو ختم کر کے مقام ابراہیم کو شیشے کے ایک خول میں محفوظ کر دیا جس کے گرد لوہے کی مضبوط جالی لگا دی گئی اور اس کو سنگ مرمر کے ایک بڑے پتھر میں نصب کر دیا گیا۔ ۱۴۱۸ھ میں خادم حرمین شریفین کے فرمان کے مطابق اس خول کی تجدید کی گئی۔ پیتل کی دھات سے نیا خول بنا کر اندرونی جالی کو سونے کی پالش کی گئی اور بیرونی جانب شفاف اور مضبوط شیشہ نصب کیا گیا۔ اس شیشے کی خوبی یہ ہے کہ شدید حرارت کو برداشت کرتا ہے۔

مسجد حرام:

قرآن مجید میں مسجد حرام کا ذکر مختلف مفاہیم میں آیا ہے۔ کبھی اس سے مراد صرف کعبہ معظمہ ہے اور کبھی کعبہ معظمہ اور مسجد حرام دونوں ہیں۔ یہی مفہوم عام اور مشہور ہے۔ کبھی اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور کبھی سارے حرم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا))(التوبہ:۲۸)

''اے ایمان والو! مشرکین بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی پھٹکنے نہ پائیں۔''

اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے یعنی حدود حرم کے اندر مشرکین کا داخلہ ممنوع ہے۔

((اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ))(الحج:۲۵)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ اور مسجد حرام سے جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے۔ اس میں برابر ہیں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے۔''

اس آیت میں مسجد حرام سے مکہ مکرمہ ہے:

((وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ))

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا۔'' البقرہ:۲۱۷)

یہاں مسجد حرام سے کعبہ معظمہ مراد ہے:

((ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطرهٗ))(البقرہ:۱۵۰)

''اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو اپنے رُخ اسی طرف کیا کرو۔''

یہاں مسجد حرام سے کعبہ معظمہ اور مسجد دونوں مراد ہیں۔ بہر حال جب مسجد حرام کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد کعبہ معظمہ، مطاف اور مسجد کی وہ ساری توسیعات ہوتی ہیں جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے اب تک مختلف ادوار میں ہوتی رہی ہیں۔ نیز مسجد حرام کے اطلاق میں وہ صحن بھی شامل ہیں جو مسجد کے اردگرد نماز کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔

مسجد حرام کے معنی ہیں: حرمت، تقدس اور عظمت و شرافت والی مسجد۔ یہ مسجد چونکہ دنیا کی تمام مساجد کی ماں (اُم المساجد)، تمام عقیدتوں کا مرکز اور دنیا کی سب سے پہلی اور قدیم مسجد ہے، اسی لیے اس کی فضیلت و حرمت بھی سب سے زیادہ ہے اس میں ادا کی جانے والی نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

مسجد حرام کی تاریخ:

مکہ مکرمہ کی اس مقدس عبادت گاہ میں کعبہ، زمزم اور مقامِ ابراہیم شامل ہیں۔ مطاف کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان ہیں، یہ دالان دو تعمیروں کے ہیں۔ ایک ترکی تعمیر جو کہ ایک منزلہ ہے اور اس کے اوپر چھوٹے چھوٹے بے شمار قبے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کی حد صرف اتنی تھی جو اس وقت نصف مطاف کی ہے۔ اس وقت حرم کے احاطہ کی دیوار بھی نہیں تھی بلکہ چاروں طرف مکانات تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آس پاس کے یہ مکانات خرید کر منہدم کرا دیئے اور ان کی زمین کو مسجد میں شامل کر دیا۔ یہ پہلا اضافہ ہے جو ۱۷ھ میں بغرض توسیع مسجد حرام میں کیا گیا۔

سیدنا عثمان ذوالنورین نے ۲۶ھ میں مزید مکانات خرید کر مسجد حرام کی توسیع کی۔ ۶۵ھ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی مزید توسیع کی۔ ۱۶۰ھ میں مہدی عباسی کے دور میں اس کی مزید تعمیر و توسیع ہوئی۔ اس تعمیر کی مضبوطی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس تعمیر کے کچھ ستون مسجد حرام کی ترکی تعمیر میں آج بھی باقی ہیں اور بعض پر تاریخی کتبے تحریر ہیں۔ نیز ان میں سے اکثر ستون سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر کو تراش کر نصب کیے گئے ہیں۔

۳۰۶ھ میں مقتدر عباسی کے دور میں اس کی مزید توسیع ہوئی۔

۹۷۹ھ تا ۹۸۴ھ خلافتِ عثمانیہ کے مشہور خلیفہ سلیم اور اس کے بیٹے مراد نے مسجد حرام کی تعمیر نو کی۔ اس تعمیر میں مسجد حرام ایک قدرے مستطیل وسیع عمارت تھی۔ یہ تعمیر مطاف کے چاروں طرف ہے اور اب یعنی ۱۴۲۷ھ تک ۴۴۳ سال گزر جانے کے باوجود قائم ہے۔ سعودی حکومت نے مسعیٰ میں ترکی سلطان مراد کی خدمات کے اعتراف میں باب مراد نمبر ۳۳ بنایا ہے جو مروہ کے پاس باب عثمان نمبر ۳۲ کے ساتھ ہے۔

ترکوں کے دور میں کعبہ معظمہ کے اردگرد چاروں مذاہب کے اماموں کے مقام یعنی مصلے بنائے گئے تھے۔ جنوب مشرق میں ''حنبلی'' مصلیٰ تھا۔ جنوب مغرب میں ''مالکی'' شمال مغرب میں ''حنفی'' اور مقامِ ابراہیم اور چاہ زمزم کی عمارت کے درمیان ''شافعی'' مصلیٰ تھا۔

ان مصلوں کی علامت کے طور پر مطاف کے متصل چار چھوٹی عمارتیں بنائی گئیں۔ یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ مسجد حرام میں الگ الگ چار جماعتوں کا آغاز کب ہوا؟ البتہ امام ابن ظہیرہ کی تصریح کے مطابق ۵۴۰ھ سے بھی پہلے یہ طریقہ رائج تھا جو طویل عرصہ یعنی ۱۳۸۶ھ تک جاری رہا۔ مقامِ شکر ہے کہ سعودی حکومت نے یہ تمام مصلے ختم کر دیے ہیں۔

اس مقصد کے لئے حکومت نے زمزم اور کعبہ کے درمیان مطاف سے باہر ایک چھوٹا سا برآمدہ نما مصلیٰ تعمیر کر دیا جہاں مسالک اربعہ کے لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں جو عموماً حنبلی ہوتا ہے اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ البتہ مختلف اوقات میں مصلیٰ کی جگہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں مطاف کی توسیع کے پیش نظر یہ برآمدہ نما مصلیٰ بھی ختم کر دیا گیا۔

پہلے پہلے گرمی، سردی اور دھوپ میں زمین پر ہی اذان دی جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں عمران طلحی گورنر مکہ نے مؤذن کے لئے سایہ دار جگہ بنائی۔

جعفر المتوکل علی اللہ کے دور میں اس میں اضافہ اور اس کی تجدید کی گئی۔ اس کے بعد طویل عرصہ تک مقامِ ابراہیم، مصلیٰ حنفی اور زمزم کے چبوترہ پر اذان دی جاتی رہی۔ پھر مسجد حرام کے چاروں میناروں اور بعد از توسیع چھ میناروں سے بیک وقت اذانیں دی جاتی تھیں۔ (دوسری سعودی توسیع کے بعد مسجد حرام کے نو مینار ہو گئے ہیں)

سعودی حکومت نے مؤذنین کے لئے زمزم کے قریب ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کی جو ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء تک قائم رہی جسے مطاف کی توسیع کے باعث قریب ہی برآمدہ میں منتقل کر دیا گیا ہے جو پہلے چبوترہ سے بہت زیادہ خوبصورت اور وسیع تر ہے۔ اس کے چاروں طرف بے حد خوبصورت اور دلکش شیشہ لگا ہوا ہے۔ ایامِ حج کے علاوہ امام صاحب ظہر اور عصر کی نماز اسی چبوترہ کے نیچے پڑھاتے ہیں۔

مسجد حرام کی سعودی توسیع:

مسجد حرام کی ترکی تعمیر کے بعد ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں سعودی فرماں روا شاہ عبدالعزیز نے حجاج کی تعداد میں اضافے کے پیش نظر مسجد حرام کی توسیع کا حکم دیا (کیونکہ اس وقت وہاں صرف ۵۷ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے تھے) جس پر باقاعدہ کام ان کی وفات ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء کے بعد ان کے بیٹے شاہ سعود کے دور میں ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں شروع ہو کر مختلف مرحلوں میں بیس سال کے عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ پہلی سعودی توسیع کہلاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں مسعیٰ اور صفا اور مروہ دونوں مسجد حرام کے اندر آ گئے ہیں۔ اس سے پہلے وہ حرم کی دیوار سے باہر تھے۔ پہلی سعودی توسیع سے مسجد حرام میں نماز کی گنجائش بہت زیادہ ہو گئی اور اس میں تین لاکھ سے زائد افراد نماز ادا کر سکتے تھے۔

شاہ فہد بن عبدالعزیز نے صفر ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء میں دوسری سعودی توسیع کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ تعمیری و توسیعی کام ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء میں مکمل ہوا۔ اس توسیع میں باب عمرہ اور باب عبدالعزیز کے درمیان تہہ خانہ سمیت ایک وسیع عمارت تعمیر کی گئی۔ اس کے علاوہ مسجد حرام کے مختلف اطراف میں نمازیوں کے لئے وسیع صحن بنا دیئے گئے ہیں۔

سعودی حکومت نے کعبہ معظمہ کے چاروں طرف پوری مسجد حرام اور صحنوں میں صفوں کا صحیح رُخ متعین کرنے کے لئے فرش میں کھدائی کر کے لائنیں لگا دی ہیں جس سے کعبہ معظمہ کی طرف صف بندی آسان ہو گئی ہے۔

۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء میں مسجد حرام کے مدمقابل بلند و بالا عمارات تعمیر ہو چکی ہیں۔ باب عبدالعزیز کے سامنے مسجد کے صحن کے متصل نیویارک کی امپائر سٹیٹ بلڈنگ کے نقشہ پر مکہ ٹاور کے نام سے کئی (۷۵) منزلہ ایک اونچی عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔

کعبہ معظمہ سے کئی گنا بلند و بالا یہ عمارت صحن حرم میں بیٹھے ہوئے زائرین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ امپائر سٹیٹ کی نقل پر بنائی جانے والی اس جدید عمارت سے بیت اللہ کے نظارے سے لطف اندوز ہونے کی خاطر شہزادوں نے بالائی منازل خریدنے کے لئے بھاری رقوم ادا کر رکھی ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ سعودی حکومت نے اس عمارت کی آمدنی کو مسجد حرام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔

مسجد حرام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تاریخی ادوار میں ہمیشہ کھلی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے قبیلہ بنو عبد مناف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے عبد مناف کی اولاد! اگر میرے بعد تم ذمہ دار بنا دیئے جاؤ تو دن رات میں کسی بھی وقت طواف کرنے والوں کو نہ روکنا"

۱۷ اگست ۲۰۰۶ء کو عرب نیوز نے سعودی حکام کے حوالے سے بتایا کہ:

"سعودی حکومت نے مسجد الحرام کو مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور مسجد الحرام میں زائرین کی آمد و رفت و مزید آسان بنانے کے لئے نئے دروازے تعمیر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سعودی حکام نے مکہ مکرمہ میں ۱۰ لاکھ زائرین کی رہائش کے لئے بھی نئی منصوبہ بندی کی ہے اور اس کے لئے ماسٹر پلان کی بھی منظوری دے دی ہے۔

علاوہ ازیں مسجد الحرام کے باہر مختلف اطراف میں صحنوں، تہہ خانوں، مطاف، پہلی منزل، دوسری منزل اور چھت پر انتہائی وسیع پیمانے پر ٹھنڈے اور غیر ٹھنڈے پینے کے پانی کا انتظام کیا گیا ہے۔

مسجد کے اندر تمام اطراف میں نماز کے اوقات بتانے کیلئے الیکٹرانک گھڑیال لگائے گئے ہیں جو اس دن کی نماز کے اوقات کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد کے صحن میں داخل ہونے سے پہلے عازمین حج و عمرہ کی مکمل رہنمائی اور خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے قیام حرم کے دوران الیکٹرانک بورڈوں کے ذریعے عربی اور انگریزی میں مسلسل ضروری اور اہم ہدایات پیش کی جاتی ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سعودی حکومت نے مسجد حرام اور مسجد نبوی کی خدمت کرنے میں ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیا اور سعودی عرب کے فرمانروا بجا طور پر خادم الحرمین الشریفین کے لقب کے مستحق ہیں۔

مسجد حرام اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ/ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء بروز منگل ایک دل دوز اور جاں گداز المیے سے بھی دوچار ہوئی جب مدعیان "مہدیت" نے اس پر قبضہ کر لیا تھا جس کے نتیجے میں چودہ دن مسلسل طواف معطل رہا اور حرم پاک کے در و دیوار اذان اور جماعت کی سعادت سے محروم رہے اور مسجد حرام کا تقدس سخت پامال ہوا۔ بالآخر سعودی حکومت نے ایک شدید جنگ کے بعد حرم شریف پر دوبارہ مکمل کنٹرول حاصل کر لیا اور شر پسندوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور ۱۸ محرم ۱۴۰۰ھ/ ۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اس تعطل کے بعد پہلی مرتبہ نماز جمعہ ادا کی گئی۔

بئر زمزم:

زمزم کا کنواں کعبہ معظمہ کے مشرقی جانب اکیس میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ لغت میں زمزم و زمزمہ کے معنی ہیں دور سے گنگناہٹ سنائی دینا، بکھری ہوئی چیز کو جمع کرنا، حفاظت کرنا، میٹھے اور کھارے پانی کا امتزاج اور بہت زیادہ پانی۔

ایک روایت کے مطابق سریانی زبان میں زمزمہ کے معنی ٹھہر ٹھہر کے ہیں۔ چشمے سے جب پانی ابلنے لگا تو حضرت ہاجرہ نے منڈیر بنا کر اس کو روکنا چاہا اور اس موقع پر بے ساختہ ان کی زبان سے لفظ زمزم نکلا۔ اس لئے یہ چشمہ زمزم کے نام سے موسوم ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو اسی حالت میں چھوڑ دیتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

امتداد زمانہ و سیلاب کی تباہ کاریوں اور قبل از اسلام عربوں کی بے توجہی سے یہ کنواں ڈھک گیا تھا اور اس کا نام و نشان بھی مٹ گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد اور قریش کے نامور سردار حضرت عبدالمطلب کو خواب کے ذریعے اسے کھودنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور زمزم کا پانی دوبارہ جاری ہو گیا اور اب تک فراوانی کے ساتھ جاری ہے۔

چونکہ زمزم کے معنی کثرت یعنی بہت زیادہ پانی کے ہیں اس لئے اس مبارک کنویں کے بے حدو بے حساب پانی کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ زمزم کا مبارک کنواں مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کا سبب بنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ زمزم کی فضیلت کے بارے میں کتب احادیث میں متعدد روایات منقول ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ))

''آب زمزم جس مقصد کے لئے بھی پیا جائے اسی میں مفید ہے۔''

اس کی یہ خاص تاثیر اسی مقام پر اور ان ہی ایام میں پینے میں زیادہ ہے۔

((خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ زَمْزَمُ فِيْهِ طَعَامُ الطُّعْمِ وَشِفَاءُ السُّقْمِ))

''روئے زمین پر سب سے بہتر پانی آب زمزم ہے۔ یہ بھوکے کا کھانا بھی ہے اور بیمار کے لئے دوا بھی۔''

زمزم کا پانی صرف پیاس ہی نہیں بجھاتا بلکہ اس میں غذائیت بھی ہے، وہ جسم کو پروان چڑھاتا اور قوت ہاضمہ کو مدد دیتا ہے۔ جدید طبی مطالعہ اور کیمیائی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ زمزم کا پانی ان اجزاء پر مشتمل ہے جن سے جگر، معدہ، آنتوں اور گردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کم مقدار میں پینے سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور زیادہ پینا بھی مضر نہیں۔ بعض لوگ عازمین حج وعمرہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ طواف قدوم کے بعد ہی آب زمزم خوب پی لینا چاہئے تاکہ سفر کی وجہ سے معدہ میں جو خرابی پیدا ہوئی ہو وہ دور ہو جائے۔

چاہ زمزم نے ہمیشہ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین کی پیاس بجھائی ہے۔ اس میں موجود نمکیات کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور اس کے ذریعے میں روز اول سے آج تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے خواہ کتنی مدت تک رکھا جائے مگر اس میں بو پیدا نہیں ہوتی۔

آب زمزم وسیع پیمانے پر مکہ معظمہ، گردونواح، مدینہ منورہ اور عازمین حج وعمرہ کے ذریعے دنیا بھر میں اصلی حالت میں سپلائی کیا جاتا ہے۔

صفاومروہ:

ارشادربانی ہے:

((اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ))(البقرہ:۱۵۸)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان خوب جاننے والا ہے۔''

صفا اور مروہ کے درمیان مسجد حرام کے اندر جنوباً شمالاً ایک راستہ ہے اور یہ بیت اللہ شریف کے مشرقی جانب حرم شریف کے کنارے پر واقع ہے۔ کعبہ معظمہ سے صفا کا فاصلہ تقریباً ۱۴۰ میٹر ہے۔

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں بار بار چکر لگائے تھے۔ اس سعی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرماتے ہوئے بطور انعام زمزم عطا فرمایا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنی محبوب بیوی حضرت ہاجرہ اور اکلوتے شیرخوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک بے آب وگیاہ، غیر آباد، چٹیل پتھریلے میدان میں تنہا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے لئے جس تسلیم ورضا کا شاندار مظاہرہ کیا تھا اور توکل علی اللہ کی جو بے مثال نظیر قائم کی تھی وہ تاریخ انسانی میں قربانی کا ایک درخشاں ترین نمونہ ہے۔

پھر حضرت ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر جس صبر وشکر کا مظاہرہ کیا وہ قیامت تک اہلِ عزیمت کو ایک تازہ ولولہ عطا کرتا رہے گا۔ قربانی، توکل، صبر وشکر اور تسلیم ورضا کے اس عظیم مظاہرے کو اوراقِ تاریخ میں دوام عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہاڑیوں (صفا ومروہ) کو شعائر اللہ قرار دیا اور حضرت ہاجرہ کی ادائے سعی کو حج وعمرہ کا حصہ قرار دے کر ہمیشہ کے لئے محفوظ فرمادیا۔

صفا اور مروہ کے تاریخی ادوار:

اسلام سے قبل عربوں نے ان دونوں پہاڑیوں پر ''اساف'' اور ''نائلہ'' نام کے دو بت رکھ دیئے تھے۔ عرب ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور قربانیاں کرتے تھے اور حج کے موقع پر سعی بھی کرتے تھے جس کے سبب سے ان شعائر کا نہ صرف شعائر ابراہیمی میں سے ہونا مشتبہ ہوگیا تھا بلکہ یہ اعلانیہ شرک وبت پرستی کے مظہر بھی بن گئے تھے۔

اسلام آنے کے بعد یہاں سے بت ہٹادیئے گئے، لیکن صحابہ کرام کو ان کے درمیان سعی کرنا ناگوار گزرا کہ کہیں یہ مشرکوں کی نقل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ کی مقدس نشانیوں میں سے ہیں، پس جو حج یا عمرہ کرے اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔

چنانچہ آپ نے سعی کا آغاز صفا سے کیا اور وادی کی نشیبی جگہ پر تیزی سے چلے۔ آج کل اس کی علامت کے لئے سبز ٹیوبیں روشن کر دی گئی ہیں اور دیواروں پر سبز رنگ کی پٹیوں سے اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی جگہ کے پہلو میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا گھر تھا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اس گھر کی اصلاح ومرمت ہوتی رہی یہاں تک کہ ۱۳۷۶ھ میں صفا ومروہ کے درمیان اس جگہ کی توسیع ہوئی تو اس مکان کو منہدم کر کے اس کی یادگار کے طور پر ''باب العباس'' کے نام سے ایک دروازہ بنادیا گیا۔

صفا اور مروہ کے درمیان جہاں سعی کی جاتی ہے وہ غیر ہموار اور اونچی نیچی تھی، اس کی اصلاح ومرمت کا کام مختلف ادوار میں بارہا ہوا۔ مسجد حرام کی پہلی سعودی توسیع سے قبل مسعیٰ یعنی سعی کی جگہ مسجد سے علیحدہ تھی اور اس کا راستہ حرم شریف کے مشرقی پہلو میں تھا، اس راستے پر دورویہ دکانیں تھیں اور ایک شاندار بازار بھی تھا۔ ان کے درمیان ایک عمدہ سڑک تھی جس پر سعی کرنے والے سعی کرتے تھے اور خرید وفروخت کرنے والے خرید وفروخت کرتے تھے۔

سعودی حکومت نے عمارتوں اور دکانوں کو خرید کر اس انداز سے تعمیر کیا کہ مسعیٰ کو باقاعدہ مسجد حرام سے ملادیا۔ حرم شریف کے مشرقی پہلو میں مسعیٰ ایک طویل نہایت خوبصورت دومنزلہ دالان کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اب وہ حرم شریف کا ایک حصہ ہے۔

دالان کی دونوں منزلیں سنگ مرمر کے عمدہ فرش سے مزین ہیں، دالان کشادہ ہیں اور انہیں آنے جانے والے راستوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ دونوں راستوں کے درمیان ایک عمدہ ریلنگ بنادی گئی ہے جہاں پر کمزور اور معذور لوگوں کو وہیل چیئر Wheel Chair کے ذریعے سعی کرائی جاتی ہے۔

مسعیٰ کی لمبائی ۳۹۴۔۵ میٹر اور چوڑائی بیس میٹر ہے۔ پہلی منزل کی بلندی تقریباً بارہ میٹر اور دوسری منزل کی بلندی نو میٹر ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان مسعیٰ کی دوسری منزل پر جانے کے لئے متحرک سیڑھیوں اور لفٹوں کا انتظام کیا گیا ہے۔

۱۴۲۷ھ کے حج کے بعد خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ کی ہدایات کی روشنی میں مسعیٰ کے جدید توسیعی منصوبے پر عمل شروع ہوجائے

گا جس کے مطابق مسجد الحرام کے مشرقی صحنوں کی طرف توسیع ہوگی۔ نیا منصوبہ موجودہ مسعیٰ کے بالمقابل اور مشرقی صحن سے ملا ہوا ہوگا اور صفا و مروہ پہاڑیوں کی نشاندہی کا کام سربرآوردہ علماء بورڈ، خادم الحرمین الشریفین حج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور مشاعر مقدسہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور ماہرین کے تعاون واشتراک سے انجام دیا گیا۔ عازمین حج وعمرہ کی روزانہ افزوں تعداد کے پیش نظر مسعیٰ کی جدید توسیع ناگزیر تھی۔ یاد رہے کہ پہلی سعودی توسیع ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء (بیس سال میں مکمل ہوئی تھی) کے بعد سوائے چھت پر سعی کی جگہ کے مزید کوئی توسیع نہیں ہوئی تھی۔

منیٰ:

منیٰ ایک تنگ وادی میں واقع ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے اور چاروں طرف سے سنگ خارا کی خشک پہاڑیوں سے جنہیں ''اخشبین'' یا ''اخاشب'' کہتے ہیں گھری ہوئی ہے۔ اس کے شمال کی طرف ایک پہاڑی ہے جسے شبیر کہتے ہیں۔

اس نام کی عام اور مشہور وجہ یہ ہے کہ ''منیٰ'' بمعنی ''یمنی الدماء'' یعنی ایسی جگہ جہاں قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے۔ چونکہ حجاج کرام اپنی قربانی کے جانوروں کو منیٰ کے ایک حصہ میں (جسے منحر کہتے ہیں) ذبح کرتے ہیں اور خون بہاتے ہیں اس لئے اس مناسبت سے اس جگہ کا نام منیٰ پڑ گیا ہے، ویسے سارے حرم میں قربانی ہوسکتی ہے اور منیٰ بھی حدودِ حرم میں داخل ہے۔

منیٰ کے حدود شرعی طور پر ''بطن محسر'' سے ''جمرة العقبة'' تک ہیں۔ جمرة العقبہ کے بعد کی جگہ منیٰ میں شمار نہیں کی جاتی۔ ''بطن محسر'' بجانب مشرق مزدلفہ کے رُخ پر ایک وادی ہے اور جمرة العقبہ بجانب مغرب مکہ مکرمہ کی سمت ایک گھاٹی ہے۔ بطن محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جو نہ تو منیٰ کا حصہ ہے اور نہ مزدلفہ کا بلکہ دونوں کے درمیان شمال سے جنوب کی طرف جاتی ہے۔ یہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہے اس لئے اس میں نہ وقوف مزدلفہ جائز ہے اور نہ وقوفِ منیٰ۔ یہاں سے جلدی گزرنا چاہئے کیونکہ یہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا۔

منیٰ کا فاصلہ مسجد حرام سے بجانب مشرق سات کلومیٹر ہے جبکہ سرنگ کے راستے پیدل صرف چار کلومیٹر ہے۔ منیٰ ہی میں (جبکہ ایک روایت کے مطابق مروہ کے مقام پر) حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے۔ اسی مقام پر تین جگہ شیطان رکاوٹ بنا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کنکریاں ماریں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے ان ہی تین مقامات پر کنکریاں ماریں اور اس کے بعد قربانی کے جانور ذبح کئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر حاجی پر ''رمی جمرات'' کا عمل واجب ہے اور متمتع اور قارن (یعنی حج تمتع اور حج قران کرنے والے) پر قربانی واجب ہے جبکہ مفرد (یعنی حج افراد کرنے والے) کے لئے قربانی مستحب ہے۔

منیٰ حج کے دنوں میں بہت آباد ہو جاتا ہے۔ آٹھ ذی الحجہ کو حجاج صبح سے یہاں پہنچ جاتے ہیں اور آٹھویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں اور کبھی کبھی تیرہویں ذی الحجہ کے ایام یہاں گزارتے ہیں۔ درمیان میں نویں ذی الحجہ کا دن عرفات میں اور نویں و دسویں ذی الحجہ کی درمیانی شب مزدلفہ میں گزارتے ہیں۔

منیٰ پہلے تو ایک غیر آباد جگہ تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہاں بہت سی عمارتیں بنتی گئیں جن میں سے کچھ تو حجاج کے آرام و مصالح کے لئے اور کچھ وہ ہیں جو مکہ مکرمہ کے امراء نے اپنی تفریح و آرام کے لئے بنا رکھی ہیں۔ اب مکہ مکرمہ کی آبادی اس قدر پھیل گئی ہے کہ منیٰ کا علاقہ مکہ مکرمہ سے مل گیا ہے۔

حجاج کرام کی کثرت کی بناء پر منیٰ کی جگہ تنگ پڑ گئی تھی۔ سعودی حکومت نے منیٰ کے پہاڑوں کو کاٹ کر اور اونچی نیچی جگہ کو ہموار کر کے خیموں کی جگہ میں اضافہ کیا ہے، بڑے منظم طریقہ پر سڑکوں، سرنگوں اور پلوں کا جال بچھا دیا ہے، فائر پروف خیمے نصب کئے ہیں، جگہ جگہ وضو خانوں، طہارت خانوں کا انتظام کیا ہے اور شفاخانے قائم کئے ہیں۔

منیٰ میں سب سے اہم جگہ مسجد خیف ہے جس میں بہت سے انبیاء کرام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں ادا کیں۔ یہ منیٰ کے جنوبی پہاڑ کے دامن میں ہے اور جمرۃ الاولیٰ کے نزدیک ہے۔ یہ مسجد پہلے چوکور اور کھلے سائبان کی ایک مسجد تھی اور درمیان میں ایک قبہ بنا ہوا تھا۔ یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی مگر اب اس کی جگہ ایک وسیع، جدید اور نہایت ہی خوبصورت مسجد بن گئی ہے۔ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء میں اس کی تعمیر وتوسیع کا کام مکمل ہوا۔ مسجد سے متصل وضو خانوں اور طہارت خانوں کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا گیا ہے۔

مسجد خیف کے جنوب میں مسجد کے پیچھے پہاڑ کے اس حصہ پر جو یمن کی سمت میں ہے ایک غار ہے جو غار مرسلات کے نام سے مشہور ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس غار میں تھے کہ آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی۔

منیٰ ہی کے ایک پہاڑ کے دامن میں نبوت کے بارہویں سال حج کے دنوں میں عقبہ کے قریب رات کے وقت مدینہ منورہ سے بارہ حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے معروف ہے۔

حدودِ حرم:

مکہ مکرمہ کے تقدس کے پیش نظر کرۂ ارض کو تین دائروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ آفاق۔ ۲۔ حل۔ ۳۔ حرم۔

حدود میقات سے باہر رہنے والے لوگ آفاقی کہلاتے ہیں۔ میقات اور حدود حرم کے درمیان رہنے والے لوگ میقاتی یا اہل حل یا حلی کہلاتے ہیں۔ جو لوگ حدودِ حرم کے اندر یا مکہ مکرمہ میں مستقل یا عارضی طور پر قیام پذیر ہیں وہ اہلِ حرم یا حرمی کہلاتے ہیں۔

بیت اللہ کے چاروں طرف کچھ دور تک مختلف فاصلوں پر حرم کی حدود جبرئیل کی نشاندہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائی تھیں۔ پھر نبی اکرم ا نے ان کی تجدید فرمائی۔ ان حدود پر حکومت نے نشانات لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے اندر شکار کھیلنا، گھاس اور درخت کاٹنا حرام ہے۔ مشہور تابعی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب تم حرم میں داخل ہو تو نہ کسی کو دھکا دو، نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ بھیڑ بھاڑ کرو۔

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اہلِ مکہ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے جب تک حرم کو حل نہ سمجھنے لگیں۔

حدودِ حرم حسب ذیل ہیں:

۱۔ **تنعیم:** مدینہ اور شام کی سمت میں مسجد حرام سے جانب شمال مکہ مکرمہ اور مقام سرف کے درمیان مدینہ منورہ روڈ پر سات کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حدودِ حرم میں سب سے نزدیک یہی حد حرم ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمرہ کا احرام یہیں سے باندھا تھا۔ بعد میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں تقریباً ایک کروڑ ریال کی لاگت سے اس کی توسیع ہوئی۔ یہ مسجد عائشہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسی مسجد تنعیم سے بجانب شمال دو سو میٹر دور حل کی سمت میں جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت خبیب بن عدی کی جائے شہادت ہے۔

۲. **جعرانه:** مکہ مکرمہ اور طائف کے راستہ پر حل میں ایک کنویں کا نام ہے اور بعض کے نزدیک اس کی نسبت ایک عورت کی طرف ہے جو قریش کے بنو تمیم قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اس کا نام ریطہ اور لقب جعرانہ تھا۔ غزوۂ حنین سے واپسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہوازن کا مالِ غنیمت تقسیم کیا تھا تو آپ یہاں ٹھہرے تھے اور یہیں سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مسجد حرام سے اس کا فاصلہ شمال مشرقی سمت میں ۲۴ کلومیٹر ہے۔ یہاں کا پانی اپنی شیرینی میں ضرب المثل ہے۔ اس جگہ بھی ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جہاں سے اہلِ مکہ عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔

۳. **حدیبیه:** یہ حدودِ حرم سے باہر مکہ وجدہ کی قدیم شاہراہ پر ایک مقام ہے۔ یہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس کی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔ آج کل یہ جگہ شمیسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان اسی مقام پر ہوئی تھی۔ یہ جگہ مسجد حرام سے ۲۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے جبکہ یہاں سے حرم کی حدود ۲۱ کلومیٹر سے شروع ہوتی ہے۔ یہ حرم مکہ کی مغربی سرحد ہے۔ جب وادیٔ بکہ میں بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر ہوئی اور مکے کی آبادی حضری زندگی کی ایک مستقل بستی بنی تو اس تعمیر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کو ایک حرم (یا سیاسی اصطلاح میں ایک شہری مملکت) قرار دیتے ہوئے اس کی حدود مقرر کیں اور مختلف سمتوں میں حدودِ حرم پر منارے تعمیر کیے گئے۔ عہد نبوی میں یہ نہ صرف ایک قدیم چیز تھے بلکہ آپ نے ان کی مرمت بھی کرائی تھی۔ یہ اب تک چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک حد حدیبیہ بھی ہے۔

حدیبیہ مکے سے کوئی دس میل اور جدہ سے کوئی تیس میل پر واقع ہے۔ یہاں وہ پہاڑ جو مکے کو گھیرے ہوئے ہیں ختم ہو جاتے ہیں اور ساحلی میدان شروع ہوتا ہے۔ آغازِ اسلام کے وقت یہاں ایک کنواں تو تھا جو مسافروں اور حاجیوں کے کام آتا ہوگا لیکن کسی آبادی کا ثبوت نہیں ملتا۔ غالباً زیرِ زمین پانی میٹھا اور کافی ہے، اسی لیے ببول وغیرہ کے جنگلی درخت یہاں غیر معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔ یہیں ایک درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جان نثاری کا عہد لیا تھا۔ اس کے سائے میں مریضوں کی صحت وغیرہ کے غیر اسلامی معتقدات توہم کی شکل اختیار کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اُکھڑوا دیا۔ بعد میں اس کی جگہ ایک مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ ترکی دور میں اس پر کوئی کتبہ نہ تھا۔ اب ترمیم و تزئین کے بعد اس پر سلطان عبدالعزیز بن سعود کے نام کا کتبہ پایا جاتا ہے۔ یہ مسجد نئی سڑک کے کنارے واقع ہے۔ خلافت راشدہ کے ایک مدت بعد یہ مقام حجاج کی ضرورتوں کے تحت آباد ہونے لگا اور یہ گاؤں کم از کم آٹھویں صدی ہجری سے شُمَیْسِیہ کہلاتا ہے اور اب پولیس کی اہم چوکی ہے۔

٤. **وادی نخلة:** مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان نخلہ ایک مقام ہے جو عراق اور شمال کی سمت میں حرم مکہ کی حد ہے۔ اس مقام پر عربوں کا مشہور بت عزیٰ نصب تھا جسے گرانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

اس کو نخلہ یمانیہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے قریب ایک نخلۃ الشامیۃ تھا۔ اس کا ایک نام مضیق بھی ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے دسویں سال مشہور سفر طائف سے واپسی پر ٹھہرے تھے اور جنات کی ایک جماعت قرآن مجید کی آیات سن کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی۔

٥. **اضاة لبن:** یمن کے راستہ پر جنوبی سمت میں حدودِ حرم میں سے ایک حد ہے۔ یہ ایک جھیل نما مقام ہے۔ لبن دودھ کو کہتے ہیں اس کے نزدیک جو پہاڑ ہے وہ سفیدی مائل ہے۔ اس مناسبت سے اس جگہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں سے مسجد حرام کی مسافت ۱۶ کلومیٹر ہے۔ اس جگہ کو عقیشیۃ یا العکیشیۃ بھی کہتے ہیں۔

٦۔ عرفات: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ))

''جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام میں اللہ کا ذکر کرو۔'' (البقرہ:۱۹۸)

عرفات مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں پندرہ سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر جبلِ رحمت کے دامن میں واقع ہے۔ مکہ سے تقریباً ۸ کلومیٹر پر منیٰ ہے اور منیٰ سے اتنے ہی فاصلے پر عرفہ ہے۔ منیٰ سے مزدلفہ کے راستے آگے بڑھیں تو ایک خاصے چوڑے برساتی نالے کی گزرگاہ آتی ہے جس کا نام وادیٔ عُرَنہ ہے۔ اس کے اوپر تقریباً ایک کلومیٹر کے اندر چودہ کشادہ پل بنے ہوئے ہیں۔ مسجد نمرہ کے قریب برساتی نالے میں ذرا سا خم ہے۔ نالے کا پل پار کرتے ہی دائیں ہاتھ مسجد نمرہ آتی ہے۔ دور سامنے ذرا بائیں ہاتھ کو جبلِ رحمت ہے اور اس پر سفید لاٹھ کی صورت میں پتھر کی ایک لوح نظر آتی ہے۔ وادیٔ عرنہ کو پار کریں تو ۱۹ سڑکیں تیر کی طرح سیدھی اور متوازی آگے بڑھتی ہیں جنہیں دائیں سے بائیں سات سڑکیں زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہیں۔ یہی میدانِ عرفات ہے۔ سڑکوں پر نمبر لگے ہیں، جا بجا پل بنے ہوئے ہیں اور آنے جانے کے نشانات مرتسم ہیں۔ سڑکوں کے ان متوازی خطوط کے جال میں ایک دائرہ بھی ہے، اس دائروی سڑک نے جبلِ رحمت کو اپنے محیط میں لے رکھا ہے۔

عرفات سال کے ۳۵۴ دن بے آباد ہوتا ہے اور صرف ایک دن ۹ ذی الحجہ کے لئے شہر بنتا ہے اور وہ بھی صرف آٹھ دس گھنٹوں کے لیے۔ یہ صبح آباد ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی اس کی تمام آبادی رخصت ہو جاتی ہے اور حُجاج ایک رات کے لیے مزدلفہ میں جا مقیم ہوتے ہیں۔ وقوفِ عرفات حج کا بنیادی رکن ہے مگر قریشِ مکہ نے اپنی جھوٹی عظمت و شان کا سکہ بٹھانے کے لئے اپنے لیے وقوفِ عرفہ کو ساقط کر دیا تھا۔

مزدلفہ:

مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان میں ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں ایک مقدس پہاڑ ہے جس کا نام ''جبل قزح'' ہے۔ قرآن مجید میں اس مقام کو ''المشعر الحرام'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا لفظی معنی عزت کی نشانی ہے اور اس سے مراد مزدلفہ کا میدان ہے:

((فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ))

''جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو۔'' (البقرہ:۱۹۸)

اس نام کی وجہ تسمیہ میں حسب ذیل اقوال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ یہاں مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔

۲۔ عرفات میں مناسک ادا کرنے کے بعد یہاں پہنچ کر منیٰ سے قریب ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حجاج کرام رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد یہاں پہنچتے ہیں ''فِي زُلَفٍ مِّنَ اللَّيْلِ''

۴۔ یہ صاف اور پاکیزہ جگہ ہے۔

مزدلفہ کا ایک نام ''جمع'' اور ''جمعا'' بھی ہے۔ یہ دونوں نام ہم معنی ہیں کہ زمین پر اترنے کے بعد اسی مقام پر حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) اکٹھے ہوئے تھے۔

مزدلفہ کی حد وادی محسر سے لے کر ''المَأزِمَان'' یا ''مَأزِمَين'' (یعنی وہ دو پہاڑ جو آمنے سامنے ہیں) تک ہے۔ اس کی حدود واضح کرنے کے لئے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہیں، مزدلفہ ''مشعر'' ہے اور حدودِ حرم میں داخل ہے اور مشعر حرام سے سارا مزدلفہ مراد ہے۔

مزدلفہ کی تاریخ:

سعودی حکومت نے حجاج کی راحت وآرام کی خاطر مزدلفہ کے میدان کو کافی حد تک ہموار کر دیا ہے۔عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضوخانے اور باتھ بنادیئے گئے ہیں۔کشادہ سڑکیں اور عرفات سے پیدل جانے والوں کے لئے الگ سڑکیں ''طریق مشاۃ Pedestrian Road'' بنادی گئی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں موجودہ مسجد کی قبلہ کی سمت میں ذی الحجہ کی دسویں شب قیام فرمایا تھا۔آپ ﷺ کی پیروی میں حجاج کرام بھی اس رات یہاں قیام کرتے ہیں۔مزدلفہ میں وقوف وقیام،عبادت اور ذکر الٰہی کو مناسک حج میں شمار کیا گیا ہے۔

یہاں پہلے ایک مربع شکل کا گنبد یا برج تھا۔رات کو آنے والے حجاج کی رہنمائی کے لئے یہاں روشنی کی جاتی تھی۔اس روشنی کے آغاز کے متعلق محمد بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے خاندانِ قریش کے جدِ اعلیٰ قصی بن کلاب (جن کا شمار نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں ہوتا ہے) نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تا کہ عرفات سے آنے والے رات کے اندھیرے میں راستہ سے بھٹک نہ جائیں اور آگ دیکھ کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

علامہ ازرقی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آگ جلانے کا طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان (رضی اللہ عنہم) کے دور تک جاری رہا۔

تاریخ میں بعد کے ادوار میں بھی شمعوں اور چراغوں کے روشن کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ہارون الرشید کے زمانے میں یہاں شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔اس کے بعد بڑے بڑے چراغ جلائے جاتے رہے پھر بعد میں چھوٹے چراغوں کا رواج ہوگیا۔(اخبار مکہ:ص ۴۱۶)

مزدلفہ میں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا وہاں بعد میں ایک مسجد تعمیر کردی گئی جو مسجد مشعر الحرام کے نام سے مشہور ہے۔ مختلف ادوار میں مسلم خلفاء وحکمران اس کی تعمیر وتجدید میں حصہ لیتے رہے۔آخر میں سعودی حکومت نے اس کی توسیع وتجدید کرائی۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں جن کی اونچائی ۳۲ میٹر ہے۔قبلہ کی سمت کے علاوہ تینوں طرف دروازے ہیں اور مسجد سے متصل عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بیت الخلاء اور وضوخانے بنائے گئے ہیں۔

غارِ حراء:

یہ غار جبل نور (جو جبل حرا کے نام سے مشہور ہے) کی چوٹی پر واقع ہے۔اس کو فاران کی چوٹی بھی کہتے ہیں۔جنت المعلیٰ قبرستان سے آگے عرفات جاتے ہوئے بائیں جانب مسجد حرام سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔پہاڑ کا راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔غار تک پہنچنے کے لئے پیدل ایک گھنٹہ سے زائد چڑھائی ہے۔

یہی وہ غار ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔اس غار کی اہمیت و عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسی غار میں جبرئیل علیہ السلام سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کی صورت میں پہلی وحی لے کر حاضر ہوئے تھے۔

غارِ ثور:

اس مبارک غار کا تذکرہ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۴۰ میں ہوا ہے:

((اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ)).

''اگر تم نبی کی مدد نہ کرو گے تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے، جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔''

غارِ ثور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین راتیں بسر فرمائیں۔ جب اطمینان ہو گیا کہ اب دشمن تلاش میں نہیں نکلے گا تو راستہ کی رہنمائی کے لئے عبداللہ بن اریقط دو سواریوں کے ہمراہ آ پہنچا۔ ایک اونٹنی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے اور دوسری پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مع اپنے غلام عامر بن فہیرہ کے جس کو انہوں نے اپنی اونٹنی پر پیچھے سوار کیا۔

یہ غار جبلِ ثور کی چوٹی سے ذرا نیچے واقع ہے۔ جبل ثور حرم شریف سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہی وہ غار ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے قیام فرمایا تھا۔

اس غار کے دو دہانے ہیں۔ ایک مغربی سمت میں ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے۔ اس دروازہ سے لیٹ کر ہی اندر جا سکتے تھے۔ نویں صدی کے آغاز سے تیرہویں صدی ہجری تک اس دہانے کو مرحلہ وار وسیع کیا جاتا رہا اب اس کی اونچائی نیچے والی سیڑھی کو ملا کر تقریباً ایک میٹر ہے۔

دوسرا دروازہ مشرقی سمت میں ہے جو مغربی دہانے سے زیادہ کشادہ ہے اور بعد میں بنایا گیا ہے تاکہ لوگوں کو غار میں داخل ہونے اور نکلنے میں سہولت ہو۔ اس غار تک چڑھنا دشوار ہے۔ عموماً غار تک پہنچنے میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔

طائف:

قرآن کریم میں ''طائف'' کا ذکر کفار کے اس قول سے سامنے آتا ہے، جس میں انہوں نے کہا:

((لو لا نزّل هٰذا القرآن علىٰ رجل من القريتين عظيم))

''کیوں نہ قرآن محمد ﷺ پر نازل ہونے کی بجائے اِن دو عظیم بستیوں کے کسی اور شخص پر نازل ہوا۔'' (الزخرف)

طائف کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت:

طائف عرب کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے اور اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے لیے مشہور ہے۔ سطح سمندر سے ۱۷۰۰ میٹر بلند ہونے کے باعث یہ زمانۂ قدیم سے اہلِ مکہ کا مصیف یعنی گرمائی پہاڑی مقام رہا ہے۔ اب سعودی حکومت کا گرمائی صدر مقام بھی طائف ہی ہے۔ یہ مکہ کے جنوب مشرق میں ۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ۱۹۸۲ء میں یہاں مسلم سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ طائف کا انار دنیا کا بہترین انار ہے جو نہایت میٹھا، رسیلا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ طائف بنو ثقیف کا شہر تھا۔ ان میں سے معرکۂ جسر (عراق ۱۳ھ) کے سپہ سالار اسلام ابوعبید ثقفی شہید رضی اللہ عنہ، مختار ثقفی، حجاج بن یوسف اور فاتح سندھ محمد بن قاسم نے تاریخ میں شہرت پائی۔

مغمّس:

یہ مکہ سے دو میل کے فاصلے پر عرفات سے پرے طائف کی جانب واقع ایک مقام ہے۔ یہاں ابورغال کی قبر ہے جس نے اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کرنے میں رہنمائی کی تھی۔ اسے یہاں موت نے آ لیا اور اس کی غداری کے باعث لوگ اس کی قبر پر کنکریاں پھینکتے ہیں۔

☆☆☆

از مصنف:

پیش لفظ

((بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم والحمدلله ولااله الا الله والله اکبر الله اکبر کبیرا والحمدلله کثیرا وسبحان الله بکرة واصیلا والصلوة والسلام علیٰ من لانبی بعده وعلیٰ اله وصحبه وبارك وسلم سلاما وصلواة کثیرا کثیرا))

مکہ مکرمہ شہر نبی مولد نبی اور مرکز وحی ہونے کے لحاظ سے دنیا کے تمام شہروں سے ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ و ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام نے اسے حرم قرار دیا اور اس کے لیے برکت کی دعائیں کیں۔ میں نے اس کتاب میں مکہ مکرمہ کی تاریخ و فضائل اور مشہور مقامات کو بیان کرنے کی سعی کی ہے اور الحمدللہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ جہاں تک ممکن تھا، قرآن مجید، احادیث، تاریخ، اقوال اور حقائق سے کتاب کو مزین کیا۔

ایک مسلمان کو ساری امیدیں اللہ ہی سے ہونی چاہیے، وہی میرا حامی و ناصر ہے۔ میں اسی سے استعانت کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اس امید پر کہ وہ رحیم مجھ پر رحم فرما کر گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اس کتاب کو میرے لیے توشہ آخرت بنائے گا۔

حررہ

ابن المجاہد (پروفیسر قاضی داؤد عبدالباقی بن المجاہد)

ترجمہ

محمد وسیم اکرم القادری (خطیب جامع مسجد گلزار مدینہ سکول والی ڈھلم بلگن)

(H O D) (شعبہ اسلامیات) سپیریئر گروپ آف کالج سمبڑیال سیالکوٹ)

0300-6496898

☆☆☆

حصہ اول:

مکہ مکرمہ و کعبۃ اللہ کی فضیلت و اہمیت

باب نمبر1:

ارض مکہ کی پیدائش اور اس کا دنیا کے وسط میں ہونا

بیت اول:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین))

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت والا۔''

سیدنا علی المرتضیٰ کی روایت کے مطابق روئے زمین پر اللہ جل وعلا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر کعبہ مشرفہ ہی بنایا گیا تھا۔ اگر چہ لوگوں کی بود و باش کے لئے بے شمار مکانات موجود تھے، آپ فرماتے ہیں:

''روئے زمین پر سب سے پہلا گھر برکت کے اعتبار سے بیت اللہ شریف بنا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

''سب سے پہلا گھر بیت اللہ ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔''

آپ سے دریافت کیا گیا:

''اگر اس سے پہلے مکانات نہیں تھے تو پھر قوم نوح اور قوم ہود کہاں رہتی تھی۔؟''

تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''برکت اور ہدایت کے لئے سب سے پہلا گھر بیت اللہ بنا ہے۔'' (ابن جریر، جلد۴، صفحہ ۶)

سب سے زیادہ فضیلت والا اور پہلا گھر:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

((ان اول بیت وضع للناس))

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔''

ابن منذر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے کہا کہ بیت المقدس عظمت و توقیر میں کعبہ مشرفہ سے بزرگ تر ہے، کیونکہ یہ انبیاء کی ہجرت گاہ اور پھر مقدس سرزمین میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے ان کے جواب میں کہا کہ نہیں کعبہ شریف کا شرف و مجد بیت المقدس سے رزوں تر ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی، جلد۳، پارہ۴، صفحہ۴)

مذکورہ آیت میں ساری دنیا کے مکانات حتیٰ کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بھی بیت اللہ شریف کا شرف اور افضلیت کا بیان ہے اور یہ شرف فضیلت کئی وجہ سے ہے۔ مثلاً:

۱۔ اس لئے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

۲۔ وہ برکت والا ہے۔

۔ وہ پورے جہان کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے، اس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو، اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو، نہ دولت خانہ۔

سیدنا آدم علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں، ان کی شان سے کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے زمین پر آنے کے بعد اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ کا گھر یعنی عبادت کی جگہ بنائی ہو، اسی لئے سیدنا عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ اور سدی وغیرہ مشاہیر صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کیلئے یہ پہلا گھر بنا ہو۔ حضرت علی سے یہی قول منقول ہے۔

چنانچہ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت آدم اور حواء کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعہ انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کریں۔ جب وہ ارشاد خداوندی کی تعمیل سے فارغ ہوئے، تو ارشاد ہوا کہ اس کا طواف کریں۔ پھر آدم سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے آدمی ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے، یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا وہ یہی ہے۔''

آیت میں اولیت سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح پر سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار ہوا۔ شروع میں یہ سفید جھاگ تھے، جو بعد میں منجمد ہو گئے تھے، زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی۔ پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلا دی گئی۔

حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا، جس کا نام بیت المعمور تھا، اور آسمان کے فرشتوں کو اس کا طواف کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بناؤ۔ چنانچہ جب ملائکہ نے مکان تیار کرلیا تو اس کا نام صراح رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان کے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں، اسی طرح زمین والے بھی صراح کا طواف کریں۔''

بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ملائکہ نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور اس کا حج بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''المسجد الحرام یعنی بیت اللہ شریف کو اس قدامت کا شرف حاصل ہے۔''

سائل نے پھر استفسار کیا کہ بیت اللہ شریف کے بعد کون سی مسجد وجود میں آئی تو آپ نے گوہر افشانی فرمائی: المسجد الاقصی۔

دوسرا درجہ بیت المقدس کو حاصل ہے۔ دریافت کیا گیا کہ دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے تو ارشاد فرمایا:

''چالیس برس کا۔''

(بخاری، جلد ا، صفحہ ۴۷۷) (مسلم، جلد ا، صفحہ ۱۹۹)

مذکورہ بالا حدیث پر امام ابن جوزی نے ایک اشکال کا تذکرہ کیا ہے کہ حدیث میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں چالیس سال کا وقفہ بیان ہوا ہے، جب کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا سلیمان کے مابین ایک ہزار سال کا عرصہ تھا۔

اس کا جواب فتح الباری میں علامہ الحافظ ابن حجر عسقلانی نے پوری شرح وبسط سے ارقام فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:

''نہ تو ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی تھی اور نہ ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کے بانی ہیں، بلکہ یہ دونوں دوسرے کی بنا کی تجدید کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بیت المقدس کی سب سے پہلے تعمیر آدم نے فرمائی اور پھر ملائکہ نے۔ پھر سام بن نوح نے اور پھر حضرت یعقوب نے اور یہی صورت حال تعمیر کعبہ میں بھی ہے کہ پہلے ملائکہ نے، پھر حضرت آدم نے، پھر حضرت شیث نے اور پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر فرمائی۔''

ابن ہشام نے ''کتاب التیجان'' میں روایت بیان کی ہے کہ حضرت آدم جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی سیاحت کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ جب وہاں پہنچے تو بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی سرانجام دیا اور اس طرح دونوں مساجد میں چالیس سال کا فرق ہے۔ (فتح الباری، جلد ۳)

زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے:

حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین خالق کائنات نے زمین کے دوسرے اجزاء کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی اور اس کے چار رکن یعنی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں۔ (تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۶) (تفسیر قرطبی، جلد، صفحہ ۱۳۷)

قبہ نما ٹیلہ:

عطاء سے روایت ہے کہ اللہ کریم نے ایک ہوا بھیجی، جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہوگئی اور اس حرکت سے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا فرما دیا۔ اسی جگہ دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے اس شہر کو ام القریٰ کہا جاتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۰) (معجم البلدان، جلد ۷، صفحہ ۲۵۶)

پانی کی سفید جھاگ:

سیدنا عبداللہ بن عمر، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور حضرت سدی کے مطابق پانی کی سطح پر ابھرنے والا مقدس خطہ (بیت اللہ شریف) جسے زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل حق تعالیٰ شانہ نے وجود بخشا، وہ مکہ مشرفہ ہی کی سرزمین تھی جو پانی کے اوپر سفید جھاگ کی مانند تھی۔ پھر اسی کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین بچھا دی، یعنی اسے پھیلا کر اطراف واکناف عالم تک پہنچا دیا گیا۔

(تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۶) (تفسیر قرطبی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۰)

پانی کے چار ستون:

سورۃ ہود کی آیت نمبر 7 کے ضمن میں مصنف عبدالرزاق میں عبداللہ بن عباس سے روایت مذکور ہے کہ ہر ایک چیز کی پیدائش سے پہلے اللہ جل شانہ نے پانی پیدا فرمایا، اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ پانی سے بخارات اڑتے رہتے ہیں جس طرح دریاؤں سے اڑتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف کو پانی کے چار ستونوں پر

کھڑا کیا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں، پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔
(تفسیر طبری، جلد ۱، صفحہ ۵۴۷)(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۲)

کعبہ کی زمین پانی پر تھی:

یہی وہ مقدس خطہ ہے جو تمام روئے زمین کی پیدائش کا سبب بنا اور جسے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے وجود بخشا گیا۔ حضرت کعب بن احبار سے روایت ہے کہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے چالیس برس پہلے کعبہ شریف کی سرزمین پانی پر قائم تھی، پھر اس سے زمین کو پھیلا دیا گیا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا فرمایا، اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہل چل پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسی حرکت میں بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ایک ٹیلہ پیدا کر دیا۔ جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا۔'' (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ نمبر ۹۰)

فرشتوں کو اللہ کا حکم......زمین پر کعبہ تیار کرو:

ایک اور روایت میں ہے:

''سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی مانند زمین میں میرا گھر بناؤ۔ جب وہ گھر تیار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ تم اس کا طواف اسی طرح کرو، جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں۔'' (تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۲)

بیت المعمور کے بالکل نیچے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بیت المعمور آسمانوں میں بیت اللہ کے بالکل برابر میں ہے (خدانخواستہ) اگر گر جائے تو سیدھا بیت اللہ پر ہی گرے۔''
(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۲۸)

زمین کعبہ کی گہرائی:

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف والی جگہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائی اور اس کی بنیاد ساتویں زمین تک گہری تھی۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۲)

باب نمبر 2:

مکہ کا محل وقوع

محل وقوع:

مکہ مکرمہ کا محل وقوع دنیا میں سب سے پہلے بطلیموس المتوفی ۱۸۳ قبل مسیح نے حسب ذیل بیان کیا تھا:

طول بلند ۷۸ درجہ اور عرض بلد ۳ درجہ۔ (جغرافیہ بطلیموس)

لیکن عرب جغرافیہ دانوں کی تحقیقات میں یہ غلط ثابت ہوا۔ انہوں نے اس کی اصلاح کر کے اسے درست کیا۔ چنانچہ مشہور علماء اور جغرافیہ دان لکھتے ہیں:

''طول بلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ، عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً ۳۳۰ میٹر ہے۔''

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے الشیخ السہامی کی تحقیق کے مطابق طول بلد ۴۰ درجہ، عرض بلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور سطح سمندر سے ارتفاع ۲۸۰ میٹر نقل کیا ہے۔ (تاریخ القویم، جلد ۲، صفحہ ۳۸)

بعض علماء نے اپنی تحقیق کے مطابق طول بلد ۳۹ درجہ ۳۹ دقیقہ ۳۰ ثانیہ اور عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۵ دقیقہ اور ارتفاع ۳۳۰ میٹر بیان کیا ہے۔ (تاریخ القویم، جلد ۱، صفحہ ۲۹)

مختلف مقامات کی سطح سمندر سے بلندی:

علامہ طاہر کردی مدظلہ نے اس مقدس شہر کے بعض دوسرے مقامات کا ارتفاع بھی بیان کیا ہے:

محلہ معابدہ	سطح سمندر سے ۳۱۱ میٹر بلند ہے۔
محلہ جرول	سطح سمندر سے ۲۷۸ میٹر بلند ہے۔
جبل ابی قبیس	سطح سمندر سے ۴۳۰ میٹر بلند ہے۔
جبل قعیقعان (جبل ہندی)	سطح سمندر سے ۶۳۴ میٹر بلند ہے۔
جبل حراء بالائی حصہ میں	سطح سمندر سے ۴۳۰ میٹر بلند ہے۔
جبل ثور نشیبی علاقہ میں	سطح سمندر سے ۷۵۹ میٹر بلند ہے۔
جبل رخم بالائی حصہ میں	سطح سمندر سے ۸۸۳ میٹر بلند ہے۔
جبل رحمت	سطح سمندر سے ۳۴۰ میٹر بلند ہے۔
جبل سعد جو عرفات کے مشرق میں ہے	سطح سمندر سے ۳۶۷ میٹر بلند ہے۔
صفا مروہ	سطح سمندر سے ۳۷۵ میٹر بلند ہے۔

دنیا کا وسط:

کرۂ ارض پر آباد دنیا کو دیکھیں کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آباد ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ کا نصف ۶۰ درجہ ہوتا ہے۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال میں تفریق کریں تو ۲۰ رہ جاتے ہیں، اور اسی طرح ۶۰ درجہ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تو بھی ۲۰ درجہ شمال ہے اور مکہ معظمہ ۲/۱۱ ۲۱ درجے پر آباد ہے۔ اس لئے کل کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

لغات کی کتابوں میں اسے ناف زمین کہا گیا ہے اور ناف بھی انسان کے جسم کے عین وسط میں نہیں ہوتی بلکہ تقریباً وسط میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ بھی وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔

پرانی دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیاء، یورپ، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ مرکز یہ ایشیاء میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانہ کے متمدن ترین علاقے مصر اور روما سے بھی مرکزیت تھی، جو عرب کے مرکز مکہ مکرمہ کو ناف زمین کا لقب دینے کا موجب بنا۔

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے اور کسی بھی جگہ پہنچنا مرکز ہی سے سہل تر ہوتا ہے۔ آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا ہے، وہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ سرد ممالک کے باشندوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی اور زرخیز ممالک کے رہنے والوں کی تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی قدرت کے بنائے ہوئے مسلمہ قوانین کے تابع ہوتی ہے جن کی جھلک باہمہ وجوہ اس شہر خوباں میں موجود ہے۔

جب یہ مقدس شہر ناف زمین پر آباد اور تینوں براعظموں کے وسط میں واقع ہے تو کسی عالمگیر تحریک وتبلیغ کے لئے اس سے بہتر اور موزوں مرکز کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وترویج دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر ہے۔

یہاں کے باشندے زمانہ قدیم سے تجارت پیشہ ہیں، تاریخ ان کی صنعت وحرفت او دستکاری کے تذکرہ سے خاموش ہے، البتہ تجارت میں کپڑا، غلہ، چمڑا، خشک میوے، اسلحہ اور عطریات وغیرہ اہم اشیاء تھیں۔

علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں:

''مکہ مکرمہ دنیا کا دل اور زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ شریف اس نقطہ کی مانند ہے جو کسی دائرہ کے وسط میں ہوتا ہے۔'' (تاریخ القویم)

ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے وسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے، اس لئے اسے ام القریٰ کہا جاتا ہے اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد ۳ صفحہ نمبر ۹) (معجم البلدان، جلد ۷، صفحہ ۲۵۶)

باب نمبر 3:

مکہ مکرمہ کا حدود اربعہ

مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا شمالی سلسلہ مغربی جانب میں جبل فلج، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع اور جبل کداء پر مشتمل ہے۔ یہ تمام پہاڑی سلسلہ شہر کے بالائی حصہ میں واقع ہے۔ جنوبی حصہ کی مغربی جانب جبل ابی حدیدہ اور جبل کدی جو جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے، واقع ہیں۔ پھر جبل ابی قبیس جو ان دونوں کے مشرقی جانب ہے، سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد جبل خندمہ ہے۔ ان تمام پہاڑوں کی چوٹیاں اور ہموار جگہوں میں بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکانات کی مجموعی تعداد تقریب پذیر ہوتے ہیں۔

مکہ یا بکہ جس کا نام ام القریٰ بھی ہے، حجاز کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر ابراہیم کی بناء، ایک نوجوان نبی اسماعیل کی ہجرت گاہ اور در یتیم امام المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مولد ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھچی ہیں یہ بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ۱/۲ ۱ کلومیٹر چوڑا۔ اس کا شمال مشرقی سلسلہ جبل افلج، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع اور جبل کداء سے مرکز ہے۔ موخرالذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے تھے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابوحدیدہ، جبل کدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکز ہے۔ مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے مقالہ نگار کے مطابق حدود اربعہ اس طرح ہے:

''مکہ شہر کی حدود اندازاً ایک ہیرے کی شکل میں ہے۔ اس کا طول اشماس سے بازان تک ۲۵ میل ہے جبکہ (جدہ روڈ پر واقع) تنعیم سے باب اقصیٰ (جو مسفلہ کی جانب یمن روڈ پر ہے) تک ۱۲ میل ہے، اور اشماس (مقام حدیبیہ) شہر سے

مغرب میں ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔''
لیکن انسائیکلو پیڈیا ۱۹۷۰ء کے ایڈیشن میں مکہ مکرمہ کا کل رقبہ ۱۰ مربع میل بیان کیا گیا ہے۔
(انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا جلد ۱۵ ص ۳۰، مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

مذکورہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کی آبادی میں سعودی حکومت کے مبارک دور میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ورنہ صدیوں سے آبادی جوں کی توں تھی، اس عہد میں تمدنی ترقی نے اس جمود کو توڑ دیا۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا اسی کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ شہر مغرب سے مشرق تک طول میں پھیلا ہوا ہے اور پہاڑوں کے دو سلسلوں سے جو مشرق، مغرب اور جنوب یعنی شہر کے تینوں دروازوں پر قریب قریب باہم مل جاتے ہیں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک آدمی اس کے دروازوں تک نہ پہنچ جائے اس کی عمارتیں نظر نہیں آتیں۔'' (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ نمبر ۲۰۳)

علامہ قطب الدین نے ۹۸۵ھ میں حسب ذیل پیمائش بیان کی تھی:

''باب معلاء سے باب ماجن تک ۴۰۷۲ ذراع اور باب معلاء سے شبیکہ تک ۴۱۷۲ ذراع۔'' (اعلام الاعلام، صفحہ ۱۵)

فواد ہاشم دمشقی نے بھی جزیرۃ العرب ص ۶۶ میں یہی حدود بیان کی ہیں۔ علامہ محمد لبیب البتونی نے ۱۳۲۹ھ میں حسب ذیل حدود بیان فرمائی ہیں:

''شمالاً جنوباً ۳ کلومیٹر لمبا اور شرقاً غرباً جبل ابی قبیس سے جبل قعیقعان تک ۲/۱۱ کلومیٹر چوڑا ہے۔'' (رحلۃ الحجازیہ، صفحہ ۱۶۰)

محمد بن حوقل التوفی ۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ عیسوی نے ۳۳۱ھ میں لکھا تھا:

''شمالاً جنوباً طول معلاء سے مسفلہ تک ۳ میل اور جیاد کے نیچے سے قعیقعان کی پشت تک عرض ۲ میل ہے۔
(صورت الارض، صفحہ نمبر ۲۸)

امام المورخین علامہ تقی الدین فاسی التوفی ۸۳۲ھ نے حدود اربعہ اس طرح بیان فرمایا تھا:

''باب معلاء سے باب ماجن تک ۴۴۷۲ ذراع اور باب معلاء سے شبیکہ تک ۴۴۹۲ ذراع۔'' (شفاء الغرام، صفحہ ۶۹)

عالم نبیل مورخ جلیل امام فاکہی مکہ مشرفہ کا حدود اربعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''مکہ معظمہ اللہ تعالیٰ اس کی عزت، عظمت اور شرف و مجد کو بلند و بالا فرمائے، ایک مستطیل شہر ہے جس کا ایک مبداء اور نہایت ہے۔ مبداء المعلاء (جہاں قبرستان جنت المعلاء ہے) اور اس کی انتہاء الشبیکہ اور شارع یمن سے مولد سیدنا حمزہ کے قریب تک ہے، اور اس کا عرض جبل جزل اور جبل ابی قبیس کے مابین واقع ہے۔ جبل جزل کا نام علامہ ازرقی نے جبل احمر لکھا ہے اور جبل ابی قبیس اور جبل جزل دونوں کو جبلین الاخشبان کہا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس شہر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ بے شمار مخلوق نہایت آسانی سے سما جاتی ہے۔ ایام حج میں لاتعداد انسانوں کا جم غفیر یہاں آتا ہے مگر سب سما جاتے ہیں۔'' (علامہ فاکہی)

☆☆☆

باب نمبر 4:

مکہ اور کعبہ کی وجہ تسمیہ

مکہ کی وجہ تسمیہ:

یہ مقدس، متبرک اور معزز نام اس قابل صد تعظیم وتکریم شہر کا ہے، جس پر دنیا جہان کی عظمتیں اور نعمتیں قربان، جن کے چشمہ فیض سے عالم انسانیت مستفیض ہو رہا ہے۔ جو خطہ مقدسہ اس کرۂ ارضی کے وجود کا موجب اور باعث تخلیق بنا۔ جو اپنی لطافت، نظافت، شرافت، عظمت وجلالت وشرف ومجد میں یگانہ روزگار ہے اور جس کی توصیف وتحمید سے قرآن مجید، احادیث سید الرسل ﷺ اور تاریخ عالم کے اوراق مزین ومعمور ہیں۔

قرآن مجید میں اس سرزمین پاک کو ''بکہ'' اور ''مکہ'' جیسے ذی شان ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بکہ اور مکہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن ''بکہ'' کی با، میم سے بدل کر مکہ بن گیا۔ جس طرح لفظ ''لازم'' اصل میں ''لازب'' تھا، مگر با، میم سے تبدیل ہوگئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔ (تفسیر کبیر، جلد۳، صفحہ۸) (قرطبی، جلد۴، صفحہ۱۳۸)

سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ عرب، حجاز، مکہ اور کعبہ، جتنے الفاظ اور اسماء ہیں، اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے (یعنی جس وقت یہ شہر آباد ہوا ان ناموں سے لوگ ناآشنا تھے) لفظ ''عرب'' دسویں صدی قبل مسیح میں مستعمل ہوا (دیکھئے: جغرافیہ بطلیموس) حجاز کا لفظ تو اس سے بھی زیادہ نیا ہے اور مکہ کا نام تو دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے ''مکاربا'' کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے تورات میں اس مقام کا نام اولاً ''مدبار'' یعنی بادیہ بتایا گیا ہے اور قرآن مجید نے اسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کے زمین) کہا ہے۔ اس کے سوا مکہ شریف کی آبادی کے وقت اس کا کوئی دوسرا نام نہیں تھا۔ مدت کے بعد یہی لفظ یعنی مدبار بادیہ وصحرا اور ودی غیر ذی زرع اس سرزمین کا نام قرار پایا، لفظ عرب کے لفظی معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں اسی طرح مدبار ''بادیہ'' وادی غیر ذی زرع اور عرب سب ہم معنی الفاظ ہیں۔

اکثر مؤرخین کی رائے یہی ہے کہ تاریخ میں مکہ مکرمہ کا ذکر سب سے پہلے بطلیموس نے دوسری صدی عیسوی میں کیا تھا، لیکن بعض مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے دیودورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل مسیح میں مکہ مکرمہ کا ذکر کیا تھا۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے اپنی تصنیف عرب الاسلام ص ۲۳۱ میں اور رللاب لوبس شیخو یسوعی نے النصرانیۃ وادابہا جلد۱، صفحہ ۱۴ میں بیان کیا ہے۔

کعبہ کی وجہ تسمیہ:

وہ مقدس گھر جس کی نسبت شریفی اللہ جل شانہ کی طرف ہے۔ اپنے شرف ومجد اور عزت وتکریم کے باعث ''کعبہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ ''کعبہ'' کسی چیز کی سربلندی اور شرافت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس فرش خاکی پر یہ گھر بے انتہا معزز ومکرم، اشرف وامجد اور اکرم ہے۔ جو پیدائش میں بھی سب سے قدیم اور جس کی فضیلت ہر چیز پر حاوی اور اغلب ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ ''کعبہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ لفظ لغوی اور معنوی اعتبار سے حسب ذیل مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

الکعب جمع کعوب جس کے معنی بلند ومرتفع، بزرگی اور شرافت والی چیز کے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے:

((اعلی اللہ کعبھم))

''اللہ تعالیٰ ان کی شان بلند کرے۔''

اور

((رجل علی العکب))

''بڑی شان وشوکت والا مرد۔''

گویا کہ یہ گھر بلند و بالا، عظمت وشان والا، رفع الدرجات، عظیم المرتبت اور فخیم المنقبت ہے۔ (تاج العروس. جلد ۱، صفحہ ۴۵۶)

امام ازرقی لکھتے ہیں:

''اسے کعبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بلند، مرتفع اور چوکور ہے۔ جب کہ قدیم زمانہ میں لوگ اس کی تعظیم کے پیش نظر اپنے مکانات مربع شکل اور چھت والے نہیں بناتے تھے۔ اس طرز کا پہلا مکان جب حمید بن زہیر نے بنایا تو قریش نے اظہار ناپسندیدگی کیا تھا۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۱۹۶)

باب نمبر 5:

مکہ مکرمہ کے نام

ماہرین عمرانیات اور مفسرین کے اخذ کردہ نام:

ماہرین عمرانیات اور مفسرین نے قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے مکہ مکرمہ کے مقدس اسماء کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے نام جتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں، کسی اور شہر کے اتنے نام نہیں ہیں۔ اس شہر معظم کے نام مدینہ طیبہ کے اسماء سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو اس کی عزت وعظمت اور شرف ومجد کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

واعلم بان کثرة اسامی

دلالة ان المسمی سامی

''کسی کے زیادہ نام اس کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔''

مکہ مکرمہ کے کچھ نام:

اس متبرک شہر کے اکثر یہ نام بیان کیے جاتے ہیں:

المکہ۔	البکہ۔	البیت العتیق۔	البیت الحرام۔
المعاد۔	الماذرا۔	المعطشة۔	العروض۔
القریة۔	الکوثی۔	القریة النمل۔	الحاطمة۔
البرة۔	الطیبة۔	الراس۔	البلد الامین۔
المامون۔	ام رحم۔	ام القری۔	الصلاح۔
القرش۔	القادس۔	الناسة۔	الباسة۔

(ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۳۸۲) (اعلام الاعلام، صفحہ نمبر ۱۸) (اخبار مکہ، صفحہ ۱۹۷)

البلدة۔	البلد۔	معاد۔	الوادی۔
ناسة۔	نسلسة۔	الحاطمة۔	العرش۔

العریش۔	القادس۔	المقدسة۔	القادسة۔
الحرم۔	المسجد الحرام۔	المعطشة۔	الرتاج۔
ام الرحم۔	ام زحم۔	ام صبح۔	ام روح۔
بساق۔	المكتان۔	النابیة۔	ام الرحمة۔
الناشتة۔	البساسة۔	طیبة۔	برة۔
السلام۔	العذراء۔	نادرة۔	العرویش۔
الحرمة۔	العروض۔	السیل۔	مخرج صدق۔
قریة الحمس۔	ام راحم۔	نقرة الغراب۔	البنیة۔
فاذان۔	المكتال۔	النابیہ۔	ام روح۔
ام الرحمٰن۔	الوادی۔	القرای۔	والبنہ۔
خادال۔	البساسہ۔	قریہ الحمس۔	سبوحہ۔
والسلام۔	العذراء۔	نادرہ۔	الحجر۔
لحرمة۔	الحزمة۔	العرویش۔	نادرہ۔
بساق۔	ام صبح۔	المعطشہ۔	

قاضی ابوالبقاء ابن الضیاء الحنفی نے تیس اسماء مبارک بیان فرمائے ہیں جو چند ابیات میں منظوم ہیں۔

لمكة اسماء ثلاثون عددت ومن بعد ذاك اثنان منها اسم بكة

صلاح و كوثی والحرم و قادس و حاطمة البلد العریش بقریة

و معطشة ام اقری رحم ناسة و نابیة راس بفتح لهمزة

مقدسة والقادسة و نساسة و راس و تاج ام كوثی كبرة

سبوحة عرش ام رحمان عرشنا كذا حرم البلد الامین كبلدة

كذلك اسمها البلد الحرام لا منها وبالمسجد الاسنی الحرام تسمت

وما كثرة الاسماء الالفضلها

حباها به الرحمن من اجل كعبة

اسم مبارک......مکہ:

یہ لفظ ''مک'' سے مشتق ہے اور مک دھکیلنے اور جذب کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ شہر بہت زیادہ آباد ہے، چلنے اور طواف کرنے میں لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور اس کی یہ صاف بھی ہے کہ گناہ گار انسانوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے۔ علاوہ ازیں مکہ ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پانی کی قلت ہو۔ نیز ظالم اور جابر کو تباہ و برباد کر دیتا ہے ان وجوہ کی بنا پر اسے مکہ کہا جاتا ہے۔

(تاج العروس، جلد ۷ لفظ ''مک'' لسان العرب لفظ مکک)

مکہ ایسی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو اپنی مقناطیسی قوت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور اسے مکہ کہنے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ شہر کرۂ ارضی کے وسط میں واقع ہے اور دنیا بھر کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کا منبع بھی ہے۔ اس طرح تمام روئے زمین مکہ شریف کے پانی سے سیراب اور فیض بار ہو رہی ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد۳، صفحہ۹)

اسم مبارک......بکہ:

سب سے زیادہ مشہور نام ''بکہ'' اور ''مکہ'' ہے۔ اس شہر دلربا کو ''بکہ'' کیوں کہا جاتا ہے؟ مفسرین اس کی عقدہ کشائی اس طرح فرماتے ہیں:

''اس جگہ بڑے بڑے جابر اور ظالم لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ہر تکبر اور بڑائی کرنے والا یہاں آ کر پست ہو جاتا ہے اس وجہ سے اسے بکہ کہا جاتا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ زائرین اور طواف کرنے والوں کا یہاں ہر گھڑی جمگھٹا رہتا ہے، مطاف ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس کے گلی کوچے بھی لوگوں کے جم غفیر سے معمور رہتے ہیں۔''

(تفسیر کبیر، جلد۳، صفحہ۸) (تفسیر قرطبی، جلد۴، صفحہ۱۳۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی حدود و قیود کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فج سے تنعیم تک کا علاقہ مکہ اور بیت اللہ سے بطحا تک بکہ ہے۔

مکہ اور بکہ میں فرق:

بکۃ جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان کا علاقہ ہے۔ جب کہ یہ دونوں پہاڑ قریب قریب ہیں اور کعبہ شریف ان دونوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور مکہ اس پاکیزہ شہر کو کہا جاتا ہے اور حرم کا اطلاق نہ تو بکۃ پر ہوتا ہے اور نہ ہی مکہ پر، بلکہ حرم شریف نے تو مکہ مکرمہ کو ہر سمت سے گھیرا ہوا ہے۔ (تاریخ القویم، جلد۲، صفحہ۷)

بکہ ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم ہی کے اندر جائز ہے باہر نہیں، کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ قول امام مالک، امام ابراہیم نخعی، امام عطیہ عوفی اور امام مقاتل بن حسان کا ہے۔

امام ابراہیم، امام زہری اور عکرمہ کا فرمان ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے ارد گرد کا علاقہ تو بکہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ سے بھی یہ قول منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے۔

یہ روایت بھی ہے کہ بکہ تو صرف بیت اللہ ہے اور جہاں تک حدود حرم ہیں وہ سارا مکہ ہے۔

(ابن کثیر، جلد۱، صفحہ۳۸۴) (ابن جریر، جلد۴، صفحہ۹۶)

بیت الحرام:

اللہ رب العزت نے اس مقدس گھر کو بیت الحرام بھی کہا ہے:

((جعل الله الكعبة البيت الحرام))

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو عزت والا گھر بنایا ہے۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۹)

((انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم)) (سورئه ابراهیم، آیت ۲۵)

''حضرت ابراہیم نے عرض کی: میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس بنجر زمین میں بسایا ہے۔''

المسجد الحرام:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ معظمہ کو المسجد الحرام کے خطاب سے بھی نوازا ہے۔جیسا کہ فرمان ذی شان ہے:

((انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام))

''مشرکین نجس ہیں، پس یہ مسجد حرام کے قریب نہیں آسکتے۔'' (سورۂ توبہ، آیت ۲۸)

امام عبدالرزاق نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم محترم یعنی مکہ معظمہ ہے۔

(روح المعانی، جلد ۶، صفحہ ۷۷) (تفسیر کبیر، جلد ۴، صفحہ ۴۱۹)

مشرکین کا داخلہ صرف بیت اللہ میں نہیں بلکہ حدود حرم میں ممنوع ہے۔اب تو حدود حرم پر تختیاں آویزاں ہیں جن پر لکھا ہوا ہے کہ اس جگہ سے آگے مشرکین نہیں جاسکتے۔

اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے مابین معاہدہ طے پایا تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا۔

((الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام))

''مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس۔'' (سورۃ التوبہ)

ایک اور جگہ فرمان رب العزت ہے:

((ان الذین کفروا یصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلناہ للناس سواء العاکف فیہ والباد))

''جو لوگ کافر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ اور مسجد حرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے واسطے بنایا ہے۔اس میں برابر ہیں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے۔''

امام رازی فرماتے ہیں:

''یہاں بھی مسجد حرام سے پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ العاکف سے مراد قیام کرنا ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ لوگوں کا قیام بیت اللہ میں نہیں بلکہ شہر کے مکانات میں ہوتا ہے۔اس لئے یہاں مسجد حرام سے مراد مکہ مشرفہ ہے۔'' (تفسیر کبیر، جلد ۶، صفحہ ۱۵۴)

قرآن مجید میں اس متبرک گھر کو حرام کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔مثلاً:

((فول وجھك شطر المسجد الحرام))

''پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔'' (سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴)

((ذلك لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام))

''یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ رہنے والے ہوں۔'' (سورۂ البقرہ، آیت ۱۹۶)

((سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ))

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو ایک رات کے اندر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔''

((ان الذین کفروا و یصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام))

''بیشک جو لوگ کافر ہوئے وہ اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں۔''(سورۂ حج، آیت ۲۵)

الباسۃ:

الباسہ کا معنی ہے ختم کرنے والا۔ شہر مکہ کا خاصا ہے کہ یہ ملحدین کو ختم کر دیتا، یا باہر نکال دیتا ہے، اس لیے اسے الباسۃ کہا جاتا ہے۔

الرأس:

الرأس کا معنی ہے: سر، اس نام کی وجہ امام یاقوت الحموی یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شہر کی شکل انسان کے سر کی مانند ہے اس لئے اسے الراس کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

المعاد:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((ان الذین فرض علیک القران لرادك الی معاد))

''جس نے آپ پر قرآن کا حکم بھیجا ہے، وہ پھر آپ کو پہلی جگہ لانے والا ہے۔''(سورۃ القصص)

اس آیت میں اس شہر کو معاد فرمایا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ہجرت کے موقع پر واپس مکہ مکرمہ آنے کی تسلی دی گئی ہے یا پھر فتح مکہ کی خبر دی گئی ہے۔ بہر حال یہاں معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ایک بزرگ نے مجھے فرمایا: مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے الوداع کرتے ہوئے یہ آیۃ کریمہ دہلیز کعبہ پر انگلی سے لکھ دی جائے تو اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دوبارہ حاضری نصیب ہوگی۔ سیدنا عکرمہ نے معاد کی تفسیر مکہ سے ہی کی ہے۔

الحاطمۃ:

الحاطمۃ کا معنی ہے تباہ کرنے والا، یہ شہر کیونکہ ظالم و جابر لوگوں کو تباہ و برباد کرنے یا باہر نکال دینے والا ہے، اس لیے اسے الحاطمۃ کہا جاتا ہے۔

قریۃ النمل:

قریۃ النمل کا معنی ہے:

چیونٹیوں کا شہر، اس مقام پر چیونٹیوں کی کثرت پائی جاتی تھی، اس لیے اسے قریۃ النمل کہا جاتا ہے۔

کوثی:

کوثی جبل قعیقعان کے دامن میں بنی عبدالدار کی قیام گاہ تھی، اس نسبت سے کوثی اس شہر معظم کا نام رکھا گیا۔

ام القریٰ:

ام القریٰ کا معنی ہے: بستیوں کی اصل۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

((لتنذر ام القریٰ ومن حولها))

’’تا کہ آپ مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کو ڈرائیں۔‘‘ (سورہ شوریٰ، آیت ۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ شہر عزت و تکریم میں دنیا کے شہروں سے بزرگ و برتر ہے اور چونکہ اسی کو پھیلا کر کرۂ ارض وجود میں آیا ہے، اس لئے اسے ام القریٰ کہا جاتا ہے۔

البیت العتیق:

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

((ثم محلها الی البیت العتیق))

’’پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے۔‘‘

چونکہ قربانی کا محل بیت اللہ شریف نہیں بلکہ منی ہے اور جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کی تمام گھاٹیاں اور پہاڑیاں قربانی کی جگہ ہیں تو اس سے یہ واضح ہے کہ اس آیت قدسیہ میں بیت العتیق مکہ مشرفہ کو کہا جاتا ہے نہ کہ بیت اللہ شریف کو۔

(تفسیر کبیر، جلد ۶، صفحہ ۱۵۹)

مذکورہ بالا آیت میں کعبہ شریف کو بیت العتیق کہا گیا ہے اور عتیق کے معنی کہنہ اور پرانا کے ہیں۔ عتق، عتقا، عتاقا، عتق سے ہو تو کہنہ اور پرانا معنی لیا جاتا ہے۔ چونکہ دنیا میں سب سے قدیم گھر یہی ہے اس لئے اسے عتیق کہا گیا۔ جیسا کہ اکثر روایات میں آتا ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس گھر کو پیدا کیا گیا تھا اور عتق، عتقا، عتاقا، عتاقۃ کے باب سے ہو تو اس کے معنی آزاد ہونے کے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی تشریح یوں کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ذی شان مقام ہے جسے اللہ کریم نے مخلوق کی ملکیت سے آزاد قرار دیا ہے۔ اسے عتیق اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ جس خوش نصیب انسان کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ پروردگار عالم اسے جہنم کی آگ سے آزاد فرما دیتا ہے اور اس معنی میں بھی یہ عتیق ہے کہ طوفان نوح کی عالمگیر تباہی سے اسے محفوظ رکھا گیا۔

(تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۹) (زاد المسیر، جلد ۵، صفحہ ۴۲۸)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اسے ظالم لوگوں کی دسترس سے آزاد کر دیا ہے، اس بنا پر بھی یہ عتیق کہلاتا ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۹) (اخبار مکہ، صفحہ ۱۹۶)

البلد:

قرآن مقدس فرماتا ہے:

((لا اقسم بهذا البلد))

’’مجھے اس شہر کی قسم!‘‘

((و انت حل بهذا البلد))

’’کیونکہ تو اس شہر میں رہتا ہے۔‘‘

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں:

’’البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے کہ حضور ﷺ نے بھی اس سے مراد مکہ مکرمہ ہی لیا ہے۔‘‘

البلد الامین:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

((وهذا البلد الامين))

سیدنا ابن عباس جو سید المفسرین ہیں فرماتے ہیں: اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ زید بن اسلم نے بھی یہی روایت کی ہے۔

البلدہ:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

((انما امرت ان اعبد رب هذا البلده))

''مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں۔''

ایک موقعہ پر حضور نے فرمایا:

((اليس البلده))(مشكوة، صفحه ۲۳۳)

الباسہ:

سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کو باسہ اس لیے کہا گیا جو اس میں الحاد کا مرتکب ہوتا ہے اسے بستی ہلاک کر دیتی ہے

الناسہ:

اس کا معنی بھی الباسہ والا ہی ہے۔

صلاح:

مکہ کو صلاح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں امن و سکون ہے۔ مصعب ابن زبیر نے اس نام کا استدلال ابو سفیان بن امیہ کے ا
مصرعہ سے کیا ہے جو اس نے ابن حضرمی کو کہا:

((ابا مطر هلم الى صلاح))

القادس:

صاحب امطاع فرماتے ہیں: یہ تقدس ہے، لا نما تطهر الذنوب اسے القادس اس لیے کہا جاتا ہے کہ گناہوں سے پاک کرتا ہے

المقدسہ:

اس کے معنی یہاں القدوس کے ہیں۔

ام رحم:

مجاہد نے ماوردی سے نقل کیا ہے کہ چونکہ یہاں کے لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اس لیے ام رحم کہا گیا۔

ام زحم:

یہاں حج کے موقعہ پر خصوصاً بھیڑ ہونے کے باعث ام زحم کہا گیا۔

ام القریٰ:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

((لتنذر به ام القرى ومن حولها))

''ہم نے تیری طرف قرآن اتارا تاکہ (ام القراء (مکہ) اور گردنواح کے لوگوں کو ڈرائے۔''

بطن مکہ:

ارشادگرامی ہے:

((هو الذی کف ایدیهم عنکم و ایدیکم عنهم ببطن مکه))

کعبہ کی شان کو بیان کرنے والی آیات:

قرآن مجید اس ذی شان مکان کی غرض وغایت اور مقصود ومطلوب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

((مبارکاً وهدی للعالمین))

''برکت والا اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔'' (سورۂ آل عمران، آیت ۹۶)

((من دخله کان امنا))

''جو آدمی اس کی حدود میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا۔'' (سورۂ آل عمران، آیت ۹۶)

((مثابةً للناس و امنا))

''تمام انسانوں کے لئے مرکز اجتماع اور پناہ گاہ ہے۔'' (سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵)

((قیاماً للناس))

''لوگوں کے قیام کی جگہ۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۹۷)

((سواء ن العاکف فیه و الباد))

''اس میں رہنے اور باہر سے آنیوالے سب کے لئے برابر ہے۔'' (سورۂ حج، آیت ۲۵)

باب نمبر 6:

مسجد حرام کب تعمیر ہوئی

حضرت ابوذر غفاری کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے اوّل کون سی مسجد تعمیر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''مسجد حرام۔''

پھر میں نے دریافت کیا کہ پھر کون سی؟ آپ نے جواب دیا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا کہ ان کے درمیان کتنے سال کا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال کا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، صفحہ ۷۲)

اس حدیث میں ایک اشکال ہے جسے قاضی القضاۃ شیخ الاسلام فخر الدین خطیب مسجد حرام ابوبکر بن علی بن ظہیرۃ شافعی تغمده الله برحمة واسکنه فسیح جنة نے اپنی کتاب: ''شفاء العلیل فی حج بیت اللہ الجلیل'' میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی مسجد کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا، جیسے قرآن پاک میں ذکر ہے:

((و اذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت و اسماعیل))(سورة البقرة)

مسجد اقصیٰ کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نسائی میں سند صحیح کے ساتھ

مذکور ہے۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد جلد اول میں اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تجدید کی ہے اس موسس یعنی بانی اول تو حضرت یعقوب ہیں۔

باب نمبر 7:

پہلا گھر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببكة مباركاو هدی للعالمین))

''بے شک جو پہلا گھر لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، بابرکت اور سارے جہانوں کے لیے ہدایت۔''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔

روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر ہے۔اس سے قبل کوئی مکان نہیں تھا۔

یہ لوگوں کے لئے قبلہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر ہے۔

مکہ معظمہ میں سب سے پہلا گھر ہے جو معرض وجود میں آیا۔

آخر الذکر قول پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے۔

ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مفسرین نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ ''ان اول بیت وضع'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر ہے، جو برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔یہ گھر مکہ معظمہ میں واقع ہے۔ کیونکہ روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر نہیں ہے بلکہ اس سے پیشتر کافی مکانات موجود تھے۔اس قول کو حضرت علی المرتضیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر، جلد اول:۳۸۳)

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ کعبہ شریف کی جگہ زمین پر سب سے پہلے رکھی گئی۔اس قول کو قتادہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔قتادہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس یہ بات بیان کی گئی کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم کے ساتھ اتارا گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے آدم! میں تیرے ہمراہ اپنا گھر اتار رہا ہوں اس کے گرد ایسے طواف ہوگا جیسے میرے عرش کے گرد طواف ہوتا ہے۔''

تو حضرت آدم نے اور ان پر ایمان لانے والوں نے اس کا طواف کیا۔

ابن جریر نے آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے:

((والصواب من الاقوال فی ذالك ان اول بیت وضع للناس ای لعبادة الله فیه))

''تمام اقوال میں سے درست اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد سب سے پہلا گھر از روئے عبادت الٰہی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ '' ان اول بیت وضع للناس'' سے مراد خانہ کعبہ ہے اور یقیناً وہ پہلا گھر ہے جو عبادت الٰہی کی غرض سے معرض وجود میں آیا اور حضرت آدم اس کے بانی ہیں۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ آسمانوں کی تخلیق سے پیشتر جب کہ عرش الٰہی پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی اس نے پانی کو دھکیلا جس سے خشفہ (ایک آبی بوٹی) ظاہر ہوئی۔وہ بیت اللہ شریف کے مقام پر تھی اور وہ قبہ کے

تھی۔اس کے نیچے تمام زمین پھیلائی گئی۔پھراس پر پہاڑوں کوبطور میخیں نصب کر دیا۔(اخبار مکہ، جلد ا، صفحہ ۳۲)
پھر یاقوت نے لکھا ہے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالی نے زمین پر کعبہ شریف کو بنایا۔پھر اس سے تمام زمین پھیلائی گئی۔اس لحاظ سے یہ زمین کی ناف دنیا کا وسط اورام القری ہے۔
ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ"ان اول بیت" کے سلسلہ میں جو روایات وارد ہوئی ہیں جن میں ذکر ہے کہ تخلیق ارض سے دو ہزار سال پہلے خانہ کعبہ معرض وجود میں آیا تھا،وہ موقوف ہیں،بعض صحابہ کرام یا تابعین کے اقوال ہیں۔اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی مرفوع حدیث ثابت نہیں۔ہاں البتہ ایک روایت مذکور ہے جو صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

"بے شک اس شہر کواللہ تعالی نے حرمت والا بنایا ہے جس دن سے ارض وسماء کی تخلیق ہوئی اور اب بھی اس کی حرمت بدستور قائم ہے۔"(اخبار مکہ، جلد ا، صفحہ ۱۲۶)

لیکن یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ بیت اللہ شریف کا وجود آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے تھا۔یہ تو صرف اسی کی حرمت قدیمی پر دلالت کرتا ہے۔اللہ تعالی کا قول: "ان اول بیت" اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جواللہ تعالی کی عبادت کے لئے بنایا گیا اور اس قول میں مفسرین اور مورخین کا کوئی اختلاف نہیں۔

باب نمبر8:

کعبۃ اللہ(مسجد حرام)تعارف واہمیت

مسجد حرام کا ذکر قرآن کریم میں:

حضرت سید علوی مالکی نے قرآن کریم میں پندرہ ایسے مقامات بیان کئے ہیں جہاں پر مسجد حرام کا ذکر ہے،ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴۔	2:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۴۹۔
3:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۱۔	4:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۹۱۔
5:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۹۶۔	6:	سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۱۷۔
7:	سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۔	8:	سورۃ انفال آیت نمبر ۳۴۔
9:	سورۃ توبہ آیت نمبر ۷۔	10:	سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۸۔
11:	سورۃ توبہ آیت نمبر ۲۸۔	12:	سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱
13:	سورۃ حج آیت نمبر ۲۵۔	14:	سورۃ فتح آیت نمبر ۲۵۔
15:	سورۃ فتح آیت نمبر ۲۷۔		

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معانی اسم مذکور میں شامل ہیں جیسے کہ قرآن پاک اس پر دلالت کرتا ہے لیکن اہل عرب جب کہتے ہیں:

((اعتکفنافی المسجد الحرام و دخلنا المسجد الحرام وصلینا فی المسجد الحرام))

تو اس سے مراد وہ معروف مسجد ہے جس کا مسجد ہونا ثابت ہے جس میں حائضہ اور نفاس والی کا داخلہ ممنوع ہے اور حرم کی مساجد میں سے خاص کی گئی ہے۔ اس کے فضائل خانہ کعبہ اور اس کے گرد طواف کے باعث ہیں۔ ہاں البتہ مسجد کی خصوصیات جو مسجد حرام سے لئے ثابت ہیں وہ تمام حرم کی مساجد پر مشتمل ہیں اور وہ بکثرت ہیں۔ جن کا ذکر کتب احادیث اور فقہ میں موجود ہے۔

رسول اللہ کی بیت اللہ سے محبت:

حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار الحزورہ کے پاس دیکھا (الحزورہ حرم شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے) آپ مکہ مکرمہ کی طرف مخاطب ہو کر فرما رہے تھے:

((واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ واللہ لولا انی اخرجت منک ماخرجت))

''اے مکہ! اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اسے تو بہت ہی پسند ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔'' (ابن ماجہ ۲۲۴) (مشکوٰۃ، صفحہ ۲۳۸)

المحدث الشہیر، الفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری مذکورہ حدیث کی تشریح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ قیام اختیار کرے۔ اگر چہ اس کا نکلنا حقیقتاً ہو یا حکماً۔ دینی غرض سے ہو یا دنیاوی مقصد کے لئے اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ورود و دخول تو سعادت ہے مگر اسے چھوڑ نا شقاوت ہے۔

دھنسنے والا لشکر:

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خانہ کعبہ پر ایک لشکر چڑھائی کر کے آئے گا اور تمام زمین میں دھنس جائیں گے۔''

اسلام کا ستون:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک یہ گھر اسلام کا ستون ہے۔''

اسے ازرقی نے بیان کیا ہے۔

حضرت آدم کے ساتھ آسمان سے اترنے والا گھر:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے نکالا تو فرمایا:

''اے آدم! میں نے تجھے جنت سے نکال دیا اور تیرے ہمراہ اپنا گھر اتار رہا ہوں جس کا طواف ہوگا۔ جیسا کہ میرے عرش کے گرد طواف ہوتا ہے اور اس کے پاس اس طرح نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔''

جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا تو اس سے پہلے انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور بعد طوفان نوح کسی کو اس کی جگہ معلوم نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ بتلا دی اور اس کے مقام سے آگاہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرار، شبیر، لبنان، طور اور جبل احمر کے پانچویں پہاڑوں کے پتھروں سے خانہ کعبہ تعمیر کیا

اور فرمایا:

''اپنی حسب استطاعت اس کے طواف سے فائدہ اٹھاؤ''(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۴۰)

اسے ابوذر نے روایت کیا۔

رت آدم سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

ازرقی نے عثمان بن ساج سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم زمین پر اتارے گئے تو انہیں وہاں کوئی نظر نہ آیا اور زمین بڑی معلوم ہوئی۔ یہ بات دیکھ کر گھبرائے گئے۔ کہنے لگے:

''اے پروردگار! کیا میرے سوا تیری اس زمین کو کوئی آباد کرنے والا نہیں جو تیری تسبیح وتقدیس بیان کرے۔؟''

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

''تیری اولاد سے ایسے آدمی پیدا کروں گا جو میری تسبیح وتقدیس بیان کریں گے اور ایسے گھر بناؤں گا جو میری یاد کے لئے بلند کئے جائیں گے اور اس میں میری مخلوق میری تسبیح بیان کرے گی اور جلدی ہی تجھے ایسا گھر بتلاؤں گا جسے میں اپنے لئے پسند کروں گا اور اپنی کرامت کے ساتھ خاص کروں گا اور روئے زمین پر تمام گھروں سے اسے پسند کروں گا۔ میں اسے اپنے حرم کے نام سے تجویز کروں گا اور تمام گھر والوں سے زیادہ حقدار اور سب سے پہلے اپنی عبادت کے لئے مخصوص کروں گا۔ میں اسے ایسے خطہ میں رکھوں گا جو میں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ میں نے اس مکان کو اس دن سے منتخب کر رکھا ہے جس دن آسمان اور زمین کو وجود میں لایا۔ اس سے پہلے وہ میرا مطلوب تھا اور تمام گھروں سے مجھے زیادہ پسند تھا۔ میں نے اس میں ٹھہرنا نہیں اور نہ ہی میری ذات کے لائق ہے کہ کسی مکان میں ٹھہروں اور نہ ہی کسی مکان میں اتنی وسعت ہے کہ میں اس میں ٹھہر سکوں، بلکہ میں تو کبریا اور جبروت کی کرسی پر قائم ہوں اور وہ ایسا مکان ہے جو میری عزت کے ساتھ مستقل ہے۔ اس کے اوپر میں نے عظمت وجلال ڈال دیئے۔ اگر میری قوت نہ ہوتی تو وہ بہت کمزور ہوتا۔ پھر میں اس کے بعد ہر چیز کے پر ہو جانے کے برابر بلکہ ہر چیز سے اوپر ہوں۔ ہر شے کے ساتھ ہوں اور ہر شے کو گھیرے ہوئے ہوں۔ ہر شے کے آگے اور پیچھے ہوں۔ کسی کو یہ لائق نہیں کہ میرے علم کو معلوم کرے اور میری قدرت پر قادر ہو۔ میری شان کی کنہ سے کوئی واقف نہیں۔ میں یہ گھر تیرے لئے اور تیرے بعد میں آنے والوں کے لئے بناؤں گا۔ اس کو حرمت والا اور امن والا بناؤں گا۔ اسے اپنی حرمات میں شامل کروں گا۔ جو اس کے اوپر نیچے اور گرد ہوگا وہ بھی حرمات میں شامل ہوگا۔ جس نے اس کی حرمت کی، میری حرمت کی وجہ سے تو اس نے میری حرمات کی تعظیم کی۔ اور جس نے اسے حلال سمجھا تو اس نے میری حرمات کو مباح سمجھا۔ جس نے وہاں کے رہنے والوں کو امن دیا تو وہ میری امان کا مستحق ٹھہرا۔ اور جس نے انہیں ڈرایا اس نے میرے عہد کو توڑا۔ جس نے اس کی شان کو عظیم سمجھا وہ میرے نزدیک عظیم ہوگا اور جس نے اسے حقیر تصور کیا وہ میرے نزدیک ذلیل اور حقیر ہوگا۔ ہر بادشاہ کی اس کے اردگرد ایک حفاظتی جگہ ہوتی ہے اور مکہ معظمہ کا وسط یعنی بیت الحرام مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میری حفاظتی جگہ ہے۔ نیز میرے گھر کا پڑوسی اور اسے آباد کرنے والے میرے وفد اور میرے مہمان ہیں۔ وہ میرے پہلو میں میرے پاس ہیں۔ میں ان کا ضامن ہوں اور ان کی جائے پناہ ہوں۔ میں اسے سب سے پہلا گھر بناؤں گا جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ اسے آسمان والوں سے آباد کروں گا۔ اور زمین والے اس کے پاس فوج در فوج آئیں گے۔ وہ دبلی پتلی سواریوں پر سوار ہو کر دور دراز سے سفر کرتے آئیں گے۔ وہ تکبیرات پڑھتے ہوئے اور لبیک پکارتے

ہوئے داخل ہوں گے۔ جس نے اس کا عمرہ کیا میری رضا کے لئے تو گویا اس نے میری زیارت کی۔ اور میرے ہاں وہ مہمان آیا اور میرے پاس ٹھہرا۔ تو مجھے یہ لائق ہے کہ اسے اپنی کرامت اور بزرگی کا تحفہ عنایت کروں اور کریم کے ذمے یہ حق ہے کہ وہ اپنے وفد اور مہمانوں کی عزت کرے اور ہر ایک کی حاجت پوری کرے۔ اے آدم! جب تک تو زندہ ہے اسے آباد کرے گا۔ پھر تیرے بعد آنے والی امتیں اور نسلیں اسے آباد کریں گی اور انبیاء یکے بعد دیگرے اسے آباد کریں گے۔ یہاں تک کہ تیری اولاد میں اس نبی کی باری آئے گی جسے خاتم النبیین کا لقب دیا جائے گا۔ میں اس کو آباد کرنے والا وہاں پر رہنے والا، اس کا حامی اور متولی بناؤں گا۔ وہ جب تک زندہ رہے گا اس پر میرا امین ہوگا۔ جب وہ میری طرف لوٹے گا تو میرے پاس اجر کا ذخیرہ اکٹھا کیا ہوا پائے گا جو اس کے لئے میری قربت اور وسیلہ کا باعث بنے گا۔ اور ٹھہرنے کے گھر میں یعنی جنت میں اس کا افضل مکان بناؤں گا۔ اس گھر کا نام رکھوں گا اور اس کا ذکر شرف اور بزرگی ایسے نبی کے لئے بناؤں گا جو تیری اولاد سے ہوگا۔ اس سے اس کا باپ ہوگا وہ ابراہیم کے نام سے موسوم ہوگا۔ میں اسے خانہ کعبہ کی بنیادیں بتلاؤں گا اور اس کے ذریعے اس عمارت کی تکمیل کروں گا اور پانی پلانے کا کام اس کے ذمے لگایا جائے گا۔ میں اسے اپنے حل وحرم سے آگاہ کروں گا اور مواقف بھی بتلاؤں گا۔ نیز اپنے مناسک اور مشاعر سے بھی مطلع کروں گا۔ اسے ایک ایسی امت کے برابر بناؤں گا جو اللہ تعالی کی فرمانبردار ہوگی۔ جو میرے حکم کے مطابق لوگوں کو میرے راستے کی دعوت دے گا۔ میں اسے پسند کروں گا اور سیدھے راستے کی ہدایت کروں گا۔ میں اسے آزماؤں گا وہ صبر کرے گا۔ میں اسے تندرستی عنایت کروں گا تو وہ میرا شکر گزار ہوگا۔ میرے لئے نذر مانے گا تو پوری کرے گا۔ مجھ سے وعدہ کرے گا تو پورا کرے گا۔ اس کی اولاد کی دعا قبول ہوگی۔ اور اس کی شفاعت منظور ہوگی۔ میں ان کو اس گھر کے مالک اور والی، حمایت کرنے والے، خدمتگار، مجاور اور دربان وغیرہ بناؤں گا۔ یہاں تک کہ جب وہ بدعت کے کام شروع کر دیں گے اور دین میں تغیر وتبدل کریں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو میں اللہ ہوں سب لوگوں سے زیادہ طاقتور ہوں میں سے چاہوں گا بدل دوں گا اور اس کے بدلے جسے چاہوں گا لاؤں گا۔ میں حضرت ابراہیم کو اس گھر والوں کا امام اور اس شریعت والوں کا پیشوا بناؤں گا۔ جو اس ملک میں آئے گا اس کی پیروی کرے گا خواہ جن ہو یا انسان۔ وہ اس کے قدموں کی پیروی کریں گے اور اس کی سنت کی اتباع کو لازمی تصور کریں گے۔ نیز اس کے طریقے کی اقتدا کریں گے۔ جس نے یہ کام کیا اس نے نذر پوری کی اور دین کو مکمل کیا۔ ان میں سے جس نے ایسا نہ کیا اس نے اپنی قربانی ضائع کی۔ اور اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ جو آدمی میرے متعلق سوال کرے ان مقامات پر کہ میں کہاں ہوں اسے بتا دو کہ میں اس آدمی کے ساتھ ہوں جو پراگندہ بالوں والا ہے، خاک آلودہ ہے، نذر پوری کرنے والا ہے اور اپنی قربانی کو مکمل کرنے والا ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے خواہ اسے ظاہر کیا جائے یا چھپایا جائے۔ اے آدم! نہ تو یہ مخلوق اور نہ ہی یہ امور جو میں نے بیان کئے ہیں میرے ملک، عظمت اور بادشاہی وغیرہ میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ سات سمندروں میں واقع ہو اور وہ سات سمندروں میں پھیلے ہوں جن کا احاطہ نا ممکن ہو، بلکہ ایک قطرے کا ایسے سمندر میں گرنا اس بات سے زیادہ ہے جو میرے نزدیک ہے۔ اگر میں اسے پیدا نہ کرتا تو میرے ملک میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی اور نہ میری عظمت میں کچھ فرق آتا۔ نیز میری وسعت اور پھیلاؤ میں بھی کچھ کمی واقع نہ ہوتی۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے زمین کی تمام مٹی، پہاڑ، کنکر درخت اور ریت سے ایک ذرہ کم ہو جائے تو زمین کا کچھ نہیں بگڑتا۔ بلکہ ذرہ کی مثال بھی اس کے لئے ناموزوں ہے کیونکہ اگر میں اپنی

مخلوق پیدا نہ کرتا تو اتنا بھی نقصان نہ ہوتا۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۴۶)

زیارت کعبۃ اللہ کی فضیلت:

عطاء سے روایت ہے کہ بیت اللہ شریف کی زیارت ایک سال کا قیام، رکوع، اور سجود کی عبادت کے برابر ہے۔

ابن صائب مدنی بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کی تو اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا عبادت ہے اور اسے دیکھنے والا شخص اس آدمی کی مانند ہے جو روزہ رکھتا ہے، ہمیشہ قیام کرتا ہے۔ تواضع اور زاری کرنے والا ہے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۸تا۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کعبہ شریف کی زیارت خالص ایمان کی نشانی ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ کعبہ شریف کی زیارت عبادت ہے اور سعید بن مسیب علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ جس نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ کعبہ شریف کی زیارت کی اس کے گناہ ایسے معاف ہو جاتے ہیں گویا آج اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۹)

جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ اپنے نانا حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔

کعبہ کے گرد پہلا صف باندھنے والا:

سفیان بن عینیہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کے گرد صف باندھنے کا رواج خالد بن عبداللہ قسری نے جاری کیا۔ لوگ ماہ رمضان میں مسجد الحرام کے اوپر والے حصے میں قیام کرتے تھے۔ مقام ابراہیم کے پیچھے ایک چھوٹی سی برچھی ایک بلند جگہ پر نصب کی جاتی تھی۔ اس کے پیچھے امام کھڑا ہوتا تھا اور لوگ امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ جو شخص نماز پڑھنا چاہتا وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرتا اور جو بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہتا تو وہ طواف کرتا اور پھر مقام ابراہیم کے پیچھے نفل پڑھتا تھا۔ پھر جب عبدالملک بن مروان کی طرف سے خالد بن عبداللہ قسری مکہ معظمہ کا حاکم مقرر ہوا اور رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو اس نے قاریوں کو حکم دیا کہ آگے ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں اور لوگوں کی صفیں کعبہ شریف کے اردگرد کھڑی کریں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مسجد حرام کے اوپر والے حصے میں نمازیوں کا سمانا مشکل ہو گیا تھا، اس لئے اس نے کعبہ شریف کے گرد صفیں باندھنے کا حکم نافذ کیا۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ تو فرض نماز کے بغیر طواف قطع کرتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ تراویح کی ہر دو رکعت کے بعد ایک طواف کریں۔ پھر اس نے حکم نافذ کر دیا اور لوگ ہر دو رکعت کے بعد خانہ کعبہ کے سات چکر لگانے لگے۔ پھر اس سے کہا گیا کہ کعبہ شریف کی پچھلی جانب اور کناروں پر بیٹھے ہوئے لوگ جو نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ طواف کے اختتام کو معلوم نہیں کر سکتے تاکہ نماز کی تیاری کر سکیں تو اس نے کعبہ شریف کے خادموں کو حکم دیا کہ اس کے گرد تکبیریں پڑھیں اور "الحمد للہ واللہ اکبر" کہتے رہیں۔ جب چھٹے طواف میں حجر اسود کے پاس پہنچیں تو دو چکروں کے درمیان خاموش رہیں تاکہ جو نمازی وغیرہ حطیم میں اور مسجد کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ہیں تیار ہو جائیں۔ اس طرح انقطاع تکبیرات سے اختتام طواف معلوم ہو جاتا، پھر نماز پڑھنے والا نماز کو جلد ختم کر لیتا۔ پھر تکبیریں شروع کرتے حتیٰ کہ ساتویں چکر سے فارغ ہوتے اور پکارنے والا کھڑا ہو کر پکارتا:

"الصلوة رحمكم الله"

عطاء بن ابی رباح اور عمرو بن دینار اور ان جیسے دیگر علماء سب کچھ دیکھتے تھے، لیکن کسی نے اسے برا نہیں سمجھا۔

مسلم بن خالد زنجی اور سعید بن سالم دونوں نے بیان کیا کہ ہمیں ابن جریج نے بتایا کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ جب مسجد حرام میں لوگ تھوڑے ہوں تو کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کریں یا کعبہ شریف کے گرد ایک ہی صف باندھ لیں؟ اس نے جواب دیا کہ کعبہ شریف کے ارد گرد ایک صف باندھ کر کھڑے ہوں اور پھر یہ آیت تلاوت کی:

((وترى الملائكة حافين من حول العرش))

''اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے ارد گرد۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۶۵)

مکہ میں مسلح چلنا ممنوع ہے:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا ہے:

((لا يحل لاحد ان يحمل السلاح بمكة))

''کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہتھیار لگائے مکہ مکرمہ میں چلے۔''

مسلح ہونے سے ایک قسم کا جذبہ خودی پیدا ہوتا ہے اور سرزمین حرم میں عجز و انکساری ہی زیب دیتی ہے۔

حرم مکہ کی قسم:

خالق کائنات جل مجدہ نے اس شہر کی قسم ارشاد فرمائی ہے:

((لااقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد))

''مجھے شہر مکہ کی قسم ہے کہ محبوب تو اس میں رہتا ہے۔''

پیارا شہر:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

((اطيبك من بلد واحبك الى))

''اے سرزمین مکہ! تو کس قدر پیارا شہر ہے اور مجھے کس قدر محبوب ہے۔'' (مشکوۃ، کتاب الشفاء)

امن کی جگہ:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

((واذ جعلنا البيت مثابةً للناس وامناً))

''ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرجع عبادت اور امن کی جگہ بنایا۔''

بقائے عالم کعبہ سے ہے:

اس کائنات کے قیام وجود کا باعث کعبہ شریف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

((جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس))

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو احترام کا مقام ہے، لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے۔''

کعبہ اطہر میں آیات بینات:

یوں تو ساری کائنات کے اندر ہی نشانات قدرت پائے جاتے ہیں اور ہر شے اس کی ذات بابرکت پر دلالت کرتی ہے:

((و فی کل شیء له ایة تدل علی انه واحد))

''ہر شے میں نشانات ہیں جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔''

مگر بیت اللہ شریف کے اندر نشانات کا ہونا مخصوص ہے۔ قرآن مقدس فرماتا ہے:

((فیه ایاتٌ بینات مقام ابراهیم))

''اس میں کھلی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے۔''

مقام ابراہیم وہ مقدس پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشانات ہیں۔ اس کی اہمیت دوسری آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہے:

((واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی))

''مقام ابراہیم پر نماز پڑھو۔''

روزانہ ایک سو بیس رحمتوں کا نزول:

حضور سید عالم و عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله تعالی فی کل یوم ولیلة عشرین مائة رحمة تنزل علی هذا البیت ستون للطائفین و اربعون للمصلین وعشرون للناظرین))

(کتاب الشفاء، صفحہ ۱۶۷، جلد نمبر 1)

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت اللہ شریف پر روزانہ ایک سو بیس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نماز پڑھنے والے پر اور بیس کعبہ شریف کو دیکھنے والوں پر۔''

تعمیر کعبہ پانچ پہاڑوں سے:

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا خلیل علیہ السلام نے تعمیر کے وقت پانچ پہاڑوں سے پتھر جمع کیے اور تعمیر فرمائی۔ ان پہاڑوں کے نام درج ذیل ہیں:

1: طور زیتا۔ 2: طور سینا۔

3: الجودی۔ 4: لبنان جرا۔

ایک روایت میں درج ذیل پہاڑوں کے پتھر بھی استعمال ہوئے:

جبل ابی قیس۔ جبل ورقان۔ جبل احد۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۳۷، جلد ا)

گناہوں کی معافی:

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من دخل البیت فصلی فیه دخل فی الحسنات وخرج من السیئات))

(الشفاء، صفحہ ۸۸، جلد ا)

''جو بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوا وہ نیکیوں میں داخل ہوا اور گناہوں سے نکل گیا۔''

سیدنا حسن بصری فرماتے ہیں:

''وہ خدا کی رحمتوں میں داخل ہوا وہ خدا کی امان میں داخل ہوا۔''

کعبہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس قبل:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام حج کے لیے آئے تو فرشتوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور عرض کی:

''اے آدم! ہم دو ہزار سال سے اس گھر کا طواف کر رہے ہیں۔''

سیدنا آدم علیہ السلام نے پوچھا:

''طواف میں کونسی دعا پڑھتے ہو؟''

تو فرشتوں نے عرض کیا:

''سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر''

چنانچہ آپ نے بھی یہی دعا پڑھی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۴۵)

زیارت کعبہ سے گناہ جھڑتے ہیں:

ایمان وایقان کی نگاہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔

کعبہ شریف کی زیارت سے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

کعبہ شریف کی زیارت گناہوں سے ایسے پاک کر دیتی ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

کعبہ شریف کی زیارت قیامت میں امن کی ضمانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور مصطفیٰ کریم ﷺ کی خوشنودی کے لیے کعبہ شریف کی زیارت سے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

(القری، صفحہ ۳۰۵) (تاریخ مکہ، جلد ۱، صفحہ ۱۴)

کعبہ کی زیارت روزی میں برکت:

صاحب اخبار مکہ علامہ ازرقی نے نقل فرمایا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے ملتزم شریف کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی جس میں اپنی کمزوری، عجز اور ایمان کے بارے میں عرض کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے وحی فرمائی:

''اے آدم! تو نے ایسی دعا کی ہے جسے مسترد کرنا میری رحمت سے بعید ہے۔ میں تیری اولاد کی یہی دعا قبول کروں گا، دعا کرنے والے کے مال میں برکت دوں گا، اس کی روزی میں وسعت بخشوں گا، اس کے دل کو فقر سے پاک کروں گا اور اسے غنی کروں گا۔''

وہ دعا یہ ہے:

((اللھم انک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی و تعلم ما فی نفسی و ما عندی

فاغفرلی ذنوبی وتعلم حاجتی فاعطنی سوالی اللھم انی اسئلك ایمان یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انه لا یصیبنی الا ما کتبت لی والرضا بما قضیت علی))

(تاریخ مکہ، صفحہ ۱۶)

جنت کا خیمہ:

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو مکہ مکرمہ کی جانب چلنے کا حکم دیا۔ آپ جہاں قدم رکھتے سبزہ پیدا ہو جاتا۔ زمین پر پہنچ کر آدم علیہ السلام زار و قطار روتے تھے۔ فرشتے شریک غم بنے۔ اللہ تعالی نے سکون آدم علیہ السلام کے لیے جنت سے خیمہ بھیجا جسے کعبہ کی جگہ پر نصب کیا گیا جو آدم علیہ السلام کے سکون کا سبب بنا۔ (اخبار مکہ، ازرقی، صفحہ ۳۷، جلد ۱)

تعمیر کعبہ کے مراحل:

صاحب اخبار مکہ علامہ ازرقی فرماتے ہیں کہ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا:

"طواف بیت اللہ شریف کا آغاز کیسے ہوا؟"

آپ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالی نے تخلیق آدم علیہ السلام کا ارادہ فرمایا اور فرشتوں سے اس کا ذکر کیا تو فرشتوں نے کہا: یا اللہ! ہم زیادہ حق دار ہیں۔ بارگاہ قدس سے جواب ملا: انی اعلم مالا تعلمون میں وہ کچھ جانتا ہوں جس کا تمہیں علم نہیں۔ ملائکہ نے محسوس کیا کہ اللہ تعالی ناراض ہے۔ انہوں نے کئی ساعات تک عرش کا طواف کیا اور عجز و انکساری میں مصروف رہے، پھر اللہ تعالی نے ان پر نظر رحمت فرمائی اور انہیں بیت المعمور کے طواف کا حکم دیا، پھر فرشتوں سے فرمایا: زمین میں ایک گھر بناؤ۔ جس طرح فرشتے بیت معمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر میرے بندے بھی اس گھر کا طواف کریں۔" (تاریخ مکہ)

دوسرا مرحلہ: حضور سیدنا آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔

تیسرا مرحلہ: سیدنا شیث علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔

چوتھا مرحلہ: سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔

پانچواں مرحلہ: قوم عمالقہ نے تعمیر فرمائی۔

چھٹا مرحلہ: قبیل جرہم نے حصہ لیا۔

ساتواں مرحلہ: قصی بن کلاب نے تعمیر کی۔

آٹھواں مرحلہ: قریش مکہ نے مشترکہ طور پر تعمیر کی۔ ولید بن مغیرہ کو ناظم تعمیرات مقرر کیا۔ حلال مال خرچ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

نواں مرحلہ: سیدنا ابن زبیر نے تعمیر کی ہے۔

دسواں مرحلہ: حجاج بن یوسف کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔

گیارھواں مرحلہ: عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبدالمالک بن مروان کے حکم سے حجاج نے پھر کعبہ شریف کو پہلی حالت میں کر دیا۔ سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہارون الرشید نے چاہا کہ بیت اللہ شریف کو پھر ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر والی طرز پر تعمیر کر دیا جائے، مگر امام مالک نے شدت سے منع فرمایا کہ آنے والے حکمران اپنی شہادت کے لیے توڑ پھوڑ کرتے ہیں رہیں گے جو عظمت کعبہ

بارھواں مرحلہ:۸۱۴ھ میں بعض مقامات سے چھت خراب ہوگئی۔ پانی ٹپکنے لگا لکڑیاں بوسیدہ ہوگئیں تو اس صورت حال کی اصلاح کی گئی۔

تیرھواں مرحلہ:۸۳۸ھ میں امیر سودون المحمد نے چھت کو بدلا اور چاروں طرف چونے کی تہ جمادی۔

چودھواں مرحلہ:۸۴۳ھ میں پیش آیا جب ملک اشرف کے حکم سے اسی امیر المحمدی نے چھت کو چونہ گچ کیا۔ چھت کے سنگ مرمر کی مرمت کی اور چاروں روشن دان نکال دیئے۔

پندرھواں مرحلہ:۸۴۸ھ میں کعبہ انور کی غربی دیوار میں مرمت لگائی گئی۔

سولھواں مرحلہ:۹۳۱ھ میں والی مصر ابراہیم پاشا کے حکم امیر جدہ کی نگرانی میں چھت بدلی گئی یا لکڑی کے پھٹوں کو لوہے کی پتریوں سے مضبوط کیا گیا۔

سترھواں مرحلہ:۹۵۹ھ میں پھر ایک مرتبہ مرمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو سلطان سلیمان خاں نے یہ کام سرانجام دیا۔

اٹھارھواں مرحلہ:۱۰۲۰ھ میں سلطان احمد خاں نے کعبہ شریف کے چاروں طرف طوق بنوایا کہ دیواریں مضبوط رہیں۔

انیسواں مرحلہ:۱۰۴۵ھ میں امیر مکہ کے مطالبہ پر خلیفہ کی طرف سے ایک معمار مرمت کے لیے بھیجا گیا اور چھت پر سنگ مرمر لگایا۔

بیسواں مرحلہ:۱۰۴۳ھ میں چھت کی ایک لکڑی ٹوٹ گئی تو سلیماں بیک گورنر جدہ نے اپنی نگرانی میں یہ کام کرایا اور بوسیدہ چھت بدل دی گئی۔

اکیسواں مرحلہ:۱۰۹۹ھ میں رضوان معمار نے جدہ سے لکڑی کے بڑے بڑے تختے منگوائے اور فریم بنا کر کعبہ شریف کی منڈیر کے ساتھ نصب کرائے کہ غلاف کعبہ باندھنے میں مضبوطی رہے۔

بائیسواں مرحلہ:۱۱۰۶ھ سے ۱۱۰۹ھ تک چھت کی لکڑیاں بدل دی گئیں، سیڑھی بنائی گئی۔ یہ سیڑھی ساگوان کی لکڑی اور سنگ مرمر کی سلوں سے تیار ہوئی۔

تیسواں مرحلہ:۱۱۹۵ھ میں چھت پر نیا سنگ مرمر لگوایا گیا۔ بعض دروازوں کی مرمت کی گئی۔

چوبیسواں مرحلہ:۱۳۱۶ھ میں بعض مقامات سے چھت خراب ہو جانے پر مرمت کی گئی۔ چونا، سیمنٹ اور انڈوں کی سفیدی سے پلستر تیار کر کے مرمتیں لگادی گئیں۔

پچیسواں مرحلہ:۱۳۷۷ھ میں سعودی حکمران سعود بن عبد العزیز نے چھتیں تبدیل کروائیں۔ نورکنی کمیٹی کی نگرانی میں یہ کام مکمل ہوا۔ تکمیل کے بعد شاہ فیصل نے معائنہ کیا سرخ اینٹوں کا فرش لگوایا۔

چھبیسواں مرحلہ:شاہ فہد نے تعمیری کام کروایا۔

ستائیسواں مرحلہ:2013 عیسوی میں شاہ عبداللہ کے زیر نگرانی توسیع مسجد حرام کے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جارہا ہے۔

☆☆☆

باب نمبر 9:

طواف اور اس کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسافروں کے متعلق سوال کیا کہ ان کا طواف افضل ہے یا عمرہ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طواف۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کعبہ سب سے افضل عبادت ہے اور اسے بکثرت کرنا چاہئے۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۳)

حضرت حسن نے اپنے ایک مکتوب میں ذکر کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونا ہے۔

حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے اس گھر کے سات چکر لگائے اور دو رکعت نماز ادا کی اسے اتنا ثواب ہوگا جیسے اس نے ایک غلام آزاد کیا ہو۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب آدمی گھر سے نکلتا ہے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے آتا ہے تو رحمت میں داخل ہوتا ہے۔ جب اس میں داخل ہوتا ہے تو میں اسے رحمت میں خوب ڈبوتا ہوں پھر جو قدم بھی اٹھاتا اور رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے پانچ سو نیکیاں عطا کرتا ہے اور پانچ سو درجے بلند کرتا ہے اور پانچ سو گناہ معاف فرماتا ہے۔ جب وہ طواف سے فارغ ہوتا ہے، پھر مقام کی پچھلی جانب دو رکعت نماز ادا کرتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے پیدائش کے وقت تھا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے دس گردنوں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور رکن پر فرشتہ اس کا استقبال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باقی ماندہ زندگی کے لئے نئے سرے سے عمل کرو۔ گزشتہ زندگی کے لئے یہی عمل کافی ہے۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۵)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''یہ گھر اسلام کا ستون ہے۔ جو آدمی گھر سے نکلتا ہے اور اس گھر کا حج یا عمرہ کرنے کے لئے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو اسے جنت میں داخل کرے، اگر اسے واپس بھیجے تو اجر اور غنیمت کے ساتھ واپس بھیجے۔''

(اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۳)

حضرت ابو سعید خدری کا غلام بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے دیکھا، وہ اپنے ایک نوکر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اس کا نام طہمان تھا، وہ کہنے لگے: میں اس گھر کا طواف کرتا ہوں، اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں کہوں گا اور دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ طہمان کو آزاد کرنے سے مجھے یہ بات زیادہ محبوب ہے، پھر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر مارا۔

(اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۳)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی عطاء کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۳)

بیت اللہ شریف کا طواف بہترین عبادت ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کعبہ شریف کے سات چکر لگائے، آنکھ کی حفاظت کی بات کم کی ذکر اللہ میں مصروف رہا، حجر اسود کو بوسہ دیا اور کسی

کو تنگ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ہر قدم پر ستر ہزار نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ وہ شخص قیامت کے دن ... سفارش کر سکے گا۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((كان احب الاعمال الى النبى صلى الله عليه وسلم و اذا قدم مكة الطواف بالبيت))

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مکہ مکرمہ تشریف لاتے آپ کا محبوب ترین عمل بیت اللہ شریف کا طواف تھا۔"

نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے حضور سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ میرے لیے گھر تیار کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے خط کھینچ کر حدود قائم کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی کھودتے تھے اور حضرت حوا مٹی اٹھاتی تھیں۔ پھر آواز دی گئی: آدم بس کرو کافی ہے۔ تو پہلا انسان جب یہ پہلا گھر ہے۔

اگرچہ دور جاہلیت میں بے شمار ناپسندیدہ اعمال تھے مگر بیت اللہ شریف کے بارے میں پھر بھی عمدہ جذبات رکھتے تھے۔ قریش ... کرتے تھے:

((اكرموا زوار بيته ياتوكم))

"لوگو! اللہ کے زائرین کا احترام کیا کرو وہ دور دراز سے سفر کر کے تمہارے ہاں پہنچتے ہیں۔" (اخبار مکہ)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک دن جبرائیل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے، ان پر سرخ رنگ کی پٹی تھی، گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے جبرائیل! یہ گرد و غبار کیسا ہے۔؟"

عرض کی:

"حضور! زیارت کعبہ شریف کے لیے حاضری دی تھی۔ فرشتوں کی بے پناہ بھیڑ کی وجہ سے پروں پر گرد و غبار جم گیا ہے۔"

(اخبار مکہ، صفحہ ۳۵، جلد ۱)

جیسے مومن پر لازمی ہے کہ وہ جس سمت سے بھی حرم مکہ میں داخل ہو احرام باندھ کے داخل ہو، یہ کعبہ شریف کی عظمت ہے۔ کوئی آفاقی بغیر اس ضابطہ احرام کے داخل نہیں ہو سکتا۔ سیدنا عثمان بن یسار فرماتے ہیں:

"اگر اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو زمین پر بھیجتا ہے تو وہ احرام باندھے تلبیہ کہتا ہوا حاضر ہوتا ہے۔"

(اخبار مکہ، ازرقی، صفحہ ۳۵، جلد ۱)

سیدنا عکرمہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں اسی آدمی سوار تھے اور وہ ایک سو پچاس دن تک کشتی میں بارر ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے کشتی کو مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ کر دیا اور پھر چالیس دن تک بیت اللہ شریف کے گرد گھومتی رہی، پھر جودی اڑ کی طرف متوجہ کر دی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۵۲، جلد ۱)

☆☆☆

باب نمبر 10:

غسل اندرون کعبہ اور کعبہ کو معطر کرنا

فصل نمبر 1:

غسل کعبہ

عرصہ قدیم سے کعبہ شریف کے اندرونی حصہ کو غسل دینے کا رواج چلا آتا ہے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بت توڑنے اور شرک کے نشانات مٹانے کے بعد کعبہ شریف کو غسل دیا۔

منائح الکرم از امام بخاری میں اس طرح بیان کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑنے اور تصاویر مٹانے کے بعد کعبہ شریف کو غسل دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی چادریں اتاردیں اور ڈول پکڑ لئے اور چاہ زمزم پر رجز خوانی شروع کی اور کعبہ شریف کو اندر اور باہر سے ایسا غسل دیا کہ شرک کے آثار میں سے کوئی اثر باقی نہ رہا بلکہ سب محو ہو گئے۔

اسی روایت کو ہم نے تقی فاسی سے نقل کیا ہے جو اس نے فاکہی سے بیان کی ہے، اس کے بعد غسل کعبہ شریف کا رواج پڑ گیا اور یہ کام آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے دور حاضر تک سنت قرار پایا، لیکن موجودہ وقت میں کعبہ شریف کو سال میں دو دفعہ غسل دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حج سے پہلے اور دوسری مرتبہ جب حجاج مکہ معظمہ سے واپس گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ عموماً پہلا غسل ذی القعدہ میں اور بعض وقت ذی الحجہ کے شروع میں ہر سال دیا جاتا ہے اور دوسری مرتبہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو دیا جاتا ہے۔

جو دن غسل کعبہ شریف کے لئے معین کیا جاتا ہے اس دن صبح تھوڑا سا سورج چڑھنے کے بعد مجاوروں کا رئیس حاضر ہوتا ہے۔ اس کے ہمراہ آل شیبہ کے مجاور ہوتے ہیں۔ وہ دروازہ کھولتا ہے۔ پھر دوسرے مجاور گلاب کا پانی گھڑوں میں ملاتے ہیں اور عطر گلاب کی شیشیاں بھی ہمراہ لاتے ہیں۔ علاوہ ازیں نجورات اور عنبر وخوشبویات وغیرہ بھی لاتے ہیں۔ کشمیری شال کی قسم کی چادریں بھی لائی جاتی ہیں۔ جب کعبہ شریف وغیرہ بھی لاتے ہیں۔ کشمیری شال کی قسم کی چادریں بھی لائی جاتی ہیں۔ جب کعبہ شریف کو غسل دیتے ہیں تو چادریں پہن لیتے ہیں۔ مجاوروں کا سردار بادشاہوں، امیروں، وزیروں، قاضیوں اور بعض محکمہ جات کے سپرنٹنڈنٹ اور منتظمین کو غسل کعبہ شریف کی دعوت دیتا ہے۔ ان کے آنے سے پیشتر غسل کا تمام میٹریل اور مواد جمع کرلیا جاتا ہے۔ محکمہ اوقاف کا سپرنٹنڈنٹ صفائی کرانے کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ چاہ زمزم کے خادموں کا شیخ بھی وہاں موجود ہوتا ہے۔ ان کے ذمے حاجیوں کو زمزم کے پلانا ہوتا ہے۔ وہ زمزم سے صراحیاں بھر کر لاتے ہیں۔ پھر وہ اسے بوسہ دیتے ہیں، ان میں خانہ کعبہ کے مجاور اور ان کے ماتحت لوگ شامل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ جب یہ کام کعبہ شریف کے اندر مکمل ہو جاتا ہے تو پھر جنہیں غسل کے لئے دعوت دی ہوتی ہے وہ داخل ہوتے ہیں۔ ہر ایک آدمی ایک چادر پکڑ کر پہنتا ہے اور پھر جھاڑو اٹھاتا ہے۔ پھر تمام اکٹھے مل کر خانہ کعبہ کو زمزم کے پانی سے غسل دیتے ہیں۔ اس پانی میں عرق گلاب ملایا جاتا ہے۔ پھر کعبہ شریف کے فرش اور اس کی دیواروں کے نچلے حصے کو غسل دینے کے بعد اس کی دیواروں کو قد آدم تک پہلے روح گلاب سے غسل دیا جاتا ہے، پھر عطر گلاب سے معطر کیا جاتا ہے۔ یہ سفید دھات یا بلوری دھات کے برتنوں میں رکھا جاتا ہے۔ عطر گلاب سے معطر کرنے کے بعد عنبر، عود اور ند وغیرہ کی (ایک خوشبودار لکڑی کا نام ہے) نجورات دی جاتی ہیں۔ نجورات جلانے سے پیشتر فرش کو اسفنج سے خشک کر لیتے ہیں۔ اور غسل دینے اور خوشبو لگانے کے بعد یہ جھاڑو ان لوگوں میں تقسیم

کرتے ہیں۔ جو خانہ کعبہ کے دروازہ پر جمع ہونے ہوتے ہیں۔

گزشتہ کئی سالوں سے سات ذی الحجہ کو غسل دیا جاتا تھا۔ اس مبارک تقریب میں سعودی حکومت کی مقتدر شخصیات سے علاوہ دیگر ممالک کے سفراء، وزراء اور دیگر معززین بھی شامل ہوتے ہیں، لیکن شاہ فہد بن عبد العزیز آل سعود کے برسر اقتدار آنے سے بعد ۱۴۰۳ ہجری اور ۱۴۰۴ ہجری میں یکم ذی الحجہ کو کعبہ شریف کو غسل دیا گیا۔

کعبۃ اللہ کو بے شمار مرتبہ غسل دیا گیا ایک مرتبہ ۹۸۳ھ زبردست سیلاب آیا جو حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔ ایک دن رات پانی مطاف میں کھڑا رہا، جس کی وجہ سے سات نمازیں جماعت سے ادا نہ ہو سکیں۔ امیر المعظم احمد بک نے خدام اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسفلہ کی طرف راستہ بنا کر پانی نکالا۔ بعد میں حرم کو صاف کر کے دھویا اور کعبہ شریف کو بھی اندر سے غسل دیا۔ کعبہ شریف کے دروازہ کے نیچے نصب شدہ پتھر جس سے غسل کعبہ کا پانی نکالنے کیلئے سوراخ ہے اس پتھر کی لمبائی ایک میٹر اور ۹۰ سینٹی میٹر ہے۔

فصل نمبر 2:

بیت اللہ کو معطر کرنا

قدیم زمانہ سے عرب لوگ خوشبو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خوشبو حضور نبی کریم ﷺ کو بہت محبوب و مرغوب تھی۔ مختلف اقسام کے عمدہ اور نفیس و لطیف عطریات کے علاوہ عود، صندل اور لوبان وغیرہ کی دھونی دینے کا بھی عام رواج تھا۔ جس طرح وہ اپنے اجتماعات، جمعہ، عید اور دیگر تقریبات میں خوشبو کے استعمال سے مسرور اور لطف اندوز ہوتے تھے، اسی طرح کعبہ مشرفہ زاداللہ تعظیماً و تشریفاً کو بھی خوشبو سے معطر کرتے تھے۔ اس میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا کہ کعبہ معظمہ کے اندر، باہر، چھت پر، حتیٰ کہ دنبے کے سینگ جو کعبہ شریف میں آویزاں تھے، انہیں بھی عطر لگاتے اور دھونی بھی دیتے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ دور دراز سے عطریات اور بخور کے تحفے کعبہ مکرمہ کے لئے بھیجتے تھے۔ اگرچہ دھونی دینے سے کئی مرتبہ کعبہ شریف کو ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچا، مگر وہ لوگ غایت عقیدت و محبت کے باعث ایسا کرنے پر مجبور اور بے بس تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے:

''کعبہ شریف کو خوشبو لگایا کرو، کیونکہ یہ اس کی نظافت و پاکیزگی کا موجب ہے۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۱۷۹)

ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں:

''کعبہ مشرفہ کیلئے سونا اور چاندی ہدیہ دینے کی نسبت اسے خوشبو لگانا مجھے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۱۷۸)

امام ازرقی حضرت ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے امیر المومنین سیدنا معاویہ نے کعبہ شریف کو خوشبو لگائی اور بخور کی دھونی دی اور بیت المال سے مسجد حرام کی قندیلوں کے تیل دینے کا حکم دیا۔

امیر المومنین سیدنا معاویہ نے شام سے شیبہ بن عثمان کی خدمت میں کعبہ شریف کے لئے دو غلاف دیباج اور قباطی کے بھیجے اور ساتھ ہی یہ لکھا کہ پہلے غلاف اتار کر نئے غلاف چڑھائیں اور کعبہ شریف کو خوشبو بھی لگائیں، چنانچہ شیبہ بن عثمان نے حسب ہدایت پہلے غلاف اتار کر کعبہ شریف کے چاروں طرف ہر جگہ بہت زیادہ خوشبو لگائی اور نئے غلاف چڑھائے۔

ابن ابی نجیح کی روایت میں ہے کہ سیدنا امیر معاویہ کا بھیجا ہوا دیباج کا غلاف دس محرم کو چڑھایا گیا اور قباطی کا رمضان کے آخری

ایام میں عید الفطر کے لئے کعبہ کے زیب تن کیا گیا۔

علاوہ ازیں سیدنا امیر معاویہ حج کے ایام میں اور ماہ رجب میں بڑی مقدار میں عطریات، خوشبو اور بخور بھیجتے اور انہیں لگانے کے لئے غلام بھی مقرر کرتے جو خلیفہ موصوف کے فرمان کے مطابق ہر نماز کے وقت کعبہ شریف کو معطر کرتے۔ چنانچہ آپ کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی اس طریقہ کو جاری رکھا۔ (اخبار مکہ)

امام ازرقی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اسے اندر، باہر، نیچے اور اوپر ہر طرف خوشبو سے معطر کر دیا۔

جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی زمانہ تک کعبہ شریف کی دیواروں کے باہر خوشبو لگائی جاتی تھی، مگر سیدنا عبداللہ بن زبیر نے سب سے پہلے کعبہ شریف کے اندر بھی خوشبو استعمال کی۔

ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر آدھ سیر بخور کی دھونی بیت اللہ شریف کو دیتے تھے جب کہ ہر جمعہ کو ایک سیر بخور سلگاتے تھے۔

امام ازرقی اپنے جد امجد سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۶۰ ہجری میں جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے آیا تو لوگوں نے اس کی توجہ کعبہ شریف پر کثیر تعداد اور وزنی غلافوں کی طرف مبذول کرائی اور اسے بتایا گیا کہ دیواریں اس قدر وزن کی متحمل نہیں ہیں، اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں گر نہ جائیں۔

چنانچہ خلیفہ موصوف نے تمام غلاف اتار دینے کا حکم دیا، جب غلاف اتار دیئے گئے تو بیش بہا قیمتی خوشبو، مثلاً غالیہ (جو عنبر، کستوری اور کافور کی مرکب ہوتی ہے) کستوری اور عنبر وغیرہ سے بیت اللہ شریف کو اندر، باہر، نیچے اور اوپر پلستر کرایا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۸۲)

عبداللہ بن مروان بھی اپنے عہد میں کعبہ شریف کے لئے خوشبوئیں اور بخور ہر سال بھیجتا رہا۔

۸۸۴ ہجری میں سلطان قایتبائی نے کعبہ شریف کو غسل دینے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا، چنانچہ حسب الحکم محمد بن برکات شریف مکہ اور امام برہان الدین بن ظہیرہ قاضی مکہ نے غلاف کعبہ اتروا کر اندر اور باہر سے غسل دیا، اور پھر عطر گلاب اور کستوری لگا کر اسے معطر کر دیا۔ (تاریخ القویم، جلد ۴، صفحہ ۱۶۱)

علامہ حسین عبداللہ لکھتے ہیں:

''کعبہ شریف کے لئے خوشبو اور بخور کے تحفے تمام سلاطین و امراء باقاعدگی سے بھیجتے رہے، خلافت ترکیہ میں قسطنطنیہ سے ہر سال حرمین شریفین کیلئے مختلف اقسام کی خوشبو آتی رہی۔ یہ سلسلہ حسین بن علی شریف مکہ تک جاری رہا۔ پھر جب حرمین شریفین پر آل سعود کی حکومت قائم ہوئی، تو انہوں نے سدانہ کے رئیس کو وزارت مالیات سے غسل کعبہ اور عطریات کیلئے باقاعدہ فنڈ مہیا کرنے کا انتظام کیا، جو ۱۳۶۴ ہجری تک جاری رہا۔'' (تاریخ الکعبہ، صفحہ ۳۲۶)

علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں کہ ہم نے سدانہ کعبہ کے رئیس سے علامہ حسین عبداللہ کے قول کی تصدیق چاہی، تو انہوں نے بتایا یہ درست ہے کہ سعودی حکومت عطریات اور بخور کے لئے ہمیں دو ہزار ریال سالانہ دیتی ہے جس سے ہم کعبہ شریف کے چاروں طرف دیواروں کو بیش بہا قیمتی خوشبو اور عطریات لگاتے ہیں، اور اس اثناء میں بخور انگیٹھی میں ڈال کر کعبہ شریف کے درمیان ایک مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ (تاریخ الکعبہ، جلد ۴، صفحہ ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن زبیر کے عہد حکومت میں کعبہ مکرمہ کی دیواریں پھٹ گئیں، اسے منہدم کر کے از سر نو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

جب اس سے فارغ ہوئے تو اس کے اندر باہر اوپر نیچے کستوری اور عنبر کی خوشبو سے معطر کیا۔ نیز ریشمی غلاف پہنایا۔ اسی طرح عبداللہ بن مروان، خلفائے بنی عباس اور ملوک مصر نے اس کی تجدید وتعمیر وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان سے پہلے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی نے اس پر غلاف چڑھایا۔

۲۰۰ ہجری میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک شخص کو بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر حجاج بنا کر مکہ بھیجا، لیکن جب یہ بطن نخلہ میں بستان ابن عامر کے مقام پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس سال ابواسحاق بن ہارون الرشید امیر حج کی حیثیت سے آچکا ہے اور اس کے ساتھ ایسی بہادر اور جری فوج ہے جس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے۔ چنانچہ وہ بستان ابن عامر میں ہی رک گیا۔ اس اثناء میں حجاج اور تجار کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا جن کے پاس غلاف کعبہ اور عطریات تھے۔ عقیلی فوج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا۔ اس طرح وہ لٹا پٹا قافلہ کسمپرسی کے عالم میں مکہ پہنچا۔ جب اس المناک واقعہ کی اطلاع ابواسحاق کو ہوئی تو اس نے فی الفور عقیلی فوج پر حملہ کر کے غلاف کعبہ سمیت تمام سامان برآمد کر لیا اور ان کے بہت سے آدمی گرفتار بھی کر لیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر شیبہ بن عثمان بن طلحہ نے کعبۃ اللہ سے تمام غلاف اتار لیے اور اس کی دیواروں کو خلوق کی خوشبو سے معطر کیا اور پھر غلاف پہنایا۔

تقی فاسی نے ''شفاء الغرام'' میں علامہ ازرقی سے نقل کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں:

''بیت اللہ کو خوشبو لگاؤ کیونکہ یہ بھی اس کی تطہیر میں شامل ہے۔''

نیز انہیں سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے ہر نماز کے موقعہ پر خانہ کعبہ کو خوشبو لگانا مقرر کیا تھا۔ حج کے ایام میں اور رجب کے مہینہ میں مجمر اور خلوق جیسی خوشبوئیں اور اس کی خدمت کرنے والے نوکر ہر سال بھیجتا تھا۔ پھر دیگر حکام نے بھی اس کے اس فعل کی پیروی کی۔ نیز اسی سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ کو ایک رطل روزانہ خوشبو لگا کر معطر کرتے تھے اور جمعہ کے روز دو رطل مجمر کی خوشبو لگاتے تھے۔

محب طبری ام القری میں لکھتے ہیں:

''کعبۃ اللہ کو مجمر کی خوشبو لگائی جاتی تھی، یہ ایک خوشبو ہے جو انگیٹھی میں ڈال کر جلاتے تھے، یہ ترعود یعنی اگربتی کی شکل میں ہوتی تھی اور مجمر ضمہ یعنی پیش کے ساتھ وہ شے ہے جو انگیٹھی میں ڈال کر خوشبو حاصل کی جاتی ہے اور اس پر زردی اور سرخی کا غلبہ ہوتا ہے۔''

حضرت سعید بن ابی جبیر کعبہ شریف کی خوشبو کو شفاء کے لئے کعبہ سے حاصل کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

عطاء نے کہا کہ جب ہم سے کوئی چاہتا کہ اس سے شفا حاصل کرے تو اپنے پاس سے خوشبو لاتا اور اسے حجر اسود سے لگا کر اسے اپنے جسم سے لگاتا تھا۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ کعبہ شریف کی خوشبو لینا بالکل جائز نہیں، خواہ تبرک کے ارادہ سے حاصل کرے یا کسی اور غرض کے لئے۔ جس نے اس سے کچھ خوشبو حاصل کر لی اسے واپس کرنا لازمی ہے۔ اگر تبرک کا ارادہ ہو تو خوشبو اپنے پاس سے لائے اور اسے اس پر مسح کرے اور پھر حاصل کرے۔

خلیفہ محمد مہدی عباسی نے کعبہ کو ایک گراں قیمت کی خوشبو کستوری اور عنبر وغیرہ سے معطر کیا۔ پھر بعد ازاں تمام بادشاہ سلطان اور امراء خوشبو کو کعبہ کے لئے بطور ہدیہ پیش کرتے رہے۔ یہاں تک آل عثمان کے سلاطین کا حرمین شریفین پر تسلط ہوا۔ پھر ہر سال قسطنطنیہ

سے طیب اور بخور آتی تھی۔ان وظائف کے ساتھ جو حرمین کے لئے مخصوص کیے گئے تھے،شریف حسین کے زمانہ تک یہی عمل جاری رہا۔
پھر شہر کا رئیس مالیات کے خزانہ سے کچھ نقد رقم بھیجتا تھا اور اس کے ہمراہ وہ خوشبو بھیجتا جو خانہ کعبہ کے غسل کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔دور حاضر تک یہ رسم بدستور جاری ہے۔

حضرت امیر معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد کی قندیلوں کے لئے تیل ڈالنے کی رسم جاری کی اور یہ بیت المال سے خرچ ہوتا۔

خلیفہ مہدی نے کعبۃ اللہ کو تین غلاف پہنائے،ان میں سے ایک قباطی (ایک کپڑے کا نام) دوسرا خز کا،تیسرا دیباج کا بنایا (یہ ریشمی کپڑے کی اقسام ہیں)

☆☆☆

باب نمبر 11:

کعبۃ اللہ کی آرائش اور معجن نامی گڑھا

فصل نمبر 1:

کعبۃ اللہ کی سونے سے آرائش

علامہ ازرقی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے دورِ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے کعبہ شریف کو سونے سے مزین کیا۔انہوں نے سونے کے بنے ہوئے دو ہرن بھیجے۔یہ زمزم کا کنواں کھودتے ہوئے انہیں ملے تھے۔زمانہ اسلام میں ولید بن عبدالملک نے مکہ معظمہ کے حاکم خالد بن عبداللہ قسری کے پاس چھتیس ہزار دینار بھیجے۔کچھ کعبہ شریف کے دروازہ پر لگائے گئے۔کچھ میزاب رحمت پر اور کعبہ کے اندرونی ستونوں پر اور باقی ماندہ حجر اسود اور رکن یمانی پر لگائے گئے۔

پھر جب امین الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے عامل سالم بن جراح کو اٹھارہ ہزار دینار دے کر مکہ معظمہ بھیجا تاکہ کعبہ شریف کے دروازہ پر سونا لگایا جائے۔چنانچہ سونے کی سابقہ تختیاں اتار کر ان میں امین الرشید کے بھیجے ہوئے سونے کا اضافہ کر کے دوبارہ دروازے پر لگائی گئیں،ان کے اوپر کیل ٹھونک دیئے گئے،اس سے دروازہ کی زیب و آرائش میں مزید اضافہ ہوا۔نیز دروازہ کے کواڑوں پر دو کنڈے سونے کے لگائے گئے۔بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوالولید عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کے لئے سونا بھیجا۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے سب سے پہلے یہ کام کیا۔پھر سلاطین وغیرہ نے سونے سے خانہ کعبہ کو آراستہ کیا۔

امام نووی اور رافعی نے کہا ہے کہ کعبہ شریف اور دیگر مساجد پر سونا اور چاندی لگانا حرام ہے۔امام سبکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ان نے اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔انہوں نے کہا:

> ''اس کی حرمت کا فتویٰ خصوصاً کعبہ شریف کے متعلق تمام مذاہب میں عجیب و غریب ہے۔ایسا کوئی قلیل شخص ہوگا جس نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہوگا۔پس اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اور نہ کوئی دلیل ہے۔یہ فتویٰ تو خالص سونے کی تختیوں کے متعلق ہے،لیکن سونے سے ملمع سازی کا کام تو میں اس کی مخالفت کرنے سے کسی کو نہیں روکتا،کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ہمارے اماموں میں سے امام ابولیث سمرقندی نے امام ابوحنیفہ سے اس کی اباحت کا فتویٰ بیان کیا ہے۔چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ سونا مسجد کی رقم سے نہ ہو۔'' (اخبار مکہ،جلد اول،صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۷)

تاریخ الکعبہ میں ہے:

''جب ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے مکہ معظمہ کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری کو چھتیس ہزار دینار سونا بھیجا۔ جو اس نے کعبہ شریف کے دروازہ، میزاب رحمت، اندرونی ستونوں اور حجر اسود اور رکن یمانی پر لگایا۔ ابوالولید اپنے دادا سے بیان کرتا ہے کہ میزاب رحمت اور حجر اسود اور رکن یمانی پر جو سونا لگا ہوا ہے وہ ولید بن عبدالملک کا لگایا ہوا ہے۔ دور اسلام میں اس نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو سونا سے آراستہ کیا، لیکن دروازہ پر بہت باریک سونے کی تختیاں لگی ہوئی تھیں، چنانچہ وہ پھٹ گئیں، یہ بات امیر المومنین محمد بن ہارون الرشید کی خلافت کے زمانہ میں اسے بتائی گئی۔ اس نے سالم بن جراح کو اٹھارہ ہزار دینار دے کر مکہ معظمہ کی جانب بھیجا تاکہ سونے کی تختیاں کعبہ شریف کے دروازہ پر لگائی جائیں۔ چنانچہ اس نے سونے کی تختیاں اور کیل لگائے۔ کعبہ شریف کے دروازہ کے دو کنڈے بھی سونے کے بنوا کر لگائے گئے۔ نیز دلہیز پر سونا لگایا گیا۔ یہ تمام کام امیر المومنین محمد بن ہارون رشید نے سرانجام دیا۔ تختیاں لگاتے وقت دروازہ توڑا نہیں گیا تھا بلکہ اس کے کواڑوں پر سونے کی تختیاں جڑ دی گئیں اور پھر کیل لگا کر مضبوط کی گئیں جو اب تک اسی حالت میں ہیں۔ ابوولید نے کہا کہ مجھے مثنی بن جبیر صواف نے بتایا کہ جب انہوں نے کعبہ شریف کا سونا علیحدہ کیا تو اس کا وزن اٹھارہ ہزار مثقال تھا۔ اس پر پندرہ ہزار دینار کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ صرف دروازے پر تینتیس ہزار دینار سونا خرچ آیا۔ کہتے ہیں جب دروازے سے سونا اکھاڑا گیا تو اس پر زرد کپڑا پہنا دیا گیا۔ ابن جریج نے کہا کہ ولید بن عبدالملک نے سرخ، سبز اور سفید سنگ مرمر کے پتھر خانہ کعبہ میں لگوائے، یہ ملک شام سے منگوائے گئے تھے۔ ان سے خانہ کعبہ کی دیواریں اور فرش مضبوط ہو گیا اور کچھ پتھر وہاں لگائے جہاں کعبہ شریف کے اندر آنحضرت ﷺ نے نماز ادا کی اور اس پر سونے کا بند باندھ دیا۔ خانہ کعبہ کے اندر جو بھی سنگ مرمر لگا ہوا ہے وہ تمام ولید بن عبدالملک کا کارنامہ ہے۔ وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کا فرش سنگ مرمر کا بنوایا۔ نیز دیواروں پر سنگ مرمر لگا کر اسے مضبوط کیا۔ نیز یہ پہلا شخص ہے جس نے مسجدوں میں بیل بوٹوں اور نقش و نگار کی داغ بیل ڈالی۔

فصل نمبر 2:

معجن (خانہ کعبہ کے سامنے والا گڑھا)

معجن کو مصلیٰ جبریل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کعبہ شریف کے سامنے شرقی جانب رکن شامی اور دروازہ کے درمیان تھا۔ اس کے متعلق کئی روایات مذکور ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل کا مصلیٰ ہے۔ جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو یہاں پر کھڑے ہو کر حضرت جبریل نے نماز پڑھائی۔ یہ بات اکثر علماء نے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''مجھے حضرت جبریل نے کعبہ کے دروازہ کے پاس دو دفعہ جماعت کرائی۔''

نیز ابن سائب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے روز کعبہ شریف کے سامنے طرفۃ البیضاء کے بالمقابل ہو کر نماز ادا کی۔

علامہ ازرقی نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے دادا نے بیان کیا کہ داؤد بن عبدالرحمن ہمارے لئے اشارہ کرتا تھا اس جگہ کی طرف جہاں پر آنحضرت ﷺ نے نماز ادا کی۔ یہ جگہ کعبہ شریف کے سامنے تھی۔ اس وقت تک شاذروان پر جو خانہ کعبہ کی دیواریں کے نیچے بنایا گیا تھا،

چونہ وغیرہ نہیں لگایا گیا تھا اور پتھر صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ جگہ ساتویں یا نویں پتھر کے قریب واقع تھی۔

علامہ ازرقی نے کہا کہ مجھے داؤد نے بتایا کہ ابن جریج ہمارے لئے اشارہ کرتا تھا ایک مقام کا اور کہتا تھا یہ وہ مقام ہے جہاں پر آنحضرت ﷺ نے نماز ادا کی اور اسی مقام پر مقام ابراہیم کا پتھر رکھا گیا تھا جب کہ اسے سیلاب بہا کر لے گیا۔ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے اصل مقام پر لوٹا دیا۔

علامہ تقی فاسی نے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام شافعی سے نقل کیا ہے کہ شیخ امین احمد بن موسیٰ بن خلیل بیان کرتا ہے یہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مصلیٰ وہی سنگ مرمر کا گڑھا ہوگا۔

شیخ الاسلام عزالدین شافعی فرماتے ہیں کہ بیشک وہ گڑھا جو کعبہ شریف سے متصل ہے اور دروازہ اور حجر کے درمیان ہے وہ جگہ ہے جہاں پر حضرت جبریل نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھائی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر فرض کی، لیکن میرے خیال میں وہ گڑھا نہیں ہے اور یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو اس پر سنگ مرمر کی تختی کندہ ہوتی۔

ابوالبقاء عمری قرشی مکی نے ''بحر عمیق'' میں اس پر تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ تختی کندہ ہونا کوئی لازمی نہیں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ معاملہ یوں ہو جیسے عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے اور اس پر کتابت کوئی ضروری امر نہیں۔ شیخ عزالدین نقل کرنے والے ہیں اور جو لوگ نقل کرتے ہیں وہ ان پر حجت ہیں۔

یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام روایات صحیحہ کا لکھنا ضروری نہیں کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اردگرد کس کس پتھر کے پاس نماز پڑھی۔ ہاں البتہ مسجد حرام میں جو تعمیر کا کام ہوتا رہا ہے اس کی تاریخ لکھی گئی۔ نہ سلف صالحین پتھروں پر لکھنے کے عادی تھے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ نے پتھروں پر لکھنے کا حکم دیا۔ حتی کہ خلفائے راشدین، صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ یہ تو زمانہ اول کے بعد رواج ہوا۔

علامہ تقی فاسی نے کہا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ وہ ہے جو اس دروازے کے صندوق کے پاس جس میں مقام ابراہیم ہے۔ ہاں البتہ گڑھا حجر اسود کی طرف کچھ بڑھا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے آنحضرت ﷺ کا مقام کعبہ کے پاس نصف حفرہ (گڑھا) میں ہے جو کعبہ شریف سے متصل ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ سے باہر نکل کر نماز ادا کی ہوگی۔

پھر فاسی نے کہا:

> ''پھر میں نے مفتی حرم رضی الدین محمد بن ابی بکر خلیل عسقلانی کے خط سے معلوم کیا کہ آنحضرت ﷺ کا مصلیٰ حفرہ اور حجر کے درمیان تھا۔؟ میں نے رضی مذکور کے خط میں ایسی چیز پائی جو اس کی واضح نص تھی۔ مجھے عثمان بن عبدالواحد عسقلانی مکی نے خبر دی، اس نے مکہ معظمہ کے مشائخ متقدمین سے سنا کہ بے شک مقام محمدی وہ پتھر ہے جو حفرہ کے پاس کعبہ شریف اور حجر اسماعیل سے متصل ہے اور وہ پتھر اس مذکورہ حفرہ کی جانب ہے۔ پھر فاسی نے کہا کہ حفرہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سابقہ مراد ہے۔ موجودہ حفرہ کی ۸۰۱ ہجری میں سنگ مرمر کے پتھروں سے تجدید کی گئی۔ ہم نے پیمانے سے اس کی پیمائش کی تو اس کا طول شامی جہت سے یمانی جہت تک چار ہاتھ تھا اور اس کا عرض مشرقی جہت سے کعبہ شریف کی دیواروں تک 21/4 ہاتھ تھا۔ یہ تمام پیمائش لوہے کے بنے ہوئے ہاتھ سے کی گئی ہے۔

قطب الدین حنفی نے اپنی کتاب ''تحصیل المرام'' میں لکھا ہے اور کعبہ شریف سے متصل مقام جبریل کے وسط میں یعنی اس گڑھا

میں جو باب کعبہ سے دائیں جانب ہے ایک صاف سنگ مرمر کا نیلا پتھر ہے۔اس پر یہ عبارت منقوش ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم
امر بعمارة هذا المطاف الشريف سيدنا و مولانا الامام الاعظم المفترض الطاعة
علي سائر الامم ابو جعفر منصور المستنصر بالله امير المومنين بلغه الله اما له
و ذالك في ۱۳۱ صلى الله على سيدنا محمد و على آل و صبحه و سلم

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں پر خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مقام ابراہیم کا پتھر رکھا ہوا تھا،لیکن جو لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں معجن تھا،یعنی اس جگہ پر حضرت اسماعیل نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے لئے مٹی گوندھی تھی۔

حضرت ابن جبیر کا قول بیان کیا گیا ہے کہ جب بیت اللہ شریف کو غسل دیتے تھے تو یہ گڑھا مصبہ کا کام دیتا تھا یعنی بیت اللہ کا پانی اس میں جا کر جمع ہوتا تھا۔

باب نمبر 12:

حرم شریف کے کبوتر

اسلام کے ابتدائی زمانہ تک حرم صرف کعبہ شریف کی عمارت پر مشتمل تھا۔اس کے علاوہ نہ کوئی برآمدہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جگہ تھی جہاں پرندے بیٹھتے یا بسیرا کرتے۔کعبہ شریف کا دروازہ بھی اکثر بند رہتا تھا،لیکن حرم شریف کے برآمدے اور چند دیگر چبوترے تعمیر ہو جانے کے بعد پرندوں نے بھی حرم میں آنا اور رہنا شروع کر دیا۔بالخصوص خلافت ترکیہ عثمانیہ کے دور میں جب کبوتروں کو حرم کے اندر دانے ڈالے جانے لگے تو انہوں نے حرم کو اپنا مسکن بنالیا۔دن رات بلا خوف وخطر حرم میں پھرنے اور رہنے لگے۔چونکہ حرم میں کسی چیز کو اذیت دینا جائز نہیں ہے،اس لئے کبوتر لوگوں سے بے خوف ہو کر نماز کے دوران صفوں میں بھی پھرتے رہتے ہیں۔

علماء کرام کا ارشاد ہے کہ حرم شریف میں کبوتروں کی کثرت کے باوجود جب وہ ادھر ادھر اڑ کر جاتے ہیں تو کعبہ شریف کی تعظیم کے پیش نظر اس کے اوپر پرواز نہیں کرتے بلکہ دائیں یا بائیں سے گزر جاتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی اور امام ابن جوزی لکھتے ہیں کہ پرندوں کے غول کے غول آتے تھے،مگر وہ تعظیماً کعبہ شریف کے اوپر سے نہیں گزرتے،بلکہ اس کے قریب آکر دائیں،بائیں سے گزر جاتے ہیں۔(تفسیر کبیر،جلد۳،صفحہ۸)

علامہ ابن جبیر اندلسی لکھتے ہیں:

''حرم شریف میں کبوتر اور دوسرے پرندے بکثرت ہیں،لیکن وہ نہ تو کعبہ شریف پر بیٹھتے ہیں اور نہ ہی اس کے اوپر اڑتے ہیں۔ان کے جھنڈ کے جھنڈ اڑتے ہوئے آتے ہیں مگر کعبہ شریف کے قریب پہنچ کر مختلف سمتوں میں بٹ کر گزر جاتے ہیں،یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی کبوتر یا پرندہ بیمار ہو جائے تو وہ شفا حاصل کرنے کی غرض سے کعبہ شریف پر بیٹھتا ہے۔اگر اس کے مقدر میں شفاء ہو تو وہ صحت یاب ہو جاتا ہے،ورنہ لقمہ اجل بن جاتا ہے۔''(سفرنامہ ابن جبیر،صفحہ۸۳)

ہوائی جہاز کعبہ شریف کی تعظیم کی وجہ سے عین کعبۃ اللہ کے اوپر پرواز نہیں کرتے۔

کبوتروں کے علاوہ حرم شریف میں چڑیوں نے بھی گھونسلے بنائے ہوئے ہیں اور دانے بھی حرم کے کبوتروں کے ساتھ کھاتی ہیں۔ان کے علاوہ شام ہوتے ہی کبوتر حرم شریف سے چلے جاتے ہیں اور بے شمار ابابیلیں آجاتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کعبہ شریف پر کبوتر شاذ و نادر ہی بیٹھتے ہیں۔ میں کئی ماہ تک اس جستجو میں رہا کہ کعبہ شریف پر کبوتر یا کوئی پرندہ بیٹھا ہوا دیکھ لوں، مگر چار ماہ کے عرصہ میں صرف ایک مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن ظہر کے بعد ایک کبوتر چند منٹ کعبہ شریف پر بیٹھا اور اڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور کبوتر بھی چند منٹ بیٹھا ہوا دیکھا۔ اسی طرح سینکڑوں کی تعداد میں کبوتر اڑتے ہوئے آئے اور کعبہ شریف کے قریب آ کر ادھر ادھر ہو کر گزر گئے۔ مگر کعبہ شریف کے اوپر پرواز نہیں کی، کبھی کبھی ایک دو کبوتر ان میں سے جدا ہو کر کعبہ شریف کے اوپر سے گزرتے دیکھے ہیں۔

بہر حال یہاں ہزاروں کی تعداد میں کبوتر رہتے ہیں اور مہینوں بعد ایک آدھ کبوتر کعبہ شریف پر بیٹھ جاتا ہے۔

یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ حرم کے کبوتر ان دو کبوتروں کی نسل میں سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے منہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکڑی کے بنائے ہوئے جالے پر انڈے دیئے تھے۔

باب نمبر 13:

قبلۂ عالم

مکہ معظمہ روئے زمین کے وسط میں ہونے کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت اللہ شریف مقرر کیا گیا ہے جس کے تقریباً ہر حصہ کی جانب مسلمانان عالم نماز میں اپنا رخ کرتے ہیں۔ جس کی تفصیلات بھی مورخین نے بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خرداذبہ نے حسب ذیل تفصیل سپرد قلم کی ہے:

''آرمینہ، آذربائیجان، بغداد، واسط، کوفہ، مدائن، بصرہ، حلوان، دینور، نہاوند، ہمدان، اصفہان، رے، طبرستان، کراسان کا پورا علاقہ، بلاد خزر، کشمیر اور ہندوستان کے لوگ کعبہ شریف کی اس دیوار کی سمت منہ کرتے ہیں، جس میں دروازہ ہے۔

تبت، ترکستان، چین اور منصورہ کے لوگوں کا رخ حجر اسود کی طرف ہوتا ہے۔

اہل یمن کا قبلہ رکن یمانی کی سمت میں ہے اور اس طرح نماز میں ان کے منہ آرمینیہ والوں کی طرف ہو جاتے ہیں۔

اہل مغرب، افریقہ، مصر، شام اور جزائر وسط المغرب یہ رکن عراقی کی طرف منہ کرتے ہیں اور اس طرح نماز میں ان کے چہرے اہل منصورہ کی طرف ہو جاتے ہیں۔

علامہ طاہر کردی نے قدرے تفصیل سے انہیں بیان کیا ہے:

''مدینہ منورہ، رملہ، بیت المقدس، دمشق، فلسطین، عکا، صیدا اور اسی سمت کے ساحلی علاقے میزاب کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ شام کا پورا ملک، حمص، حماہ، سلمیہ، حلب، منبج، حران، میافارقین اور سواحل روم کے لوگ میزاب کعبہ اور رکن شامی کے درمیان رخ کرتے ہیں۔ موصل، رہ، ملطیہ، سمیشاط، سنجار، جزیرہ، دیار بکر اور اس سمت کے دوسرے شہروں کے لوگ رکن شامی اور مصلی آدم کے درمیان منہ کرتے ہیں۔ کوفہ، بغداد، حلوان، قادسیہ، ہمدان، رے، نیشاپور، خراسان، مرو، خوارزم، بکار، نسا، فرغانہ، شاش اور اس جانب کے دوسرے لوگوں کا قبلہ مصلّٰی آدم سے باب کعبہ کے قریب تک ہے۔ بصرہ، فارس، کرمان، اصفہان، بجستان، چین کا شمالی علاقہ اور اس سمت کے دوسرے شہروں کا قبلہ باب کعبہ سے حجر اسود تک ہے۔ چین کے وسطی شہر، پاک و ہند، مہرجان، کابل، مھدیان، تتار، مغل، خدہار اور اس طرف کے دوسرے شہروں کا قبلہ سمت حجر اسود سے مصلی نبوی ﷺ کے قریب تک ہے۔ ہندوستان کے بعض شہر، چین کے جنوبی حصہ، اہل تہامہ، سد، بحرین، اس سمت

کے لوگ مصلیٰ نبوی ﷺ سے آگے بقیہ دیوار کے دوثلث کی جانب منہ کرتے ہیں۔ یمن، حضرموت، صنعاء، عمان، صعدہ، شحرہ، سباوغیرہ کا قبلہ رکن یمانی سے سات ذراع آگے تک ہے۔ حبشہ، زنج، زیلع، سوڈان کے اکثر شہر، جزائر فرسان وغیرہ رکن یمانی سے مغربی بند دروازہ تک رخ کرتے ہیں۔ بلاد افریقہ، بربر اور بلاد جرید وغیرہ رکن عراق کی جانب منہ کرتے ہیں۔'' (تاریخ القویم، جلد۲، ص۱۲۲)

باب نمبر 14:

کعبۃ اللہ قیامت تک قائم دائم رہے گا

کعبۃ اللہ کی فنا:

کن فیکون کے لاریب امر تخلیق کی زد میں جو چیز بھی آئی، فنا اس کا مقدر ہو گیا ہے اور اللہ رب العزت نے ''کل من علیها فان'' کی سند قائم کر دی۔ غریب کا جھونپڑا ہو یا امیر کے محلات یا شہنشاہ کا تخت و تاج، کوئی چیز بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتی۔ کعبہ شریف بھی اس کی زد میں آتا ہے۔ کئی مرتبہ آگ کے شعلوں کی نذر رہوا، متعدد بار گرا اور بنا، بالآخر اسے بھی دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیت اللہ شریف کی عدیم النظیر اور نادر الوجود عمارت اپنی ضوفشانی سے مسلمانان عالم کے قلوب مستنیر کرتی رہے گی اور اس سے رشد و ہدایت کے لامتناہی چشمے بھی جاری رہیں گے۔ حتیٰ کہ دنیائے قدیم اپنے انجام کے قریب پہنچ جائے گی۔''

یاجوج و ماجوج کے خروج تک، بلکہ اس کے بعد بھی کعبہ شریف کے پروانے اس کی زیارت سے شرف بار ہو کر حج و عمرہ کی لازوال سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔ بالآخر ایک شقی ازلی کے ہاتھوں یہ عظیم المرتبت عمارت تباہ و برباد ہو جائے گی، جو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

مخبر صادق حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ایک چھوٹی پنڈلیوں والا، ٹیڑھے ہاتھوں والا، گنجا، کعبہ شریف کو خراب کرے گا۔ گویا وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے رقص کر رہا ہے۔ وہ ظالم ایک ایک پتھر اٹھا کر الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف چرا کر لے جائے گا، اور خزانہ کعبہ بھی لوٹ لے گا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کدال چلا رہا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(بخاری، جلد۱، صفحہ۲۱۶، ۲۱۷)

بیت اللہ کا حج و عمرہ کب تک ہوتا رہے گا:

محمد بن سوقہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''بیت اللہ شریف کا حج اور عمرہ ہوتا رہے گا حتی کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد بھی۔''

آپ غور و فکر کریں گے تو کعبہ شریف کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی واحدانیت کی ایک بہت بڑی دلیل پائیں گے۔ نیز اس کی قدرت، عظمت، قہر اور غلبہ کی دلیل پائیں گے۔ یہ ہزار ہا سال سے قائم ہے اور اس وقت سے اس کی عظمت اور حرمت تمام نوع بشر میں موجود ہے اور قیامت تک ان کے دلوں میں اس کی عظمت یوں ہی رہے گی۔ خود سرور کائنات ﷺ نے بھی اس کی خبر دی ہے۔ شیخان اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ کعبہ شریف کو ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی مسمار کرے گا۔

احمد نے ابن عمرو سے اس کی مثل روایت کیا ہے اور زیادہ کیا ہے اور اس کا زیور چھین لے گا اور اس کا غلاف اتارے گا، گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ گنجا اور ٹیڑھے پاؤں والا ہوگا، وہ خانہ کعبہ پر اپنا کدال مارے گا۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ نمبر ۲۱۷)

خانہ کعبہ کی بربادی:

ازرقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، وہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''آدمی رکن اور مقام کے درمیان مبالغہ کرتا ہے، اس گھر کو اس کے باشندوں کے سوا کوئی حلال تصور نہیں کرے گا۔ اس وقت عرب کی ہلاکت کے متعلق مت سوال کر۔ حبشی آئیں گے، اسے برباد کریں گے اور اس کے بعد پھر کبھی تعمیر نہیں ہوگا اور یہ حبشی لوگ اس کا خزانہ نکال کرلے جائیں گے۔'' (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۲۷۸)

باب نمبر 15:

مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کے اوصاف وخصوصیات

خصوصیات کعبہ کے متعلق چند اشعار:

ارض بها البيت المحرم قبلة — للعالمين له المساجد تعدل

حرم حرام ارضها و صيودها — والصيد فى كل البلاد محلل

وبها المشاعر والمناسك كلها — والى فضيلتها البرية ترحل

وبها المقام و حوض زمزم ترعا — والحجر والركن الذى لا يرحل

والمسجد العالى المحرم ولصفا — والمشعران لمن يطوف و يرمل

وبمكة الحسنات ضوعف اجرها — وبها المسى عن الخطايا يغسل

''مکہ ایسی سرزمین ہے جس میں بیت محترم ہے جو سارے جہان کا قبلہ اور تمام مساجد کا مرجع ہے۔ وہ ایسا حرم پاک ہے جس کی سرزمین میں شکار کرنا حرام ہے، حالانکہ شکار کرنا ساری دنیا میں حلال ہے۔ اور اس ارض پاک میں اللہ تعالیٰ کے تمام شعائر اور مناسک موجود ہیں جن کی بزرگی کے باعث دنیا ان کی طرف سفر کرتی ہے اور اس زمین قدس میں مقام ابراہیم ہے، سیراب کرنے والا زمزم، حطیم اور حجر اسود ہے، جو اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور عالیشان مسجد حرام ہے، صفاء اور مروہ دو بڑی علامتیں ہیں طواف اور رمل کرنے والوں کیلئے۔ مکہ وہ مقدس مقام ہے جس میں نیکیوں کا اجر وثواب دوگنا چوگنا کردیا جاتا ہے اور گنہگاروں کو گناہوں سے پاک کردیا جاتا ہے۔''

بہترین جگہ:

میدان کبیر، اکٹھا کرنے والا گھر، جمع کرنے والی مجلس اور اللہ کا حرم مکہ معظمہ میں صاف فضا میں موجود ہے۔ اس میں لوگوں کو کلام کرنے کی مجال نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنا گھر بہت زیادہ بہنے والی نہر کے آس پاس بناتا، جس کی وادی میں باغ ہوتے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ملک شام میں سایہ دار نہروں اور اونچے اونچے ٹیلوں اور نیچے جھکی ہوئی ٹہنیوں کے درمیان اپنے گھر کا انتخاب کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ

چاہتا تو گزشتہ زمانے کے بڑے جابر بادشاہوں کی ناک اوران کے معبودوں کے سروں پر اپنے گھر کو بلند کرتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی طرف دیکھا تو اسے اپنی بادشاہی کے سامنے ذلیل پایا اور اپنی غنا اور احسان کے سامنے محتاج پایا اور اس کا خشوع دیکھا جس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور تجربہ دیکھا جس سے عبادت میں سکون حاصل ہوتا ہے اور اس کی انفرادی حیثیت دیکھی جس پر توحید کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم کو حکم:

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی، خلیل اور صفی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس وادی میں بنیاد رکھیں اور اس کی چٹانوں کے مابین وحدانیت کا منارگاڑیں۔ حضرت ابراہیم اپنے بڑھاپے کے باوجود پوری قوت سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور حضرت اسماعیل ان کی مدد کرنے لگے۔ آپ کو علم ہوگا کہ حضرت ابراہیم بحیثیت معمار کام کرتے تھے اور حضرت اسماعیل بحیثیت مزدور پتھر اٹھا کر آپ کو دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایسا مکان تیار ہو گیا ہے، کہ زلزلے بھی گرانے سے عاجز ہو گئے اور بابل کے بڑے بڑے جابر لوگ بھی اسے منہدم نہ کر سکے۔ دیکھئے باطل کی تختیاں کس طرح نیست و نابود ہو گئیں اور حقانیت کی اینٹوں نے کس طرح ان کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔ حسن نیت کے عجائبات پر غور کیجئے کس طرح بت پرستی کے پتھر پر توحید کی اینٹ کامیاب ہوئی۔

گمراہوں کے اعتراضات:

گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ کاش! خانہ کعبہ چاندی سونے کا ہوتا۔ نیز کہتے ہیں کہ بلادمغرب میں عیسائیوں کے گرجے کی طرز پر ہوتا۔ اس کی بلندی، بنیاد اور نقش ونگار کا وہی نمونہ ہوتا۔ میں ان گمراہ لوگوں سے کہتا ہوں کہ اگر خانہ خدا کو پہلی حالت پر چھوڑ دیا جاتا اور اس کی بنیادوں کو بلند نہ کیا جاتا اور بعض حصوں پر سونے کا ملمع نہ کیا جاتا اور اس کے نقش ونگار میں زیادہ جدوجہد نہ کی جاتی تو بھی اس کی خوبصورتی اور حسن میں سرمو فرق نہ آتا۔ اس کی روحانیت بدستور قائم رہتی اور پھر بھی اسے مقدس گھر پکارا جاتا۔

بے نظیر گھر:

اس قابل تکریم اور عظمت والے گھر کعبہ شریف کی انسانی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ ایسا گھر ہے کہ اس میں خالص توحید کی نشانی ہے اور یک طرفہ فرائض دین کی آسانی ہے۔ اس میں بتوں، تصویروں اور نقش ونگار کا نام ونشان نہیں ملتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مشرق ومغرب کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں ان کے قلوب اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا گھر ہو جسے آنکھیں شوق سے دیکھتی ہوں یا قلوب کا اس کی طرف رجحان ہو تو یہ گھر اس سے کہیں زیادہ عزت والا ہے۔ رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جب کہ کروڑ ہا مسلمانوں کے چہرے اور دل اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ان کی قرأت اور تسبیح اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ ان کی امیدیں بھی اسی سے وابستہ ہوتی ہیں اور درد و تکلیف کا مداوا بھی وہ کرتا ہے۔ اس وقت سے ایسا کرتا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی بھیجی اور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس کی دعوت دی اور مسلمانوں نے اس دعوت کو قبول کیا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے مسلمانوں نے اسے قبول کیا، کیا روئے زمین پر کسی زمانہ میں یا کسی جگہ پر ایسا مکان ہوا ہے جس کی طرف عاجزی وزاری سے نگاہیں اٹھتی ہوں یا دعا و استغفار کی خاطر دل متوجہ ہوئے ہوں؟

مسلمانوں کا قبلہ:

زمین پر مقناطیس ہمیشہ قطب کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اگر تو اسے کسی اور جانب پھیرے گا تو وہ پھر کر جانب قطب آجائے گا۔ اگر تو

اپنی تمام طاقت صرف کردے تو بھی اسے پھیرنے میں کامیاب نہ ہوگا۔ اگر اس پر ہزاروں پردے ڈال دیئے جائیں تو پھر بھی قطب کی جانب رہے گا۔ اسی طرح کعبہ کی طرف متوجہ رہنے میں مسلمانوں کی مثال مقناطیس کی سوئی کی ہے جو آفاق سے دور دراز شہروں سے مختلف ہونے کے باوجود رات دن قطب کی طرف رہتی ہے۔ یہ ایک جامد بے جان سوئی کی بات ہے۔ حالانکہ حساس دل اور بے جان سوئی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جائے امن:

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو لوگوں کے لوٹنے اور امن کی جگہ بنایا ہے۔ اسے باحرمت بنایا اور جس شہر میں واقع ہے اسے بھی حرمت والا بنایا اور اس کے اردگرد کو حرمت والا بنایا۔ اسے انسان، حیوان اور نباتات کے لئے باامن بنایا۔ نیز اس تمام تحریم زمین سے حدود و اقیت مقرر کئے۔ جہاں سے آنے والا احرام باندھ لیتا ہے اور زیب و زینت کا لباس اتار دیتا ہے، حتیٰ کہ کسی قوم کا کسی قوم سے یا غنی کا فقیر سے کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ لوگ حرم شریف میں اور پھر اس گھر میں ایک جماعت بن کر داخل ہوں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہو، جن کے ظاہر و باطن عقائد اور خیالات میں ہم آہنگی ہو اور جن کے ہاتھ، زبانیں اور دل اعمال صالحہ کی خاطر اکٹھے ہوں۔ اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔

مسلمانوں کی جہت عبادت:

مسلمانوں کے وفد دور دراز سے اس گھر کا قصد کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنا قبلہ شریف اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے گرد نماز پڑھتے ہیں۔ اب تمام مسافتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ اس گھر میں مقناطیس کی سوئی کی طرح ہیں جو قطب میں پہنچ جاتی ہے۔ وہ ہر جہت میں گھومتی ہے۔ اسی طرح مسلمان کا قبلہ شمال، جنوب، مشرق اور مغرب میں سے کوئی جہت نہیں بلکہ اس کا قبلہ تو کعبہ شریف ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں وہ ہر جہت میں نماز پڑھ سکتا ہے وہ اس مرکز میں پہنچ چکا ہے۔ جس کی طرف تمام ممالک کے مسلمانوں کے چہرے اور دل متوجہ ہوتے ہیں۔

مرکز اہل ایمان:

یہ دائرہ کا مرکز ہے جو تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتا ہے۔ تمام مسلمان صحیح عقائد، اعمال صالحہ، مخلوق سے نیکی، دنیا اور آخرت کے لئے جہاد اور بھائی چارہ اور دوستی میں متحد ہوتے ہیں۔ یہ ایک پسندیدہ وحدت پیکر اخوت اور قابل مثال محبت ہے۔ زمانہ حاضر کا انسان اس سے پہلے ناواقف تھا۔ گزشتہ لوگ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔ میں نے جب کبھی کعبہ شریف کو دیکھا تو اس کے متعلق ٹھوس عقیدہ اور توحید خالص کا خیال کیا اور مشرق و مغرب میں دعا کرنے والے اور شب و روز آہ و بکا اور زاری کرنے والے کی مثال دی۔ یہ دعائیں اور آہ و بکا اس پر واقع ہوتے ہیں اور صبح و شام طواف کرنے والوں کے سانس اور سورج اور چاند کی شعاعوں اور ہوا کے جھونکوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔

میں نے جب کبھی اس کے گرد طواف کیا تو میں نے اس اسلامی ادارہ کو یونیورسٹی سے تعبیر کیا۔ یہ حق کا مرکز ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ (عبدالوہاب عزام)

پہلا گھر:

بے شک روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں واضح نص ہے:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکاً وھدی للعالمین))

''بے شک پہلا گھر جولوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، بابرکت اور لوگوں کے لیے ہدایت۔''

حج وعمرہ کا وجوب:

کعبہ شریف کو ہر سال حج کے ذریعے آباد کرنا فرض کفایہ ہے، کیونکہ عام حدیثیں جو حج کی ترغیب اور فضیلت اور اس کی رغبت کے متعلق آئی ہیں وہ یہی ثابت کرتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((العمرة الی العمرة کفارة لما بینھما والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة وقال عمر تتوی وحج نسق ینفین الفقر ومیتة السوء))(النسائی، جلد ۲، صفحہ ۳)

''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی وقت کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے اور حج مبرور کی جزا تو صرف جنت ہے۔''

نیز فرمایا:

''لگاتار عمرے اور حج فقر کو دور کرتے ہیں اور بری موت سے بچاتے ہیں۔''

کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھی جاسکتی ہے:

پانچ اوقات میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

۱۔ جب سورج طلوع ہو رہا ہو۔ یہاں تک کہ ایک نیزہ کے برابر اونچا ہو آجائے۔

۲۔ جب سورج زرد ہو جائے غروب شمس تک۔

۳۔ صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک۔

۴۔ صبح کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک۔

۵۔ جب خط استوا پر پہنچے یہاں تک کہ زوال نہ ہو جائے۔

کیونکہ صحیحین میں ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حرم مکی اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ سنن اور اربعہ میں حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احد اطاف بھذا البیت وصلی اية ساعة شاء من لیل اونھار))

''اے بنی عبد مناف! کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے رات اور دن میں کسی بھی وقت نہ روکو۔''

(نسائی، جلد۲، صفحہ ۳۵)

حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے شیخین کی شرط کے مطابق ہے، ایک روایت میں آیا ہے:

((لا صلوة بعد الصبح الا بمکة))

''صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہاں البتہ مکہ معظمہ میں جائز ہے۔''

اور اس سے مراد حرم شریف ہے اور مطلب یہ ہے کہ قضا کی زیادتی ان مقامات میں جائز ہے۔ وہاں پر مقیم آدمی اگر زیادہ نمازیں پڑھے تو اسے کوئی ممانعت نہیں۔ امام احمد نے طواف کی دو رکعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات آثار کے بہت مشابہ ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ممانعت کے حکم میں مکہ معظمہ اور دیگر مقامات ایک جیسے ہیں، کیونکہ منع کی احادیث دیگر احادیث پر مقدم ہیں۔

طواف ہر وقت جائز ہے:

طواف بیت اللہ حدیث سابق کی بنا پر ان اوقات میں یہ بھی جائز ہے۔امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔امام مالک نے کہا ہے کہ طواف کی دو رکعت کا وقت جواز تک تاخیر کرے۔امام ابوحنیفہ نے منع کیا ہے۔باقی مساجد کا تحیہ نماز ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سب سے پہلے طواف کرتے تھے۔(بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۹)

صلوۃ مکتوبہ کے وقت تحیۃ الوضو ساقط:

علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی مسجد میں داخل ہوا اور امام صلوۃ مکتوبہ میں مشغول ہو تو اس وقت مسجد کا تحیہ یعنی دو رکعت اس سے ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ مقصد یہ ہے کہ مسجد میں لہو ولعب کی حالت میں داخل نہ ہو۔

حرم کی ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت میں مذکور ہے کہ حرم کی ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر درجہ رکھتی ہے۔حاکم نے اس حدیث کی سند کی صحیح کہا ہے، اس حدیث کا امام بیہقی نے بھی بیان کیا ہے۔

حرم کعبہ میں برائی کا گناہ:

علماء کا ایک گروہ اس نظریہ کا حامی ہے کہ جس طرح وہاں نیکیوں کا ثواب بڑھتا ہے، اسی طرح برائی کرنے پر گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔مجاہد، ابن عباس اور ابن مسعود کا یہی نظریہ ہے، لیکن جن لوگوں نے عمومی دلائل کو مد نظر رکھا انہوں نے تضعیف گناہ کا فتویٰ نہیں دیا۔

ان کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((من جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها))

''جو برائی کرے گا اس کی مثل سزا دی جائے گی۔''(سورۃ الانعام)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من هم سيئة فلم يعلمها لم يكتب عليه شيء فان عملها كتبت عليه سيئة واحدة))

''جو شخص برائی کا ارادہ کرتا ہے لیکن فعلی طور پر وہ کام نہیں کرتا تو اسے اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا۔اگر وہ فعلی طور پر اس فعل بد کو کر گزرتا ہے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔''(تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۱۹۶)

بعض متاخرین نے یہ نزاع بیان کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ تضعیف بلحاظ کیفیت کے ہوگی، لیکن کمیت کے لحاظ سے ایک ہی برائی ہوگی اور کہا ہے کہ برائیوں کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔جو آدمی بادشاہ کے سامنے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اس شخص کے مانند نہیں جو کہیں دور دراز مقام پر جا کر اس کی حکم عدولی کرتا ہے۔

تمام نظریات کے مطابق حرم کی تعظیم اور خوف خدا ضروری ہے۔ایسے مقامات جہاں پر اجر کئی گنا ملتا ہے، وہاں پر برائی کا ارتکاب کرنے سے ڈرنا چاہیے۔

مکہ میں برائی کا ارادہ کرنے پر بھی پکڑ ہے:

حرم کعبہ میں برائی کے ارادہ پر بھی سزا ملتی ہے خواہ برائی نہ کی جائے۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی حرم شریف میں کسی کو مارنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب کرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی:

((ومن یرد فیه بالحاد بظلم فاذقناه من عذاب الیم))

''جو آدمی اس میں الحاد اور ظلم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اسے دردناک عذاب کریں گے۔'' (سورۃ الحج)

اس آیت کے مطابق مکہ معظمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ برائی کا ارادہ کرنے سے مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ برائی کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے۔

ایک لاکھ نمازوں کا ثواب:

مسجد حرام کی ایک نماز باقی مسجدوں میں ایک لاکھ نماز سے افضل ہے، کیونکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((صلوة فی مسجدی افضل من الف صلوة فیما سواه الا المسجد الحرام))

(سنن ابن ماجہ، صفحہ ۴۲۸)

''میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دیگر مساجد میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اس پر متعدد حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((صلوة فی مسجدی هذا افضل من الف صلوة فی غیره من المساجد الا المسجد الحرام و صلوة فی المسجد الحرام افضل من الصلوة فی مسجدی هذا بمائه صلوة))

''میری مسجد میں نماز پڑھنا دیگر مساجد کی نماز سے ہزار گنا افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری مسجد سے سو گنا افضل ہے۔''

اس کی سند صحیح بخاری کی شرط پر ہے۔ نیز اسے احمد بزار اور ابن حبان نے بیان کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے ''تمہید'' میں اسے صحیح کہا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت جابر آنحضرت ﷺ سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

((صلوة فی مسجدی هذا افضل من الف صلوة فیها سواه من المساجد الا المسجد الحرام و صلوة فی المسجد الحرام افضل من مائة الف فیها سواه))

(ابن ماجہ، صفحہ ۴۲۹)

ابوبکر کہتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق کہ مسجد حرام کی ایک نماز لاکھ نماز سے افضل ہے۔ میں نے حساب لگایا تو ایک نماز پچپن سال چھ ماہ اور بیس دن راتوں کی نماز کے برابر ہوئی اور ایک دن اور رات کی پانچوں نمازوں کا حساب لگایا گیا تو دو سو ستتر سال نو ماہ دس دن راتوں کے برابر ہوئیں۔

ذالك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم

کعبہ میں رمضان کا ثواب:

کعبہ میں ثواب زیادہ ہونا یہ نماز پر ہی منحصر نہیں بلکہ تمام عبادات کا یہی حال ہے کیونکہ نماز اور کعبہ شریف کی زیارت کے ثواب کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ باقی اعمال صالحہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے۔

حضرت حسن بصری نے کہا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک روزہ لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم صدقہ کرنا لاکھ درہم صدقہ کرنے کے برابر ہے بلکہ ہر نیکی کا لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ماہ رمضان المبارک مکہ معظمہ میں گزارا، اس کے روزے رکھے اور حسب استطاعت قیام کیا تو اسے باقی جگہوں پر رمضان کے مقابلہ میں لاکھ رمضان کے مقابلہ میں لاکھ رمضان کا ثواب ہوگا۔ اس کا ہر دن اور شب نیکیوں میں شمار ہوگے اور اسے ہر دن رات میں ایک گردن آزاد کرانے کا ثواب ملے گا۔ نیز دو گھوڑوں کے بوجھ کے برابر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ثواب ہوگا۔"

بزار نے اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع بیان کیا ہے: (اخبار مکہ، جلد ۲، صفحہ ۲۳)

((رمضان بمكة افضل من الف رمضان بغير مكة))

"مکہ معظمہ میں ایک رمضان المبارک گزارنا دیگر مقامات کے ایک ہزار رمضان سے بہتر ہے۔"

ہیثمی علیہ الرحمۃ نے مجمع الزوائد میں کہا ہے: اسے بزار نے روایت کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عاصم بن عمر ہے جس کو امام احمد اور دیگر ائمہ علیہم الرحمۃ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن حبان علیہ الرحمۃ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

حج کی قربانی حرم کے اندر ہی کی جائے گی:

حج کی قربانی حرم شریف میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر حرم شریف سے باہر قربانی کی جائے تو جائز نہیں۔ اس طرح وہ قربانیاں جو حرم شریف کے لئے لائی جائیں، ان کا حرم شریف میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ تمتع اور قران کی قربانیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

حاجی کے لئے سب سے افضل جگہ قربانی کے لئے حرم شریف میں منیٰ ہے اور عمرہ کرنے کے لئے مروہ ہے اور تمام حرم میں جہاں چاہو قربانی کرنا جائز ہے۔

کفار حرم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے:

کافر کے لئے حرم مکہ میں داخل ہونا منع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

((يا ايها الذين امنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا))

"اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہیں، اس سال کے بعد مسجد حرام میں ان کا داخلہ بند ہے۔" (سورۃ التوبہ)

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان بیان کیا ہے:

((لا يجتمع مسلم كافر في الحرم))

"مسلمان اور کافر حرم میں اکٹھے نہ ہوں۔"

حرم مکہ میں رہنے والوں پر حج کی قربانی لازم نہیں:

مکہ معظمہ کے باشندے پر قربانی لازمی نہیں ہے خواہ وہ حج متمتع کرنے والا ہو یا اس نے حج قران کا احرام باندھا ہو، یہ فرمان خداوندی ہے:

((ذالك لمن يكن اهله حاضرى المسجد الحرام))

یعنی قربانی دینا اس کے لئے لازی ہے جو مکہ معظمہ میں رہنے والا نہ ہو۔ حاضرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ معظمہ سے میقات سے کم مسافت پر رہتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ)

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد جو حرم شریف کے دو منزل کے اندر ہوں، لیکن پہلی رائے صحیح تر ہے۔

حرم مکہ میں شکار حرام ہے:

حرم شریف میں شکار کرنا حرام ہے، خواہ محرم (حالت احرام میں) ہو یا حلال ہو، کسی صورت میں بھی جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((ولا ينفر صيدها))

''شکار کو وہاں سے بھگایا نہ جائے۔'' (مشکوۃ، جلد ا، صفحہ ۲۳۸)

جب بھگانے کی ممانعت ہے تو ہلاکت اور اتلاف کی بالاولی ممانعت ثابت ہوگئی اور اس کا تاوان پڑے گا، لیکن موذی اشیاء جیسے چھپکلی، سانپ، بچھو اور ان کے مانند دیگر زہریلی اور موذی اشیاء کو وہاں پر مارنا جائز ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت فرمائی ہے۔ (صحیحین بحوالہ مشکوۃ، جلد ا، صفحہ ۲۳۶)

زیارت کعبہ کی آرزو رکھنے والا قربانی ساتھ لے کر جائے:

جو آدمی حرم شریف کا قصد کرے وہ قربانی ساتھ لے کر داخل ہو، کیونکہ یہ حرم شریف کی تعظیم میں شامل ہے۔ ہاں البتہ جو بار بار حرم میں داخل ہو جیسے لکڑیاں لانے والا وغیرہ تو ایسا شخص اس حکم سے مستثنیٰ ہوگا اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایک آدمی جسے راستہ میں باغی اور ظالم وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں اور ایسا پر امن ہونے کے باوجود بغیر احرام باندھے حرم میں داخل ہوتا ہے تو راجح مذہب یہی ہے کہ اسے ایسا کرنا جائز ہے اور احرام باندھنا لازمی نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھی۔ (نسائی، جلد ۲، صفحہ ۲۹)

اگر آپ محرم ہوتے تو سر پر خود نہ پہنتے۔

حرم مکہ میں گھاس اور درخت نہ کاٹے جائیں:

حرم شریف میں درخت اور گھاس کاٹنا منع ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ محرم اور حلال دونوں کے لئے ممانعت ہے۔ ہاں البتہ اذ کر (ایک خوشبودار گھاس) کاٹنے کی اجازت فرمائی۔

امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرمین (مکہ اور مدینہ) کے درخت کاٹنے میں کوئی تاوان نہیں پڑتا۔ ہاں البتہ جس نے یہ کام کیا اس نے برا کیا اور کہتے ہیں کہ مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس سے تاوان ثابت ہو، لیکن امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بڑے درخت میں گائے اور چھوٹے درخت میں بکری کا تاوان لازم قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے تاوان میں قیمت کو واجب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ گھاس اور درخت کے متعلق ہے جو خود بخود اگتے ہیں جن چیزوں کو لوگ اگاتے ہیں جیسے کھیتی اور سبزیاں وغیرہ تو وہ اس میں شامل نہیں۔

انبیاء کرام کا مرجع:

انبیاء کرام میں سے کئی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جب ان کی دعوت پر قوم نے لبیک نہ کہی اور انہیں جھٹلایا، تو وہ بے بس ہو کر مکہ مکرمہ میں ہجرت کر کے آگئے، یہاں اللہ رب العزت کی عبادت میں مصروف و مشغول رہے۔ حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی وجہ سے کعبہ شریف کے اردگرد تین سو انبیاء کی قبریں ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ستر انبیاء کی قبریں ہیں اور حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے سیدنا اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی قبریں ہیں۔ اسی طرح چاہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان سیدنا ہود، شعیب اور صالح علیہم السلام کی قبریں ہیں (ایک روایت کے مطابق رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ۹۹ انبیاء کی قبریں ہیں)

اتنی کثیر تعداد میں انبیاء کی قبریں دنیا بھر کے کسی خطہ میں بھی نہیں ہیں اور اہل مکہ نماز میں کعبہ شریف کی طرف چاروں سمت سے رخ کرتے ہیں، جب کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا شہر نہیں جہاں نماز میں چاروں طرف رخ کیا جا سکتا ہو۔

فرشتے اور حفاظت حرم:

تاریخ ازرقی میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر بڑی مصیبت واقع ہوئی یعنی جنت سے نکالے گئے اور زمین پر بھیجے گئے تو بہت رویا کرتے تھے اور ہمہ وقت غمگین رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی آہ و بکا سن کر فرشتے بھی رونے لگے۔ ان حالات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی و تشفی کی خاطر جنت سے ایک خیمہ بھیجا جسے مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کی جگہ رکھا گیا۔ اس وقت خانہ خدا معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوتوں میں سے ایک یاقوت تھا۔ اس میں خالص سونے کی تین قندیلیں تھیں۔ اس میں جنت کے نور سے ایک نور شعلہ زن تھا۔ نیز حجر اسود بھی اس کے ہمراہ اتارا گیا۔ وہ اس دن جنت کے پتھروں میں سے ایک سفید یاقوت کی طرح تھا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی کرسی کا کام دیتا تھا۔ وقتاً فوقتاً آپ اس پر تشریف فرما ہوتے تھے۔

جب آدم علیہ السلام مکہ میں مقیم ہو گئے تو اس خیمہ کی حفاظت فرشتے کرتے تھے اور زمین کے باشندگان کو اس سے بھگا دیتے تھے، اس وقت زمین پر جن و شیاطین کی رہائش تھی۔ ان کے لئے جنت کی کسی چیز کو دیکھنا جائز نہیں تھا۔ جو شخص جنت کی کوئی چیز دیکھ پاتا تو وہ اس کی ہو جاتی تھی۔ زمین اس وقت بالکل پاک صاف تھی، اس میں نہ تو نجاست اور پلیدی کا نام و نشان تھا اور نہ ہی کسی نے کسی کا خون بہایا تھا۔ گناہوں کی آلودگی سے زمین پاک و صاف تھی۔ اس لئے زمین پر فرشتے رہتے تھے اور وہ زمین میں یوں رہتے تھے جیسے کہ اب آسمان میں فرشتے رہتے ہیں۔ شبانہ روز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے تھے اور ایک پل بھر کے لیے بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ وہ حدود حرم شریف پر دائرہ کی شکل میں صف باندھے کھڑے رہتے تھے۔ حرم شریف ان کے آگے تھا اور حل پیچھے تھا۔ کسی جن یا شیطان کو وہاں سے گزرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ فرشتوں کے وہاں قیام کی وجہ سے آج تک حرم شریف کو حرمت والا قرار دیا گیا۔ جہاں فرشتے کھڑے ہوئے وہیں حدود حرم مقرر کی گئیں۔ جنت میں گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا پر حرم کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ (علامہ ازرقی کا یہ بیان نہایت عجیب ہے۔، حالانکہ قرآن پاک تو اس بات پر شاہد ہے کہ دونوں نے ممنوعہ درخت کھایا جیسے کہ ربنا ظلمنا میں جمع کا صیغہ دلالت کرتا ہے اور فا کلا منها میں بھی تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے علامہ ازرقی کا صرف حضرت حوا علیہا السلام کو مرتکب ٹھہرانا محل نظر ہے۔) حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خیمہ کو دیکھنا بھی منع تھا۔ چنانچہ اپنی موت تک انہیں حضرت آدم کا خیمہ اور حرم دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ جب آدم علیہ السلام انہیں ملنا چاہتے تو حرم سے باہر نکل آتے اور اس سے ملاقات

کرتے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیمہ وہیں رہا حتی کہ آپ دنیا سے چل بسے۔ پھر اس خیمہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا۔ بعد ازاں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے مٹی اور پتھر کا مکان بنایا۔ پھر طوفان نوح سے ناپید ہو گیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تو آپ نے اس کی بنیاد تلاش کی۔ جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ ایک بادل کے ذریعے سایہ کر دیا۔ یہ بیت اول کی بنیاد تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی تلاش میں رہے تاکہ بنیادوں کو اونچا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنیادوں کو اونچا کر دکھایا، بادل چھٹ گیا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول:

"واذبو انالابراھیم مکان البیت"

بادل جو بنیادوں پر آکر ٹھہر گیا، تاکہ بنیادوں کی راہنمائی کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف رہے۔ (اخبار مکہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷)

مکہ کسی کی ملکیت نہیں:

یہ بات اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے اسرار میں سے ہے کہ تاریخ میں نہ کسی نے ذکر کیا اور نہ ہی کسی نے سنا کہ پیدائش آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی جابر بادشاہ نے دعویٰ کیا ہو کہ کعبہ شریف اور حرم شریف اس کے ہیں یا اس کے آباؤ اجداد کی ملکیت ہیں۔

کعبہ جیسا گھر بنانے کی ناکام کوششیں:

کسی کو طاقت نہیں کہ کبھی ایسا گھر تیار کرے۔ اس کی بنیاد آفرینش دنیا سے لے کر قیامت تک قائم رہے گی۔ بعض لوگوں نے اس جیسے گھر بنانے کی ناکام کوشش کی۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں نیست و نابود ہو گئے اور ان کی ہلاکت و بربادی ہوئی۔

ابرہہ نے صنعاء یمن میں ایک ایسا گھر تیار کیا تھا، جو اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کا قلیس تھا جو ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ اس پر اس نے اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عرب کے حاجیوں کو بیت اللہ شریف سے ہٹا کر قلیس کی طرف متوجہ کرے، لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ چنانچہ عرب کے دو باشندے وہاں پہنچے اور انہوں نے اس میں پاخانہ کر دیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا تو غصے سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا:

"میں ان کے مکہ شریف والے گھر کو تباہ و برباد کر کے دم لوں گا۔"

چنانچہ ایک بڑا لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ معظمہ پر چڑھائی کی اور بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کے لئے آیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا اور اس پر ایک پرندوں کی فوج بھیج دی جس نے اسے اور اس کی تمام فوج کو آن کی آن میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔

پھر عباس بن ربیع حارثی نے جس کو امیر المومنین ابو جعفر منصور نے یمن کا گورنر مقرر کیا تھا، قلیس کو مسمار کر دیا۔ اس سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آیا۔

ازرقی نے اپنی تاریخ میں قلیس اور ابرہہ کے واقعہ کے متعلق بیان کیا ہے۔

عالم شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندی جو ۵ شعبان ۱۳۶۵ھ کو مکہ معظمہ میں فوت ہوئے، نے اپنی تاریخ کی کتاب "افادۃ الانام بذکر بلد اللہ الحرام" میں ذکر کیا ہے کہ خالد بن برک کے کسی بڑے نے ایک گھر تیار کیا تھا جو کعبہ شریف کے مقابلہ میں تیار کیا گیا تھا اور اس کے اردگرد تین سو ساٹھ کمرے بنوائے تھے۔ ان میں اس کے خادم اور محافظ وغیرہ رہتے تھے۔ اس کا ایک متولی تھا جسے برمک کہتے تھے۔ اس کا مطلب ہے: مکہ کا حاکم۔ اس کی رعایا اس گھر کا حج اور طواف کرتی تھی۔ نیز قبیلہ غطفان کے ایک شخص ظالم بن اسعد نے خانہ کعبہ کی شکل

ایک گھر تیار کیا۔ لوگ اس کا حج کرتے تھے۔ ایک مسلمان زہیر بن خباب کلبی یہ برداشت نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے حملہ کیا اور ظالم کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے بنائے ہوئے گھر کو ملیامیٹ کر دیا۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنا گھر امن والے شہر مکہ میں بنایا اور خیر و برکت سے نوازا۔ نیز اسے انوار و اسرار سے بھر دیا۔ اللہ کی تعریف ہے جس نے ہمیں وہاں کے رہنے والے اور اس کے پڑوسی بنایا اور ہمیں اپنے لطف و کرم اور بخشش سے ڈھانپا۔

مکہ کی گرمی پر صبر:

علامہ قزوینی روایت بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ مکرمہ کی گرمی پر ایک ساعت بھی صبر کیا تو اس سے جہنم ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کر دی جائے گی اور جنت دو سو سال کی مسافت اس کے قریب کر دی جائے گی۔ یہ شہر نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد ہوگا (جنگ کیلئے) اور میرے لئے بھی دن میں سے تھوڑی سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا۔''

(آثار البلاد، صفحہ ۲)

جو مکہ میں بیمار ہو جائے:

سیدنا سعید بن جبیر سے مروی ہے:

''جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو جائے اس سے روزمرہ کے نیک کاموں کے معمولات ادا نہ ہو سکیں، تو اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف اس دن کے اعمال کے اجر سے نوازتے ہیں بلکہ سات سال کے اعمال کا خطیر اجر بھی مرحمت فرماتے ہیں۔''

مکہ مکرمہ میں نیکیوں کا اجر:

اس متبرک شہر میں رب کریم ایک نیکی کے عوض میں ایک لاکھ گنا اجر مرحمت فرماتا ہے، لیکن جہاں رحمت خداوندی کا بحر بیکراں موجزن اور اس کی عنایات لامتناہی ہیں، وہاں گناہ پر مواخذہ بھی اسی نسبت سے شدید ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور اس کے روزے رکھے اور تراویح ادا کی تو کسی دوسرے مقام کی نسبت یہاں اسے ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر و ثواب عنایت ہوگا۔ اس کے علاوہ اسے ہر دن اور رات کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اجر بھی ملے گا، اور ہر روز دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔'' (مرقاۃ مفاتیح، جلد ۶، صفحہ ۱۱)

امام جلال الدین سیوطی نے روایت نقل کی ہے:

''مکہ مکرمہ میں ایک رمضان المبارک کے روزے رکھنا کسی دوسرے شہر میں ایک ہزار رمضان کے روزے رکھنے سے بلحاظ ثواب کے بہتر ہے۔'' (جامع صغیر، جلد ۲، صفحہ ۲۴)

مؤرخ جلیل علامہ قطب الدین روایت نقل فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے مکہ مکرمہ کی گرمی ایک ساعت بھی برداشت کی، اللہ رب العزت اسے جہنم کی آگ سے ایک سو سال کی مسافت پر دور کر دیتا ہے۔''

علامہ قزوینی سیدنا عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں:

""میں نہیں جانتا کہ مکہ کے سوا بھی زمین پر کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں نیکیاں سو گنا بڑھ جاتی ہوں اور نماز کی ایک رکعت سے بڑے ایک سو رکعات کا اجر ملتا ہو، اور اس کے مکان بیت اللہ شریف کی طرف صرف دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہو اور ایک درہم (تقریباً چار آنے) صدقہ کرنے پر ایک ہزار درہم کا بدلہ ملتا ہو۔"" (آثار البلاد، صفحہ ۱۱۲)

مکہ میں گناہ پر مواخذہ:

چنانچہ سیدنا عمر فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے:

""مکہ میں محض ایک گناہ سرزد ہونا زیادہ شاق ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کسی شہر میں ستر گناہ ہو جائیں۔""

اس خوف سے کہ مبادا اس مقدس شہر میں رہتے ہوئے ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے بعض صحابہ کرام نے طائف وغیرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

ایک لاکھ نمازوں کا ثواب:

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

""مسجد نبوی میں ایک نماز کا اجر ایک ہزار گنا ہے جب کہ مسجد حرام میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے۔"" (ابن ماجہ، صفحہ ۱۰۱، باب ما جاء فی فضل الصلوۃ فی مسجد الحرام)

طواف:

علاوہ ازیں اس گھر کی ایک مخصوص عبادت ""طواف"" بھی ہے، جو ساری روئے زمین پر کسی مکان، مقام، عبادت گاہ یا کسی بھی چیز کا جائز نہیں ہے۔ جس طرح بیت اللہ شریف میں دوسری نیکیوں اور طاعات کا اجر و ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے، اسی طرح اس کا طواف کرنے سے بھی بے انتہا اجر ملتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے:

""جب سیدنا آدم بیت اللہ کے لئے تشریف لائے، تو وہاں ملائکہ نے اس کا استقبال کیا، اور بتایا کہ ہم دو ہزار سال سے اس گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ حضرت آدم نے ان سے دریافت کیا کہ تم طواف کے دوران کونسی دعا پڑھتے ہو۔ تو فرشتوں نے عرض کیا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ چنانچہ آپ نے بھی طواف میں یہی دعا پڑھی۔""

(اخبار مکہ صفحہ ۱۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا آدم نے ملتزم کے پاس یہ دعا پڑھی تھی:

((اللھم انك تعلم سریرتی.......... فضیت علی))

اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے آدم! آپ نے ایسی دعا کی ہے جسے قبول نہ کرنا میری رحمت سے بعید ہے۔ یہ شرف قبولیت نہ صرف آپ کیلئے بلکہ آپ کی اولاد میں سے بھی جو آدمی یہ دعا کرے گا تو میں اس کی برکت سے اس کے غم والم دور اور اس کی روزی میں فراخت پیدا کر دوں گا۔ اس کے دل کو فقر سے پاک کر کے اسے غنی کر دوں گا۔ (اخبار مکہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

""جس آدمی نے بیت اللہ شریف کے سات چکر لگائے یعنی طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس طواف کے دو نفل پڑھے اور زمزم پیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔""

امام واحدی نے لکھا ہے:

''طواف کرنے والے کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ پانچ سو گناہ معاف کرتا، پانچ سو نیکیاں عنایت کرتا اور پانچ سو درجات بلند کرتا ہے۔ پھر جب آدمی طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پاس دو نفل پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ ماں کے پیٹ سے پاک پیدا ہوا تھا۔''

امام ازرقی نے ایک روایت نقل کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ شریف کو گھیر رکھا ہے۔ وہ فرشتے طواف کرنے والوں کیلئے دعا مغفرت کرتے رہتے ہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی نے کعبہ شریف کا پچاس مرتبہ طواف کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے، گویا کہ وہ اسی دن پیدا ہوا ہے۔'' (ترمذی، جلد ۱، باب فضل الطواف، صفحہ ۱۲۶)

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں، جو آدمی طواف میں درج ذیل دعا پڑھتا ہے تو وہ اس پر آمین کہتے ہیں:

((اللهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنيا والاخرة ربنا اتنا فی الدنيا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار))(سنن ابن ماجه، صفحه ۲۱۲)

حضرت ابی ہریرہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور دوران طواف مندرجہ ذیل دعا کے سوا کوئی بات نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر اسے دس نیکیاں عنایت فرماتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے۔ دعا یہ ہے:

((سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله))

(ابن ماجہ، صفحہ ۲۱۲)

داؤد بن عجلان فرماتے ہیں کہ ہم نے ابی عقال کے ساتھ بارش میں طواف کیا، بعدازاں مقام ابراہیم کے پاس نفل پڑھے۔ تو وہ کہنے لگے: ہم نے ایک مرتبہ حضرت مالک بن انس کے ساتھ اسی طرح بارش میں طواف کیا تھا تو انہوں نے طواف سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تمہارے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ہمیں نبی کریم کی معیت میں ایک مرتبہ بارش میں طواف کرنے کا موقعہ ملا تو آپ نے ہمیں یہی ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابن ماجہ)

حرمت والا شہر:

مسند احمد بن حنبل میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكه ان هذا البلد حرام حرمه يوم خلق السموات والارض فهو حرام بحرمة الله الى يوم القيمة))

(شفاء، صفحہ ۶، جلد ۱)

''حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا: زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی یہ شہر حرمت والا ہے۔ قیامت تک اس کی حرمت باقی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا کانٹا

توڑا جائے، گھاس نہ کاٹی جائے، شکار نہ بھگایا جائے۔‘‘

حضور علیہ السلام کا محبوب خطہ:

عبداللہ بن عدی الحمراء فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت فرماتے سنا جب آپ ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے:

((واللہ انك لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ ولو لا انی اخرجت منك ما خرجت))

’’اے زمین مکہ! اللہ کی قسم! تو اللہ کی بہتر زمین ہے اور مجھے بہت محبوب ہے، اگر مجھے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔‘‘ (مشکوٰۃ: ۲۳۸)(ابن ماجہ: ۲۲۴)

حرم مکہ میں موت آسمان پر موت ہے:

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

((من مات بمکۃ فانما مات فی السماء الدنیا))

’’جو مکہ میں فوت ہوا تو وہ گویا کہ آسمان دنیا میں فوت ہوا‘‘ (شفاء، صفحہ ۸۵، جلد ۱)

حرم مکہ کی موت امن کی ضمانت ہے:

محمد بن قیس بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

((من مات بمکۃ او فی طریق مکۃ بعث من الامنین))

’’جسے سرزمین مکہ یا مکرمہ جاتے راستہ میں موت آئی وہ شخص قیامت کے دن امن والوں میں ہوگا۔‘‘

حرمین کی موت عذاب سے نجات ہے:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من مات باحد الحرمین بعثہ اللہ تعالی من الامنین یوم القیمۃ))

’’جو شخص (ایمان کے ساتھ) مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں فوت ہوگیا، قیامت کے دن اللہ تعالی جل مجدہ اسے نجات یافتہ لوگوں سے اٹھائے گا۔‘‘

مکہ کے رہائشی اللہ کے پڑوسی ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی جل مجدہ سے عرض کی:

’’یا اللہ! جنت البقیع (مدینہ منورہ کے قبرستان) میں مدفون لوگوں کو کیا اجر ملے گا۔‘‘

جواب دیا گیا: جنت۔ پھر عرض کی:

’’یا اللہ! جنت المعلی (مکہ شریف کے قبرستان) کے مدفونین کو کیا ملے گا؟ تو جواب دیا گیا: محبوب تو نے اپنے پڑوسیوں کے متعلق سوال کیا تجھے جواب دے دیا گیا، میرے پڑوسیوں کے متعلق مجھ سے سوال نہ کر۔‘‘

حرم کعبہ کی توہین ہلاکت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لا تزال هذه الامة بخير ماعظموا هذه الحرمة حق تعظيمها فاذا ضيعوا ذلك هلكوا))

''میری امت اس وقت تک خیر و برکت سے رہے گی جب تک حرم کعبہ کا احترام کرتی رہے گی۔ جب احترام کرنا چھوڑ دے گی تو برباد ہوگی۔'' (ابن ماجہ۔ مشکوۃ:۲۳۸)

باب نمبر 16:

زیارت کعبہ کی فضیلتیں

زائر گناہوں سے پاک:

اس مقدس گھر کی زیارت اور دیدار نہ صرف تسکین و طمانیت قلبی اور روحانیت کی غذا کے علاوہ ایمان کی جلا کا موجب ہے، بلکہ مغفرت و بخشش کا یقینی ذریعہ ہے۔ یہی ایک ایسی عمارت ہے جسے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کے فضائل و مناقب میں سرور کونین رحمت دارین ﷺ نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص بیت اللہ شریف کی زیارت کو آیا اور پھر یہاں کسی سے جھگڑا، بدزبانی اور فساد نہ کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاک پیدا ہوا تھا۔'' (مسلم، جلد ا، صفحہ ۴۳۶)۔

ایک سو بیس رحمتیں روزانہ:

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ دن رات میں ایک سو بیس رحمتیں کعبہ شریف پر نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کیلئے، چالیس نماز پڑھنے ولوں اور بیس ان کیلئے ہوتی ہیں جو صرف کعبہ شریف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کر رہے ہوتے ہیں۔''

کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے:

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے:

''کعبہ شریف کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔''

زیارت کعبہ اور حج و عمرہ کا ثواب:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک ساعت کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھنا، درآں حالیکہ ایمان و تصدیق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کے لئے ہو، ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔''

زیارت کعبہ سے گناہوں کی معافی:

کعبہ شریف کو ایمان کامل اور یقین محکم کے ساتھ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور ایسا آدمی قیامت

امن'' والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا۔

سیدنا سعید بن المسیب سے روایت ہے:

''جس آدمی نے کعبہ شریف کی طرف ایمان اور تصدیق کے ساتھ دیکھا تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے گویا کہ وہ اسی وقت ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔''

ابن سائب المدنی فرماتے ہیں:

''ایمان اور تصدیق قلبی سے کعبہ شریف کو دیکھنے سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں ہوا سے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔'' (تاریخ القویم، جلد۴، صفحہ۱۵۲)

ایک سال کی عبادت کا ثواب:

حضرت عطا کا قول ہے:

''کعبہ شریف کو دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔'' (تاریخ القویم، جلد۴، صفحہ۱۵۲)

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو ہیبت، عظمت اور جلال و کرامت سے خاص کیا ہے۔ نیز اسرار قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے گھیرا ہے۔ اس کی زیارت کرنے والا اس کے پاس عاجز اور ذلیل ہو کر کھڑا ہوتا ہے۔ سرکش لوگ ذلیل اور عاجز ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں۔ گنہگار اس کے پاس زار و زار روتا ہے اور مضطر اور لاچار آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے امید کرتا ہوا اور پکارتا ہوا خشوع و خضوع سے دعا کرتا ہے، اس کے پاس دعائیں قبول ہوتی ہیں، لغزشوں کی معافی دی جاتی ہے اور آنسو بہائے جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ کی زیارت کرتے تو یہ دعا کرتے:

((اللھم زدھذا البیت تشریفاً و تعظیماً))

''اے اللہ! اس گھر کی بزرگی اور عظمت میں اضافہ فرما۔''

حضرت عمر فاروق کی دعا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوتے تو دعا پڑھا کرتے تھے:

((اللھم انت السلام و منك السلام نحینا ربنا بالسلام))

''اے اللہ! تیرا نام سلام ہے اور تیری طرف سے سلامتی ہے تو ہمیں اسلام کے ساتھ زندہ رکھ۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۸)

زیارت کی فضیلت:

علامہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں عطاء سے اور وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس گھر پر ہر روز رات دن میں ایک سو بیس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں پر اور چالیس نماز پڑھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں۔ بیس رحمتیں ان لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو صرف بیٹھے ہوئے بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے ہیں۔

(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۶۷۸ تا ۶۷۹)

ایمان کی نشانی:

حضرت عطاء نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ کعبہ شریف کی زیارت کرنا خالص ایمان کی علامت ہے۔(اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۹)

زیارت کعبہ عبادت کے مترادف:

حماد بن سلمہ نے کہا کہ کعبہ شریف کی زیارت کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ دیگر ممالک میں محنت سے عبادت کرنے والا۔

(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۸)

ہر قدم پر اجر:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے اس کی ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۔

ملتزم پر مانگی گئی دعا:

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیانی حصہ کو ملتزم کہتے ہیں۔اس مقام پر کھڑا ہو کر آدمی جو دعا کرتا ہے وہ مستجاب ہوتی ہے۔

کعبہ سے چمٹنا اور دعا مانگنا:

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جس نے کعبہ شریف کو لازم پکڑا، پھر دعا کی تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔آپ سے پوچھا گیا: خواہ ایک دفعہ اس کے ساتھ جسم لگایا جائے؟ فرمایا: خواہ جانور کے پنجے کی طرح لٹکا جائے۔

عروہ بن شعیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ طواف کیا۔جب ہم کعبہ شریف کی پچھلی جانب پہنچے تو میں نے پوچھا: آپ پناہ کیوں نہیں مانگتے؟ انہوں نے کہا: اعوذ باللہ من النار۔پھر وہ گزر گئے، یہاں تک حجر اسود کو بوسہ دیا اور اس کے اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے۔پھر اپنا سینہ، چہرہ، بازو اور ہتھیلی پھیلا کر اس پر رکھ دیئے۔پھر بتایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے دیکھا ہے۔

مجاہد نے کہا:

"اپنے رخسار کعبہ شریف سے لگاؤ اور پیشانی مت لگاؤ۔"

باب نمبر 17:

سابقہ آسمانی کتب میں مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کا تذکرہ

عہد نامہ قدیم و جدید میں مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کا تذکرہ:

اب ہم تورات، انجیل زبور اور یورپین مورخین کے حوالہ جات کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ مکہ مشرفہ کوئی نیا شہر نہیں بلکہ یہ سیدنا عیسیٰ کی پیدائش سے صدیوں پہلے آباد ہو چکا تھا اور اسے آباد کرنے والے سیدنا اسماعیل ہی تھے، جو اپنی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی معیت میں یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔

تورات، زبور اور انجیل اصل عبرانی زبان میں ہیں۔ان کے تراجم انگریزی، عربانی، اردو اور کئی دوسری زبانوں میں خود یورپین علماء

نے کئے ہیں اور وہ تحریف، قطع و برید اور تلبیس کے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ اسلام اور اسلامی شعائر کے ساتھ روایتی تعصب کی بنا پر انہوں نے سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ کے اس تاریخی سفر اور ملتہائے منزل کے متعلق بھی تراجم میں زبردست تغیر و تبدل دیا ہے، جس سے اصل اور صحیح واقعات کی صورت مسخ ہوگئی ہے اور پھر آج کل مسلمان عبرانی زبان سے قطعاً بے خبر ہیں جس کے باعث ان کی تلبیس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بااین ہمہ اسرائیلی روایات کی تصدیق یا تکذیب سے قطع نظر ہم نے صرف اپنے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کرنا ہے۔ اصل عبرانی الفاظ بھی قارئین کی معلومات کے لئے سپرد قلم کر دیئے ہیں تاکہ مترجمین کی دست درازی کی نشاندہی بھی ہو جائے۔

انجیل میں بھی حرم مکہ کا ذکر موجود ہے۔ سیدہ ہاجرہ کا ذکر اس طرح درج ہے۔

''اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ لڑکا بیابان میں رہا اور تیر انداز ہوگیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا کرتا تھا۔'' (تورات، کتاب پیدائش: باب ۲۱ درس ۲۱)

فاران مکہ شریف کا نام ہے جس کی تائید متعدد مقامات سے ہوتی ہے۔ فاران وہی خطہ ہے جو آج سے کچھ سال پہلے حجاز کے نام سے مشہور تھا اور آج سعودی عرب کے نام سے مشہور ہے۔

توراۃ میں اس طرح ذکر ہے:

''وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔'' (کتاب استثناء: ۲/۲۳)

یہاں بھی فاران کا ذکر ہے جو مکہ مکرمہ کا نام اس جگہ فاران بن عوف بن عوف نے قبضہ کیا تھا۔

توراۃ اس مقدس شہر مکہ کی مشہور پہاڑی مروہ کا ذکر موجود ہے جو اس شہر کی تاریخی حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے۔

''اپنے اکلوتے بیٹے کو لو اور موریاہ (مروہ) کی زمین میں جاؤ۔'' (کتاب پیدائش: ۲/۲۲)

اس دور میں مروہ کا ذکر بلفظ موریاہ موجود ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو ابراہام کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہی لفظ مورہ پیدائش ۲۲/۶ میں ملتا ہے۔

اس حوالہ سے بھی سرزمین مکہ کی تاریخی حیثیت نمایاں ہو رہی ہے۔

زبور نے بھی اس جگہ کی تاریخی حیثیت کو واضح کیا ہے، وہ وادی بکاء سے گزر کر چشموں کی جگہ پناہ لیتے ہیں۔ یہ بکاء ہی وادی ہے جسے قرآن مقدس نے للذی ببکة مبارکاً کے الفاظ سے بیان کیا۔

''جرہم بنی اسماعیل کے بعد حجاز کے حکمران ہوئے۔ انہیں کے پاس کعبہ کی چابی تھی اور یہ ولادت مسیح سے پہلے تھے۔''

(تاریخ مکہ، صفحہ ۱۴، جلد ۱)

مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے یہود رومانی حکام سے تنگ آ کر وہاں سے بھاگ کر مکہ، مدینہ اور طائف میں آباد ہوئے۔

(تاریخ مکہ، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰)

اسماعیل اپنی والدہ کے ہمراہ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ (عرب قبل الاسلام، صفحہ ۱۵۰، جلد ۱۔ تاریخ مکہ، صفحہ ۱۳۱، جلد ۱)

مسیحی مؤرخ جرجی زیدان نے لکھا ہے:

''ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ جبال مکہ یا حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے۔ (تاریخ مکہ، صفحہ ۱۳۱، جلد ۱)

ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور آج کے عرب کا جواب ہے۔ (انجیل گلتیون: ۴/۲۴)
کتاب پیدائش میں ہے:
''ابراہیم علیہ السلام باپ کے گھر سے نکل کر پہلے مورہ کے پاس اور بعد میں اور بیت اہل کے درمیان معبد تیار کیا۔'' (پیدائش: ۱۲/۷)
مورہ اور مروہ ایک ہی جگہ کا نام ہے۔
دودروس نے مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے نبطی قوم کے متعلق لکھا ہے۔
''حجاز میں ایک معبد ہے جس کا احترام سارے عرب کرتے ہیں۔'' (عرب قبل اسلام، صفحہ ۲۳۰)
لوبس شیجو یسوعی لکھتا ہے:
''دنیا کے تمام معبدوں میں سب سے زیادہ مشہور معبد حجاز کا کعبہ ہے۔''
ہسٹری آف دی عرب کا مؤلف حتی لکھتا ہے:
''اس شہر کی بنا مذہبی تعلق کی وجہ سے وجود میں آئی تھی اور یقیناً حضرت محمد ﷺ کی ولادت سے پہلے یہ مذہبی مرکز بن چکا ہو گا۔'' (تاریخ مکہ، صفحہ ۱۴۰)
''جرہم یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے اور بنو اسمٰعیل سے معاہدہ کر کے وہاں آباد ہوئے۔''
''عربستان میں کعبہ کے نام سے ایک عبادت گاہ تھی جسے قدیم روایات کے مطابق ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔''
ان حوالہ جات کو بغور دیکھیں۔ مکہ مکرمہ، حجاز، عرب، مور، فاران، مروہ کے الفاظ سے تاریخی حیثیت نمایاں ہو رہی ہے۔
تورات میں ان واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:
''حضرت سارہ چونکہ بانجھ تھیں، اس لئے انہوں نے اپنی مصری خادمہ جن کا نام ہاجرہ تھا حضرت ابراہیم کو دی اور کہا کہ میری خادمہ لے جاؤ، شاید میں اس کی کوکھ سے بچہ والی ہو جاؤں، وہ ہاجرہ کے پاس گیا تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ حاملہ ہونے کے بعد وہ اپنی مالکہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ اس پر سارہ نے سختی کی تو وہ بھاگ نکلیں۔ مگر راستہ میں خدا کا فرشتہ ہاجرہ کو ملا اور بشارت دی کہ تو حاملہ ہے اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام شمع ایل رکھنا، کیونکہ خدا نے تمہارا دکھ سن لیا ہے۔............ سب کے ہاتھ اس کے خلاف اور اس کے ہاتھ سب کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔''
(پیدائش، باب: ۱۶)

☆: ''لفظ فرا کے معنی شکاری اور بہادر کے ہیں، مگر بائبل کے مترجمین نے اس کا معنی وحشی آدمی کیا ہے۔''
''اب تو حاملہ ہو گی اور بچہ جنے گی اور اس کے سر پر استرا نہ پھیرا جائے، کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائے گا۔''
(تورات، قضاہ، صحاح ۱۳،۴)

''اور ہاجرہ ابراہام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسماعیل رکھا اور جب ابراہام کے لئے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا۔'' (پیدائش، باب، ب ۱۶، عدد ۱۵، ۱۶)
''پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اضحاق رکھنا اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا۔'' (تکوین، صحاح: ۱۰ عدد ۱۸)
پھر جب اسحاق بھی پیدا ہو گئے تورات کا بیان ہے:

''اور سرہ نے دیکھا ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہام سے جنی تھی، ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہام کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہام سے کہا: اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی ہے اس کی آواز پر کان رکھ، کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔'' (پیدائش ۲۱، ۹، ۱۳)

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دی، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی، بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھیں اور جب مشک کا پانی چک گیا، تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور خود اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھی، کیونکہ اس نے کہا: میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا، مت ڈرو کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا، اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا اور تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لائی۔''

(تکوین، باب ۲۱)

اگرچہ تورات کی یہ مفصل روایت اسلامی روایات کے ساتھ بہت حد تک مطابقت رکھتی ہے، پانی کے مشکیزہ کا ذکر، اس کے ختم ہو جانے، اور سیدہ ہاجرہ کا بے تاب ہونے کا تذکرہ اور پھر جبرئیل کو چاہ زم زم کے ظاہر کرنے کا واقعہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دینا سب کچھ اسلامی روایات کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ البتہ تورات کی روایت میں اس جگہ کا صحیح نام نہیں بتایا گیا۔ صرف ''فاران'' کہا گیا ہے جب کہ اسلامی روایات میں مکہ معظمہ کا نام صراحتہ موجود ہے۔

توراۃ کی تصریح کے مطابق بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ آدمی اور جانور کا پہلا بچہ قربان کیا جاتا تھا۔

''کیونکہ بنی اسرائیل! آدمی اور جانور کا پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔'' (عدد ۸، ۱۸)

اسی دستور کے مطابق حضرت ابراہیم کو بھی حکم ربانی ہوتا ہے:

''اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے کو لو اور موریاہ کی زمین میں جاؤ، اور وہاں اس پہاڑ پر جو میں تم کو بتاؤں گا اس کو سوختنی قربانی کے لئے چڑھاؤ۔'' (پیدائش: باب ۲۲)

جب حضرت ابراہیم اس حکم کی تعمیل پر بسر و چشم آمادہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تورات نے ان الفاظ میں بیان کیا:

''اپنا ہاتھ اس لڑکے پر مت بڑھاؤ اور اسے کچھ نہ کر داب میں نے جان لیا کہ تم خدا ترس ہو۔ اس لئے کہ تم اپنے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔ تم نے ایسا کام کیا اپنے بیٹے، اپنے اکلوتے بیٹے تک کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔''

(پیدائش ۲۲_۱۲، ۱۵)

عبرانی میں اکلوتے بیٹے کیلئے ''سحید'' استعمال ہوا ہے، جو عربی لفظ ''وحید'' کے ہم معنی ہے۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیم کے لئے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل ہی تھے، حضرت اسحاق نہیں، اس لئے قربانی کا حکم حضرت اسماعیل ہی

کے متعلق تھا۔

تورات کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم باپ کے گھر سے نکل کر پہلے مورہ کے پاس اور بعد میں عی اور بیت ایل کے درمیان مزکے (معبد) تعمیر کیا۔ (پیدائش باب ۱۲، آیت ۷)

((ویباو کنعن ویعبر ابرام بارص عد مقوم شکم عد الون موره و هکنعانی اذ بارص وبراء یهوه ال ابرام ...... و بین شم مزکہے))

''اور کنعان میں وارد ہوئے اور اس ملک میں مقام شکیم سے وادی مورہ تک گئے اور ان دونوں ملکوں میں کنعانی آباد تھے اور ابرام کو یہوہ (خدا) دکھائی دیا......اور وہاں (وادی مورہ میں) ایک مزکے بنایا۔'' (پیدائش، باب ۱۲)

ان واقعات کے بعد انجیل میں ہے:

''ابرام کے دو بیٹے تھے۔ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے۔ پر وہ جو لونڈی سے تھا، جسم کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد تھا، سو وعدہ کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں، ایک تو سینا پہاڑ سے ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے۔ یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہے۔'' (انجیل گلتیوں، باب ۴ آیت ۲۴)

جب حضرت اسماعیل کی اولاد عرب میں پھولی پھلی تو اس کی تفصیلات تورات میں اس طرح بیان کی گئی ہیں:

''یہ نسب نامہ ابراہام کے بیٹے اسماعیل کا ہے جو ابراہام سے سارہ کی لونڈی ہاجرہ مصری کے بطن سے پیدا ہوا۔''

اور اسماعیل کے بیٹے کے نام یہ ہیں:

''اسماعیل کا پہلوٹا نبایوت تھا۔ پھیر قیدار، ادبیل، مبسا، مشماع، دومہ، مسا، حدو، تیما، یطور، نفیس، قدمہ، یہ اسماعیل کے بیٹے تھے۔ اور انہی کے نام سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں۔'' (پیدائش، باب ۲۵، آیت ۱۲، ۱۶)

تورات کی مذکورہ بالا روایات سے حسن ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ اکلوتا بیٹا اسماعیل تھا۔

۲۔ اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کی معیت میں فاران میں آباد ہوا۔

۳۔ ابراہیم نے پہلا مزکے (معبد) مورہ میں بنایا۔

۴۔ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو مورہ پہاڑ پر سوختنی قربانی کیا۔

۵۔ ہاجرہ عرب کو کوہ سینا ہے۔

پہلی بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اکلوتا بیٹا سیدنا اسماعیل ہی تھے۔ تورات کے بیان کے مطابق جب ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی تب سیدنا اسحاق پیدا ہوئے۔ دوسرا یہ کہ آپ والدہ کیساتھ فاران میں آباد ہوئے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ فاران کس جگہ کا نام ہے۔ فاران وہی علاقہ ہے جسے اس وقت حجاز کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خود تورات ہی کی روایت وضاحت کر رہی ہے:

''اور اس کی اولاد (۱۵۰۰ ق م) حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے، جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی، یہ لوگ سب اپنے بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔'' (قضاة، باب ۸، ۲۲ تا ۲۴)

مشہور مسیحی مورخ جرجی زیدان کی یہ تحریر بھی اس بات کی تائید کرتی ہے:

''جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جبال مکہ یا جبال حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے آپ جزیرہ سینا

میں ٹھہرے اور وہاں سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں شادی بھی کی۔''

''اسماعیل اپنی والدہ کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے۔'' (عرب قبل الاسلام، جلد ا، صفحہ ۱۵۳)

فرانسیسی مورخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:

''اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ کے حاکم بنے۔'' (تمدن عرب، صفحہ ۷۸)

رہی تیسری اور چوتھی بات، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے پہلا معبد مورہ میں بنایا، اور اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کی مورہ پہاڑ پر قربانی دی۔ تو مورہ کی حقیقت کیا ہے؟

اصل میں مورہ اور مروہ ایک ہی جگہ کے عبرانی اور عربی نام ہیں، یہ دونوں الگ الگ جگہیں نہیں ہیں اور پھر حجاز کے سوا مروہ نام پہاڑ کہیں کسی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی اس نام کے کسی دوسرے پہاڑ کے قریب حضرت ابراہیم کے معبد بنانے کا ثبوت تاریخ پیش کرتی ہے۔

اور تورات کی روایت بھی یہ شہادت پیش کر رہی ہے کہ مورہ پہاڑ عرب میں ہی ہے:

''اور مدیانیوں کی فوج، شمال کی جانب مورہ کی پہاڑ پر وادی میں تھی۔'' (قضاۃ صحاح، باب ۷، آیت ۲)

مسیحی مورخ بلیکی لکھتا ہے:

''مدیانی انہیں اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مدیان ان کے دادا کا نام تھا، اور یہ عرب کے صحرا میں آباد تھے (اور یہ سیدنا اسماعیل کی اولاد تھی)'' (تاریخ بائبل، صفحہ ۳۷)

یہ واقعات اور شواہد اس بات کی منہ بولتی دلیل ہے کہ مورہ مروہ ہی کا نام ہے، فرق صرف عربی اور عبرانی زبان کا ہے۔

پانچویں صراحت کہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے۔ یہ انجیل مقدس کی شہادت ہے اور سیدنا عیسیٰ کے سب سے بڑے جانشین پولوس کا فرمان ہے۔ اگر سیدہ ہاجرہ عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں، تو عیسائی مذہب کا اتنا بڑا عالم اور جلیل القدر آدمی انہیں اس اعزاز سے کیوں کر نوازتا؟ ہم اس سلسلہ میں زبور کی ایک ایسی ٹھوس شہادت پیش کرتے ہیں جس کی صداقت کا انکار مستشرقین بھی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگرچہ تاویلات کے ذریعہ اپنی تلبیس کے فن کا مظاہرہ تو کیا ہے، مگر بے سود۔

ہم پہلے عیسائیوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں تحریف اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے، اور اس کے بعد اصل عبرانی عبارت کے ساتھ ترجمہ پیش کریں گے تاکہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں:

''اے لشکروں کے خداوند! تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں، میری جان خداوند کی بارگاہ کی مشتاق ہے، بلکہ گداز ہو چلی، میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں، وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں، جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں، وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔''

(زبور، باب ۸۴، آیت ۶)

اگرچہ یہ عبارت ابتداء سے انتہاء تک تحریف شدہ ہے، اسی وجہ سے زبور کے شارحین نے وادی بکا کی متعدد تاویلات کی ہیں، مگر حقیقت چھپ نہ سکی۔

اصل عبرانی عبارت کا ترجمہ یوں ہے:

''میری روح خداوند کی بارگاہ کی آرزومند ہے۔ اے میرے خداوند! میرے بادشاہ! میرے معبود! جو لوگ تیرے گھر میں رہتے ہیں، سدا تیری تہلیل کرتے ہیں۔ جن آدمیوں کو تجھ سے مدد ملتی ہے ان کے سینوں میں تیری شریعتیں ہوتی ہیں۔''

"عبری بعمق ھبکہ معین یسیتو ھو گم بر کوت یغطہ مورہ"

"لوگ بکہ کی وادی میں چلتے ہوئے ایک کنوئیں کے پاس ٹھہرتے ہیں، جملہ برکتیں مورد (مرہ) کوڈھانپے رہتی ہیں۔"

زبور کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ ۱۱۰۰ قبل مسیح میں عمق ھبکہ یعنی وادی مکہ کے اندر مروہ کے پاس ایک مقدس کنواں اور ایک باعظمت بیت اللہ تھا، اور حضرت داؤد اس باعظمت بیت اللہ کی زیارت کے بے حد مشتاق تھے۔

عیسائی مترجمین نے عمق ھبکہ کا ترجمہ "رونے کی وادی" کیا ہے۔ اگر لفظ بکہ ہوتا تب تو اسے بکا کا فعل گردانتے مگر اس کے ساتھ حرف "ہ" دلالت کر رہا ہے کہ یہ اسم ہے اور کسی مقام کا نام ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مغربی مورخین کی تحریرات میں اس حقیقت کا ثبوت موجود ہے کہ وادی بکا یا بکہ سے مراد مکہ معظمہ ہے۔

فلپ کے حتی نے بری اور بحری تجارت کی شاہراہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے وادی بکا کو دو سڑکوں کا مقام اتصال بتایا ہے۔ (تاریخ لبنان، صفحہ ۸۱)

اور روم لاوندنے بڑے وثوق سے یہ ثابت کیا ہے:

"تجارتی شاہراہ پر مکہ ایک خاص اہمیت کا اڈہ تھا۔" (الاسلام والعرب، صفحہ ۱۵)

اس حقیقت کو مشہور مستشرقین ہری سینٹ جان اور نوئیدگی نے بھی بادل نخواستہ تسلیم کیا ہے:

"قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴،۶) میں وادی بکہ کا لفظ پایا جاتا ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، لفظ محمد ﷺ، ہز نیلس انسائیکلو پیڈیا لفظ مکہ)

زبور کی اس قدر واضح دلیل کو مسترد کر دینا اسلام دشمنی اور اسلامی شعائر کے خلاف صریحاً تعصب کا مظاہرہ کرنا ہے۔ ورنہ ایسے فضول اور بے بنیاد خیالات کا اظہار ہرگز نہ کیا جاتا۔

یونانی اور مسیحی تاریخ میں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا تذکرہ:

زبور کے بیان کے مطابق سیدنا داؤد علیہ السلام سیدنا عیسیٰ کی ولادت سے گیارہ سو سال پہلے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے اپنی بے چینی اور اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"اے لشکروں کے خداوند، تیرے مسکن کیا ہی دل کش ہیں۔ میری جان ان بارگاہوں کی مشتاق ہے، بلکہ گداز ہو چلی، میرا دل اور میرا جسم زندہ خدا کے لئے خوشی سے للکارتے ہیں، مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں، وہ سدا تیری تعریف کرتے ہیں، جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔"

(زبور، باب ۸۴، عدد ۶)

زبور کی اس شہادت کی موجودگی میں اگرچہ کسی اور دلیل یا حوالہ کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی مگر عیسائی مترجمین نے اصل حقیقت کو اس طرح مسخ کر دیا ہے کہ ایک عام آدمی صحیح مفہوم کو سمجھنے سے قطعی محروم رہتا ہے، اس لئے ہم بالکل واضح اور صریح الفاظ میں اپنے دعویٰ کے ایسے ٹھوس ثبوت پیش کرتے ہیں، تاکہ تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

مسیحی مورخ جرجی زیدان لکھتا ہے:

"قدیم یونانی تاریخ کی کتابوں میں مکہ یا کعبہ کا نام نہیں ملتا، البتہ دیودورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل مسیح میں نبطی قوم کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حجاز میں ایک معبد ہے جس کا احترام اور تعظیم سارے عرب کرتے ہیں۔" (عرب قبل الاسلام، صفحہ ۲۳۱)

للاب لوبس شیخو یسوعی بھی دنیا کے مشہور معبدوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"دنیا کے تمام معبدوں میں سب سے زیادہ مشہور معبد حجاز کا کعبہ ہے۔ جس کا ذکر تاریخ میں سب سے پہلے دیو دورس الصقلی نے ۱۰۰ قبل مسیح میں کیا تھا۔" (النصرانیۃ وادابہا، جلد ا، صفحہ ۱۴)

جرجی زیدان کے بقول لفظ مکہ یا کعبہ تاریخ میں تو نہیں ملتا، لیکن ان الفاظ کے نہ ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس شہر کا وجود اس زمانے میں نہیں تھا، چنانچہ وہ اس کی تفصیلات بے حد واضح الفاظ میں سپرد قلم کرتا ہے۔

قدیم زمانہ کے محققین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ "مکہ" کس زبان کا لفظ ہے، لیکن ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے یہ کلدانی یا بابلی زبان کا لفظ ہے، کیونکہ بابلی زبان میں مکہ کے معنی بیت یعنی گھر کے ہیں، اور عرب کے نزدیک یہی کعبہ کا نام ہے اور یہ اس شہر کے قدیم ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ ۱۸۰۰ قبل مسیح میں عمالقہ جب ہجرت کر کے یہاں آئے تو انہوں نے یہ نام رکھا تھا۔ عمالقہ یہاں سب پہلے آباد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ بعد ازاں یہ کئی جابر حکمرانوں کی ہوس اقتدار کا نشانہ بنا۔ عمالقہ کے بعد قحطانیہ کا ایک فرقہ جرہم یمن سے ہجرت کر کے یہاں آیا اور عمالقہ سے جنگ کر کے یہاں قابض ہو گیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد بنو اسماعیل نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ (عرب قبل الاسلام، صفحہ ۲۳۰)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا مطبوعہ ۱۹۷۰ء میں لفظ مکہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ یونانی زبان میں اسے مکورابا کہا جاتا ہے۔ اور مذہبی انسائیکلو پیڈیا میں بھی اس کی تائید موجود ہے، عبارت اس طرح ہے:

"بطلیموس نے اپنی قدیم تصنیف (جغرافیہ) کے فصل ۶ باب ۷ صفحہ ۳۲ میں مکہ کا نام "مکورابا" لکھا تھا۔"

(ریلجنس اینڈ اتھنس انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ ۱۹۵۹ء لفظ مکہ)

قلپ کے حتی جیسا متعصب مورخ بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنی مشہور کتاب "ہسٹری آف دی عرب" جس کا اردو ترجمہ "ملت عرب" کے نام سے مشہور ہے میں لکھتا ہے:

"مکہ کا نام بطلیموس نے "مکورابا" لکھا ہے، اور یہ لفظ سبائی زبان کے مکرابی سے مشتق ہے۔ جس کے معنے معبد کے ہیں۔ اس نام سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اس شہر کی بنا مذہبی تعلق کی وجہ سے وجود میں آئی تھی اور یقیناً حضرت محمد (ﷺ) کی ولادت سے بہت پہلے یہ مذہبی مرکز بن چکا ہوگا۔" (ملت عربی، صفحہ ۱۵۹)

جرجی زیدان اپنی دوسری تصنیف میں لکھتا ہے:

"حضرت موسیٰ کے زمانہ ۱۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر حضرت عیسیٰ سے کچھ عرصہ قبل بلکہ پہلی صدی عیسوی تک یہود رومانی حکام کے جور و ستم سے تنگ آ کر عرب کے خشک صحراؤں میں بھاگ آتے تھے اور مکہ، مدینہ اور طائف میں آباد ہوتے رہتے۔" اس اختلاط سے عربوں کے دو گروہ بن گئے ایک اہل بادیہ جو اپنی نیچرل زندگی پر قانع رہا ہے، جنہیں خانہ بدوش کہا گیا، اور دوسرا شہریوں کا گروہ جو مکہ، مدینہ اور طائف میں آباد ہوا جو حضری یعنی شہری عرب کے نام سے مشہور ہوا۔"

(تاریخ التمدن الاسلامی، جلد ا، صفحہ ۱۵)

لاب لوبس شیخو یسوعی لکھتا ہے:

"یورپین مورخین کے قول کے مطابق جرہم بنی اسماعیل کے بعد حجاز کے حکمران ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ کعبہ کی سدانت اور چابی تھی۔ ان کا زمانہ ولادت مسیح سے قبل کا تھا۔" (النصرانیۃ وادابہا، صفحہ ۱۱۶)

مؤرخ مذکورہ دوسری جگہ لکھتا ہے:

''بنی قحطان کے ایک قبیلہ بنی ازد کی بدولت بنی تغلب اور بنوخزاعہ کے مکہ میں آنے سے پہلے ہی نصرانیت یہاں پھیل چکی تھی۔'' (النصرانیۃ وادابھا، صفحہ۱۱۶)

پطرس بستانی اس کی وضاحت اس طرح کرتا ہے:

''ازد بلاد یمن میں آباد تھے، لیکن جب بند خراب ہو گیا تو یہ لوگ حسان بن اسد ابی کرب کے زمانہ میں وہاں سے حجاز کی طرف چلے گئے۔ پہلے بلاد عک میں جوز بید اور زمع کے درمیان واقع تھا، قیام کیا۔ وہاں کے باشندوں سے جنگ کی، ان کا بادشاہ ثعلبہ بن عمرو مزیقیا کے ہاتھوں مارا گیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور ظہران میں ٹھہرے اور مکہ میں مقیم جرہم سے جنگ کی اور ان پر غالب آ کر مکہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ بعد ازاں متعدد شہروں میں منتشر ہو گئے۔''

البتہ یہود کی ہجرت کے متعلق بستانی کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یہود بابل سے ہجرت کر کے حجاز میں آئے تھے، کیونکہ قدیم نسبی تعلقات اور زبان کی مماثلت کے باعث ان کی معاشرت حجاز کے باشندوں سے ملتی تھی۔ چونکہ ابراہیمؑ یہود کے جد اعلیٰ تھے اس بنا پر اسماعیل کا وطن حجاز یہود کے لئے اسحاق کے وطن سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھا۔''

نیز یہ خیال درست نہیں ہے کہ سد مارب کی تباہی کے بعد یہود حجاز میں آئے تھے، بلکہ بابل کے عروج کے زمانہ میں انہوں نے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی۔

مؤرخ سید یو لکھتا ہے:

''جرہم یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے اور بنو اسماعیل سے معاہدہ کر کے وہاں آباد ہوئے، پھر انہوں نے زور بازو سے کعبہ کی حکومت ان سے چھین لی اور ۲۰۶ عیسوی تک اس پر قابض رہے، بعد ازاں ۲۰۷ عیسوی میں بنوخزاعہ نے ان سے جنگ کر کے مکہ پر قبضہ کر لیا۔'' (تاریخ العرب العام، صفحہ ۵۰)

فلپ کے حتی دیوتاؤں کا ذکر کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی قدامت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

''ہیرودتس نے ۴۰۰ قبل مسیح میں قبطی دیوتاؤں کے بیان میں لات دیوتا کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دیوتا طائف کے قریب تھا، اس کا حیمی اور حدود حرم بھی مقرر تھیں۔ اہل مکہ اور دوسرے شہروں کے لوگ اس کی زیارت کرنے اور یہاں قربانی کرنے آیا کرتے تھے۔'' (ملت عربی، صفحہ ۱۵۲)

للاب لوبس شیسو یسوعی عرب کے ہیلوں کے ضمن میں لکھتا ہے:

'بلینیسیوس الطبیعی نے دوسری صدی مسیحی میں بہت سے ہیکلوں کا ذکر کیا تھا۔ ان میں سے ۶۰ سبا میں اور ۶۵ عطفان کی بستیوں میں تھے۔ ہیکلوں کے چاروں طرف کچھ علاقہ بطور حرم کے مختص ہوتا تھا۔ ان میں زیادہ مشہور حرم مکہ تھا۔ ان کی خدمت کرنے والوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ ہیکل مختلف قسم کی تصویروں اور بتوں سے آراستہ کئے جاتے تھے۔ پھر ان بتوں کے ہاتھ میں مختلف چیزیں دے رکھی تھیں جو اس بات کی دلالت تھی کہ انہیں ان معاملات میں خاص قدرت حاصل ہے۔ مثلاً وداور ہبل کے ہاتھ میں نمائندہ تیر تھے۔ اسی طرح سورج کے پرستاروں نے ایک بت بنا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ایک ایسا منور ہیرا دیا جو آگ کی طرح چمکتا تھا۔ اس کے لئے ایک گھر بھی بنایا جس کا حج کیا کرتے تھے اور اس کے باہر نائلہ اور اساف کے بت نصب تھے۔'' (النصرانیۃ وادابھا، صفحہ ۱۴)

اساف بن عمرو اور نائلہ بنت ذئب یمن کے باشندے اور قبیلہ جرہم کے فرد تھے۔ان دونوں میں معاشقہ تھا۔ایک مرتبہ دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی حج کرنے مکہ آئے۔ایک دن لوگوں کو غفلت میں پاکر کعبہ شریف کے اندر بدفعلی کی۔جس کی پاداش میں دونوں کی شکلیں مسخ ہوکر پتھر بن گئیں۔لوگوں نے انہیں اٹھا کر ایک صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر پھینک دیا تاکہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔مدت مدید تک وہاں پڑے رہے۔جب بہت زمانہ گزر گیا اور لوگ ان کی بدکاری کے واقع کو بھول گئے،تو اس کے بعد عمرو بن لحی الخزاعی نے جب مکہ میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالی اور لوگوں میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا،تب ان دونوں کی پرستش بھی شروع ہو گئی،پھر جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو اس نے وہاں سے اٹھا کر ایک کعبہ کے متصل اور دوسرا زمزم کے پاس نصب کر دیا اور ان کے نام کی قربانی دی جانے لگی۔

مغربی مؤرخین نے مکہ مکرمہ کی قدامت کا جس طرح واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے،اسی طرح بیت اللہ شریف کے حج کی قدامت کا بھی انہیں اعتراف کرنا ہی پڑا ہے۔

ڈاکٹر گستاد لی بان لکھتا ہے:

''عربستان میں کعبہ کے نام سے ایک عبادت گاہ تھی جسے قدیم روایات کے مطابق ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔کعبہ جزیرۃ العرب کی تمام اقوام کی نظروں میں متبرک تھا اور عرصہ دراز سے وہاں حج ہوتا تھا۔حقیقت میں کعبہ عرب کے دیوتاؤں کا مندر تھا۔''

(تمدن عرب،صفحہ ۸۹)

جرجی زیدان کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

''حجاز کے شہروں میں مکہ کو بہت زیادہ شہرت اس لئے حاصل ہوئی کہ وہاں حج ہوتا تھا اور متواتر کسی سو سال گزر جانے کے بعد وہ ایک تجارتی مرکز بن گیا۔حج کے موقع پر حجاج کے ہجوم اور خرید و فروخت کی کثرت کے باعث بڑے بڑے جابر قبائل اور سرداروں کی توجہ اور حرص کا مرکز بن گیا۔ابتدائی دور میں یہ شہر حجاز کے خاص باشندے اسماعیلیوں کے قبضہ میں تھا۔وہی کعبہ کے خادم تھے۔مگر دوسری صدی مسیحی میں سیل ارم کے بعد جب خزاعہ یمن سے ہجرت کر کے مکہ میں آئے تو انہوں نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔''(تاریخ التمدن الاسلامی،جلد ۱،صفحہ ۱۵)

امریکن پادری ایس ایم زویمر لکھتا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ سنگ اسود مکہ کا سب سے قدیم ترین خزانہ ہے۔عرب قدیم زمانہ میں پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔اب بھی جزیرہ نما کے بعض حصوں میں یہ رسم پائی جاتی ہے۔''

میکس مس نائرس نے دوسری صدی مسیحی میں لکھا تھا:

''میں نہیں جانتا کہ عرب اس چوگونہ پتھر کی تعظیم کس دیوتا کے نام کی نسبت سے کرتے ہیں،قدیم ایرانیوں کے قول کے مطابق یہ پتھر عرش سے برف کی طرح سفید نازل ہوا تھا۔''

فلپ کے حتی لکھتا ہے:

''سامی مذہب کے بنیادی اصول ریگستان میں تو کیا نشو و نما پاتے زیادہ تر سرسبز قطعات ہی سے ان کی کامیابی وابستہ تھی۔وہ پتھر اور چشموں سے خصوصی تعلق رکھتے تھے،جنہیں تورات کے ''بیل ال'' (بیت اللہ) اسلام کے ''حجر اسود'' اور زمزم کا پیش رو سمجھنا چاہیے۔''(ملت عربی،صفحہ ۴۴)

ایک عیسائی مفکر لکھتا ہے:

حج کا طریقہ مختلف امتوں میں انتہائی قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ اگرچہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کس قوم کے ہاں حج شروع ہوا۔ البتہ عرب زمانہ جاہلیت میں بھی دور دراز سے فوج در فوج بیت اللہ کا حج کرنے آتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلی قوم تھی جس کے ہاں تمام اقوام سے پہلے حج شروع ہوا۔ عرب کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے آسمان سے اترنے کے بعد کعبہ بنایا تھا۔ پھر طوفان نوح کے بعد ابراہیم اور اسماعیل نے اسے تعمیر کیا۔ پھر ان کے بعد قدیم ترین قبائل جن کے ہاں حج رائج ہوا وہ یہود ہیں۔ بنی اسرائیل موسیٰ کی شریعت کے مطابق تین مرتبہ یروشلم میں ''تابوت العہد'' کا حج کرنے جاتے تھے۔ اسی طرح سریانی ''ہیرابولیس'' میں بتوں کا حج کرتے تھے۔ جو بہت قدیم زمانہ سے جاری تھا۔ اس میں مصر، ہندوستان، حبشہ اور آرمینیہ وغیرہ سے لوگ آتے تھے۔ یونانیوں کے مشہور ہیکل اور با اور برصغیر میں تھے، جن کا وہ حج کرتے تھے۔ یہودی ان کے علاوہ بھی متعدد مقامات کا حج کرتے تھے، لیکن جب مسیح تشریف لائے تو صرف بیت المقدس کا حج قائم رکھا اور باقی تمام مقامات کے حج منسوخ کر دیئے۔ عیسائیوں کے حج کی تاریخ کے متعلق اکثر عیسائی مورخین نے قسطنطین کا زمانہ ۳۰۶ عیسوی بیان کیا ہے، جو ولادت مسیح کے بعد آپ کی جائے ولادت، قیام اور مرگ کے مقامات کا حج کیا کرتے تھے۔''

بستانی کعبہ شریف کے حج کو یہود کے حج سے بھی قدیم تر کس طرح تسلیم کرتا ہے، اس بیان سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ جب سیدنا موسیٰ جن کا زمانہ ۱۵۰۰ قبل المسیح ہے، سے بھی بہت پہلے بیت اللہ کا حج کیا جا رہا تھا، چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ مکہ آباد کر چکے تھے اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے جلیل القدر فرزند سیدنا اسماعیل کے تعاون سے وہاں بیت اللہ تعمیر کر چکے تھے اور اگر وہاں نہ کوئی شہر آباد تھا اور نہ ہی کعبہ، تو پھر مغربی مورخین اپنی ان کتابوں کی عبارات کا کیا جواب دیں گے۔؟؟

باب نمبر 18:

اصحاب الفیل

قرآن مجید کعبۃ اللہ کے متعلق ایک واقعہ کو سورۃ الفیل میں بیان کیا ہے:

((اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ० اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ० وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ० تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ० فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ०))

''تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا، اس نے اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے وہ پرندے پتھر مارتے تھے، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔''

امام الحدیث والتاریخ ابن کثیر نے اصحاب الفیل کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

''ملک یمن پر خاندان حمیر کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مذہباً مشرک تھے، ان کا آخری بادشاہ یوسف ذونواس تھا جس نے یمن کے اہل حق نصاریٰ پر شدید مظالم کئے تھے اور توحید پرست عیسائیوں کو خندقوں میں زندہ جلا دیا تھا۔ اصحاب الاخدود کا مشہور واقعہ اسی بادشاہ سے منسوب ہے، جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم کی سورۃ البروج میں ہے۔''

خندق کے عذاب سے بچ کر کسی طرح دو آدمی نکل بھاگے تھے اور انھوں نے ملک شام کے بادشاہ سے فریاد رسی کی کہ یوسف

ذونواس نے اہل ایمان پر ایسا ایسا ظلم کیا ہے۔ شام کے بادشاہ نے اپنے حلیف بادشاہ حبشہ کو خط لکھا تھا کہ وہ اس کا انتقام لے اور [illegible] ایک بہت بڑے لشکر کو دو کمانڈر اریاط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس ظالم بادشاہ کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔

یہ عظیم الشان لشکر یمن پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو حمیرؔ خاندان کے اثر سے آزاد کرالیا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور ایک [illegible] کرتے ہوئے غرق ہوگیا۔

اس طرح اریاط اور ابرہہ کے ذریعہ یمن پر حبشہ کے بادشاہ کا قبضہ ہوگیا جو خود نصرانی المذہب تھا۔

یہ واقعہ ۵۲۵ء میں پیش آیا تھا جس نے حمیری خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں کمانڈروں میں نزاع پیدا ہوگئی، باہمی جنگ میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ غالب آگیا اور پھر وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جانب سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہوا۔

ابرہہ ذاتی طور پر کٹر عیسائی تھا اس کے عزائم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ سارے عرب کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ مکہ مکرمہ کی عالمی مرکزی حیثیت بھی ختم ہو جائے۔ مذہبی جنون میں اس نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک ایسا شاندار کنیسہ (گرجا گھر) بنایا جس کی نظیر اس وقت دنیا بھر میں نہ تھی، مؤرخ سہیلی لکھتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کی تعمیر پر یمن کی بے انداز دولت اور بیش بہا زر و جواہر صرف کئے۔ یہ قیمتی پتھروں کی بہت ہی خوبصورت طویل و عریض عمارت تھی۔

عجیب و غریب زرکار نقوش سے منقش، جواہر ریزوں سے مزین، ہاتھی دانت کی نفیس جالیاں، سونے چاندی کے اوراق سے در و دیوار کو سجایا گیا تھا۔ اس سے ابرہہ کا یہ مقصد تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو ہر سال حج کرنے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کنیسہ کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبۃ اللہ کے بجائے اس کا طواف اور حج کریں، کچھ عرصہ بعد اس نے پوری مملکت میں اعلان کروا دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص بھی حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائے گا۔ ایسا شخص اسی کنیسہ میں آنے اور اس کا طواف کرے۔ عرب میں اگرچہ بُت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیمی اور کعبۃ اللہ کی عظمت و محبت اُن کے دلوں میں پیوست تھی۔ عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں اس اعلان سے سخت غم و غصہ کی لہر پیدا ہوگئی۔ اگرچہ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر اور عبادت کا مرکز خیال کرتے تھے۔

مؤرخ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابرہہ کے اُس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب تاجر نے کسی نہ کسی طرح کلیسہ میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اُس گرجا گھر میں آگ لگا دی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز اور مفسدانہ تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب یا قریشی یا چند نوجوانوں کا مشتعل ہو کر کلیسہ کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

لیکن بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عرب کے چند مسافروں نے کلیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی تھی جہاں اُن کا قیام تھا اتفاقاً ہواؤں کی لہر سے آگ کلیسہ میں جا گری اور کلیسہ جل گیا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ خانہ کعبہ کے معتقدین نے یہ حرکت کی ہے تو غیظ و غضب میں عہد کیا کہ اُس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک خانہ کعبہ کو ڈھا نہ دوں۔

اس کے بعد اُس نے ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت طلب کی کہ وہ انہدام کعبہ کی مہم کے لئے حجاز جانا چاہتا

ہے۔نجاشی نے اس کو اجازت دے دی اور خصوصی تعاون کے طور پر اپنی فوج کا سب سے طاقتور بلند و بالا ہاتھی جس کا نام محمود تھا، ابرہہ کی مدد کے لئے روانہ کر دیا اور اس ہاتھی کے تعاون کے لئے مزید سات آٹھ ہاتھی اور دیئے۔ابرہہ ساٹھ ہزار فوج لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور بہت سے عرب قبائل اس کے گرد جمع ہو گئے۔ابرہہ کے خلاف جنگ کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا۔

پھر قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلے کا سردار نفیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے کو لے کر ابرہہ کے مقابلہ کے لئے آیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اس کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو گرفتار کر لیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر یہ سمجھ کر زندہ رکھا کہ اُس سے مکہ کے اہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیا جائے گا۔

پھر جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے۔انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور ابرہہ سے گزارش کی کہ وہ ان کے مشہور معبود ''لات'' کا مندر تباہ نہ کرے۔

چنانچہ ان کا سردار مسعود ثقفی ایک وفد کو لے کر ابرہہ سے ملا اور کہا کہ ہمارا بُت کدہ وہ معبد نہیں ہے جس کو آپ ڈھانے آئے ہیں وہ تو مکہ مکرمہ میں ہے اس لئے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں ہم مکہ مکرمہ کا راستہ بتانے کے لئے آپ کو ایک آدمی فراہم کر دیتے ہیں جو قریب کے راستہ سے مکہ تک رہنمائی کرے گا۔ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنوثقیف نے اُبورِغال نامی شخص کو ان کے ساتھ کر دیا۔

جب مکہ مکرمہ تین کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو اُلمغمس نامی مقام پر پہنچ کر ابورغال فوت ہو گیا (اہل عرب زمانہ جاہلیت میں مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے ہیں اور بنوثقیف کو بھی وہ عرصہ دراز تک طعنہ دیتے رہے ہیں کہ انھوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں کا تعاون کیا تھا)

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ابرہہ کے اس لشکر نے ان پر چھاپہ مارا اور سب اونٹ ہانک لے گئے۔ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے۔

اس کے بعد ابرہہ نے اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ روانہ کیا اور اس کے ذریعہ اہلِ مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں، اگر تم لوگ جنگ نہ کرو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا نیز اس سفیر کو یہ بھی ہدایت دی کہ اہلِ مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو اُن کے سردار کو میرے پاس لے آنا، اُس وقت مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔سفیر نے اُن سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔

عبدالمطلب نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی قطعاً طاقت نہیں ہے یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا بنایا ہوا، وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت خود کر لے گا۔سفیر نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں اور اُس سے بات کریں۔وہ اس پر راضی ہو گئے۔

حضرت عبدالمطلب اس قدر وجیہ اور پروقار آدمی تھے کہ ابرہہ ان کو دیکھ کر متاثر ہو گیا اور اپنی جگہ سے اُتر کر اُن کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس دیدیئے جائیں! ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا مگر آپ کی بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر (کعبہ) جو آپ کے دین آبائی کا قبلہ ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے؟ عبدالمطلب نے کہا:

''میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں۔رہا یہ گھر (کعبہ) تو

اس کا ایک ربّ ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔"

ابرہہ کو جناب عبدالمطلب کی یہ بات معمولی سی محسوس ہوئی، اُس نے کہا:

"تمہارا ربّ اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔"

جناب عبدالمطلب نے کہا: پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے چند سردار بھی تھے۔ انھوں نے ابرہہ کے آگے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ (حجاز) کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے۔ مگر ابرہہ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس چلے آئے اور سیدھے بیت اللہ میں داخل ہوئے اور چوکھٹ کا حلقہ پکڑ کر دُعا میں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ساتھ تھی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر گاہ سے واپس آ کر خواجہ عبدالمطلب نے اہلِ قریش سے کہا کہ اپنے بال بچوں سمیت پہاڑوں پر چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم پاک میں حاضر ہوئے اور کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اُس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔

اُس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت موجود تھے مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں بھی اُن سب کو بھول گئے اور صرف اللہ واحد کے آگے دست سوال پھیلایا، اُن کی جو دعائیں کتب تاریخ میں منقول ہیں اُن میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشام نے سیرت میں جناب عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح مؤرخ سہیلی نے روض الانف میں اور امام ابن جریر نے طبری میں وہ اشعار نقل کئے ہیں۔

یہ دعائیں مانگ کر جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں پر چلے گئے۔ دوسرے روز ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا مگر اُس کا وہ خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا یکایک بیٹھ گیا اس کو بہت تیر مارے گئے تیر سے کچوکے دیئے گئے یہاں تک کہ اس کو زخمی کر دیا گیا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اس کو جنوب شمال مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا مگر مکہ مکرمہ کی طرف موڑا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا کسی طرح آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اتنے میں پرندوں کی قطاریں آتی نظر آئیں جن میں سے ہر ایک کے پاس تین کنکریاں چنے یا مسور کی دال کے برابر تھیں، ایک چونچ میں اور دو کنکریاں پنجوں میں۔

واقدی علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھے گئے۔ بدن کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے اور پنجے سرخ قسم کے تھے، ان کی آواز بھی کچھ ارتعاش انگیز تھی کہ دل کپ کپائے جاتے تھے۔ پرندوں کے یہ جھنڈ نے ابرہہ کے لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی۔ جس پر بھی یہ کنکر گرتے جسم سے پار ہو جاتے اور جسم گلنا شروع ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے کہ کنکری کے لگتے ہی گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا، پورے لشکر میں افراتفری پیدا ہو گئی۔

لشکر کے لوگ یمن کی طرف بھاگنا شروع ہو گئے۔ نفیل بن حبیب خثعمی جس کو ابرہہ راہنما کے طور پر ساتھ لے آیا تھا اس کو تلاش کر کے درخواست کرنے لگا کہ واپسی کا راستہ بتایئے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

أَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْإِلٰهُ الطَّالِبُ

وَالْأَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ

''اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب کہ اللہ تعاقب کر رہا ہے۔ اور نکو (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔''

اس بھگدڑ میں یہ لوگ گر گر کر مرتے گئے اور مرمر کر گرتے جاتے تھے۔ عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ایک بڑی تعداد تو وہیں ہلاک ہوگئی اور کچھ بھاگتے ہوئے ہلاک ہوئے۔

ابرہہ بھی انتہائی بُری حالت میں بلادِ خثعم پہنچ کر مرا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ دونوں اندھے اپاہج ہو گئے تھے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتی تھیں کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اپاہج تھے اور بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ بھی یہ بات نقل کیا کرتی تھیں۔

اصحاب الفیل کا یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب مقام محسر پر پیش آیا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ جب مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلے تو وادی محسر میں آپ ﷺ نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اصحاب الفیل کا واقعہ اسی وادی میں پیش آیا تھا، وہ اسی جگہ ان پر ابابیل مسلط کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے سنت یہی ہے کہ آدمی یہاں سے جلد گزر جائے اور اس عذاب کی جگہ قیام نہ کرے۔

نیز امام مالک اپنی کتاب موطا میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مزدلفہ پورا کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادی محسر کے۔ (الحدیث)

اصحابُ الفیل کا یہ عبرتناک واقعہ ماہِ محرم میں پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے چالیس یا پچپن دن بعد ہوئی۔

اہل عرب میں یہ واقعہ اس درجہ مشہور و معروف تھا کہ اُنھوں نے اس سال کا نام ''عام الفیل'' (ہاتھیوں والا سال) رکھ دیا۔

عرب کا مشہور شاعر نفیل بن حبیب جو اصحابُ الفیل کا چشم دید گواہ ہے اپنے اشعار میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق نے اپنی تاریخ میں اس کے چند ایک اشعار نقل کئے ہیں:

رُدَيْنَةُ لَوْ رَأَيْتِ وَلَا تَرِيهِ لَدَى
جَنْبَ الْمُحَصَّبِ مَارَأَيْنَا

''اے ردینہ! کاش تو دیکھتی اور تو نہیں دیکھ سکے گی جو کچھ ہم نے وادی محصب کے قریب دیکھا ہے''۔

حَمِدْتُ اللّٰهَ اِذَابَصُرْتُ طَيْرًا
وَخِفْتُ حِجارَةً تُلْقٰى عَلَيْنَا

''میں نے اللہ کا شکر کیا جب پرندوں کو دیکھا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں پتھر ہم پر نہ آپڑیں۔''

وَكُلُّ الْقَوْمِ يَسْأَلُ عَنْ نُفَيْلٍ
كَاَنَّ عَلَىَّ لِلْحُبْشَانِ دَيْنَا

''اُن لوگوں میں سے ہر ایک نفیل کو ڈھونڈ رہا تھا گویا کہ مجھ پر حبشیوں کا کوئی قرض آتا ہے۔''

عرب کا ایک دوسرا شاعر عبداللہ بن الزبعریٰ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

سِتُّونَ اَلْفًا لَمْ یَؤُبُوْا اَرْضَهُمْ
وَلَمْ یَعِشْ بَعْدَالْاِیَابِ سَقِیْمُهَا

''ساٹھ ہزار تھے جو اپنی سرزمین کی طرف واپس نہ جاسکے اور نہ واپس ہونے کے بعد انکا بیمار (ابرہہ) زندہ رہا۔''

کَانَتْ بِهَا عَادٌ وَجُرْهُمْ قَبْلَهُمْ
وَاللّٰهُ مِنْ فَوْقِ الْعِبَادِ یُقِیْمُهَا

''یہاں اس سے پہلے قوم عاد اور جُرہُم تھے اور اللہ بندوں کے اوپر موجود ہے اُسے قائم رکھے ہوئے ہے۔''

ابوقیس بن اسلت اس طرح بیان کرتا ہے:

فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا رَبَّکُمْ وَتَمَسَّحُوْا
بِاَرْکَانِ هٰذَا الْبَیْتِ بَیْنَ الْاَخَاشِبِ

''اُٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور مکہ و منیٰ کی پہاڑیوں کے درمیان بیت اللہ کے کونوں کا بوسہ لو۔''

فَلَمَّا اَتَاکُمْ نَصْرُ ذِی الْعَرْشِ رَدَّهُمْ
جُنُوْدُالْمَلِیْكِ بَیْنَ سَافٍ وَحَاصِبِ

''جب عرش والے کی مدد تمھیں پہنچی تو اُس بادشاہ کے لشکروں نے اُن لوگوں کو اس حال میں پھیر دیا کہ کوئی خاک میں پڑا ہوا تھا اور کوئی سنگسار کیا ہوا۔''

کُوْنُوْا سِرَاعًا هَارِبِیْنَ وَلَمْ یَؤُبَ
اِلیٰ اَهْلِهٖ بِحَبَشٍ غَیْرَ عَصَائِبِ

''پھر سارا لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا، ان میں چند ایک کے سوا کوئی بھی ملک حبشہ نہیں پہنچ سکا۔''

اسلامی مؤرخ محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں، ابرہہ سے گفتگو کرنے کے بعد جناب عبدالمطلب واپس آئے اور اعلان کروا دیا کہ سب لوگ اپنے اپنے خاندان کے ساتھ پہاڑوں پر چلے جائیں کہیں ان کا قتلِ عام نہ ہو جائے اس کے بعد وہ اور قریش کے چند سردار حرم مکی میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔

اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت موجود تھے اور بزعم قریش ہر ایک بُت ایک ایک حاجت کا مالک تھا مگر یہ لوگ اُس نازک گھڑی میں اُن سب خداؤں کو بھول گئے صرف اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں لیا، صرف اللہ صرف اللہ واحد کے آگے دست سوال پھیلایا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت ام ہانی اور حضرت زبیر بن العوام کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس واقعہ کے بعد قریش نے دس سال تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کی۔''

(طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن عساکر)

☆☆☆

باب نمبر19:

تعظیم کعبہ

انبیاء کی پناہ گاہ:

محمد بن سابط کہتے ہیں کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک ہو جاتی تو وہ مکہ معظمہ پہنچ جاتے اور وہاں پر وہاں کے باشندوں کے ساتھ عبادت کرتے تھے حتی کہ داعی اجل ان کے پاس پہنچ جاتا۔ وہاں پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب نے رحلت فرمائی اور ان کی قبور چاہ زمزم اور حجر اسود کے مابین واقع ہیں۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۴)

کعبہ میں قرآن مجید ختم کرنا:

سفیان منصور سے اور وہ ابراہیم سے روایت کرتا ہے کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں آتے تو قرآن پاک ختم کئے بغیر واپس نہیں جاتے تھے۔
(اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۲)

امام حسین اور تعظیم کعبہ:

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضرت حسین بن علی نے یزید کی مخالفت کی اجازت مانگی تو میں نے کہا کہ اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھ پر عیب لگائیں گے یا آپ عیب لگائیں گے تو اپنے ہاتھوں سے تیرے سر کو پکڑ لیتا۔

حضرت علی کو ان کے اس قول نے روکا:

((لان اقتل بمکان کذا و کذا احب الی من ان یستعل حد متھابی))

''اگر مجھے فلاں فلاں جگہ پر قتل کر دیا جائے تو مجھ پسند ہے لیکن خانہ خدا کی حرمت کو حلال کرنا مجھے ہرگز پسند نہیں۔''

یہ بات تھی جس کی وجہ سے حضرت علی نے سب کچھ بھلا رکھا تھا۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۲)

بنی اسرائیل کا ایک گروہ اور تعظیم کعبہ:

حضرت عبداللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک ایسی امت ہوئی ہے جو مکہ معظمہ میں آتے وقت مقام ذی طوی پر پہنچ کر اپنے جوتے اتار لیتی تھی وہ تعظیم حرم شریف کی خاطر ایسا کرتی تھی۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۲)

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا:

مکہ میں داخلہ کے لئے غسل مستحب ہے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے آداب میں غسل کرنا بھی شامل ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب مکہ معظمہ آتے تو رات ذی طوی میں قیام کرتے۔ پھر صبح کو غسل کرنے کے بعد دن کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوتے۔ (بخاری، جلد۱، صفحہ نمبر ۲۱۴)

اور بیان کرتے کہ حضور اکرم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

اس معاملہ میں محرم اور حلال کا ایک ہی حکم ہے۔ جو بھی مکہ معظمہ میں داخل ہوا سے غسل کرنا مستحب ہے۔ امام شافعی نے اس مسئلہ کی اپنی کتاب ''الام'' میں وضاحت کی ہے۔

رضائے الٰہی کا سبب:

جعفر بن محمد سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میرے باپ سے پوچھا گیا اور میں اس وقت حاضر تھا۔ بیت اللہ شریف کی ابتدائی آفرینش پر سوال ہوا تو اس نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا جانشین بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے استفسار کیا:

''اے اللہ! کیا زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔ ہم تیری تسبیح و تقدیس بیان کرنے کے لئے کافی ہیں۔؟''

اللہ تعالیٰ ان کے اس استفسار سے ناراض ہوا۔ انہوں نے عرش الٰہی کے ذریعے پناہ لی اور اس کے گرد سات چکر لگائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا۔ پھر حکم دیا:

''زمین میں ایک گھر تیار کرو! وہ بنی آدم جن پر میں ناراض ہوں گا اس سے پناہ مانگیں گے اور اس کے گرد طواف کریں گے۔ جس طرح کہ تم میرے عرش کے گرد طواف کرتے ہو۔ میں ان سے راضی ہو جاؤں گا جس طرح کہ تم راضی ہوا ہوں۔''

یہ سن کر انہوں نے بیت اللہ شریف تیار کیا۔ اسے ابوالفرج نے ''مثیر الغرام'' میں بیان کیا ہے۔

فرشتوں کا طواف:

نیز مکہ سے تمام زمین پھیلائی گئی۔ سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یا الٰہی کیا زمین پر تو ایسی مخلوق کو معرض وجود میں لانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے گی اور خون بہائے گی یعنی مکہ کی زمین میں۔ (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۳)

عذاب سے بچنے والا قوم صالح کا ایک فرد:

حضرت جابر بن علی عبداللہ سے روایت ہے کہ تحقیق آنحضرت ﷺ جنگ تبوک کے موقعہ پر حجر کے مقام پر اترے اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اپنے نبی سے نشانیاں مت طلب کرو۔ یہ حضرت صالح کی قوم ہے جنہوں نے اپنے نبی سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ رب العزت نے ایک اونٹنی بطور نشانی بھیج دی، وہ ایسی اونٹنی تھی کہ جس راستے سے وارد ہوتی تمام پانی پی جاتی تھی۔ وہ لوگ اس اونٹنی کا دودھ پیتے اور اتنا پیٹ بھر کر پیتے جیسے چشمے کا پانی پیا جاتا ہے۔ پھر وہ اسی راستے سے گزرتی۔ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تین یوم کے اندر اندر ان پر عذاب بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ پھر اچانک ایک چیخ سنائی دی۔ اس کو سنتے ہی تمام لوگ مشرق سے مغرب تک ہلاک ہو گئے۔ صرف ایک آدمی بچ رہا وہ حرم شریف میں تھا۔ حرم الٰہی میں ہونے کی وجہ سے عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ وہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ابو رغال۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۱۳۳)

کون لوگ مکہ میں رہ سکتے:

محمد بن سابط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ اپنے پرودگار سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایسے

لوگ نہیں رہ سکتے:

۱۔خون بہانے والے۔ ۲۔سودخوار۔ ۳۔چغل خور۔

انبیاءاور تعظیم کعبہ:

حرم کی عزت وتکریم کے پیش نظر اس کی حدود میں داخل ہونے کیلئے احرام باندھنا واجب ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام جب حج بیت اللہ کو تشریف لاتے تو حدود حرم میں داخل ہوتے ہی سواری سے اتر جاتے اور ننگے پاؤں چل کر کعبہ شریف تک جاتے تھے۔

باب نمبر 20:

رسول اللہ کا کعبۃ اللہ کے اندر نماز ادا فرمانا

خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا اور اس میں نماز پڑھنا افضل اعمال میں سے ہے اور مستحب ہے، اس لئے کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ نے خود کیا۔آپ کعبہ میں داخل ہوئے اس میں نماز پڑھی۔بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی اس میں داخل ہوئے کیونکہ حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہوئے، پھر دروازہ بند کرلیا۔جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا۔میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: وہاں دو یمانی ستونوں کے درمیان پڑھی ہے۔(بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز کعبہ میں داخل ہوتے تو سیدھے سامنے کی طرف چلتے اور دروازہ پیچھے کرتے۔پھر چلتے حتیٰ کہ ان کے اور دیوار کے قریب تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا۔پھر نماز پڑھتے اور اس جگہ کو تلاش کرتے جو حضرت بلال نے بتائی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں پر نماز ادا کی۔(بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۷)

بعض لوگ خانہ کعبہ کے داخلہ کو مستحسن نہیں سمجھتے، ان کا استدلال حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس سے ایک دفعہ خوشی خوشی باہر نکلے۔جب واپس تشریف لائے تو آپ غمگین اور افسردہ تھے۔فرمایا:

''میں خانہ کعبہ میں داخل ہو کر آیا ہوں۔اگر مجھے اپنا معاملہ پہلے معلوم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا تو کعبہ شریف میں داخل نہ ہوتا۔میں ڈرتا ہوں کہ اس سے میری امت کو تکلیف ہوگی۔'' (ابوداؤد) (سنن ترمذی)

کعبہ میں داخل ہونا نہ تو فرض ہے اور نہ ہی سنت مؤکدہ، اس کا داخلہ مستحب ہے۔آنحضرت ﷺ حج اور عمرہ کے موقعہ پر اس میں داخل نہیں ہوئے، عمرہ جعرانہ اور عمرۃ القضا میں بھی آپ اس میں داخل نہیں ہوتے۔آپ فتح مکہ کے موقعہ پر اس میں داخل ہوئے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

امام احمد اور ابوداؤد کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں نماز ادا فرمائی اور آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔اس روایت میں ستونوں کا ذکر نہیں ہے۔

نافع سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر کعبہ میں داخل ہوتے تو سامنے کی طرف چلتے اور دروازہ کو اپنی پشت کی طرف کرتے اور چلتے رہتے، یہاں تک کہ آپ کے اور اس دیوار کعبہ کے درمیان جو آپ کے سامنے تھی تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا۔پھر نماز پڑھتے اور اس مکان کو تلاش کرتے جس کے متعلق حضرت بلال نے خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ نماز ادا کی اور کسی پر کوئی پابندی

نہیں۔ بیت اللہ کے اندر جس جانب چاہے نماز ادا کرے۔ (صحیح بخاری) (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ قصویٰ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ سے پیچھے حضرت اسامہ تھے۔ حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے بیت اللہ شریف کے پاس اونٹنی کو بٹھایا۔ پھر عثمان بن طلحہ سے فرمایا: چابی لاؤ۔ وہ چابی لائے اور آپ نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت اسامہ، بلال اور عثمان بھی داخل ہوئے۔ پھر دروازہ بند کیا گیا اور کافی دیر تک آپ اندر ٹھہرے رہے۔ بعد ازاں باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ایک دوسرے سے جلدی اندر جانے کی کوشش کی، لیکن میں سب سے پہلے پہنچ گیا اور حضرت بلال کو دروازہ پر ملا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کہاں ادا فرمائی۔؟ انہوں نے بتایا: ان دو اگلے ستونوں کے درمیان ادا کی۔ اس زمانہ میں بیت اللہ کے چھ ستون تھے۔ آپ نے ان دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کی جو پہلی لائن میں واقع تھے۔ دروازہ آپ کی پشت کی جانب تھا۔ آپ کے درمیان اور دیوار بیت اللہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ (متفق علیہ)

ابو الولید نے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ مجھے میرے دادا نے بیان کی، وہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتا ہے، وہ ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے، آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال تشریف لائے اور آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ یہ اونٹنی حضرت اسامہ بن زید کی تھی۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے پاس پہنچ کر اونٹنی کو بٹھا دیا۔ پھر عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا: چابی لاؤ۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس چابی لینے گیا تو اس کی والدہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا: بخدا! تجھے چابی دینا پڑے گی، ورنہ یہ تلوار میری پیٹھ میں ٹھونک دی جائے گی۔ یہ بات سن کر اس کی ماں نے چابی دے دی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے چابی لے کر دروازہ کھولا اور اس میں داخل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بھی داخل ہوئے، انہوں نے تھوڑی دیر تک دروازہ بند رکھا، پھر کھول دیا۔ میں ایک طاقتور نوجوان تھا۔ ان سب سے پہلے آگے نکل گیا۔ کعبہ میں داخل ہوا تو حضرت بلال کو دروازہ کے پاس کھڑا ہوا پایا۔ میں نے ان سے دریافت کیا: اے بلال! آنحضرت ﷺ نے نماز کہاں ادا کی۔؟ انہوں نے بتایا: دو اگلے ستونوں کے درمیان آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اس زمانہ میں کعبہ شریف کے اندر چھ ستون تھے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعت نماز پڑھی۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۸ تا ۲۷۴)

باب نمبر 21:

مکہ مکرمہ کی فضیلت ...... مکہ مکرمہ اور دیگر شہر

مکہ کی فضیلت قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں:

الشیخ محمد طاہر کردی دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:

امت کے بعض جید علماء کرام مدینہ طیبہ پر مکہ مکرمہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جب کہ بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔ فریقین کا دعویٰ معقول اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہے اور نیت پر خلوص اور نیک ہے۔ ہر ایک فریق اپنی بات محبت، یقین، ایمان اور خلوص سے پیش کرتا ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہیں کرتا۔ لہٰذا دونوں عنداللہ اجر و ثواب کے حقدار ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اپنی رائے کو دلائل کی روشنی میں ہدیہ ناظرین کریں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ زمانہ قدیم سے مشہور و معروف ہے، کیونکہ اسی میں بیت اللہ شریف کے علاوہ متعدد معظم اور متبرک شعائر موجود ہیں۔ اسلام کا پانچواں عظیم الشان

رکن "حج" بھی ادا کیا جاتا ہے اور انواع واقسام کی قربانیاں اسی شہر میں ذبح کی جاتی ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ مقدس تذکرہ موجود ہے:

((ان اول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركاً وهدى للعالمين))

"بیشک پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر ہوا مکہ ہی میں ہے، برکت والا اور ہدایت ہے جہاں والوں کے لئے، اس میں نشانیاں ہیں ظاہر، جیسے مقام ابراہیم اور جو اس میں داخل ہو گیا اسے امن مل گیا۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔"

اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر دعا کی تھی:

((ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم ايتك..........))(سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵)

"اے ہمارے پروردگار! ان میں ایک رسول بھیج جو انہیں میں سے ہو، انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب کی تعلیم دے اور دانائی کی باتیں سکھائے اور اس کا تزکیہ نفس کرے، بے شک تو ہی زبردست بڑی حکمت والا ہے۔"

اور یہی ایسا مقدس شہر ہے جس کی قسمیں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہیں اور اللہ پاک اپنے مقدس کلام میں اسی چیز کی قسم ارشاد فرماتا ہے جو تمام چیزوں سے افضل ہو گی:

((والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين))

"قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر مکہ کی۔" (سورۃ التین)

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

((لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد))

"میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ پر ممانعت نہیں رہے گی اس شہر میں۔" (سورۃ البلد)

اس مکرم ومحترم شہر کا ذکر قرآن مجید میں پچاس مقامات پر کیا گیا ہے، جو اس کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ان میں سے چند مقامات کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

1: ((ان اول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركاً وهدًى للعالمين))

2: ((ومن دخله كان امناً))

3: ((انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة الذى حرمها))

4: ((اولم يروا انا جعلنا حرماً امناً))

5: ((الم نمكن لهم حرماً امناً يجبى اليه ثمرات كل شى رزقاً من لدنا))

6: ((بلدة طيبة ورب غفور))

بعض روایات کے مطابق اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے:

7: ((والمسجد الحرام الذى جعلنا للناس))

8: ((ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم))

9: ((لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين))

10: ((ببطن مكة))

11: ((لتنذر ام القرى ومن حولها))

12: ((وانت حل بهذا البلد))

13: ((و هذا البلد الامين))

جتنی آیات اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی شان میں نازل فرمائی ہیں اتنی آیات قرآنی کسی بھی شہر کی تعریف میں نازل نہیں ہوئیں۔

یہ چند آیات مکہ معظمہ کی فضیلت میں پیش کی گئی ہیں اور اسی طرح احادیث میں بھی اس مکرم شہر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اس مسجد (مسجد نبوی ﷺ) میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا ہے سوا مسجد حرام کے۔'' (رواہ بخاری ومسلم)

''میری اس مسجد میں دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار گنا سے بھی زیادہ ہے، ماسوا مسجد حرام کے، اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا سے بھی افضل ہے۔'' (رواہ احمد، جلد۴، صفحہ۵)

اسی طرح کثیر تعداد میں انبیاء اور رسل حج بیت اللہ کی خاطر اس معظم شہر میں تشریف لائے اور امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کی ولادت کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا۔

عمرو بن الاحوص روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا:

''آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: حج الاکبر کا دن۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا خون، تمہارا مال، تمہارا اسباب تمہارے درمیان حرام قرار دے دیا گیا ہے، آج کے دن کی حرمت کی طرح تمہارے اس شہر میں اور تحقیق شیطان ناامید ہوگیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر مکہ میں اس کی عبادت کبھی بھی نہیں کی جائے گی۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو زمین و آسمان کی پیدائش کے دن ہی سے حرمت والا بنا دیا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت تک حرمت والا رہے گا۔ نہ اس کے درخت کاٹے جائیں، نہ اس میں شکار کیا جائے، نہ اس کی حدود میں گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے۔ مگر یہ کہ جو آدمی اپنی چیز کی شناخت کر لے۔''

حضرت ابن عباس نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اذخر بھی ہم نہیں کاٹ سکتے، جب کہ یہ ہمارے مکانات میں اور جلانے کے کام آتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے کاٹنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستہ میں مکہ مکرمہ کا اشتیاق دل پر غالب آیا تو جبریل امین تشریف لائے اور عرض کیا: کیا آپ ﷺ کا قلب اطہر مکہ مکرمہ کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ جبرائیل امین نے اس فرمان خداوندی کی تلاوت کی:

((ان الذى فرض عليك القرآن لرادك الى معاد))

مکہ افضل ہے یا مدینہ:

علماء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضیلت کا باہم تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مکہ شریف، مدینہ منورہ سے افضل ہے، کیونکہ مکہ معظمہ کی فضیلت ذاتی ہے، جب کہ مدینہ منورہ کی فضیلت ذات بابرکات ستودہ صفات، سیدنا موجودات حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وجود مسعود کی مرہون منت ہے۔ آپ کے وجود رحمت ورود نے مدینہ منورہ کو چار چاند لگائے ہیں اور اس فرق کو سمجھنے کیلئے یہ دلیل کافی شافی ہے کہ مکہ مکرمہ کا سفر کرنا (حج کیلئے) بالاجماع واجب ہے۔ جب کہ مدینہ طیبہ کا سفر بغیر کسی اختلاف کے سنت ہے، واجب نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، جلد ۶ صفحہ ۱۰)

یہ الگ بات ہے کہ اس سنت کا مقام اور ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی ادائیگی نہایت ضروری ہے اور اس کے ترک پر وعید صادر ہوئی ہے۔ قدوۃ المفسرین امام فخر الدین رازی نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے:

((فضل المسجد الحرام علی مسجدی، کفضل المسجدی علی سائر المساجد))

(تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۹)

''مسجد حرام کی فضیلت مسجد نبوی پر بعینہٖ اسی طرح ہے، جس طرح باقی مسجدوں پر مسجد نبوی کی۔''

مکہ مکرمہ روئے زمین میں سب جگہوں سے زیادہ عزت اور بزرگی والا شہر ہے اور آسمان کے نیچے یقینی طور پر سب سے افضل جگہ ہے، کیونکہ اس میں بیت اللہ شریف ہے جس کا حج کیا جاتا ہے، اسی شہر کو اللہ تعالیٰ نے بلد الحرام فرمایا، نزول وحی اور نزول ملائکہ کا مرکز، انبیاء و اولیاء کا ٹھکانہ، ہر چیز کی پیدائش کا موجب و سبب اور ہر انعام خداوندی کی یہ بنیاد ہے۔

اس کے برعکس مدینۃ المنورہ کی شہرت تو آقائے دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہوئی ہے، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین نے اس شہر کی عزت و شرف کو چار چاند لگا دیئے اور پھر آپ ﷺ کے صحابہ کبار کے مسکن کی وجہ سے بھی اس کی شہرت میں اضافہ ہوا۔

یہ چیز مکہ مکرمہ کی مدینہ طیبہ پر فضیلت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ کی فضیلت تو ہزارہا سال سے چہار دانگ عالم میں جلوہ گر رہی تھی، جب کہ مدینہ طیبہ کا فضل و مجد ظہور اسلام کے تیرہ سال بعد شروع ہوا۔ دنیا کے مختلف خطوں سے لوگوں نے مکہ مکرمہ میں آکر رہائش اختیار کرلی جس کے باعث اس کی آبادی میں بھی اضافہ ہوگیا۔

الشیخ جمال الدین فضائل مکہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''روئے زمین پر بہترین شہر اور اللہ تعالیٰ کا محبوب مقام مکہ مکرمہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا وہ آسمان دنیا میں فوت ہوا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مکہ مکرمہ کی گرمی پر جس آدمی نے دن میں سے ایک ساعت بھی صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے جہنم سے ایک سو سال کے فاصلہ تک دور کردے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہوگیا، پھر بیماری کی وجہ سے اگر اس کے روزمرہ کے معمولات میں سے کوئی نیک عمل ادا

نہ ہوسکا، تو اللہ تعالیٰ اسے ساٹھ سال کی عبادت کا اجر مرحمت فرمائے گا۔''

رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:

''مکہ مکرمہ میں قیام (رہائش) سعادت مندی ہے اور اس کی سکونت ترک کرنا بدبختی ہے۔''

اسی شہر میں شراب الابرار (زمزم) اور مصلی اخیار (حطیم) پایا جاتا ہے۔

اسی مقدس شہر سے قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، ابرار، فقہاء، اتقیاء، صلحاء اور عبادت گزار مرد اور عورتیں اٹھیں گے۔ یہ لوگ خوش وخرم ہوں گے اور عذاب سے بے خوف وخطر ہوں گے۔

اس مقدس شہر میں ہر روز جنت سے ہوا کے جھونکے اور خوشبو آتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر مجھے ہجرت کا حکم بارگاہ خداوند قدوس سے نہ ملتا تو میں مکہ مکرمہ کی سکونت ہرگز نہ چھوڑتا۔ میں نے آسمان کو مکہ مکرمہ کی زمین سے زیادہ قریب کہیں بھی نہیں دیکھا، اور نہ ہی میرے دل نے مکہ معظمہ کی سرزمین کے سوا کہیں قرار وسکون حاصل کیا، اور مجھے اس شہر میں چاند بے حد حسین وجمیل دکھائی دیتا ہے۔''

اللہ جل جلالہ نے تمام اولاد آدم میں سے انبیاء کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے رسولوں کو چنا، اور رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کا انتخاب ہوا، جن کا تذکرہ سورہ احزاب اور سورۃ الشوریٰ میں موجود ہے۔ پھر ان اولوالعزم رسولوں میں سے اپنے خلیل اور حبیب ﷺ کو منتخب فرمایا۔ پھر ان کے لئے بہترین اور بزرگی والی جگہ مکہ مکرمہ کو پسند فرمایا، جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں، جہاں کا داخلہ عاجزی، انکساری، خشیت وتذلل کے ساتھ ننگے سر اور دنیا کا لباس ترک کر کے احرام پہنے ہوتا ہے۔ بس یہی شہر تمام شہروں سے بہتر اور افضل ہے۔

پھر احرام کی حالت میں بارگاہ خداوند قدس میں حاضری بھی عجب حکمت کی حامل ہے۔ دنیا میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی آدمی دنیا کے بادشاہوں کے در پر جاتا ہے، تو وہ خوبصورت، قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر بڑے ٹھاٹھ سے جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس جب وہ اللہ ریم کے در کی حاضری دیتا ہے تو بے حد سادہ اور مختصر سا لباس زیب تن کئے عجز وانکساری سے جا رہا ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے رب کے ازہ اور دنیا کے بادشاہوں کے دروازے میں۔

جمہور علماء کرام کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔ مدینہ منورہ کی شہرت حضور نبی کریم ﷺ کے تشریف فرما ہونے کے بعد ہوئی ہے، جبکہ مکہ مشرفہ کی فضیلت زمانہ قدیم سے مسلم ہے۔ جب سیدنا آدم ﷺ اس متبرک شہر میں قدم رنجہ فرما ہوئے، اسی وقت سے اس کی بزرگی اور عزت دوبالا ہوگئی۔ خصوصاً جدالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر کیا اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا تو دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کرنے کیلئے یہاں آنا شروع ہو گئے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر انبیاء اور دوسرے لوگ حج کے لئے اس شہر خوباں میں آئے اور حج کے مہینوں میں یہ روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف رنگ ونسل، زبان اور ملکوں کے لوگ موج در موج دنیا کے چاروں اطراف سے فریضہ حج ادا کرنے کیلئے دیوانہ وار یہاں چلے آ رہے ہیں۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر جانب زائرین کی آمد کے وقت دعا اور تکبیر وتہلیل کی ایمان افروز صدائیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ ہر آدمی دنیا کی زیب وزینت کا لباس اتار کر احرام کا سادہ سا لباس پہنے طواف اور سعی کرنے، حرم شریف کی طرف پروانہ وار بڑھ رہا ہوتا ہے۔

شہرِ نبی......سب سے زیادہ فضیلت والا شہر:

اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہے، تمام جگہوں سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، حتیٰ کہ کعبہ شریفہ پر بھی فضیلت رکھتی ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بقیہ تمام شہروں سے افضل ہیں۔

مکہ افضل یا مدینہ:

اس بات پر علماء کا اختلاف ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ۔؟

حضرت عمر بن الخطاب حضرت عبداللہ بن عمر، امام مالک، اکثر مدنی علماء اور کئی تابعین اہل بغداد، اہل بصرہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک مدینہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے، بعض شوافع کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور علماء جن میں امام ابوحنیفہ، امام الشافعی اور اصح روایت کے مطابق امام احمد اور بعض مالکیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ سے افضل ہے۔

حضرت عمر کے غلام اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ عیاش المخزومی کی زیارت کی، ان کے پاس نبیذ دیکھی۔ وہ مکہ کے راستہ پر تھے۔ اسلم نے ان سے کہا:

''یہ شربت عمر بن خطاب کو بڑا پسند ہے۔''

حضرت عبداللہ عیاش نے پیالہ اٹھایا اور عمر بن خطاب کے پاس لے آئے اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عمر نے پیالہ اپنے منہ کے قریب کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا:

''یہ بڑا عمدہ شربت ہے۔''

آپ نے اس سے کچھ پیا، پھر وہ اپنی دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو عطا فرما دیا۔ جب عبداللہ واپس لوٹے تو حضرت عمر نے اسے بلایا اور فرمایا:

''کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟''

حضرت عبداللہ نے کہا:

''میں کہتا ہوں یہ اللہ کا حرم ہے، اس نے اسے امن کا گہوارہ بنایا ہے، اس میں اس کا گھر ہے۔''

حضرت عمر نے فرمایا:

''میں بیت اللہ یا حرم کے متعلق نہیں پوچھ رہا۔''

پھر حضرت عمر نے کہا:

''کیا تو کہتا ہے کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے؟''

حضرت عبداللہ نے کہا:

''میں کہتا ہوں یہ اللہ کا حرم ہے، اسے اللہ نے امن کا گہوارہ بنایا ہے، اس میں اس کا گھر ہے۔''

حضرت عمر نے فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے متعلق نہیں پوچھ رہا۔''

پھر وہ واپس چلے گئے۔ (موطا امام مالک)

امام الباجی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مدینہ کی رہائش پسند فرمائی ہے، اگر تو آپ پر مدینہ طیبہ میں رہنا فرض کیا گیا تھا تو رہائش کے لئے افضل ترین جگہ ہی فرض کی گئی ہوگی اور اگر یہ رہائش فرض نہیں تھی بلکہ آپ نے یہ جگہ خود پسند فرمائی تھی تو پھر بھی اپنے اور فضلاء صحابہ کے لئے افضل جگہ کو ہی پسند فرمایا ہوگا۔''

پھر لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عیاش کا صرف یہ کہنا کہ یہ اللہ کا حرم ہے، اس میں مکہ کی فضیلت جوان کے نزدیک تھی اس کا اظہار ہے۔''

محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں:

''اگر عبداللہ بن عیاش مکہ کی فضیلت کا اقرار کرتے تو حضرت عمر انہیں سزا دیتے یعنی انہوں نے مکہ کی افضلیت کی تصریح نہیں کی۔ انہوں نے صرف مکہ کی فضیلت کا اقرار کیا اور فضیلت میں تو کوئی اختلاف نہیں، اس لئے تو حضرت عمر نے فرمایا: میں فضیلت کا تو انکار نہیں کرتا، میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا تیرے نزدیک مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ حضرت عبداللہ بن عیاش نے پھر وہی پہلا قول دہرایا اور مزید کچھ نہ کہا، جو حضرت عمر نے پوچھا تھا اس کا جواب ظاہر نہیں کیا اور واپس چلے گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر نے اس قول پر اس کے اقرار کو غلط نہ سمجھا جبکہ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔''

حضرت اسماء بن عبید سے مروی ہے کہ میں نے حج کے زمانہ میں امام الشعبی سے پوچھا:

''میں کوفہ آتا ہوں جہاں میرے اہل اور میری وادی ہے؟ کون سا شہر افضل ہے۔؟''

انہوں نے کہا:

''کیا مدینہ نہیں ہے۔؟''

میں نے کہا:

''کیوں نہیں۔''

اس حدیث کو عبدالرزاق نے دو صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

امام شعبی متوفی ۱۰۱۔۱۰۳ھ کا یہ کہنا کہ مدینہ افضل ہے اور حضرت اسماء بن عبید کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کی افضلیت مشہور معروف تھی، ورنہ وہ سوال ہی نہ کرتے، پھر جب شعبی نے مدینہ کی افضلیت کو ثابت کیا تو عبداللہ نے بھی تصدیق کی۔

قبر نبی کی جگہ تمام جہانوں سے افضل ہے:

بعض علماء کا یہ قول بہت عمدہ ہے کہ اختلاف کعبہ شریفہ کے علاوہ میں ہے، کیونکہ کعبہ مدینہ سے افضل ہے مگر جو جگہ اعضائے نبی سے متصل ہے وہ کعبہ سے افضل ہے اور اس پر اجماع ہے۔

میرا موضوع اب دونوں محترم شہروں کا موازنہ کرنا نہیں ہے، یہ دونوں ایک سر کی آنکھوں کی طرح ہیں۔ مدینہ اور مکہ میں موازنہ اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا نہیں۔ ہر مذہب کے اپنے اپنے دلائل ہیں، میں اب اس نزاع و جھگڑے میں داخل ہونا نہیں چاہتا، بلکہ میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ دونوں ایک سر کی دو آنکھیں ہیں لیکن رہا محبت اور دل کا میلان تو اس کا انسان مالک نہیں۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''جمہور علماء سے مشہور یہ ہے کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے مگر جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ ہر مکان سے افضل ہے۔''

علامہ ابن قیم نے مدینہ طیبہ کی مٹی کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جب یہ فضیلت ان مٹیوں میں ہے تو اس مٹی کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جو تمام زمین سے زیادہ پاک اور زیادہ بابرکت ہے، یعنی مدینہ طیبہ کی مٹی۔''

حجرہ مقدسہ کو کعبہ سمیت پورے مکہ پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ کی حرمت سے زیادہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نبی کریم کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ ہے اور انسان اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مکان جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء مدفون ہیں یہ وہی مٹی ہے جس سے آپ اور آپ کے خلفاء کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس وہ تمام جگہوں سے عظیم ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احسن ترین اور افضل ترین جگہ کا چناؤ کیا ہوگا۔

اسی وجہ سے الامام الباجی، قاضی عیاض، ابن عساکر نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مکہ افضل ہے لیکن قبر نبی مکہ سے بھی بلکہ عین کعبہ سے بھی افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مکہ تمام شہروں سے افضل ہے:

یہ وادی قدس جلالت وعظمت اور علو مرتبی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اپنی نرالی اور امتیازی شان میں دنیا جہان کی آبادیوں، شہروں اور قصبوں کی بادشاہ اور ان کی تخلیق کا موجب ہے، اسی لئے اس کا لقب ''ام القریٰ'' ہے۔

امام اعظم اور ان کے اصحاب کبار، امام شافعی اور ان کے شاگردان رشید اور امام احمد بن حنبل اور ان کے جلیل القدر تلامذہ اس بات کے قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ تعظیماً وتشریفاً وتکریماً ساری دنیا کے شہروں سے بلکہ مدینہ طیبہ سے بھی افضل اور اکرم ہے۔ ان کے اس نظریہ کی بنیاد حسب ذیل احادیث ہیں۔

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پچاس ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔''

(ابن ماجہ، صفحہ ۱۰۲) (جامع صغیر، صفحہ ۴۶)

سیدنا عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے:

((ان النبی ﷺ قال: صلوة فی مسجدی هذا افضل من الف صلوة فیما سواه، الا المسجد الحرام افضل من مأة صلوة فی مسجدی))

(رواہ ابن حبان واحمد، جلد ۴، صفحہ ۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجد کی نسبت ایک ہزار گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے، سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام میں ایک نماز اس سے بھی سو گنا بڑھ جاتی ہے (یعنی ایک لاکھ گنا ہو جاتی ہے)۔''

اس عدیم النظیر شہر کا جاہ وجلال اور عظمت درحقیقت اس سادہ و بے نمود مکان کی مرہون منت ہے، جس کی صداقت اور حقانیت پر چار ہزار برس کے حوادثات اور انقلابات پر بھی کوئی دھبہ نہیں لگا سکے۔ چند پتھروں سے چنی ہوئی دیوار جو کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ

اور قبلہ وجود ہے۔ جو نہ صرف زندگی میں قبلہ جاناں ہے بلکہ مرجانے کے بعد بھی منہ اس کی سمت کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور قدسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی چھت کو اپنا نشیمن قرار دیا ہے۔

یہ نگری رب کریم کی اس نعمت بیکراں پر جس قدر ناز کرے کم ہے کہ اسی کی آغوش میں رحمت کائنات، فخر موجودات، مولائے کل ختم رسل، حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ عالم قدس سے جہان رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر اس کی محبت حضور انور ﷺ کے رگ و ریشہ میں یہ سرایت کرگئی کہ مشرکین کی روح فرسا و جاں گداز مظالم کے باوجود اس کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ تیرہ سال مسلسل جفا کشی اور قریش کے پیہم جور و جفا کے باوجود آپ کے دل میں مکہ مکرم چھوڑنے کا خیال تک نہ آیا۔ اس عرصے میں جو کچھ آپ پر بیتی اس سے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس دل دوز داستان کو لکھتے وقت قلم لرز جاتا ہے۔ جب سخت نامساعد حالات کے پیش نظر اللہ جل جلالہ نے ترک وطن کرکے مدینہ طیبہ کو توحید خداوندی اور تبلیغ اسلام کا مرکز بنانے کا حکم دیا، تو نبی کریم ﷺ نے رات کی تاریکی میں جب کہ ہر سو خاموشی اور سناٹا تھا اس مقدس شہر سے رخصت ہوتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے اس کے در و دیوار اور حجر و شجر کو دیکھ کر درد دل سے ارشاد فرمایا:

((ما اطيبك من بلد و احبك الى، ولولا ان قومى اخر جونى ما سكنت غيرك))

(مشکوۃ شریف، صفحہ ۲۳۸)

''اے مکہ! تو کتنا ذی شان شہر ہے اور مجھے کس قدر محبوب و مرغوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔''

روئے زمین کے تمام شہروں پر مکہ معظمہ کی فضیلت کی یہ ایسی روشن اور بین دلیل ہے جس کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ زمانہ گواہ ہے کہ اس حال میں اس قدر لاتعداد مخلوق معمورہ عالم میں مکہ معظمہ کے سوا کہیں بھی جمع نہیں ہوتی اور انشاء اللہ قیامت تک ہر سال اسی جوش و خروش، جذبہ اور ولولہ اور کے ساتھ فرزندان توحید یہاں آتے رہیں گے۔

یہ معزز شہر مہبط وحی، نزول قرآن مجید اور ظہور اسلام کا مقدس مرکز ہے۔ اس شہر میں ایک ہی دین اور مذہب کا بول بالا ہے۔ دوسرے کسی مذہب کے پیروکار یہاں نہیں ہیں۔ اس شہر میں کافر کا داخلہ اور اس کی تدفین شرعاً ممنوع ہے۔ ماسوا اشد ضرورت کے یہاں لڑائی کرنا حرام ہے۔ شکار کرنا بھی قطعی حرام ہے۔ شکاری خواہ مکہ کا باشندہ ہو، حل میں رہنے والا ہو یا کسی دوسرے شہر یا ملک کا ہو، احرام میں ہو یا نہ ہو، یہ حکم سب کے لئے یکساں طور پر نافذ ہے۔ اس شہر کے درخت کاٹنا، یہاں سے مٹی اور پتھر باہر لے جانا بھی حرام ہے۔ خواہ حل میں لے جائے یا کسی دوسرے شہر میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ یہاں نیکیوں اور بالخصوص نماز کا اجر ایک لاکھ گنا زیادہ ملتا ہے۔

اس مقدس شہر کے قبرستان (جنت المعلاء) سے قیامت کے دن ستر ہزار انسان اٹھائے جائیں گے، جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائیں گے اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہے ہوں گے۔ دجال کے داخلہ سے یہ شہر محفوظ رہے گا۔

☆☆☆

باب نمبر 22:

رہائش کے اعتبار سے مکہ افضل ہے یا مدینہ

مکہ میں رہائش.....قول امام ابوحنیفہ:

مکہ اور مدینہ میں رہائش رکھنے کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ اور کچھ دوسرے علماء فرماتے ہیں:

''مکہ میں رہنا مکروہ ہے۔''

امام احمد کا قول:

امام احمد اور کچھ علماء کا خیال ہے:

''مکہ میں رہنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔''

مدینہ میں رہائش کے مخالف قول ضعیف ہے:

امام نووی علیہ الرحمۃ نے مجاورت میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ اختلاف مکہ مکرمہ کے متعلق ہے، مگر مدینہ منورہ کی رہائش کے متعلق جو مخالف قول ہے وہ ضعیف ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ میں رہائش رکھنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے جیسا کہ امام الزرکشی نے فرمایا ہے۔

امام نووی کا مختار قول:

امام نووی فرماتے ہیں:

''مختار یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں رہائش مستحب ہے کیونکہ اس کے متعلق کثرت سے نصوص وارد ہیں اور اس کی مخالفت میں کوئی نص نہیں ہے، نیز صحابہ کرام کا رہائش رکھنا بھی اسی چیز کا پتہ دیتا ہے۔''

مکہ میں رہائش مکروہ ہونے کی وجہ:

جن علماء نے مکہ میں رہائش کو مکروہ کہا ہے، ان کے نزدیک اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً اکتاہٹ کا خوف، زیادہ مانوس ہونے کی وجہ سے حرمت کا خیال نہ رہنا، گناہوں کا خوف، کیونکہ مکہ میں گناہ زیادہ قبیح ہے بنسبت دوسرے شہروں کے جیسا کہ دوسرے شہروں کی نسبت اس میں نیکی کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

مستحب ہونے کی وجوہ:

جنھوں نے مکہ میں رہائش کو مستحب کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں دوسرے شہروں کی نسبت نمازوں اور نیکیوں کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

قول مختار:

مختار یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں میں مجاورت اور رہائش مستحب ہے، مگر جسے گناہوں وغیرہ میں ملوث ہونے کا خدشہ ہو تو اسے ان میں مجاورت نہیں کرنی چاہیے، بہت اجل علماء مشائخ نے ان میں رہائش رکھی ہے جو قوم کے مقتدا اور پیشوا تھے۔

مگر مجاور کے لئے ضروری ہے کہ ان محذورات اور ان کے اسباب سے پرہیز کرے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆

باب نمبر 23:

اہل مکہ و مدینہ......اوّل شفاعت کے حق دار

فضائل مکہ و مدینہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل مکہ و مدینہ ہی پہلے لوگ ہوں گے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ یقیناً یہ ایک منقبت اور عظمت ہے، جو اہل مکہ و مدینہ کے مناقب میں سے ہے، اس فضیلت کا کوئی انسان تصور نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ قیامت کی ہولنا کیوں کو ذہن میں حاضر نہ کرے، اس میدان حشر میں لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ سورج سروں کے اوپر ہوگا، گناہوں کے مطابق ہر انسان اپنے گرم پسینے میں غرق ہوگا، اس وقت انسان کو اس عظمت وفضیلت کا احساس ہوگا، جب وہ اس خوفناک جگہ سے خلاصی پا کر جنت اور ابدی نعمتوں میں منتقل ہوگا۔

عبدالملک بن عباد بن جعفر سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

''سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے جن کی شفاعت کروں گا وہ اہل مدینہ ہوں گے، پھر اہل مکہ اور پھر اہل طائف۔''

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں، البخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن شاہین اور بزاز نے روایت کیا ہے۔ یہ اپنی شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

اہل مدینہ شفاعت میں اہل مکہ سے مقدم ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم کا لفظ استعمال فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھیں گے اور اہل مکہ سے بھی پہلے اٹھیں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اول من اشفع له من امتى اهل بيتى ثم الاقرب فالا قرب من قريش و الا نصار ثم من آمن بى و اتبعنى من اهل اليمن ، ثم من سنائر العرب، ثم الاعاجم و اول من اشفع له اولو الفضل))

(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر (421/12) الحدیث (13550) وفیہ من لم اعرفهم کمافی مجمع الزوائد (384,383/10)

''میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر زیادہ قریب پھر زیادہ قریب قریش (مہاجرین) وانصار (اہل مدینہ) کی، پھر جو مجھ پر ایمان لایا اور میری اتباع کی اہل یمن میں سے، پھر تمام عرب میں سے، پھر عجمی (غیر عربی مسلمانوں) کی، سب سے پہلے میں اصحاب فضیلت کی شفاعت کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اول من اشفع له من امتى اهل المدينه و اهل مكة و اهل الطائف))

(رواہ البزار والطبرانی مجمع الزوائد (384/10)

''میں اپنی امت میں سے سب سے پہلے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل طائف کی شفاعت کروں گا۔''

باب نمبر 24:

مکہ کے لیے حضرت ابراہیم کی دعاؤں کا ذکر احادیث کی روشنی میں

مدینہ کے لیے حضرت ابراہیم کی دعا کی دو مثل بلکہ کئی گنا زیادہ دعا:

اس مقدس معطر شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک عزت عطا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اس کے پھلوں میں برکت عطا فرمائی ہے۔

جیسی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے مانگی ہے، ویسی ہی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیلئے مانگی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سقیا کے گھروں کے قریب ٹیلے پر وضو فرمایا اور حضرت سعد کی زمین پر نماز پڑھی، پھر یوں دعا کی۔

''اے اللہ! حضرت ابراہیم تیرا خلیل، تیرا عبد مکرم، تیرا نبی محتشم اس نے تجھ سے اہل مکہ کیلئے دعا کی، میں محمد تیرا بندہ، تیرا نبی تیرا رسول، میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے ویسی دعا مانگتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کیلئے مانگی تھی، ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت دے، اے اللہ! مدینہ ہمارے لئے محبوب بنا دے جیسے تو نے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا اور اس کی وباء کو ختم کر کے کنویں میں ڈال دے۔ اے اللہ! میں دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسے تو نے مکہ کو حضرت ابراہیم کی زبان پر حرم بنایا۔''

اس حدیث کو احمد، الجندی، سعید بن منصور اور الرویانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

حضرت سفیان بن ابی زہیر سے مروی ہے ان کا گھوڑا عقیق میں چلنے سے عاجز آ گیا جبکہ وہ اس لشکر میں تھے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا تو وہ سواری لینے کیلئے لوٹ آئے، سفیان کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اونٹ کی تلاش کیلئے نکلے تو اونٹ ابو جہم بن حذیفہ العدوی کے پاس پایا۔ آپ نے اس سے سودا کیا لیکن ابو جہم نے کہا:

''حضور! میں! میں آپ کو یہ ہرگز فروخت نہیں کروں گا، آپ یہ لے لیں، جسے چاہیں سوار فرما دیں۔''

آپ نے وہ اونٹ لے لیا، پھر آپ نکل پڑے حتیٰ کہ براہاب پر پہنچ گئے، آپ نے فرمایا:

''قریب ہے کہ عمارات یہاں تک پہنچ جائیں۔ قریب ہے شام فتح ہو، اس شہر کے لوگ آئیں۔ انہیں اس شہر کی شادابی اور خوشحالی پسند آئے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ حقیقت سمجھ لیں، پھر عراق فتح ہوگا، ایک قوم اپنے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے اور اپنے اہل اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لئے چل پڑے گی، حالانکہ مدینہ ان کیلئے بہتر ہے اگر یہ حقیقت سمجھ لیں۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے دعا فرمائی، میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت دے، ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت دے جیسے اس نے اہل مکہ کیلئے برکت دی۔''

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے جو دعا فرمائی اس کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر ہے:

((واذ قال ابراهم رب اجعل هذا بلدا امنا و ارزق اهله من الثمرت من امن منهم بالله واليوم الاخر قال ومن كفر فامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النار وبئس المصير))

(سورۃ البقرہ ۱۲۶)

''یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس شہر والوں کو پھل عطا فرما۔''

((واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا بلدا امنا و اجنبنى وبنى ان نعبد الاصنام رب انهن اضللن كثيرا من الناس فمن تبعنى فانه منى ومن عصانى فانك غفور رحيم ○ ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عندبيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلوة فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون ○ ربنا انك تعلم مانخفى وما نعلن و ما يخفى على الله من شى ء فى الارض ولا فى السماء))(ابراهيم :۳۵_۳۸)

''اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب! بنا دے اس شہر کو امن والا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچا۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ پس جو میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ بے شک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں کے دل شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔''

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا چار امور میں منحصر ہے:

1: مکہ کو امن کی جگہ بنا، یہ خصوصیت مدینہ طیبہ کو بھی حاصل ہے اس کا بیان گزر چکا ہے، الحمدللہ!

2: پھلوں سے اہل مکہ کو رزق عطا کرنا، یہ عظمت و فضیلت مدینہ طیبہ کیلئے بھی ہے کیونکہ ایک تو ان کیلئے بھی حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیال، صاع اور مد میں برکت کی خبر دی۔ دوسرا یہ کہ آپ نے اہل مدینہ کیلئے بھی پھلوں سے رزق ملنے کی دعا کی ہے۔

3: لوگوں کے دل اہل مکہ کی طرف راغب اور مائل ہوں، یہ شرف بھی اہل مدینہ کو حاصل ہے۔

4: حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا کی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا، اگرچہ آپ کی یہ دعا عام ہے مگر اہل مدینہ بھی تو اس میں شامل ہیں۔ مدینہ طیبہ ایمان کا مستقر اور پناہ گاہ ہے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''شیطان اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ یہاں (مکہ و مدینہ) میں اس کی پوجا کی جائے۔''

مدینہ طیبہ کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مدینہ کے بلند مرتبہ کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آپ نے مدینہ طیبہ کیلئے دوگناہ دعا مانگی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کیلئے مانگی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کیلئے دعا کی، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں اس کے مد، صاع کیلئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے کی تھی۔"
(متفق علیہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے حرم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے حرم قرار دیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اے اللہ! مدینہ میں دوگنا برکت فرما اور اس کے صاع و مد میں برکت عطا فرما۔

اس حدیث کو حسن سند کے ساتھ امام احمد نے روایت کیا۔ اصل حدیث صحیحین میں ہے۔

حضرت ابوعبد اللہ قراظ جن کا نام دینار تھا، انہوں نے حضرت سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! اہل مدینہ کیلئے ان کے مدینہ میں برکت عطا فرما، ان کیلئے ان کے صاع میں برکت عطا فرما، ان کیلئے ان کے مد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! حضرت ابراہیم تیرے عبد (مکرم) تیرے خلیل تھے اور میں تیرا عبد اور تیرا رسول ہوں، حضرت ابراہیم نے تجھ سے اہل مکہ کے لئے سوال کیا، میں تجھ سے اہل مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جیسا حضرت ابراہیم نے مکہ والوں کے لئے کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک مثل اور بھی، مدینہ طیبہ میں فرشتوں کی کثرت ہے ہر نقیب اور درے پر فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔"

بیہقی اور ابویعلیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم نے اس کے چند اجزاء نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی کی حدیث بھی آئے گی جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ اور اہل مکہ کیلئے مانگی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور اہل مدینہ کے لئے اس سے دوگنی مانگی ہے۔

مکہ اور مدینہ میں برکتیں:

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ! جو برکت مکہ میں ہے اس کا دوگنا مدینہ میں عطا فرما۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کیلئے دعا کی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد میں اس دعا کے دوگنا اضافہ کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے دعا کی تھی۔" (صحیح مسلم)

دونوں شہروں کی تحریم ایک ہے، پہلے کو حرم بنانے والے حضرت ابراہیم خلیل ہیں اور دوسرے کو حرم بنانے والے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اس کیلئے مکہ سے دوگنا دعا کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ اپنے باغ کا پہلا پھل دیکھتے تو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما لیتے تو اس طرح دعا فرماتے:

"اے اللہ! ہمارے پھل میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر مدینہ میں برکت عطا فرما! ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت

عطا فرما، ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے عبد مکرم، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے، میں تیرا عبد، تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی، میں تجھ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں، اسی کی مثل جو انہوں نے مکہ کیلئے دعا کی تھی اور اس کے ساتھ ایک مثل اور بھی۔''

پھر آپ چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے عطا فرما دیتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے یہاں تک کہ ہم سقیا کے پہاڑی ٹیلے پر پہنچے جو حضرت سعد بن وقاص کی ملکیت میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وضو کے لئے پانی لاؤ۔''

آپ نے وضو فرمایا، پھر قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی:

''اے اللہ! حضرت ابراہیم تیرے بندے اور تیرے خلیل تھے، انہوں نے اہل مکہ کیلئے برکت کی دعا مانگی اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے اہل مدینہ کیلئے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لئے ان کے مد اور صاع میں اہل مکہ کی نسبت دوگنا برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما۔''

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے صحیح کہا ہے۔ النسائی نے الکبری میں اور الطبرانی نے الاوسط میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے، بلکہ حضور نبی کریم نے مدینہ طیبہ کے لئے بغیر کسی حدود وقیود کے دعا فرمائی۔

حضرت ابو سعید الخدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی:

''اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ طیبہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی، نہ جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ اس کے درختوں کے پتے توڑے جائیں گے مگر چارہ کیلئے۔ اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما، اے اللہ! اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے قدرت میں میری جان ہے! مدینہ طیبہ کی کوئی گھاٹی اور درہ ایسا نہیں جس پر دو ایسے فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں حتیٰ کہ تم اپنے سفر سے واپس آ جاؤ۔'' (صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی، نہ جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ درختوں کے پتے گرائے جائیں گے، سوائے چارہ کے۔ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے مد میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے مد میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے! اے اللہ! اس برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید عطا فرما۔!'' (صحیح مسلم)

☆☆☆

باب نمبر25:

فرشتوں کے ذریعے مکہ و مدینہ منورہ کی حفاظت......دجال ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکے گا

دجال کو فرشتے دخول مکہ و مدینہ سے روک دیں گے:

شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل ہے، اس نے دجال کے داخلہ کو اس میں ممنوع قرار دیا ہے۔ جس طرح مدینہ اور بیت المقدس میں اس کا داخلہ ممنوع فرمایا ہے، نصوص کا ظاہر دجال کے دمشق میں بھی داخل نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ میں نے ''اخبار الدجال'' میں بیان کیا ہے، میں نے اس کتاب میں وہ تمام نصوص بالاستیعاب لکھ دی ہیں جو دجال کے متعلق وارد ہیں وہ حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی شہر ایسا نہیں جس کو دجال برباد نہ کردے سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اور یہ اس لئے کہ ان دونوں شہروں کے ہر راستہ میں فرشتے صف بستہ حفاظت کررہے ہوں گے۔ پھر مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو تین جھٹکے لگیں گے (شاید یہ تین جھٹکے زلزلہ کے ہوں) جن کے باعث اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو (اس شہر سے) نکال دے گا۔''

(صحیح بخاری' باب لا یدخل الدجال المدینۃ رقم الحدیث 1782 رقم الصفحۃ 665 الجزء الثانی مطبوعۃ دار ابن کثیر' الیمامۃ' بیروت۔ صحیح مسلم' باب قصۃ الجساسۃ' رقم الحدیث 2943 رقم الصفحۃ 2265 الجزء الرابع مطبوعۃ دار احیاء التراث العربی' بیروت۔ صحیح ابن حبان' رقم الحدیث 6803 رقم الصفحۃ 214 الجزء الخامس العشر مطبوعۃ موسسۃ الرسالۃ' بیروت۔ السنن الکبریٰ' رقم الحدیث 4274 رقم الصفحۃ 485 الجزء الثانی مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ' بیروت۔ مسند احمد رقم الحدیث 13009 رقم الصفحۃ 191 الجزء الثالث مطبوعۃ موسسۃ قرطبۃ' مصر۔ السنن الواردۃ فی الفتن' رقم الحدیث 638 رقم الصفحۃ 1163 الجزء السادس مطبوعۃ دار العاصمۃ' الریاض۔ المحلی رقم الصفحۃ 281 الجزء السابع مطبوعۃ دار الافاق الجدیدۃ' بیروت)

حضرت فاطمہ بنت قیس بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا کہ الصلوٰۃ جامعۃ (نماز تیار ہے) چنانچہ میں مسجد گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں عورتوں کی اس صف میں تھی جو مردوں کے بالکل پیچھے تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی تو مسکراتے ہوئے منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:

''ہر شخص اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟''

صحابہ نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا ڈرانے کے لئے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لئے جمع کیا ہے

کہ (تمھیں یہ واقعہ سناؤں) تمیم داری ایک نصرانی شخص تھے، وہ میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی جو اس خبر کے مطابق ہے جو میں تمھیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے خبر دی کہ وہ بنولخم اور بنوجذام کے تیس آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے۔ انہیں ایک مہینے تک سمندر کی موجیں دھکیلتی رہیں (سمندری طوفان) پھر وہ سمندر میں ایک جزیرے تک پہنچے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر بیٹھ کر جزیرے کے اندر داخل ہوئے، تو انھیں وہاں ایک عجیب سی مخلوق ملی جو موٹے اور گھنے بالوں والی تھی، بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے اگلے اور پچھلے حصے کو وہ نہیں پہچان سکے تو انہوں نے کہا: تو ہلاک ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا کہ جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تم لوگ گرجے میں اس شخص کے پاس چلو جو تمہاری خبر کے بارے میں بہت بے چین ہے۔ جب اس نے ہمارا نام لیا تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں وہ شخص شیطان نہ ہو۔ ہم جلدی جلدی گرجے تک پہنچے وہاں۔ اندر ایک بہت بڑا انسان دیکھا۔ ایسا خوف ناک انسان ہماری نظروں سے نہیں گزرا تھا، وہ بہت مضبوط بندھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ کندھوں تک لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوچھا: تو ہلاک ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے مجھے پا لیا ہے اور تمھیں معلوم ہو گیا ہے تو تم مجھے بتاؤ تم لوگ کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں (اس کے بعد تمیم داری نے اپنے بحری سفر' طوفان' جزیرہ میں داخل ہونے اور جساسہ ملنے کی تفصیل دہرائی) اس نے پوچھا: کیا بیسان کی کھجوروں کے درختوں پر پھل آتے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: زمانہ قریب ہے جب ان درختوں پر پھل نہیں آئیں گے۔ پھر اس نے پوچھا بُحَیرہ طَبَریہ میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی پوچھا تو ہم نے اس کو تمام واقعات بتائے۔ جو لوگ عربوں میں عزیز تھے ان پر آپ نے غلبہ حاصل کر لیا اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس نے کہا کہ ان کے حق میں اطاعت کرنا ہی بہتر ہے۔ اب تمھیں میں اپنا حال بتاتا ہوں۔ میں مسیح (دجال) ہوں عنقریب مجھ کو نکلنے کا حکم دیا جائے گا۔ میں باہر نکلوں گا اور زمین پر سفر کروں گا یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہ چھوڑوں گا جہاں میں داخل نہ ہوا ہوں۔ چالیس راتیں برابر گشت میں رہوں گا، لیکن مکہ اور مدینہ میں نہ جاؤں گا۔ وہاں جانے سے مجھ کو منع کیا گیا ہے۔ جب میں ان میں سے کسی میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک فرشتہ تلوار لئے ہوئے مجھے روکے گا، ان شہروں کے ہر راستے پر فرشتے مقرر رہوں گے۔''

(مسلم: ۵۲۳۵)

حضرت سفینہ، سعد اور ابو ہریرہ کی احادیث مکہ و مدینہ طیبہ کی عظمت، رفیع منزلت پر دلیل ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ و مدینہ کی اس فتنہ سے بھی حفاظت فرمائی ہے جس سے بڑا فتنہ نہ اس سے پہلے تھا نہ بعد میں آئے ہوگا۔

حضرت جنادہ بن ابی امیہ سے مروی ہے کہ میں اور ایک انصاری صحابی جا رہے تھے۔ ہم نے کہا:

''رسول اللہ سے جو دجال کا ذکر سنا ہے وہ ہمیں سنائیں، اس کے علاوہ کوئی بات ہمیں نہ سناؤ اگر چہ وہ سچ ہو۔''

صحابی نے فرمایا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا: میں نے تمھیں دجال سے ڈرایا (یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا) کوئی نبی مجھ سے پہلے نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور وہ تم میں ہے اے میری امت! (ایک دوسری روایت میں ہے) وہ ایک نفس پر غالب آئے گا اور اسے قتل کر دے گا۔ کسی دوسرے پر پھر غالب نہ آئے گا۔ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا۔

وہ ہر گھاٹ پر پہنچے گا اور وہ چار مساجد کے قریب نہیں جائے گا یعنی مسجد حرام، مسجد مدینہ، مسجد الطور اور مسجد اقصیٰ، وہ دجال تم پر مشابہ نہ ہوگا کیونکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔''

اس حدیث کو احمد، ابن ابی شیبہ نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کی کئی اور بھی روایات ہیں۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دین کی خفت اور علم کی نایابی کے وقت دجال نکلے گا، اس کیلئے چالیس راتیں ہوں گی جن میں پوری زمین کی سیاحت کرے گا، اس کا ایک دن سال کا ہوگا، ایک دن مہینہ کا ہوگا اور ایک ہفتہ کا ہوگا، باقی تمام دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ (اس حدیث میں ہے) کہ وہ ہر چشمہ پانی اور گھاٹ پر اترے گا مگر مکہ اور مدینہ میں داخل ہونا اس پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔''

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔''

اس حدیث کو احمد، نسائی نے الکبریٰ میں اور اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا ہے۔

فاطمہ بنت قیس حدیث جساسہ کے آخر میں روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسیح دجال نے کہا: میں تمہیں اپنے متعلق خبر دیتا ہوں میں مسیح ہوں اور عنقریب مجھے خروج کی اجازت دی جائے گی، میں نکلوں گا، پوری زمین پر چلوں گا، مکہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ ہر بستی میں جاؤں گا۔ یہ دونوں شہر مجھ پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔ جب بھی میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونا چاہوں گا تو ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں تلوار لئے آگے کھڑا ہوگا جو مجھے روک لے گا اور مدینہ کی ہر گھاٹی اور درے پر ملائکہ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مدینہ اور مکہ ملائکہ سے گھرے ہوئے ہیں، مدینہ طیبہ کے ہر راستہ اور نقیب پر ایک فرشتہ ہے، اس میں دجال اور طاعون داخل نہ ہوگا۔''

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر شہر میں دجال جائے گا۔ مدینہ طیبہ کا کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر فرشتے صفیں باندھے، اس کی حفاظت نہ کر رہے ہوں، پھر وہ شورزدہ زمین میں اترے گا اور اپنا خیمہ لگائے گا، مدینہ طیبہ تین مرتبہ لرزے گا، اس کی طرف ہر کافر اور منافق نکل جائے گا۔ ہر منافق مرد اور ہر منافقہ عورت اس کی طرف نکل جائے گی۔'' (مسلم، بخاری)

باب نمبر 26:

مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کی حاضری کے آداب

فصل نمبر 1:

مکہ مکرمہ کی حاضری کے آداب

سلف صالحین، صحابہ اور نبی کریم کے اختیار کردہ آداب:

یہاں مکہ مکرمہ کے آداب ذکر کئے جاتے ہیں جن کا کرنا مستحسن ہے، کیونکہ ان آداب کا اہتمام ہمارے سلف صالحین نے کیا ہے۔

پہلا ادب......جنگ کے لیے ہتھیار اٹھانا حرام:

مکہ مکرمہ کیونکہ بیت اللہ اور حرمت والا شہر ہے اور اس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور اسے حرم ٹھہرایا تو اس لیے اس میں لڑنا جھگڑنا جرم پر جرم ہے۔

دوسرا ادب......اچھے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا:

جو شخص مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو اس کیلئے سنت ہے کہ وہ عمدہ لباس پہنے، سفر کے آثار زائل کرے اور اگر خوشبو پاس ہو تو بھی لگائے، پھر مدینہ میں داخل ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مکہ سے باہر ہی ٹھہرے اور غسل فرما کر بات تبدیل فرمائی پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (صحاح ستہ)

عام حالات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل فرماتے اور نیا لباس زیب تن کرتے۔

تیسرا ادب......اونچی آواز میں بات نہ کرنا:

مکہ مکرمہ میں بلاوجہ آواز بلند نہ کی جائے، کیونکہ وہ بیت اللہ ہے۔

چوتھا ادب......سوار نہ ہونا/پیدل چلنا:

مکہ مکرمہ میں سواری پر سوار نہ ہونا اور پیدل چلنا مستحب عمل ہے۔

پانچواں ادب......غسل کرنا:

زائر کے لیے لازم ہے کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگے تو اچھی طرح غسل کرے اور بہترین کپڑے پہنے۔ چنانچہ علماء علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ بھی یہی تھا۔

چھٹا ادب......دن کے وقت داخلہ:

مکہ مکرمہ میں داخلے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ میں رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ دن کے اُجالے میں داخل ہوا جائے۔

یہ سنت ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آتے تو رات باہر بسر فرماتے اور دن کے اجالے میں مکہ تشریف لاتے۔

حج کے موقعہ پر بھی آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔

ساتواں ادب......مکہ مکرمہ کی سرزمین آنے سے پہلے ہی سواری ترک کردینا:

مکہ مکرمہ کی حرمت و تعظیم کے لئے مکہ مکرمہ یا اس کے حرم کو دیکھنے کے وقت قادر لوگوں کا سواری سے اترنا اور پیدل چلنا مستحسن ہے۔

آٹھواں ادب......ہتھیار/آلہ جنگ اتار لینا:

مکہ مکرمہ میں حاضری کے دوران ہتھیار اور آلات حرب اتار کر رکھ دینا مستحب ہے۔ یہ سب کعبۃ اللہ اور حرمت مکہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔

نواں ادب......راستہ تبدیل کرتے رہنا:

سنت یہ ہے کہ جب انسان مکہ مکرمہ سے سفر کرے تو جس راستہ سے جائے، واپس اس راستہ سے نہ آئے اور جس راستہ سے نکلا تھا اس راستے سے اس میں داخل نہ ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، لیکن اگر دوسرا راستہ مشکل ہو یا دوسرا راستہ ہی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

☆☆☆

فصل نمبر2:

خانہ کعبہ میں داخلہ اور اس کے آداب

خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا اور اس میں نماز پڑھنا افضل اعمال میں سے ہے اور مستحب ہے، اس لئے کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ نے خود کیا۔ آپ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس میں نماز پڑھی۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی اس میں داخل ہوئے کیونکہ حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہوئے، پھر دروازہ بند کرلیا۔ جب انہوں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا۔ میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: وہاں دو یمانی ستونوں کے درمیان پڑھی۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر جب کعبہ میں داخل ہوتے تو سیدھے سامنے کی طرف چلتے اور دروازہ پیچھے کرتے۔ پھر چلتے حتی کہ ان کے اور دیوار کے قریب تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا۔ پھر نماز پڑھتے اور اس جگہ کو تلاش کرتے جو حضرت بلال نے بتائی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں پر نماز ادا کی ہے۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۷)

بعض لوگ خانہ کعبہ کے داخلہ کو مستحسن نہیں سمجھتے، ان کا استدلال حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس سے ایک دفعہ خوشی خوشی باہر نکلے۔ جب واپس تشریف لائے تو آپ غمگین اور افسردہ تھے۔ فرمایا:

> ''میں خانہ کعبہ میں داخل ہو کر آیا ہوں۔ اگر مجھے اپنا معاملہ پہلے معلوم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا تو یہ کعبہ شریف میں داخل نہ ہوتا۔ میں ڈرتا ہوں کہ اس سے میری امت کو تکلیف ہوگی۔'' (ابوداؤد) (سنن ترمذی)

کعبہ میں داخل ہونا نہ تو فرض ہے اور نہ ہی سنت مؤکدہ اس کا داخلہ مستحب ہے۔ آنحضرت ﷺ حج اور عمرہ کے موقعہ پر اس میں داخل نہیں ہوئے، عمرہ جعرانہ اور عمرۃ القضا میں بھی آپ اس میں داخل نہیں ہوتے۔ آپ فتح مکہ کے موقعہ پر اس میں داخل ہوئے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

جو اس میں داخل ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس میں نماز پڑھے، اللہ تعالی کی بڑائی بیان کرے، دعا کرے اور اللہ کا ذکر کرے، جب دروازہ میں سے داخل ہو تو سیدھا چلے۔ یہاں تک کہ اس کے اور خانہ کعبہ کی دیوار کے مابین تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے اور دروازہ اس کے پیچھے ہو۔ بس یہ وہ مکان ہے جہاں پر آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی۔ نیز جوتا اتار کر ننگے پاؤں داخل ہو، حجر اسماعیل جس کے اس طرف دیوار ہے جسے حطیم بھی کہتے ہیں، خانہ کعبہ میں شامل ہے۔ چنانچہ جو شخص اس میں داخل ہوا گویا کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ میں داخل ہونے والے پر ایسی کوئی خاص پابندی نہیں جو باہر بیٹھے ہوئے حاجی پر نہ ہو۔

چنانچہ اس میں چلنا جائز ہے جس طرح دوسروں کے لئے جائز ہے۔ بیت اللہ کا طواف بہت بڑے اعمال صالحہ میں سے ہے۔

چنانچہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والا اس آدمی سے افضل ہے جو حرم سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ آتا ہے، کیونکہ یہ فعل پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے ثابت نہیں اور نہ ہی آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے اپنی امت کو ترغیب دی بلکہ سلف صالحین نے اسے برا اور مکروہ جانا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسلمان مرد کے لئے تعجب ہے کہ جب خانہ کعبہ میں داخل ہوتا ہے تو چھت کی طرف کس طرح اپنی نگاہ اٹھاتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی کی خاطر چھوڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو سجدہ کی جگہ سے نگاہ کو پیچھے نہیں ہٹایا۔ یہاں تک کہ اس سے باہر تشریف لائے۔

داؤد بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ مجھے عبدالکریم بن ابی الخارق نے وصیت کی کہ میں جمعہ کے روز جب تک دو رکعت نہ پڑھ لوں، گھر سے نہ نکلوں اور بغیر غسل کئے کعبہ شریف کے اندر نہ جاؤں۔

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ جب میں بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہوں تو اپنے جوتے اتار لیتا ہوں۔

عطاء، طاؤس اور مجاہد وغیرہ کہا کرتے تھے کہ کوئی آدمی کعبہ شریف میں موزے یا جوتے پہن کر داخل نہ ہو۔ ان روایات کو سعید بن منصور نے بیان کیا ہے۔ پس کعبہ شریف کے اندر داخل ہونے والے کو اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ جب خانہ کعبہ کے اندر جائے تو نگاہ کو کناروں میں نہ پھیرے کیونکہ یہ بات مقصد سے غافل کر دیتی ہے اور لہو میں شامل ہے۔

نیز سوائے اشد ضرورت کے کسی سے بات چیت نہ کرے۔ ہاں البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہے۔ خشوع و خضوع کو لازم اختیار کرے۔ اگر ممکن ہو تو آنکھوں سے آنسو بہائے اور ان کو روکنے کی کوشش نہ کرے۔ بعض فاجر و فاسق لوگوں نے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے جو بدعتیں جاری کی ہوئی ہیں ان سے اجتناب کرے۔ بعض اوقات خانہ کعبہ کے کنڈے کو پکڑنے کے طمع میں ایسا کیا جاتا ہے۔ اس کا نام عروہ وثقی رکھا ہوا ہے۔ عوام الناس کے اذہان میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جس نے اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اس نے عروہ وثقی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، کو پکڑا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ اسے حاصل کرنے کے لئے لوگ ایک دوسرے کے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور بعض اوقات عورتیں مردوں کی پیٹھوں پر چڑھ جاتی ہیں۔ یہ فعل انکشاف عورت کا موجب بنتا ہے، یہ بہت بری اور فحش بدعت ہے۔

دوسری بدعت بیت اللہ کے وسط میں ایک کیل ہے، اسے سرۃ الدنیا (دنیا کی ناف) کہتے ہیں۔ وہاں پر لوگ اپنے پیٹ سے کپڑے اتار کر اپنی ناف اس کے اوپر لگاتے ہیں اور منہ کے بل اس کے اوپر گرتے ہیں۔ کہتے ہیں: ان کی ناف دنیا کی ناف پر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بدعت کے ایجاد کرنے والے کو ہلاک کرے۔ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب مول لیتا ہے اور بیہودہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہے۔ نیز ایسا فعل بیت اللہ شریف کے ادب کے منافی ہے۔ ایسا کرنے سے ازدحام ہو جاتا ہے جس سے خواہ مخواہ لوگوں کو ایذا دیتا ہے۔ اس لئے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے والے کو کیل پر پیٹ رگڑنے سے پرہیز ضروری ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نبی بنا کر مبعوث کئے گئے اور معراج کی رات آپ ﷺ پر نماز فرض ہوئی۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ پہلے پہل جب نماز فرض ہوئی تو آپ کو اختیار تھا کہ جس جانب چاہیں منہ کر کے نماز ادا کریں۔ کچھ اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ آپ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف منہ ہو جاتا، یعنی خانہ کعبہ کی طرف اس طرح منہ کر کے کھڑے ہوتے کہ اسی سمت بیت المقدس بھی ہوتا) یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ مکہ معظمہ میں تھے۔

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

آنحضرت ﷺ کو علم تھا کہ اہل عرب اس کی کس قدر عزت کرتے ہیں، مزید برآں یہ آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر تھا، آپ نے یہیں نشو و نما پائی، جوان ہوئے اور پھلے پھولے۔ عہد بچپن میں کئی دفعہ اپنے دادا کے ہمراہ خانہ کعبہ کے دروازہ پہ تشریف فرما ہوئے تھے۔ آپ کو یہ سب باتیں یاد تھیں۔ اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم صادر فرمائے۔ آپ کئی دفعہ آسمان کی طرف دیکھتے۔ اس امید پر کہ شاید حکم الٰہی آپ کی خواہش کے مطابق آئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ خواہش کو پورا کر دیا اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا فرمان جاری کر دیا۔ فرمایا:

((قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره))(سورة البقره)

''ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ ہم ضرور آپ کے پسندیدہ قبلہ کی جانب آپ کو پھیر دیں گے۔
تو آپ اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی جانب کرو۔''

از منہ قدیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک یہ بیت اللہ کی مختصر تاریخ ہے۔ بعد ازاں آنے والوں نے اس کی بہت زیادہ تکریم کی۔ خلفاء ملوک اور سلاطین نے اس کی تجدید، تعمیر اور غلاف پہنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے عہد حکومت میں اس کی دیواریں پھٹ گئیں، اسے منہدم کر کے از سر نو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو اس کے اندر باہر اوپر نیچے کستوری اور عنبر کی خوشبو سے معطر کیا۔ نیز ریشمی غلاف پہنایا۔ اسی طرح عبداللہ بن مروان، خلفائے بنی عباس اور ملوک مصر نے اس کی تجدید و تعمیر وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اس پر غلاف چڑھایا۔

☆☆☆

حصہ دوم:

سرزمین مکہ کا حرم یعنی محترم ہونا

باب نمبر 1:

الحرم سے مراد

مسجد الحرام سے کیا مراد ہے۔اس کے متعلق اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفس کعبہ شریف ہے۔ ان کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

((فول وجهك شطر المجسد الحرام))

''پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔'' (سورۃ البقرۃ)

بعض علماء نے کعبہ شریف اور اس کا اردگرد مراد لیا ہے۔انہوں نے اپنے مدعا کے ثبوت میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے:

((سبحن الذی اسری بعبده ليلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ))

(سورۃ بنی اسرائیل)

''پاک ہے وہ ذات نے اپنے بندے (حضرت محمد) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کروائی۔''

بعض ائمہ اور مفسرین نے اس سے تمام مکہ مراد لیا ہے۔ان کی دلیل حسب ذیل آیت ہے:

((لتدخلن المسجد الحرام))

''تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے۔'' (سورۃ الفتح)

بعض ارباب علم نے کہا ہے کہ اس سے مراد تمام حرم شریف ہے جس میں شکار کرنا ممنوع ہے۔ان کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے:

((انما المشركون نجس فلا يقربو المسجد الحرام))

''مشرک ناپاک ہیں۔انہیں مسجد حرام (مکہ) کے پاس جانے کی ہرگز اجازت نہیں۔'' (سورۃ التوبۃ)

دوسری آیت:

((الا الذين عاهدتم عند المسجد الحرام))

''لیکن وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے۔'' (سورۃ التوبۃ)

حالانکہ ان کا عہد حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا۔وہ حرم شریف میں شامل ہے۔

یہ تمام بحث علامہ ابن ظہیرہ کی کتاب ''الجامع اللطیف'' سے اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسجد حرام سے مراد جس میں نماز کی فضیلت ثابت ہے، وہ مسجد ہے جو کعبہ شریف کو محیط ہے۔وہ خواہ کتنی وسیع ہو۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مساحت سے لے کر آج تک کی مساحت سب شامل ہے۔حتیٰ کہ مستقبل میں مسجد کے صحن میں جو اضافہ ہوگا وہ بھی مسجد حرام میں شامل ہوگا۔واللہ اعلم۔

باب نمبر2:

مکہ مکرمہ کو حرم کہنے کی وجوہ

حرم مکہ کو حرم کہنے کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

حرم کے علاقہ کی اطاعت:

جب اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حکم فرمایا:

((ائیتاطوعاً و کرھاً))

''تم خوشی سے یا جبر سے اطاعت کرو۔''

پورے روئے زمین پر صرف اسی حرم مکہ کے حصہ نے آسمان سے مل کر جواب دیا:

((اتینا طائعین))

''ہم خوشی سے اطاعت کرنے والے ہیں۔''

ایسی نیازمندی اور اطاعت کے سبب اللہ تعالیٰ نے اسے حرم قرار دیا۔

فرشتوں کی حفاظت:

جب اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ شیطان کے خوف سے پریشان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی پناہ مانگی تو اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے بندے آدم علیہ السلام کی درخواست کو قبول فرمایا اور فرشتے بھیج دیئے کہ چاروں طرف سے حفاظت کریں، وہ علاقہ جو ملائکہ کی حفاظت میں آیا وہ حرم کہلایا۔

حجر اسود کی چمک:

تعمیر کعبہ کے بعد جب سیدنا خلیل علیہ السلام نے حجر اسود نصب فرمایا تو اس پتھر مبارک کی چمک چاروں اطراف جہاں جہاں پہنچی اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اسے حرم قرار دے دیا۔

باب نمبر3:

مکہ قدیم حرم ہے......احادیث سے ثبوت

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا اور اس مفہوم پر کثرت سے نصوص وارد ہیں حتیٰ کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ جو جگہ اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے وہ حرم ہے اس میں نہ خون بہایا جائے گا اور نہ جنگ کی غرض سے ہتھیار اٹھائے جائیں۔'' (صحیح مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ ان دو پتھریلے کناروں کے درمیان نہ کوئی درخت کاٹا جائے اور نہ شکار کیا جائے۔'' (صحیح مسلم)

مروان بن حکم نے لوگوں کو خطاب کیا۔ اس میں مکہ، اہل مکہ اور اس کی حرمت کا ذکر کیا لیکن مدینہ منورہ، اہل مدینہ اور اس کی حرمت ذکر نہیں کیا۔ حضرت رافع بن خدیج نے کہا:

''اے مروان! کیا وجہ ہے کہ میں تجھ سے مکہ، اہل مکہ اور اس کی حرمت کا ذکر سن رہا ہوں مگر تو نے مدینہ منورہ، اہل مدینہ اس کی حرمت کا ذکر نہیں کیا، اور ہمارے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا یہ حکم موجود ہے، اگر تو چاہے تو میں پڑھ کر سناؤں؟''

مروان خاموش ہو گیا اور کہا:

''میں نے سنا تو ہے۔'' (صحیح مسلم)

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة وانی احرم ما بين لا بتيها يعيد المدينة))(صحيح مسلم)

''حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کو حرم فرمایا اور میں ان دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں یعنی مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة و دعا لا هلها وانی حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة انی دعوت فی صاعها مدها بمثلی ما دعابه ابراهيم لا هل مكة))(صحيح بخاری مسلم)

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور مکہ والوں کے لئے دعا فرمائی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا سے دو چند کی دعا کرتا ہوں۔''

باب نمبر 4:

مکہ کے حرم کی حدود

مکہ کے حرم کی حد مدینہ منورہ کی جانب سے مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام تنعیم ہے۔ بعض نے یہ فاصلہ چار میل بتایا ہے۔ چنانچہ ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنی کتاب ''النوادر'' میں لکھا ہے کہ تنعیم کی انتہا تک چار میل کا فاصلہ ہے۔ یمن کے راستہ پر مقام اضاۃ کے کنارے تک چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ابن ابی زید نے سات میل کا فاصلہ بتایا ہے۔

علامہ ازرقی نے بھی سات میل لکھا ہے۔ (اخبار مکہ، جلد ۲، صفحہ ۱۳۱)

طائف کے راستے عرفہ کے طریق سے بطن نمرہ سے گیارہ میل ہے۔ اسی طرح ازرقی نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی زید نے نو میل بتایا ہے۔ عراق کے راستے سے خل گھاٹی تک جو مقطع پہاڑ پر واقع ہے سات میل ہے۔ جعرانہ کے راستے آل عبداللہ بن خالد بن اسید سے نو میل کے فاصلے پر ہے اور جدہ کے راستے اعشاش کی انتہا تک دس میل کا فاصلہ ہے اور جدہ کے راستے حدیبیہ کی انتہا تک دس میل ہے۔

امام مالک نے ''اپنی کتاب ''العتبیہ'' میں لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم میں شامل ہے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حدود حرم پر پتھر نصب کئے۔ پھر عہد نبوی میں قریش نے انہیں اکھاڑ دیا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کو نہایت ناگوار گزری۔ پھر حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور دریافت کیا کہ اے محمد! کیا آپ پر یہ بات ناگوار گزری ہے؟ فرمایا: وہاں۔ حضرت جبرائیل نے خوشخبری دی کہ عنقریب ان پتھروں کو دوبارہ نصب کریں گے۔ ایک دن ان میں سے کسی کو خواب آیا کہ اسے کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ اس حرم کی وجہ سے اللہ

تعالیٰ نے تمہیں عزت بخشی تھی۔تم نے اس کے پتھروں کو اکھاڑ دیا۔تمہیں عرب اچک لے جائیں گے،جب صبح ہوئی ایک مجلس میں بیٹھ کر صلاح و مشورہ کرنے لگے۔

بالآخر انہوں نے اکھاڑے ہوئے پتھروں کو دوبارہ نصب کر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور بتایا کہ اے محمد ﷺ انہوں نے دوبارہ ان پتھروں کو نصب کر دیا ہے۔آپ نے فرمایا: اے جبرائیل! انہوں نے ٹھیک کیا ہے کیونکہ انہوں نے جو پتھر بھی لگایا ہے وہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لگا ہے۔(اخبار مکہ، جلد۲، صفحہ ۱۲۸)

زہری سے روایت ہے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے حرم شریف کے پتھر رکھے۔آپ کو ان کے نصب کرنے کی جگہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتلائی تھی۔پھر قصی کے زمانے تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔قصی نے نئے پتھر لگوائے۔پھر آنحضرت ﷺ کے زمانے تک بدستور وہی قائم رہے۔آپ نے فتح مکہ کے سال تمیم بن اسید خزاعی کو بھیجا۔اس نے نئے پتھر نصب کئے۔پھر حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ تک وہی پتھر رہے۔حضرت عمر نے قریش میں سے چار آدمی ان پتھروں کی تجدید کے لئے بھیجے۔ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔مخرمہ بن نوفل۔

۲۔سعید بن یربوع۔

۳۔حویطب بن عبد العزیٰ۔

۴۔زہر بن عبد مناف۔

پھر حضرت معاویہ نے ان کی تجدید کی۔بعد ازاں عبد الملک بن مروان نے نئے پتھر نصب کروائے۔(اخبار مکہ، جلد۲، صفحہ ۱۲۹)

چاہ زمزم کی پیمائش:

مشرق سے مغرب کی طرف ۳۰ سینٹی میٹر ۸ میٹر۔

شمال سے جنوب کی طرف ۶۰ سینٹی میٹر ۵ میٹر۔

نوٹ: بعد ازاں مصنف نے ائمہ اربعہ کے مقامات کی پیمائش بیان کی ہے۔یہ مقامات اور مصلی سلطان فرح بن برقوق نے نویں صدی کے اوائل میں بنائے تھے، لیکن اب ان مصلوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔

تو یہ ہے مسجد حرام کی پیمائش جو میٹر سے طول و عرض مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک بیان کی گئی ہے۔علاوہ ازیں دار الندوہ، باب ابراہیم، بیت زمزم وغیرہ کی پیمائش بیان کی گئی۔

باب ابراہیم کی پیمائش بمع چبوترا:

شرقی جانب سے غربی جانب تک ۶۵ سینٹی میٹر ۲۴ میٹر۔

شمالی جانب سے مدرسہ ابی نمی کی دیوار تک ۲۹ میٹر۔

مسجد حرام کی پیمائش:

مسجد حرام کی پیمائش مشرقی جانب کی دیوار سے جو باب النبیﷺ سے متصل ہے۔کنکروں کی جانب برآمدہ کے کنارے تک ۵۰ سینٹی میٹر اور ۱۷ میٹر۔

برآمدہ کے کنارے سے کنکروں کی حد تک باب بنی شیبہ تک ۴۰ سینٹی میٹر ۶۳ میٹر۔

مطاف کے صحن کا طول باب بنی شیبہ سے صحن کے کنارے تک جو مقام مالکی سے متصل ہے، ۸۰ سینٹی میٹر ۴۸ میٹر۔
مغربی جانب صحن کے کنارے سے جو مقام مالکی سے متصل ہے کنکروں تک ۴۵ سینٹی میٹر ۵۲ میٹر
غربی برآمدہ کے کنارے سے کنکروں کی حدتک مسجد کی دیوار کے صدر تک ۹ سینٹی میٹر ۱۴ میٹر
مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک کا طول ہے ۲۴ سینٹی میٹر ۱۹۶ میٹر۔
دارالندوہ کے کنارے کی حد سے جو مسجد کی دیوار کو قائم رکھنے کے لئے ہے۔ باب دریبہ سے باب باسطیہ تک ۱۵ سینٹی میٹر ۱۵ میٹر۔
شمالی کنکروں کی جانب سے برآمدہ کی حدتک اور صحن مطاف کے کنارے تک ۶۵ سینٹی میٹر ۲۸ میٹر۔
صحن کے کنارے سے جنوبی جانب کے کنکروں تک یعنی شمال سے جنوب تک ۴۵ سینٹی میٹر ۷ ۴ میٹر۔
صحن کے کنارے سے جو مقام حنبلی سے متصل ہے کنکروں کی انتہا تک ۴۰ سینٹی میٹر ۳۱ میٹر۔
کنکروں کی انتہا سے جنوبی جانب مسجد حرام کی دیوار تک جو باب اجیاد الصغیر سے متصل ہے ۵ سینٹی میٹر ۲۰ میٹر۔
اس کا عرض شمال سے جنوب تک یہ ہوا ۱۰۷ سینٹی میٹر ۱۴۲ میٹر۔
علامہ ازرقی نے اپنے وقت کی تعمیر کا طول ۱۹۲ میٹر عرض ۱۳۲ میٹر بیان کیا ہے۔ (اخبار مکہ، جلد ۲، صفحہ ۳۰۶)

مسجد کے صحن میں بچھے ہوئے کنکروں کی پیمائش:

مشرق سے مغرب کی جانب ۶۵ سینٹی میٹر ۱۶۴ میٹر۔
شمال سے جنوب کی جانب ۵۰ سینٹی میٹر ۱۰۷ میٹر۔

دارالندوہ کی پیمائش:

مشرق سے مغرب کی جانب ۱۰ سینٹی میٹر ۳۶ میٹر۔
شمال سے باب الزیادۃ کی پہلی سیڑھی سے ۱۰ سینٹی میٹر ۳۷ میٹر

انصاب حرم کی تجدید کرانے والے:

انصاب حرم کی تجدید مختلف ادوار میں حسب ذیل حضرات کراتے رہے ہیں:

۱۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ۔
۲۔ قصی بن کلاب۔
۳۔ قریش۔
۴۔ رسول اللہ ﷺ۔
۵۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔
۶۔ سیدنا عثمان ذی النورین۔
۷۔ سیدنا معاویہ۔
۸۔ عبدالملک بن مروان۔
۹۔ المہدی عباسی۔
۱۰۔ راضی باللہ۔
۱۱۔ المقتدر باللہ۔
۱۲۔ المظفر صاحب اربل۔
۱۳۔ المظفر صاحب یمن۔
۱۴۔ سلطان احمد بن محمد عثمانی۔
۱۵۔ شاہ سعود۔

مکہ کے حرم کی حدود:

کعبہ شریف کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، جنہیں حرم مکہ یا حرم بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ ان حدود میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس پورے علاقے کی عزت وتکریم بھی لازمی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة الذى حرمها وله كل شىء و امرت ان اكون من المسلمين))(النمل، آیت ۹۱)

''مجھے یہی حکم ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرمت دی اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم ہے کہ فرماں برداروں میں رہوں۔''

((اولم نمكن لهم حرما امنا يجيى اليه ثمرات كل شىء))

''کیا ہم نے انہیں حرمت والے امن والے مکان میں جگہ نہیں دی، اس کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان، سورج اور چاند پیدا کئے، اسی دن مکہ معظمہ کی سرزمین کو حرم قرار دیا تھا۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد کسی کیلئے یہ جگہ حلال قرار دی جائے گی۔ میرے لئے بھی (فتح مکہ کے موقع پر) صرف دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے حلال ہوئی تھی۔ نہ اس کا گھاس کاٹا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ ہی یہاں سے گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر اعلان کرنے کی غرض سے اٹھانا جائز ہے۔''

حضرت عباس نے عرض کی:

''اذخر ہمارے گھروں اور سناروں کے کام کی چیز ہے، اس کے کاٹنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔''

تو نبی کریم ﷺ نے اسے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ (بخاری، جلد۱، باب لایحل القتال فی المکہ) (مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۳۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میری امت حرم کی تعظیم وتکریم کرتی رہے گی وہ بھلائی سے مالا مال رہے گی اور جب اس کی تعظیم چھوڑ دے گی تو پھر ہلاک ہو جائے گی۔ (ابن ماجہ: ۲۲۵)

حرم کی عزت وتکریم کے پیش نظر اس کی حدود میں داخل ہونے کیلئے احرام باندھنا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام جب حج بیت اللہ کو تشریف لاتے تو حدود حرم میں داخل ہوتے ہی سواری سے اتر جاتے اور ننگے پاؤں چل کر کعبہ شریف تک جاتے تھے۔

حرم کی تعظیم ہی کی وجہ سے اس کی حدود میں شکار کرنا حرام ہے۔ اس حکم میں اہل حرم اور آفاقی، احرام والا اور بغیر احرام کے سب لوگ برابر ہیں۔ اسی طرح حدود حرم میں گھاس اور درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے۔

حدود حرم میں غیر مسلم کا داخل ممنوع ہے۔ اس علاقہ میں صرف ایماندار لوگ ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح حرم شریف میں ایک نیکی کا اجر ایک لاکھ گنا ہوتا ہے، اسی طرح حدود حرم میں بھی نیک اعمال کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس طرح مسجد حرام میں برائی کا گناہ بہت زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح حدود حرم میں بھی اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حرم شریف کے تقدس کی بنا پر اس کے ڈھیلوں اور پتھروں سے استنجا کرنا جائز نہیں۔

حدودحرم میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے اور اسی طرح مدینہ منورہ کا مقدس شہر بھی دجال سے محفوظ رہے گا۔

حرم کی حدود اور فرشتوں کے نشانات:

امام ازرقی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا آدم جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو انہیں شیطان کے حملہ کا خطرہ لاحق ہوا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سرزمین مکہ کے چاروں طرف مقرر کر دیا تاکہ شیطان اس علاقہ میں داخل ہی نہ ہو سکے۔ چنانچہ جن مقامات پر فرشتوں نے پہرہ دیا تھا، وہ حرم کے نشانات قائم کر دیئے گئے۔ اس طرح ان حدود کے اندر کا تمام علاقہ حرم قرار دیا گیا۔
(اخبار مکہ، صفحہ ۳۶۷)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ جب آدم کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو وہ مغموم اور پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک سرخ یاقوت کا خیمہ نازل فرمایا جسے کعبہ شریف والی جگہ نصب کر دیا گیا اور حجر اسود ستاروں کی طرح چمک رہا تھا، جس کی روشنی حرم کے کناروں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر جب آدم مکہ تشریف لائے تو ان کی اور مذکورہ خیمہ کی جنات سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرر کر دیا، جن جن مقامات پر ملائکہ نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا تھا، وہاں حرم کے نشانات قائم کر دیئے گئے۔

حدود حرم کی تعمیر جبرائیل نے کی:

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا ابراہیم نے جبرائیل کی معیت میں مناسک حج ادا کئے تو اس وقت جبرائیل نے حدود حرم سے آپ کو آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ان مقامات پر مٹی گارے سے پتھروں کے برج بنا دیئے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۵۸)

قصی اور حدود حرم کی تعمیر:

امام زہری عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے بعد حرم کی علامات (حدود حرم کو) کو قصی بن کلاب نے ازسرنو تعمیر کیا۔

حدود حرم کی تجدید اور نبی کریم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حدود حرم کی تجدید کرائی۔

عہد فاروقی میں حدود حرم کی تنصیب:

بعد ازاں سیدنا امیر المومنین خلیفہ ثانی فاروق اعظم نے قریش کے چار معززین مخرمہ بن نوفل، ابوہود، سعید بن یربوع مخزومی، حویطب بن عبد العزی اور ازہر بن عبد عوف الزہری کو ان کی تجدید پر مامور فرمایا تھا۔

عہد عثمانی میں تجدید حدود حرم:

امیر المومنین خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو امیر حج بنا کر بھیجا اور انہیں انصاب حرم کی تجدید کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے قریش کے چند آدمی اس کام پر مامور فرمائے جن میں حویطب بن عبد العزی اور عبد الرحمٰن بن ازہر بھی شامل تھے۔ البتہ سعید بن یربوع کی بینائی خلافت فاروقی میں ختم ہو گئی تھی اور مخرمہ بن نوفل بھی حضرت عثمان کے عہد میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔

ہر سال انصاب حرم کی تجدید:

اسلامی خلافت کی پہلی صدیوں میں ہر سال انصاب حرم کی تجدید کی جاتی رہی۔

…نا معاویہ اور عبدالملک کے عہد میں تجدید و تعمیر حدود حرم:

یہاں تک کہ سیدنا امیر معاویہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں امیر مکہ کو ان کی تجدید و تعمیر کا حکم دیا تھا۔ یونہی خلیفہ عبدالملک بن مروان …بھی قریش، خزاعہ اور بنی بکر کے چند اشخاص کو اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۶۰)

…دود حرم کا تفصیلی خاکہ:

کعبہ شریف اور حدود حرم کے درمیان حسب ذیل فاصلہ ہے:

شارع مدینہ پر تنعیم کے مقام پر	۳ میل
شارع یمن پر	۷ میل
شارع جدہ	۱۰ میل
شارع طائف پر عرفات کے قریب	۱۱ میل
شارع عراق پر	۷ میل
جعرانہ	۹ میل

امام تقی فاسی لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے جعرانہ کا فاصلہ ۱۸ میل ہے۔

امام تقی فاسی نے شفاء الغرام میں حرم کی حسب ذیل مسافت بیان کی تھی، جسے علامہ کردی نے میٹر کے حساب سے بھی لکھ دیا ہے۔

حرم شریف کے باب بنی شیبہ سے بطن عرنہ کی طرف عرفات کے شروع میں قائم علامات کا فاصلہ ۳۷۲۱۰_۲/۷ ذراع یعنی ۱۸۳۳۴ میٹر۔

باب بنی شیبہ سے شارع عراق پر واقع علامات کا فاصلہ ۲۷۲۵۲ ذراع یعنی ۱۳۳۵۳،۵ میٹر۔

تنعیم جو مدینہ شریف کے راستہ میں واقع ہے کا فاصلہ باب عمرہ سے ۱۲۴۲۰ ذراع یعنی ۱۳۴۸ میٹر۔

شارع یمن پر واقع حد حرم کا فاصلہ باب ابراہیم سے ۲۴۵۰۹_۳/۷ ذراع یعنی ۱۲۰۰۹،۷۵ میٹر۔

حدود حرم کا مجموعی رقبہ ایک سو پچیس مربع میل بیان کیا گیا ہے۔

…ب نمبر 5:

…رمت مدینہ حرمت مکہ کی مثل ہے……مکہ پہلا حرم اور مدینہ دوسرا……مدینہ بھی حرم ہے

(حرمین کے متعلق احادیث)

…جتنی احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ تمام بڑی واضح اور صریح دلیل ہیں کہ مدینہ طیبہ حرمت میں مکہ مکرمہ کی …ح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔"

یہ حرمت شکار کے قتل کرنے، جنگ و جدل کرنے، درخت کاٹنے اور درخت اکھیڑنے کے متعلق ہے، اور یہ دونوں شہروں کے متعلق …ہ بلکہ مدینہ طیبہ کی حرمت میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو حرم مکی میں نہیں ہیں، مثلاً: مدینہ طیبہ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے …فرمایا:

''جواس میں جرم کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''
مگر یہ چیز مکہ مکرمہ کے متعلق نہیں ہے۔
پیچھے چند ایسی احادیث بھی گزر چکی ہیں جن میں ان دونوں معزز شہروں کی تحریم میں مماثلت کا ذکر تھا، مثلاً:
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''مجھ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے علیحدہ کوئی بات نہیں کی مگر ایک چیز جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے جو اس صحیفہ میں ہے، جو میری تلوار کی نیام میں ہے، اس میں ہے کہ بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں، دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ حرم ہے۔''
امام احمد نے بسند صحیح اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ تھی، جیسی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے مانگی ہے میں بھی مدینہ کیلئے ایسی دعا مانگتا ہوں۔
حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سقیا کے گھروں کے قریب ٹیلے پر وضو فرمایا اور حضرت سعد کی زمین پر نماز پڑھی، پھر یوں دعا کی:
''اے اللہ! حضرت ابراہیم تیرا خلیل، تیرا عبد مکرم، تیرا نبی محتشم اس نے تجھ سے اہل مکہ کیلئے دعا کی، میں محمد تیرا بندہ، تیرا نبی، تیرا رسول، میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے ویسی دعا مانگتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کیلئے مانگی تھی۔
حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کیلئے دعا کی، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں اس کے مد، صاع کیلئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے کی تھی۔''
(متفق علیہ)
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے حرم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرم قرار دیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اے اللہ! مدینہ میں دوگنا برکت فرما اور اس کے صاع و مد میں برکت عطا فرما۔
حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''بے شک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کیلئے دعا کی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد میں اس دعا کے دوگنا اضافہ کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے دعا کی تھی۔'' (صحیح مسلم)
دونوں شہروں کی تحریم ایک ہے، پہلے کو حرم بنانے والے حضرت ابراہیم خلیل ہیں اور دوسرے کو حرم بنانے والے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر مدینہ کیلئے مکہ سے دوگنا دعا کی گئی ہے۔
حضرت ابو سعید الخدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی:
''اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ طیبہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم

بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی، نہ جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ اس کے درختوں کے پتے توڑے جائیں گے مگر چارہ کیلئے۔ اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما، اے اللہ! اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مدینہ طیبہ کی کوئی گھاٹی اور درہ ایسا نہیں جس پر دو ایسے فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں حتیٰ کہ تم اپنے سفر سے واپس آ جاؤ۔
(صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی، نہ جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ درختوں کے پتے گرائے جائیں گے، سوائے چارہ کے۔ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے مد میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے مد میں برکت دے! اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے! اے اللہ! اس برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید عطا فرما۔!'' (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی اور بے شک میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا۔'' (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔'' (صحیح مسلم)

امام احمد نے جو حدیث حضرت جابر سے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

((هي كمكة حرام مابين حريها و حماها))

''مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کا حصہ اور ممنوعہ علاقہ کے درمیان کی جگہ مکہ کی طرح حرام ہے۔''

حضرت عاصم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا ہے؟''

انہوں نے فرمایا:

''ہاں! یہ حرم ہے، اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے۔ اس کی گھاس نہیں کاٹی جائے گی اور جو اس کی حدود میں ایسا کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔''

(مسند امام احمد) (مصنف ابن شیبہ) (سنن بیہقی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک اپنی تلوار منگوائی اور تلوار کی نیام سے ایک عربی چمڑا نکالا اور فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے علاوہ جو کچھ چھوڑا میں (جناب علی) نے تمہیں پہنچا دیا ہے، مگر یہ صحیفہ جس میں ہے:

((بسم الله الرحمن الرحيم محمد رسول الله لكل نبي حرم و حرمي المدينة))

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جونہایت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) ہر نبی کا حرم تھا اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے۔''

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا، میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ جو جگہ اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے وہ حرم ہے، اس میں نہ خون بہایا جائے اور نہ جنگ کی غرض سے ہتھیار اٹھائے جائیں۔'' (صحیح مسلم)

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة و انى احرم ما بين لا بتيها يبد المدينة))(صحيح مسلم)

''حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کو حرم فرمایا اور میں ان دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ (مدینہ منورہ) کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة و دعا لا هلها وانى حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكه انى دعوت فى صاعها ملها بمثلى ما دعابه ابراهيم لا هل مكة))(صحيح بخارى مسلم)

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور مکہ والوں کے لئے دعا فرمائی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا سے دو چند کی دعا کرتا ہوں۔''

حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة وانى احرم مابين لا بتيها))

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔''

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان ابراهيم حرم مكة فجعلها حرما))

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔''

صحیح مسلم میں ہے:

((وانى حرمت المدينة حراما بين عما زميها))(رواه مسلم)

''میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس پلٹے، جب مدینہ کو دیکھا تو فرمایا:

((اللهم انى احرم مابين لا بتيها بمثل ما حرم ابراهيم مكة))

''اے اللہ میں اس کے دونوں کناروں کو اس طرح حرم بناتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا۔'' (متفق علیہ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر السقیا کے گھروں کے قریب پتھریلے ٹیلے پر حضرت سعد کی زمین پر نماز پڑھی، پھر یہ دعا مانگی:

((اللهم ان ابراهيم خليلك وعبدك ونبيك دعاك مكة وانا محمد عبدك ونبيك و رسولك ادعوك لاهل المدينة مثل ما دعاك به ابراهيم لا هل مكة ندعوك ان تبارك لهم في صاعهم و مدهم و ثمارهم، اللهم حبب الينا المدينة كما حببت الينا مكة واجعل ما بها من وباء بخم اللهم انى قد حرمت ما بين لا بتيها كما حرمت على لسان ابراهيم الحرم))

''اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم تیرے خلیل، تیرے برگزیدہ بندے اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی اور میں محمد تیرا برگزیدہ بندہ، تیرا نبی اور تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے ویسی ہی دعا مانگتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لئے دعا مانگی تھی۔ ہم تیری بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ تو اہل مدینہ کے صاع، مد اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے مدینہ کو ایسے ہی محبوب بنا دے، جیسے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا ہے اور اس میں جو وباء ہے اس کو خم کے چشمہ میں ڈال دے، اے اللہ! میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسے مکہ مکرمہ کو تو نے حضرت ابراہیم کی زبان سے حرم بنایا تھا۔'' (رواہ احمد برجال الصحیح)

حضرت عبداللہ بن عباد الزرقی سے مروی ہے کہ میں براہاب پر چڑیاں شکار کرتا تھا، مجھے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ میں نے چڑیاں شکار کی ہوئی ہیں، آپ نے مجھ سے چھین چھین کر وہ سب چھوڑ دیں اور فرمایا:

''اے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بنایا ہے جیسے حضرت ابراہیم نے حرم بنایا ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد، البزار، الطبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کے راوی عبداللہ بن عباد الزرقی کے علاوہ سب ثقہ ہیں، امام بخاری نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں کیا ہے، لیکن ان پر کوئی جرح وتعدیل نہیں کی۔

سابقہ احادیث سے اس کی شہادت ملتی ہے، اس طرح اس کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ یہ تمام احادیث جو حضرت علی، ابو ہریرہ اور ابن عباس وغیرہم سے مروی ہیں، صراحتاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تحریم میں مماثلت اور برابری پر دلالت کرتی ہیں۔ تعجب ہے ان علمائے حدیث پر جو ان احادیث کی صحت، تواتر اور مشہور ہونے کو جانتے بھی ہیں جنہیں اٹھائیس صحابہ نے روایت کیا ہے، پھر بھی اپنے مذہب کی تقلید کرتے ہوئے اور نصوص کے محمل ترک کرتے ہوئے ان احادیث کو تحریم کے بجائے تعظیم پر محمول کرتے ہیں۔ اگر ان احادیث کے ساتھ حضرت علی اور ابن عباس کی حدیث:

((''لكل نبي حرم و حرمي المدينة''))

''ہر نبی کا ایک حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔''

حضرت سہل بن حنیف اور حضرت انس کی حدیث:

((''حرم آمن، حرام آمن''))

''بے شک مدینہ حرم اور امن کی جگہ ہے۔ بے شک مدینہ حرم اور امن کی جگہ ہے۔''

اسی طرح شکار کرنے، درخت کاٹنے، جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانے کی تحریم کی احادیث کو ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بڑا واضح

اور یہیں ثبوت مل جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تحریم میں برابر ہیں اور جو بعض احکام میں تفاوت اور اختلاف ہے، وہ ظنی ہے۔

باب نمبر 6:

مکی ومدنی حرم کے متعلق علماء کے اختلاف کا بیان اور دلائل کے جوابات

متقدمین احناف کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے لئے حرم تو ہے مگر مکہ مکرمہ جیسی حرمت نہیں ہے، اس میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا مکروہ ہے اور اس قول میں احناف جمہور علماء امت کے مخالف ہیں کیونکہ جمہور (جس میں متاخرین احناف بھی شامل ہیں) کے نزدیک مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے اور اس میں درخت کاٹنا اور شکار کرنا حرم مکی کی طرح حرام ہے۔

متقدمین احناف نے اپنے مذہب کی تائید کیلئے کئی دلائل پیش کئے ہیں، جن کو میں ترتیب سے ذکر کروں گا اور پھر ہر دلیل کا جواب دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی، دوسری اور تیسری دلیل اور ان کے جوابات:

مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر احناف کی ایک دلیل یہ حدیث ہے:

((یا ابا عمیر ما فعل النغیر))

''اے عمیر! تیری بلبل نے کیا کیا؟''

اصل حدیث یہ ہے، جو کہ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسن اخلاق کے مالک تھے۔ میرا ایک بھائی تھا جس کو ابو عمیر کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے: میرا گمان ہے کہ وہ اس وقت غذا کھانے لگا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو فرماتے:

''اے عمیر! اس نغیر (بلبل) کو کیا ہوا۔؟''

وہ بچہ اس پرندہ سے کھیلتا تھا۔

یہ حدیث احناف کے نزدیک مدینہ طیبہ کی عدم تحریم کی دلیل ہے۔

علامہ الطحاوی لکھتے ہیں:

''اگر مدینہ طیبہ کے شکار کا حکم مکہ کے شکار کے حکم کی مانند ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نغیر کو محبوس کرنے اور اس کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہ دیتے۔''

علامہ تورپشتی لکھتے ہیں:

''اگر مدینہ طیبہ حرم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ضرورت کے موقع پر خاموش نہ رہتے۔''

اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ حرم مدنی کا شکار حرام نہیں ہے اور مدینہ طیبہ حرم نہیں ہے۔

ثبوت کی حیثیت سے تو حدیث نغیر ثابت ہے اور صحیحین میں موجود ہے، لیکن امام الطحاوی نے اسے غیر محمل پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ مفصل جوابات میں بیان ہوگا۔

مدینہ طیبہ کے حرم نہ ہونے کی ایک دلیل حدیث الوحش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے گھر والوں کے لئے ایک وحشی جانور تھا، جب آپ گھر سے نکل جاتے تو وہ کھیلتا کودتا، آگے جاتا، واپس آتا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد محسوس کرتا کہ آپ تشریف لا چکے ہیں تو بیٹھ جاتا، چھلانگیں نہ لگاتا تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔

اس روایت کو احمد، بزار، اسحاق، ابویعلی اور الطحاوی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

''اس کی سند صحیح ہے۔''

امام طحاوی فرماتے ہیں:

''یہ مدینہ طیبہ تھا اور ایسی جگہ تھی جو حرم میں شامل تھی، پھر بھی اہل مدینہ وحشیوں کو پکڑتے تھے اور ان کو دروازوں میں بند کرتے تھے، یہ دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کا حکم مکہ کے حکم سے مختلف ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، ابوحاتم اور یحیٰ بن معین نے اس کی سند میں شک ظاہر کیا ہے۔

وحشی جانور والی حدیث، اس میں حضرت عائشہ اور مجاہد کے درمیان انقطاع کا شبہ ہے، کیونکہ یحیٰ بن معین اور ابوحاتم نے حضرت مجاہد کی حضرت عائشہ سے سماع کی نفی کی ہے، لیکن علی بن المدینی نے سماع کو ثابت کیا ہے اور سماع کی تصریح وارد ہے، اسی وجہ سے بخاری ومسلم نے اسے اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، بخاری میں اس کی دو یا تین روایات ہیں اور مسلم میں صرف ایک جیسا کہ تحفۃ الاشراف میں ہے اور اس کی صحت کے ثبوت کا حکم بھی حدیث طیر جیسا ہے۔ یہ حدیث غیر محل میں ذکر کی گئی ہے، جیسا کہ مفصل جوابات میں بیان ہوگا۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے شکار کا واقعہ بھی مدینہ طیبہ کے حرم نہ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ شکار کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے دیر کر دی، پھر وہ حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا:

''کس وجہ سے تاخیر ہوگئی؟''

عرض کیا:

''یارسول اللہ! شکار بھاگ گیا تھا، ہم نے بنت سے قناۃ تک اس کا پیچھا کر کے اسے شکار کیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاتا، جب تو جاتا تو تجھ سے ملتا، جب تو آتا میں عقیق کو پسند کرتا ہوں۔''

اس حدیث کو امام طحاوی نے تین طرق سے روایت کیا ہے اور ابن شیبہ نے بھی تین طرق سے اور الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے۔

امام طحاوی اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس حدیث پاک میں مدینہ طیبہ کے شکار کے مباح ہونے پر دلیل ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ کو مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے شکار کی جگہ بتائی، حالانکہ ایسا کرنا مکہ میں حلال نہیں، آپ نے پڑھا ہوگا کہ اگر مکہ مکرمہ میں شکار پر کوئی کسی کی رہنمائی کرے تو گنہگار ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ کے شکار کا حکم مکہ مکرمہ کے شکار سے مختلف ہے اور اس حدیث میں العقیق کے شکار کی اباحت بھی ہے۔''

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ بڑا تعجب ہے کہ ایک منکر حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس سے احکام کی بنیاد رکھتے ہیں اور متواتر حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

رہی سلمہ بن الاکوع کی حدیث، تو یہ موسیٰ محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی کی روایت سے ہے، الطحاوی اور ابن شبہ نے دو سندوں سے روایت کی ہے۔

1: موسیٰ اپنے باپ سے اور سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔

2: موسیٰ اپنے باپ سے اور وہ ابوسلمہ سے اور وہ سلمہ سے روایت کرتے ہیں، یہ البانی میں اسی طرح ہے۔

اس کی سند میں پہلی علت تو یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ حضرت سلمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد الربذہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے اور وفات سے چند دن قبل تک وہاں رہے، پھر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مدینہ طیبہ میں وفات پا گئے۔ ان سے محمد بن ابراہیم نے نہیں سنا۔

دوسری علت یہ ہے کہ اس حدیث کو محمد بن موسیٰ نے ضعیف بنا دیا ہے، کیونکہ یحییٰ بن معین ان کے متعلق لکھتے ہیں:

(("لیس بشیء"))

"وہ کچھ نہیں۔"

(("لا یکتب حدیثه"))

"اس کی حدیث نہ لکھی جائے گی۔"

امام بخاری فرماتے ہیں:

"اس کی احادیث منکر ہیں۔"

ابوداؤد لکھتے ہیں:

"اس کی حدیث نہ لکھی جائے گی۔"

ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی، ابواحمد اور الحاکم لکھتے ہیں:

"یہ منکر الحدیث ہے۔"

الدارقطنی لکھتے ہیں:

"یہ متروک ہے۔"

الجوزجانی لکھتے ہیں:

"ائمہ اس کی حدیث کا انکار کرتے ہیں، جو اس کی حدیثیں نہیں ہوتیں۔ مجھے معلوم نہیں وہ معتمد ہے یا اس میں غفلت ہے، وہ اپنے باپ سے منکر نقل کرتا ہے اور مشاہیر "توہم" کے ساتھ ذکر ہیں، کوئی صورت بھی ہو یہ از روئے حجت ساقط ہے۔"

العقیلی لکھتے ہیں:

"اس کی حدیث کی اتباع نہ کی جائے گی۔"

ابن عدی لکھتے ہیں:

(("لیس بشی ولا یکتب حدیث"))

''یہ کچھ بھی نہیں۔اس سے حدیث روایت نہ کی جائے۔''

الحافظ التقریب میں علماء کے اقوال کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد بن موسیٰ منکر الحدیث ہے۔''

پس اسی قسم کی روایت سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔طالب علم کو ایسی روایت سے مشغول نہیں ہونا چاہیے چہ جائیکہ وہ اس سے استدلال کرے، بڑا تعجب ہے علامہ عینی علیہ الرحمۃ پر کہ انہوں نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ تین طرق سے روایت کی ہے اور تمام طرق موسیٰ کے طریق سے ہیں۔

رہا پہلی دو حدیثوں (حدیث عمیر اور حدیث وحوش) کا جواب تو ملاحظہ ہو:

یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے مقدم ہیں، اس لئے تحریم کی احادیث کی وجہ سے منسوخ ہیں اور حضرت انس کی حدیث جو امام احمد نے روایت کی ہے و حدیث نغیر کے تقدم پر دلالت کرتی ہے۔یا یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے متاخر ہیں تو اس صورت میں یہ تحریم کی احادیث کے ناسخ ہوں گی اور یہ باطل، باطل اور باطل۔مردود، مردود اور مردود ہے اور اس کی وجوہ یہ ہیں:

1: احادیث تحریم متاخر الاسلام صحابہ سے مروی ہیں جیسے حضرت ابو ہریرہ وغیرہ بخلاف حدیث نغیر اور حدیث الوحش کے۔

2: احادیث تحریم زمانہ ہجرت کے بعد مروی ہوئیں یعنی خیبر اور تبوک کے بعد۔

اور یہ دونوں احادیث خصوصاً حدیث النغیر تحریم کی احادیث سے مقدم ہے، اس لئے کہ یہ تحریم کی احادیث کی ناسخ نہیں بن سکتیں۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث کے متعارض ہیں اور بلحاظ قوت بھی تحریم کی احادیث جیسی ہیں، تو ایسی صورت میں جمع کرنے کی کوشش کریں گے، جب جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایک کو ترجیح دیں گے اور اگر تاریخ معلوم ہو تو متقدم منسوخ اور متاخر ناسخ ہوگی۔

علماء کے لئے جمع کرنا ممکن ہوگا تو بہتر اور اگر ہم ترجیح کا اعتبار کریں تو تحریم کی احادیث کو ان دونوں احادیث پر ترجیح حاصل ہے، کیونکہ

1: سابقہ بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ جب وہ نصوص متعارض ہوں اور ان کو جمع کرنا ممکن ہو تو جمع کرنا بہتر ہے، جبکہ نسخ معلوم نہ ہو، اس لئے حدیث نغیر اور حدیث وحش کو حل کے شکار سے محمول کیا جائے، جنہیں بعد میں حرم میں داخل کیا گیا۔اس طرح اس حکم اور تحریم مدینہ اور مدینہ کے شکار کی تحریم کی احادیث کو جمع کیا جائے گا، یہی طریقہ جماہیر علماء کا ہے، اسی پر فقہاء کا عمل ہے اور یہی عام صحابہ کا مذہب ہے۔

صالح بن کسان کہتے ہیں:

''میں نے خود دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابن زبیر کے دور میں زندہ شکار بیچا جاتا تھا۔''

اس اثر کو عبدالرزاق اور ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کرام جن میں مالکیہ، شوافع اور حنابلہ شامل ہیں، فرماتے ہیں:

''جو شخص مقام حل سے حرم نبوی میں شکار لائے اس کے لئے کھانا، بیچنا اور نفع حاصل کرنا جائز ہے۔''

مالکیہ، شوافع اور الظاہریہ وغیرہم علماء کا مسلک یہ ہے:

''جو حل سے شکار پکڑ کر حرم میں لے آئے اس کے لئے کھانے، بیچنے کا تصرف جائز ہے۔''

اور دلیل کے طور پر سابقہ دو احادیث پیش کی ہیں اور حل کے درخت اور گھاس پر قیاس کیا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اور امام احمد علیہ الرحمۃ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں، لیکن ابن قدامہ حنبلی پہلے مذہب کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر مکہ میں نو سال رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تشریف لاتے پنجروں میں قمریاں اور چکور دیکھتے مگر منع نہ فرماتے۔

ابن حزم فرماتے ہیں:

''یہ ایک قطعی دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ طیبہ میں رہے اور مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے اور آپ کو اور صحابہ کرام کو شکار بطور تحفہ پیش کئے جاتے تھے، شکار مدینہ طیبہ میں زندہ لایا جاتا، پھر اسے فروخت کیا جاتا، ذبح کیا جاتا اور کھایا جاتا تھا، ذبح کرنے والا بیچتا اور کھاتا تھا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا، اسی طرح مکہ مکرمہ حرم ہے، اس میں بھی ایسا ہوتا ہے۔''

پھر علامہ ابن حزم نے، چکور اور قمری والی حدیث ذکر کی ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ احناف کے لئے ان دو احادیث میں کوئی سہارا نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں احادیث تحریم سے پہلے کی ہیں، جبکہ تحریم ۷ ہجری یا اس سے تھوڑا قبل وارد ہوئی، اور یہ دونوں احادیث تحریم سے پہلے کی ہیں جیسا کہ امام احمد کی روایت سے واضح ہے، اور اگر تاریخ کی عدم معرفت فرض کر بھی لی جائے تب بھی احادیث تحریم کو ان دونوں احادیث سے مقدم رکھا جائے گا۔

2: جمہور علماء نے حرم کے شکار اور حل کا وہ شکار، جسے بعد میں حرم میں داخل کیا گیا ہو، کے درمیان فرق کیا ہے، حرم کا شکار حرام ہے کیونکہ اسے حرم کی حرمت حاصل ہے، جبکہ حل کا شکار حلالی کیلئے حلال ہے، پھر جب اسے حرم میں داخل کیا جائے تو اسے حرم کی حرمت حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ وہ حل سے ہے۔

3: جب نص میں احتمال آجائے تو اس سے استدلال کمزور ہو جاتا ہے جیسا کہ معارضت نے اسے کمزور کر دیا ہے اور احناف کے نزدیک بھی قطعی طور پر وہ نغیر اور وحش حرم کا شکار نہ تھے اور یہ احتمال ہے کہ دونوں مقام حل کے شکار ہوں، پس ان دونوں احادیث کا مدینہ طیبہ کی تحریم کی احادیث کے معارض کرنا جائز نہیں ہے۔

4: نغیر اور وحش کے متعلق کوئی نص قطعی یا صحیح بلکہ ضعیف نص بھی وارد نہیں ہے کہ وہ حرم کے تھے، اور حرم مدنی کی تحریم میں نصوص متواتر ہیں، اگر یہ حرم کے شکار سے ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے۔ مگر آپ کا کوئی انکار وارد نہیں، پس واضح ہو گیا کہ وہ دونوں حرم کے جانور نہ تھے۔

5: حدیث نغیر حضرت انس کی روایت ہے، اور یہ حضرت انس کی تحریم کے مطابق متعدد روایات کے مخالف ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اور یہ علماء حدیث کا اصول ہے کہ جب ایک راوی ظاہراً دو متضاد حدیثیں روایت کرے تو پھر ان کو اگر جمع کرنا ممکن ہو تو دونوں پر عمل کیا جائے گا، ہر ایک مخصوص معنی پر محمول ہوگی، ورنہ ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی، اگر جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں جمع کرنا جمہور علماء کے مذہب پر ممکن ہے، تحریم کی احادیث جو حضرت انس سے مروی ہیں وہ حدیث نغیر سے بہت متاخر ہیں، کیونکہ یہ فتح خیبر کے بعد کی ہیں جیسا کہ شیخین کی روایت ہے اور حدیث نغیر ہجرت کے ابتدائی زمانہ کی ہے جیسا کہ امام احمد کی روایت سے ظاہر ہے، جمہور علماء نے دونوں احادیث کو ساقط کرنے کی بجائے ان دونوں کو ایک دوسرے کے معنی پر محمول کیا۔ اس کو اصل بناتے ہیں اور اس پر بنیاد رکھی اور وہ معنی تحریم کے متعارض نہیں ہے۔

6: تحریم کی احادیث سند کے اعتبار سے قوی ہیں، کیونکہ یہ متواتر ہیں جبکہ یہ دونوں احادیث خبر واحد ہیں۔ تحریم کی احادیث بلحاظ تعداد زیادہ ہیں اور تحریم پچیس صحابہ سے ثابت ہے، جیسا کہ میں نے ان کے اسماء پیچھے ذکر کئے ہیں۔

یہ دونوں احادیث ایک خاص واقعہ ہیں۔ان کا جواب ممکن ہے لیکن احادیث تحریم ایک قاعدہ کلیہ ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کے درخت نہ کاٹنے اور شکار نہ کرنے کے فتاویٰ بھی احادیث تحریم کے موافق ہیں، جبکہ ان کا مخالف کوئی بھی نہیں، احناف کے مطابق کسی صحابی نے حرم نبوی میں درخت کاٹنے اور شکار کرنے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جس نے حرم نبوی میں تحریم کی نفی کی ہو۔

یہ دونوں احادیث اصل کے حکم کو باقی رکھنے والی ہیں جبکہ تحریم کی احادیث اس اصل کو ختم کرنے والی ہیں اور یہ اصول ہے کہ جب اصل کے حکم کو باقی رکھنے والی نصوص اور اس کی نفی کرنے والی نصوص آپس میں متعارض ہوں تو نفی کرنے والی نصوص کو مقدم کیا جاتا ہے، کیونکہ جب نفی کی نصوص کو ترجیح دی جائے تو حکم میں ایک مرتبہ تغیر لازم آتا ہے، لیکن اگر ثبوت والی نصوص کو مقدم کیا جائے تو دو مرتبہ تغیر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث تغیر اور حدیث الوحش مدینہ طیبہ کی تحریم کی احادیث کے بعد کی ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ مدینہ طیبہ کا شکار پہلے حرام تھا اور پھر حلال ہوگیا، جبکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے پہلے کی ہیں تو یہی ہوگا کہ تحلیل کے بعد تحریم ہوئی اور تحلیل اصل ہے اور تحریم بعد میں لاحق ہوتی ہے اور یہی حق ہے، اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔

1 تحریم کی احادیث کے بعض راوی متاخر الاسلام اور متاخر الہجرۃ ہیں اور وہ ان احادیث کو مشاہدہ سماع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے ساتھ روایت کرتے ہیں، بخلاف ان دو احادیث کے اگر منکر غور کرے تو یہی دلیل کافی ہے۔

1 یہ دونوں احادیث اصل اور اباحت کو بیان کرتی ہیں، جبکہ تحریم کی احادیث متواترہ منع اور اصل کو بیان کرتی ہیں اور منع مباح سے مقدم ہوتا ہے، کیونکہ منع والا علم زیادہ رکھتا ہے۔

1 تحریم کی احادیث ہجرت کے آخر میں واقعات وحادثات میں واقع ہوئیں، یہ تحریم کے استمرار کی دلیل ہے۔

ھی دلیل اور اس کا جواب:

احناف کی پہلی دلیل یہ دی ہے کہ مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے اور شکار نہ کرنے کا حکم اس لئے تھا کہ مدینہ طیبہ کی زینت باقی رہے کہ مہاجرین اس سے مانوس ہو جائیں اور جب ہجرت ختم ہوگئی تو یہ حکم بھی زائل ہوگیا، جیسا کہ مدینہ طیبہ کے محلات گرانے کے متعلق بھی رد ہے۔

اگر بات اسی طرح ہوتی جیسا کہ احناف علماء کا خیال ہے تو مدینہ طیبہ کی تحریم اور شکار سے منع اور درخت کاٹنے کی تحریم ہجرت کی اء میں ہوتی حالانکہ یہاں تو معاملہ برعکس ہے، کیونکہ اس کی تحریم تو ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد یا تھوڑا قبل ہوئی تھی اور اس وقت جرین تو مدینہ طیبہ میں مکمل ہو چکے تھے، سوائے چند لوگوں کے۔

یہ بات خود احناف کے قول کی تردید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احناف کا یہ قول کہ ”زینت کی وجہ سے ممانعت تھی“ درست نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کاٹنے اور شکار کرنے سے اس لئے منع فرمایا تھا تا کہ مہاجر مانوس رہیں اور مدینہ طیبہ کی زیب وزینت باقی رہے، بلکہ مدینہ طیبہ میں تو مکہ سے زیادہ درخت تھے اور اللہ کرے ہمیشہ زیادہ رہیں، کیا مہاجرین کی مدینہ طیبہ سے الفت درختوں کے وجود کی وجہ سے تھی تو پھر شکار سے منع کا کیا مطلب؟ دلیل کا اظہار مخالف پر ہے، اور دلیل تو ہے ہی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ مدینہ طیبہ میں تاخیر سے تشریف لانے والے اصحاب میں سے تھے، فتح خیبر کا موقع تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت مدینہ کی حدیث سنی۔ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔“

حضرت ابو ہریرہ کا سماعت کا ذکر کرنا یہ دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی تحریم کا اعلان آخری ایام تک فرماتے رہے۔ اسی طرح اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کی تحریم مدینہ طیبہ کی زینت کی بقاء کیلئے نہ تھی تاکہ مہاجر مانوس ہو جائیں اور یہ سماعت مخالفین کا مکمل رد کرتی ہے۔

ایک اور چیز جو اس زینت والے قول کے فساد کی بڑی دلیل ہے، وہ یہ کہ تحریم والی حدیث کے راوی وہ ہیں جو مدینہ طیبہ فتح مکہ کے بعد آئے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً تیس سال صحبت اختیار کی، وہ فرماتے ہیں:

''میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: اے اللہ! میں مدینہ طیبہ کو ان چیزوں کے لئے حرم بناتا ہوں جن کیلئے تو نے مکہ کو حرم بنایا ہے۔''

ایک اور جگہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہر نبی کیلئے حرم ہے اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے، اے اللہ! میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔''

پانچویں دلیل اور اس کا جواب:

مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں، جبکہ مدینہ طیبہ کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ اس میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے:

((''لا یدخل احد مکۃ الامحرما''))

''مکہ میں کوئی شخص بغیر احرام کے داخل نہ ہو۔'' (رواہ بیہقی)

اس دلیل کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

1: فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھا، جب آپ نے خود اتارا تو ایک شخص نے کہا:

''حضور! ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''اسے قتل کر دو۔'' (متفق علیہ)

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے احرام بھی نہیں باندھا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم)

یہ دونوں احادیث حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر واضح دلیل ہیں، دوسری حدیث کے الفاظ ''بغیر احرام'' کی وجہ سے تو کوئی خفا رہتا ہی نہیں، ان کے علاوہ بھی نصوص موجود ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ہو سکتا ہے:

1: جب عبادت کا ارادہ نہ ہو تو مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

2 جنگ کے لئے۔

جب نص تخصیص کر رہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کیلئے داخل ہوئے تھے کیونکہ مکہ مکرمہ اس گھڑی آپ کے لئے مباح کیا گیا تھا تو واضح ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا حکم باقی ہے، کیونکہ آپ نے کسی عبادت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا اور تخصیص کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوشریح العدوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا:

''جب وہ مکہ پر حملہ کیلئے لشکر بھیج رہا تھا، اے امیر! اگر اجازت ہو تو میں تجھ سے ایک حدیث پاک بیان کروں جو فتح مکہ کے دن صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی، جس کو میرے کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور میں اب بھی وہ منظر دیکھ رہا ہوں جب آپ یہ حدیث بیان فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی، پھر فرمایا: مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے، لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا، کسی ایسے شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے حلال نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے اور اس کے درخت کاٹے، اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کو بنیاد بنا کر یہاں قتال کو جائز سمجھتا ہو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت مرحمت فرمائی تھی، تمہیں نہیں۔ مجھے دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی تھی، پھر آج اس کی حرمت لوٹ آئی ہے جیسے کل تھی۔'' (متفق علیہ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''کوئی رسول اللہ کی جنگ کی بناء پر قتال کو جائز سمجھے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی تھی، تمہیں نہیں۔'' دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کی رخصت دی گئی تھی، پھر آپ کا ارشاد کہ آج مکہ کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی ہے، دلیل ہے کہ مکہ قیامت تک اسلام کا قلعہ رہے گا، ایسا نہیں جیسے الطحاوی نے فرض کیا ہے کہ اگر مشرک پھر مکہ پر غالب آ جائیں تو ان سے قتال جائز ہوگا۔ مکہ کی حرمت آج بھی کل کی طرح ہے، مشرکین کی طرف ہرگز نہ لوٹے گی۔ جب اجازت صرف قتال کیلئے تھی تو مطلب یہ ہوا کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے جو عبادت کے ارادہ سے داخل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے بعد الجعرانہ سے عبادت کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپ احرام باندھ کر داخل ہوئے۔

مندرجہ ذیل حدیث ہمارے اس قول کی دلیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو اہل شام کے لئے جحفہ کو اہل نجد کے لئے قرن المنازل کو اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا، اور فرمایا:

''یہ میقات ان علاقوں میں رہنے والوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہیں جو حج وعمرہ کے ارادہ سے دوسری جگہوں سے ان علاقوں میں آئیں اور جو ان میقات کے اندر ہوں وہ اس جگہ سے احرام باندھ لیں حتیٰ کہ اہل مکہ، مکہ سے احرام باندھ لیں۔'' (متفق علیہ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان مکہ مکرمہ میں اپنی حاجات وضروریات کیلئے آتے جاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کوئی منقول نہیں ہے کہ آپ نے کسی کو احرام باندھنے کا حکم دیا ہو۔

مثلاً: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (صلح حدیبیہ) کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، میں نے دیکھا کہ میرے دوست کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے بھی ادھر دیکھا تو وہ جنگلی گدھا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی، نیزہ اٹھایا اور سوار ہو گیا، ہوا یہ کہ میرا چابک مجھ سے گر پڑا، میں نے اپنے ساتھیوں سے جو احرام باندھے ہوئے تھے، چابک مانگا تو انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! ہم تمہاری بالکل مدد نہیں کریں گے۔''

میں خود اترا اور اٹھالیا، پھر سوار ہوگیا، میں نے اس وحشی گدھے کو ایک ٹیلے کے پیچھے پایا۔ میں نے اسے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کاٹ دیں، اسے اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض نے کہا: کھالو! بعض نے کہا: نہ کھاؤ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آگے تھے۔ میں نے گھوڑا دوڑایا اور آپ کو مل گیا (میں نے اس وحشی گدھے کا حکم پوچھا) تو آپ نے فرمایا:

''وہ حلال ہے اسے کھاؤ۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے؟''

صحابہ نے عرض کیا:

''حضور! اس کی ایک ٹانگ باقی ہے۔''

راوی فرماتے ہیں:

''وہ آپ نے لے لی اور اسے تناول فرمایا۔''

اس حدیث پاک سے دو اہم مسئلے مستنبط ہوتے ہیں:

1: ایک یہ کہ حضرت ابوقتادہ نے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور صحابی نے ان پر انکار نہیں کیا تھا، یہ چیز دلیل ہے کہ عبادت کا ارادہ نہ ہو تو بغیر احرام کے انسان مکہ جاسکتا ہے۔

2: دوسرا یہ کہ حلال شخص کا شکار محرم کیلئے کھانا جائز ہے، جبکہ اس نے محرم کے لئے شکار نہ کیا ہو، اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوقتادہ کو حلال (بغیر احرام کے) نہ سمجھتے تو ان کا شکار نہ کھاتے۔

اسی طرح الحجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی، تا کہ اپنا مال جمع کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی، حالانکہ وہ مسلمان تھے۔ (اسد الغابہ)

اسی طرح الصعب بن جثامہ اللیثی رضی اللہ عنہ جو کہ مہاجرین میں سے تھے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحشی گدھا ابوء یا بودان کے مقام پر پیش کیا تو آپ نے واپس فرمادیا، جب آپ نے ان کے چہرے پر ناگواری دیکھی تو فرمایا:

''ہم آپ کا یہ ہدیہ واپس نہ کرتے مگر ہم محرم ہیں۔'' (متفق علیہ)

کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت الصعب رضی اللہ عنہ محرم تھے، کیونکہ اگر وہ محرم ہوتے تو ان پر شکار کرنا حرام ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتا بھی دیتے کہ آپ کے لئے شکار کرنا جائز نہیں تھا، وہ وحشی گدھا اگر زندہ تھا تو محرم کے لئے اس کا ذبح کرنا بھی جائز نہ تھا اور اگر وہ گوشت کی شکل تھا جیسا کہ مسلم شریف کی روایات میں ہے، تو شاید انہوں نے آپ کیلئے شکار کیا تھا، اس لئے آپ نے نہ کھایا، دونوں میں یہ تو ثابت ہے کہ الصعب محرم نہ تھے۔

جس شخص کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو اس کے لئے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہیں، جو ہر مکہ میں داخل ہونے والے پر احرام کو واجب کرتا ہے تو وہ ایسی چیز واجب کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے واجب نہیں کی تھی، اس دلیل کو علامہ العینی اور ان سے پہلے ابن حزم نے نقل کیا ہے۔

مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ داخل ہونا مشاعر اسلام کی وجہ سے ہے نہ کہ حرم ہونے کی وجہ سے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حاجی پر عرفہ

میں احرام کے ساتھ ٹھہرنا واجب ہے حالانکہ عرفہ حرم نہیں حل ہے، پس یہ دلیل ہے کہ احرام مشاعر کی وجہ سے ہے نہ کہ مکہ کے حرم ہونے کی وجہ سے، مکہ کے حرم ہونے اور احرام کے درمیان فرق عبادات کی ادائیگی ہے، جیسے منیٰ میں رات گزارنا اور رمی جمار کرنا یہ دونوں افعال متحلل کے لئے بغیر احرام کے ہوتے ہیں حالانکہ منیٰ حرم کا حصہ ہے۔

جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا دلیل کے قیام سے پہلے تک براءۃ اصلیہ ہے اور اس پر دلیل موجود ہی نہیں۔

رہا حضرت ابن عباس کا قول:

"لا یدخل احد مکة الامحر ما"

''مکہ میں کوئی شخص بغیر احرام کے داخل نہ ہو۔''

یہ موقوف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی ان لوگوں کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے جو میقات کے اندر ہیں اور جو میقات سے باہر ہیں ان کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں، جیسا کہ امام عینی اور دوسرے ائمہ احناف نے نقل کیا ہے۔

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے یہی صحیح ہے، یہ شوافع کا مسلک ہے، مالکیہ اور حنابلہ کا دوسرا قول ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ میں سے بہت سے علماء کا میلان اسی قول کی طرف ہے، ان کے مذہب میں اظہر قول بھی یہی لکھا ہے جیسا کہ ان کی فروع میں ہے اور ابن مفلح نے اسے صحیح کہا ہے، اسی طرح ظاہریہ اور لاتعداد صحابہ و تابعین کا مسلک بھی یہی ہے۔

چھٹی دلیل اور اس کا جواب:

احناف مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر تعمیر مسجد کیلئے کھجور کاٹنے کی حدیث کو اور احد کے درخت سے پھل کھانے کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں، مکمل احادیث درج ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جب تم اس پر چڑھو تو اس کے درختوں سے کچھ کھایا کرو، اگرچہ کانٹے دار درخت سے ہو۔''

اس حدیث کو طبرانی نے الاوسط میں، ابن شبہ نے تاریخ مدینہ میں، الجندی نے فضائل مدینہ میں مرفوعاً اور عبدالرزاق نے موقوفاً ذکر کیا ہے۔

علمائے احناف فرماتے ہیں:

''کھانا کاٹ کر یا اکھیڑ کر ہی ہوتا ہے اور یہ حرم مکی میں جائز نہیں ہے، لیکن مدینہ میں اس کی اجازت دی گئی، جس کا مطلب ہے کہ مدینہ کی تحریم ویسی نہیں جیسی مکہ کی ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بنو النجار کو بلا کر فرمایا:

''تم مجھ سے قیمت لے لو۔''

انہوں نے عرض کی:

"ہم آپ سے قیمت نہیں لیتے۔ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا معاوضہ لیں گے۔"

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبور ختم کرنے کا حکم دیا تو وہ اکھیڑ دی گئیں۔ پھر کھنڈرات برابر کر دیئے گئے، کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے اور قبلہ شریف کی جانب ان کو گاڑ دیا گیا۔ (متفق علیہ)

احناف فرماتے ہیں:

"اگر مدینہ طیبہ حرم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کاٹنے کا حکم نہ فرماتے۔"

جواب سے پہلے ہم پہلی حدیث کے طعن کو بیان کرتے ہیں:

الجندی، الطبرانی اور ابن شبہ کی ایک سند میں عبداللہ بن تمام ہیں جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ان کا ذکر کیا ہے، مگر ان کے متعلق کوئی جرح و تعدیل کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

ابن شبہ کی پہلی سند میں عبدالعزیز بن عمران الاعرج اور عبداللہ بن زیاد بن سلیمان بن سمعان المخزومی ہے اور یہ دونوں راوی متروک اور متہم بالکذب ہیں۔

عبدالرزاق کی سند موقوف ہونے کے باوجود ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے جو متروک ہے، ایک راوی اس میں عبداللہ بن تمام ہے، جس پر بات ہو چکی۔

عبدالرزاق، الجندی، الطبرانی اور ابن شبہ کی ایک سند میں حدیث کا مدار عبداللہ بن تمام پر ہے اور دوسری سند میں ابن شبہ کے ہاں مذکورہ بالا متروک راویوں کے علاوہ عبداللہ بن عبید بن زینب ہے، اگر اس میں تصحیف نہ ہو تو بھی یہ سند متابعت کے قابل نہیں ہے، جیسا کہ علمائے حدیث پر مخفی نہیں ہے۔

اس حدیث کی عمدہ سند الجندی کی ہے اور ابن شبہ کی دوسری سند ہے اور وہ سند یوں ہے:

(("محمد بن حاتم بن ميمون، ابراهيم بن المنذر الحزامي، سفيان بن حمزه الا سلمیٰ، كثير بن زيد الاسلمي، عبد الله بن تمام زينب بنت نبی عن انس"))

لیکن اس سند میں ایسی چیز ہے جو اصل حدیث میں قدح کا باعث ہے، وہ یہ کہ حدیث دو قسموں میں منقسم ہے، پہلی مرفوع او دوسری حضرت زینب کا قول، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو مکمل ذکر کر کیا جائے تا کہ معاملہ واضح ہو جائے۔

((قال ابن شبه رحمة الله حدثنا محمد بن حاتم قال حدثنا الحزامي ، قال حدينا سفيان بن حمزة عن كثير بن زيد عن عبد الله بن تمام مولى ام حبيبة زوج النبی صلى الله عليه وسلم عن زينب بنت نبيط و كانت تحت انس بن مالك رضی الله عنه انها كانت ترسل ولا ندها فتقول اذهبوا الى احد فاتونی منبناته، فانلم يجدن الا عضاها فاتنی به فان انس بن مالك رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هذا جبل يحبا ونحبه فقالت زينب فكلوا من نباته ولو من عضاهه قالت فكانت تعطينا منه قليلا قليلا فنمضغه))

اس حدیث پاک کے یہ الفاظ:

(("كلو ا من نباته ولو من عضاهه"))

اس روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہیں۔ مرفوع صرف:

(("هذا جبل يحبنا و نحبه"))

کے الفاظ ہیں جو بخاری و مسلم نے حضرت انس وغیرہ نے نقل کیے ہیں۔

اس نص نے مرفوع اور موقوف کے درمیان فرق واضح کر دیا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے، کیونکہ حضرت زینب کے بارے اختلاف ہے کہ وہ صحابیہ ہیں یا تابعیہ۔ ان کی ماں اور خالو کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے زیور دیئے تھے، ابن حزم وغیرہ نے ان کو تابعیہ ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔!

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ احناف کے لئے اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے، مرفوع حصہ صرف جبل احد کی محبت کا ہے، درختوں کا کھانا حضرت زینب کا قول ہے، اس حدیث کے راوی اگر چہ الحافظ کے قول کے مطابق صدوق ہیں، لیکن تمام وہم اور خطاء کرتے تھے، شاید کثیر بن زید نے موقوف کو مرفوع بنایا ہے۔

اب صرف دوسری حدیث کا جواب باقی ہے۔ پہلی حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو دوسری حدیث کے ساتھ بھی اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

کھجور کے درخت کاٹنا ایک فعل ہے جو ہجرت کے فوراً بعد ہوا تھا جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ سے واضح ہے:

((قدم النبی صلی الله علیه وسلم))

دوسری روایت بخاری میں ہے اور یہ لفظ مسلم کی حدیث کے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور بنو عمرو بن عوف کے قبیلہ میں مدینہ کی اوپر والی جانب اترے اور آپ ان کے پاس چودہ دن رہے، پھر آپ نے بنو النجار کو بلا بھیجا، وہ تمام تلوار لٹکائے حاضر ہوئے، میں اب بھی گویا دیکھ رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تشریف فرما ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنو نجار کے سردار آپ کے ارد گرد تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب کے گھر کے صحن میں اترے، اور جہاں نماز کا وقت ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھ لیتے تھے حتیٰ کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر آپ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا اور بنو النجار کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا:

"اے بنو نجار! تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو۔"

تو انہوں نے عرض کیا:

"حضور! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے قیمت مانگتے ہیں۔"

حضرت انس نے فرمایا:

"اس میں جو کچھ تھا وہ میں تمہیں بتاتا ہوں: مشرکین کی قبور، کھنڈرات، کھجور کے درخت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبور کو اکھیڑنے کا حکم فرمایا تو وہ اکھیڑ دی گئیں۔ پھر کھنڈرات برابر کر دیئے گئے، پھر درخت کاٹ دیئے گئے اور کھجور کی لکڑیاں قبلہ کی جانب گاڑھ دی گئیں اور ان کی دونوں طرف پتھر لگا دیئے گئے، اس وقت صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پتھر لا رہے تھے اور رجز پڑھ رہے تھے:

اللهم لا عیش الا عیش الاخرة

فانصر الانصار والمهاجرة

''اے اللہ بھلائی صرف آخرت میں ہے تو مہاجرین وانصار کی مدد فرما۔''

یہ حدیث بڑی واضح ہے، کسی قسم کا کوئی التباس نہیں ہے کہ یہ ہجرت کی ابتداء کا واقعہ ہے، اس وقت مدینہ طیبہ حرم نہیں بنا تھا. اس وقت یہ حل تھا، پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ طیبہ کی حرمت ۷ ہجری یا ۶ ہجری کے آخر میں وارد ہوئی، پس اس میں احناف کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

وہ کھجور کے درخت جسے انسان خود لگاتا ہے، وہ حرم مکی ہو یا مدنی انہیں انسان کیلئے کاٹنا جائز ہے، یہ احناف کا بھی مذہب ہے بلکہ اس پر انہوں نے اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''خشک گھاس کے کاٹنے یا اس سے نفع اٹھانے میں کوئی جرم نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک حرم کی گھاس چرانا جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: چرانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہدایا حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں، اس لئے ان کو چرنے سے روکنا ممکن ہی نہیں ہے، پس اس میں ضرورت ہے۔ وہ کھیتی یا درخت جو لوگ عادۃً اگاتے ہیں ان کو کاٹنے یا اکھیڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک لوگ حرم میں کاشت کرتے ہیں اور کاٹتے بھی ہیں، کسی کا انکار ثابت نہیں۔''

اسی طرح جو عادۃً اگاتے نہیں ہیں لیکن اگر وہ اگا دیں جیسے کیکر وغیرہ تو اس کے کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اگر کوئی کاٹے تو حرم کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ اگانے کی وجہ سے اس کی ملکیت میں ہو گیا تھا، پس وہ حرم کا درخت نہ ہوا، یہ گویا اس درخت کی مانند ہوا جو لوگ عادۃً اگاتے ہیں، کئی دوسرے علماء نے اس قول کی موافقت کی ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ کھنبی کاٹنے کی اجازت دی ہے جو حرم میں پیدا ہوتی ہے، حالانکہ لوگ اسے نہیں اگاتے، جب علماء احناف دوسرے علماء سے اس بات میں متفق ہیں کہ انسان جو درخت عادتاً اگاتے ہیں، یا عادتاً تو وہ نہیں لگاتے مگر وہ انہوں نے لگا دیئے تو ان کا کاٹنا جائز ہے تو پھر حرم مدنی کی عدم تحریم پر کھجور کاٹنے کی حدیث سے کیسے استدلال کرتے ہیں۔؟

اسی طرح احناف نے جو احد کے درخت سے کھانے کے بارے میں حدیث پیش کی ہے اس کا جواب بھی احناف کے اپنے اقوال سے دیا جا سکتا ہے کہ جس درخت سے کھایا گیا تھا وہ ان درختوں سے تھا جو لوگ عادتاً لگاتے ہیں یعنی پھلدار درخت۔ احناف کا یہ دعویٰ کہ کھانا بغیر کاٹے اور اکھیڑے ممکن ہی نہیں، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ منہ کے ساتھ کھانے والا درخت کو نہ کاٹتا ہے اور نہ اکھیڑتا ہے اور پھل کھا لیتا ہے اور یہ حرم مکی میں بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔!

میں نے یہاں دوسرے مذہب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ میرا مقصود صرف احناف کے دلائل کا جواب ان کے اپنے اقوال سے دینا تھا۔

بے شک وہ درخت جن کا کاٹنا یا اکھیڑنا حرام ہے وہ ایسے درخت ہیں جنہیں انسان نہیں لگاتے بلکہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ حرم مکی اور حرم مدنی میں برابر حکم ہے، جس طرح احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

ساتویں دلیل اور اس کا جواب:

علمائے احناف فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی تحریم سے متعلق خبر واحد ذکر ہے اور خبر واحد عموم بلوی میں قبول نہیں کی جاتی۔

جواب: احناف کا یہ قول کہ خبر واحد عموم بلوی میں قبول نہیں ہوتی، یہ قول مردود ہے کیونکہ مدینہ کی تحریم متواتر ہے، خبر واحد نہیں ہے۔ بیس سے زیادہ صحابہ سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ علامہ ابن قیم ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''چھتیسویں مثال یہ ہے کہ حرم مدینہ کے متعلق جو سنت صریحہ محکمہ جسے بیس سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے، (احناف) اس کو رد کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کہ یہ اصول کے خلاف ہے اور اس کے معارض حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ''یا اباعمیر مافعل النغیر'' پیش کرتے ہیں (کہ اگر مدینہ حرم ہوتا تو ابوعمیر کو چڑیا پکڑنے سے منع کیا جاتا)۔ بڑا تعجب ہے، وہ کون سا اصول ہے جس کی مخالفت سنت نے کی ہے، حالانکہ احادیث بڑا اصول ہیں، اور پھر ابوعمیر کی حدیث کو اس اصول کی وجہ سے رد کیوں نہیں کیا جاتا۔؟''

میں کہتا ہوں میں نے پچیس صحابہ کرام کو شمار کیا ہے، اور یہ ان تابعین کے علاوہ ہیں جن کی مراسیل احادیث مدینہ طیبہ کی تحریم کے متعلق وارد ہیں، ان صحابہ کرام کے نام یہ ہیں:

1: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

2: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ۔

3: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

4: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔

5: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ۔

6: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ان تمام کی احادیث مسلم وغیرہ میں ہیں۔

7: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

8: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

9: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ۔

ان صحابہ کی روایات بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں۔

جن صحابہ کی روایات بخاری ومسلم کے علاوہ کتب میں ہیں ان کے نام یہ ہیں:

10: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

11: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔

12: حضرت عبادہ الزرقی رضی اللہ عنہ۔

13: حضرت ابوالحسن المازنی رضی اللہ عنہ۔

14: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔

15: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

16: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

17: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

ان تمام صحابہ کرام کی روایات مسند احمد میں ہیں۔

18: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

19: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔

ان کی احادیث الطحاوی میں ہیں۔

20: حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ۔

21: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ۔

ان کی احادیث الطبرانی وغیرہ میں ہیں۔

22: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث ابن حزم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

23: حضرت عدی بن زید رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث ابوداؤد میں ہے۔

24: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

ان کی حدیث عبدالرزاق اور ابن حزم نے روایت کی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی اصحاب النبی ہیں جنہوں نے حرمت مدینہ کی احادیث کو مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ان صحابہ کرام سے ان کی احادیث کے ہم معنی اقوال بھی منقول ہیں، یعنی صحابہ کرام کے اقوال وافعال سے بھی حرمت مدینہ کا ثبوت ملتا ہے۔

تعجب تو امام الطحاوی پر ہے کہ تحریم مدینہ کے متعلق گیارہ صحابہ سے متعدد روایات نقل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں یہ خبر واحد ہے۔

حالانکہ مدینہ طیبہ کی تحریم خبر واحد نہیں بلکہ خبر متواتر ہے۔شاید کم ہی کوئی متواتر حدیث ہوگی جس کے راوی تحریم مدینہ کی حدیث کے راویوں سے زیادہ ہوں۔

آٹھویں دلیل اور اس کا جواب:

احناف کی دوسری دلیل مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر ہے کہ درخت کاٹنے والے اور شکاری کے مال چھیننے کا حکم منسوخ ہے۔

پس نسخ کے دعویٰ سے علماء احناف کی اپنی کلام میں تناقض پیدا ہو گیا کیونکہ پہلے تو وہ خود اس کی حرمت کی نفی کرتے تھے، پھر انہوں نے اس کو ثابت کر دیا۔

فرماتے ہیں:

''مدینہ منورہ حرم نہیں ہے، اس کا شکار حلال ہے اور درخت کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔''

پھر خود ہی فرماتے ہیں:

''شکار کرنا معصیت تھا، مال کے ذریعے اس پر سزا دی جاتی تھی، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔''

امام الطحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

''حدیث سعد میں مدینہ طیبہ کے شکاری سے مال چھیننے کی اباحت کا حکم ہمارے نزدیک اس وقت تھا جب معاصی کی سزا اموال کے ذریعے دی جاتی تھی، اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زکوٰۃ کے بارے مروی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

جو خوشی سے زکوۃ ادا کرے گا اسے اجر ملے گا اور جو زکوۃ نہیں دے گا ہم اس سے زکوۃ بھی لیں گے اور اس کے مال کا نصف حصہ بھی۔ پھر یہ حکم سود کے نسخ کے وقت منسوخ ہو گیا۔ پھر اشیاء کا مواخذہ ان کی مثل کے ساتھ کرنے کا حکم ہوا اگر ان کی مثل موجود ہو اور اگر مثل نہ ہو تو قیمت کے ساتھ مواخذہ ہوگا اور حرم کی توہین کے ارتکاب کا مواخذہ بدن سے ہوگا نہ کہ مال سے، مدینہ طیبہ کے شکار کے متعلق جو حکم مروی ہے اس کی یہی وجہ ہے۔"

امام طحاوی کی کلام میں تناقض ہے جس سے انہوں نے بچنے کی کوشش کی تھی، شکاری اور درخت کاٹنے والا کیسے گنہگار ہے اور اس سے مال چھیننے کی سزا کیوں ہے؟ جبکہ وہ معصیت کا مرتکب ہی نہیں، جبکہ حرم کے لئے تحریم ثابت ہی نہیں اور جب شکاری اور درخت کاٹنے والا اگر مجرم ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے حرم کا ارتکاب کیا ہے، جبکہ احناف حرم کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے امام الطحاوی کا شدید رد کیا ہے۔

باب نمبر 7:

مکہ اور مدینہ دونوں کے درخت، گھاس اور شکار حرمت والے ہیں

مدینہ طیبہ کی حرمت پر دلالت کرنے والی جو عبارات احادیث میں مذکور ہیں بعینہ وہ الفاظ وعبارات مکہ مکرمہ کی حرمت کے لئے ہیں مثلاً: مدینہ طیبہ کی حرمت پر یہ الفاظ وارد ہیں، مدینہ طیبہ کا درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے گی، اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا مگر اونٹ کو چارہ ڈالنے کیلئے، عربی متن ملاحظہ ہو:

(("لا يعضد شجرها، لا يقطع عضاهها، لا يختلى خلاها، ولا تقطع منها شجرة الا ان نيعلف رجل بعيره، لا يخبط فيها شجرة الا لعلف، لا يخبط ولا يعضد ...... ولكن يهش هشار فيقا، لا يعضد شوكها لا يخبط شجره ولا يعضد الا ما يساق به الجمل"))

اب بعینہ یہی الفاظ اور عبارات حرم مکہ کے متعلق ملاحظہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

(("لا هجرة ولكن جهاد ونية واذا استنفر تم فانفروا فان هذا بلد حرم الله لا يعضد شوكه ولا ينفر صيده ولا يلتقط لقطته الا من عرفها ولا يختلى خلاها قال العباس يا رسول الله الا الاذخر فانه لقينهم وبيوتهم قال، قال الا الاذخر))

(متفق علیہ)

"اب مکہ سے ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو جاؤ۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے، اس کی گری ہوئی چیز کو نہ اٹھایا جائے مگر اس کے لئے اٹھانا جائز ہے جو اعلان کرے، اس کی نہ گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گھاس کو مستثنیٰ کیجئے! کیونکہ یہ لوہاروں اور سناروں کے کام آتی ہے اور اس سے گھر بنائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک

ہے، گھاس مستثنیٰ ہے۔"

ایک روایت کے الفاظ میں ہے:

(("لا یعضد شجر ھا"))

"اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا۔"

یہ مفہوم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس کے نہ کانٹے توڑے جائیں گے، نہ درخت کاٹے جائیں گے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی۔" (متفق علیہ)

یہ معنی و مفہوم متعدد صحابہ کرام سے وارد ہے۔

علماء نے مکہ مکرمہ میں درخت کاٹنے، گھاس کاٹنے، کی حرمت کا حکم جن الفاظ کی بناء پر لگایا ہے، بعینہ وہی الفاظ حرم مدنی کے متعلق وارد ہیں اور جمہور علماء امت کا مسلک بھی یہی ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ میں گھاس کاٹنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اسی طرح حرم مدنی میں گھاس کاٹنے کو بھی جائز قرار دیا۔

باب نمبر 8:

مکہ مکرمہ میں گری پڑی چیز اٹھانے کے متعلق احکامات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور صحابہ کرام نے خبر دی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا۔ مثلاً یہ حرم ہے، امن والا ہے، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے، اس کے شکار کو بھگایا نہ جائے، اس کے درخت کو کاٹا نہ جائے، اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے وغیرہ، اس موضوع پر بے شمار احادیث موجود ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((ما عھد الی رسول اللہ ﷺ شیئا خاصۃ دون الناس الا شی سمعتہ منہ فھو فی صحیفۃ فی قراب سیفی ...... واذا فیھا ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم المدینۃ حرم مابین حرھیھا و حماھا کلہ الا لمن اشاربھا))

(رواہ احمد واللفظ لہ۔ ابوداؤد واصل الحدیث فی الصحیحین)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لوگوں سے علیحدہ کوئی خاص بات نہیں کی، سوائے اس بات کے جو میں نے خود آپ سے سنی ہے، وہ اس صحیفہ میں ہے جو میری تلوار کی نیام میں ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔ دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان تمام کا تمام علاقہ حرم ہے، اس کا نہ گھاس کاٹا جائے گا، نہ شکار کو ڈرایا جائے گا، نہ اس کا گرا پڑا مال اٹھایا جائے گا مگر اس کے لیے اٹھانا جائز ہے جو اس کا اعلان کرے۔"

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے، الفاظ امام احمد کے ہیں اور اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((ما عھد الی رسول اللہ ﷺ شیئا خاصۃ دون الناس الا شی سمعتہ منہ فھو فی

صحیفة فی قراب سیفی ...... واذا فیھا ان ابراھیم حرم مکة وانی احرم المدینة حرم مابین حرھیھا و حماھا کلہ الا لمن اشاربھا ولا تقطع منھا شجرة الا ان یعلف رجل بعیرہ ولا یحمل فیھا السلاح لقتال))

(رواہ احمد واللفظ لہ۔ ابوداؤد واصل الحدیث فی الصحیحین)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لوگوں سے علیحدہ کوئی خاص بات نہیں کی، سوائے اس بات کے جو میں نے خود آپ سے سنی ہے، وہ اس صحیفہ میں ہے جو میری تلوار کی نیام میں ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔ دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان تمام کا تمام علاقہ حرم ہے، اس کا نہ گھاس کاٹا جائے گا، نہ شکار کو ڈرایا جائے گا، نہ اس کا گراپڑا مال اٹھایا جائے گا مگر اس کے لیے اٹھانا جائز ہے جو اس کا اعلان کرے، نہ اس کا کوئی درخت کاٹا جائے گا مگر اس شخص کیلئے کاٹنا جائز ہے جو اپنے اونٹ کو کھلائے، اس میں جنگ کی خاطر نہ ہتھیار اٹھایا جائے گا۔''

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے، الفاظ امام احمد کے ہیں اور اس کی اصل بخاری ومسلم میں ہے۔

(مسند احمد، ابونعیم وابن الجعد بسند حسن)

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گری پڑی چیز کا حکم پوچھنے کیلئے آیا تو آپ نے فرمایا:

''اس تھیلی کے سر کو باندھ کر رسی اور اس تھیلی کی پہچان کرلو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تم اپنے پاس رکھ لو۔''

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

''حضور! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیئے کیلئے ہے۔''

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

''حضور! گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟''

فرمایا:

''اس سے تجھے کیا کام؟ اس کے ساتھ اپنا پانی کا برتن بھی ہے (پیٹ کا پانی) اس کے ساتھ اس کا جوتا بھی ہے، پانی کے گھاٹ پر جائے گا، درختوں کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پکڑ لے گا۔'' (متفق علیہ)

مدینہ طیبہ کی حرمت پر دلالت کرنے والی جو عبارات احادیث میں مذکور ہیں بعینہ وہ الفاظ وعبارات مکہ مکرمہ کی حرمت کے لئے وارد ہیں مثلاً: مدینہ طیبہ کی حرمت پر یہ الفاظ وارد ہیں، مدینہ طیبہ کا درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے گی، اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا مگر اونٹ کو چارہ ڈالنے کیلئے، عربی متن ملاحظہ ہو:

((''لا یعضد شجرھا، لا یقطع عضاھھا، لا یختلی خلاھا، ولا تقطع منھا شجرة الا ان یعلف رجل بعیرہ، لا یخبط فیھا شجرة الا لعلف، لا یخبط ولا یعضد ....

ولکن یھش ھشار فیقا، لا یعضد شوکھا لا یخبط شجرہ ولا یعضد الا ما یساق بہ الجمل"))

اب بعینہ یہی الفاظ اور عبارات حرم مکہ کے متعلق ملاحظہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

(("لا ھجرۃ ولکن جھاد و نیۃ واذا استنفر تم فانفروا فان ھذا بلد حرم اللہ لا یعضد شوکہ ولا ینفر صیدہ ولا یلتقط لقطتہ الا من عرفھا ولا یختلی خلاھا قال العباس یا رسول اللہ الا الاذخر فانہ لقینھم وبیوتھم قال، قال الا الاذخر))(متفق علیہ)

"اب مکہ سے ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو جاؤ۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے، اس کی گری ہوئی چیز کو نہ اٹھایا جائے مگر اس کے لئے اٹھانا جائز ہے جو اعلان کرے، اس کی نہ گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گھاس کو مستثنیٰ کیجئے! کیونکہ یہ لوہاروں اور سناروں کے کام آتی ہے اور اس سے گھر بنائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، گھاس مستثنیٰ ہے۔" (متفق علیہ)

علماء نے مکہ مکرمہ میں گری پڑی چیز اٹھانے کی حرمت کا حکم جن الفاظ کی بناء پر لگایا ہے، بعینہ وہی الفاظ حرم مدنی کے متعلق وارد ہیں اور جمہور علماء امت کا مسلک بھی یہی ہے۔

امام سمہودی لکھتے ہیں:

"ہمارے اصحاب میں سے صاحب الانتصار نے حرم مکہ اور حرم مدینہ کو برقرار قرار دیا ہے یعنی ملکیت کے لئے گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے گی، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی حفاظت کے لئے اٹھائی جائے گی۔"

دارمی نے لکھا ہے:

"حرم مدنی کی گری ہوئی چیز کو حرم مکی کی گری ہوئی چیز سے لاحق نہیں کیا جائے گا۔"

علامہ سمہودی فرماتے ہیں:

"دلیل پہلے قول کی تائید کرتی ہے کیوں کہ اس کے متعلق احادیث میں نص وارد ہے، اگرچہ علماء نے مکہ کے ذکر میں خاص کیا ہے جو الفاظ سابقہ نصوص میں وارد ہیں وہی الفاظ حرم مکی و حرم مدنی کے متعلق وارد ہیں۔"

حرم مکی میں گری پڑی چیز کے اٹھانے کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

1: حل و حرم میں گری پڑی چیز کا حکم مختلف ہے۔

2: حل اور حرم میں گری پڑی چیز کا حکم ایک ہی ہے۔

پہلا مسلک امام شافعی اور امام احمد کا ہے اور بعض مالکیوں کا بھی یہی قول ہے، بلکہ الحافظ نے الفتح میں اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے، وہ یہ کہ حل اور حرم کی گری پڑی چیز کے احکام مختلف ہیں، حرم کی چیز کبھی بھی تملیک کیلئے نہ اٹھائی جائے گی بلکہ صرف اعلان کیلئے اٹھائی جائے گی اور اس کے مالک کیلئے اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اس کا اٹھانا حلال نہیں مگر صرف اس کیلئے جو ہمیشہ اس کا اعلان کرتا ہے اور

مالک نہ بنے، ایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی اٹھانے والا حرم کی چیز کا مالک نہ بنے گا، اس کا صرف یہی حکم ہے کہ ہمیشہ اعلان کرتا رہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو حرم میں ہو یا اہل حرم سے ہو، اگر کوئی دور کا ہو تو واپس جاتے وقت حاکم وقت کے حوالے کر دے۔

اس مسلک کے علماء نے حرم اور حل کے ''لقطہ'' (گمشدہ چیز) کے درمیان تفریق پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بنایا ہے، جس میں ہے کہ حرم کا لقطہ اعلان کرنے والے کیلئے اٹھانا حلال ہے، چونکہ حرم کے لقطہ کا ہمیشہ وہ اعلان کرتا رہے گا، ملکیت کی غرض سے نہیں اٹھائے گا، بلکہ مالک کی خاطر حفاظت کرنے اور اعلان کرنے کیلئے اٹھائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ حرم کا لقطہ نہ اٹھایا جائے گا، مگر اس کیلئے جائز ہے جو اس کا اعلان کرتا رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی فتح عطا فرمائی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو کعبہ سے روک دیا تھا مگر اپنے رسول مکرم اور مومنوں کو اس پر غلبہ عطا فرمایا ہے، مکہ مکرمہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا، اور میرے لئے بھی دن کی ایک گھڑی کیلئے مباح کیا گیا ہے، میرے بعد کسی کیلئے مباح نہ ہوگا، اس کے شکار کو بھگایا نہ جائے گا، نہ اس کے کانٹے توڑے جائیں گے، اس کی گری پڑی چیز حلال نہیں، مگر اس کے لئے جو اعلان کرے اور جس کا کوئی رشتہ دار قتل ہو جائے اس کیلئے دو صورتیں ہیں یا فدیہ یعنی دیت لے لے یا قاتل کو قصاصاً قتل کر دے۔''

حضرت عباس نے عرض کیا:

(('' یا رسول اللہ الا الاذخر))

''یارسول اللہ! اذخر (گھاس) کو مستثنیٰ فرما دیجئے! ہم اسے قبور اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الا ذخر مستثنیٰ ہے۔''

یہ اور اس کے علاوہ نصوص حرم کے ساتھ خاص ہیں اور سابقہ لقطہ کے بارے میں جو نص ہے اس کے لئے مخصص ہیں۔

حرم مدینہ کے لقطہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، گھاس نہ کاٹی جائے گی، نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا، نہ اس کی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے گا مگر اس کیلئے جو اعلان کرے۔

اس روایت کو امام احمد، ابوداؤد، بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں تھا کہ ہر نبی کا حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ ہے، نہ گھاس کاٹی جائے گی اور نہ کانٹے توڑے جائیں گے اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی مگر جو اعلان کرے۔

امام احمد، ابن الجعد، ابونعیم اور ابن جریر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، یہ دونوں احادیث حرم مدنی کی گری پڑی چیز اٹھانے کی حرمت پر واضح دلیل ہیں، مگر یہ صرف ہمیشہ اعلان کرتے رہنے کیلئے اٹھائی جائے گی اور یہ حل کی گری پڑی چیز سے حکم سے مختلف ہے۔

دوسرا قول مالکیوں اور حنفیوں کا ہے۔ امام احمد اور امام شافعی سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ حرم مکی اور مقام حل کی گری ہوئی چیز کا حکم برابر ہے، اٹھانے والا اس کا ایک سال تک اعلان کرتا رہے، پھر اس کا مالک بن جائے گا اور اس کیلئے یہ بھی جائز

ہے کہ اس کے مالک کیلئے اس کی حفاظت کرتا رہے، اس کی وجہ یہ کہ حدیث پاک میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ عام ہے، اس میں حرم و حل کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گری پڑی چیز کا حکم پوچھنے کیلئے آیا تو آپ نے فرمایا:

''اس تھیلی کے سر کو باندھ کر رسی اور اس تھیلی کی پہچان کر لو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تم اپنے پاس رکھ لو۔''

پھر اس نے پوچھا:

''حضور! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیئے کیلئے ہے۔''

پھر اس نے پوچھا:

''حضور! گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟''

فرمایا:

''اس سے تجھے کیا کام؟ اس کے ساتھ اپنا پانی کا برتن بھی ہے (پیٹ کا پانی) اس کے ساتھ اس کا جوتا بھی ہے، پانی کے گھاٹ پر جائے گا، درختوں کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پکڑ لے گا۔'' (متفق علیہ)

اس حدیث پاک میں لقطہ (گری پڑی چیز) کا لفظ عام ہے، حل کے لفظ کے ساتھ خاص نہیں، اس لئے انہوں نے اس کے ظاہر کو دلیل بنایا ہے اور آگے آنے والی حدیث کو اعلان میں مبالغہ پر محمول کیا ہے، کیونکہ حاجی اپنے شہر کی طرف لوٹ آتا ہے اور دوبارہ آنے کا سے موقع بھی نہیں ملتا یا آتا ہے تو مگر کئی سال کے بعد خصوصاً جبکہ اس کا شہر بہت دور ہو، اس لئے اٹھانے والے کو اعلان میں مبالغہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جن علماء نے حرم مکی اور حل کی گری پڑی چیز کا ایک حکم کا قول کیا ہے، انہوں نے حرم مدنی اور حل کی گری ہوئی چیز کا حکم برابر بیان کیا ہے۔ وہ علماء جنہوں نے حرم کی گری پڑی چیز کو اٹھانے کی حرمت کا قول کیا ہے ان میں سے اکثر نے حرم مدنی کی گری پڑی چیز کو ایک سال اعلان کرنے کے بعد تملیک کے طور پر اٹھانے کا قول کیا ہے، اور ان دونوں نصوں کو اعلان میں مبالغہ پر محمول کیا ہے، جیسے کہ حرم مکی کی گری ہوئی چیز کا حکم ہے، امام البلقینی نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں کی گری پڑی چیز کے حکم کو برابر قرار دیا ہے۔

☆☆☆

سہ سوم

تاریخ مکہ واہل وکعبۃ اللہ

نمبر1:

شہر مکہ اور کعبۃ اللہ کے بانی اور آباد کرنے والے

ت ابراہیم کے پاس فرشتوں کی آمد اور بیٹے کی خوشخبری:

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمانی کی۔(مشکوٰۃ:ص ۳۸۵)
ایک مرتبہ آپ کے پاس مہمان آئے۔آپ نے فوراً بچھڑا ذبح کیا اور ان کے سامنے پیش کر دیا۔ آنے والے مہمان فرشتے تھے وہ تے ہیں نہ پیتے ہیں۔گوشت سامنے رکھا ہوا ہے لیکن ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ یکھا تو خوف زدہ ہو گئے کہ یہ کون لوگ ہیں، عجیب سے لوگ معلوم ہوتے ہیں کھانا سامنے رکھا ہے کھاتے نہیں ہیں، نہ صرف دل ف زدہ ہوئے بلکہ زبان سے بھی کہہ دیا:

((اِنَّا مِنكُمْ وَجِلُوْنَ))

’’ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے۔‘‘

فرشتوں نے کہا کہ ڈریں نہیں! ہم آپ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا۔بیٹا ہونے کی بشارت دی اور اس ھ ہی پوتا ہونے کی بھی بشارت دے دی یہ بیٹا اسحٰق اور پوتا یعقوب علیہما السلام تھے، بیٹے کی بشارت سنی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام لگے:

((اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ))

’کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ چکا ہے، سو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو۔‘‘

((قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ))

’انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دی ہے۔سو آپ ناامید ہو جانے والوں میں سے مت بنیں۔‘‘

ز ان فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر عذاب لے آئیں۔وہیں حضرت ابراہیم م کی اہلیہ بھی کھڑی تھیں، انہیں ہنسی آ گئی۔ہنسی کس بات پر آئی؟ اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے کئی قول نقل کئے میں سے ایک قول یہ ہے کہ انہیں اس بات پر ہنسی آئی کہ ہم ان مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کو کھانا پیش کیا، لیکن ی نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ فرشتوں نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں، اس لئے مومنہ ن کی غفلت پر ہنسی آ گئی کہ دیکھو وہ لوگ کیسے غافل ہیں، عذاب قریب آ چکا اور وہ اپنی مستیوں میں لگے ہوئے ہیں۔فرشتوں نے راہیم علیہ السلام کی بیوی کو بھی بشارت دی اور کہا کہ تم سے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق علیہ السلام ہوگا اور پھر اس لڑکے کا لڑکا ہوگا یعقوب علیہ السلام ہوگا۔وہ کہنے لگیں: کیا میں اب جنوں گی جب بڑھیا ہو چکی ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں بڑھیا ہوں بلکہ میرے

یہ شوہر جو بیٹھے ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔

بوڑھے مرد بوڑھی عورت سے اولاد پیدا ہو یہ تو تعجب کی بات ہے، فرشتوں نے کہا: ہم تو تمہیں اللہ کی طرف سے بشارت دے رہے ہیں تمہیں اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے وہ جس سے چاہے اور جب چاہے اولاد پیدا فرما سکتا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں نے اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کی دعا دی اور کہا:

((رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ))

''اے ابراہیم! کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔''

((اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور بزرگ ہے۔''

حضرت اسماعیل اوران کی والدہ کی مکہ آمد:

اس کے بعد اسی بیوی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اسحٰق علیہ السلام رکھا گیا اور بعد میں اس صاحبزادہ کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یعقوب علیہ السلام رکھا گیا۔ اس بیوی کا نام حضرت سارہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی اور ہجرت کر کے ہمراہ آئی تھی۔ دوسری بیوی کا نام حضرت ہاجرہ تھا اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

رب کائنات نے جب اس لق ودق صحرا کو گل و گلزار اور چمن زار بنانے کا عزم مصمم فرمایا اور اس بے آب و گیاہ ریگستان کو درخشندگی و تابندگی سے معمور کرنا چاہا، اور ان سنگلاخ و ناہموار ٹیلوں کو عنبر فشاں اور گوہر بار بنانے کا ذوق فرمایا، تو نظم کائنات نے کروٹ بدلی، چرخ نیل گوں کی گردش میں انقلاب بپا ہوا، اور نظام ہست و بود کی نیرنگیوں میں زبردست تلاطم موجود ہو گیا۔

پھر کیا تھا؟ ایک نیک سرشت قافلہ ''ملک شام'' سے رواں دواں، کشاں کشاں عازم سوئے کوئے جاناں ہوا۔ اس قدسی صفات کارواں کے قدوم میمنت لزوم سے اس وحشت ناک بیابان کا مقدر جاگ اٹھا، وہ ہولناک و وحشت انگیز بیابان جس کی تپتی ریت سے آتش بگولے اٹھتے، مسموم ہواؤں کے جھکڑ چلتے اور جہاں ہر سو موت وہلاکت کے آثار ہویدا تھے، اس نوری کارواں کے دم قدم سے بقعہ نور اور تجلیات ربانی کا عظیم مرکز بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں منگل ہو گیا۔ جہالت و ضلالت کا عفریت دم بخود ہو کر رہ گیا۔ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے اور رشد و ہدایت کے لامتناہی چشمے پھوٹ نکلے، اور توحید کی ایسی عدیم النظیر شمعیں روشن ہوئیں جن کی ضیا پاشی سے ہفت افلاک بھی جگمگا اٹھے، برکات و فیوضات کا ایک سیل بیکراں جاری ہو گیا، اور باران رحمت ایزدی نے اس ارض پاک کو منور، مجلی اور معزز کی بنا دیا۔

گل چین ازل نے یہ نوری نہاد گلدستہ حسن و تجمل کے پیکر، نکہت گل کی رعنائیوں کے خوگر کچھ ایسے گل خنداں سے چنا کہ جس کی مہک نے عالم کون و مکان کو مشک بار، اور جس کی روح پرور حیات انگیز خوشبو نے کرۂ ارضی کو معطر اور جس کی گل ریزی نے عالم ہست و بود کو گلستان اور چمن زار بنا دیا۔

کفر و الحاد کی تاریکی نے خاکدان عالم کو اپنے گرفت میں لے رکھا تھا۔ ایران، ہند، مصر، یورپ اور براعظم افریقہ اس عالمگیر اندھیرے کی زد میں تھے، اعلائے کلمتہ اللہ اور دعوت توحید کے لئے چپہ بھر زمین ڈھونڈے بھی نہیں ملتی تھی۔ جہاں کوئی مرد حق آگاہ توحید خداوندی کی ایسی شمع فروزاں کر سکے، جس کی ضیا گستریوں سے کفر و الحاد کی ظلمات، رشد و ہدایت کا مینار بن کر ساری کائنات کو درخشندہ و تابندہ کر دے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جو حق گوئی و حق پرستی میں کوہ استقامت تھے، کفر و شرک کی طاقتوں سے ٹکرانے کیلئے آگے بڑھتے، شدائد و مصائب کے طوفان ان کے پائے استقامت میں سر مولغزش پیدا نہ کر سکے، اور یہ صبر و ہزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ہلا، لیکن اس کی راہ میں کچھ کوہ گراں بھی حائل تھے، جب ''کلمہ ان'' میں کلمۃ اللہ کی صدا بلند کی تو نمرود کی پنجہ کے فلک بوس شعلوں سے دوچار ہونا پڑا اور جب مصر کی سرزمین کو توحید کی تخم ریزی کیلئے زرخیز سمجھ کر قدم رنجا فرما ہوتے ہیں تو عفت مآب رفیقہ حیات سیدہ سارہ کے ناموس کو خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ ''فلسطین'' کو دعوت وارشاد کا مرکز بنانے کا عزم فرمایا تو وہاں آپ کی دل نشین آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔

اگرچہ آپ بعونہ تعالیٰ توحید خداوندی کا اعلان انتہائی مستعدی، بے باکی اور جرأت مندی سے فرماتے تھے، مگر شرک و بت پرستی کے عالمگیر غلغلہ میں بظاہر یہ آواز حق دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورۂ عالم کے صفحات نقشہائے باطل سے پوری طرح ڈھک چکے تھے۔ ایسے وقت میں ایک بے حد سادہ، بے رنگ و نمود اور نقش و نگار سے معرا اوراق درکار تھا، تاکہ اس کی پیشانی پر طغرائے حق لکھا جائے، جس سے اس کا سینہ نور معرفت کا گنجینہ اور اس کی سرزمین رشد و ہدایت کا لامتناہی سرچشمہ بن جائے۔ آخر ان کی متلاشی نگاہوں نے دنیا کے نقشے پر پھرتے پھرتے حجاز کے ویران، بیابان صحرا کو پسند فرمالیا، یہ خطہ ابھی تک تمدن و عمران کے داغ سے پاک تھا۔ اس کے ذروں میں آفتاب کی سی تمازت پنہاں تھی اور اس کے آتش فشاں پہاڑ ہدایت فشانی کے لئے مستعد تھے اور جو زمین کے تقریباً وسط میں ہونے کے باعث اپنی نورانی شعاعوں سے چار دانگ عالم کو یکساں طور پر منور کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

اس مقدس سفر کی تاریخ:

یہ مقدس سفر اس قدر عظیم المرتبت اور عدیم النظیر تھا کہ رب کائنات نے اپنی منزہ و مزکی مقدس آسمانی کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اس کی روئیداد تزک و احتشام اور ہر زبان کے ادیبوں اور قلم کاروں کی نگارش کا مرکز اور جولانگاہ قرار پائی اور غیب نے قرطاس ہستی پر اس ذی وجاہت سفر کی تاریخ ۲۲۰۰ قبل مسیح ارقام فرمائی۔

وہ مہ دیرین، خورشید و انجم، مہ جبین و طلعت زیبا، برگزیدہ و پاک باز، نیک سرشت و پاک نہاد، پیکر صدق و صفا اور لعل بدخشاں ان اسمائے مبارکہ سے موصوف تھے۔

قافلہ کے امیر:

اس قدسی صفات، پیکر صدق و صفا قافلہ کے امیر کارواں سیدنا ابراہیم تھے۔ ان کو ابراہیم، ابراہام، ابراھیم، براھم، ابرام اور براھمہ کے مبارک ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ والد کا نام تارخ ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام ''نونا'' تھا۔

نئی تحقیقات کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۲۱۶۰ قبل مسیح بابل کے شہر ''ار'' (UR) میں ہوئی، جو اس وقت جدید جغرافیہ میں ''عراق'' کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ موجودہ صدی میں ماہرین آثار قدیمہ کی کھدائی میں یہ شہر نمودار ہوا ہے جو خلیج فارس کے دہانہ فرات و عراق کے پایہ تخت بغداد کے قریب واقع ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد عجمی تھے اور عبرانی زبان بولتے تھے۔

(حاشیہ تفسیر ابن جریر، پارہ اول، صفحہ ۵۵) (تاریخ انبیاء، از ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۶۸)

مصنف عبد الرزاق اور معجم البلدان کی روایت میں آپ کا مقام پیدائش ''کوثا'' بیان کیا گیا ہے۔

تورات کے بیان کے مطابق کسدیوں کا شہر اُر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ولادت گاہ تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے موجودہ پاٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر اسی مقام پر واقع تھا جہاں اب ''مغیر'' نامی ٹیلا موجود ہے۔ ار کے مشرق میں ایک شہر ''اریدو'' ابو البحرین'' کے موجودہ مقام پر واقع تھا۔

گرامی میں ایک پیغمبر بھی "ابراہیم" کے نام سے موسوم ہے۔ ابراہیم عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی موجد عظمت ہے۔ سیدنا ابراہیم کی پیدائش کلدو کے مضافات میں ہوئی اور وصال فلسطین کے قریب "حبرون" میں ہوا۔

سلطنت بابل:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر سلطنت بابل اوج کمال پر تھی۔ اس کی مالی و اقتصادی حالت مستحکم، فوجی اور عسکری قوت زبردست تھی۔ دولت کثیر اور امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں اس قدر نخوت اور غرور پیدا کر دیا کہ شاہی معبد اعظم (بت خانہ) میں اس نے اپنے سونے کا بت سجا رکھا تھا اور رعایا کو حکم تھا اس کی عبادت کریں، اسی کو سجدہ کریں، اسی کی نذر و نیاز مانیں اور اسی سے حاجات میں مدد طلب کریں۔

سیدنا ابراہیم کی تبلیغ:

حق تعالیٰ نے اس گمراہ قوم کی ہدایت کیلئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو مبعوث فرمایا، بادشاہ کے گوش ہوش آوازِ حق سے قطعی نا آشنا تھے۔ توحید کی صدا اس کے دل میں تیر کی طرح گڑی۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہتا تو خدائی کے رتبہ سے اتر کر بندہ بننا پڑتا تھا۔ ایسا کرنا اس کیلئے ناممکن تھا۔ یہ معاملہ اس کے لئے گلے کا کانٹا بن گیا کہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ بالآخر وہ خلیل اللہ کا جانی دشمن بن گیا اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے میں ہی اپنی شاہی اور خدائی کی بقا اور اپنی ہستی کا دوام خیال کرنے لگا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا خاندان شاہ کا منظور نظر تھا۔ اس کے معاندانہ رویے سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے نونہال سے برہم ہو گیا۔

خاندان، قوم اور حکومت وقت کی ناقابل برداشت مخالفت کو دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے ترک وطن کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ تبلیغ توحید کے لئے کسی دوسری جگہ کو مرکز بنایا جائے۔ سیدہ سارہ اور سیدنا لوط بن ہاران دونوں نے رفاقت کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے کنعان کی طرف ہجرت کی اور چلتے چلتے مصر پہنچ گئے۔ جہاں اس وقت رقیون نامی بادشاہ تھا۔ جو بابل ہی کا قدیم باشندہ تھا۔ اس بادشاہ کے نام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

بابل سے ہجرت:

بعض تواریخ میں ہے کہ سیدنا ابراہیم بابل سے اپنے بھتیجے سیدنا لوط اور اپنی چچازاد بہن سیدہ سارا کی معیت میں ہجرت کر کے مصر تشریف لے جا رہے تھے کہ جب منزل بمنزل چل کر قصبہ "حران" میں پہنچے تو یہاں سارا کو عقد ازدواج میں لائے، اور یہ اب ان کی حرم محترم بن گئیں۔

امام بخاری سیدنا ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ مصر کو اطلاع دی گئی کہ ایک نووارد آدمی یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حسین و جمیل بیوی بھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا:

"تمہارے ساتھ کون ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"میری بہن (چچازاد بہن)"

بادشاہ نے سارہ کو بلایا۔ پیش ہونے سے قبل حضرت ابراہیم نے سارہ کو مطلع کر دیا تھا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہے اور اس نے تیرے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اسے کہا کہ یہ میری بہن ہے، اور تو جانتی ہے کہ روئے زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی بھی مومن نہیں ہے (گویا کہ ایمانی رشتہ میں ہم دونوں بہن بھائی ہیں) لہٰذا تم میری بات کی تصدیق کرنا۔ جب آپ اس کے دربار میں حاضر ہوئیں

تو بادشاہ نے برے ارادہ سے آپ کی طرف دست تصرف دراز کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا۔ گھبرا کر چلایا کہ سارہ تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے، میں تجھے قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی۔ مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی شدید گرفت کی۔ پھر اس نے لجاجت اور انکساری سے کہا:

''سارہ! اب کی بار خدا کی بارگاہ میں دعا کر کے مجھے نجات دلا دے، میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا۔ بہرحال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا، یہ تو کوئی جن ہے (وہ لوگ جنوں کی عظمت کے معتقد تھے) اس کی خدمت گزاری کے لئے ہاجرہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جب سارہ واپس آئیں تو سیدنا ابراہیم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں خوشخبری سنائی کہ اللہ پاک نے ظالم کے کید و فریب سے نجات مرحمت فرمائی ہے اور اس نے ہاجرہ کو ہماری خدمت کے لئے سپرد کر دیا ہے۔''

(بخاری، جلد ۱ صفحہ ۴۷۴)

سیدنا ابی ہریرہ فرماتے ہیں:

''اے آسمان کے پانی کی اولاد! (یعنی عرب کے لوگو!) یہ ہے تمہاری ماں۔''

علامہ عسقلانی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اسلام سے قبل لوگ جنوں کی بے حد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور جو بھی خوارق عادت واقع رونما ہوتا، تو اسے جنات کا تصرف اور فعل گردانتے تھے۔ اسی بنا پر اس جبار بادشاہ نے سیدہ سارہ کو تعظیماً جنی کہا تھا۔'' (فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۳۰۴)

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

قدیم عربی کتابوں میں یہ لفظ ''ہاجر'' استعمال ہوا ہے، جو فی الحقیقت عبرانی لفظ ''ہاغار'' ہے۔ جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ یہ فرعون مصر کی شہزادی تھی۔ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نابلس شہر جو فلسطین کے غربی اطراف میں واقع اور کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا سے چل کر مصر پہنچے، تو وہاں کے بادشاہ نے سارا کی شخصیت اور کرامات سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں کی حکمران قوت عرب کی سامی قوم تھی جس سے آپ کے نہایت قریبی نسبی تعلقات بھی تھے۔ لفظ ہاجرہ کا عبرانی ہونا بھی اس دعویٰ کی بین دلیل ہے اور فرعون کا ہاجرہ کو آپ کی خدمت کیلئے وقف کر دینا بھی اس بات کی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا۔ یہ محض قیاس آرائی ہی نہیں بلکہ یہودی روایات بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

یہود کی معتبر تاریخ سفر الیشیاء میں مذکور ہے کہ ابراہیم کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ ان کا ہم وطن تھا۔ تورات کا مشہور مفسر ابی شلوم تکوین (۱۰۱۶ء) کی تفسیر میں لکھتا ہے:

ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا:

''اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا، دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے۔''

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے سیدہ سارہ کی خدمت گزار تھیں۔ بادشاہ نے سیدنا ابراہیم اور سیدہ سارہ کے تقدس سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی اس مقدس جوڑے کی خدمت کیلئے ان کے حوالے کی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں وہ اسرائیلی خرافات بھی طشت از بام ہو جاتی ہیں جن میں سیدہ ہاجرہ کے عربی النسل خاتون ہونے کا انکار کیا گیا، اور انہیں اسی طرح کی ایک لونڈی گردانا گیا جو قدیم معاشرہ میں رسوائے زمانہ اور حقوق انسانی سے محروم ایک شجر

ممنوعہ سمجھی جاتی تھی۔ جب کہ یہ لونڈی یا باندی نہیں بلکہ بادشاہ مصر کی شہزادی تھیں۔

امام سہیلی علیہ الرحمۃ روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں: جس بادشاہ مصر نے سارہ کی طرف دست تصرف دراز کیا تھا اس کا نام سنان بن علوان تھا جو ضحاک کا بھائی تھا، اور ابن ہشام نے اس کا نام عمرو بن امری القیس بن بابلیوں بن سبا لکھا ہے اور سیدہ ہاجرہ مصر کے قبطی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی شہزادی تھیں۔ (روض الانف، صفحہ ۱۱، ۲)

یہی قول علامہ عسقلانی کا ہے۔ ہاجرہ کا باپ قبطی بادشاہ تھا، جو مصر کے مضافات میں قصبہ "حفن" کے باشندہ تھا۔
(فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۳۰۴)

المحدث الشہیر والفقیہ النبیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری الباری ارقام فرماتے ہیں:

"انہیں "ہاجرہ" اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے شام سے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی اور بادشاہ نے سیدہ سارہ کی جب کرامت ملاحظہ کی اور اللہ رب العزت کے ہاں ان کے بلند مقام کا جب اسے علم ہوا تو ان کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو ان کے حوالے کر دیا۔" (مرقاہ، جلد ۱۱، صفحہ نمبر ۱۰)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام:

اسماعیل یا اسماعین عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی "شماع ایل" کے ہیں۔ شماع (سماع) سننا اور ایل (اللہ) جس کے لفظ معنی خدا کا سننا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی دعا اور سیدہ ہاجرہ کی فریاد سنی تھی (یعنی دونوں نے بارگاہ خداوند قدوس میں اولاد کے لئے دعا کی تھی جسے اللہ کریم نے شرف قبولیت سے نوازا) اس لئے مولد کا نام "شماعی" رکھا اور یہ مبارک نام اولاد آدم میں سب سے پہلے انہی کا رکھا گیا تھا۔

علامہ قرمانی ارشاد فرماتے ہیں:

"اسماعیل" عجمی لفظ ہے اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ اسماعیل "لام" کے ساتھ اور اسماعین "ن" کے ساتھ بھی۔"
(کتاب الاخبار الدول، صفحہ ۳۱)

سیدنا اسماعیل اس عالم آب و گل کی نیرنگیوں میں جب قدم رنجہ فرما ہوئے تو عرش نیلی فام آس وقت ۲۰۷۴ عم کا نقارہ بجا رہا تھا۔ اور جب یاران وفا کیش ان کے انتقال پر ملال کی اندوہناک خبر سن رہے تھے تو اس وقت گردش ایام ۱۹۳۷ قبل مسیح کے محور کے گرد گھوم رہی تھی۔ گویا کہ اس عالم ناہنجار اور دار ناپائیدار میں مستعار زندگی کی ۱۳۷ منزلیں طے کر کے آفتاب ابراہیمی برزخ کا نقاب اوڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حطیم میں غروب ہو گیا۔ (تفسیر ابن جریر، حاشیہ پارہ اول)

سیدنا اسماعیل کی ولادت باسعادت ارض فلسطین میں ہوئی اور وہاں سے پدر بزرگوار سیدنا ابراہیم اور والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کی معیت میں مکہ معظمہ کی سرزمین میں وارد ہوا اور سرزمین مکہ ہی آپ کا مدفن بنی۔ (قسم مکۃ المکرمہ، صفحہ ۲۰)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے مختلف شہروں کے طویل سفر کے بعد عرب اور شام کی سرحد کا رخ کیا۔ بحرمیت کے پاس اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو آباد کیا۔ اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق کے لئے کنعان (فلسطین) کا مقام منتخب کیا۔ اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز میں بحر احمر کے ساحل پر اس مقام پر بسایا جسے ان کے انتساب سے آج تک مدین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی مقدس وادی میں سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی جائے سکونت مقرر فرمائی۔ یہ تمام مقامات ایسی شاہراہوں پر واقع تھے، جن پر مصر و شام سے حجاز و یمن اور حجاز و یمن سے مصر و شام آمد و رفت کے لئے تاجروں سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے، ایک تو یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد ورفت کی وجہ سے انہیں ضروری سامان اور غلہ وغیرہ دستیاب ہونے میں تکلیف نہیں ہوگی اور ساتھ ہی سوداگری میں وہ بھی سہولت سے شرکت کر سکیں گے اور دوسرا مقصد تبلیغ کا تھا کہ توحید خداوندی کی تبلیغ کے لئے یہ بین الاقوامی گزرگاہیں بہترین مراکز ثابت ہوں گی اور اس طرح عراق وشام کے جبارو قہار بت پرست وکواکب پرست قوموں سے کنارہ کش ہو کر دین حنیف کی تبلیغ وترویج پورے انہماک سے کر سکیں گے۔

سیدنا ابراہیم کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں نورانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا، وہاں خداوند قدوس کے نام سے ایک پتھر نصب کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ اس قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ نے بھی بنائے تھے اور آخر میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر فرمائی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں بارہ دفعہ مذکور ہے۔ اور وہ مقامات یہ ہیں:

سورت	آیات نمبر	سورت	آیات نمبر
البقرہ	۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰	ابراھیم	۳۹
آل عمران	۸۴	مریم	۵۴
النساء	۱۶۳	الانبیاء	۸۵
الانعام	۸۶	صٓ	۴۸

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''کافروں نے ابراہیم کے خلاف بڑی سازشیں کیں لیکن ہم نے ان (کافروں) کو ذلیل وخوار کیا۔ ابراہیم نے کہا: ''میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں، ان شاء اللہ وہ مجھے راہ راست پر چلائے گا۔ اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔''

ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ بیٹا اس کے ساتھ کام کاج کرنے اور دوڑنے بھاگنے کے قابل ہو گیا تو ابراہیم نے کہا: ''اے بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، بتا تیرا کیا خیال ہے؟'' بیٹے نے کہا: ''ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریں۔ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔''

پھر جب وہ دونوں (باپ بیٹا) اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے فرماں بردار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پہلو کے بل لٹالیا تو ہم نے پکارا: ''ابراہیم! تو نے واقعتاً خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہم نے اسماعیل کی جان بچالی اور اس کی یادگار کے طور پر عظیم قربانی رائج کی اور بعد میں آنے والوں کی زبان پر اس کی اچھی تعریف جاری کی۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔'' (الصافات: ۹۸ تا ۱۱۰)

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرکز اور گہوارۂ امن بنایا۔ تم مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرو۔ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجدہ میں مشغول رہنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھا کرو۔''

ذرا تصور کیجئے جب ابراہیم نے دعا کی تھی:

''اے میرے پروردگار! اس جگہ کو پُر امن شہر بنا دے اور یہاں رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمانا، خصوصاً جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور جو شخص کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دیر کے لیے یہ فوائد عطا کروں گا، پھر اسے (موت کے بعد) آگ کے عذاب کی طرف کھینچ لاؤں گا۔ اور یہ بدترین ٹھکانا ہے۔''

اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ دعا کرتے تھے:

''اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ کام قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی خوب سننے جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ''اُمتِ مسلمہ'' پیدا فرما اور ہمیں مناسک حج سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرہ: ۱۲۵ تا ۱۲۸)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کے واقعات اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ منسلک رہے ہیں، مثلاً: ذبح وغیرہ کے واقعات جن کی بنا پر آپ ''ذبیح'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ اسی طرح آپ کا اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ کا سفر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کئی بار تشریف لائے۔ ایک دفعہ جب وہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کعبہ تعمیر کیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ اور ان کی والدہ محترمہ بیت اللہ کے ساتھ حجر (حطیم) میں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم!

خاندان ابراہیم کا مکہ میں ورود مسعود:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ''ملک شام'' فلسطین میں اقامت گزیں تھے، جہاں برسوں کی آہ و زاری کے بعد فرزند ارجمند سیدنا اسماعیل مرحمت ہوئے۔ ابھی آپ ایام شیر خوارگی ہی میں تھے کہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا:

''اے خلیل! ہم کعبۃ اللہ کی تطہیر و تنظیف اور تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس عظیم الشان خدمت پر آپ کو مامور کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے، آپ اسے پاک صاف کر کے طواف اور نماز سے آباد کریں، سر دست اپنے چہیتے لخت جگر اور رفیقہ حیات کو اس سنسان بیابان میں چھوڑ آئیں۔''

ادھر جبرئیل امین براق لے کر حاضر خدمت ہو گئے تاکہ تعمیل ارشاد ربانی میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنی مونس و غمگسار زوجہ مکرمہ، حیا جن کا نقاب اور وفا اوڑھنی تھی اور معصوم و شیر خوار بچہ جو پیہم دعاؤں اور برسوں کی التجاؤں کے بعد نصیب ہوا تھا، کے جلو میں براق پر سوار ہو کر اس تاریخی سفر کا آغاز فرماتے ہیں۔ دوران سفر جب کسی بستی سے گزر ہوتا، تو جبرئیل سے دریافت فرماتے کیا یہی ہمارا مقصود سفر اور منتہائے منزل ہے؟ جبرئیل امین عرض کرتے: نہیں! ابھی آپ کا سفر جاری ہے۔ چلتے چلتے آپ ایک ایسے خطہ زمین پر پہنچ گئے جس کی زینت خار دار جھاڑیاں اور ببول کے درخت تھے۔ ہر سو خشک اور بے آب و گیاہ گھاٹیاں جلوہ نما تھیں۔ یہی ان کا گوہر مقصود اور مطلوب و محبوب جگہ ''المکۃ المکرمۃ'' تھی۔

بیت اللہ شریف کی جگہ اس وقت ایک ناہموار سرخ ٹیلہ کی شکل میں تھی۔ اسے دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے جبرئیل امین سے دریافت فرمایا:

''کیا یہی جگہ بیت اللہ ہے جس کی تعمیر کا ہمیں حکم ملا ہے؟''

جبرائیل عرض پرداز ہوئے، اس سرخ ٹیلہ کی جگہ آپ نے بیت اللہ شریف تعمیر کرنا ہوگا۔

چنانچہ آپ نے اپنی رفیقہ حیات اور فرزند دل بند کو زمزم والی جگہ پر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا اور استراحت کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے واپس چل پڑے۔

اس وقت تک وہاں نہ تو کوئی انسانی آبادی تھی، نہ ہی پانی کا کہیں نام ونشان پایا جاتا تھا اور نہ ہی زندگی کی بقاء کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر آتا تھا۔

((ولیس بمکۃ یومئذ احد ولیس بھا ماء))

''اس وقت مکہ میں نہ کوئی انسان تھا اور نہ ہی پانی۔''

البتہ اطراف واکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا، جو بعد میں سیدنا اسماعیل کے ازدواجی سلسلہ سے منسلک ہو گیا، ابراہیم چند کھجوریں اور پانی کے چند گھونٹ پیکر شرم وحیا بیوی اور لخت جگر کے سپرد کر کے الوداعی سلام کرتے ہوئے وطن کو مراجعت کرنے لگے، کیونکہ اس وقت بارگاہ خداوندی سے وہاں قیام کی اجازت مرحمت نہیں ہوئی تھی، جب آپ کے چلنے کی تیاری دل وجاں سے نثار رفیقہ غمگسار نے دیکھی تو دامن تھام کر عرض پرداز ہوئی:

''اس لق ودق صحرا اور چٹیل میدان میں ہمیں یکہ وتنہا چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ یہاں نہ تو کوئی مونس ومددگار ہے اور نہ ہی حیات ناپائیدار کو سہارا دینے کے لئے کوئی چیز موجود ہے۔''

لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے سنی ان سنی کر دی۔ رخ انور پھیر کر ان کی طرف دیکھا تک بھی نہیں۔ سیدہ ہاجرہ محبت بھرے لہجہ اور الفت وشفقت سے پھر پکارتی ہیں کہ ان خشک پہاڑیوں اور گرم ریگ زاروں میں کس کے سپرد کئے جارہے ہیں؟ مگر بار بار التجا کرنے کے باوجود بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو سیدہ ہاجرہ ورطہ حیرت میں پڑ گئیں:

''بارخدایا! میرے رحم دل وشفیق شوہر، ہنس مکھ اور شگفتہ دہن خاوند آج اس قدر بے التفاتی اور بے رخی کا مظاہرہ کیوں فرما رہے ہیں؟''

پھر خیال آیا شاید یہی مشیت ایزدی ہو۔ چنانچہ استفسار کرتی ہیں:

''کیا آپ کو اللہ جل شانہ نے ہمیں چھوڑ جانے کا حکم فرمایا ہے؟''

تب سیدنا ابراہیم شگفتہ دہن ہوتے ہیں:

''ہاں یہی مشیت ایزدی ہے۔''

یہ سنتے ہی سیدہ ہاجرہ طمانیت وسکون کے ساتھ عرض کرتی ہیں: پھر آپ بڑے شوق سے تشریف لے جائیں:

((اذن لا یضیعنا))

''اب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''

ہمیں اسی کا بھروسہ اور سہارا ہے، وہی محافظ ونگہبان ہے۔ سیدہ ہاجرہ واپس لوٹ آئیں اور اپنے نور نظر لخت جگر کو گود میں لے

کر اس سنسان سنگستان میں بے یار و مددگار بیٹھ گئیں۔

(بخاری شریف کتاب الانبیاء)(البدایہ والنہایہ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۴)(زاد المسیر جلد ۲، صفحہ ۳۶)

حضرت ابراہیم کی دعائیں:

سیدنا ابراہیم اپنے دھیان میں چلتے چلتے جب ثنیہ نامی ٹیلہ کے قریب پہنچے (یہ جگہ محلہ شبیک کی جانب واقع ہے) جہاں انہیں اس بات کا وثوق ہو گیا کہ ہاجرہ نہ تو اب میرا پیچھا کر رہی ہیں اور نہ ہی یہاں تک ان کی نظریں کام کر سکتی ہیں۔ اب وہ مکمل طور پر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں، تو کعبۃ اللہ کی جانب چہرۂ انور کر کے نہایت انکساری اور تذلل کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں اس طرح دعا کرتے ہیں:

((ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰة فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرون))

(سورۂ ابراہیم)

''اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب ایک چٹیل میدان میں جو نا قابل زراعت ہے آباد کرتا ہوں تا کہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما دے اور انہیں پھلوں سے رزق مرحمت فرما دے تا کہ تیرا شکر ادا کریں۔''

اللہ رب العزت نے آپ کی دعا کو اس طرح شرف قبولیت سے نوازا کہ ہزار ہا سال گزر جانے کے باوجود اس کے اثرات آج بھی پوری طرح موجود ہیں، بلکہ روز افزوں ترقی پذیر ہیں۔ وہ شہر جہاں چار سو پہاڑ ہی پہاڑ تھے، دعائے ابراہیمی کی برکات سے دنیا جہاں کے پھل مل رہے ہیں۔ طائف کی وادی جو مکہ مکرمہ کے قریب ہی واقع ہے آب و ہوا اور زراعت کے لحاظ سے بالکل ہی مختلف ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے شام کی زمین کا کچھ حصہ کاٹ کر طائف کی جگہ آباد کر دیا۔ جو بے حد زرخیز اور سرسبز و شاداب ہے۔''

طائف کی زمین حجاز کی جان ہے۔ وہاں پانی کی فراوانی، انواع و اقسام کے پھل اور دل موہ لینے والے باغات ہر سو رونق افروز ہیں۔

تعمیل ارشاد خداوندی کا ایسا عدیم النظیر اور قابل رشک مظاہر کہ جسے دیکھ کر چشم فلک بھی خیرہ ہو گئی اور اقوام عالم ایسی نادر الوجود مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ واپسی کے حکم کو عملی جامہ پہنانے میں اتنی دیر بھی گوارا نہیں فرمائی کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو تسلی اور تشفی دیتے کہ کبیدہ خاطر اور مضمحل نہ ہونا۔ مجھے تو بارگاہ رب ذوالجلال سے فی الفور واپسی کا حکم ملا ہے۔ وہی تمہارا حافظ و نگہبان ہے، بلکہ بلا چون و چرا اور بغیر کسی ادنیٰ سے تأمل کے فوراً واپس روانہ ہو گئے اور اپنی عفت مآب بیوی سے کوئی راز و نیاز کی بات تک نہیں کی۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۵)

علامہ قرمانی فرماتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم کے واپس تشریف لے جانے کے بعد سیدہ ہاجرہ نے حطیم والی جگہ ایک جھونپڑی بنائی تھی جس میں رہائش پذیر ہو گئیں۔'' (کتاب اخبار الدول، صفحہ ۳۲)

علامہ مسعودی کی نقل کردہ روایت کے مطابق:

''سیدنا ابراہیم نے واپس جاتے وقت آپ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں رہنے کے لئے جھونپڑا بنا لینا۔'' (مروج الذہب، جلد ۱، صفحہ ۴۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا یہ کی:

''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا، ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں، میں ان لوگوں سے بیزار ہوں، جو شخص میرا اتباع کرے اور توحید کی راہ پر چلے وہ میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے وہ میرا نہیں ہے، تو اسے ہدایت دے کر مغفرت کے راستے پر ڈال دے اور اس پر رحم فرما۔''

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی عرض کیا:

''اے اللہ! میں تیرے معظم گھر (کعبہ شریف) کے قریب اس وادی (میدان) میں اپنی بعض اولاد کو چھوڑ رہا ہوں، یہ میدان کھیتی والا نہیں ہے، حکم کی تعمیل میں یہاں قیام کرا رہا ہوں، میری اس ذریت کو اور اس کی نسل کو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق دینا۔ میں انہیں یہاں اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ نماز قائم کریں، میری نسل کے یہ لوگ خود بھی دین پر چلنے والے بنیں اور دوسروں کے لیے بھی مقتدا بن جائیں۔ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دیجئے تا کہ ایمان اور اعمال صالحہ سیکھ سکیں۔''

یہ تو ان کی دینی زندگی کے لیے دعا کی اور دنیاوی زندگی اور غذا کے لیے یوں دعا کی:

''اے ہمارے رب! انہیں پھل عطا فرمانا تا کہ یہ شکر گزار ہوں کو یہ جگہ ایسی ہے جہاں چٹیل میدان ہے اور ہر طرف سنسان ہے لیکن آپ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پھل نصیب فرما۔''

اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں، ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے اور ان کی نسل کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے مالا مال فرمایا اور انہیں مقتدا ہونے کی شان بھی عطا فرمائی ان کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے، نیز انہیں رزق بھی خوب عطا فرمایا۔

دعاؤں کی قبولیت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج و زائرین سب ہی کھاتے ہیں۔

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے، ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف و اکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آ رہے ہیں، شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے، مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے، نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعت کاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

ہاجرہ کا صبر و شکر:

جوامع التاریخ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ کے پہاڑوں میں چھوڑ دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ کی چٹیل زمین میں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے گئے، ان کے گزارے کے لیے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور مشکیزے میں پانی رکھ دیا، جب واپس ہونے لگے تو ان کی اہلیہ پیچھے ہو لیں کہنے لگیں کہ ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں، یہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد نہ اور کوئی چیز ہے، انہوں نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن

حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے آخر میں اس مومنہ خاتون نے کہا:

''کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ کہنے لگیں:

''پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا۔''

جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں، سات مرتبہ صفا مروہ پر آنا جانا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچے کے قریب فرشتے کی ایڑی مارنے سے چشمہ جاری فرما دیا۔ دونوں ماں بیٹے وہیں رہتے رہے، پھر قبیلہ بنی جرہم بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا۔ یہ قبیلہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ کی مقبولیت کا اولین مصداق تھا۔

اپنے فرزند کے لئے دُعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کی خبر لینے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو بنی جرہم میں ان کی شادی بھی ہو گئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا جسے پہلے فرشتوں نے پھر آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کی وجہ سے دیواریں مسمار ہو گئی تھیں اور عمارت کا ظاہری پتہ بھی نہ رہا تھا جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا چونکہ اس جگہ کے قریب اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا تھا، اس لئے دعا میں یوں عرض کیا:

((اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔))

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے سے رخصت ہو کر آگے بڑھے تو قبلہ رخ ہو کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ شریف کی اٹھی ہوئی جگہ نظر آتی تھی جو ٹیلہ کی شکل میں تھی اور بیوی بچہ نظر سے اوجھل تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے۔

یہ تو معلوم تھا کہ یہاں اللہ کا گھر ہے لیکن خصوصی طور پر متعین کر کے جگہ معلوم نہیں تھی، جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ شریف بنانے لگے تو انہیں متعین طور پر کعبہ شریف کی جگہ بتا دی گئی جسے سورۂ حج کی آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں بیان فرمایا۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اہل مکہ مشرک ہو گئے، بتوں کی پوجا کرنے لگے اور کعبہ شریف تک میں بت رکھ دیئے۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے، آپ نے توحید کی دعوت دی اور توحید کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی محنتیں کیں اور قربانیاں دیں جس کی وجہ سے اہل مکہ پھر توحید پر آ گئے اور دنیا بھر کے قلوب ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور کعبہ شریف بتوں سے پاک وصاف ہو گیا۔

اولاد کے نمازی ہونے کیلئے فکرمند ہونا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں آپ کے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اور ساتھ ہی لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ بھی کہا تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل الاعمال ہے، نیز معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کی نماز کے لیے فکرمند رہنا کہ وہ نماز قائم کریں یہ بھی ایک ضروری

بات ہے۔ پھر سورۃ کے ختم پر ان کی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا:

((رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي))

''اے میرے رب! مجھے نماز قائم رکھنے والا رکھئے اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے پیدا فرما۔''

اس سے اقامت صلوٰۃ کی مزید اہمیت کا پتہ چلا بہت سے لوگ خود تو نمازی ہوتے ہیں لیکن اپنی اولاد کی نماز کے لیے فکر مند نہیں ہوتے بلکہ اولاد کو ایسی جگہوں میں تعلیم دلاتے ہیں جہاں نماز تو کیا ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ ہماری اولاد دینی مقتدا ہو جائے اس کا فکر کرنا بھی پیغمبرانہ فکر کی بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا بھی کی کہ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دینی مقتدیٰ بنانا بھی ایک اہم مقصد ہے۔

آب زمزم اور بنی جرہم کی مکہ میں آبادی:

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، اوّل تو بنی جرہم کو مکہ معظمہ میں بسا دیا، انہیں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی، پھر ان کی نسل چلی اور بڑھی جن میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، آپ سارے عالم کے مقتدا ہیں، آپ مکہ معظمہ ہی کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے، آپ کی دعوت توحید کا پہلا مرکز مکہ معظمہ ہی تھا، آپ سے اور آپ کی اولاد واصحاب سے سارے عالم میں ایمان پہنچا جن کی طرف پورے عالم کے قلوب متوجہ ہو گئے، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ کہ انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرمانا تاکہ وہ شکر ادا کریں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے معاش کا انتظام کرنا اور ان کے لئے رزق کی دعا کرنا یہ بزرگی اور دینداری کے منافی نہیں ہے، اولاد کے دین وایمان اور اعمال صالحہ کی فکر کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات کی فکر کی جائے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، خود بھی اللہ کے شکر گزار بنیں اور اولاد کو بھی شکر گزار بنانے کی فکر کریں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے مشن کی تکمیل پر مسرور اور ارشاد الٰہی کی تعمیل پر شاداں وفرحاں اپنے وطن شام کو رخصت ہو گئے اور سیدہ ہاجرہ حیاء کی چادر اوڑھے صبر واستقلال کا پیراہن زیب تن کئے، عفت وعصمت کا نقاب چہرۂ پُر ضیاء پر ڈالے رضا بالقضاء کے بستر پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ماں کی ماں مامتا اپنے ظل عاطفت میں کمسن شیر خوار بچہ کو لئے جلوہ نما ہے۔ وہی نور نظر آنکھوں کا تارا، مغموم ومحزون دل کا سہارا اور وہی ہمدم اور شریک غم تھا۔ فرزند دلبند کے چاند جیسے مکھڑے کو دیکھتیں تو حزن وملال اور کرب واضطراب کافور ہو جاتا۔ کھجور اور پانی کی بھاری بھر کم مقدار جو توشہ زندگانی تھا وہ تو جلد ہی جواب دے گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اناج کا ایک دانہ پاس نہیں اور نہ ہی پانی کا گھونٹ تک باقی رہا۔ خود بھی بھوک وپیاس کا شکار ہو گئیں اور معصوم بچے کا گلاب سا چہرہ بھی مرجھا گیا۔ وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلانے اور تلملانے لگا۔ اگرچہ زبان قوت گویائی سے عاری تھی مگر اضطراب واضطرار گریہ وبکا سے ہویدا وآشکار تھا۔ افسردگی اور اداسی لحہ بہ لحہ فزوں تر ہونے لگی۔ اضطراب سیمابی میں تڑپتے بلکتے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

مامتا بھری ماں کبھی تو اپنی تنہائی وبے کسی کا خیال کرتی اور کبھی اس کی مشفقانہ نگاہیں اپنے ننھے منے اکلوتے بیٹے کی حالت زار کا نظارہ کرتیں، اس بھیانک جنگ میں نہ تو کسی انسان کے گزر کا تصور، نہ ہی کوسوں دور تک آبادی کا کہیں نام ونشان تھا، اس بے آب وگیا وادی

یں کھانا تو کجا پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ تھا۔ ننھی سی جان کی یہ حالت زار ماں کی مربیانہ نگاہیں آخر کب تک دیکھ سکتی تھیں، اپنے نونہال کی زندگی کا اجڑتا ہوا باغ چشم خود سے دیکھنا جب ناقابل برداشت ہو گیا تو دل برداشتہ ہو کر اٹھیں اور قریب ہی واقع صفا پہاڑی پر چڑھ کر مضطربانہ و متجسسانہ نگاہیں دوڑائیں کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا آدمی آتا نظر آ جائے یا کہیں پانی کی نشاندہی ہو جائے مگر نگاہیں مایوسی اور حسرت کے ساتھ ہر طرف سے واپس لوٹ آئیں۔ وہاں سے اتر کر وادی کو تیزی کے ساتھ عبور کر کے مروہ پر چڑھ گئیں۔ پوری تجسس اور توجہ کے ساتھ گرد و پیش کے میدانوں کا جائزہ لیا، لیکن جب وہاں بھی محرومی ہی سے پالا پڑا تو پھر مروہ سے اتر کر صفا ہی کا رخ کر لیا۔ درمیانی تھوڑا سا نشیبی حصہ تیز رفتاری سے طے کر کے صفا پر چڑھ گئیں۔ اسی طرح اس عمل کو سات مرتبہ دہرایا۔ اس دوران وہ اپنے قرۃ العین بچے کو بھی مڑ کر دیکھ جاتیں۔ بچہ کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر آپ کے غم و اندوہ اور کرب و ملال میں اضافہ ہوتا رہا۔

ساتویں مرتبہ جب سیدہ ہاجرہ مروہ پر آئیں تو انہیں کوئی دل آویز آواز سنائی دی۔ آپ خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر آواز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بار خدایا! یہ کیسی آواز ہے؟ آپ کے کان پھر اس روح پرور آواز سے لطف اندوز ہوئے اور اب کے بار آواز غل و غش سے بالکل صاف تھی۔ آپ پروانہ وار آواز کی طرف لپکتی ہیں اور یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں کہ ان کے لخت جگر کے قریب ایک بزرگ ترین ہستی سراپا نور بن کر کھڑی ہے۔

''یہاں انسان کہاں سے آ گیا؟'' لمحہ بھر کے لئے آپ سوچ کی موج میں گم ہو جاتی ہیں، لیکن جلد ہی یہ حقیقت بے نقاب ہوئی کہ یہ فرشتہ رحمت سیدنا جبرئیل امین ہیں۔

جبرئیل: (سیدہ ہاجرہ سے مخاطب ہو کر) آپ کون ہیں؟

میں ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند جگر بند کی والدہ ہوں۔ سیدہ ہاجرہ شگفتہ دہن ہوئیں۔

جبرئیل: خلیل اللہ تمہیں اس سنسان بیابان میں کس کے سپرد کر گئے ہیں؟

''اللہ کے حوالے۔'' سیدہ ہاجرہ نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

جبرئیل: پھر تو وہ کافی شافی ہے۔

سیدہ ہاجرہ عرض کرتی ہیں کہ کیا میری دادرسی بھی ہوگی؟

جبرائیل نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی (بعض روایات کے مطابق انگلی کا اشارہ کیا یا پر مارا) تو اللہ جل جلالہ کی قدرت سے چشمہ ابلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہ نے اپنا مشکیزہ بھرنا شروع کر دیا۔ جب وہ بھر گیا تو خیال ہوا کہ کہیں یہی پانی ادھر ادھر بہہ کر ضائع ہی نہ ہو جائے اس لئے اس کے اردگرد مٹی کی باڑھ باندھنی شروع کر دی اور زبان سے زمزم کی نغمہ سرائی کرتی رہیں یعنی ''رک جا رک جا'' اس سنگلاخ زمین سے زمزم جیسا شیریں اور لطیف و نظیف پانی کا نکلنا عجائبات قدرت کا ایک عظیم نمونہ تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((یرحم اللہ ام اسماعیل لو ترکت امزم او قال لم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا))

''اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ پانی کو اس طرح نہ روکتیں، تو آج زمزم کنوئیں کے بجائے ایک جاری نہر کی شکل میں ہوتا۔''

سیدہ ہاجرہ نے زمزم شکم سیر ہو کر نوش فرمایا، اور اپنے گوشہ جگر کو دودھ پلایا، فرشتہ یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ تم اطمینان اور سکون سے رہو، اللہ کریم تمہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ تمہاری اس نشست گاہ پر تمہارے نونہال اسماعیل اور اس کے والد بزرگوار کے ہاتھوں خدا کا گھر تعمیر ہو گیا۔

سیدہ ہاجرہ اب یہیں اقامت گزیں ہو گئیں، آب زمزم نوش جاں فرماتیں اور نور نظر سے دل بہلاتیں، بار کے موسم میں پانی کے

ک سیلاب ہر جانب سے آتے، لیکن یہ جگہ بلند ہونے کی وجہ سے پانی کے ریلے سے محفوظ رہتی۔ اس طرح یہاں ماں اور بیٹا امن و امان سے گزربسر کرتے رہے۔

سیدہ ہاجرہ کی مضطربانہ دعا اور حضرت اسماعیل کی معصومانہ ٹھوکر نے اس پانی کو ایسی عظمت، فضیلت اور ہمیشگی بخشی جس کی نظیر نہیں مل سکتی، پھر جو کلمہ چشمہ کے دیدار کے وقت بے تابی میں حضرت ہاجرہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''زم زم'' یعنی ٹھہر جا ٹھہر جا وہی اس کا نام بن گیا۔ زمزم کے لفظ پر غور فرمائیں، یہ ایک عجیب الوصف طنطنہ ہے کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے۔

سیدہ ہاجرہ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جہاں آج وہ غریب الوطن اور مسافر ہیں، مہاجر اور جلاوطن ہیں اور جہاں ان کی آواز کے سوا کسی دوسرے انسان کی آواز تک نہیں ہے اور جہاں ان کا کوئی غمگسار اور ہم جلیس نہیں، وہاں کبھی ایسا مقدس اور متبرک شہر بھی آباد ہوگا جو ''ام القریٰ'' کی صفت سے متصف ہوگا، جس کی فضیلت کرۂ ارضی کے تمام شہروں سے فزوں تر ہوگی، اور جسے کروڑوں انسانوں کا قبلہ ہونے کا شرف نصیب ہوگا اور جہاں ہر سال لاکھوں انسانوں کا تلاطم خیز سمندر موجزن ہوگا اور جس طرح آج وہ صفا اور مروہ کے درمیان بے تابی اور بے چینی کے ساتھ دوڑ رہی ہیں اسی طرح قیامت تک آنے والے کعبۃ اللہ کے پروانے یہاں اسی انداز میں دوڑ لگایا کریں گے اور اس عمل کا سال میں نہ صرف ایک دو بار اعادہ ہوگا بلکہ اسے روزمرہ کا معمول بنایا جائے گا۔ یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ تاریخ افکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی اور پھر شاہراہوں میں اپنے نقش پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگذشت بن جاتی ہے۔

تورات بھی اس عجوبہ روزگار سفر کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

صبح کا وقت تھا کہ ایک بوڑھے باپ نے جو تقدیس اور نیکی سے معمور تھا اپنے کم سن بچے اور عزیز بیوی کو چند ٹکڑے اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب وگیا بیابان میں چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کیلئے مضطرب نہیں ہوا۔ (تکوین، باب ۲)

سیدہ ہاجرہ اپنے فرزند دلبند کی معیت میں زندگی کے شب وروز گزار رہی تھیں کہ حسن اتفاق سے بنو جرہم کا ایک قبیلہ راستہ بھول کر اس طرف آنکلا، جو شام جانے کا عزم رکھتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں خیمہ زن ہوگیا، ایک دن انہوں نے ایک آبی پرندہ فضا میں اڑتا دیکھا جو ان کی توجہ کا مرکز اور موضوع سخن بن گیا۔ وہ باہم حیرت انگیز لہجہ میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور اس کی پرواز پانی پر ہوا کرتی ہے، مگر یہاں تو متعدد بار ہمارا گزر ہوا پانی کا نشان تک نہیں ہے۔ اس خشک جنگل اور چٹیل میدان میں پانی کہاں؟ لیکن یہ اپنے فن میں اس قدر مہارت رکھتا ہے کہ اس سے ایسی لغزش کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی انہیں اپنے تجربات پر بھی یقین تھا اپنے تجربات پر خطا کا گمان ان کی توہین کے مترادف تھا۔ بالآخر تفتیش وتحقیق حال کی غرض سے اپنے معتمدین کا ایک وفد بھیجا تا کہ حقیقت منکشف ہو سکے، آخر وفد اس مقام پر پہنچا جہاں چشم فلک نے بھی کبھی پانی کا ایک قطرہ تک نہیں دیکھا تھا۔ آب شیریں کا چشمہ دیکھ کر تھوڑی سی دیر کے لئے وہ خیالات کی دنیا میں گم سم ہوگئے۔ حیرت واستعجاب نے امکانی حدود کو توڑ کر انہیں اقرار اور انکار کے درمیان لا کھڑا کر دیا، لیکن حقائق نے کبھی پردہ نشینی اختیار نہیں کی۔ آخر انہیں عین الیقین ہوگیا کہ اس سنگلاخ مقام پر نہایت صاف شفاف، خوشگوار شیریں پانی فراوانی کے ساتھ موجزن ہے۔ چنانچہ وفد نے صورت حال سے اپنے قبیلہ کو آگاہ کیا تو ان میں خوشی کی ایک ایسی لہر دوڑ گئی جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے قلم قاصر ہے۔ پورے قبیلہ نے اس طرف کوچ کر دیا۔

یہ لوگ وہاں پہنچ کر غریب الدیار اجنبی ماں بیٹے کو پانی کے کنارے جلوہ افروز پاتے ہیں، انہوں نے متفقہ طور پر سیدہ ہاجرہ کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم بھی یہاں فروکش ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے کشادہ دلی اور فراخ

ان کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے وہاں اقامت پذیر ہونے کی اجازت سے نوازا لیکن اس پیشگی شرط کے ساتھ کہ پانی سے مالکانہ حقوق ان (سیدہ ہاجرہ) کے نام محفوظ رہیں گے اور قبیلے والوں کو ان پر قابض ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

نو وارد قبیلہ نے خندہ پیشانی سے اس شرط کو مان لیا اور باہم شیر وشکر ہو کر رہنے لگے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام بھی ان میں کھل مل کر پروان چڑھے۔ ان کی معصومانہ ادائیں ان کے دلوں پر ایسے گہرے نقوش مرتسم کر گئیں کہ وہ ان پر دل و جان سے فدا ہونے لگے۔ جرہم ان پر ایسے شیفتہ و فریفتہ ہوئے کہ جب آپ عنفوان جوانی کو پہنچے تو اپنی ایک دوشیزہ سے عقد کر دیا جس سے ایک دائمی اور اٹوٹ رشتہ قائم ہو گیا۔ باہم اختلاط اور میل جول سے سیدنا اسماعیل نے ان سے عربی بھی سیکھ لی، جب کہ آپ کی مادری زبان عبرانی تھی۔ آپ کا لب ولہجہ بالکل وہی تھا جو اس واقعہ کے اڑھائی ہزار سال بعد قرآن پاک کا لہجہ تھا۔ سلسلۃ الذہب کی یہ تمام کڑیاں مل کر ایک ایسا نادر الوجود گلدستہ بن گیا جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (بخاری شریف، جلد اول، کتاب الانبیاء)

سیدنا اسماعیل نے اپنی بود و باش کے لئے عین کعبۃ اللہ کے مقام پر ایک بے حد سادہ سی جھونپڑی بنالی اور اس کے متصل حطیم والی جگہ بھیڑ بکریوں کا باڑہ بھی بنایا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہر سال اپنی بیوی اور بچے کی خبر گیری کرنے کیلئے براق پر سوار ہو کر تشریف لاتے رہتے تھے۔ (ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

وہ کون سے اسباب اور وجوہات تھے کہ معصوم بچے اور اس کی ماں کو لق ودق صحرا میں چھوڑ دیا؟ کیا معاذ اللہ یہ دونوں نافرمان تھے؟ یا حضرت ابراہیم کو ان سے نفرت تھی؟ یا پھر حضرت سارہ کی بات کا آپ کو اس قدر پاس لحاظ تھا کہ اس کی خاطر محبت کے فطری جذبہ کو بھی تج دیا۔

ظاہر بین تو وحشت زدہ ہے کہ ایک برگزیدہ نبی نے ایسا اقدام کیوں کیا؟ لیکن پردازان مشیت کا اعلان ہے کہ بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں، بلکہ ایک ایسی امت اور ملت کا تخم تہ نشین کیا جا رہا ہے جس کا ثمر خوشگوار وہ طبقہ ہوگا جو اعلیٰ اخلاق، مکمل انسانیت، پیکر شرافت اور لامتناہی برکات کا نمونہ ہوگا۔ یہ سب کچھ مقبولیت دعا کی تمہید اور عالم انسانیت کے متعلق اللہ جل مجدہ کے ایک عظیم الشان منصوبہ کا اظہار تھا۔ زن و فرزند کی یہ قربانی اس کی خشت اول اور ذبح اسماعیل خشت دوم تھی۔

ذبیح اللہ:

جس گلشن کی تخم ریزی اور شجر کاری سیدنا ابراہیم نے ارض فلسطین میں کی تھی، مکہ مکرمہ کی خاک پاک نے اسے اپنے خون سے سینچا اور اپنے دامن میں پروان چڑھایا۔ جب اشجار برگ وبار سے پر از بہار ہونے لگے اور کلیاں غنچوں کا خوشنما تاج پہن رہی تھیں تو گل چین کی نظر انتخاب اسی غنچہ گل پر پڑی جو چمن کی زینت، بزم کی رونق اور محفل کی شمع تھا۔

کارساز قضا وقدر نے ابراہیمی بدر منیر کی ضوفشانی کی چھری کی چھنکار کے سامنے لا کر پرستاران توحید کی آزمائش کرنا چاہی تو پدری شفقتیں رضائے مولا پر نچھاور ہو گئیں اور ناز و نیاز فرزندانہ صبر و استقلال کا کوہ گراں بن گئے۔ چشم فلک عشق و محبت کے اس انوکھے مظاہرہ پر ششدر تھی۔ ملائکہ و کروبیاں ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور شمس و قمر ستارگان و سیارگان استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے، لیکن عشاق کی رزم گاہ میں محبوب کے اشاروں پر جان قربان کرنا تو محبت کے مبادیات میں سے ہے۔

بہر حال خدا کے گھر کی تعمیر و ترقی اور خدمت کے لئے ضروری تھا کہ کوئی قدسی نفس دینوی علائق اور مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگانی کا نذرانہ پیش کرے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو خواب کے ذریعے حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی محبوب چیز کو خدا کے نام قربان کر دیں۔

یہ حکم تین رات مسلسل خواب میں ہوتا رہا۔ پہلی بار اشارہ ۸ ذی الحجہ کی رات کو ہوا۔ صبح اٹھے تو آپ متردد تھے۔ آیا یہ خواب من

جانب اللہ ہے یا شیطانی وسوسہ۔ اسی نسبت سے اس دن کا نام یوم الترویہ پڑا۔ دوسری رات خواب میں وہی حکم دہرایا گیا تو آپ نے پہچان لیا کہ یہ حکم ربی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام یوم عرفہ مشہور ہوا۔ پھر تیسری رات بھی اسی قسم کا خواب دیکھا۔ چنانچہ صبح عزم بالجزم کر لیا کہ لخت جگر کو ذبح کرنا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام یوم النحر ہوا۔ (تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۴۹)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر کامل اعتماد تھا لیکن یہ بات دریافت طلب تھی کہ آیا نوخیز بچہ بھی اپنی گردن پر چھری چلنا گوارا کر سکتا ہے یا نہیں؟

((یبنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ما ذاتری))

''بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو بتا تیری کیا رائے ہے؟'' (سورۃ الصافات)

ایک طرف نوے سالہ پیر ضعیف ہے جسے عمر بھر آہ سحر گاہی کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا جوان کے ہاں دنیا بھر سے محبوب و مقبول اور منظور نظر تھا۔ اب اسی جگر گوشہ کے قتل کیلئے ان کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔ دوسری طرف جواں سال بیٹا جس نے بچپن سے آج تک باپ کی مشفقانہ نگاہوں کی گود میں پرورش پائی تھی، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔

یہ عشق خداوندی کی آشفتہ سری اور توحید باری تعالیٰ کا کرشمہ تھا کہ رحم دل باپ کے ہاتھ میں چھری دے کر فرزند عزیز کو ذبح کر کے ماسوی اللہ کی محبت کا نذرانہ پیش کرنے کا ارشاد ہوتا ہے اور یہ اسلام کی حسن آفرینی تھی جس نے اسماعیل کو گردن جھکا دینے کی ترغیب و تحریص دے کر اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کرنے پر کمر بستہ کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ چھری کے قریب اس ذوق وشوق سے گردن کر دی جس طرح مدتوں کا پیاسا انسان آب شیریں پر پروانہ وار گر پڑتا ہے اور یہ بھی اسلام ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفس اسماعیل کو فنا کر دیا اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا اور جلا نصیب ہوتی ہے۔

اللہ اللہ! اس نیرنگ ساز ازل کے کاروبار محبت کی بوقلمونی کا کیا کہنا کہ اس کے حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کی چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے۔ باپ کو بیٹے کے حلق پر چھری چلانے کا حکم دیا جاتا ہے اور بیٹے کو خندہ پیشانی سے گردن جھکا دینے کا ارشاد ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ہاں صرف جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو عیش ونشاط سمجھنا بھی شرط لازم ہے۔ پیکر صدق و وفا بیٹا پوری رضا و رغبت کے ساتھ شگفتہ دہن ہوتا ہے:

((یابت افعل ماتؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصبرین))

''اے ابا جان، جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔''

شیطان نے تین مرتبہ ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ کو اس مقدس فریضہ کی بجا آوری سے روکنے کی ناکام کوشش کی، لیکن سیدنا ابراہیم نے ہر بار اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ منیٰ میں ان تینوں جمرات پر آج تک اس محبوب عمل کی ہر سال یاد تازہ کرنے کیلئے کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

جب دونوں باپ بیٹا یہ انوکھی عبادت بجالانے کیلئے قربان گاہ پہنچتے ہیں تو حضرت اسماعیل آداب فرزندانہ بجالاتے ہوئے عرض پرداز ہوئے:

''ابا جان! میرے ہاتھ پاؤں اچھی طرح باندھ دیں تا کہ تڑپ نہ سکوں، اپنے دامن کو بچانا کہیں میرے خون کے چھینٹوں سے رنگین نہ ہو جائیں اور اس طرح میرے ثواب میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ جس سے میری والدہ میرا خون دیکھ کر دل برداشتہ ہو جائیں گی۔ آپ چھری بھی تیز کر لیجئے اور پوری قوت سے میری حلق پر چلانا تا کہ آسانی سے میری روح نکل

جائے اور اگر میری قمیض میری امی کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں، شاید ان کی تشفی کا موجب بن جائے۔"

اس نور نظر، گوشہ جگر فرزند کی غایت درجہ ادب و تواضع، صبر و ضبط اور انکساری دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے قلب مصفی کی کیفیت ہو گی، یہ ایک سربستہ راز ہے، لیکن اس استقامت کا پہاڑ بن کر فرماتے ہیں: جان پدر! اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں تم میرے مددگار ہو۔ مرحبا کہتے ہوئے لخت جگر کی پیشانی کو چوما اور پرنم آنکھوں سے ان کے دست و پا کو باندھا اور اوندھے منہ لٹا کر تیز چھری پوری قوت اور طاقت سے چھری چلائی۔ مگر قبل اس کے کہ چھری اپنا کام تمام کرے، اچانک ایک دلفریب اور خوش کن آواز فضا میں گونجی

((قد صدقت الرؤیا))

"بیشک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔"

ابراہیم! ہاتھ روک لیں اور ذرا اوپر دیکھیں۔ سیدنا ابراہیم نے اس غیبی آواز کی طرف دیکھا تو سیدنا جبرئیل امین ایک جسیم دنبہ کیلئے کھڑے ہیں۔ جسے سیدنا اسماعیل کے فدیہ میں ذبح کر دیا گیا اور اللہ کریم نے اسے "ذبح عظیم" کے پرشکوہ خطاب سے نوازا۔

(تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ نمبر ۱۵۴) (روح المعانی، جلد ۱۲، صفحہ ...)

یہ دنبہ کہاں سے آیا تھا؟ انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی روایت نقل فرماتے ہیں کہ یہ وہی دنبہ تھا جسے سیدنا آدم کے بیٹے ہابیل نے اللہ کے نام قربانی دیا تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نواز کر جنت میں پہنچا دیا اور وہ جنت میں کھاتا رہا اور خوب موٹا تازا ہو گیا تھا اور اس وقت سیدنا اسماعیل کے فدیہ کے لئے بھیج دیا گیا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دنبہ (جنت کے) چالیس سال تک جنت میں کھاتا پیتا رہا۔

(تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ...)

اس دنبہ کے سینگ بطور یادگار کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیئے گئے تھے۔

مفسر جلیل علامہ ابن کثیر مسند احمد کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سیدنا عثمان کو ارشاد فرمایا:

"کعبہ شریف میں داخلہ کے وقت میں نے دنبہ کے سینگ دیکھے تھے، مگر مجھے خیال نہ رہا کہ انہیں ڈھانکنے کا تجھے حکم دیتا۔"

(تفسیر ابن کثیر، سورۂ صافات)

یہ سینگ ابتداء اسلام تک کعبہ شریف کی زینت بنے رہے لیکن سیدنا عبداللہ بن زبیر کے دور میں کعبہ شریف میں آگ لگ جانے سے یہ بھی جل گئے۔ (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، ص ۸۸) (روح المعانی، جلد ۱۲، صفحہ ۱۲۳)

قربانی کے اس عدیم النظیر واقعہ کے وقت سیدنا اسماعیل کی عمر مبارک صرف تیرہ سال تھی۔

(تفسیر کبیر، جلد ۷، ص ۱۴۹) (روح المعانی، جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۲۸، ۱۳۰)

قربانی کا یہ عظیم کارنامہ کس جگہ انجام پذیر ہوا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ علامہ سید محمود آلوسی مندرجہ ذیل اقوال نقل فرماتے ہیں:

"یہ عمل منیٰ میں صخرہ کے قریب واقع ہوا تھا اور حسن سے روایت ہے کہ منیٰ میں مسجد کبش کے مقام پر قربانی کی گئی تھی اور حضرت ضحاک کا قول ہے کہ جس جگہ آج لوگ قربانی کرتے ہیں (دو پہاڑوں کے دامن میں) اسی مقام پر منیٰ میں اسماعیل ﷺ کی قربانی دی گئی تھی۔" (تفسیر روح المعانی، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۰)

علامہ عماد الدین ابن کثیر مسند احمد کے حوالہ سے ابن عباس کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابراہیم اللہ تعالیٰ کے حکم

اپنے نور نظر، لخت جگر کو لے کر چلنے لگے تو سعی کے وقت شیطان نظر آیا، مگر آپ اس سے آگے بڑھ گئے، پھر جب آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا۔ تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور وہ غائب ہوگیا۔ پھر تیسری مرتبہ جمرۂ وسطیٰ کے قریب ظاہر ہوا، وہاں بھی سات کنکریاں ماریں، پھر آپ آگے بڑھے اور اپنے گوشہ جگر کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کے لئے اوندھے منہ لٹا دیا۔ اس وقت ان کے جسم پر ایک سفید چادر تھی۔ عرض کرنے لگے:

''ابا جان! اسے اتار لیں تا کہ اس میں مجھے کفن دے سکیں۔''

امام ابن کثیر محل ذبح منیٰ ہی بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ صافات)

کعب اخبار سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اپنے فرزند دل بند کو ذبح کرنے کیلئے لے جا رہے تھے، تو شیطان نے خیال کیا کہ اگر آج یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور میں انہیں بہکا نہ سکا تو پھر مجھے عمر بھر کے لئے ان سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ پہلے سیدہ ہاجرہ کی خدمت میں ایک نیک آدمی کا روپ دھار کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ابراہیم! آپ کے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اپنے کسی کام کو گئے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں بلکہ وہ تو اسے ذبح کرنے کی نیت سے لے کر گئے یں۔ آپ نے فرمایا: وہ اسے کیوں ذبح کریں گے، تو شیطان لعین نے کہا: ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی حکم دیا ہے۔

سیدہ ہاجرہ نے فرمایا: پھر تو اس حکم کو جلد پورا کرنا ہی بہتر ہے۔ یہ مردود یہاں سے غائب و خاسر لوٹ کر سیدنا اسماعیل کے پاس آیا اور انہیں بہکانے کی ناپاک جسارت کی، کہنے لگا: تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارا باپ تمہیں کہاں لے جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اپنے کام کے لئے، کہنے لگا: نہیں وہ تو تمہیں ذبح کر دیں گے۔ فرمایا: کیوں؟ شیطان کہنے لگا: وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: پھر تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ انہیں تو پھر جلدی کرنی چاہیے۔ جب یہاں سے بھی منہ کی کھانی پڑی تو خلیل اللہ کے سامنے آ نکلا اور یہی سوال ان سے بھی کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: واللہ العظیم! میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے بیٹے کو ضرور ذبح کروں گا۔

(ابن کثیر، سورۃ صافات)

مذکورہ تمام روایات سے ذبح کا مقام منیٰ میں ہونے کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے، لیکن تورات اور بعض روایات میں قربانی کی جگہ مروہ بیان کی گئی ہے جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

''ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا، اور اسے کہا کہ تو اپنے اکلوتے بیٹے کو جس سے تو پیار کرتا ہے ''اضحاق کو لے'' اور زمین موریاہ میں جا، اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتا دوں گا، سوختی قربانی کے لئے چڑھا۔'' (کتاب پیدائش، باب ۲۲، آیت ۱ تا ۴)

خداوند نے فرمایا: بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔ (کتاب عدد، ۸، ۱۷)

تورات کی اس روایت میں لفظ ''موریاہ'' اصل میں مروہ ہے اور اس بات کی تصدیق موطا امام مالک کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ قربان گاہ ہے اور مکہ کے تمام پہاڑ اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں۔'' (موطا امام مالک، باب النحر)

حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی بلکہ منیٰ ہی میں ہوتی تھی، جو کہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم نبی کریم ﷺ نے مروہ ہی کو قربان گاہ ارشاد فرمایا اور اسی مقام پر سیدنا ابراہیم نے سیدنا اسماعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی۔ لہٰذا قربانی کی اصل جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کی حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔

تورات کی مذکورہ روایت میں سیدنا اسماعیل کے بجائے سیدنا اسحاق کو ذبیح اللہ ظاہر کیا گیا ہے، جو دراصل یہود کی بددیانتی کا ایک بین ثبوت ہے۔ قربانی تو بہر حال حضرت اسماعیل ہی کی دی گئی تھی۔ جنہیں مروہ یعنی مکہ معظمہ میں آباد کیا گیا تھا، جب کہ سیدنا اسحاق تو شام میں آباد تھے۔

سیدنا اسماعیل کا عقد:

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی زندگی کی جب پندرھویں منزل طے کر رہے تھے اور ان کے فہم و ذکاء میں پختگی اور عزم و ہمت میں استقلال پیدا ہو چکا تھا کہ یکا یک نوشتہ ازل نے سیدہ ہاجرہ کا پروانہ موت جاری کر دیا۔ شفیق و انیس غمگسار و غم خوار والدہ مکرمہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر داغ مفارقت دے گئیں، فرماں بردار بیٹے نے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، قبر مبارک مقام حجر حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے مائل بشرق بنائی۔ والدہ کے انتقال پر ملال نے ان کے دل پر ضرب کاری لگائی۔ باپ کے سایہ عاطفت اور پدری شفقتوں سے پہلے ہی دور تھے اور اب ماں کی مامتا اور جنت کی پرچھائیاں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ آپ مکہ معظمہ کی رہائش سے دل برداشتہ ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ شام میں جا کر پدر بزرگوار کے زیری سایہ زندگانی گزاریں، لیکن جب بنی جرہم کو ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہیں ان کی جدائی نے مضطرب اور پریشان کر دیا۔ انہوں نے پند و نصائح اور ملاطفت سے ان کے دل کو موہ لیا اور اس عزم کو ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ انہوں نے اس اجڑتے ہوئے باغ کو پھر سے شاداب بنانے کا عزم کیا اور باہمی مشاورت سے اپنی ایک دوشیزہ سے ازدواجی سلسلہ میں منسلک کر دیا۔ جس کے باعث چار و ناچار انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔

قبیلہ بنو جرہم کی جس خاتون سے آپ کا عقد ہوا تھا اس کا نام علامہ قطب الدین نے عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل تحریر کیا ہے۔

(اعلام الاعلام، صفحہ ۳۵)

جب کہ علامہ مسعودی نے الجداء بنت سعد بیان فرمایا ہے۔ (مروج الذہب، جلد ۲، صفحہ ۴۲)

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب سابق ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوئے، مگر نہ تو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو پایا نہ ہی سیدنا اسماعیل گھر پر موجود تھے۔ البتہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیوی موجود تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا:

''اسماعیل کہاں ہیں؟''

جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں یعنی شکار کرنے گئے ہیں (سیدنا اسماعیل حرم شریف کی حدود سے باہر شکار کے لیے جایا کرتے تھے)

آپ نے دریافت فرمایا:

''گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟''

بہو نے جواب دیا:

''برا حال ہے، تنگی اور تکلیف سے وقت پورا ہوتا ہے۔''

اور شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

''مہمان نوازی کے لئے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟''

تو بہو نے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب تمہارے خاوند آئیں تو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دیں۔''

سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام گھر تشریف لائے تو انہیں کچھ مانوس سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ دریافت فرمایا:

''کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟''

بیوی نے کہا:

''ہاں! ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے اور آپ کے متعلق دریافت کر رہے تھے، میں نے انہیں بتایا کہ وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے گزاران کے متعلق پوچھا کہ کیسی ہے؟ تو میں نے بتایا کہ تنگی اور پریشان حالی ہے۔''

حضرت اسماعیل نے استفسار فرمایا کہ وہ کوئی پیغام بھی دے گئے ہیں؟ تو بیوی نے جواب عرض کیا:

''جی ہاں! وہ کہہ گئے تھے کہ جب تمہارا خاوند آئے تو میری طرف سے سلام پیش کرنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی دہلیز بدل دیں۔''

حضرت اسماعیل بیوی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

''وہ آنے والے بزرگ میرے والد گرامی قدر تھے اور جس دہلیز کی تبدیلی کا ارشاد فرما گئے ہیں اس سے مراد تم ہو۔ تم نے جس ناشکر گزاری اور ناسپاس شناسی کا اظہار کیا ہے، اس کی بناء پر وہ چوکھٹ بدلنے کا ارشاد فرما گئے ہیں، لہٰذا میں تمہیں طلاق دے کر گھر سے رخصت کرتا ہوں۔'' (بخاری، کتاب الانبیاء) (اخبار مکہ، صفحہ ۲۴) (اعلام الاعلام، صفحہ ۳۵)

سیدنا اسماعیل کی پہلی بیوی کا نام الجد او بنت سعد تھا، ایک روایت کے مطابق جب سیدنا ابراہیم تشریف لائے تو سلام پیش کیا مگر بہو نے سلام کا جواب نہیں دیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں۔؟ تو اس نے کہا: وہ نہیں ہے اور جب اسماعیل کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ وہ روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو بیوی نے کہا: ایک آدمی ابراہیم نامی آیا تھا جو آپ کی والدہ اور آپ کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کوئی پیغام بھی دیا ہے تو اس نے کہا وہ کہہ گئے ہیں کہ گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔

عقد ثانی:

عمارہ کی علیحدگی کے بعد سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ سے ایک دوسری عورت سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی سے عقد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد جب پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی سے اجازت ملی تو اپنے لخت جگر کی ملاقات کو تشریف لائے، لیکن حسن اتفاق سے اب کی بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں اور آنے والے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے آنے والے مہمان ذی شان کی فراغ دلی اور خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا، پانی گرم کر کے وضو کرایا، سر دھویا اور دودھ گوشت وغیرہ جو کچھ گھر میں حاضر تھا خوشی خوشی پیش کیا اور معذرت بھی چاہی کہ یہاں گندم وغیرہ تو پیدا ہی نہیں ہوتی، ہم لوگ بھی دودھ، خرما اور شکار کا گوشت ہی کھایا کرتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بہت مسرور اور محظوظ ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا: تمہاری گزر اوقات کیسی ہے؟ بہو نے جواب میں عرض کیا:

''اللہ کا بے حد شکر ہے کہ ہم بڑے راحت اور آرام سے ہیں۔ اللہ پاک نے رزق روزی میں بھی فراوانی اور کشادگی مرحمت فرما رکھی ہے اور ہر لحاظ سے اطمینان ہے۔''

آپ نے دریافت کیا:

''تمہاری خوراک کیا ہے؟''

جواب ملا:

((سید الطعام لحم)))

''ہماری خوراک بہتر غذا گوشت ہے۔''

پھر پوچھا: پینے کو کیا ملتا ہے؟ تو عرض کیا: ''زم زم کا پانی''

آپ نے خیر و برکت کی دعا دی: پروردگار عالم! ان کے گوشت اور پانی کو اپنی برکتوں سے معمور فرما دے۔

حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی اناج بھی موجود ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام انہیں اناج میں برکت کی دعا سے ضرور نوازتے اور یہ آپ کی دعا ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ مکہ مکرمہ کے باشندے گوشت اور پانی پر بڑی عمدگی سے گزر کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ فقط گوشت اور پانی پر گزارہ نہیں کر سکتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند گھر لوٹیں تو انہیں میرا اسلام پیش کرنا اور کہہ دینا کہ اپنی چوکھٹ قائم ورآباد رکھیں، اسے بدلیں نہیں۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو بیوی نے تمام سرگزشت حرف بحرف کہہ سنائی اور کہنے لگیں:

((جئنا بعدك شيخ احسن الناس وجهاً و اطيبهم ريحاً))

''آپ کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے جن کا چہرہ بے مثال حسین و جمیل تھا اور جن سے مشک و عنبر کو شرما دینے والی روح پرور خوشبو آتی تھی۔'' (بخاری، کتاب الانبیاء) (ابن کثیر، جلد ا، صفحہ ۱۷۶) (ابن جریر، جلد ۱۳، صفحہ ۲۳۰)

علامہ قطب الدین ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اس ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''بہو نے آنے والے مہمان کی خدمت عالیہ میں گوشت، دودھ اور پانی پیش کیا۔ آپ نے گوشت تناول کیا، دودھ اور پانی نوش فرمایا، نیک خصال بہو نے عرض کیا: چچا جان! تشریف لائیں۔ آپ کے سر کے گرد آلود اور پراگندہ بال میں دھو کر صاف کر دوں۔ آپ لے ارشاد فرمایا: مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں ہے (آپ براق پر سوار تھے) بہو نے ایک پتھر پیش کیا کہ اس پر پاؤں رکھ کر سر ایک طرف جھکائیں۔ چنانچہ آپ نے دایاں پاؤں مبارک اس پتھر پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب دھوئی۔ پھر پتھر دوسری جانب رکھ دیا۔ آپ نے بایاں پاؤں رکھا اور بہو نے سر کی دوسری جانب دھوئی۔ پتھر پر جہاں پاؤں مبارک رکھے پاؤں ٹخنے تک اس میں گڑھ گئے اور گہرے نشانات پتھر میں پڑھ گئے۔ یہی پتھر بعد میں مقام ابراہیم کی شان سے نوازا گیا۔ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو گھر میں ایک نفیس مہک پائی۔ دریافت فرمایا: کوئی آیا تھا؟ تو نیک طینت بیوی نے عرض کیا: ایک فرشتہ سیرت بزرگ تشریف لائے تھے جو سب لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے اور ان کے وجود اطہر کی فرحت انگیز، نشاط آفریں خوشبو کی مہک نے سارے گھر کو معطر کر دیا۔ میں نے مہمان ذی شان کی مقدور بھر ضیافت کی۔ انہیں دودھ پلایا، ان کا سر مبارک دھویا اور یہ پتھر جس پر انہوں نے قدم مبارک رکھے تھے، اس میں اب بھی ان مبارک قدموں کے نشانات ہویدا ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اس مقدس پتھر کو بڑی عزت و تکریم سے گھر میں محفوظ کر لیا، اور پھر تعمیر کعبہ کے وقت اپنے والد گرامی کی خدمت میں پیش فرما دیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دوسری بیوی کا نام سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہنی بن نبت

تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب دوسری مرتبہ تشریف لائے تو گھر میں بہو کو پایا انہیں سلام کیا۔ بہو نے ادب سے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ ہاجرہ کہاں ہیں، تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں اور انتقال کے وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔

پھر آپ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو بہو نے عرض کیا: وہ شکار کرنے گئے ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ عرض کیا: براق سے اتریں، آرام فرمائیں۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا۔ تب بہو نے التجا کی اگر اجازت ہو تو آپ کا سر مبارک دھونے کی سعادت حاصل کروں۔؟ چنانچہ ایک پتھر لائیں جسے پاؤں کے نیچے رکھا۔ آپ نے دایاں پاؤں اس پر رکھا تو بہو نے دائیں جانب دھوئی اور پھر بائیں پاؤں کی طرف رکھا تو دوسری جانب بھی دھو دی۔ پتھر پر دونوں قدموں کے گہرے نشان نقش ہوگئے۔ جسے اللہ رب العزت نے ایک مقدس شعار بنا دیا۔ یہی قول امام سدی نے ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کیا ہے اور دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے کہ تعمیر کعبہ شریف کے وقت پتھر پر پاؤں مبارک کے نشانات پڑے تھے۔ (زاد المسیر، جلد۴، صفحہ۱۴۲)

بہر حال اس سعادت مند بیوی السیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی کے ساتھ راحت و رافت سے آپ ازدواجی زندگی بسر فرماتے رہے۔ انہیں سے اللہ کریم نے حسب ذیل اولادیں مرحمت فرمائیں:

1: نابت۔ 2: قیدار۔ 3: واصل۔ 4: میاس۔ 5: آزر۔ 6: طیما۔ 7: نبش۔

آپ نے ۱۳۷ برس کی عمر میں دار فانی سے رحلت فرمائی۔ (مروج الذہب، جلد۲، صفحہ۲۷)

سیدنا اسماعیل کی وفات:

سیدنا اسماعیل علیہ السلام جس طرح اپنے والد گرامی قدر کی زندگی میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال کے بعد بھی مکہ ہی میں رونق افروز رہے۔ جب آپ کی عمر ۱۳۶ یا ۱۳۷ برس کو پہنچ گئی اور آپ کی اولاد پوری طرح نشو و نما پا کر حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل چکی تھی تو ۱۹۳۷ قبل مسیح میں آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کی قبر مبارک والدہ کے پہلو میں میزاب کعبہ کے نیچے حطیم کے اندر بنائی گئی۔ (مروج الذہب، جلد۲، صفحہ۱۰۸) (تاریخ انبیاء، ابن خلدون)

آپ کے بارہ فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب بے حد طویل ہے۔ ان کی نسل آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں مثلاً حجاز، یمن، تہامہ، شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ میں آباد ہے۔ (الجواہر تنطاوی، جلد۱، صفحہ۱۲۲)

سیدنا اسماعیل کی قبر مبارک اپنی والدہ کی قبر کے قریب ہی حطیم میں بنائی گئی تھی۔ آپ کی قبر پر ایک سبز مستطیل محرابی شکل کا سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ جس کی چوڑائی تقریباً ڈیڑھ بالشت یا ۱۴ انچ تھی۔ اس سے سات بالشت تقریباً ۶۳ انچ کے فاصلہ پر رکن عراقی کی جانب سیدہ ہاجرہ بھی استراحت گزیں ہیں۔ ان کی قبر پر سبز مستدیر (گول) سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ (ابن بطوطہ، صفحہ۱۹۷)

۱۳۹۴ھ میں راقم الحروف بھی ان کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوا۔ دونوں پتھر اپنی کہن سالی اور قدامت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ ان کی سطح برابر نہیں رہی تھی۔ لوگوں کے بکثرت نماز پڑھنے کے باعث ان میں نشیب و فراز پیدا ہوگئے تھے خصوصاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر والا پتھر زیادہ گھر گیا تھا۔ اب غالباً ۱۳۹۶ھ میں حطیم کا فرش نیا بناتے وقت وہ امتیازی نشانات ختم کر دیئے گئے ہیں۔

علم الانساب کے امام علامہ ربی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی فرماتے ہیں:

''اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باعث اس وقت کوئی بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں خاندان فلاں قبیلہ ہی سے ہے تاہم حضرت اسماعیل کی اولاد بیشتر ممالک میں آج بھی آباد ہے۔'' (جمرۃ الانساب، صفحہ۸)

☆☆☆

باب نمبر 2:

جزیرۃ العرب کی تقسیم اور اولاد اسماعیل کے مساکن

جزیرۃ العرب جو ایک وسیع و عریض صحرا اور بلند و بالا پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آباد ازمنہ قدیم سے عربوں کی تقسیم کو مسیحی مورخ جرجی زیدان اس طرح بیان کرتا ہے۔

جزیرۃ العرب کی تقسیم دو خطوں میں ہے:

1. قحطانی۔ 2. اسماعیلی یا عدنانی۔

قحطانی: جو جنوبی یمن میں آباد تھے۔ یہ قحطان بن یقطان بن عابر جس کا سلسلہ نسب ارفکشاد کے ذریعہ سام بن نوح سے جا ملتا ہے، کی اولاد تھے۔

اسماعیلی یا عدنانی: یہ لوگ حجاز، نجد اور ان کے ملحقہ علاقوں میں آباد تھے۔ یہ اسماعیل کی اولاد تھے جو ابراہیم کی بیوی ہاجرہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں عدنانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد میں "عدنان" نامی ایک شخص ہوا ہے۔

قحطانی عرب اسماعیلی عربوں سے بہت پہلے تمدن میں کمال حاصل کر چکے تھے، کیونکہ ان کی سرزمین اسماعیلی عربوں کی زمین کی نسبت زیادہ سرسبز و شاداب تھی۔ زمانہ قدیم میں قحطانیوں کی بڑی بڑی حکومتیں گزری ہیں جو فرعون، فرمانروایان مصر اور اشور کی معاصر تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حمیر، کہلان اور سبا کی حکومتیں ہوئی ہیں۔

اسماعیلی عربوں میں بھی ولادت مسیح سے قبل اور بعد کئی نامور حکومتیں معرض وجود میں آئیں جن میں سب سے زیادہ مشہور نبطی حکومت تھی۔

مسٹر جوہم جیولوجی (طبقات الارض) کا جید ماہر ہو، لکھتا ہے:

"بیان کیا جا چکا ہے کہ اسماعیل عرب کے ریگستان میں جا بسے، اور اس کی اولاد نے آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کی جو کہ بن اور بیابانوں کو عموماً ایسے ملکوں میں اختیار کرنی پڑتی ہے جہاں انسانوں اور حیوانوں کی خوراک کے اسباب بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قطورہ کے فرزند بھی اس کے ساتھ آ ملے، کیونکہ ان میں سے ایک کا نام مدیان تھا، جو مدیانیوں کا دادا تھا۔ اگرچہ ان میں سے اکثر نے وحشی اور آوارہ زندگی اختیار کی جو اب تک عرب صحرا میں دکھائی دیتی ہے، تاہم ان میں سے بعض نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔" (تاریخ بائبل، صفحہ ۷۳)

لوئیس شیخو الیسوعی لکھتا ہے:

"بنو اسماعیل بن ابراہیم خصوصاً نبطی، قیدار اور ابناء قطورہ مریہ اور ان میں سے قبیلہ مدیانیہ، بادیہ، شام، بحر لوط کے مشرق اور کچھ جزیرہ سینا میں اور حجاز کے بعض حصوں میں مقیم تھے۔" (النصرانیۃ وادابہا، صفحہ ۵)

ریونڈ فاسٹر قیدار کی جائے سکونت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کا ہر وہ شخص جو جغرافیہ عرب سے واقفیت رکھتا ہے فوراً کہہ دے گا کہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب ایک اطراف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہو جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا

ہے اور دوسری طرف اریانوس، بطلیموس اور پلینی کے بیانات بھی کیداری قوم کی اسی صوت میں موجودگی کی نیم مشتبہ شہادت پیش کرتے ہیں۔‘‘

ولیم لکھتا ہے:

’’حضور اکرم ﷺ سے پیشتر عرب میں سامی قبیلے آباد تھے۔ ان میں صحرائی علاقوں کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اور عموماً ریوڑ پالتے تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ معتدبہ تجارتی اور ثقافتی نشوونما اور ارتقاء کے مرکز مانے جاتے تھے، اور اس نشوونما و ارتقا میں یونانی اور یہودی اثرات خاصے نمایاں تھے۔‘‘ (انسائیکلوپیڈیا)

فرانسیسی ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے:

’’عرب کی قدیم روایات، جو دراصل یہود کی کتابوں سے لی گئی ہیں، کے مطابق جزیرۃ العرب میں پہلے پہل دو نسلیں آباد ہوئیں، ایک یقطان جو سام کی اولاد تھی اور دوسری اسماعیل بن ابراہیم جو ان کی مصری لونڈی ہاجرہ سے تھی۔ ان میں شمال کی طرف بدوی رہتے تھے اور جنوب کی طرف مستوطنین، یمن میں یقطان کی اولاد نے ایک طرف سبا کی سلطنت قائم کی اور دوسری طرف حمیر کی۔ اسماعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ کے حاکم ہوئے۔ ایک مدت دراز تک مکہ اور سبائے یمن میں مقابلہ رہا کہ ان میں سے کون سا شہر عربستان کا دار السلطنت قرار دیا جائے۔‘‘

(تمدن عرب، صفحہ ۷۸)

سدیو رقمطراز ہے:

’’سبا جسے مآرب بھی کہا جاتا ہے، اسی خطہ میں آباد ہے اور اہل عرب کے ہاں یہ سلسلہ مدت دراز تک متنازعہ فیہ رہا کہ جزیرۃ العرب کا دار السلطنت صنعا قرار دیا جائے یا مکہ۔‘‘ (تاریخ العام العرب، صفحہ ۲۶)

ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:

’’نبطیہ، بنو ادوم، بنو مآب، عمالقہ، بنو عمون اور مدیانیہ یہ تمام بڑے بڑے قبائل اسماعیل کی اولاد سے تھے اور ان کے نام اکثر تورات میں آتے ہیں۔ وہ غالباً عمالقہ ہی تھے جنہوں نے دو ہزار سال قبل المسیح شام کے بدوؤں کے ساتھ مل کر مصر پر چڑھائی کی اور وہاں پر چرواہوں کا خاندان شاہی قائم کیا جس نے کئی صدیاں حکومت کی۔‘‘

المستشرق ل، ا۔ سدیو لکھتا ہے:

’’جزیرۃ العرب کے شمال میں بنی اسماعیل بن ابراہیم اور جنوب میں بنی قحطان رہتے تھے، قدیم زمانہ میں ملوک سبا اور ملوک بنو حمیر ہی دو شاہی خاندان تھے۔ یہ دونوں عرب العربا اور عرب مستعربہ حجاز اور نجد میں عربی بولتے تھے اور یمن کے باشندے بنی قحطان کی زبان حمیری تھی۔ بنی اسماعیل بنی قحطان کے مدت دراز کے بعد پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم کو حکم ہوا کہ مکہ میں ایک مقدس معبد بنائیں، اس ارشاد کی تعمیل کیلئے آپ مکہ آئے اور کعبہ تعمیر کیا، جسے عرب قدیم الایام سے قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ اس تعمیر میں ابراہیم کافی عرصہ تک مصروف رہے، اور اسماعیل ان کے بیٹے جو مکہ میں پیدا ہوئے تھے اس کام میں ان کی امداد کرتے تھے۔‘‘ (تاریخ العام العرب، صفحہ ۳۳، ۳۴)

مشہور مستشرق مورخ جرجی زیدان کا حقائق پر مبنی مفصل محاکمہ بے حد قابل قدر ہے:

’’جناب اسماعیل کا واقعہ عرب مورخین نے جس طرح بیان کیا ہے وہ تورات کی روایات کے مطابق ہے کہ اسماعیل اپنی

والدہ ہاجرہ کے ساتھ بیر سبع میں آئے اور فاران میں اقامت گزیں ہو گئے۔ ان کی اولاد حویلہ سے شور تک پھیل گئی۔ جب کہ شور سویز کے قریب اور حویلہ شمالی یمن کے قریب ہے۔ اور ان کے درمیان حجاز، نجد، تہامہ، مدیان اور جزیرہ سینا ہے۔

عرب مورخین کی روایت کے مطابق جس کی اصل تورات سے منقول ہے کہ اسماعیل اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں قیام پذیر ہوئے اور مکہ میں مقیم قبیلہ جرہم سے شادی کی اور ۱۲ لڑکے پیدا ہوئے لیکن ہمارے نزدیک تیسری روایت صحیح نہیں ہے۔ ہم دو باتوں پر متفق ہیں کہ اسماعیل صحرا میں رہتے تھے، اور تیراندازی کرتے تھے، جو صحرانشینوں کا طرۂ امتیاز ہے اور ان کے بارے بیٹے بھی تھے جو بعد میں بارہ قبائل کے سردار اور جداعلیٰ بنے۔''

البتہ ہم ان کی اقامت گاہ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

تورات کی روایت کے مطابق وہ بریۃ فاران میں یا جبل فاران میں مقیم تھے، جب کہ دونوں جزیرہ سینا کے شمال میں واقع ہیں اور عرب مورخین کا کہنا ہے کہ وہ حجاز کے شہر مکہ میں آباد ہوئے تھے۔

لیکن ہم ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔

جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ جبال مکہ یا جبال حجاز دونوں کو فاران کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہو گی کہ آپ پہلے تو جزیرہ سینا میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے حجاز میں آ کر مقیم ہو گئے اور وہاں شادی بھی کی۔

توراۃ نے اسماعیل کا باپ کے گھر سے چلے جانے کے بعد پھر واپس آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت ان کی تدفین کے لئے آئے، اور اپنے بھائی اسحاق سے مل کر تدفین کی۔ (العرب قبل الاسلام، صفحہ ۱۵۳)

مؤرخ مذکور کی مندرجہ ذیل انتہائی مفصل صراحت نے مستشرقین عالم کے تمام اوہام باطلہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس قدر رتا بناک وضاحت کے بعد اگر کوئی یہودی یا عیسائی عالم مکہ مشرفہ زاداللہ تعظیماً و تکریماً کی قدامت کا شبہ نوک زبان پر لاتا ہے، تو پھر اس سے بڑھ کر حقائق سے چشم پوشی کرنیوالا احمق نہیں ہو سکتا۔ جرجی زیدان ''عرب قبل الاسلام'' میں لکھتا ہے:

''عرب مورخین نے اولاد اسماعیل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس میں سے اکثر تورات سے اخذ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: جب حضرت اسماعیل مکہ میں آئے تو وہاں قبیلہ جرہم کو پایا جس کا آخری بادشاہ مضاض بن بشیر تھا۔ جناب اسماعیل نے انہی میں سے شادی کی اور اولاد ہوئی۔ یہی عرب اسماعیلیہ ہیں جنہیں ''عرب المستعربہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ جناب اسماعیل کی اولاد میں سے ان کا لڑکا ''قیدار'' بہت مشہور ہوا۔ اس کا ذکر تورات میں بھی پایا جاتا ہے۔ قیدار کا سلسلہ نسبت ''عدنان'' سے جاملتا ہے، اس کی اولاد بہت زیادہ پھلی اور پھولی۔ عدنان کے دو بیٹے ''عک'' اور ''معد'' تھے۔ معد ہی سے اسماعیلی قبائل کو فروغ حاصل ہوا۔ ان قبائل کی حسب ذیل تفصیلات ہمیں تورات سے معلوم ہوئی ہیں۔ تورات کے سفر تکوین میں یوسف کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

''وہ (یوسف کے بھائی) کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے۔ گرم مصالح، روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جارہے ہیں۔'' (التکوین، باب: ۳۷، عدد: ۲۵)

یہ واقعہ ۱۸۰۰ قبل المسیح میں پیش آیا جب کہ اسماعیلی مصر کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یوسف کو بھائیوں سے خرید کر مصر میں فروخت کر دیا۔

پھر اسماعیلیوں کا ذکر سفر القضاۃ باب ۶ عدد ۳۳، باب ۷ عدد ۱۲، باب ۸ عدد ۲۴ و ۲۶ میں مذکورہ واقعہ کے پانچ سو سال بعد

اسرائیل کے ساتھ جنگ کے ضمن میں آتا ہے۔ جہاں انہیں کبھی ''بنی المشرق'' اور کبھی ''الاسماعیلین'' کہا گیا ہے۔

پھر پانچ سو سال گزر جانے کے بعد اشعیا باب ۲۱ عدد ۱۶ و ۱۷ میں ان کا ذکر ''قیدار'' کے نام سے کیا گیا ہے، جسے توراۃ میں اسماعیل کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ ۶۰۰ قبل المسیح میں شاہ بابل سے برسر پیکار دکھائے گئے ہیں۔ مگر اس جنگ میں بنی اسماعیل کو شکست فاش ہوئی۔ جس کا تذکرہ سفر القضاۃ باب ۸ عدد ۲۲ و ۲۶ میں اس طرح کیا گیا ہے:

''تب بنی اسرائیل نے جدعون سے کہا کہ تو ہم پر حکومت کر، تو اور تیرا بیٹا اور تیرا پوتا بھی۔ کیونکہ تو نے ہم کو مدیانیوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ تب جدعون نے ان سے کہا نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ بیٹا۔ بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا۔ اور جدعون نے ان سے کہا میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں، تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔ پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس میں ڈال دیں۔ ان کا وزن ایک ہزار سات سو مثقال تھا۔''

موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں:

''عدنانی عرب تہامہ، حجاز اور نجد میں آباد ہوئے ان کی دو شاخیں عک اور معد تھیں، عک کی اولاد زبید کے نواح اور تہامہ کی جنوب میں آباد ہوئی اور قبیلہ معد خوب پھلا پھولا۔ حجاز میں ان کی اقامت ۶۰۰ قبل المسیح میں ہوئی۔ پھر اس قبیلہ کی بھی دو شاخیں تھیں نزار اور قنص۔ نزار کے پانچ مشہور قبائل تھے، قضاعہ، مضر، ربیعہ، ادیار اور انمار۔ یہ سب تہامہ، حجاز اور نجد میں آباد تھے اور قبیلہ قنص اور کچھ معد کی اولاد میں سے بھی مکہ شہر اس کے پہاڑوں وادیوں اور شعائب میں آباد تھے۔''

(عرب قبل الاسلام، صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۸)

مؤرخ علام نے انتہائی شرح و بسط کے ساتھ توراۃ کے ناقابل تردید حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ سیدنا اسماعیل مکہ میں آباد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۱۸۰۰ سال پہلے ان کی اولاد جو مکہ میں مقیم تھی، مصر کے ساتھ تجارتی روابط قائم کئے ہوئے تھی۔ جن کے تجارتی قافلہ نے سیدنا یوسف کو خرید کر مصر میں فروخت کیا۔ اس واقعہ کے پانچ سو سال بعد بنی اسرائیل سے ان کی جنگ ہوئی۔ پھر اس کے پانچ سو سال بعد تورات ان کا ذکر قیدار کے نام سے کرتی ہے، جو اسماعیل کا بیٹا تھا۔ اور اسی طرح عیسیٰؑ کی پیدائش سے چھ سو سال پہلے بابل کے بادشاہ کے ساتھ ان کی جنگ ہوتی ہے۔

کیا تورات کی ان تصریحات اور جرجی زیدان جیسے مشہور عالم مسیحی مورخ کی تشریحات کو جھٹلانے کی کوئی مستشرق جسارت کر سکتا ہے؟ کیا ان واضح براہین کی موجودگی میں بھی مکہ مکرمہ کی قدامت کے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟ پطرس بستانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

''حجاز میں عمالقہ، ادو میں مدیانیین اور انباط نہایت قدیم الایام سے قیام پذیر تھے۔ انہی میں اسماعیل بن ابراہیم آئے تھے۔ ان کا سسرالی خاندان جرہم تھا۔ جنہوں نے مکہ کی بنا رکھی تھی۔''

ہم اس بحث کو بستانی ہی کے حوالے پر ختم کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا عیسائی مورخین اور تورات کے حوالہ جات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ مکہ مکرمہ میں سیدنا اسماعیل آباد ہوئے اور پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے ہوئی۔

بستانی نے کتنے واضح الفاظ میں اسلامی روایات کی صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ مسلمان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جرہم مکہ کے قرب و جوار میں پہلے سے مقیم تھے۔ جب سیدنا اسماعیل اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں مکہ میں قدیم رنجہ فرما ہوئے تو جرہم ہی نے انہیں

خوش آمدید کہا تھا۔اور اسی خاندان کی ایک دوشیزہ سے حضرت اسماعیل نے شادی کر لی تھی۔ کیا مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کا بین ثبوت نہیں ہیں کہ مکہ معظمہ ۲۰۰۰ قبل المسیح حضرت اسماعیل نے آباد کیا تھا۔ بلکہ پورے حجاز کی آبادی انہی کے دم قدم سے وجود میں آئی اور یہ نظریہ مسلمانوں کا ہے۔اس کے باوجود مکہ کی قدامت کا انکار کرنا پرلے درجہ کی حماقت اور کور چشمی کا نتیجہ ہے۔ہم انہی حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

باب نمبر 3:

مکہ کا مشہور قبیلہ قریش

قریش کا ذکر قرآن میں:

قریش کے تلمیحی اور ایہامی اشاروں سے اگرچہ تمام قرآن بھرا ہے،لیکن نام کے ساتھ ان کا ذکر ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے اور وہ سورۂ ایلاف میں،جس کو سورۂ قریش بھی کہتے ہیں:

((لِاِیْلٰفِ قریشٍ O اِلٰفِھم رحلة الشتاء والصیف O فلیعبدوا ربّ ھٰذا البیت O الّذی اطعمھم من جوعٍ لا وامنھم من خوفٍO))

''تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر سے کس قدر اُلفت ہے،ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر امن وامان بخشا۔''

قریش کے افراد اور اشخاص کے ایہامی تذکرے بھی قرآن میں کثرت سے ہیں،لیکن نام کے ساتھ قریش اور موالی قریش میں سے صرف تین اشخاص کا ذکر ہے۔ایک تو خود ذاتِ رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم،دوسرے حضرت زید بن حارثہ اور تیسرا ابولہب،اسم نبوی تو وحی الٰہی کا اصل مخاطب ہے،اس لئے یہ اسم گرامی چار موقعوں پر قرآن میں مذکور ہوا ہے۔

قریش مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسماعیل کا ایک خاندان:

مضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی،جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے۔بانی خاندان کا نام فہر تھا،عدنان تک اُس کا سلسلۂ نسب یہ ہے:فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ......بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان تک سلسلۂ نسب حرف بحرف صحیح اور نا قابلِ شک ہے،صحیح روایات سے ثابت ہے،احادیث میں مروی ہے،اشعارِ عرب میں مذکور ہے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔

لفظ قریش:

فہر کا لقب قریش تھا۔اس بناء پر اس کی نسل نے ''قریش'' اپنا خاندانی عَلَم قرار دیا،لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں،اس کا ایک ماخذ تقریش وتقرش ہے جس کے معنی ''اکتساب وتحصیل'' ہیں،خیال رہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا،اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے۔قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے،جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے،فہر نے اپنے استیلاء وقوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا،حضرت ابن عباس نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

قریش کا زمانہ:

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی، تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ عبدالمطلب چھٹی صدی عیسوی کے اوسط میں موجود تھے، عبدالمطلب سے فہر تک دس پشتیں ہوئیں۔ ایک پشت کے لئے ۲۵ برس کا زمانہ فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے، اس بناء پر قریش کے نظم رجال کے لئے حسب ذیل تقریبی سنین ہم متعین کر سکتے ہیں:

نام	سنہ وجود تقریباً	نام	سنہ وجود تقریباً
فہر قریش	۳۲۵ء	کلاب	۴۵۰ء
غالب	۳۵۰ء	قصی	۴۷۵ء
لوی	۳۷۵ء	عبدمناف	۵۰۰ء
کعب	۴۰۰ء	ہاشم	۵۲۵ء
مرہ	۴۲۵ء	عبدالمطلب	۵۵۰ء

قصی کی نسبت بعض ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ وہ منذر بن نعمان شاہ حیرہ (۴۳۱ء۔۴۷۳ء) کا معاصر تھا۔ قیاس بالا کی روح سے بھی یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔

قریش کا استقلال سیاسی:

حجاز کا صوبہ جو قریش کا وطن تھا گو ہمیشہ بیگانہ اقتدار سے محفوظ رہا لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمسایہ حکومتوں کو اس کی مفتوحی کی ہمیشہ آرزو رہی، یمن کی حیری و حبشی حکومت، ایران کی شہنشاہی اور رومیوں کی دولت عظمیٰ نے عرب کے اس حصہ پر مختلف اوقات میں فوج کشیاں کیں، ہمیشہ ان کا اختتام ناکامیوں پر ہوا۔

اندرون ملک کے عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں کے مقابل، یمن کی وطنی حکومت کی طرف فطرۃً زیادہ کشش ہو سکتی تھی، شاہان حیرہ بھی گو ایرانیوں کے زیر اقتدار تھے لیکن نسباً وہ قریش کے قریب تر تھے کہ دونوں عدنانی النسل تھے۔ اس بناء پر ان دونوں حکومتوں کو حجاز کی حکمرانی کا دعویٰ تھا۔ امراء القیس بن عمرو (۳۲۸ء تا ۳۸۸ء) شاہ حیرہ کے ایک کتبہ کی عبارت پہلے لکھی جا چکی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تاجدار" حیرہ کو، اسد نزار اور عرب کی بادشاہی کا دعویٰ تھا۔

شاہان یمن نے رؤسائے کندہ کو حجاز کے قبائل معد پر حکمران مقرر کیا تھا۔ حجر بن عمرو اس خاندان کا پہلا رئیس تھا۔ عمرو بن حجر دوسرا اور حارث بن عمرو تیسرا، حارث نے اپنی ریاست کے حدود اپنے بیٹوں پر تقسیم کر دیئے، یہ نظام کچھ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، حبشیوں نے حمیر کا خاتمہ کر دیا، جس کے ساتھ گویا کندہ کا خاتمہ ہو گیا، شاہان حیرہ کی رقیبانہ جنگ اور قبائل سعد کی سرکشی نے کندہ کو بے نشان کر دیا جن حبشیوں نے یمن کو فتح کیا تھا اور لشۃً حجاز و تہامہ کو بھی اپنا مملوکہ قرار دیا، چنانچہ ابرہہ کا جو کتبہ سد مآرب پر منقوش ہے اس میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے:

"ابرہہ.....سبا، ریدان، حضرموت، یمن اور اعراب نجد و تہامہ کا بادشاہ۔"

عجب نہیں کہ ابرہہ کے ارادۂ فتح مکہ کا ایک سبب اس ادعائے غیر واقع کو عملاً ثابت کرنا بھی ہو، قیاصرۂ روم کو بھی اس غیر مفتوح خطہ کی حکومت کی کچھ کم ہوس نہ تھی، ابوالبختری خانوادۂ عبدالعزیٰ کا رئیس تھا، وہ قیصر کی طرف سے یہاں کی حکومت پر مامور ہوا، قریش نے تسلیم نہ کیا............اور اس کو شام واپس جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر شام میں جس قدر قریش تھے، سب کو قید کر دیا، آخر قریش نے غسانیوں کی اعانت سے اس کو زہر دلوادیا۔

ان ہمسایہ حکومتوں سے ان خاندانوں میں سب سے پہلے قبیلہ بکر بن وائل نے استقلال حاصل کیا۔ کلیب سب سے پہلا شخص ہے جس نے حمیر و کندہ کے مقابلہ میں آزادی کا علم بلند کیا، اسی کے بعد ہی قریش کے خاندان میں قصیٰ نام ایک دوسرا نامور پیدا ہوا، جس نے قریش کی ایک مستقل ہستی پیدا کردی۔

بچپن ہی میں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا، ماں نے بنی عذرہ کے قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا، بنو عذرہ شمالی عرب کے حدود میں شام کے پاس آباد تھے، قصی نے بھی ماں کی آغوش میں یہیں پرورش پائی، جوان ہو کر نسل و وطن کی جستجو کی تو حجاز میں سراغ پایا، بچپن ہی سے عالی حوصلہ اور بلند نظر تھا۔ مکہ میں دوسرے قبائل نے قریش کو دبالیا تھا۔ اس نے مکہ آ کر قریش کے منتشر اجزاء کو فراہم کیا اور چھوٹی چھوٹی چند لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ قریش نے حجاز کی سرزمین میں سیاسی اہمیت حاصل کی۔ قصی کے وجود کی جو تخمینی تاریخ مقرر کی گئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو قریش کے ظہور سیاسی کی تاریخ غالباً ۴۰۵ء ہے، یعنی اسلام سے سوا سو برس پہلے۔

قصّی کا زمانہ:

تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے:

((کان قصي بن کلاب فی زمن فیروز ابن یزدجرد))

''قصی بن کلاب فیروز بن یزدگرد (شاہِ ایران) کے زمانہ میں تھا۔''

قدیم مؤرخ ابو طاہر مقدسی کتاب البدء والتاریخ میں راوی ہے:

((قصي اول من اصاب ملکاً من العرب من قریش من بعد ولد اسماعیل فی زمن المنذر بن النعمان علی الحیرة والملك بهرام جور فی الفرس فقطع مکة رباعًا وبنی بها دار الندوة))

''قصی عرب قریشیوں میں پہلا شخص جو فرزندانِ اسماعیل کے بعد بادشاہ ہوا، اس وقت منذر بن نعمان حیرہ میں اور شاہ بہرام گور ایران میں بادشاہ تھا، قصی نے مکہ منقسم کیا اور وہاں دارالندوہ بنایا۔''

حمزہ نے قصی کو فیروز بن یزدگرد کا اور مقدسی نے منذر بن نعمان اور بہرام گور کا معاصر ٹھہرایا ہے لیکن یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بہرام گور کا زمانہ ۴۲۰ء سے ۴۳۸ء تک ہے اور اس کے بعد یزدگرد دوم ۴۷۳ء تک حکومت کرتا ہے۔ اسکے بعد فیروز بن یزدگرد ۴۸۴ء تک حکمران رہتا ہے، منذر کا زمانہ ۴۳۲ء سے ۴۷۳ء تک ہے اس بناء پر یہ سمجھنا چاہیئے کہ حمزہ نے قصی کا ابتدائی زمانہ اور مقدسی نے انتہائی زمانہ متعین کیا ہے اور اس کی دلیل منذر کی معاصرت سے ملتی ہے جو ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک قائم رہتی ہے، اس بناء پر تقریباً قصی کا جو زمانہ ہم نے متعین کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے یعنی پانچویں صدی عیسوی کا عہد اوسط۔

اسلام سے پہلے عربوں کی تجارت (رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ):

ملک عرب کا زیادہ تر حصہ غیر آباد اور سنگستانی ہے، اس لئے طبعاً وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کے کاروبار کو فروغ ہونا چاہئے اس کے آباد حصے تمام تر ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں، مغرب سے چلئے، بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اندرونِ ملک میں عرب کا جو حصہ زرخیز ہے، مثلاً یمامہ، نجد اور یثرب و خیبر وغیرہ، یہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔

عرب کے ۱۳ مقامات میں بڑے بڑے میلے لگتے تھے، دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شحرہ، عدن، صنعاء، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، منی، خیبر، یمامہ...... سب سے پہلے دومۃ الجندل میں میلہ لگتا تھا۔ دومۃ الجندل شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۱۵ تک تو بڑا جمگھٹا رہتا تھا۔ ۱۵ کے بعد سے گھٹنا شروع ہوتا تھا۔ کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے۔ ان میں سے جن کا رئیس قابو پاتا، اس بازار کا حاکم ہو جاتا۔ عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے۔ رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا کسی اور کو خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی، یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آتا اس پر ایک کنکر ڈال دیتا۔

دومۃ الجندل سے میلہ اُکھڑ کر مشقر و بحرین میں آکر جمتا تھا، جمادی الاولیٰ پورا ایک مہینہ رہتا تھا، یہ ایران کے قریب تھا اس لئے یہاں ایران کے تاجر بھی آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی۔

اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہوتے۔ اگلے بازاروں میں جو لوگ نہیں آسکتے تھے وہ اس میں آتے تھے یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ سامان قرینہ سے لگا ہوتا، گاہک پتھر پھینکتے جس پر جا پڑتا اٹھا لیتے، یہاں سے ہٹ کر رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں ملک ملک کے سوداگر آتے تھے لوگوں کا میلہ لگتا تھا، یہاں ہندوستان سے، سندھ سے، چین سے اور افریقہ سے سوداگر آتے تھے، عرب کی چیزیں اور دریا کی چیزیں یہاں بکتی تھیں، یہاں سے اُٹھ کر تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے، جو بحر عرب کے ساحل پر حضرموت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے، نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا، چمڑا، کپڑا اور دیگر عام ضرورت کی چیزیں یہاں بکتی تھیں اور کچھ نباتاتی دوائیں لوگ یہاں سے خرید کر لے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے تھے، یہاں دریائی سوداگر زیادہ تر جمع ہوتے تھے۔ یکم سے ۲۰ رمضان تک میلہ رہتا تھا، جو کچھ بچا کھچا مال رہتا تھا وہ یہاں فروخت ہوتا تھا، سلاطین بھی نہایت خوش اسلوبی سے یہاں کا انتظام کرتے تھے، یہاں قسم قسم کے عطر اور خوشبو کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، عربوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے سوا دنیا میں خوشبو بنانا کوئی نہیں جانتا، براہِ دریا ہندوستان اور سندھ تک اور براہِ خشکی ایران اور روم تک یہیں سے یہ چیزیں جاتی تھیں۔

عدن کے بعد صنعاء کے میلہ کا زمانہ آتا تھا، صنعاء یمن کا پایۂ تخت تھا، یہاں روئی، زعفران اور رنگوں کی تجارت ہوتی تھی، کپڑا اور لوہا خرید کر یہاں سے لوگ لے جاتے تھے۔ ۱۵ سے ۳۰ رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی، یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضرموت چلے جاتے تھے وہاں بھی میلہ لگتا تھا۔ اور زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے، عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے بیچ میں لگتا تھا، دونوں مقامات میں ایک ہی وقت میلہ شروع ہوتا تھا، یعنی ۱۵ ذیقعدہ سے۔

عکاظ ایامِ جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا، یہاں قریش، ہوازن، غطفان، خزاعہ، حارث، ابن عبد مناۃ عقل، مصطلق وغیرہ جمع

ہوتے تھے، شعراء یہاں اپنے قصائد سناتے تھے، خطباء تقریریں کرتے تھے، حکام اپنے فیصلے سناتے تھے، شیوخ معاہدے کے دفعات طے کرتے تھے، ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر یہ میلہ چھٹ جاتا تھا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اُٹھ آتے تھے اور ۹ تاریخ تک جمتے تھے، بعد ازیں حج کر کے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے، پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہوتا تھا۔

قریش کی تجارت:

یہ مسلّم امر ہے کہ قریش ایک تاجر قبیلہ تھا، نہ صرف اسی قدر بلکہ زراعت اور کاشتکاری ان کے نزدیک ذلیل ترین پیشہ تھا۔ چنانچہ اہل مدینہ جو کاشتکار تھے، قریش ان کو اسی لئے منہ نہیں لگاتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ذکر قتل ابوجہل)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے لیکن چونکہ اسلام سے ۱۰۰اسو، سوا سو برس پہلے سے یمن اور شام کے ملک میں سیاسی انقلاب پے در پے ہو رہے تھے، اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انہوں نے قریش کے کاروانِ تجارت کو منظم کیا، اہلِ حبش یمن پر قابض ہو گئے، شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا، ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے۔ سال کی دو فصلیں مقرر کیں، جاڑا اور گرمی، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک قریشی سوداگر جاتے تھے۔

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ ملک عرب میں جو عام بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی اس کے باوجود قریش کا کاروانِ تجارت بے خطر آیا جایا کرتا تھا، حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ بادشاہوں کا تجارتی مال بھی عام خطرہ سے خالی نہیں رہتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ قریش کا وطن مکہ تھا جہاں کعبہ تھا، کعبہ کی جو عام عظمت اہلِ عرب کے دل میں تھی، اس کی بناء پر وہ ''جیران'' خدا کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے۔ ان کا خیال اور لحاظ کرتے تھے۔ اس لئے قریش کے تجارتی قافلے بے دھڑک اِدھر اُدھر پھرا کرتے تھے۔ اسی لئے خدائے پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دو بار فرمایا:

((لا یغرنك تقلب الذین کفروا فی البلاد))

''کفار کا ملک بہ ملک پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے۔'' (سورۃ آل عمران)

((لا یغرك تقلبهم فی البلاد))

''ان کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔'' (سورۃ مومن)

اس تفصیل کے بعد سورۂ قریش کی آیتوں پر نظر ڈالئے:

((لِاِیْلٰفِ قریشٍ O اِلٰفِهم رحلة الشتاء والصیف O فلیعبدوا ربّ هٰذا البیت O الّذی اطعمهم من جوعٍ لا و اٰمنهم من خوفٍ O))

''قریش کو سردی اور گرمی کے سفر میں اپنے تجارتی عہد و پیمان کے لئے چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر امن و امان بخشا۔''

قریش کو چونکہ عرب کی خشک اور بنجر زمین میں کھانے کی چیز اور نعمت ملتی ہے اور اس عام بے امنی کے زمانہ میں بھی ان کو امن حاصل ہے، شہر کے اندر بھی کہ حرم میں کوئی قتل اور خونریزی جائز نہ تھی اور حرم کے باہر وہ خدا کے پڑوسی تھے، لیکن یہ تمام نعمتیں صرف اس انتساب کی بناء پر ان کو حاصل تھیں جو ان کو خانہ کعبہ سے تھا، اس لئے ربّ کعبہ یعنی خداوند تعالیٰ کا شکر یہ ان پر واجب ہے۔

یہ قافلے ذی قعدہ میں لوٹ آتے تھے۔ شاید اسی لئے اس مہینہ کا نام ''ذیقعدہ'' رکھا تھا یعنی بیٹھنے کا مہینہ، اس کے بعد ذی الحجہ آتا تھا جس میں ان کا موجود رہنا ضرور تھا۔

اس امن و امان کے معاوضہ میں قریش ان قبائل کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وہ خود ان کے پاس جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ درحقیقت یہ بھی قریش کی تجارت کے فروغ کا ایک سبب تھا، قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور لاچار عورتیں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں اور دوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو قریش کی ایک بیوہ خاتون تھیں اسی طریقہ سے تجارت کرتی تھیں، ان کا سامانِ تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا۔

ابو طالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد بھی تاجر تھے اور بڑے بڑے امرائے قریش، مثلاً ابو جہل و ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر کئی دفعہ بُصریٰ تشریف لے گئے، بحرین بھی آپ کا جانا ثابت ہے جب اسلام کا ظہور ہوا اور ناچار مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا، تو مسلمانوں نے قریش کو عاجز کرنے کے لئے اس سے بہتر صورت نہ دیکھی کہ ان کے شامی قافلہ کے راستوں کو پُرخطر کر دیا جائے چنانچہ غزوۂ بدر اسی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

((و اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انّھا لکم))

''خدا وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں یعنی فوج اور کاروانِ تجارت میں سے ایک تم کو ملے گا۔'' (سورۃ الانفال)

اسی کاروان کے متعلق ہے:

((والرّکب اسفل منکم))

''کارواں تم سے اُدھر تھا۔'' (سورۃ الانفال)

اس غزوۂ بدر کے قافلہ میں قریش کی ایک ایک بڑھیا تک کا سرمایہ تھا۔ قریش نے جب مسلمانوں کو حج کرنے سے روک دیا تھا تو انہوں نے سب سے مؤثر دھمکی ان کو یہ دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت کا قافلہ روک دیں گے۔ آخر اسی سے دب کر ۶ ہجری میں انہوں نے مقام حدیبیہ میں صلح کر لی اس صلح کے زمانہ میں قریش کا قافلہ بدستور شام اور ایشیائے کوچک تک پہنچنے لگا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کئے ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب مسلمان قاصد خط لے کر ایلیا (بیت المقدس) پہنچا تو وہاں قریش کے سوداگر بھی موجود تھے۔

اہل عرب کے سامانِ تجارت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزوں کی تجارت کرتے ہوں گے، مگر بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے۔ قریش نے حبش کے نومسلموں کو پکڑنے کے لئے تحفہ تحائف دے کر نجاشی کے پاس جو وفد بھیجا تھا اس کا سرمایہ بھی چمڑا تھا، طبری میں ہے:

((وکان اعظم تجارتھم الفضة))

''قریش کی تجارت کا بڑا حصہ چاندی کا سامان تھا۔''

اسلام کے بعد بھی قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ تیز ہوگئی اور:

((وابتغوا من فضل الله)) (سورۃالجمعه)

کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کپڑے کی تجارت کرتے تھے، مدینہ میں بھی مقام سلخ میں اُن کے کپڑے کا کارخانہ تھا، کبھی خود بنفس نفیس اسلام کے بعد بصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے، اور شاید اُن کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنوقینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پنیر بیچتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے تاجر تھے، اور شام سے اُن کا بیوپار تھا۔ دیگر عام مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے۔

انصار زراعت پیشہ تھے، اس لئے یہاں تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا، مدینہ سے شام تک ان کی بہت سی گڑھیاں تھیں جن کو گودام سمجھنا چاہئے، ابن ابی الحقیق ایک یہودی تھا جس کو لوگ ''تاجر الحجاز'' کہا کرتے تھے، لیکن آخرکار مسلمانوں نے ان کی جگہ لینی شروع کردی اور آخرے ھ میں ملک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا۔

عرب میں جو بڑے بڑے تجارتی میلے لگتے تھے، قریش ان سے زیادہ عکاظ اور ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے، عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے میلے کے دن آتے تھے، یہ میلہ عین مکہ میں آکر لگتا تھا اور حج تک قائم رہتا تھا۔

اسلام آیا لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایامِ حج میں خرید وفروخت کو بُرا جانا، اس پر یہ آیت اُتری:

((لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم))

''تمہارے لئے کوئی حرج نہیں اگر (حج کے زمانہ میں) اپنے پروردگار کی مہربانی تلاش کرو۔''

اس کے بعد ان میلوں میں پھر وہی رونق اور تجارتی دھوم دھام شروع ہوگئی اور تقریباً سوا سو برس تک یہ زمانہ اسلام میں قائم رہے۔ سب سے پہلے عکاظ کا بازار سرد ہوا، ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوگیا، اس کے بعد اور بازار بھی کچھ دنوں تک چلتے رہے، بصریٰ اور اذرعات میں بنواُمیہ کے اہتمام سے بڑا بازار لگتا تھا۔

باب نمبر 4:

مکہ مکرمہ کے رئیس

(زمانہ رسالت سے پہلے)

جنابِ عدنان

عدنان اپنے زمانے میں اہلِ عرب کے مسلمہ سردار تھے۔ ان کے والد کا نام اددیاد ہے، ان کے دو اور بھائی تھے جو باپ کی طرف سے سگے تھے، ایک کا نام نبط اور دوسرے کا نام عمرو تھا۔

جنابِ معد:

جنابِ معد جنابِ عدنان کے صاحبزادے تھے، آپ بہت چوڑے چکلے، خوبصورت اور مضبوط جسم والے تھے۔ آپ کی عمر ابھی بارہ برس تھی کہ بخت نصر نے عرب قبائل پر حملہ کردیا۔ اللہ کے حکم سے دو انبیاء نے معد کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بخت نصر نے معد کو قتل کرنا چاہا تو دونوں انبیاء نے اسے روک دیا اور اسے بتایا کہ ان کی نسل سے ایک جلیل القدر نبی پیدا ہونے والا ہے۔

بخت نصر کی موت کے بعد معد ان انبیاء کے ساتھ مکہ واپس آئے اور اپنے بھائیوں کو یمن سے بلا کر مکہ میں آباد کیا۔ فارغ وقت میں

معد پہلوانی جیسی ورزشیں اورلڑائی کی مشق کیا کرتے ۔لڑائی میں مہارت کے باعث آپ کوابوالحرب بھی کہاجاتا ہے۔

جنابِ نزار:

تہامہ کے سردار معد کے ہاں جب ''نزار'' نامی فرزند پیدا ہوا تو انہوں نے خوشی میں بہت سے اونٹ ذبح کر کے تمام اہلِ تہامہ کی دعوت کا اہتمام کیا اور کہا کہ اس نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرنے کے لئے میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے، وہ بہت حقیر چیز ہے۔ میں نے جتنا کثیر صدقہ کیا ہے، یہ سب اس بچے کی پیدائش کی برکتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔آپ نے کہا:

((اِنَّ هٰذَا كُلَّهُ نَزْرٌ لِحَقِّ هٰذَا الْمَوْلُوْدِ))

اس وجہ سے ان کا نام نزار مشہور ہو گیا۔نزار اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ وجیہ اور حسین تھے۔اس پر مستزاد یہ کہ عقل وفہم میں بھی کوئی ان جیسا نہ تھا۔نزار کی شخصیت بہت باوقار تھی۔اس پر مزید یہ کہ حسن وفہم نے ان کو مزید جاذبِ نظر بنا دیا تھا لہٰذا یہ جب کسی سردار کے پاس جاتے تو بڑے بڑے سرداران کے رعب کے باعث بڑا احترام کرتے اور ان سے بہت محبت سے پیش آتے۔

جنابِ مضر:

نزار کے فرزند مضر بھی اپنے باپ کی طرح نہایت خوبصورت تھے اور اپنے حسن و جمال کی وجہ سے دلوں کو اپنا شیدائی بنا لیتے تھے جو شخص بھی ان کو دیکھتا، ان کا دیوانہ ہو جاتا۔

علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ حُدی خوانی کا آغاز آپ نے ہی کیا، آپ کی آواز اتنی سریلی تھی کہ جب آپ کچھ گا رہے ہوتے تو دور چراگاہوں میں چرنے والے اونٹ بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے۔یہ چار بھائی مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار تھے۔

علامہ زینی دحلان السیرۃ النبویہ کی کتاب میں یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ اور مضر کو برا مت کہو کیونکہ وہ دونوں مومن تھے۔ دوسری روایت ہے کہ مضر کو برا بھلا نہ کہو کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھا۔مضر کی قبر روحاء کے علاقے میں بیان کی جاتی ہے۔

جنابِ الیاس:

جناب مضر کے فرزند جنابِ الیاس بھی نہایت ذی وجاہت بزرگ تھے۔عرب کے لوگ انہیں سید العشیرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔سب سے پہلے بیت اللہ شریف میں قربانی کا جانور لے کر جانے والے الیاس ہی ہیں۔علامہ زینی دحلان ہی یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں:

''الیاس کو برا بھلا مت کہو، وہ مومن تھے۔اہلِ عرب میں ان کی مثال ایسی تھی جیسے لقمان حکیم اپنی قوم میں۔''

علماءِ انساب سے منقول ہے کہ جب الیاس جوان ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان پر انہیں سخت تنبیہ کی اور تلقین کی کہ اپنے جلیل القدر باپ کی سنت اور طریقوں کی پابندی کریں۔اُن کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور قوم نے پھر سے سیدھے راستے کو اختیار کر لیا۔

جنابِ مدرکہ:

مدرکہ کا اصل نام عمرو تھا۔علامہ ابن جریر طبری کے مطابق ان کی والدہ خندف کے لقب سے مشہور تھیں۔ان کا نام لیلیٰ بنت حلوان تھا۔لیلیٰ بنت حلوان کا تعلق یمن کے ایک قبیلے سے تھا۔اپنی خوبیوں اور صفات کے باعث انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی اولاد کو باپ کے بجائے ان کی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ایک روز عمرو اور ان کا بھائی عامر جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے کہ

انہیں شکار مل گیا۔ دونوں بھائی اسے پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اچانک ایک خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ اس سے ڈر کر اونٹ بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمرو نے عامر سے پوچھا۔ اونٹوں کے پیچھے جاؤ گے یا شکار پکاؤ گے۔ اس نے شکار پکانے کی ہامی بھری۔ عمرو دوڑے اور تمام اونٹوں کو ہانک لائے، شام کو باپ کو واقعہ سنایا تو انہوں نے عمرو سے کہا تم مدرکہ اور عامر سے کہا کہ تم طانجہ ہو۔ (تاریخ طبری)

جنابِ خزیمہ:

مدرکہ کے فرزند جنابِ خزیمہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنتِ اسلم تھا۔ ان کے ایک بھائی کا نام ہذیل تھا۔ ماں کی طرف سے بھی ان کا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام تغلب بن حلوان تھا۔ خزیمہ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ خزیمہ کے فضائل و مکارم کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے کہ فضائل و مکارم جتنے تھے وہ تو سب کے سب تیزی سے خزیمہ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے اور ان میں کوئی مکر باقی نہ رہا۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی۔

جنابِ کنانہ:

جنابِ خزیمہ کے فرزند جنابِ کنانہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عوانہ بنتِ سعد بن قیس بن عیلان تھا جبکہ بعض ان کی والدہ کا نام ہند بنتِ عمرو بن قیس بتاتے ہیں۔ امام محمد بن یوسف کنانہ کا مطلب ترکش بیان کرتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالنضر تھی۔ ایک روز کنانہ حطیم میں سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ انہیں کہا گیا:

''ان چار چیزوں میں سے ایک چن لو: گھوڑے، اونٹ، تعمیرات اور دائمی عزت۔''

آپ نے عرض کیا:

''اے میرے رب! مجھے یہ ساری نعمتیں عطا کر۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قریش کو یہ ساری نعمتیں عطا فرما دیں۔ (تاریخ طبری)

جنابِ نضر:

جنابِ نضر کا اصل نام قیس تھا۔ جو نہایت حسین جوان تھے۔ چہرے کی دمک اور حسن کے باعث قیس نضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام برّہ بنت مر بن اد بن طانجہ تھا۔

جنابِ مالک:

جنابِ نضر کے فرزندوں میں سے جنابِ مالک ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ ہے، بعض مؤرخین نے عکرشہ کو ان کی والدہ بتایا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عاتکہ ان کا نام اور عکرشہ لقب تھا اور یہی مالک کی والدہ تھیں۔ نضر لوگوں کی ضروریات کے بارے میں ان سے دریافت کیا کرتے اور ان کی حاجت پوری کرتے، اس لئے انہیں قریش کہا گیا جو ''قرش'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی تفتیش کرنا ہے۔ اپنے نامور والد کی طرح نضر کی اولاد بھی موسمِ حج میں حجاج کے پاس جاتی اور لوگوں کی خیریت دریافت کرتی۔ لوگوں کو کچھ ضرورت ہوتی تو اسے پورا کرتے۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ نضر کا نام قریش تھا۔ اس لئے ان کی اولاد قریش کہلائی، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بے شک نضر اور اس کی اولاد میں غریب پروری اور مسافر نوازی کی صفات تھیں بایں ہمہ انہیں بنو نضر ہی کہا جاتا تھا۔ یہ قبیلہ قریش کے لقب سے اس وقت مشہور ہوا جب قصی

نے اطراف عرب میں سے اپنے قبیلے کے منتشر افراد کو مکہ میں جمع کیا۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ نضر کی اولاد جمع ہو گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمن کے فرزند ابی سلمہ سے منقول ہے کہ جب قصی حرم میں اترا اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پسندیدہ کام کیے تو اس وقت اسے قریش کہا گیا اور وہی پہلے شخص ہیں جنہیں قریشی کے لقب سے پکارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جنابِ فہر بن مالک:

جناب مالک کے فرزند فہر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے دسویں دادا ہیں۔ فہر کی والدہ کا نام جندلہ بنت عامر بن حارث بن مضاض الجرہمی تھا۔ یہ قریش کو جمع کرنے والے کے نام سے مشہور تھے۔ اپنے دور میں فہر اہل مکہ اور نواح کے قبیلوں کے سردار تھے۔ حسان بن عبدالکلال الحمیری نے یمنی قبائل کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تاکہ وہ پتھر جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا انہیں اکھیڑ کر لے جائیں اور ان پتھروں سے اپنے ہاں کعبہ تعمیر کریں اور لوگوں کو حکم دیں کہ وہ حج کرنے کے لئے مکہ کے بجائے یمن آئیں۔ ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے گرد طواف کریں اور دیگر مناسک حج ادا کریں۔

جب قریش اور دیگر قبائل نے یہ حالات دیکھے تو حسان کے ساتھ جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، قریش اور دیگر عرب قبائل کے لشکر کے سپہ سالار فہر تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جنگ میں حسان الحمیری کو شکست ہوئی۔ اسے جنگی قیدی بنالیا گیا۔ فہر کے بیٹے حارث نے اسے قید کیا تھا۔ عربوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ فہر کے پوتے قیس بن غالب بن فہر اس جنگ میں کام آئے، حسان تین برس تک مکہ میں بطور جنگی قیدی رہا، آخر اس نے فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔ وہ اپنے وطن لوٹ رہا تھا کہ راستے ہی میں مر گیا۔ (طبری، البدایہ والنہایہ)

جنابِ غالب:

غالب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں نویں دادا ہیں۔ ان کی کنیت ابوتیم تھی، ان کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام لوی اور دوسرے کا نام تیم تھا۔ بنی تیم کے جدِ اعلیٰ یہی تیم تھے جو غالب کے بیٹے تھے۔

جنابِ لُوَی:

جناب لُوی ہمارے نبی کریم ﷺ کے نسب میں آٹھویں دادا ہیں۔ لُوی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت یخلا بن نضر بن کنانہ تھا۔ قریش میں عاتکہ نام کی خواتین جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک میں آتا ہے ان میں سے یہ پہلی عاتکہ ہیں۔ لُوی کے دو سگے بھائی تھے۔ تیم کی ٹھوڑی میں نقص کی وجہ سے انہیں تیم الادرم کہا جاتا تھا۔ دوسرے بھائی کا نام قیس تھا۔ ان کی کوئی اولاد باقی نہیں، ان کے خاندان کے آخری فرد نے خالد بن عبداللہ القسری کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کی میراث کا حق دار کوئی فرزند نہ رہا۔ لُوی کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کی صفات سے متصف فرمایا۔ بچپن میں ہی آپ کی زبان سے ایسے جملے نکلتے جو ضرب المثل بن جایا کرتے۔

جنابِ کعب:

جنابِ کعب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ساتویں دادا ہیں۔ ان کی شخصیت بڑی ممتاز تھی، وہ ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ قریش کو جمع کرتے اور انہیں خطاب فرماتے۔ ان کے خطابات ان کے سچے مومن ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے۔ انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دیتے اور یہ بتاتے کہ آخری نبی ان کی اولاد سے ہوں گے۔ اپنی قوم کو تاکید کرتے کہ اگر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نصیب ہو تو فوراً ایمان لائیں۔ کعب ایسے شعر پڑھتے جن سے اس محبت و وارفتگی کا اظہار ہوتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دل میں موجزن تھی۔ نیز وہ دینِ ابراہیمی پر کاربند تھے۔

کعب کی اہل عرب [illegible] لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے [illegible] تھے۔ (الکامل ابن اثیر جلد دوم)

جناب مُرّہ:

مرہ بن کعب کی [illegible] ہیں اور مرہ بن کعب [illegible] ہے۔

جناب کلاب:

جناب کلاب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نام عروۃ [illegible] کے تیر [illegible] نے ہی تجویز کئے تھے۔

جناب قصی:

جناب قصی کا اصل نام زید تھا۔ آپ 400ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے [illegible] ہے کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ فاطمہ [illegible] دوسرے زید تھے جو اس وقت بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ بیوہ [illegible] بیوی کو ساتھ لے کر وطن روانہ ہونے لگا تو بڑے بھائی زہرہ تو سن بلوغت کو [illegible] اپنے وطن "عذرہ" جو شام کی سرحد کے قریب ہے [illegible] ایک دن قبیلہ کے کسی بچے نے انہیں غریب الوطنی کا طعنہ دیا تو آپ [illegible] اپنی ماں کے پاس آئے اور ان سے حقیقت حال دریافت کی۔ ماں نے کہا بیٹا آزردہ ہونے کی کیا بات ہے تو ایسے خاندان کا چشم و چراغ ہے جس کی سارے عرب میں عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ تو اپنی ذات اور نسبت کے اعتبار سے یہاں کے لوگوں سے بہتر ہے تو قریش کے مشہور سردار کلاب بن مرہ کا بیٹا ہے۔ تیرا قبیلہ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں ہے۔ جب حج کا موسم آیا تو زید والدہ سے اجازت لے کر حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ ان کی والدہ کے بطن سے ربیعہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رزاح بن ربیعہ تھا۔ ربیعہ کی دوسری بیوی سے بھی اس کے کئی بچے بیٹیاں تھیں۔

مکہ آکر زید کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی زہرہ کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ جب جوان ہو گئے تو بنی خزاعہ کے سردار حلیل کی لڑکی حبی کا رشتہ طلب کیا۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس نے آپ کے خاندان کی شرافت کو دیکھتے ہوئے اپنی بچی کا نکاح قصی سے کر دیا، جس کے بطن سے آپ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ عبدالدار، عبد المناف، عبدالعزیٰ، عبد قصی۔ حلیل بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کعبہ کی تولیت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے۔ اس نے اپنی بیٹی حبی کو اپنی جگہ متولی بنا دیا۔ حبی نے کہا کہ میں نہ تو کعبہ کا دروازہ کھول سکتی ہوں اور نہ بند کر سکتی ہوں۔ اس نے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اپنے بیٹے ابو غبشان کے سپرد کر دی۔ قصی نے شراب کے ایک مشکیزے اور سارنگی کے عوض ابو غبشان سے کعبہ کی تولیت کا حق خرید لیا۔

بنوخزاعہ کوقصی کے متولی بننے نے برافروختہ کر دیا۔ انہوں نے تلوار کے زور سے یہ حق چھیننے کا فیصلہ کرلیا۔قصی نے بھی اپنے بھائیوں کومدد کے لئے پکارا۔قصی کے مکہ میں موجود بھائی زہرہ اور''عذرہ''میں مقیم ماں کی جانب سے بھائی رزاح بن ربیعہ اپنے تین دوسرے بھائیوں، ہمدردوں اور قبیلہ قضاعہ کے جوانوں کا لشکر لے کر مکہ پہنچ گئے،خوب جنگ ہوئی، دونوں طرف کے کئی آدمی مارے گئے مگر فتح وشکست کا فیصلہ نہ ہوسکا، چنانچہ طے پایا کہ فریقین عمرو بن عوف بن کعب کو اپنا ثالث مقرر کرلیں اور وہ جو فیصلہ کرے، اسے تسلیم کرلیں گے۔علامہ احمد بن زینی الدحلان السیرۃ النبویہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب فریقین نے عمرو کو اپنا حاکم مان لیا تو اس نے کہا کہ کل صحن کعبہ میں آپ کے جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے گا۔دوسرے روز جب دونوں فریق صحن کعبہ میں جمع ہوگئے تو عمرو بن عوف کھڑا ہو گیا۔اس نے اعلان کیا کہ کان کھول کر سن لو۔فریقین کے درمیان جو خونریزی ہوئی ہے، میں نے اس کو اپنے ان دو قدموں کے نیچے روند دیا ہے۔پس کسی فریق کے مقتولوں کا خون بہا دوسرے فریق پر نہیں۔تولیت کعبہ کے بارے میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کا متولی میں قصی کو مقرر کرتا ہوں۔

کعب بن لؤی کی اولاد میں سے قصی پہلا شخص ہے جس کو حکومت ملی اور ساری قوم نے برضا و رغبت ان کی اطاعت قبول کی۔قصی کی شخصیت میں ہی حجابہ، افادہ، سقایہ، ندوۃ اور اللواء کے اعزازات جمع ہوگئے۔اس نے تمام لوگوں کو اپنے اپنے حصے میں رہائشی مکانات بنانے کی اجازت دے دی۔قصی کی دانشمندانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے طفیل قریش کو عزت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا تھا۔اس باعث وہ قصی کے احسان مند تھے۔اس کے ہر حکم کو دل وجان سے بجالاتے۔ہر جوڑے کی شادی قصی کے گھر طے پاتی۔جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو ساری قوم اس کے گھر میں جمع ہوتی۔جنگ کی نوبت آتی تو جنگی علم باندھنے کا فریضہ قصی انجام دیتے۔قصی نے ایک عمارت تعمیر کی، جس کا نام دارالندوہ رکھا گیا۔اس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے۔ان کے حکم پر بچے بوڑھے سب وہاں حاضر ہوجاتے۔

جناب عبد مناف:

قصی کے چار فرزند تھے۔بڑے بیٹے کا نام عبدالدار، ان سے چھوٹے کا نام عبدمناف، تیسرے کا نام عبدالعزیٰ اور چوتھے کا نام عبد قصی تھا۔عمر کے لحاظ سے عبدالدار اگرچہ بڑے تھے لیکن عبدمناف کی ذاتی خوبیوں کے باعث ساری قوم ان کی گرویدہ تھی۔ان کی سخاوت کے باعث قریش ان کو الفیاض کے لقب سے پکارتے تھے۔قصی کو بڑے بیٹے سے زیادہ محبت تھی۔انہوں نے پانچوں مناسب پر عبدالدار کو فائز کردیا لیکن امام محمد بن یوسف الصالحی لکھتے ہیں:

> ''قصی نے اپنے مناصب کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔سقایہ اور ندوہ عبدمناف کو تفویض کیا۔ان کی ذریت میں سے نبی پاک پیدا ہوئے۔حجابہ اور لواء عبدالدار کو دیا یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور جھنڈا اور ایام منیٰ میں حاجیوں کی میزبانی کا فریضہ عبدالعزیٰ کو سونپا، ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا چولھا گرم نہیں کرسکتا تھا اور وادی کی حفاظت کی ذمہ داری عبد قصی کو سونپی۔''

یہی قول درست ہے۔

جناب عبدِ مناف کو ان کے حسن وجمال کی وجہ سے قمر البطحاء یعنی بطحا کا چاند کہا جاتا تھا۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

''میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔''

عبدِ مناف بتوں سے بغض رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کے چہرے پر چمکتا تھا۔ اپنی سخاوت اور غیرِ معمولی سیاسی فہم و فراست کی وجہ سے اپنے والد کے بعد یہی اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے۔

قصی کو وفات کے بعد حجون میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد سارے لوگ اپنی میتوں کو وہیں دفن کرنے لگے۔

قصی کے چند حکیمانہ اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

جس نے کسی سفلہ مزاج اور کمینہ خصلت آدمی کا احترام کیا، وہ گویا اس کی کمینگی میں حصہ دار ہے۔

عزت و تکریم سے جس کی اصلاح نہیں ہوتی، ذلت و رسوائی اس کی اصلاح کر دیتی ہے۔

(سیرت حلبیہ، تاریخ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ)

جنابِ ہاشم:

عبدِ مناف کے چار بیٹے تھے:

1: ہاشم۔ 2: مُطّلِب۔ 3: عبدِ شمس۔ 4: نوفل۔

حضرت ہاشم کا نام عمرو یا عمر تھا۔ یہ اور عبدِ شمس جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جب پیدا ہوئے تو ہاشم کے پاؤں کا انگوٹھا عبدِ شمس کے سر کے ساتھ چسپاں تھا۔ اس کو الگ کرنے کے لئے تیز دھار آلہ استعمال کیا گیا جس سے خون کے چند قطرے ٹپک پڑے۔ جس پر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ان کی اولاد کے درمیان خون ریزی ہوگی۔

ہاشم اور ان کے بھتیجے امیہ کے درمیان عداوت کی پہلی وجہ حسد تھی۔ ہاشم کی سرداری اور بلند حیثیت دیکھ کر امیہ ان سے بڑا بننے کی کوشش کرتا۔ آخر اس نے مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ عسفان کے کاہن الخزاعی کو فیصلے کا اختیار دیا گیا۔ کاہن نے کہا:

''قسم ہے چمکنے والے چاند کی، دمکنے والے ستارے کی، برسنے والے بادل کی اور فضا میں اڑنے والے پرندوں کی کہ ہاشم امیہ سے مفاخر میں گوئے سبقت لے گیا۔''

امیہ بازی ہارنے کے باعث طے شدہ شرط کے مطابق دس سال تک شام میں خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزارتا رہا۔

جناب ہاشم طبعاً فیاض شخص تھے۔ ایک بار قحط کے باعث لوگوں کو کئی کئی روز تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ ہاشم شام سے آٹا اور گندم خرید کر لائے اور حج کے ایام میں لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ لوٹے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ اونٹ ذبح کئے گئے، ان کے گوشت کے سالن کو شوربے والا بنایا گیا۔ اس شوربے میں روٹیاں کوٹ کوٹ کر ثرید بنایا اور سب کو کھانے کی دعوت دی۔ اس وجہ سے آپ کا نام ہاشم پڑ گیا۔

ہاشم کا مطلب روٹیاں توڑ کر شوربے میں ملانے والا ہے۔

ہاشم وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے دو سفروں کا آغاز کیا۔ ایک تجارتی سفر سردیوں میں جبکہ دوسرا تجارتی سفر گرمیوں میں ہوتا۔

عبد مناف کے بیٹوں نے اہل مکہ کے لئے مختلف حکمرانوں سے اجازت نامے حاصل کئے تاکہ یہ لوگ ان ممالک سے آزادی کے ساتھ تجارت کر سکیں اور کوئی ان سے دسترس نہ کرے۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے وہاں کی حکومت ان کی جان اور تجارتی کاروانوں

کی حفاظت کی ضمانت دیتی۔ جناب ہاشم کی عمر ابھی پچیس سال تھی کہ آپ اپنے تجارتی کارواں کو لے کر شام کے علاقے میں گئے اور وہیں بیمار ہو کر وفات پائی۔ آپ کا مزار غزہ شہر میں ہے۔

عبدالمُطَّلِب بن ہاشم:

عبدِ مناف کے چار بیٹوں میں سب سے بڑے ہاشم اور سب سے چھوٹے مُطَّلِب تھے۔ ہاشم کی شادی عمرو بن لبید الخزرجی کی بیٹی سلمٰی کے ساتھ ہوئی۔ سلمٰی کے ہاں جب بچے کی ولادت کا وقت آیا تو ہاشم نے انہیں ان کے میکے یثرب بھیج دیا۔ جب مولودِ مسعود پیدا ہوا تو اس کے سر کے بالوں میں چند سفید بال تھے۔ اس لئے انہیں شیبہ یعنی بوڑھا کہا جانے لگا اور یہی نام تجویز ہوا۔

ہاشم تجارتی کارواں کے ہمراہ شام گئے اور راستے میں فوت ہو گئے۔ شیبہ اور ان کی والدہ سلمٰی یثرب میں رہنے لگے، ایک دن ایک آدمی وہاں سے گزرا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بچہ نشانہ بازی کرتے ہوئے خود کو بطحاء کے سردار ہاشم کا بیٹا قرار دے رہا تھا۔ وہ مکہ آیا اور ہاشم کے بھائی مُطَّلِب کو بتایا کہ اس کا بھتیجا مدینہ میں برے حالات میں پرورش پا رہا ہے۔ مُطَّلِب گئے اور بھتیجے کو مکہ لے آئے مگر شیبہ کی والدہ نے مکہ آنے سے انکار کر دیا۔

مُطَّلِب جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے بچے کے بارے میں دریافت کیا۔ مُطَّلِب نے ایسے ہی کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ جس پر پورے مکہ میں شیبہ کو عبدالمُطَّلِب کہا جانے لگا۔ مُطَّلِب نے لوگوں کو بعد میں بتایا بھی کہ یہ اس کے بھتیجے ہیں لیکن اب شیبہ کی عبدالمُطَّلِب کے طور پر ہی شناخت پختہ ہو چکی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام جمہور کے نزدیک شیبۃ الحمد ہے۔ پیدائش کے وقت سر میں ایک بال سفید تھا اس لئے شیبہ لقب پڑ گیا۔

حلبی کہتے ہیں کہ لوگ ان کی کثرت سے تعریف کیا کرتے تھے، اس لئے ان کا نام شیبۃ الحمد پڑ گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام عامر تھا۔ ان کی کنیت ابوالحرث تھی۔

علی شیبۃ الحمد الذی کان وجھہٗ
یضیء ظلام الیل کالقمر البدری

''شیبۃ الحمد کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند رات کی تاریکی کو روشن کرتا ہے۔''

چنانچہ جوان ہو کر آپ نہایت وجیہ وجمیل اور خوبصورت نکلے، اس کے علاوہ آپ کو قدرت نے فہم وفراست سے خصوصی طور پر نوازا تھا۔ آپ میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو کسی قبیلہ کے سردار میں ہونی چاہئیں، اسی لئے آپ کو قبیلہ کی سرداری اور بیت اللہ کی ولایت سونپی گئی اور آپ ہی کے دور میں زمزم کا وہ کنواں جو عرصۂ دراز سے بند ہو کر گم ہو گیا تھا، دوبارہ برآمد ہوا جو آج تک انسانیت کی پیاس بجھا رہا ہے۔ نیز آپ کے زمانے میں بیت اللہ پر ابرہہ نامی بادشاہ کے حملے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

زمزم کا کنواں کس طرح برآمد ہوا؟ اس کو معلوم کرنے سے قبل ہم اس کا پس منظر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند جناب اسماعیل علیہ السلام اور اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ گئے تھے، اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام یا فرشتے کی ایڑی سے اس شہرۂ آفاق چشمے کا ظہور ہوا، جسے زمزم کہا جاتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ماں بیٹے کی پیاس بجھانے کا انتظام کیا اور ساتھ ہی ان کی تنہائی ختم کرنے کے لئے قبیلۂ جرہم کو وہاں بھیج دیا۔

قبیلۂ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا۔ مشیت ایزدی سے یمن میں قحط پڑا۔ اس وجہ سے بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اثناءِ راہ میں اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے چاہِ زمزم کے قریب ملاقات ہوگئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور اسی جگہ قیام پذیر ہو گئے اور پھر بعد میں اسماعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی اور بعثت کے بعد عمالقہ اور جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ حطیم میں اپنی والدہ ماجدہ کے قریب مدفون ہوئے۔

اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حسبِ وصیت اُن کے بیٹے قیدار خانہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اسی طرح بنو اسمٰعیل خانہ کعبہ کے متولی ہوتے رہے۔ مرورِ زمانہ کے بعد بنو اسماعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔ بالآخر بنی جرہم غالب آ گئے اور مکہ میں جرہم کی حکومت قائم ہوگئی۔ چند روز کے بعد جرہم کے حکام لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے لگے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ اولادِ اسماعیل مکہ کے اطراف وجوانب میں آباد ہوگئی۔ جرہم کا جب ظلم وستم، فسق وفجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے گزر گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مجبوراً قبیلۂ جرہم کو مکہ سے نکلنا اور بھاگنا پڑا، لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی چیزوں کو بیئر زمزم میں دفن کر گئے اور بیئر زمزم کو اس طرح بند کر گئے کہ زمین کے ہموار ہو گیا اور زمزم کا نشان بھی نہ رہا۔ بنی جرہم کے چلے جانے کے بعد بنی اسمٰعیل مکہ میں واپس آ گئے اور آباد ہو گئے، مگر بیئر زمزم کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ مرورِ زمانہ سے اس کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ یہاں تک کہ جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی اور ارادۂ خداوندی اس جانب متوجہ ہوا کہ چاہِ زمزم جو عرصہ سے بند اور بے نام ونشان پڑا ہے، اس کو ظاہر کیا جائے تو رؤیائے صالحہ یعنی سچے خواب کے ذریعہ سے عبدالمطلب کو اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔ چنانچہ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے خواب میں کہا:

((احفِرْ بَرَّةَ))

"برہ کو کھودو۔"

میں نے دریافت کیا:

(("وَما بَرَّةَ"))

"برہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے:

(("احفر المضنونة"))

"مضنونہ کو کھودو۔"

میں نے دریافت کیا:

(("وما المضنونة"))

"مضنونہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا۔ تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص یہ کہہ رہا ہے:

((احْفِر طيبة))

"طیبہ کو کھودو۔"

میں نے کہا:

(("وما الطیبۃ"))

"طیبہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا کہ وہ شخص یہ کہتا ہے:

(("اِحفر زمزم"))

"زمزم کو کھودو۔"

میں نے کہا:

(("وما زمزم"))

"زمزم کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

((ا تَنْزِفُ ابَدًا وَلَا تُذَمُّ تسقی الحجیج الاعظم))

"وہ پانی کا ایک کنواں ہے کہ جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے، بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے۔"

اور پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتلائے کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات کے بتلانے سے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے یعنی رؤیائے صادقہ ہے۔ عبدالمطلب نے قریش سے اپنا خواب ذکر کیا اور کہا:

"میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔"

قریش نے کھودنے کی مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور کدال اور پھاوڑہ لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد ایک من ظاہر ہوئی، عبدالمطلب نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ کہا:

((ھٰذا طوی اسمٰعیل))

"یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔"

اس کے بعد عبدالمطلب نے چاہِ زمزم کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جن میں آبِ زمزم بھر کر حاجیوں کو پلاتے۔ چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ شب میں اُن حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبدالمطلب اُن کو درست کرتے۔ بالآخر گھبرا کر اس بارے میں اللہ سے دعا مانگی۔ اُس وقت ان کو خواب میں یہ بتلایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو:

((اللّٰھم انی لا احلھا لمغتسل ولکن ھی لشارب حِلٌ))

"اے اللہ! میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔"

صبح اُٹھتے ہی عبدالمطلب نے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کے خراب کرنے کا ارادہ کیا، وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ جب بار بار اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو حاسدوں نے عبدالمطلب کے حوضوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

چاہ زمزم کے کھودتے وقت عبدالمطلب کا سوائے اکلوتے بیٹے حارث کے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اس لئے منت مانی کہ اگر تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو ایک فرزند کو اللہ کے نام پر ذبح کروں۔ جب اللہ نے اُن کی اور آرزو پوری کی اور دس بیٹے پورے ہو گئے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے:

((یا عبدالمطلبَ اوف بنذرك لرب هذا البيت))

''اے عبدالمطلب! اس نذر کو پورا کیجئے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لیے مانی تھی۔''

عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی خبر دی۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا:

((اوف بنذرك وافعل ما شئت))

''آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔''

عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ حسنِ اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا جن کو عبدالمطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر مذبح یعنی قربان گاہ کی طرف چلے اور چھری ساتھ تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ان میں سے ایک بہن نے یہ کہا:

''اے باپ! آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے، اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی کر دیجئے اور ہمارے بھائی عبداللہ کو چھوڑ دیجئے۔''

اس وقت دس اونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے۔

قرعہ جو ڈالا گیا تو اتفاق سے حضرت عبداللہ کے ہی نام پر نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا۔ بہنیں اپنے بھائی عبداللہ کو اٹھا لائیں اور عبدالمطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین نحر کئے۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک کاہنہ نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا تھا

حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ اوّل دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبدالمطلب نے قریش اور تمام عرب میں سنت جاری کی کہ ایک آدمی کی دیت سو اونٹ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اسی واقعہ کے بعد سے حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے اور اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابن الذبیحین کہتے ہیں یعنی دو ذبیح کے فرزند۔

حضرت معاویہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ کو ان لفظوں سے خطاب کیا:

((یا ابن الذبيحين!))

آپ نے تبسم فرمایا۔ حضرت معاویہ ﷺ جب اس حدیث کی روایت سے فارغ ہوئے تو حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کا یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ ایک عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ (رواہ الحاکم وابن جریر)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو عبدالمطلب کو ثبیر پہاڑ پر لے جاتے، اُن کی برکت سے بارانِ

رحمت کی دعا کرتے اور بارہا ایسا ہوا کہ قریش کی مشکلات عبدالمطلب کی برکت سے حل ہوئیں۔

ان کی شان عام اہلِ عرب سے بالکل جدا تھی۔ اپنی اولاد کو ظلم اور فساد سے منع کرتے اور مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے۔ حقیر اور ادنیٰ امور سے روکتے۔

عبدالمطلب نذر کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے اور محارم (مثلاً: بہن اور پھوپھی اور خالہ وغیرہ) سے نکاح کرنے کو منع کرتے۔ شراب اور زنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے لوگوں کو روکتے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے۔

اور یہ وہ امور ہیں کہ قرآن وحدیث میں جن کی تصدیق اور تاکیداً تاکید مذکور ہے، چنانچہ سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے۔ مثلاً: نذر کا پورا کرنا، نکاح محارم کی حرمت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب اور زنا کی حرمت، بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت۔

امام الحدیث والتاریخ ابن کثیر نے اصحاب الفیل کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

''ملک یمن پر خاندان حمیرَ کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مذہباً مشرک تھے، ان کا آخری بادشاہ یوسف ذونواس تھا جس نے یمن کے اہل حق نصاریٰ پر شدید مظالم کئے تھے اور توحید پرست عیسائیوں کو خندقوں میں زندہ جلا دیا تھا۔ اصحابُ الاخدود کا مشہور واقعہ اسی بادشاہ سے منسوب ہے۔ جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم کی سورۃ البُر وج میں ہے۔ خندق کے عذاب سے بچ کر کسی طرح دو آدمی نکل بھاگے تھے اور انھوں نے ملک شام کے بادشاہ سے فریاد رسی کی کہ یوسف ذونواس نے اہل ایمان پر ایسا ایسا ظلم کیا ہے۔ شام کے بادشاہ نے اپنے حلیف بادشاہ حبشہ کو خط لکھا تھا کہ وہ اس کا انتقام لے اور ساتھ ہی ایک بہت بڑے لشکر کو دو کمانڈر اریاطؔ اور ابرہہؔ کی قیادت میں یمن کے اس ظالم بادشاہ کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ یہ عظیم الشان لشکر یمن پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو حمیرؔ خاندان کے اثر سے آزاد کرا لیا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور ایک دریا پار کرتے ہوئے غرق ہو گیا۔ اس طرح اریاط اور ابرہہ کے ذریعہ یمن پر حبشہ کے بادشاہ کا قبضہ ہو گیا جو خود نصرانی المذہب تھا۔ یہ واقعہ ۵۲۵ء میں پیش آیا تھا جس نے حمیری خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں کمانڈروں میں نزاع پیدا ہوگئی اور باہمی جنگ میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ غالب آ گیا اور پھر وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جانب سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا۔

ابرہہ ذاتی طور پر کٹر عیسائی تھا اس کے عزائم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ سارے عرب کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا جائے اس طرح مکّہ مکرمہ کی عالمی مرکزی حیثیت بھی ختم ہو جائے۔ مذہبی جنون میں اس نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک ایسا شاندار کنیسہ (گرجا گھر) بنایا جس کی نظیر اس وقت دنیا بھر میں نہ تھی، مؤرخ سہیلی لکھتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کی تعمیر پر یمن کی بے اندازہ دولت اور بیش بہا زر و جواہر صرف کئے۔ یہ قیمتی پتھروں کی بہت ہی خوبصورت طویل وعریض عمارت تھی۔

عجیب وغریب زرکار نقوش سے منقش، جواہر ریزوں سے مزیّن، ہاتھی دانت کی نفیس جالیاں، سونے چاندی کے اوراق سے در و دیوار کو سجایا گیا تھا۔ اس سے ابرہہ کا یہ مقصد تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو ہر سال حج کرنے مکّہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کنیسہ کی شان وشوکت سے مرعوب ہو کر کعبۃ اللہ کے بجائے اس کا طواف اور حج کریں، کچھ عرصہ بعد اُس نے پوری مملکت میں اعلان کروا دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص بھی حج کرنے کے لئے مکّہ مکرمہ نہ جائے گا۔ ایسا شخص اسی کنیسہ میں آئے اور اس کا طواف کرے۔ عرب میں اگرچہ بُت پرستی غالب آ گئی تھی مگر دین ابراہیمی اور کعبۃ اللہ کی عظمت ومحبت اُن کے دلوں پیوست تھی۔ اس نے عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں اس اعلان سے سخت

غم وغصہ کی لہر پیدا ہوگئی۔ اگر چہ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر اور عبادت کا مرکز خیال کرتے تھے۔

مؤرخ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابرہہ کے اُس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب تاجر نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھُس کر رفع حاجت کر ڈالی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اُس گھر میں آگ لگا دی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز اور مفسدانہ تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب یا قریشی یا چند نوجوانوں کا مشتعل ہو کر کلیسہ کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

لیکن بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عرب کے چند مسافروں نے کلیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی تھی جہاں اُن کا قیام تھا اتفاقاً ہواؤں کی لہر سے آگ کلیسہ میں جا گری اور کلیسہ جل گیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ خانہ کعبہ کے معتقدین نے حرکت کی ہے تو غیظ وغضب میں عہد کیا کہ اُس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک خانہ کعبہ کو ڈھا نہ دوں۔ اس کے بعد اُس نے ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت طلب کی کہ وہ انہدام کعبہ کی مہم کے لئے حجاز جانا چاہتا ہے۔ نجاشی نے اس کو اجازت دے دی اور خصوصی تعاون کے طور پر اپنی فوج کا سب سے طاقتور بلند وبالا ہاتھی جس کا نام محمود تھا، ابرہہ کی مدد کے لئے روانہ کر دیا اور اس ہاتھی کے تعاون کے لئے مزید سات آٹھ ہاتھی اور دیئے۔ ابرہہ ساٹھ ہزار فوج لے کر مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذو نفر نامی تھا، اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور بہت سے عرب قبائل اس کے گرد جمع ہو کر ابرہہ کے خلاف جنگ کرنے نکلے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذو نفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا۔ پھر قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلے کا سردار نفیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے کو لے کر ابرہہ کے مقابلہ کے لئے آیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اس کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو گرفتار کر لیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر یہ سمجھ کر زندہ رکھا کہ اُس سے مکّہ کے اہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیا جائے گا۔ پھر جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور ابرہہ سے گزارش کی کہ وہ ان کے مشہور معبود "لات" کا مندر تباہ نہ کرے۔

چنانچہ ان کا سردار مسعود ثقفی ایک وفد کو لے کر ابرہہ سے ملا اور کہا کہ ہمارا بُت کدہ وہ معبد نہیں ہے جس کو آپ ڈھانے آئے ہیں وہ تو مکّہ مکرمہ میں ہے اس لئے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں، ہم مکّہ مکرمہ کا راستہ بتانے کے لئے آپ کو ایک آدمی فراہم کر دیتے ہیں جو قریب کے راستہ سے مکّہ تک رہنمائی کرے گا۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنو ثقیف نے اُبو رِغال نامی شخص کو اِن کے ساتھ کر دیا۔ جب مکّہ مکرمہ تین کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو اَلمُغمس نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال فوت ہو گیا۔

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے ہیں اور بنو ثقیف کو بھی وہ عرصہ دراز تک طعنہ دیتے رہے ہیں کہ انھوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں کا تعاون کیا تھا۔

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ المُغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے اس لشکر نے ان پر چھاپہ مارا اور سب اونٹ ہانک لے گئے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے۔

اس کے بعد ابرہہ نے اپنے ایک سفیر خاطہ حمیری کو شہر مکہ روانہ کیا اور اس کے ذریعہ اہلِ مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں، بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں اگر تم لوگ جنگ نہ کرو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا، نیز اس سفیر کو یہ بھی ہدایت دی کہ اہلِ مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو اُن کے سردار کو میرے پاس لے آنا، اُس وقت مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ سفیر نے اُن سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔

عبدالمطلب نے کہا:

''ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی قطعاً طاقت نہیں ہے، یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا بنایا ہوا وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت خود کر لے گا۔''

سفیر نے کہا:

''آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں اور اُس سے بات کریں۔''

وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب اس قدر وجیہ اور پروقار آدمی تھے کہ ابرہہ ان کو دیکھ کر متأثر ہو گیا اور اپنی جگہ سے اُتر کر اُن کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا:

''میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیئے جائیں!''

ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متأثر ہوا تھا مگر آپ کی بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر (کعبہ) جو آپ کے دین آبائی کا قبلہ ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے؟ جناب عبدالمطلب نے کہا:

''میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں۔ رہا یہ گھر (کعبہ) تو اس کا ایک ربّ ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔''

ابرہہ کو عبدالمطلب کی یہ بات معمولی سی محسوس ہوئی، اُس نے کہا: تمہارا ربّ اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ جناب عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے چند سردار بھی تھے۔ انھوں نے ابرہہ کے آگے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ (حجاز) کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے۔ مگر ابرہہ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس چلے آئے اور سیدھے بیت اللہ میں داخل ہوئے اور چوکھٹ کا حلقہ پکڑ کر دُعا میں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ساتھ تھی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر گاہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے اہلِ قریش سے کہا کہ اپنے بال بچوں سمیت پہاڑوں پر چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم پاک میں حاضر ہوئے اور کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اُس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اُس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت موجود تھے مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں بھی اُن سب کو بھول گئے اور صرف اللہ واحد کے آگے دست سوال پھیلایا، اُن کی جو دعائیں کتب تاریخ میں منقول ہیں اُن میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔

ابن ہشام نے سیرت میں جناب عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح مؤرخ سہیلی نے روض الانف میں اور امام ابن جریر نے طبری میں وہ اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ دعائیں مانگ کر جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں پر چلے گئے۔ دوسرے روز ابرہہ مکّہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا مگر اُس کا خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا یکا یک بیٹھ گیا اس کو بہت تیر مارے گئے تیر سے کچوکے دیئے گئے یہاں تک کہ اس کو زخمی کر دیا گیا وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اس کو جنوب شمال مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا مگر مکّہ مکرمہ کی طرف موڑا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا کسی طرح آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اتنے میں پرندوں کی قطاریں آتی نظر آئیں جن میں سے ہر ایک کے پاس کنکریاں چنے یا مسور کی دال کے برابر تھیں، ایک چونچ میں اور دو کنکریاں پنجوں میں۔

واقدی کی روایت ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھے گئے۔ بدن کبوتر سے کچھ چھوٹے اور پنجے سرخ قسم کے تھے، ان کی آواز بھی کچھ ارتعاش انگیز تھی کہ دل کپ کپائے جاتے تھے۔ پرندوں کے یہ جھنڈ نے ابرہہ کے لشکر پر سنگریزوں کی بارش کردی۔ جس پر بھی یہ کنکر گرتے جسم سے پار ہو جاتے اور جسم گلنا شروع ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے کہ کنکری کے لگتے ہی گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا، اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا، پورے لشکر میں افراتفری پیدا ہو گئی۔ لشکر کے لوگ یمن کی طرف بھاگنا شروع ہو گئے۔ نفیل بن حبیب خثعمی جس کو ابرہہ راہنما کے طور پر ساتھ لے آیا تھا اس کو تلاش کر کے درخواست کرنے لگا کہ واپسی کا راستہ بتائیے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

أَيْنَ الْمَفَرُّ وَالْإِلٰهُ الطَّالِبُ
وَالْأَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ

"اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب کہ اللہ تعاقب کر رہا ہے۔؟ اور نکٹہ (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔"

اس بھگدڑ میں یہ لوگ گر گر کر مرتے گئے اور مر مر کر گرتے جاتے تھے۔ عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اُسی وقت ہلاک نہیں ہوئے، بلکہ ایک بڑی تعداد تو وہیں ہلاک ہو گئی اور کچھ بھاگتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ ابرہہ بھی انتہائی بُری حالت میں خثعم پہنچ کر مرا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان مکّہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اپاہج ہو گئے۔ اصحاب الفیل کا یہ عبرتناک واقعہ ماہ محرم میں پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے چالیس یا پچاس دن بعد ہوئی۔

جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا (اور ماں باپ کے بعد چاہنے والے دادا کا بھی سر سے اٹھ گیا) دادا کے انتقال کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں بہت سے قول ہیں، مگر مشہور قول یہی ہے کہ آپ ﷺ اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ انتقال کے وقت عبدالمطلب کی عمر پچانوے (۹۵) سال کی تھی۔

ایک دفعہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا:

"یا رسول اللہ! کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے؟"

اُم ایمن بیان کرتی ہیں کہ جب عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے، اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر اُن کے دادا قصی کے پاس دفن کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مکہ کے سردار:

جناب عبدالمطلب کے بعد مکہ کے درج ذیل مشہور سردار و رئیس تھے:

ابوطالب:

ابوجہل:

امیہ بن خلف

ابوسفیان

ابولہب

باب نمبر 5:

مکہ مکرمہ کے امیر و گورنر......زمانہ رسالت سے لے موجودہ دور تک

دورِ رسالت میں مکہ کے گورنر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں درج ذیل لوگ مکہ کے گورنر و امیر مقرر ہوئے:

1: سیدنا عتاب بن اسید بن ابی العیض بن امیہ۔

سیدنا عتاب کو شوال ۸ھ میں امارت مکہ کا عہدہ ملا۔ فتح مکہ سے فارغ ہو کر حضور ﷺ جب غزوۂ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو انہیں مکہ کا امیر مقرر فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''عتاب! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کن لوگوں پر تجھے مقرر کیا ہے، میں نے اہل اللہ پر تجھے عامل بنایا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔''

امام فاکہی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ انہیں چالیس اوقیہ سونا بطور تنخواہ سالانہ ملتا تھا۔ (المنتقی فی اخبار ام القریٰ، صفحہ ۴۰)

سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تادم مرگ اس عہدہ پر فائز رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں بھی اس عہدہ پر قائم رہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا وصال بھی اسی دن ہوا جس دن امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے تھے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ جس دن خلیفہ اول کے وصال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی اسی دن آپ کا وصال ہوا تھا۔

2: سیدنا معاذ بن جبل۔

حضرت ابن عقبہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ غزوہ حنین کو تشریف لے جا رہے تھے تو سیدنا معاذ بن جبل کو مکہ شریف میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور دین کے احکام سکھائیں۔

3: سیدنا ہبیرہ بن سہیل۔

امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے طبری سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے طائف تشریف لے جاتے وقت ہبیرہ بن سہل ثقفی رضی

اللہ عنہ کو مکہ میں نائب مقرر کیا تھا۔ یہ سب سے پہلے صحابی ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد حرم شریف میں نماز کی امامت کرائی۔

بظاہر یہ تینوں روایات مختلف اور متعارض معلوم ہوتی ہیں اور یہ صراحت نہیں ہوتی کہ ان تین صحابہ میں سے اولیت کسے نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ علامہ فاسی علیہ الرحمۃ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو امامت اور تدریس کی خدمت سپرد فرمائی اور ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا معاون مقرر فرمایا تاکہ ان کی عدم موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ (شفاء الغرام، صفحہ ۱۵۹)

دور صدیقی میں مکہ کے گورنر:

سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت مکہ کا عہدہ عنایت فرمایا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں بھی وہی اس عہدہ پر قائم رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ میں امیر مکہ سیدنا عتاب کے چند معاونین مقرر فرما دیئے تھے۔

دور فاروقی میں مکہ کے گورنر:

سیدنا فاروق اعظم کا زمانہ خلافت ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری مطابق ۶۳۴ء تا ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری مطابق ۶۴۵ء تک ہے۔ آپ کے دور میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر رہے:

1: قنفذ بن عمیر بن جدعان التیمی۔ 2: نافع بن عبد الحارث الخزاعی۔
3: طارق بن المرتفع بن الحارث۔ 4: عبدالرحمٰن بن ابزی۔
5: حارث بن نوفل بن حارث۔ 6: خالد بن العاص المخزومی۔
7: بعض روایات میں ہے کہ خالد بن عاص کو اس عہدہ پر برقرار رکھنے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی۔ جس کی وجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول نہیں کیا تھا۔
8: ۱۴ ہجری کو سیدنا المحرر بن حارثہ بن ربیعہ کو گورنر مکہ طعینات کیا گیا۔

دور عثمانی میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ۲۴ ہجری مطابق ۶۴۵ء تا ۳۵ ہجری مطابق ۶۵۶ء ہے۔ آپ دور میں درج ذیل لوگ مکہ مکرمہ کے گورنر رہے:

1: علی بن عدی، الحارث بن نوفل 2: عبداللہ بن خالد بن اسید۔ 3: عبداللہ بن عامر الحضرمی

دور مرتضوی میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ۳۵ ہجری مطابق ۶۵۶ء تا ۴۰ ہجری مطابق ۶۶۱ء ہے۔ آپ کے دور درج ذیل افراد مکہ کے گورنر رہے:

1: ابوقتادہ الانصاری۔ 2: قثم بن عباس۔ 3: معبد بن عباس۔
4: ابوقتادہ (ان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے) 5: الحارث بن ربعی۔ 6: نعمان بن ربعی تھا۔

سیدنا امیر معاویہ کے دور میں مکہ کے گورنر:

امیر المومنین سیدنا معاویہ التوفی ۶۰ ہجری کا زمانہ خلافت ۴۱ ہجری تا ۶۰ ہجری ہے۔آپ کے دور میں درج ذیل حضرت مکہ کے گورنر رہے:

1: عتبہ بن ابی سفیان۔ 2: خالد بن العاص المخزومی۔
3: مروان بن الحکم۔ 4: سعید بن العاص بن امیہ۔

سعید بن العاص کے متعلق شیخ تاریخ ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں:

''ان کا شمار قریش کے اشراف میں ہوتا تھا۔یہ سخاوت اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔

5: عمرو بن سعید بن العاص المعروف اشدق۔ 6: عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔
7: خالد بن اسید بن ابی العیص التوفی ۶۳ ہجری۔ 8: عبداللہ بن خالد بن اسید۔

یزید بن معاویہ کے دور میں مکہ کے گورنر:

یزید (علیہ ماعلیہ) کے دور میں درج ذیل لوگ مکہ کے گورنر رہے:

1: عمرو بن سعید بن العاص اشدق۔ 2: ولید بن عتبہ بن ابی سفیان۔
3: عثمان بن محمد بن ابی سفیان۔ 4: حارث بن خالد بن العاص۔
5: عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب۔ 6: یحییٰ بن حکیم بن عمرو۔

سیدنا عبداللہ ابن زبیر کا دور:

۶۲ھ سے ۱۷ جمادی الثانی ۶۳ھ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ کے خود مختار حاکم ہوئے ہیں۔

(طبری، جلد ۵، عنوان شہادت ابن زبیر)

عبدالملک بن مروان کے دور میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

عبدالملک بن مروان التوفی ۹۶ ہجری کا زمانہ خلافت ۷۳ تا ۸۲ ہجری ہے۔اس کے دور میں مکہ مکرمہ کے گورنر درج ذیل حضرات تھے۔

1: حجاج بن یوسف الثقفی۔ 2: حارث بن خالد المخزومی۔
3: خالد بن عبداللہ القسری۔ 4: عبداللہ بن سفیان المخزومی۔
5: عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد۔ 6: نافع بن علقمہ الکنانی۔
7: یحییٰ بن الحکم بن ابی العاص۔

ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

ولید بن عبدالملک بن مروان التوفی ۹۶ ہجری کے زمانہ خلافت ۸۶ تا ۹۶ ہجری، میں درج ذیل لوگ مکہ کے گورنر رہے:

1: عمر بن عبدالعزیز۔ 2: خالد بن عبداللہ۔

سلیمان بن عبدالملک کے دور میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

سلیمان عبدالملک التوفی ۹۹ ہجری کے زمانہ خلافت ۹۶ تا ۹۹، میں درج ذیل لوگ مکہ کے گورنر رہے:

1: خالد بن عبداللہ القسری۔ 2: طلحہ بن داؤد الحضرمی۔ 3: عبدالعزیز بن خالد بن اسید۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں درج ذیل حضرات مکہ مکرمہ کے گورنر رہے:

1: عبدالعزیز بن عبداللہ اموی۔ 2: محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔

3: عروہ بن عیاض۔ 4: عبداللہ بن قیس بن مخرمہ۔

5: عثمان عبیداللہ۔

یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۰۵ ہجری کے زمانہ خلافت ۱۰۱ تا ۱۰۵ ہجری میں مکہ کے مقرر ہونے والے گورنر درج ذیل حضرات تھے:

1: عبدالعزیز بن عبداللہ بن اسید۔ 2: عبدالرحمٰن بن ضحاک بن قیس۔

3: عبدالواحد بن عبداللہ النصری۔

ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ ہجری کے زمانہ خلافت ۱۰۵ تا ۱۲۵ ہجری میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر رہے:

1: عبدالواحد بن عبدالملک۔ 2: ابراہیم بن ہشام۔

3: محمد بن ہشام۔ 4: محمد عبداللہ۔

ولید بن یزید کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

ولید بن یزید بن عبدالملک المتوفی ۱۲۶ ہجری کے زمانہ میں درج ذیل حضرات مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: یوسف بن محمد الثقفی۔ 2: عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز۔

3: عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک۔ 4: ابوحمزہ الخارجی۔

5: ولید بن عروہ السعدی۔

مروان بن محمد کے دور میں مکہ کے گورنر:

مروان بن محمد المتوفی ۱۳۲ ہجری کے زمانہ خلافت میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: عبدالملک بن محمد بن عطیہ۔ 2: الولید بن عروہ السعدی۔

3: محمد بن عبدالملک بن مروان۔

السفاح کے دور میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ السفاح عبداللہ بن محمد بن علی المتوفی ۱۳۶ ہجری کے زمانہ خلافت میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس۔ 2: زیاد بن عبیداللہ بن عبدالمدان۔

ابوجعفر المنصور کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ ابوجعفر المنصور کے زمانہ خلافت میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: العباس بن عبداللہ بن معبد۔ 2: زیاد بن عبداللہ الحارثی۔

3: الہیثم بن معاویہ العتکی۔ 4: احمد بن حسن بن معاویہ۔
5: السری بن عبداللہ بن الحارث۔ 6: عبدالصمد بن علی بن عبداللہ۔
7: محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی۔

محمد بن المنصور المہدی کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ محمد بن المنصور المہدی العباسی المتوفی ۱۶۶ہجری کے زمانہ خلافت میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: ابراہیم بن یحییٰ بن محمد۔ 2: جعفر بن سلیمان بن علی۔
3: عبیداللہ بن قثم بن عباس۔ 4: محمد بن ابراہیم الامام۔

موسیٰ بن الہادی کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ موسیٰ بن الہادی العباسی کے زمانہ میں مکہ کے تین امراء تھے:

1: عبیداللہ بن قثم بن عباس۔ 2: حسین بن علی بن حسن۔
3: محمد بن عبدالرحمٰن السفیانی۔

ہارون الرشید کے دور میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ ہارون الرشید بن مہدی کے زمانہ خلافت ۱۷۰ہجری مطابق ۷۸۶ء تا ۱۹۳ہجری مطابق ۸۰۹ء میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: احمد بن اسماعیل بن علی بن عبیداللہ۔ 2: محمد بن ابراہیم الامام۔
3: حمادی البربری۔ 4: سلیمان بن جعفر بن سلیمان۔
5: عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ۔ 6: عباس بن محمد بن ابراہیم الامام۔
7: عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام۔ 8: عبداللہ بن محمد بن عمران۔
9: عبیداللہ بن قثم بن عباس۔ 10: عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم الامام۔
11: علی بن موسیٰ بن یحییٰ۔ 12: فضل بن عباس بن محمد۔
13: محمد بن عبداللہ بن سعید بن مغیرہ۔ 14: موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد۔

ابن محمد ہارون الرشید کے دور میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

خلیفہ ابن محمد بن ہارون الرشید المتوفی ۱۹۸ہجری کے زمانہ خلافت ۱۹۲ھ مطابق ۸۰۶ء تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۴ء میں صرف داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ مکہ کے گورنر ہوئے ہیں۔

مامون الرشید کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

خلیفہ مامون عبداللہ بن ہارون الرشید المتوفی ۲۱۸ہجری کے زمانہ خلافت ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء میں درج ذیل حضرات مکہ مکرمہ کے گورنر رہے:

1: ۱۹۸ھ تا ۱۹۹ھ داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ۔ 2: ۱۹۹ھ تا ۲۰۰ھ الحسین بن علی بن علی۔

3: ۲۰۰ھ محمد بن جعفر الصادق۔
4: ۲۰۴ھ تا ۲۰۹ھ عبید اللہ بن حسن بن عبید اللہ۔
5: ۲۱۰ھ تا ۲۱۲ھ صالح بن عباس بن محمد۔
6: ۲۱۲ھ حمدون بن علی بن عیسیٰ۔
7: یزید بن محمد بن حنظلہ۔
8: ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر۔
9: ۲۱۴ھ تا ۲۱۶ھ سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان۔
10: ۲۱۶ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔
11: عبیداللہ بن عبداللہ بن حسن الحسن بن سہل۔
12: محمد بن سلیمان الزینی۔

معتصم محمد بن ہارون کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ المعتصم محمد بن ہارون الرشید عباسی التوفی ۲۲۷ھ کے زمانہ خلافت ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۱ء میں درج ذیل حضرات مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: ۲۱۹ھ تا ۲۲۲ھ صالح بن عباس بن محمد۔
2: ۲۲۲ھ محمد بن داؤد بن عیسیٰ۔
3: ۲۲۶ھ تا ۲۳۳ھ اشناس ترکی۔

المتوکل علی اللہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم علی بن عیسیٰ التوفی ۲۴۷ھ کے زمانہ خلافت ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء میں درج ذیل حضرت مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: ۲۳۳ھ تا ۲۳۵ھ المنتصر محمد بن علی المنصور۔
2: ۲۳۸ھ تا ۲۳۹ھ علی بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور۔
3: ۲۳۹ھ تا ۲۴۲ھ عبداللہ بن محمد بن داؤد۔
4: ۲۴۲ تا ۲۴۳ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم الامام۔
5: ۲۴۳ھ محمد بن سلیمان بن عبداللہ بن محمد۔

محمد بن متوکل کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے گورنر:

خلیفہ محمد بن متوکل المنتصر باللہ التوفی ۲۴۸ھ زمانہ خلافت ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۱ء تا ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۲ء صرف چھ ماہ کے عرصہ میں محمد بن سلیمان الزینی اور محمد بن عبداللہ بن امیر طاہر تھے۔

احمد بن المعتصم کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ احمد بن المعتصم مستعین باللہ التوفی ۲۵۱ھ کے زمانہ خلافت ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۲ء تا ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۵ء میں درج ذیل حضرات مکہ مکرمہ کے گورنر تھے:

1: ۲۴۹ھ عبدالصمد بن موسیٰ بن محمد اور شہزاد العباس۔
2: ۲۵۰ھ تا ۲۵۱ھ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ المعروف شاشات۔
3: ۲۵۱ھ تا ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم۔

خلیفہ محمد بن المعتز باللہ کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ محمد بن المعتز باللہ ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۵ء تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء کے دو امیر تھے۔

1: ۲۵۲ھ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم۔
2: ۲۵۳ھ تا ۲۵۴ھ میں عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل۔

محمد بن واثق کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ محمد بن واثق المھتدی باللہ المتوفی ۲۵۶ھ زمانہ خلافت ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰ء میں علی بن الحسن ہاشمی مکہ کے امیر تھے۔

خلیفہ المعتمد کے زمانہ میں مکہ کے گورنر:

خلیفہ المعتمد احمد بن المتوکل کے زمانہ خلافت ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء میں درج ذیل حضرات مکہ کے گورنر تھے:

1: ۲۵۷ھ ابواحمد طلحہ بن الموفق۔
2: ۲۶۰ھ تا ۲۶۱ھ ابراہیم بن محمد بن اسماعیل۔
3: ۲۶۳ھ محمد بن عیسیٰ بن محمد ابوالمغیرہ۔
4: الفضل بن عباس بن حسین۔
5: محمد بن عیسیٰ بن محمد بن اسماعیل۔
6: ۲۶۶ھ محمد بن ابی ساج۔
7: ۲۶۸ھ ہارون بن محمد بن اسحاق۔
8: ۲۶۹ھ احمد بن طولون۔
9: ۲۷۱ھ یوسف بن ابی ساج۔
10: ابوعیسیٰ محمد بن یحییٰ۔
11: محمد بن المتوکل۔

۲۷۹ہجری سے لے کر ۲۸۹ہجری تک کے مکہ کے گورنر:

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء سے ۳۶۳ھ مطابق ۹۷۴ء تک چند امراء کے سوا تاریخ میں کسی کا نام نہیں ملتا۔ یہ زمانہ حسب ذیل خلفاء پر مشتمل تھا:

1: معتضد باللہ بن موفق ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء تا ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء۔
2: مکتفی باللہ بن معتضد ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء تا ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء۔
3: مقتدر باللہ بن معتضد ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۳ء۔
4: قاہر باللہ بن معتضد ۳۲۱ھ مطابق ۹۳۳ء تا ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۴ء۔
5: راضی باللہ بن مقتدر ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۴ء تا ۳۲۹ھ مطابق ۹۴۰ء۔
6: متقی للہ بن مقتدر ۳۲۹ھ مطابق ۹۴۰ء تا ۳۳۳ھ مطابق ۹۴۴ء۔
7: ۲۸۱ھ عج بن حاج۔
8: ۳۰۰ھ ابن ملاحظہ۔
9: ۳۱۷ھ ابن مخلب۔
10: ۳۲۱ھ ابن محارب۔
11: ۳۳۱ھ محمد بن طغج۔
12: ۳۴۷ھ محمد بن عبداللہ العلوی۔
13: ۳۵۶ھ جعفر بن محمد بن حسن۔
14: ۳۵۶ھ تا ۳۸۴ھ عیسیٰ بن جعفر۔

۳۶۴ہجری سے لے کر ۸۴۴ہجری تک مکہ مکرمہ کے گورنر:

1: ۳۹۰ھ تا ۴۳۰ھ ابوالفتوح حسن بن جعفر۔
اس کی سرتابی کے بعد ۴۰۱ھ میں اس عہدہ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ مگر اطاعت پذیری کے بعد دوبارہ ۴۰۳ھ میں بحال ہو گیا۔
2: ۴۳۰ھ تا ۴۵۳ھ شکر بن الفتوح المتوفی ۴۵۳ھ۔

3: محمد بن جعفر ۴۵۵ھ۔
4: علی بن محمد صلیحی ۴۵۵ھ تا ۴۸۷ھ۔
5: ابن ابی ہاشم۔
6: اسی سال چند ماہ کے لئے قاسم بن محمد بھی اس عہدہ پر فائز ہوا۔
7: ۴۸۷ھ تا ۵۱۸ھ اصبہید بن سارتکین المتوفی ۵۱۸ھ۔
8: ۵۱۸ھ تا ۵۲۷ھ اور فلیتہ بن قاسم بن اصبہید المتوفی ۵۲۷۔
9: ۵۲۷ھ تا ۵۲۹ھ ہاشم بن فلیتہ۔
10: ۵۴۹ھ تا ۵۵۶ھ قاسم بن ہاشم۔
11: ۵۵۶ھ تا ۵۵۷ھ عیسیٰ بن فلیتہ۔
12: ۵۵۷ھ تا ۵۷۰ھ قاسم بن ہاشم المذکور۔
13: اس اثناء میں اس کے بھائی مالک بن فلیتہ نے ۱۰ محرم ۵۶۶ھ کو صرف نصف دن کے لئے اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا مگر اسی روز بعد دوپہر قبضہ بحال ہوگیا۔
14: ۵۷۰ھ تا ۵۷۱ھ داؤد بن عیسیٰ۔
15: ۵۷۱ھ مکثر بن عیسیٰ۔
16: ۵۸۱ھ طغتکین بن ایوب۔
17: ۵۹۷ھ تا ۶۱۷ھ قتادہ بن ادریس۔
18: ایک روایت میں قتادہ کا دور اقتدار ۵۹۵ھ تا ۵۹۹ھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح وصال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے: ۶۱۷ھ یا ۶۱۸ھ۔
19: ۶۱۷ھ تا ۶۱۹ھ حسن بن قتادہ۔
20: ۶۱۹ھ تا ۶۲۶ھ ملک مسعود۔
21: اقباش ناصری۔
22: نورالدین عمر بن علی طغتکین الترکی۔
23: ۶۳۰ھ راجح بن قتادہ۔
24: ۶۳۵ھ تا ۶۳۷ھ الملک المنصور۔
25: ۶۳۹ھ حسن بن علی بن قتادہ۔
26: ۶۴۷ھ تا ۶۵۱ھ ابوسعید بن علی بن قتادہ۔
27: ابوسعید شوال ۶۴۸ میں اس عہدہ پر فائز ہوا اور ۳ شعبان ۶۵۱ھ کو قتل کردیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اسی سال رمضان میں قتل ہوا۔
28: اس کے بعد جماز بن حسن بن تادہ کو یہ منصب ملا جو ۲۹ ذی الحجہ ۶۵۱ھ تک اس عہدہ پر رہا۔
29: بعدازاں جماز کے چچا راجح بن قتادہ کو اقتدار ملا جو ربیع الاول ۶۵۲ھ کو ختم ہوگیا۔
30: اس کی جگہ اس کا بیٹا غانم امیر بنایا گیا جو اسی سال شوال میں برطرف کردیا گیا۔
31: ادریس بن قتادہ۔
32: ابونمی بن ابی سعد۔
33: ۲۵ ذی قعدہ ۶۵۲ھ سے ۲۶ محرم ۶۵۳ھ تک ظفر بن برطاس کو اقتدار ملا۔
34: ادریس بن قتادہ۔
35: ابونمی بن سعد۔

ادریس اور ابونمی نے مل کر ظفر کی حکومت پر زبردستی قبضہ کرلیا، لیکن بعد میں ادریس اپنے بھائی راجح کے پس چلا گیا اور ابونمی تنہا حکمران بن گیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد ادریس واپس آکر اقتدار میں شریک ہوگیا۔
36: اس اثنا میں صرف چھ دن تک حسن بن قتادہ کی اولاد نے مکہ پر قبضہ کرلیا تھا مگر ابونمی نے انہیں مار بھگایا۔
37: پھر ۶۶۷ھ تک ادریس اور ابونمی حکمران رہے۔
38: پھر کچھ عرصہ کیلئے ادریس اقتدار سے الگ ہوگیا اور ابونمی تنہا حکومت کرنے لگا، لیکن دوبارہ دونوں کی مشترکہ حکومت بحال ہوگئی۔ پھر ۶۶۹ھ تک دونوں شریک رہے۔ بعدازاں صرف چالیس دن کے لئے ادریس تنہا گورنر رہا، لیکن اس کے قتل ہوجانے کے بعد

ابونمی ۷۰۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔

39: اسی سال ماہ صفر میں جماز بن شیحہ اور غانم بن ادریس نے بھی چالیس دن تک اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن ابونمی نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا اور ۶۷۸ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس سال جماز بن شیحہ نے ایک مرتبہ پھر مکہ پر قبضہ کرلیا۔ مگر ابونمی نے بروز باز و اقتدار حاصل کرلیا اور مرتے دم تک یعنی اتوار ۴ صفر ۷۰۱ھ تک اس عہدہ پر قائم رہا۔ ابونمی نے مجموعی طور پر پچاس سال تک مکہ شریف پر حکومت کی، تیس سال تنہا اور بیس سال مشترک۔

40: ابونمی کے وصال سے دو دن قبل اس کے دولڑکوں حمیضہ اور رمیثہ کی نیابت کا اعلان کیا گیا۔

لیکن اسی سال ذی الحجہ میں ان کے دوسرے دو بھائیوں ابوالغیث اور عطیفہ نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ۷۰۳ھ میں حمیضہ اور رمیثہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرلیا اور ۷۱۳ھ تک قابض رہے۔

41: ۷۱۸ھ میں حمیضہ قتل ہوگیا تو اس کے بعد رمیثہ اور عطیفہ دونوں بھائیوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ کبھی ایک غالب آجاتا اور کبھی دوسرا، لیکن ۷۳۷ھ سے ۷۴۵ھ تک رمثیہ تنہا حکومت کرتا رہا۔

42: عجلان۔ 43: ثقبہ۔

یہ دونوں بھائی تھے۔

۷۵۰ھ میں عجلان مصر چلا گیا اور اسی سال ۶ شوال کو واپس آکر اقتدار میں شریک ہوگیا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۷۵۷ھ تک دونوں مشترکہ حکومت کرتے رہے۔ بعد میں دونوں میں مخاصمت ہوگئی جس کی وجہ سے ۷۵۳ھ تک ثقبہ اکیلا قابض رہا۔ اس کے بعد ایک سال عجلان کا قبضہ رہا۔ پھر دونوں نے ۷۵۷ھ تک مل کر حکومت کی۔ یہی سلسلہ ۷۶۰ھ تک جاری رہا۔

44: اس کے بعد احمد بن ثقبہ اور عقیل بن مبارک بھی اقتدار میں شریک ہوگئے۔

45: ملک الظاہر برقوس نے علی بن عجلان بن رمیثہ کو گورنر مقرر کیا۔

46: ۷۹۴ھ محمد بن عجلان بھی کچھ عرصہ تک حکومت میں شریک ہوگیا۔

47: ۷۹۴ھ سے ۷۹۷ھ تک علی بن عجلان تنہا قابض رہا۔ علی اسی سال ۹ شوال کو انتقال کرگیا۔

48: ۷۹۷ھ محمد بن عجلان۔

49: ۷۹۸ھ حسن بن عجلان۔

50: ۸۰۹ھ میں برکات بن حسن، باپ کے ساتھ حکومت میں شریک ہوگیا تھا۔

51: ۸۱۰ھ میں حسن نے حکومت برکات اور احمد دونوں بیٹوں کے سپرد کردی تھی جو ۸۱۸ھ تک حکمران رہے۔

52: ان کے بعد ۸۱۸ھ میں رمیثہ بن محمد بن عجلان گورنر بنا۔

53: ۸۱۸ھ میں حسن بن عجلان نے اقتدار سنبھال لیا۔

54: ۸۲۴ھ میں حسن نے اپنے بیٹے زین الدین کو بھی شریک کرلیا اور اس طرح دونوں باپ بیٹا ۸۲۷ھ تک حکومت کرتے رہے۔

55: ۸۲۷ھ تا ۸۲۸ھ علی بن عنان بن مغامس۔

56: ذی الحجہ ۸۲۸ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے حسن بن عجلان کو امیر مقرر کیا۔

57: ۱۶ جمادی الثانی ۸۲۹ھ کو اس کا قاہرہ میں انتقال ہوگیا تو اس کا جانشین برکات کو بنادیا گیا۔

۸۴۵ ہجری سے ۱۳۴۳ ہجری کے دوران مکہ کے گورنر:

۸۴۵ھ سے ۱۳۴۳ھ تک کے امراء کی تفصیلات الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا کی کتاب مراۃ الحرمین سے پیش کی جاتی ہیں:

1: ۸۴۵ھ علی بن حسن۔
2: برکات بن حسن۔
3: ۸۴۶ھ ابوالقاسم بن حسن۔
4: ۸۵۱ھ تا ۸۵۳ھ برکات بن حسن۔
5: ۸۵۹ھ محمد بن برکات۔
6: ۹۰۱ھ برکات بن محمد۔
7: ۹۰۷ھ ہزاع بن محمد۔
8: احمد بن محمد۔
9: ۹۰۸ھ حمیضہ بن محمد۔
10: ۹۱۸ھ میں سلطان غوری نے ابونمی ثانی کو باپ کے ساتھ حکومت میں شریک کر دیا۔ چنانچہ دونوں ۹۳۱ھ تک برسر اقتدار رہے۔
11: بعد از اں ابونمی تنہا حکومت کرنے لگا اور ۹۴۵ھ میں سلطان سلیمان خان نے اس کے بیٹے احمد کو بھی اس کے ساتھ شریک کر دیا۔
12: لیکن یہ باپ کی زندگی ہی میں ۹۶۱ھ کو فوت ہو گیا تو ابونمی نے دوسرے بیٹے حسن کو شریک اقتدار کر لیا۔
پھر ۹۹۲ھ میں ابونمی کا انتقال ہو گیا اور حسن بن ابونمی خود مختار ہو گیا۔
13: اس کے بعد حسن کے دولڑکے حسین اور مسعود بھی باپ کے ساتھ حکومت میں کچھ عرصہ شریک رہے۔ مگر باپ کی زندگی ہی میں دونوں فوت ہو گئے۔
14: ۱۰۱۰ھ ابوطالب بن حسن۔
15: ۱۰۱۲ھ ادریس بن حسن۔
16: پھر اس کا بھائی فہید بھی شریک اقتدار رہو گیا۔ پھر دونوں نے ۱۰۱۹ھ تک مل کر حکومت کی۔
17: ۱۰۳۲ھ میں محسن بن حسین بن حسن بھی حکومت میں شریک ہو گیا۔
18: اس نے اپنے چچا ادریس اور فہید کے ساتھ مل کر بھی کچھ عرصہ حکومت کی لیکن ۱۰۳۲ھ میں تنہا حکمران بن گیا۔
19: ۱۰۳۷ھ احمد بن عبدالمطلب بن حسن۔
20: ۱۰۳۹ھ مسعود بن ادریس بن حسن۔
21: ۱۰۴۰ھ عبداللہ بن حسن۔
22: ۱۰۴۱ھ محمد بن عبداللہ بن حسن اور وزید بن محسن۔
23: ۱۰۴۱ھ تا ۱۰۴۲ھ نامی بن عبدالمطلب المتوفی محرم ۱۰۴۲ھ۔
24: ۱۰۷۷ھ سعید بن زید۔
25: ۱۰۸۰ھ احمد بن زید۔
26: ۱۰۸۲ھ تا ۱۰۹۴ھ برکات بن محمد ابراہیم المتوفی ۱۰۹۴ھ۔
27: ۱۱۸۱ ہجری مطابق ۱۷۷۱ء میں امیر عبدالعزیز۔
28: ۱۸۰۳ء سعود بن عبدالعزیز۔
29: ۱۱ مارچ ۱۸۱۸ء میں ابراہیم۔
30: ۱۸۲۳ء میں امیر فیصل ترکی۔
31: شہزادہ عبداللہ بن فیصل ترکی۔
32: ۱۲۹۲ ہجری امام عبدالرحمٰن بن فیصل۔
33: سعید بن برکات۔
34: احمد بن زید۔
35: احمد بن غالب۔
36: سعید بن سعد۔
37: محسن بن حسین۔
38: مساعد بن سعد۔
39: سعید بن سعد۔
40: سعد بن زید۔
41: عبداللہ بن ہاشم۔
42: سعد بن زید۔

43: عبدالحسن بن احمد۔ 44: عبدالکریم بن یعلی۔
45: سعد بن زید۔ 46: سعید بن سعد۔
47: عبداللہ بن سعید۔ 48: علی بن سعید۔
49: یحییٰ بن برکات۔ 50: مبارک بن احمد۔
51: یحییٰ بن برکات۔ 52: برکات بن یحییٰ۔
53: عبداللہ ابن سعید۔ 54: محمد بن عبداللہ۔
55: مسعود بن سعید۔ 56: مسعود بن عبداللہ۔
57: مساعد بن سعد۔ 58: جعفر ابن سعید۔
59: مساعد سعید۔ 60: عبداللہ بن سعید۔
61: عبداللہ بن حسین۔ 62: احمد بن سعید۔
63: سرور بن مساعد۔ 64: غالب بن مساعد۔
65: یحییٰ بن سرور۔ 66: عبدالمطلب بن غالب۔
67: محمد بن عبدالمعین۔ 68: عبداللہ پاشا ابن محمد۔
69: عبدالمطلب بن غالب۔ 70: عون الرفیق پاشا ابن محمد۔
71: علی پاشا۔ 72: حسین بن علی۔
73: ۱۲۹۴ھ میں امیر ابن رشید۔ 74: ۱۲۹۴ھ شریف مکہ عبداللہ بن محمد بن عبدالمعین۔
75: ۱۲۹۵ھ سے ۱۲۹۹ھ تک نجد و حجاز میں حالات سخت پر آشوب تھے، کہ کبھی کسی کو حکمران بنالیا جاتا تو کبھی کسی کو۔
76: ۱۲۹۹ھ میں عون بن محمد بن عبدالمعین مکہ کا گورنر بنا۔ 77: ۱۳۰۰ھ شہزادہ سلیم۔
78: ۱۳۰۰ ہجری میں ترکی حکومت۔ 79: شوال ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء شہزادہ ابن سعود۔
80: جنوری ۱۹۱۴ء سلطان محمد رشاد۔ 81: ۱۹۱۵ء میں امیر مکہ حسین بن علی۔
82: ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ مطابق جون ۱۹۱۶ء میں حسین بن علی۔ 83: ۱۹۱۹ء میں شہزادہ عبداللہ بن حسین بن علی، شریف مکہ۔
84: ۱۳۳۹ ہجری مطابق ۱۹۲۱ء میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود۔
85: گورنر خالد بن معری۔ 86: ۱۳۴۲ ہجری مطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء میں شریف حسین۔
87: ۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ ہجری مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں علی بن حسین۔
88: ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء سلطان ابن سعود۔
89: اگست ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے حجاز میں دستوری حکومت کا اعلان کیا۔
90: شاہ فیصل۔ 91۔ شاہ فہد۔
92: اب اس خاندان کے شہزادے عبداللہ برسراقتدار ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 6:

حج کے معلمین، امرائے مکہ اور چودہ صدیوں کے مختلف حجوں کی تفصیل

فصل نمبر 1:

حج کے معلمین

قدیم زمانہ میں نہ تو کوئی معلم تھا اور نہ ہی معلمی فیس، لیکن ۷۶۰ھ میں سلطان مصر قیتبائی جب حج کے لئے آیا تو اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ مزاج، طبیعت اور زمان کے لحاظ سے حجاج کی خدمت، راحت رسانی اور رہنمائی کیلئے ایسے صالح و باعمل اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو ان کی خلوص اور نیت نیتی سے رہبری کر سکیں۔ سلطان موصوف کی اس خواہش پر امیر مکہ شریف ابونمی نے چند اصحاب علم و تقویٰ کو منتخب کر کے اللہ کے مہمانوں کو ان کے سپرد کر دیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معلموں نے اصل مقصد کو فراموش کر کے اسے ایک مستقل پیشہ بنالیا۔ کچھ عرصہ یہ طریقہ بھی رائج رہا کہ ہر قوم یا صوبہ کا ایک ہی معلم ہوتا تھا۔ اس کے سوا کسی دوسرے معلم کے پاس حاجی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت مکہ شریف میں سرکاری معلموں کی حسب ذیل تعداد ہے:

پاک و ہند کے تقریباً ۲۰۰۰۔

انڈونیشیا، مالیزیا، سنگاپور اور ان علاقوں کے مختلف جزیروں میں ہر ایک کے ۳۵۰۰۔

ترکی، ایران، افغانستان، الجزائر، مراکش، تیونس، افریقہ اور عرب ممالک کے تقریباً ۶۵۰۰۔

اسی طرح دنیا بھر کے دیگر علاقوں سے بھی سرکاری طور پر معلمین مقرر کیے گئے ہیں اور ہر سال معلمین کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

فصل نمبر 2:

حج کے امراء

سیدنا ابوبکر صدیق:

اسلام کی تاریخ میں حج کا امیر بننے کا اعزاز سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر کو عنایت ہوا جنہیں ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحجاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا۔ امارت حج کے علاوہ آپ کو یہ خدمت بھی تفویض کی گئی تھی کہ منیٰ اور عرفات کے اجتماعات میں اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج بیت اللہ کیلئے نہیں آسکتا اور نہ ہی کوئی آدمی ننگے ہو کر طواف کر سکتا ہے۔

(بخاری، جلد۳، صفحہ۶۷۱، سورۃ توبہ (براۃ)

اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ۱۲ ہجری میں بحیثیت خلیفۃ المسلمین فریضہ حج ادا کرنے گئے تھے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف:

۱۳ ہجری کو سیدنا عمر فاروق کے دور میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف امیر الحجاج تھے اور اسی طرح ۲۴ ہجری کو سیدنا عثمان غنی کے دور میں بھی آپ ہی امیر حج مقرر ہوئے۔

سیدنا عمر فاروق:

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں ہر سال حج کو تشریف لے جاتے رہے، صرف ۱۳ ہجری کو تشریف نہیں لا سکے۔ اس سال سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف امیر الحجاج تھے۔

سیدنا عثمان غنی:

اسی طرح سیدنا عثمان ذوالنورین بھی خلافت کے ہر سال فریضہ حج ادا کرنے جاتے رہے، لیکن پہلے سال ۲۴ ھ میں نہیں جا سکتے تھے۔ اس سال بھی عبدالرحمٰن بن عوف کو امارت حج تفویض ہوئی تھی۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس:

حضرت عثمان غنی خلافت کے آخری سال ۳۵ ہجری میں جب کہ فتنہ پردازوں نے زبردست خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا اور وہ آپ کی جان عزیز کے درپے تھے، بنابریں آپ فریضہ حج کی ادائیگی سے قاصر رہے اور اپنی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباس کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

سیدنا قثم بن عباس:

۳۸ ہجری میں سیدنا قثم بن عباس نے جو سیدنا علی المرتضیٰ کی طرف سے امیر مکہ تھے، امارت کی خدمت انجام دی۔

شیبہ بن عثمان:

۳۹ھ میں امارت حج پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ سیدنا علی المرتضیٰ نے سیدنا قثم بن عباس کو امیر حجاج بنا کر بھیجا تھا، لیکن سیدنا امیر معاویہ نے معاویہ بن یزید بن شجرہ الرہاوی کو امیر بنا بھیجا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر دونوں کے مابین نزاع ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے کی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن حجاج نے انتہائی دانشمندی سے کام لے کر شیبہ بن عثمان کی امارت کا اعلان کر دیا جس کے باعث نزاع ختم ہو گیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ:

۴۰ ہجری میں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے امارت حج کی ذمہ داری نبائی۔

سیدنا امیر معاویہ:

۴۴ ہجری میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ اپنے عہد خلافت میں امیر الحجاج کی حیثیت سے حج کرنے گئے اور پھر ۵۰ ھ میں بھی دوبارہ فریضہ حج ادا کیا۔

مروان بن الحکم:

۴۵ھ میں مروان بن الحکم والی مدینہ امیر حج تھا۔ خطبہ حج اور عرفات میں امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

۵۴ ہجری کو بھی مروان بن الحکم مدینہ سے امیر حج بن کر گیا۔

عتبہ بن ابی سفیان:

۴۷،۴۶ھ میں عتبہ بن ابی سفیان اور ۴۸ھ میں مروان بن الحکم امیر حج تھے۔

سعید بن العاص:

۵۲،۴۹ اور ۵۳ ہجری میں سعید بن عاص امیر تھے۔

یزید بن معاویہ (قاتل امام حسین):

البتہ ۵۱ ہجری میں یزید بن معاویہ کو یہ منصب دیا گیا۔

ولید بن عتبہ:

۵۷ ہجری میں ولید بن عتبہ کو امیر بنایا گیا۔

۵۹ ہجری میں عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امارت ملی۔

عمرو بن سعید العاص:

۶۰ ہجری میں یزید نے ولید بن عتبہ کو مکہ کی گورنری سے معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص کو گورنر بنایا اور اس سال یہی امیر حج بھی تھا۔

ولید بن عتبہ:

۶۱ھ اور ۶۲ھ میں یہ خدمت ولید بن عتبہ نے انجام دی۔ (طبری، جلد۴، خلافت امیر معاویہ)

سیدنا عبداللہ ابن زبیر:

۶۳ھ سے ۷۱ھ تک سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

۶۶ھ میں امارت کے چار جھنڈے تھے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن زبیر کا، دوسرا ابن عامر کا خوارج کیلئے، تیسرا محمد بن الحنفیہ کا شیعہ کے لئے اور چوتھا جھنڈا اہل شام کا بنو امیہ کی طرف سے تھا، لیکن نماز اور خطبہ کا فریضہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ادا کیا۔

عبدالملک بن مروان:

۷۵ ہجری اور ۷۸ ہجری میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یہ خدمت انجام دی۔

۹۱ ہجری اور ۹۵ ہجری خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان امیر تھے۔

سلیمان بن عبدالملک:

۹۷ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک امیر حج کی حیثیت سے حج کرنے آئے۔

ہشام بن عبدالملک:

۱۰۶ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک امیر بنے۔

ابو جعفر المنصور:

۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۷ اور ۱۵۲ ہجری میں خلیفہ ابو جعفر المنصور امیر الحجاج تھے۔ ۱۵۸ ہجری میں اسی عزم سے سفر اختیار کیا لیکن راستہ میں بیر میمون کے پاس پہنچ کر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

خلیفہ المہدی:

۱۶۰اور۱۶۴ہجری میں خلیفہ المہدی محمد بن ابی جعفر نے دومرتبہ بحیثیت امیر فریضہ حج ادا کیا۔

خلیفہ ہارون الرشید:

۱۷۰،۱۷۴،۱۷۵،۱۷۷،۱۷۹،۱۸۱،۱۸۶اور۱۸۸ہجری کے سالوں میں خلیفہ ہارون الرشید امیر الحجاج کی حیثیت سے حج کرنے جاتے رہے۔

افطس:

۱۹۹ہجری میں حجاج نے امام اور خطبہ کے بغیر فریضہ حج ادا کیا۔اس سال افطس کو مامون نے مکہ فتح کرنے کا حکم دیا تھااور امارت حج بھی اسی کو سونپ تھی۔مگر یہ بروقت نہ پہنچ سکا۔اگرچہ محمد بن داؤد کے نام ایک فرضی حکم نامہ بنایا گیا مگر وہ کارآمد ثابت نہ ہوا۔چنانچہ لوگوں نے عرفات میں ایک اجنبی آدمی کو نماز کیلئے کھڑا کر دیا،مگر خطبہ کے بغیر ہی سب نے حج ادا کیا۔افطس غروب آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے مکہ پہنچا۔طواف اور سعی سے فارغ ہو کر عرفات گیا،رات وہیں بسر کی اور صبح کے قریب مزدلفہ آ گیا اور وہاں حجاج کو صبح کی نماز پڑھائی۔پھر بقیہ ایام منیٰ میں گزارنے کے بعد شہر میں جا کر مفسدین کا قلع قمع کیا۔

ابواسحاق بن ہارون الرشید:

۲۰۰ہجری میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک شخص کو بہت بڑی فوج کے ساتھ امیر حجاج بنا کر مکہ بھیجا،لیکن جب یہ بطن نخلہ میں بستان ابن عامر کے مقام پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس سال ابواسحاق بن ہارون الرشید امیر حج کی حیثیت سے آچکا ہے اور اس کے ساتھ ایسی بہادر اور جری فوج ہے جس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے۔چنانچہ وہ بستان ابن عامر میں ہی رک گیا۔اس اثناء میں حجاج اور تجار کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا جن کے پاس غلاف کعبہ اور عطریات تھے۔عقیلی فوج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا۔اس طرح وہ لٹا پٹا قافلہ کسمپرسی کے عالم میں مکہ پہنچا۔جب اس المناک واقعہ کی اطلاع ابواسحاق کو ہوئی تو اس نے فی الفور عقیلی فوج پر حملہ کر کے غلاف کعبہ سمیت تمام سامان برآمد کر لیا اور ان کے بہت سے آدمی گرفتار بھی کر لئے۔

۲۰۱ہجری تا۲۲۰ہجری:

1: ۲۰۱ہجری میں اسحاق بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ نے امارت حج کی خدمت انجام دی۔

2: ۲۰۲ہجری میں ابراہیم بن محمد بن جعفر۔

3: ۲۰۳ہجری میں سلیمان بن علی۔

4: ۲۰۴تا۲۰۶ہجری عبیداللہ بن الحسن بن عبیداللہ بن عباس۔

5: ۲۰۷ہجری میں ابوعیسیٰ بن الرشید۔

7: ۲۰۸ہجری میں صالح بن الرشید۔

8: ۲۰۹تا۲۱۱ہجری میں صالح بن عباس بن محمد بن علی۔

9: ۲۱۲،۲۱۳ہجری عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد۔

10: ۲۱۴ہجری میں اسحاق بن عباس بن محمد۔

11: ۲۱۵،۲۱۶ہجری میں عبداللہ بن عبیداللہ۔

12: ۲۱۷ہجری میں سلیمان بن عبداللہ بن سلیمان۔

13: ۲۱۸تا۲۲۰ہجری میں صالح بن عباس امیر حج رہے۔

۲۲۱ہجری تا۲۵۰ہجری کے حج:

1: ۲۲۱تا۲۲۶ہجری میں محمد بن داؤد۔

۲۲۷ہجری میں جعفر بن المعتصم۔

3: ۲۳۶ ہجری المنتصر محمد بن متوکل۔
4: ۲۳۷ ہجری، ۲۳۸ ہجری علی بن عیسیٰ بن جعفر المنصور
5: ۲۳۸ تا ۲۴۱ ہجری میں عبداللہ بن محمد بن داؤد بن عیسیٰ۔
6: ۲۴۲، ۲۴۳ ہجری میں جعفر بن دینار امیر حج تھے۔
7: ۲۴۴ ہجری میں عبدالصمد بن موسیٰ امیر حج تھے۔

اس سال مکہ میں شدید ترین قحط تھا، ایک دینار سرخ کے عوض پانچ سیر گندم ملتی تھی۔ بعد میں وہ بھی نایاب ہوگئی۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ٹڈیوں کا ایک لشکر بھیجا جس سے زمین بھر گئی اور لوگوں نے ٹڈیاں کھا کر جان بچائی۔

8: ۲۴۵، ۲۴۶ ہجری میں محمد بن سلیمان بن عبداللہ۔
9: ۲۴۹ ہجری میں عبدالصمد بن موسیٰ۔
10: ۲۵۰ ہجری میں جعفر بن الفضل بشاشات امیر تھے۔

۲۵۱ ہجری تا ۳۱۰ ہجری کا حج:

1: ربیع الاول ۲۵۱ ہجری میں اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ والی مکہ جعفر بن الفضل بن عیسیٰ خوف کے مارے بھاگ گیا۔ اسماعیل نے بے دریغ غارت گری اور قتل کیا۔ کعبہ کا غلاف اور سونے چاندی کے علاوہ اہالیان مکہ کے دو لاکھ دینار لوٹ لئے۔ بعدازاں اس نے مدینہ پر شب خون مارا۔ پھر واپس لوٹ کر ایام حج میں ہزارہا حجاج کے خون ناحق سے ہاتھ رنگین کئے۔

جب یہ روح فرسا اطلاعات المعتز کو پہنچیں تو اس نے محمد بن احمد بن عیسیٰ اور عیسیٰ بن المخزومی کو ایک لشکر جرار دے کر مکہ روانہ کیا جن سے اسماعیل کا زبردست مقابلہ ہوا۔ گیارہ ہزار حجاج شہید ہوئے اور باقی ماندہ بھاگ گئے۔ اس سال حجاج کو عرفات میں وقوف کرنے کیلئے نہ تو دن کو وقت مل سکا اور نہ ہی رات کو۔ اسماعیل نے ۵۷ دن تک مکہ کا محاصرہ کئے رکھا جس کے باعث لوگ بھوک کی شدت سے جاں بلب ہو گئے اور گرانی کا یہ عالم تھا کہ ایک روٹی تین درہم میں مشکل سے ملتی تھی اور اسی طرح پانی کا ایک مشکیزہ تین درہم میں ملتا تھا۔

2: ۲۵۲ھ میں محمد بن احمد بن عیسیٰ۔
3: ۲۵۳ ہجری میں عبداللہ بن محمد بن سلیمان الزینبی۔
4: ۲۵۴، ۲۵۵ ہجری میں علی بن الحسین بن اسماعیل۔
5: ۲۵۶ ہجری میں محمد بن احمد بن عیسیٰ۔
6: ۲۵۷، ۲۵۸ ہجری میں الفضل بن اسحاق۔
7: ۲۵۹، ۲۶۰ ہجری میں ابراہیم بن محمد بن اسماعیل۔
8: ۲۶۱ تا ۲۶۳ ہجری میں الفضل بن اسحاق بن الحسن۔
9: ۲۶۲ ہجری میں فریضہ حج جزارین اور حناطین کے مابین جنگ و جدال کی نذر ہو گیا تھا۔ ۱۹ حجاج مارے گئے اور باقی لوگ حج کی سعادت سے محروم واپس لوٹ گئے تھے۔
10: ۱۲ ذی الحجہ ۲۹۵ ہجری منیٰ میں عج بن حاج اور دوسرے حجاج کے درمیان زبردست خون ریزی ہوئی۔ پیاس کی شدت کے باعث بہت سے حاجی موت کا لقمہ بن گئے۔

۳۱۲ ہجری کا حج:

۳۱۲ ہجری میں ابوطاہر قرامطہ نے حجاج کرام کے خون سے ہولی کھیلی۔ ان کا تمام مال اور سامان لوٹ لیا اور انہیں لق و دق صحرا میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ جن میں سے اکثر شدت تشنگی و گرسنگی اور تمازت آفتاب سے مر گئے اور جو زندہ بچ نکلے بسیار خرابی اور دقت کے بعد بغداد واپس لوٹ گئے۔ (ابن خلدون، جلد ۴، صفحہ ۹۲)

۳۱۴ہجری سے ۳۱۶ہجری تک کے حج:

۳۱۴ تا ۳۱۶ہجری میں مکہ پر قرامطہ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے عراق سے کوئی آدمی بھی حج کو نہ آ سکا۔ حتیٰ کہ ۳۱۴ہجری میں اہل مکہ بھی قلیل تعداد میں حج کی سعادت حاصل کر سکے تھے۔

منصور الدیلمی:

۳۱۷ہجری میں بغداد سے منصور الدیلمی امیر الحجاج بن کر آیا۔ حجاج کا قافلہ امن و امان سے مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ راستہ میں تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، لیکن یوم الترویہ کو ابو طاہر قرامطہ سات سو کے لشکر کیساتھ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور پہنچتے ہی ظلم کی تیغ آبدار سے حجاج کا قتل عام شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ حرم محترم میں بھی خون کی ندیاں بہا دیں۔ ایک ہزار نو سو حجاج کے خون ناحق سے حرم مقدس کی زمین کو رنگین کیا۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ بہت سے مقتولین کو چاہ زمزم میں پھینک دیا۔ کتنے تھے جنہیں حرم کے اندر لٹکایا گیا۔ ایک شقی ازلی کعبہ شریف پر چڑھ کر میزاب کعبہ (پرنالہ) اکھاڑنے کی ناپاک جسارت کرنے لگا، مگر اچانک اللہ کی لاٹھی چلی اور بے آواز چلی اور وہ سر کے بل گر کر جہنم واصل ہو گیا۔ حجر اسود اٹھا کر ہجر بھیج دیا گیا، غلاف کعبہ کو پھاڑ کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اہل مکہ کے مکانات اور حاجیوں کا سامان لوٹ لیا۔ یہ چھ دن تک وہاں رہا۔ ان حالات کے پیش نظر کوئی آدمی بھی فریضہ حج ادا نہ کر سکا، لیکن جب اس اندوہ ناک واقع کی خبر خلیفہ عبید اللہ المہدی والی افریقہ کو پہنچی، جس کے یہ لوگ مداح اور معتقد تھے اور اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھتے تھے تو موصوف نے ان افعال قبیحہ پر انہیں سخت لعن طعن کیا اور حکم دیا کہ حجر اسود اور حجاج کا مال و متاع فوراً واپس کیا جائے۔ چنانچہ تقریباً ۲۲ سال بعد حجر اسود تو واپس کر دیا گیا، مگر حجاج کا سامان خرد برد ہو گیا۔ (ابن خلدون، جلد ۴، واقعہ قرامطہ)

علامہ قطب الدین اس روح فرسا و جاں گداز واقعہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ان مفسدین، ملحدین اور اعداء الدین کا سرغنہ یحییٰ بن مہرویہ القرمطی تھا جو "ہجر" کا رہنے والا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ابن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب امام برحق ہیں۔ وہ اپنے ان اوہام باطلہ کے ثبوت میں بے سند اور من گھڑت روایات پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ خلیفہ المکتفی باللہ کو جب اس کے گمراہ کن نظریات کا علم ہوا تو اس نے ان پر فوج کشی کی جس میں یحییٰ سمیت بہت سے ملحد لقمہ اجل بن گئے۔ بعد ازیں یحییٰ کے بھائی حسین اور چچازاد بھائی عیسیٰ بن مہرویہ نے پھر سر اٹھایا۔ عیسیٰ بن مہرویہ کا لقب "المدثر" تھا اور وہ اپنے باطل خیال میں قرآن مجید کی سورت مدثر اپنے نام سے منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور شام میں زبردست فساد بپا کیا۔ ۲۹۱ھ میں ان سب کے سر قلم کر کے عبرت کے لئے شہر میں پھرائے گئے، جس سے یہ فتنہ دب گیا۔"

۳۱۷ہجری سے ۳۴۰ہجری تک کے حج:

۳۱۷ہجری میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا، اور ابو طاہر القرامطی کی قیادت میں بڑی تیزی سے ہر سو پھیلنے لگا۔ اس نے "ہجر" میں ایک محل "دار الہجرہ" کے نام سے بنایا اور ملک بھر میں اس کا حج کرنے کا اعلان کیا۔ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں ابو طاہر لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا اور طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حجاج کرام کو بے دریغ قتل کیا۔ تیس ہزار مسلمانوں کے خون ناحق سے ہاتھوں کو رنگین کیا، چاہ زمزم اور مطاف حجاج کی لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ وہ ظالم اعلان کرتا تھا "من دخلہ کان امنا" آج کہاں گیا۔

۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۳ اور ۳۲۴ہجری میں راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق کے لوگ حج سے محروم رہے۔ البتہ ۳۲۰ہجری میں مغربی

ممالک اور یمن کے حاجی آئے تھے۔امام ذہبی کی روایت کے مطابق ۳۲۶ ہجری میں عراق سے حجاج نہ جا سکے۔صرف بغداد کے لوگ حج کرنے آئے مگر واپسی پر شام کا راستہ اختیار کیا۔۳۳۲ ہجری میں بھی عراقی اس سعادت سے محروم رہے کیونکہ خلیفہ المتقی عراق سے بہت دور تھا اور راستہ محفوظ نہیں تھا حتیٰ کہ ۳۳۴ سے ۳۳۸ ہجری تک یہی کیفیت رہی، لیکن امام ذہبی کی دوسری روایت میں اس کے بالکل برعکس ہے۔وہ کہتے ہیں ۳۳۵ سے ۳۳۹ ہجری تک ہر سال عمر بن یحییٰ علوی کی امارت میں عراق سے حجاج آتے رہے۔

۳۴۱ ہجری سے ۳۶۵ ہجری تک کے حج:

۳۴۱ سے ۳۴۴ ہجری تک مختلف ممالک کے مابین مخاصمت کے باعث تین علیحدہ علیحدہ امیر حج آتے رہے۔مصر کی طرف سے احمد بن الفضل بن عبدالملک، عراق کی جانب سے احمد بن عمر بن یحییٰ علوی اور عمر بن الحسن بن العزیز۔

۳۵۵ ہجری میں کافور الاخشیدی مصر کی طرف سے امیر حج تھا۔

۳۶۳ ہجری میں معز الدین اللہ والی مصر کا خطبہ پڑھا گیا۔اس سال بنو ہلال وغیرہ نے حجاج پر حملہ کر کے بے شمار خلق اللہ کو قتل کیا۔ اسی خون ریزی میں وقت گزر گیا اور لوگ فریضہ حج ادا نہ کر سکے۔

۳۶۴ ہجری میں ابن المقر صاحب القرامطہ نے اپنے لوگوں کو حج کرایا۔

۳۶۵ ہجری میں عراق اور مشرق بلاد کا راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ حج کرنے نہ آسکے۔اسی سال عزیز والی مصر کے لشکر نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔

۳۶۶ ہجری کا حج:

۳۶۶ ہجری میں ایک سعادت مند خاتون جمیلہ بنت ناصر الدولہ ربی محمد الحسن بن عبداللہ نے فریضہ حج ادا کیا۔اس نیک خصال عورت نے اہل مکہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔دس ہزار دینار کعبہ شریف کی نذر کئے۔کعبہ کے خدام کو اس قدر دیا کہ وہ غنی ہو گئے اور لاکھوں دینار اہل مکہ پر پانی کی طرح بہا دیئے۔یہ خاتون بے حد نیک، شب بیدار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی تھی۔

عزیز باللہ والی مصر:

۵۶۷ھ میں عزیز باللہ والی مصر وافریقہ امیر حج تھے۔جب موصوف مکہ پہنچا تو لصوص اور اس کے چند ساتھیوں نے جن کی تعداد تیس کے قریب تھی، پانچ ہزار درہم کا مطالبہ پیش کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں خطبہ حج میں خلل اندازی کی دھمکی دی۔خلیفہ نے انہیں کہا کہ تمام رفقاء کو بلا لو تاکہ سب کو موجودگی میں فیصلہ کیا جائے۔جب وہ سب جمع ہو گئے تو خلیفہ نے حکم دیا کہ سب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

احمد بن محمد:

۳۸۰ ہجری میں ابوعبداللہ احمد بن محمد عبیداللہ نے ابی احمد موسیٰ کے نائب کی حیثیت سے امارت حج کی خدمت انجام دی۔

۳۸۴ ہجری سے ۴۵۴ ہجری تک کے حج:

۳۸۴، ۳۹۲ اور ۳۹۳ ہجری میں عراق سے کوئی آدمی حج کرنے نہ آسکا۔

۳۹۳ اور ۳۹۴ ہجری میں ابوالحارث محمد بن محمد بن عمر علوی امیر حج تھے۔

۳۹۷ ہجری میں بھی عراق سے حجاج نہ آسکے، کیونکہ ابن الجراح نے ان سے مال کا مطالبہ کیا تھا، لیکن وہ مطلوبہ رقم مہیا نہ کر سکے۔اس

لئے حج کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔

۳۹۸ سے ۴۴۱ ہجری تک قزاقوں سے راستہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے عراق اور خراسان کے لوگ حج نہ کر سکے۔

کئی سال بعد ۴۲۲ھ میں کوفہ سے بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا جو حفظ و امان کے ساتھ مناسک حج ادا کر کے واپس پہنچ گیا۔

۴۲۳ ہجری میں عراق کے سوا دیگر ممالک کے حجاج آئے، لیکن عرصہ تک عراق اور بعض دوسرے ممالک سے حجاج کا آنا از بر ہو گیا تھا۔

علی بن محمد:

۴۵۵ ہجری میں علی بن محمد الصلیحی شاہ یمن حج کو آیا اور مکہ میں عدل و انصاف قائم کیا۔ جس کے باعث لوگوں نے امان و سکون کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ لوگ بلا خوف و خطر دن رات عمرہ کرتے رہے تھے اور ان کے مال و جان بالکل محفوظ تھے۔ خلیفہ موصوف کی مدح سرائی میں بے اختیار زبانیں جاری تھیں۔

عیسیٰ بن العادل:

۶۱۱ ہجری میں الملک عیسیٰ بن العادل ابی بکر بن ایوب نے حج ادا کیا اور بڑی فراخ دلی سے صدقہ و خیرات کیا۔

۶۱۹ ہجری کا حج:

۶۱۹ میں عراق، شام اور دیگر بلاد سے بڑی تعداد میں حجاج آئے۔ شدید بھیڑ کی وجہ سے متعدد حاجی پاؤں تلے دب کر مر گئے۔

دیگر کچھ سالوں کی تفصیل:

۶۲۶، ۶۳۶، ۶۴۶ ہجری میں مکہ معظمہ شدید قحط کی زد میں رہا۔ ۶۵۹ ہجری میں مکہ مظفر یوسف بن نورالدین عمر بن علی والی یمن حج کے آیا اور بہت زیادہ صدقہ کیا۔

سلطان ظاہر:

۶۶۹ ہجری میں سلطان ظاہر بیبرس صالحی شاہِ مصر فریضہ حج کرنے آیا اور خوب صدقہ خیرات کیا۔

وباء کا دور دورہ:

۶۷۱ھ میں مکہ میں ایسی شدید وباء پھیلی کہ صرف رجب کے مہینہ میں ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس جنازے اٹھائے جاتے تھے۔

۶۷۷ ہجری کا حج:

۶۷۷ ہجری میں حجاج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ باب العمرہ سے باہر نکلنے میں تقریباً ۸۰ آدمی جاں بحق ہو گئے۔

کتبغ المنصوری:

۶۹۴ھ میں سلطان عادل کتبغ المنصوری حج کو آیا اور حرمین کے باشندوں کے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا۔ اس نے ستر ہزار درہم صدقہ کئے۔

سیف الدین سلار:

۷۰۳ھ میں امیر سیف الدین سلار حج کرنے آیا۔ غلہ اور نقد خوب خیرات کیا۔ ۷۰۵ھ میں مصر، عراق اور دیگر بلاد سے لاتعداد حجاج آئے۔ ۷۰۷ھ میں مکہ میں سخت گرانی کا دور دورہ تھا۔

امیر سیف الدین:

۷۱۶ھ میں امیر سیف الدین ارغون ناصری قاہرہ سے حج کی ادائیگی کیلئے آیا اور حرمین شریفین کے باشندوں پر خوب خرچ کیا، اس نے ۷۲۰ ہجری میں بھی حج کیا اور مکہ سے عرفات تک پیدل چل کر گیا۔

ملک الناصر:

۷۱۹ھ میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے بہت سے اعوان وانصار کی معیت میں حج کیا۔

۷۲۰ ہجری کا حج:

۷۲۰ ہجری میں حجاج نے مناسک حج پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ ادا کئے، بلکہ مسنون کام بھی بحسن وخوبی ادا کئے۔ اب کی بار ۸ ذی الحجہ کو منیٰ کے قیام میں پانچ نمازیں پوری پڑھیں اور رات بھی وہاں قیام کیا، پھر اگلے روز نویں ذی الحجہ کو صبح کو جب دھوپ جبل شبیر پر چمکی تو عرفات کو روانگی ہوئی اور اس دفعہ حج بھی جمعہ کے دن واقع ہوا تھا۔ اسی سال دنیا جہاں کے حجاج آئے تھے۔ شیخ رضی الدین طبری فرماتے ہیں:

''میں نے ساری زندگی میں حجاج کی اتنی بڑی تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔''

۷۲۱ تا ۷۲۵ ہجری کا حج:

۷۲۱ ہجری میں سخت قحط پڑا، گندم کا گھیلا ۲۴ درہم، گھی ایک اوقیہ پانچ درہم میں ملتا تھا اور کھجور مطلقاً غائب ہوگئی۔

۷۲۵ ہجری میں حجاج نے ہفتہ اور اتوار دو دن عرفات میں قیام کیا، کیونکہ ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہوگیا تھا، مصری حجاج پانی کی قلت کے باعث جلد واپس چلے گئے تھے۔

۷۵۷ ہجری کا حج:

۷۵۷ ہجری میں حجاج عرفات میں دو دن مقیم رہے۔ پہلے دن سخت بارش کے باعث سیلاب آگیا اور حجاج کی مزدلفہ روانگی نہ ہو سکی۔ اس لئے دوسرے دن مزدلفہ گئے۔

۷۶۰ھ میں غلہ، کھجور، گھی، بھیڑ بکریاں وغیرہ اور دیگر اشیاء خوردنی پر ٹیکس معاف کردیا گیا۔ اس سال ظلم وجور کے گھٹا ٹوپ بادل، عدل وانصاف اور امن وسکون کی بہار میں تبدیل ہوگئے تھے، کیونکہ ملک الناصر حسن شاہ مصر نے مکہ مکرمہ کی دیکھ بھال اور ضرورت کیلئے ایک لشکر وہاں تعینات کردیا اور ان کے معاون دو امیر محمد بن عطیفہ بن ابی نمی اور سند بن رمیثہ بن ابی نمی مقرر کئے۔ یہ لشکر ۷۶۱ ہجری کے آخر تک وہاں مقیم رہا۔

۷۶۱ ہجری کا حج:

۷۶۱ ہجری ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف ہوگیا۔ بری اور بحری راستہ سے آنے والے اکثر حجاج اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے بعض حضرات نے چاند منگل کو دیکھا، لیکن مکہ مکرمہ کی اکثریت اور مصر سے آنے والے حجاج نے منگل کی رات کو چاند نہیں دیکھا جس کے باعث حجاج آٹھ ذی الحج منگل کے دن عصر کے بعد عرفات چلے گئے، لیکن منیٰ میں قیام نہیں کیا، لیکن مکہ نے اپنی رویت کے مطابق اگلے روز صبح کرنا تھا جس کے باعث وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ اگلے روز ظہر کے بعد جب اہل مکہ عرفات جارہے تھے تو مازمین میں قزاقوں نے ہلہ بول دیا۔ بہت سے لوگ قتل ہوگئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ قزاقوں نے ان کے جانوروں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جو لوگ بچ گئے وہ

عرفات پہنچ گئے۔ حجاج اب کی بار بھی دو یوم عرفات میں ٹھہرے کیونکہ چاند کے اختلاف کے باعث انہیں دو دن ٹھہرنا پڑا۔ دوسری شام کو مزدلفہ روانگی ہوئی۔ صبح تک مزدلفہ میں قیام کرنے کے بعد جمعرات کو منیٰ واپس آئے۔ اسی رات منیٰ میں دوبارہ قزاقوں نے حملہ کیا اور لوگوں کے مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔

۸۱۸ ہجری کا حج:

۸۱۸ ہجری میں عرصہ دراز کے بعد سنت کے مطابق آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا اور پانچ نمازیں ادا کیں۔ نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روانہ ہوئے اور بقیہ مناسک ادا کئے۔ منیٰ میں خطبہ مدت سے متروک تھا اس سال اس شعار کا احیاء بھی ہوا۔

۱۳۷۸ ہجری:

ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء ایک دن نماز عشاء کے بعد محلہ میں روشنی کرنے والے گیس سے آگ لگ گئی۔ اس زمانہ میں حرم شریف کی دولت عثمانیہ ترکیہ والی عمارت کے متصل محلہ شامیہ واقعہ تھا۔ اکثر مکانات کی بڑی بڑی کھڑکیاں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ جس کے باعث آگ فوراً پھیل گئی۔ تنگ گلیوں کے باعث فائر بریگیڈ کی گاڑیاں محلہ کے اندر نہیں جا سکتی تھیں، اس لئے حرم کے اندر داخل ہو کر اس کے عملہ نے باب العمرہ والے مینار پر چڑھ کر پانی پھینکا۔ تین دن کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پایا گیا۔ ہندوستان اور انڈونیشیا کے بہت سے حجاج جاں بحق ہو گئے اور بے اندازہ مالی نقصان بھی ہوا۔

بعد میں اسی مقام پر سعودی حکومت کی نئی تین منزلہ پرشکوہ حرم کی عمارت تعمیر کی گئی اور اس کے متصل مروہ سے باب العمرہ صغیر تک ایک عالی شان مارکیٹ بھی تعمیر ہوئی۔

۱۳۹۳ ہجری:

بروز جمعۃ المبارک ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۷۴ عیسوی کو منیٰ میں مغرب کے وقت مصری حجاج کے خیموں میں آگ لگ گئی تھی۔ جس کے فلک بوس شعلوں سے سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ اکثر حجاج اس وقت طواف زیارت کے لئے مکہ شریف گئے ہوئے تھے۔ عشاء کے بعد فائر بریگیڈ نے قابو پا لیا تھا، اگرچہ جانی نقصان تو نہیں ہوا لیکن مصری اور ہندی حجاج کا مالی نقصان بہت زیادہ ہو گیا تھا۔

۱۳۹۵ ہجری:

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۵ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۷۵ء کے بعد منیٰ میں ایرانی حجاج کے خیموں میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے زبردست آگ لگ گئی۔ قربانی اور حج کی خوشیاں آناً فاناً غم واندوہ اور چیخ و پکار میں تبدیل ہو گئیں۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ اس سے اٹھنے والا دھواں سیاہ بادل کی طرح پورے منیٰ میں سایہ فگن ہو گیا تھا۔ ایرانی حجاج کی موٹریں، ٹرک اور کاریں جو وہاں پاس ہی کھڑی تھی جب وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئیں تو معاملہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔ فائر بریگیڈ کا عملہ انتھک جدوجہد کے باوجود آگ کے سامنے بے بس ہو گیا۔ بالآخر دو انجن نمبر ۹ گیس برادر پہنچ گئے، جو غالباً جدہ سے آئے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے آگ پر قابو پا لیا لیکن اس وقت تک تقریباً ایک مربع میل کا ایریا جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ بے شمار حجاج جن میں اکثریت ایرانیوں کی تھی جاں بحق ہو گئے۔ متعدد موٹریں، کاریں اور ٹرک بھی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے اور کروڑوں روپے کا مالی نقصان بھی ہوا۔

حکومت سعودیہ نے معلمین سے حجاج کی جان اور مالی فہرستیں طلب کر کے انہیں معقول معاوضہ دیا۔

۱۳۹۷ ہجری:

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ سحری کی اذان کے بعد اور صبح کی اذان سے پہلے حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں خوفناک آتشزدگی واقعہ پیش آیا۔ جیاد سے حرم کو آنے کیلئے لکڑی کا ایک عارضی پل بنایا گیا تھا۔ جس کے کنارے چند عارضی دکانیں اور لکڑی کے کھوکھے بھی تھے۔ پل کے نیچے بعض حاجی حضرات بھی خیمہ زن تھے۔ وہاں کسی کا چولہا پھٹ جانے سے آگ لگ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پل سے گزر کر دکانوں تک پہنچ گئی۔

اگرچہ فائر بریگیڈ کا عملہ دس منٹ کے اندر جائے وقوع پر پہنچ گیا، مگر آگ اتنی شدید تھی کہ بلند و بالا عمارات گھاس پھوس کی طرح اس میں بھسم ہو رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کے عملہ کی جاں فشانی اور قابل رشک کارکردگی کے باعث ۷۵ منٹ میں آگ پر قابو پا لیا گیا لیکن لاکھوں روپے کے مالی نقصان کے علاوہ پچاس افراد بھی حادثہ کا شکار ہو گئے۔

۱۴۰۰ ہجری:

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا دل دوز و جاں گداز المیہ ہے کہ کعبہ شریف پر مرتدین کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے ۱۴ دن مسلسل طواف معطل رہا اور حرم پاک کے در و دیوار اذان اور جماعت کی سعادت سے محروم رہے۔ اس ناقبت اندیش گمراہ ٹولے نے کعبہ شریف کے تقدس کو پامال کیا۔ اس کے حسین و جمیل اور مرمری فرش کو حجاج کے پاکیزہ خون سے رنگین کر دیا اور روئے زمین کی عظیم ترین عبادت گاہ کو مقتل میں تبدیل کرنے کی انتہائی ناپاک جسارت کی۔

یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء منگل کی صبح کو جب کہ پورے عالم اسلام میں پندرہویں صدی کا جشن منانے کی زبردست تیاریاں کی جا رہی تھیں کہ مرتدین نے ۶۰ کروڑ مسلمانوں کے قبلہ پر قبضہ کر لیا۔ امام حرم شیخ عبداللہ بن سبیل نے ابھی نماز فجر کا سلام پھیرا ہی تھا اور مکبر دوسری جانب سلام پھیرنے والا تھا کہ حملہ آور اللہ اکبر، جہاد جہاد کے فلک شگاف نعرے لگاتے، ریوالور، رائفلیں اور سٹینگنیں ہوا میں لہراتے، جوتوں سمیت دوڑتے ہوئے حرم میں گھس آئے۔ چند آدمیوں نے امام صاحب کو گھیرے میں لے لیا اور کچھ لوگ مکبرہ میں لاؤڈ سپیکر پر قابض ہو گئے۔ اس وقت حرم شریف میں ایک لاکھ کے قریب نمازی موجود تھے جن میں اکثریت غیر ملکی حجاج کی تھی۔ جبکہ حملہ آوروں کی تعداد ۲۰۰ سے ۵۰۰ تک بتائی جاتی ہے جو زیادہ تر سعودی اور بعض مصری، یمنی، کویتی، سوڈانی، عراقی اور پاکستانی بھی تھے۔ یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت طویل جنگ کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

ان کا ۲۷ سالہ سرغنہ محمد بن عبداللہ قحطانی تھا۔ اس نے چار سال تک مکہ یونیورسٹی میں اسلامی قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا دست جہیمان بن سیف العتیبہ تھا۔ مفسدین نے حرم کے تمام دروازے بند کر لئے اور مؤذن کے کیبن سے ایک آدمی نے عربی میں اعلان کیا کہ مہدی موعود جس کا نام محمد بن عبداللہ ہو گا، آ چکا ہے۔ دوسرے آدمی نے عربی میں لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سنائی اور اس کا اردو ترجمہ ایک اور آدمی نے سنایا۔ نام نہاد مہدی نے بھی مائیک پر اعلان کیا کہ میں نئی صدی کا مہدی ہوں، میرے ہاتھ پر سب لوگ بیعت کریں۔ چنانچہ بعد میں مقام ابراہیم کے پاس جا کر گولیوں اور سنگینوں کے سائے میں لوگوں کو دھمکاتے ہوئے گمراہ ٹولے نے خود ہی بیعت کرنا شروع کر دی کہ شاید دوسرے لوگ بھی دام تزویر میں پھنس جائیں۔ مگر حجاج میں سے کسی نے بھی اس مذموم فعل کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ امام کعبہ کو بھی بیعت کے لئے مجبور کیا گیا، مگر اس مرد حق آگاہ کے پائے استقامت میں ذرہ برابر جنبش نہ آئی۔

اتنے میں انتظامیہ نے بجلی کا کنکشن کاٹ دیا اور پورا حرم تاریکی میں ڈوب گیا جس سے لوگوں میں زبردست خوف و ہراس اور سراسیمگی پھیل گئی۔ جب وہ باہر نکلنے کیلئے دروازوں کی طرف لپکے تو انہیں مقفل پا کر اور زیادہ حواس باختہ ہو گئے۔ باب اسلام جدید کے

قریب زیر زمین راستہ سے اکثر لوگ باہر نکلے جب کہ بہت سے لوگوں نے صفا مروہ کے درمیان بلند و بالا کھڑکیوں سے چھلانگیں لگا کر جان بچائی۔ امام حرم جو اپنی حاضر دماغی کے باعث مفسدین کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے، فوراً ایک کمرہ میں جا کر ٹیلی فون پر حکام کو صورت حال سے آگاہ کیا، اور اپنی عبا اتار کر عام نمازیوں میں شامل ہو کر باہر نکل گئے۔ اس اثناء میں حملہ آور میناروں سمیت بہت سی محفوظ اور اہم جگہ پر مورچہ بند ہو گئے اور وقفے وقفے سے گولیاں چلانے لگے۔

چونکہ سعودی حکومت میں سپر پاور علماء کرام کو حاصل ہے اس لئے شاہ خالد نے فی الفور ۳۲ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا اجلاس ریاض میں طلب کر لیا۔ علماء کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ مسلح گمراہ افراد کے خلاف تشدد کی کارروائی شریعت کے عین مطابق ہے اور مسلمانوں کی جان کا تحفظ کرنے کیلئے مناسب اقدامات انتہائی ضروری ہیں۔ اس فتویٰ کی روشنی میں بیت اللہ کے تقدس کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ کم از کم نقصان ہو اور پھر ان پر قابو پا لیا جائے۔ اس لئے سعودی فوج نے بھاری اسلحہ استعمال کرنے سے گریز کیا۔ تاہم چودہ دن کی زبردست جنگ کے نقصانات کی چشم دید رپورٹ ''عرب نیوز'' کے نمائندے نے ۱۰ دسمبر کو اس طرح پیش کی:

''حرم کے باہر پارکنگ فوجی جیپوں سے بھری ہوئی تھی، جن میں مشین گنیں نصب تھیں۔ حفاظتی انتظامات انتہائی سخت تھے۔ قرب و جوار کے مکانات لڑائی کے دوران خالی کرا لئے گئے تھے۔ مروہ کی جانب مسعیٰ کا آخری دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ دونوں طرف کی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔ حرم کے مشرقی جانب مرویٰ کو صفاء سے جدا کرنے والی دیوار مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی۔ دیوازوں، دروازوں اور چند بچی کھچی کھڑکیوں کے ٹکڑوں پر گولیوں اور گولوں کے نشانات نمایاں تھے۔ بجلی کی ٹیوبیں پنکھے اور ایئر کنڈیشنر تباہ و برباد پڑے تھے۔

حرم کے مینار جن پر مفسدین مورچہ بند تھے۔ جہاں سے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی، اور جہاں کوئی چیز ہلتی نظر آئی تو اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ میناروں پر جا بجا گولیوں کے نشانات موجود تھے۔ متعدد ستون ٹوٹے ہوئے تھے۔ مسجد کے بعض دروازے مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے تھے۔ دوسری منزل کو جانے والی تمام سیڑھیاں بکتر بند گاڑیوں اور فوجی ٹرکوں کے وزن سے ڈھیر ہو چکی تھیں۔ ستونوں پر بڑی نفاست سے جو سنگ مرمر چڑھایا گیا تھا وہ اکھڑا ہوا تھا۔

حرم کے تہہ خانوں میں گھٹنوں تک پانی کھڑا تھا اور صبح کی لڑائی کے دوران سعودی فوج نے مرتدین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کیلئے جو ٹائر جلائے تھے ان کی بو اب تک کافی شدید تھی، جس سے میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ تہہ خانوں کو جانے والے راستوں پر مفسدین نے خاردار تار بچھا رکھی تھی تاکہ سعودی فوج کا راستہ روکا جا سکے۔ میں یہ حالات دیکھ کر جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔''

یہ المناک سانحہ کتنی ہی معصوم جانوں کو خاک و خون میں تڑپا گیا اور حرم محترم کی تقدیس کو کس طرح پامال کیا گیا۔ مرتدین کا مکمل صفایا کرنے کے بعد ۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب دوبارہ حرم شریف کو عبادت کیلئے کھولا گیا تو سعودی ٹیلی ویژن پر حسب ذیل تفصیلات ٹیلی کاسٹ کی گئیں۔

سعودی عرب کے وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز نے کہا:

''خانہ کعبہ کو مفسدین سے پاک کرنے اور بیت اللہ شریف پر دوبارہ مکمل کنٹرول حاصل کرنے کیلئے سعودی نیشنل گارڈ اور مسلح حملہ آوروں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں ۷۵ باغی اور ۶۰ نیشنل گارڈ کے فوجی ہلاک ہوئے۔ چار پاکستانیوں سمیت ۲۶ حاجی بھی جاں بحق اور سینکڑوں آدمی زخمی ہوئے۔ بیت اللہ کی حرمت اور تقدس کو پامال کرنے والوں

میں سے ۷۰ کو زندہ گرفتار کرلیا اور ان میں سے ۵۰ مفسدین کو ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا۔''

ٹیلی ویژن کے تبصرہ نگار نے ان لوگوں کو ازلی جہنمی اور مرتد قرار دیا اور کہا کہ ان پر ہمیشہ لعنت اور پھٹکار بھیجی جاتی رہے گی۔

کعبہ شریف سے رشتہ جوڑتے ہیں تاکہ مسلمانان عالم قوی، باعزم اور باہمت بن کر دنیا میں مثالی کردار ادا کرسکیں، لیکن یہ شور کیا ہے؟ یہاں تو گولیاں چل رہی ہیں۔ بیت الامن کے میناروں سے آگ برسائی جارہی ہے۔ اس شور وغوغا کی پشت پر ارتد اور فساد فی الارض کارفرما ہے۔ خانہ کعبہ جہاں کسی کو گزند نہیں پہنچایا جاسکتا وہاں کچھ ایسے گمراہ، مرتد اور مفسدین گھس آئے ہیں جنہوں نے کعبہ کے تقدس کو پامال کردیا۔ ہر سو سناٹا ہے۔ حق کی آواز بھی خاموش ہوگئی ہے، وہ حرم جو تہلیل وتکبیر کی روح پرور آواز سے گونجتا رہتا تھا اور خدائے واحد کی حمد اور توحید کی صدائیں بلند ہوتی تھیں، آج خالی عمارت میں تبدیل ہوچکا ہے۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حرم پاک میں گولیاں چلائی جائیں گی اور آگ برسائی جائے گی۔ مسلمانان عالم کے دل پر یہ قیامت بھی ٹوٹی، مگر تکوینی چیزیں ہوکر رہتی ہیں۔ دیکھیے حرم کی عمارت اداس، اداس ہے۔ دیواروں سے وحشت برس رہی ہے۔ ناچار سعودی فوج حرکت میں آئی۔ یہ ایک مقدس عمل تھا۔ فوجی نوجوانوں نے مفسدین سے اپیل کی کہ حرم کے تقدس کو برقرار رکھیں اور اسے پامال نہ کریں۔ جس کا جواب گولیوں سے دیا گیا۔ مسلمان کا یہ وطیرہ نہیں کہ حرم میں کشت وخون کا بازار گرم کرے۔ مگر یہ اندوہ ناک عمل دیکھنے میں آیا۔ مفتیان اسلام اور علماء عظام نے حرم پاک کے تقدس کو بحال کرنے کیلئے طاقت کے استعمال کا فتویٰ چند شرطوں کے ساتھ دیا کہ اللہ کا لشکر حرم کی تقدیس کو مزید پامال نہیں کرے گا۔ کم سے کم جانوں کو اتلاف ہوگا۔ قتل وخون ریزی سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ اگرچہ یہ حرم امن وسلامتی کا گہوارہ ہے مگر یہ اقدام مجبوراً کرنا پڑا۔

پھر سعودی جوان حرکت میں آگئے۔ فضاء سے ہیلی کپٹروں نے مفسدین پر گیس کے گولے پھینکے اور گولیاں بھی چلائیں۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو بھی استعمال میں لانا پڑا اور فوج کے چند جوان مفسدین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے حرم شریف میں داخل ہوگئے۔ ضروری کارروائی کرکے مفسدین پر قابو پالیا گیا۔ حرم کی تقدیس کو بحال کرانے کا جہاد کرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ یہ کوئی عام جنگ نہیں تھی، بلکہ حرم کے تقدس اور نزاکتوں کا پورا پورا خیال رکھنا لازمی تھا۔ بالآخر حق کا بول بالا ہوا اور مفسدین اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہوئے۔

ہمارے ایک کرم فرما جو کہ یونیورسٹی کے سکالر ہیں، اپنے چشم دید واقعات کو ایک خط میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''یہ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کی ایک سوہانی صبح تھی۔ حرم کے مقدس مینار سورج کی روپہلی کرنوں کے لئے آغوش رحمت لیے ہوئے تھے کہ یکایک نعرہ تکبیر کی صدائے جاں فزا کانوں میں گونجی۔ نوجوانوں کا ایک گروپ صفوں کو چیرتا ہوا مقام ابراہیم تک پہنچ گیا۔ انہوں نے امام صاحب سے ہاتھ ملایا اور انہیں ساتھ لے گئے۔ چمکتی ہوئی جدید ترین رائفلیں ان کا زیور تھا۔ انہوں نے بندوقوں کو ہوا میں اچھالا اور ایک کالے جبے والا شان بے نیازی سے یوں گویا ہوا: قل جاء الحق ...... بارِخدایا! یہ کیا ماجرا ہے۔؟ لوگ حیران اور ششدر ہیں۔ اتنے میں مؤذن کے مکمرہ سے نہایت جوشیلی پر رعب، زوردار اور پراعتماد آغاز ابھرتی ہے۔ خطبہ مسنونہ کے بعد اس نے ۱۲ احدیثیں بیان کیں کہ مہدی کا ظہور ہوگیا ہے۔ اس تقریر کے دوران ایک اور آواز ابھرتی ہے: او فلاں بن فلاں! تو میناروں پر چلا جا۔ او فلاں! تم ساتھیوں کو لے کر باب الصفاء پر جاؤ۔ او فلاں بن فلاں تم فلاں دروازہ بند کردو۔ خطبہ ختم ہوجاتا ہے۔ حاجی نفسانفسی کے عالم میں بھاگ رہے ہیں۔ مگر تمام دروازے بند، اور باغی میناروں پر قابض ہوچکے تھے۔ نام نہاد مہدی مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہے، اس کا ایک ساتھی لوگوں کو کہتا ہے:

اقامے پھاڑ دو۔ اب یہاں سب کو رہنے کی عام اجازت ہوگی۔ چنانچہ بعض لوگوں کے اقامے پھاڑ دیئے گے۔ میں اس کے بعد ایک نومنزلہ عمارت کی چھت پر کھڑے ہو کر جنگ کا منظر دیکھتا رہا۔ میناروں سے گولیاں چلتی رہیں۔ باغی اکا دکا سپاہیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دیتے تھے۔ تاخ، تاخ گولیوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ شام ساڑھے پانچ بجے سعودی افواج کے دستے پہنچنا شروع ہوئے۔ ان کا پہلا دستہ پاکستان ہاؤس کے متصل گزرنے والی سڑک سے، دوسرا غزہ بازار سے گزر کر چھتے بازار کی طرف مارچ کر رہا ہے۔ تیسرا دستہ سوق صغیر کی جانب سے آگے بڑھ رہا ہے اور چوتھا دستہ محلہ جیاد کی طرف سے۔ سب کا رخ حرم کی طرف تھا۔ اب فوجوں نے حرم کے گرد دور دور تک گھیرا ڈال لیا ہے۔ مگر میناروں سے برابر آگ برسائی جا رہی ہے۔ ساڑھے تین بجے سحری کے وقت توپ کا پہلا گولا فائر ہوتا ہے جو صفا کے مینار پر گرا مگر کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس وقت حرم میدان جنگ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ لڑائی اس طرح مسلسل پندرہ دن جاری رہی۔ حرم پاک طواف، اذان اور نماز سے محروم ہوگیا۔ بالآخر ۱۴ اور ۱۵ محرم کی درمیانی شب ایک خوفناک جنگ کے بعد باغیوں کو گرفتار کر لیا گیا کچھ قتل ہو گئے۔

میں نے اتنی خوفناک، دلیرانہ اور مردانہ لڑائی نہ دیکھی نہ تاریخ میں پڑھی۔ شاہی افواج کی ہمت، دلیری، جرأت مندی کے انمنٹ نقوش ذہن پر ایسے مرتسم ہوئے، جو تا زیست قائم رہیں گے۔ ۱۶ محرم الحرام مطابق ۷ دسمبر کو مرتدین کا صفایا ہونے کے بعد پہلی مرتبہ نماز جمعہ ادا کی گئی۔ دو ہفتوں کی المناک صورت حال کے بعد بیت اللہ شریف میں عبادت کے ایمان افروز روح پرور مناظر دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے۔ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمانوں نے ٹیلی ویژن پر جمعہ کا خطبہ سنا اور نماز کا منظر دیکھا۔"

حرم کعبہ پر قبضہ کرنے اور خونریزی کرنے والے ۶۳ مرتدین اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ سعودی وزیر داخلہ کے اعلان کے مطابق اس المناک واقعہ کی مکمل تحقیقات کی گئی اور اس کی رپورٹ شاہ خالد کو پیش کر دی گئی۔ اس رپورٹ میں مرتدین کے حلفیہ بیان بھی شامل تھے جس میں انہوں نے اعتراف جرم کیا تھا۔ بعد ازاں علماء کرام کی اعلیٰ کونسل سے اس بارے میں فتویٰ حاصل کیا گیا۔ ان علماء نے مجرموں کا سر قلم کرنے کی اجازت دی۔ اس بنا پر شاہ خالد نے سزائے موت کے احکامات جاری کر دیئے۔

وزارت داخلہ کے بیان کے مطابق مکہ معظمہ میں پندرہ افراد، ریاض میں دس، مدینہ منورہ میں سات، دمام میں سات، بریدہ میں سات، حائل میں پانچ، ابہاء میں سات اور ابوک میں پانچ منافقوں کے سر قلم کئے گئے۔ سزائے موت پانے والوں میں سے ۴۱ سعودی عرب ۱۰ مصر، ۶ جنوبی یمن، ۳ کویت، شمالی یمن، عراق اور سوڈان کا ایک آدمی تھا۔

جن مجرموں نے حرم میں خون بہایا، یا جو منافقوں کے سرغنے نہیں تھے یا اکسانے والوں میں شامل نہیں تھے، ان افراد کو قید کی سزا ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے گی۔ مجرموں میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں جنہیں اصلاح عقیدہ کیلئے دار النسو ان کے سپرد کر دیا گیا۔

☆☆☆

باب نمبر 7:

کعبہ اور مطاف کعبہ میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث

حضرت حکیم بن حزام کی پیدائش:

علامہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن ابی سلیمان سے بیان کیا ہے، اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ فاختہ بنت زہیر بن اسد بن عبدالعزیٰ یعنی حکیم بن حزام کی والدہ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئی اور وہ حاملہ تھی۔ دردزہ شروع ہوا، تھوڑی دیر میں حضرت حکیم بن حزام پیدا ہوئے۔ پھر اس نے اسے ایک کپڑے میں اٹھایا اور بچہ کی پیدائش کی وجہ سے جو نیچے نجاست اور آلودگی پڑی تھی اسے دور کیا اور زمزم کے پانی سے اس جگہ کو دھویا۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۴۴)

محب طبری مکی نے اپنی کتاب ''القری لقاصد ام القریٰ'' کے باب نمبر ۳۵ میں بیان کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام عام الفیل سے بارہ یا تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں تولد ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۵۴ ہجری میں فوت ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی زندگی پائی۔ پہلے ساٹھ سال کا زمانہ جاہلیت میں گزارا اور آخری ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ فتح مکہ کے دن مشرف با اسلام ہوئے۔ انہوں نے جب حج کیا تو سو اونٹ کی قربانی دی۔ ان جانوروں پر دھاریدار کپڑے ڈالے ہوئے تھے وہ بھی فی سبیل اللہ دے دیئے۔ ایک ہزار بکری کی قربانی دی اور سو غلام اللہ کی راہ میں آزاد کئے اور یہ سب کام عرفات کے میدان میں کئے۔ غلاموں کے گلے میں ایک چاندی کی تختی بنا کر ڈال دی جس پر منقوش تھا:

((عتقاء الله من حكيم بن حزام))

''یہ غلام حکیم بن حزام کی طرف سے اللہ کو راضی کرنے کے لیے آزاد کیے گئے ہیں۔'' (النصرانیۃ وادابھا، صفحہ ۱۴)

اساف ونائلہ:

اساف بن عمرو اور نائلہ بنت ذئب یمن کے باشندے اور قبیلہ جرہم کے فرد تھے۔ ان دونوں میں معاشقہ تھا۔ ایک مرتبہ دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی حج کرنے مکہ آئے۔ ایک دن لوگوں کو غفلت میں پا کر کعبہ شریف کے اندر بدفعلی کی۔ جس کی پاداش میں دونوں کی شکلیں مسخ ہو کر پتھر بن گئیں۔ لوگوں نے انہیں اٹھا کر ایک صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر پھینک دیا تاکہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مدت مدید تک وہاں پڑے رہے۔ جب بہت زمانہ گزر گیا اور لوگ ان کی بدکاری کے واقع کو بھول گئے تو اس کے بعد عمرو بن لحی الخزاعی نے جب مکہ میں بت پرستی کی داغ بیل ڈالی اور لوگوں میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا، تب ان دونوں کی پرستش بھی شروع ہو گئی، پھر جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو اس نے وہاں سے اٹھا کر ایک کعبہ کے متصل اور دوسرا زمزم کے پاس نصب کر دیا اور ان کے نام کی قربانی دی جانے لگی۔

خزانہ کعبہ کی حفاظت:

ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کرتا ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہی دائیں جانب ایک گہرا کنواں تھا، اسے حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے کھودا تھا۔ تعمیر کعبہ شریف کے وقت یہ کنواں بھی کھودا گیا۔ اس میں زیورات، سونا، چاندی اور دیگر تحائف جو خانہ کعبہ کی نذر کئے جاتے تھے، رکھتے تھے۔ اس وقت خانہ کعبہ کی چھت نہیں تھی۔ جرہم کے زمانہ میں اس کا مال کئی مرتبہ چوری ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی حفاظت کے لئے ایک اچھے آدمی کو منتخب کیا۔ ایک دن وہ آدمی جسے نیک اور پسندیدہ سمجھ کر حفاظت پر مامور کیا تھا۔ اس کی

چوری پر آمادہ ہوا۔ اس نے اپنی چادر زمین پر پھیلائی اور کنوئیں میں اترا۔ چنانچہ تمام مال کپڑے میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کنوئیں کا ایک پتھر سرکا اور اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اسے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ حتیٰ کہ تمام لوگوں نے اسے کنوئیں میں پھنسا ہوا دیکھا اور بعد مشکل اسے باہر نکالا اور مال ومتاع جو چادر میں تھا واپس کنویں میں ڈال دیا۔ اس وقت سے یہ کنواں بئر انسف (غرق کرنے والا کنواں) کے نام سے مشہور ہوا۔

جرہمی کے خسف کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کنویں میں ایک سانپ بھیجا۔ یہ پانچ سو سال تک خزانہ کعبہ شریف کی حفاظت کرتا رہا۔ قریش کے زمانہ جاہلیت میں جب اس میں کوئی داخل ہوتا تو سانپ حائل ہوتا۔ یہ اپنا منہ کھولتا اور دیکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی اور نہ ہی اس کو ڈرانے کی کسی کو ہمت ہوتی تھی، بلکہ خود پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ یہ سانپ جرہم، خزاعہ اور قریش کے زمانہ تک رہا۔ قریش زمانہ جاہلیت میں اس سے بہت تنگ آ گئے بالآخر مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ایک عقاب آیا اور اس نے جھپٹ ماری اور سانپ کو اجیاد الصغیر کی طرف اڑا کر لے گیا۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۹)

حضرت علی کی ولادت:

((عن ابی حمزة الثمالی، قال: سمعت علی بن الحسین یقول: ان فاطمة بنت اسد رضی الله عنه ضربها الطلق وهی فی الطواف، فدخلت الكعبة فولد امیر المومنین فیها))

"ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا: حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کو طواف کے دوران بچے کی ولادت کے آثار نمودار ہوئے، وہ کعبہ میں داخل ہوئیں اور وہاں امیر المومنین حضرت علی کی ولادت ہوئی۔"

((ولد علی بمكة فی البیت الحرام یوم الجمعة الثالث عشر من شهر الله الاصم رجب بعد عام الفیل بثلاثین سنة، ولم یولد فی بیت الله الحرام احد سواه لا قبله ولا بعده، وهی فضیلة خصه الله بها اجلا لاله، واعلاء لرتبته، واظهارًا لتكرمته))

"حضرت علی رضی اللہ عنہ 13 رجب جمعہ کے دن مکہ میں خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ سے پہلے کسی کی عین خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی اور نہ ہی آپ کے بعد اور یہ ایک ایسی فضیلت تھی جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کی تا کہ ان کی عظمت اور ان کے مقام کو لوگوں کیلئے واضح اور روشن کرے۔"

((روی عن عتاب بن اسید انه قال: ولد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب بمكة فی بیت الله الحرام یوم الجمعة لثلاث عشرة لیلة خلت من رجب، وللنبی صلی الله علیه وآله ثمان و عشرون سنة قبل النبوة باثنتی عشرة سنة))

"عتاب بن اسید سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولادت 13 رجب بروز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے 12 سال مبعوث ہونے سے پہلے خانہ کعبہ مکہ میں ہوئی۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم 28 سال کے تھے۔"

((روی ان امیر المومنین علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف وصی رسول الله صلی الله علیه و آله وخلیفته الامام العادل والسید المرشد والصدیق الاکبر سید الوصیین، وامام الموحدین، کنیته: ابو الحسن، ولد بمکة فی البیت الحرام یوم الجمعة لثلاث عشرة لیلة خلت من رجب، بعد عام الفیل بثلاثین سنه، وامه فاطمه بنت اسد بن هاشم بن عبد مناف، وهو اول هاشمی فی السلام من هاشمین))

"روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف جو کہ رسول اللہ کے جانشین، وصی اور ایک عادل پیشوا، راہنما اور صدیق اکبر، اوصیاء کے سردار، موحدین کے امام جن کی کنیت ابوالحسن ہے، آپ 13 رجب جمعہ کے دن عام الفیل سے 30 سال بعد کعبۃ اللہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف ہیں جنہوں نے بنی ہاشم میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔"

((قال یزید بن قعنب: کنت جالساً مع العباس بن عبد المطلب وفریق من عبد العزی یازاء بیت الله الحرام، اذا قبلت فاطمة بنت اسدام امیر المومنین وکانت حاملاً به لتسعة اشهر، وقد اخذها الطلق فقالت: رب! انی مومنة بك، وبما جاء من عندك من رسل وکتب، وانی مصدقة بکلام جدی ابراهیم الخلیل علیه السلام وانه بنی البیت العتیق فبحق الذی بنی هذا البیت، وبحق المولود الذی فی بطنی لما یسرت علی ولادتی قال یزید بن قعنب: فراینا البیت وقد انفتح عن ظهره، ودخلت فاطمةفیه وغابیت ابصارنا والتزق الحائط فرمنا ان ینفتح لنا قل الباب فلم ینفتح فعلمنا ان فی ذلك امرا من الله عزوجل، ثم خرجت بعد الرابع و بیدها امیرالمؤمنین ثم قالت: انی فضلت علی من تقدمنی من النساء، لان آسیة بنت مزاحم عبدت الله عزوجل سرا فع موضع لا یحب ان یعبد الله فیه الا اضطرارا، وان مریم بنت عمران هزت النخلة الیابسة بیدها حتی اکلت منها رطبا جنیا، وانی دخلت بیت الله الحرام فاکلت من ثمار الجنة واوراقها (ارزاقها) فلما اردت ان اخرج هتف بی هاتف: یا فاطمة اسمیه علیاً فهو علی والله العلی الا علی یقول: انی شققت اسمه من اسمی، وادبته بادبی وواقفته علی غوامض علمی، وهو الذی یکسر الاصنام فی بیتی وهو الذی یوزن فوق ظهر بیتی ویقدسنی ویمجدنی، فطوبی لمن احبه واطاعه، وویل لمن ابغضه و عصاه))

’’یزید بن قعنب کہتے ہیں کہ ہم حضرت عباس بن عبدالمطلب اور قبیلہ عبدالعزی کے چند لوگ خانہ کعبہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کو دیکھا جو کہ حاملہ تھیں اور ان کے حمل کو 9 ماہ گزر چکے تھے اور وہ درد میں مبتلا تھیں۔ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے پروردگار! میں تجھ پر اور تیرے رسولوں پر اور جو تو نے کتابیں بھیجیں ان پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیم خلیل کی گفتگو کی تصدیق کرتی ہوں اور یقین رکھتی ہوں کہ انہوں نے اس کعبہ کو بنایا، تجھے اس کا واسطہ جس نے اس کعبہ کی تعمیر کی اور اس بچے کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے، قسم دیتی ہوں اس کی ولادت آسان فرما۔ یزید بن قعنب کہتے ہیں: اس وقت ہم نے دیکھا کعبہ کی دیوار پھٹی اور فاطمہ بنت اسد کعبہ میں داخل ہوئیں اور غائب ہوگئیں اور دیوار آپس میں مل گئی۔ ہم کھڑے ہوگئے تاکہ جا کر خانہ کعبہ کا تالہ کھولیں، تالہ نہ کھلا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوا ہے۔ چار دن گزر جانے کے بعد بچے کو ہاتھوں میں لئے ہوئے فاطمہ خانہ کعبہ سے باہر آئیں اور کہا: مجھے پہلے والی خواتین پر برتری حاصل ہے کیونکہ مزاحم کی بیٹی آسیہ چھپ کر اللہ کی عبادت کرتی تھیں، ایسی جگہ پر اللہ کی عبادت کرنا مجبوری کے سوا اور کچھ نہ تھا، عمران کی بیٹی مریم نے کھجور کے خشک درخت کو ہلایا تو اس سے تازہ کھجوریں گریں اور انہوں نے کھائیں لیکن جب میں خانہ کعبہ میں داخل ہوئی تو بہشتی میوے اور کھانا کھایا اور جس وقت میں نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز آئی: فاطمہ اس بچے کا نام علی رکھنا کیونکہ اس کا رتبہ بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: میں نے اس کا نام اپنے نام پر رکھا ہے اور اس کی تربیت اپنے آداب اور اخلاق سے کی، اسے اپنے علم سے آگاہ کیا، یہ وہ ہے جو خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرے گا اور خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دے گا اور میری تقدیس کرے گا۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اسے دوست رکھتا ہے اور اس کے فرمان کی اطاعت کرتا ہے۔ بد بخت ہے وہ جو اس سے دشمنی رکھتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔‘‘

آگ کا بھڑکنا:

زمانہ جاہلیت میں کعبۃ اللہ اور حجر اسود کو آگ لگنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک عورت نے قریش کے زمانہ میں کعبہ میں اگربتی جلائی۔ اس سے ایک شعلہ اڑا اور غلاف پر جا پڑا۔ اس سے حجر اسود جل کر سیاہ ہوگیا اور کعبہ کی دیواریں بوسیدہ ہوگئیں۔ اس لئے قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ از سر نو تعمیر کیا۔

دور اسلام میں آگ لگنے کا واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں پیش آیا۔ وہ یوں ہوا کہ حصین بن نمیر کندی نے اس کا محاصرہ کیا۔ اس سے غلاف کعبہ اور حجر اسود جل گئے اور یہ پتھر تین مقامات سے پھٹ گیا۔ پھر حضرت شعبہ زبیر نے اس پر چاندی لگا کر مضبوط کیا۔

۲۸ شوال ۸۰۲ھ ہفتہ کی شب حرم محترم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یہ اندوہناک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ باب الحزورہ کے متصل رباط رامشت جسے شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن الحسین الفرسی نے ۵۲۹ھ میں غرباء کے لئے بنوایا تھا۔ اس کے ایک کمرہ میں ساکنین چراغ جلتا چھوڑ کر باہر گئے تو بعد میں چوہے کی شرارت سے آگ لگ گئی۔ جب آگ شدت اختیار کر گئی تو ایک کھڑکی سے حرم کی چھت نے بھی آگ پکڑ لی اور دیکھتے ہی دیکھتے خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ جو مغرب سے بڑھتے بڑھتے شمالی جانب پہنچ گئی۔ لوگ وسائل کی کمی کے باعث آگ پر قابو پانے سے قاصر تھے (کیونکہ اس زمانہ میں فائر بریگیڈ کا انتظام تو تھا ہی نہیں) لیکن غیبی طور پر ایک ایسا عجیب انتظام ہوا جس سے فلک بوس شعلے بالکل ماند پڑ گئے۔ ہوا یوں کہ اسی سال جمادی الاول میں سیلاب میں باب العجلہ کی طرف سے دو ستون بہہ گئے جن کی وجہ سے چھت کا کچھ حصہ زمین بوس ہوگیا۔ چنانچہ جب آگ وہاں پہنچی تو نہ بڑھ سکی اور اس طرح باقی ماندہ حرم جلنے

سے بچ گیا۔

اس روح رسا حادثہ میں حرم شریف کی تین سمتیں نذر آتش ہوگئیں اور ۱۳۰ استون جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس قدر سنگین حادثہ اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اب سیلاب کی تباہ کاری اور آتشزدگی کے واقعات کی وجہ سے حرم پاک کی تجدید انتہائی ضروری تھی۔

چنانچہ ۸۰۳ھ میں ملک الناصر فرج بن برقوق کی طرف سے بیسق الظاہری مصری حجاج کے امیر کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے جنہوں نے حج سے فراغت کے بعد حرم کی صفائی کرا کے غربی اور جنوبی سمت کے ستونوں کی بنیادیں خلیفہ مہدی عباسی کی بنیادوں تک کھدوائیں کہ جمع کی صورت + میں تھیں۔ انہیں مضبوط کرنے کیلئے پہلے شطرنج کے خانوں کی مانند تہہ بنوائی، اور پھر اس کے اوپر سطح زمین تک انہیں زاویہ قائمہ کی شکل میں بنوایا۔

بنیادیں بھرنے کے بعد جبل کعبہ سے پتھر لاکر ۱۲ انچ موٹائی میں نصف دائرہ کی شکل میں تراشا گیا، اس طرح دو پتھر مل کر پورا دائرہ بن جاتا۔ پھر قدیم بنیادوں سے نئی بنیادیں اس طرح اٹھائیں کہ دو پتھروں کے درمیان سریا رکھ کر پگھلا ہوا سکہ ڈال کر زمین کی سطح تک بنا دیں، پھر سنگ مرمر کی کرسی بنا کر پتھر ہی کے ستون چھت تک بنائے گئے، ان کے اوپر ایک ایک لکڑی اس طرح نصب کی گئی جن کا ایک سرا دوسرے سرے تک ملا ہوا تھا، اس طرح مغربی جانب کی تعمیر مکمل ہوئی۔

شامی جانب باب العجلہ تک کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس میں سفید سنگ مرمر کے ستون بنوا کر لوہے کی چادریں اوپر چڑھا دیں جس سے وہ تراشیدہ پتھروں کے ستونوں سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ چونکہ سنگ مرمر زیادہ مقدار میں دستیاب نہ ہو سکا تھا، اس لئے مجبوراً کچھ حصہ میں پتھر کے ستون بنوا دیئے۔ چنانچہ شمال، جنوب اور مشرق کے تینوں برآمدوں میں اسی نوعیت کے ستون تھے۔ صرف مغربی برآمدہ تراشیدہ پتھروں کا بنایا گیا تھا۔

اواخر شعبان ۸۰۴ھ میں ستونوں کا کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ صرف چھت ڈالنا باقی تھی، لیکن چھت کا کام اس لئے موخر کہ مکہ معظمہ میں دوم اور چیل کی لکڑی کے سوا کوئی عمدہ لکڑی دستیاب نہیں تھی۔ پھر چیل وغیرہ پائیدار بھی نہیں ہوتی، جب کہ صنوبر، ساگوان یا سرو کی لکڑی درکار تھی۔ حالانکہ ساگوان ہندوستان اور صنوبر وسرو روم کے سوا کہیں نہیں ملتا تھا۔ بنابریں امیر بیسق کام بند کر کے ۸۰۵ھ کے اوائل میں لکڑی کا معقول انتظام کرنے کی خاطر مصر چلا گیا۔ پھر ۸۰۷ھ میں واپس آکر چھت کا کام شروع کرا دیا۔ ساگوان تو دستیاب نہ ہو سکا لہٰذا صنوبر کی لکڑی بلاد روم سے منگوا کر اسے رنگا رنگ نقش ونگار سے مزین کرایا اور طائف سے عرعر (چیل) کی لکری کافی مقدار میں منگوا کر بقیہ ضرورت کو پورا کیا۔

جب لکڑی کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا تو مغربی جانب کی پوری چھت عرعر کی اور ساتھ ہی شامی سمت سے باب العجلہ تک چھت مکمل کرنے کا پروگرام طے ہوا۔ تراشیدہ پتھروں کے ستونوں ہی پر چھت مکمل کی گئی۔ مشرقی، یمانی اور شمالی چھت میں قندیلیں لٹکانے کیلئے تانبے اور لوہے کی زنجیریں لٹکائی گئیں۔ البتہ مغربی جانب جو آگ سے جل گئی تھیں اس میں زنجیریں نہیں تھیں، جو حلقے صحن کی جانب بنائے گئے ان میں تین تین زنجیریں آویزاں تھیں۔ بہر حال تینوں جانب کے علاوہ حسب ضرورت چھت کی اصلاح اور تعمیر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، جس پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی۔ (اعلام الاعلام: ۱۹۳ تا ۱۹۶)

سانپ کا حرم میں داخل ہونا:

ابن ظہیرہ مخزومی کی کتاب "الجامع اللطیف" میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سورج کافی اونچا آچکا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سفید چمکدار سانپ باب بنی شیبہ

ندر داخل ہوا۔ رکن کے پاس پہنچ کر اس نے بوسہ دیا۔ پھر بیت اللہ کے سات چکر کاٹے۔ وہ اس کے چکر گنتے رہے۔ پھر مقام م کے پیچھے جا کر دو رکعت نماز پڑھی۔ وہ یہ تمام ماجرا دیکھ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے کسی ساتھی سے کہا:

''اس کی طرف جاؤ اور اسے ڈراؤ۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ کسی کو قتل نہ کر دے یا کوئی ایسی اور حرکت نہ کرے''

پھر خود ہی چلے گئے اور اس کے پاس کھڑے ہو کر اسے ڈرایا۔ اس نے سر جھکا کر ان کی تمام گفتگو سنی۔ پھر آسمان کی طرف چلا گیا اور آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی نظر نہیں آیا۔

نمبر 8:

مکہ مکرمہ تاریخ کی نظر میں...... دور ابراہمی سے لے کر موجودہ دور تک

نمبر 1:

مکہ مکرمہ عہد ابراہیمی میں

آج کرۂ ارضی پر آباد جس حسین وجمیل اور عظیم وجلیل شہر کو ''عروس البلدان'' کہا جاتا ہے، کسی وقت وہاں سنگلاخ اور وحشت ناک تھا، لیکن سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے دم قدم سے اسے ایسا عظیم الشان رتبہ نصیب ہوا جس پر ہفت افلاک بھی رشک کرتے ہیں۔

علامہ کردی دامت برکاتہم اس کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں:

''آج سے چار ہزار سال قبل یہ سرزمین کیکر اور دوسرے خاردار درختوں سے اٹی پڑی تھی۔ یہاں نہ پانی تھا اور نہ سبزہ، نہ گھاس پھوس اور نہ جانور، نہ تو انسانوں کے قدم اس زمین سے آشنا تھے اور نہ جن یہاں آباد تھے، بلند و بالا پہاڑ ہر جانب استادہ تھے۔ آج کے دور کے بالکل برعکس مکہ مکرمہ کی زمین بہت بلند تھی، کیونکہ بارش کے سیلاب پہاڑوں سے مٹی، ریت، پتھر اور چٹانیں بہا کر لاتے اور اس نشیبی زمین اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مسلسل جمع کرتے رہے۔ علاوہ ازیں جب شہر آباد ہو گیا تو لوگوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا۔ پہاڑوں سے پتھر اور مٹی لا کر گڑھے اور نشیبی جگہوں کو پر کرتے رہے۔ جس کے باعث بتدریج پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی گئی۔ چنانچہ اس وقت کعبہ شریف جو ایک ٹیلے پر تعمیر کیا گیا تھا وہ جگہ بہت ہی پست ہو گئی ہے۔ اور جو جگہ پست تھی وہ اتنی بلند ہو گئی کہ صرف محلہ شامیہ کی طرف جو راستہ ہے وہ کعبہ شریف سے بیس میٹر سے بھی زیادہ بلند ہو چکا ہے۔ اس دور میں تمام راستے چٹانوں، ریت اور خاردار جھاڑیوں سے پر تھے۔ اگرچہ یہ زمین بالکل بیابان تھی مگر گندگی اور نجاست کی آلودگی سے قطعاً پاک صاف تھی، یہاں نہ تو انسان آباد تھے اور نہ ہی جانوروں کا کہیں نام ونشان تھا، اور نہ ہی وہاں کسی دوسری مخلوق کا وجود تھا۔ راستے بڑے ہی ہمت شکن اور دشوار گزار تھے۔ نشیب و فراز اور پتھریلی چٹانوں کو عبور کرنے سے آدمی تھک کر چور چور ہو جاتا تھا۔ عمرانی اور رفاہی ترقی کا سنگ بنیاد سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ نے رکھا۔ بعد میں قبیلہ بنو جرہم بھی ان کے دست و بازو بن گئے۔ اسی اثناء میں پروردگار عالم کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل نے کعبہ شریف تعمیر فرمایا، اور قبیلہ بنو جرہم میں تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ جس سے دعوت وارشاد کا سلسلہ چل پڑا۔ ادھر توالد و تناسل کے باعث آبادی میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طرح یمن اور شام کے قافلوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی۔ انسانی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ رہائش گاہوں اور خیموں کی تعداد بھی

بڑھتی گئی۔ جوں جوں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تو راستوں اور سڑکوں کو پتھروں، چٹانوں، جھاڑیوں اور دوسرے خاردار درختوں سے صاف کرنے کا کام بھی روز افزوں تیز ہوتا گیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ نے اس قدر ترقی کی کہ آج دنیا بھر کے خوبصورت اور متمدن شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و مجد سے یہ عروس البلدان کا تاج در بن گیا ہے۔''
(تاریخ القویم، جلد ۲، صفحہ ۱۷)

فصل نمبر 2:

مکہ مکرمہ عہد اسماعیل میں

سیدنا اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ کے بعد پہلے پہلے قبیلہ بنو جرہم وہاں آباد ہوا۔
علامہ قرمانی نے ایک روایت نقل فرمائی ہے:

''سیدہ ہاجرہ زمزم کے پانی پر پانچ دن برابر گزارہ کرتی رہیں، یہی ان کی غذا کا کام بھی دیتا تھا۔ چھٹے دن عمالقہ کے دو نوجوان اپنے ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں جبل ابی قبیس کی طرف آئے۔ یہ لوگ عرفات میں خیمہ زن تھے۔ ان کی نگاہ پانی پر پڑی جسے دیکھ کر انہیں بے حد تعجب ہوا۔ واپس جا کر یہ خوش آئند خبر اپنے قبیلہ کو سنائی۔ چنانچہ معززین قبیلہ تحقیق حال کیلئے آئے تو سیدہ ہاجرہ اور ان کے فرزند کو وہاں جلوہ افروز پایا۔ ان سے دریافت کیا کہ تم دونوں یہاں کیسے اور کہاں سے آئے ہو؟ سیدہ ہاجرہ نے پوری سرگذشت کہہ سنائی۔ قبیلہ کے شرفاء نے عرض کی: اگر ہمیں ہفتہ بھر کے لئے اپنے پاس قیام کی اجازت مرحمت فرمائیں تو بے حد بندہ نوازی ہوگی، کیونکہ ہمارے پاس پانی بالکل ختم ہو چکا ہے۔ سیدہ ہاجرہ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا، اس طرح وہ لوگ وہاں قیام پذیر ہو گئے۔'' (کتاب اخبار الدول، صفحہ ۳۲)

ابن حسین لکھتے ہیں:

''جرہم جب سیدہ ہاجرہ کے پاس آکر قیام پذیر ہوئے، تو انہوں نے دس بکریاں انہیں تحفتاً پیش کیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا اسماعیل کی تمام بکریاں انہیں کی نسل سے تھیں۔''

امام سہیلی روایت بیان کرتے ہیں:

''سیدنا اسماعیل کو اللہ رب العزت نے جرہم اور عمالقہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا، ان کی دعوت کو قبول کر کے بعض ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور بعض کفر پر اڑے رہے، اور دعوت حق کو ٹھکرا دیا۔'' (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۴)

سیدنا اسماعیل کے وصال کے بعد خلافت اور جانشینی ان کے فرزند اکبر ''نابت'' کے سپرد ہوئی۔ یہ بڑے جلیل القدر انسان تھے چونکہ ان کے اجداد (سیدنا ابراہیم خلیل اللہ) بابل کے شہر ''ار'' کے باشندے اور ننھیال سیدہ ہاجرہ مصری تھے۔ اس سبب سے ان دونوں عظیم مملکتوں کے تجارتی قافلے مکہ میں قیام کر کے گزرتے تھے۔ جس کے باعث یہ شہر عالمی شہر کا حامل بن گیا۔

فصل نمبر 3:

مکہ مکرمہ عہد جرہم میں

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی اولاد کو مختلف مقامات پر کچھ اس احسن انداز سے آباد کیا کہ وہ سلسلۃ الذہب میں جڑے رہیں۔ آپ

نے اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق کو بابل کے مغرب میں ملک شام میں آباد کیا تا کہ انہیں اپنے ننھیال سے قرب میسر رہے۔ عرب کا ملک سیدنا اسماعیل کے حوالہ کیا۔ ان کا ننھالی ملک مصر اس کے مغرب میں واقع تھا تا کہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کر سکیں۔
سیدنا اسماعیل کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی جو عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا اور مضاض حجاز کا واحد فرمانروا تھا، جبکہ سیدنا اسحاق کا نکاح شام میں اپنے ننھیال کے ہاں ہوا۔ بنو جرہم کو حجاز میں آباد ہوئے زمانہ گزر گیا تھا مگر مکہ مکرمہ میں ان کی آمد سیدنا اسماعیل کی تشریف آوری کے بعد ہوئی۔ حضرت اسماعیل کی اولاد نے جزیرۃ العرب آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جلد ہی اس قدر پھیل گئے کہ مغرب میں مصر تک جا پہنچے جو ان کا ننھیال تھا۔ جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے۔ جہاں باپ نے ان کے بھائی بنو قطورا کو آباد کیا تھا اور شمال میں ان کی بستیاں شام کی سرحد سے جا ملیں جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے۔
اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم و تہذیب کے مالک بن گئے، بحر ہند اور بحیرۂ احمر جیسی بندرگاہیں ان کے قبضہ میں آ گئیں جن کے ذریعہ تمام متمدن دنیا کی تجارت پر وہ قبضہ کر سکتے تھے اور عرب کا اندرونی حصہ بھی انہی کے پاس تھا۔ جو دفاعی لحاظ سے ہمیشہ ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا۔

سیدنا اسماعیل کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت مدبر اور نامور شخص تھا۔ قیدار کی اولاد مکہ مکرمہ میں آباد ہوئی۔ ان لوگوں نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اس مقدس گھر کے حقوق کی ہمیشہ پاسبانی کی۔ یہ گھر دنیا میں توحید کی پہلی درس گاہ تھی۔
سیدنا اسماعیل کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ شریف کے متولی ہوئے۔ جب ان کا بھی وصال ہو گیا تو ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی کو بیت اللہ کا متولی بنایا گیا اور مکہ مکرمہ کی سلطنت بھی ان کے سپرد ہوئی۔
جرہم اور قطورہ دونوں چچازاد بھائی تھے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ جب یعرب بن قحطان کا دور حکومت آیا تو اس نے جرہم کو بلاد حجاز کا والی مقرر کیا۔ عاد بن قحطان شحر وغیرہ پر متصرف ہوئے اور عمان کی ولایت یقطن بن قحطان کے سپرد کی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے جرہم اور بعد میں قطورا ابن کرکر بن عملاق کی اولاد قحط سے تنگ آ کر یمن سے کوچ کر کے مکہ میں آباد ہوئے۔
جرہم کا سردار ''مضاض'' اور قطورا کا سردار ''سمیدع'' تھا، یہ لوگ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ایک سرسبز و شاداب جگہ دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے۔ جرہم اور اس کے لشکر نے بالائی جانب قعیقعان کے مقام پر قیام کیا اور سمیدع اور اس کی فوج مقام قطوراء مسفلہ کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ دونوں نے مکہ مکرمہ میں نئے آنے والے حضرات پر ٹیکس لگا رکھا تھا۔ یہ ٹیکس بالائی سمت سے آنے والوں سے مضاض اور نشیبی علاقہ سے آنے والوں سے سمیدع وصول کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور بالآخر یہ دشمنی ایک خوفناک جنگ پر منتج ہوئی۔
بنو اسماعیل نے جنگ میں مضاض کا ساتھ دیا، کیونکہ یہ ان کا نانا تھا، فاضح کے مقام پر زبردست مقابلہ ہوا۔ سمیدع مارا گیا اور مضاض کو فتح حاصل ہوئی۔ بعد میں دونوں قبائل میں صلح ہوئی اور سب نے متفقہ طور پر مضاض کو فرمانروا تسلیم کر لیا۔ انہوں نے شعب عبد اللہ بن عامر بن کریز کے مقام پر جو مکہ شریف کے بالائی حصہ میں واقع تھا قیام کیا۔ جسے مطابخ بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ مضاض نے فتح کی خوشی میں وہاں ایک پر تکلف دعوت کی تھی، جس میں بڑی بڑی دیگیں پکائی گئی تھیں۔ اس نسبت سے اس جگہ کا نام ''مطابخ'' ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شاہ تبع کا ورود مکہ معظمہ میں ہوا تو اس نے اس مقام پر شاندار دعوت کی تھی اس بناء پر اس کا نام مطابخ مشہور ہوا۔
(اخبار مکہ، صفحہ ۴۵)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو اسماعیل اور ان کے جرہمی بھائیوں کی اولاد جب بہت زیادہ ہو گئی تو مکہ کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ان کے لئے تنگ ہونے لگی۔ تب انہیں مجبوراً مختلف ممالک کی طرف منتشر ہونا پڑا۔ اس وقت مکہ معظمہ کی ولایت بنو جرہم کے

ہاتھ میں تھی۔

ادھر بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع بن ہودحد ربن مازن بھی مکہ معظمہ کے نشیبی علاقہ میں براجمان اور شہر پر قبضہ کرنے کیلئے بے تاب تھا۔ فریقین کے مابین سخت جنگ و جدال ہوا، سمیدع مارا گیا اور جرہم کو فتح نصیب ہوئی۔ جس کی سلطنت تین سو سال تک مکہ معظمہ میں قائم رہی۔ بنو جرہم ایک زبردست باوقار سلطنت کے والی تھے۔ مگر جب انہوں نے حدودِ خداوندی کو توڑا، خلقِ خدا کو ظلم کا نشانہ بنایا، حرم محترم کی عزت و تکریم کو تاخت و تاراج کیا، باہر سے آنے والے زائرین اور مسافروں کی عزت و آبرو اور مال و متاع لوٹنا ان کا معمول بن گیا۔ بیت اللہ شریف پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کو نوالہ تر بنالیا، خزانہ کعبہ پر دست تصرف دراز کیا اور حد یہ کہ کعبہ شریف کے اندر قبیلہ جرہم کے دو یمنی مرد اور عورت اساف اور نائلہ نے بدکاری جیسے قبیح جرم کا ارتکاب کیا (جن کو اللہ تعالیٰ نے پتھر بنا دیا، اہل مکہ نے ان کے مجسموں کو صفا اور مروہ پر رکھ دیا، بعد میں ان کی پوجا ہونے لگی) تو پھر ان کے مقدر کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ ان کا جاہ و جلال اور کرّ و فر ذلت و خواری اور تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا۔ جب یہ اندھیر نگری مضاض بن عمرو بن حارث بن مضاض بن عمرو الجرہمی نے دیکھی تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

''اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بیت اللہ کی بے حرمتی سے باز آ جاؤ، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس قوم نے بھی اس مقدس گھر کی عزت و حرمت کو پامال کیا وہ تباہ و برباد ہوئی، اور عمالقہ کی ذلت و رسوائی کی المناک داستان تمہارے سامنے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ افعالِ بد کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تم پر کوئی دوسری قوم مسلط کر دے اور تم ذلیل و خوار ہو جاؤ۔''

مگر قوم مضاض کی ناصحانہ باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کہنے لگی:

''ہم بے حد عزت والے عرب ہیں، ہماری افرادی قوت زبردست ہے، ہمارے پاس سامان حرب و ضرب بے حساب ہے، ہمیں کون شکست دے سکتا ہے؟''

مضاض نے کہا:

''جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آ جاتی ہے تو تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، اور نافرمان قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔''

لیکن قوم بدکاری کی ایسی دلدادہ اور خوگر بن چکی تھی کہ مضاض کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

جب مضاض قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گیا تو اس نے کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء کو چاہ زمزم میں ڈال کر راتوں رات اسے مٹی سے بھر دیا۔ اس نے سونے کے دو ہرن جو کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے، خزانہ کعبہ، غلاف کعبہ اور قلعی دار تلواریں دفن کر دیں۔

بالآخر خزاعہ نے زبردست حملہ کر کے نہایت ذلت و رسوائی سے بنو جرہم کو مکہ سے بے دخل کر دیا اور وہ مکہ کے فراق کا حزن و ملال دل میں لئے یمن کی طرف کوچ کر گئے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۵۳) (اعلام الاعلام، صفحہ ۴۰)

جرہم مکہ مکرمہ کے شمال میں مقیم تھے۔ یہ قبیلہ دو سو خیموں پر مشتمل تھا۔ ان کا سردار مضاض بن عمرو جرہمی، بے حد طاقتور اور جرات مند شخص تھا۔ قبیلہ میں اس کی بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی۔

سیدنا اسماعیل کی اولاد بیت اللہ کے باہر رہائش پذیر تھی۔ صبر و استقامت کے وصف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رزقِ حلال کی تلاش کے لئے دور دراز ممالک کا تجارت کی غرض سے سفر بھی کرتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ جس طرح نیک اعمال عبادت ہیں اسی طرح کسب حلال بھی عبادت ہے۔

علامہ قرمانی لکھتے ہیں:

''جرہم اولیٰ عاد وثمود کے ہمعصر تھے اور جرہم ثانیہ قحطان کی اولاد سے تھے اور یہی لوگ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے تھے۔ جرہم کا پہلا بادشاہ عبد یالیل تھا۔ پھر اس کا بیٹا جرشم، اس کے بعد جرشم کا بیٹا عبد المدان پھر نفیلہ بن عبد المدان، پھر عبد المسیح بن نفیلہ، پھر مضاض بن عبد المسیح، بعد میں عمرو بن مضاض یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ اس کے بعد عمرو کے بھائی حارث بن مضاض نے ۱۰۰ سال تک حکومت کی۔ اس کے مرجانے کے بعد اس کے بیٹے عمرو نے ۱۲۰ سال حکمرانی کی۔ پھر عمرو کے بھائی بشر بن الحارث اور پھر مضاض الاصغر کو حکومت ملی، لیکن اپنی بداعمالیوں کے باعث آخر یہ لوگ ہلاک ہوگئے۔''

علامہ مسعودی لکھتے ہیں:

''جرہم کی حکمرانی صدیوں تک مکہ مشرفہ پر رہی۔ چنانچہ مضاض بن عمر نے سو سال حکمرانی کی۔ پھر اس کے بیٹے عمرو بن مضاض نے ۱۲۰ سال پھر اس کے بیٹے حارث بن عمرو نے دو سو سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ پھر اس کے بیٹے حارث نے ۲۰۰ سال۔ بعد از اں مضاض بن عمرو بن الاصغر بن الحارث نے چالیس سال حکومت کی۔'' (مروج الذہب، جلد ۲، صفحہ ۵۱)

ل نمبر 4:

مکہ مکرمہ قبیلہ خزاعہ کے زمانہ میں

یہ قبیلہ سباء میں آباد تھا، مگر ایک کاہن نے پیش گوئی کی کہ سبا کا بند ٹوٹ جائے گا اور سیلاب ہر جانب تباہی مچادے گا۔ ڈر کے مارے ز قبائل وہاں سے وطن چھوڑ کر مختلف مقامات پر آباد ہوگئے۔ اس طرح یہ قبیلہ بھی ترک وطن کر کے متفرق شہروں سے گزرتا ہوا مکہ مکرمہ جا ا اور وہاں اقامت کا ارادہ کیا۔ ان کے سردار عمرو بن لحی نے حارث بن ثعلبہ عمرو بن عامر کو سرداران مکہ کے پاس بھیجا، کہا: انہیں یہاں ء عرصہ کے لئے قیام کی اجازت دی جائے۔ مگر وہ اس پر سخت غضب ناک ہوئے اور شدت سے انکار کیا۔ حارثہ نے بھی قسم کھائی کہ اگر ں بخوشی رہنے نہ دیا گیا تو وہ بزور شمشیر یہاں رہیں گے۔ بالآخر فریقین کے مابین تین دن تک کارزار گرم رہا۔ جرہم کو شکست فاش ہوئی زاعہ کا مکہ مکرمہ پر قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد بنو اسماعیل جو جرہم کی لڑائی سے کنارہ کش تھے خزاعہ کے پاس آئے اور مکہ میں رہائش کا ذ ان مانگا جسے خزاعہ نے قبول کرلیا۔ پھر عمرو بن لحی کی اولاد نے پانچ سو سال مکہ معظمہ میں حکمرانی کی اور ان کا آخری حکمران خلیل بن ہ بن سلول بن کعب ہوا اور اسی کی لڑکی سے قصی بن کلاب نے نکاح کیا تھا۔ (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۸۰) (اخبار مکہ، ولایۃ خزاعہ)

عمرو بن لحی وہ بد بخت انسان تھا جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی۔ اس سے پہلے اہل عرب بت پرستی کی لعنت سے قطعاً نا ا تھے۔ یہ ملک شام میں کسی ضرورت کو گیا اور وہاں بلقاء کے شہر مآرب میں قوم عمالیق کو بت پرستی کرتے دیکھا اور ان سے ایک بت ہبل خرید لایا، جسے کعبہ شریف کے اندر کنوئیں پر نصب کر کے اس کی عبادت شروع کردی۔ (روض الانف، جلد ۱، عنوان عمرو بن لحی)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے جہنم کی آگ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں آگ میں گھسیٹی جارہی تھیں۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۴۹۹)

ابن کلبی کی روایت میں ہے کہ جب سیدنا اسماعیل کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو نہ صرف ان کے لئے مکہ مکرمہ میں قیام کی نش رہی بلکہ ان کی معاشی حالت بھی بہت خراب ہوگئی، جس کے باعث خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

ان وجوہات کی بنا پر لوگ شہر چھوڑ کر دوسرے مقامات پر جا کر آباد ہونے لگے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف سے جدا ہوتے وقت قرب و جوار سے کوئی پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ جہاں قیام کرنا ہوتا وہاں پتھر نصب کر کے کعبہ شریف کی طرح اس کا طواف اور تعظیم کرتے۔

اس طرح رفتہ رفتہ بت پرستی شروع ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں بیت اللہ شریف کے علاوہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں بھی جا بجا بت نظر آنے لگے۔ (کتاب الاصنام، صفحہ ۴)

فصل نمبر 5:

مکہ مکرمہ شاہ تبع کے عہد میں

ظہور اسلام سے کوئی سات سو سال قبل یمن کا بادشاہ تبع فوج کشی کے ارادہ سے عازم مکہ ہوا۔ شاہ اور اس کی قوم بت پرست تھی جنہیں کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت ملحوظ نہیں تھی۔ ابھی یہ مکہ مکرمہ پہنچنے نہیں پایا تھا کہ ہذیل بن مدرکہ کے چند آدمیوں نے بادشاہ کو کہا: ہم ایک ایسے مخفی خزانہ سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں جس کا علم کسی بادشاہ کو نہیں ہے۔ اس میں جواہرات، زبرجد، یاقوت، سونا، چاندی اور دیگر بیش بہا قیمتی اشیاء موجود ہیں۔ یہ خزانہ مکہ معظمہ میں واقع ایک گھر کے اندر مخفی ہے۔ اہل مکہ اس گھر میں عبادت کرتے اور اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو یہ اس کیلئے ہلاکت خیز ہوگا، لہٰذا یہ اس ارادہ سے باز آ جائے۔

شاہ تبع نے اس بات کی تصدیق مدینہ منورہ سے ساتھ آنے ہوئے دو یہودی علماء سے کرنی چاہی۔ علماء نے مشورہ دیا کہ جس طرح اہل مکہ اس گھر کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، آپ کو بھی اس کی تعظیم بجالانی چاہیے۔ خشوع، خضوع، فروتنی، انکساری اور ادب و احترام سے وہاں داخل ہو کر اس گھر کا طواف کریں۔ بعد ازاں سر کے بال منڈوائیں۔

شاہ نے علماء سے دریافت کیا کہ تم اس گھر کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کرتے؟ علماء نے جواب میں کہا: اس میں شک نہیں کہ وہ مقدس گھر ہمارے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر فرمایا تھا، مگر اس وقت اس پر بت پرستوں کا قبضہ ہے۔ اس کے اندر اور باہر بہت سے بت رکھے ہوئے ہیں جن کی شب و روز پوجا کرتے ہیں۔ ان بتوں کے نام نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان کے نام کی قربانیاں دیتے ہیں۔ ایسے مشرکانہ ماحول میں ہم عبادت میں ان کے شریک نہیں ہو سکتے۔

شاہ نے علماء کا مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ قبول کر لیا اور قبیلہ ہذیل کے جن لوگوں نے دھوکہ دہی کا ارتکاب کر کے بادشاہ کو کعبہ شریف کی بے حرمتی پر آمادہ کیا تھا، ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ انتہائی عجز و انکساری اور ادب و احترام اور عشق و محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ سر کے بال منڈوائے اور قربانی ادا کی۔ شاہ نے شہر کے بالائی حصہ جبل قیقیعان پر چھ دن قیام کیا۔ قیام کے دوران مکہ شریف کے باشندوں اور دوسرے غرباء کی بڑی پرتکلف دعوتیں ہوتی رہیں۔ لوگوں کو شہد کا شربت پلایا جاتا حالانکہ وہاں سادہ پانی بھی نہیں ملتا تھا۔

اس اثناء میں اسے خواب میں کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اس نے خصف (یمنی موٹا کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ یہ پہلا غلاف تھا جو شاہ تبع نے چڑھایا (اس سے پہلے کعبہ شریف پر غلاف نہیں ہوتا تھا) آداب بیت اللہ سے فراغت کے بعد تبع اپنے ملک یمن واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں یہودی علماء بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ بادشاہ نے اپنی قوم کو بھی اس مذہب کو اپنانے کی دعوت دی، جس کا وہ گرویدہ ہو چکا تھا۔ مگر قوم نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور بادشاہ کے درپے ہو گئے۔

بالآخر بادشاہ کے مذہب کی حقانیت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ساری قوم نے بت پرستی سے تائب ہو کر یہودی مذہب اختیار کر لیا۔

فصل نمبر 6:

مکہ مکرمہ قریش کے عہد میں

قریش کا عالی مرتبت خاندان جس سے بدرِ منیر شاہ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ان کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

''حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن مغیرہ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔'' (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۱۰)

نضر بن کنانہ کے دو بیٹے مالک اور یخلد تھے۔مالک کے گھر ان کی بیوی جندلہ بنت حرث بن مضاض الجرہمی کے پیٹ سے فہر پیدا ہوئے۔پھر فہر کے چار لڑکے غالب، محارب، حرث اور اسد تھے۔(طبقات ابن سعد، جلد ۱، عنوان نسب نامہ امام الانبیاء)

اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی اور اس خاندان ذی شاہ کے جد اعلیٰ کون تھے، جنہیں قریش کا لقب عنایت ہوا۔علم الانساب کے ماہرین نے اس میں دو نام بیان کئے ہیں:

فہر بن مالک۔

نضر بن کنانہ۔

زبیر بن بکار اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو ملا تھا، اس لئے فہر اور اس کی اولاد ہی قریش ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش اس کا نام تھا اور فہر لقب۔

عبداللہ بن مصعب، عثمان بن ابی سلیمان، ابی عبیدہ بن عبداللہ اور ابن شہاب وغیرہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

ہشام بن محمد بن السائب نے ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ نضر بن کنانہ کو سب سے پہلے قریش کا لقب ملا تھا، اسی طرح شعبی اور ابوعبیدہ بن معمر بن المثنی نے بھی روایت کی ہے۔

اگر چہ بظاہر دونوں روایات مختلف ہیں مگر حقیقت میں دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ خواہ نضر بن کنانہ کو یہ لقب پہلے ملا یا فہر بن مالک کو، لیکن فہر ہی کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔(روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۷) (لسان العرب، جلد ۸، لفظ قریش)

کیونکہ کنانہ کے چھ بیٹے تھے، جن میں صرف نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا، نضر سے مالک اور مالک سے فہر پیدا ہوا۔ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شامل نہیں کیا، امام سہیلی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۷)

حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو برگزیدہ بنایا۔پھر حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا۔پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی۔پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت عنایت کی اور بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز بنایا۔'' (مسلم، جلد ۲، صفحہ ۲۴۵)

حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل کی اولاد میں سے چن لیا اور قریش کو بنو کنانہ میں سے پسند فرمالیا اور ہاشم کو قریش میں سے فضیلت دی اور مجھے بنی ہاشم میں سے منتخب فرمالیا۔'' (ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۱، باب ماجاء من فضل النبی ﷺ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی منقبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا، لیکن مجھے سب سے بہتر مخلوق میں پیدا کیا۔ پھر اسے دو فرقوں میں تقسیم کیا (اچھے اور برے) اور مجھے اچھے فرقے میں شمار فرمایا۔ پھر ان کے کئی قبائل بنا دیئے اور مجھے ان سب میں سے جو بہتر قبیلہ تھا اس میں رکھا۔ پھر ان کے بے شمار مکانات بنا دیئے لیکن مجھے سب سے بہترین گھر عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں ان سب سے جسم اور وجود کے اعتبار اور گھر کے لحاظ سے بھی بہتر اور اچھا ہوں۔'' (ترمذی، جلد۲، صفحہ۲۰۱، باب ما جاء من فضل النبی ﷺ)

اس خاندان کو قریش کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق روایات بیان کی گئی ہیں۔ امام شعبی کہتے ہیں:

''تقریش بمعنی تفتیش کے ہے، کیونکہ اس خاندان کے آباؤ اجداد غریب اور نادار لوگوں کی تفتیش اور تلاش کرتے ان کی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حجاج کرام کے حالات دریافت کرتے اور ان کی امداد کیا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں قریش کہا گیا ہے۔'' (روض الانف، جلد۱، صفحہ۷۰)

زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ قریش، قرش کی تصغیر ہے اور قرش ایک آبی جانور ہے، جو تمام سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اسے کوئی جانور نہیں کھا سکتا اور وہ سب جانوروں پر غالب آجاتا ہے۔ مگر اس پر کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ وہ سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔ چونکہ یہ خاندان بھی دوسرے خاندانوں سے بزرگ و برتر اور زبردست طاقتور ہے اس لئے اسے قریش کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو انہوں نے یہی توجیہہ بیان فرمائی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قریش تقرش سے ہے جس کے معنی کسب کرنے، کمان کے ہیں، چونکہ یہ لوگ تجارت میں بہت مہارت رکھتے تھے، اور ان کا یہ پیشہ ملکی شہرت کا حامل تھا۔ بنابریں یہ خاندان اس لقب سے مشہور ہوا۔

(روض الانف، جلد۱، صفحہ۷۰) (نہایت الارب، صفحہ۳۹۸) (لسان العرب جلد۹، لفظ قرش)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ التقریش، التجمع کے معنی میں ہے۔ بنو کنانہ کے متفرق ہو جانے کے بعد جب قصی بن کلاب نے سب کو حرم شریف میں یکجا جمع کر دیا تو اس اجتماع کے باعث وہ قریش کہلانے لگے۔ نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ بنو نضر نے جب غارت گری چھوڑ دی انہیں قریش کا لقب عطا ہوا۔ (روض الانف، جلد۱، صفحہ۷۰) (نہایت الارب، صفحہ۳۹۸)

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظہور پذیر ہوئے اور اس خاندان کی خشت اول کب رکھی گئی، اس بارے میں تاریخ خاموش ہے، ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں پیدا ہوئے ہیں، ان سے فہر تک دس پشتیں ہیں اور اگر ہر ایک پشت کے لئے ۲۵ برس کا زمانہ فرض کر لیا جائے تو اڑھائی سو برس کی مدت بنتی ہے جس کا تخمینہ حسب ذیل ہے:

فہر ۳۵۲ء	کلاب ۴۵۰ء
غالب ۳۵۰ء	قصی ۴۵۷ء
لوی ۳۷۵ء	عبدمناف ۵۰۰ء
کعب ۴۰۰ء	ہاشم ۵۲۵ء
مرہ ۴۲۵ء	عبدالمطلب ۵۵۰ء

قبائل عرب میں قریش ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں، لیکن یہ تمام شاخیں دو اقسام پر مشتمل تھیں:

قریش الظواہر۔

قریش البطاح۔

قریش الظواہر: مکہ مکرمہ کی ظاہر یعنی پشت پر آباد ہوئے۔ اسی نسبت سے انہیں قریش الظواہر کہا گیا۔ ان میں سے بنو بغیض بن عامر بن لوی، بنو الادرم بن غالب بن فہر اور بنو محارب بن فہر تھے۔ ان لوگوں نے دہقانہ زندگی اختیار کی، کسی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتے تھے، مال مویشی کے چارہ اور پانی کی جستجو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور آپس میں غارت گری بھی کرتے رہتے تھے۔

قریش البطاح یا قریش البطح: انہوں نے حرم کے گرد و نواح میں سکونت اختیار کی، انہی کے ہاتھ تجارت اور اقتصادیات کا محکمہ تھا۔ یہ صاحب ثروت اور رئیس تھے۔ ان کے تجارتی مراسم شام، عراق، یمن اور حبشہ سے اہم تھے۔ البطاع مندرجہ ذیل قبائل پر مشتمل تھے:

بنو عبدالدار۔	بنو عبد مناف۔
بنو عبد قصی۔	بنو زہرہ بن کلاب۔
بنو تیم بن مرہ۔	بنو مخزوم بن یقظہ۔
بنو سہم۔	بنو جمح۔
بنو عدی بن کعب۔	بنو حسل بن عامر بن لوی۔

بنو ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن ہلال بن مالک بن ضبہ۔

بنو ہاشم بن عبد مناف۔	بنو حارث بن عبد مناف۔
بنو المطلب بن عبد مناف۔	بنو امیہ بن شمس۔
بنو نوفل۔	بن عبد مناف۔

بنو حارث بن فہر۔

(قسم مکہ، صفحہ ۷۵)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش کے حسب ذیل قبائل مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے:

بنو حارث بن فہر۔	بنو حذیفہ۔
بنو سامہ۔	بنو لوی بن غالب۔
بنو عامر بن لوی۔	بنو عدی۔
بنو سہم۔	بنو جمح۔
بنو مخزوم۔	بنو تیم۔
بنو زہرہ۔	بنو اسد۔
بنو عبدالدار۔	بنو نوفل۔
بنو امیہ۔	بنو ہاشم۔

(نہایت الارت، صفحہ ۳۹۸)

یہ قبائل دو طرح کے تھے، ایک تو خالص شہری بود و باش رکھتے تھے اور دوسرے بدوی۔ شہری قریش اشراف اور سردار کہلاتے تھے، جو

منی، عرفات اور مکہ میں مقیم تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ کچھ قبائل کا ثقیف سے تعلق تھا جو طائف کے گردونواح میں آباد تھے اور بدوی قریش جن کی گزران مال مویشی پر تھی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چراگاہ اور پانی کی تلاش میں منتقل ہوتے رہتے تھے۔

(قلب جزیرۃ العرب فواد حمزہ، صفحہ ۱۹۰)

علامہ لبیب البعونی نے مکہ معظمہ کے قبائل کی تعداد حسب ذیل بیان کی ہے:

عتیبہ: یہ مکہ شریف کے مشرق میں مدینہ طیبہ کے راستہ میں آباد تھے۔ تعداد ۲۰،۰۰۰

قریش: اشراف یہ لوگ منی، عرفات اور طائف میں آباد تھے۔ تعداد ۲،۰۰۰

ھذیل: مکہ اور طائف کے درمیان پہاڑوں میں آباد تھے۔ تعداد ۱۰،۰۰۰

ثقیف: ان میں بنو سفیان، بنو سعد، ناصر، ربیعہ اور عیلہ بھی شامل تھے۔ یہ طائف کے جنوب مشرق میں رہتے تھے۔ تعداد ۳۰،۰۰۰

بنی حارث: یہ بھی طائف کے جنوب اور شمال میں آباد تھے۔ تعداد ۲،۰۰۰

بنی فہیم، یزید: بجالہ، منعانی، بنی عفیف، بنی سیم، بنی عمر، بنی علی اور بنی زیدان وغیرہ، مکہ کے جنوب میں تھے۔ تعداد ۱۰،۰۰۰

(رحلۃ الحجازیہ صفحہ ۱۵)

علامہ فواد حمزہ نے ہذیل کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ کی اطراف مشرق اور مغرب میں جبل برد اور جبل ذکا میں آباد تھے۔

(قلب جزیرۃ العرب، صفحہ ۲۰۲)

فصل نمبر 7:

مکہ مکرمہ قصی بن کلاب کے عہد میں

قصی بن کلاب خاندان قریش کے جد اعلیٰ اور ایک درخشندہ و تابندہ شخصیت کے مالک تھے۔ نیز یہ سرور کونین رحمت دارین ﷺ کے اجداد میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ ان کا حسب و نسب اس طرح ہے:

قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔

والدہ فاطمہ بنت سعد بن سیل بن سعید بن حمالہ بن عوف بن عامر تھیں۔

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں:

"قصی" قاف کا ضمہ اور صاد کا فتح یہ تصغیر ہے "قصی" کی، جس کے معنی بعید کے ہیں۔ ان کا نام زید اور لقب قصی تھا، کیونکہ یہ اپنے خویش و اقارب اور وطن سے دور ہو گئے تھے۔ (اعلام الاعلام، صفحہ ۴۴)

علامہ محمد بن سعد، طبقات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کلاب بن مرۃ کی اولاد فاطمہ بنت سعد سے زہرہ اور زید (قصی) پیدا ہوئے۔ کلاب بن مرۃ کی وفات کے بعد اس کی بیوہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام بن ضمنہ بن عبد بن کبیر بن عذرۃ بن سعد بن زید سے عقد کر لیا۔ یہ صاحب قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور فاطمہ کو اپنی قوم بنی عذرہ کے علاقہ ملک شام میں ساتھ لے گئے۔ زہرہ بن کلاب تو بڑے تھے، وہ مکہ ہی میں اپنی قوم کے پاس رہ گئے مگر قصی ہنوز شیر خوار تھے۔ اس لئے والدہ ان کو اپنے ساتھ لے گئی، وطن سے دور چلے جانے کی وجہ سے ان کا نام قصی مشہور ہو گیا، جب کہ ان کا اصل نام زید تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱، عنوان قصی)

قصی نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ربیعہ بن حرام ہی سے منسوب کرنے لگے، یعنی ربیعہ کو اپنا والد کہتے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ قضاعہ کے ایک شخص رقیع سے تیر اندازی کا مقابلہ ہوا، جس میں قصی غالب آ گیا اور رقیع ان پر غضب ناک ہوا۔ دونوں میں نزاع بڑھا اور ایک دوسرے کو گفتنی و ناگفتنی باتیں کہنے لگے۔ رقیع نے کہا:

''تو ہمارے خاندان سے تو ہے ہی نہیں۔ اگر اتنا اچھا ہے تو اپنے خاندان میں کیوں نہیں جاملتا۔''

قصی کیلئے یہ بات تعجب خیز تھی، جب گھر آئے تو والدہ سے دریافت کیا:

''میرا باپ کون ہے؟''

والدہ نے کہا:

''ربیعہ۔''

قصی نے کہا:

''اگر ربیعہ میرا باپ ہوتا تو مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا۔''

والدہ بولیں:

''بیٹا! تم کیا کہہ رہے ہو، نہ تمہیں حسن جوار کا خیال ہے اور نہ ہی حفظ مراتب کا لحاظ۔ میرے بیٹے! خدا کی قسم! تو اپنی ذاتی حیثیت، اپنے والد کی حیثیت اور خاندان کی حیثیت سے اس خاندان سے کہیں زیادہ شریف ہے۔ تیرا گھرانہ اس سے بہت اشراف اور معزز ہے۔ کلاب بن مرہ تیرے باپ تھے۔ تیری قوم مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے پاس آباد ہے۔''

قصی نے کہا:

''جب یہ بات ہے تو پھر خدا کی قسم! میں یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔''

والدہ نے کہا کہ تنہا جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ حجاج کے کسی قافلہ کے ساتھ چلے جانا۔ بہر حال آپ قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ موسم حج میں مکہ آ گئے۔ ان کا بڑا بھائی زہرہ ابھی زندہ تھا مگر بینائی سے محروم تھا۔ اس سے مل کر انہوں نے اپنا رشتہ بتایا اور مکہ میں رہنے کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ حج سے فراغت کے بعد بنی قضاع نے انہیں واپس لے جانے کی کوشش تو کی، مگر قصی ایک طاقتور، سخت مزاج، ثابت قدم، پر جوش جوان تھے۔ واپس جانے سے انکار کر دیا اور مکہ میں مقیم ہو گئے۔

اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں خلیل بن حبشیہ الخزاعی حکمران تھا۔ کعبہ شریف کی حجابت یعنی پردہ داری کا منصب بھی اسی کے پاس تھا۔ قصی نے اس کی لڑکی حبی کیلئے شادی کا پیغام دیا۔ خلیل قصی کے اندر جوہر آبدار اور شجاعت کے اوصاف دیکھ چکا تھا۔ اس نے اس پیغام کو شرف قبولیت سے نوازا، جب قصی اس ازدواجی سلسلہ میں منسلک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا، جس کی عزت و شرافت کا چرچا ہونے لگا اور خلیل کے یہ منظور نظر بن گئے۔ تو وہ انہیں اپنا جانشین بنانے کے متعلق سوچنے لگا۔ بڑھاپے اور ضعف کے باعث اس نے کعبہ شریف کی چابیاں اپنی بیٹی حبی کے حوالے کر دی تھیں، چنانچہ کبھی کبھار کعبہ شریف کی چابی انہیں دے دیتا تا کہ کعبہ شریف کا دروازہ کھول کر لوگوں کو زیارت کرائیں۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو مکہ مشرفہ کی حکومت اور کعبہ معظمہ کی تولیت انہی کے سپرد کر دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیل کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابو غبشان سے قصی نے ایک مشکیزہ شراب کے عوض مکہ کی حکومت خرید لی تھی۔

پھر جب قصی کی اولاد کی شریف معظم و مسلم مانی جانے لگی اور مال و دولت میں بھی فراوانی ہو گئی، تو قصی کے دل میں مکہ معظمہ کی حکومت کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ قبائل خزاعہ اور بنی بکر کی نسبت کہ معظمہ کی حکومت اور کعبہ شریف کی تولیت کا میں زیادہ

حق دار ہوں، کیونکہ سیدنا اسماعیل کی خالص اولاد قریشی ہی ہیں، للہٰذا یہ ان کا حق ہے۔ چنانچہ قریش، بنی کنانہ، قصی کے ماں جائے بھائی رزاخ بن ربیعہ اور قبیلہ قضاعہ بھی ان کی رائے سے متفق ہو کر خزاع اور بنی بکر کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

اس دور میں قبیلہ صوفہ جو غوث بن مر کی اولاد سے تھا، عرفہ کے بعد لوگوں کو ارکان حج کی اجازت دیتا تھا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ غوث کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اسے کعبہ شریف کی خدمت کیلئے وقف کر دے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے لڑکا عنایت فرمایا تو اس کا نام غوث رکھا۔ ماں نے اپنی نذر پوری کی اور غوث اپنے ماموؤں کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی خدمت پر مامور ہو گیا۔ مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے سب سے پہلے قبیلہ صوفہ ہی آیا کرتا تھا۔ جب اس قبیلہ کے تمام لوگ رمی سے فارغ ہو جاتے تب دوسرے لوگوں کو رمی کی اجازت ملتی تھی۔ ان کے بعد اس خدمت پر آل صفوان بن حرث مقرر رہوئے۔ صفوان لوگوں کو عرفات سے حج کیلئے لے جایا کرتے تھے۔ اس خاندان کا آخری فرد جس کے دور میں اسلام کا ظہور ہوا، ابوسیارہ عملہ بن اعزل تھا جو اس خدمت پر مامور تھا۔ یہ حاجیوں کو مزدلفہ سے مادہ خر پر سوار کر کے منیٰ میں لایا کرتا تھا۔

مگر اب تو قصی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ خدمت خود ہی انجام دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے لائے لشکر کے ساتھ منیٰ میں جمرات کے پاس پہنچ گیا۔ جب قبیلہ صوفہ اپنے قدیم دستور کے مطابق وہاں آئے تو قصی نے مزاحمت کی اور کہا: ان خدمات کے انجام دینے میں ہم تمہاری نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ جب تکرار بڑھی تو نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ فریقین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ بنوصوفہ کو شکست ہوئی اور قصی کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب رزاح (قصی کے ماں جائے بھائی) نے دیکھا کہ دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہے تو قصی سے درخواست کی کہ لوگوں کو اب رمی کیلئے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ قصی کے اجازت دینے پر لوگوں نے رمی کی۔ جب یہ ماجرا بنوخزاعہ اور بنوبکر نے دیکھا تو انہیں اپنی فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں خدمت اور مناصب سے ہمیں بھی محروم نہ کر دیا جائے، چنانچہ وہ بھی قصی سے برسر پیکار ہو گئے، زبردست جنگ و جدال اور قتل و قتال کے بعد وہ صلح پر مجبور ہو گئے اور یعمر بن عوف کو حکم مقرر کیا کہ قصی سے صلح کرائے اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے قابل قبول ہو گا۔

یعمر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ قصی بن کلاب مکہ کی حکومت اور تولیت کعبہ کا بنی خزاعہ سے زیادہ مستحق ہے اور جس قدر لوگ قصی اور اس کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان سے کوئی باز پرس ہے اور جتنے آدمی قریش، بنی کنانہ اور قضاعہ کے خزاعہ اور بکر کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے۔ للہٰذا مکہ مکرمہ کی حکومت قصی کے سپرد کر دی جائے، اس طرح قبیلہ خزاعہ سے مکہ کی حکومت قریش کو منتقل ہوئی۔

مورخ جلیل علامہ ابن سعد فرماتے ہیں:

''ہمارے دور تک طواف زیارت کرانے کی خدمت قصی کی اولاد میں نسلاً بعد نسل قائم ہے۔''

جب کہ امام موصوف کا وصال ۲۳۰ھ میں ہوا۔ (طبقات ابن سعد، عنوان اخراج بکر و خزاعہ)

مکہ معظمہ کی تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے قصی نے ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے، جن کی یاد مدتوں تک قائم رہی۔ قوم کو ترقی کی جس راہ پر گامزن کیا تھا، بتدریج وہ اوج کمال کو پہنچ گئی۔

مشعر الحرام انہی کی ایجاد ہے۔ حج کے ایام میں مزدلفہ میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ محمد بن عمر و کہتے ہیں کہ قصی نے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تاکہ عرفات سے آمنے والے رات کے اندھیرے میں راستہ سے بھٹک نہ جائیں اور آگ دیکھ کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

علامہ ارزقی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آگ جلانے کا طریقہ حضور نبی کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے دور تک جاری رہا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۴۱۶)

دارالندوہ کعبہ شریف کے قریب ہی ایک بیش بہا قیمتی اور ذی شان محل تعمیر کیا۔ جس کا دروازہ کعبہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اس محل کا نام ''دارالندوہ'' رکھا۔ قریش جب کسی اہم اور خاص کام کا مشورہ کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کرتے، یہ قریش کا شورائی ہال یا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ ندوہ کا ماخذ ندی ہے اور ندی کا معنی مجمع قوم ہے۔ قوم کے اجتماع کی جگہ کو دارالاجتماع، ندوہ یا دارالندوہ کہا جاتا ہے۔

ہر قسم کے اجلاس اسی محل میں منعقد کیے جاتے۔ جنگی تیاریوں کے انتظامات سے متعلق تمام امور بھی یہیں طے ہوتے۔ شادی بیاہ کی رسوم اور دیگر قومی تقریبات بھی اسی جگہ منعقد ہوتیں۔ قریش کے قافلے جب مکہ سے روانہ ہوتے تو ان کی قافلہ بندی اسی ہال میں کی جاتی اور جب وہ سفر سے واپس آتے تو قصی کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے کے لئے پہلے دارالندوہ ہی میں اترتے تھے۔

(طبقات ابن سعد، جلد اول) (سیرت ابن ہشام) (اخبار مکہ، صفحہ ۱۴۴)

قصی کے وصال کے بعد دارالندوہ کا محل اس کے بیٹے عبدالدار کے تصرف میں آیا۔ بعد میں عبدالدار سے حکیم بن حزام کی ملکیت میں آیا۔ جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ حکیم نے باپ دادا کی عزت و شرف کو بیچ ڈالا ہے، جس کے جواب میں اس نے کہا: اسلام آ جانے کے بعد عزت اور شہرت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں ہے، ایک وقت وہ بھی تھا جب زمانہ جاہلیت میں یہ مکان شراب کے ایک مشکیزہ کے عوض فروخت ہوا تھا، جب کہ میں نے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے۔ (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۸۸)

ظہور اسلام کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے مکانات میں سے دارالندوہ بڑا اور زیادہ وسیع مکان تھا۔ بادشاہ اور امراء حج اور عمرہ کے لئے آتے تو اسی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ یہیں سے حرم شریف میں نماز اور طواف کے لئے جاتے تھے۔ اس کا صحن کافی کشادہ تھا۔ لیکن جب بھی سیلاب آتا تو اس میں کوڑا کرکٹ، کیچڑ اور گندگی بھر جاتی، جس سے نہ صرف قرب و جوار کے دوسرے مکانوں کو نقصان پہنچتا بلکہ حرم شریف بھی متاثر ہوتا تھا۔

اس لئے قاضی محمد بن عبداللہ المقدسی اور امیر مکہ عج بن حاج نے خلیفہ المعتضد کے وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کو لکھا کہ دارالندوہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ بارش کے وقت چھت ٹپکتی ہے۔ اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں، سیلاب، کیچڑ اور کوڑا کرکٹ اس میں پھینک دیتا ہے۔ جب پھر بارش ہوتی ہے تو یہ گندگی حرم شریف میں چلی جاتی ہے، اس طرح یہ حرم شریف اور دوسرے مکانات کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

اگر اجازت ہو تو برسوں کا جمع شدہ کوڑا کرکٹ نکال دیا جائے اور اس بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے یہاں مسجد تعمیر کر دی جائے۔ یا نماز پڑھنے کے لئے رحبہ بنا دیا جائے۔ جس سے حجاج کو بھی سہولت ہو گی۔ نیز حرم کے قریب سے گزرنے والا برساتی نالہ مٹی سے بھر گیا ہے، جس کے باعث بارش کا پانی حرم شریف کی یمانی سمت سے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی کھدائی اور گہرائی کی شدید ضرورت ہے۔ ایک وفد دربار خلافت میں بغداد بھی بھیجا گیا تاکہ خلیفہ کو بھی ان مقاصد سے مطلع کر دیا جائے۔

چنانچہ قاضی بغداد یوسف بن یعقوب نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے ابوالہیاج عمیرہ بن حیان الاسدی کو اس خدمت جلیلہ پر مامور کیا اور زر کثیر کے علاوہ بہت سا سونا دے کر مکہ شریف بھیج دیا۔ موصوف ۲۸۱ھ کو مکہ شریف پہنچے اور حج سے فارغ ہو کر نالے کی

کھدائی شروع کرادی۔ اسے اس قدر گہرا کیا گیا کہ حرم شریف کی بارہ سیڑھیاں ظاہر ہو گئیں۔ جب کہ صرف پانچ سیڑھیاں باقی تھیں۔ ۔ نے سے جو مٹی نکالی گئی تھی اسے شہر سے باہر پھینکا گیا۔

بعد ازاں دارالندوہ کی بقیہ عمارت گرادی گئی اور نئی بنیادیں کھود کر مسجد تعمیر کی گئی اور حرم شریف کے وہ دروازے جو اس کی طرف کھلے تھے انہیں مسجد میں داخل کر دیا گیا اور حرم کی بڑی دیوار میں چھ کشادہ دروازے بنا دیئے جن میں سے ہر دروازہ ۵ ذراع یعنی ۲ ۱/۲ فٹ چوڑا اور ۱۱ ذراع یعنی ۶۔۱۶ فٹ اونچا تھا۔ ان بڑے دروازوں میں چھ چھوٹے دروازے بھی تھے جن کی چوڑائی ڈھائی ذراع یعنی ۴ فٹ اور بلندی ۸ ذراع یعنی ۱۲ فٹ تھی۔

اس مسجد کے دو بڑے دروازے شمال کی طرف باہر جانے کے لئے بھی بنائے گئے، اور ایک دروازہ مغربی سمت بھی رکھا گیا۔ یہ مسجد بڑی مدونما تھی۔ جو دارالندوہ والی جگہ کے چاروں طرف بنی ہوئی تھی۔ پتھر کے ستونوں پر ساگوان کی لکڑی کی چھت ڈالی گئی اور اس پر ایک مینار بھی بنایا گیا۔ یہ تعمیر تین سال میں مکمل ہوئی۔ تقریباً ۲۸۴ ہجری میں کام ختم ہوا۔

خلیفہ معتضد کے بعد جب قاضی محمد ابن موسیٰ مکہ شریف کے قاضی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ ۳۰۶ھ میں اسے انتہائی مضبوط اور عالی شان بنایا گیا۔ اس کے ستون منقش اور مضبوط پتھر کے اور چھت ساگوان کی بنائی گئی۔ جس میں بے حد نفیس مینا کاری کی گئی تھی اور حرم شریف کی طرف والے دروازے سب ایک جیسے بنائے تاکہ اس حصہ میں اعتکاف بیٹھنے والے اور دوسرے سالک بیت اللہ شریف کا دیدار کر سکیں۔

یہ خوبصورت منقش ستون ۹۶۸ھ تک موجود تھے، لیکن خاقان خاقان سلطان مراد خان نے انہیں سفید سنگ مرمر سے بنوایا تاکہ زرد پتھر سے بنے ہوئے حرم کے دوسرے ستونوں کی زیبائش کو دوبالا کر دیں اور لکڑی کی چھت کی جگہ انتہائی جاذب نظر، مضبوط اور خوبصورت قبے بنوائے۔ (علام الاعلام، صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۹)

وہ قبے بحمد و تعالیٰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق فروری ۲۰۰۶ء تک صحیح و سالم رہے۔

حجاج کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا۔ غریب اور نادار حجاج کو ایام حج میں کھانا کھلانا خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا۔ قصی نے حرم شریف میں قریش کے مجمع سے خطاب کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے زیر پناہ ہو، اہل حرم اور خانہ خدا کے متولی ہو، اور حاجی حضرات اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہیں، اس کے گھر کے زائر ہیں۔ وہ تمام مہمانوں سے زیادہ عزت و تکریم کے حق دار ہیں۔ لہٰذا تم حج کے ایام میں ان کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام کرو۔ ان کی خدمت اور مہمان نوازی اس وقت تک جاری رکھو جب تک وہ مکہ مکرمہ سے رخصت نہیں ہو جاتے۔ قریش نے اپنے سردار کے اس حکم پر خلوص دل سے لبیک کہا اور برضا و رغبت اپنے مال سے حصہ نکال کر قصی کے سپرد کر دیتے۔ جس سے سال بھر میں معقول رقم جمع ہو جاتی۔ پھر اس مال سے حج کے دنوں میں مکہ معظمہ اور منیٰ میں حجاج کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا۔ نیز پانی کی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ منیٰ اور عرفات میں چرمی حوض بنا کر ان میں پانی جمع کر دیا جاتا۔ جس سے حاجی خوب سیراب ہوتے۔ یہ طریقہ قصی کی قوم میں مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا اور اس رواج کو اور بھی زیادہ تقویت پہنچی اور حجاج کی ضیافت میں مزید اضافہ ہوا۔ امام ابن ہشام (جن کا وصال ۲۱۳ھ میں ہوا) کا بیان ہے:

''ہمارے زمانہ میں بھی یہ طریقہ رائج ہے اور سلطان کی جانب سے ہر سال حج کے دنوں میں کھانا پکا کر مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۱۴۳) (سیرت ابن ہشام عنوان قصی)

یہ دستور ربیع الاول ۱۴۰۰ھ مطابق فروری ۱۹۸۰ء تک جاری رہے۔ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حج کے دنوں میں بلاتمیز کھانا

ہے۔کھانے میں پلاؤ ہوتا جس میں گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوتے تھے۔

جب قصی بن کلاب بیت اللہ شریف کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی حکومت پر پوری طرح قابض ہوگیا تو اس نے اپنی قوم کو تمام اطراف سے بلا کر مکہ شریف میں آباد کیا۔کعبہ شریف سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چاروں طرف ان کے مکانات بنوائے، کعبہ شریف اور مکانات کے درمیان فاصلے کا نام ''المفروش'' رکھا۔ جسے اب حرم یا مطاف کہا جاتا ہے۔مکانات کے دروازے بیت اللہ کی طرف رکھوائے اور ہر دو مکان کے بعد راستہ رکھا گیا، تاکہ حرم میں آنے کی آسانی ہو۔ جو منصب اور خدمات اہل مکہ کے سپرد تھیں ان سب پر اپنی قوم کے لوگوں کو مامور کردیا۔اس کا خیال تھا کہ جو خدمات ان لوگوں کے سپرد کی گئی ہیں وہ دین کا جزو بن گئی ہیں، انہیں تبدیل کرنا ناجائز اور ناروا ہے، حتی کہ ظہور اسلام تک وہ برابر قائم رہیں لیکن اسلام نے ان تمام امور کو باطل اور نیست و نابود کردیا۔

قصی پہلا شخص تھا جسے حکومت نصیب ہوئی اور ساری قوم نے اس کی طاعت کی، اور کعبہ شریف کی تمام خدمات مثل سقایہ، حجابہ، رفادہ، ندوہ اور لواء وغیرہ اس کے تصرف میں آئیں۔اس نے مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں اقامت اختیار کی۔

قصی نے حجاج کی خدمت اور وضع داری کے پیش نظر سقیہ کی خدمت میں بہت زیادہ جدت پیدا کی۔حجاج کے لئے نہایت خوشگوار قسم کا پانی باہر سے درآمد کیا جاتا اور پھر اس میں کھجور اور انگور نچوڑ کر اور زیادہ خوش ذائقہ بنایا جاتا، مکہ والوں کے لئے وہ بے حد پسندیدہ مشروب تھا۔اسی طرح رفدہ کا انتظام بھی بہت عمدہ کیا۔ جب تک حاجی مکہ مکرمہ میں رہتے ان کو مقدور بھر نہایت عمدہ اور اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا جاتا تھا اور یہ طریقہ خلفائے راشدین کے دور تک برابر جاری رہا۔اس کے بعد بھی جو ملوک و سلاطین سریر آرائے اقتدار رہے انہوں نے اس نیت دستور کو قائم رکھا۔علامہ تقی الدین فاسی فرماتے ہیں کہ یہ رواج زمانہ جاہلیت میں شروع ہوا اور صدر الاسلام میں بھی قائم رہا لیکن آج ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ ختم کب ہوا تھا۔

جب قصی بوڑھا ہوگیا تو اس نے یہ تمام عہدے اپنے بیٹوں میں منتقل کردیئے۔عبدالدار جو اس کا بڑا بیٹا تھا اسے ان تمام عہدوں کا انچارج بنایا، بعد میں بنی عبد مناف، ہاشم، عبدالشمس مطلب اور بنی نوفل وغیرہ جمع ہوئے۔انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ حجابہ، سقایہ، رفادہ اور لواء وغیرہ کے ہم زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ ہم شرف و مجد میں ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔قریش میں اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا، بعض تو اس حق میں تھے کہ عبد مناف اس کے زیادہ حقدار ہیں اور بعض کا خیال تھا کہ عبدالدار ہی کے پاس یہ عہدے رہیں گے، کیونکہ ہمارے جد اعلیٰ نے انہیں تفویض کئے تھے۔ان کا باہم اختلاف جنگ پر منتج ہوا اور بالآخر صلح اس بات پر ہوئی کہ سقایہ اور رفادہ بنی عبد مناف کو ملیں اور حجابہ، ندوہ اور لواء بنی عبدالدار ہی کے پاس رہیں۔مگر اس پر بنو ہاشم نے شور مچایا جس کے باعث رفادہ اور سقایہ ہاشم کو بھی مل گیا۔(اعلام الاعلام، بیان قصی بن کلاب، صفحہ ۴۴)

تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے کہ قصی کا زمانہ ایران کے شاہ فیروز بن یزدگرد کا ہمعصر ہے اور مورخ ابوطاہر مقدسی نے قصی کو ایران کے بادشاہ بہرام گور کا معاصر بیان کیا ہے۔گویا کہ ۴۳۱ء سے ۴۷۳ء تک ان کی معاصرت ہوئی جو اوپر بیان کردہ تاریخوں سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔

تجارت اور سوداگری عربوں کا قدیم اور باعزت پیشہ تھا۔قصی اور ہاشم نے قریش کے کاروان تجارت کو منظم کیا۔یمن اہل حبش کے زیر نگیں تھا اور شام پر مدتوں رومی حکمران تھے۔ چنانچہ ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ اور قیصر روم سے تجارتی معاہدہ کیا۔موسم سرما میں یمن سے تجارت کی جاتی اور گرمیوں میں ملک شام سے۔قریشی بیوپاری ایشائے کوچک تک بھی جاتے تھے، اگرچہ عرب میں لوٹ مار اور بدامنی کا عام دور دورہ تھا مگر قریش کے کاروان تجارت بے خطر آیا جایا کرتے تھے۔ چونکہ قریش کا وطن مکہ مکرمہ تھا جہاں کعبۃ اللہ ہے اور کعبہ شریف

کی عظمت اہل عرب کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھی۔ اس لئے وہ قریش کو "جیران اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے پڑوسی سمجھتے اور ان کی عزت تکریم کرتے تھے۔ اس بنا پر ان کے قافلوں کی رہزنی کا خدشہ نہیں تھا۔ یہ قافلے ذیقعدہ میں واپس لوٹ آتے تھے اور غالباً اس مہینہ کا ذیقعدہ یعنی بیٹھنے کا مہینہ اسی وجہ سے رکھا گیا کہ وہ اس ماہ میں مکہ میں ضرور موجود رہتے تھے۔

قریش کے تجارتی قافلے ہزار ہا اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے:

"قریش کے قافلے دو تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا، چاندی، چمڑا، گھی اور دوسرا سامان تجارت ہوتا تھا، جن کے ساتھ دو، دو تین تین سو آدمی ہوتے تھے۔" (حیات محمد، صفحہ ۴۰)

قصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے:

عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ۔ عبد۔

جب قصی کا وصال ہو گیا تو انہیں حجون (معاہدہ) میں دفن کیا گیا۔ ان کا جانشین عبدمناف کو بنایا گیا۔ قریش کے تمام امور انہیں تفویض کئے گئے۔ قصی نے قوم کی بہبود کی خاطر جو محلات تعمیر کرنا شروع کئے تھے ان کی تکمیل عبدمناف نے کی۔ بلکہ کئی اور بھی اس نوعیت کے محلات بنائے۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے:

مطلب۔ ہاشم۔ عبدالشمس۔ نوفل۔ ابوعمرو۔ ابوعبید۔

فصل نمبر 8:

مکہ مکرمہ ہاشم کے عہد میں

ان کا نام عمرو اور ہاشم لقب تھا، عربی میں "ہشم" روٹی کا چورا بنانے کو کہا جاتا ہے۔ اس کا اسم فاعل "ہاشم" ہے، یعنی روٹی کا چورا کرنے والا۔ باپ کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ کا انہیں متولی بنایا گیا۔

اس خطاب کے ملنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سخت قحط کا شکار ہو گیا۔ لوگ بالکل نادار ہو گئے۔ غربت اور بھوک نے ان کا برا حال کر دیا۔ انہیں کہیں سے بھی خوراک میسر نہ آتی تھی۔ عمرو کو قریش کی حالت زار پر ترس آیا اور اپنی دولت ساتھ لے کر شام کا سفر کیا۔ وہاں سے بہت بڑی تعداد میں روٹیاں خریدیں، بوریوں اور تھیلیوں میں بھر کر اونٹوں پر لاد کر مکہ مکرمہ آ گیا۔ یہاں پہنچ کر تمام لوگوں کی دعوت کی۔ روٹیوں کا چورا بنایا اور وہی اونٹ جن پر روٹیاں لائی گئی تھیں انہیں ذبح کر کے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا اور دیگیں بڑی بڑی صحنکوں اور پراتوں میں الٹ دیں اور روٹیوں کا چورا ان میں ڈال کر ثرید بنایا اور مکہ والوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ قحط کی جان لیوا مصیبت کے بعد پہلی بار فراوانی اور ارزانی سے انہیں کھانا نصیب ہوا۔ اسی سبب سے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد، عنوان ہاشم)

امام طبری لکھتے ہیں کہ ہاشم فلسطین سے بہت سا آٹا خرید کر مکہ لائے، ان کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے گوشت تیار کرایا۔ پھر ان روٹیوں کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اپنی قوم کی دعوت کی۔ (تاریخ طبری، جلد ۱، عنوان ہاشم)

ہاشم بڑے زیرک اور مدبر تھے۔ اپنے فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے۔ انہوں نے منیٰ میں چرمی حوض بنا کر پانی کی سبیل لگائی۔ اپنی دانائی اور حسن معاملات کی بدولت انہوں نے قریش کی تجارت کو چار چاند لگا دیئے۔ قیصر روم سے مراسلت کر کے یہ فرمان جاری کرایا کہ جب قریش کا مال تجارت اس کے ملک میں آئے تو اس پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔

شاہ حبشہ سے بھی اسی قسم کا حکم نامہ حاصل کیا۔ چنانچہ جب قریش کا کارواں تجارت انقرہ میں داخل ہوتا تو قیصر بڑی عزت وحرمت سے اس کا خیر مقدم کرتا۔

عرب میں قزاقی اور رہزنی کے باعث راستے محفوظ نہیں تھے۔ مگر ہاشم نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے ان سے معاہدہ کر لیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ا، عنوان ہاشم)

ہاشم پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر رائج کئے۔ ایک سردی میں اور دوسرا گرمی کا اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ قریش میں بھی ہے۔ (طبری، جلد اول، عنوان ہاشم)

حاجیوں کی آسائش اور خورد ونوش کی سہولت بہم پہنچانے کیلئے آپ ہر سال بہت سا مال وقف کر دیتے۔ قریش بھی بڑی فراخ دلی سے اس معاملہ میں ان سے تعاون کرتے۔ ہر ایک آدمی سو، سو مثقال سالانہ پیش کرتا۔ ہاشم چاہ زمزم کے قریب بڑے بڑے حوض بنا کر انہیں مکہ معظمہ کے کنوؤں کے پانی سے بھر دیتے۔ مکہ معظمہ، منیٰ اور عرفات میں حجاج کو کھانا کھلاتے ہڑید جو عرب کا انتہائی مرغوب کھانا تھا، اس سے حجاج کی ضیافت کرتے، گوشت روٹی، گھی روٹی اور چھوارے اور ستو ثرید بنایا کرتے تھے۔ جب تک حجاج مناسک حج سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے یہ ضیافت شب وروز جاری رہتی تھی۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ شام کے سفر پر روانہ ہوئے، مگر غزہ کے مقام پر بیمار ہو گئے، وہاں ہی وصال ہوا اسی جگہ دفن کر دیئے گئے۔ ہاشم کے چار بیٹے تھے:

1: شیبۃ الحمد (عبدالمطلب)۔ 2: صیفی۔ 3: اسد۔ 4: نضلہ

(طبقات ابن سعد، جلد ا، عنوان ہاشم)

فصل نمبر 9:

مکہ مکرمہ عبدالمطلب کے عہد میں

ان کا نام شیبہ اور عبدالمطلب تخلص تھا۔ سرور کونین رحمت دارین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جد امجد تھے۔ عرصہ دراز تک بڑی شفقت اور رحم دلی کے ساتھ آپ ﷺ کی پرورش کرتے رہے۔

ہاشم آخری مرتبہ جب تجارت کے لئے شام جا رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں چند دن قیام کیا۔ بازار میں ایک عورت پر آپ کی نظر پڑی جس کی حرکات وسکنات سے شرافت وفراست ٹپکتی تھی اور حسن وجمال میں بے نظیر تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام سلمیٰ ہے اور بنی نجار کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست پیش کی جو قبول ہوئی اور نکاح ہو گیا۔

بیوی کو ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر اتفاق سے غزہ کے مقام پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سلمیٰ امید سے تھی۔

اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ نومولود نے تقریباً آٹھ برس مدینہ منورہ میں والدہ کے ہاں پرورش پائی۔

ادھر جب ہاشم کے بھائی مطلب کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے مدینہ پہنچ کر بھتیجے کی تلاش شروع کر دی۔ ان کی آمد اور تلاش کی اطلاع جب سلمیٰ کو ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ مطلب کو تین دن مہمان رکھا، اس کی خدمت کی اور چوتھے دن شیبہ کو ان کے ہمراہ مکہ روانہ کر دیا۔ مکہ میں ان کا نام عبدالمطلب مشہور ہوا یعنی مطلب کا غلام۔ ارباب سیر نے اس کی وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔

جب مطلب مکہ میں داخل ہوئے تو یہ نوعمر لڑکا اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا، قریش نے اسے دیکھ کر کہا، یہ "عبد المطلب" ہے مطلب کا غلام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود مطلب نے کہا تھا: یہ میرا غلام ہے، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ اس یتیم لڑکے کی پرورش مطلب نے کی تھی اسی نسبت سے عبد المطلب مشہور ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد ا، عنوان عبد المطلب) (سیرت ابن ہشام، عنوان عبد المطلب)

عبد المطلب بڑے خوبصورت، جسیم و حلیم، دانشور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ عرب کے قاضی، قریش کے سردار، بے شریف اور حلیم الطبع تھے۔ جو بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیتا، ان پر فدا ہو جاتا۔ ملت ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، رمضان شریف کا پورا مہینہ جبل حراء پر عبادت میں گزرتے، غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتے، بلکہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے سخت متنفر تھے۔ اپنی اولاد کو ظلم و ستم اور بغاوت سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ (تاریخ القویم، جلد ا، صفحہ ۶۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ عبد المطلب طویل القامت اور نہایت خوبصورت تھے۔ حطیم میں ان کے بیٹھنے کے لیے ایک غلیچہ بچھا رہتا تھا، جس پر کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھتا تھا۔ (تاریخ القویم، جلد ا، صفحہ ۶۱)

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

"عبد المطلب بے حد شریف اور جود و سخا میں بہت مشہور تھے۔ یہ اس قدر فیاض تھے کہ قوم انہیں "الفیض" کے نام سے یاد کرتی تھی۔ قوم ان کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی تھی۔" (طبقات ابن سعد، جلد اول، عنوان عبد المطلب)

مطلب کے وصال کے بعد رفادہ اور سقایہ (حاجیوں کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا) کی خدمات ان کے سپرد ہوئیں اور تا دم مرگ انہیں بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ حجاج کو پانی پلانے کے لئے مکہ مشرفہ میں کئی حوض بنوائے جنہیں کنوؤں کے پانی سے بھر دیتے تھے (کیونکہ اس زمانہ میں زمزم کا کنواں بند تھا جسے بعد میں خواب کے ذریعہ آپ کو صاف کرنے کا حکم ہوا، ہم نے اس کی پوری تفصیل اس کتاب کی دوسری جلد میں بیان کی ہے)۔ پھر جب آپ نے زمزم کا کنواں کھود کر صاف کر دیا تو شہر میں حوضوں کے ذریعہ پانی جمع کرنے اور پلانے کا دستور ختم ہو گیا۔ البتہ منیٰ، عرفات کے حوض زمزم سے بھر دیئے جاتے جن سے حجاج کو پانی پلایا جاتا تھا۔

(طبقات ابن سعد، جلد اول، عنوان عبد المطلب)

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ چاہ زمزم کھودنے کا تھا۔ چاہ زمزم جسے مضاض جرہمی نے کعبہ شریف کی قیمتی اشیاء ضائع ہونے کے خوف سے کنوئیں میں ڈال کر اسے مٹی سے بھر دیا تھا۔ تقریباً پانچ سو سال گزر جانے کے بعد زمین برابر ہو گئی، لیکن انہوں نے اس کا کھوج لگا کر کھودا اور از سر نو درست کیا۔

امام ابن سعد، ہشام بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے عبد المطلب نے خضاب کا استعمال کیا ہے۔ وہ ایک مرتبہ یمن کے ایک حمیری سردار کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر آپ ان سفید بالوں کا رنگ بدل دیں تو آپ جوان نظر آئیں گے۔

چنانچہ اس نے تجربہ کے طور پر انہیں مہندی کا خضاب کیا اور پھر اس پر وسمہ چڑھا دیا جب آپ وطن لوٹنے لگے تو اس نے کچھ خضاب تحفۃً دے دیا۔ اس طرح مکہ میں بھی اس کا رواج چل نکلا۔ (طبقات ابن سعد، عنوان عبد المطلب)

عبد المطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان

کریں گے۔ جب ان کی آرزو کو اللہ کریم نے پورا کر دیا تو منت پوری کرنے کے لئے اپنے سب بیٹوں کو ساتھ لے کر کعبہ شریف میں آئے اور قرعہ ڈالا۔ جس میں عبداللہ کا نام نکلا۔ چونکہ عبداللہ باپ کے انتہائی منظور نظر اور محبوب تھے، اس لئے ان کا دل پریشان ہوا، تین رؤسائے قریش نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کے بدلے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کر لیں۔ اس طرح انہوں نے سو اونٹ ذبح کر کے نذر پوری کر دی۔

جب عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو والد گرامی قدر نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ جو قریش کے تمام خاندان میں ممتاز تھیں سے شادی کر دی، شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ تجارت کی غرض سے ملک شام گئے۔ واپسی پر مدینہ طیبہ جب پہنچے تو بیمار ہو گئے۔ بالآخر اسی بیماری میں انتقال ہو گیا اور مدینہ طیبہ ہی میں دفن ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، عنوان عبدالمطلب)

آپ کی قبر مبارک مدینہ منورہ ہی میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی۔ گزشتہ سال جب سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل تر و تازہ اور صحیح سالم تھی۔ آپ کی قبر کے قریب ہی دو صحابہ کی قبریں بھی تھیں ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ نکلیں۔ ان میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

فصل نمبر 10:

مکہ مکرمہ دورِ رسالت میں

ظہورِ قدسی کا دن:

وہ صبح سعادت جس میں ظہور قدسی ہوا دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ تھی۔ تمام ارباب سیر و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ پیر کا دن اور ماہ مبارک ربیع الاول تھا۔ البتہ تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام طبری، امام ابن خلدون اور امام ابن ہشام وغیرہ نے ۱۲ ربیع الاول بیان کیا ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ جب کہ امام ابن سعد نے طبقات میں ابو جعفر محمد بن ملل سے ۱۱ ربیع الاول اور محمد بن عمر سے ۳ ربیع الاول کی روایت بیان کی ہے۔

لیکن عصر حاضر کے محققین مورخین کے نزدیک ۹ ربیع الاول زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے۔

مصر کے مشہور ہیئت دان علامہ محمود پاشا فلکی نے ریاضی کے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۲۷ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ ان کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آفتاب کو گہن لگا تھا اور اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

۲۔ ریاضی کے قاعدہ سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ہجری کا یہ سورج گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ کو ۸ بج کر ۳۱ منٹ پر لگا تھا۔

۳۔ اس حساب سے اگر قمری ۶۳ برس پیچھے حساب کیا جائے تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء بنتا ہے، جس میں ازروئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

۴۔ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخ میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور ان وجوہ کی بناء پر تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

ولادت باسعادت کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے چند دن دودھ پلایا، بعد ازاں ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ (جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری دینے پر آزاد کیا گیا تھا) نے یہ سعادت حاصل کی۔ (بخاری، جلد ۲، ص ۷۶۴، تفسیر سورۃ طلاق)

رسول اللہ ﷺ کے والدین:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: حضرت عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے اور آنحضرت ﷺ کا نوران کے چہرے میں اس طرح چمکتا تھا جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے۔ان کے اس حسن کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں ان کو بہت چاہتی تھیں اور سب عبداللہ پر جان دیتی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہوئی تو قبیلہ قریش میں بنی مخزوم، بنی عبدشمس اور بنی عبد مناف میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑگئی ہو کہ اس کی شادی عبداللہ سے نہ ہوسکی۔

حضرت عبداللہ (شادی کے وقت) اپنے والد کے ساتھ آمنہ کو بیاہ کرلانے کے لئے روانہ ہوئے۔شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔راستے میں انہیں کعبہ شریف کے قریب قبیلہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک عورت ملی جسے قتیلہ یا رقیہ کہا جاتا تھا۔یہ ورقہ ابن نوفل کی بہن تھی۔قتیلہ نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے ایک نبی ہونے والے ہیں، جن کا نور ان کے باپ کے چہرے میں جھلکتا ہوگا۔اس نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور نبوت دیکھ کر ان سے کہا:

''عبداللہ کہاں جارہے ہو؟''

انہوں نے کہا:

''اپنے والد کے ساتھ جارہا ہوں۔''

قتیلہ نے کہا:

''میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں قربان کیے گئے تھے، اگر تم اسی وقت میرے ساتھ جماع کرلو۔''

حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں اور ان کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا اور نہ ان سے جدا ہوسکتا ہوں۔پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے:

اما الحرام فالممات دونه

والحل لاحل فاستبينه

''جہاں تک حرام کاری کی بات ہے، اس سے بہتر تو مرجانا ہے۔''

يحمى الكريم عرضه ودينه

فكيف بالامر الذى تبغينه

''شریف آدمی اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کیا کرتا ہے، اس لئے تو کیسے ایک غلط کام کی طرف مجھے بلارہی ہے۔؟''

اسی طرح کی ایک روایت ابویزید مدینی سے بھی ہے کہ جب عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے کر ان کی شادی کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو وہ ایک کاہنہ عورت کے پاس سے گزرے جو تبالہ کی رہنے والی تھی۔تبالہ یمن کا ایک شہر ہے۔اس عورت نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں، اس کا نام فاطمہ بنت مُرّ الخثعمیّہ تھا۔جب اس نے حضرت عبداللہ کو دیکھا تو اسے ان کے چہرے میں نبوت کا نور دمکتا ہوا نظر آیا۔اس نے عبداللہ سے کہا:

''اے نوجوان! کیا تم اسی وقت مجھ سے جماع کرسکتے ہو؟ میں اس کے بدلے میں تمہیں سو اونٹ دوں گی۔''

اس پر عبداللہ نے جو جواب دیا وہ پیچھے گزر چکا ہے۔علامہ علی بن برہان الدین حلبی کہتے ہیں کہ یہ کاہنہ انتہائی حسین اور پاکدامن عورتوں میں سے تھی۔اس نے حضرت عبداللہ کو نکاح کی دعوت دی تھی مگرانہوں نے انکار کر دیا۔

عبدالمطلب (حضرت عبداللہ کو لے کر) حضرت آمنہ کے چچا کے پاس آئے، یہ وہیب ابن عبدمناف ابن زہرہ تھے۔اس وقت یہی بنی زہرہ کے سردار تھے اور اپنے نسب اور شرف کی وجہ سے معزز تھے۔حضرت آمنہ اپنے والد وہب ابن عبدمناف کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے وہیب ہی کی سرپرستی میں تھیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب وہب ابن عبدمناف کے پاس ہی پہنچے تھے (یعنی ان کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت آمنہ کی شادی کے وقت وہ زندہ تھے) اور انہوں نے ہی اپنی بیٹی کی حضرت عبداللہ سے شادی کی تھی۔اپنے وقت حضرت آمنہ قریشی عورتوں میں نسب اور مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ افضل خاتون تھیں۔شادی کے بعد حضرت عبداللہ سے یہ نور ان میں منتقل ہو گیا۔کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے ان سے پیر کے دن شعب بنی ہاشم میں جمرہ وسطی کے مقام پر صحبت کی تھی۔

پھر حضرت عبداللہ تین دن اپنی بیوی یعنی حضرت آمنہ کے پاس رہے۔عربوں کا یہی دستور بھی تھا کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس (شادی کے بعد اس کے میکہ میں) جاتا تو تین دن رہتا تھا۔اس وقت حضرت آمنہ اور ان کے گھر والے شعب بنی ہاشم میں تھے۔اس کے بعد حضرت عبداللہ جب واپسی میں اس عورت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج تو وہ پیش کش نہیں کررہی جو پچھلی مرتبہ کی تھی۔؟ تو وہ عورت حیران ہو کر پوچھنے لگی کہ تو کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں فلاں ہوں۔

تو اس عورت نے بے اعتباری سے کہا:

''نہیں! تم وہ نہیں ہو۔میں نے اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھا تھا جو اِس وقت مجھے نظر نہیں آ رہا۔ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کیا کیا؟''

حضرت عبداللہ نے اس کو بتایا:

''یہاں سے جانے کے بعد میری شادی ہوئی اور میں نے بیوی کے ساتھ رات گزاری۔''

اس پر اس عورت نے کہا:

''خدا کی قسم! میں بدکار عورت نہیں ہوں، بلکہ میں نے تمہارے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں آ جائے مگر اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی، بلکہ جہاں اس نے چاہا وہاں اس نور کو بھیج دیا۔تم اپنی بیوی کو خوشخبری دو کہ دنیا کا بہترین انسان اس کے پیٹ میں ہے۔''

یہ تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ اس عورت کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہو رہی ہے اور وہ ان کے ساتھ ہم بستر ہوں گے۔نیز وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نبی آنے والے ہیں جن کے پاس سلطنت اور طاقت ہو گی۔ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ عبداللہ نے جب اس کے پاس (دوبارہ جا کر) اس کی پیشکش اسے یاد دلائی تو (وہ زنا کے ارادے سے ہرگز نہیں تھی بلکہ وہ اس مقصد کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ عورتوں کی فطرت اور عادت کے خلاف ان کے ساتھ ہم بستری کے عوض اونٹوں کی اتنی بڑی مقدار بھی نثار کرنے کے لئے تیار تھی۔)

کلبی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں اور باپ کے طرف سے (پچھلی پشتوں میں) پانچ سو مائیں ہیں، مگر ان میں کہیں

بھی کسی کے لئے زنا اور بدکاری ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد وعورت زنا کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اگر مرد چاہتا ہے تو عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا پورا سلسلۂ نسب کھنگال لیا جائے داد ہال اور نانہال میں اوپر کی پشتوں تک آپ کی جتنی مائیں بھی ہیں کسی کے متعلق ایسی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ ان کے کردار میں جھول تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پورے نسب کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کس طرح پاکیزہ اور صاف وشفاف رکھا۔ نہ ان میں جاہلیت کی حرکتوں میں سے کوئی حرکت پائی جاتی ہے یعنی مائیدر اور سوتیلی ماں کے ساتھ یعنی باپ کی دوسری بیوی کے ساتھ باپ کے مرنے کے بعد نکاح کرنے کی رسم بھی آپ کے نسب میں کہیں نہیں ملتی، کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے لئے اپنے باپ کا جانشین ہو جاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے نہیں (یعنی میرے نسب میں کہیں بھی کوئی زنا سے پیدا شدہ نہیں ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((لا تنکحوا ما نکح اٰبآؤ کم من النسآء الا ما قد سلف))

''تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو، جن سے تمہارے باپ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو، مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔'' (النساء)

یعنی گذشتہ زمانے میں اس نکاح کے حلال ہونے کی وجہ سے جو ایسی شادیاں ہوئیں وہ ہو چکیں (اب ایسی شادیاں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں) اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی عیب نہیں پڑتا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے "اِلّا ما قد سلف" کی شرط کا اضافہ نہیں فرمایا۔ مثلاً قرآن میں ہے: "و لا تقربوا الزنا" یعنی زنا کے قریب مت جاؤ۔ مگر اس کے بعد "الا ما قد سلف" نہیں فرمایا گیا۔ (یعنی زنا ایسا فعل نہیں ہے کہ اگر پچھلے دور میں کسی نے کیا ہے تو وہ جائز ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ ہمیشہ حرام رہا ہے اور ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((و لا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ))

''جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل مت کرو۔''

مگر اس کے بعد بھی "الا ما قد سلف" کے ذریعہ پچھلے زمانہ کا استثناء نہیں فرمایا۔ اسی طرح سوائے اس کے گناہوں میں سے کسی بھی گناہ کو جہاں قرآن میں روکا گیا اس کے ساتھ یہ استثناء ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح دو سگی بہنوں کو نکاح میں لانا کیونکہ یہ بھی پچھلی شریعت میں جائز تھا۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں گی توریت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دادیوں پر فخر کیا کرتے تھے، کیونکہ عرب کے عام ماحول اور رسوم کے برخلاف آپ ﷺ کی تمام نسبی دادیاں نہایت پاکباز تھیں اور ان سب کے شریعت کے مطابق نکاح ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے:

''میں عواتک اور فواطم کی اولاد ہوں۔''

عواتک عاتکہ کی جمع ہے، عاتکہ کے معنی پاک دامن کے ہیں۔ فواطم فاطمہ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ایسی اونٹنی جس کے بچے کو دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ ادھر عاتکہ اور فاطمہ عرب میں عورتوں کے مقبول ناموں میں سے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی [illegible] دادیوں میں

طمہ نام کی ہیں۔

ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔دادیاں) چودہ ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ گیارہ میں سب سے پہلی عاتکہ (نامی عورت) لوئ ابن غالب کی ماں ہیں۔بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو عاتکہ بنت ہلال ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں۔دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مُرّہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں ہیں۔تیسری عاتکہ بنت مُرّہ ابن ہلال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نانا وہب کی ماں ہیں۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم کی عاتکاؤں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دوشیزائیں ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی نسبی ماؤں میں دس فاطمائیں ہیں یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے۔

علامہ حلبی فرماتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں۔بعض کہتے ہیں: چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں: آٹھ ہیں۔آپ کے ددہال کی جانب سے جو آپ ﷺ کی مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا ہے۔وہ دو یہ ہیں۔''حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ ''میں فاطماؤں کی اولاد ہوں۔''صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا جز ہیں بلکہ عام دادہالی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ فاطمہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں۔نیز وہ فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علی ابن ابوطالب کی ماں ہیں۔اور خود ان فاطمہ کی ماں فاطمہ (یعنی جو حضرت علی ﷺ کی نانی ہوئیں کہ ماں اور نانی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطماؤں کے علاوہ ہیں جن کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو ایک ریشمی تھان عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے تین فاطماؤں کے درمیان تقسیم کر دو۔یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں۔ایک فاطمہ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔دوسری فاطمہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ ہیں۔بعض محققین نے ان میں فاطمہ اُمّ عمر وابن عائذ اور فاطمہ بنت عبداللہ ابن رزام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حرث اور عبد مناف کی نانی فاطمہ بنت نصر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔واللہ اعلم!

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نکاحوں کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، زنا کے ذریعہ نہیں!''

یعنی آپ کے آباؤ اجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی اولادیں یعنی جو آپ کی نسبی دادا ہیں وہ سب کے سب اپنے ماں باپ کے جائز اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔

اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ عورت مرد کے ایک عرصہ تک ناجائز تعلقات رہتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے۔مطلب یہ ہے کہ عرب زنا کو جائز سمجھتے مگر ان میں جو شریف اور نیک لوگ تھے وہ اس برائی سے بچتے تھے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو اپنی شرافت اور نیکی وجہ سے جہالت اور لاعلمی کے باوجود برائی کو برائی سمجھتے تھے اور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچائے رکھتے تھے) آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سب حضرات وہی ہیں جن میں شرافت طبعی اور فطری تھی۔اور وہ لوگ اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر ہمیشہ زمانے کی برائیوں کو برائی سمجھتے رہے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے انسان کو پیدا کرنا تھا۔اس لئے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں اور برائیوں سے محفوظ اور پاک رکھا جن میں اس وقت اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے۔چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے

اور فاطمہ نام کی ہیں۔

حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔ دادیاں) چودہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گیارہ ان میں سب سے پہلی عاتکہ (نامی عورت) لوئ ابن غالب کی ماں ہیں۔ بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو عاتکہ بنت ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں۔ دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مُرّہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں ہیں۔ تیسری عاتکہ بنت مُرّہ ابن ہلال رسول اللہ ﷺ کے نانا وہب کی ماں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم کی عاتکاؤں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دوشیزائیں ہیں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی نسبی ماؤں میں دس فاطمائیں ہیں یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے۔

علامہ حلبی فرماتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں۔ بعض کہتے ہیں: چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں: آٹھ ہیں۔ آپ ددھیال کی جانب سے جو آپ ﷺ کی مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا وہ دو یہ ہیں۔ ”حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ ”میں فاطماؤں کی ہوں۔“صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا جز ہیں بلکہ عام دادھیالی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں۔ نیز وہ فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علی ابن ابوطالب کی ماں ہیں۔ اور خود ان فاطمہ کی فاطمہ (یعنی جو حضرت علی ؓ کی نانی ہوئیں کہ ماں اور نانی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطماؤں کے علاوہ ہیں جن متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو ایک ریشمی تھان عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے تین ن کے درمیان تقسیم کردو۔ یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں۔ ایک فاطمہ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ دوسری فاطمہ حضرت حمزہ کی زادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ ہیں۔ بعض محققین نے ان میں فاطمہ اُمّ عمرو ابن عائذ اور فاطمہ بنت عبداللہ نام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حرث اور عبد مناف کی نانی فاطمہ بنت نصر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم!

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نکاحوں کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، زنا کے ذریعہ نہیں!“

یعنی آپ کے آباؤ اجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی اولادیں یعنی جو آپ کی نسبی دادا ہیں وہ کے سب اپنے ماں باپ کے جائز اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔

اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ عورت مرد کے ایک عرصہ تک ناجائز تعلقات رہتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ عرب زنا کو جائز سمجھتے مگر ان میں جو شریف اور نیک لوگ تھے وہ ہم اس برائی سے بچتے تھے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو ذی شرافت اور نیکی وجہ سے جہالت اور لاعلمی کے باوجود برائی کو برائی سمجھتے تھے اور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچائے رکھتے تھے)

آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سب حضرات وہی ہیں جن میں شرافت طبعی اور فطری تھی۔ اور وہ لوگ اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر ہمیشہ زنا کی برائیوں کو برائی سمجھتے رہے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے انسان کو پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں اور برائیوں سے محفوظ اور پاک رکھا جن میں اس اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے

اور جس پر صدیوں کی لمبی مدت گزری اور علم و جہالت کے مختلف دور آئے ان میں یہ نسب وقت کی ہر برائی سے محفوظ رہا۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔

کتاب سیرت نبویہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جبکہ آپ حضرت آمنہ کے پیٹ میں تھے۔ حضرت عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ ایک قریشی قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے گئے تھے مگر وہاں بیمار اور کمزور ہو کر واپس ہوئے۔ جب یہ قافلہ مدینے سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی نانہال یعنی بنی نجار کے یہاں ٹھہر گئے، کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی نجار میں سے تھیں۔ یہ یہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے، جب ان کے ساتھیوں کا قافلہ مکے پہنچا تو عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے کے متعلق پوچھا، انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی نانہال میں چھوڑ دیا ہے۔ عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مکے لانے کے لئے حارث یا زبیر کو جو عبداللہ کے بھائی تھے مدینے بھیجا مگر وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ جب حضرت آمنہ کو یہ جانکاہ خبر ملی تو انہوں نے اپنے محبوب شوہر کا یہ مرثیہ پڑھا:

عفا جانب البطحاء من آل هاشم	وجاور لحدًا خارجًا في الغمائم
دعته المنايا دعوة فاجابها	وما تركت في الناس مثل ابن هاشم
عشية راحو يحملون سريره	تعاوره اصحابه في التذامم

جناب عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا جہاں وہ کھجوروں کی تجارت کے سلسلے میں اپنی نانہال (اپنے والد عبدالمطلب کی نانہال والوں سے) ملنے گئے تھے۔ ان کی نانہال والے بنی عدی ابن نجار تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانے کے دونوں مقصد ہوں۔

غرض عبداللہ بنی نجار کے پاس بیماری کی حالت میں ایک مہینہ رہے اور یہ روایت پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال قریشی قافلہ (حضرت عبداللہ کو ان کے نانہال میں بیمار چھوڑ کر) آگے بڑھ گیا۔ جب یہ مکے پہنچا تو ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کے والد عبدالمطلب نے بیٹے کے متعلق دریافت کیا۔ قافلے والوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی نانہال بنی عدی ابن نجار کے پاس چھوڑا ہے۔

یہ سن کر عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بھائی حارث کو ان کے پاس بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حارث عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اسی لئے عبدالمطلب کا لقب ابوالحارث (حارث کا باپ) تھا۔ یہ حارث اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔

''اسد الغابہ'' میں یہ روایت ہے کہ عبدالمطلب نے عبداللہ کی بیماری کی خبر سن کر اپنے بیٹے زبیر کو ان کے پاس بھیجا جو حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے اور یہ کہ حضرت عبداللہ کی وفات (مدینے میں) زبیر کے سامنے ہی ہوئی۔ ان کو وہاں تابعہ والے مکان میں دفن کیا گیا۔ تابعہ بنی عدی ابن نجار میں سے ایک شخص کا نام تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے پہنچے اور آپ ﷺ نے اس مکان کو دیکھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے متعلق بتلاتے ہوئے فرمایا کہ یہیں میری والدہ مجھے لے کر اتری تھیں اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ کی قبر ہے اور مجھے بنی عدی ابن نجار کے پانی میں تیرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہے۔ عرب کے بہترین قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پارسائی اور پرہیزگاری میں بلند مقام رکھتی تھیں

منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی
اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل وکرم سے نواز رکھا تھا، آپ حسن وخوبصورتی میں بے مثال تھے۔ جب
پ کی خوبصورتی اور نیک سیرتی کا چرچا ہرسو عام ہوگیا، قریش کے بڑے بڑے رؤساء کی یہ خواہش تھی کہ حضرت عبداللہ
ان کے داماد ہوں۔ اپنی فرزندی میں قبول کرنے کی خواہش کا اظہار بہت سے رؤساء نے جناب عبدالمطلب سے کئی بار

بں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کی حفاظت ونگہداشت
نبہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے ساتھ عجیب وغریب واقعات مشاہدہ کئے تو اپنے والد گرامی جناب
،کہا کہ میں جب کبھی مکہ مکرمہ کی وادی اور کوہ ثبیرہ کی طرف جاتا ہوں تو میری پشت سے ایک نور چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے
ل تقسیم ہوکر مشرق ومغرب میں پھیل جاتا ہے اور پھر دوبارہ اکٹھا ہوکر ایک بادل کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ میری نگاہیں
لی ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور یہ بادل کا ٹکرا آسمان کی طرف چلا گیا ہے اور پھر جلدی واپس آگیا ہے
ت میں واپس آجاتا ہے۔

بداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد محترم جناب عبدالمطلب نے جب اپنے فرزند کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

رے پیارے بیٹے! مبارک ہو تمہیں کہ تمہاری صلب سے رحم مادر میں ایسا پاکیزہ نطفہ منتقل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق
ا ترین ہوگا۔''

آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم جناب وہب بن عبدمناف بنی زہرہ میں عزت ونسب دونوں کے لحاظ سے سردار تھے،
ت عبدالعزیٰ کو حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں اس لئے بھیجا تاکہ وہ جناب عبدالمطلب سے یہ بات کریں کہ میری نیک
ورت وخوش اخلاق بیٹی سیدہ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اگر وہ اپنے بیٹے جناب عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ
رمائیں تو یہ ہمارے لئے سعادت کی بات ہوگی۔ چونکہ جناب عبدالمطلب بھی اب یہ چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ
ی کردی جائے مگر وہ اس کے لئے کسی ایسی لڑکی کی تلاش میں تھے جو حسب ونسب کے لحاظ سے بلند مرتبہ ہو اور عفت و
ممتاز ہو، اس لئے جب جناب وہب بن عبدمناف کی طرف سے آپ کو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ جناب عبداللہ
نہ کے لئے آیا تو آپ نے محسوس کیا کہ جن صفات عالیہ کی لڑکی کو وہ تلاش کررہے تھے وہ صفات یقیناً سیدہ آمنہ رضی اللہ
جود ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ ان کے ساتھ نہایت مناسب رہے گا۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب نے
پنے گھر والوں سے کیا، گھر والوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور یوں یہ رشتہ طے پا گیا اور شادی ہوگئی۔

آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عظیم القدر خاوند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شادی کے بعد زیادہ مدت تک اس دنیا میں
پ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے۔ واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوگئے اور جوانی کے عالم میں وہیں پر وصال
صال کے دو ماہ بعد سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

یت میں آتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب حمل قرار پا گیا تو اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ
نہ کو ملک شام کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ کچھ کھانے پینے کا سامان خرید کر لائیں، جب اس سفر سے واپسی ہوئی تو قافلہ سے
ھیالی رشتہ داروں کے پاس مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے۔ جب قافلہ والے مکہ مکرمہ پہنچے تو جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہو گئے تھے اور اس وجہ سے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں۔

یہ سن کر جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو فوری طور پر مدینہ طیبہ بھیجا کہ وہ اپنے بھائی کو لے کر آئیں۔ جناب حارث جب مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت تک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو چکا تھا، چنانچہ وہ الٹے قدموں واپس مکہ مکرمہ آئے اور اپنے والد ماجد کو بھائی کے انتقال کی خبر سنائی۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال کے بعد دار نابغہ میں دفن کیا گیا جبکہ ایک قوی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ کے نزدیک ابواء کے مقام پر دفن کیا گیا۔

ولادت النبی:

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن پاک سے سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس ضمن میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دورانِ حمل مجھے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کا بوجھ، درد اور طبیعت میں بدمزگی محسوس نہیں ہوئی جیسا کہ عام طور پر عورتوں کو حمل کے دوران ہوا کرتا ہے۔ شروع کے چھ ماہ تو مجھے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ میں حمل سے ہوں۔ صرف اتنا احساس ہوتا تھا کہ اس دوران حیض کی بندش ہوگئی تھی، جب چھ ماہ گزر گئے تو میں خواب و بیداری کے عالم میں تھی۔ میں نے کسی کی آواز سنی:

''اے آمنہ! تم حمل سے ہو۔''

(یہ اس طرح سے کہا گیا کہ جیسے) مجھے معلوم نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد آواز آئی:

''تم اس امت کے پیغمبر کے حمل سے ہو۔''

ایک روایت میں ہے:

''ساری مخلوق سے افضل حاملہ ہو۔''

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں:

''میں حمل کے دوران ہر مہینہ میں ایک غیبی آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک! وہ مبارک ساعت نزدیک آن پہنچی ہے۔ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو خیر و برکت والے ہیں۔''

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت مبارکہ کی ساعت نزدیک آئی تو میں اس وقت گھر میں تنہا تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا جناب عبدالمطلب اس وقت طواف کعبہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اچانک میں نے ایک زوردار آواز سنی جس سے میں ڈر گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ والا پرندہ میرے قریب آیا اس نے اپنے پر میرے سینہ پر ملے۔ اس سے میرا ڈر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ شربت سے بھرا ہوا ایک پیالہ میرے پاس پڑا ہوا ہے، میں نے اسے پی لیا، اس سے مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اب میں نے دیکھا کہ میرے پاس لمبے قد والی خوبصورت عورتیں آئیں۔ ان عورتوں کا قد عبد مناف کے قبیلے کی عورتوں جیسا لمبا تھا، ان کو دیکھ کر میں بڑی حیران ہوئی کہ ان کو میری حالت کا کیسے علم ہوا ہے۔ ان عورتوں میں سے ایک نے کہا: میرا نام آسیہ ہے اور میں فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری عورت نے مجھ سے کہا: میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں جنت کی حوریں ہیں۔ اس کے بعد مجھے معمولی سا تکلیف کا احساس ہونے لگا۔ پھر مجھے ایک گرجدار آواز سنائی دی اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے مابین ایک سفید ریشمی چادر پھیلا دی گئی اور

بہت سے لوگ ایک جماعت کی شکل میں زمین و آسمان کے درمیان کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے سفید آفتابے ہیں، مجھے کستوری سے زیادہ اچھی خوشبو آنے لگی۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ٹولی میرے سامنے آ گئی ہے۔ ان پرندوں کے پر یاقوت اور چونچیں زمرد سبز سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد میری نگاہوں کے سامنے سے اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹا دیا اور مجھے مشرق و مغرب کے افق دکھائی دیئے۔ مجھے تین جھنڈے نظر آئے جو لہرا رہے تھے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں، جبکہ ایک جھنڈا مجھے خانہ کعبہ کے اوپر لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ میں یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہی تھی کہ اسی اثناء میں مجھے درد محسوس ہوا۔ اب ان عورتوں نے اپنے ہاتھوں سے میری مدد کی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت باسعادت ہوئی۔ میں نے دیکھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے کی حالت میں تھے اور اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے رو کر التجا فرما رہے ہوں۔ اسی دوران میں نے سفید رنگ کے بادل کا ایک ٹکڑا دیکھا جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لپیٹ کر اٹھا لیا اور آپ کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی منادی کر رہا ہے: انہیں مشرق و مغرب میں لے جاؤ۔ بحر و بر پر لے جاؤ اور سیر کراؤ تاکہ ہر کوئی آپ کو پہچان لے اور اچھی طرح جان لے کہ آپ کی صفت ماحی ہے تاکہ دنیا سے شرک کے آثار ختم ہو جائیں۔ پلک جھپکتے ہی بادل کا یہ ٹکڑا اوجھل ہو گیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ریشم کے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے میرے سامنے موجود تھے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں:

"میں نے ایک بہت بڑا نورانی بادل دیکھا جو پہلے والے بادل سے بڑا تھا۔ مجھے اس بادل سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پرندوں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس بادل کے ٹکڑے نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میری نظروں کے سامنے سے اوجھل کر دیا۔ یہ وقفہ پہلے سے زیادہ طویل تھا۔ اس وقت میں نے ایک منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: محمد کو زمین کے تمام گوشوں کی سیر کراؤ! تمام پیغمبروں کے سامنے لے جاؤ تمام جن و انس کی روحوں کو زیارت سے مشرف ہونے دو، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اس کے بعد بادل کا یہ ٹکڑا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ محمد سبز ریشمی کپڑے میں اچھی طرح لپٹے ہوئے ہیں اور اس ریشم سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مجھے ایک منادی کی آواز آئی: مبارک ہو! رسول اللہ کس شان سے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ دنیا کی تمام مخلوق آج سے آپ کے تابع فرمان ہے، تمام مخلوق آپ سے فرمان باری تعالیٰ حاصل کرے گی۔ اس کے بعد میں نے آپ کی طرف نگاہ کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ اس دوران مجھے تین اشخاص کھڑے دکھائی دیئے جن کے چہرے آفتاب سے زیادہ روشن تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا، اس آفتابے سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا ایک طشت تھا، اس کے چار پہلو تھے اور ہر پہلو پر مروارید رکھا ہوا تھا۔ تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ایسی انگشتری نکالی کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس انگشتری کو آفتابے کے سفید پانی سے سات مرتبہ دھویا، پھر اس انگشت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت رکھی گئی اس پر حریر کا ٹکڑا باندھا گیا اور تھوڑی دیر تک اپنی آغوش میں لینے کے بعد میرے بچے کو میری گود میں رکھ دیا گیا۔"

والدہ کا وصال:

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چھ برس کے ہوئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ان کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ مدینہ طیبہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا اس غرض سے بھی تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک وہیں پر تھی اور ان کی قبر پر جانے کی نیت تھی۔

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک ماہ کی مدت تک قیام کیا۔ آپ کا قیام اس مکان میں تھا جسے دار النابغہ کہا جاتا ہے۔ جب ایک ماہ قیام کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا تو ابواء کے مقام پر پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھک گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سرہانے بیٹھ گئے، اچانک وہ بے ہوش ہوگئیں۔ جب دوبارہ ہوش میں آئیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور تھوڑی دیر بعد انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

حضرت اسماء بنت رہم بیان فرماتی ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت میری والدہ ماجدہ ان کے قریب موجود تھیں۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور یہ کلام فرمایا:

''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے، تو اس کا فرزند ہے کہ جس نے موت کی سختی سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے نجات حاصل کی تھی۔ جب صبح کے وقت حضرت عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کی غرض سے اپنے بیٹوں کے مابین قرعہ ڈالا تھا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا پھر اس کے بدلے ایک سو اونٹوں کا فدیہ کیا گیا تھا۔ اے بیٹے! جو خواب میں نے دیکھا تھا اگر درست ہے تو تم تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہو، حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والے، حلال وحرام میں فرق کرنے والے، عرب وعجم کی طرف بھیجے گئے اور دین ابراہیمی کو پھیلانے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بتوں کی پوجا سے باز رکھے گا اور لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کر دیا ہے۔ ہر زندہ مرنے والا ہے، ہر نیا پرانا ہونے والا ہے اور ہر بڑا فنا ہونے والا ہے۔ میں مر جاؤں گی، میرا ذکر باقی رہے گا، میں بھلائی چھوڑے جا رہی ہوں اور میں نے پاکیزہ بچہ جنا۔''

یہ کہنے کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں اور اسی جگہ پر مدفون ہوئیں۔

ہجرت کے سفر میں جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی عدن کے قلعوں کو دیکھا تو اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا:

''ہم بچوں کے ہمراہ ان قلعوں کے کھنڈرات پر چلتے تھے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کے واقعات جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ساتھ تھیں، بیان فرمائے۔ عمرۃ القضایا کے سال جب مقام ابواء پر پہنچے تو اس جگہ کو دیکھا جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہاں چند پتھر اکٹھے کیے پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا:

''یہ میری والدہ ماجدہ کی قبر مبارک ہے۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمان اطہر میں آنسو آ گئے اور اس قدر حسرت وترحم کا اظہار فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی رونے لگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

''سیدنا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے مقام ابواء تشریف لے گئے تو چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر بے اختیار رونے لگے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے وہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر بے اختیار رو پڑے۔ ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سوال کیا: یارسول اللہ! رونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: اپنے متعلق والدہ کی شفقتیں اور رحمتیں یاد کرتا ہوں۔''

ابولہب کے عذاب میں کمی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد ثو یبہ نے ابولہب سے آ کر کہا:

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ تمہارے بھائی عبداللہ کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔؟''

یہ سنتے ہی ابولہب نے خوش ہو کر کہا کہ تو آزاد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے خوش ہونے کی وجہ سے ابولہب کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ پیر کے دن (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن ہے) اس کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے اور اس کو اس رات میں جہنم میں پانی پلا دیا جاتا ہے۔ یہ پانی اس کو اتنی مقدار میں دیا جاتا ہے جتنا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیانی فاصلے میں آ سکتا ہے (ایک گھونٹ)

ثو یبہ ابولہب کی لونڈی:

پہلے جس عورت نے دودھ پلایا وہ ثو یبہ تھی جو کہ ابولہب کی باندی تھیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کے بعد سب سے
نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے ابولہب کو آنحضرت کی ولادت کی خوشخبری آ کر دی تھی۔
اس عورت کو ابولہب
ثو یبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے آنے سے پہلے صرف چند دن دودھ پلایا ہے۔ اس زمانے میں یہ اپنے بیٹے
مسروح کے دودھ سے تھیں۔ ثو یبہ نے اس سے پہلے صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حرث کے بیٹے ابوسفیان کو بھی دودھ پلایا تھا۔
ثو یبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کو دودھ پلانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ ابن
عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے۔

سیدہ حلیمہ:

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق قبیلہ سعد سے تھا
سیدہ حلیمہ کے والد کا نام ابی ذویب اور خاوند کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔
جو فصاحت و بلاغت اور بیان کی شیرینی کی وجہ سے مشہور تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:
''اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے، ایک تو ہمارا قبیلہ قریش فصاحت زبان میں بے مثل ہے دوسرا میری پرورش بنی سعد میں ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں مشہور و ممتاز ہے۔''
حضور سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی رشتہ داروں میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ

خالی منہا کا مقام اس لحاظ سے اہم اور قابل فخر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے کا سب سے زیادہ شرف حضرت حلیمہ کے حصہ میں آیا ہے۔ انہوں نے لگا تار دو سال تک یہ خدمت سرانجام دی۔ اس کی تفصیل جس پر تمام سیرت نگار اور مورخین اسلام متفق ہیں، یہ ہے کہ قریش اور دیگر شرفائے عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک یہ کہ ان کی بیویاں ان کی خدمت کیلئے فراغت پاسکیں۔ دوئم یہ کہ ان کی اولاد صحرائی ماحول میں نشو ونما پائے اور انہیں فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل ہوجائے۔ سوئم یہ کہ صحرا کا پاک صاف ماحول میسر آئے اور وہ تندرست اور توانا ہوں۔ صحرائی زندگی کی جفاکشیوں اور مشقتوں کے وہ بچپن سے خوگر ہوں۔ چہارم یہ کہ ان کے جد امجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی کے اوصاف ان کو صحراء میں پرورش کی وجہ سے ورثہ میں ملیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے:

''اے مسلمانو! معد کا تن و توش پیدا کرو! مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ۔''

چنانچہ اس وقت کے روساء قریش اور امراء عرب اپنے بچوں کو اپنی ماں کی نرم وگداز آغوش میں پرورش کی بجائے صحرا نشین قبیلوں کے پاس ان کے بچپن کو گزارنا پسند کرتے تھے، تاکہ اس کی ریت اور اس کی کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو اور ان کی فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر وہ بہترین خطیب اور عمدہ قائد بن سکیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا۔''

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایسا کیوں نہ ہو کہ میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب ایک ایسی ہی خاتون کی تلاش میں تھے جو ان کے جلیل القدر پوتے کو اپنے ذمہ لے سکے۔ صحرا کی کھلی فضا اور پاکیزہ ہوا میں وہ اس کی پرورش بھی کرے اور جوہر فصاحت کو بھی آب و تاب بخشے۔ اسی دوران بنی سعد قبیلہ کی کچھ خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ آئیں۔ بنی سعد کا قبیلہ بنی ہوازن کی ایک شاخ تھا جو اپنی عربیت اور فصاحت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ ان خواتین میں حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں جو اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اس مقصد کے لئے مکہ آئی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''وہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کرسکیں۔ میں ایک سبزی مائل رنگ والی گدھی پر سوار ہوکر اپنے قافلے کے ساتھ نکلی۔ ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی۔ جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک لحہ کیلئے بھی سونا نصیب نہ ہوتا۔ نہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ تھا کہ جس سے وہ سیر ہوسکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ احسان فرمائے گا، بارش برسے گی اور خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا۔ میں اس گدھی پر سوار ہوکر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بھوک کے مارے وہ قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے پورا قافلہ مصیبت میں مبتلا تھا۔ نہ ہمیں چھوڑ کر وہ آگے جاسکتے تھے اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی۔ کافی مشکلات کے بعد ہم مکہ پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور پھر سب نے بچے تلاش کرنے کیلئے گھر گھر کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔

ت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں مکہ پہنچی تو مجھے حضرت عبدالمطلب ملے۔ انہوں نے پوچھا:
ہاں ہو۔؟"
نے کہا:
بنی سعد کی ایک خاتون ہوں۔"
نے نام پوچھا تو میں نے بتایا:
"۔
ر حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے مسکرانے لگے اور فرمایا:
واہ! سعد اور حلم، کیا کہنا یہ وہ دو خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت موجود ہے۔ میرے ہاں ایک بچہ کیا تم اس یتیم بچہ کو گود لینے کے لئے تیار ہو۔؟ کیا تم اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی برکت یرا دامن سعادت سے لبریز ہو جائے۔"
حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:
اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کیلئے اجازت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے خاوند کے دل کو اس گنج گراں مایہ کے ملنے ت و سرور سے بھر دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ حلیمہ! دیر نہ کرو۔ فوراً جاؤ اور اس بچے کو لے آؤ۔ میں واپس آئی تو حضرت مطلب کو اپنا منتظر پایا۔ میں نے کہا کہ وہ بچہ مجھے دے دیں۔ میں اس کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے ت سیدہ آمنہ کے گھر لے گئے۔ سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے اس کمرہ میں لے گئی جہاں یہ نور نظر لیٹا ہوا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کی طرح سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ نیچے سبز رنگ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام کر رہے تھے۔ کستوری کی مہک اٹھ رہی تھی۔ آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں یفتہ ہو گئی۔ مجھ میں یہ جرات نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگاؤں۔ میں نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھا تو وہ جان جاں انے لگے اور اپنی سرگیں آنکھیں کھولیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے انوار نکل رہے ہیں اور آسمان کو ہے ہیں۔ میں نے بے اختیار دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر اپنے سینہ سے اور اپنے خاوند کے پاس آ گئی۔ جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے واپس اپنے خیمہ میں پہنچی تو میں نے دودھ لے کے لئے اپنی دائیں چھاتی پیش کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پینے سے انکار کر دیا۔"
الیٰ نے اپنے محبوب کو الہام کیا کہ تیرا ایک اور بھائی بھی ہے اس لئے آپ عدل کریں اور دوسری طرف سے دودھ نہ ۔ جس جلیل القدر ہستی نے آگے چل کر سارے جہاں کو عدل و انصاف کا درس دینا تھا اس کا پروردگار یہ کیسے برداشت نا تھا کہ اس کا اپنا دامن کسی بے انصافی میں ملوث ہو۔
صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے سے قبل حضرت حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام دودھ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ینے کی برکت سے وہ چھاتیاں دودھ سے لبریز ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر ات کو وہ بھی خوب گہری نیند سویا۔ اس کو سلانے کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی کی انتہا نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے اسے دوہا اور جی بھر کر دودھ نوش کیا۔ میں نے بھی

خوب جی بھر کر دودھ پیا۔ ہم سب رات کو گہری نیند سوئے۔ وہ رات ہماری زندگی کی آرام وراحت سے بھرپور رات تھی۔ رات بھر کی نیند سونے کے بعد صبح بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا:

''بخدا! اے حلیمہ سراپا سعادت یمین و برکت وجود نصیب ہوا۔''

میں نے کہا:

''میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔''

خدمت رضاعت کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے خاندان کو جو سعادتیں نصیب ہوئیں ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ ان کی تنگدستی خوشحالی میں تبدیل ہوگئی۔ قحط سالی کے باعث چارہ اور گھاس نہ ملنے کی بنا پر پورے قبیلے کے ریوڑ بھوک سے لاغر و نحیف ہوگئے تھے، لیکن حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ریوڑ خشک سالی کے باوجود شام کو واپس آتا تو بھیڑیوں سے دودھ کی نہریں بہنے لگتیں۔ علاوہ ازیں اس خدمت کے بدلے میں جو شہرت دوام آپ کو نصیب ہوئی وہ ہفت اقلیم کے کسی فرمانروا کو بھی نصیب نہ ہوگی۔ ان تمام نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت جو آپ کو عطا ہوئی وہ ایمان کی دولت تھی جس نے ان کے دونوں جہان سنوار دیئے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سارا خاندان مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان کے بارے میں کتب حدیث و سیرت میں بہت سی روایات و آثار موجود ہیں۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور اس روایت کے راوی رجال صحیح کی مانند ہیں۔ یہ روایت محمد بن منکدر سے مرسل ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا کرتی تھی۔ جب وہ داخل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری ماں! میری ماں!''

پھر اپنی چادر اٹھائی، اسے بچھایا اور اپنی چادر پر اپنی ماں کو بٹھایا۔

حرب فجار:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پندرہ برس کی تھی تو آپ نے قریش کے ساتھ حرب فجار میں شرکت کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود حفاظت فرمائی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ و قتال میں حصہ نہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا نہ زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت صرف اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس لڑائی میں شریک تھے۔ آپ اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب، زبیر بن عبدالمطلب، حج، مقوم، ابوطالب، قثم، غیداق، عباس، ضرار اور ابولہب کو اپنے چھوٹے چچا حضرت حمزہ کے ساتھ تیر وغیرہ دیتے جاتے اور چچا یہ تیر مخالف لشکر پر برساتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

''میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔''

بعض روایات میں یہ جملہ بھی آتا ہے:

''میرے چچا دشمن پر تیر برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔''

حلف الفضول:

جزیرہ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نہ تو کوئی منظم حکومت تھی اور نہ باقاعدہ عدالتیں موجود تھیں جو مظلوموں کی

دادرسی کرسکتیں۔سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔اگر کوئی شخص دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے انتقام نہ لیتا بلکہ اس کے سارے قبیلے سے انتقام لیا جاتا۔مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عرب قبائل کے خلاف ایک دوسرے کے اتحادی تھے۔اگر کوئی عرب قبیلہ قریش کے کسی ایک قبیلے پر حملہ آور ہوتا تو سارے قریشی قبائل مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کرتے۔کوئی بھی یہ دیکھنے کی زحمت نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے دلِ دردمند عطا فرمایا تھا۔خصوصاً زبیر بن عبدالمطلب اس صورتِ حال سے بہت بیزار تھے۔انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں۔ایک بار یمن کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ پہنچا۔مکہ میں عاص بن وائل نامی ایک بڑا امیر آدمی رہتا تھا۔یہ شخص اکثر مسافروں سے دھوکا بازی اور فریب سے ان کا مال ہتھیا لیا کرتا تھا۔اس نے یمنی تاجر سے سامان کا سودا کیا اور سامان اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔یمنی بے چارا مسافر تھا،یہاں اس کی جان نہ پہچان،اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار،مخزوم، جمح،سہم اور عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی مدد کریں۔ان قبائل نے مدد کے بجائے الٹا اسے جھڑک دیا۔یمنی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور کام کیا۔طلوعِ آفتاب کے بعد جب قریش حرمِ کعبہ میں حسبِ معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ قریب واقع جبلِ ابی قیس پر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی:

''اے فہر کی اولاد!اس مظلوم کی فریاد سنو!جس کا مال ومتاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔وہ غریب الدیار ہے،اپنے وطن سے دور اور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔اے مکہ کے رئیسو!میری فریاد سنو۔مجھ پر حطیم اور حجرِ اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی عزت نہیں ہونی چاہئے۔''

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس نے ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہا وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔زبیر اس مظلوم کی آہ وزاری پر مضطرب ہو کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا:

''اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔''

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بنی ہاشم،بنی زہرہ بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ابنِ جدعان نے ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔اس اجتماع میں شریک تمام شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا:

''وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے۔یہاں تک کہ ظالم،مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔''

اس عہد یا معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہدِ قدیم میں بنوجُرہم نے بھی اسی قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدے کیلئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا،ان تینوں کا نام فضل تھا اور فضل کی جمع فضول ہے۔یہ تین افراد فضل بن خضالہ،فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث تھے۔نئے معاہدے کے بھی وہی مقاصد تھے۔اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کر دے۔اب اس فریبی کو انکار کی مجال نہ تھی،لہٰذا مجبوراً تاجر کو اس کا مال واپس کر دیا۔اس موقع پر جناب زبیر بن عبدالمطلب

نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا:

''یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ یہ ایک بات ہے جس پر انہوں نے متفقہ معاہدہ کیا ہے۔ پردیسی اور فقیر جو اُن کے ہاں آئے گا ہر قسم کے جور وستم سے محفوظ ہوگا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس برس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ نبوت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت پر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔ ارشادِ گرامی ہے:

''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا، جب حلف الفضول طے پایا۔ اس معاہدے سے الگ ہونے کے بدلے اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کیلئے تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔''

رسول اللہ کی دانش:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ جوانی میں ایک مرتبہ شدید بارشوں کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں سیلاب آگیا، جس کی وجہ سے دیگر مکانات کے علاوہ کعبۃ اللہ کی عمارت بھی گرنے کے قریب ہوگئی، جس کو شہید کرکے نئے سرے سے تعمیر کرنا ضروری ہوگیا۔ چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے کام کو حصہ وار آپس میں بانٹ لیا کہ کوئی خاندان محروم نہ رہے اور شکایت نہ پیدا ہو۔ اس تقسیم کے تحت کعبے کے دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے خاندانوں کے حصے میں آیا۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم اور دوسرے قبیلوں کے حصے میں آیا جو ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ اسی طرح کعبے کی پشت بنی جمح اور بنی سہم ابن عمرو کے خاندانوں کے حصے میں آئی حجر اسود کا حصہ یعنی جہاں اب حجر اسود ہے وہ جانب بنی عبدالدار، بنی اسد اور بنی عدی کے خاندانوں کے حصے میں آئی۔

اس تقسیم کے سلسلے میں علامہ مقریزی نے یہ لکھا ہے کہ حجر اسود سے لے کر حجر اسود کے کونے تک کا درمیانی حصہ جو دروازہ کی سمت ہے وہ بنی عبد مناف کے حصے میں آیا تھا اور بنی اسد، بنی عبدالدار اور بنی زہرہ کے حصے میں حجر اسود یعنی وہ سمت جس میں حجر اسود ہے، آئی تھی۔ بنی مخزوم کو کعبے کی پشت کا حصہ ملا تھا اور رکن یمانی سے لے کر رکن اسود تک کے درمیان کا حصہ تمام قریش کو ملا تھا۔

کعبے کی تعمیر شروع ہونے کے بعد جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچی تو قریش میں زبردست اختلاف پیدا ہوگیا اور ہر قبیلہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔ ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر وہ رکھے۔ آخر بات اتنی بڑھی کہ لوگ خوں ریزی اور قتل وقتال پر آمادہ ہوگئے۔ بنی عبدالدار نے ایک بڑا برتن لے کر اس میں خون بھرا اور بنی عدی کے ساتھ مل کر آخیر دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد اور حلف کیا۔ انہوں نے اس برتن کے اندر خون میں اپنے ہاتھ ڈبو کر عہد کیا تھا۔

قریش کے درمیان یہ جھگڑا اور اختلاف چار یا پانچ دن تک رہا۔ آخر پھر وہ ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ اس مجلس میں ابوامیہ ابن مغیرہ جس کا نام حذیفہ تھا پورے قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ یہ ابوامیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خسر یعنی ام المومنین حضرت اُم سلمہ کا باپ تھا۔ یہ شخص قریش کے انتہائی شریف آدمیوں میں سے ایک تھا جو اپنی فیاضی اور سخاوت کے لئے مشہور تھا۔ یہ شخص مسافر کو زادِ راہ یعنی سفر کے لئے ناشتہ وغیرہ دینے میں مشہور تھا۔ جب کبھی یہ سفر کرتا تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے گھر سے ناشتہ لے کر نہیں چلنے دیتا تھا بلکہ سب لوگوں کے کھانے پینے کا تمام انتظام تنہا خود ہی کیا کرتا تھا۔ غرض کعبہ کی تعمیر کے دوران جب حجر اسود اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا اور قریش میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا تو وہ چار پانچ روز تک الجھنے کے بعد ایک دن مسجد حرام میں جمع

ہوئے جہاں سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص ابو امیہ ابن مغیرہ نے یہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے مجمع سے کہا:

''اے گروہ قریش! اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے تم یہ کرو کہ اس مسجد کے دروازے سے اب جو بھی پہلا شخص داخل ہو اس کو تم اپنا حکم بنالو تا کہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔''

اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ قریش نے جیسے ہی آپ کو دیکھا وہ فوراً پکار اٹھے:

''یہ امین ہیں...... ہم ان پر راضی ہیں...... یہ محمد ہیں!''

اس کا سبب یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت اور مضبوط و بے داغ کردار کی وجہ سے قریش کے لوگ اپنے جھگڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنا ثالث بنالیا کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کی بے جا حمایت کرتے تھے اور نہ مخالفت کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کھرا اور انصاف و دیانت کے بالکل مطابق ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو تمام واقعہ بتلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا:

''مجھے ایک چادر لا کر دو۔''

چنانچہ فوراً ایک چادر لائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمین پر بچھایا اور حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا اور اس کے بعد قریش سے فرمایا:

''ہر قبیلے کے لوگ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں اور پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔''

چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ بنی عبد مناف کا جو حصہ تھا اس کو عتبہ ابن ربیعہ نے اٹھایا، دوسرے حصے کو زمعہ نے پکڑا۔ تیسرے کو ابو حذیفہ ابن مغیرہ نے اٹھایا اور چوتھے حصے کو قیس ابن عدی نے پکڑا یہاں تک کہ جب انہوں نے حجر اسود کو اس جگہ تک اٹھا دیا جہاں اس کو رکھنا تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

خلوت نشینی، نزول وحی اور اس کے بعد کے واقعات:

جوں جوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچ رہی تھی اعلانِ نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ''آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنادی گئی اور آپ غار حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔'' (فتح الباری، جلد 2، صفحہ نمبر 311)

حضرت عمرو ابن شرجیل روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا:

''جب میں تنہائی میں جا کر بیٹھتا ہوں تو مجھے آواز سنائی دیتی ہے: اے محمد! اے محمد!''

ایک روایت میں یوں ہے:

''مجھے ایک نور نظر آتا ہے جو جاگنے کی حالت میں نظر آتا ہے اور ایک آواز سنائی دیتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ اللہ کی قسم! اس کے نتیجہ میں کہیں کوئی بات نہ پیش آجائے۔''

سیدہ خدیجہ نے (آپ کو تسلی دیتے ہوئے) عرض کیا:

''ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ اللہ کی قسم! آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ کہنے والے ہیں۔ آپ کے اخلاق بہت شریفانہ ہیں، للہذا شیطان کی آپ تک ہرگز رسائی نہیں ہو سکتی۔''

حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اونچی صفات اور عمدہ اخلاق دیکھے تھے ان ہی کے پیش نظر یہ بات فرمائی تھی کہ آپ کے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا وہ خیر اور بھلائی ہو سکتی ہے کیونکہ جس شخص میں یہ خوبیاں موجود ہوں اس کو اچھی جزاء ہی مل سکتی ہے۔

غرض اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق پیدا فرما دیا۔ جہاں آدمی کا دل ہر چیز سے فارغ ہوا جاتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ رہ کر دنیا کے تمام مشغلوں اور فکروں سے بیگانہ بن جاتا ہے، کیونکہ اس طرح انسان ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے جس سے اس کے قلب میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور اس کا چہرہ معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت نشینی سب سے زیادہ عزیز ہوگئی۔ آپ غار حراء میں جا کر خلوت نشین ہوا کرتے تھے، یہی وہ حراء پہاڑ ہے جس نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں میں پکارا تھا:

''میری طرف تشریف لایئے یا رسول اللہ!''

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثبیر پہاڑ کے اوپر تھے اور اس پہاڑ نے آپ سے کہا تھا:

''مجھ پر سے اتر جایئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ یہاں قتل نہ ہو جائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں مجھے عذاب دیا جائے۔''

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں خلوت نشین ہو کر کئی کئی راتیں عبادت کیا کرتے تھے۔ علامہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی کی مدت ایک مہینہ ہوا کرتی تھی۔ آپ چند دنوں کا کھانا ساتھ لے کر غار میں تشریف لے جایا کرتے۔ جب یہ کھانا ختم ہو جاتا تو آپ واپس اپنے گھر تشریف لاتے اور اتنا ہی کھانا پھر ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم اور ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ کی شریعت کے احکام کے ذریعہ عبادت فرمایا کرتے تھے جو شریعت محمد میں باقی رکھے گئے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے سے پہلے نبیوں کی ہر شریعت کے اُن احکام کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے جو ہماری شریعت میں باقی رکھے گئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم کی شریعت کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز آپ پر اچانک وحی نازل کی گئی اور آپ کو رسالت و پیغمبری کے اعلان کا حکم دیا گیا۔

ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور ایک قول کے مطابق اس مہینے کی تیسری تاریخ کو پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب کہ میں سو رہا تھا میرے پاس جبرائیل ایک ریشمی کپڑا لئے ہوئے آئے جس میں ایک کتاب تھی یعنی ایک تحریر تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا: اقراء، پڑھیے! میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے ملا کر بھینچا۔ انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس پر موت کا گمان ہوا، اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھیے۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا اور نہ میں اس کی کوئی

چیز جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس لئے کہ میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا، اس طرح یہاں آپ نے دونوں باتوں کا انکار کیا کہ نہ میں نے کبھی کچھ پڑھا اور نہ کوئی ایسی بات جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس پر جبرائیل نے فرمایا:

((اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ))(سورہ علق)

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھ۔ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا اکریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں نے ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ دیا، جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا، اس کے بعد لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو۔ میں غار سے نکل کر ایک طرف چلا، جب میں پہاڑ کے ایک جانب میں پہنچا تو میں نے اچانک آسمان سے آنے والی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں! میں وہیں ٹھہر کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، اچانک میں نے جبرائیل کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا جو کھڑے تھے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو آسمان کے قریب اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا، میں ان پر سے نظریں ہٹا کر آسمان کے کناروں کی طرف دیکھتا مگر جس طرف بھی میری نظر جاتی مجھے وہ سامنے نظر آتے، میں اسی حالت میں دیر تک کھڑا رہا کہ نہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا۔''

نزولِ وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

((زَمِّلُونِی، زَمِّلُونِی))

''مجھے چادر اڑھادو، مجھے چادر اڑادو۔''

چنانچہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا گیا، یہاں تک کہ آپ کا خوف اور گھبراہٹ دور ہو گیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو تمام واقعہ بتلایا اور فرمایا:

''مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔''

حضرت خدیجہ نے جواب میں عرض کیا:

''ہرگز نہیں! خوشخبری ہو آپ کو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے لئے مصیبت اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں، بے کس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازیاں کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو لے کر چلیں اور ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں۔ انہوں نے ورقہ سے کہا:

''ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ اللہ کی قسم! آپ امانت ادا کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ کہنے والے ہیں۔ آپ کے اخلاق بہت شریفانہ ہیں، لہٰذا شیطان کی آپ تک ہرگز پہنچ نہیں ہوسکتی۔''

حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اونچی صفات اور عمدہ اخلاق دیکھے تھے ان ہی کے پیش نظر یہ بات فرمائی تھی کہ آپ کے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا وہ خیر اور بھلائی ہوسکتی ہے کیونکہ جس شخص میں یہ خوبیاں موجود ہوں اس کو اچھی جزاء ہی مل سکتی ہے۔

غرض اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق پیدا فرمادیا۔ جہاں آدمی کا دل ہر چیز سے فارغ ہوا جاتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ رہ کر دنیا کے تمام مشغلوں اور فکروں سے بیگانہ بن جاتا ہے، کیونکہ اس طرح انسان ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے جس سے اس کے قلب میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور اس کا چہرہ معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت نشینی سب سے زیادہ عزیز ہوگئی۔ آپ غار حراء میں جا کر خلوت نشین ہوا کرتے تھے، یہی وہ حراء پہاڑ ہے جس نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں میں پکارا تھا:

''میری طرف تشریف لائیے یارسول اللہ!''

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثبیر پہاڑ کے اوپر تھے اور اس پہاڑ نے آپ سے کہا تھا:

''مجھ پر سے اتر جائیے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ یہاں قتل نہ ہوجائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں مجھے عذاب دیا جائے۔''

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں خلوت نشین ہو کر کئی کئی راتیں عبادت کیا کرتے تھے۔ علامہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی کی مدت ایک مہینہ ہوا کرتی تھی۔ آپ چند دنوں کا کھانا ساتھ لے کر غار میں تشریف لے جایا کرتے۔ جب یہ کھانا ختم ہوجاتا تو آپ واپس اپنے گھر تشریف لاتے اور اتنا ہی کھانا پھر ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم اور ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ کی شریعت کے احکام کے ذریعہ عبادت فرمایا کرتے تھے جو شریعت محمدؐ میں باقی رکھے گئے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے سے پہلے نبیوں کی ہر شریعت کے اُن احکام کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے جو ہماری شریعت میں باقی رکھے گئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم کی شریعت کے ذریعہ عبادت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز آپ پر اچانک وحی نازل کی گئی اور آپ کو رسالت و پیغمبری کے اعلان کا حکم دیا گیا۔

ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور ایک قول کے مطابق اس مہینے کی تیسری تاریخ کو پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب کہ میں سو رہا تھا میرے پاس جبرائیل ایک ریشمی کپڑا لئے ہوئے آئے جس میں ایک کتاب تھی یعنی ایک تحریر تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا: اقراء، پڑھیے! میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے ملا کر بھینچا۔ انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس پر موت کا گمان ہوا، اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھیے۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا اور نہ میں ایسی کوئی

چیز جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس لئے کہ میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا، اس طرح یہاں آپ نے دونوں باتوں کا انکار کیا کہ نہ میں نے کبھی کچھ پڑھا اور نہ کوئی ایسی بات جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں، اس پر جبرائیل نے فرمایا:

((اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ))(سورہ علق)

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھ۔ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا اکریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں نے ان آیتوں کو اسی طرح پڑھ دیا، جس کے بعد وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا، اس کے بعد لگتا تھا گویا میرے دل میں ایک تحریر لکھ دی گئی ہو۔ میں غار سے نکل کر ایک طرف چلا، جب میں پہاڑ کے ایک جانب میں پہنچا تو میں نے اچانک آسمان سے آنے والی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں! میں وہیں ٹھہر کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، اچانک میں نے جبرائیل کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا جو کھڑے تھے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو آسمان کے قریب اپنے ایک پیر پر دوسرا پیر رکھے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں وہیں رک کر آواز کی طرف دیکھنے لگا، نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا، میں ان پر سے نظریں ہٹا کر آسمان کے کناروں کی طرف دیکھتا مگر جس طرف بھی میری نظر جاتی مجھے وہ سامنے نظر آتے، میں اسی حالت میں دیر تک کھڑا رہا کہ نہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا۔''

نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

((زمّلونی، زمّلونی))

''مجھے چادر اڑھادو، مجھے چادر اڑادو۔''

چنانچہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا گیا، یہاں تک کہ آپ کا خوف اور گھبراہٹ دور ہو گیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو تمام واقعہ بتلایا اور فرمایا:

''مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔''

حضرت خدیجہ نے جواب میں عرض کیا:

''ہرگز نہیں! خوشخبری ہو آپ کو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے لئے مصیبت اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں، بے کس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازیاں کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو لے کر چلیں اور ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں۔ انہوں نے ورقہ سے کہا:

''اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔''

ورقہ نے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ سب واقعہ بتلایا جو آپ کو پیش آیا تھا اور جو کچھ آپ نے دیکھا تھا۔

ورقہ نے یہ سن کر کہا:

''یہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوا تھا جو کہ وحی کے راز داں تھے۔ کاش! جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دی جائے گی یعنی اس رسالت کا اظہار ہوگا اور لوگوں کو ڈرایا جائے گا، اس وقت میں بھی جوان آدمی ہوتا تا کہ میں اس عظیم کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور آپ کی مدد کرتا۔ کاش! میں بھی اس وقت زندہ ہوں جبکہ آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکالے گی!''

جناب ورقہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''کیا میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟''

ورقہ نے کہا:

''ہاں جو چیز آپ لے کر آئے ہیں اس کے ساتھ جو شخص بھی آیا اس پر ظلم کیے گئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور رسالت کے بعد ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو آپ نے شروع میں اپنے معاملے کو چھپائے رکھا اور چھپ چھپ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں مردوں اور عورتوں میں معمولی قسم کے لوگوں نے ہی شروع میں آپ کی پیروی کی، اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایک ایسی ہستی ہیں جو قریش کے بلند مرتبہ لوگوں میں سے تھیں یا پھر حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق تھے جو معزز اور بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ عام طور پر جو لوگ شروع میں مسلمان ہوئے وہ معمولی اور غریب لوگ تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پھر دوسرے آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بچوں میں پہلے حضرت علی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

آغاز تبلیغ، انتہائی مشکل ترین دور اور جناب ابوطالب وسیدہ خدیجہ کا ساتھ:

بعثت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشتہ داروں کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

((وانذر عشيرتك الاقربين))

''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔!''

تو آپ نے ابوطالب کے مکان میں عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کیا جو کل چالیس آدمی تھے۔ حضرت علی نے ان آنے والوں کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس میں بکری کی ایک ٹانگ تھی جس کے ساتھ ایک مد یعنی تقریباً سوا رطل گندم اور ساڑھے تین سیر دودھ تھا۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں کھانا لا کر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے ان سے فرمایا:

''اللہ کے نام کے ساتھ کھایئے۔''

چنانچہ سب لوگوں نے یہ گوشت پیٹ بھر کر کھایا اور سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کھانا آنے کے بعد لوگوں سے فرمایا:

''دس دس کر کے قریب آتے رہئے۔''

چنانچہ لوگ دس دس کی ٹولی میں آتے رہے۔ پھر آپ نے یہ بڑا پیالہ اٹھایا جس میں دودھ تھا اور اس میں سے ایک گھونٹ پی لیا پھر دوسرے لوگوں کی طرف بڑھایا۔ جبکہ اس مجمع میں ایک ایک آدمی ایسا تھا جو جانور کا ایک بچہ تنہا کھا سکتا تھا۔

اسی لئے یہ صورت دیکھ کر (کہ تھوڑے سے کھانے میں سب کا پیٹ بھر گیا) وہ لوگ بڑے اچنبھے میں پڑے۔ چنانچہ بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے بات چیت کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے آپ کی بات کاٹ کر پہلے ہی لوگوں سے کہا:

''اس شخص نے تم سب پر زبردست جادو کر دیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات نہیں کر سکے۔ اگلا دن ہوا تو آپ نے حضرت علی سے فرمایا:

''جس طرح تم نے کل کھانا اور مشروب تیار کیا تھا اسی طرح میری طرف سے آج پھر وہی چیزیں تیار کر دو۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا اور پھر سب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بُلا کر لایا۔ آج بھی اسی طرح انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سیر ہو کر دودھ پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری مخلوق کی طرف عام طور پر اور تمہاری طرف خاص طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ ''وانذر عشیرتك الاقربین'' چنانچہ اب میں تمہیں دو کلموں کے کہنے کی دعوت دیتا ہوں جو زبان سے ادا کرنے میں بے حد ہلکے پھلکے ہیں لیکن ترازو میں بے حد وزن دار ہیں۔ ایک اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور دوسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اب آپ میں سے کون ہے جو میری اس بات کو قبول کرتا ہے اور اس کلمہ کو پھیلانے میں میری مدد کرتا ہے؟''

اس وقت پورے مجمع میں حضرت علی ؓ بولے جبکہ پوری قوم خاموش رہی۔ حضرت علی ؓ نے کہا:

''میں، یارسول اللہ! اگرچہ میں ان سب میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ہوں۔''

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

''تم بیٹھ جاؤ۔''

آپ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ وہ لوگ پھر خاموش رہے اور پھر حضرت علی ؓ ہی کھڑے ہو کر بولے:

''میں یارسول اللہ!''

آپ نے پھر ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اور پھر آپ نے تیسری بار اپنی بات دہرائی۔ مگر اس دفعہ بھی حضرت علی ؓ کے سوا سب خاموش رہے۔

غرض قریش کی یہی عادت رہی۔ یہاں تک کہ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے معبودوں میں عیب نکالنے شروع کر دیئے، ان کی بے وقوفی ان پر ظاہر فرمائی اور ان کے باپ دادا کو گمراہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ قریش کے مجمع کے پاس سے گزر رہے تھے اس وقت یہ لوگ مسجد حرام میں جمع تھے اور بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

"اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔"
قریش نے کہا:
"ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوسکیں۔"
اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
((قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتّبعونی یحببکم اللّٰہ))(آل عمران:۳۱)
"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردے گا۔"

یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کا فیصلہ کرلیا۔ اس فیصلے سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد یہ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے:

"ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم میں عقلیں نہیں ہیں۔ اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے۔ اس لئے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نمٹئے اور یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیے، کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے خلاف ہیں۔"

یہ سن کر ابوطالب نے ان لوگوں سے نہایت نرمی سے بات کی اور ان کو خوبصورت انداز میں جواب دے کر واپس کردیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دین کا اعلان فرماتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بُلاتے رہے۔ اس راستے میں آپ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ لوگ آپ سے دور ہونے لگے اور ان کے دلوں میں آپ کی دشمنی اور آپ سے حسد جم گیا۔ پھر قریش کے درمیان آپس میں ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی چرچا ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے دشمنی، عداوت اور قتل وقتال کے منصوبے بنانے لگے، یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر دوسری مرتبہ جناب ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

"اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ بڑے، قابل عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روک دیجئے مگر آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ہم لوگ خدا کی قسم یہ بات برداشت نہیں کرسکتے کہ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے عقل کہا جائے اور ہمارے معبودوں میں عیب ڈالے جائیں۔ اس لئے یا تو اب آپ اس کو سمجھا لیجئے ورنہ سن لیجئے کہ ہم اس معاملہ میں آپ سے اور اُس سے، دونوں سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہوجائے۔"

یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے۔ جناب ابوطالب کو اپنی قوم کے اس غصے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ سے بہت فکر ہوگیا، وہ اس کو پسند نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور کہا:

"بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ اس لئے اپنے اور میرے اوپر رحم کرو

اللہ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔"

ابوطالب کی اس گفتگو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور اب وہ بھی آپ کی مدد اور مدافعت کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

"چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

اتنا کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھرا گئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ابوطالب نے آپ کو پکارا اور کہا:

"بھتیجے، ادھر آؤ۔"

آپ واپس آئے تو ابوطالب نے کہا:

"جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو، اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے ساتھ ہی ابوطالب نے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوْسِدُ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

"اللہ کی قسم! یہ مخالفین اپنی جمعیت کے باوجود تم تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں ہی مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔"

غرض اس کے بعد جب قریش کو اس بات کا اندازہ اور یقین ہو گیا کہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو ساتھ لے کر ابوطالب کے پاس آئے اور انہوں نے جناب ابوطالب سے کہا:

"ابوطالب! یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ ہے۔ جو قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقتور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے۔ جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلوں میں عیب ڈال رہا ہے۔ تم اسے ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اس کو قتل کر دیں اور انسان کے بدلے میں ہم انسان دے رہے ہیں۔"

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابوطالب نے کہا:

"اللہ کی قسم! تم لوگ مجھ سے بہت بُرا سودا کرنے آئے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے لڑکے کو میرے سپرد کر دو تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور اپنا لڑکا تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نیز ابوطالب نے ان سے کہا:

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزومند ہو سکتی ہے؟"

اس پر مطعم ابن عدی نے کہا:

"ابوطالب! خدا کی قسم تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے اس سے چھٹکارے کے لئے کوشش کر لی۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیشکش قبول کرو گے۔"

''اے گروہِ قریش! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔''

قریش نے کہا:

''ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی بتوں کو پوجتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوسکیں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

((قل ان كنتم تحبّون الله فاتّبعونی یحببكم الله))(آل عمران:۳۱)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردے گا۔''

یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کا فیصلہ کرلیا۔ اس فیصلے سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد یہ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے:

''ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمیں بے عقل ٹھہرایا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم میں عقلیں نہیں ہیں۔ اس نے ہمارے باپ دادا تک کو گمراہ کہا ہے۔ اس لئے یا تو ہماری طرف سے آپ اس سے نمٹئے اور یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جایئے، کیونکہ خود آپ بھی اسی دین پر چلتے ہیں جو ہمارا ہے اور اس کے دین کے خلاف ہیں۔''

یہ سن کر ابوطالب نے ان لوگوں سے نہایت نرمی سے بات کی اور ان کو خوبصورت انداز میں جواب دے کر واپس کردیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دین کا اعلان فرماتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بلاتے رہے۔ اس راستے میں آپ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ لوگ آپ سے دور ہونے لگے اور ان کے دلوں میں آپ کی دشمنی اور آپ سے حسد جم گیا۔ پھر قریش کے درمیان آپس میں ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی چرچا ہونے لگا اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے دشمنی، عداوت اور قتل وقتال کے منصوبے بنانے لگے، یہاں تک سوچنے لگے کہ آپ کا مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر دوسری مرتبہ جناب ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

''اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ بڑے، قابل عزت اور بلند مرتبہ آدمی ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکیے مگر آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ ہم لوگ خدا کی قسم یہ بات برداشت نہیں کرسکتے کہ ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جائیں، ہمیں بے عقل کہا جائے اور ہمارے معبودوں میں عیب ڈالے جائیں۔ اس لئے یا تو اب آپ اس کو سمجھا لیجئے ورنہ سن لیجئے کہ ہم اس معاملہ میں آپ سے اور اُس سے، دونوں سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ختم نہ ہوجائے۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے۔ جناب ابوطالب کو اپنی قوم کے اس غصے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ سے بہت فکر ہوگیا، وہ اس کو پسند نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور کہا:

''بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ اس لئے اپنے اور میرے اوپر رحم کرو

اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے برداشت کرنے کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔"

ابو طالب کی اس گفتگو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور اب وہ بھی آپ کی مدد اور مدافعت کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

"چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں تو بھی میں ہرگز اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

اتنا کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھرا گئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر جانے لگے۔ اچانک ابو طالب نے آپ کو پکارا اور کہا:

"بھتیجے، ادھر آؤ۔"

آپ واپس آئے تو ابو طالب نے کہا:

"جاؤ بھتیجے! جو دل چاہے کہو، اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے ساتھ ہی ابو طالب نے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوْسِدُ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

"اللہ کی قسم! یہ مخالفین اپنی جمعیت کے باوجود تم تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں ہی مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔"

غرض اس کے بعد جب قریش کو اس بات کا اندازہ اور یقین ہو گیا کہ ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو وہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور انہوں نے جناب ابو طالب سے کہا:

"ابو طالب! یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ ہے۔ جو قریش کا سب سے زیادہ بہادر، طاقتور اور سب سے زیادہ حسین نوجوان ہے تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کے خلاف جا رہا ہے۔ جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کی عقلوں میں عیب ڈال رہا ہے۔ تم اسے ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اس کو قتل کر دیں اور انسان کے بدلے میں ہم انسان دے رہے ہیں۔"

قریش کی یہ بے ہودہ تجویز سن کر ابو طالب نے کہا:

"اللہ کی قسم! تم لوگ مجھ سے بہت برا سودا کرنے آئے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے لڑکے کو میرے سپرد کر دو تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پرورش کروں اور اپنا لڑکا تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نیز ابو طالب نے ان سے کہا:

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر کسی دوسرے بچے کی آرزومند ہو سکتی ہے؟"

اس پر مطعم ابن عدی نے کہا:

"ابو طالب! خدا کی قسم تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے اور جو بات تمہیں ناپسند ہے اس سے چھٹکارے کے لئے کوشش کر لی۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد تم ان کی کوئی اور پیشکش قبول کرو گے۔"

ابوطالب نے کہا:

"اللہ کی قسم! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، بلکہ تم سب نے مل کر مجھے رسوا کرنے اور میرے خلاف ہو جانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے اس لئے اب جو تمہارے دل میں آئے کرلو۔"

غرض جب جناب ابوطالب نے قریش کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تو اب معاملہ بہت سنگین ہو گیا۔ ادھر جب ابوطالب نے قریش کے ارادے دیکھے تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلایا اور ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے اور آپ کی طرف سے قریش کی مدافعت کرنے کی درخواست کی۔ اس پر سوائے ابولہب کے سارے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب راضی ہو گئے۔ یہ تنہا وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور سختی کرنے کے لئے آواز اٹھاتا تھا۔ اسی طرح جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے ان کی مخالفت میں بھی ابولہب ہی سب سے پیش پیش رہتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تکلیفیں پہنچانے کے سلسلے میں بھی یہی شخص قریش میں بڑھ چڑھ کر تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قریش کے معزز لوگ ابوطالب کے مکان پر آئے، ان میں اسود ابن زمعہ، ولید ابن مغیرہ، اُمیہ ابن خلف، عاص ابن وائل، عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوسفیان، نضر ابن حرث اور ابوجہل شامل تھے۔

انہوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سامنے بلایا جائے اور پھر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شکایتیں ہیں ان کو دور کیا جائے اور اس معاملے میں صلح وآشتی کی صورت پیدا کی لائے۔ جناب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ سے کہا:

"بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے لوگ آئے ہیں، ان کی شکایتیں دور کر کے ان کے ساتھ محبت واُلفت کی فضا پیدا کرو۔"

اب قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراض ہونا شروع کیا کہ آپ ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو بے عقل بتلاتے ہیں اور ہمارے دین میں عیب ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں نے آپ سے کہا:

"اے محمد! ہمیں تمہارے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم تم سے گفتگو کریں۔ اللہ کی قسم! ہمارے خیال میں عربوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہو جیسا تم نے اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے۔ تم نے بزرگوں کو بُرا بھلا کہا، دین میں عیب نکالے، ہمیں بے عقل کہا اور قوم میں پھوٹ ڈال دی، کوئی بُرائی ایسی نہیں ہے جو تم نے ہمارے اور اپنے درمیان پیدا نہ کر دی ہو۔ اب اگر تم یہ باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم لوگ اپنے اپنے مال میں سے تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ گے، اگر تمہیں عزت اور شرف کا لالچ ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا کر تمہیں ہر قسم کا اعزاز دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر یہ کوئی (جن پری) کا اثر ہے جو تم پر چھا گیا ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرانے کو تیار ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں جو کچھ بھی لے کر آیا ہوں اس سے نہ مجھے تمہارے مال و دولت کا لالچ ہے اور نہ عزت واعزاز کی خواہش اور نہ ہی مجھے سلطنت وحکومت کی طمع ہے، بلکہ حقیقت میں مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنا کلام یعنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے خوش خبریاں دینے والا اور ڈرانے والا ہوں، میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور نصیحتیں کیں کہ میں جو کچھ لے کر آیا ہوں تم اسے قبول کرو، یہ تمہاری دنیا اور آخرت

بھلائی ہے لیکن اگر تم نے میری نصیحتوں کو ماننے کے بجائے انہیں ٹھکرا دیا اور میرے ساتھ بُرا معاملہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

کتاب درّ منثور میں ابن جریر ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عبید ابن عمیر سے ایک روایت پیش کی ہے کہ ایک بار جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی کہ یا آپ کو قید کرلیں یا قتل کردیں اور یا جلاوطن کردیں تو جناب ابوطالب نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''کیا تم جانتے ہو دشمنوں نے تمہارے خلاف کیا سازش کی ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان لوگوں نے طے کیا ہے کہ یا مجھے قید کرلیں یا قتل کردیں اور یا جلاوطن کردیں۔''

ابوطالب نے حیران ہوکر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟

آپ نے فرمایا:

''میرے رب نے۔''

ابوطالب نے کہا:

''تمہارا رب بڑا اچھا پروردگار ہے، تم اپنے رب سے خیر مانگو۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! میں اس سے خیر مانگتا ہوں اور وہ خود میرے ساتھ خیر فرماتا ہے۔''

ابوجہل کی خباثت کا دائرہ مکہ میں مسلمانوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ ہر اُس شخص کو ایذا پہنچاتا تھا جو مکہ میں زیارت، عمرہ یا تجارت وغیرہ کی نیت سے آتا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک قبیلہ زبید کا ایک شخص آیا۔ وہاں اس وقت قریشی سردار بھی مجمع لگائے بیٹھے تھے۔ اس شخص نے آ کر قریشیوں کے حلقے کے گرد گھومنا شروع کردیا اور وہ یہ کہتا جاتا تھا:

''اے گروہ قریش! کوئی راہ گیر کیسے تمہارے علاقے میں داخل ہوسکتا ہے اور کوئی تاجر کیسے تمہاری سرزمین میں آسکتا ہے جب کہ تم ہر آنے والے کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہو۔؟''

یہ کہتا ہوا جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اس سے پوچھا:

''تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

اس نے بتلایا کہ وہ اپنے اونٹوں میں سے تین بہترین اونٹ بیچنے کے لئے لے کر آیا تھا مگر یہاں ابوجہل نے ان تینوں اونٹوں کی قیمت کی صرف ایک تہائی قیمت لگادی (ان کی اصل قیمت سے دو تہائی کم قیمت لگادی) اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی بستی کا ایک معزز سردار ہے اس کی قیمت پر بڑھ کر کوئی دوسرا شخص اب قیمت نہیں لگائے گا اور اس طرح وہ ان اونٹوں کو سستی قیمت میں خریدے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کی وجہ سے پھر کسی دوسرے نے ان اونٹوں کا بالکل سودا نہیں کیا۔ اس زبیدی نے آپ سے عرض کیا کہ اس طرح ابوجہل نے میری تجارت خراب کر کے مجھ پر ظلم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''تمہارے اونٹ کہاں ہیں۔؟''

اس نے کہا:

''یہیں خزورہ کے مقام پر ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اٹھے اور وہاں پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ اونٹ واقعی بہت عمدہ تھے۔ آپ نے اس شخص سے بھاؤ تاؤ کیا اور آخر دونوں میں خوش دلی سے رضامندی ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے وہ اونٹ لے لئے۔

پھر آپ نے ان میں سے دو زیادہ عمدہ اونٹ فروخت کر دیئے اور ان کی قیمت بنی عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں کو تقسیم فرما دی۔ یہ سب کچھ ہوا اور وہیں بازار میں ایک طرف ابوجہل بیٹھا ہوا یہ سب دیکھتا رہا مگر ایک لفظ نہیں بول سکا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے پاس آئے اور اس سے فرمایا:

''خبردار عمرو! اگر تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا۔''

یہ سن کر ابوجہل جلدی سے بولا:

''محمد! میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ محمد میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹ آئے۔ ادھر ابوجہل کو راستے میں امیہ بن خلف اور اس کے دوسرے ساتھی مل گئے۔ ان لوگوں نے ابوجہل سے کہا:

''تم تو محمد کے ہاتھوں بہت رسوا ہو کر آ رہے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تم ان کا اتباع اور پیروی کرنا چاہتے ہو اور یا تم ان سے بہت مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے ہو۔''

ابوجہل بولا:

''میں ہرگز کبھی محمد کی پیروی نہیں کر سکتا۔ میری جو کمزوری تم نے دیکھی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں نے محمد کو دیکھا تو مجھے ان کے ساتھ دائیں بائیں بہت سارے آدمی نظر آئے جن کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے تھے اور وہ ان کو میری طرف لہرا رہے تھے۔ اگر میں اس وقت محمد کی بات نہ مانتا تو وہ سب لوگ مجھ پر آ پڑتے۔''

معجزہ شق القمر:

ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ درخواست کی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائیں، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا اگر یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان بھی لے آؤ گے۔؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں ہم ایمان لے آئیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت آتا ہے اتنی دیر جتنا چاند اسی طرح رہا، لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دیکھو اور دیکھو۔''

اس کے بعد چاند پھر اپنی سابق حالت پر چلا گیا، لیکن ان کفار مکہ کی بدنصیبی کا کیا کہنا، وہ اس بین معجزہ کے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اور اپنے کفر پر مصر اور اٹل رہے، اور کہا کہ یہ محمد کا جادو ہے، حالانکہ اگر جادو ہوتا تو میلوں دور بسنے والے لوگ اس کو نہیں دیکھتے، جادو حاضرین پر چلتا ہے تمام لوگوں پر نہیں چلتا اور یہاں واقعہ ایسا ہوا کہ دور دور سے آنے والے مسافروں نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر کو دیکھا ہے۔

ہجرت حبشہ...... پہلی اور دوسری:

جب اہل اسلام پر ظلم و ستم حد سے بڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی اجازت دی اور فرمایا:

''وہاں کا بادشاہ عادل ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کے ملک میں چلے جاؤ۔''

چنانچہ پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان تھے، ان کے ہمراہ ان کی بیوی رقیہ بنت رسول بھی تھیں۔ نیز ابوحذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل، ابوسلمہ اور ان کی بیوی ام سلمہ، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خثیمہ، ابوسبرۃ بن ابی رہم، حاجب بن معمر، سہیل بن وہب اور عبداللہ بن مسعود۔

یہ لوگ چھپ چھپ کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بھی بنا دیا کہ جب یہ ساحل سمندر پر پہنچے تو تاجروں کے دو جہاز حبشہ کی طرف جانے کے لیے تیار کھڑے تھے، انہوں نے ان کو سوار کرلیا اور حبشہ کے ملک میں پہنچا دیا۔

یہ قافلہ ماہ رجب، نبوت کے پانچویں سال گھر سے نکلا اور حبشہ میں شعبان اور رمضان کے دو مہینے رہا، کفار کو پتہ چلا تو انہوں نے سمندر تک ان کا پیچھا کیا، مگر ان کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے جہاز روانہ ہو چکے تھے۔

کفار مکہ نے یہ بات پھیلا دی کہ ہم نے محمد کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ جب ان مہاجرین کو خبر ملی کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر لی ہے اور انہوں نے آپ کی ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہے، تو یہ لوگ شوال میں مکہ شریف واپس آ گئے اور مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ پھر ہر شخص مکہ کے کسی آدمی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوا، لیکن قریش اور ان کے قبائل نے ان کو پہلے سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ صرف مسلمان ہونا ہی ان کا جرم نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ نجاشی شاہ حبش کے حسن سلوک کے واقعات نے بھی کفار کے غیظ و غضب میں اضافہ کر دیا۔

ان کے بڑھتے ہوئے ظلم و ستم کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، اس وقت مہاجرین باون افراد پر مشتمل تھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

جعفر بن ابی طالب، ان کے ساتھ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس تھیں، وہاں ان کے ہاں محمد، عبداللہ اور عون تین بچے پیدا ہوئے۔

عمرو بن سعید بن عاص، یہ بنو امیہ بن عبد شمس سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے ساتھ ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان بن امیہ کنانی بھی تھیں۔

عمرو کے بھائی خالد بن سعید، ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ امیمہ بنت خلف بن اسعد خزاعیہ بھی تھیں۔ ان کے ہاں ایک لڑکا سعید اور ایک لڑکی ام خالد پیدا ہوئی، جس سے بعد میں حضرت زبیر نے شادی کی اور اس سے خالد اور عمرو، دو لڑکے پیدا ہوئے۔

عبداللہ بن جحش، جو قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش، اس کے ساتھ اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی تھیں، عبیداللہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اور بحالت ارتداد فوت ہوا۔

5. قیس بن عبداللہ، ان کے ساتھ ان کی بیوی تھیں، جن کا نام برکت بنت یسار تھا، اور یہ ابوسفیان بن حرب کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔
6: عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب یہ بنونوفل بن عبد مناف کے قبیلے کے فرد تھے، انہوں نے حضرت عمر کے دور خلافت میں شہر بصرہ کی بنیاد رکھی تھی اور اس کو آباد کیا تھا۔

زبیر بن عوام، یہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے تعلق رکھتے ہیں، اسود بن عبدالمطلب بن اسد اور عمرو بن امیہ بن حارث بن اسد۔
7: طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد، یہ بنی عبد بن قصی سے تعلق رکھتے ہیں اور بنو عبد کی نسل منقطع ہوگئی ہے۔
8: سویط بن عبدالدار، ان کے ساتھ ان کی بیوی حرملہ بنت مالک بھی تھیں، جہم بن قیس، ان کے ساتھ ان کی بیوی حرعلہ بنت عبدالدار خزاعیہ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا عمرو اور لڑکی خزیمہ بنت جہم بھی تھے ابوالروم بن عمیر، فراس بن نضر بن حارث اور مصعب بن عمیر یہ سب بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔
9: عبدالرحمٰن بن عوف، عامر بن ابی وقاص، سعد بن ابی وقاص کے بھائی مطلب بن ازھر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف جس کے بطن سے حبشہ میں عبداللہ بن مطلب پیدا ہوئے، یہ سب حضرات قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
10: عبداللہ بن مسعود، ان کے بھائی عتبہ، مقداد بن عمرو بن ثعلبہ، ان کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اسود بن عبد یغوث بن عبد مناف کے حلیف تھے اور اس نے ان کو متبنیٰ بنالیا تھا، یہ حضرات بنو زہرہ کے حلیف ہذیل کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔
11: حارث بن خالد بن صخر اور ان کی بیوی ریطہ بنت حارث، ان کے ہاں حبشہ میں موسیٰ بن حارث پیدا ہوا۔
12: فاطمہ، عائشہ، زینب اور عمرو بن عثمان بن عمرو یہ بنو تیم سے تعلق رکھتے ہیں۔
13: ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلمہ تھیں، ان کے ہاں حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں، یہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے ہیں۔
14: شماس بن عثمان، ہبار بن سفیان اور ان کے بھائی عبداللہ، ہشام بن ابی حذیفہ، عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کے حلیف معتب بن عوف خزاعی، سلمہ بن ہشام۔
15: عثمان بن مظعون، ان کے بیٹے سائب، ان کے بھائی قدامہ اور ان کے بھائی عبداللہ، یہ قریش کے قبیلہ بنو جمح سے تعلق رکھتے ہیں۔
16: حاطب بن حارث، ان کی بیوی فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے محمد اور حارث، ان کے بھائی خطاب بن حارث، ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار، سفیان بن معمر، ان کے دونوں بیٹے جابر اور جنادہ، ان کی بیوی حسنہ، یہ ان دونوں بھائیوں کی والدہ ہیں، اور ماں کی طرف سے ان دونوں کے بھائی شرحبیل بن حسنہ۔
17: ابن ہشام نے ایک یہ نام بھی ذکر کیا ہے، شرحبیل بن عبداللہ جو تمیم بن مر کے بھائی غوث بن مر سے ہیں، ابن اسحاق نے عثمان بن ربیعہ کا اضافہ کیا ہے۔
18: کینس بن حذافہ بھی اور ان کے بھائی قیس، عبداللہ، ہشام بن عاص، عمرو بن عاص کے بھائی عمیر بن رئاب، ابوقیس بن حارث، ان کے بھائی حارث بن حارث، معمر بن حارث، ماں کی طرف سے ان کے بھائی سعید بن عمرو جو بنو تمیم کے معزز فرد ہیں، اور سائب بن حارث۔
19: معمر بن عبداللہ عدوی، عروہ بن عبدالعزیٰ، عدی بن نضلہ، اور ان کے بیٹے نعمان۔ آل خطاب کے حلیف عامر بن ربیعہ عنزی اور ان کی بیوی۔
20: بنو عامر بن لوی سے ابوسبرہ بن ابی رہم اور ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، عبداللہ بن مخرمہ، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سکران

ہر کے بھائی سلیط بن عمر اور ان کی بیوی سودہ بنت زمعہ، مالک بن زمعہ اور ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی، ان کے حلیف اطب بن عمرو اور سعد بن خولہ۔

ارث بن فہر سے ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاء، یہ سہیل بن وہب ہیں اور اپنی والدہ دعد بنت جحدم کی طرف منسوب ہیں، یضاء کے نام سے مشہور ہے۔ عمرو بن ابی سرح، عیاض بن زہیر، عمرو بن حارث بن زہیر، عثمان بن غنم، سعد بن عبد قیس اور ث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شاہ اور مسلمان:

ش کا دار الندوہ میں اجتماع ہوا جس میں قرار پایا کہ ہم اپنی دشمنی کو مہاجرین حبشہ سے بھی ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ جو نجاشی کے پاس س لیے دو سمجھدار آدمی اس مہم کو سرانجام دینے کے لیے آگے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے گرانقدر اور قیمتی تحائف دے کر عمرو بن ارہ بن ولید کو بھیجا۔ یہ جہاز پر سوار ہوئے، نجاشی کے پاس پہنچ کر اس کو سجدہ کیا اور سلام کہا۔ پھر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے

اری قوم نے آپ کی خیر خواہی کے لیے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، تا کہ ہم آپ کو ان لوگوں کی شرارت اور فتنہ و فساد آگاہ کریں، جو ہمارے شہر مکہ سے بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ یہ ایک جھوٹے آدمی کے پیروکار ہیں، نے مکہ میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کچھ بے وقوف لوگ اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ہم نے ان پر گرفت کی اور ایک گھاٹی میں محبوس کر دیا، جہاں سے وہ نکل سکتے ہیں اور نہ ان کے پاس کوئی آدمی باہر سے جا سکتا ہے۔ بھوک و پیاس ان کو ہلاک کر دیا ہے، مجبور ہو کر اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو آپ کا دین خراب کرنے اور آپ کے ملک میں بدامنی اور ت پیدا کرنے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ آپ بروقت اس کا سدباب کیجئے اور ان کو ہمارے حوالے کر دیجئے، ہم خود ان نمٹ لیں گے، ان کی بدنیتی کی علامت یہ ہے کہ وہ آپ کے دربار میں حاضر ہوتے وقت آپ کو سجدہ نہیں کریں گے، اور ں طریقے سے سلام کریں گے جس کا یہاں سرکاری دربار میں رواج ہے۔''

ن کر نجاشی نے ان کو بلایا۔ جب وہ آئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا:

دشاہ سلامت! دربار میں حاضر ہونے کے لیے اللہ کی جماعت اجازت چاہتی ہے۔''

ی نے کہا:

ں اجازت طلب کرنے والے کو کہو کہ یہ کلمات دوبارہ کہے۔''

چہ اس پر عمل کیا گیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

لہ کی جماعت دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔''

ی نے کہا:

ں! ان کو اللہ تعالیٰ کے امن و امان کے ساتھ اندر آنے کی اجازت ہے۔''

ب مہاجرین اجازت ملنے کے بعد اندر آئے تو اُنہوں نے حسب دستور بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ بادشاہ نے پوچھا:

لوگوں نے شاہی آداب کے مطابق سجدہ کیوں نہیں کیا؟''

انہوں نے کہا:

''ہم سجدہ صرف اس اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں، جس نے آپ کو پیدا کیا اور حکومت سے نوازا ہے۔ ایسا سجدہ ہم بت پرستی کے زمانہ میں کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک سچا نبی بھیجا ہے جس نے ہمیں سلام کرنے کا وہ طریقہ سکھایا ہے، جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، اور یہ آپس میں سلام کرنے کا طریقہ اہل جنت کا طریقہ ہے۔''

نجاشی نے معلوم کیا کہ یہ درست ہے، کیونکہ تورات اور انجیل میں یہی طریقہ بیان ہوا ہے۔ نجاشی نے پوچھا:

''تم میں سے اجازت کس نے طلب کی تھی؟''

حضرت جعفر نے کہا:

''جناب! میں نے اجازت طلب کی تھی۔''

بادشاہ نے کہا:

''پھر گفتگو شروع کرو۔''

حضرت جعفر نے کہا:

''آپ بادشاہ ہیں، آپ کے دربار میں لمبی گفتگو مناسب نہیں اور آپ کے دربار میں ظلم کا بھی خطرہ نہیں، آپ ان دونوں کو حکم دیں کہ ان دونوں میں سے کوئی اپنا مقصد بیان کرے، پھر آپ ہماری بات بھی سن لیں گے۔''

عمرو بن عاص نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''بولو! کیا بولنا چاہتے ہو؟''

حضرت جعفر نے نجاشی سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ ان سے پوچھیں، ہم آزاد ہیں یا غلام؟ اگر ہم غلام ہیں اور اپنے مالکوں سے بھاگ کر آئے ہیں، تو آپ ہمیں ان کے حوالے کر دیں۔''

عمرو نے جواب دیا:

''یہ غلام نہیں، بلکہ باوقار آزاد لوگ ہیں۔''

پھر حضرت جعفر نے کہا:

''کیا ہم نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے کہ ہمیں قصاص کے لیے طلب کیا جا رہا ہے؟''

عمرو بن عاص نے کہا:

''نہیں، انہوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا ہم نے کسی کا مال دبایا ہے، جس کا ادا کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے؟''

عمرو نے کہا:

''نہیں، کسی کی ایک دمڑی بھی ان کے ذمہ نہیں ہے۔''

نجاشی نے کہا:

ہ کیا چاہتے ہو؟''

یہ ایک دین کے پیرو تھے اور وہی ہمارے آباؤ اجداد کا دین تھا۔ اب انہوں نے وہ چھوڑ کر دوسرا دین اپنا لیا

ت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:
ے نے چھوڑا ہے اور جس کی تم اتباع کرتے ہو، سچ سچ بتاؤ، وہ کیا دین ہے؟''
رضی اللہ عنہ نے کہا:
م نے چھوڑا ہے، وہ شیطان کا دین تھا۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے تھے اور پتھروں اور بتوں کو
ب جس دین کو ہم نے اختیار کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے جس کو ہمارے پاس اللہ کا رسول لایا ہے
تاب نازل ہوئی ہے، جس طرح ابن مریم کے پاس ایک کتاب تھی، اور یہ کتاب اس کی موافقت کرتی ہے۔

م بات کہی ہے، ذرا ٹھہرو۔''
ں (گھڑیال) بجانے کا حکم دیا، اس کی آواز سن کر تمام عیسائی عالم اور راہب جمع ہو گئے، اس نے کہا:
خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اُتاری ہے، کیا عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت
ول کے آنے کا تمہیں علم ہے؟''
لن کہا:
لسلام نے ہمیں اس کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے جو اس کے ساتھ ایمان لائیگا، وہ میرے ساتھ ایمان
ے ساتھ کفر کرے گا، وہ میرے ساتھ کفر کرے گا۔''
رضی اللہ عنہ سے کہا:
تا ہے؟ اور تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے۔''
لیا:
دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے، وہ ہمیں ہمسایوں سے نیک سلوک، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور یتیموں
ہے اور ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، جس کا کوئی شریک نہیں۔''

یا تا ہے، ہمیں بھی سناؤ۔''
ہ نے سورۃ عنکبوت اور سورۃ روم پڑھی۔ جسے سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

سناؤ۔''

حضرت جعفر ﷛ نے اب سورت کہف پڑھی۔اس موقع پر عمرو نے نجاشی کو مشتعل کرنے کے لیے کہا:

''یہ لوگ آپ کے پیغمبر اوراس کی ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔''

اس پر حضرت جعفر ﷛ نے سورۃ مریم کی تلاوت شروع کی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ محترمہ حضرت مریم کا ذکر ہوا، تو نجاشی نے اپنے مسواک سے آنکھ میں پڑنے کے قدر ایک تنکا لیا اوراس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''واللہ! عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اس سے اتنی بھی زیادہ نہیں،عیسیٰ علیہ السلام کا مقام بالکل یہی ہے، جو اس نے بیان کیا ہے۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب نجاشی نے یہ کہا تو پادریوں نے ناک بھوں چڑھائی، نجاشی نے کہا:

''خدا کی قسم! خواہ تمہیں ناگوار گزرے، حقیقت یہی ہے۔''

مہاجرین سے اس نے کہا:

''جاؤ! تمہیں میرے ملک میں امن حاصل ہے، جو تمہیں گالی دے گا، یا بُرا بھلا کہے گا، وہ سزا پائے گا، حزب ابراہیم کے بارے میں آج سے کسی سے نرمی نہیں برتی جائے گی۔ بخدا! میں پسند نہیں کرتا کہ سونے کا پہاڑ لے کر تم میں سے کسی کو ایذا پہنچاؤں۔ ان دونوں کے تحائف واپس کر دو، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ بخدا، جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا ملک واپس دیا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی کہ میں اس کے بارے میں رشوت لوں اوراس نے میرے بارے میں لوگوں کی کوئی بات نہیں مانی کہ میں اب اس کے بارے میں ان کی بات مانوں۔''

چنانچہ کفار کے دونوں نمائندے بڑی بے عزتی کے ساتھ اپنے تحائف اور نذرانے لے کر واپس ہوئے۔ قتادہ اور دوسرے کہتے ہیں کہ سورۃ مائدہ کی یہ آیتیں نجاشی اوراس کے ساتھیوں کے بارے میں اُتری ہیں:

((واذا سمعوا ما اُنزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع))(المائدۃ:۸۳)

''اور جب وہ کلام سنتے ہیں، جو اللہ کے رسول پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگ جاتی ہیں۔''

کہتے ہیں کہ مہاجرین کے سلسلے میں قریش نے دو دفعہ نجاشی کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، پہلے ان کی ہجرت کے وقت اور دوسری دفعہ جنگ بدر کے بعد۔ عمرو بن عاص دونوں دفعہ ہی قاصد بن کر گئے تھے، اور ایک دفعہ عمارہ بن ولید مخزومی اور دوسری دفعہ عبداللہ بن ربیعہ مخزومی ان کے رفیق تھے، لیکن ان کی کوئی نہ سنی گئی۔

شعب ابی طالب...... کٹھن ترین دور:

باتفاق جمہور (تاریخ وحدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے تمام خاندان نے شعب ابی طالب میں کامل تین سال تک جن مصیبت وشدت میں دن اور راتیں گزاریں ان کا بیان دشوار ہے اور کیونکر نہ ہو کھانا پینا بند، آنا جانا ترک، خرید وفروخت اور شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار۔ یہ ترک موالات کا حال ہے کہ حبس دوام کی پوری سزا تھی، غریب محصورین پر جن میں خورد سال بچے اور شکستہ پا عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایسا وقت آ گیا تھا کہ دانہ دانہ کو محتاج تھے۔ اتنی مجال تو تھی ہی نہیں کہ شہر میں جا کر ضروریات زندگی کی چیزیں لائیں اور اگر جرأت کر کے جائیں بھی تو دیتا کون ہے؟ اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش اذوقہ کے لیے اطراف مکہ میں دور دور نکل جانا پڑتا تھا اور صبح سے شام تک ان غریبوں کو یا نصیب جو کچھ مل جاتا تھا وہ رات کو گھر میں لا کر دن بھر کے بھوکے بال بچوں کو دیتے تھا۔

ابوجعفر اسکافی جو علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کے استاد اور شیخ تھے لکھتے ہیں:۔
ش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاص کر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ یہ علی الصباح شعب سے نکل کر
مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکل جاتے تھے اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوروں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھ کر
تے تھے۔ وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں، کیونکہ ظالمان قریش مکہ کی بیرونی آبادیوں میں جا کر منع کرآتے تھے
لئے علی الاکثر فاقہ گزرتے تھے۔ اور شدت بھوک و پیاس سے گرفتاران مصیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آ پہنچی
تا۔"

ابن القیم اپنی کتاب زادالمعاد جلد اول، صفحہ ۲۹۹ میں لکھتے ہیں:
ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔"
قسطلانی شارح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھیں
بے رحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اور انواع واقسام کے طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔
ش کی ایسی سخت قدغن تھی اور ایسی شدید روک تھام ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپ چھپا کر تلاش رزق میں باہر نکل
سوء اتفاق سے قریش اسے دیکھ پاتے تھے تو سخت تعذیر پہنچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر یہ لوگ خرید وفروخت کی
تے تھے۔ تو یہ ظالمین وقت نہایت سختی سے انہیں منع کرتے تھے اور باز رکھتے تھے۔
فیں تو اتنی تھیں اور مصیبتیں ایسی اور حامی و مددگار ایک بھی نہیں، لیکن صد آفرین ہے ان مظلومین کے صبر وسکوت پر ہزار احسنت
رین کے استقلال و پائیداری پر اگر کسی شخص پر محض دو چار دن کے لیے ایسی مصیبتیں پڑ جاتیں تو وہ گھبرا کر یا تو جان دے ڈالتا یا
ت کی اطاعت کر لیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت و مصیبت میں پورے تین برس گزر گئے، لیکن ان کے پائے استقامت میں ذرا
ہوئی۔ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول کی حمایت و رفاقت پر یقین اور خدائے قادر و توانا کی نصرت و امداد پر توکل کیے خاموش
ور ان تمام مصائب کو رضا بقضہ وتسلیما لامرہ کہہ کہہ کر جھیل گئے اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا؟ کسی فرد واحد نے منہ سے اف بھی
ب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک و محویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے آپ محاصرہ
ضیق النفسی کے عالم میں بھی ہدایت وارشاد سے باز نہ رہے بلکہ عزلت کی خاص صحبتوں میں آپ کو اس کے ادا کرنے کا بہتر
۔ مبتدایان اسلام رات کے پردے میں مخالفین سے آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپا کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس معلم
یم ایمانی حاصل کرتے تھے ابن ہشام لکھتے ہیں:

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واله وسلم یدعوا قومه لیلا ونهاراً سرا وجهاراً منادیا بامر اللّٰہ))

ب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح وشام مخفی اور علانیہ طور پر اور اللہ کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔"
ل کی انتہائی سختی کی ایسی ہی ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک رات ہاشم ابن عمرو ابن حرث عامری جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ تین
لے کر گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ قریش کو اس کا پتہ چل گیا وہ صبح بنی ہاشم کے پاس پہنچے اور اس سے باز پرس کی۔ ہاشم نے کہا:
آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جو آپ کے خلاف ہوتی ہو۔"
س کے بعد ایک رات پھر وہ ایک اونٹ یا ایک قول کے مطابق دو اونٹوں پر کھانا لے کر گھاٹی میں پہنچ آئے۔ قریش کو اس کا بھی
س دفعہ قریش سخت غضب ناک ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے ہاشم پر حملہ آور ہوئے۔ مگر اسی وقت ابوسفیان نے کہا:

''اسے چھوڑ دو۔ اس نے صلہ رحمی یعنی رشتے داروں کا حق پورا کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ میں خدا کے نام پر حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم ایسا کرتے تو کوئی بری بات نہ ہوتی۔''

اس زمانے میں جناب ابو طالب کی آنحضرت ﷺ کے سلسلے میں احتیاط اور فکر کا یہ حال تھا کہ ہر رات وہ آنحضرت ﷺ کو آپ کے بستر پر سونے کے لئے لٹا آتے اور پھر جب سب لوگ سو جاتے تو وہ آپ ﷺ کو جگا کر وہاں سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں میں سے کسی اور کو آپ کے بستر پر آپ کی جگہ لٹا دیتے تا کہ کہیں کوئی دشمن چپکے سے آپ کو اغوا کر کے نہ لے جائے۔

پھر مسلمانوں کے اس گھاٹی میں قیام کے زمانے میں ہی حضرت عبداللہ ابن عباس پیدا ہوئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ دیمک نے قریش کے لکھے ہوئے اس حلف نامے کو چاٹ لیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو اس بات کی خبر دی۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر کہا:

''روشن ستاروں کی قسم۔ تم نے کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔!''

اس کے بعد جناب ابو طالب بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لوگوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اس گھاٹی سے کعبے کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی یہ خبر اپنے گھر والوں کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ پھر اب آپ کی کیا رائے ہے۔ ابو طالب نے کہا:

''میری رائے ہے کہ تم سب اپنے بہترین لباس پہنو اور قریش کے پاس جاؤ اور اس سے پہلے کہ یہ بات ان تک پہنچے تم ان کو جا کر یہ اطلاع دو۔''

چنانچہ وہ لوگ گھاٹی سے روانہ ہوئے اور ڈرتے ڈرتے مسجد حرام تک پہنچے۔ قریش نے ان لوگوں کو یہاں دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ مصیبتوں سے گھبرا کر نکل آئے ہیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لئے مشرکوں کے حوالے کر دیں۔ یہاں پہنچ کر ابو طالب نے ان لوگوں سے گفتگو کی اور کہا:

''ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات بہت طول اختیار کر گئے ہیں، اس لئے اب تم لوگ اپنا وہ حلف نامہ لے کر آؤ۔ ممکن ہے ہمارے تمہارے درمیان صلح کی کوئی شکل نکل آئے۔''

ابو طالب نے اصل بات بتلانے کے بجائے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ کہیں قریش حلف نامہ سامنے لانے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کیونکہ اس کے بعد وہ اس کو لے کر ہی نہ آتے۔ غرض وہ لوگ حلف نامہ لے کر آ گئے اور اب انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا، کیونکہ یہ تمام عہد و پیمان اور حلف نامے آنحضرت ﷺ کی اسی وجہ سے ہوئے تھے۔

حلف نامے کی تحریریں لا کر انہوں نے ان کے سامنے رکھ دیں اور ابو طالب اور ان کے ساتھیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہنے لگے:

''تم لوگوں نے ہمارے اور اپنے اوپر جو مصیبت ڈالی تھی آخر اب اس سے پیچھے کیوں نہیں ہٹتے۔''

ابو طالب نے کہا:

''میں تمہارے پاس ایک انصاف کی بات لے کر آیا ہوں جس میں نہ تمہاری بے عزتی ہے نہ ہماری۔ وہ یہ ہے کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے کہ اس حلف نامے پر جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کیڑا مسلط فرما دیا ہے۔ جس نے اس میں سے وہ تمام حصے چاٹ لئے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے نام لکھے ہوئے ہیں، اب اس میں صرف تمہارے ظلم و جفا اور زیادتیوں کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسے میرے بھتیجے نے بتلائی ہے تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ تو پھر تم اپنی غلط رائے سے باز آؤ لیکن اگر تم باز نہ آئے تو بھی اللہ کی قسم! جب تک ہم میں سے آخری آدمی بھی زندہ ہے ہم محمد کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر میرے بھتیجے کی بات غلط نکلی تو ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ پھر تم چاہے اس کو قتل کرو اور چاہے زندہ رکھو۔''

اس پر قریش نے کہا:

''ہمیں تمہاری بات منظور ہے۔''

اب انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ جناب ابو طالب جو خبر لے کر آئے ہیں وہ بالکل صحیح ہے، یہ دیکھ کر ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا:

''یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔''

ایسے لوگوں کا ظلم اور سرکشی اس واقعہ کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی مگر ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اس بات پر نادم اور شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے:

''اب یہ سختی ہماری طرف سے اپنے بھائیوں پر ظلم ہے۔''

اس تحریر کو پھاڑے جانے کا تفصیلی واقعہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہشام ابن عمرو ابن حرث ایک رات زہیر ابن امیہ ابن عاتکہ بنت عبدالمطلب کے پاس آئے۔ یہ دونوں حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غرض ہشام نے زہیر سے کہا:

''زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم دونوں وقت آرام سے روٹی کھاتے ہو، اچھے سے اچھا لباس پہنتے ہو جبکہ تمہاری ننہال کے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نہ وہ کوئی چیز خرید سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں؟''

زہیر نے کہا:

''ہشام تم بتاؤ میں تنہا آدمی کیا کروں! خدا کی قسم! اگر کوئی ایک آدمی بھی میرا ساتھ دینے والا ہوتا تو میں اب تک کبھی کا اس تحریر کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہوتا۔''

ہشام نے کہا:

''دوسرا آدمی تو موجود ہے۔''

زہیر نے کہا:

''وہ کون ہے؟''

ہشام نے کہا:

''میں ہوں!''

زہیر نے کہا:

''ایک آدمی اور اپنے ساتھ ملاؤ۔''

چنانچہ ہشام مطعم ابن عدی کے پاس گئے اور اس سے بولے:

''مطعم! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ بنی عبد مناف کے دونوں خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیں اور تم تماشہ دیکھتے رہو؟''

مطعم نے بھی وہی جواب دیا:

''بتاؤ میں اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہوں جبکہ کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے۔''

ہشام نے کہا:

''تمہارا ساتھ دینے کو دوسرا آدمی موجود ہے!''

مطعم نے پوچھا:

''وہ کون ہے۔؟''

ہشام نے کہا:

''میں ہوں۔''

اب مطعم نے کہا:

''ایک تیسرا ساتھی اور ہونا چاہئے۔''

ہشام نے کہا:

''میں نے تیسرے کا بھی انتظام کر لیا ہے۔''

مطعم نے پوچھا:

''وہ کون ہے۔؟''

ہشام نے کہا زہیر ابن امیہ۔ مطعم نے کہا کہ پھر ایک چوتھے آدمی کا اور انتظام کر لو۔

اب ہشام کہتے ہیں کہ میں ابو البختری کے پاس گیا اور اس سے بھی میں نے وہی بات کی جو مطعم سے کی تھی۔ ابو البختری نے کہا:

''اس کام میں ہمارا کوئی مددگار بھی ہے۔''

میں نے کہا:

''ہاں مددگار بھی ہیں۔''

ابو البختری نے کہا:

''وہ کون ہیں۔''

میں نے کہا:

''زہیر ابن امیہ، مطعم ابن عدی اور خود میں اس کام میں تمہارے ساتھ ہیں۔''

ابو البختری نے کہا:

''ایک پانچویں آدمی کا انتظام اور ہونا چاہئے۔''

ہشام کہتے ہیں کہ اب میں زمعہ ابن اسود کے پاس گیا اور میں نے اس سے بات کی۔ اس نے بھی یہی بات پوچھی کہ کیا اس معاملے میں کوئی ہماری مدد کرنے کو بھی تیار ہوگا۔؟ میں نے اس کو چاروں آدمیوں کے نام بتلائے۔

اس کے بعد یہ پانچوں آدمی رات کے وقت حجون کے مقام پر جمع ہوئے۔ یہاں انہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ اور عہد کیا کہ ہم اس حلف نامے کو پھاڑنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور اس کام کو پورا ہی کر کے دم لیں گے۔ زہیر نے کہا کہ میں اس سلسلے میں پہل کروں گا اور

لوگوں سے بات کروں گا۔

صبح یہ لوگ حرم میں قریشی مجلسوں میں پہنچے۔ ادھر زہیر نے صبح ہوتے ہی اپنا حُلّہ پہنا اور بیت اللہ میں آ کر طواف کیا۔ اس کے بعد یہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے:

''مکے والو! کیا ہم اطمینان کے ساتھ اچھے سے اچھا کھاتے اور اچھے سے اچھا پہنتے رہیں اور بنی ہاشم اور بنی مطلب اس بے کسی کے ساتھ ہلاک ہو جائیں کہ نہ وہ کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ اور انسانیت سوز حلف نامہ نہیں پھاڑ دیا جائے گا۔''

یہ سنتے ہی ابوجہل ایک دم چیخا:

''تو بکتا ہے۔ خدا کی قسم! اس حلف نامہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جا سکتا۔''

اس پر ایک دم زمعہ ابن اسود اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ابوجہل کو پھٹکارتے ہوئے کہا:

''سب سے زیادہ بکواس تو خود کرتا ہے۔ جب یہ حلف نامہ لکھا گیا تھا تو ہم اس سے متفق نہیں تھے۔''

اسی وقت تیسرا ساتھی ابوالبختری اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پکار کر کہا:

''زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔''

اسی وقت مطعم اٹھا اور اس نے اعلان کیا:

''ان دونوں نے ٹھیک کہا ہے۔ ان کے مقابلے پر بولنے والا بکواس کرتا ہے۔ ہم اس حلف نامے اور اس کے مضمون سے خدا کے سامنے بری ہوتے ہیں۔''

یہ سن کر ہشام ابن عمرو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی یہی بات کہہ کر اپنے ساتھیوں کی تائید کی۔ اب ابوجہل نے بے کسی کے ساتھ کہا:

''یہ سازش رات ہی کی تیار کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔''

اسی وقت مطعم ابن عدی نے اٹھ کر اس حلف نامے کو پھاڑ ڈالا۔

غرض اس تحریر کو پھاڑ دینے کے بعد یہ پانچوں آدمی وہاں سے اٹھے۔ اب ان کے ساتھ اور بہت سے لوگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہتھیار پہنے اور سیدھے اس گھاٹی میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں آ جاؤ۔ چنانچہ سب اسی وقت نکل کر اپنے گھروں پر پہنچ گئے اور اس طرح تین سال یا ایک روایت کے مطابق دو سال تک قریشیوں کے انسانیت سوز مظالم اور بنی ہاشم کی کسمپرسی کا یہ باب بند ہوا۔

جب جناب ابوطالب مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے اور قریش کو معلوم ہوا کہ ابوطالب کی بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے:

''حمزہ اور عمر بن خطاب جب سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے محمد کا معاملہ قریش کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے چلو ابوطالب کے پاس چلتے ہیں تا کہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارے متعلق وعدہ لے لیں اور ہم سے اپنے بھتیجے کے متعلق وعدہ لے لیں کیونکہ خدا کی قسم! کہیں دوسرے لوگ ہمارے اس معاملے کو ہم سے چھین نہ لیں۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قریش نے کہا:

''ہمیں ڈر ہے کہ اس بوڑھے کے مرنے کے بعد کہیں ہم محمد کو قتل نہ کر دیں اور پھر عرب ہمیں شرم دعار دلائیں کہ جب تک محمد کا چچا زندہ رہا ہم اس کو کچھ نہ کہہ سکے اور چچا کے آنکھیں بند کرتے ہی ہم اس پر چڑھ دوڑے۔''

اس مشورہ کے بعد قریش کے معزز لوگ جناب ابوطالب کے پاس گئے، ان لوگوں میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ، نیز ابوجہل، اُمیہ بن خلف اور ابوسفیان بھی تھے (ابوسفیان بعد میں فتح مکہ کی رات میں مسلمان ہو گئے تھے۔)

غرض وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ایک شخص مطلب کو اجازت لینے کے لئے اندر بھیجا۔ اس نے اندر جا کر ابوطالب سے ان لوگوں کے واسطے اجازت لینے کے لئے کہا:

''باہر آپ کی قوم کے بزرگ اور سردار کھڑے ہوئے ہیں جو اندر آنا چاہتے ہیں۔''

ابوطالب نے کہا:

''بلالو۔''

اب یہ سب اندر ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے بولے:

''ابوطالب! ہم لوگوں میں آپ کی جو حیثیت ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''ابوطالب آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں۔ اب جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کا آخری وقت آ پہنچا جس کا ہمیں ڈر تھا ادھر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے اور ہمارے درمیان کس قسم کے معاملات چل رہے ہیں۔ اس لئے آپ ان کو بلایئے اور ہم سے ان کے متعلق عہد لے لیجئے اور ان سے ہمارے متعلق عہد دلا یئے تا کہ وہ ہم سے یکسور ہیں۔ وہ ہم سے ہمارے دین سے کوئی مطلب نہ رکھیں اور ہم ان کے دین سے بے تعلق ہو کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔''

جناب ابوطالب نے اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہاں ابوطالب اور ان لوگوں کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، ابوجہل کو ڈر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ نہ بیٹھ جائیں اور اس طرح آپ کو مجلس میں ایک نمایاں اور ممتاز جگہ مل جائے گی، اس لئے اس نے جلدی سے اُچھل کر اس جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے قریب بیٹھنے کی جگہ نظر نہیں آئی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

مگر کتاب وفا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ نہ دیکھ کر لوگوں سے کہا:

''میرے بیٹھنے کے لئے میرے چچا کے پاس جگہ خالی کرو۔''

قریشیوں نے کہا:

''ہم جگہ نہیں خالی کریں گے۔ اگر تمہاری رشتہ داری ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہم سے زیادہ حق دار ہو کیونکہ تمہاری طرح ہماری بھی ان سے رشتے داری ہے۔''

تب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''بھتیجے یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔''

اور ایک روایت میں ہے:

''یہ تمہاری قوم کے بزرگ اور سردار تم سے عہد لینے اور تمہیں عہد دینے آئے ہیں۔''

ایک روایت میں یوں ہے:

''تم سے انصاف مانگنے آئے ہیں۔''

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

''تمہاری قوم کے یہ سردار تم سے جو مانگنے آئے ہیں وہ ان کو دے دو۔ یہ انہوں نے انصاف کی بات کہی ہے کہ تم ان کے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو اور یہ تمہارے معبود کے بارے میں اپنی زبانیں بند کرلیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ اگر میں تمہارا سوال پورا کروں تو تم میری صرف ایک بات پوری کردو جس سے تم پورے عرب پر چھا جاؤ گے اور سارا عجم یعنی غیر عرب علاقہ تمہارے نقش قدم پر چلنے لگے گا یعنی تمہارا پیرو اور نیاز مند بن جائے گا۔''

ابو جہل نے فوراً کہا:

''ضرور۔ میں تمہاری دس باتیں پوری کرنے کو تیار ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم یہ کہہ دو لا الٰہ الا اللہ اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہو ان کو چھوڑ دو۔''

یہ سنتے ہی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانی شروع کردیں۔ پھر کہنے لگے:

''محمد! کیا تم اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دینا چاہتے ہو۔؟ تمہاری بات بھی عجیب ہے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

((صٓ O والقرآن ذی الذکر O بل الذین کفروا فی عزّۃٍ وشقاقO))

''ص۔ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے، بلکہ خود یہ کفار ہی تعصب اور حق کی مخالفت میں ہیں۔'' (ص: ۱ تا ۳)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ مشرکوں نے کہا:

''کیا ہماری تمام ضرورتوں کے لئے تنہا ایک خدا کافی ہوسکتا ہے؟''

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''ہم سے کوئی اور بات کہو۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس پر ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''بھتیجے! کیا اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوسکتی جو تم ان سے مانگو کیونکہ تمہاری قوم اس بات کو پسند نہیں کرتی۔''

آپ نے فرمایا:

''چچا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے مشرکوں سے فرمایا:

''اگر تم سورج بھی لاکر میرے ہاتھ میں رکھ دو تب بھی میں تم سے اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔''

مشرکوں نے مایوس ہوکر ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ خدا کی قسم! تم جو کچھ اس شخص سے چاہتے ہو یہ اس میں سے تمہیں نہیں دے سکتا۔ چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر عمل کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ

فرمادے۔

اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے ابوطالب کے یہاں سے اٹھتے ہوئے کہا:
''خدا کی قسم! ہم تمہیں بھی گالیاں دیں گے اور تمہارے اس معبود کو بھی جو تمہیں اس قسم کے حکم دیتا ہے۔''
ایک قول ہے کہ اسی واقعہ کی بنیاد پر یہ آیت نازل ہوئی:

((ولا تسبّوا الّذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدوًا بغیر علم))

''اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔'' (الانعام:۱۰۹)

مگر کتاب نہر میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار قریش نے ایک دفعہ ابوطالب سے یہ کہا تھا (جس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی):
''یا تو تم محمد کو ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے اور ان میں عیب ڈالنے سے روک لو ورنہ ہم بھی محمد کے معبود کو برا بھلا کہیں گے اور شعروں میں اس کی ہجو کریں گے۔''

غرض جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں سے وہ بات کہی جو پچھلی سطروں میں بیان ہوئی تو ابوطالب نے آپ سے کہا:
''خدا کی قسم! بھتیجے! میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے کوئی نا قابل عمل اور غلط بات نہیں مانگی۔''
یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمید ہوئی کہ شاید خود ابوطالب بھی راستی اور حق کو قبول کر لیں گے، اس لئے آپ فوراً اپنے چچا سے کہنے لگے:
''چچا۔ آپ ہی یہ کلمہ کہہ دیجئے تا کہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔''
غرض جب ابوطالب نے اپنے اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو دیکھی تو انہوں نے کہا:
''خدا کی قسم بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تمہیں اور تمہارے خاندان والوں کو شرم و عار دلائیں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ میں نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہہ دیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کرتا کیونکہ اس سلسلہ میں تمہارے شوق اور تمہاری تمنا کا مجھے احساس ہے۔ مگر اب میں اپنے بزرگوں عبدالمطلب، ہاشم اور عبد مناف کے دین پر مرتا ہوں۔''
اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

((انّك لا تهدی من احببت ولكنّ اللہ یهدی من یّشآء وهو اعلم بالمهتدین۝))

(القصص:۵۶)

''آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم بھی اُسی کو ہے۔''
مقاتل سے روایت ہے کہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا تھا:
''اے بنی ہاشم! محمد کی اطاعت کرو، ان کو سچا جانو اور فلاح و ہدایت پالو۔''
اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے چچا! آپ جو نصیحت دوسروں کو کر رہے ہیں اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے۔''

ابوطالب نے کہا:

''بھتیجے! تم کیا چاہتے ہو؟''

آپ نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کے لئے اس کلمے کے کہنے کی گواہی دے سکوں۔''

ابوطالب نے جواب دیا:

''بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد لوگ شرم دلائیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ابوطالب سے کلمہ پڑھنے کو کہتے رہے اور وہ انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نہ روک دے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

((ما کان للنّبی والّذین امنوآ ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوآ اُولی قربٰی من بعد ما تبیّن لھم انّھم اصحاب الجحیم))

''پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔'' (التوبہ:۱۱۳)

ایک روایت ہے کہ جب ابوطالب کا آخری وقت آ پہنچا تو ان کے پاس قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جمع ہو گئے اور ابوطالب نے ان کو وصیتیں اور نصیحتیں کیں، ان ہی میں سے یہ ہیں کہ انہوں نے کہا:

''اے گروہ قریش! تم اللہ کی مخلوق میں بہترین لوگ اور عربوں کا دل ہو۔ تم میں عزت مند بھی ہیں اور بہادر وفیاض اور خوش حال بھی ہیں، عربوں میں کوئی عزت ومقام ایسا نہیں جس کو تم نے حاصل نہ کر لیا اور کوئی شرف اور سرفرازی ایسی نہیں جس کو چھوڑ دیا ہو۔ اس طرح دوسرے لوگوں پر تمہیں ایک خاص فضیلت حاصل ہے اور اس کی بنا پر دوسرے لوگ تمہارے نیازمند ہیں۔ میں تمہیں اس گھر یعنی بیت اللہ کی تعظیم باقی رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں پروردگار کی خوشنودی چھپی ہے اور اسی میں زندگی کی سربلندی پوشیدہ ہے۔ رشتے داروں کی ہمیشہ خبرگیری کرتے رہنا، ان سے کبھی لاپرواہی نہ کرنا کیونکہ اسی میں مسرت اور اولاد کی کثرت وبرکت کا راز ہے۔ سرکشی اور شورہ پشتی سے ہمیشہ دور رہنا کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی کے نتیجہ میں ہلاک وبرباد ہوئی ہیں۔ بلانے والے کی آواز پر لبیک کہنا اور سائل اور مانگنے والے کو کبھی مایوس نہ کرنا کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ ہمیشہ سچائی اور امانت داری کو اپنا دستور بنائے رکھنا کیونکہ ان ہی خوبیوں سے بڑے لوگوں کے دلوں میں آدمی کی محبت اور عوام کے دلوں میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ میں تمہیں محمد کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کرنے

کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑے امین ہیں، عربوں میں سب سے زیادہ سچے اور ان تمام خوبیوں کے مالک ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں۔ وہ ایک ایسا پیغام لے کر آئے ہیں جس کو دلوں نے قبول کر لیا ہے لیکن دشمنی کی وجہ سے زبانوں نے انکار کر دیا ہے۔ خدا کی قسم ایسا لگتا ہے جیسے میں مستقبل میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے چور اور لٹیرے نیز نیکوکار اور اچھے لوگ اور کمزور بے بس لوگ جوق در جوق ان کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں اور ان کے پیغام کو قبول کر کے ان کی بات کو اونچا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ موت کی سختیوں میں کود کر انہیں گلے لگا رہے ہیں۔ اور پھر قریشی سردار اور معزز لوگوں کی حیثیت عام آدمیوں سے زیادہ نہ رہی۔ وہ خانہ خراب ہو گئے اور ان میں کئی کمزور لوگ اختیار اور عزت والے ہو گئے۔ آج کے عظیم اور مرتبے والے لوگ کل سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج بن گئے۔ جو آج محمد سے بہت دور ہیں کل وہ ان کے ہمدم و ہم نشین بن گئے۔ عرب نے اپنی محبت و خیر خواہی کے ساتھ اپنی باگ ڈور ان کو دے دی۔ اس لئے اے گروہ قریش! تم ہی محمد کے ساتھی بن جاؤ اور تم ہی ان کی جماعت کے حامی و مددگار بن جاؤ۔ خدا کی قسم! ان کے سیدھے راستے پر چلنے اور یہ سعادتیں حاصل کرنے میں تم پیش پیش رہنا!''

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جناب ابو طالب نے خفیہ اسلام قبول کر لیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب کا آخیر وقت آ پہنچا تو انہوں نے بنی مطلب کو بلایا اور ان سے کہا:

''تم نے محمد سے جو کچھ سنا اور اس پر عمل کیا تو اس میں ہمیشہ تمہارے لئے خیر ہوگی۔ اس لئے ان کی پیروی کرو اور بھلائی حاصل کرو۔''

مگر ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ کو قریش نے اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ ابو طالب کی زندگی میں وہ ممکن نہیں تھیں، یہاں تک کہ ایک قریشی شریر نے آپ کے سر مبارک پر کوڑا ڈال دیا آپ اسی حال میں اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی یہ حالت دیکھ کر ایک دم آپ کے پاس آئیں وہ روتی جاتی تھیں اور کوڑا صاف کرتی جاتی تھیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرما رہے تھے:

''نہ رو۔ نہ رو بیٹی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔''

آپ فرماتے تھے:

''ابو طالب کی موت تک قریش کبھی مجھ سے اتنا بڑا معاملہ نہیں کر سکے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو طالب کے انتقال کے بعد جب یہ دیکھا کہ کفار قریش ہر طرف سے آپ پر چڑھ دوڑے ہیں تو آپ نے حسرت سے ابو طالب کو یاد کرتے ہوئے فرمایا:

''اے چچا کتنی جلد مجھے احساس ہو گیا کہ میں آپ کو کھو چکا ہوں۔''

شعب ابی طالب کی محصوری سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے ہمراہیوں کی رہائی، نبوت کے دسویں سال میں ہوئی۔ مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق کے مطابق یہ مدت تین سال تھی جس کا آغاز ماہ محرم نبوت کے ساتویں سال سے ہوا تھا۔ اس طویل عرصہ میں محصورین کو جن مصیبتوں، دشواریوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔

ان جانگداز اور روح فرسا تکالیف کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق تبلیغ کم نہیں ہوا۔ ان مصائب نے اس میں اضافہ ہی کیا، ذوق و شوق میں افزائش ہی ہوئی۔ ظالمانہ حصار کے ٹوٹ جانے کے بعد ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا فریضہ رسالت

پہلے سے کئی گنا زیادہ سرگرمی سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اب حالات قدرے پرسکون رہتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری قوت سے پوری یک سوئی سے گم کردہ راہ مخلوق کو صراط مستقیم کی طرف راہبری کرتے لیکن قدرت الٰہی کی حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے، اس محاصرہ کو ختم ہوئے ابھی پورا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مشفق و مہربان چچا حضرت ابوطالب داغ مفارقت دے کر عالم جاودان کو سدھارے۔ قلب و جگر کو پارہ پارہ کر دینے والے اس صدمہ پر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی اجل کو لبیک کہا اور فردوس بریں میں جا کر فروکش ہوگئیں۔ یہ دو صدمے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب نازک کے لئے بڑے غم انگیز اور اندوہناک صدمے تھے اس لئے اس سال کو ''عام الحزن'' (غم و اندوہ کا سال) کے نام سے موسوم کیا گیا۔

سیدہ خدیجہ وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور عظمت کو پہچانا تھا اور اپنا تن من دھن آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد پچیس سال کے سفر زندگی میں بے پناہ مشکلات پیش آئیں، مگر سیدہ خدیجہ نے ان مشکلات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خندہ پیشانی سے ساتھ دیا۔ جب قریش مکہ ہر وقت آپ کو دکھ دینے کے منصوبوں پر عمل میں مصروف رہتے تھے، تو سیدہ ہر وقت آپ کو سکھ اور سکون پہنچانے کی فکر میں لگی رہتی تھیں۔ وہ مکہ کے ایک سردار خاندان کی بیٹی اور خواتین کی سردار تھیں۔ مال و دولت، عزت و وقار ان کے پاس ہر چیز وافر تھی اور انہوں نے اپنی ہر چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر قربان کر دی تھی، سیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگسار بیوی، بہترین مشیر اور گھریلو ریاست کی منتظم تھیں۔ وہ اس ریاست کو چلانے کے علاوہ بنانے میں بھی بے مثل تھیں۔ ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی بھی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ کے لئے اطمینان بخش سہارا تھے اور سیدہ خدیجہ آپ کے لئے حوصلہ اور قوت کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا:

''خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مجھ سے وفاداری کے سبب سے مجھ کو ان کی یاد مرغوب ہے۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگ میری مدد کرنے سے ڈرتے تھے، تو وہ چٹان کی مانند مضبوطی سے میرے ساتھ کھڑی رہیں۔ وہ میری بہترین ساتھی تھیں اور میرے بچوں کی ماں بھی۔''

سیدہ کے بطن سے رسول اللہ کی چھ اولادیں پیدا ہوئیں۔ دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔ صاحبزادے تو کم سنی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ جب سیدہ خدیجہ کی وفات ہوئی تو آپ کی دو بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ دو بیٹیاں حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ گھر میں تھیں۔ حضرت فاطمہ کی عمر ابھی چھوٹی تھی۔ آٹھ نو سال کے قریب ہوگی۔ حضرت علی نے بھی حضور کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی۔ وہ بھی ابھی چھوٹے ہی تھے۔ اس طرح بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

جناب ابوطالب کی وفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بزرگ کی حمایت سے محروم ہو گئے جسے سارے قریش مکہ مل کر بھی آپ سے الگ نہیں کر سکے تھے۔ ابوطالب اور ان کی وجہ سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے آپ کے لئے اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال کر مصائب اٹھائے۔ ابوطالب کی وفات سے یہ حمایت اور مدد ختم ہوگئی۔ سیدہ خدیجہ کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر اور بچوں کی فکر نہ ہوتی تھی۔

دونوں کی وفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو اور سیاسی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

آپ نے ان مصائب اور مشکلات کا بھی مقابلہ کیا اور توحید کے مشن کے سلسلے میں بھی پہلے کی طرح ہی سرگرم رہے۔

ان دونوں کے ایک ہی سال میں وفات پانے کے واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے:

وقضیٰ عمہ ابو طالب و الدھر

فیہ السراء و الضَّراء

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوگئی اور زمانے کی چہل پہل جوں کی توں باقی ہے۔''

ثم ماتت خدیجۃ ذٰلِکَ العام

ونالت من احمد المنا

''پھر اسی سال حضرت خدیجہ نے بھی وفات پا کر احمد مصطفیٰ ﷺ کے غم کو دوبالا کر دیا۔''

تبلیغ اسلام کیلئے سفر طائف...... کفار کا معاہدے کے لیے آنا اور عام الحزن:

جب آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد احمق قریشیوں کی آپ ﷺ پر سختی بڑھتی گئی اور وہ کھلم کھلا آپ ﷺ کی ایذاء رسانی پر اُتر آئے، تو آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر طائف جانے کا فیصلہ کیا کہ شاید وہ لوگ آپ ﷺ کو وہاں رہنے کے لیے جگہ دیں، اور قریش کی زیادتیوں سے آپ ﷺ کو بچائیں۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے ان کو توحید کی دعوت دی، تو توقع کے برخلاف نہ کسی نے آپ ﷺ کو رہنے کے لیے جگہ دی، اور نہ کوئی آپ ﷺ کی مدد کے لیے تیار ہوا، بلکہ آپ ﷺ کو سخت ترین تکلیفیں دیں، ایسی تکالیف آپ ﷺ کو اپنی قوم سے بھی نہیں پہنچی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زید ؓ بن حارثہ بھی تھے۔ آپ ﷺ وہاں صرف دس دن رہ سکے، اس عرصہ میں آپ ﷺ نے وہاں کے ہر سردار سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، مگر سب نے یہی جواب دیا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اسی پر بس نہیں کی، بلکہ اپنے اوباشوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا۔ جنہوں نے بقول موسیٰ بن عقبہ پتھر مار مار کر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی کر دیئے اور آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے، دوسرے مورخین لکھتے ہیں:

''جب آپ ﷺ کو پتھر لگتے اور آپ ﷺ اس کے صدمہ سے بیٹھ جاتے تو وہ بدبخت بازوؤں سے پکڑ کر آپ ﷺ کو اٹھا دیتے۔ جب آپ ﷺ چلنے لگتے، تو پتھروں کی بارش شروع کر دیتے اور آپ ﷺ کو تلملاتا دیکھ کر خوب ہنستے۔ زید ؓ بن حارثہ آگے ہو کر آپ ﷺ کو بچاتے، حتیٰ کہ ان کے سر میں بھی کئی زخم لگے۔ اس سلوک کے بعد آپ ﷺ بڑے غمناک ہو کر طائف سے مکہ کی طرف چلے اور واپسی کے وقت آپ ﷺ نے یہ مشہور دُعا:

''الٰہی! میں تیرے حضور اپنی کمزوری کی شکایت کرتا ہوں، میری تدبیر نا کام ہے، اور میں لوگوں کے ہاں بے قدر ہوں! تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے، کمزوروں کو پالنے والا ہے اور مجھے بھی تو ہی پالنے والا ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ دور کے دشمن کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آتا ہے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ الٰہی! اگر تو ناراض نہیں، تو مجھے اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں، مگر تیری عافیت زیادہ وسیع ہے، میں تیرے نور کے ساتھ جس سے سب اندھیرے دور ہو گئے ہیں اور دنیا و آخرت کے سارے معاملے سلجھ گئے ہیں، تیرے غضب سے اور تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں، جب تک تو راضی نہ ہو، تیری رضا کا طلب گار ہوں، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت تیرے ہی عطا کرنے سے ہے۔''

اس کو ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دُعا آپ ﷺ نے اس وقت کی، جب اہل طائف نے اپنے اوباشوں اور اپنے

ﷺ کے خلاف بھڑکا دیا، جو آپ ﷺ پر آوازے کستے اور آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، حتیٰ کہ انکا شور وشغب سن کر لوگ جمع
نے آپ ﷺ کو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کیا، جب کہ وہ دونوں بھی وہاں موجود تھے، وہاں
وباش واپس چلے گئے، جو آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے، جب آپ ﷺ نے ذرا آرام کا سانس لیا تو یہ دُعا فرمائی تھی!
کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کا نگران فرشتہ) بھیجا، جس نے آپ ﷺ سے اجازت
ین" کو جو مکہ کے دونوں جانب پہاڑ ہیں، اہل مکہ پر ٹکرا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
ا کے لیے مہلت طلب کرتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا کر دے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت
راس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔"
حضرت عائشہ ؓ کے واسطہ سے امام بخاری اور مسلم نے ذکر کی ہے۔
کا بیان ہے:
بہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھ اہل طائف کے اس سلوک کو دیکھا، تو ان میں
ا رگ پھڑکی اور انہوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ آپ کے لیے بھیجا، جب آپ
نے لگے، تو پہلے "بسم اللہ کہا اور پھر انگور کھائے۔ یہ سن کر عداس نے آپ ﷺ کا چہرہ بغور دیکھا اور کہا:
نم! اس شہر کے لوگ تو یہ کلام نہیں بولتے۔"
نے اس سے پوچھا:
شہر کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟"

ائی ہوں اور نینوی شہر کا رہنے والا ہوں۔"
نے فرمایا:
صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔"
:
کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"
نے فرمایا:
ائی ہے اور میری طرح وہ بھی نبی ہے۔"
اس جھکا اور اس نے آپ ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ عتبہ اور شیبہ نے یہ دیکھا، تو ایک نے
سے کہا:
تیرے غلام کو خراب کر دیا۔"
واپس آیا، تو وہ دونوں کہنے لگے:
م پر افسوس ہے! تم نے اس کے سر اور اُس کے ہاتھ، پاؤں کو کیوں بوسہ دیا؟"

''میرے آقا! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے وہ بات بتائی ہے، جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

وہ دونوں بولے:

''عداس! تم پر افسوس ہے! دیکھنا! کہیں یہ تم کو تمہارے دین سے برگشتہ نہ کردے، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

معراج النبی:

ہجرت سے تقریباً تین سال قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان کی سیر کروائی گئی، جسے معر سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی سفر کے دوران نماز اور روزے فرض کیے گئے۔

یہ واقعہ اسراء اور معراج کے نام سے مشہور ہے۔ ''اسراء'' کے معنی رات میں لے جانے کے ہیں۔ یہ حیرت انگیز معجزانہ (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور پھر وہاں سے ملاء اعلیٰ تک بجسد عنصری رات ہی کو ہوا تھا۔ اس لئے اس سبب مجید نے اسے اسراء سے تعبیر کیا ہے۔

''معراج'' عروج سے مشتق ہے، جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ نیز معراج زینہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ المرسلین ﷺ نے اس شب میں ملاء اعلیٰ کی مناسب ارتقاء طے فرماتے ہوئے سبع سماوات، سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند خداوندی کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ بعد ازیں آپ ﷺ نے اس رفیع الشان اور جلیل القدر سفر کی تفصیلات بیان فرماتے ہوئے ''عر اوپر چڑھایا گیا، کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اسی لئے اس عدیم النظیر اور فقید المثال واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے۔

مکی زندگی کا روح فرسا و جاں گداز باب قریب الاختتام اور ہجرت کے بعد رافت و راحت اور طمانیت کے ایک نئے ہونے والا تھا کہ اس مبارک شب کی وہ ساعت ہمایوں آئی، جو دیوان قضا میں سرور دو عالم ﷺ کی ہفت افلاک کی سیر کے لئے جس میں پیش گاہ ربانی سے خالص احکامات کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔

رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو زرق و برق سامان سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے کہ شاید سارا عالم یہ آنے کو ہے۔ روح الامین کو ارشاد ہوا کہ وہ سواری جو بجلی سے تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام اور خطہ لاہوت کے مسافر وا ریز رو ہے، حرم ابراہیمی (کعبہ) میں لے کر فوراً حاضر ہوں۔ کارکنان عناصر کو مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین معطل کر دینے کا حکم صادر ہوا اور زمان و مکان، سفر و اقامت روایت و سماعت اور تخاطب و کلام کی طبعی پابندیاں اٹھالی گئیں۔

ہجرت سے کچھ عرصہ قبل ایک شب سرور کونین رحمت دارین ﷺ حطیم میں آرام فرما رہے تھے۔ بیداری اور نیند کی درمیا میں دیکھا کہ حضرت جبرائیل چند فرشتوں کے ساتھ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے، جہاں سینہ نور کر کے قلب اطہر نکالا اور اسے زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان و حکمت سے معمور سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جبرائیل نے وہ ایمان خزانہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں رکھ کر اسے برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا ایک جانور جسے براق کہا جاتا ہے لایا گیا۔ جب آپ ﷺ ا ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔ جبرائیل نے کہا شوخی نہ کر۔ آج تک تیری پشت پر حضرت محمد ﷺ سے زیادہ برگزیدہ کوئی آدمی ہوا۔ براق یہ سن کر پسینہ پسینہ ہو گیا۔

براق کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس کا ہر قدم نگاہ کی آخری حد تک پڑتا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور قلابہ میں باندھا جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ نماز سے ف

جب باہر نکلے تو جبرئیل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کیے۔ آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبرئیل کہنے لگے: آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ جبریل کی معیت میں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ پہلے آسمان میں حضرت آدم، دوسرے میں حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ، تیسرے میں حضرت یوسف، چوتھے میں حضرت ادریس، پانچویں میں حضرت ہارون، چھٹے میں حضرت موسیٰ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابراہیم بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے تھے۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ جس کے گنبد جواہرات کے اور زمین کستوری کی تھی۔

آپ ﷺ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کچھ اور آگے بڑھے تو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ جس پر انوار تجلیات کا نظارہ کیا۔ پھر شاید مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت اور نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

((فاوحی الی عبدہ ما اوحی))

اسی موقعہ پر آپ ﷺ کو ایک رفیع الشان تحفہ مرحمت ہوا کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ جب آپ کا گزر حضرت موسیٰ کے پاس سے ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون سا تحفہ عطا کیا گیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ میں اپنی قوم کو آزما چکا ہوں، آپ کی امت بھی یہ بھار نہیں اٹھا سکے گی۔ بہر حال متعدد بار اس میں تخفیف کی استدعا کرنے کے بعد پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔

صبح کے وقت حضور اقدس ﷺ نے کعبہ شریف میں رؤسائے قریش کے سامنے اس واقعہ کو بیان فرمایا جسے سن کر وہ سخت حیران ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ قریش میں اکثر شام کے تاجر تھے جنہوں نے بیت المقدس کو بار بار دیکھا تھا، وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کا قول صحیح ہے تو بیت المقدس کی ہیئت بتائیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اس سے سخت پریشانی لاحق ہوئی، کیونکہ آپ بیت المقدس کا نقشہ دیکھنے کی غرض سے تو گئے ہی نہیں تھے، لیکن اللہ کریم نے فی الفور مادی پردے ہٹا کر پوری عمارت آپ ﷺ کے سامنے جلوہ گر کر دی۔ کفار سوال کرتے جاتے تھے اور آپ ﷺ دیکھ کر جواب دے رہے تھے۔

ان دنوں حضرت ابو بکر صدیق سفر پر گئے ہوئے تھے، جب واپس تشریف لائے تو یہ واقعہ سن کر بلا تامل اس کی تصدیق فرمائی، کیونکہ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ آمنہ کے لال کی معیت میں گزارا تھا۔ ابو بکر صدیق کو عین الیقین تھا کہ حضور ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے غلط بات صادر ہو ہی نہیں سکتی۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتدا......عقبہ اولیٰ و ثانیہ:

رحمت اللعالمین، فخر کون و مکاں، سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی ایمان پرور صدا چہار دانگ عالم میں پہنچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار فرمائی۔ حج کے عالمی اجتماع سے بھی آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دور دراز شہروں اور ملکوں سے آئے ہوئے مختلف قبائل کی قیام گاہوں میں جا کر انہیں توحید کی دعوت دینے کا معمول بنا رکھا تھا۔

اسی دوران مدبر عالم اور کارساز تکوینیات نے اوس و خزرج کو معاشی اور اقتصادی پس ماندگی سے دوچار کر دیا جس کے باعث وہ قریش سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نبوت کے گیارہویں سال کا تذکرہ ہے کہ قبیلہ بنو عبد الاشہل کے کچھ لوگ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ

آئے اور قریش سے مذاکرات شروع کیے۔ اسی اثناء میں ایک رات رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شمع رسالت فروزاں کرنے کی غرض سے عقبہ کے مقام سے گزرے جہاں کچھ دل کش و دل آویز آوازیں سنائی دیں، وہ لوگ یثرب سے آئے ہوئے خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ چند تعارفی جملوں کے بعد ہادیٔ کل ختم رسل دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ قرآنیہ کی پُر کیف و وجد آفریں تلاوت سے ان کے قلوب کو گرمایا اور دعوتِ اسلام پیش فرمائی۔

یہ لوگ اپنے ہم وطن یہود سے رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور فضل و کمالات کا ذکر سنتے رہتے تھے۔ انکے دل حسد و عناد تمرد و مخالفت سے خالی اور ان کی زمین قلب توحید و رسالت کی تخم ریزی کے لیے ہموار اور تیار تھی۔

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سن کر تھوڑی سی دیر کے لیے استعجاب میں پڑ گئے۔ کیا یہی وہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن سے یہود ہمیں ڈرایا کرتے ہیں کہ امروز و فردا آفتابِ رسالت طلوع ہونے کو ہے جس کے سایۂ عاطفت میں ہم اوس و خزرج کو تہس نہس کر دیں گے، پھر باہم مخاطب ہو کر کہنے لگے:

''اس دولتِ غیر مترقبہ کو حاصل کرنے کے لئے سوچ و بچار اور تاخیر سے قطع نظر نورِ اسلام اور متاعِ ایمان حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہئے تاکہ یہود ہم سب سے پہلے ایمان کی دولت سے مالا مال نہ ہونے پائیں۔ یہ کہتے ہوئے سب یک زبان ہو کر توحیدِ الٰہی کی نغمہ سرائی کرنے لگے۔''

یہ لوگ قریش کے ساتھ مادی اور معاشی معاہدہ کر کے دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال سے بہرہ یاب تو نہ ہو سکے لیکن تاجدارِ مدینہ، جنت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر ایمان کی بیعت کر کے دو جہاں کی شاہی کی لازوال نعمت سے سرفراز ہو گئے۔

اس تاریخ ساز و انقلاب انگیز موقع پر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی اپنے آقا کے ہم رکاب تھے۔ فلکِ رسالت پہ طلوع ہونے والے درخشندہ و تابندہ ستارے ان ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابو امامہ بن اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار۔

۲۔ عوف بن الحارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار۔

۳۔ رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن زریق۔

۴۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

۵۔ عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بن کعب بن سلمہ السلمی۔

۶۔ جابر بن عبداللہ بن رئاب بن النعمان بن سنان۔

یہ قدسی نفوس قافلہ جب وطن مالوف پہنچا تو ہر کس و ناکس کو یہ ایمان افروز مژدہ سنایا کہ وہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں جن کے انتظار میں سارا عالم چشم براہ تھا۔ ہم نے ان کے چہرۂ انور کے نورِ تاباں سے اپنی آنکھیں منور کیں۔ ہمارے دلوں کو ان کے رخِ زیبا کے دیدار سے سرور نصیب ہوا اور ہمارے کان ان کے معجزہ نما کلام سے لطف اندوز ہوئے۔ جب ان حضرات نے اہلِ وطن کو اس روح پرور اور فرحت انگیز بشارت سے روشناس کیا تو پھر گھر گھر میں آپ کا ذکر خیر ہونے لگا۔ ان کی شب و روز تبلیغ سے اگلے سال دوگنی تعداد میں شمعِ رسالت کے پروانے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلِ مدینہ کی پہلی ملاقات اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اہلِ مدینہ نے اسلام قبول کیا تو گویا یہ حقیقت بھی مان لی کہ دین و ایمان کے آگے رنگ و نسل، زبان و وطن اور قومیت و عصبیت بے وقعت ہیں اور اچھائی کا سب

سے مستحکم ذریعہ ''دین'' ہی بن سکتا ہے، پھر انہیں یہ اطمینان وفخر بھی حاصل ہو گیا کہ وہ یہودیوں سے زیادہ مؤقر اور ان سے بہتر دین و کتاب کے حامل ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر اہل مدینہ کے الفاظ ہماری بات پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہیں:

((واللہ انه النبی الذی توعدکم به یهود فلا تسبقنکم الیه))

''واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم سے یہودی کرتے تھے۔ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے معاملہ میں وہ تم پر سبقت لے جائیں۔''

جہاں تک عقبہ کی ملاقات کا تعلق ہے تو اس کے اثرات بھی مدینہ کے سیاسی ماحول پر بہت گہرے پڑے وہ چھ افراد جو اسلام لا چکے تھے اور اس کی اشاعت کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔ وہ جب مدینہ واپس آئے تو پورے جذبہ وخلوص کے ساتھ اپنے اسلام کا برملا اظہار کرنے لگے۔ مدینہ میں جس نے اس پیغام کو سنا متاثر ہوا اور پھر کچھ ہی عرصہ میں اوس وخزرج کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سال بھر ان کا موضوع گفتگو بنی رہی۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مدینہ کے مخصوص حالات نے لوگوں کے دلوں میں جو تمنائیں پیدا کر دی تھیں، لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پورا ہونے کا وقت جلد آنے والا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے اوس اور خزرج رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سن 11 نبوی میں اوس وخزرج کے افراد مقام عقبہ میں حضور ﷺ سے ملے، اور شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، ناحق افراد پردازی سے بچنے اور حضور ﷺ کے حکم سے کسی حال میں سرتابی نہ کرنے کا عہد استوار کیا تو ان کی تعداد پہلے سے زائد یعنی بارہ تھی۔

اس لیے اہل مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ان کے یہاں کوئی معلم بھیجا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ روانہ فرما دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر اپنی شبانہ روز کی کوششوں سے تبلیغ واشاعت اسلام کا حق اس طرح ادا کیا کہ رفتہ رفتہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف بنی اوس میں سے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ تعلیم قرآن وحدیث اور اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مصعب مدینہ کے اہل ایمان کی نمازوں کی امامت بھی فرماتے تھے۔ یہ امامت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان کی اقتداء میں اوس، خزرج اور ایسے قبائل کے افراد شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے جو ابھی چند سال قبل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اور جو اپنی عداوت کو اس حد تک نہیں بھلا سکتے تھے کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کی امامت قبول کر لیں۔ لیکن حضرت مصعب کی امامت ان کے لیے نقطۂ اتحاد ثابت ہو رہی تھی۔

تاریخی مطالعہ کی رو سے بدترین دشمنوں کا ایک جگہ ایک صف میں اس طرح مجتمع ہو جانا اتنا بڑا انقلاب تھا جس کا جاہلی معاشرہ میں تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا، اسی لیے قرآن نے بطور احسانِ الٰہی کے اس خوشگوار انقلاب پر یوں تبصرہ کیا ہے:

((واذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتهٖ اخوانًا وکنتم علٰی شفا حفرةٍ من النار فانقذکم منها))

''اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے قریب تھے تو اس نے تم کو بچا لیا۔''

اور ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہوا:

((لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبهم))
''اگر آپ جو کچھ زمین ہے سارا خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت والفت کا پیدا کر دینا آپ کے لیے ممکن نہ تھا۔''

بہرکیف حضرت مصعب بن عمیر جن کا قیام مدینہ میں تقریباً ایک سال تک رہا نہ صرف تعلیم وتبلیغ اسلام کے فریضہ میں منہمک رہے بلکہ اس تمام مدت میں وہ مدینہ کے سیاسی، اجتماعی، تہذیبی وتمدنی اور معاشی ومعاشرتی حالات کا بھی بغور جائزہ لیتے رہے۔ غالباً ان کی ماموری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت بھی رکھی کہ وہ سابقین اسلام میں ہونے کی وجہ سے دین کی تعلیم وتربیت بھی بخوبی کر سکتے ہیں اور ذہین وہوشمند ہونے کی وجہ سے مدینہ کے حالات ومسائل کا براہ راست مطالعہ وتجزیہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ معلومات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے اقدامات کے تعین میں انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہیں، چنانچہ جب دوسرے سال حج کا موقع آیا تو حضرت مصعب مدینہ سے مکہ واپس آئے۔ ملاقات کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے مطلع کیا اور پھر غالباً حضرت مصعب نے ہی اہل مدینہ کی اس جماعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا انتظام کیا جو اپنے دیگر ہم وطنوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے آئی تھی۔ مورخین کی تصریح کے مطابق ملاقات کے لئے ایام تشریق کا درمیانی عرصہ مقرر کیا گیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

یہی وہ تاریخی موقع ہے جبکہ مقام عقبہ پر رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ کے درمیان وہ تاریخی عہد استوار ہوا جس نے نہ صرف عرب بلکہ بعد کی پوری عالمی تاریخ پر فیصلہ کن اثرات مرتب کئے اور ریاست نبوی ﷺ کے قیام کو فیصلہ کن مرحلہ میں داخل کر دیا۔

بیعت عقبہ کا انعقاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کے درمیان ذی الحجہ سنہ ۱۲ نبوی کی ۱۲ ویں شب کو بمقام عقبہ (منیٰ) عمل میں آیا۔ اہل مدینہ کا وفد ستر سے زائد نفوس پر مشتمل تھا۔ وہ حسب قرارداد ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ وقت چونکہ بہت کم تھا اور قریش کی جاسوسی کا خطرہ بھی پوری طرح موجود تھا اس لیے مصلحتاً مذاکرات کو طول نہیں دیا گیا اور مختصر بحث ومباحثہ کے بعد انصار نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ تمام خطرات کے علی الرغم رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کو اپنے شہر میں جگہ دیں گے، ان کی حمایت ونصرت اور حفاظت کریں گے، ہر حال میں اسلام پر قائم رہیں گے اور ہر موقع پر سمع وطاعت سے کام لیں گے۔

اس عہد یا بیعت کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ عہد فریقین کے درمیان انتہائی غور وخوض کے بعد وجود میں آیا تھا۔ اگر ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرد وپیش کی دنیا کا جائزہ لینے اور اہل مدینہ کے دو سالہ طرز عمل کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس مرحلہ تک پہنچے تھے تو دوسری طرف اہل مدینہ نے بھی بلا سوچے سمجھے محض تکلفاً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا تھا بلکہ نتائج کا پوری طرح ادراک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ چنانچہ عین اس وقت جبکہ یہ معاہدہ ہو رہا تھا تو عباس بن نضلہ انصاری نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''جانتے ہو کہ اس شخص سے کس بات کا پیمان باندھ رہے ہو۔؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں!''

پھر اس نے کہا:

''تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے لوگوں میں سے سرخ وسیاہ سے جنگ یعنی دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو، کیونکہ اللہ کی قسم! یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو دعوت تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اشرف کی ہلاکت کے باوجود نباہ لو گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کیونکہ اللہ کی قسم! یہ دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔''

اسی بات کو مدنی دفعہ کے ایک انتہائی کم سن اسعد بن زرارہ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا:

''اے اہل یثرب! ٹھہرو! ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج یہاں سے انہیں نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تمہارے لوگ قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی لہٰذا اگر اس کو برداشت کرنے کی طاقت تم اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر انہیں چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے۔''

اس پر اہل وفد نے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ جواب دیا تھا:

((فانا ناخذه علی مصيبة الاموال و قتل الاشراف))

''ہم اسے لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔

پھر اس اعلان کے بعد مذکورہ بیعت منعقد ہوئی۔

اس دوطرفہ معاہدہ کی رُو سے جہاں ایک طرف اہل مدینہ نے اپنے شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دینے، ہر حال میں آپ کی اطاعت، حمایت اور حفاظت کی ذمہ داری لی تھی تو دوسری طرف اُنہوں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ تو انہیں چھوڑیں گے نہ مکہ واپس آئیں گے۔ چنانچہ جب اہل مدینہ کی طرف سے یہ کہا گیا:

((يا رسول اللّٰه بيننا و بين الرجال حبالاً و انا قاطعوها يعنى اليهود فهل عسيت ان نحن فعلنا ذلك ثم اظهرك الله ان ترجع الیٰ قومك و تدعنا))

''یا رسول! ہمارے اور لوگوں کے درمیان پیمان وفا قائم ہیں اور ہم اس کو قطع کر دیں گے۔ مگر کہیں یہ تو نہ ہوگا کہ ادھر ہم یہود سے معاہدہ ختم کر دیں اور ادھر آپ کو غلبہ وقوت حاصل ہو تو آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم سے آ کر مل جائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور انتہائی یقین افروز انداز سے فرمایا:

((بلدالدم ! الدم ! والهدم الهدم! انا منكم و انتم منی ! احارب من حاربتم و اسلم من سالمتم))

''نہیں بلکہ میرا خون تمہارا خون، اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس یقین دہانی پر گویا معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدین و مبایعین سے

فرمایا:

''حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب کئے تھے تم بھی اپنی جماعت میں سے بارہ آدمی منتخب کرو۔''

پھر جب نقباء کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

ایک ایک نقیب نے کھڑے ہو کر حمد و ثناء اور اتباع نبوی کا اقرار کیا اور اس بات کا حلف اٹھایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہیں گے، ان کی مدد و نصرت کریں گے اور اپنے عہد و وفا کا پاس و لحاظ کریں گے۔

نقباء کا تقرر کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

((ان موسیٰ اخذ من بنی اسرائیل اثنی عشر نقیباً و انی اخذمنکم اثنی عشر فلا یجدن احد منکم فی نفسہٖ شیئا فانما یختار لی جبریل فلما سماھم قال انتم کفلاء علیٰ قومکم ککفالۃ الحواریین))

''حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بارہ سردار منتخب کئے تھے اور میں بھی تم میں سے بارہ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ پس تم میں کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہ ہو کیونکہ میرے لیے اسے جبرائیل نے کیا ہے، پھر جب ان کے نام گنائے تو آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی قوم کے ذمہ دار ہو حواریوں کی طرح۔''

توضیحات بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اہل یثرب کی تجویز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ آدمیوں کو نقیب مقرر کیا تھا یہ حضرات وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے قبائل و بطون میں غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے۔ مدنی معاشرہ میں اثر و رسوخ کے مالک تھے اور اپنے قبیلہ کے سردار یا کسی اہم ذمہ داری پر فائز تھے۔ مثلاً قبائل اس میں معزز ترین قبیلہ عبدالاشہل کا تھا اور سیادت عامہ اوس میں وراثۃ چلی آتی تھی۔ ان کا نقیب حضرت اسید بن حضیر کو بنایا گیا جن کے باپ حضیر الکتائب چند سال قبل جنگ بعاث میں اوس کے قائد سپہ سالار تھے اور داد شجاعت دیتے ہوئے اسی جنگ میں مارے گئے تھے۔ اپنے باپ کے بعد اپنی قوم میں سب سے معزز تھے اور صاحبان عقل و رائے میں شمار ہوتے تھے۔ دوسری طرف قبائل خزرج میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ بنونجار کا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اہل مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے والے یہی اسعد بن زرارہ تھے۔ جنہیں بنونجار کا نقیب بنایا گیا۔

نقباء کے فرائض میں جہاں مجموعی طور پر ان کے اپنے قبیلوں کی کفالت اور ذمہ داری شامل تھی اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی نگرانی کہ سمع و طاعت سے کسی حال میں انحراف نہ ہونے پائے، جو کچھ معاہدہ میں طے ہو چکا ہے اس کی حسب موقع تعمیل اور اپنی اپنی آبادی اور علاقے کے لوگوں کی ذہنی و اخلاقی نگہداشت کرنا بھی نقباء کا ہی کام تھا۔ اور یہ بھی فرض ان ہی کا تھا کہ تفتیش و تجسس کے ذریعہ ایک طرف تو رفتار کار کا اندازہ لگائیں اور دوسری طرف تحقیق حال کر کے نئی ریاست کی تاسیس کے لیے زمین ہموار کرنا بھی نقباء کے منصب کا تقاضا تھا۔

مختصر یہ کہ معاہدہ عقبہ کے ساتھ ساتھ نقباء کے تقرر کا فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ میں باقاعدہ طور پر اجتماعی نظم کی بنیاد قائم ہوگئی اور نقیبوں کے ذریعہ منظم سیاسی معاشرہ کی تعمیر کا کام پوری طرح شروع ہوگیا۔

اہل اسلام کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم:

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائی کی اجازت دے دی اور انصار نے اسلام پر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے تابعداروں کی امداد پر بیعت کر لی اور مسلمانوں کو ان کے ہاں رہنے کا موقع مل گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے مہاجروں اور آپ کے ساتھ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں اور اپنے بھائیوں انصار سے جا ملیں اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لیے بھائی بنا دیئے ہیں اور ایسا گھر مہیا کر دیا ہے جس میں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔''

چنانچہ مختلف جماعتوں کی صورت میں مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہجرت آ گیا اور آپ سیدنا ابوبکر کو ساتھ لے کر ہجرت فرما گئے۔

ہجرت مدینہ:

اسلام کا آفتاب عالمتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوئے اب تیرہ برس گزر چکے تھے، اس کی روپہلی کرنیں مدینہ کو منور کر رہی تھیں۔ اوس اور خزرج کے سعادت مند اور وفا شعار لوگ دعوت توحید کیلئے اپنے دامن پسار رہے تھے اور یہ فکر بھی دامنگیر تھی کہ شہنشاہ دو عالم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے میں مدینہ کے یہودی ان سے سبقت نہ لے جائیں۔

ادھر قریش بھی حیران تھے کہ محمد ﷺ اور ان کے جاں نثار ہمارے ظلم وستم اور جبر وتشدد کی چکی میں پس جانے کے باوجود بھی اپنے آقا پر پروانہ وار جان نچھاور کر رہے ہیں۔ مسلسل تین سال آل ہاشم کو شعب ابی طالب میں نظر بند رکھا۔ ان کا آب ودانہ بند کر دیا گیا۔ سخت ترین سوشل بائیکاٹ کے باوجود بھی ان کے عزم واستقلال میں زرہ برابر فرق نہیں آیا۔

بالآخر دار الندوہ میں جو قریش کا دار الشوریٰ تھا، تمام قبائل کے زعماء کی میٹنگ بلائی گئی، بہت سی تجاویز پیش ہوئیں اور مسترد کر دی گئیں۔ لیکن ابو جہل کی یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لے لیا جائے اور یک بارگی محمد (ﷺ) پر تلواروں سے حملہ کر کے (نعوذ باللہ) ان کا کام تمام کر دیں۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور آل ہاشم تنہا سب قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تا کہ جس وقت بھی آپ باہر آئیں تو حملہ کر دیا جائے۔

قریش کو رحمت کائنات ﷺ سے اس قدر شدید عداوت کے باوجود آپ کی امانت اور دیانت پر پورا اعتماد تھا اور اپنی امانتیں اس وقت بھی ان کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ تاہم نبی کریم ﷺ کو قریش کے ارادہ کی اطلاع ہو چکی تھی اور بارگاہ خداوندی سے ہجرت کا پروانہ بھی مل چکا تھا۔ اس لئے سیدنا علی المرتضیٰ کو بلا کر ارشاد فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے اور میں آج رات مدینہ طیبہ جا رہا ہوں۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ صبح کے وقت کفار کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ طیبہ آ جانا۔

(طبقات ابن سعد، جلد ا، عنوان ہجرت) (طبری، جلد ا، عنوان ہجرت)

اگر چہ اس رات رحمت للعالمین ﷺ کا بستر خواب گاہ قتل میں تبدیل ہونے کے امکانات ہویدا تھے، لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ بھی فرش گل تھی۔ چونکہ اس واقعہ میں حضور اقدس ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت، صبر وثبات، توکل علی اللہ اور صدیق اکبر کی ذات بابرکات کے ساتھ غیر معمولی محبت وشیفتگی کے علاوہ حسن انتظام، نفاست پسندی اور لطافت طبع کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلات بخاری شریف اور بعض دوسری کتب سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس واقعہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، اس کی تفصیلات ام المومنین عائشہ صدیقہ کی

زبانی روایت کی گئی ہیں:

''جب حضور انور ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو سیدنا صدیق اکبر نے بھی تیاری شروع کر دی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صدیق سے فرمایا: ''ابھی ٹھہر جاؤ، میں امید کرتا ہوں کہ مجھے بھی عنقریب اجازت مل جائیگی''۔ صدیق اکبر نے عرض کی: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟'' ارشاد ہوا: ''ہاں'' یہ سن کر ابو بکر صدیق نے تہیہ کر لیا کہ حضور اقدس ﷺ کی رفاقت ہی میں جاؤں گا اور اس مقدس سفر کے لئے دو اونٹنیوں کو کیکر کی پتیاں کھلا کر پالنا شروع کیا تاکہ بوقت روانگی ان پر سواری کریں۔ (صحیح بخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعرات کو مکہ سے غار میں اور پیر کے دن غار سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں وارد ہوئے۔ (فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۱۸۸)

مذکورہ واقع کے چار ماہ بعد ایک دن دوپہر کے وقت اچانک آپ ﷺ صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے۔ حسب دستور دروازہ پر دستک دی اور اجازت کے بعد گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے فرمایا: کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے لہٰذا سب کو ہٹا دو۔ صدیق اکبر نے عرض کیا: آپ کے حرم کے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے بڑی بیتابی سے عرض کیا: ''میرا باپ آپ ﷺ پر فدا ہو مجھے بھی ہمرکابی کا شرف نصیب ہو گا'' ارشاد ہوا: ''ضرور۔''

حضرت صدیق اکبر عرض پرداز ہوئے کہ میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ پسند فرمالیں۔ محسن کائنات کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا: ''بہت اچھا'' مگر بلا معاوضہ نہیں بلکہ میں قیمت ادا کروں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے مجبوراً قبول کر لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ اس وقت کمسن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماء نے سامان تیار کیا۔ دو تین دن کی خوراک توشہ دان میں ڈالی مگر اس کا منہ باندھنے کیلئے گھر میں کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے نطاق (دوپٹہ جسے عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں) کو پھاڑ کر توشہ دان کا منہ باندھا۔ اسی شرف کے باعث انہیں آج تک ''ذات النطاقین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۵۳)

امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹنی ۸۰۰ درہم میں خرید فرمائی تھی۔

(طبقات ابن سعد، جلد ۱، عنوان ہجرت)

کفار نے طے شدہ پروگرام کے مطابق آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اس تاک میں تھے کہ آپ باہر آئیں اور ہم اپنا منصوبہ پورا کریں۔ جب رات کافی گزر گئی تو قدرت نے انہیں بے خبر کر دیا۔ اس طرح حضور انور ﷺ اپنے گھر سے صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے اور وہاں سے دونوں جبل ثور کی طرف چل پڑے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر غار ثور میں روپوش ہو گئے۔

صدیق اکبر کے جواں سال صاحبزادے عبداللہ بڑے فہیم اور دانش ور تھے، وہ رات تو غار مین بسر کرتے اور علی الصبح شہر میں آکر قریش کے ساتھ گھر مل جاتے۔ قریش میں باہم جو مشورہ یا منصوبہ ہوتا اسے محفوظ کر لیتے اور جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دن بھر کی رپورٹ پیش کرتے۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۵۳)

صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دن کے وقت بکریاں چراتے اور شام کے قریب غار کی طرف لے جا کر ان کا دودھ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ اس طرح تین دن غار میں گزر گئے۔

صبح جب قریش کو اپنے منصوبہ میں ناکامی کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور آپ کی تلاش میں چاروں طرح آدمی دوڑائے۔ ان میں

وہ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور کے دہانہ تک پہنچ گیا، جن کے قدموں کی آہٹ پا کر رفیق غار غمزدہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ دشمن
ب پہنچ چکا ہے کہ اگر وہ اپنے پاؤں پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا، لیکن شفیق و رحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماظنك يا ابابكر باثنين الله ثالثهما))

بکر ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے۔" (بخاری، باب مناقب المہاجرین، جلد ا، صفحہ ۵۱۶)
رب کریم نے تسلی و تشفی کے لئے ارشاد فرمایا:

؟ تحزن ان الله معنا))

ر کی کوئی بات نہیں تم دونوں کے ساتھ اللہ کی ذات ہے۔" (سورۃ التوبہ)
موقع پر اللہ تعالیٰ کی قدرت نے عجیب کرشمہ دکھایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر غار میں تشریف فرما ہوئے تو غار کے
، درخت پیدا ہو گیا جس کی جڑیں اس کے منہ پر پھیل گئیں۔ ساتھ ہی مکڑی کو حکم ہوا کہ غار کے منہ پر جالا بنا دے۔ اور دو جنگلی
نے اس پر گھونسلہ بنا کر انڈے بھی دے دیئے۔ جب قریش نے ان چیزوں کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی آدمی نہیں ہے
تی کا وجود سالم نہ رہتا اور نہ ہی کبوتر کے انڈے محفوظ رہ سکتے تھے۔

(طبقات ابن سعد، جلد ا، عنوان ہجرت) (البدایہ والنہایہ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۲)

نہ علی بن سلطان محمد القاری نے اس موقعہ پر ایک روایت بیان کی ہے:
ب مشرکین غار کے قریب پہنچ گئے تو نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی یا اللہ انہیں اندھا کر دے۔ چنانچہ فی
ر سب کی بینائی سلب ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے اندھے ہو گئے، اور غار کے ازدگرد چکر لگا کر محروم واپس لوٹ
۔"

نہ موصوف لکھتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں کبوتر اور تار عنکبوتی والی روایت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، مشرکین کا اندھا
نبی کریم کے معجزہ کا اظہار تھا۔ (مرقاۃ، جلد ۱۱، صفحہ ۱۴۰)
محمد ابراہیم رفعت پاشا وائسرائے مصر نے جبل ثور کی بلندی ۵۰۰ میٹر بیان کی ہے۔ (مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۶۳)
ور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مشرفہ سے رخصت ہونے سے پہلے ہی ایک قابل اعتماد اور دیانتدار کافر عبداللہ بن اریقط کو
ہنمائی کیلئے مقرر کر لیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق چوتھے دن وہ دونوں اونٹنیاں لے کر جبل ثور کے پاس پہنچ گیا۔ اور
دار صلی اللہ علیہ وسلم رفیق غار اور عامر بن فہیرہ کی رہنمائی میں سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔
، دن رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کے وقت جب دھوپ زیادہ تیز ہو گئی تو جاں نثار نبوت سایہ دار جگہ تلاش
ے تا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائیں۔ آپ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ جہاں جگہ صاف
چادر کا بستر بنایا اور مولائے کل ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استراحت کیلئے درخواست کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کیلئے
ر پروانہ شمع رسالت اس جستجو میں نکلا کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو آقا کی خدمت میں پیش کروں۔ حسن اتفاق سے قریب ہی
بکریاں چرا رہا تھا۔ صدیق اکبر نے اسے دودھ دھونے کو کہا، جب وہ دوہنے لگا (از راہ نفاست اور غلبہ حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے
آپ نے اسے بکری کے گرد آلود تھن اور اپنے ہاتھ صاف کرنے کو کہا۔ اس کے باوجود برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا تاکہ گرد:
مل نہ پڑے۔

دودھ لے کر نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس میں تھوڑا سا ملانہ ملا کر ٹھنڈا کیا اور پھر آپ ﷺ نوش فرمایا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

''کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟''

حضرت صدیق اکبر نے عرض کی: وقت ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

(بخاری، جلد ا، مناقب مہاجرین، صفحہ ۵۱۵)

قریش جو اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے۔ اب ایک اور چال چلی کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابو بکر کو گرفتار کر کے لائے، اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ جب یہ بات سراقہ بن جعشم نے سنی تو انعام کی لالچ میں آپ ﷺ کی تلاش کیلئے نکل پڑا اور اتفاق سے اس نے حضور ﷺ کو دیکھ لیا۔

گھوڑے کو ایڑی لگائی اور فوراً آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، لیکن قدرت الٰہی سے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر گیا۔ اس وقت سراقہ نے ترکش سے تیر نکال کر فال لیا کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں اگرچہ جواب تو نفی میں ملا مگر سو اونٹوں کا گراں قدر انعام بھی ایسا نہ تھا جو ایک تیر کی بات سے پس پشت ڈال دیا جائے۔ وہ دوبارہ سوار ہو کر بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ آپ ﷺ کے پڑھنے کی آواز اسے سنائی دینے لگی، لیکن اچانک گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور زمین پر گر گیا۔ سراقہ نے ایک مرتبہ پھر تیروں سے فال لی مگر جواب نفی ہی میں ملا۔ جس پر وہ چونک گیا کہ یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بالآخر وہ امان کا خواستگار ہوا۔ جسے نبی الرحمٰن ﷺ اور صدیق اکبر نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور قریش کے انعام کی روداد سنائی اور امن کا پروانہ طلب کیا۔ صدیق اکبر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کیا اور وہ لے کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔

(بخاری، جلد ا، باب ہجرت النبی ﷺ، صفحہ ۵۵۴)

اس طرح یہ قافلہ منزل بہ منزل چلتے چلتے امن و امان کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گیا جہاں انصار کئی دنوں سے چشم براہ تھے۔

رسول اللہ کی مکی بیوی......سیدہ خدیجہ

پہلی عظیم خاتون:

مومنوں کی پہلی عظیم المرتبت ماں ملکہ بقاء ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ عظیم ہستی ہیں جن کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا ہی سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں ہوئیں سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سخت مشکلات و مصائب برداشت کیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان، اپنا مال اور اپنا سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ نثار کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچیس سال تک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے خدمت کی جیسے ایک کنیز اپنے آقا کی کرتی ہے۔ اسی لیے حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بھی کثرت سے آپ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ یاد کیا کرتے تھے یہاں تک کہ میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر رشک کرنے لگ پڑی۔

ین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عام الفیل سے پندرہ سال قبل 555 عیسوی کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

ضی اللہ عنہا کا نام "خدیجہ"، لقب "طاہرہ" اور کنیت "ام ہند" تھی۔

:

طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے!

دیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن
ن النضر بن کنانہ۔ قصی پر پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہا کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔
(طبقات ابن سعید، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 8)

اس سلسلہ نسب کے لحاظ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم
زیادہ قریب ہیں۔

طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے!

بنت فاطمہ بنت زائدہ بن جندب بن حجر بن مقیص بن عامر بن لوی۔ آپ کی والدہ لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے
اولاد سے تھیں۔

(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 218) (تاریخ طبری، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 121) (نسب قریش للمصعب الزبیری، صفحہ نمبر 22-21)

ین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد ایک کامیاب تاجر تھے اور نہ صرف اپنے قبیلے میں بڑی باعظمت
الک تھے بلکہ اپنی خوش حالی اور دیانتداری کی بدولت تمام قریش میں بڑے محترم اور ہر دلعزیز تھے۔ جب آپ نے مکہ میں
ی تو آپ کے عم زاد عبدالدار بن قصی آپ کے حلیف بنے۔ مکہ میں قیام کے تھوڑے عرصہ بعد یہیں پر فاطمہ بنت زائدہ سے
ن کے بطن سے وہ عظیم المرتبت بیٹی (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) پیدا ہوئی جس کے مقدر میں ام المومنین بننا لکھا جا چکا تھا۔
ویلد کے قابل ذکر کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے یمن کے بادشاہ تبع سے اس وقت ٹکر لی جب اس نے حجر
سے نکال کر اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے والد خویلد بن اسد حرب فجار کی لڑائی میں
اور اسی لڑائی میں کام آ گئے۔ ان کے بعد خویلد کے بھائی عمرو بن اسد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سرپرست
یل سے بیس سال بعد کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 9)

وایت کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد بڑھاپے کی وجہ سے اپنا وسیع کاروبار تجارت اپنی اکلوتی
للہ عنہا کے سپرد کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور اسی گوشہ نشینی کی حالت میں ہی وفات پائی۔ (تزکار صحابیات، صفحہ نمبر 30)

:

ن سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عرب کے شریف اور معزز ترین خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ
ی نہایت شریف النفس اور نیک طبع تھیں، آپ جب بڑی ہوئیں تو اپنے اعلیٰ کردار، پاکیزہ اخلاق اور فہم وفراست کی وجہ

سے ''طاہرہ'' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ عفت وعصمت ن صفات جمیلہ سے بھی نوازا تھا۔ (اصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 60)

شادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ رضی اللہ عنہا کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا ایک سردار کی بیٹی تھیں، بڑے ناز و نعم میں پلی بڑھی تھیں اور مال و دولت کی بھی فراوانی تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آیا مگر آپ کے والد نے اپنی بیٹی کی فہم و فراست کے پیش نظر ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کا انتخاب کیا جو کہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن بعد میں نا معلوم وجوہات کی بنا پر یہ رشتہ نہ ہو سکا اس طرح آپ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے ہوگئی۔ اس کا تعلق بنی اسد بن عمرو سے تھا۔ بعض مورخین نے اس کا نام و نسب ابو حالہ ھند بن ذرارۃ بن بناش تمیمی لکھا ہے۔ اکثر تواریخ میں اس کا نام ہند بھی آیا ہے۔ (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 79) (فتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 167)

اولاد:

ابو ہالہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ بعض روایات کے مطابق ہالہ زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گیا اور ھند کو شرف صحابیت حاصل ہوا۔

شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ابو ہالہ فوت ہو گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح عتیق بن عابد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم المخذ ومی سے ہو گیا۔ اس سے آپ کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ہند رکھا گیا۔ اس زمانے میں ہند نام لڑکے اور لڑکی دونوں کیلیے رکھا جاتا تھا۔ (عیون الاثر، جلد 1، صفحہ نمبر 109)

بعض مورخین نے کہا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا عتیق بن عابد مخزومی سے پہلے نکاح ہوا اور ابو ہالہ سے بعد میں۔ بہر حال اس بات پر تمام متفق ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور دونوں خاوند فوت ہو چکے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد زیادہ وقت خلوت گزینی میں گزارتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنا کچھ وقت خانہ کعبہ میں گزارتی اور کچھ زمانے کے مشہور کاہنہ عورتوں میں صرف کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپ رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے سب کو رد کر دیا اور پردہ نشین اور باعزت زندگی بسر کی۔

(تاریخ الرسل والملوک، از امام طبری، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 161-160) (التاریخ از یعقوب بن سفیان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 267 تا 269) (الدلائل النبوۃ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 283) (المسیرہ، از ابن اسحاق، صفحہ نمبر 245) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 253)

تجارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اُمّ المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے چونکہ والد اور دونوں خاوند انتقال کر چکے تھے اس لیے انہیں اپنے والد کے پیشہ تجارت کی خود نگرانی کرنی پڑی۔ آپ رضی اللہ عنہا میں فہم و فراست، معاملہ فہمی اور عقل و دانش تو عطیہ خداوندی تھی۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے اس کاروبار کو بہت احسن طریقے سے چلایا۔ جس سے آپ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ خود پردہ نشین تھیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا کاروبارِ تجارت چلانے کیلیے بہت سا عملہ رکھا ہوا تھا جو کہ عرب یہود عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے روابط شام و یمن میں تھے۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت ان ملازموں کے رحم و کرم

...ں قافلے کے ساتھ جاتے تھے۔ ان تمام کی نگرانی کیلئے آپ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو فہم فہراست اور ...ندی میں بے مثال ہو اور دیانت و امانت اس کی صفات ہوں۔

یہ وہ دور تھا جب مکہ کے ہر گھر میں اور ہر مجلس میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے چاند، معزز اور امانت دار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا تھا۔ جن کی امانت و دیانت کا ہر کوئی گواہ تھا۔ جن کی فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ قریش میں جب بھی کسی معاملہ پر اختلافات پیدا ہو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے باوجودیکہ آپ علیہ السلام ابھی نوعمر تھے مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کیلئے آخری اور حتمی ہوتا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کی خبر سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہا کی دلی خواہش ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال لے کر شام جائیں۔ انہی دنوں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی قافلہ شام کیلئے تیار تھا۔ اس کی خبر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو پہنچی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا!

"تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے میری خواہش ہے کہ تم بھی اس قافلے کے ساتھ تجارت لے کر جاؤ مگر پاس سرمایہ نہیں ہے کہ آپ کو سامان تجارت لے کر دے سکوں اس لیے آپ خدیجہ سے مل لیں اور ان کا سامان لے کر قافلے کے ساتھ جائیں۔" (التاریخ از یعقوب بن سفیان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 267 تا 269)

ابو طالب کی اس گفتگو کا پتہ جب سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو ہوا تو انہوں نے خود ہی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دیا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر جائیں۔ جتنا معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمایا۔ حضرت سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت و امانت کو دیکھ کر اس مرتبہ پہلے سے دوگنا مال تجارت کے لئے آپ علیہ السلام کے سپرد کیا اور چلتے وقت اپنا ایک خاص غلام "میسرہ" بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ کر دیا اور اسے کہا!

"محمد کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور راستے میں تم جو حالات و واقعات دیکھو وہ مجھے بتانا۔"

چنانچہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میسرہ نے قافلے کے ساتھ کوچ کیا تو میسرہ نے باریک بینی کے ساتھ صادق و امین نبی علیہ السلام کے اقوال و افعال کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ہر دن میسرہ صادق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، امانت، کرامت، حسنِ سلوک اور معاملہ فہمی کے انوکھے واقعات دیکھتا رہا۔ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت کے عجائبات اور خرید و فروخت میں خیر و برکت کو دیکھا اور اس نے وہ بادل بھی دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیتا تھا۔ اس نے درخت کا بھی معائنہ کیا جو اپنے تنے سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گیا اور اپنا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا اور راہب کی اس حیرت کا بھی مشاہدہ کیا جس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہا تھا!

"مَا نَزَلَ تَحْتَ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا نَبِيٌّ"

"اس درخت کے نیچے کبھی بھی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بیٹھا۔"

کیونکہ یہ راہب تورات و زبور کا عالم تھا اور اس نے پہلی ہی نظر میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات و زبور میں موجود نشانیوں سے پہچان لیا اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

"یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ"

"یہ اہل کتاب نبی علیہ السلام کو ایسے پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنی اولاد کو۔"

میسرہ نے یہ بھی دیکھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال تجارت کو بیچنے کیلئے لات وعزیٰ وغیرہ کی قسمیں نہیں کھاتے جو کہ اہل عرب کا خاصہ تھا۔ جو بھی ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی گرویدہ ہو جاتا۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام سالار قافلہ تھے، اس کے باوجود آپ علیہ السلام کا تمام قافلے والوں سے حسنِ سلوک اتنا مشفقانہ اور پیار بھرا تھا کہ ہر کوئی آپ علیہ السلام کی رحمت وشفقت کے موتیوں سے اپنا دامن بھر رہا تھا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے نہ صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سارا سامان پہلے سے کئی گنا منافع پر فروخت ہوا بلکہ تمام قافلے والوں کو بھی پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع حاصل ہوا۔ جب یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ واپس ہوا تو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پہلے آپ علیہ السلام کے استقبال کیلئے اپنی ہم جولیوں کے ساتھ اپنے بالا خانے میں موجود تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ جلدی جلدی اپنی مالکہ کے پاس پہنچ گیا اور سفر میں ہونے والے تمام واقعات اور کئی گنا منافع کا حال بیان کیا اور مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی وہ نعت بیان کی کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی عظمت وشان کی قائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرویدہ ہو گئیں۔ جب قافلے میں سید کونین علیہ السلام پر ان کی نظر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ سخت دھوپ ہے لیکن مصطفیٰ کریم علیہ السلام پر بادل نے سایہ کیا ہوا ہے۔

جب حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو انہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے باوقار انداز میں سفر کے حالات اور نفع تجارت کے بارے میں آگاہ کیا اور حساب و کتاب دینے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کارگزاری پر بہت خوش ہوئی اور جتنی رقم کا وعدہ ہوا تھا اس سے زیادہ رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔

(دلائل النبوۃ، للبیہقی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 62) (دلائل النبوۃ، لابی نعیم اصفہانی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 54) (سیرت ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 188) (الروج الانف، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 236) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 82) (خصائص الکبریٰ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 91) (نہایۃ الادب، جلد نمبر 16، صفحہ نمبر 85) (تاریخ طبری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 280) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 62) (مصنف عبدالرزاق، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 320) (ازواج النبی، لابن زبالہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 24)

حضور ﷺ کے ساتھ نکاح:

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ شام سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہو چکی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ خواہش جڑ پکڑ چکی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا جائے۔ سفر شام کے تمام حالات کا ذکر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کیا جو کہ تورات وزبور کے بہت بڑا عالم تھے تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ واقعات سچے اور صحیح بیان کئے ہیں تو پھر محمد اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والے ہیں اور جن کے آنے کا زمانہ بہت قریب ہے۔ (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 120)

ورقہ بن نوفل کے اس بیان کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا شوق مزید بڑھ گیا۔ مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ نمبر 798 پر حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خواب کا ذکر موجود ہے کہ آپ

رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ آسمانی سورج آپ کے گھر میں اتر آیا ہے اور اس کا نور آپ کے گھر سے ہر طرف پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ کوئی گھر بھی ایسا نہیں جہاں تک یہ نور نہ پہنچا ہو۔ جب آپ بیدار ہوئیں تو اپنا خواب اپنا چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو سنایا تو انہوں نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب آپ سے نکاح کریں گے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کے واپسی کے دو ماہ اور پچیس دن بعد اپنی چچازاد بہن نفیسہ بنت منیہ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ نکاح بھیجتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں کے مشورہ سے قبول فرمالیتے ہیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 312)(مصنف عبدالرزاق، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 320)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 310)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 182)(المعجم الکبری للطبرانی، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 182)(دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 190)(ازواج النبی ،از لابن زبالہ، صفحہ نمبر 25)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 220)(السیر والمغازی، لابن اسحاق، صفحہ نمبر 82-81)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح قبول کرنے کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ مقررہ دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے چچا ابو طالب، سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر رؤساءِ قریش کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آپ کے چچازاد ورقہ بن نوفل، آپ کے چچا عمرو بن اسد اور دیگر رشتہ دار موجود تھے۔ سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے الفاظ یوں ملتے ہیں!

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَزَرْعَ اِسْمَاعِیْلَ وَضِئْضِئِ وَعُنْصَرَ مُضَرٍ وَّجَعَلَنَا حَفَظَةَ بَیْتِهٖ وَاسْوَاسِ حَرَمِهٖ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْبًا وَّحَرَمًا اٰمِنًا وَّجَعَلَنَا الْحُكَّامَ عَلَى النَّاسِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِمَّنْ لَّا یُوَازِنُ بِهٖ حَتّٰی مِنْ قُرَیْشٍ اِلَّا رَجَعَ بِهٖ شَرْفًا وَّنُبْلًا وَّفَضْلًا وَّعَقْلًا وَّاِنْ كَانَ فِی الْمَالِ قَلَّ فَاِنَّهٗ ظِلٌّ زَائِلٌ وَعَارِیَةٌ مُسْتَرْجَعَةٌ وَّلَهٗ فِیْ خَدِیْجَةَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَغْبَةٌ وَّلَهَا فِیْهَا مِثْلُ ذٰلِكَ"

(روض الانف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 122)

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذریت، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل معد کی اصلب اور مضر کے عنصر سے پیدا فرمایا۔ اور ہمارے لیے ایسا گھر مقرر کیا جس کا قصد کر کے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو امن والا بنایا اور ہم کو اپنے گھر کا امین اور محافظ مقرر کیا۔ پھر ہم کو اور لوگوں پر حاکم بنایا۔ اما بعد۔ محمد وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی شرف، رفعت اور عقل وفضیلت میں آپ کے ساتھ تولا جائے تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ مال کے لحاظ سے کم ہیں لیکن مال ایک زائل ہوجانے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد کے نکاح کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہ آپ سے نکاح کی طرف مائل ہے۔ ان کا مہر میرے مال سے ادا کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ معجّل ہو یا غیر معجّل۔"

جناب ابو طالب کے خطبہ نکاح ختم ہوتے ہی سیدہ خدیجہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بطور ولی اٹھے اور خطبہ دیا:

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور ہمیں ایسی ہی فضلتیں عطا فرمائیں جیسی

کہ آپ نے شمار کیں۔ ہم عرب کے سرداراور راہنما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور عظمت وشرف کا انکار نہیں کر سکتا اور ہمیں آپ کی شرافت وجاہت وقومیت سے تعلق پیدا کرنے میں رغبت ہوئی ہے۔ پس اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بن خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔''

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو جناب ابو طالب نے کہا!

''بہتر ہوگا کہ عمرو بن اسد جو کہ اس وقت خدیجہ کے سرپرست ہیں وہ بھی اس کی توثیق کر دیں۔''

اس پر عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا!

''اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دے دیا۔''

حق مہر:

اُم المومنین سیدہ خدیجہ اکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت عمر چالیس سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ جو کہ پانچ سو طلائی درہم بنتا ہے مقرر ہوا۔

بعض مورخین نے چار سو مثقال حق مہر بیان کیا ہے اور کچھ نے بیس اونٹ ذکر کیا ہے۔ یہ شادی اعلان نبوت سے پندرہ سال قبل ہوئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد اول، صفحہ نمبر 84) (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 424) (سیرۃ النبوۃ لابن کثیر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 267) (سیرۃ ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 189) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 221) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 64) (مصنف عبد الرزاق، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 320) (ازواج النبی، صفحہ نمبر 25) (تہذیب فی نووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 346)

بے مثال رفیقۂ حیات:

اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے پہلے دن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں اپنی جان و مال کے ساتھ ایسی مستغرق ہوئیں جیسے کہ ایک لونڈی اپنے آقا کے لیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال واسباب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا جس کی وجہ سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر معاش سے نجات مل گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خدمت کی کہ ساری زندگی کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا برابر بھی رنج پہنچا ہو۔ بلا شبہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس ذی عظمت خاتون نے اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر اور اپنی مالی خوشحالی کی بنا پر دشمنوں کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا۔ انہوں نے عام گھریلو عورتوں کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی ذات میں ہی نہیں لگائے رکھا بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت گزینی سے واپس تشریف لاتے تو بڑی خندہ پیشانی اور پیار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتیں اور جس قدر توشہ کی ضرورت ہوتی تیار کرتیں اور کبھی بھی گلہ نہ کرتیں کہ آپ مجھے کم وقت دیتے ہیں۔

اولاد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح سے لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند رکھا گیا۔ دوسرے نکاح سے آپ کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ہالہ دوسرے کا نام ہند تھا۔ جیسا کہ پہلے کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں ''ہند'' عورت اور مرد دونوں

کا نام رکھا جاسکتا تھا۔(الاستیاب،جلدنمبر 1،صفحہ نمبر 1549)

سیدنا ہند رضی اللہ عنہ:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا ہند رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔آپ رضی اللہ عنہ بڑے فصیح و بلیغ تھے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت شان بیان کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے!

''میں باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ عزت والا ہوں۔کیونکہ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میری ماں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، میرا بھائی قاسم رضی اللہ عنہ ہے اور میری بہن سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔''

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی کنیت ''ام ہند'' انہی کی وجہ سے تھی۔

(طبقات ابن سعد،جلدنمبر8،صفحہ نمبر15)(تہذیب الاسماء والصفات،جلدنمبر2،صفحہ نمبر342)(سخاوی،جلدنمبر1،صفحہ نمبر40)

روایات کے مطابق سیدنا ہند رضی اللہ عنہ بصرہ میں طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے اور ان کے جنازے میں بہت زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔لوگ اپنے جنازوں کو چھوڑ کر ان کے جنازے میں اس لیے شریک ہوئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (بیوی کے بیٹے) تھے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ:

سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوالقاسم'' کی کنیت اختیار فرمائی۔یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ ابھی چلنے کے قابل ہی ہوئے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صاحبزادے کا نام سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کا نہایت ہی چھوٹی عمر میں وصال ہو گیا۔آپ رضی اللہ عنہ اعلانِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔اس لیے اکثر مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے طیب و طاہر ان ہی کے لقب تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

(مجمع الزوائد، بابِ اولاد رسول، جلدنمبر9، صفحہ نمبر217)(طبقات ابن سعد، جلدنمبر1، صفحہ نمبر 85)(المعارف، لابن قتیبہ، صفحہ نمبر61)(جمرۃ الانساب العرب، صفحہ نمبر 61)(حیات القلوب، از ملاں باقر مجلسی، جلدنمبر2، صفحہ نمبر298)(منتھی الامال، از عباس قمی، جلدنمبر1، صفحہ نمبر108)(اصول کافی، صفحہ نمبر279)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اطہر سے بعثت کے دس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام بہن بھائیوں سے بڑی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش پر ہوا۔ابوالعاص رضی اللہ عنہ سیدہ خدیجہ کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ان کا نام تواریخ میں لفیظ، مقسم، قاسم اور یاسر

بھی آیا ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ فوراً ہی اسلام قبول کرلیا۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت تو اسلام قبول نہ کیا مگر ہجرت مدینہ کے سال بعد یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ''علی'' اور ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام ''امامہ'' تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال 8 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں جو کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے تین سال بعد اور بعثت نبوی سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہا سے ہو ہوا جو کہ غیر قریشی تھے تو ابوطالب کی وساطت سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کیلئے ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا پیغام نکاح آیا اس غرض سے کہ کہیں ان کا نکاح بھی غیر قبیلے میں نہ ہو جائے۔ کچھ سوچ بچار کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے قبل سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ سے اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے کر دیا۔ چونکہ ابھی یہ بالغ نہ تھیں اس لیے ان دونوں کی رخصتی نہ ہوئی۔ جب سورۃ لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا!

''رَأْسِیْ مِنْ رَّأْسِکُمَا حَرَامٌ اِنْ لَّمْ تُفَارِقَا ابْنَتَیْ مُحَمَّدٍ''

''جب تک تم دونوں محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے میرا سر تم سے جدا رہے گا۔''

چنانچہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبل از رخصتی طلاق دے دی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بحکمِ خدا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو مکہ میں اس جوڑے کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ......

''اَحْسَنَ زَوْجَیْنِ رَاٰهُمَا اِنْسَانٌ رُقَیَّةُ وَزَوْجُهَا عُثْمَانُ''

''انسانوں میں سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہ اور عثمان کا جوڑا ہے۔''

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کے ساتھ قائم کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی طرف۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''لوط علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک صاحبزادہ پیدا ہو جن کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ رکھا گیا۔ یہ چھ سال کی عمر میں 4 ہجری کو وصال فرما گئے۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال 2 ہجری میں اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ بدر کیلئے تشریف لے گئے تھے اور جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ پہنچے اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین ہو رہی تھی۔

کلثوم رضی اللہ عنہا:

ہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی آمنہ بنت محمد اور کلثوم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے چھ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ جیسا کہ حضرت سیدہ رقیہ کے مختصر حالات میں کہ ان کا نکاح ابولہب کے لڑکے عتیبہ سے ہوا لیکن رخصتی سے قبل ہی ''سورۃ لہب نازل ہونے کے سبب انہیں طلاق دیدی گئی۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی 3 ہجری کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا!

جب میری بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو میں بہت رویا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا!

''کیوں رو رہے ہو؟''

میں نے عرض کیا!

''اس لیے روتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری دامادی کا تعلق منقطع ہو گیا۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ جبرائیل ہیں انہوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا ہے کہ میں تیرے ساتھ رقیہ کی ہمشیرہ کا نکاح کردوں اور اسی کے مہر کی مثل مہر مقرر کروں۔''

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال 9 ہجری میں ہوا۔

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا:

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نام مبارک فاطمہ بنت محمد اور القابات زہرا، سیدۃ النساء العالمین، بتول، خاتون جنت، سیدہ، زاہدہ، طاہرہ، صالحہ، طیبہ، وغیرہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت اعلانِ نبوت کے پہلے سال ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکتالیس سال تھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے 2 ہجری میں غزوۂ بدر سے واپسی پر رمضانُ المبارک کے بعد ہوا، اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا کی عمر ... سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ذوالحجہ میں ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو مثقال چاندی مقرر رہا۔

ایک اور روایت کے مطابق سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا!

''اس سفید کاغذ پر کیا لکھا ہے؟''

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے کہا!

''جب میرا نکاح آپ سے ہونے لگا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا!

''اے فاطمہ! تیرا نکاح علی سے چار سو مثقال چاندی مہر پر کرنے لگا ہوں کیا تجھے قبول ہے؟''

میں نے عرض کیا!

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! علی مجھے منظور ہے مگر اتنا مہر منظور نہیں۔''

اتنے میں جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جنت اور اس کی نعمتیں فاطمہ کا مہر مقرر کرتا ہوں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی خبر دی تو میں اس پر بھی راضی نہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''تو خود ہی بتا کہ تیرا مہر کیا ہو؟''

تو میں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہر وقت امت کے غم میں رہتے ہیں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ کی گناہ گار امت کی بخشش میرا مہر مقرر ہو۔''

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام واپس گئے اور جب واپس آئے تو یہ کاغذ کا ٹکڑا لے کر آئے جس پر لکھا تھا!

''جَعَلْتُ شَفَاعَةَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَدَاقَ فَاطِمَةَ''

''میں (اللہ تعالیٰ) نے امت محمد کی شفاعت فاطمہ کا مہر مقرر کیا۔'' (جامع المعجزات المصری، صفحہ نمبر 62)

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت تھی کہ اتنی کسی دوسرے سے نہ تھی۔

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے تین صاحبزادے تھے۔ پہلے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، دوسرے جناب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور تیسرے جناب حضرت سیدنا محسن رضی اللہ عنہ (ان کا وصال بچپن میں ہی ہو گیا تھا)۔ آپ رضی اللہ عنہا کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ پہلی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، دوسری حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور تیسری حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان کا وصال بھی قبل از بلوغ ہو گیا تھا۔

روایات کے مطابق جب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا آخری وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے خود اپنے ہاتھوں سے آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں اور اپنے دونوں شہزادوں امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو تیار کیا۔ جب حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دریافت کی تو انہوں نے کہا!

''آج میں نے خواب میں اپنے ابا جان علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں جب میں نے پوچھا کہ آپ کس کا انتظار فرما رہے ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیٹی! میں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس لیے میں نے جان لیا کہ اب ہماری جدائی کا وقت آ گیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کیلئے بھیجا اور خود ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر عرض کیا!

''امی! میرے لیے پانی لائیں تا کہ میں غسل کر لوں۔''

اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں نے پانی رکھ دیا تو سیدہ نے اس طرح غسل فرمایا کہ میں نے اس خوبی کے ساتھ غسل کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا پھر انہوں نے مجھ سے اپنے نئے کپڑے طلب کیے جو کہ پہلے سے ہی تیار تھے وہ میں نے انہیں پیش کیے تو انہوں نے ان کو زیب تن کیا اور مجھ سے کہا کہ میرا بستر کمرے کے درمیان بچھا دیا جائے۔ میں نے بستر بچھا دیا تو آپ اس پر پہلو کے بل قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ لیا اور پھر مجھے کہا!

"یَا اَمَتَہ اِنِّی مَقْبُوْضَۃُ الْاٰنِ وَقَدْ تَطَھَّرْتُ فَلَا یَکْشِفُنِیْ اَحَدٌ"

"اے امی جان! عنقریب میں دنیا سے رخصت ہونے والی ہوں اور میں نے غسل کر لیا ہے اس لیے کوئی بھی غسل کیلئے میرا جسم نہ کھولے۔" (مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 462)

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس کو بلا کر ارشاد فرمایا!

"میرے ابا جان کے ایامِ مرض میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بہشتی کافور لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے لیے رکھ لیا تھا اور دو حصے مجھے عطا کیے تھے اور مجھے فرمایا تھا کہ ایک حصہ تمہارے لیے اور ایک حصہ علی کیلئے ہے۔ اب اس کافور کی مقدار چالیس مثقال ہے اس لیے بیس مثقال میرے جسم کے لے آؤ۔ جو فلاں جگہ پر پڑا ہے اور باقی بیس مثقال علی کے لئے سنبھال کر رکھ لو۔"

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

"جب میں نے وہ بیس مثقال سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیے تو آپ نے فرمایا کہ اے اسماء! اب تو باہر چلی جا تاکہ میں اپنے پروردگار سے کچھ عرض و معروضات کر لوں۔ پھر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گنہگار امت کی بخشش کی دعا کی۔"

وصال سے قبل آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کو ڈولی نما چارپائی پر لے جایا جائے، میرے جنازے کو رات ہی میں اٹھایا جائے اور کسی غیر کو میرے جنازے کی اطلاع نہ دی جائے۔

بوقت وصال حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 28 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ ایک روایت کے مطابق حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا نے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہا نے پڑھایا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

نکات:

1: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کی طرح زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی ترک کر دی تھی اور ان سے بے زار ہو گئیں تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

"بخدا! میں کبھی بھی لات و عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔"

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"لات کو جانے دیجئے۔ عزیٰ کو جانے دیجئے، آپ ان کا نام بھی نہ لیں۔"

2: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ (مسند امام احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 222)

3: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"خَیْرُ نِسَآئِھَا مَرْیَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ وَخَیْرُ نِسَآئِھَا خَدِیْجَۃُ بِنْ خَوَیْلَدٍ"

(صحیح المسلم، جلد نمبر 2، کتاب الفضائل، صفحہ نمبر 284)

"مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تمام عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔"

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط رقم فرمائے۔ پھر

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا!

''تم جانتے ہو یہ خط کیا ہیں؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسبِ معمول عرض کیا!

'' وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ''

''اللہ اور اللہ کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔''

اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا!

''اَفْضَلُ نِسَآءِ اَهْلِ جَنَّةٍ خَدِيْجَةُ بِنْتِ خُوَيْلَدٍ وَّفَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ وَّمَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةَ بِنْتِ مَزَاحِمَ اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 293) (مسند ابویعلی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 159) (مستدک حاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 160) (نسائی فی فضائل صحابہ صفحہ نمبر 252) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 336) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223)

''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل چار عورتیں ہیں۔ پہلی خدیجہ بنت خویلد، دوسری فاطمہ بنت محمد، تیسری مریم بنت عمران اور چوتھی آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی۔''

5: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ!

جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں شوربا، کھانا یا پانی ہے، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیے اور میری طرف سے بھی اور انہیں جنت میں ایسے گھر کی خوشخبری سنائیں جو کھوکھلے موتی کا بنا ہوا ہے جس میں نہ کسی قسم کا شور ہوگا اور نہ کوئی تکان۔''

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جبرائیل علیہ السلام کا پیغام سنایا تو وہ کہنے لگیں!

''اللہ ہی سلام ہے (یعنی وہ خود بھی سلامت ہے اور دوسروں کو بھی سلامت رکھنے والا ہے) اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو۔''

(الصحیح البخاری، مناقب الانصار، باب تزویج النبی خدیجہ وفضلھا، حدیث نمبر 3821) (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 133) (الصحیح المسلم، فضائل صحابہ، باب فضائل خدیجہ، حدیث نمبر 887) (السنن الترمذی، باب فضل خدیجہ، حدیث نمبر 3876) (السنن النسائی، باب فضائل صحابہ، حدیث حضرت انس) (مسند امام احمد، جلد نمبر 1، اصفحہ نمبر 205) (الطبرانی، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 11) (مسند امام احمد، فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1586) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 185) (السمط الثمین للطبری صفحہ نمبر 24) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223) (کنز العمال، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 130)

یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کسی دوسری خاتون کے حصے میں نہیں آئی۔

6: یہ بات بھی ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شامل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا چوبیس سال اور کچھ ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہ کی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کو بھی۔

(الصحیح المسلم ،حدیث نمبر 2436)(المعجم الکبیر ،جلد نمبر 22،صفحہ نمبر 450)(طبرانی فی عبدالرزاق ،جلد نمبر 7،صفحہ 493)(مجمع الزوائد جلد نمبر 9،صفحہ نمبر 220)

7: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولا دسوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ۔

8: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد ان کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے ۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں!

''میں اتنا رشک کسی دوسری عورت پر نہ کرتی جتنا جنابہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کرتی ، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں ۔رشک کرنے کی کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے کرتے اور آپ رضی اللہ عنہا کے لیے استغفار کرتے کرتے تھکتے ہی نہ تھے ۔چنانچہ ایک دن حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو مجھے غیرت نے ابھارا ۔میں نے عرض کیا!

''اللہ تعالیٰ نے میری صورت میں ایک عمر رسیدہ کا بدل آپ کو دیا ہے ۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہو گئے جس سے میری ہمت جواب دے گئی تو میں نے کہا!

''اے اللہ! اگر تو اپنے رسول کا غصہ مجھ سے دور کر دے تو جب تک میں زندہ رہوں گی کبھی بھی خدیجہ کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کروں گی ۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو فرمایا!

''تو نے یہ کس طرح کہہ دیا؟ بخدا! وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا ۔جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو انہوں نے مجھے پناہ دی ۔ان سے مجھے اولاد عطا کی گئی جبکہ تم اس سے محروم کر دی گئیں ۔

(الصحیح البخاری ،حدیث نمبر 3821)(الصحیح المسلم ،حدیث نمبر 2437)(مسند امام احمد ،جلد نمبر 6،صفحہ نمبر 117)(المعجم الکبیر ،جلد نمبر 23،صفحہ نمبر 13)(البدایہ والنھایہ ،جلد نمبر 3،صفحہ نمبر 162)(الاستیعاب ،لابن عبدالبر ،جلد نمبر 4،صفحہ نمبر 1824)(مجمع الزوائد ،جلد نمبر 9،صفحہ نمبر 234)(الاربعین ،لابن عساکر ،صفحہ نمبر 18)(الاصابہ ،جلد نمبر 7،صفحہ نمبر 605)(تاریخ دمشق ،لابن عساکر ،صفحہ نمبر 161)

9: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے ۔آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ اس وقت تک گھر سے باہر نہ جاتے جب تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خوب تعریف اور ان کیلئے استغفار نہ کر لیتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو بھی ایسا ہی کرتے ۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانور ذبح فرماتے اور اس کا گوشت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے ۔

10: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی چیز لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!

''اس کو فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ وہ خدیجہ سے محبت کرتی تھیں ۔''

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''ایک مرتبہ حسانہ مزینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے آئیں ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مہربانی کے

ساتھ ان سے پیش آئے اور ان کا حال احوال پوچھا۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے پوچھا!

''یارسول اللہ! یہ بڑھیا کون تھی جس کے ساتھ آپ اتنی شفقت کے ساتھ پیش آئے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ خدیجہ کی سہیلی ہے جو خدیجہ کے ساتھ بہت محبت کرتی تھی۔''

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اے عائشہ! یہ خدیجہ کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور محبت کی تکریم بھی ایمان کا جز ہے۔''

(شعب الایمان، للبیہقی، جلدنمبر 6، صفحہ نمبر 517، حدیث نمبر 9122) (مستدرک حاکم، جلدنمبر 1، صفحہ 15) (اسد الغابہ، جلدنمبر 7، صفحہ نمبر 64) (المعجم الکبیر، جلدنمبر 23، صفحہ نمبر 14) (الاصابہ، جلدنمبر 7، صفحہ نمبر 580) (المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر 1198)

وحیِ اوّل اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ:

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جوں جوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ توں توں آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنادی گئی تھی۔ آپ کئی کئی دن تک غار حرا میں جا کر خلوت گزیں رہتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس آتے تو میں بڑے پیار و محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتی اور جس قدر توشہ کی ضرورت ہوتی آپ کو تیار کر کے دیتی۔ حسب معمول ایک مرتبہ حضور رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف تھے کہ ایک فرشتہ (جبریل علیہ السلام) غار حرا میں داخل ہوئے اور آپ کو سلام کیا اور پھر کہا!

'' اقراء''

''پڑھیے!''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

'' مَا اَنَا بِقَارِءٍ''

''میں کیوں پڑھوں؟''

فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا اور اتنا دبایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت کی انتہا نہ رہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہا!

'' اقراء''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب دیا۔ اس نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے زیادہ زور سے دبایا اور چھوڑ کر کہ تیسری بار بھی ایسا کیا اور کہا!

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝''

(القرآن المجید، پارہ 30، سورۃ العلق، آیت 1 تا 5)

''آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد کے ساتھ پڑھیں، جو خالق ہے ۝ جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا ۝ پڑھیے

آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہےo جس نے انسان کو قلم سے علم سکھایاo انسان کو وہ چیزیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھاo''
جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا حکم سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پہ بھی یہی کلمے جاری ہو گئے۔ بعد ں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ پہلی وحی کے نزول کے حیرت انگیز واقعے کا آپ کی طبیعت پر شدید اثر ہوا جب آپ صلی للہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

''زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ''

''مجھے پر چادر اڑھا دو۔ مجھ پر چادر اڑھا دو۔''
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکم کی تعمیل کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا!
''آپ کہاں تھے؟ میں بہت فکر مند تھی اور کئی آدمیوں کو آپ کی تلاش میں بھیج چکی تھیں؟''
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ آپ کو سنا دیا تو اس پر سیدہ خدیجہ طیبہ طاہر رضی اللہ عنہا نے اپنے وہ مشہور الفاظ کہے!

''كَلَّا الْبُشَرِ فَوَاللّٰهِ لَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَداً اِنَّكَ لَتَصِلُّ الرِّحْمِ تُصَدِّقَ الْحَدِيْثِ وَتَحَمِّلَ الْكُلِّ وَتَكْسِبَ الْمَعْدُوْمِ وَتَقْرِى الضَّيْفِ وَتُعِيْنَ عَلٰى نَوَائِبَ الْحَقِّ''

(الصحیح البخاری، باب بدأ اذ الوحی، حدیث نمبر 3)(الصحیح المسلم، باب بدأ اذ الوحی برسول صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 160)(ترمذی شریف، نمبر 13، باب المناقب، حدیث نمبر 3636)

''خوش ہو جایئے! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی اکیلا نہ چھوڑے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، آپ امین ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ معین و مددگار رہتے ہیں۔''

تدقیقات:

روایت کے مطابق ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا!
''مبارک ہو! اور آپ کو بشارت ہو! بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کرے گا۔ جو منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آیا ہے اسے قبول کیجئے۔ وہ بلاشبہ حق ہے اور آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔'' (الفتح الباری، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 315)
ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور کہا!
''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے قدرت میں خدیجہ کی جان ہے۔! میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔'' (السیرۃ النبویہ، لابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 81)
حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ان تشفع آمیز کلمات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون حاصل ہوا۔ اس کے بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عیسائی راہب کے پاس گئیں اور اس سے جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا۔ راہب نے کہا!
''سبحان اللہ! وہ اللہ تعالیٰ کا پاک فرشتہ ہے۔ وہ پیغمبروں کے پاس آتا ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا تھا۔''

4: اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا ایک عیسائی عالم ''عداس کے پاس گئیں۔ عداس رضی اللہ عنہ عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے۔ شہر نینوی کے رہنے والے تھے۔ نینوی وہ شہر ہے جس میں حضرت یونس علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ عداس رضی اللہ عنہ پہلے عیسائی تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ (اصابہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 466)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب عداس رضی اللہ عنہ سے جبرائیل علیہ السلام کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا!

''قدوس! قدوس!! ان بت پرستوں کی زمین میں جبرائیل علیہ السلام کا ذکر؟ وہ تو اللہ کے امین ہیں اور اس کے اور اس کے انبیاء کے درمیان سفیر ہیں اور موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے دوست ہیں۔''

5: اس کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے علم کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عربی زبان میں کیا تھا۔ اس وقت سریانی زبان تقریباً ناپید ہو چکی تھی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے تمام واقعات کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا!

''تحقیق اگر تم سچ کہتی ہو تو ان کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔''

اس کے بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا گھر واپس آئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر دوبارہ ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمام حالات سن کر کہا!

''آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی اور آپ سے لڑے گی اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی ضرور مدد کروں گا۔''

اس واقعہ کے وقت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بہت بوڑھے تھے اور بڑھاپے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کی بینائی بھی چلی گئی تھی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

6: بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا!

''آپ کو بشارت ہو! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی سیدنا مسیح بن مریم علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں اور عنقریب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم مرحمت فرمایا جائے گا۔''

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 554) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 87)

7: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ تشریف لے گئے اور طواف شروع کیا۔ دورانِ طواف حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کرتے مل گئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا!

''اے بھتیجے! مجھے بتاؤ تم نے غار حرا میں کیا دیکھا اور کیا سنا؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمام حال بتا دیا۔ ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے کہا!

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم اس امت کے نبی ہو اور جو تیرے پاس آیا تھا وہ ناموس اکبر (جبرائیل علیہ السلام) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ بے شک تیری تکذیب کی جائے گی، تجھے اذیت دی جائے گی اور تیرے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو تیری بہت مدد کروں گا۔''

بن نوفل رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کو بوسہ دیا۔
(عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 172) (سیرۃ ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 237)

ل رضی اللہ عنہ:

اوپر والی روایات میں آیا ہے کہ ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالات سن کر آپ کے نبی کی گواہی دی اور کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو ضرور ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں گا۔ اکثر علماء دین کا اس بات پر اتفاق من تھے کیونکہ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیا تھا۔

ر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ موحد تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی موحد تھے، پھر عیسائیت بھی موحد ہی رہے اور نصرانیت کی حالت میں تورات و انجیل کی بشارت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر سید میں بعض مرسل روایات بھی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت میں دیکھا۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 554) (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 75)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرید اسماء الصحابہ میں اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ یعاب میں ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔

منین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ اور کبھی عداس رضی اللہ لے جانا کسی شک یا تردد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی اور نزول وحی کی وجہ سے جو خاص ور خوف طاری ہو گیا تھا اس کو کم کرنے کے لیے تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین لیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا سے واپسی پر ان کو تمام واقعات سنائے تھے۔

نبوت کے اسی ابتدائی زمانہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا!
ایسا ہو سکتا ہے کہ جب وہ فرشتہ (جبرائیل) آپ کو نظر آئے تو آپ مجھے بتا دیں؟
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا۔ جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
ے خدیجہ! جبرائیل آئے ہیں۔"
منین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا!
اس وہ آپ کو نظر آ رہے ہیں؟"
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
! وہ مجھے نظر آ رہے ہیں۔"
دیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا!
اٹھ کر میرے دائیں جانب بیٹھ جائیں۔"
بی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا!
ب بھی آپ کو جبرائیل نظر آ رہے ہیں؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ہاں! اب بھی وہ مجھے نظر آرہے ہیں۔''

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''اب آپ میری آغوش میں بیٹھ جائیں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا!

''کیا اب بھی جبرائیل آپ کو نظر آرہے ہیں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا!

''ہاں! اب بھی وہ مجھے نظر آرہے ہیں۔''

اس پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر اوڑھی ہوئی چادر ہٹا کر سر کھول دیا اور پھر پوچھا!

''کیا اب بھی وہ فرشتہ آپ کو نظر آرہا ہے۔؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اب نظر نہیں آرہا۔''

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''حضور! آپ کو مبارک ہو۔! خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں۔! کیونکہ اگر یہ شیطان ہوتا تو میرا سر دیکھ کر نہ شرماتا لیکن یہ حیاءدار ہے اس لیے فرشتہ ہے۔''

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 553) (خصائص الکبری، از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 95) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 172) (الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 281) (السیرۃ النبویہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 82)

پہلی مومنہ:

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی مرد ایمان لایا اور نہ کوئی عورت۔ اس بات پر سب علماء اور محدثین کا اتفاق ہے۔

1: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ طبرانی شریف میں روایت کرتے ہیں!

''سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔''

(المعجم الکبیر، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 452) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ 2204)

2: ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے اجماع کی رو سے اللہ کی مخلوق میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سب سے اول ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلے نہ کوئی مرد ایمان لایا اور نہ کوئی عورت۔''

(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 78)

3 علامہ ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں!

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز کے واجب ہونے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلی ہیں۔"

(عن الزھری، اخرجہ المسوی فی تشریح، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 320) (السمط الثمین للحب للطبری، صفحہ نمبر 9)

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

"اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔"

علامہ ابن کثیر اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہما اپنی اپنی کتب میں رقم طراز ہیں!

"آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ ایمان لائے۔"

(طبری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 60) (البدایہ والنہایہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 29)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"خدا کی قسم! مجھے خدیجہ سے اچھی بیوی نہیں ملی، وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے، اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا، اس نے اپنا مال مجھ پر قربان کر دیا جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی۔"

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عفیف کندی کچھ سامان کی خریداری کیلئے مکہ آئے اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے گھر قیام کیا۔ ایک دن وہ کہیں جارہے تھے کہ ان کی نظر کعبۃ اللہ پر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے میں ایک نوجوان آیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور پھر قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا آیا اور اس نوجوان کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ یہ دونوں اس نوجوان کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ پھر عفیف کندی نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے کہا!

"یہ نظریں دیکھ رہی ہیں کہ کوئی بہت بڑا انقلاب آنے والا ہے۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا!

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ نوجوان، بچہ اور یہ عورت کون تھے؟"

عفیف نے کہا!

"نہیں!"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

"یہ نوجوان میرا بھتیجا محمد ہے، دوسرا بچہ بھی میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور وہ خاتون محمد کی بیوی خدیجہ ہے۔ میرے بھتیجے محمد کا خیال ہے کہ اس کا مذہب خاص الہامی مذہب ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کے حکم سے کرتا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس روئے زمین پر ان تینوں کے سوا کوئی اس دین کا پیروکار نہیں۔

عفیف کندی کہتے ہیں!

"یہ سن کر میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش میں چوتھا ہو جاؤں۔"

مصائب وآلام میں ساتھ:

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ عالی مرتبہ خاتون ہیں جنہوں نے ہر موقع پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی کی۔ ہر طرح کے مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وجان نثاری کا حق ادا کر دیا۔ باوجودیکہ آپ رضی اللہ عنہا بہت مالدار اور خوشحال خاتون تھیں اور اپنی ساری زندگی بڑی پر آسائش گزاری تھی اور آپ کا اثر ونفوذ بھی بہت تھا لیکن پھر بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد آپ نے کفار کے طرح طرح کے مظالم برداشت کیے اور اپنی پر آسائش زندگی کو خیر باد کہا۔ اپنا تن من دھن سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ یہ ام المومنین کا اثر ونفوذ ہی تھا جس کی وجہ سے اعلانِ نبوت کے بعد کفار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تنگ کرنے سے ڈرتے تھے۔

جب محبوبِ خدا علیہ السلام نے اعلانِ نبوت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اس لیے سب سے پہلے مردوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، بچوں میں آپ کے چچازاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ آہستہ آہستہ دوسرے سعید الفطرت لوگ بھی اسلام میں داخل ہو کر صحابیِ رسول ہونے کا اعزاز حاصل کرنے لگے۔ جوں جوں اسلام وسعت اختیار کرتا جاتا توں توں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مسرور ہوتی جاتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے غیر مسلم اعزاء واقرباء کی طعن وتشنیع برداشت کرتیں۔ لوگوں کی درشت باتوں کو سنتیں، مسلمانوں پر کفار کے مظالم دیکھتیں اور سنتیں مگر آپ رضی اللہ عنہا کے ایمان میں ذرا برابر بھی لغزش نہ آئی۔ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا نے تبلیغ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست بازو ہونے کا حق ادا کر دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کفار کی بیہودہ اور لایعنی باتوں سے کبیدہ خاطر ہوتے تو حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کفار کی باتوں سے دل برداشتہ مت ہوئیں۔ آج تک کوئی ایسا رسول بھی آیا ہے جس کا لوگوں نے تمسخر نہ اڑایا ہو، اس کو تنگ نہ کیا ہو؟ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''

اسی طرح کی باتوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی فرماتیں جس کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم کم ہو جاتا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں!

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ بھی صدمہ ہوتا وہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کی باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہلکا کر کے پیش کرتیں تھیں۔'' (ابن ہشام، صفحہ نمبر 20) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 178)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور مجھے ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہ سے کہتا تھا۔ وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا تھا۔

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عقیدت ومحبت کی یہ کیفیت تھی کہ اعلانِ نبوت سے قبل اور اعلانِ نبوت کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا کی اس جان نثاری، ہمدردی، دل جوئی کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ جب تک آپ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں حضور نبی کریم صلی اللہ

سرا نکاح نہیں فرمایا۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جہاں پر ایک وفا شعار بیوی تھیں وہاں پر ایک شفیق ماں بھی تھیں۔ نہا باوجود تمول وثروت کے اپنے بچوں کی پرورش نہ صرف خود حسن وخوبی سے کر رہی تھیں بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کرتیں اور امور خانہ داری بھی خود انجام دیتیں۔

لب اور سیدہ خدیجہ:

کے ساتوے سال محرم کے مہینے میں جب کفار مکہ نے ایک معاہدے کے تحت بنو ہاشم، بنو عبد المطلب اور ان کے حامیوں علق ختم) کر دیا جس میں درج تھا کہ کوئی بھی شخص ان سے کوئی چیز نہ خریدے گا اور نہ فروخت کرے گا، نہ ان سے شادی بیاہ کسی بھی قسم کی کوئی امداد بھی نہیں دے گا حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بھی انہیں نہ دے گا۔ یہاں تک کہ یہ سارے بھوک د ائیں یا محمد کو ہمارے حوالے کریں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔

ہدے پر تمام رؤسائے مکہ نے دستخط کر دیئے اور اس معاہدے کو بیت اللہ شریف کے ساتھ لٹکا دیا گیا تا کہ ہر کوئی اس کی چنانچہ سوائے ابولہب کے بنو ہاشم کے تمام افراد کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

اریخ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 341 ، سیرۃ النبی، از تعلیقہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 254، تاریخ یعقوبی اور دیگر تواریخ میں ابی طالب کا نام شعب بن ہاشم بھی آیا ہے جو کہ خاندان بنو ہاشم کی موروثی جاگیر تھی۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ آپ کے متعلقین اس بات پر مجبور کر دیے گئے کہ وہ اس گھاٹی میں محصور ہو جائیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ اس سخت کڑی آزمائش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر بار چھوڑا اور رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس گھاٹی میں وہ تمام مصائب والام برداشت کیے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو پہنچے۔ اس کے آپ رضی اللہ عنہا نے بڑی پر آسائش زندگی گزاری تھی اور ایسی سختی اور مصیبت کبھی دیکھی تک نہ تھی اور عمر مبارک بھی ماٹھ سال کے قریب تھی پھر بھی آپ نے کئی کئی دن تک فاقہ کیا۔ بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ ان لوگوں کو درختوں اور سوکھا ہوا چمڑا بھی کھانا پڑا۔

د بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

کا یہ عالم تھا اتفاق سے رات کی تاریکی میں میرا پاؤں کسی تر چیز پر پڑا۔ میں نے فوراً اسے اٹھایا اور زبان پر رکھ کر نگل ے اب تک نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی۔ یہ اتنے مشکل دن تھے کہ عام انسان ایسی سختی کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ بھوک اور ے بچے اور بوڑھے بلبلانے لگے اور ان کی آوازیں لوگوں کو سنائی دیتی۔ کفار ان آوازوں کو سن سن کر خوش ہوتے۔''

اصرہ جب بھی مکہ میں کوئی تجارتی قافلہ آتا تو ابولہب قافلے والوں کے پاس جا کر اعلان کرتا!

فلے والو! تم میں سے کوئی شخص اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں میں فروخت نہ کرے، بلکہ دو گنے اور تین گنے وصول ر اگر کوئی نقصان ہوا تو اس کو میں پورا کروں گا۔''

ہول صلی اللہ علیہ وسلم چیزوں کو خریدنے کیلئے آتے مگر کئی گنا قیمت دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ تاہم اس مشکل وقت میں بھی ھدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر ورسوخ کی وجہ سے رات کی تاریکی میں کبھی کبھی کھانا وغیرہ پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکم بن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنے غلام کے ساتھ غلہ وغیرہ لے جا رہے تھے، راستے میں ابو جہل نے ان کو دیکھ لیا

''تم بنوہاشم کے لئے غلہ لے کر جارہے ہو؟ میں یہ غلہ ان تک نہ پہنچے دوں گا اور سب کے سامنے تمہیں رسوا کروں گا۔''
اسی وقت ابوالبختری سامنے آ گیا اور سارا واقعہ سن کر ابوجہل سے کہنے لگا!
''اگر کوئی اپنی پھوپھی کیلئے غلہ بھیجتا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟''
اس پر ابوجہل ابوالبختری کو سخت سست اور برا کہنے لگا۔ اس پر ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ابوجہل کو مار کھانے سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہوئی کہ شعب ابی طالب سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سارا کچھ دیکھ رہے تھے۔ (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 224) (سیرۃ ابن ھشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 353)
وہ معاہدہ جو کہ بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ لگایا گیا تھا بوسیدہ ہو کر گر جانے اور قریش کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے محاصرہ تین سال تک جاری رہنے کے بعد دس نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل ختم ہوا اور بنوہاشم اس گھاٹی سے باہر نکلے۔
(الفتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 147)

سیّدہ کا وصال:

اعلانِ نبوت کے دسویں سال شعب ابی طالب کا محاصرہ تین سال جاری رہنے کے بعد ختم ہوا۔ اس محاصرے کی سختی سے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نڈھال ہو گئیں اور اکثر بیمار رہنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت علاج معالجہ کروایا مگر صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔
جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!
''یارسول اللہ! کچھ دیر میرے سامنے تشریف فرما ہوں۔''
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو انہوں نے عرض کیا!
''یارسول اللہ! میں نے اپنی ساری زندگی آپ کی خدمت میں بسر کی ہے اور اب قاصدِ اجل آنے والا ہے، میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ قیامت کے دن بھی مجھے اپنے ساتھ رکھیں، اللہ تعالیٰ سے میری سفارش فرمائیں اور اگر خدمت میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو مجھے معاف فرمائیں۔ میری چھوٹی بیٹی فاطمہ کا خاص خیال رکھیں۔ نیز میں آپ سے ایک بڑی بات کہنا چاہتی ہوں مگر آپ کے سامنے عرض کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس لیے وہ بات میں فاطمہ کو بتا دیتی ہوں وہ آپ کو بتا دے گی۔''
چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!
''بیٹی! اپنے والد گرامی کی خدمت میں میری یہ آخری خواہش پیش کرنا کہ آپ اپنی وہ چادر جو نزولِ وحی کے وقت اوڑھا کرتے ہیں میرے کفن کیلئے عطا فرمائیں۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی یہ آرزو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ چادر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا!
''بیٹی! جاؤ اور یہ چادر اپنی والدہ کو دکھاؤ تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔''
اسی اثنا میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی چادر واپس لے لیں۔ خدیجہ نے اپنا سب کچھ ہمارے لیے قربان کر دیا اس لیے اس کا کفن ہمارے ذمہ ہے۔ہم اسے اپنے کرم کی پوشاک عطا کریں گے اور اس کو جنت سے پاکیزہ تر کفن بھیجتے ہیں۔"

10 رمضان المبارک، اعلانِ نبوت کے دسویں سال ہجرت مدینہ سے تین سال قبل اور جناب ابوطالب کی وفات کے تین یا پانچ دن بعد پچیس سال حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنے کے بعد، چونسٹھ سال چھ ماہ کی عمر مبارک میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دارفانی سے دارباقی کی طرف انتقال فرما گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں ہستیوں کے وصال کا اتنا غم تھا کہ اس سال کا نام ہی "عام الحزن" پڑ گیا۔ چونکہ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا عطا کردہ کفن پہنایا گیا اور جنت المعلیٰ میں قبر مبارک بنائی گئی قبر میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اترے اور پھر اپنی غمگسار بیوی کی تدفین فرمائی۔

(بخاری شریف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 551) (دلائل النبوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 352) (زرقانی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 291) (تفسیر ابن ہشام جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 416) (المعارف، لابن قتیبہ، صفحہ نمبر 133) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 327) (تفسیر قرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 164) (نووی فی تھذیب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 342) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 605)

مکہ میں رسول اللہ کے سب سے بڑے دشمن

۱۔ابولہب

قرآن کریم کی سورۃ اللھب اس بدنصیب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ کے رسول نے لوگوں کو دین کی طرف بلانا شروع کیا ابتداء میں دعوت کو خفیہ طور پر لوگوں تک پہنچایا جاتا تھا، اس طرح تین سال کا عرصہ گزر گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور اس سلسلہ میں مشرکین کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين))

"آپ کو جن باتوں کا حکم دیا جارہا ہے ان کو علی الاعلان بیان کیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔" (الحجر: ۹۴)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝))(الشعراء: ۲۱۴ تا ۲۱۶)

"آپ اپنے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے، جن مومنوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی ہے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیے، اور اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو بتا دیجئے کہ میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں۔"

حضور ﷺ نے اپنے رب کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، آپ ﷺ نے اپنے اقرباء کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی، ان میں آپ ﷺ کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب (ابولہب) بھی تھا، جو قریش کے دین کے بارے میں شدید تعصب رکھتا تھا، اس کو صرف

یہ عزیز تھا کہ اس کی قوم کے دین کو مکمل اہتمام واعزاز حاصل ہو۔

ابولہب تیز مزاج اور بے عقل آدمی تھا، غصہ کی حالت میں جو کچھ سمجھ میں آتا کر گزرتا تھا، اور جو بات اس کو سب سے زیادہ دہ یہ کہ اس کے خیالی خداؤں کے تقدس پر کوئی تنقید کرے، اس کو یہ بات گوارہ نہیں تھی کہ کوئی اس کے آباء واجداد کے مکرمات ومقد توہین کرے، ایسے مواقع پر وہ زیادہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا اور پھر اس بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اپنے اس عمل سے اپنے رشتہ داروں کی دشمنی مول لے رہا ہے اور ان کے ساتھ برا سلوک کر رہا ہے۔

حضور ﷺ ابولہب کی بری طبیعت سے واقف تھے، آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ابولہب اپنی حماقت و جہالت سے ﷺ کی دعوتی مہم کو ناکام نہ بنادے۔ آپ ﷺ نے کسی ایسے طریقہ کے متعلق غور کرنا شروع کردیا جس سے آپ ﷺ اپنے دعوت بھی دے سکیں اور اپنے اس چچا کے شر سے بھی محفوظ رہ سکیں جو خود اپنی ذات پر ظلم کر رہا ہے اور جاہل ہے۔ بنی ہاشم میں اس کے اثر ورسوخ سے ہٹ کر قریش کے اندر رہ کر بھی دعوت کا کام ہو جن میں مرض کفر سرایت کر چکا تھا اور کفران کے دل میں آباد ہو گیا تھا

دین کی دعوت اور ابولہب کی برہمی

جب یہ آیت نازل ہوئی:

((وانذر عشيرتك الأقربين))(القرآن)

''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔''

تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے بنی ہاشم کو دعوت دی، چنانچہ وہ آئے، ان میں آپ کے چچا بھی تھے، بنی عبدالمطلب کی ایک جم بھی ان کے ساتھ آئی، تقریباً سب ملا کر ۴۵ افراد تھے، آپ ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دینے کا قصد کیا تو ان میں سے ابولہب نے کہا

''یہ تمہارے چچا اور عم زاد ہیں، لہٰذا تم جو کچھ کہنا چاہو کہو اور اپنے آباء واجداد کے دین سے بغاوت کو ترک کر دو، جان لو! عرب قبائل میں تمہاری قوم کو زیر کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تمہیں گرفتار کرنے اور قید کرنے کا حق تمہاری برادری والوں کو ہے، تم اس وقت جس دین پر ہو اگر تم اس پر قائم رہو گے تو قریش کے لئے تم پر حملہ کرنا آسان ہے اور دیگر عرب بھی ان کی مدد کریں گے، میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنی برادری کے لئے ایسا شر لے کر آیا ہو جیسا تم لے کر آئے ہو۔''

(الکامل ۔۲

ابولہب سخت لہجہ میں بات کر رہا تھا، غصہ میں آپے سے باہر ہو رہا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، رگیں پھول گئیں، چہرہ پر غصہ آثار نمایاں ہو گئے، اس نے اپنی بات ختم کر دی، لیکن اس کا غصہ ختم نہیں ہوا۔

حضور ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کے چہروں کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش ابولہب کے غیض وغضب کو دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس مجلس میں کچھ نہیں کہا۔

دوسری مرتبہ دعوت پر اور زیادہ غصہ:

آنحضرت ﷺ اپنے رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دے کر کچھ مدت کے لئے خاموش ہو گئے، آپ ﷺ نے پھر ان کو دعوت دی، ابولہب بھی ان کے ساتھ حاضر ہوا، تمام مدعوئین جب حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے گفتگو شروع کی، آپ نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں، اس سے مدد مانگتا ہوں، اس پر ایمان لاتا ہوں، اس پر توکل کرتا ہوں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''قوم کا آگے رہنے والا شخص کبھی قوم سے جھوٹ نہیں بولتا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، میں اللہ کا پیغمبر ہوں خصوصاً تمہارے لئے، اور عموماً دیگر لوگوں کے لئے، اللہ کی قسم! تم مر جاؤ گے بالکل جس طرح تم سوتے ہو، اور تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا بالکل جس طرح تم نیند سے اٹھتے ہو، اور تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا، اس کے بعد تم ہمیشہ کے لئے جنت میں رہو گے یا جہنم میں۔'' (الکامل لابن الأثیر: ۶۱/۲)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے، آپ کے چچا ابو طالب کھڑے ہوئے، انہوں نے نہایت عمدہ گفتگو کی، اور لطیف انداز میں عذر کیا، ان کے الفاظ یہ تھے:

''تمہاری مدد کرنا ہمیں کتنا اچھا لگتا ہے، ہم نے تمہاری نصیحتوں کی طرف دھیان دیا، ہم تمہاری باتوں کی مکمل تصدیق کرتے ہیں، تمہیں جس چیز کا حکم ملا ہے اسے کر گزرو، خدا کی قسم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا، لیکن ایک بات ہے میرا دل عبد المطلب کے دین کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہے۔''

دوسری طرف ابولہب کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ غصہ سے پھول رہا تھا، اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے، حماقت و جہالت اس میں واپس آ گئی، وہ بلند آواز سے چیخ پڑا:

''خدا کی قسم یہ تو ذلت و رسوائی ہے، اس کو روکو قبل اس کے کہ دوسرے یہ کام کریں، اگر تم نے اس کو دوسروں کے حوالہ کر دیا تو تم نے گویا اسے رسوا کر دیا، اور اگر تم اس کی حفاظت پر اتر آئے تو تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

اس پر ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم ہم ان کی حفاظت کریں گے جب تک کہ ہم زندہ ہیں۔

ابو طالب ان الفاظ کو بار بار دہرا رہے تھے:

''جب تک میں زندہ ہوں خدا کی قسم وہ اجتماعی شکل میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔'' (انساب الاشراف ۱۱۹/۱)

صفیہ اور ابولہب:

آنحضرت ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب اس مجلس میں حاضر تھیں، وہاں جو باتیں ہو رہی تھیں وہ انہیں نہایت اہتمام سے سن رہی تھی، اپنے بھائی ابولہب کے غیض و غضب اور چیخ و دھاڑ کو دیکھ رہی تھیں، اولین سابقین کی طرح ایمان نے ان کے دل میں بھی گھر بنا لیا تھا، وہ ابولہب کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں:

''اے بھائی! کیا تمہیں اپنے بھتیجے کی ذلت و رسوائی اچھی لگتی ہے؟ اللہ کی قسم! علم رکھنے والے مسلسل کہہ رہے ہیں کہ عبد المطلب کی پشت سے ایک نبی پیدا ہوگا وہ نبی یہ ہے۔''

اس پر ابولہب نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ غلط ہے یہ تو صرف تمنا ہے، تم ایک عورت ہو، عورتوں کی باتوں کا اعتبار صرف بناؤ سنگھار میں ہوتا ہے، اگر تمام قریشی ہمارے خلاف ہو گئے، ساری قوم ہماری مخالف ہو گئی تو ان کے سامنے ہماری حیثیت کیا ہوگی۔؟''

(انساب الأشراف ۱۱۹/۱)

اس مجلس میں ابولہب ڈراتے دھمکاتے ہوئے چلا گیا، وہ لات، منات، عزیٰ اور ھبل کی قسم کھا رہا تھا کہ بتوں کی خاطر وہ اپنی جان

و مال اور اولاد کو بھی قربان کر دے گا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے گا، دوسری طرف ابوطالب نے عزم مصمم کرلیا کہ ہر حالت میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت کروں گا۔

آنحضرت ﷺ کو جب اس پر اطمینان ہوا کہ آپ کے چچا ابوطالب آپ کی حمایت وحفاظت کریں گے تو آپ ﷺ ایک دن جبل صفا پر چڑھے اور باآواز بلند فرمایا: اے لوگو! ہلاکت و بربادی تمہارے سامنے ہے، یہ جملہ سنتے ہی تمام قریش آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو توحید، ایمان، نبوت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

امام بخاری نے اس قصہ کے ایک حصہ کو اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

جب یہ آیت:

((وأنذر عشيرتك الأقربين))

''آپ اپنے اعزاء واقرباء کو دین کی دعوت دیں۔''

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ جبل صفا پر چڑھ گئے اور قریش کی شاخ بنی فہر، بنی عدی وغیرہ کا نام لے کر آواز دینا شروع کر دیا، سب لوگ جمع ہو گئے، ہر شخص خود مجمع میں حاضر ہونے کی کوشش کر رہا تھا، جس کے پاس کوئی عذر تھا اس نے اپنے نائب کے طور پر کسی کو بھیج دیا، چنانچہ تمام قریش جمع ہو گئے جن میں ابولہب بھی تھا، آپ ﷺ نے بات شروع کی، آپ ﷺ نے فرمایا: (میں ایک بلند جگہ پر کھڑا ہوں یہاں سے) اگر میں تمہیں بتلاؤں کہ دشمن کا لشکر تمہارے اوپر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟''

سب نے کہا: جی ہاں، ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پھر سنو، بے شک میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو بالکل سامنے پہنچ گیا ہے۔''

اس پر ابولہب نے کہا:

''تیرے لئے ہمیشہ بربادی ہو، کیا تم نے ہمیں یہ کہنے کے لئے یہاں پر جمع کیا تھا؟''

قرآن کریم کا نزول:

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

((تبت يدآ أبي لهب وتب O مآ أغنىٰ مالهُ وما كسب O))

''ابولہب کے دونوں ہاتھوں برباد ہو جائیں اور خود اس کا بھی ستیاناس ہو جائے، اس کے مال و دولت نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔''

آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ اہم اعلان تھا، جس میں آپ ﷺ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ اس پیغام پر ایمان ہی دراصل اس رشتہ کا احیاء ہے جو ان کے آپ ﷺ کے درمیان ہے، نیز یہ کہ اس عظیم تنبیہ کے آگے قرابت داری کی عصبیت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے نہایت جہالت وتجاہل کے ساتھ ابولہب حضور ﷺ کی عداوت میں بہت آگے نکل گیا اس نے صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس نہیں کیا آغاز اسلام سے لے کر اب تک اس کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ معاندانہ رہا، یہ خیال نہیں کیا کہ یہ اپنے بھائی کا بیٹا ہے، اپنا پڑوسی

یا کہ اس نے حضرت ﷺ کی پیدائش کی نوید سنانے پر اپنی باندی ثوبیہ اسلمیہ کو اظہار مسرت کے طور پر آزاد کر دیا تھا، غصہ
بڑھا ہو گیا، کسی چیز کا خیال نہیں کیا۔ حضور ﷺ کا کٹر دشمن بن گیا، یہی حال اس کی بیوی ام جمیل (ام قبیح) کا بھی تھا، وہ بھی
ی دشمن تھی، دشمنی میں آ کر ایسی احمقانہ حرکتیں کرتی تھی کہ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کتنی کمینی خاتون تھی۔
ﷺ اپنے چچا ابولہب کے قریب ان کے پڑوس میں رہتے تھے، آپ کے اور اس کے درمیان رشتہ مصاہرت بھی قائم تھا،
صاحبزادیاں رقیہ اور کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں، یہ دونوں اچھے شوہر ثابت نہیں ہوئے۔
کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دو، انہوں نے طلاق دے دی، اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو
میں الجھا کر تبلیغی امور سے روکا جائے۔ ان سب حرکتوں کے باوجود ابولہب کی عداوت میں کمی نہیں آئی، بلکہ اس میں روز
بڑھ رہا تھا۔

کریم ﷺ کو ایذاءرسانی:

نے اپنی عداوت میں صرف باتوں پر کفایت نہیں کی، بلکہ اس نے پڑوسی کے حق کا بھی خیال نہیں کیا۔
ری نے پڑوس کی ایذاءرسانی کے طریقوں اور اندھی عداوت کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ابولہب
غلاظت اٹھا کر نبی کریم ﷺ کے دروازے پر رکھ دیتا تھا، ایک دفعہ ابولہب کچھ غلاظت آپ ﷺ کے دروازہ پر
حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے دیکھ لیا، انہوں نے ان نجاستوں کو اٹھا کر ابولہب کے سر پر رکھ دیا، ابولہب اپنے
کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: یہ احمق صابی ہے (یعنی اپنے آباء واجداد کے دین کا باغی) اس کے بعد اس کی ان حرکتوں
، لیکن وہ دوسروں کو اس کی تلقین کرتا تھا۔ (أنساب الأشراف ۱/۱۳۱)
نا قابل فہم بات ہے کہ ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا، اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کا کٹر دشمن تھا، صلہ رحمی کا کم از کم تقاضا یہ تھا
نہیں لگ رہا تھا تو خاموش ہو جاتا، نہ گالیاں دیتا اور نہ ہی دشمن بن جاتا۔
شدت عداوت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا ہر جگہ پیچھا کرتا تھا، بازاروں، محفلوں اور موسم حج میں
"یہ جھوٹا ہے" اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھتا تھا۔

می تھا:

عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ربیعہ بن عباد الدیلی (ان کا تعلق بنی دیل سے
کے لوگوں میں سے ہیں، بعد میں مسلمان ہو گئے) سے سنا، وہ میرے والد کو بیان کر رہے تھے:
جوان لڑکا تھا اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا، آپ ﷺ مختلف قبائل کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے، اور
اے بنی فلاں! میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی اور کو
انے سے روکتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کو چھوڑ دو، تم ایمان لے آؤ، میری
فاظت کرو، تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ راوی کہتا ہے: ان کے پیچھے روشن چہرہ والا ایک بھینگا
ن کے بالوں کے دو جوڑے تھے، اس نے عدنی کپڑوں کا جوڑا پہن رکھا تھا، جب آنحضرت ﷺ اپنے بیان
ہو جاتے تو یہ شخص کہتا: اے بنی فلاں! یہ تم سے کہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ (بتوں) کو چھوڑ دو، اور تمہارے حلیف بنی

مالک بن اُقیس کو چھوڑ دو، اور اس کی بدعت و گمراہی پر ایمان لے آؤ، لہٰذا نہ تم اس کی بات سنو اور نہ اس کی اطاعت کرو۔

ربیعہ بن عباد کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: یہ کون ہے؟

انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔ (تاریخ اسلام للذھبی: ۲/۱۵)

ابولہب نے آپ ﷺ کو جھٹلانے کے سلسلہ میں مذکورہ حرکتوں پر اکتفا نہیں کیا، وہ اس سے زیادہ کرنے کے لئے بے چین تھا، آنحضرت ﷺ جب اسلام کی دعوت دینے کے لئے مختلف قبائل کے پاس جاتے تو یہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جاتا تھا، لوگوں کو دین سے روکتا تھا، بعض اوقات اس کے حسد و کینہ کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ ﷺ کو پتھر مارتا تھا جس سے آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک لہولہان ہو جاتے تھے۔

ابولہب کی گندی ذہنیت:

ابولہب کی گندی ذہنیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا بدخواہ بھی تھا، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے (عبداللہ) کا انتقال ہو گیا، جس پر ابولہب بہت خوش ہوا، بھاگتے ہوئے اپنے دوستوں کے پاس گیا ان کو خوشخبری سنائی کہ آج رات محمد کا ستیاناس ہو گیا ہے، جس پر یہ ایک آیت کریمہ نازل ہوئی:

((إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ))

''آپ کے دشمن کا ستیاناس ہوا ہے۔'' (الکوثر: ۳)

بہر حال ابولہب کیا تھا؟ اس کا غصہ کیا تھا؟ اس کے جھوٹ کا کیا عالم تھا؟ آپ ﷺ کے خلاف اس کا کیا رویہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کے حامل تھے، جس سے لوگوں کے دلوں سے اوہام کا پردہ چاک کرنا چاہتے تھے، اور جو پوری دنیا کے لئے حق وہدایت کا پیغام تھا۔

ابولہب کی بیرونی وفود سے کانا پھوسی:

مختلف طریقوں سے ابولہب نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کی بھرپور کوشش کی، اس پر کفایت نہیں کی کہ وہ خود کفر و شرک پر باقی رہتا، اپنی ضلالت و حماقت پر برقرار رہتا، بلکہ اس بات کی کوشش کی کہ ساری دنیا شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہے، چنانچہ دور دراز کے علاقوں سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی باقاعدہ نگرانی کرتا تھا، ان سے جا کر ملتا تھا، ان کو آپ ﷺ سے متنفر کرتا تھا، ان کو آپ ﷺ کے جادو (بزعم اس کے) سے خوفزدہ کرتا تھا۔

شیخ عبدالرحمٰن بن کیسان کہتے ہیں:

''جب کوئی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ابولہب ان کے پاس جاتا، لوگ اس سے آپ ﷺ کے متعلق پوچھتے اور کہتے کہ آپ ان کے بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں، تو ابولہب ان سے کہتا: وہ تو جھوٹا جادوگر ہے، یہ سن کر یہ وفد آپ ﷺ سے ملے بغیر واپس چلا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا، ابولہب نے جا کر سب سے پہلے ان سے ملاقات کی، وفد کے اراکین نے کہا کہ ہم ان سے ملے بغیر اور ان کی باتیں سنے بغیر واپس نہیں جائیں گے، اس پر ابولہب نے کہا: ہم تو مسلسل ان کے جنون کا علاج کر رہے ہیں ان کا ناس ہو جائے، وہ برباد ہو جائیں، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو بہت غمزدہ ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت تبت نازل فرمائی۔'' (تفسیر قرطبی، ۲/۲۳۵)

ہجرت کے بعد ابولہب کی سرگرمیاں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ آپ ﷺ اب مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔
چنانچہ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے، ادھر ابولہب کی اسلام و مسلم دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی، ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابولہب کی ہجو میں اس وقت یہ اشعار کہے:

''ابولہب کو بتادو کہ محمد ﷺ اپنی منزل کو پہنچ جائیں گے اگر چہ یہ تمہیں اچھا نہ لگے۔ اور اگر چہ تم نے ان کے ساتھ دشمنی کی، انہیں بے یار و مددگار چھوڑا اور ذلیل کمینوں کا ساتھ دیا۔ اگر تم بنی ہاشم کے شرفاء میں سے ہوتے تو تم ضرور ظلم کا دفاع کرتے۔ کریمانہ اخلاق و شرافت کی وجہ سے ہاشم بڑے مرتبہ والے ہوئے، اور تمہیں غم و الم، ذلت و رسوائی کے گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔''

جنگِ بدر میں ابولہب کی تمنا:

ابولہب حضور ﷺ سے اپنی عداوت و دشمنی پر برقرار رہا یہاں تک غزوہ بدر پیش آ گیا، قریش حضور ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے آئے، ابولہب کے علاوہ قریش کے ہر سردار نے اس جنگ میں شرکت کی، ابولہب نے اپنے بدلہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تاکہ وہ اس اولین معرکہ میں ابولہب کی طرف سے جنگ کرے، جو مسلمانوں اور کفار کی ایک جماعت کے درمیان پیش آیا۔
ابولہب روزانہ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھ کر لوگوں سے جنگ کے احوال دریافت کرتا تھا، میدان بدر میں مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی جماعت تتر بتر ہوگئی، بہت سے کفار گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف بھاگ گئے، کچھ مغلوب۔ مقہور ہو کر ڈرتے ڈرتے مکہ پہنچ گئے، ذلت و رسوائی ان کے چہرے سے ٹپک رہی تھی، سوچ رہے تھے کہ مکہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے.. اپنی ہزیمت و شکست پر انہیں افسوس بھی ہو رہا تھا۔
کفار کی شکست و ہزیمت کی خبریں جب ابولہب تک پہنچیں تو ان کی تصدیق کرنا ابولہب کو دشوار ہو رہا تھا، پھر ابولہب کے مقرب ترین شخص نے جب شکست کی اطلاع دی تو اس کو یقین آ گیا، اس خبر نے اسے پاگل کر دیا، طیش میں آ کر اپنے بھائی عباس کے ایک لڑکے کی پٹائی کر دی، جس پر بچہ کی ماں غضبناک ہوگئی اور اس نے ابولہب پر حملہ کر دیا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔

ابولہب کی عبرتناک موت:

پھر ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اسے طاعون جیسا ایک مرض لاحق ہو گیا جس سے اس کی ہلاکت واقع ہوگئی۔
قبیلۂ قریش اس مرض سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا، کوئی شخص ابولہب کے قریب نہیں گیا، اس کو مرے ہوئے تین دن گزر گئے تھے لیکن اس کی اولاد میں سے بھی کوئی شخص اس کے نزدیک نہیں گیا، جب اس کی نعش پھول کر بدبودار ہوگئی، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا اندیشہ ہو گیا اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوگئی کہ لوگوں کا وہاں رہنا دشوار ہو گیا تو ایک آدمی نے اس کے دونوں بیٹوں سے کہا:

''تم دونوں کو شرم نہیں آتی؟ تمہیں لوگوں کا خوف نہیں ہے، تمہارے والد مر کر بدبودار ہو گئے ہیں، کیا تم ان کو دفن نہیں کرو گے؟''

ان دونوں نے کہا:

''ہمیں دراصل اس ملعون مرض کے پھیلنے کا خدشہ ہے۔''

اس پر اس آدمی نے کہا:

''چلو میرے ساتھ چلو، میں تمہاری مدد کروں گا۔''

پھر وہ لوگ چلے، انہوں نے ابولہب پر دور سے پانی پھینک کر اسے غسل دیا، پھر بالائی مکہ لے گئے، ایک دیوار کے ساتھ سہارا دے کر اس پر پتھر پھینک پھینک کر اسے غائب کر دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے لئے ایک گڑھا کھودا گیا، پھر ایک لکڑی کی مدد سے دھکا دے کر اسے گڑھے میں اتار کر گڑھے کو بند کر دیا گیا، ابولہب کی ہلاکت ستر سال کی عمر میں واقع ہوئی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بد بخت اور سرکش کی موت اس طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ واقع ہو، کیونکہ اس نے اللہ کے رسول سے بڑی عداوت و دشمنی کا معاملہ کیا تھا، حضرت عائشہ کے متعلق روایت ہے کہ جب ان کا گزر ابولہب کی جائے موت سے ہوتا تو اپنا چہرہ پر پردہ ڈال دیتی تھیں اور پڑھتی تھیں۔

''سیصلٰی نارا''

''عنقریب ابولہب جہنم کی آگ میں جلے گا۔''

علامہ ابن القیم الجوزیہ اپنی عظیم کتاب (زاد المعاد) میں لکھتے ہیں: اسم اور مسمی کے درمیان بڑا ربط و تعلق ہوتا ہے، جس طرح اشیاء کی حقیقت کا ان کے غلاف کے مابین ہوتا ہے، اسی طرح ارواح کا اجسام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

چنانچہ عبدالعزیٰ کی کنیت ابولہب وضع ہونے میں اس کے انجام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دھکتی آگ میں داخل ہوگا، یہ کنیت اس کے لئے زیادہ بہتر و مناسب تھی، وہ اس کنیت کا زیادہ حق دار بھی تھا۔

(ان واقعات میں زیادہ تر مواد سیرۃ حلبیہ سے لیا گیا ہے)

۲۔اُمِّ جمیل بنت حرب

یہ ابولہب کی بیوی ہے، جس کا ذکر سورۃ اللّھب کی آخری دو آیتوں میں ہے۔

((وامرأتهٗ حمالة الحطب O فی جیدھا حبل من مسدٍO))

اور اس کی بیوی لکڑیاں اُٹھانے والی، اسکے گلے میں مونج کی رسی ہوگی بٹی ہوئی۔

حضور ﷺ کی عداوت میں ابولہب بہت آگے نکل گیا تھا، اس نے صلہ رحمی کا بھی خیال نہیں کیا، شیطان کے فسق و فجور اور نافرمانی کے احکامات پر دل و جان سے عمل کیا، اس سلسلہ میں اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی، اس کا نام جمیل بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس امویہ تھا، یہ خاتون بھی نہایت بے رحمی کے ساتھ آپ ﷺ کی مخالفت کرتی تھی، گویا یہ خبیث عورت خبیث مرد کی خباثت میں تعاون کرنے کا ایک عملی نمونہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات))

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں۔'' (نور:۲۶)

یہ خبیث عورت ام جمیل اپنے شوہر کے کفر، عناد اور نافرنی میں تعاون کرتی تھی، دعوت اسلامی کی سب زیادہ مخالفت کرتی تھی، موقعہ کی تلاش میں رہتی تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان تفرقہ، دشمنی اور فساد کو عام کردوں، ان برے اعمال کے سبب اس عورت اور اس

کے شوہر کو دنیا ہی میں جہنم کی بشارت دیدی گئی، اوران دونوں کے متعلق ایک مکمل سورت نازل کی گئی جس میں ان دونوں کو دنیا و آخرت کی بربادی وہلاکت سے خبردار کیا گیا۔

ام جمیل کی ایذ ارسانی وتحریض:

حقیقت میں یہ بری عورت مشرکین کی عورتوں میں رسول خدا سے سب سے زیادہ دشمنی وعداوت رکھتی تھی اس نے صرف حقائق کو مسخ کرنے اور فتنہ انگیزی پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ عملاً اس کے لئے جدو جہد بھی کرتی تھی اور ایذ ارسانی اور فساد برپا کرنے کی عادی بن چکی تھی، چنانچہ بعض دفعہ آپ ﷺ کو فقر وفاقہ کا طعنہ دیتی تھی اور کبھی کبھار نرینہ اولاد زندہ نہ بچنے کا طعنہ دیتی تھی، آنحضرت ﷺ ان ساری باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ ان سے اعراض فرماتے تھے۔

حضور کے راستے میں کانٹے بچھانا:

جب آپ ﷺ ام جمیل کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تو اس کو بڑا غصہ آتا تھا، اور ایذ ارسانی کے مختلف انداز وطریقے کے بارے میں غور کرتی تھی، چنانچہ وہ رات کے وقت آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھا کر چلی جاتی تھی، امام بیہقی نے (دلائل) میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے ''وامراته حمالة الحطب''کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے:

''اُم جمیل آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھادیتی تھی تاکہ اس سے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو تکلیف پہنچے ''حمالة الحطب'' کہاجاتا ہے نقالة الحدیث کو۔'' (دلائل نبوت:۱/۱۸۳)

بظاہر ام جمیل کی آپ ﷺ سے شدید عداوت رکھنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی برادری بنی ہاشم اور ام جمیل کی برادری بنی امیہ کے درمیان قریش میں سیادت وقیادت کے سلسلہ میں چپقلش پائی جاتی تھی شاید یہی عداوت کا سبب ہو، یا یہ کہ رشتہ داروں کے مابین جو حسد وکینہ پایا جاتا ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا شاید یہ وجہ ہو، بہر حال جو بھی ہو یہ عورت بالکل زہریلے سانپ کی مانند تھی جو اپنے شوہر کے دل میں بغض وکراہت کا زہر پھیلاتی تھی جس نے اپنے بھتیجے سے علی الاعلان عداوت قائم کر رکھی تھی۔

ایسا لگتا ہے کہ ابولہب اپنی بیوی کے آگے بے بس تھا کیونکہ ام جمیل کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بہت جری، بیہودہ اور زبان دراز خاتون تھی، اس کے اردگرد کے لوگوں پر اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قریش نے اس دین جدید اور رسول خدا کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے مجلس شوریٰ منعقدہ کی تو سب اس نتیجہ پر پہنچے کہ محمد ﷺ جادوگر ہیں، اور ہم سب متفقہ طور پر لوگوں سے یہ کہیں گے کہ محمد جادوگر ہیں۔

مذکورہ فیصلہ صادر کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آیا، اندازہ یہ ہے کہ اس سے ام جمیل کو خوشی ہوئی ہوگی، اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اس فیصلہ پر عملدرآمد کرو، آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ موسم حج میں لوگوں کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور بازار عکاظ اور بازار مجنہ اور بازار ذی المجاز میں بھی تشریف لے جاتے تھے، وہاں ان کو دین الٰہی کی طرف دعوت دیتے تھے، ابولہب اس وقت آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہوتا تھا، لوگوں سے کہتا تھا:

''تم لوگ اس کی اتباع نہ کرو یہ جھوٹا صابی ہے (یعنی اپنے آباء واجداد کے دین کا باغی ہے)۔'' (مسند امام احمد ۳/۴۹۲)

اُم جمیل عداوت ودشمنی کے تمام حدود کو تجاوز کرگئی، اس کا مکان آپ ﷺ کے مکان سے متصل تھا، ام جمیل گندگی اور کوڑا کرکٹ اٹھا کر آپ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کو ہٹادیتے تھے اور فرماتے تھے:

''اے بنی عبد مناف! پڑوسی کے ساتھ یہ کیسا برتاؤ کر رہے ہو؟''

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بھڑکنے والی آگ سے خبردار کیا ہے تو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے، نیز اسی طرح اس کے شوہر کو بھی ایسے عذاب سے ڈرائے جانے میں کسی کو تأمل نہیں ہونا چاہئے۔

چغل خوری اور فتنہ وفساد پھیلانے والی:

جیسا کہ اس سے پہلے گزر گیا کہ آپ ﷺ اپنے چچا اور اس کی اہلیہ ام جمیل کے پڑوسی تھے، اس پر مزید یہ کہ آپ ﷺ اور اسکے درمیان مصاہرت کا رشتہ بھی موجود تھا، ام جمیل نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا نکاح آپ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ اور ام کلثوم کے ساتھ کر دیا تھا، بعد میں ام جمیل نے اپنے دونوں بیٹوں کو نکاح توڑنے کا حکم دیا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا، اس اقدام کا مقصد آنحضرت ﷺ کو پریشان کرنا اور آپ ﷺ سے حسد، عناد اور کفر کرنا تھا۔

ابولہب سے دُگنا حسد اُم جمیل کے دل میں تھا، اس کا کام افراتفری اور فتنہ پردازی تھا، چغلخوری کرتی تھی تاکہ لوگ آپ ﷺ سے بدظن ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے اسے نہایت برے وصف سے متصف فرمایا، اسے ﴿حمالة الحطب﴾ کا نام دیا گیا، یہ ایسی عورت کی صفت ہے جو چغلخوری کرتی ہو اور فتنہ کی آگ بھڑکاتی ہو، جس آگ کے ذریعہ لوگوں کی رشتہ داری، محبت اور صلہ رحمی کو خاکستر کر دیتی ہو۔

اس عمل بد کے نتیجہ میں ام جمیل اسفل السافلین میں سے ہوگئی، اسے لکڑی جمع کرنے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد اس کی کمینگی کی طرف اشارہ کرنا ہے کیونکہ لکڑی جمع کرنے والی قدم قدم پر لکڑی تلاش کرتی ہے، اس کی گردن میں ایک رسی ہوتی ہے جس سے جمع شدہ لکڑیوں کو باندھتی ہے۔

اُم جمیل قریش کی ان شاعرات میں سے تھی جن کے بعض اشعار تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں، اس کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

> ''وہ قبیلہ کا سرمایۂ افتخار ہے چاہیں قبیلہ والے شہر میں ہوں یا دیہات میں۔ وہ ان کا سردار ہے مصیبتوں کا وقت ہو یا سفر کے دوران ہو یا حالت اقامت ہو۔ تمام اچھی خصلتوں کا مالک ہے اور تمام انسانوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کا دستر خوان بڑا وسیع ہے، وہ نہایت شریف الطبع ہے، لوگوں کو خوشی خوشی بہت زیادہ مال دیدیتا ہے۔''

سورۃ تبت کا نزول اور ام جمیل کا غیظ وغضب:

ام جمیل کو اپنی فصاحت و بلاغت اور معانی کلام کے ادراک پر ناز تھا، اس کا زعم تھا کہ وہ اسرار بلاغت سے واقف ہے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی:

((تبت يدآ أبي لهب وّتب))

اُور ام جمیل کو اس کا علم ہوا جس میں اس کا اور اس کے شوہر کا تذکرہ تھا، تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کے پاس تشریف فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر بھی موجود تھے، صدیق اکبر نے اس کو دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

> ''یارسول اللہ! یہ بہت زبان دراز عورت ہے۔ اگر آپ یہاں ٹھہرے تو آپ کو اس کی بدزبانی سے تکلیف ہوگی۔''

آپ نے فرمایا:

> ''وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔''

چنانچہ وہ عورت وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر سے کہنے لگی:

"اے ابوبکر! تمہارے دوست نے مجھے ذلیل کیا ہے (یعنی میری شان میں وہ بات کہی ہے جو قرآن پاک کی آیت کی صورت میں نازل ہوئی ہے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تمہارے دوست کا کیا حال ہے جو شعر پڑھتے ہیں۔؟"

حضرت ابوبکر نے فرمایا:

"نہیں، وہ تو شعر نہیں کہتے، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ نہیں، اس بیت اللہ کے رب کی قسم! انہوں نے تجھے ذلیل نہیں کیا۔ میرے دوست شاعر نہیں ہیں۔ وہ تو شعر کہنا ہی نہیں جانتے۔"

اس نے کہا:

"میرے نزدیک تم جھوٹ نہیں بولتے۔"

وہ رسول اللہ کو نہ ڈھونڈ سکی:

یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس ہوئی اور یہ کہتے جاتی تھی:

"قریش کے لوگ جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کا اشارہ تھا کہ میں عبد مناف کی بیٹی ہوں جو اس کے باپ کا دادا تھا اور جس ہستی کا باپ عبد مناف (جیسا معزز سردار) رہا ہوں اس کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات کہنے کی کسی کو جرأت نہیں ہونی چاہئے۔"

(غرض ابولہب کی بیوی ام جمیل تو یہ کہتی ہوئی چلی گئی) اب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا:

"یارسول اللہ! وہ آپ کو کیوں نہیں دیکھ سکی؟"

آپ نے فرمایا: "ایک فرشتہ مجھے اپنے پروں میں چھپائے رہا۔"

چنانچہ اس بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"اس سے پوچھنا کہ کیا تم میرے پاس کسی کو دیکھ رہی ہو!"

چنانچہ جب وہ وہاں پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہی سوال کیا اس پر اس نے کہا:

"کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔؟ خدا کی قسم! تمہارے پاس تو کوئی بھی نہیں ہے!"

پھر اس نے کہا:

"وہ کہاں ہے جس نے میری اور میرے شوہر کی ہجو (یعنی شعر میں بےعزتی) کی ہے۔؟ خدا کی قسم! اگر میں اسے دیکھ لوں تو ہاون دستے کے ان پتھروں سے اس کو ماروں۔"

تمہاری ہجو خود اللہ نے کی ہے:

حضرت ابوبکر صدیق کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا:

"ام جمیل! انہوں نے نہ تمہاری ہجو کی ہے اور نہ تمہارے شوہر کی ہجو کی ہے۔"

اس نے کہا:

"خدا کی قسم! تم جھوٹ بولنے والے نہیں ہو، مگر لوگ یہی کہہ رہے ہیں۔"

اس کے بعد وہ واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔ تب میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اس نے واقعی آپ کو نہیں دیکھا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کے اور میرے درمیان حضرت جبرئیل پردہ بن گئے تھے۔''

درمنثور میں ہے کہ ام جمیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس وقت آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی آپ ﷺ سے سوال کیا:

''اے محمد! تم نے کس بات پر میری ہجو کی ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ تمہاری ہجو خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔''

اس نے کہا: ''تم نے مجھے لکڑیاں اور ایندھن اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے یا میری گردن میں بٹی ہوئی رسی دیکھی ہے؟''

اُم جمیل کی عبرتناک موت:

سورہ تبت کی آخری آیت میں ام جمیل کی حالت بیان کی گئی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور دوزخ میں پہنچ کر اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔''

حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ بٹی ہوئی رسی لوہے کی ایک تپتی ہوئی زنجیر ہوگی جس کا ایک گز ستر گز کے برابر ہوگا (اس کی جہنم میں یہ حالت اور سزا اس لئے ہوگی کہ یہ ام جمیل جنگل سے کانٹے دار لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اپنی دشمنی کی بناء پر یہ لکڑیاں آپ ﷺ کے رستے میں بچھادیا کرتی تھی) اور اس کی موت بھی اس حالت میں واقع ہوئی کہ یہ حضور ا کے راستے میں بچھانے کے لئے کانٹے والی لکڑیاں چن کر لا رہی تھی کہ گٹھڑی کی رسی اچانک اس کے گلے میں پھنس کر اس کی موت کا سبب بن گئی۔

(سیرت حلبیہ)

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک سیاسی و معاشی حالات

مکہ مکرمہ سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر جدہ کے راستہ میں حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا، اسی نسبت سے وہاں کی آبادی کا نام وادی حدیبیہ مشہور ہوا۔ چونکہ اس مقام پر ملت اسلامیہ اور کفر کی طاقتوں کے مابین ایک تاریخی معاہدہ طے پایا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے جاں نثاری کی، ایک ایسی عدیم النظیر بیعت لی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس اجمال کی تفصیل پوری شرح و بسط سے ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

سرور کونین رحمت دارین ﷺ نبوت کے تیرھویں سال اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ فگن ہوئے۔ چھ سال مسلسل قریش کی آتش غیض و غضب فروزاں رہی، جس کی وجہ سے مسلمان بیت اللہ کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے اور نہ ہی اس ذوق کے پورا ہونے کی کوئی صورت بنتی نظر آتی تھی۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے ایک جواب بیان فرمایا کہ ہم مکہ معظمہ پہنچ کر بیت اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہو رہے ہیں۔ صحابہ کے قلوب جو دیدار بیت اللہ کیلئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ان کے اضطراب اور اضطرار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کے اصرار پر نبی کریم ﷺ نے بھی تیار فرمالی۔ کسی خاص اہتمام کے بغیر ہی چودہ سو شمع رسالت کے پروانے اس مقدس سفر میں آپ کی ہم رکابی کیلئے تیار ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ فتح، آیت ۲۷)

حضور ﷺ نے حفظ ماتقدم کے طور پر چند احتیاطی تدابیر اختیار فرمالیں کہ کوئی آدمی ہتھیار ساتھ نہ لے جائے، صرف ایک

دنیام میں ساتھ لے جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے عمرہ کی نیت فرمالی اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ بھی لے گئے تا کہ قریش کو جنگ کا شبہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں ذیقعدہ کا مہینہ سفر کیلئے تجویز کیا۔ جس میں عرب کے قدیم رواج کے مطابق جنگ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔'' (بخاری، جلد۲، صفحہ ۵۹۸)

الحرام میں قبائل عرب دور دراز سے آ کر قبلہ گاہ عام میں عبادات اور عقیدت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے وہ بھی اس جگہ باہم شیر وشکر ہو کر زیارت بیت الحرام سے محفوظ ہوتے تھے، لیکن ان تمام چیزوں سے قریش کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے بڑے زور وشور سے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور ساتھ ہی متحدہ قبائل کی عظیم فوج تیار کر لی۔ چنانچہ مکہ سے باہر ''بلدح'' کے مقام پر مشرکین کی فوجیں جمع ہو گئیں۔

مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ جب حبیب کبریا ﷺ حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوئے، یہاں پانی کا ایک کنواں تھا جس میں تھوڑی مقدار میں پانی تھا جو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو گیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیاس کی شدت کے باعث بے تاب ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اعجاز نبوی ﷺ سے پانی میں اس قدر فراوانی ہوئی کہ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔

قبیلہ خزاعہ جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام تو نہیں ہوا تھا مگر مسلمانوں کا حلیف اور راز دار تھا۔ اس کا رئیس اعظم بدیل بن ورقہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے، اور انہوں نے بلدح کے مقام پر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور جنگ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور آپ کو کعبہ شریف کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں کہہ دیں ہم عمرہ کرنے آئے ہیں، لڑنے نہیں آئے۔ بہتر یہ ہے کہ قریش ایک مدت معینہ کیلئے ہمارے ساتھ معاہدہ صلح کر لیں اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو اس اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن جدا نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے۔

بدیل نے پیغام محمدی ﷺ قریش کو سنانا چاہا تو ناعاقبت اندیش جنگجو نوجوان اس قدر جوش وخروش میں تھے کہ وہ کچھ سننے کیلئے تیار نہ تھے، البتہ پرانے تجربہ کار لوگ بات چیت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ جب بدیل نے تمام شرائط پیش کر دیں۔ ایک معمر اور آزمودہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی کہنے لگا:

''محمد نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں ان سے معاملہ طے کر دوں۔''

چونکہ قریش کو اس پر پورا اعتماد تھا، اس لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔

عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گیا، لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی جو حیرت انگیز عقیدت اور محبت دیکھی تھی اس سے اس کے دل پر گہرے نقوش مرتسم ہو گئے۔ عروہ نے قریش کو کہا:

''مجھے نجاشی شاہ حبشہ، قیصر شاہ قسطنطنیہ اور کسریٰ شاہ ایران کے دربار میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی عظمت اس کے درباریوں کے دل میں محمد کے صحابہ کی طرح پائی جاتی ہو۔ ایسی عقیدت ووارفتگی کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے کیلئے خلقت پروانہ وار ٹوٹ پڑتی ہے اور جب تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر مشک وعنبر کی طرح اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ میری ناصحانہ رائے ہے کہ ان سے صلح کر لی جائے۔'' (بخاری، جلد ۱ صفحہ ۳۷۸، ۳۷۹، کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد)

چونکہ ابھی معاملہ طے نہیں ہوا تھا، اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کیلئے خراش بن امیہ کو اپنی خاص اونٹنی دے کر بھیجا، لیکن قریش نے اونٹنی قتل کر دی اور قریب تھا کہ انہیں بھی قتل کر دیتے، مگر بیچ بچاؤ سے ان کی جان بچ گئی۔ انہوں نے واپس آ کر سارا ماجرا دربار رسالت میں بیان کیا۔ اسی اثناء میں قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے ایک دستہ بھیجا جسے گرفتار کر لیا گیا، لیکن رحمت دو عالم ﷺ کا دامن عفو اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا چنانچہ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، آیت ۲۵)

قریش کی اس مخالفانہ روش اور معاندانہ رویہ کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر مصالحت کی کوشش فرمائی اور اپنے داماد سیدنا عثمان ذی النورین کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کے جانے کے بعد صحابہ کہنے لگے:

''عثمان کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کی نعمت سے سرفراز ہو گئے اور ہم یہاں محروم بیٹھے ہیں۔''

لیکن جب یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو ارشاد فرمایا:

''ہمیں عثمان کی وفاداری پر قوی یقین ہے کہ وہ ہمارے بغیر کعبہ شریف کا طواف نہیں کریں گے۔''

چنانچہ جب حضرت عثمان نے اپنے آقا ﷺ کا پیغام قریش کو پہنچایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو طواف کرنے کی اجازت ہے مگر محمد کو ہم کسی طرح اجازت نہیں دے سکتے، لیکن حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ پھر آقائے دو عالم ﷺ کے بغیر مجھے بھی طواف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد قریش نے آپ کو قید کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ المناک خبر نبی کریم ﷺ کے گوش گزار ہوئی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت فتح، آیت ۲۵) (فتح الباری، جلد ۴، صفحہ ۱۶۷)

آپ ﷺ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے لہٰذا جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ تمام صحابہ کرام نے ولولہ انگیز دینی جوش و خروش کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر جان دینے کا عہد کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور اپنے دوسرے ہاتھ میں رکھ کر عثمان کی طرف سے بھی بیعت کی تاکہ وہ اس اجر جزیل سے محروم نہ رہیں۔

اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی بایں ہمہ جن لوگوں نے قلت تعداد اور فقدان اسباب ظاہری کے باوجود نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر فداکاری و جاں نثاری کی بیعت کی اللہ نے ان کے اس ایثار اور عقیدت حق کی جزاء عظیم یہ عطا فرمائی کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اپنی خوشنودی کی سند انہیں مرحمت فرمائی اور اسی مبارک سند کی بناپر وہ بیعت ''بیعت رضوان'' کے نام سے رہتی دنیا تک موسوم ہوئی۔

سیدنا مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران قریش کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قابل اعتماد فصیح و بلیغ خطیب سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ کافی ردو قدح کے بعد چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ صلح نامہ کی کتابت کی خدمت سیدنا علی المرتضیٰ نے انجام دی۔

حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا:

''سرنامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھیں۔''

جب کہ عرب میں خطوط کی ابتداء باسمک اللھم کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور وہ بسم اللہ شریف سے نا آشنا تھے، اس بناپر سہیل بن عمرو نے کہا: بسم اللہ کی بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، جسے نبی کریم ﷺ نے قبول فرما لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو یہ جملہ لکھنے کو ارشاد فرمایا:

((هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله))

''یہ معاہدہ محمد رسول اللہ نے تسلیم کیا۔''

اس پر سہیل جبیں بجبیں ہوگیا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو رسول تسلیم کرلیں تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر چہ تم میری رسالت کی تکذیب کرتے ہو، حالانکہ خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں۔''

بہرحال آپ نے کاتب سے فرمایا: صرف میرا نام لکھ دیں، لیکن حضرت علی نے غایت عقیدت ومحبت کے پیش نظر آپ کا اسم مکرم مٹانے سے انکار کیا، لیکن خود نبی کریم نے لفظ رسول اللہ مٹا دیا اور اس طرح معاہدہ کی شرائط لکھنے کا نام شروع ہوگیا۔

حسب ذیل شرائط پر معاہدہ طے پایا:

۱۔ مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲۔ آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں قیام کرکے چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف ایک تلوار ساتھ لاسکتے ہیں، وہ بھی نیام میں اور نیام جلبان یعنی تھیلا میں ہو۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے اور اگر مسلمانوں میں کوئی آدمی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے منع نہ کیا جائے۔

۵۔ مکہ کے قریش یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

۷۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔

چنانچہ بنوخزاعہ نے نبی کریم کا ساتھ دیا اور بنی بکر نے قریش کا۔ (سیرت ابن ہشام، عنوان صلح حدیبیہ)

ابھی معاہدہ پر دستخط ہونے باقی تھے کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرچکے تھے اور مکہ میں کافروں کی قید میں تھے، پاؤں میں بیڑیاں پہنے کسی طرح بھاگ کر وہاں آپہنچے۔ ان کے وجود پر ظلم وتشدد اور کفار کی بربریت کے نشانات نمایاں نظر آرہے تھے مگر حضور اقدس ﷺ نے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں قریش کی طرف واپس لوٹا دیا اور انہیں تسلی وتشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ابو جندل صبر وضبط سے کام لو، اللہ کریم تمہارے لئے ضرور کوئی راہ نکال دے گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اور تمام صحابہ کرام نے اسی جگہ اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

(بخاری، جلد ا، صفحہ ۳۸۰)

معاہدہ پر مسلمانوں اور کفار کے حسب ذیل اشخاص نے بطور گواہ کے دستخط کئے تھے:

سیدنا صدیق اکبر

سیدنا عمر فاروق

سیدنا عبدالرحمن ...

سیدنا علی المرتضٰی۔
سیدنا سعد بن ابی وقاص۔
محمود بن مسلمہ۔
مکرز بن حفص۔ (سیرت ابن ہشام عنوان صلح حدیبیہ)

اگر آزادی ضمیر نصیب ہو اور تعصب راہ میں حائل نہ ہو تو اسلام ایسا دین فطرت ہے کہ خود بخود کائنات انسانی کو اپنے اندر چلا جاتا ہے۔ چنانچہ ''صلح حدیبیہ'' کو ''فتح مبین'' کا اعزاز اس وجہ سے نصیب ہوا کہ جب مسلمانوں اور کفار کے مابین ایک ذریعہ جنگ کا التوا ہو گیا، تو مشرکین کو امن و سکون سے مسلمانوں کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ باہم گفتگو اور بحث و تمحیص ہونے لگے۔ اسلام کی مقناطیسی کشش اور مسلمانوں کے کریمانہ اخلاق، قابل رشک اعمال، کردار اور گفتار میں ہم آہنگی، صداقت و پسندی و حق آگاہی اور اجتماعی و انفرادی حیثیت سے تمام اقوام عالم پر امتیاز و برتری نے کفار کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وقت مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی لیکن دو سال کے اندر فتح مکہ کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار بن چکا تھا۔

(سیرت ابن ہشام عنوان

صلح ہو جانے کے بعد خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش مدینہ میں آتے اور مہینوں قیام کرتے۔ مسلمانوں کے حسن عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوتے اور یہ کیفیات مکہ میں جا کر دوسرے کفار سے بھی بیان کرتے۔ سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کرتی گئی۔

دوسری طرف قریش مکہ کی بے جا ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، بدیل بن ورقاء اپنے ساتھ قریش سے الگ ہو گیا اور عروہ بن مسعود بھی اپنی جماعت سمیت قریش سے کٹ گیا۔

ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ نے زندان مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کر دی، جو آدمی بھی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا توحید کی خوبیاں سناتے، اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا ذکر کرتے اور اسے ایمان قبول کرنے کی رغبت دلاتے، ان کی تبلیغ سے سال کے اندر تین سو اشخاص نے ایمان قبول کر لیا، اب کفار اپنی عائد کردہ شرط پر نادم ہوئے اور ایک وفد حضور نبی کریم ﷺ میں مدینہ منورہ بھیجا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں، لہٰذا آپ اپنے نو مسلموں کو مدینہ طیبہ بلا لیں۔

اسی طرح عتبہ بن اسید رضی اللہ عنہ جن کا لقب ابو بصیر تھا، کفار نابکار کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ طیبہ بھاگ آئے۔ قریش نے دو آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجے کہ حسب معاہدہ ہمارا آدمی واپس کیا جائے۔ آپ ﷺ نے عتبہ سے ارشاد فرمایا:

''واپس جاؤ۔''

انہوں نے عرض کیا:

''حضور! کیا پھر مجھے کفار کے چنگل میں دیا جا رہا ہے تاکہ وہ مجھے کفر پر مجبور کریں۔؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تیری نجات کی کوئی تدبیر پیدا فرما دے گا۔''

ابو بصیر مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس لوٹ گئے، لیکن ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بصیر نے ایک کافر کو قتل کر دیا اور دوسرا ڈر کے مارے بھاگ نکلا اور دربار رسالت میں پہنچ کر شکایت کی۔ اتنی دیر میں ابو بصیر بھی پہنچ گئے۔ آپ نے عرض کیا:

''حضرت! آپ نے عہد کے موافق مجھے واپس کر دیا ہے۔اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔''
یہ کہہ کر مدینہ باسکینہ سے چلے گئے اور مقام عیص جو سمندر کے کنارے ذومروہ کے پاس ہے، اقامت اختیار کر لی۔اس کے بعد مکہ کے ستم رسیدہ مسلمان بھی چوری چھپے بھاگ کر آنا شروع ہو گئے اور ابو بصیر کے پاس ستر مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت جمع ہو گئی۔اس کے بعد قریش کا جو قافلہ تجارت شام کو جاتے ہوئے وہاں سے گزرتا تو یہ لوگ انہیں قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔اس طرح یہی مال غنیمت ان کا ذریعہ معاش بن گیا۔''

چنانچہ قریش حالات کی سنگینی سے مجبور ہو کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض پرداش ہوئے کہ ہم معاہدہ کی اس شرط سے باز ئے۔لہٰذا جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعارض نہیں کریں گے۔اس کے بعد ابو بصیر اور ان کے ساتھی مدینہ طیبہ یں آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔اس طرح کفار نے خود ہی اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور جن شرائط کو سلمانوں نے کڑوا گھونٹ سمجھ کر پیا تھا، وہ ان کے حق میں واقع فتح بین ثابت ہوا۔
(بخاری، جلد ۱ صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۱، کتاب الشروط باب شروط فی الجہاد)

عمرۃ القضاء

فخر موجودات سرور کائنات ﷺ نے اپنی نبوت کی مقدس زندگی میں چار مرتبہ عمرہ ادا فرمایا۔ پہلا حدیبیہ والے سال (اگر چہ کفار نے ادائیگی سے روک دیا تھا) دوسرا عمرہ ۷ ہجری میں حدیبیہ والے عمرہ کی قضا کی صورت میں، تیسرا عمرہ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر جعرانہ میں تشریف لائے اور مال غنیمت تقسیم فرمایا اور وہاں ہی سے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا اور چوتھی مرتبہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا کیا۔
(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۹۷) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۰۹)

عمرہ قضاء جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ ذیقعدہ ۶ ہجری میں کفار نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کبار کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اگلے سال عمرہ کا معاہدہ ہوا تھا۔ چنانچہ ۷ ہجری کو حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کی تیاری فرمائی اور اعلان فرمایا کہ گزشتہ سال جتنے لوگ ہمارے ساتھ شریک سفر تھے سب عمرہ کی تیاری کریں، کوئی ان میں سے رہ نہ جائے، بجز ان حضرات کے جو اس اثناء میں غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے یا وفات پا گئے۔صحابہ نے بڑے جوش وخروش سے تیاری کی اور دو ہزار کی جمعیت اس مقدس سفر میں آپ کی ہمرکاب تھی۔مدینہ طیبہ میں آپ نے ابورہم الغفاری کو نیابت سپرد فرمائی۔آپ نے خود، زرہیں اور نیزے بھی ساتھ لئے اور ایک سو گھوڑے ساتھ تھے۔گھڑ سوار رسالہ کی امارت پر محمد بن سلمہ کو مقرر فرمایا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی ہی میں احرام باندھ لیا اور ساٹھ اونٹ قربانی کیلئے ساتھ لئے۔معاہدہ کے مطابق آپ ہتھیار ساتھ لے کر مکہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ آٹھ میل دور بطن یاجج کے مقام پر اسلحہ جمع کر دیا اور دو سو سواروں کا دستہ اس کی حفاظت کیلئے تعینات فرمایا۔اس جگہ سے حرم کے بت نظر آ رہے تھے۔

اہل مکہ نے اگر چہ بادل نخواستہ آپ ﷺ کو عمرہ کی اجازت تو دے دی مگر ان کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی تھیں، اس لئے رؤسا قریش شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔حضور اکرم شت اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور عبداللہ بن رواحہ نکیل تھامے ہوئے تھے ان کے راستہ سے شہر میں داخل ہوئے۔صحابہ کرام کا جم غفیر برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے ولولہ اور جوش سے ادا کر رہا تھا۔اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب وہوا نے کمزور کر دیا ہے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ طواف کے پہلے تین چکر اکڑتے

ہوئے چلیں۔ اسے عربی میں رمل کہتے ہیں۔ یہ سنت آج تک جاری وساری ہے۔ (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۱)

آپ ﷺ نے اونٹنی پر ہی طواف کیا اور لاٹھی سے حجر اسود کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ (مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵)

پھر سواری پر ہی صفا مروہ کی سعی ادا فرمائی، جب سات چکر پورے ہوگئے تو مروہ کے قریب قربانی ادا کی اور وہیں سر منڈایا۔

کفار جبل ابی قبیس پر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے سچے جوش، سادہ موثر طریق عبادت اور ان کی اعلیٰ دیانت امانت نے عجیب اثر دکھایا۔ لوگوں سے شہر خالی پڑا تھا مگر کسی کا ذرا برابر بھی نقصان نہیں ہوا۔ اس حسن کردار سے سینکڑوں کفار اسلام کی طرف مائل ہوگئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف میں کسی مکان میں قیام فرما ہونے کی بجائے ریتلی زمین پر چمڑے کا خیمہ لگا کر تین دن میں رونق افروز رہے۔ جب تین دن پورے ہوگئے تو کفار نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کی وساطت سے پیغام بھیجا کہ حسب معاہدہ مدت قیام پوری ہوچکی ہے لہٰذا آپ تشریف لے جائیں۔ (مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر سیدہ میمونہ سے نکاح بھی کیا تھا جبکہ وہ احرام میں تھیں۔ (بخاری، جلد ۲، صفحہ ۶۶۱، باب عمرۃ القضاء)

رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ اگر قریش مکہ میں ولیمہ کرنے کے لئے ہمیں ایک دن مزید ٹھہرنے کی اجازت دیں تو ہم انہیں بھی دعوت میں شریک کریں گے، لیکن قریش اس پر رضامند نہ ہوئے اور آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہوکر سرف میں جا ٹھہرے اور وہیں ولیمہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۴، صفحہ ۲۳۴)

مکہ مکرمہ کی فتح

ہجرت نبوی کے بعد ''مکہ مکرمہ'' سارے عرب میں اسلام کے خلاف فتنہ وفساد کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔ مکے کے سرمایہ پرست اور خودسر قریشی تاجروں نے اسلام کے خلاف تحریک شروع کی۔ انہوں نے نہ صرف جارحیت سے کام لیا بلکہ یہودیوں اور کافروں کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کو مٹانے کیلئے سازشوں کا جال بچھا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرکز کو توڑنے اور ان کے اتحادیوں کو منتشر کرنے کیلئے ٹھوس اقدامات اٹھائے۔ صلح نامہ حدیبیہ کو اسی لیے سیاست نبوی کا شاہکار سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بدولت قریش اور ان کے ساتھیوں کا متحدہ محاذ ٹوٹ گیا۔ ان میں سے ہر ایک مفلوج و بے بس ہوکر رہ گیا اور آپ آسانی سے بھاری جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگئے۔ صلح نامہ حدیبیہ سے پہلے مسلمان چاروں طرف سے خطروں میں گھرے ہوئے تھے لیکن اس کے بعد دو سال کے عرصے ہی میں وہ اس قدر طاقتور ہوگئے کہ مکے سے مدینے تک کوئی قبیلہ بھی ان کے مقابلے میں آنے کی جرات نہیں کرسکا اور وہ لڑائی بھڑائی کے بغیر ہی مکے پر قابض ہوگئے۔

بنوبکر و بنوخزاعہ میں قبائلی عداوت:

اس طرح صلح نامہ حدیبیہ ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اسی صلح نامے سے فائدہ اٹھا کر بنوبکر و بنوخزاعہ بالترتیب بنوقریش اور مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے۔ اس لیے معاہدے کے مطابق ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مگر بنوبکر نے عہد شکنی کی اور یکایک بنوخزاعہ پر دھاوا بول دیا۔ ظالموں کو سزا دینے کیلئے آپ نے بنوقریش کے سامنے مطالبات پیش کیے مگر انہوں نے انہیں ٹھکرا دیا اور معاہدہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا۔ مجبور ہوکر آپ نے مکے پر حملہ کردیا اور شہر والوں کو پروانہ

امن عطا کر کے اسے اسلامی ریاست کا ایک حصہ بنا دیا۔

اس طرح بنوبکر و بنوخزاعہ کی پرانی دشمنی سے فتح مکہ کیلئے زمین ہموار ہوئی۔ دونوں میں دور جہالت ہی سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ابن اسحاق کے مطابق مالک بن عباد حضرمی بنوبکر کے رئیس اسود بن رزن کا حلیف تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے بنوخزاعہ کی بستی سے گزرا تو انہوں نے اس کا سامان لوٹ کر اسے قتل کر دیا۔ بنوبکر نے قصاص میں بنوخزاعہ کے آدمی کو مار ڈالا اور بنوخزاعہ نے بدلہ لینے کیلئے خود اسود کے بیٹوں سلمی، کلثوم اور ذویب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح دونوں میں انتقام و قصاص کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت یہ سلسلہ بظاہر بند ہو گیا تھا، لیکن بنوبکر نے موقع پاتے ہی بنوخزاعہ کے خون سے ہولی کھیلی اور انہیں جہاں پایا قتل کر ڈالا۔

بنو ہاشم کے خلاف بنونوفل و بنوامیہ کا اتحاد:

عبدالمطلب کے دور میں قریش میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ بنونوفل نے بنوامیہ اور بنومخزوم کو ملا کر بنو ہاشم کے خلاف محاذ بنایا اور عبد المطلب سے ہاشم کے سارے مکان چھین لیے۔ بنوامیہ، بنومخزوم اور دوسرے خاندانوں نے عبدالمطلب کا ساتھ نہیں دیا، تو انہوں نے مجبور ہو کر اپنی والدہ کے خاندان بنونجار سے مدد مانگی۔ ان کے رئیس ابوسعید بن عدس 80 سوار لے کر مدینے سے مکے آئے اور تلوار کے زور سے مکان حاصل کر کے عبدالمطلب کے حوالے کر دیئے۔ نوفل نے دب کر مکان تو دے دیئے مگر بنو ہاشم کے خلاف اور بھی مستعدی سے کام کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے بنوخزاعہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دارالندوہ میں معاہدہ لکھا گیا اور دونوں نے مل کر بنونوفل اور ان کے حامیوں کے مقابلے میں اپنا محاذ بنا لیا۔ مروی ہے کہ انہوں نے اسی پرانے معاہدے کا حوالہ دے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی اور وہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

بنوبکر و بنوقریش دونوں کنانہ کی اولاد تھے۔ بنوخزاعہ نے عبدالمطلب کا ساتھ دیا تو بنوبکر ان کے حریف بنونوفل و بنوامیہ سے مل گئے۔ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر اسی اتحاد کی تجدید ہوئی اور بنوبکر نے بنوقریش سے معاہدہ کر لیا تاکہ دونوں مل کر بنوخزاعہ سے دل کھول کر انتقام لے سکیں۔ اس طرح بنوبکر و بنوخزاعہ کی پرانی دشمنی اور بنو ہاشم کے خلاف بنونوفل، بنوامیہ اور بنومخزوم کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے معاہدہ حدیبیہ دس سال تو کیا دو سال تک بھی برقرار نہیں رہا۔ بنوبکر کی خاطر بنوقریش نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے پر حملے کر کے اسے اسلامی ریاست میں شامل کر لیا۔

بنوخزاعہ کا قتل عام:

اسود بن رزن بنوبکر کے مشہور خاندان بنوالدیل کا رئیس تھا۔ ابن اسحاق کے مطابق اس کے گھرانے کو بنوبکر و بنوکنانہ میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی دیت بھی دگنی تھی۔ اس لیے اس کے بیٹوں کا قصاص لینے کیلئے بنوبکر و بنوکنانہ متحد ہو گئے۔ ابھی وہ بنوخزاعہ سے انتقام لینے میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک و بت پرستی کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ بنو قریش نے اسے اپنے آبائی مذہب پر حملہ تصور کیا اور آپ کے خلاف متحدہ محاذ تک بنا ڈالا۔ بنوبکر کا ایک شاعر تو آپ کے خلاف ہجو یہ کلام پڑھتا تھا۔ بنوخزاعہ نے اس بدگو شاعر کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ تھیں۔ صلح نامہ حدیبیہ کی وجہ سے وہ قانونی طور سے مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے۔ اس لیے بنوالدیل ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے، پھر بھی وہ باز نہیں آئے اور قریش سے خفیہ معاہدہ کر کے انہوں نے اسلحہ حاصل کیا اور بنوخزاعہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

اندھیری رات تھی۔ بنوخزاعہ اپنی بستی "وتیر" میں چشمہ کے پاس سو رہے تھے کہ اچانک بنوالدیل (بنوبکر) اور بنوقریش نے مل کر ان پر دھاوا بول دیا۔ ابن سعد کے مطابق بنوقریش کے بڑے بڑے سرغنہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور بنوعامر کے دو

آدمی بھیس بدل کر لڑ رہے تھے۔ ان سب نے بنوخزاعہ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے دل کھول کر بدلہ لیا۔ ابن اسحاق کے مطابق بنو خزاعہ کے دو آدمی تمیم اور منبہ اسی رات ''وتیر'' میں تھے۔ منبہ ضعیف العمر تھے۔ اس لیے انہوں نے تمیم سے کہا:

''تم تو جان بچا کر بھاگ جاؤ، میں قریب المرگ ہوں، بچ گیا تو خیر، ورنہ مارا ہی تو جاؤں گا۔''

مروی ہے کہ تمیم جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، مگر ظالموں نے منبہ کو نہیں بخشا اور انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنوخزاعہ نے جان بچا کر مکے کا رخ کیا اور بدیل بن ورقاء اور ان کے غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی۔ ابن خلدون کے مطابق بنو الدیل کا رئیس نوفل بن معاویہ اپنے آدمیوں کو لے کر ان کے گھروں میں گھس گیا اور مظلوموں کو بے دریغ تہ تیغ کرنے لگا۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو وہاں بھی نہیں چھوڑا۔ خود اس کے ساتھیوں نے حرم کا واسطہ دے کر کہا:

''الهك ! الهك؟''

''نوفل! اللہ کے واسطے انہیں چھوڑ دو۔ اب تو وہ ہم حرم میں آگئے ہیں۔''

لیکن ظالموں نے جواب دیا:

''لا اله اليوم''

''آج تو اللہ بھی کوئی چیز نہیں۔ انتقام لو، دل کھول کر بدلہ لو، کیا تم حرم کا پاس کر کے یہ سنہرا موقع ہاتھ سے جانے دو گے؟''

یہ سن کر انہوں نے تلواریں بلند کیں اور حرم میں گھس کر بنوخزاعہ کے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔ مذہبی و قومی روایات کے مطابق حرم میں خونریزی حرام تھی، لیکن نوفل نے اس کا احترام بھی نہیں کیا اور حرم کے اندر گھس کر خون بہانے سے بھی نہیں ہچکچایا۔ اس طرح قومی روایات کے مطابق بنوبکر سنگین جرم کے مرتکب اور صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے ذمہ دار بھی ہوئے۔ اس لیے ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض اولین بن گیا۔

حالات جنگ:

اس برے کام میں قریش برابر سے شریک تھے۔ دراصل انہوں نے ہی بنوبکر کو اکسایا، اسلحہ فراہم کیا اور بھیس بدل کر خزاعہ کے قتل عام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس لیے صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے ذمہ دار وہی ٹھہرے۔ سہیل، عکرمہ اور صفوان نے اہم کردار ادا کیا۔ ممکن ہے کہ ابوجہل اس سازش سے واقف نہ ہو مگر مخزوم کی دو بڑی شخصیتوں، حارث بن ہشام اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو سارا حال پہلے ہی سے معلوم تھا۔

کہا جاتا ہے کہ خزاعہ کے صرف چالیس آدمی زندہ بچے، باقی مارے گئے۔ ابن اسحاق کے مطابق ان بچے کھچے مظلوموں کا پیغام لے کر عمرو بن سالم خزاعی دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں یہ منظوم عرض داشت پر درد الفاظ میں پیش کی:

یا رب ابی ناشد محمدا — حلف ابينا و ابيه الاتلدا

فانصر هذاك الله نصرا اعتدا — و ادع عباد الله يا تو مددا

فی فیلق کالبحر یجری مریدا — ان قریشا اخلفوك الموعدا

و نقضوا ميثاقك الموكذا — وجعولوا لی فی كزاء رصدا

وزعموا ان لست ادعوا احدا — وهم اذل و اقل عددا

هم بیونا بالوتیر هجدا و قلونا رکعا و سجدا

''اے رب! میں محمد کو وہ پرانا معاہدہ یاد دلاتا ہوں، جو ہمارے باپ اور آپ کے باپ (عبدالمطلب) میں ہوا تھا۔اے ہادی برحق! ہماری مدد پوری طرح کیجئے اور اللہ کے بندوں کو ہماری مدد کیلئے بلائیے۔بحر زخار کی طرح طاقتور لشکر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، یقیناً قریش نے آپ سے کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی۔انہوں نے آپ سے کیے ہوئے مضبوط معاہدے کو توڑ ڈالا اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کوئی بھی ہماری امداد کو نہیں آئے گا، حالانکہ وہ تو سب سے زیادہ حقیر اور تعداد میں سب سے کم ہیں۔انہوں نے وتیر میں بحالت خواب ہم پر حملہ کر دیا اور ہمیں رکوع وسجود میں بھی قتل کر ڈالا۔''

بنوقریش کی غداری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کی المناک داستان سنی اور وعدہ فرمایا کہ آپ ان کی مدد ضرور کریں گے۔مروی ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

''دیکھو! یہ بادل کے ٹکڑے بھی ان کی مدد کے لئے بے چین نظر آ رہے ہیں۔''

اسی کے بعد بدیل بن ورقاء کی قیادت میں بنوخزاعہ کا دوسرا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔بدیل نے بنوقریش و بنوبکر کی دھوکے بازی اور ہٹ دھرمی کا سارا حال سنایا۔المیہ وتیر کے حالات تفصیل سے معلوم ہوئے تو آپ اور بھی متفکر ہو گئے۔زرقانی کے مطابق آپ نے قریش کے پاس حضرت ضمرہ کو بھیجا اور مطالبہ کیا کہ تین شرطوں میں سے کوئی ایک فوراً قبول کی جائے:

1: بنوقریش بنوبکر کی حمایت سے فوراً دست بردار ہو جائیں۔

2: یا مقتولوں کا خون بہا (دیت) ادا کیا جائے۔

3: یا اعلان کر دیں کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔

ان شرائط پر غور کرنے کیلئے زعمائے قریش دارالندوہ میں جمع ہو گئے۔سہیل نے مشورہ دیا کہ پہلی شرط مان لی جائے مگر اکثریت نے مخالفت کی۔انہوں نے کوتاہ نظری سے کام لے کر پہلی دو شرطوں کو ٹھکرا دیا۔پھر ان کے نمائندے قرطہ بن عمرو نے قاصد رسول کو مطلع کر دیا کہ ''انہیں تو صرف تیسری اور آخری شرط منظور ہے۔''

اس طرح بنوخزاعہ کے قتل عام سے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خود بنوقریش نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑنے کا اعلان کر دیا۔اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ آپ قریش کے خلاف فوجی کارروائی کریں اور مکے کو اپنی تحویل میں لے لیں۔اسی لیے ابن اسحاق لکھتے ہیں:

((كان ذلك مما هاج فتح مكة))

''اسی واقعہ نے ہیجان بپا کر دیا اور فتح مکہ کے لئے ماحول پیدا ہو گیا۔''

واقدی کے خیال میں بھی اسی المیے سے متاثر ہو کر آپ سے حملہ کر کے مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔

ابن خلدون کے مطابق:

''یہی واقعہ ''فتح مکہ'' کا سبب بنا اور قریش کو اپنے کیے پر ندامت ہوئی۔''

ابو سفیان بارگاہ رسالت میں:

بعد میں بنو قریش نے محسوس کیا کہ دراصل حالات بہت ہی نازک ہو گئے ہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اب حقیقت پر مبنی فیصلہ کیا اور ابو سفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ وہ سیدھے اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچے، لیکن قرب رسول اللہ کی وجہ سے وہ اب ام المومنین تھیں اور ان کا مرتبہ مسلمانوں کی نظر میں بہت ہی اونچا تھا۔ اس لئے باپ کی آمد پر انہوں نے اسلامی شان کا مظاہرہ کیا اور فوراً فرش ہٹوا دیا۔ باپ نے اس اقدام پر اعتراض کیا تو انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا:

''مشرک و کافر اس فرش پر نہیں بیٹھ سکتے جو رسول کے قدموں سے متبرک ہو چکا ہے۔''

یہ سن کر ابو سفیان ناراض ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ کے پاس گئے مگر انہوں نے بھی بیچ میں پڑنے سے انکار کر دیا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر حضرت حسن کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:

''اگر یہ صاحبزادے اپنی زبان سے صرف اتنا کہہ دیں کہ انہوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا ہے تو پھر یہ آج سے سردار عرب کے لقب سے مشہور ہو جائیں گے۔''

اس وقت حضرت حسن کی عمر پانچ سال تھی۔ اس لیے سیدہ فاطمہ نے فرمایا:

''بچے ایسے معاملات میں کیا دخل دے سکتے ہیں۔؟ یہ اختیار تو صرف اور صرف رسول اللہ ہی کو حاصل ہے۔''

آخر میں وہ حضرت علی سے ملے۔ انہوں نے کہا:

''رسول اکرم جو کچھ طے کر چکے ہیں اس کے خلاف کوئی بھی مشورہ نہیں دے سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دو کہ میں صلح نامہ حدیبیہ کو پھر سے بحال کرتا ہوں۔''

انہوں نے حضرت علی کے مشورے پر یہی کیا، مسجد نبوی میں جا کر ''رسم جوار'' ادا کی اور اعلان کر دیا کہ انہوں نے قریش کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے، لیکن یہ تو یکطرفہ کارروائی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے اس اعلان کا خیر مقدم نہیں کیا اور وہ مایوس ہو کر واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ سارے حالات سن کر قریش اور بھی پریشان ہوئے۔ انہوں نے کہا:

''یہ نہ تو صلح ہے کہ بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں اور نہ ہی اعلان جنگ ہے کہ لڑائی کی تیاری کی جائے۔''

ابن اسحاق کے مطابق لوگوں نے پورا واقعہ سن کر پوچھا:

''کیا محمد نے تمہاری تجویز کو قبول کر لیا؟''

انہوں نے جواب دیا:

''نہیں تو۔''

اس پر سب نے کہا:

''یہ تو علی نے تمہیں بیوقوف بنا دیا۔''

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کیلئے تیاری کا حکم دے دیا۔ حلیف قبیلوں کے پاس بھی پیغام بھیج دیا کہ وہ بھی تیار ہو کر آ

جائیں، لیکن آپ نے یہ ساری کارروائی اس قدر خاموشی سے کی کہ کسی کو کانوں کان خبر لگنے نہیں دی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے مطابق خود ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ کو معلوم نہیں تھا کہ کس علاقے پر حملہ ہونے والا ہے۔ آپ نے خاص طور سے اس راستے کی ناکہ بندی کر دی جو مکے کی طرف جاتا تھا۔

حضرت حاطب معزز صحابی تھے اور غازیان بدر میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے اہل وعیال مکے میں تھے، جن کا محافظ و سرپرست وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے قریش کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے ان کے نام ایک خط لکھا کہ ''فوجی تیاری زور وشور سے جاری ہے، ہوسکتا ہے کہ مکے پر حملہ ہو۔ اس لیے تمہیں خبردار کیا جاتا ہے۔'' انہوں نے یہ خط ''سارہ'' کنیز کو دے کر مکہ مکرمہ بھیج دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر دے دی گئی۔

ابن اسحاق کے مطابق آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر کو سارہ کے تعاقب میں روانہ کیا لیکن صحیحین کے مطابق ان کے ساتھ حضرت مقداد بھی گئے تھے۔ زرقانی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ انہوں نے خلیفہ یا روضہ خاک میں اسے جا پکڑا، تلاشی لی تو خط برآمد نہیں ہوا۔ عاجز آ کر انہوں نے سختی کی تو اس نے سر کی چوٹی کھولی اور اس میں سے خط نکال کر دیا۔ اس سنسنی خیز خبر سے صحابہ کرام حیرت میں پڑ گئے۔ حضرت عمر فاروق نے تو حضرت حاطب کے قتل کی اجازت بھی مانگی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا بجھا کر سب کو خاموش کر دیا۔

حضرت حاطب معرکہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے گناہوں کو بخش دیا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چشم پوشی سے کام لے کر انہیں معاف کر دیا۔ پھر حضرت کلثوم بن حصین بن عتبہ غفاری کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کر کے صحابہ کرام کے ہمراہ عازم سفر ہو گئے۔

مکہ مکرمہ پر فوج کشی (۱۰رمضان ۸ھ مطابق یکم جنوری ۶۳۰ء):

فوجی تیاری مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدوں کو لے کر دس رمضان کو مدینے سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں دوسرے قبیلے اپنی فوجوں کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ آخرکار اسلامی علم کے نیچے دس ہزار جواں مرد جمع ہو گئے۔ ''معرکہ احزاب'' میں قریش نے اپنے اتحادیوں کو لے کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کیلئے مدینے پر دھاوا بول دیا تھا۔ اب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی خاطر، مظلوموں کی حمایت میں اور بت پرستی کے گڑھ کو توڑنے کیلئے اپنے ساتھیوں کو لے کر مکے پر چڑھائی کی۔ معرکہ احزاب میں میدان سے بھاگنے کے بعد بنو قریش کی ساکھ ختم اور ان کی فوجی طاقت زائل ہو چکی تھی۔ اس لیے بہت سے قبیلے آپ کی پناہ میں آ گئے اور موقع آیا تو آپ کی فوج میں شامل ہو کر فتح مکہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ واقدی اور ابن اسحاق کے مطابق مندرجہ ذیل قبیلوں نے اس موقع پر آپ کا ساتھ دیا تھا:

قبیلے کا نام	شرکاء کی تعداد
بنی سلیم	سات سو یا ایک ہزار
بنی غفار	چارسو
اسلم	چارسو
مزینہ	ایک ہزار تین سو

جہنیہ	نامعلوم
اشجعہ	نامعلوم
خزاعہ	نامعلوم
ضمرہ	نامعلوم
لیث	نامعلوم
اسعد بن بکر	نامعلوم
تمیم	نامعلوم
قیس	نامعلوم
اسد	نامعلوم

''معرکہ احزاب'' میں بنو قریش اور ان کے اتحادیوں کی فوج دس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ آپ کے ساتھ دس ہزار مجاہد امن و امان اور صلح و سلامتی کی فضا کے قیام کیلئے مکہ مکرمہ کی جانب عازم سفر تھے۔ مکے سے ایک دو منزل کے فاصلے پر ''مرا الظہر ان'' میں کوکب رسالت نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس مقام سے مکہ مکرمہ اور طائف دونوں طرف راستے جاتے تھے۔ اس لیے دشمن وہاں بھی اسلامی فوج کی منزل مقصود کا اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ آپ نے بھی اس قدر جزم و احتیاط سے کام لیا کہ اسلامی فوج ''مرالظہر ان'' پہنچ گئی اور بنو قریش بے خبر ہی رہے۔ رات ہوئی تو آپ نے ہر ایک کو آگ جلانے کا حکم دے دیا۔ یکا یک دس ہزار الاؤ روشن ہو گئے۔ سارا میدان روشنی سے جگمگا اٹھا، مکے کے افق پر آگ کی سرخی پھیلی اور فضائے بسیط پر چھا گئی۔ بنو قریش چونک اٹھے اور سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ ابو سفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء شعلہ افشاں الاؤ کی سمت روانہ ہوئے اور ''مرالظہر ان'' پہنچ کر ٹھٹک گئے۔ انہوں نے وہاں اسلامی فوج کو خیمہ زن پایا تو ان کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔

ہجرت عباس:

اب تک حضرت عباس مکے ہی میں مقیم تھے۔ وہ سقایہ کے منصب پر فائز تھے اور یہ فریضہ بدستور انجام دیتے رہے۔ ابن شہاب زہری تذکرہ کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت ہی خوش تھے۔ انہیں آپ کی آمد کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ ابن ہدام کے مطابق وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اسی طرح حضرت ابو سفیان بن حارث اور عبد اللہ بن امیہ بھی ''نیق عقاب'' میں آپ کے پاس آ گئے۔ دونوں آپ کے قریبی رشتے دار تھے۔ حضرت ابو سفیان آپ کے بڑے چچا حارث کے صاحبزادے اور حضرت عبد اللہ بن امیہ آپ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے تھے۔ دونوں آپ کے مخالف تھے اور آپ کو بہت ستایا کرتے تھے۔ حضرت ابو سفیان بن حارث بہت بڑے شاعر تھے اور انہوں نے آپ کی ہجو تک لکھی تھی، اس لیے آپ نے ان دونوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے حضرت یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنی حرکتوں پر ندامت ظاہر کی اور معافی مانگی تو آپ نے بھی انہیں آغوش رحمت میں لے لیا۔

مروی ہے کہ حضرت ابو سفیان بن حارث نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کی شان میں قصیدہ نظم کیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

ھذا بی ھاد غیر نفسی ونالنی
مع اللہ من طردت کل مطرد

''مجھے میرے نفس نے نہیں بلکہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھا راستہ دکھا دیا اور اس شخصیت نے مجھے اللہ سے ملا دیا جسے میں نے دھتکار دیا تھا۔''

ابوسفیان دائرہ اسلام میں:

حضرت عباس بارگاہ رسالت میں حاضر ہو چکے تھے۔ وہ قریش کے مستقبل کے بارے میں بہت ہی متفکر تھے۔ اگر انہوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر اسلامی فوج سے ٹکر لی تو پھر ان کا حشر بہت ہی برا ہوگا۔ حضرت عباس چاہتے تھے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے اور وہ سوجھ بوجھ سے کام لے کر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ یہ سوچ کر وہ آپ کے سفید خچر (بغلہ) پر بیٹھ کر مکے روانہ ہو گئے تاکہ انہیں اچھی طرح سمجھائیں اور انہیں ان کے انجام کا احساس بھی پوری طرح دلا دیں۔ اتفاقاً اسی وقت حضرت ابوسفیان ''بدیل اور حکیم بن حزم ''مرالظہر ان'' میں اسلامی فوج کو دیکھ کر واپس جا رہے تھے۔ بدیل کا خیال تھا کہ بنوخزاعہ کی فوج خیمہ زن ہے، لیکن حضرت ابوسفیان نے تردید کی اور سمجھایا کہ وہ تعداد میں کم اور طاقت میں بہت ہی کمزور ہیں، اس لیے وہ تو نہیں البتہ کوئی اور جماعت ہوگی۔ ان کی گفتگو سے حضرت عباس نے انہیں پہچان لیا اور خبردار کیا کہ یہ تو رسول اکرم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ خیمہ زن ہیں۔ تم پر نظر پڑ گئی تو پھر تمہیں تو وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے اور فوراً تمہاری گردن اڑا دیں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو۔

حضرت ابوسفیان حضرت عباس کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا ہی رہے تھے کہ انہیں حضرت عمر فاروق نے پہچان لیا۔ وہ چلائے:

''کفر کا سردار اب تو ہمارے قبضہ میں ہے۔''

یہ کہہ کو جھپٹے مگر حضرت عباس انہیں لے کر جلدی سے آپ کے خیمے میں گھس گئے۔ حضرت عمر بھی پیچھے پیچھے ہو لیے تاکہ آپ سے اجازت لے کر ابوسفیان کی گردن اڑا دیں، مگر حضرت عباس نے اسی وقت اعلان کر دیا کہ انہوں نے تو حضرت ابوسفیان کو اپنی پناہ (جوار) میں لے لیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا:

''اچھا انہیں اس وقت تو اپنے ساتھ لے جائیں۔ صبح پھر لے کر آئیں تو اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔''

صبح ہوئی تو حضرت ابوسفیان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے تسلیم کیا:

((بابی انت وامی ، ما احلمك واکرمك و اوصلك))

''میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ آپ تو بہت ہی حلیم و بردبار، شریف و کریم اور صلہ رحمی کا مجسمہ ہیں۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو پھر ہم لوگوں کی امداد ضرور کرتا۔''

مروی ہے کہ ابھی آپ کی رسالت کا اقرار کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ حضرت عباس نے سمجھایا اور انہوں نے فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ وہی حضرت ابوسفیان تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، بار بار مدینے پر چڑھائی کی اور سارے

عرب کواسلام کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اب وہی حضرت ابوسفیان آپ کے رحم وکرم پر تھے۔ وہ اپنی تخریبی سرگرمیوں اور اسلام دشمنی کے جرم میں بڑی سے بڑی سزا کے مستحق تھے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغوش رحمت میں لے کر انہیں امن وسلامتی کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں تو یہ اعزاز بھی عطا فرما دیا کہ جو بھی ان کے گھر میں پناہ لے گا، وہ مامون ومحفوظ سمجھا جائے گا۔

پروانہ رسالت مآب:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، اس لیے آپ نے قتل وغارت گری کو اپنا شعار نہیں بنایا، بلکہ ہمیشہ عفو اور چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اہل مکہ کو پروانہ امن عطا فرما دیا۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابوسفیان کے مسلمان ہوتے ہی اعلان فرمادیا:

((من دخل دار ابی سفیان فهو آمن))

''جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان مل جائے گی۔''

یہ بھی مروی ہے کہ حکیم بن حزام کے گھر کو بھی آپ نے یہی درجہ عطا فرمایا۔

((من اغلق بابه فهو آمن))

''جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھا رہے گا، اسے بھی امان دی جاتی ہے۔''

((من دخل المسجد فهو آمن))

''جو مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان دی جاتی ہے۔''

اسی کے ساتھ آپ نے مجاہدوں کو ہدایت کر دی کہ وہ کسی زخمی وقیدی کا ناحق خون نہ بہائیں اور نہ ہی کسی بھاگ جانے والے کا تعاقب کریں۔ نیز جو ہتھیار ڈال دیں انہیں بھی قتل نہ کیا جائے۔ ابوسفیان پروانہ امن لے کر مکے آئے اور اشراف قریش پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں سے ٹکر لینا بے سود ہے۔ اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ پروانہ امن سے فائدہ اٹھائیں اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ اس طرح انہوں نے شہر میں امن وامان کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اکثریت نے مقابلے کا خیال دل سے نکال دیا، ہتھیار ڈال دیئے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ حضرت ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھروں میں پناہ لے لی، یا پھر حرم کعبہ میں چلے گئے۔ صرف بنو مخزوم اور ان کے حامیوں نے ساتھ نہیں دیا، باقی ہر ایک نے دین اسلام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح خونریز جنگ کے امکانات ختم ہو گئے اور اسلامی فوج آسانی سے شہر میں داخل ہو گئی۔

اسلامی فوج کا پرامن داخلہ (۱۱ جنوری ۶۳۰ء):

صبح ہوئی تو اسلامی فوج ''مرالظہران'' سے آگے بڑھ کر ''ذوطویٰ'' میں خیمہ زن ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر سے مروی ہے کہ اس وقت سرخ یمنی چادر ''بردحمرہ'' آپ کے دوش مبارک پر لہرا رہی تھی۔ آپ کی ہدایت پر حضرت عباس نے حضرت ابوسفیان کو اسلامی فوج کی فاتحانہ شان سے روانگی کا مظاہرہ دکھایا۔ ''جلوس رسالت'' سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، وہ اس قدر مرعوب ہو گئے کہ بے اختیار ہو کر کہنے لگے:

((مالاحد بهولاء قبل ولا طاقة، والله يا ابا الفضل القد اصبح ملك ابن اخيك الغداة عظيما))

''کوئی طاقت بھی ان سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابوالفضل! واللہ کل سے تو تمہارا بھتیجا عظیم الشان فرماں روا بن جائے گا۔''

حضرت عباس نے جواب دیا:

''یہ تو شانِ نبوت اور آنِ رسالت کا مظاہرہ ہے، شاہانہ جاہ و جلال کی نمائش نہیں۔''

رات بھر اسلامی فوج ''ذوطوی'' میں رہی، پھر صبح ہوتے ہی اس نے مکے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اسلامی فوج چار دستوں پر منقسم تھی۔ اس لیے وہ چاروں طرف سے بیک وقت شہر میں داخل ہوئی۔ مختلف روایتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے:

1: حضرت زبیر بن عوام میسرہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ وہ ''کدی'' سے شہر میں داخل ہوئے۔

2: حضرت ابوعبیدہ بن جراح غیر مسلح یا پیادہ فوج کے امیر تھے۔ وہ 'بطن وادی'' سے شہر میں داخل ہوئے۔

3: حضرت خالد بن ولید نشیبی علاقے ''لیط'' سے مکے میں داخل ہوئے۔ وہ میمنہ کے امیر تھے اور اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ وغیرہ قبیلے ان کے دستے میں شامل تھے۔

4: حضرت سعد بن عبادہ بالائی علاقے ''کداء'' سے شہر میں داخل ہوئے۔

5: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''اذاخر'' سے شہر میں داخل ہوئے اور وہیں بالائی علاقے میں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔

ابن اسحاق کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ جوش میں آ کر نعرہ لگانے لگے:

الیوم یوم الملحمة

الیوم تستحل الحرمة

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے آپ کو خبر دی تو آپ نے حضرت سعد بن عبادہ کی جگہ حضرت علی کو اس دستے کا قائد مقرر کر دیا۔

کفار کا حضرت خالد بن ولید سے مقابلہ:

ابن اسحاق کے مطابق صفوان، عکرمہ اور سہیل نے اپنے حامیوں کو ''خندمہ'' میں جمع کیا، مسلح ہو کر آگے بڑھے اور حضرت خالد کے دستے کو روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تیر برسائے تو حضرت خالد نے بھی فوجی کارروائی کی۔ مسلمانوں کے جوابی حملے سے وہ پسپا ہو گئے اور بارہ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بنو قریش کے ۲۴ اور بنو ہذیل کے ۴ آدمی مارے گئے، لیکن صرف دو تین مسلمان شہید ہوئے۔ اس معمولی مزاحمت کے بعد حضرت خالد شہر میں داخل ہو گئے، دوسرے دستے تو لڑائی بھڑائی کے بغیر ہی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ اب سارا شہر مسلمانوں کی تحویل میں تھا، اسلامی علم فاتحانہ شان و شوکت سے ''جبل حجون'' (جنت المعلی) کی چوٹی پر لہرانے لگا۔

اس فاتحانہ شان سے امن عالم کا مبلغ مکے میں داخل ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی فوج کی فاتحانہ حیثیت سے ایسے پرامن طریقے پر کسی شہر میں داخل ہونے کی مثال تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ ظلم و جور کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت کو رحم و کرم سے ثابت کرنے آیا، وہ شہر جس نے اسے اور اس کے متبعین کو اذیتیں دے دے کر ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شہر جو اس کی اور اس کے جاں نثار دوستوں کی جان لینے کی قسمیں کھا چکا تھا، اب اس کے قدموں میں تھا۔ اس کے بے رحم اور ظالم دشمن جنہوں نے پرامن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھا کر انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبا لگا دیا تھا، اب کلیۃً اس کے قبضے میں تھے، لیکن فتح و عروج کی اس گھڑی میں تمام تکلیف [illegible] تمام مظالم [illegible] گئے اور مکہ مکرمہ کی تمام آبادی کو عام معافی دے دی گئی۔

اردمگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کل کی پالیسی کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد کی دلی خواہش یہی تھی کہ آپ تشدد سے نہیں بلکہ میانہ روی اور چشم پوشی کی طاقت سے مکے کو فتح کریں۔ یہ صحیح ہے کہ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے، انہیں ختم کر دیا گیا، لیکن جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ حتیٰ کہ جوش میں آکر ایک قائد نے یہ تک کہہ دیا کہ جنگ کے دن کوئی مقام مقدس نہیں تو اسے فوراً ہٹا دیا گیا۔''

پروفیسر گب لکھتے ہیں:

''محمد کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی تھی جب مکہ خود بخود آپ کی تحویل میں آجائے اور آپ کا سب سے بڑا کارنامہ بھی یہی ہے کہ سات سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد آخر کار مکہ اسلامی ریاست میں ضم ہو ہی گیا۔ شکست خوردہ اور غضبناک دشمن کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے اہل مکہ آپ کے ساتھ ہو گئے اور دو سال بعد محمد کے وصال پر جب اسلام کو بحرانی دور سے گزرنا پڑا، اس وقت سارے عرب میں اس کی فوقیت رکھنے کیلئے انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔''

شعار اصحاب کرام فتح مکہ و حنین کے موقع پر:

''یوم فتح مکہ و حنین'' کے موقع پر مہاجرین کا شعار (نعرہ) تھا ''یا بنی عبدالرحمٰن'' بنوخزرج کا ''یا بنی عبداللہ'' اور اوس کا ''یا بنی عبیداللہ'' تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عسکر اسلام میں شامل فوجی دستوں کے اپنے اپنے شعار (Slogans) بطور امتیازی شناخت الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی زیارت:

واقدی کے مطابق آپ ۲۰ رمضان ۸ ہجری (۱۱ جنوری ۶۳۰ء) کو 'فاتح مکہ' کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اب سارا شہر آپ کے قدموں پر تھا، مگر آپ محافظ و امین تھے، ابوجہل یا ابولہب نہیں تھے، اس لیے آپ نے کسی محل پر قبضہ نہیں کیا، کسی کی دولت نہیں چھینی اور نہ ہی کسی کی عزت و آبرو پر نظر ڈالی۔ آپ نے تو شہر سے باہر حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ اور چچا ابوطالب کے مزار کے پاس اپنا خیمہ لگوا دیا اور پھر اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ نے سواری پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا، حجر اسود کو بوسہ دیا اور دوسری رسمیں ادا فرمائیں۔ مروی ہے کہ طواف کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کلید کعبہ حاصل کی اور در کعبہ کھلوایا۔ اندر داخل ہوئے تو آپ کی نظر لکڑی کے کبوتروں پر پڑی۔ آپ نے انہیں دست مبارک سے توڑ کر پھینک دیا۔ پھر نماز ادا کی اور تہلیل و تکبیر کے بعد باب کعبہ پر کھڑے ہو گئے۔ لوگ جوق در جوق مسجد میں داخل ہو گئے اور آپ نے در کعبہ کے دونوں پٹوں کو پکڑ کر ایک بصیرت افروز خطبہ دیا۔

خطبہ رسالت مآب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له، صدق وعده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده.........))

''اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور اپنے (برگزیدہ) بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔ دور جہالت کے قصاص، دیت اور سود وغیرہ کے دعوے باطل قرار دیئے جاتے ہیں۔ صرف اس زمانے کے دو منصب

ور ''سقایہ'' کو برقرار رکھا جاتا ہے، باقی دوسرے مناصب اور ایام جاہلیہ کے رواسم منسوخ قرار دیئے جاتے ہیں۔ اے قوم
تعالیٰ نے دور جہالت کے نخوت و تکبر اور فخر و غرور کو خاک میں ملا دیا۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔
ب کوئی بھی آبائی عظمت پر فخر نہیں کر سکتا، اور نہ ہی خود کو دوسروں سے افضل سمجھ سکتا ہے۔
کر آپ نے قرآن شریف کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

ایها الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان مکم عند الله اتقاکم))

وا اللہ تعالیٰ نے تم سب کو مرد و عورت سے پیدا کیا اور محض اس لیے خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک
ے کی شناخت کر سکو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے صرف وہی سب سے معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی و
گار ہو۔''

مایا:

روں اور ڈنڈوں کی ضرب سے قتل ہونے کی صورت میں قتل عمد کا شبہ ہو تو دیت مغلظہ عائد کی جائے گی۔ لوگو! اللہ اور
کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام قرار دے دیا ہے۔''

ریخی خطبے میں آپ نے عالمگیر اخوت و مساوات کا سبق دیا۔ آپ نے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو انسانی
ے عطا کیے، اس لیے نسل و رنگ اور امارت و غربت کی تفریق غیر قانونی ہے۔ اگر کسی نے خود کو دوسروں سے افضل سمجھا تو پھر
کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی اور وہ بہت ہی بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا۔

کا اعلان:

ے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو مکے کے خود سر مشرک سرمایہ پرست سر جھکائے کھڑے
ئے ان سے دریافت کیا:

معشر قریش اما ترون ابی فاعلکم فیکم ؟))

بنو قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ آخر میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''
ں عرض کیا:

را، اخ کریم، ابن اخ کریم))

تو خود ہی شریف مہربان بھائی ہیں اور شریف بھائی کی اولاد ہیں۔ اس لیے آپ سے خیر و بھلائی ہی کی توقع ہے۔''
وی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

تو جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں۔ اس لیے آپ سے تو ہمیں حسن سلوک اور صلہ رحمی ہی
ہے۔''

پ کی آنکھیں پر نم ہو گئیں، مجسمہ رحمت و رافت بن کر ''رسول کریم'' کی شان عفو کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ نے یہ اعلان

((لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء))

''آج تمہارے خلاف کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا۔ جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''

طبری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ آج میں تمہیں ملامت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے، وہ بہت ہی مہربان ورحیم ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل بے مثل ہے۔ مثال کے طور پر مکے میں فاتحانہ شان سے آپ کے داخلے کو لے لیجئے تحمل و بردباری کی انوکھی مثال سامنے آجاتی ہے۔ سارا عرب آپ کے قدموں پر تھا، دشمنوں کا گڑھ مکہ آپ کے تسلط میں تھا، پھر کیا آپ نے انتقام وقصاص کا روح فرسا ڈرامہ کھیلا۔؟ اگر آپ چاہتے تو مکہ تاراج ہو جاتا اور ہر ایک کا سر قلم کر دیا جاتا، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ وہ لوگ جو آپ کے جانی دشمن تھے، جنہوں نے آپ کو چین سے کہیں بھی رہنے نہیں دیا، جنہوں نے آپ کو اس قدر تنگ کیا کہ آپ کو ہجرت کر کے دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی، جنہوں نے آپ کا تمسخر اڑایا، جنہوں نے جھنجلا جھنجلا کر آپ کو ایذا پہنچائی اور انہوں نے بے رحمی، سفاکی اور درندگی کے دل ہلا دینے والے کھیل کھیلے، لیکن آپ ذاتیات سے بالا تھے، آپ نے آتش انتقام بجھانے کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھایا، نہ تو آپ نے کسی سے خراج عقیدت کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی شاہی لوازمات کو ہاتھ لگایا اور جب قریش کے خود سر رئیس آپ کی خدمت میں ظاہر ہوئے تو آپ نے اعلان فرمادیا:

''جاؤ! تم سب آزاد ہو، تم سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔''

باسورتھ اسمتھ لکھتے ہیں:

''فتح مکہ کے بعد کوئی دینوی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ وہ خوب کھل کر داد عیش لیتا اسے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اگر اس نے جھوٹے نبی کا نقاب پہنا ہوتا تو پھر وہ اسے فوراً ہی اتار پھینکتا۔''

گبن تحریر کرتے ہیں:

''اگر اعلیٰ مقاصد بری خواہشات کا نشانہ بن جاتے اور ذاتی مفاد کی خاطر آپ حد اعتدال سے بڑھ جاتے تو پھر اس کے اثرات اب منظر عام پر آگئے ہوتے۔ اب آپ اپنی خواہشات کو پورا کرتے، اپنی ہوس بجھاتے اور انتقام کی ہولی کھیلتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ روم میں میریس اور سلا کے داخلے بعد جو کچھ ہوا اسے مدنظر رکھیے، پھر آپ صحرا کے اس رسول کی دریا دلی، رواداری اور میانہ روی کے قائل ہو جائیں گے۔''

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکر نے فتح مکہ نہیں کیا تھا، بلکہ خلق محمدی اور عفو ورحم مصطفوی نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوم پر پورا پورا اختیار حاصل تھا جو مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، جس نے ان پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے، وہ اس کے پنجے سے نکل کر جہاں کہیں بھی گئے، اس نے پیچھا نہیں چھوڑا اور ہر جگہ انہیں ذلیل وخوار کرنے کی کوشش کی۔ انہیں نیست ونابود کرنے کیلئے مدینہ منورہ پر تین مرتبہ چڑھائی تک کی۔ قریشی فرعونوں نے خود آپ کو بھی تختہ مشق بنایا، مگر آپ نے انہیں دعائیں دیں۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے تھے مگر آپ کے دل میں ان کی فلاح و بہبود کا درد کسک رہا تھا اور پھر جب آپ ان کی قسمتوں کے مالک بن گئے، تو انہیں کوڑے نہیں لگوائے، ان کی جائیدادیں ضبط

نہیں فرمائیں، ان کے مال و متاع لوٹنے کا حکم نہیں دیا، انہیں آگ میں جلایا نہیں، انہیں سنگسار کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا اور نہ ہی انہیں جلاوطنی کی سزا دی۔ آپ نے شہر کو تاراج کرنے اور ہر شہری کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم صادر نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے تو ان پر اپنی فیاضی و رواداری کے پھول نچھاور فرمائے۔ ان کی جان، ان کی دولت، ان کی عزت اور ان کی آبرو کی حفاظت فرمائی، انہیں ہر جرم سے بری اور ہر الزام سے سبکدوش کر کے عام معافی کا اعلان فرمادیا اور پھر انہیں بدستور شہر کا مالک بنا کر، ان کا شہر ان کے حوالے کر کے، واپس اپنے شہر، ''نبی کے شہر'' مدینے چلا گیا۔

خطبہ دینے کے بعد آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلوا کر کلید کعبہ ان کے حوالے کی اور فرمایا:

((الیوم یوم بر و وفاء))

''آج کا دن تو حسن سلوک اور ایفائے وعدہ کا دن ہے۔''

پھر آپ کے حکم سے حضرت بلال حبشی خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دینے لگے۔ مکے کی فضا بت پرستی سے مکدر ہو چکی تھی، اب توحید الٰہی کی صدا سے ساری فضا پاک و صاف ہوگئی۔ عتاب و حارث جیسے متزلزل آدمیوں کے دل دہل گئے۔ آپ نے ان سے گفتگو فرمائی تو انہیں قلبی سکون ملا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اب آپ خانہ کعبہ سے حضرت ام ھانی کے گھر تشریف لے گئے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں نماز پڑھیں۔

تطہیر کعبہ:

ابن ہشام کے مطابق:

''یوم فتح کے موقع پر آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ملائکہ وغیرہ کی تصویریں نظر آئیں۔ ایک تصویر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوئے کے تیر (ازلام) بانٹتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ازلام تقسیم کرنا ابراہیمی شان کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی و نصرانی نہیں تھے، البتہ وہ حنیف و مسلم تھے اور مشرک تو تھے ہی نہیں۔ پھر ایک ایک کر کے بت توڑ ڈالے گئے اور تصویریں مٹادی گئیں۔ خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا گھر تھا۔ ہبل کے علاوہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے۔ ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا گیا۔''

مروی ہے کہ آپ بتوں کی طرف عصائے مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:

((جآء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا))

یہ بھی مروی ہے کہ آپ بت کے منہ کی طرف اشارہ فرماتے تو وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور پیٹھ کی طرف اشارہ فرماتے تو منہ کے بل لڑھک جاتا۔ اس طرح سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ ان سب کو آپ کے حکم سے حضرت عمر فاروق نے خانہ کعبہ سے نکلوا کر باہر پھنکوا دیا تھا۔

کافروں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار کو بتوں سے ناپاک کر دیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بت پرستوں کو زیر کر کے اللہ تعالیٰ کے گھر کو اللہ تعالیٰ کا گھر بنا دیا۔

صرف خانہ کعبہ ہی کو بتوں سے پاک نہیں کیا گیا بلکہ شہر میں اور شہر سے باہر ہر جگہ بت شکنی کی ہمہ گیر مہم شروع کی گئی۔ ''نقیب رسول'' نے مکے کی گلیوں میں اعلان کروادیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بھی بت نہ رکھے بلکہ اسے فوراً توڑ کر پھینک دے۔ حضرت خالد بن ولید اور دوسرے صحابہ کرام کو بڑے بڑے صنم کدوں کو منہدم کرنے کیلئے مامور کیا گیا۔ ہبل،

لات، منات، عزیٰ، سواع اور دوسرے بتوں کے معبد خانوں کو مسمار کر دیا گیا تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سارے عرب سے بت پرستی کے آ
تک مٹ جائیں اور توحید کی فانوس سے نہ صرف وہ بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ روشن و تاباں ہو جائے۔

بیعت رسول:

نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوہِ صفا میں ایک بلند مقام پر آپ بیٹھ گئے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے اور مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی بیعت رسول کا یہ دلکش نظارہ فتح مکہ کی شان کو اور بھی دوبالا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی تھی جس نے مکے سے جلا وطن ہونے والے رسول کو مکہ معظمہ ہی میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کی سعادت عطا فرمائی اور پھر اس عظمت و شوکت سے کہ شہر کے لوگ بے قرار ہو کر گروہ در گروہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر رب ذوالجلال کی توحید کا اقرار کرتے ہیں، وہی اقرار کہ جس کے جرم میں اسی رسول انہوں نے اپنے گھر، اپنے وطن اور اپنی قوم کو چھوڑ کر ''دیار مدینہ'' میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی ''بیعت عقبہ'' والی شرائط آپ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ انہوں نے عہد کیا:

''وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، چوری اور بدکاری کے مرتکب نہیں ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور عورتوں پر تہمت نہیں لگائیں گے۔''

بیعت کرنے والوں میں حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی شامل تھیں، وہی ہند جس نے شہید حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔
اب وہی ہند نقاب پہن کر حاضر ہوئی اور مذکورہ شرائط پر بیعت کر کے اسلام کی پناہ میں آجاتی ہے۔ اب وہی ہندہ خوشی کے مارے چلا اٹھتی ہے:

''یا رسول اللہ! آج سے پہلے مجھے آپ کے خیمے سے زیادہ کسی خیمے سے نفرت نہ تھی لیکن آج آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی خیمہ پیارا نظر نہیں آتا۔''

انصار مدینہ عالم اضطراب میں:

اسی کوہ صفا پر آپ نے دوسرا خطبہ دیا تھا جس میں آپ نے حرم کے احکام بیان فرمائے۔ شام ہوئی تو سارا مکہ آپ کے قدموں تھا۔ صحابہ کرام کے چہرے اطمینان و خوشی سے دمک رہے تھے۔ اب انہیں کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ سات آٹھ سال تک وہ ہر وقت خطر سے گھرے رہے، وہ دشمنوں سے مقابلے کیلئے ہمہ وقت شمشیر بکف رہتے تھے، لیکن اب ان فرعونوں سے نجات مل چکی تھی۔ مروی ہے آپ نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا:

''میری نظر میں دنیا کی سب سے محترم و مقدس جگہ تو ہی ہے۔ تیرے باسیوں نے مجھے ٹھکرا دیا تھا تو کیا ہوا، میں نے تو تجھے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔''

کوہ صفا کے واقعات، خطبہ رسالت مآب اور آپ کے والہانہ جذبات سے انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں آپ مکرمہ ہی میں مستقل طور سے رہائش اختیار نہ کر لیں۔ وہ عالم اضطراب میں کہنے لگے:

''اب تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن اور اپنے شہر کے خود فاتح و آقا بن گئے ہیں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ آپ مدینے کے بجائے یہیں رہنے لگیں۔''

آپ نے دعا سے فارغ ہوتے ہی ان کے شکوک کو رفع کرنے کیلئے اعلان فرما دیا:

((معاذ اللہ! المحیا محیاکم ، والممات مماتکم))

''معاذ اللہ! جہاں تم رہو گے وہیں میں رہوں گا اور جہاں تمہاری موت ہوگی وہیں میری بھی ہوگی۔ میرا مرنا جینا تمہارے ہی ساتھ ہے۔''

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے تم سے عہد کیا تھا کہ میری حیات وموت تم سے وابستہ ہوگی۔ میں رسول نہیں اگر تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں، آخر دم تک تمہارے ساتھ رہوں گا اور مروں گا بھی وہیں جہاں تم ہو گے۔''

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اس عہد کو پورا کر دکھایا۔ وصال سے پہلے آپ صرف دو مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پھر وصال ہوا تو آپ کی آخری آرام گاہ بھی مدینہ منورہ میں ہی بنائی گئی۔

زعمائے قریش کا فرار:

''فتح مکہ'' کے دن ہی قریش کے بڑے بڑے سرغنہ روپوش ہو گئے یا پھر بھاگ کر جدہ و یمن چلے گئے تھے۔ ہبیرہ بن ابی وہب کے گھر میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور حارث بن ہشام روپوش ہو گئے تھے۔ سہیل بن عمرو خود اپنے گھر میں روپوش ہو گیا تھا۔ ان سب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔

حضرت صفوان بن امیہ بھاگ کر جدہ گئے اور وہاں سے یمن جانے والے ہی تھے کہ حضرت عمیر بن وہب عمامہ رسول اور پروانہ امن لے کر پہنچے اور انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل بھی بھاگ کر چلے گئے تھے۔ ان کی بیوی آپ سے پروانہ امن لے کر یمن گئیں اور انہیں واپس لے آئیں۔ حضرت صفوان اور حضرت عکرمہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر انہوں نے اپنی ساری زندگی خدمت اسلام کیلئے وقف کر دی۔

بوڈلے اسلام کے اس سحر خیز اثر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''انہوں نے انتہائی جوش وخروش سے اسلام کی خدمت کی۔''

عبداللہ بن زبعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو لکھتے تھے، بھاگ کر نجران چلے گئے، پھر واپس آئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ نے ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینب کو اذیت پہنچائی تھی۔ وہ ہودج میں سوار مکے سے مدینے جا رہی تھیں کہ اس نے انہیں نیزہ مارا اور کجاوہ گر گیا۔ اس صدمے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ فوت ہو گئیں۔ وہ عرصے تک روپوش رہا، پھر ایک دن خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور مسلمان ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سعد (ابن ابی سرح) کاتب وحی تھے، پھر مرتد ہو کر مکے بھاگ گئے اور آپ کے خلاف جھوٹی جھوٹی باتیں مشہور کرنے لگے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے، محمد تو محض مجھ سے لکھوا کر اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ ایسے دروغ گو اور فتنہ پرداز کو بھی آپ نے حضرت عثمان کی سفارش پر معاف فرما دیا۔ اسی طرح آپ نے قاتل حمزہ وحشی اور کعب ابن زہیر جیسے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ یہ وہی کعب ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد آپ کی شان میں مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' پڑھا تھا۔ آپ نے خوش ہو کر انہیں اپنی چادر عطا فرمائی اور معاف فرما دیا۔ فضالہ بن عمیر لیثی بحالت طواف آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو اس کی نیت کا پتہ چل گیا۔ مروی ہے کہ آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، دل روشن ہو گیا، اور وہ بے قرار ہو کر آپ ہی کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا۔ عباس بن مرداس کے والد ایک بت کو پوجتے تھے، جس کا نام ''ضمار'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عباس بن مرداس کے دل و دماغ میں انقلاب برپا کر دیا، انہوں نے ''ضمار'' کو جلا دیا اور پھر آپ کی

خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے۔

یہ تھی روحانی کشش اسلام کی جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو آپ کی آغوش رحمت میں ڈال دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اپنے والد قحافہ کو ذوطوی میں خود لے کر حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا:

''میں خود گھر پر آ جاتا۔''

جواب ملا:

''آپ جیسی برگزیدہ ہستی کی خدمت میں خود ہی حاضر ہونا میرے والد کیلئے باعث رحمت ہے۔''

اسی طرح مکے کے گوشے گوشے سے بھاگ بھاگ کر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ قرآن حکیم کی ''سورۂ نصر'' کی رو سے:

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی اور فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں شامل ہوتے دیکھ لیا تو پھر آپ اپنے رب کی حمد وثناء بیان کیجئے اور اسی سے اپنی مغفرت کی دعا مانگیے۔''

کافر مجرموں کا قتل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مجرموں کو سزا بھی دی۔ سنن ابی داؤد میں حضرت سعد سے مروی ایک حدیث سے چلتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا تھا کہ عکرمہ بن ابوجہل، ہبار بن اسود، عبداللہ ابن ابی سرح اور ابن خطل چار بڑے مجرموں کے علاوہ کسی پر حملہ نہ کیا جائے۔ البتہ یہ چار جہاں کہیں ملیں، انہیں فوراً قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابوداؤد خود اس روایت کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ پھر دوسری مستند روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن خطل کے علاوہ سب کو معاف کر دیا گیا۔ دراصل اس موضوع پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مقتولین کی تعداد اور ان کے ناموں کی تفصیل روایتوں میں مختلف طریقوں سے درج ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایات میں کل پانچ مردوں اور تین کنیزوں کے نام درج ہیں جن کے قتل کا حکم آپ نے صادر فرمایا تھا۔

امام طبری نے ہند بنت عتبہ، سارہ، فرتنا اور قریبہ چار عورتوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے ہبار بن اسود کا نام بھی لیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ان میں سے عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح، عکرمہ بن ابوجہل اور دو کنیزوں کو معاف کر دیا گیا۔ باقی عبد اللہ بن خطل، حویرث بن نقیذ، مقیس بن حبابہ اور ابن خطل کی ایک کنیز کو سزائے موت دے دی گئی۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے دو مخزومی مجرموں کو پناہ دی۔ حضرت علی انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی کے اقدام کو جائز قرار دے کر انہیں معاف کر دیا۔ ابن ہشام کے مطابق ان دونوں کے نام حارث بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ تھے۔

تنگ نظر مغربی مؤرخ لکھتے ہیں کہ آپ نے محض آتش انتقام بجھانے کیلئے بیگناہوں کو قتل کروا دیا، لیکن یہ رائے محض آپ کی ذات بابرکت پر افترا ہے۔ جو شخصیت قاتل حمزہ، وحشی کو معاف کر سکتی ہے، شہید حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ہند کو امان دے سکتی ہے اور عکرمہ جیسے دشمنوں کو اپنی پناہ میں لے سکتی ہے، وہ محض ذاتی رنجش کی بنا پر کسی کو سزا موت کیسے دے سکتی ہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سب کو پروانہ امن عطا فرمایا، پھر شہر میں تشریف لائے تو یہی اعلان فرمایا:

''آج تو کسی سے انتقام نہیں لیا جائے گا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ بھی یہی کہتی ہیں کہ آپ نے اپنی ساری زندگی میں ذاتی عناد کی بنا پر کسی سے انتقام نہیں لیا۔ خیبر میں یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا اسے تو آپ نے معاف کر دیا، پھر آپ مکہ مکرمہ کے چند افراد کو محض اس جرم میں کیوں سزائے موت دیتے

وہ آپ کو برا بھلا کہتے تھے یا پھر آپ کی ہجو لکھتے تھے۔

ویٹ کے خیال میں آپ نے صرف ان لوگوں کو سزائے موت دی جنہوں نے اسلام کے خلاف تخریبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یا پھر اہل بیت کے ساتھ نازیبا برتاؤ کیا تھا۔

عبداللہ ابن خطل:

ابن خطل بنو تیم بن غالب کے خاندان سے تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تو آپ نے چند انصار کے ساتھ صدقہ وصول کرنے پر اسے مامور فرمادیا۔ ایک مسلمان خادم بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن انہوں نے کھانا تیار نہیں کیا تو انہیں اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر صدقے کا مال اکٹھا کر کے وہ بھاگ گیا، مرتد و مشرک بن گیا اور آپ کے خلاف ہجو لکھنے لگا۔ خود بڑھ چڑھ کر لوگوں کو سناتا تھا۔ اس کی کنیزیں بھی اس کی لکھی ہوئی ہجو گا گا کر سناتی تھیں۔ ایسے قتین قاتل، ڈاکو اور افترا پرداز کو سزائے موت دی گئی۔ ابن اسحاق کے مطابق اسے سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے قتل کر دیا تھا۔

دو کنیزیں:

ابن خطل کی ایک کنیز کو سزائے موت ملی اور دوسری کو معاف کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کا نام ''قریبہ'' اور ''قرتنا'' یا ''فرتنی'' تھا۔ قریبہ کو قتل کر دیا گیا لیکن قرتنا جان بچا کر بھاگ گئی۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی خواستگار ہوئی اور مشرف بہ اسلام ہو گئی تو آپ نے اسے معاف کر دیا اور اپنی پناہ میں لے لیا۔

سارہ نامی کنیز:

سارہ کنیز بھی آپ کے خلاف ہجو یہ کلام گاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عمرو بن ہاشم بن عبدالمطلب کی کنیز تھی۔ یہ وہی کنیز تھی جو حضرت حاطب کا خط لے کر مکے جا رہی تھی کہ گرفتار ہو گئی۔ ابن ہشام کے مطابق اسے معاف کر دیا گیا لیکن واقدی و امام طبری کے مطابق اسے قتل کر دیا گیا۔ صحیح بات یہی ہے کہ اسے ''یوم فتح'' کی خوشی میں معاف کر دیا گیا۔

مقیس بن حبابہ:

مقیس بن حبابہ لیثی کا بھائی غزوہ مریسیع (جنوری ۶۲۷ء مطابق شعبان ۵ھ) میں مارا گیا تھا۔ آپ نے خوں بہا ادا کر دیا تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔ مگر اس کے دل میں انتقام کی آگ برابر سلگتی رہی۔ آخر ایک دن موقع پر کر اپنے بھائی کے قاتل (انصاری) کو شہید کر کے مکے بھاگ گیا اور مرتد و مشرک بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سنگین جرائم میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے نمیلہ بن عبداللہ نے اسے قتل کر دیا۔

حویرث:

حویرث بن نقید بن وہب مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتا تھا، آپ کی ہجو لکھتا تھا اور لوگوں سامنے آپ کو برا بھلا کہتا تھا۔ ابن ہشام کے مطابق حضرت عباس سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم کو مکے سے مدینے لے جا رہے تھے۔ دونوں اونٹ پر سوار تھیں کہ حویرث نے اونٹ کو لکڑی سے اس قدر زور سے مارا کہ وہ بھڑک کر تیزی سے دوڑنے لگا۔ دونوں سواری سے گر پڑیں اور انہیں کافی چوٹ آئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی نے اسے قتل کر دیا۔

ہبار بن اسود:

ہبار بن اسود نے سیدہ زینب کو ہودج سے گرا دیا تھا۔ اس صدمے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ فوت ہو گئیں۔ وہ ادھر ادھر چھپتا پھرا، آخر ایک دن مدینے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کلمہ پڑھ لیا اور اسلام کی پناہ میں داخل ہو گیا۔

انقلابی اصلاحات:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ بیس روز تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس عرصے میں آپ نے شہر میں امن وامان قائم فرمایا اور حرم کعبہ کے تقدس کو دینی حیثیت دے دی۔ بنو خزاعہ نے بنو ہذیل کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ آپ اس حرکت پر بہت ہی ناراض ہوئے اور مقتول کا خوں بہا ادا کر کے آپ نے اعلان فرمایا کہ حرم کعبہ کا احترام ہر ایک پر واجب ہے۔ حرم کعبہ کی حدود میں کسی کی جان لینا، درخت کاٹنا اور پرندوں اور جانوروں کو نشانہ بنانا قطعی حرام ہے۔ اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے سزائے موت دی جائے گی۔ آپ نے حرم کعبہ کے حدود متعین فرمائے۔ حضرت معاذ بن جبل کو دینی اصول سکھانے پر مامور فرمایا اور خود آپ نے اہل مکہ کو اپنی تعلیمات سے فیض یاب فرمایا۔ آپ نے امت مسلمہ پر واضح فرما دیا:

((ان اللہ حرم مکة یوم خلق السموات والارض، فھی حرام من حرام الی یوم القیامة، فلا یحل لا مریء یومن باللہ و الیوم الاخر ان یسفك فیه دما، و لا یعضبد فیھا شجرا، لم تحلل لا حد کان نقبلی، و لا تحل لاحدیکون بعدی، و لم تحلل لی الا ھذہ الساعة))

آپ نے قریش کے فرسودہ نظام کو منسوخ فرما دیا، دور جہالت کی رسموں اور روایتوں کو باطل قرار دے دیا اور اسلامی اصول اور قوانین کی حکمرانی قائم فرما دی۔ اسی لیے آپ نے سقایہ اور سدانہ کے منصوبوں کے علاوہ امتیاز و تفاخر کی ساری نشانیاں مٹا دیں۔ حضرت عثمان بن طلحہ کو کلید برادری (سدانہ) کے عہدے پر اور حضرت عباس کو حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب (سقایہ) پر بحال کر کے ریاست مکہ کے سارے نظام کو منسوخ قرار دے دیا۔

پھر مکہ مکرمہ کو اسلامی ریاست کا ایک صوبہ بنا کر دینی حکومت کے تابع بنا دیا۔ حرم میں بتوں میں چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا جو کچھ ملتا تھا وہ سب خانہ کعبہ میں جمع تھا۔ آپ نے اس خزانے کو محفوظ رکھنے کا حکم دے دیا۔

ابھی آپ انتظامی و دینی معاملات طے کرنے میں معروف ہی تھے کہ خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ اس لیے آپ بھی مجاہدوں کو لیکر ۶ شوال ۸ ہجری مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۰ء کو ان سے مقابلہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔

اس عرصے میں مکہ مکرمہ میں بالکل امن وامان قائم رہا۔ آپ نے مجاہدوں کو لوٹ مار اور غارت گری کی سختی سے ممانعت فرما دی تھی۔ آپ نے حکم دے دیا تھا کہ وہ کسی شہری پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے اور نہ ہی انہیں جانی و مالی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ مہاجر اپنی املاک کو بھی حاصل نہیں کر سکتے جو وہ ہجرت کے وقت چھوڑ کر کے سے مدینے چلے گئے تھے۔ البتہ آپ نے غریبوں کی امداد کے لئے بنو قریش کے رؤسا سے قرض ضرور لیا تھا۔

واقدی کے مطابق صفوان نے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ابی ربیعہ نے چالیس ہزار درہم اور حویطب نے چالیس ہزار درہم بطور

قرض آپ کی خدمت میں پیش کیے۔کل وصول شدہ رقم میں سے آپ نے حاجت مندوں میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس درہم عطا فرمائے۔ان میں سے کسی قریشی رئیس کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں کافی مہلت دی گئی تاکہ غور وخوض کے بعد اپنی خوشی سے حلقہ اسلام میں داخل ہوں۔یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بعض واقعہ جعرانہ کے بعد مسلمان ہوئے تو انہیں اس وقت بھی انصار ومہاجرین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

کامیابی کے اسباب:

''فتح مکہ'' اسلام کی فتح تھی، باطل پر حق کی فتح اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کے نام لیواؤں کی فتح تھی۔اسلام میں فطری کشش پائی جاتی ہے، مخالف سے مخالف ترین بھی آپ ہی آپ اس مرکز کی طرح بڑھتے گئے اور آخر کار اس کے دائرے میں شامل ہو گئے۔دراصل اسلام نے ایسا ضابطہ حیات پیش کیا جس نے عربوں کو مفلوک الحالی اور سیاسی افراتفری کے عذاب سے نجات دلا کر انہیں فلاح وخوش حالی سے ہم کنار کر دیا۔جو بھی اس ضابطہ حیات پر چلا، مادی و روحانی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا۔اس لیے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی اور ''امت مسلمہ'' کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔اسی کے ساتھ قریش کا دائرہ اقتدار محدود ہوتا گیا۔ان کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔سب کو اپنی بقاء وسلامتی کی فکر ہوگئی۔وہ یکے بعد دیگرے مشرف بہ اسلام ہو گئے یا پھر غیر جانب دار بن کر خاموش ہو گئے۔یہ تھی عرب کی سیاسی ومعاشی حالت، جب آپ اپنے حامی قبیلوں کو لے کر مکے گئے اور آسانی سے شہر پر قبضہ کر لیا۔

ہجرت کے بعد اہل مکہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کی تو انہوں نے شام جانے والے تجارتی راستوں کو بند کر دیا۔اس لیے وہ معاشی بد حالی کا شکار ہو گئے۔ان کا سرمایہ اس قدر گھٹ گیا کہ ہر ایک نے اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کر دیا۔ان کے سامنے اعلیٰ مقصد تو تھا نہیں۔وہ سرمایہ داری کے نشے میں چور تھے اور جب ان کی سرمایہ داری پر ضرب کاری لگی تو وہ جھنجلا گئے۔''معرکہ احزاب'' کے بعد ان کا دیوالہ نکل گیا، سامان خورد ونوش کی قلت ہوگئی اور مکے کی تجارتی منڈی سرد پڑ گئی۔اسی کا اثر تھا کہ زعماء قریش میں پھوٹ پڑ گئی، امیہ ومخزوم کا اتحاد ختم ہو گیا اور وہ خود ہی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔اسی حالت میں آپ نے مکے پر فوج کشی کی تو بنو امیہ کے رہنما ابوسفیان نے ہتھیار ڈال دیئے، مخزوم کے سرغنہ مزاحمت میں بری طرح ناکام ہوئے اور آپ فاتحانہ شان سے شہر میں جنگ وجدال کے بغیر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

فتح مکہ کی اہمیت:

اعلان حق کے بعد ہی قریش نے آپ کے خلاف محاذ بنا کر آپ کی مخالفت شد ومد سے شروع کر دی تھی۔انہوں نے دین کو تسلیم نہیں کیا، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان سے قومی ومذہبی حقوق چھین لیے۔خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں نے طرح طرح کے مظالم ڈھائے، آپ کو تعذیب وایذا کا نشانہ بنایا اور پھر بھی آپ کو زیر نہ کر سکے تو آپ کے قتل کا منصوبہ بنا ڈالا۔عاجز آ کر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ ومدینہ طیبہ چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔آپ نے ہجرت کر کے یثرب کو اپنا مستقر بنایا اور اسے ''مدینۃ النبی'' کی منزلت پر پہنچا دیا تو وہ جنگ وجدال پر اتر آئے۔اس طرح کفر واسلام اور حق وباطل میں مسلسل کشمکش شروع ہو گئی۔بدر، احد اور احزاب کے معرکوں میں یہ کشمکش پورے زور وشور سے جاری رہی، جس کا زور متحدہ محاذ کے منتشر ہونے پر ٹوٹ گیا۔صلح نامہ حدیبیہ میں حق وباطل کی کشمکش آخری مرحلے پر پہنچ گئی۔اسلام کی طاقت بڑھنے لگی، کفر پسپا ہونے لگا، حق کو غلبہ حاصل ہوتا گیا اور آخر کار باطل پراگندہ اور منتشر ہو گیا۔''فتح مکہ'' سے کفر کے بادل چھٹ گئے، توحید الٰہی سے عرب کی فضا معطر ہوگئی، حق غالب آ گیا اور باطل کی قوتیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو گئیں۔اس لیے صحیح معنوں میں اسلام کو غلبہ ''فتح مکہ'' سے حاصل ہوا، بت پرستی مٹ گئی، اس کے علم بردار اسلام کی پناہ

میں داخل ہوگئے اور عرب کے گوشے گوشے سے اس کے آثار مٹا دیئے گئے۔

معاہدہ حدیبیہ سے فتح و کامرانی کا دور شروع ہوا، اسی لیے مؤرخ اسے ''فتح مکہ'' کا دیباچہ و مقدمہ تصور کرتے ہیں، دراصل فتح ''فتح مکہ'' ہی ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ سے حق و باطل کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوگئی۔ دراصل فیصلے کا دن تو ''فتح مکہ'' کا دن تھا، مبارک دن جب کہ باطل نے اپنی شکست مان لی اور حق کے سامنے مکمل طور سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پسپا ہوگیا۔

اسی لیے ارباب سیر نے ''فتح مکہ'' کو صرف تاریخی لفظ ''فتح'' سے ہی موسوم کر دیا، حتیٰ کہ فتح مکہ کے مبارک دن کو ''یوم الفتح'' کے تاریخی نام سے پکارنے لگے۔ ''سورۂ حدید'' اور ''سورۂ نصر'' میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے صرف ایک ہی لفظ ''فتح'' ہی سے یاد کیا ہے۔ اس طرح ''فتح مکہ'' کا واقعہ تاریخ اسلام کا سب سے اہم واقعہ بن گیا۔ اس قدر اہم کہ خود یہ واقعہ ہی مجسم فتح بن گیا۔ فتح کے معنی نزول برکات الٰہی کے بھی ہیں۔ گویا فتح مکہ سے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کی بارشیں نازل ہونے لگیں اور وہ دینوی و اخروی سعادتوں اور جزاؤں سے مالا مال ہوگئے۔

فتح کے معنی دو فریقوں میں فیصلہ کرنے کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے فتح مکہ کی بدولت کافروں اور مسلمانوں میں اٹل فیصلہ ہوگیا، مکے کے کافروں نے اپنی ہار مان لی، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور مدینہ کی اسلامی ریاست کی پناہ میں آگئے۔ فتح مکہ سے پہلے غیر یقینی کیفیت برقرار تھی۔ اسی لیے شکوک و شبہات کے بادل بدستور عرب کی فضا پر منڈلاتے رہے۔ فتح مکہ کی بدولت عرب کا سیاسی مطلع صاف ہوگیا۔ اب دنیا کو معلوم ہوگیا کہ قریش کی انفرادی حیثیت ختم ہوگئی، وہ خود دائرہ اسلام میں داخل ہوکر امت مسلمہ کا ایک جزو بن گئے اور اسے فروغ دینے کیلئے انہوں نے اپنی زندگی مکمل طور سے وقف کر دی۔

مسلمان عرصہ سے اس فتح کے منتظر تھے۔ چاروں طرف کفر و نفاق اور جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ فتح بدر نے ان بادلوں کو منتشر تو کر دیا مگر فضائے بسیط بدستور مکدر رہی۔ معرکہ احد کے بعد تو مسلمانوں کے لئے حالات ناسازگار ہوگئے لیکن کافروں کی حالت بھی مستحکم نہیں ہوئی۔ معرکہ احزاب میں کفر و نفاق کی طاقتوں نے متحد ہوکر اسلام کو مٹانے کیلئے پورا زور لگا دیا مگر قدرت نے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر بھی مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح حاصل نہیں ہوئی تو منافق و کافر مذاق اڑانے لگے کہ آخر وہ فیصلے کا دن کب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت فیصلے کے لئے سازگار ماحول پیدا ہوگیا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکے میں داخل ہوگئے، خانہ کعبہ بتوں سے پاک ہوگیا اور سارا مکہ مکرمہ مقدس و مطہر حرم قرار دے دیا گیا۔ اس طرح فتح مکہ کے مبارک اور تاریخی دن میں مسلمانوں کو قریش پر مکمل اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوگئی۔ اسی لیے اسے مورخوں نے فتح عظیم قرار دے دیا۔ اس دن مسلمان کافروں کے مقابلے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جیت گئے، انہیں مکمل طور سے تسلط حاصل ہوگیا اور مکہ مکرمہ اسلامی ریاست مدینہ میں شامل ہوکر اس کا ایک حصہ بن گیا۔ اس طرح فتح مکہ کی بدولت مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح بھی حاصل ہوئی اور دنیا کے سب سے مقدس مقام پر ان کا قبضہ بھی ہوگیا۔

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرما دیا کہ صلح نامہ حدیبیہ سے دشمنوں پر مسلمانوں کی فتوحات کا باب کھل گیا۔ اب تو انہیں شاندار سے شاندار فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ دور رسالت میں ان فتوحات میں سے سب سے اہم اور فیصلہ کن فتح فتح مکہ ہی ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ کی بدولت مسلمانوں کو سارے عرب پر چھا جانے کا موقع ملا لیکن فتح مکہ کی بدولت قریش اور اسلامی ریاست مدینہ کے درمیان دینی و قومی تنازعات کا فیصلہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوگیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ان نعمتوں اور برکتوں میں شمار کیا ہے جو اس نے اپنے ماننے والوں پر نازل فرمائیں۔ ایسی نعمتیں اور برکتیں جو اللہ تعالیٰ کی تائید، نصرت و اعانت کے بغیر کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے

ہے۔
صلح نامہ حدیبیہ سے نہ صرف قریش پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی بلکہ تاریخ اسلام کی شاندار فتوحات کا لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر فتح مکہ دورِ رسالت کی پہلی اور آخری فیصلہ کن فتح ہے جس کی بدولت کفر و شرک کے نشانات عرب کے گوشے گوشے سے مٹ گئے۔
حلمی لکھتے ہیں:

''عہد قدیم کی تاریخی داستانوں میں مشکل سے کسی طاقت کے اس طرح فاتحانہ شان سے داخلے کی مثال نظر آئے گی۔ مکہ میں اسلامی لشکر کا فاتحانہ شان سے داخلہ اور غیر مسلم دشمنوں سے فیاضانہ سلوک عالمی تاریخ میں ایک نادر مثال ہے۔''

سچی بات تو یہی ہے کہ عالمی تاریخ کی ساری فتوحات میں ایسی فاتحانہ شان سے داخلہ کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔
''فتح مکہ'' کی بدولت نئے دین (اسلام) کو کفر و نفاق پر فیصلہ کن فتح حاصل ہوگئی۔ اب اسے نہ صرف عرب میں فروغ حاصل ہوا بلکہ دنیا کے تاریخی مرکزوں تک پھیلنے کا موقع بھی مل گیا۔ اس زمانے میں کون یقین کر سکتا تھا کہ فتح مکہ کے بعد محض تیس سال کے مختصر سے عرصے میں اسلام شام، مصر، فلسطین اور ایران کے کونے کونے میں پھیل جائے گا اور محض اپنی روحانی طاقت سے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو پاش پاش کر دے گا۔ اس لحاظ سے فتح مکہ سے زیادہ اہم عالمی تاریخ میں کوئی اور واقعہ نہیں مل سکتا۔ اسی لیے فتح مکہ کو حیات نبوی کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے بوڈلے تحریر کرتے ہیں:

''اب آپ تھک چکے تھے۔ آپ کو آرام کی ضرورت تھی۔ چند ایام ہی میں آپ عرب کے سب سے طاقتور حکمران بن گئے۔ اب آپ پاپائے اسلام بھی تھے اور قیصر عرب بھی۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا (صلح حدیبیہ کے بعد) کہ آپ ہی وہاں کی واحد طاقت اور ایک ملت، ایک قوم اور ایک دین کے بانی اعظم بن گئے، لیکن اس کارنامے کی وجہ سے آپ آپے سے باہر نہیں ہو گئے۔ ہاں! آپ کو یہ مسرت ضرور ہوئی کہ دنیا کا حقیقی قبلہ ''خانہ کعبہ'' ناپاک بتوں سے مطہر و منزہ ہو گیا۔ اگر آپ کا وصال اسی رات (فتح مکہ کی رات) ہو جاتا، تب بھی آپ انتہائی سکون سے اس عالم فانی سے رخصت ہو جاتے۔ صرف اس لیے کہ آپ نے اپنے مقصد حیات کے سب سے اہم عنصر کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا، لیکن محمد کا وصال اسی رات نہیں ہو گیا وہ کچھ عرصے اور زندہ رہے مگر آپ کی زندگی اس شام زریں کو منتہائے عروج پر پہنچ گئی تھی جس وقت آپ نے اس گوہر مقصود کو پالیا جس کی خاطر آپ اب تک جدوجہد فرما رہے تھے۔ ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی کہ کسی نے اپنا گوہر مقصد خود اپنی زندگی میں ہی پالیا ہو اور ایسی نظیر تو اور بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی کہ گوہر مقصود حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ میں رہا ہو اور اخلاقی اقدار کو اس نے ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو۔ ۱۰ جنوری ۶۳۰ء اور ۸ ہجری، فتح مکہ کی شام کو محمد اپنی چٹائی پر بالکل اسی طرح سوئے جس طرح آپ خاندان خدیجہ بنت خویلد کی طرف سے سامان تجارت لے کر بحالت سفر سوئے تھے۔''

فتح مکہ کے نتائج:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((اذا جآء نصر اللہ والفتح ٥ ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا ٥ فسبح بحمد ربك واستغفرہ انہ کان توابا٥))

''جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح حاصل ہوگئی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا تو پھر آپ

اپنے رب کی حمد وثنا بیان فرمائیے اور اسی سے مغفرت مانگیے۔ یقیناً وہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

ارباب السیر اور مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں فتح سے فتح مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مکے پر اسلامی پرچم لہرانے کے بعد کافروں کا زور گھٹ گیا اور قریش کے علاوہ دوسرے قبیلے بھی جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے کونے کونے سے قبیلوں کے وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت ووفاداری کا اعلان کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ان سے تحریری معاہدے ہوئے اور انہوں نے آپ کے نمائندوں کو اپنی بستیوں میں تبلیغی وانتظامی امور سرانجام دینے کے لئے آنے کی اجازت دے دی۔ اس لیے اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور اسلامی ریاست مدینہ کی سلامتی وبقا کے لئے ٹھوس کام بھی ہوتا رہا۔ ''سورۂ نصر'' میں اسی حقیقت کو صاف، واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

فتح مکہ سے کفر ودین میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فیصلہ ہو گیا۔ آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں، دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی ''چاردیواری'' پر بلند ہو گیا۔ اس طرح فتح مکہ نے عرب کی بت پرستی کا فیصلہ کر دیا۔ جو لوگ ابھی تک اپنی خوبصورت ماہتابی دیویوں لات، منات اور عزیٰ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس قلعہ کے سقوط نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مکے والوں کی اطاعت سے دوسرے صحرائی قبائل بھی بہت ہی متاثر ہوئے اور ان قبائل کی طرف سے جو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے، اتحاد واطاعت کے لئے وفود آنے شروع ہو گئے۔ وحشیانہ بہادری، خونریزی اور کفر کی ایک گھٹا جو اس ملک پر چھا رہی تھی ہمیشہ کیلئے کھل گئی اور زمانہ جاہلیت ختم ہو گیا۔

شہری ریاست مکہ کا خاتمہ:

فتح مکہ سے وہ شہری ریاست ختم ہو گئی جس کے بانی قصی تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جس کے سرگرم کارکن ابو جہل، ابولہب اور ابوسفیان تھے۔ اب تو وہ اسلامی ریاست مدینہ میں مدغم ہو کر اس کا ایک صوبہ بن گئی۔ آپ نے سربراہ ریاست کی حیثیت سے بنوامیہ کے ایک سرگرم مجاہد حضرت عتاب بن اسید کو اس صوبہ کا گورنر اور حضرت معاذ بن جبل کو معلم ومبلغ کی حیثیت سے مقرر کر دیا۔ اسی کے ساتھ ہی آپ نے دور جہالت کی فرسودہ رسموں کو منسوخ کر کے نئے دور کا افتتاح فرمایا۔ دور جہالت کے انتظامی، قومی اور مذہبی ادارے توڑ دیئے گئے، شرک وبت پرستی کی رسموں اور روایتوں کو باطل قرار دے دیا گیا اور نئے دین کے نئے نظام حیات کو نافذ کر کے تہذیب وتمدن کی شمع جلا دی گئی۔

ویٹ نے اس بات کو اور بھی واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ان تمام اقدامات سے ہمیں قائل ہونا پڑتا ہے کہ محمد کو اپنے کاز، اپنی بصیرت اور اپنی دوراندیشی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اسی وقت سے جب کہ آپ کی امت چھوٹی سی تھی اور وہ محض اپنی بقاء وسلامتی کی خاطر دشمن سے بچاؤ کیلئے ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی، آپ کے ذہن میں اس متحدہ عرب کا تصور نقش ہو چکا تھا جس کی توسیع کے لئے اہل مکہ نیا کردار ادا کریں گے۔ وہ کردار جو تاجر وسوداگر کے کردار سے کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ شروع شروع میں وہ آپ کی تحریک سے بہت ہی پریشان ہوئے اور طیش میں آ گئے، پھر آپ نے انہیں رام کرنے کی کوشش کی اور وہ نہ مانے تو آپ نے ایسی کارروائی کی کہ ان کے حواس جاتے رہے اور اب عملی طور سے وہ سب کے سب حتیٰ کہ ان کے سب سے بڑے قائد بھی آپ کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ ساری دنیا آپ کی مخالف تھی، کامیابی کے آثار ہی نظر نہیں آ رہے تھے، پھر بھی انتہائی اعتماد کے ساتھ آپ اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہی گئے۔ اگر ہمیں ان واقعات کی تاریخی حیثیت کا یقین نہ ہوتا تو پھر گنتی کے چند لوگ ہی اسے بہت بڑا

کارنامہ سمجھتے کہ مکے کا دھتکارا ہوا (نعوذ باللہ) رسول دوبارہ فاتحانہ شان سے اسی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

اب قریش کے وہی ظالم، سرمایہ پرست جو اسلام کے مخالف اور آپ کے کٹر دشمن تھے، نئے دین کے علم بردار اور آپ کے بندۂ بے دام بن گئے۔ حضرت ابوسفیان نے آخری دم تک اسلام کی خدمت دل و جان سے کی۔ انہوں نے طائف میں لات کے بت کے منہدم کرنے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نجران کے گورنر رہے، پھر اسلامی فتوحات میں برابر سرگرمی سے حصہ لیتے رہے حتیٰ کہ معرکہ یرموک میں انہوں نے نمایاں تاریخی کردار ادا کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت عکرمہ کو ہوازن کی بستی میں صدقہ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ "تحریک ردہ" میں انہوں نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ وصال رسول کے بہت سے عرب مرتد ہو گئے، انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور جھوٹے نبیوں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ حضرت عکرمہ نے اس تحریک کو کچلنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عمان میں تو مرتدوں کے خلاف اسلامی فوج کی قیادت بھی سرانجام دی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے دوسری جنگوں میں برابر حصہ لیا، آخر کار شام میں دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

> "یارسول اللہ! میں نے آپ کے خلاف لڑائیوں میں جس قدر خرچ کیا ہے اتنا ہی میں اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ میں نے لات وعزیٰ کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہ کی، اب میں اسی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔"

ان کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری کی اور وہ اسی کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قریش کے دوسرے رئیسوں نے بھی اسلام کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ حضرت حارث بن ہشام (مخزوم) اور حضرت نصیر بن حارث (عبدالدار) بھی شام کی لڑائیوں میں شہید ہو گئے تھے۔ حضرت صفوان بن امیہ اور حضرت سہیل بن عمرو دونوں مکے ہی میں رہ گئے تھے، لیکن ان دونوں نے شہر ہی میں دین کی خاطر کافی کام کیا۔ وصال رسول کے بعد فسادیوں نے سر اٹھایا تو حضرت سہیل نے انہیں پوری طرح دبا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں میں وہ بہت ہی متقی و پرہیزگار تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے قریشی رئیس مدینے چلے گئے تھے۔ حضرت مخرمہ بن نوفل الزھری، حضرت سعید بن یربوع، حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ اور حضرت حکیم بن حزام نے بھی دین کی خدمت میں سرگرمی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صحت منداسلامی معاشرے کے مخلص وسرگرم کارکن بن گئے۔

قبیلوں پر نفسیاتی اثر:

فتح مکہ کے بعد قریش کی اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا جو حق وصداقت کے خلاف برسر پیکار تھی۔ اس کشمکش میں بہت سے قبیلوں نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ قریش کے حلیف واتحادی تھے۔ رشتہ داری کی وجہ سے بھی وہ ان کا ساتھ دیتے تھے، پھر وہ سیاسی طاقت کے مالک بھی نہیں تھے، اس لیے انہوں نے قریش کے دامن میں پناہ لی اور دوسروں کے شر سے محفوظ و مامون ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی بھی ان کا ساتھ نہیں دے گا اور وہ آسانی سے قریش کے غیظ وغضب کا شکار ہو جائیں گے، لیکن فتح مکہ کے بعد انہیں قریش کے پنجے سے نجات مل گئی۔ اب وہ آزادی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیمات سے مستفیض ہونے لگے۔ اسلام کے مبلغ بھی آزادی سے ان کی بستیوں کا دورہ کرنے لگے۔ وہ اسلام کے اصول انہیں سمجھاتے اور ان کے سوالوں کا جواب دے کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ آخر کار اسلام نے ان کے دلوں کو مسخر کر لیا اور وہ آپ ہی آپ اس کے دامن امن وعافیت میں پناہ لینے لگے۔

قبیلوں کی ایک جماعت نے حق و باطل کی اس کشمکش میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قریش پر وہی فریق غالب آ

سکتا ہے جوق در جوق قائم ہو۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر مسلمان قریش کو ہرا کر مکہ فتح نہیں کر سکتے۔ اس لیے فتح مکہ سے انہیں یہ راز معلوم ہو گیا کہ مسلمان حق پر تھے اور حق کی خاطر جہاد کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ساتھ دیا، قریش ذلیل وخوار ہو گئے اور مکہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ ساٹھ برس پہلے اسی مکہ مکرمہ پر حبشہ کے طاقتور حکمران ابرہہ نے حملہ کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو تباہ کرنے آیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عبرتناک سزا دی اور ابابیلوں کی فوج نے اسکے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا، لیکن اسی مکہ مکرمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، قریش نے ہتھیار ڈال دیے اور خانہ کعبہ پر اللہ تعالیٰ کے پرستاروں کا قبضہ ہو گیا۔ اس انقلابی فیصلے سے اب ان کی سمجھ میں آ گیا کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور اسلام اللہ تعالیٰ کا عطا کیا دین ہے۔ اس لیے وہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور راہ حق میں سرگرمی سے کام کرنے لگے۔

قبیلوں کے اس طرز عمل کا نفسیاتی تجزیہ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن سلمہ کی اس روایت میں کیا گیا ہے:

((فیقولون اترکوہ وقومہ ، فانہ ان نظفر علیھم فھو نبی صادق))

''قبائل کا تو یہی کہنا تھا کہ آپ اور آپ کی قوم کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر آپ ان کے مقابلے میں ظفریاب ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ آپ ہی نبی صادق، سچے رسول ہوئے۔''

فتح مکہ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

فتح مکہ اسلام کی غالباً غزوہ بدر کے بعد سب سے بڑی فتح تھی مگر مال غنیمت کے اعتبار سے وہ کسی شمار وقطار میں نہیں آتی۔ چونکہ بعض روایات میں کچھ ''مال'' ملنے کا حوالہ آتا ہے اس لیے اس کو بھی یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔ عام طور سے قریش مکہ نے اسلام کی سیاسی، فوجی اور مذہبی طاقت سے مرعوب ہو کر مقابلہ سے پہلوتہی کی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عام معافی بھی دیدی تھی، اس لیے مال غنیمت ملنے کا سوال ہی نہیں تھا، لیکن قریش کے بعض جوشیلے جوانوں اور قبیلہ ہذیل کے بعض جھگڑالو جنگجوؤں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے شہسوار دستے سے بلاوجہ مقابلہ کیا اور مارے گئے۔ غالباً ان کا مال مسلمانوں کو ملا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایک قریشی جنگجو ابن خطل نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے تھے جن میں ان کا زرہ بکتر، اس کے اندر پہننے کی صدری اور سوتی اور آہنی خود شامل تھے۔ مجاہدوں نے اس کے گھوڑے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

مؤرخ یعقوبی کی روایت ہے کہ کچھ مال خانہ کعبہ کے اندر بھی پایا گیا تھا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلم غازیوں کو عطا کر دیا تھا اور اس کو عام تقسیم کے طریقے کے مطابق نہیں بانٹا تھا۔

بت پرستی کے خلاف جہاد

مشہور ترین مہمیں:

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے اڈوں کو مسمار کرنے کیلئے مندرجہ ذیل مہمیں روانہ کیں:

1: ذوالخلصہ (الخالصہ) کی تباہی۔

2: فلس کی تباہی۔

3. لات کی تباہی۔

ذوالخالصہ کی تباہی (صفر ۸ ہجری بمطابق مئی و جون ۶۳۰ء):

جنوبی عرب کے شہر تبالہ میں ''ذوالخالصہ'' کا بت کدہ واقع تھا جسے باجلہ اور خشعم کے عرب پوجتے تھے۔ صفر ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر باجلہ کے رئیس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ساتھ تبالہ پر دھاوا بول دیا۔ شدید گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ''ذوالخالصہ'' کے بت کدے کو مسمار کر دیا گیا۔ ابن اسحاق کے مطابق اسی جنگ کے بعد خشعم کے سردار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ کی مساعی سے ان کی قوم بت پرستی ترک کر کے اللہ واحد کی پرستار بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ''تحریک ردہ'' کے کچلنے میں بھی انہوں نے سرگرمی سے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

فلس کی تباہی (ربیع الثانی ۹ ہجری بمطابق جولائی، اگست ۶۳۰ء):

بنوطے ''فلس'' یا ''فلوس'' کی پرستش کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ساتھ ''فلس'' کے بت کدے کو منہدم کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔ جنگ میں کافروں کو شکست ہوئی اور مجاہدوں نے فلس کے بت کدے کو مسمار کر دیا۔ اسی مہم کے بعد بنوطے میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پروانہ امن و سلامتی عطا فرمایا اور بنوطے کے مشہور رئیس حاتم طائی (عدی) کو اپنے قبیلے سے صدقات وصول کرنے پر مامور کر دیا۔

لات کی تباہی (رمضان ۹ ہجری بمطابق دسمبر ۶۳۰ء):

طائف میں بنوثقیف اپنی دیوی لات (ربہ) کی پرستش کرتے تھے۔ معرکہ حنین کے بعد ان کے وفد نے حاضر ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کی دیوی لات کے بت کدے کو مسمار نہ کیا جائے مگر آپ نے دوٹوک انداز میں صاف صاف جواب دے دیا۔ پھر آپ کی ہدایت پر حضرت مغیرہ بن شیبہ، حضرت ابوسفیان اور حضرت خالد بن ولید نے طائف جا کر لات دیوی کے معبد کو زمین دوز کر دیا۔

حضرت خالد بن ولید نے نخلہ میں جا کر ''عزیٰ'' دیوی کے بت کدے کو مسمار کر دیا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین مشلل میں واقع ''منات'' دیوی کا مندر گرا دیا گیا۔ بنومزحج کی شاخ خولان نے بھی اپنے دیوتا ''عم انس'' کے بت کدے کو رسول کے حکم پر تباہ کر دیا۔ حمیر اور سعد عشیرہ کے مسلمانوں نے بھی آپ کی ہدایت پر اپنے اپنے بتوں کے معبد تباہ کر دیئے تھے۔ اسی طرح محاصرہ طائف سے قبل ہی حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی ایما پر لکڑی سے بنے ہوئے بت ''ذوالکفین'' کو جلا دیا گیا تھا۔ الغرض جس علاقے، شہر یا قبیلے میں بتوں کے مجسمے، مندر اور بت کدے تھے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر مجاہدوں نے مسمار و منہدم کر کے بت پرستی کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

صنم کدوں کے خلاف مہمات سے حاصل ہونے والا مال غنیمت:

فتح مکہ کے بعد جو مہمیں جھوٹے خداؤں کے گھروں کو ڈھانے کے لیے بھیجی گئی تھی سب کی سب غنیمت سے خالی نہ تھیں۔ ان میں سے بعض میں اچھا خاصا مال ملا تھا۔ روایات کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کے صنم کدے سے کچھ زیورات ملے تھے جو وہاں چڑھاوے کے طور پر چڑھائے جاتے تھے مگر ان کی تعداد یا ان کی مالیت کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح طائف کے صنم

کدہ "لات" میں کچھ زیورات، سونے ہیرے پر مشتمل دوسرا مال ملا تھا۔ اس مال کو تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ طائف وثقیف کے دوفرزندان اسلام کا قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا حالانکہ ان کے قرض خواہ قبیلہ والوں نے ان کو محض اسلام کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔

یہ ممکن ہے کہ اس نوع کی بعض دوسری سرایا کی کارروائیوں کے نتیجے میں کچھ اور مال ہو لیکن ان سے متعلق روایات میں اس کا کوئی پا ثبوت یا قطعی قرینہ نہیں ملتا۔ بہر حال مذکورہ بالا مہموں میں مال غنیمت ملنے کے سبب یہ امکان زیادہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ملا ضرور تھا۔ انداز ہے کہ اس کی مالیت کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ ان کی تقسیم کا ذکر مآخذ کی روایات میں نہیں ملتا۔ دوسرا یہ کہ لات کے صنم کدہ سے ملنے والی غنیمت کو دو مسلمانوں کو قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ صنم کدوں میں عام طور پر چڑھاوے چڑھتے تھے جو وہاں محفوظ بھی رکھے جاتے تھے جن سے ان کے پجاری متمتع بھی ہوتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد کے واقعات

عام الوفود:

فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری (۶۳۰ء) میں قبیلوں کے وفد اس کثرت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام ہی "عام الوفود" یا "سنۃ الوفود" ہو گیا۔ وہ اخلاق نبوی کے اچھوتے اور بے مثال مظاہروں سے بہت ہی متاثر ہوئے اور اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے۔ صحابہ کرام نے بھی اسی کردار کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے وفد کے اراکین کو اپنے اپنے گھروں میں رکھا، خوب خاطر مدارت کی اور واپسی پر نہ صرف زادراہ کا انتظام کیا بلکہ حسب مراتب انہیں تحفے بھی پیش کیے۔

تبلیغ واشاعت اسلام:

اس باہمی رابطے کی وجہ سے اسلام برق رفتاری کے ساتھ قبیلوں میں پھیلنے لگا۔ مسلمان ہونے کے بعد لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، دینی تعلیم حاصل کرتے اور دیدار رسول سے اپنی آنکھیں کو ٹھنڈی کر کے واپس اپنی بستی میں چلے جاتے۔ آپ ان میں ہی سے کسی کو ان کے قبیلے کا معلم مقرر فرما دیتے تھے۔ وہ واپس جا کر اپنی اپنی قوم کے سامنے اسلام کی افادیت پر روشنی ڈالتے اور موٹے موٹے اصول سمجھا کر انہیں دعوت دیتے تھے۔ وہ خلوص ومحبت کے پیکر تھے، اسی لیے ان کی بات رائیگاں نہیں جاتی اور لوگ متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انہی کے قبیلے کا معلم بنا دیا، ان کی ان تھک کوششوں سے اس قبیلے کے ستر اسی خاندان مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ "صداء" میں حضرت زیاد بن حارث کی کوششوں سے اسلام پھیلا۔ حضرت ثمامہ بن اثال نے اپنے قبیلہ بنوحنیفہ میں اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت زید الخیل مسلمان ہوئے تو آپ نے ان کا نام "زید الخیر" رکھ دیا۔ انہوں نے بھی آپ کی ہدایت پر تبلیغ کا کام سرگرمی سے انجام دیا اور بنوطے کے بہت سے لوگ ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممتاز صحابہ کرام کو بھی قبیلوں میں دین اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید کو (رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء) ۳۵۰ مجاہدوں کے ساتھ بنوجذیمہ (کنانہ) کے پاس بھیجا تھا۔ اس قبیلے کے بہت سے لوگ پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکن حضرت خالد ان کی باتوں سے مشکوک ہو گئے۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ نے انہیں داعی ومبلغ بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جنگ وجدال کے لئے۔ لیکن جب بنوجذیمہ نے اپنے ایک ساتھی کے بھڑ کانے پر ہتھیار ڈالنے میں لیت ولعل سے کام لیا تو وہ اور بھی مشکوک ہو گئے۔ اس لیے انہیں گرفتار کر کے ہر ایک کے ہاتھ مونڈھوں پر بندوا دیئے۔ صبح ہوئی تو ان کے حکم سے ہر مجاہد نے

اپنے اپنے قیدی کی گردن اڑا دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی متاسف ہوئے اور حضرت خالد بن ولید سے باز پرس بھی فرمائی۔ پھر تالیف قلبی کے لئے حضرت علی کو ان کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے حسب مراتب مقتولوں کے ورثاء کو دیت عطا کی، ضائع شدہ سامان کا معاوضہ دیا اور اسلامی اخلاق سے مسخر کر کے ان کے دل جیت لیے۔ پھر بھی جو رقم بچ گئی اسے مقتولوں کے دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''اس فیاضی و رواداری سے مظلوموں کے دل خوشی سے معمور ہو گئے اور حضرت علی ان کی دعائیں لیکر واپس مدینہ چلے گئے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت ہی خوش ہوئے اور ان کی گراں قدر خدمات کو سراہا، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

((اللهم انی ابرا الیك مما صنع خالد بن ولید.))

''اے اللہ! جو کچھ بھی خالد نے کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔''

ہمدان میں حضرت خالد نے اسلام کی خاطر کافی کام کیا، پھر بھی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی تو حضرت علی کو وہاں بھی بھیجا گیا اور ان کے فیضان سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ بنو حارث کے علاقوں میں بھی حضرت خالد گئے تھے۔ ان کی کوششوں سے وہاں اسلام پھیل گیا، تو آپ بہت ہی خوش ہوئے اور انہیں واپس مدینہ منورہ بلا لیا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کو اشاعت اسلام کے لئے بھیجا گیا اور ان کی کوششوں سے ہر قبیلے میں اسلام تیزی سے پھیل گیا۔

دعوت اسلام:

فتح مکہ کے بعد وقت آیا کہ دور دراز کے علاقوں میں بھی اسلام کی منادی کی جائے اور شاہ و گدا اور امیر و غریب ہر ایک کو سچائی کی دعوت دی جائے۔ اسی لیے آپ نے عرب رئیسوں کے پاس اپنے سفیر بھیج کر اسلام کا پیغام پہنچایا اور اسے قبول کرنے کی دعوت دی۔ ابن اسحاق نے ان تمام سفیروں کی فہرست درج کی جنہیں آپ نے ''فتح مکہ'' کے بعد یمن، بحرین اور عمان کے حاکموں اور سرداروں کے پاس اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا تھا۔

بت پرستی غیر قانونی قرار دے دی گئی:

فتح مکہ کے بعد بت پرستی کے آثار مٹانے کیلئے دور رس اقدامات کیے گئے۔ آخر کار ذوالحج ۹ ہجری (مارچ و اپریل ۶۳۰ء) میں حج اکبر کے موقع پر کفر و بت پرستی سے ہر قسم کا رشتہ توڑ لیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حاجیوں کو مناسک حج کی تعلیم دی اور حضرت علی نے سورۂ توبہ کی چالیس آیتیں سنائیں جن کے مطابق کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سرکاری و قانونی طور سے کفر و الحاد اور شرک و بت پرستی کو باطل قرار دے دیا گیا۔ اگلے سال ۱۰ ہجری میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ اسی لیے اسے ''حجۃ الوداع'' کہتے ہیں۔ اس موقع پر خود آپ نے اعلان فرما دیا:

''ہاں! جاہلیت کے سارے دستور و مراسم میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔''

اس اعلان کے بعد دین اسلام کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے صحابہ کرام کے دامن کو مالا مال کر دیا۔

حجۃ الوداع وخطبہ

یہاں حجۃ الوداع اور اس کے خطبہ کا مختصر ذکر کرتے ہیں، کتاب کے دوسرے حصے میں انشاء اللہ تفصیلاً ایک باب میں خطبہ حجۃ الوداع کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

حجۃ الوداع:

ذوقعدہ 10 ہجری میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ خبر دفعتاً پھیل گئی اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب اُمڈ آیا۔ ذوقعدہ کی 26 تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور چادر اور تہبند باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ کے جسم مبارک میں عطر مَلا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

((لبيك اللّٰهم لبيك لا شريك لك لبيك اِنّ الحمد و النّعمة لك و الملك لا شريك لك))

''اے اللہ! ہم حاضر ہیں! اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے، اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ (ایک روایت کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان شریکِ حج تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپ علیہ السلام نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ سرف کے مقام پر پہنچ کر غسل فرمایا، دوسرے دن، اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا۔ کعبۃ اللہ پر نظر پڑی تو عرض کیا:

''اے اللہ! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔''

پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور یہ آیت پڑھی:

((واتخذوا من مقامِ ابراهيم مصلّیٰ))

''اور مقامِ ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔'' (سورۃ البقرہ: ۱۲۵)

صفا پہاڑ پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

((اِنَّ الصَّفا و المَرْوة من شعآئر اللّٰه))

"صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔" (سورۃ البقرہ:۱۵۸)

یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ لا شریك لهٗ له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وھو علٰی کلّ شیءٍ قدیر۔ لا اله الا اللّٰه وحدهٗ انجز وعدهٗ ونصر عبدهٗ وھزم الاحزاب وحدهٗ))

(سنن ابی داؤد)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔"

صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔

اہل عرب ایامِ حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اُتارنے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بناء پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منٰی میں قیام فرمایا، دوسرے دن نو ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منٰی سے روانہ ہوئے۔ قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام پر مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آ جائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی، اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم:

((ثم افیضوا من حیث افاض الناس))

"پھر وہاں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں۔"

کے مطابق آپ علیہ السلام بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے اور یہ اعلان فرمایا:

((قفوا علی مشاعر کم فانکم علٰی ارث من ارث ابیکم ابراھیم))

"اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی وراثت ہو۔"

عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور انہی نے اس مقام کو اس غرضِ خاص کے لیے متعین کیا ہے۔

عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لئے آپ علیہ السلام

نے فرمایا:

((الا کل شیءٍ من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع))

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔'' (صحیح مسلم وابوداؤد)

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیازِ مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں نے تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا۔ سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چوں و چرا کی مجال نہ تھی، آئمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفاء رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام فرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔ فرمایا:

((ایها الناس الا ان ربّکم واحد وانّ اباکم واحد اَلا لا فضل لعربیّ علٰی عجمیّ ولا لعجمیّ علٰی عربیّ ولا لِاَحمرٍ علٰی اسودٍ ولا لِاَسوَدٍ علٰی احمرٍ اِلّا بالتّقوٰی))

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔'' (مسند احمد)

پھر فرمایا:

((انّ کلّ مسلمٍ اخوا المسلم وانّ المسلمین اخوةٌ))

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔''

پھر فرمایا:

((ارقاء کم ارقاء کم اطعموهُم مِمّا تاکلون واکسُوهم مِمّا تلبسون))

''تمہارے غلام! تمہارے غلام! (ان پر ظلم نہ کرنا) جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔'' (ابن سعد)

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پُر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتے ہیں:

((ودماء الجاهلیة موضوعة وان اوّل دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعة بن الحارث))

''جاہلیت کے تمام خون (انتقامِ خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔''

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا، اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے:

((وربا الجاهلية موضوع واوّل رِبا اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب))

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود (جو انہوں نے لوگوں سے وصول کرنا ہے) باطل کرتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے زن وشوہر کے فرائض کی تفصیل فرمائی۔ آج تک عورتیں جو ایک جائیداد منقولہ سمجھی جاتی تھیں، جو قمار بازی میں داؤں پر چڑھادی جاتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک، قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((فاتّقوا الله فی النّساء))

"عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔" (صحیح مسلم وابوداؤد)

((إنّ لكم علٰى نساء كم حقًّا ولهنّ عليكم حقًّا))

"تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔"

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، آج امن وسلامتی والا پیغمبر تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے:

((ان دماء كم واموالكم عليكم حرامٌ كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا فی بلدكم هذا الٰی يوم تلقون ربكم))

"تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر تا قیامت اسی طرح حرام ہے۔ جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔"

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، ان کو اللہ کی طرف سے جو ہدایتیں ملتی تھیں، بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے:

((وانّی قد تركتُ فيكم ما لن تضلّوا بعدهٗ ان اعتصَمتُم به كتاب الله))

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!"

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا:

((انّ الله عزّوجل قد اعطٰی كلّ ذی حقّ حقّهٗ فلا وصية لوارثٍ))

"اللہ نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا۔ اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔"

پھر فرمایا:

((الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم علی الله))

"لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔"

پھر فرمایا:

((من ادعٰی الٰی غير ابيه وانتهٰی الٰی غير مواليه فعليه لعنة الله))

''جولڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔''

پھر فرمایا:

((اَلا لَا یحِلُّ لِامرأةٍ ان تعطی من مال زوجها شیئاً اِلَّا باذنهِ الدین مقضی والعاریة موداة والمنحة مردودة والزعیم غارم))

''ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:

((انتم مسئولون عنّی فما انتم قائلون))

''تم سے اللہ کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟'' (صحیح مسلم وابوداؤد)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''ہم کہیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

آپ علیہ السلام نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار عرض کیا:

((اللّٰهم اشهداللّٰهم اشهداللّٰهم اشهد))

''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔'' (صحیح مسلم وابوداؤد)

عین اس وقت جب آپ علیہ السلام یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری:

((الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً))

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔''

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی اعلان کر رہے تھے، اس وقت ان کے تختِ شہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک درہم سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ علیہ السلام نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا، آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آ کر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا، لوگوں کو دست راست سے بخاری شریف میں ہے کہ کوڑہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ''آہستہ آہستہ'' اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے

((السّکینة یا ایها الناس السّکینة یا ایها الناس))

''لوگو! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ۔''

اثنائے راہ میں ایک جگہ اُتر کر طہارت کی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یارسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔''

فرمایا:

''نماز کا موقع آگے آتا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادتِ شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ صبح سویرے اٹھ کر با جماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کفارِ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اس وقت باآواز بلند کہتے تھے:

''کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ فرمایا۔

یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور ہفتہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری و ابوداؤد)

حضرت فضل بن عباس آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہلِ حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

وادی محسر کے راستہ سے آپ جمرہ کے پاس آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس وقت کمسن تھے، فرمایا مجھے کنکریاں چن کر دو۔ آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

((ایاکم و الغلوّ فی الدین فانما اھلک قبلکم الغلو فی الدین))

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔'' (ابن ماجہ ونسائی)

اسی اثنا میں آپ یہ بھی فرماتے:

((لتاخذوا مناسککم فانّی لا ادری لعلّی لا احجّ بعد حجتی ھٰذہ))

''حج کے مسائل سیکھ لو! میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔'' (مسلم و ابوداؤد)

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے اور داہنے بائیں، آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائضِ نبوت کے 23 سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور ضوء فشاں تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختمِ رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی۔ اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ ان ... ارشاد فرمایا:

((ان الزّمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰتِ والارض))

''ابتدا میں اللہ نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پہ آ گیا۔''

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لیے اس کو بھی گھٹا بھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے سامنے ''اشہر حرم'' کی تعیین کردی جائے، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلسَّنَۃ اثنا عشر شھرًا منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ و ذوالحجۃ و محرم ورجب شھر مضر الذی بین جمادی و شعبان))

''سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین تو متواتر مہینے ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں (رجب) ہے۔''

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے خطبہ میں تو اِن کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ علیہ السلام نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔

لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے۔؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔''

آپ علیہ السلام دیر تک چپ رہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔

دیر تک سکوت کے بعد فرمایا:

''کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟''

لوگوں نے کہا:

''ہاں بے شک ہے۔''

پھر ارشاد ہوا:

''یہ کون سا مہینہ ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا:

''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟''

لوگوں نے کہا:

''ہاں بے شک ہے۔''

پھر پوچھا:

''یہ کون سا شہر ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا:

''کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''ہاں بے شک ہے۔''

اب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی، اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس مہینہ میں، اس دن میں، اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں۔ تب فرمایا:

((فانّ دماء کم واموالکم واعراضکم علیکم حرامٌ کحرمۃ یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا))

''تو تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔''

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیروؤں سے بآواز بلند کہا:

((الا لا ترجعوا بعدی ضلا لا یضرب بعضکم رقاب بعضٍ وستلقون ربکم فلیسئلکم عن اعمالکم))

''ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔''

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا میں حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے لا تزر وازرۃٌ وّزر اُخریٰ کے وسیع قانون کی رُو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی تھی لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا، آپ علیہ السلام

نے فرمایا:

((اَلا لا یجنی جان اِلا علٰی نفسہٖ اَلا لا یجنی جان علٰی ولدہٖ و لا مولودٌ علٰی والدہٖ))

(ابن ماجہ وترمذی)

''خبردار! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔خبردار! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔''

عرب کی بدامنی اور نظامِ ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی سرداری کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ و عار جانتا تھا۔ارشاد ہوا:

((ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا لہٗ واطیعوا))

(صحیح مسلم)

''اگر کوئی حبشی ناک بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔''

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا،اور فتنہ پرواز قوتیں پامال ہو چکی تھیں۔اس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلا اِنّ الشّیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم ھذا ابدًا ولکن ستکون لہٗ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضی بہٖ))

''خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی،البتہ جو تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے وہ اس پر خوش ہوگا۔''(ابن ماجہ وترمذی)

سب سے آخر میں آپ علیہ السلام نے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے:

((اُعبدوا ربّکم فصلُّوا خمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا اذا اٰمرکم تدخلوا جنۃ ربکم))

''اپنے پروردگار کو پوجو،پانچوں وقت کی نماز پڑھو،(رمضان کے) مہینہ کے روزے رکھا کرو اور میرے احکام کی اطاعت کرو،اللہ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

((اَلا ھَل بلّغت))

''کیا میں نے پیغامِ الٰہی پہنچا دیا۔؟''

سب بول اُٹھے:

''ہاں۔''

عرض کیا:

((اَللّٰھم اشھد))

''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔''

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

((فلیبلّغ الشّاھد الغائب))

''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔''

خطبہ کے اختتام پر آپ علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔

اس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا:

''قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے، یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے، بلکہ الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرطِ محبت سے کچھ بال اپنے دست مبارک سے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اُم سُلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے تھے عنایت فرمائے اور باقی حضرت ابوطلحہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے، اس کے بعد آپ مکہ تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، اس سے فارغ ہو کر چاہِ زمزم کے پاس آئے۔

چاہِ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ عبدالمطلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپ نے فرمایا:

''یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔ (صحیح مسلم و ابوداؤد)

بقیہ ایام التشریق یعنی 12 ذی الحجہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمیِ جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ ابوداؤد، باب الخطبۃ منیٰ میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 12 ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے ہیں۔ تیرہ ذی الحجہ کو منگل کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلے اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خم پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپ نے یہاں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

((اما بعد الا ایّھا الناس فانّما انا بشرٌ یوشك ان یاتی رسول ربّی فاجیب وانا تارك فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللّٰہ فیه الھدٰی والنور فخذوا کتاب اللّٰہ واستمسکوا به واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی))

''حمد وثناء کے بعد! اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ اللہ کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (موت کو) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں: ایک اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔''

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

((من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ اللّٰھم والِ من والاہ وعاد من عاداہ))

''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ الٰہی! جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔''

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن بھیجے گئے تھے، جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تو جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا، ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔''

عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا، اور دوسری طرف کو کبۂ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ سوادِ مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے:

((اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لهٗ لهُ الملك وله الحمد وھو علٰی کلّ شیءٍ قدیر، آئبون تائبون عابدون ساجدون لربّنا حامدون۔ صدق اللّٰہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ))

''اللہ بزرگ و برتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیے مدح اور ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی مدح وستائش میں مصروف ہو کر، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔''

فصل نمبر 11:

مکہ مکرمہ فاروق اعظم کے عہد مسعود میں

امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرم شریف کی توسیع کیلئے قرب وجوار کے بہت سے مکانات خرید کرا سے وسیع کیا۔ انہوں نے ایک ایسے عظیم الشان نیک کام کی بنیاد رکھی جس کا سلسلہ آج تک جاری رہا اور مید کی جاتی ہے کہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۱۷ ہجری میں جب امیر المومنین خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فریضہ حج ادا کرنے مکہ معظمہ تشریف لائے تو انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر ایک منزل پر چوکیاں، سرائیں، چشمے، سایہ دار جگہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ بہت سے نئے کنوئیں کھودنے اور پرانے صاف کرنے کا حکم دیا، تاکہ حجاج کرام کو پانی کی سہولت دستیاب ہو سکے۔

قدیم زمانہ سے مکہ شریف میں انتہائی تباہ کن سیلاب آتے رہتے تھے، جن سے نہ صرف جانی و مالی نقصان ہوتا تھا بلکہ بیت اللہ شریف کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیلاب کی روک تھام کیلئے ''المدعا'' میں مروہ کے قریب ایک بے حد مضبوط بند تعمیر کرایا جس کے باعث ۱۸۵ سال تک حرم شریف اور اہل مکہ سیلاب کی آفت سے محفوظ رہے۔ بعد ازاں ۲۰۲ ہجری میں وہ بند کمزور ہو جانے کی وجہ سے سیلاب کی نذر ہو گیا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام بلاد عرب کو غیر مسلم آبادی سے پاک کر دیا تھا اور حرمین شریفین میں غیر مسلموں کا داخلہ قانوناً ممنوع قرار دے دیا تھا جس کی وجہ سے جدہ، ینبوع اور صنعاء کی بندرگاہوں تک غیر مسلم آتے تھے مگر مکہ شریف میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

فصل نمبر 12:

مکہ مکرمہ عہد اموی میں

حضرت امیر معاویہ:

اموی خاندان میں سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کی ترقی اور فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی۔ سبزیوں کی پیداوار اور پینے کیلئے پانی کا معقول انتظام کیا۔ متعدد بند، حوض اور کنوئیں بنوائے۔ بعد ازاں اموی خلفاء نے نہ صرف سیلاب کی روک تھام کیلئے بند تعمیر کئے بلکہ سیلاب کا رخ موڑنے کیلئے نالے کھدائے۔

ولید بن عبد الملک:

خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں کعبہ شریف کی حفاظت کے لئے حرم شریف کے چاروں طرف ایک مضبوط پشتہ تعمیر ہوا جس میں شام اور مصر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اموی دور میں مکہ، مدینہ اور طائف پورے حجاز میں بڑی اہمیت کے شہر تھے۔
(المکہ، صفحہ ۱۹۵)

خالد بن عبد اللہ:

گورنر مکہ خالد بن عبد اللہ القسری الیمنی نے بہت سے قابل تعریف کام کئے تھے۔ مثلاً: رمضان شریف میں طواف کے دوران

تکبیرات بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ ان سے پہلے کعبہ شریف کی ایک سمت صفیں بنائی جاتی تھیں، لیکن موصوف نے چاروں طرف صفیں بنانے کا طریقہ رائج کیا۔ عورتوں کو مردوں سے الگ طواف کرنے کا حکم دیا۔ حجاج کرام کو پانی کی سہولت فراہم کرنے کی غرض سے چاہ زمزم کے اوپر دو حوض تعمیر کرائے۔

سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ حرم شریف میں امام مقام ابراہیم کی جانب اونچی جگہ کھڑے ہوتے اور سامنے سترہ گاڑ لیتے. کیونکہ تراویح کی نماز میں بعض لوگ شامل نہیں ہوتے تھے اور طواف میں مشغول رہتے۔ کعبہ شریف کی دوسری سمتیں نمازیوں سے خالی رہتیں۔

لیکن عبدالملک بن مروان کے گورنر خالد بن عبداللہ نے رمضان شریف میں حکم دیا کہ امام صاحب مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوں اور کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں بنائی جائیں اور فرض نماز کی جماعت کے وقت طواف بند کرنے کا حکم بھی دیا۔ البتہ تراویح میں چار رکعتیں پڑھ لینے کے بعد طواف کرنے کا اختیار دیا گیا۔

جب کعبہ شریف کے چاروں طرف صفیں بنانے کا حکم صادر ہوا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ کعبہ شریف کی دوسری اطراف میں بیٹھے ہوں گے تو انہیں طواف ختم ہونے اور جماعت شروع ہونے کی اطلاع کیسے ہوگی؟

چنانچہ یہ طے ہوا کہ جب لوگ چھٹے چکر میں حجر اسود کے پاس پہنچیں تو چند غلام بلند آواز سے الحمدللہ واللہ اکبر کہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ طواف ختم ہونے والا ہے اور جب ساتواں چکر پورا ہو جائے تو ایک آدمی بلند آواز سے ''الصلوٰۃ رحمکم اللہ'' کہہ دے۔ اس کے بعد یہ طریقہ ہمیشہ کیلئے اختیار کرلیا گیا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۰۴)

خالد بن عبداللہ کے دادا عقبہ:

موصوف کے دادا عقبہ بن الازرق نے سب سے پہلے حرم شریف میں روشنی کا انتظام کیا تھا۔ وہ اپنی حویلی کی دیوار پر ایک بہت بڑا چراغ جلا کر رکھتا تھا جس سے پورا مطاف منور ہو جاتا تھا۔ خالد موصوف نے اپنے عہد امارت میں ایک اور چراغ کا اضافہ کر دیا۔ اس نے حجر اسود کے سامنے زمزم کے قریب لکڑی کا ایک ستون نصب کیا جس پر چراغ چلایا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے اس چراغ کا نام ''مصباح زمزم'' مشہور ہوا۔

اس کے علاوہ شہر کے باہر ایک کنواں بھی بنوایا تھا جس کے سبب پانی کی قلت رفع ہو گئی تھی۔ (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹)

لیکن پھر ۷۳ ہجری میں مکہ شریف قحط اور گرانی کی لپیٹ میں آ گیا۔ مرغی ایک درہم میں اور جوار تقریباً ایک سیر بیس درہم میں فروخت ہونے لگی۔

فصل نمبر 13:

مکہ مکرمہ عہد عباسی میں

(۱۳۲ ہجری تا ۱۲۳ ہجری)

ہارون الرشید:

خلافت عباسی میں اسلامی ریاست کے مراکز دمشق، شام اور بغداد ہونے کی وجہ سے مکہ معظمہ میں صرف ایک گورنر تعینات کر دیا جاتا جو وہاں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ بعض اوقات امیر حجاج ہی کو عارضی گورنر بنا دیا جاتا تھا جو حج کے دنوں میں وہاں کا نظم و نسق چلاتا تھا۔

عباسی خلفاء نے اہالیان مکہ کی امداد تعاون اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی عہد خلافت میں بلاتمیز تمام شہریوں کو صدقات و خیرات دے کر مالا مال کر دیا تھا۔ موصوف نے بے دریغ روپیہ خرچ کیا، اوران میں سے کوئی شخص بھی محتاج اور مفلس نہیں رہا۔

عباسی دور کی ایک عظیم یادگار ''نہر زبیدہ'' ہے جسے زبیدہ خاتون نے بنوایا تھا، جو عدیم النظیر منفعت کی حامل اور زبیدہ کے باقیات الصالحات کا عظیم شاہکار ہے۔

عباسی دور میں حرم کعبہ کے سمت مشرق درج ذیل دروازے تھے:

باب دار ارقم۔	باب بنی ہاشم۔
باب علی۔	باب عباس۔
باب النبی ﷺ۔	باب السلام۔
باب بنی شیبہ۔	باب الحجون۔
باب منی۔	باب المصلی۔
باب المدعی۔	باب عرفہ۔
باب مروہ۔	باب المحصب۔
باب المراد۔	

حرم کعبہ کے سمت مغرب درج ذیل دروازے تھے:

باب بلال۔	باب شبیکہ۔
باب ابراہیم۔	باب ابوبکر صدیق۔
باب الہجرہ۔	باب الوداع۔
باب امہانی۔	باب عبدالعزیز

جنوب کی سمت درج ذیل دروازے تھے:

باب جبار۔	باب بلال۔
باب حنین۔	باب اسماعیل۔
باب ابوقبیس۔	باب الصفا۔

شمال کی سمت درج ذیل دروازے تھے:

باب الفتح۔	باب عمر فاروق۔
باب الندوۃ۔	باب الشامیہ۔
باب القریش۔	باب المدینۃ المنورہ۔
باب الحدیبیہ۔	باب عمرہ۔

خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی جعفر بن منصور کی صاحبزادی امۃ العزیز جنہیں ان کے دادا پیار سے زبیدہ کہتے تھے، پھر یہی نام مشہور

ہوگیا۔آپ نے خواب دیکھی کہ انسان درند پرندان کے اوپر سے گزر رہے ہیں اور اسے روندر ہے ہیں۔صبح اٹھیں تو پریشان ہوگئیں۔ معبرین سے پوچھا اطمینان نہ ہوا۔ایک صاحب معبر نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھ سے کوئی ایسا کام لے گا جس سے انسان، حیوان، درند، چرند، پرند سبھی فائدہ اٹھائیں گے۔اسی سوچ و بچار میں سفرحج پر گئیں۔وہاں پر حجاج کرام کے لیے پانی کی تکلیف محسوس کر کے ایک نہر جاری کرنے کا منصوبہ بنایا۔چنانچہ وادی حنین کے پہاڑوں سے یہ نہر نکالنے کا فیصلہ ہوگیا۔مختلف ممالک سے قابل انجنیئر بلائے گئے۔اس عظیم الشان صدقہ جاریہ کی تکمیل کے بعد کارکنان نہر کے اخراجات کی تفصیل ملکہ کو پیش کی تو ملکہ نے وہ تمام دستاویزات ضائع کر دیں اور کہا: یہ کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا ہے، مجھے حسابات کی ضرورت نہیں اور کہا: اگر رقم بچ گئی ہے تو اسے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے، اگر مجھ سے رقم لینا ہے، تو وصول کر لی جائے۔

اللہ تعالیٰ ملکہ کو اس صدقہ جاریہ کے بدل میں کوثر وسبیل کی نہریں عطا فرمائے جس نے حجاج کیساتھ عظیم حسن سلوک کیا۔افسوس زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ امراء کی بے توجہی کے باعث یہ نہر ضائع ہوتی جارہی ہے۔

۱۹۶۳ء میں اور اس کے بعد بھی کئی سال اس نہر میں پانی جاری دیکھا جاتا تھا۔لوگ کہیں کہیں سے ڈول کے ذریعہ پانی لے لیتے۔ شہر مکہ کے اندر اس سے پانی لینے کے انتظامات تھے۔اس نہر پر اربوں روپے خرچ ہوئے۔ساتویں صدی ہجری میں اس نہر کو نقصان پہنچا۔ مکہ والوں کے لیے پانی کی شدید قلت ہوگئی تو تاتاریوں کے بادشاہ ابی سعید نے اسے مرمت کروادیا اور یہ دقت دور ہوئی۔اس مرمت کے بعد پھر ناصر بن قلادون نے مرمت کروائی۔خواجہ بیرم ملک قائتبائی کی توجہ سے بھی کام چلا۔پھر ایک وقت ۹۶۹ھ میں اہل مکہ نے پریشانی اٹھائی۔پانی کی قلت ہوئی تو سلطان سلیمان خان کی بیوی مسماۃ مہرماہ نے ذاتی خرچ سے اسے مرمت کروایا تھا۔

خلیفہ مہدی:

۱۶۰ہجری میں جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے مکہ مکرمہ آیا تو اس متقی و پرہیزگار اور نیک خصال خلیفہ نے لاکھوں دینار باشندگان مکہ میں تقسیم کئے۔

علی بن محمد:

۴۵۵ہجری میں علی بن محمد الصلیحی امارت مکہ پر تعینات ہوئے تو ان کے حسن انتظام اور اخلاق کریمانہ سے ظلم و جور کا دور ختم ہوا اور رعایا کو عدل و انصاف اور امن و امان کی دولت نصیب ہوئی۔لوگ ان کی حسن کارکردگی سے اس قدر مطمئن اور مسرور تھے کہ ہر آدمی کی زبان سے ان کے حق میں دعا نکلتی تھی۔

خلیفہ المستضی:

۵۶۹ہجری میں مکہ معظمہ شدید ترین قحط کی گرفت میں آگیا۔پونے دو سیر گندم ایک دینار میں فروخت ہونے لگی۔لوگ بھوک کی شدت سے خون، چمڑے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوگئے۔اکثر لوگ جاں بحق ہوگئے۔پھر خلیفہ المستضی بامر اللہ نے صدقہ و خیرات کا بہت زیادہ مال بھیجا، جس کے سبب قحط کی آفت سے لوگوں کو نجات حاصل ہوئی۔

☆☆☆

فصل نمبر 14:

مکہ مکرمہ عہد عثمانی میں

سلطان غیاث الدین:

۸۱۱ ہجری میں سلطان غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ نے ہندوستان سے اپنے خادم خاص یاقوت الغیاثی کے ہاتھ بہت زیادہ تعداد میں مال و دولت دے کر حرمین شریفین بھیجا تا کہ وہاں کے باشندوں کی خدمت میں وہ مال پیش کرے۔ علاوہ ازیں تعلیم و تربیت کے فروغ کی خاطر باب ام ہانی کے قریب ایک مدرسہ جاری کیا اور زائرین، مدرسین اور طلباء کی رہائش کیلئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ نیز بازان کو مرمت کرایا جس سے پانی کی قلت رفع ہو گئی۔

حسن بن عجلان:

۸۱۶ ہجری میں حسن بن عجلان نے حرم شریف کے شمال میں ایک ہسپتال ''بیمارستان'' کے نام سے بنوایا جس میں امیر غریب، مقیم اور مسافر کا علاج بلا معاوضہ کیا جاتا تھا۔ مریض شفایاب ہونے کے باوجود جب تک خود نہ جانا چاہے اسے فارغ نہیں کیا جاتا تھا۔ قیام، طعام اور علاج وغیرہ تمام انتظام بلا معاوضہ تھے۔ اس طریق کار اور حسن انتظام سے غربا اور مساکین کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔

امیر سودون:

۸۲۳ ہجری میں امیر سودون نے عرفان کا راستہ خاردار درختوں اور چٹانوں سے صاف کرایا۔ خاردار درختوں کی بہتات کے سبب حجاج کا چلنا سخت دشوار تھا۔ راستوں کی صفائی و توسیع کے اس عظیم کار خیر پر موصوف کو لوگوں نے مبارک پیش کی۔

خواجہ بیرم:

۸۵۰ ہجری میں خواجہ بیرم ناظم حرم نے ایک سبیل اور حوض تعمیر کرایا، جن کے پانی سے انسانوں کے علاوہ جانور، پرندے اور درندے بھی سیراب ہوتے تھے، ان دونوں باقیات الصالحات سے ۹۶۹ ہجری تک خلق خدا بہرہ یاب ہوتی رہی۔

مولانا محمد بن محمود:

بعد ازاں پانی کی کثرت کے باعث مولانا محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے وہاں باغ بھی بنایا تھا۔

سلطان مراد خان:

۸۵۰ ہجری میں سلطان مراد خان ثانی کا ایک نیک سیرت وزیر فریضہ حج ادا کرنے آیا تو اس نے مکہ اور مدینہ کے باشندوں کو صدقات و خیرات دے کر مالا مال کر دیا۔ موصوف نے حوض عباس میں ۳۶۰ بوری شکر اور کافی مقدار میں شہد ڈال کر بہت زیادہ شربت بنایا جس سے حجاج کرام کو خوب سیراب کیا۔ علاوہ ازیں نہر زبیدہ کی اصلاح اور مرمت کا کام بھی کرایا۔

۸۵۳ ہجری میں موصوف نے عرفات کے متعدد حوض جو عرصہ دراز سے مٹی اور ریت سے اَٹے پڑے تھے، صاف کرا کر قریب و جوار کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیا۔ جس کے سبب حجاج کو عرفات میں پانی کی تکلیف پیش نہ آئی۔

سلطان اشرف:

۸۷۴ ہجری میں سلطان اشرف قیتبائی نے منیٰ میں مسجد خیف کے قریب حجاج کے امراء کی رہائش کیلئے ایک مکان تعمیر کرایا اور اس

کے دروازہ کے پاس پانی کی سبیل بنوائی جسے مسجد کے صحن میں واقع حوض سے بھر دیا جاتا تھا۔ اس کار خیر سے منیٰ میں بھی حجاج کو پانی کی دقت نہیں ہوئی۔

سلطان موصوف نے نہر زبیدہ کی صفائی اور مرمت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ گزشتہ ۱۵۰ سال سے نہر خشک پڑی تھی، کیونکہ شکستہ اور دیواروں کے گرنے سے پانی بند ہو گیا تھا، مرمت اور صفائی کا کام جبل رحمت سے لے کر وادی نعمان تک کیا گیا، جس میں وافر مقدار میں پانی پایا گیا۔ پھر حوض اور برساتی گڑھوں کو صاف کرایا اور پانی سے بھروا دیئے۔

اس کے بعد نہر خلیص کی مرمت کرائی اور اس کے قریب واقع تمام حوض صاف کر کے پانی سے بھر دیئے گئے۔ اس طرح زائرین اور حجاج کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔

سلطان بازید:

۸۸۶ ہجری میں سلطان بازید خان بن سلطان محمد خان نے اپنے عہد خلافت میں حرمین شریفین کے باشندوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ وہ ہر سال ۴۵۰۰۰ دینار سرخ بھیجتا، جو نصف نصف کر کے مکہ اور مدینہ کے لوگوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔

سلطان قانصوہ غوری:

۹۰۸ ہجری میں سلطان قانصوہ غوری نے باب ابراہیم کے باہر بیت الخلاء بنوائے، مگر صفائی کا انتظام ناقص ہونے کی وجہ سے ان میں تعفن پیدا ہو جاتا تھا، جس سے حرم شریف میں نمازیوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ ۹۶۸ ہجری میں انہیں بند کر دیا گیا۔

سلطان سلیم خان:

۹۴۴ ہجری میں سلطان سلیم خان نے مکہ کے علماء اور فقہاء کا ایک سو دینار مشاہرہ مقرر کیا تھا جسے بعد میں شریف ابی نمی نے ۵۰۰ دینار کر دیا۔ علماء، فقہاء، غرباء اور دوسرے لوگوں کے نام رجسٹر میں درج کرائے اور ان کا حسب مراتب ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ تمام غرباء اور مساکین کو دو دو دینار دیئے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا۔

اسی سال سلطان موصوف نے گندم کے پانچ ہزار تھیلے خیرات کیے۔ غلہ تقسیم کرنے کیلئے تمام محلوں کی مردم شماری کرائی گئی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی مجموعی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی۔ ہر آدمی کو گھر کے افراد کے مطابق فی کس کے حساب سے غلہ دیا گیا۔ اس زمانہ میں قحط اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا کہ اگر خدانخواستہ سلطان موصوف کی امداد نہ پہنچتی تو لوگ بھوک سے مر جاتے۔ ان صدقات جاریات کا سلسلہ علامہ قطب الدین کے زمانہ ۹۶۸ ہجری تک مسلسل جاری رہا۔

۹۲۹ ہجری میں سلطان سلیم کے خلف الرشید سلطان سلیم خان نے اس مقدار میں اضافہ کر دیا۔ عام شہریوں کیلئے سات ہزار تھیلے اور فقراء اور مساکین کے لئے تین ہزار تھیلے گندم کر دی گئی۔ اسی طرح مدینہ منورہ، ینبوع اور جدہ کے لئے بھی سالانہ امداد مقرر کر دی۔

علاوہ ازیں جدہ کے ایسے معذور اور نادار لوگ جو حج کا شوق رکھتے ہوئے بھی اس سعادت سے محروم تھے، ان کیلئے پانچ ہزار اردب گندم (ترکی کا پیمانہ) مخصوص کی گئی۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ کے حجاج کو عرفات کے اخراجات کے لئے ایک ہزار دینار دیئے جاتے اور مکہ مکرمہ کے فقراء میں بھی حج کے دنوں میں وظائف تقسیم کئے جاتے تھے۔ علماء کرام اور صلحاء عظام کی خدمت میں عمدہ اور نفیس پوشاک کا ہدیہ پیش کیا جاتا تھا۔

سلطان سلیمان:

۹۶۵ ہجری میں سلطان اعظم سلطان سلیمان خان کے حکم سے حرم شریف کے قریب فقراء اور غرباء کیلئے ایک سرائے تعمیر کرائی گئی تاکہ یہ لوگ حرم شریف کو قیام گاہ نہ بنائیں۔ اسی عمارت میں ایک دارالشفا تعمیر کرایا اور اس کے متصل فقراء، غرباء اور مریضوں کے استعمال کے لئے چند دکانیں اور مکان بھی بنوائے، علاوہ ازیں شہر کے وسط میں ایک عالیشان حمام بنوایا، جس میں صاف ستھرا پانی اور ہوادار کمرے تھے۔ سلطان موصوف کے یہ جلیل القدر اور منفعت بخش کارنامے ۹۸۴ ہجری تک قائم رہے۔

۹۹۴ ہجری میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم خان نے زائرین اور دوسرے لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر باب الصفا کے باہر دائیں طرف پانی کی ایک سبیل بنوائی اور اس کے قریب ہی وضو کے کیلئے جگہ بنائی گئی۔ یہ کام ۹۹۵ ہجری میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس پر تیس ہزار دینار خرچ آیا۔

۹۹۷ ہجری میں حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ کے باشندوں کیلئے تین ہزار دینار، امیر اور شریف مکہ کیلئے زرکثیر اور قاضی و شیخ حرم کے لیے قیمتی پوشاک بھیجیں۔

فصل نمبر 15:

مکہ مکرمہ عہد سعود میں

نسب نامہ:

خاندان سعودیہ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:

''فیصل بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود بن محمد بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن مانع بن المسوب بن المتعد بن بدراس بن مالک بن الم بن مالک بن غسان بن ربیعہ بن منعقد بن الحارث بن ہمام بن مرہ بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن بکر بن وائل بن اسط بن ہنب بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔'' (المملکۃ العربیۃ السعودی، جلد ا، صفحہ ۲۶)

۱۴۴۶ عیسوی میں قطیف کا ایک عام شہری ریاض کے قریب ''معلوحہ'' میں مقیم اپنے ایک رشتہ دار ابن درع کو ملنے گیا۔ میزبان رئیس کبیر تھا۔ اس نے مہمان کو غصیبہ اور المنائبہ کی جاگیر تحفہ میں دے دی اور ساتھ ہی اپنی دوشیزہ سے عقد بھی کر دیا۔ یہی علاوہ بعد میں درعیہ کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔

اسی بستی میں محمد بن مقرن کے گھر ۱۶۶۵ء میں ایک فرزند ارجمند تولد ہوا جس کا نام سعود رکھا گیا۔ سعودی عرب کے موجود فرماں رواں خاندان کی اٹھارویں پشت میں سے ہیں۔ موصوف ۲۵ برس کی عمر میں درعیہ کے امیر بنے۔ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۱۱ء میں سعودی گھرانے میں اس بطل جلیل نے جنم لیا جسے عبدالعزیز اول کے نام سے دنیا یاد کرتی ہے۔

۱۲ جون ۱۷۲۵ء میں امیر سعود اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان کے جانشین زید بن مرخان بنے۔ ان کے بعد عبداللہ بن معمر اور پھر ۱۷۲۶ء میں محمد بن سعود درعیہ کی امارت پر فائز ہوئے اور تا دم آخر ۱۱۷۹ ہجری مطابق ۱۷۶۰ء تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔

اس اثناء میں ۱۱۱۵ ہجری مطابق ۱۷۰۳ء میں عیینہ میں شیخ عبدالوہاب (جو خالص اہل سنت تھے) کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام محمد بن عبدالوہاب (نجدی) رکھا گیا۔ والد گرامی قدر سے تفسیر، حدیث اور فقہ حنبلی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیارت حرمین شریفین کو

جانا ہوا۔ وہاں مدینہ منورہ کے شیوخ سے اکتساب علم کیا۔ بعد ازاں بصرہ کے جید علماء سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ بعد میں محمد بن عبدالوہاب (نجدی) نے توحید ورسالت اور اصلاح اعمال کی تبلیغ شروع کر دی۔

محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین کا عقیدہ ان کی اپنی تصریحات کے مطابق حسب ذیل تھا: (حالانکہ موجودہ نجدیوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے)

☆ "ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رتبہ اور مقام ساری مخلوص سے اعلیٰ اور افضل ہے، آپ اپنی قبر مبارک میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی زندگی سے بلند تر ہے، کیونکہ آپ بلا شک وشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ سلام پیش کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت مسنون ہے، لیکن شدت حال کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کی حاضری اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا جائے، اور اگر اس کے ساتھ زیارت قبر اطہر کا قصد بھی شامل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جو شخص اپنا قیمتی وقت آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے، تو حدیث شریف کی رو سے اسے دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی نصیب ہوگی اور درود شریف کی برکت سے رنج والم اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

☆ ہم اولیاء اللہ کی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے جو خاص مرتبہ اور مقام عنایت فرمایا ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ زندگی میں اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی قسم کی عبادات کے مستحق ہیں اور نہ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ البتہ زندگی میں اولیاء سے بلکہ ہر مسلمان سے دعاء کی درخواست کرنا جائز ہے۔

☆ ہمارا یہ ایمان ہے کہ قیامت کے دن شفیع المذنبین ﷺ، تمام انبیاء، اولیاء، ملائکہ اور معصوم بچے بھی شفاعت کریں گے۔ جس کی تصریح احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس شفاعت کے طلب گار ہیں۔ انتہائی عاجزی اور انکساری سے بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اسے ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ اسی طرح اولیاء کرام اور فرشتوں کی شفاعت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

☆ ہمارا مسلک حنبلی ہے، لیکن ہم چاروں فقہی مسالک کو حق پر سمجھتے ہیں اور ہم کسی بھی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے۔ ہماری نسبت جو باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

امیر محمد بن سعود اور محمد بن عبدالوہاب کے مابین بھرپور تعاون اور طویل رفاقت کا عہد صرف دو شرائط پر طے ہوا تھا۔ ابن سعود نے کہا:

"مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر میں نے آپ سے تعاون کیا اور ہم نے دنیا فتح کر لی تو آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے اور دوسرا یہ کہ میں اپنی رعایا سے زراعت اور دیگر کاروبار کی آمدنی پر قانوناً مالیہ وصول کرتا ہوں لیکن آپ مجھے اس کی وصولی سے منع کریں گے۔"

محمد بن عبدالوہاب نے جواب دیا:

"پہلی شرط مجھے منظور ہے ہاتھ بڑھائیں اور عہد لے لیں، اور دوسری شرط کے متعلق عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دے گا اور آپ کو اس قدر مال غنیمت ملے گا کہ مالیہ کی آمدن کی حیثیت اس کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوگی۔"

باہم معاہدہ طے ہو جانے کے بعد مال غنیمت کا بیس فیصد مرکزی بیت المال میں جمع ہوتا تھا، جسے دونوں رہنما اپنے فرائض کی انجام دہی پر خرچ کرتے تھے۔ اس طرح یہ بھی بے نظیر تعاون اور اشتراک تقریباً نصف صدی تک قائم رہا اور بالآخر اجل نے اسے منقطع کر دیا۔

امیر ابن سعود کی تلوار اور شیخ کی تبلیغ نے ایسے جوہر دکھائے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کی حدود وسیع تر ہو گئیں، لیکن جب ابن سعود پیرانہ سالی کے سبب سیاسی، مالی اور انتظامی امور کے بوجھ کا متحمل نہ رہا تو شیخ کے مشورہ سے ۱۷۵۰ء میں عبدالعزیز بن سعود کو ولی عہد بنا دیا گیا۔ ۱۷۶۵ء کو امیر محمد بن سعود اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرما گئے۔

۱۱۸۱ ہجری مطابق ۱۷۷۱ء میں امیر عبدالعزیز ریاض پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا، جب ارقہ گاؤں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دہام بن دواس والی ریاض اس گاؤں پر قبضہ کرنے آ رہا ہے، لیکن جب دہام نے عبدالعزیز کی فوجی دیکھی تو الٹے پاؤں واپس بھاگ گیا۔ مگر عبدالعزیز نے بجلی کی سی تیزی سے اس کا تعاقب کیا۔ چنانچہ دہام کے دو بیٹے دواس اور سعدون اپنے چند ہمراہیوں سمیت قتل کر دیئے گئے۔ دہام کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا جس کے سبب خود اعتمادی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۷۷۳ء میں جب امیر عبدالعزیز نے ریاض کی طرف پیش قدمی کی تو دہام نے راہ فرار اختیار کر لی اور اس طرح ریاض پر عبدالعزیز کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال احمد بن سعید والی مکہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور امیر عبدالعزیز کی طرف خط لکھا کہ اپنا کوئی معتمد عالم مکہ بھیجیں تا کہ وہ آپ کی دعوت کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو بھیجا گیا جو ۱۱۸۶ ہجری میں مکہ پہنچے۔ ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۵ء میں غالب بن مساعد درعیہ پر حملہ آور ہوا۔ ۱۷۹۶ء میں دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا اور غالب کو شکست فاش ہوئی۔ ۱۷۹۹ء میں دونوں میں عارضی صلح ہوئی جس کے باعث وشم اور قصیم کے لوگ حج کی سعادت سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۸۰۰ء میں نجد کے بہت سے لوگوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ رجب ۱۲۱۸ ہجری مطابق جون ۱۸۰۳ء میں امام عبدالعزیز کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں عثمان نامی ایک شخص نے شہید کر دیا۔

۱۸۰۳ء میں سعود بن عبدالعزیز دوم کی رسم تخت نشینی ادا کی گئی۔ موصوف رموز سلطنت اور امور جہانبانی میں خاصی مہارت کے حامل تھے۔ اسی سال مکہ معظمہ فتح ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں مدینہ شریف بھی زیر نگیں کر دیا۔ ۱۸۱۰ء میں سلطان سعود نے ساتویں مرتبہ حج ادا کیا اور اعلان کیا کہ آئندہ اس مقدس شہر میں کوئی آدمی ہتھیار لے کر نہیں آ سکتا اور نہ ہی خواتین زیورات اور ہیروں کی نمائش کریں گی۔ جب کہ اس سے دو سال قبل سرعام تمباکو نوشی کی ممانعت کر دی تھی۔

۱۱ مارچ ۱۸۱۸ء میں ابراہیم نے درعیہ کا محاصرہ کر لیا اور چھ ماہ بعد ۱۱ ستمبر کو فتح کر لیا۔ ۱۸۲۰ء میں مشاوری کی قید سے سعود فرار ہو کر درعیہ پر قابض ہو گیا۔ ۱۸۲۳ء میں امیر ترکی نے ریاض پر کئی مرتبہ حملہ کیا۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ امیر ترکی کی فوج نجد کا سارا علاقہ خالی کر دے۔ ۱۸۲۹ء میں فیصل بن ترکی نے احسا پر قبضہ کیا اور ۱۸۳۴ء کو امیر ترکی نماز جمع سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

۲۰ رجب ۱۲۸۲ ہجری میں فیصل بن ترکی کا وصال ہو گیا۔ شہزادہ عبداللہ کو جانشین بنایا گیا، لیکن شہزادوں کی باہمی چپقلش کے باعث ان کی حکومت کو دوام نصیب نہ ہوا۔ ۱۲۹۲ھ میں امام عبدالرحمٰن بن فیصل کو امیر بنایا گیا مگر خاندانی رنجش نے ان کی قوت کا شیرازہ تار تار کر دیا تھا۔ جس کے سبب حائل کے امیر ابن رشید نے ریاض پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ۱۲۹۴ھ میں اس نے ریاض کے گرد و نواح میں چند مقامات پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال ۱۲ جمادی الثانی کو شریف مکہ عبداللہ بن محمد بن عبدالمعین ۱۹ سال مکہ معظمہ کی امارت پر فائز رہنے کے بعد ۵۶ سال کی عمر

میں فوت ہوگیا۔ ۱۲۹۵ھ سے ۱۲۹۹ھ تک نجد و حجاز میں حالات سخت پر آشوب تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں عون بن محمد بن عبد المعین
آل سعود کو باہمی جنگ و جدال میں مصروف پا کر ابن رشید نے ۱۳۰۲ھ میں ریاض پر حملہ کر دیا۔ امام عبد الرحمن
شہزادوں کو شہر بدر کر دیا اور سلیم کو وہاں حاکم بنا دیا۔

۱۸۸۰ء صبح صادق کے قریب امام عبد الرحمٰن کے گھر ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا جس کا نام جد اعلیٰ کی نسبت سے ابن سعود
جمادی الاول ۱۳۰۸ھ امام عبد الرحمٰن الحساء چلے گئے۔ کچھ دن بعد اہل خاندان کو بحرین بھیج دیا۔ جزیرۃ العرب میں ترکوں کی
حکومت تھی۔ وہ تمام قبائل میں توازن قائم رکھنا چاہتے تھے کہ مبادا کوئی قبیلہ حکومت پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آل سعود کی
شکست اور آل رشید کی مکمل فتح سے حکومت خائف تھی۔ بنا بریں کویت کے حکمران محمد نے امام عبد الرحمٰن کو طلب کیا اور انہیں اعزازات
انعامات سے نوازا۔ جب امام موصوف کو طمانیت قلبی نصیب ہوئی تو پھر ریاض فتح کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اسی اثناء میں محمد کو
بھائی مبارک نے قتل کر کے کویت کی امارت پر قابض ہوگیا۔ چونکہ شیخ مبارک بھی عبد الرحمٰن کی شخصیت سے بے حد متاثر تھا اس لئے
سعود کے حوصلے بلند اور عزم راسخ ہو گئے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جبکہ امام موصوف کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی، شہزادہ عبد العزیز نے شیخ مبارک کی معاونت سے
ریاض پر حملہ کیا مگر شکست کا سامنا کرنا پڑا، لیکن شوال ۱۳۱۹ ہجری مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء شہزادہ نے ریاض فتح کر لیا اور اس طرح بارہ
سال کی جلاوطنی کے بعد آل سعود نے دوبارہ خاندانی شوکت و سطوت کو حاصل کر لیا، چند سالوں میں نجد کے آدھے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

۲۱، ۱۳۲۰ھ مطابق ۲، ۱۹۰۱ء میں آل رشید اور آل سعود کے مابین زبردست جنگ جاری رہی۔ مگر فتح و نصرت نے ابن سعود کی عظمت
کے انمٹ نقوش لوگوں کے دلوں پر مرتسم کر دیئے۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کے اوائل میں قحط کی سنگینی کے باعث فریقین کو جنگ موقوف کرنی
پڑی۔ ۱۳۳۲ھ تک نجد کا پورا علاقہ آل سعود کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ اس سیاسی استحکام کے بعد مذہبی استحکام کے لئے سلطان نے دعوت اہل
الحق کی تحریک پورے جوش و خروش سے شروع کر دی۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد ا، صفحہ ۳۵۹ تا ۳۸۸)

جنوری ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں سلطان محمد رشاد نے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے جہاد کا فتویٰ دیا اور ترکوں نے جنگ میں شمولیت
اختیار کر لی۔

برٹش حکومت جو نجد و حجاز میں اپنے حامیوں کی تلاش میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھی۔ اس نے ۱۹۱۵ء میں امیر مکہ حسین بن علی
سے معاہدہ کر لیا۔ اس عالمی جنگ میں ابن سعود نے نہ تو کسی کا تعاون کیا اور نہ ہی مخالفت۔ اگرچہ اس پالیسی سے فائدہ انگریز ہی کو پہنچا۔
(حقیقت یہ ہے کہ آل سعود و نجد نے برٹش حکومت کا ساتھ دیا جس سے مسلمان ریاست، مسلمانوں کی خلافت کو ناقابل تلافی
نقصان پہنچا اور یہ آل سعود کی منافقت اور دنیا و حکومت سے دلگی کی وجہ سے ہوا۔)

اس زمانہ میں جب کہ حجاز مقدس کا امن و امان تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔ شریف مکہ کی انگریز نواز پالیسی کے باعث مسلمانوں کو
سخت اذیت پہنچی اور پوری دنیا کے مسلمان اس کرب و بلا میں مبتلا تھے۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنے معتمد خاص خان بہادر مبارک علی کو حج کے بہانے حجاز بھیجا۔ اس نے وہاں شریف حسین امیر مکہ سے
ملاقات کی اور بتایا کہ مجھے انڈین گورنمنٹ نے حجاز کے حالات و واقعات دریافت کرنے بھیجا ہے، کیونکہ ہندوستان کے لوگ برطانوی
حکومت کے سخت خلاف ہیں اور وہ شاہ حجاز کو بھی برا بھلا کہتے ہیں لہٰذا آپ علماء مکہ کا ایک مصدقہ بیان تیار کرا دیں جس میں ترکی حکومت
کے عیب اور برائیاں بیان کرنے کے علاوہ ان کے استحقاق خلافت کی پرزور الفاظ میں تردید ہو اور موجودہ شریفی حکومت اور انقلاب کی

تعریف وتوصیف کی جائے۔ چنانچہ ایک مضمون بعنوان ''من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی'' شائع کیا گیا جس میں سلطان عبدالمجید خان کو تخت سے دست بردار کرنے کی وجہ سے تمام ترک قوم کی تکفیر کی گئی۔ خلافت آل عثمان کے خلاف شریف حسین کی بغاوت کو انتہائی مستحسن اقدام قرار دیا گیا۔ شاہی فرمان کے مطابق بعض علماء نے خوشی سے اور بعض نے مجبوراً خوف سے اس پر دستخط اور مہریں ثبت کردیں۔

علماء کے پاس جب یہ فتویٰ پیش کیا تو حسب ذیل وجوہات کے پیش نظر انہوں نے دستخط کرنے سے معذوری ظاہر کی

١۔ اس کا عنوان ہے ''من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی'' یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو حرم میں پڑھاتے ہیں۔ چونکہ ہم نہ تو علماء مکہ میں سے ہیں اور نہ حرم شریف میں کبھی پڑھایا ہے اس لئے انہیں دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔

٢۔ اس فتویٰ میں ساری ترک قوم کو کافر کہا گیا ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ کسی مسلمان کو کافر کہنے میں سخت محتاط ہے۔

٣۔ ترکوں کو اسی وجہ سے کافر قرار دیا گیا کہ انہوں نے ایک بادشاہ کو سبکدوش کر دیا حالانکہ کسی بھی فقیہ نے اپنے فعل کو موجبات کفر میں شمار نہیں کیا۔

٤۔ شریف حسین بن علی کے انقلاب کو مستحسن قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ فعل شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔

شریف مکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی وجہ سے ان علماء کو قید و بند کی صعوبتیں سہنی پڑیں اور ان کو باغی اور خارجی قرار دیا گیا۔

اس دور میں جیل کی دو قسمیں تھیں: متمدن اور غیر متمدن۔ متمدن جیل محلہ حمیدیہ میں تھی جہاں قیدی اپنے لباس ہی میں بند کئے جاتے تھے۔ ان سے مشقت نہیں لی جاتی تھی۔ قیدی کا کھانا بھی گھر سے آ سکتا تھا اور ملاقات پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔

غیر متمدن جیل کے دونوں طبقے شریف مکہ کے محل کے قریب واقع تھے۔ ایک تو انتہائی گہرے تہ خانہ میں تھا جہاں بہت سی سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا تھا۔ اس میں روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے دن رات یکساں تھے۔ دوسرا قید خانہ جسے تخشیبہ کہتے ہیں۔ اس میں قیدی کے پاؤں لکڑیوں میں پھنسا دیئے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ وہ اندھیرے میں ننگا مادرزاد پڑا رہتا تھا۔ یہ دونوں جیل نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے تھے۔

شریف حسین ابن علی کی حجاز میں روز افزوں سیادت نے انگریز کے ہاں اس کے اثر و رسوخ کو چار چاند لگا دیئے لیکن قدرتی طور پر ابن سعود کو اس کی پذیرائی کسی طرح گوارا نہیں تھی۔ ان دونوں کے درمیان رقابت اور ایک دوسرے پر تفوق کے رجحانات ترقی پذیر تھے۔ فریقین اپنی مخالفت کا برملا اظہار کرتے اور ہر وقت جنگ کیلئے پابہ رکاب رہتے تھے۔

ابن سعود کی سرگرمیوں کے باعث مشرقی حجاز کی اکثریت اس کے دست و بازو بن چکی تھی۔ اسی طرح قصبہ ''خرما'' کے باشندے بھی انگریز اور شریف حسین کے دام تزویر سے نکل کر ابن سعود کے ساتھ مل گئے تھے۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد١، صفحہ ٧١)

اقتدار کے نشے میں سرمست اور شاہی کا دلدادہ حسین بن علی نے انگریز کے ایماء پر ٩ شعبان ١٣٣٤ھ مطابق جون ١٩١٦ء کو شاہ حجاز ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود ابن سعود کا حجاز میں بڑھتی ہوا اثر و نفوذ وہ اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا۔ ادھر ترک حکومت کو حجاز میں سخت ہزیمت کا سامنا تھا اور شریف حسین کے بلند و بانگ دعوی کا سلسلہ بھی جاری تھا کہ اسی اثناء میں ١٩١٨ء کو اس نے ''خرما'' کی سرکوبی کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجا جسے بری طرح شکست ہوئی، جس سے شاہ حجاز کی قوت کا راز طشت از بام ہو گیا۔

اس صورتحال کو دیکھ کر انگریز نے ایک نئی چال چلی کہ ابن سعود اور شریف حسین کو باہم دست و گریباں ہونے سے بچا کر ابن سعود کو

آلِ رشید سے ٹکرایا جائے جو مدائن صالح میں ترکوں کی معاونت کر رہا تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۸ء میں ابن سعود نے شمار کے قصبہ ''یطب'' پر حملہ کرکے اسے فتح کر لیا۔ اسی عرصہ میں شریف حسین خرما پر تین مرتبہ حملہ کر چکا تھا۔ اگرچہ شکست اس کا مقصدر بن چکی تھی۔ بالآخر ابن سعود نے پوری قوت کے ساتھ اہل خرما کی مدد کا اعلان کر دیا۔

۱۹۱۹ء نجدی اور حجازی طاقتوں کا نبرد آزما ہونا ناگزیر ہو چکا تھا۔ اس لئے شریف حسین کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے اور اس بے جان تابوت میں اپنی روح پھونکنے کیلئے انگریز نے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس نے شریفی فوجوں کو سعودی فوجوں کا مقابلہ کرنے کیلئے جدید ترین اسلحہ سے لیس کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ ''خرما'' کو دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔

مئی ۱۹۱۹ء میں ابن سعود نے مقابلہ کی زبردست تیاری شروع کر دی۔ ادھر شریف حسین نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار تیار کیا، لیکن دونوں فوجوں کا مقابلہ ہونے سے پہلے ہی خرما کے والی خالد بن لوی نے شریفی فوجوں پر شب خون مار کر سب کو موت کی نیند سلا دیا۔ امیر عبداللہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اور باپ کو ساری سرگذشت سے آگاہ کیا۔

(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۲، صفحہ ۱۸۰)

لیکن ابن سعود نے اس سانحہ پر حسرت اور نفرت کا اظہار کیا۔ اگرچہ پیش قدمی کا انتہائی سنہری موقع تھا مگر ابن سعود نے اپنی برتری اور تفوق کے اظہار کیلئے مذکورہ واقعہ کو ہی کافی سمجھا۔ واپسی کا فیصلہ موصوف کی دانشمندی اور حسن وتدبر کا آئینہ دار تھا۔

(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۱، صفحہ ۱۸۱، عنوان امیر الخرمہ خالد بن لوی)

۱۳۳۹ ہجری مطابق ۱۹۲۱ء میں نجد کے علماء رؤسا اور امراء کا ریاض میں اجتماع ہوا اور سب نے متفقہ طور پر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کو ''سلطان نجد'' کے اعزازی لقب سے نوازا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۲، صفحہ ۲۳۱)

۱۹۲۰ء کے موسم گرما میں سلطان نجد نے اپنے نوخیز شہزادہ ''فیصل'' کی قیادت میں ''فتح عسیر'' کیلئے ایک لشکر روانہ کیا۔ شہزادہ فتح و کامرانی کے ساتھ جب واپس لوٹا تو بڑی آب وتاب اور شان وشوکت سے اس کا استقبال کیا گیا۔

(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۲، صفحہ ۲۳۱، عنوان احتلال عسیر)

آل سعود کی اس عظیم الشان فتح سے شریف حسین کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے حوصلہ پست ہو گئے اور اسے اپنا عبرتناک انجام نظر آنے لگا۔

۱۹۲۱ء میں ابن سعود نے ''حائل'' پر زبردست حملہ کرکے آل رشید (اسلامی خلیفہ کے گورنر) کو عبرتناک شکست دی۔ ۱۹۲۳ء میں سلطان اس قدر سخت بیمار ہوا کہ موت کی افواہیں گشت کرنے لگیں لیکن اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما دی۔

(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۲، صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱)

آل سعود کی وجہ سے ۱۳۴۲ ہجری مطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو پوری دنیا کے مسلمانوں کی عظیم خلافت عثمانیہ ترکیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حجاز سے ختم ہو گئی جسے شریف حسین نے شہنشاہیت کے دیرینہ خواب کی تکمیل کے لئے نیک فال سمجھا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا جس سے پورے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا، حالانکہ اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ چکا تھا اور یہی سال اس کے زوال کا تھا۔ پیہم ناکامی ونامرادی اور مسلسل شکست سے اسے جان کے لالے پڑ گئے۔ اس طرح ۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ ہجری مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ستر سال کی عمر میں اپنے بیٹے علی کے حق میں دستبردار ہو کر ۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جدہ روانہ ہو گیا۔ وہاں ایک ہفتہ قیام کے بعد اپنی دولت اور سیم وزر ساتھ لے کر ''عقبہ'' چلا گیا۔ بالآخر انگریز کی عنایات کے باعث اسے عقبہ بھی چھوڑنا پڑا اور قبرص میں بقیہ زندگی گزار کر ۴ جون ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جلد۲، صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۴)

کچھ دن بعد امیر علی بن حسین بن علی بھی بھاگ کر جدہ چلا گیا تھا۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۱۸ کتوبر ۱۹۲۴ء سلطان ابن سعود کا لشکر جس کی قیادت فوجی جرنیلوں کے علاوہ جید علماء کرام بھی کر رہے تھے، احرام باندھے فاتحانہ شان وشوکت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ سلطان کی دلی خواہش اور علماء کرام کے فتویٰ کے مطابق اس مقدس سرزمین پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا گیا۔

(اصل میں شریف مکہ سے کام لے کر انگریز نے اسے برباد کر دیا اور پھر اپنے لیے آل سعود کو آلہ کار بنالیا۔)

(المملكة العربية السعودية، جلد ٦، صفحہ ٣٠٦)

۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو جدہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جدہ کی فتح انتہائی اہمیت کی حامل لیکن سخت جان لیوا تھی۔ تاہم اس کا فتح کرنا اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ مسلمانان عالم کو حج کی نعمت گراں مایہ سے سرفراز کرنا اشد ضروری تھا۔ گزشتہ چند سالوں سے حج کا مقدس فریضہ بدامنی کا شکار تھا اور اگر اس سال بھی لوگ اس سعادت سے محروم رہتے تو عالم اسلام کی نظروں میں ابن سعود کی عزت وعظمت گر جاتی اور ان کے اخلاقی تعاون سے بھی محروم رہتا۔

ابن سعود کی خواہش تھی کہ دنیا بھر کے مسلمان حج کو آئیں اور امن وسکون، حرمین شریفین کا عزت واحترام اور حجاج کی آسائش و تسکین کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیں۔ چنانچہ ۱۱۶ کتوبر ۱۹۲۴ء کو اعلان کیا گیا کہ حجاز کے مستقبل کا تصفیہ کرنے کے لئے جدہ میں مسلمانانِ عالم کی کانفرنس بلائی جائے گی۔

۲۵ جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک اور اعلان کیا گیا کہ جدہ کا محاصرہ سختی سے جاری ہے، اس لئے حجاج کرام رابغ، لتھ اور قنفذا کی بندرگاہوں سے تشریف لائیں۔ ان کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہے۔ اس طرح حجاج نے طمانیت قلبی کے ساتھ حج ادا کیا اور امن وامان اور حسن انتظام کے باعث ابن سعود کے دلدادہ بن گئے۔ (المملكة العربية السعودية، جلد ۲، صفحہ ۳۵۶)

اگست ۱۹۲۵ء میں سعودی فوجوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور سخت مزاحمت کے بعد ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۲۵ء کو شہر پر قبضہ حاصل ہو گیا (حالانکہ یہاں پہلے بھی مسلمانوں کی حکومت تھی۔ آل سعود نے یہ سب کچھ دولت کے نشے میں انگریز کے ایماء پر کیا اور شہر نبی کے تقدس کو خوب پامال کیا۔) یہاں بہت سارے مسلمانوں کا خون ناحق بہایا گیا۔ قبل ازیں یکم دسمبر کو ینبوع بھی فتح کیا جا چکا تھا۔

ادھر جدہ میں امیر علی بن حسین طویل محاصرہ اور شدید جنگ سے تنگ آ کر ہمت ہار بیٹھا تھا اور اسے امان حاصل کرنے کی فکر دامنگیر تھی۔ چنانچہ اس نے ابن سعود کو اس شرط کے ساتھ صلح کی پیش کش کی:

''ہم حجاز کی حکومت سے دستبردار ہو جائیں گے، لیکن ہماری سپاہ سے باز پرس نہ کی جائے۔''

ابن سعود نے اس شرط کو قبول کر لیا اور یکم جمادی الثانی ۱۳۴۴ء مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو امیر علی بن حسین نے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ۱۹ دسمبر کو سلطان ابن سعود کی فوجوں نے جدہ پر قبضہ کر لیا، اس کے تین دن بعد امیر علی عدن کے راستے عراق چلا گیا اور ۷ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء کو پورے حجاز پر سعودی حکومت کا آفتاب عالمتاب پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔

(ابن سعود، صفحہ ۱۵۷، المملكة العربية السعودية، صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳)

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۴۳ ہجری کو سلطان کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں علماء حجاز کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں مکہ کے ۱۵ اور نجد کے ۷ علماء نے شرکت کی۔ جس میں دین اسلام کے اصول اور فروع پر بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور پر اعلان کیا گیا کہ ہم سب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نفع اور ضرر اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ علاوہ ازیں قبروں کو پختہ بنانا، ان پر قبے تعمیر کرنا اور

چراغ جلانا شریعت محمدیہ کے قطعاً خلاف ہے۔ (سلطان ابن سعود، صفحہ ۱۵۷، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، صفحہ ۲۴۴)

انہی دنوں مکہ مکرمہ میں علماء، امراء، رؤسا اور تجار کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا، جس کی صدارت خود ابن سعود نے کی، اس اجلاس میں اتفاق رائے سے ۱۴ ارکان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی۔ (سلطان ابن سعود، صفحہ ۱۵۷، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، صفحہ ۳۴۵)

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۴ء مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعۃ المبارک باب الصفا کے قریب حرم شریف میں ایک انتہائی ذی شان مجلس منعقد ہوئی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر سلطان ابن سعود بے حد وقار اور متانت کے ساتھ مجلس میں رونق افروز ہوئے۔ اس مجلس میں نہ تو شاہانہ بناؤ سنگھار تھا اور نہ ہی متکبرانہ وضع قطع، بلکہ شاہی رسومات اور تزک و احتشام کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی وضع اور سادگی کے ساتھ اپنی مسند پر جلوہ گر ہوئے۔ قریب ہی بیت الحرام کے امام اور خطیب صاحب کیلئے کرسی رکھی تھی۔

حمد کبریاء اور صلوٰۃ وسلام مصطفیٰ کے بعد قوم کی طرف سے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کو "سلطان حجاز" کا عظیم اعزاز عطا کیا گیا اور ان سے ملک میں کتاب و سنت کے مطابق آئین نافذ کرنے کا عہد لیا گیا اور شہزادہ فیصل کو "نائب حجاز" کا عہدہ تفویض ہوا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو سلطان نے اللہ بزرگ و برتر کی اس نعمت بیکراں کا شکر ادا کرنے کیلئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔

(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، صفحہ ۳۸۷)

مکہ معظمہ فتح ہوتے ہی عالم اسلام میں خصوصاً اور مغربی ممالک میں عموماً سعودی حکومت کے خلاف غیض و غضب کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جس کے کئی اسباب تھے۔

ایک سبب یہ تھا کہ بارھویں صدی ہجری میں نجدی حکومت سے حجازی رعایا عدل و انصاف کی شاکی تھی۔ اس وجہ سے اب بھی لوگوں کے دلوں میں شکوک پائے جاتے تھے۔ (سلطان ابن سعود، صفحہ ۱۶۷)

ایک سبب یہ بھی تھا کہ مدینہ منورہ میں قتل و غارت گری کا بازار انہی کی وجہ سے گرم ہوا تھا۔

سلطان ابن سعود نے ۲۸ اپریل ۱۹۲۶ء میں مکہ معظمہ میں ایک عظیم اسلامی کانفرنس طلب کی، جس میں ترکی، ایران، افغانستان، یمن کی آزاد اسلامی حکومتیں، مصر اور عراق کی نیم آزاد ریاستیں، مراکش، تیونس، فلسطین، نظارت مذہبی، اسلامی روس اور ہندوستان کو مدعو کیا گیا۔

۷ جون ۱۹۲۶ء کو مختلف ممالک کے ۷۰ نمائندے جمع ہوئے، لیکن ایک ماہ کی طویل بحث و تمحیص کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی اور ۷ جولائی کو مجلس برخاست ہوگئی۔ (سلطان ابن سعود، صفحہ ۱۶۷)

اس کے بعد اگست ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے حجاز میں دستوری حکومت کا اعلان کیا جو ۲۶ اگست مکہ مکرمہ کے سرکاری اخبار "ام القریٰ" میں شائع ہوا جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

"ملک کا قانون شریعت اسلامیہ ہوگا، ملک اور حکومت سلطان کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ قرآن مجید، سنت رسول اللہ اور اجتہاد صحابہ کرام کے مطابق شریعت اسلامیہ کو نافذ کرے گا۔"

علاوہ ازیں مکہ معظمہ کی ایک انتظامی مجلس اعلیٰ قائم کی گئی جو حاکم اعلیٰ کے علاوہ چھ ارکان پر مشتمل تھی۔ (سلطان ابن سعود، صفحہ ۱۷۳)

سلطان ابن سعود ۱۳۴۳ ہجری مطابق ۱۹۲۴ء سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق نومبر ۱۹۵۳ء تک اس عہدے پر فائز المرام رہے اور مؤخر الذکر تاریخ کو اس جہان فانی سے رحلت فرما کر عالم جاودانی کو رخصت ہوگئے۔

۱۳۴۳ ہجری میں حجاز اور نجد پر آل سعود کا اقتدار قائم ہوا تو اس ملک کے حاکم کو "ملک الحجاز ونجد وملحقاتھا" کے لقب سے نوازا گیا،

لیکن ملک عبدالعزیز نے غالباً ۱۳۵۲ہجری میں حجاز اور نجد کی تقسیم کو ختم کر کے اس وسیع وعریض مملکت کا نام ''المملكة العربية السعودية'' تجویز کیا۔ چنانچہ اس کے بعد تاریخ کے اوراق اور دنیا کے نقشے میں یہ سلطنت اسی نام سے موسوم اور مشہور ہوئی۔ (تاریخ القویم، جلد ا، صفحہ ۴۷)

اب اس خاندان کے شہزادے عبداللہ بر سر اقتدار ہیں۔

حرم محترم میں مطاف کے متصل چار چھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں جن میں مذاہب اربعہ کے پیروکار الگ الگ نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ جو مصلیٰ حنفی، مصلیٰ شافعی، مصلیٰ مالکی اور مصلیٰ حنبلی کے نام سے مشہور تھیں۔ مصلیٰ حنفی بیت اللہ شریف کے رکن عراقی اور شامی کے محاذات میں دارالندوہ کی جگہ واقعہ تھا۔ مصلیٰ شافعی مقام ابراہیم کے بالمقابل مطاف کے اندر، اس کے متصل ہی منبر شریف تھا۔ نماز جمعہ اسی مصلیٰ پر ہوتی تھی۔ مصلیٰ مالکی، مصلیٰ حنفی کے دائیں جانب تھوڑے فاصلہ پر تھا اور اس مصلیٰ کے دائیں جانب مصلیٰ حنبلی واقع تھا۔

زمانہ دراز تک چاروں مصلوں پر الگ الگ جماعتیں ہوتی رہیں، صبح کی نماز سب سے پہلے مصلیٰ شافعی پر ہوتی اور سب سے آخر مصلیٰ حنفی پر، لیکن باقی تمام نمازیں سب سے پہلے مصلیٰ حنفی پر ہوتی تھیں اور مغرب کی نماز صرف مصلیٰ حنفی اور شافعی پر ہوتی۔

یہ کوشش جاری رہی کہ اسلام کے اس عظیم مرکز میں وحدت کو بحال کیا جائے۔ چنانچہ ۸۱۱ہجری میں ملک ناصر فرج بن برقوق نے ۹۴۶ہجری میں خاقان اعظم سلطان سلیمان خان کے حکم سے نائب جدہ نے اس کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر سعودی حکومت میں صرف ایک ہی مصلیٰ پر جماعت کا انتظام ہو گیا۔

اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حرم شریف میں الگ الگ چار جماعتیں کیوں اور کب شروع ہوئیں۔ البتہ امام ابن ظہیرہ کی تصریح کے مطابق ۵۴۰ہجری سے بھی پہلے یہ طریقہ رائج تھا، لیکن شاہ سعود کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں مسالک اربعہ کے ائمہ اور عوام سب ایک مصلیٰ اور ایک امام پر ۱۳۸۶ہجری میں متفق ہو گئے۔ چنانچہ حکومت نے زمزم اور منبر کے درمیان مطاف سے باہر ایک چھوٹا سا برآمدہ نما مصلیٰ بنا دیا جس کا طول ۶ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر، عرض ۳ میٹر ۶۵ سینٹی میٹر اور بلندی ۳ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر تھی۔ جو ۱۲خوبصورت ستونوں پر قائم تھا۔

چونکہ سعودی حکومت میں نظم ونسق انتہائی عمدہ اور امن وامان بے حد قابل تعریف ہے، اس لئے حنبلی مسلک کے ائمہ اور خطباء پر سب مسالک کا اعتماد ہے۔ بنا بریں ایک وقت میں ایک ہی امام جماعت کراتے ہیں۔ البتہ مختلف اوقات میں مصلیٰ کی جگہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مذکورہ برآمدہ ۱۳۹۸ہجری میں مطاف کی توسیع کے باعث ختم کر دیا گیا۔ اب حنبلی المسلک آئمہ جماعت کرواتے ہیں اور مصلیٰ کی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔

باب نمبر 9:

مسجد الحرام کا ادارہ

زمانہ قدیم میں مسجد الحرام کے ادارہ پر مکہ مکرمہ کے امراء اور والی متعین ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ خلفائے راشدین، خلفائے بنوامیہ، خلفائے بنوعباس اور سلاطین چراکسہ کے عہد میں ایسے ہی ہوتا رہا۔ وہی مسجد الحرام کے خادموں کی ہر قسم کی کوتاہی کے خلفاء اور سلاطین کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ جب آل عثمان کے سلاطین حرمین شریفین پر حکمران ہوئے تو انہوں نے بھی مکہ مکرمہ پر حاکم اور والی مقرر کئے۔ ان کے سپرد یہ کام کیا۔ نیز ان کو شیخ کا لقب دیا۔ ان کا نائب مقرر کیا جو مسجد الحرام کے خادموں پر کڑی نگرانی رکھتا تھا۔ خادموں کی مندرجہ ذیل اقسام تھیں:

۱۔ موذنین یعنی اذان کہنے والے۔

۲۔ چٹائیاں بچھانے والے۔

۳۔ دروازوں پر نگرانی کرنے والے۔

۴۔ روشنی کرنے والے اور تعمیر کرنے والے وغیرہ۔

پھر محکمہ اوقاف مقرر کیا گیا۔ اس کے سپرنٹنڈنٹ کو مدیر الاوقاف کا لقب دیا گیا۔ اس مدیر کا کام مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے لئے جو کچھ وقف ہوتا تھا اسے اکٹھا کرنا ہوتا تھا اور خصوصی صدقات کو جمع کرنا تھا۔ نیز مسجد الحرام کے تنخواہ دار ملازموں کی تنخواہ مقرر کرنا اور سالانہ آمدنی کا خرچ کرنا جو باہر سے آتی تھی۔ مخصوص عطیے اور گندم کی بوریاں جمع کرنا اور دیگر ایسے کام بھی اس کے ذمے تھے۔ اس کام کے لئے خاص دفتر تھا اس میں تنخواہ اور ملازموں کے نام درج ہوتے تھے۔ ملازمین حسب ذیل اقسام پر منقسم تھے۔

۱۔ ائمہ، خطباء اذان کہنے والے۔ ۲۔ روشنی کا انتظام کرنے والے۔

۳۔ جھاڑو دینے والے، دریاں بچھانے والے۔ ۴۔ مرمت کرنے والے اور دربان وغیرہ۔

اسی طرح کچھ ان میں کعبہ کے مجاور اور ان کے مددگار وغیرہ تھے۔ نیز مجاوروں کا رئیس جو بنی شیبہ بن عثمان حجبی کی آل سے ہوتا تھا، خانہ کعبہ کو خوشبو لگانے، بخور اور عود جلانے اور کعبہ کو غسل دینے پر خرچ کرتا تھا۔

دائرۃ الاوقاف کا انتظام بحیثیت ادارہ شیخ الحرام کرتا تھا، یہ شیخ الحرام مکہ مکرمہ کا حاکم بھی ہوتا تھا۔ اور مالی حیثیت سے اوقاف کا سربراہ اس کا انتظام کرتا تھا اور یہ آستانہ علیا یعنی قسطنطنیہ میں رہتا تھا۔ سلطان سلیم خاں اول کے زمانہ سے شریف حسین بن علی کے زمانہ تک بدستور ایسے ہی کام چلتا رہا۔ پھر جب ۱۳۳۴ء میں ملک حجاز پر شریف حسین قابض ہوا تو اس نے اس کام کو جاری رکھا۔ نیز حرم کی خدمت کے لئے پولیس کا محکمہ مقرر کر دیا اور ان پر ایک افسر مقرر کیا۔ پولیس کے علاوہ کچھ فوج بھی مقرر کی۔ ان کی ڈیوٹی جیب کتروں پر کڑی نگاہ رکھنا اور فساد برپا کرنے والوں کو روکنا اور مسجد الحرام میں حجاج کی گری ہوئی اشیاء کو اٹھا کر ان کا اعلان کرنا تھا۔

پھر جب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن فیصل آل سعود نے عربی مملکت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں تھامی تو اس نے مسجد الحرام کے لئے ایک خاص محکمہ مقرر کر دیا اس کا صدر حرم کا نائب مقرر کر دیا اور اس محکمہ کا نام ''مجلس ادارۃ الحرم'' رکھا۔

باب نمبر 10:

کعبۃ اللہ کے خلاف بغاوتیں

کعبہ شریف کے خلاف پہلی بغاوت

کعبہ اطہر کی مرکزیت کے خلاف پہلی ناکام تدبیر جو تاریخ میں ملتی ہے وہ تبع اول حمیری کی ہے، یہ یمن کا بادشاہ تھا، بنی لحیان کے قبیلے ہذیل کے افراد نے اسے بہکایا کہ کعبہ گرا دے اور اس کی جگہ ایک گھر تیار کرے تاکہ حجاج کرام تیری طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان کی اس تحریک پر تبع نے کعبہ شریف کو گرانے اور نیا مکان بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس ارادہ کے ساتھ ہی اچانک اس پر اور اس کے لشکر پر اندھیرا چھا گیا، سخت آندھی نے آ گھیرا۔ علماء یہودی نصاریٰ کو اکٹھا کیا۔ اس ناگہانی آفت کے بارے میں پوچھا۔ علماء نے کہا:

''کہیں تو نے بیت اللہ شریف کے خلاف کوئی منصوبہ تو نہیں بنایا؟''

تبع نے کہا:

''مجھے ہذیلیوں نے کہا ہے کہ کعبہ گرا دوں اور نیا گھر تعمیر کر دوں۔''

علماء نے کہا:

''قبیلہ ہذل کے لوگ تیری ہلاکت چاہتے ہیں۔ اس مصیبت سے بچ نکلنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ کعبہ کے خلاف اپنے ارادہ کو ترک کر دو اور کعبہ انور کی عظمت کو ملحوظ رکھو، کعبہ کو غلاف پہناؤ، وہاں قربانی دو اور کعبہ والوں سے حسن سلوک کرو۔''

علماء کے اس مشورہ پر تبع نے نیت بدل لی تو ساتھ ہی حالات بدل گئے۔ اندھیرا ختم ہو گیا اور آندھی رک گئی۔ چنانچہ تبع کئی دنوں تک روزانہ ایک سو جانور ذبح کرتا رہا اور اس نے کعبہ کو غلاف بھی پہنایا۔

جعفر محمد نے اس واقعہ تبع کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تبع نے جب کعبۃ اللہ گرانے کا ارادہ کیا۔ رات آمن سے سویا تبع کی آنکھیں رخساروں پر لٹکی ہوئی تھیں، علماء سے پوچھا تو انہوں نے بتایا: کعبہ شریف کے ساتھ برے ارادہ سے توبہ کرو۔ توبہ کرنے پر صحت یاب ہو گیا اور کعبہ شریف کو غلاف پہنایا۔ (الاخبار بالبلد الحرام، صفحہ ۱۸۷، جلد ۱)

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے غلاف پہنایا، پھر خلفاء راشدین نے یہ کام کیا۔ خلفاء عباسی نے بھی سعادت حاصل کی۔ پھر سلاطین ترک نے شرف حاصل کیا۔

دوسری بغاوت

تبع اول کی ناکامی و نامرادی کے بعد تبع ثانی نے اپنے پیشرو تبع اول کے مشن کو کامیاب کرنے کی کوشش کی تو اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بنو خزاعہ کو مقابلہ کی قوت بخشی اور تبع ثانی بھی ناکام ہو گیا۔

تیسری بغاوت:

تبع ثانی کی ناکامی کے بعد تبع ثالث کو کعبہ انور گرانے کا جنون پیدا ہوا اور بنو خزاعہ سے اپنے پیشرو کا بدلہ لینا چاہا مگر بنو خزاعہ نے جرأت سے دفاع کیا اور یہ بری طرح پسپا ہوا۔ (الاخبار بالبلد الحرام، صفحہ ۱۸۷، جلد ۱)

چوتھی بغاوت:

ابی القاسم زمخشری نے لکھا ہے کہ ابرہہ بن الصباح الاشرم یمن کے بادشاہ نے کعبہ پر چڑھائی کی اور اس کی مرکزیت کو نقصان پہنچانا چاہا۔ مگر وادی محسر میں چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے مار کھائی اور ذلیل ہو گیا۔ ابرہہ کو عظمت کعبہ سے دکھ پہنچا اور چاہا کہ یمن میں ایک خوبصورت مکان بنا دے تاکہ لوگ کعبہ کی بجائے یمن آئیں، چنانچہ مقام صنعاء میں ایک خوبصورت مکان بنا دے تاکہ لوگ کعبہ کی بجائے یمن آئیں، چنانچہ مقام صنعاء میں ایک خوبصورت گرجا تعمیر کرایا۔ یہ خبر مشہور ہونے پر کنانہ کے ایک شخص نے اس گرجا میں گندگی پھیلا دی یا کسی نے آگ لگا دی جس سے گرجا جل گیا، گرجا جلنے کے ساتھ ابرہہ بھی جل بھن گیا اور فیصلہ کیا کہ کعبہ گرا کر ہی دم لے گا، چنانچہ مست ہاتھیوں کے ساتھ حرم مکہ پہنچا، لشکر کے ساتھ ۱۳ سو یا ۱۸ سو یا ایک ہزار ہاتھی تھے جن کا سربراہ ہاتھی ''محمود'' تھا۔ جناب عبد المطلب نے کوشش کی کہ ارادہ بدل لے مگر وہ نہ مانا۔ (الاخبار بالبلد الحرام، صفحہ ۱۴۹، جلد ۱)

ابرہہ کی آمد کی خبر مشہور ہوتے ہی حرم مکہ میں کہرام مچ گیا۔ جناب عبد المطلب نے قریش مکہ کو جمع کیا اور فرمایا:

''گھبراؤ نہیں کعبہ کو مٹایا نہیں جا سکتا۔''

ابرہہ نے آتے ہی قریش کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا جن میں ۲۰۰ اونٹ جناب عبد المطلب کے بھی تھے، آپ ابرہہ کے ہاں گئے۔

ابرہہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھتا ہے: کیسے آنا ہوا؟ فرمایا:

''تیرے سپاہیوں نے میرے اونٹوں پر قبضہ کر لیا ہے، وہ لینے آیا ہوں۔''

ابرہہ نے کہا:

''حیرت ہے؟ اونٹوں کی بات کر رہے ہو اور کعبہ کا ذکر تک نہیں یا جو تمہارا مرکز ہے۔؟''

جناب عبدالمطلب نے فرمایا:

((انا رب الا بل وللبيت رب))

''میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے میں نے اونٹوں کا مطالبہ کیا ہے، کعبہ کا مالک خدا ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔''

ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے، جناب عبدالمطلب نے اونٹ لیے اور واپس آ کر کعبہ کی نذر کر دیئے۔ پھر چند آدمیوں کو لے کر کعبہ شریف میں آئے اور یہ دعا کی:۔

اللهم ان المرء يمنع

رحله فامنع رحالك

''اے رب پاک! بندہ اپنی جگہ کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔''

وانصر على الالصليب

وعابديه اليوم لك

''نصاریٰ کے مقابلہ میں اپنے نام لیواؤں کی مدد فرما۔''

لا يغلبن صليبهم

ومحالهم ابدا محالك

''بھلا ان کی صلیب پرستی تیری تدبیروں پر غالب ہو سکتی۔؟''

جبروجميع بلادهم

والنبل ليسبر عيالك

''ہاتھی اور بے تحاشا لشکر لے آئے ہیں تا کہ تیرے نام لیواؤں کو قیدی بنا لیں۔''

عبدوا حمالك بكيدهم

جهلا وما رقبوا جلالك

''جہالت کی بنا پر تیرے حرم کی بربادی چاہتے ہیں اور تیرے جلال کو ملحوظ نہیں رکھا۔''

يارب لا ارجو لهم سواك

يارب فامنع منهم حماك

''اے اللہ! تیرے بغیر ان کا مقابلہ مشکل ہے، اے اللہ! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔''

ان عدو البيت من عاداك

امنعهم ان يخربوا قراك

''اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے، ان کو روک، وہ تیری بستی کو ویران نہ کریں۔'' (اخبار مکہ، ازرقی، صفحہ ۱۳۶)
جناب عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابرہہ مکہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا، جب ہاتھیوں کو کعبہ کی جانب ہانکتا تو وہ بیٹھ جاتے، کسی دوسری سمت چلاتا تو خوشی سے چل پڑتے۔ (الاخبار بالبلاد الحرام، صفحہ ۱۸۹، جلد ۱)
اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ابابیل بھیجے جن کی چونچوں اور پاؤں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، ابرہہ کے جس لشکری کو کنکری لگ جاتی وہ فوراً ہلاک ہو جاتا، اسی طرح یہ سارا لشکر تباہ ہو گیا۔ ابرہہ کے جسم پر چیچک نمودار ہوئی جس سے سارا بدن گل سڑ گیا، جسم سے لہو بہنے لگا۔ ایک ایک عضو کٹ کٹ کر ضائع ہوتا رہا، سینہ پھٹا دل باہر نکل آیا اور وہ اس طرح ہلاک ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ (زرقانی، صفحہ ۸۰، جلد ۱)

پانچویں بغاوت

• کعبۃ اللہ کی مرکزیت کے خلاف پانچویں سازش عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں ہوئی۔ ملحدین کا ایک گروہ اٹھا جو قرامطہ کے نام سے مشہور ہوا۔ انتہائی غلط عقائد کا حامل تھا، یہ لوگ بظاہر مسلمان کہلاتے تھے مگر مسلمانوں کا خون حلال جانتے تھے۔ یہ حضرت محمد حنیفہ ابن علی المرتضیٰ علیہ الرحمۃ کو اپنا امام مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا امام محمد بن حنیفہ رضوی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں، دوبارہ جلوہ گر ہوں گے۔ ان کا قائد ابوطاہر قرامطی تھا۔ اس نے مرکزیت کعبہ کے خلاف مقام ہجر میں ایک گھر دار الہجرۃ کے نام سے تیار کروایا کہ لوگ حج کے لیے بجائے کعبہ کے وہاں جائیں مگر ایسا نہ ہو سکا۔ حج کے راستے مسدود کیے، بے شمار قتل و غارت کا ارتکاب کیا۔ ۳۱۷ھ کے آخر میں قرامطہ کی قوت بڑھ گئی۔ ۸ ذی الحجہ کو لوگ مصروف عبادت تھے کہ اچانک ابوطاہر قرامطی اپنے لشکر کے ساتھ حرم کعبہ میں حملہ آور ہوا۔ طواف، نماز میں مصروف، احرام میں ملبوس لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ مسجد حرام شریف اور مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ۳۰ ہزار سے زائد لوگوں کو شہید کیا۔ صرف مطاف کے اندر ایک ہزار سات سو حاجی شہید ہوئے۔ (علم الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، صفحہ ۱۰۸)
جب ابوطاہر قرامطی کی سفاکی خونریزی حد سے بڑھ گئی تھی۔ عین اس وقت بھی کچھ لوگ سکون و امن سے مصروف عبادت تھے۔ شیخ الصوفیہ علی بن بویہ نے یہ سارا منظر دیکھ کر فرمایا:

((تری المجبین صرعی فی دیارهم))

''اے کعبہ! تو اپنے عشاق کو دیکھ رہا ہے کس طرح پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں؟''
علی بن بویہ شدید خونریزی کے دوران بھی اطمینان سے مصروف طواف رہے۔
ابوطاہر نے مستی میں یہ بھی کہا:

((انا بالله و بالله انا يخلق الخلق ويفنيهم انا(معاذالله)))

''میں اللہ ہوں اور اللہ ہی سے ہوں۔ میں وہ اللہ ہوں جو دنیا کو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔''
پھر بقیہ حجاج سے مخاطب ہو کر کہا تم کہتے ہو:

((من دخله كان امنا))

جو بھی کعبہ میں داخل ہو گیا امن والا ہے، بتاؤ اب امن کہاں ہے؟
یہ سن کر علی بن بویہ نے یا کسی دوسرے مرد مومن نے ظالم قرامطی کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور کہا:
''تو ظالم ہے، تو نے معنی نہیں سمجھا، تیرا دعویٰ غلط ہے، اس کا معنی یہ ہے: ''جو کعبہ میں داخل ہوا اسے امن دو۔''

چنانچہ قرامطی اس مردمومن کے جواب پر ہیبت زدہ ہوکر خاموشی سے الگ چلا گیا۔اس خونریزی میں کام آنے والوں میں امیر مکہ ابن محارب، حافظ ابوالفضل محمد بن حسن، امام ابوسعید احمد بن حسین، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، شیخ الصوفیہ علی بن بویہ، شیخ محمد بن خالد بن زید بردی شامل تھے۔اس ظالم گروہ نے قتل پر ہی اکتفانہیں کیا بلکہ لوٹ کھسوٹ کا بازار بھی گرم کیا۔قاضی مکہ یحییٰ بن عبدالرحمٰن نے بھاگ کر جان بچائی۔اس خوفناک تباہی کے بعد یہی لوگ مسلسل حرم کعبہ کی حاضری دیتے رہے جو عظمت کعبہ کی زبردست دلیل ہے۔

چھٹی بغاوت

صاحب علم الاعلام لکھتے ہیں:

"یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کی صبح کو یہ ہنگامہ اچانک نمودار ہوا، اس دن اسلامی ممالک میں پندرھویں صدی ہجری کا جشن منایا جارہا ہے، مجھے بھی اس ہنگامہ کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جونہی امام کعبہ نے نماز صبح کا سلام پھیرا اچانک دروازے بند کردیے گئے۔باغیوں نے پہنے ہوئے توپ (لبے کرتے) اتار دیئے۔یہ لوگ مسلح تھے اور اس ہنگامہ کرنے کے لیے کوشش کررہے تھے، چارپائیوں پر میت کی شکل میں اسلحہ اندر لے آئے تھے۔ روالوروں، سٹین گنوں، رائفلوں سے حجاج گھبرا گئے۔ان کی تعداد سے ۲۰۰ کے لگ بھگ تھی، ان کا سرغنہ لیڈر محمد بن عبداللہ قحطانی تھا، یہ دیر تک مکہ یونیورسٹی اسلامی قانون کا مطالعہ کرتا رہا۔اس کا دست راست جہیمان بن یوسف تھا، اس کو حطیم کعبہ پر کھڑا کیا گیا۔اس نے اعلان کے میں مہدی ہوں۔میرے ہاتھ پر بیعت کرلو۔حجاج میں سے جب کسی نے بھی اس کی بیعت نہ کی تو اس کے گروہ کے افراد ہی نے یہ سلسلہ شروع کردیا تا کہ عوام پر اس کا اثر ہو اور وہ بھی بیعت کرلیں۔امام کعبہ نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنا جبہ اتارا اور عام حاجیوں میں مل کر جان بچائی۔باغیوں نے حرم شریف کے میناروں پر قبضہ کرلیا۔مسلسل ۱۴ دن تک حرم انور میں انسانوں کی جماعتیں طواف نہ کرسکیں۔باغیوں کی یہ جماعت ۱۶۳ افراد پر مشتمل تھی جن میں سعودی عرب کے ۴۰، مصر کے ۱۰، جنوبی یمن ۳، کویت ایک، شمالی یمن ایک، سوڈان ایک، عراق ایک گرفتار کرلیے گئے۔فرد جرم عائد کردی گئی، سب کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا۔

یہ باغی مندرجہ ذیل شہروں میں قتل کردیے گئے:

مکہ مکرمہ میں ۱۵۔	مدینہ منورہ میں سات۔	ریاض میں ۱۰۔	دمام میں ۷۔
بریدہ میں ۷۔	حائل میں ۵۔	ابہی میں ۷۔	تبوک میں ۵۔

ان کی اس عبرتناک سزا پر ہنگامہ ختم ہوگیا۔

تفصیل سابقہ اوراق میں بیان کی جاچکی۔

باب نمبر 11:

مکہ مکرمہ کے چند انقلاب آفرین واقعات

مکہ مکرمہ میں بہت سے انقلاب آفرین واقعات رونما ہوئے، جیسا کہ مکہ پر مختلف اوقات میں حملے، تعمیر کعبہ کے مختلف ادوار، جرہم بنو خزاعہ اور قریش کی حکومت کے مختلف ادوار اور ان تعمیر کعبہ۔

فصل نمبر1:

ولادتُ النبی

یوں تو مکہ مکرمہ کا ہر واقعہ ہی عظیم واقعہ ہے تاہم تاریخ میں ایسے واقعات بھی ہیں جنہیں زبردست تاریخی حیثیت ملی اور اسلامی عظمت و ہیبت کے انمٹ نقوش بن گئے۔ ان تمام واقعات میں سب سے بڑا سب سے اہم واقعہ حضور سید عالم ﷺ کی ولادت با سعادت ہے۔

طبری و ابن خلدون کے مطابق یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول شریف صبح صادق ۴ بج کر ۲۰ منٹ پر ظہور پذیر ہوا۔

یہ ظہور پرنور پوری کائنات کے لئے ایک عظیم انقلاب کا آغاز تھا۔

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس ایوان کسرے کے ۱۴ کنگرے گر گئے:

((ارتجس ایوان کسری وسقطت اربعة عشر شرفه))

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس کے باعث فارس کا ہزار سال سے جلنے والا آتش کدہ بجھ گیا۔ (طبری، صفحہ ۱۳۱، جلد ۲)

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس سے دریائے سادہ خشک ہوگیا:

((وغاضت بحيرة ساده))

(فتح الباری، صفحہ ۲۲۶، جلد ۶) (البدایہ والنہایہ، صفحہ ۲۶۸، جلد ۲) (خصائص کبری، صفحہ ۵۱، جلد ۱)

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس پر تمام گھر نور سے بھر گیا، آسمان کے تارے جھک گئے، فاطمہ بنت عبداللہ کو گمان ہوا کہیں یہ ستارے مجھ پر نہ گر جائیں۔ (فتح الباری، صفحہ ۴۲۶، جلد ۲) (علامات النبوۃ فی الاسلام)

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس کی وجہ سے بصری کے محل روشن ہوگئے۔ (طبقات ابن سعد، صفحہ ۶۳، جلد ۱)

☆ اسی مقدس ظہور پر نظر کرنے سے: ''قد جاء کم من الله نور و کتب مبین'' کی تفسیر سمجھ میں آجاتی ہے۔

☆ یہی مقدس ظہور تھا جس سے قبل ہی دادا عبدالمطلب کو خواب کے ذریعہ آگاہ کر دیا گیا تھا، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی جس کا ایک کونہ آسمان پر تھا، دوسرا زمین پر، ایک شرق میں، دو۔ امغرب ہیں، پھر یہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ کا نور آسمان کے نور سے ستر گنا زیادہ تھا، معبرین نے آپ کو بتایا کہ آپ کی اولاد میں بچہ ہوگا جس کا ذکر مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک ہوگا۔ لوگ اس کی اتباع کریں گے۔

یہی مقدس ظہور تھا جس پر سطیح پادری نے اپنے بھانجے عبدالمسیح کو کہا:

''آنے والی شئی آ ہی گئی۔''

یہی مقدس ظہور تھا جس پر یہودی تاجر کہہ اٹھا تھا:

''آج کی شب امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔''

فصل نمبر2:

حلف الفضول

سرزمین مکہ مکرمہ کے اہم واقعات سے واقعہ حلف الفضول کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سرزمین مکہ مکرمہ میں امن قائم کرنے کی

غرض سے فضل ابن فضالہ، فضیل بن حارث، فضل بن دواعہ نے ایک معاہدہ مرتب کیا جو انہیں کے ناموں پر حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اس معاہدہ کی تحریک کی تھی۔ یہ میٹنگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ہوئی تھی۔ اس میں مظلوم کی حمایت کا عہد ہے، اس معاہدہ کے ۲ مشہور شعر یہ ہیں:

ان الفضول تخالفوا و تعاقدوا

ان لا یقیم ببطن مکة ظالم

''تینوں فضل نامی شخصوں نے عہد کیا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ظالم نہیں رہ سکے گا۔''

امر علیه تواهدوا و توا ثقوا

فاالجار والمعتر فیهم سالم

''اس پر سب نے پختہ عہد کیا کہ مکہ مکرمہ میں پڑوسی اور آنے والا سب محفوظ ہوں گے۔''

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: اس معاہدہ کے وقت عبداللہ بن جدعان کے مکان پر میں بھی موجود تھا، اگر اس معاہدہ کے مقابلے میں مجھے سرخ اونٹ پہنچائے جاتے تو میں ہرگز پسند نہ کرتا۔ (طبقات ابن سعد، صفحہ ۸۲، جلد ۱)

عبداللہ ابن جدعان سیدہ عائشہ صدیقہ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: میں کبھی کبھی موسم گرما میں عبداللہ بن جدعان کے گلشن کے سایہ میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ (روض الانف، صفحہ ۱۹)

ایسا ہی ایک معاہدہ زمانہ جاہلیت قدیم میں بھی ہوا تھا۔

فصل نمبر 3:

منصب تحکیم

سرزمین مکہ کے اہم واقعات میں واقعہ تحکیم بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل تعمیر کعبہ ہوئی جس میں فیصلہ تھا کہ خرچ ہونے والا سارا مال ہر لحاظ سے پاک وطیب ہوگا، اس تعمیر میں تمام قبائل نے حصہ لیا کہ محروم کوئی نہ رہ جائے۔ بیت اللہ شریف کے مختلف حصوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا گیا۔ ولید ابن مغیرہ نے جدہ جا کر چھت کے لیے سامان خریدا، ایک رومی کاریگر باقو نامی کی خدمات بھی حاصل کیں کہ تجربہ کار تھا۔ اب پہلی تعمیر کو شہید کرنا تھا، ولید بن مغیرہ نے آغاز کیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نظر آ گئیں۔ ایک قریشی نے پھاولہ مارا تو سرزمین مکہ میں عظیم دھماکہ ہوا جس کی وجہ سے کھدائی آگے نہ کی اور وہیں سے تعمیر شروع کر دی تعمیر مکمل ہونے پر حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو شدید اختلافات پیدا ہو گئے، تلواریں کھینچ لیں، سرزمین مکہ جنگ وجدل اور میدان قتل وغارت دکھائی دینے لگی، پانچ دن اسی کشمکش میں گزر گئے کہ کون قبیلہ پتھر رکھے؟ ہر ایک کی انتہائی خواہش تھی کہ حجر اسود رکھنے کا اعزاز اس کو ملے تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے تجویز دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اسی کو حکم بنا کر فیصلہ کرالو، سب اسی رائے پر متفق ہو گئے اور تمام لوگ حرم میں پہنچ گئے کہ دیکھیے یہ سعادت کسے ملتی ہے۔ اہل مکہ ایسے خوش نصیب، بلند بخت انسان کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے جسے حکم مانا جائے گا، متعجب تھے وہ کون ہوگا جس کے آنے سے جنگ وجدل کا میدان گلزار امن میں بدل جائے گا، دیکھیے وہ کون ہے جس کی ایک جھلک بچوں کو یتیم ہونے، خواتین کو بیوہ ہونے سے بچائے گی، گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بجلی چمکی پیارے محمد رسول اللہ ﷺ دکھائی دیے۔ آمد کیا تھی جس نے خزاں کو بہار میں، جنگ کو امن میں، دکھ کو سکھ میں، ظلمت کو نور میں بدل دیا

اس طرح یہ منصب تحکیم حضورﷺ کے حصہ میں آیا جو درحقیقت حصہ تھا ہی آپ کا، پورے جہاں میں اس کا اہل دوسرا تھا ہی نہیں، سب کی زبانوں سے بے ساختہ نکلا:

((ھذا محمد الامین رضینا ھذا محمد))

''یہ تو محمد امین ہیں، ان کے حکم بنانے پر ہم راضی ہیں، یہ تو محمد امین ہیں۔''

آپ نے آگ سے اٹھنے والے شعلوں کو حکمت عملی سے اس طرح بجھایا، ایک چادر منگوا کر حجر اسود کو اس میں رکھ کر فرمایا:

''ہر قبیلے کا سردار چادر کو تھام لے تا کہ کوئی اس سعادت سے محروم نہ رہ جائے۔''

جب سارے کے سارے سرداروں نے چادر کو تھام لیا اور حجر اسود اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے بیت اللہ شریف کی دیوار میں نصب فرمادیا۔

(سیرت ابن ہشام، صفحہ ۶۵، جلد ۱) (طبری، صفحہ ۲۰۰، جلد ۲) (زرقانی، صفحہ ۲۰۳، جلد نمبر ۱)

فصل نمبر 4:

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح

سرزمین مکہ مکرمہ کے اہم واقعات سے ایک یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ کی ایک صاحب ثروت خاتون خدیجۃ الکبریٰ نہایت شریف پاکباز عفیفہ خاتون تھیں، آپ کو طاہرہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ جب حضورﷺ کی شرافت، دیانت، اخلاص کا عام چرچا ہوا تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کی طرف پیغام بھیجا، اگر آپ میرا مال تجارت ملک شام لے کر جائیں تو دوسروں کی نسبت آپ کو دوہرا معاوضہ دوں گی۔ آپ نے پسند فرمایا اور ان کے غلام میسرہ کے ساتھ سفر کیا۔

دوران سفر میسرہ نے آپ کے بہت سے کمالات مشاہدہ کئے۔ میسرہ کہتے ہیں کہ دوپہر کی شدید دھوپ میں آپ پر فرشتے سایہ کرتے تھے۔ اس مرتبہ بہت سا نفع ملا۔ میسرہ نے واپسی پر سارے حالات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو سنائے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کو مقرر شدہ حصہ سے بھی زیادہ معاوضہ دیا۔ پھر پیغام نکاح بھیجا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں کے مشورے سے قبول فرمالیا۔

فصل نمبر 5:

نزولِ وحی

مکہ مکرمہ کے عظیم واقعات سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور سید الانبیاءﷺ حسب معمول غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ یکا یک جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضورﷺ پر یہ پہلی وحی نازل ہوئی:

(((اقرا باسم ربك الذی خلق))

اس سے قبل سرزمین مکہ مکرمہ کو یہ شرف نہ تھا کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوں اور کلام الٰہی کا نزول ہو۔

فصل نمبر 6:

ورقہ بن نوفل کی شہادت

سرزمین مکہ مکرمہ کے واقعات میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک عیسائی عابد نے سید عالم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ غارِ حرا کا واقعہ حضور علیہ السلام نے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو سنایا تو آپ نے مبارک دی:

((فقالت ابشر فو الله لا يفعل الله بك الا خيراً فابشر فانك رسول))

(فتح الباری، صفحہ ۳۱۵، جلد ۲، کتاب التفسیر)

''عرض کی: مبارک! خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی کے علاوہ کچھ نہ کرے گا، آپ کو مبارک! آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''

اس کے بعد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ مزید شواہد کے لئے اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے ہاں حضور علیہ السلام کو لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل کتب ساویہ کے بڑے ماہر تھے اس وقت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے ورقہ سے کہا:

((اسمع من ابن اخيك))

"ورقہ! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔"

حضور سید عالم ﷺ نے حارِ حرا کا پورا واقعہ سنایا تو ورقہ نے کہا:

((فلما سمع كلا مه ايقن باالحق و اعترف به))

''ورقہ نے جب آپ کا کلام سنا تو فوراً حق کا یقین آ گیا اور ورقہ نے اعتراف کیا اور تسلیم کیا۔'' (فتح الباری، صفحہ ۳۱۷، جلد ۱۲)

فصل نمبر 7:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سرزمین مکہ کا یہ واقعہ بھی کم نہیں کہ قریش کا ایک عظیم سپوت، ایک عظیم مرد آہن سیدنا حمزہ دربار رسالت میں سرخم کر دیتا ہے۔ اس واقعہ نے بھی اہل مکہ کو چونکا دیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن حضور سید عالم ﷺ کو ابو جہل نے سخت درشت کہا، حضور علیہ السلام نے اپنی شان عفو و درگذر کے پیش نظر کوئی جواب نہیں دیا، عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے یہ سارا معاملہ دیکھا تھا۔ حضور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس تشریف لائے تو لونڈی نے تفصیل سنائی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے غیرت کھائی اور ابو جہل کو ایک جماعت میں بیٹھے دیکھ کر زور سے کمان ماری کہ شدید زخمی ہو گیا، ابو جہل کے ساتھی اس کے کام نہ آ سکے۔ سیدنا حمزہ نے فرمایا: تو محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے؟ میں خود اس کے دین پر ہوں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پہنچے تو نفس و شیطان نے بہکانے کی کوشش کی کہ تو نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ سیدنا حمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ قدس میں دعا کی:

((اللهم ان كان رشداً فاجعل تصديقه فى قلبى والا جعل لى منه وقعت فيه مخرجاً))(مستدرك، صفحه ۱۹۲، جلد ۳)

''اے اللہ! اگر یہ ہدایت ہے تو میرے دل کو مطمئن کر دے، ورنہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک رات شدید پریشانی میں گزری، ساری رات سو نہ سکا۔ حرم شریف میں حاضر ہو کر التجا کی: الٰہی مدد فرما، دولت اطمینان بخش دے۔ دعا اس قدر مقبول ہوئی کہ فوری سکون ملا۔ آپ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی:

((''اشهد انك لصادق''))(روض الانف، صفحه۱۸۵، جلد۱)

''آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

آپ نے چند اشعار بھی پڑھے:

واحمد مصطفى فينا مطاع

فلا تغشوه بالقوال العنيف

''احمد مصطفیٰ ﷺ ہم میں واجب الاطاعت ہیں۔ ان کے اعلان حق کو بد کلامی سے مت ٹھکراؤ۔''

اذا تليت مسائله علينا

تحزر دمع ذى اللب الحصيف

''جب اس کے ارشادات پڑھے جاتے ہیں، تو ہر سلیم العقل انسان کے بیساختہ آنسو بہہ جاتے ہیں۔''

فلا والله الانسلمه بقوم

ولما نقض فيهم بالسيوف

''اللہ کی قسم! جب تک ہم میدان جنگ میں فیصلہ نہ کر لیں حضور علیہ السلام کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔''

(زرقانی، صفحہ۲۵۴، جلد۱)

فصل نمبر 8:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سرزمین مکہ مکرمہ میں ۶ نبوی میں یہ اہم واقعہ پیش آیا۔ جس سے حجاز کے سرغنہ افراد کی گردنیں جھک گئیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا اصل سبب حضور سید عالم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ آپ نے دعا کی:

''اے رب قدوس! ابوجہل اور عمر بن الخطاب میں جو تجھے زیادہ پسند ہے اسی سے اسلام کو عزت دے۔''

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ پھر حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا گیا کہ ابوجہل اسلام لائے گا۔ پھر حضور ﷺ نے سیدنا عمر بن الخطاب کے لیے دعا فرمائی:

((اللهم ايد الاسلام بعمر بن الخطاب خاصة))

''اے اللہ! عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت بخش۔'' (زرقانی، صفحہ۲۷۲، جلد۱)

سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ قبول اسلام سے پہلے حضور ﷺ کا سخت ترین مخالف تھا۔ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو قتل کر دے اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ میں اس کے لالچ میں آگے بڑھا اور راستہ میں دیکھا کچھ

لوگ ایک بچھڑے کوذبح کرنے لے جارہے ہیں۔اچانک یہ آواز میرے کانوں میں گونج گئی:

((یا ال زریح، امر نجیح رجل یصیح بلسان فصیح یدعو الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ))

''اے آل زریح! کامیاب امر ہے!ایک آدمی صاف زبان سے لوگوں کو بلا رہا ہے، کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔''(فتح الباری،صفحہ ۱۳۸،جلد ۷،باب اسلام عمر)

سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ اس آواز نے مجھے چونکا دیا،مگر میں اپنے مشن سے رکا نہیں بڑھتا گیا۔راستہ میں میری ملاقات نعیم بن عبداللہ سے ہوئی،اس نے مجھے غضب ناک دیکھ کر پوچھا: کہاں؟میں نے کہا:محمد کو قتل کرنے جارہا ہوں۔نعیم نے کہا:

''ہوش کرو!ایسا سخت قدم اٹھا کرتم خود کیسے بچ سکو گے۔؟پھر اپنے گھر کا تو خیال کرو،آپ کو علم نہیں،آپ کی بہن فاطمہ، بہنوئی سعید،وہ تو کبھی کے اسلام قبول کر چکے ہیں۔''

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے میں آگئے،سیدھے،بہن کے گھر گئے،دیکھا بہن اور بہنوئی کو جناب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی تعلیم دے رہے ہیں۔فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر داخل ہو گئے اور سخت درشت کہا،بہنوئی کو مارا،بہن چھڑانے آئیں تو اس قدر مارا کہ جسم سے خون بہہ نکلا۔بہن نے کہا:

''عمر!جو چاہتے ہو کر ڈالو ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔اے دشمن خدا!ہمیں اس لیے مار رہا ہے کہ ہم نے ایک خدا کو مان لیا ہے۔؟''

بہن کی اس تقریر پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:اچھا وہ کتاب جو تم پڑھ رہے تھے دکھاؤ!بہن نے ہمت و جرأت سے کہا:

((انک رجس وانہ لایمسہ الا المطھرون فقم فتوضأ))

''تو نجس ہے اور قرآن پاک کی شان یہ ہے کہ اسے پاک لوگ ہی مس کر سکتے ہیں۔پس کھڑا ہو اور وضو کر۔''

فاروق اعظم اٹھے،وضو یا غسل کیا،قرآن مقدس کو پکڑ کر پڑھا،سورۃ طہٰ کی یہ آیۃ مبارکہ سامنے آئی:

((اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری))

بے ساختہ کہا:''کتنا ہی اچھا کلام ہے۔؟''

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:عمر تجھے مبارک ہو!معلوم ہوتا ہے کہ سید الانبیا ﷺ کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی فاروق فرماتے ہیں:خباب!مجھے جلد دربار رسالت میں لے چلو۔دارارقم میں صحابہ کرام کا اجتماع تھا۔حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کر حاضر ہوئے،اندر آنے کی اجازت چاہی مگر عمر فاروق کو دیکھ کر دروازہ کھولنے کی کوئی جرأت نہیں کرتا تھا۔سیدنا حمزہ نے فرمایا:

'' آنے دو،دیکھا جائے گا۔اگر اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی تو اسلام قبول کر لے گا،ورنہ فکر نہ کرو،اس کا قتل کرنا کوئی مشکل نہیں۔''

دروازہ کھل گیا دارارقم کا،بخشش کا،دروازہ کھلا رحمت باری کا،دروازہ کھلا نگاہ مصطفیٰ کا،دروازہ کھلا عنایات الہیہ کا،سیدنا عمر فاروق فرماتے ہیں:دو شخصوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے کھڑا کر دیا۔حضور علیہ السلام

نے انہیں فرمایا: چھوڑ دو اور حضور نے میرا کرتہ کھینچ کر فرمایا: خطاب کے بیٹے اسلام لاؤ۔
کیسا عجیب منظر تھا۔
سراپا جرم سراپا کرم کے حضور حاضر ہے۔ سراپا خطا سراپا عطا کے دربار میں ہے۔ فاروق اعظم کی نگاہ میں شرم ہے، محبوب پاک علیہ السلام کی نگاہ کرم ہے، حضور علیہ السلام کے ہاتھ بارگاہ قدس میں اٹھے، عرض کی:

((اللهم اهده))

''اے اللہ! اسے ہدایت دے۔ اے اللہ! دین کو عمر بن الخطاب کے ذریعہ مزید فروغ دے۔''
عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

((اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔''
دار ارقم نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔ حضرت عمر کے قبول اسلام پر اہل زمین ہی نہیں آسمان کے فرشتے بھی خوش تھے۔
(زرقانی، صفحہ ۲۷۷، جلد ۱)

آپ کے اس انقلابی اقدام سے اسلام کا غلبہ شروع ہوگیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین دن بعد آپ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

فصل نمبر 9:

شعبِ اَبی طالب

سرزمین مکہ مکرمہ کے اہم واقعات سے واقعہ شعب ابی طالب بھی ہے۔ سیدنا حضرت حمزہ اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبول اسلام کے بعد کفر کا زور ٹوٹتا گیا، اور آئے دن اسلام کی قوت بڑھتی گئی۔ اسلامی قوت کو دبانے کے لیے قریش نے بنو ہاشم سے سوشل بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا۔ ایک معاہدہ لکھا کہ کوئی بھی بنو ہاشم سے میل جول تعلقات نہیں رکھے گا۔ اس ظالم معاہدہ کو منصور بن عکرمہ نے لکھا، اسی وقت قدرت نے اسے سزا دی، انگلیاں شل ہوگئیں اور ہاتھ ہمیشہ کے لیے بے کار ہوگیا۔ اس صورت حال سے پریشان ہوکر جناب ابو طالب نے شعب ابی طالب میں پناہ لی۔ قریش کی طرف سے یہ بائیکاٹ مسلسل تین سال تک رہا۔ بنو ہاشم کے لیے یہ دن بڑے کٹھن تھے۔ بھوک پیاس کی وجہ سے بچوں کے بلبلانے کی آواز آتی تو سنگدل کفار خوش ہوتے۔
(طبقات ابن سعد، صفحہ ۱۳۹، جلد ۱)

اس قید و بند میں زندگی دوبھر ہوتی چلی گئی۔ سیدنا سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں اونٹ کی کھال کا سوکھا چمڑا ملا جو دھو کر جلایا اور کوٹ کر سفوف کی شکل میں استعمال کیا۔ تین سال بعد سب سے پہلے ہشام بن عمر کو خیال آیا کہ وہ ظلم کر رہے ہیں، خود مزے سے رہ رہے ہیں اور بنو ہاشم مصائب میں، ہشام رات کی تاریکی میں غلہ پہنچا دیا کرتے۔ ایک دن زہیر سے بات ہوئی، پھر مطعم بن عدی سے تبصرہ ہوا، پھر ابو البختری اور زمعہ بن اسود کو اپنا ہم خیال بنایا۔ انہوں نے معاہدہ توڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ زمعہ نے قسم اٹھا کر کہا: یہ معاہدہ پھاڑ دیا جائے گا کہ ظالمانہ ہے۔ ابو جہل مجلس کا عنوان بھانپ گیا اور مزاحم نہ ہوا۔ (طبری، صفحہ ۲۲۸، جلد ۳)

اسی دوران حضور علیہ السلام نے ابو طالب کو اطلاع دی کہ معاہدہ کو دیمک نے کھالیا ہے صرف باسمک اللھم کے الفاظ بچے ہیں۔ ابو

طالب نے یہ واقعہ قریش کو سنادیا اور کہا کہ میرے بھتیجے کے منہ سے نکلی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہوئی، چنانچہ دیکھا گیا تو یہی صورت حال تھی تمام قریش شرمسار ہوئے۔ اس طرح یہ ظالمانہ معاہدہ اختتام کو پہنچا۔

فصل نمبر 10:

معراجِ مقدس

سرزمین مکہ مکرمہ کے اہم واقعات میں حضور ﷺ کا سفر معراج بھی ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کے سفر طائف کے بعد یہ عظیم معجزہ ہوا۔ مشکلات و آزمائش کی گھڑیاں بیت گئیں، غموں اور دکھوں نے بستر لپیٹ لیا۔ راحت و سکون نے آستان نبوت پر جبہ سائی کی۔ شعب ابی طالب، سفر طائف، وفات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے صدمات کے بعد معراج شریف کا وقوع ہوا، گویا "ان مع العسر یسرا" ارشاد کی واضح تفسیر ہے۔ یہ مقدس سفر 11 نبوی کے بعد ہوا۔ حضور علیہ السلام ستائیسویں رجب شریف کی شب میں اس انعام نوازے گئے۔

قرآن مقدس کا واضح ارشاد اس سفر مقدس کی کھلی دلیل ہے:

((سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بار کنا حوله لنیریه من ایتنا انه هو السمیع البصیر))

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء، مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک کی سیر کی معراج اور آسمانوں سے قاب قوسین تک کو ا... سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فصل نمبر 11:

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان

سرزمین مکہ مکرمہ پر رونما ہونے والے واقعات میں اہم واقعہ صلح حدیبیہ بھی ہے، یہ اسلام کی تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ۔ وجہ ہے کہ اسے فتح کے لقب سے نوازا گیا حالانکہ یہ ایک معاہدہ صلح ہے، وہ بھی بظاہر مغلوبانہ۔

اس کا سیرت طیبہ اور تاریخ اسلام سے گہرا ربط ہے۔ مکہ مکرمہ سے قریباً ۸۔۹ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں مشہور ہے اور ا ایک کنویں کے سبب مشہور ہوا۔ چونکہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان اسی مقام پر ایک معاہدہ طے ہوا تھا جو اسی مقام پر لکھا گیا، اس اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ ۶ ہجری کو ۱۵۰۰ افراد کے ساتھ عمرہ کرنے غرض سے مدینہ منورہ سے روانہ ہو۔ ذوالحلیفہ پر احرام باندھا، یہ تمام صحابہ غیر مسلح تھے کہ جنگ کا ارادہ نہیں بلکہ عمرہ کا ہے۔ (طبقات ابن سعد، صفحہ ۰۷، جلد ۲)

حضور سید عالم ﷺ کی روانگی کی خبر سے قریش نے منصوبہ بنالیا کہ مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور مقابلہ کا فیہ حضور سید عالم ﷺ نے حکمت عملی اختیار فرمائی اور دوسرے راستہ پر چل کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے اور اونٹنی مبارک یہیں بیٹھ گ ﷺ نے فرمایا:

''اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے یہاں روک لیا ہے۔''

گرمی کا موسم تھا پیاس شدت کی تھی اس کنویں کا پانی ختم ہوگیا۔ پندرہ سو صحابہ پھر جانوروں کی تعداد، پانی نہ ملنے پر شدید دقت ہوئی۔ صحابہ کرام نے دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کی: یا رسول اللہ! پانی نہیں پیاس شدت کی ہے۔ گڑھے کا پانی ختم ہوگیا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے تیر نکالا اور گڑھے میں گاڑ دیا، بس پانی کے چشمے ابل پڑے۔ (فتح الباری، صفحہ ۲۴۵، جلد ۵)

مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت حضور ﷺ کو ایک خواب آئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اور صحابہ نے مکہ مکرمہ داخل ہوکر عمرہ کیا ہے۔ اسی خواب پر عمل ہوا، یاد رہے نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے:

حضور سید عالم ﷺ نے خواب دیکھی کہ آپ اور صحابہ کرام انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ عمرہ ادا کررہے ہیں اور امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں۔ (زرقانی، ۱۸۰، جلد ۲)

اس مقدس خواب پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پندرہ سو کے قریب تیار ہوگئے کہ انہیں یقین تھا کہ نبی کا خواب بھی وحی ہے۔ نبی کے خواب کے وحی ہونے کی دلیل میں قرآن مقدس کا یہ ارشاد کافی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے فرمایا:

((یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر))

''اے بیٹے! میں نے خواب دیکھی ہے کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں، اب تو بتا، بیٹے نے عرض کی: ابا جان! آپ ہی کچھ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھ کر اس کی عمر تعبیر پر بڑھنا خواب کے وحی ہونے کی دلیل ہے۔ بیٹے کا یہ فرمانا کہ آپ وہی کچھ گزریئے جس کا آپ کو حکم ہے، یہ بھی نبی کے خواب کے وحی ہونے کی دلیل ہے۔

((الوحی هو فی الاصل الاعلام فی خفاء والالهام والکلام الخفی))(بخاری، بدء الوحی)

''لغت میں وحی ہر مخفی اطلاع، الہام اور کلام مخفی کو کہا جاتا ہے، مگر اصطلاح شریعت میں وحی اس کلام کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی طرف سے نبی پر نازل ہو۔''

وحی کی سات قسمیں ہیں:

پہلی قسم: خواب کے ذریعے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث بدء الوحی میں ہے:

((اول مابدی به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرویا الصالحه))

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچی خوابوں کا آنا تھا۔''

دوسری قسم: گھنٹی بجنے کی شکل میں وحی کا اترنا، جیسے اسی حدیث شریف میں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((''احیانا یا تینی مثله صلصلة الجرس''))

''گاہے بگاہے وحی گھنٹی بجنے کی صورت میں مجھ پر آتی ہے۔''

تیسری قسم: نبی کے قلب انور پر کلام اتار دیا جاتا ہے۔ جیسے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

((''ان روح القدس نفث فی روحی ای نفسی''))

''جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں القا کیا۔''

چوتھی قسم: فرشتہ انسانی صورت میں متمثل ہو کر نبی کے حضور حاضری دیتا ہے اور پیغام پہنچاتا ہے، جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ نے خود فرمایا:

((”واحیانا یتمثل لی الملك رجلا“))

”فرشتہ انسانی صورت میں وحی لے کر آتا ہے۔“

پانچویں قسم: جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوں اور پیغام پیش کریں۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی اصلی شکل کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے چھ سو پر ہیں اور ہر پر سے موتی یاقوت بکھرتے ہیں۔

چھٹی قسم: اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نبی سے پس پردہ کلام فرمائے، جیسے قرآن مقدس فرماتا ہے:

((الا وحیا اومن وراء حجاب))(سورة شوری)

سورہ شوریٰ کی اس آیۂ مبارک میں وحی کی مختلف صورتوں کا واضح ذکر موجود ہے۔

ساتویں قسم: حضور علیہ السلام پر اسرافیل کا وحی لانا، جیسے کہ شعبی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اسرافیل علیہ السلام وحی لاتے رہے اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مقرر کر دیئے گئے۔

حدیبیہ میں قیام کے بعد حضور سید عالم ﷺ نے اپنی طرف سے اپنے ایک غلام فراش بن امیہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ اہل مکہ کو بتا دیا جائے کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کے لئے آرہے ہیں۔ اہل مکہ نے ان سے سخت مزاحمت کی اور قتل کی دھمکی دی تو آپ واپس آ گئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی معذرت کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر کی حیثیت سے مکہ مکرمہ روانہ فرمایا کہ بتائیں ہمارے جنگی عزائم نہیں صرف عمرہ کا مقصد ہے۔ معذور مسلمانوں کو فتح کی خوش خبری سنائیں۔ سیدنا عثمان غنی نے پیغام پہنچایا مگر اہل مکہ نے حضور ﷺ کے مکہ داخل ہونے پر اعتراض کیا، اجازت نہ دی۔ عثمان غنی سے کہا: آپ چاہیں تو عمرہ کر لیں۔ سیدنا عثمان غنی نے فرمایا: حضور ﷺ کے بغیر طواف نہیں کروں گا۔ قریش نے آپ کو روک لیا۔ خبر مشہور ہوگئی کہ عثمان شہید کر دیئے گئے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر تیزی سے پھیل گئی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے اسی سلسلہ میں بیعت لی، سبھی نے یقین دلایا کہ کفار کے ساتھ آخر دم تک لڑیں گے۔ سب سے پہلے ابوسنان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے پیش قدمی کی۔ سلمہ بن اکوع نے تین مرتبہ بیعت کی۔ صحابہ کرام سے فراغت کے بعد حضور ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ فرمایا: یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔ (بخاری شریف)

☆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ (زرقانی، صفحہ ۲۰۶، جلد ۲)

اسی بیعت مبارکہ کا ذکر قرآن مقدس نے یوں فرمایا:

((لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم واثابهم فتحاً قریباً))

”بے شک اللہ تعالیٰ ایمان داروں سے راضی ہو گیا جب وہ اس پیڑ کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص رحمت وطمانیت کو اتار دیا۔ انہیں قریبی فتح عطا فرمائی۔“

((ومغانم كثيرة ياخذونها و كان الله عزيزاً حكيماً))

''اور بھی بہت سی غنیمتیں حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ غالب وحکمت والا ہے۔''

بیعت رضوان کے درج ذیل نتائج تھے: (سورۂ فتح' آیت ۱۸تا۱۹)

۱) بیعت رضوان میں شامل سبھی مومن تھے۔

۲) ان سب پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔

۳) دوسری جگہ پر ''رضوا عنہ'' سے ثابت ہے کہ صحابہ خدا پر راضی ہو گئے۔

۴) انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف نصیب ہوا۔

۵) ان کے دلوں کی کیفیت جو رسول اللہ علیہ السلام سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

۶) عشق رسول کے باعث ان پر سکینت اتار دی۔

۷) مستقبل قریب کی فتح کی عینی خبر عطا فرمائی۔

۸) اس کے علاوہ اور بھی فتوحات کا مژدہ فرما دیا گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اس جاں نثاری اور بیعت کی خبر تیزی سے پھیل گئی تو قریش مکہ انتہائی مرعوب ہو گئے اور صلح کے لئے پیغامات کا سلسلہ شروع کرایا۔ اس ہونے والی پیش رفت میں قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ، عروہ بن مسعود، مغیرہ بن شعبہ، کلیس بن عتبہ کنانی، مکرز بن حفص، سہیل بن عمر کی کاوشوں کو خاصہ دخل تھا۔

سہیل بن عمر جب حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((''قد سهل لكم من امركم''))

''تمہارا کام کچھ سہل ہو گیا۔''

سہیل سے سہل کی فال لی۔ من تبعیضیہ ہے۔ نیز سہیل سہل کی تصغیر ہے جو قلت پر دلالت کرتی ہے۔ سہیل کے ساتھ دیر تک صلح کے معاملہ میں بات ہوتی رہی۔ سہیل نے صاف صاف بتا دیا کہ قریش صلح پر مائل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ شرائط طے ہو جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ کو فرمایا کہ معاہدہ کی تحریر لکھو اور فرمایا: سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے کہا: یہ تحریر قدیم دستور کے مطابق لکھی جائے گی۔ رحمٰن ورحیم کا ذکر نہیں ہوگا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا عرب کے قدیم دستور کے مطابق: ''باسمک اللھم'' سے ہی شروع کرلو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لکھو:

((هذا ما قضٰى عليه محمد رسول الله))

''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔''

سہیل پھر بگڑ گیا اور کہا:

''جب ہم آپ کو رسول مانتے ہی نہیں تو تحریر کیوں ہو۔؟''

یہاں پر لکھو:

''محمد بن عبد اللہ''

حضور نے فرمایا:

''واللہ! میں اللہ کا رسول ہوں۔''

حضرت علی المرتضی سے فرمایا:

''صرف میرا نام ہی رہنے دو۔ رسول اللہ قلم کر دو۔''

عرض کی: یا رسول اللہ! مجھ سے تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔

پھر حضور ﷺ نے خود ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا۔

سیدنا ابو جندل سہیل بن عمر کے بیٹے تھے۔ اسلام لا چکے تھے۔ کفار کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے۔ موقعہ پا کر کسی طرح ان کی قید سے بھاگ نکلے اور مقام معاہدہ پر آ کر سب کے سامنے گر گئے، ابو جندل کو کفار نے اس قدر مارا تھا کہ زخم ہو گئے، مار کے نشانات پڑ گئے، جونہی انہوں نے صحابہ کرام کو اپنے زخموں کے نشانات دکھائے کہرام مچ گیا۔ اس کہرام پر آپ کے ان الفاظ نے مزید تلاطم پیدا کیا:

''کیا آپ صحابہ مجھے اس حالت میں دیکھنا پسند کرتے ہو، کیا مجھے پھر کفار کی قید میں رہنا تمہیں اچھا لگتا ہے۔؟''

سیدنا عمر فاروق کا جوش دیدنی تھا۔ حضور علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں:

''حضور! ہم حق پر ہے۔ ہم دین میں ذلت کیوں برداشت کریں۔؟ ابو جندل کو واپس نہیں کیا جائے گا۔''

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔''

سہیل کا موقف تھا کہ ابو جندل کا واپس نہ کرنا خلاف ورزی ہے۔ صحابہ کرام کا موقف تھا کہ ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا۔ ابو جندل کا واقعہ تکمیل معاہدہ سے پہلے ہے۔ سیدنا ابو جندل بیڑیاں پہنے صحابہ کے سامنے حاضر ہیں۔ صحابہ کو ذرا اشارہ ہو جاتا تو خون کی ندیاں بہہ جاتیں مگر نہیں! معاہدہ ہو چکا ہے، معاہدہ کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی جو کفار کی قید سے بھاگ کر مسلمانوں میں آ جائے اسے واپس کرنا ہوگا۔ سیدنا ابو جندل کو واپس کرنے کا دردناک واقعہ ایفائے عہد کی عملی مثال ہے۔

حضور علیہ السلام نے ابو جندل کی طرف دیکھا اور فرمایا:

((یا ابا جندل اصبرو احتسب فان اللہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین مخرجاً))

''ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکالے گا۔''

چنانچہ ابو جندل کو اسی طرح واپس جانا پڑا، ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے واپس فرمایا۔ ابو جندل اور ابو بصیر دونوں نے مدینہ منورہ سے باہر ڈیرہ لگایا اور فروغ کا باعث بنے۔

صلح حدیبیہ کی شرائط درج ذیل تھیں:

- ☆ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- ☆ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن ٹھہر کر واپس ہو جائیں۔
- ☆ مسلح ہو کر نہیں آئیں گے، صرف تلوار ساتھ ہو وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان میں۔
- ☆ مکہ مکرمہ میں مقیم مسلمانوں کو ساتھ نہیں لے جائیں گے اور مسلمانوں سے کوئی مکہ رہے تو رکاوٹ نہیں بنیں گے۔
- ☆ کفار سے کوئی مدینہ منورہ چلا جائے تو واپس کرنا ہوگا، اگر کوئی مسلمان مکہ چلا گیا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔
- ☆ قبائل عرب میں سے جو جس کے ساتھ چاہے، معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

اس معاہدے کے بعد حضور علیہ السلام نے صحابہ کو سر منڈانے اور احرام کھولنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے ذرا توقف کیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور علیہ السلام سے مشورہ عرض کیا کہ حضور! آپ فوراً احرام کھول دیں صحابہ نے بھی یہ دیکھ کر احرام کھول دیئے۔

سوال: حضور سید عالم ﷺ نے بذریعہ خواب عمرہ کرتے دیکھا مگر عمرہ نہ ہوسکا؟

جواب: یہی سوال سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس سال کا ذکر تو نہیں کیا۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں حضور سید عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک نمایاں پہلو ایفائے عہد بھی ہے اسی مناسبت سے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس عنوان پر بھی چند سطور لکھ دی جائیں۔

☆ عہد کے معنی کس چیز کی مسلسل حفاظت اور خبر گیری کرنا ہے۔ عہد کا استعمال پختہ وعدہ کے لئے بھی آتا ہے، ذمہ داری اور ان کو بھی عہد کہتے ہیں اور یہ وفاداری کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ عہد کی پابندی صفات خداوندی میں سے ایک صفت ہے۔ قرآن مقدس فرماتا ہے:

((لا یخلف اللہ المیعاد))

''اللہ تعالی وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔''

اللہ تعالی جل مجدہ اپنے بندوں سے بھی چاہتا ہے کہ وہ عہد پورا کیا کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

((و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسولا))

''عہد پورا کیا کرو کہ عہد کے متعلق (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی۔''

ایک اور مقام پر قرآن کریم نے اللہ تعالی کے نیک بندوں کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

((و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا))

''(نیک بندے وہ ہیں) جو عہد کر کے پورا کرتے ہیں۔'' (البقرہ)

ایک مقام پر قرآن مقدس نے عہد کی پابندی کی صفت امانت کے ساتھ ذکر فرما کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے جس طرح امانت کی ادائیگی اللہ تعالی کی طرف سے لازم کر دی گئی ہے۔

((ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا))

''اللہ تعالی جل مجدہ حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو۔''

عہد کو امانت کے ساتھ ذکر کر کے بھی اسی اصول کا پابند رہنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

((والذین ھم لامانتھم و عھدھم راعون))

''وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھتے ہیں۔'' (المومنون)

اسی ایفاء کے عنوان کو قرآن مجید نے اس طرح بھی فرمایا ہے:

((الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق))

''اور وہ اللہ تعالی کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے اور اسے مضبوطی کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔'' (الرعد)

اس آیت مبارکہ میں ایفائے عہد کے سلسلہ میں یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدوں کا
ہے جواز ل میں لیے گئے ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ایفائے عہد، دیانت اور امانت کے اصولوں کو اس قدر اجاگر و نمایاں فرمایا ہے جس
مثال ناپید ہے۔ یہی وہ تین اوصاف ہیں جو اصلاح معاشرہ کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ ناپ تول، قرض کی ادیگی، مالی اخ
انداز بھی عہد کی مختلف صورتیں ہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کتاب الادب میں "حسن العهد من الايمان" کا باب باندھا ہے:

''عہد کی پابندی ایمان سے ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

((لا دين لمن لا عهد له))

''جس میں عہد نہیں اس میں ایمان نہیں۔'' (مشکوۃ، کتاب الایمان)

حضور سید عالم ﷺ کی صفت ایفائے عہد ایک ایسی عظیم صفت ہے کہ دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ جب روم کے بادشاہ قیصر
ابوسفیان سے سوالات کئے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ابوسفیان یہ بتاؤ محمد ﷺ نے کبھی تم سے بدعہدی بھی کی ہے۔؟ تو ابوسفیان
اس وقت مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

ابو رافع قریش مکہ کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے۔ حضور سید عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو
کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔ عرض کرتے ہیں:

''حضور! میں اب کفار میں نہیں جاؤں گا۔''

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ سفیروں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم واپس جاؤ۔ اگر دل کی یہی حالت رہے تو پھر آجانا۔''

چنانچہ واپس آ گئے اور بحالت اسلام آئے۔ (سیرت ابن ہشام)

سیدنا عبداللہ بن ابی الحمسا فرماتے ہیں:

''اعلان نبوت سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے کوئی معاملہ طے کیا تھا کہ کچھ معاملہ باقی تھا میں نے وعدہ کیا پھر آؤں گا۔
آپ فرماتے ہیں: میں گھر جا کر یہ وعدہ بھول گیا، تین دن تک یاد نہ آیا، تیسرے دن جب جائے وعدہ پر پہنچا تو حیران ہوا کہ
حضور ﷺ اسی جگہ منتظر تھے، آپ نے ناراضگی نہیں فرمائی، صرف اس پر اکتفا کیا: میں کئی دن سے یہاں منتظر ہوں۔''

(سنن ابی داؤد، صفحہ ۴۶۰، جلد ۲، کتاب الادب)

اس عظیم واقعہ یعنی صلح حدیبیہ سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوئے:

1: صلح کی طے شدہ شرائط میں کسی ایک شرط کی خلاف ورزی بھی بدعہدی ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے ابو جندل اور ابو بصیر کو واپس فرما دیا۔

2: عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل فرمایا۔

3: کسی بھی معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہوں اور یہ دستاویزی ثبوت دونوں کے ہاں ہونا چاہئے۔ جیسے اس معاہدہ کی ایک نقل حضور سید

عالمﷺ کے پاس تھی دوسری سہیل بن عمر کے پاس۔
4: زبانی کلامی صلح سے کہیں زیادہ عمدہ بہتر اور مضبوط بات یہ ہے کہ تحریر ہو۔
5: اسلام اور کفر کے درمیان کسی بھی اصلاحی پہلو پر صلح ہو جائے تو قباحت نہیں۔
6: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس معاہدہ پر سیدنا فاروق اعظم پریشان تھے جبکہ صدیق اکبر مطمئن تھے۔
7: اگر صلح میں اسلام کا فائدہ نہ ہو تو مرعوب ہو کر صلح کرنا درست نہیں اور اس صلح حدیبیہ میں بے شمار فوائد تھے۔
8: معاہدہ میں طے شدہ مقامات کے علاوہ مقامات مستثنیٰ ہوں گے۔ ابو جندل اور ابو بصیر کا مدینہ سے باہر ڈیرا لگانا معاہدہ کے خلاف نہیں۔
9: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا قیام تو حل میں تھا مگر نمازیں حد حرم میں ادا فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا لاکھ ثواب مسجد حرام سے ہی نہیں بلکہ حرم کی حد میں جہاں بھی پڑھے لاکھ کا ثواب ہوگا۔
10: حد حرم میں نماز پڑھنے کو حد حل پر ترجیح دی جائے جیسے صلح حدیبیہ میں ہوتا رہا۔
11: قیام امن کے لئے اپنے کسی ایسے موقف سے ہٹ جانا جس میں قباحت نہ ہو جائز ہے، حضور علیہ السلام نے سہیل بن عمر کے اصرار پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے باسمک اللھم پر اکتفا فرمالیا۔
12: حضور علیہ السلام سے صحابہ کا بیعت کرنا دراصل خدا سے معاہدہ ہے، جیسے دوسری جگہ انما یبایعون اللہ سے واضح ہے۔
13: حضور سید عالمﷺ نے مختلف امور پر بیعت لی۔ کبھی اسلام پر، کبھی برائیوں سے بچنے پر، کبھی شرک نہ کرنے پر، کبھی زنا اور چوری سے الگ تھلگ رہنے پر، کبھی اولاد قتل نہ کرنے پر، کبھی بہتان نہ لگانے پر، کبھی فرائض کی ادیگی پر، کبھی والدین کے ساتھ حسن سلوک پر، کبھی اطاعت امیر پر، کبھی جہاد پر، اس جگہ جہاد پر بیعت لی گئی۔ (فتح الباری، صفحہ ۶۰، جلد ۱) (کنز العمال، صفحہ ۲۵، جلد ۱)
14: حضور علیہ السلام کا اپنے ہاتھ کو عثمان غنی کا ہاتھ قرار دینا سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہے۔
15: عثمان غنی کے مکہ مکرمہ ہونے اور حضور علیہ السلام کا مقام حدیبیہ میں ان کی بیعت لینے سے معلوم ہوا کہ غائبانہ بیعت درست ہے۔
16: بیعت رضوان میں شامل سبھی جنتی ہیں، ان کے متعلق غلط وہم گمان گمراہی ہے جیسا کہ لقد رضی اللہ سے ظاہر ہے۔

فصل نمبر 12:

فتح مکہ

اسلام کے انمٹ نقوش میں فتح مکہ مکرمہ بھی ہے جسے زبردست تاریخی حیثیت حاصل ہے، اپنے تو اپنے بیگانے بھی اعتراف حقیقت کے بغیر نہیں رہ سکے۔ معاہدہ حدیبیہ ختم ہو جانے پر تجدید صلح کے لئے ابوسفیان مدینہ منورہ روانہ ہوئے کہ حضورﷺ سے مل کر اس کام کو انجام تک پہنچائیں۔ ابوسفیان نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضری دی۔ حضور علیہ السلام کا بستر بچھا تھا ابوسفیان نے وہاں بیٹھنے کا ارادہ ہی کیا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ باپ بیٹی سے پوچھتا ہے:

''کیا یہ بستر میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا گیا ہے۔؟''

بیٹی جھنجھلا کر بولی:

''نہیں نہیں تو اس قابل نہیں کہ اس بستر پر بیٹھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، یہ سید الانبیاء کا بستر ہے۔ یہ حبیب خدا کا بستر ہے۔''

باپ نے غصہ سے کہا:

''ہوئے بیٹی! تو گمراہ ہوگئی۔''

ام حبیبہ نے کہا:

''نہیں میں تو شرک کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں چلی گئی ہوں۔ ابا! آپ پر تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر بھی پتھروں کو پوجتے ہیں۔'' (زرقانی، صفحہ ۲۸۳، جلد ۲، سیرۃ ابن ہشام)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ کے انداز گفتگو سے مایوس ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہو کر تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے جواب نہ دیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سفارش کی درخواست کی۔ آپ نے معذرت کر دی، پھر یہی سفارش سیدنا عمر بن الخطاب سے عرض کی آپ نے انکار کر دیا۔ پھر یہی درخواست سیدنا علی المرتضی سے کی۔ آپ نے فرمایا:

''اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کوئی فیصلہ کر چکے ہیں، پھر یہی درخواست سیدہ فاطمۃ الزہرہ سے کی اور کہا کہ آپ حسن سے فرمادیں کہ وہ سفارش کریں۔ سیدہ نے فرمایا:

''حسن بچے ہیں۔ پناہ کے مسائل سے انہیں کیا دلچسپی۔''

آخر خود ہی مسجد شریف میں حاضر ہوئے اور تجدید عہد کی بات کی، مگر بغیر جواب لئے واپس لوٹے۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو حضور ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، دس ہزار فوج کی قیادت فرمائی۔ اس فتح کا ذکر کتاب استشنا صفحہ ۳۳ اور غزل الغزلات باب ۵ میں بھی درج ہے:

☆ ''خداوند! سینا سے آیا فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔''

☆ اس مبارک سفر میں حضور ﷺ جب مقام کدید پر پہنچے تو صحابہ کرام کے چہروں پر سفر، تھکان اور مشقت دکھائی دی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کی مشقت کے پیش نظر روزہ افطار فرمایا، صحابہ نے ایسا ہی کیا۔ اگر اس شدت میں روزہ رکھا جاتا جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا ہونے میں تساہل پیدا ہوتا، اسی وجہ سے حدیث پاک میں ہے:

((لیس من البر الصیام فی السفر))

''سفر میں روزہ بھلائی نہیں۔''

☆ مریض اور مسافر کے لئے اگر چہ افطار جائز ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے۔ مقام کدید پر حضور ﷺ اور دس ہزار صحابہ کرام کے روزہ کھولنے کا ذکر تو بخاری شریف میں بھی ملتا ہے مگر قضائی یا کفارہ کا ذکر کہیں نہیں۔ سفر میں روزہ رکھنا اور ہے مگر روزہ رکھ کر نبھانا اور ہے یہاں روزہ رکھ کر افطار کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ مقام کدید سے چل کر مر الظہران پہنچے وہاں پڑاؤ کیا۔ ہر خیمہ کے آگے آگ جلانے کا حکم دیا گیا۔ یہ عرب کا رواج بھی تھا مگر دشمن پر ہیبت ڈالنا بھی مقصود تھا کہ آگ دیکھ کر دشمن مرعوب ہو جائے۔ ابو سفیان اور ان کے ساتھی حالات کا جائزہ لینے کے لئے مر الظہران پہنچے، سیدنا عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے آواز پہچان لی اور فرمایا:

''ابو سفیان! آج تو بچ کر نہیں جا سکتا۔''

ابوسفیان نے رہائی کی صورت پوچھی، آپ نے فرمایا:

''بس ایک ہی صورت ہے کہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہو جا۔''

حضرت عباس نے اپنے خچر پر سوار کر لیا۔ جونہی خیمہ فاروق سے گزر ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے ابوسفیان کو پہچان لیا، تعاقب کیا، دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی:

''حضور! ابوسفیان قابو آ گیا ہے، اجازت فرمایئے گردن اڑا دوں۔''

جناب عباس نے عرض کی: حضور! میں پناہ دے چکا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ، صبح میرے ہاں لے آنا۔''

صبح ہوتے ہی حضرت عباس نے سراپا جرم کو سراپا کرم کے حضور پیش کر دیا، خطا کا پتلا، صاحب عطا کے سامنے حاضر ہے۔ ابوسفیان محسوس کر رہے ہیں کہ میری زیادتیوں کے انتقام کا مسئلہ دکھائی نہیں دیتا۔ شرم کے مارے پسینے چھوٹ رہے ہیں۔ یہ شرم کے آنسوؤں کے قطرات ہی ہیں جو درجات کو بلند کر دیتے ہیں۔

گردن خم ہے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں، کریم ہیں جو کرم فرما رہے ہیں۔ غصہ کا نام نہیں، انتقام کا تصور نہیں۔ جرائم کو یاد دلانے کی طرف توجہ بھی نہیں، مجرم مانگ رہا ہے، کریم دے رہا ہے۔ ابوسفیان امن رحمت میں آ جاتے ہیں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ابوسفیان کے قبول اسلام کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور ابوسفیان مکہ کا سردار ہے، فخر کو پسند کرتا ہے، کوئی ایسا تحفہ بھی عطا فرما دیں جس سے یہ فخر کر سکے اور مطمئن ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جو حرم شریف کے اندر ہوگا اسے امن ہوگا۔ ابو سفیان عرض کرتے ہیں: حضور! مسجد حرام شریف بھی تھوڑی ہی ہے، اس میں کس قدر لوگ سما سکیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جو دروازہ بند کرے گا، ہماری فوجیں اسے بھی کچھ نہیں کہیں گی۔ عرض کی: اس میں وسعت ہے۔ حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو گئے کہ لشکر کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ ابوسفیان اس عظیم منظر کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہو گئے۔ اور کہا: عباس! تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ملک ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ ابوسفیان کے سامنے سے فوجی دستے گزرتے گئے، ان کی حیرت بڑھتی گئی، مختلف فوجی دستوں نے اپنے اپنے قبائل کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔

مہاجرین وانصار کے گروہ مسلح گزر رہے ہیں، مہاجرین کا جھنڈا سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہے اور انصار کا سیدنا سعد بن عبادہ کے، سعد بن عبادہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو جوش میں آ کر نعرہ لگایا:

((الیوم یوم الملحمہ))

''آج کا دن لڑائی کا دن ہے۔''

((الیوم نستحل الکعبہ))

''آج کعبہ میں قتل وقتال جائز ہوگا۔''

ابوسفیان نے حضرت عباس سے تفصیل لی، یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت عباس نے فرمایا: یہ مہاجرین وانصار ہیں۔ یہ نعرہ لگانے والے سعد بن عبادہ ہیں۔ جب حضور ﷺ کا گزر ہوا تو ابوسفیان نے سعد بن عبادہ کے جذباتی نعرہ کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اباسفیان الیوم یوم المرحمہ))

''اے سفیان! آج کا دن رحمت کا دن ہے۔''

ابوسفیان کی اس شکایت پر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جھنڈا سعد بن عبادہ سے لے کران کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔

☆ ابوسفیان کی حوصلہ افزائی کے لئے جھنڈا حضرت سعد سے لے گیا، مگر حضرت سعد کی دل شکنی کے خیال سے انہیں کے بیٹے قیس کو دے دیا۔ گویا حضور علیہ السلام نے حکمت عملی سے کام لیا۔ ابوسفیان کی شنوائی ہوگئی، حضرت سعد کو تنبیہ ہوگئی، حضرت قیس کو جھنڈا دینے میں اس خاندان کا وقار بھی بحال رہا۔

جب ۲۰ رمضان ۸ھ حضور سید عالم فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے تو دیدنی منظر تھا، حضور ﷺ کے سامنے کعبۃ اللہ کا احترام بھی ہے اور فاتحانہ جذبات بھی، مگر دونوں کیفیتیں ایسا حسین امتزاج ہیں جس کی مثال نہیں۔

☆ سیدنا عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ محبوب پاک اونٹنی پر سوار ہیں اور پرسوز لہجہ میں: انا فتحنا لك فتحاً مبيناً کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ فتح مکہ کی خوشی میں چہرہ مبارک چمک رہا ہے، مگر عجز و انکساری کی انتہا ہے کہ گردن جھکی ہوئی ہے، ریش مبارک کجاوہ سے لگ رہی ہے، آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہے۔

☆ ابوسفیان خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر آپ نے یہ سورۃ بھی تلاوت فرمائی:

((" اذا جاء نصر الله و الفتح"))

★ کبھی وہ وقت تھا اسی مقدس شہر سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا، آج وہی شہر ہے جس میں کل کا مہاجر آج فاتح کی حیثیت سے داخل ہو رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہوئے تو سب سے پہلے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا اسے صلوۃ الفتح کہا جاتا ہے۔ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے سعد بن ابی وقاص نے مدائن کی فتح پر نماز ادا فرمائی۔

☆ پھر حضور ﷺ شعب ابی طالب پر تشریف لے گئے یہیں آپکا خیمہ لگایا گیا تھا، اسی مقام پر کبھی بنی ہاشم کو محصور کیا گیا تھا اور ان سے سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا تھا۔ (زرقانی، صفحہ ۳۲۴، جلد ۱)

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ فاتحانہ انداز میں مسجد حرام شریف میں داخل ہوئے تو کعبہ شریف کے گرد سجائے تین سو ساٹھ بتوں کو خاک میں ملا دیا، اس طرح سے دنیا میں بسنے والوں کو ایک خدائے قدوس جل مجدہ وحدہ لا شریک لہ کا تصور دیا جس بت کی طرف چھڑی کا اشارہ فرماتے وہی الٹا گر جاتا، اس وقت آپ اس آیت کی بھی تلاوت فرما رہے تھے:

((قل جاء الحق و زهق الباطل))(خصائص کبری، صفحہ ۲۶۴، جلد ۱)

☆ فتح الباری ص ۱۴ جلد ۸ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ اس بت شکنی کے بعد حضور سید عالم ﷺ عثمان بن طلحہ کو لے کر کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے، دیکھا کہ وہاں تصویریں ہیں، تمام تصاویر کو مٹانے کا حکم دیا، مٹانے کے بعد انہیں آب زمزم سے دھلوایا گیا، اور نماز ادا فرمائی۔ (زرقانی، صفحہ ۳۳۶، جلد دوم)(فتح الباری، صفحہ ۱۴، جلد ۸)

آپ بیت اللہ شریف کے تمام کونوں میں پھرے تو حمد و تکبیر کی آوازیں بلند فرمائیں۔ کعبہ شریف کے اندر باہر کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد حضور پر نور ﷺ نے بیرونی مقامات پر بت شکنی کا اہتمام فرمایا۔ ۸ ہجری میں خالد بن ولید کو جمعیت کے ساتھ سواع کو توڑنے بھیجا ۲۶ رمضان ۸ھ کو سعد بن زید اشہلی کو منات تباہ کرنے بھیجا۔

سیدنا بلال، سیدنا اسامہ خدام خاص ساتھ حاضر تھے۔ فراغت کے بعد دروازہ کھولا تو باہر عظیم اجتماع تھا، یہ رمضان المبارک کی ۲۰ تاریخ تھی، اسی جگہ کھڑے ہو کر آپ نے عظیم تاریخی خطبہ فرمایا۔

یہ مقدس خطبہ زبردست تاریخی حیثیت کا حامل ہے، اس خطبہ شریف کے ایک ایک فقرہ پر مبسوط کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۰۰، جلد ۴ میں ہے:

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، دشمنوں کی تمام قوتوں کو اس نے تنہا شکست دی، آگاہ ہو جاؤ جو دیت جانی ہو یا مالی جس کا دعوے ہو سکے وہ تمام میرے قدموں کے نیچے ہیں (باطل ہیں) ہاں بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا معاملہ حسب معمول رہے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص غلطی سے قتل کیا جائے کوڑے یا لاٹھی سے اس کی دیت مغلظہ ہوگی، (۱۰۰ اونٹ) جس میں ۴۰ حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا، سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی ہے، اس کے بعد یہ آیۃ شریفہ تلاوت فرمائی:

((یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر))

پھر فرمایا:

اے قریش! تم میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوگے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا: آپ ہم سے بھلائی کریں گے، کہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے۔ آپ نے فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

((لا تثریب علیکم الیوم))

''آج تم پر کوئی عتاب نہیں۔ آپ سب آزاد ہیں۔''

تاریخی خطبہ کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی، ابومحذورہ جمحی نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتاردی، حضور سید عالم ﷺ نے بلالیا۔ ابومحذورہ فرماتے ہیں: مجھے ڈر تھا اس نقل کی وجہ سے قتل کیا جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اذان سناؤ۔ ڈر گئے، حوصلہ دیا گیا تو اذان سنا دی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے پیشانی پر بوسہ دیا اور دعا فرمائی، ابومحذورہ فرماتے ہیں: میری درخواست پر حضور ﷺ نے مجھے مکہ مکرمہ کا موذن مقرر فرمادیا۔ تقرری کے وقت ان کی عمر ۱۶ برس تھی۔ تا زیست موذن رہے، آپ کی اذان لوگوں میں اذان بلالی کے بعد متعارف ہوگئی۔

والنغمات من ابی محذورۃ

لاافعلن فعلۃ مذکورۃ

حضور سید عالم ﷺ طواف سے فارغ ہو کر صفا کی طرف بڑھے، دیر تک دعا میں مصروف رہے، انصار کا جم غفیر ہے۔ صحابہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے، زبانوں پر حمد وشکر کے نغمے ہیں۔ پیشانیاں عجز و انکساری سے سجدہ ریز ہیں۔ مجمع سے بعض نے کہہ دیا:

''مکہ فتح ہو گیا ہے، یہ آپ کا آبائی وطن ہے، آپ یہاں نہ رک جائیں اور مدینہ منورہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔''

یہ سننا تھا کہ زبان رسالت سے ارشاد جاری ہوا:

''اے صحابہ سن لو! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا سن لو: 'تمہاری زندگی میری زندگی،تمہاری موت میری موت۔''

یہ سن کر جان نثار صحابہ کی آنکھوں سے موتیوں کی برسات شروع ہوگئی کہ ہم پر محبوب پاک علیہ السلام کا اس قدر کرم ہے، صحابہ نے عرض کی:

حضور ہمیں خطرہ ہوگیا تھا کہیں ہم اس شمع روشن کے استفادہ سے محروم نہ ہو جائیں اور یہ شمع مقدس ہماری محفل سے اٹھا نہ لے جائے۔اے اللہ کے محبوب! ہم جان نثار خدام حاضر ہیں،اور ہر قسم کے ایثار کے لئے تیار ہیں۔''

حضورﷺ مردوں سے بیعت لے کر فارغ ہوئے تو خواتین کی بیعت شروع فرمائی،عورتوں سے بیعت کا یہ طریقہ تھا: زبانی اعتراف وتوبہ کرواتے۔کسی غیرمحرم کے ہاتھ کو حضور علیہ السلام کے ہاتھ نے کبھی مس نہیں فرمایا۔کپڑے کے ذریعے بیعت فرماتے یا پھر پانی کا پیالہ منگوا کر اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے،پھر خاتون کو ہاتھ ڈالنے کا حکم دیتے۔اسی ضمن میں ہندہ بنت عتبہ ابوسفیان کی اہلیہ حاضر ہوئیں، چہرے پر نقاب تھا اور یہ شرم کے باعث تھا کہ ہندہ نے میدان احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا، جھجک تھی کہ مجھے پہچانا نہ جائے۔

ہندہ: حضور آپ ہم سے کیا عہد لے رہے ہیں۔؟

حضورﷺ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، چوری نہ کرنا۔

ہندہ: کبھی کبھار شوہر کے مال سے لے لیتی ہوں، نہ معلوم وہ چوری ہے یا نہیں۔

حضورﷺ: ضرورت کے مطابق شوہر کے مال سے اتنا لے سکتی ہے جو تیرے بچوں کو کفایت کر سکے۔

ہندہ: کوئی اور بات ہے تو فرما دیجئے۔

حضورﷺ: زنا سے بچتے رہنا۔

ہندہ: بھلا شریف عورت زنا کر سکتی ہے۔؟

حضورﷺ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ: ہم نے تو بچوں کو پالا، آپ نے انہیں بدر میں مار ڈالا۔

حضورﷺ: کسی پر بہتان نہ لگانا۔

ہندہ: اللہ کی قسم! بہتان باندھنا بڑا ہی جرم ہے۔

حضورﷺ: کسی کار خیر کا انکار نہ کرنا۔

ہندہ: آپ کی نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں۔

حضورﷺ نے عمر بن الخطاب سے بیعت لینے کا حکم فرمایا اور بیعت کے بعد آپ نے ہندہ کے لئے دعا فرمائی۔

(کامل ابن اثیر، صفحہ ۹۷، جلد۲)

☆ قبول اسلام کے بعد ہندہ نے عرض کی: حضور! قبول اسلام سے پہلے آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہیں جانتی تھی، قبول اسلام کے بعد آپ سے زیادہ کسی کو پسندیدہ نہیں سمجھتی۔

اس کے بعد گھر گئیں اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا، اور کہا:

''خدا کی قسم! تمہاری وجہ سے ہی دھوکہ میں تھے۔'' (زرقانی، صفحہ ۳۱۶، جلد۳) (اصابہ، صفحہ ۴۲۰، جلد۴)

چند ایسے افراد بھی تھے جو فتح مکہ کے بعد از خود ہی ڈر کر مکہ مکرمہ سے بھاگ گئے، انہوں نے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ کہا تھا عفو عام کے بعد خاص مجرموں کو بھی معاف فرمایا۔ ان میں چار خواتین تھیں، باقی مرد، جن کی تفصیل یہ ہے:

حویرث بن نقید۔ عبداللہ بن زبعری۔

کعب بن زہیر۔ وحشی بن حرب۔ عبداللہ بن ابی رہب۔

خواتین یہ ہیں:

سارہ۔ قریبہ۔ فرتنی۔ ہندہ بنت عتبہ۔

☆ ان میں سے جو بھی حاضر ہوا اور معذرت کی معاف فرما دیا گیا۔ ان میں سے چند افراد کے واقعات درج کئے جا رہے ہیں جنہیں بالآخر دربار رسالت ہی پناہ ملی۔

عکرمہ بن ابی جہل کی حاضری: یہ انہیں افراد میں سے ایک ہیں جن کا خون مباح کر دیا گیا تھا، فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے تھے، ان کی بیوی بنت حارث اسلام لے آئیں اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کی امان چاہی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کی درخواست کو قبول فرما لیا۔ عکرمہ مکہ مکرمہ سے بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچ چکے تھے، ابھی کشتی میں سوار ہی ہوئے تھے کہ طوفان میں پھنس گئے۔ عکرمہ نے لات و عزیٰ کو پکارا مگر بات نہ بنی، کشتی والوں نے کہا: ''عزیٰ'' کام نہیں دے سکے گا۔ ایک خدا کو پکارو تو عکرمہ نے کہا:

((اللهم لك عهد ان عافيتنى مما انا فيه ان اتى محمداً حتى اضع يدى فى يده''))

''اے اللہ! اگر تو اس مصیبت سے بچا لے تو میں تیرے حضور عہد کرتا ہوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں) حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤں گا۔''

ادھر بیوی نے اپنے شوہر عکرمہ سے کہا: اپنے آپ کو ہلاک مت کرو، میں نے تیرے لئے دربار رسالت سے امان حاصل کر لی ہے، چلو دربار رسالت میں حاضری دو۔ عکرمہ بیوی کے ساتھ روانہ ہو گئے، ادھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پہلے ہی فرما دیا:

((''ياتيكم عكرمة مؤمناً''))

''عکرمہ مومن ہو کر حاضر ہو رہا ہے۔''

☆ میاں بیوی نے حاضری دی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے، برملا صداقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کیا، پھر دعا کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مغفرت فرمائی، بس گزر گیا جو گزر گیا، اس کے بعد ساری زندگی دین متین کی خدمت کے لئے کمربستہ رہے۔ روحانی انقلاب کا عالم یہ تھا کہ تلاوت قرآن کریم کرتے تو غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے: یہ میرے رب کا کلام ہے۔

☆ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کے خلاف صف آرائی فرمائی تو سیدنا عکرمہ ایک جماعت کے سالار قافلہ کی حیثیت سے بڑھ رہے تھے، جنگ اجنادین میں شہید ہوئے جسم اطہر پر ستر سے زیادہ زخم لگے تھے۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر، صفحہ ۱۵۰، جلد ۳

☆ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت عکرمہ کے ہاتھوں ایک شخص شہید ہوا تھا حضور نے خبر ملنے پر فرمایا:

''قاتل اور مقتول دونوں جنتی ہیں۔''

یہ حضرت عکرمہ کے قبول اسلام اور ایمان پر موت کی طرف اشارہ تھا۔

ہبار بن اسود سے حسن سلوک: ہبار وہ شخص تھا جس نے مسلمانوں کو مبتلائے عذاب رکھنے میں کوئی کمی نہ کی تھی۔اسی نے ہی حضورﷺ کی بیٹی حضرت زینب کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا، اسی صدمہ سے حمل گر گیا، اسی تکلیف میں آپ کا انتقال ہوا، جب ہبار کو کہیں بھی پناہ نہ ملی تو آخر دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔صحابہ نے حیرت میں کہا: حضور! ہبار آ گیا ہے۔فرمایا: مجھے پتہ ہے۔حاضرین میں سے ایک قتل کے لئے اٹھا تو حضورﷺ نے روک دیا، ہبار حضورﷺ کے اس حسن سلوک سے اور متاثر ہوا، عرض کی: حضور! میں بھاگ کر چلا گیا تھا، غیروں سے تعلقات استوار کئے مگر بات نہیں بنی، میں پھر واپس آ گیا ہوں:

((فاصفح من ثجلي وعما كان بلغك عني فاني مقر بسوء فعلي معترف بذنبي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد عفوت عنك))

''حضور میری جہالت پر درگزر فرمایئے اور اسے معاف کیجئے۔جو کچھ مجھ سے آپ کو تکالیف پہنچی، میں اپنی بری حرکات اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تو حضورﷺ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا، تجھے اسلام کی ہدایت فرما دی اور اسلام پہلے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

وحشی بن حرب کی ندامت: یہ بھی ان لوگوں سے تھے جن کا خون مباح قرار دیا گیا تھا۔یہی وحشی تھے جنہوں نے حضورﷺ کے مقدس چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔یہ جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔جبیر اپنے چچا کا بدلہ لینا چاہتا تھا، وحشی سے کہا: اگر تو حمزہ کو قتل کر دے تو تجھے آزادی ہو گی۔فتح مکہ کے بعد طائف کے لوگوں کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے عرض کی: حضور! وحشی آ گیا ہے جس نے آپ کے چچا کو قتل کیا تھا آپ نے فرمایا: چھوڑ دو۔ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔حضور سید عالمﷺ نے حضرت وحشی سے حضرت حمزہ کی شہادت کا واقعہ دریافت فرمایا، حضرت وحشی نے نہایت ندامت و شرمندگی سے سنایا اور یہ محض تعمیل حکم تھی۔قبول اسلام کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت وحشی سے فرمایا:

''تم میرے سامنے نہ آیا کرو تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے عم محترم حضرت حمزہ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔''

حضرت وحشی اسی وقت محفل سے اٹھ کر باہر آ گئے اور پھر ساری زندگی سامنے نہ جا سکے، چونکہ حضور سید عالمﷺ کو ایذا دینے بچتے تھے، جب کبھی محفل میں حاضر ہوتے تو پس پشت بیٹھ جاتے اور ہمیشہ کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں رہتے کہ اس گناہ کا کفارہ ادا کر سکیں۔حضور سید عالمﷺ کے وصال کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے ٹکر لی، آپ کی کمان میں یہ حضرت وحشی بھی تھے، اچانک حضرت وحشی کی نظر مسیلمہ پر پڑی جو ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، گویا ایک بھورے رنگ کا اونٹ کھڑا تھا۔آپ نے فوراً حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔آپ فرمایا کرتے تھے:

''دور جاہلیت میں مجھ سے خیر الناس شہید ہوا تو دور اسلام میں نے شر الناس کو بھی ہلاک کیا ہے۔''

جس طرح حضرت وحشی نے حضرت حمزہ کو نیزہ مارا تھا اسی طرح اسے بھی مارا۔(ابن ہشام، ۸۱، جلد ۲) (زرقانی، صفحہ ۲۱۶، جلد ۲)

حضرت وحشی فرمایا کرتے تھے:

((''الحمد لله الذى اكرمه بيدى ولم يهني بيده''))

''اللہ کا شکر ہے جس نے حضرت حمزہ کو میرے ہاتھوں شہادت کی عزت بخشی اور مجھے ان کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا۔''

اس لئے اگر وحشی سیدنا حمزہ کے ہاتھوں مارے جاتے تو کفر کی موت تھی جو ذلت ہے، رسوائی ہے۔

کعب بن زہیر دربار رسالت میں: یہ بھی ان افراد میں سے ایک ہیں جن کا خون مباح کر دیا گیا تھا، حضرت کعب عرب کے فخر الشعراء تھے، آپ کی تصنیف قصیدہ بانت سعاد مشہور تالیف ہے، اس کا ایک ایک لفظ مولوئے آبدار اور ایک ایک مصرع مطلع الانوار ہے۔ حضرت کعب کو اپنے دادا ابی سلمی سے شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ قبول اسلام سے پہلے حضور علیہ السلام کے زبردست مخالف تھے، شاعری کے زور میں لوگوں کو اسلام میں آنے سے روکتے تھے، فی البدیہہ شعر کہنے کا زبردست ملکہ تھا۔ کسی بھی مشاعرہ میں ان کا کلام وجد طاری کر دیتا تھا، اللہ درک کے نعروں سے آسمان گونج جاتا۔

☆ شعر میں حضرت کعب کی قدر و منزلت کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے حطیہ جو عرب کے مشہور شعراء سے ہے وہ حضرت کعب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے مشہور کرنے کے لئے اپنی شاعری میں اس کا تذکرہ کرے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت کعب نے اس کا ذکر اس طرح کیا:

((فمن للقافی شانما من یحو کھا اذا ما مضی کعب وفوز جدول))

''شاعری کی سرپرستی کون کرے گا جب کعب چل بسے گا اور جرول حطیہ وفات پا جائے گا۔''

☆ یہ کہا جائے تو بالکل صحیح و درست ہے، عرب کے گلستان شعراء انتہائی خوبصورت مہکتے ہوئے پھول حضرت کعب ہی ہیں۔ آپ بچپن سے ہی شعر سے لگاؤ رکھتے تھے، ان کے والد انہیں روکتے تھے، کہیں غلط اشعار کی طرف نہ چل جائے، مگر نہ رکے۔ ایک دن والد نے انتہائی سخت امتحان لیا، ردیف قافیہ، زمین کا بغور جائزہ لیا اور کامیاب پایا تو باقاعدہ شاعری کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ نے شاعری کی نگری میں داخل ہو کر مختلف گلیوں، کوچوں کا چکر لگایا، نہایت عمدہ اور پر زور شاعری میں ماہر ہو گئے۔

☆ حضرت کعب فرماتے ہیں: میں نے بہت سے دوستوں سے تعاون چاہا مگر سبھی سے انکار کر دیا:

وقال کل خلیل کنت امله

لا الھینك انی عنك مشغول

''ایک دوست نے جس سے میں نے امداد چاہی جواب دیا کہ مجھ سے کسی امداد کی توقع نہ رکھ میں خود اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں تجھے کیا کروں۔؟''

فقلت لھم خلوا سبیلی لا ابالکم

فکل ماقدر الرحمن مفعول

''جب میرے احباب نے میری امداد سے انکار کر دیا تو میں نے کہا: مجھے خدا کے حوالے کر دو جو قدرت کو منظور ہے وہ ہو جائے گا۔''

انبت ان رسول الله اوعدنی

والعفو عند رسول الله ماء مول

''مجھے پتہ چلا ہے رسول اللہ ﷺ نے (فتح مکہ کے بعد) میری گرفتاری کا حکم دے رکھا ہے اور رسول اللہ کی درگاہ سے مجھے بخشش کی امید ہے۔''

فقد انبت رسول الله معتذرا

''میں رسول اللہ کی بارگاہ میں عذر خواہ آیا ہوں اور آپ کی درگاہ معلیٰ میں عذر قبول ہوتا ہے۔''

☆ حضرت کعب مدینہ منورہ کے ایک جہینی دوست کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حاضر ہو کر دست ب... اور عرض کی: حضور کعب تائب ہو کر آنا چاہے تو معافی مل سکتی ہے۔ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کی: حضور! کعب حاضر ہے۔

☆ ایک انصار نوجوان نے عرض کی: حضور مجھے اس کے قتل کی اجازت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ... ہو کر ہمارے ہاں پناہ لیتا ہے اسلام قبول کرتا ہے، ہم اس کو پناہ دیتے ہیں، اور زمرہ اسلام میں داخل کرتے ہیں۔

کعب اخلاق کریمانہ سے مزید متاثر ہوئے اور اپنا نعتیہ کلام قصیدہ پڑھنا شروع کیا، بس کیا تھا صحابہ پر سکوت کا عالم طاری تھا، حضور علیہ السلام کبھی کعب کو دیکھتے کبھی صحابہ کو، جب حضرت کعب نے یہ شعر پڑھا:

الرسول النور سیتضاء به

مهند من سیوف الله مسلول

''رسول اللہ ﷺ نور ہیں جن سے کائنات جگمگا رہی ہے۔''

ہر طرف سے جزاک اللہ، اللہ درک کے نعرے بلند ہوئے۔ حضور سید عالم ﷺ نے صلہ میں، چادر مبارک جو اس وقت اوڑھے ہوئے تھے عطا فرمائی۔ حضرت کعب نے یہ چادر چوم کر سر پر رکھ لی، کس قدر خوش نصیبی ہے، یہ چادر مبارک تاج شاہی سے بڑھ کر ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا کعب کو اس چادر کے بدلے دس ہزار درہم پیش کئے مگر آپ نے معذرت کر دی۔ حضرت کعب کے وصال کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں یہ چادر حاصل کر لی، اسی چادر کو خلفاء عباس تاج پوشی کے وقت سر پر رکھتے تھے۔

خوش قسمت بوڑھا: فتح مکہ سے لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو ایک دن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے والد ابو قحافہ کو لے کر حرم شریف میں حضور سید الانبیاء ﷺ کے حضور پیش کیا اور درخواست کی کہ میرے والد کو دامن رحمت میں جگہ دی جائے، حلقہ اسلام میں داخل کیا جائے۔ حضور سید عالم ﷺ فداہ ابی و امی نے صدیق اکبر سے فرمایا:

((ملا ترکت الشیخ فی بیته حتی اکرون اتیه فیه))

''ابوبکر! بوڑھے کو گھر ہی کیوں نہ رہنے دیا میں خود وہاں چلا جاتا۔؟''

صدیق اکبر عرض کرتے ہیں:

((هوا حق ان یمشی الیك))

''حضور اس کا زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ چل کر آئے۔''

اس کے بعد حضور ﷺ نے ابو قحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ بس ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ تمام قسم کے اختلافات، کدورتیں ختم ہو گئیں بڑھاپے کے باعث حضرت ابو قحافہ کے بال سفید ہو چکے تھے، فرمایا: خضاب لگا لیا کرو مگر سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔

ابو قحافہ کے قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے قبول اسلام پر مبارک دی۔

(سیرۃ حلبیہ، صفحہ ۲۱، جلد ...)

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے حضور سید عالم ﷺ نے فوج کو جو ہدایات جاری کی ہیں انہیں پڑھنے سے وہ تمام شک وشبہات جو غیر مسلم اقوام کی طرف سے اسلام پر ظاہر کئے جاتے ہیں سب ختم ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ہتھیار ڈال دینے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جانے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ ابوسفیان کے گھر پناہ لینے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ حکیم بن حزام کے گھر جانے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۶۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

۷۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

۸۔ اپنے گھر کے اندر بیٹھنے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

غیر مسلم پریس کو سوچنا چاہئے کہ اس قسم کے مشفق و مہربان قائد، سراپا رحمت قائد، عفو درگزر کرنے والے قائد پر بے جا الزامات تشدد عائد کرنا کہاں تک صحیح ہے۔

باب نمبر 12:

مکہ مکرمہ کی متعدد مساجد میں جمعہ کا اجراء اور باتھ روم اور وضو کے لئے انتظامات

فصل نمبر 1:

مکہ کے مختلف محلوں میں جمعۃ المبارک کی نماز کا اجراء

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ میں نماز پنجگانہ باجماعت اور جمعہ کی ادائیگی ممکن نہیں تھی، اس لئے وہاں جمعہ جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح ہونے پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے مقرر فرمایا۔ جنہوں نے جمعہ بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ کی آبادی بھی بڑھتی گئی، لیکن اس کے باوجود سب لوگ مسجد حرام ہی میں جمعہ پڑھنے کیلئے جمع ہوتے تھے۔ معلاء، حجون، معابدہ، مسفلہ اور جرول جیسے دور دراز محلوں سے ہر موسم میں لوگ بڑی رغبت اور محبت سے حرم شریف میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے رہے۔

یہ سلسلہ ۸ ہجری سے ۱۳۷۵ ہجری تک جاری رہا۔ پھر جب شہر کی آبادی میلوں دور تک پھیل گئی اور لوگ ضروریات زندگی کے لئے مختلف محلوں میں آباد ہو گئے تو سہولت اور آسانی کے ساتھ حرم شریف میں جمعہ کے لئے آنا ممکن نہ رہا۔ آبادی کی وسعت کے ساتھ نئی مساجد کی تعمیر بھی ناگزیر تھی۔ چنانچہ ۱۳۷۵ ہجری مطابق ۱۹۵۵ء تک ۱۵۰ مساجد معرض وجود میں آ چکی تھیں۔ علاوہ ازیں حرم شریف کی توسیع و تعمیر کا ایک جامع منصوبہ بھی شروع کیا جا رہا تھا۔ ان حالات و ضروریات کے پیش نظر حکومت نے متعدد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ اس اعلان عام کے بعد محکمہ اوقاف کی تفصیلات کے مطابق ۱۳۸۴ ہجری مطابق ۱۹۶۴ عیسوی میں حسب ذیل مساجد میں جمعہ پڑھا جانے لگا:

۱۔ مسجد جن۔
۲۔ مسجد سلیمانیہ۔
۳۔ مسجد جمیزہ۔
۳۔ محلّہ معابدہ۔
۴۔ مسجد امیرہ۔
۵۔ محلّہ حجون۔
۶۔ مسجد حمدان الفرج۔
۷۔ محلّہ عتیبیہ۔
۸۔ مسجد ابن رشد الہمدانی۔

فصل نمبر2:

حرم مکہ میں باتھ روم اور وضو کے لئے انتظامات

حرم شریف کے چاروں طرف طہارت اور وضو کے لئے وسیع پیمانہ پر بے حد عمدہ انتظام کیا گیا ہے۔ ۲۶ شوال ۱۴۰۲ ہجری مطابق ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء کو حسب ذیل طہارت خانے موجود تھے۔

۱۔ باب المدینہ کے سامنے ۲۰ بیت الخلاء، ۵۱ وضو کے لئے ٹوٹیاں اور ۱۱ پنکھے لگے تھے۔ ان طہارت خانوں کو باب الندوہ کی طرف سے بھی راستہ جاتا تھا۔

۲۔ باب الفتح جس کا قدیم نام باب السلام ہے اس کے سامنے ۲۶ بیت الخلاء اور ۴۹ وضو کے لئے ٹوٹیاں تھیں۔ اسی دیوار کی دوسری جانب بھی ۵۵ ٹوٹیاں تھیں اس طرح کل ۱۰۴ ٹوٹیاں تھیں۔ اس حصہ میں روشنی کے لئے ۵۴ ٹیوب اور ۳ بلب لگے ہیں جب کہ ۱۲ پنکھے بھی آویزاں ہیں۔ ان کے متصل مغرب کی جانب زنانہ بیت الخلاء بھی تھے۔

۳۔ باب ملک عبدالعزیز کے جنوب مغرب کی جانب بازار میں زیرزمین ۲۶ سیڑھیاں اتر کر ۵۷ بیت الخلاء، ۸۷ وضو کے لئے ٹوٹیاں، ۳۰ پنکھے، ۷۰ ٹیوب لائٹیں اور ۱۰ بلب لگے ہوئے تھے۔

۴۔ باب الشبیکہ کے سامنے سڑک کی دوسری جانب ۱۷ طہارت خانے اور ۴۷ ٹوٹیاں، ۱۰ پنکھے اور ۹ ٹیوب لائٹیں تھیں۔ ان کے اوپر دوسری منزل میں زنانہ طہارت خانے بھی اتنی ہی تعداد میں تھے۔

۵۔ باب الوداع کے سامنے سڑک کی دوسری جانب ۱۶ بیت الخلاء اور ۱۳ وضو کے لئے ٹوٹیاں ۶ پنکھے اور ۸ لائٹیں تھیں۔ ان کے اوپر زنانہ بیت الخلاء بنے ہوئے تھے۔

۶۔ باب السلام کے سامنے یعنی صفا اور مروہ کے درمیان زیرزمین ۱۳۰ بیت الخلاء تین جگہوں میں اور ۲۶۰ وضو کے لئے ٹوٹیاں لگی تھیں۔ جب کہ ۱۳۲ پنکھے اور ۵۴ الائٹیں لگی تھیں۔ یہاں بھی ۲۵ سیڑھیاں نیچے اتر کر جانا پڑتا تھا، اس کے قریب ہی عورتوں کے لئے بھی زیرزمین بیت الخلاء بنے ہوئے تھے۔

علاوہ ازیں حجاج اور زائرین کی اکثریت گھروں اور ہوٹلوں میں وضو کرتی ہے یا حرم شریف میں آب زمزم کے ساتھ وضو کرتے تھے۔

۱۴۳۴ ہجری مطابق ۲۰۱۳ عیسوی تک مکہ مکرمہ کی ہر مسجد اور ہر پبلک پلیس نیز خانہ کعبہ کے تہ خانہ میں ہزاروں باتھ روم اور بہترین جدید ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ فقط کعبۃ اللہ میں گیارہ ہزار سے زائد باتھ روم اور چوبیس ہزار سے زیادہ ڈبل ٹوٹیاں ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر13:

کعبۃ اللہ کی چابی، دربان اور خدام

فصل نمبر1:

کعبۃ اللہ کی چابی اور دربان کعبہ

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ قصویٰ اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ تھے۔ حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے بیت اللہ شریف کے پاس اونٹنی کو بٹھایا۔ پھر عثمان بن طلحہ سے فرمایا: چابی لاؤ۔ وہ چابی لائے اور آپ نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت اسامہ، بلال اور عثمان بھی داخل ہوئے۔ پھر دروازہ بند کیا گیا اور کافی دیر تک آپ اندر ٹھہرے رہے۔ (متفق علیہ)

ابوالولید نے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ مجھے میرے دادا نے روایت بیان کی، وہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتا ہے، وہ ایوب سختیانی سے، وہ نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے، آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے موقع پر تشریف لائے اور آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ یہ اونٹنی حضرت اسامہ بن زید کی تھی۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے پاس پہنچ کر اونٹنی کو بٹھا دیا۔ پھر عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا: چابی لاؤ۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس چابی لینے گیا تو اس کی والدہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا: بخدا! تجھے چابی دینا پڑے گی، ورنہ یہ تلوار میری پیٹھ میں ٹھونک دی جائے گی۔ یہ بات سن کر اس کی ماں نے چابی دے دی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے چابی لے کر دروازہ کھولا اور اس میں داخل ہوئے۔

(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۸ تا ۲۶۴)

ابو ولید نے ہمیں بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھے میرے دادا اور ابراہیم بن محمد شافعی نے بیان کیا۔ وہ مسلمہ بن خالد زنجی سے بیان کرتا ہے، وہ ابن شہاب زہری سے، انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ شریف کی چابی عثمان بن طلحہ کو دی اور فرمایا:

''اے عثمان! اسے چھپالو''

پھر عثمان حجر اسود کی طرف گیا اور شیبہ کو پیچھے چھوڑا۔ اس نے چابی چھپالی۔

مجھے میرے دادا نے خبر دی، اس نے سعید بن سالم سے، اس نے ابن جریج سے، اس نے مجاہد سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول'' **ان اللہ یا مرکم ان تودو الامانات الی اھلھا** ''عثمان بن طلحہ کے حق میں ہے۔ آپ نے فتح مکہ کے روز کعبہ کی چابی لی اور اندر داخل ہوئے۔ پھر جب واپس باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان مبارک پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تھی۔ پھر آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر چابی اس کے حوالے کی اور فرمایا:

''اے بنی ابی طلحہ! اسے پکڑو اور سنبھالو۔ یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ تمہارے پاس سے سوائے ظالم انسان کے کسی کو چھیننے کی جرأت نہ ہوگی۔''

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آج تک میں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ آیت پہلے کبھی نہیں سنی۔

مجھے محمد بن یحییٰ نے خبر دی، اس نے کہا: ہمیں سلیم بن مسلم نے، وہ غالب بن عبداللہ سے، اس نے کہا: میں نے سعید بن مسیب سے سنا۔ انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کو فتح مکہ کے روز دی۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اے بنی ابی طلحہ! اسے پکڑو۔ یہ تمہاری موروث ہے۔ کافر کے سوا کوئی شخص چابی چھین کر تم پر ظلم نہیں کرے گا۔''

اس راوی کے علاوہ کسی اور سے سنا اس نے ''الا کافر'' کے بجائے ''الا ظالم'' کا لفظ بیان کیا۔ نیز مجھے محمد بن یحییٰ نے خبر دی، اس نے کہا: مجھے سلیم بن مسلم نے وہ عبدالوہاب بن مجاہد سے بیان کرتا ہے کہ یہ آیت

((ان اللّٰہ یأ مرکم ان تؤدو الامانت الی اھلھا))

مفتاح کعبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۸)

اسلام میں خانہ کعبہ کی دربانی کی خبر اور آنحضرت ﷺ کا عثمان بن طلحہ اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو چابی دینے کا واقعہ تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دور جاہلیت میں کعبہ شریف کا دروازہ پیر اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ آپ کے ہمراہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ میں نے آپ پر سختی کی اور آپ کو تکلیف دی۔ آپ نے میرے ساتھ تحمل کا برتاؤ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''اے عثمان! شاید تو جلدی ہی اس چابی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا۔ پھر میں جسے چاہوں گا دوں گا۔''

میں نے کہا:

''تو پھر اس روز قریش ذلیل وخوار ہوں گے اور ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''نہیں بلکہ اس وقت باعزت اور باوقار زندگی بسر کریں گے۔''

پھر آپ کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ آپ کی یہ پیشگوئی میرے ذہن میں اس طرح جاگزیں ہوئی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ ایک دن معاملہ ایسے ہی ہوگا جیسے آپ نے ذکر کیا ہے۔

جب فتح مکہ کا دن ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عثمان! چابی لاؤ۔ میں نے آپ کے حوالے کر دی۔ پھر آپ نے مجھے واپس دے دی اور فرمایا: اسے سنبھالو! یہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی اور تمہاری وراثت ہوگی۔ تم سے ظالم کے سوا کسی کو لینے کی جرأت نہ ہوگی۔ اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا۔ اس گھر کی برکت سے جو رزق تمہیں ملے، اسے اچھے طریقے سے کھاؤ۔''

پھر جب میں واپس گھر کو لوٹا تو مجھے بلایا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے پوچھا:

''کیا ایسا نہیں ہوا جیسا میں نے کہا تھا؟''

اس وقت مجھے آپ کا وہ قول یاد آ گیا جو آپ نے قبل از ہجرت مکہ معظمہ میں فرمایا تھا:

((لعلك ستری هذا المفتاح یوماً بیدی اصعه حیث شئت))

''جلدی ہی تم اس چابی کو میرے ہاتھ میں دیکھو گے، پھر میں جسے چاہوں گا دوں گا۔''

میں نے کہا: ہاں۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

ہمارے موجودہ زمانہ میں چابی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کی اولاد کے پاس ہے۔ یہ لوگ شیبیوں کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا دادا شیبہ زیادہ صحیح روایت کے مطابق فتح مکہ کے سال مسلمان ہوا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے۔ انہوں نے آپ سے روایت بیان کی ہے۔ کئی حفاظ، مؤرخین، اصحاب تراجم، سیرت اور مغازی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

''شیبہ بن عثمان عبدالدار بن قصی قرشی حجبی مکی تھے۔ ان کی کنیت ابوعثمان تھی۔ بعض نے کنیت ابوصفیہ بھی بیان کی ہے۔ ان کا باپ عثمان بن ابی طلحہ اوقص کے نام سے مشہور تھا۔ یہ جنگ احد میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ شیبہ بن عثمان فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور حنین کی جنگ میں شریک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جنگ حنین کے روز مسلمان ہوئے۔''

حضرت زبیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے روز شیبہ مشرک تھا۔ وہ آپ سے دھوکا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ارادۂ بد سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے دیکھا اور فرمایا:

''اے شیبہ! ادھر آؤ تمہاری ماں نہ ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر رکھا اور فرمایا: شیطان تم سے ناکام ہوا۔ پھر آپ نے اسے پکڑا اور کھینچا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ پھر وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو کر لڑنے لگا اور ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ پھر اس کا شمار بہترین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے چابی عثمان بن طلحہ اور اس کے چچا شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو دی اور فرمایا: اسے سنبھالو! یہ تمہاری وراثت ہے اور قیامت تک تمہارے پاس رہے گی۔ اے بنی ابی طلحہ! تم سے ظالم کے سوا کسی کو لینے کی جرأت نہ ہوگی۔ پھر فرمایا: ابی طلحہ کی اولاد خانہ کعبہ کی دربان ہوگی۔ عبدالدار کی اولاد کو یہ سعادت حاصل نہ ہوگی۔

حرم محترم کی حفاظت، صفائی اور جانوروں وغیرہ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے دروازوں پر دربان مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو اس ذی وقار خدمت پر عالم اور متقی حضرات کو مامور کیا گیا، لیکن ان کے حفظ مراتب اور ادب و احترام میں کمزوری کے باعث عام لوگوں کو تعینات کیا جانے لگا، جیسا کہ مؤرخ شہیر الشیخ عبداللہ الغازی المتوفی ۱۳۶۵ ہجری اپنی کتاب ''افادۃ الانام بذکر اخبار بلد اللہ الحرام'' میں لکھتے ہیں:

''۸۴۰ ہجری میں حج کے موقع پر فقہاء اور قضات کی جگہ فقراء اور مساکین لوگوں کو بطور ملازم مقرر کیا گیا۔ جو شب و روز حرم ہی میں رہتے تھے اور وہ دربار حرم شریف کی صفائی اور نگہداشت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے اور انہیں دس اشرفیاں ماہوار دی جاتی تھیں۔''

ایام حج کے علاوہ صرف چار دروازے ہمہ وقت کھلے رہتے تھے:

باب السلام۔ باب العمرہ۔

باب ابراہیم۔ باب الصفا۔

۱۳۹۷ ہجری میں تیس دربان متعین تھے، جن کا تعلق عام لوگوں سے تھا۔ جن میں زیادہ تعداد اہل یمن کی تھی۔

بعد میں ہر ایک دروازہ پر ایک سے زائد دربان مقرر کئے گئے، جن میں برقہ پوش عورتیں بھی خدمت پر مامور تھیں۔ حرم محترم اور زائرین کی حفاظت کی غرض سے سامان کی چیکنگ بھی دربان کرتے ہیں۔

ابھی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے دربانوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن حرم شریف میں صحابہ کرام کے درمیان رونق افروز تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بلال کو ارشاد فرمایا کہ عثمان بن طلحہ سے کہو کہ کعبہ شریف کی چابی لے کر آئے۔ جب سیدنا بلال نے اسے پیغام نبوی پہنچایا تو اس نے اثبات میں جواب دیا، لیکن چابی اس کی والدہ سلافہ بنت سعد کے پاس تھی۔ اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ عثمان نے والدہ سے کہا:

''اگر آج چابی ان کے سپرد نہ کی گئی تو یقیناً مجھے قتل کر دیا جائے گا۔''

یہ سن کر والدہ نے اسے چابی دے دی، تو وہ لے کر نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور آپ دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ بن زید، بلال بن رباح اور عثمان بن طلحہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے اندر نماز پڑھی۔ جب باہر تشریف لائے تو چابی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ سیدنا عباس چاہتے تھے کہ جس طرح ہمارا قبیلہ سقایہ کی خدمت انجام دے رہا ہے، اسی طرح حجابہ کی خدمت بھی انہیں عنایت کر دی جائے لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی بات تسلیم نہ فرمائی اور چابی پھر عثمان کو عنایت فرما دی اور فرمایا:

''اے عثمان کی اولاد! اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ امانت ہمیشہ کے لئے قبول کرو۔ اب سوا ظالم کے یہ امانت تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔''

ایک روایت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لئے عثمان سے چابی مانگی، مگر اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ بڑی شیخی دکھائی تھی، نبی کریم ﷺ نے بڑی متانت سے فرمایا:

''عثمان! ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عنایت کروں گا۔''

عثمان کہنے لگا:

''اگر ایسا ہوا تو پھر قریش ہلاک اور ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔''

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ وہ اس دن آباد اور عزت والے ہو جائیں گے۔''

چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے چابی عثمان کے سپرد کرتے ہوئے زمانہ جاہلیت کی بات یاد دلائی، تو عثمان نے کہا:

''بے شک آپ کا ارشاد پورا ہو گیا۔'' (اخبار مکہ، ۱۸۶)

علامہ ابن کثیر نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے کعبہ کے کنجی بردار عثمان کو فتح مکہ کے دن بلایا اور چابی طلب فرمائی، جب وہ دینے لگے تو سیدنا عباس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! چابی مجھے دے دیں، تاکہ میرا خاندان جو زمزم پلانے کی خدمت انجام دے رہا ہے، کلید برداری کی خدمت بھی انجام دے۔''

یہ سن کر عثمان نے ہاتھ روک لیا۔ حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ طلب فرمائی، تو پھر وہی واقعہ ہوا۔ جب سہ بار طلب فرمائی تو عثمان نے یہ کہتے ہوئے آپ کے حوالے کر دی:

''اللہ کی امانت آپ کے سپرد کر دی۔''

چنانچہ آپ دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے، بتوں اور تصویروں کو توڑ کر باہر پھینک دیا۔ آپ نے حضرت ابراہیم کے بت کے ہاتھ میں تیر دیکھ کر فرمایا:

''خدا مشرکین کو غارت کرے! بھلا خلیل اللہ کو تیروں سے کیا تعلق ہے؟''
حضور ﷺ نے کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور ایک طویل خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:
''جاہلیت کے تمام جھگڑے خواہ مالی ہوں یا جانی میں نے پاؤں تلے کچل دیئے ہیں۔ البتہ کعبہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب حسب سابق قائم رہے گا۔ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ نے بھی چابی کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

((ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا))

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کے حوالہ کر دو۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، پارہ ۵، آیت ۵۸)
علامہ حسین عبداللہ لکھتے ہیں:
''کعبہ شریف کی سدانت یعنی کلید برداری کا منصب سیدنا اسماعیل کے بعد ان کے بڑے بیٹے ثابت کو ملا، ان سے جرہم کو اور پھر خزاعہ اس خدمت پر قابض ہو گئے، صدیوں بعد یہ منصب قصی بن کلاب بن مرہ کو ملا۔ پھر جب اس نے مکہ مکرمہ کی سلطنت کے عہدے اپنے بیٹوں میں تقسیم کئے تو یہ خدمت عبدالدار کے حصے میں آئی۔ پھر اس کا بیٹا عثمان اس منصب پر تعینات ہوا۔ بعد میں عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار، اس کے بعد ابوطلحہ عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عثمان کو یہ منصب ملا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن شہ کونین ﷺ نے یہ امانت انہی کو عنایت فرما دی۔ جب حضرت عثمان ہجرت کر کے مدینۃ الرسول ﷺ چلے گئے تو یہ خدمت اپنے چچیرے بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے حوالہ کر دی۔ پھر شیبہ کے بعد اس کی اولاد اور اس کے چچازاد بھائی وہب بن عثمان بھی اس خدمت پر مامور رہے۔ حتیٰ کہ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ اور مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپس آ گئے اور وہ بھی اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ چنانچہ اب تک یہ منصب انہی کی اولاد میں چلا آ رہا ہے۔'' (تاریخ کعبہ، عنوان سدانۃ الکعبہ)
ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ شیبہ بنی شیبہ کا دادا تھا اور خانہ کعبہ کی دربانی کی سعادت اسے حاصل تھی۔ آج تک یہی لوگ کعبہ شریف کی چابی سنبھالے ہوئے ہیں۔ کسی نے ان سے چابی چھیننے کی کوشش نہیں کی۔ یہ شیبہ صفیہ بنت شیبہ کا باپ تھا۔ حضرت معاویہ کی خلافت کے آخری ایام میں ۵۹ھ میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید کے عہد حکومت میں فوت ہوئے۔ بعض لوگوں نے اسے مولفۃ قلوبہم کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور یہ ان لوگوں میں سب سے افضل تھے۔
شروع میں خانہ کعبہ کی دربانی محمد بن زین العابدین بن محمد عبدالمعطی شیبی کے پاس تھی اور آج تک آل شیبہ ہی چابی کے مالک ہیں۔
یہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد کعبہ شریف کا دربان مقرر ہوا۔ اس وقت یہ بچہ ہی تھا۔
آل شیبہ کی نسل آج تک کعبہ شریف کی دربان ہے۔ آل شیبہ سے مراد شیبہ کے پوتوں کی اولاد ہے۔ سعودی حکومت میں تمام مجاوروں کا رئیس شیخ محمد بن صالح بن احمد بن محمد بن زین العابدین شیبی تھا، یہ ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوا۔ یہ اپنے والد شیخ عبدالقادر بن علی شیبی جو شیبہ کا پوتا تھا کی وفات کے بعد ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ کو مجاوروں کا رئیس بنا۔
ان کے بعد دیگر شیبی حضرات اس عہدے پر فائز رہے۔
شیخ محمد بن صالح سے ایک عرصہ پہلے یہ خدمت عبداللہ بن شیبہ الاعجم کے سپرد تھی۔
۱۰۸۰ میں عبدالواحد بن محمد جمال الدین بن القاسم بن ابوالسعود اس خدمت پر فائز ہوئے۔

۱۲۱۰ہجری عبدالقادر الشیبی موصوف کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ خدمت دوبارہ محمد بن زین العابدین کے سپرد کر دی گئی۔ان کا وصال ۱۲۵۳ہجری میں ہوا۔

محمد بن زین العابدین کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے الشیخ عبدالقادر بن محمد کو اس خدمت پر ۱۲۵۳ہجری میں تعینات کر دیا گیا۔ سات سال تک یہ خدمت سرانجام دینے کے بعد وہ ۱۲۶۰ہجری واصل باللہ ہو گئے۔

شیخ عبدالقادر کے بعد ان کے بھائی سلیمان کو ۱۲۶۱ہجری میں اس خدمت پر مامور کیا گیا۔

سلیمان کے انتقال پر ۱۲۶۲ہجری ان کے بھائی جعفر کو تعینات کیا گیا۔

جعفر کے بعد انہی کے بھائی الشیخ احمد کو تعینات کیا گیا۔

۱۲۷۴ہجری کو شیخ احمد کے انتقال پر ان کے بھائی عبداللہ فائز ہوئے،جن کا انتقال ۱۲۹۶ہجری کو ہوا۔

عبداللہ کے بعد الشیخ عمر بن جعفر ۱۳۰۴ہجری تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

عمر بن جعفر کے انتقال پر الشیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ۱۳۱۱ہجری تک اس خدمت پر فائز رہے۔

بعد ازیں عبدالرحمٰن سے چابی واپس لے کر الشیخ عبدالرحمٰن کے سپرد کر دی گئی۔

عبدالرحمٰن الشیخ کے بعد چابی الشیخ محمد صالح بن احمد بن محمد الشیبی کے سپرد ہوئی۔

محمد صالح کی معزولی کے بعد الشیخ عبدالرحمٰن الشیبی ۲۴ سال تک اس خدمت پر متمکن رہے۔

۱۳۳۵ہجری میں ان کے وصال پر الشیخ عبدالقادر بن علی بن محمد الشیبی مقرر ہوئے،ان کا وصال ۱۳۵۱ہجری میں ہوا۔

بعد میں انہی لوگوں کی نسل میں سے ان کے پوتوں اور ان کی اولاد کے سپرد یہ خدمت ہوتی چلی گئی،چنانچہ الشیخ محمد بن محمد صالح بن احمد بن محمد بن زین العابدین جن کی ولادت ۱۲۹۳ہجری میں ہوئی تھی،گیارہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ہجری کو اس خدمت پر فائز ہوئے۔

۱۳۸۲ہجری میں موصوف کے انتقال پر الشیخ امین بن عبداللہ الشیبی کے سپرد یہ خدمت کی گئی۔

موجودہ دور میں بہت سے آل شیبہ کے افراد مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں،جیسا کہ صدر مجلس شوریٰ،صدر محکمہ اوقاف برائے حرمین شریفین اور منتظم فسٹ ایڈ وغیرہ

ماضی میں آل شیبہ کے دو افراد بہت مشہور گزرے ہیں:

۱۔شیخ محمد جبس۔

۲۔شیخ محمد عبداللہ بن عبدالقادر بن محمد زین العابدین شیبی۔

فصل نمبر 2:

خدامِ کعبہ

خادم اول......سیدنا ابراہیم و اسماعیل:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں یعنی حج کے لئے لوگوں کو دعوت دیں اور اس گھر کا حج کریں جس کو تعمیر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔حضرت ابراہیم کہنے لگے:

''الٰہی!میری آواز تمام لوگوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تمہارا کام آواز دینا ہے۔ آواز پہنچانا میرا کام ہے۔''

چنانچہ آپ ایک بلند مقام پر کھڑے ہوگئے۔ بعض روایات میں ذکر ہے کہ ایک پتھر پر کھڑے ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ صفا پہاڑی یا جبل ابی قبیس پر کھڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ سب سے اونچے پہاڑ پر ہیں۔ اس دن روئے زمین کے تمام لوگ آپ کے لئے اکٹھے کئے گئے۔ جب جنگلوں میں رہنے والے اور پہاڑوں پر رہنے والے سب اکٹھے اور جمع ہو گئے تو اس وقت آپ نے تمام انسانوں اور جنوں کو پیغام الٰہی سنایا، آپ نے انگلی کان میں داخل کی اور آواز دی:

((یا ایها الناس ان ربکم قد اتخذ بیتاً فحجوه))

''اے لوگو! یہ تمہارے رب کا گھر ہے اس کا حج کرو۔''

یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ پہاڑ آپ کے لئے متواضع ہوئے اور آپ کی آواز تمام روئے زمین پر پہنچ گئی، یہاں تک کہ ان لوگوں نے بھی سنی جو ابھی تک شکم مادر یا پشت فادر میں تھے۔ ہر انسان، حیوان، پتھر اور درخت وغیرہ نے جو سات زمینوں کے نیچے تھے اور مشرق سے مغرب تک زمین کے کناروں تک رہنے والوں نے جواب دیا:

''لبیک اللهم لبیک'' (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۶۷) (تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، صفحہ ۲۱۶)

بعض علماء نے پیدل چل کر تلبیہ پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ چلنے پر قادر ہو کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیدل چلنے والوں کو سوار ہونے والوں سے مقدم بیان کیا ہے، لیکن اکثر علماء کا رجحان اس طرف ہے کہ سوار کا حج پیدل چلنے والے سے افضل ہے۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے باوجود استطاعت کے سواری پر حج کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے مؤذن ہیں جنہوں نے حج بیت اللہ کے لئے لوگوں کو بلایا، تمام لوگوں نے لبیک کہا اور بہت فوائد حاصل کئے۔ دینی فوائد کے ساتھ ساتھ دینوی فوائد بھی حاصل کئے۔ آخرت کے منافع یہ ہوئے کہ اپنے رب کی اطاعت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کی۔ دنیوی منافع یہ ہوئے کہ آپس میں ایک دوسرے سے تعارف ہوا۔ ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ قائم ہوا۔ ان کے منافع یہ ہوئے کہ مختلف ممالک کے احوال اور وہاں کے باشندوں کی اشکال سے واقفیت حاصل ہوئی اور خاص طور پر ایمانی برکت کا اضافہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے یہ عہد لیا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے جو بیت اللہ کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے آتے ہیں، اس گھر کو پاک اور صاف رکھیں، تاکہ وہ منافع حاصل کریں اور ایام معلومات میں چوپایوں پر اللہ کا نام لیں۔ ایام معلومات سب سے افضل ہیں۔ ان دنوں میں انسان جو بھی عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((مامن ایام اعظم عند الله ولا احب الیه العمل فیهن من هذه الایام الحشر فاکثروا فیهن من التهلیل والتکبیر والتحمید))

''ان دس ایام میں جو عمل انسان کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے اور اس کی نگاہ میں سب سے زیادہ بڑا ہے۔ اس لئے ان ایام میں بکثرت تہلیل تکبیر اور تحمید کرو۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، صفحہ ۲۱۶)

امام احمد نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ بیشک یہ دس وہ ایام ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں قسم ارشاد فرمائی ہے۔

((و الفجر و لیال عشر))

"مجھے فجر اور دس راتوں کی قسم ہے۔"

کیونکہ یہ ایام اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین ہیں۔

مزید کسی دوسری جگہ بیان ہوگا۔

صفائی کا محکمہ

حطیم اور مطاف میں صفائی کرنے والے خدام کو "اغوات" کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ "آغا" کی جمع ہے۔ اس سلسلے کے بانی اور ... امیر المومنین سیدنا معاویہ ہیں جنہوں نے شام سے غلاف کعبہ کے ساتھ خدام کعبہ بھی بھیجے اور یہ طریقہ بعد کے خلفاء میں بھی رائج ... اگر چہ اس وقت غلام اس خدمت پر مامور کئے جاتے تھے، مگر موجودہ دور میں آزاد افراد ہوتے ہیں۔ جنہیں والدین اور خویش واقارب کعبہ شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رئیس ہوتا ہے، ان کا مخصوص بیت المال قائم ہے، ... ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔

مطاف اور حطیم کی صفائی کے علاوہ مطاف اور باب کعبہ پر قندیلیں روشن کرنے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی، لیکن جب ... استعمال ہونے لگی، یہ صرف مطاف اور حطیم کی صفائی کا کام کرتے ہیں۔ ان کے مختلف عہدے اور درجات بھی ہیں، جب کوئی آغا ... سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے "نفرا" کہتے ہیں اور پھر وہ خدمت کرتے کرتے "شیخ المفتاح" کے عہدہ تک ترقی کر جاتا ہے۔ اس عہدہ دار کے پاس اس مکان کی چابی ہوتی ہے، جہاں مطاف کی قندیلیں اور صفائی کا دوسرا سامان رکھا جاتا ہے۔ بعد ازاں اسے دوسرے عہدہ پر ترقی دی جاتی ہے، ان کی خدمت کے اعتبار سے حسب ذیل عہدے ہوتے ہیں:

۱۔ البطالین۔ ۲۔ حمزی۔ ۳۔ نقیب۔ ۴۔ شیخ الاغوات۔

ترقی کا دارومدار خدمت پر ہوتا ہے، جتنا زیادہ عرصہ خدمت کی ہوگی، اتنی ہی زیادہ ترقی ملے گی۔

البطالین: مطاف، حطیم اور مطاف کے گردونواح میں صفائی کرنا۔

حمزی: بیت المال کے انچارج ہوتے ہیں، پھر حمزی سے نقیب اور اس کے بعد شیخ المفتاح یا شیخ الطائفہ کا عہدہ ملتا ہے۔

(تاریخ الکعبہ، صفحہ ۳۲۶)

امام ازرقی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ شریف کی خدمت کے لئے زمانہ جاہلیت میں بھی خدام مقرر کئے جاتے تھے، وہ بھی غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے تھے، اور اسلام میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے طواشی کا مقرر ہونا:

البتہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حرم شریف کی خدمت کے لئے طواشی (ہجڑے) کب اور کس نے مقرر کئے۔ اگر چہ ابراہیم رفعت پاشا نے "مرآۃ الحرمین" میں لکھا ہے کہ ابوجعفر المنصور المتوفی ۱۵۸ ہجری نے سب سے پہلے طواشی مقرر کئے، لیکن تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ امر یقینی ہے کہ طواشی مسجد نبوی میں پہلے مقرر کئے گئے اور بعد میں حرمین شریفین میں تعینات ہوئے۔ جب کہ مسجد نبوی شریف میں سلطان نور الدین شہید نے ۵۵۷ ہجری میں تحفہ کے طور پر طواشی بھیجے۔ علاوہ ازیں ابن جبیر اندلسی ۵۷۹ ہجری میں مکہ شریف گیا اور وہاں آٹھ ماہ قیام کیا۔ موصوف نے کعبہ شریف، حرم محترم اور مکہ شہر کی ہر ایک چیز کی تفصیلات بیان کی ہیں، لیکن طواشی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح ابن بطوطہ ۷۲۵ہجری میں حج بیت الحرام کے لئے گیا تو اس نے اپنے سفرنامہ میں مسجد نبوی شریف کے اغوات یعنی طواشی کا ذکر تو کیا ہے مگر مسجد حرام میں طواشی کا تذکرہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس خدمت پر ہجڑے مقرر کرنے کا دستور نہیں تھا۔

۱۳۸۵ہجری میں اغوات کی تعداد ۴۴تھی، یہ شریف اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا لباس مخصوص ہوتا ہے، سر پر سفید پٹکہ اور سفید ہی لمبا کرتا، مطاف کی صفائی کا کام دن رات ان ہی کے سپرد ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں خطبہ کے وقت خطیب صاحب کی خدمت بھی کرتے ہیں اور خطبہ کے دوران چھتری سے ان پر سایہ کرتے ہیں، انہیں کسی وجہ سے بھی اس خدمت سے الگ نہیں کیا جاتا تھا، گویا کہ ان کی ساری زندگی اس خدمت کے لئے وقف ہوتی ہے۔

(تاریخ القویم، جلد۴، عنوان اغوات مسجد الحرام)

باب نمبر 14:

کعبۃ اللہ کی یاد تازہ کرنے والے......ایام ذی الحجہ، عید الاضحیٰ اور قربانی

ذوالحجہ کے مہینہ میں مسلمانوں کے لیے حج اور قربانی دو بڑی بابرکت خوشیاں اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ حج اور قربانی دونوں عبادتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق پختہ کرنے کا بڑا موثر ذریعہ ہیں اور ساری دنیا کے مسلمان اپنے اپنے حصہ کے مطابق ان کی برکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

مہینوں کی تعداد:

اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض))

(التوبۃ)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں، جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا کیے۔"

مہینوں کے نام:

اسلامی احکامات میں جو بارہ مہینے معتبر ہیں اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہیں:

محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الثانی
جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب	شعبان
رمضان	شوال	ذی القعدہ	ذی الحجہ

امام قرطبی لکھتے ہیں:

((وانه سبحانه وضع هذه الشهور وسماها باسماء ها))

"اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو مقرر فرمایا اور ان کے نام رکھے۔" (قرطبی، صفحہ۱۲۲، جلد۸)

حرمت والے چار مہینے:

ان بارہ مہینوں میں چار مہینے خصوصی ادب اور حرمت والے ہیں، جیسا کہ اسی آیت میں ارشاد ہے:

((ومنھا اربعۃ حرم))

''اوران میں سے چار مہینے ادب والے ہیں۔یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب'' (التوبۃ:٣٦)

ان مہینوں میں جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑے کی سخت ممانعت ہے، یہ معاملہ زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے اور اسلام نے بھی اسے قائم ودائم رکھا۔

ذی الحجہ کا مہینہ ان ہی چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے۔

ذی الحجہ (قربانی والے مہینے) کے بارے میں دس احکامات:

غور کریں تو قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کے ساتھ دس اہم ترین احکام جڑے ہوئے ہیں۔ وہ دس احکامات یہ ہیں:

1: حج بیت اللہ۔
2: قربانی۔
3: عیدالاضحیٰ۔
4: تکبیرات تشریق۔
5: عشرہ ذی الحجہ کے روزے۔
6: یوم عرفہ کا روزہ۔
7: چار ایام میں روزہ کی حرمت۔
8: لیالی عشر کی فضیلت۔
9: بال اور ناخن نہ کٹوانا۔
10: گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام۔

احکام عشرہ......حج بیت اللہ:

حج ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ لازم ہے اور یہ عبادت صرف اسی مہینے کے مخصوص ایام میں ادا کی جاسکتی ہے۔

احکام عشرہ......قربانی:

یہ عبادت صرف اسی مہینے کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔

احکام عشرہ......عیدالاضحیٰ:

قربانی، نماز، خوشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو دعوت کا دن اسی مہینے میں ہے۔

احکام عشرہ......تکبیرات تشریق:

ذی الحجہ کے مہینے کی ۹ تاریخ کی فجر سے لے کر ۱۳ کی عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیرات پڑھنا واجب ہے۔تکبیرات تشریق یہ ہیں:

((اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد))

احکام عشرہ......عشرہ ذی الحجہ کے روزے:

اس مہینے کے پہلے نو دنوں میں روزے رکھنے کا بڑا اجر وثواب ہے۔

احکام عشرہ......یوم عرفہ کا روزہ:

اس مہینے کی نو تاریخ جسے یوم عرفہ کہا جاتا ہے، اس کا روزہ رکھنے کا خاص اجر حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

احکام عشرہ......چار ایام میں روزہ کی حرمت:

اس مہینے کے چار دن، یعنی دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کو روزہ نہیں رکھا جاسکتا۔

احکام عشرہ......لیالی عشر کی فضیلت:

اس مہینے کی پہلی دس راتوں کی بڑی فضیلت ہے۔

احکام عشرہ......بال اور ناخن نہ کٹوانا:

جن افراد نے قربانی کرنی ہو ان کے لیے سنت ہے کہ وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی ذبح ہونے تک اپنے بال اور ناخن نہ تراشیں۔(یہ حکم مستحب ہے)(راوی سیدہ عائشہ۔صحیح مسلم)

احکام عشرہ......گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام:

چونکہ یہ مہینہ حرمت والا مہینہ ہے اس لیے اس میں ظلم اور گناہ سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا لازم ہے۔

ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت:

☆ ذوالحجہ کے مہینہ کی اور بالخصوص پہلے دس دنوں کی بڑی فضیلت قرآن وحدیث میں آئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات))

''اور معلوم دنوں میں وہ اللہ کا ذکر کریں۔''(سورۃ حج)

اس آیت مبارکہ میں ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔(صحیح بخاری وتفسیر ابن کثیر)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مامن ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرۃ قالوایارسول اللہ والاالجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع من ذالک بشیء))(صحیح بخاری)

''بقرعید کے دس دنوں میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے زیادہ کسی زمانے میں بھی محبوب نہیں۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام کی عبادت سے افضل نہیں، مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان اور مال لیکر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹے۔''

☆ ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

(مامن ایام احب الی اللہ ان یتعبدلہ فیھا من عشرۃ ذی الحجۃ یعدل صیام کل یوم منھا بصیام سنتہ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر))

''جس قدر اللہ تعالیٰ کو ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی عبادت پسند ہے اتنی کسی اور زمانے کی نہیں۔ان دس دنوں میں روزہ رکھنے سے ایک روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ملتا ہے اور ان دنوں کی راتوں میں قیام کرنے سے شب قدر میں قیام کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔''(سنن ترمذی، ابن ماجہ)

☆ محدثین ومفسرین کرام فرماتے ہیں:

''رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتیں متبرک ہیں کیونکہ ان میں لیلۃ القدر ہے اور ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کے دن متبرک وافضل

ہیں، کیونکہ ان میں یوم عرفہ ہے۔"

نو ذوالحجہ (یوم عرفہ) کے روزے کی فضیلت:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کی نویں تاریخ کے روزہ کے بارے میں فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔ اور فرمایا
"محرم کی دسویں تاریخ کے روزہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔" (صحیح مسلم)

نمازِ عید کے مسائل

عید کے چند مسائل واحکامات درج ذیل ہیں:

☆: نمازِ عید کے لیے عیدگاہ جاتے ہوئے اور واپسی پر تکبیر بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔

☆: عیدگاہ میں جانے کے لیے ایک راستہ سے جائے اور واپسی پر دوسرے راستہ سے لوٹے۔

☆: عیدگاہ میں اطمینان کے ساتھ نماز پڑھے اور خطبہ سنے۔

☆ عید کے لیے اپنی طاقت کے مطابق بہترین لباس پہنے، خوشبو لگائے، غسل کرے اور مسواک کرے۔

☆: عیدالفطر میں کچھ کھا کر نماز کے لیے جانا اور عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے کچھ نہ کچھ کھانا نہ کچھ پینا مستحب ہے۔

☆: نمازِ عید کا وقت آفتاب بلند ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے۔

نمازِ عید پڑھنے کا طریقہ:

عیدین کی نماز اس پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے، نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ثناء آخر تک پڑھ۔ اور دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دئے جائیں اور چوتھی تکبیر کے بعد پھر ہاتھ باندھ لیے جائیں۔ ہر تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں۔ پھر امام سورۃ فاتحہ اور سورۃ ملائے اور مقتدی خاموش رہیں، اس طرح پہلی رکعت رکوع اور سجود کے ساتھ مکمل کریں اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں، امام سورۃ فاتحہ اور سورت ملائے اور رکوع میں جانے سے پہلے چار تکبیریں کہے، تین زائد تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دے اور چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع کے لیے کہے اور رکوع میں جائے۔ پھر نماز مکمل کرے۔ اور اس کے بعد امام دو خطبے عربی میں پڑھے اور دعا کرے۔

قربانی کے مسائل

قربانی اور اسلام:

قربانی اسلام کا ایک عظیم اور بے حد فضیلت والا حکم ہے۔ ہر زمانے میں مسلمانوں نے انتہائی عقیدت اور اہتمام کے ساتھ اس حکم کو پورا کیا ہے اور پورا پورا سال اس کی تیاری اور انتظام کیا ہے۔ مگر اب ملحدین اور نام نہاد روشن خیالوں نے مسلمانوں کے دلوں سے قربانی کی اہمیت کم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے، اس لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی اہمیت اور فضیلت پوری قوت کے ساتھ بیان کی جائے اور انہیں ملحدین کے ناپاک پروپیگنڈے سے محفوظ رکھا جائے۔

سنت ابراہیم اور امت مسلمہ:

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری چلادی اور عشق کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔آج ہم سے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کا تقاضہ نہیں کیا گیا بلکہ اپنے پاکیزہ مال سے ایک حلال جانور خرید کر ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ہمیں چاہئے کہ ہم پورے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ اس حکم کو پورا کریں اور اس میں بڑھ کر سبقت کریں۔

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی سے زیادہ افضل کوئی عمل نہیں اور یہ بھی وضاحت موجود ہے کہ قربانی کا جانور قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں پہنچ جائے گا اور قربانی کرنے والے کے لیے نجات کا سبب بنے گا۔

اللہ تعالیٰ کو تقویٰ پسند ہے:

اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا پوست نہیں پہنچتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی حاجت نہیں، اس کے ہاں اخلاص اور نیک نیتی پر ثواب ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

((لن ينال الله لحومها ولا دماء ها ولكن يناله التقوىٰ منكم كذالك سخرها لكم لتكبر والله علىٰ ما هداكم وبشر المحسنين))

"اللہ تعالیٰ کو نہ تو تمہاری قربانی کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون، لیکن اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔اسی طرح ہم نے ان (جانوروں) کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت سے نوازا اور محسنین کو خوشخبری دے دیجئے۔" (سورۃ حج، آیت نمبر 37)

لیکن افسوس کہ آج کچھ لوگ خلوص سے نہیں بلکہ ریاکاری کے لیے قربانی کرتے ہیں۔اور بعض بے دین تو اسے فضول رسم سمجھتے ہیں۔چنانچہ منکرین حدیث کا سرغنہ غلام احمد پرویز (ملعون) اپنی کتاب قرآنی فیصلے میں لکھتا ہے:

"ذرا حساب لگائیے کہ اس رسم قربانی کو پورا کرنے میں اس غریب عوام کا کس قدر روپیہ ضائع ہوتا ہے۔"

یہ صرف اس کی کوڑھ مغزی اور بدفہمی ہے، اس طرح کے لوگ احادیث کو نہیں مانتے اور امت میں انتشار وافتراق کا باعث بنتے ہیں۔

عید کے دن قربانی سب سے پسندیدہ عمل:

☆: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ماعمل ابن ادم من عمل يوم النحر احب الى الله من اهراق الدم وانه لياتى يوم القيامة بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم ليقع من الله بمكان قبل يقع بالارض فطيبو بها نفسا))

"یوم النحر یعنی قربانی کے دن اولاد آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی والا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔پس اے اللہ کے بندو! پوری خوشدلی کے ساتھ قربانی کرو۔" (جامع ترمذی وابن ماجہ)

☆: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ماانفقت الورق فی شیء احب الی الله من نحر ينحر فی يوم عيد))

''عید کے دن قربانی کا جانور خریدنے کے لیے پیسے خرچ کرنا اللہ کے ہاں اور کاموں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔''(الطبرانی)

ہر بال کے بدلے نیکی:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا:

((یارسول الله ماهذاه الاضاحی قال سنة ابيكم ابراهيم عليه السلام قالوا فما لنا فيها يارسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يارسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة))

''یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا: ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ صحابہ نے عرض کیا: اون کا بھی یہی حساب ہے؟ فرمایا: ہاں اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔(مسند امام احمد بن حنبل وسنن ابن ماجه)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا فاطمة قومی فاشهدی اضحيتك فان لك باول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب امام انه يجاء بدمها ولحمها فيوضع فی ميزانك سبعين ضعفا فقال ابو سعيد يارسول الله هذالال محمد خاصة فانهم اهل لما خصوابه من الخير اولال محمد وللمسمين عامة؟ فقال لال محمد خاصة وللمسلمين عامة))(ترغيب وترهيب)

''اے فاطمہ! جاؤ اپنی قربانی پر حاضری دو کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، نیز وہ جانور اپنے خون اور گوشت سمیت لایا جائے گا اور پھر اس سے ستر گناہ زیادہ ثواب تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ آل محمد کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ اس کار خیر کے زیادہ مستحق ہیں یا آل محمد اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آل محمد کے لیے بطور خاص ہے اور مسلمانوں کے لیے عام۔''

قربانی کتنے مال پر اور کس پر واجب ہے:

☆ جتنے مال پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اتنے مال پر قربانی کرنا واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو تو قربانی واجب تو نہیں ہے، لیکن اگر ہم

بھی کردے تو بہت ثواب پائے گا۔

☆ مزید وضاحت: جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہے، جس کا کم نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہے، تو اس پر قربانی واجب ہے۔ چاندی آج تقریباً ایک ہزار روپے تولہ ہے، یعنی اگر کسی کے پاس باون، بچپن ہزار روپے ہوں تو اس پر قربانی لازم ہے۔

☆ اس مال کا سامان تجارت ہونا بھی ضروری نہیں ہے اور نہ اس پر ایک سال کا گزرنا ضروری ہے۔

☆ جن عورتوں کے پاس مال ودولت ہے اور وہ نصاب یا اس سے زائد ہے اور ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہے یا زیورات وغیرہ ہیں تو ان پر اپنی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے۔

☆ جب کسی کے پاس زائد از ضرورت باون، بچپن ہزار روپے ہوں یا زائد سامان اتنی رقم کا پڑا ہو تو اس پر اپنی طرف سے اپنے نام کی قربانی کرنا واجب ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنا واجب ضرور ادا کرے۔

☆ جس پر قربانی واجب ہے وہ اگر اپنے والدین یا کسی اور رشتہ دار کی طرف سے قربانی کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ دو۲ قربانیاں کرے، ایک اپنی طرف سے اور دوسری ان کی طرف سے۔

☆ جس پر قربانی واجب ہو وہ اگر کسی اور کے نام کی قربانی کردے تو اس کی طرف سے یہ قربانی قبول نہ ہوگی، اسے دوبارہ اپنی طرف سے قربانی دینا واجب ہوگا۔

☆: ایک گھر میں باپ اور اولاد اکٹھی رہتے ہیں اور سب صاحب نصاب ہیں تو ہر ایک پر الگ الگ قربانی واجب ہے۔

☆ اگر کسی پر قربانی واجب نہ تھی اور اس نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا تو اس پر قربانی واجب ہوگئی۔

وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من وجد سعة لان يضحىٰ فلم يفس فلا يحضر مصلانا))

''جس شخص نے وسعت کے باوجود قربانی نہ کی تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب مت آئے۔'' (الترغیب والترہیب)

قربانی کی دعا:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سینگوں والے خصی مینڈھے اپنے دست مبارک سے ذبح فرماتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھوں کو قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھی:

((انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علیٰ ملة ابراهيم حنيفا وما انا من المشركين ان صلوتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العالمين لا شريك له وبذالك امرت وانا اول المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته (یہاں اپنا نام لے) **بسم الله والله اكبر))**

یہ پڑھ کر آپ نے ان مینڈھوں کو ذبح فرمایا۔ (ابن ماجہ، باب اضاحی رسول اللہ)

قربانی صرف تین دن...... چار دن قربانی کرنے کا ثبوت موجود نہیں:

مسئلہ: قربانی کرنے کے ایام صرف تین ہیں:

((عن سلمة بن اکوع قال قال النبی ﷺ من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وبقی فی بیته منه شیء)) (بخاری: جلد 2، صفحہ 835۔ مسلم: جلد 2، صفحہ 159)

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قربانی کرے، پس تیسری رات کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا موجود ہو۔''

((مالك عن نافع ان عبدالله ابن عمر قال الاضحی یومان بعد یوم الاضحی))

(موطا امام مالک: 497)

''حضرت امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی ذوالحجہ کی دس کے دو دن بعد تک کی جاسکتی ہے (یعنی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ تک قربانی کی جاسکتی ہے)''

((مالك انه بلغه عن علی ابن ابی طالب مثل ذالك))

''حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت علی سے صرف تین دن قربانی کرنے کی روایت پہنچی ہے۔'' (موطا امام مالک: ۴۹۷)

((حدثنی ابو مریم سمعت اباهریرة یقول الاضحیٰ ثلثة ایام)) (محلی ابن حزم: جلد ۷، صفحہ ۳۷۷)

چار دن قربانی کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ صحیح ابن حبان کی جس روایت (ابن حبان، جلد ۷ صفحہ ۶۲) کی جس روایت سے اس بات کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ چار دن قربانی کی جاسکتی ہے، اس روایت پر محدثین نے بہت جرح کی ہے اور بعض نے اسے منقطع بھی کہا ہے۔

قربانی رات کے وقت بھی کی جاسکتی ہے:

مسئلہ: قربانی کے تین دن اور دو راتیں ہیں۔

دن: دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ۔

راتیں: دس کے بعد والی رات اور گیارہ کے بعد والی رات۔

بارہ ذوالحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے پہلے تک قربانی کی جاسکتی ہے۔

افضلیت:

☆ دس ذوالحجہ کا دن قربانی کے لیے سب سے افضل دن ہے، پھر گیارہ اور پھر بارہ۔

قربانی کا ابتدائی وقت کونسا ہے:

نماز عید کی ادائیگی کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اگر کسی جگہ نماز عید نہیں ہوتی یا وہ دیہات ہے کہ نماز عید شرعاً واجب نہیں یا وہاں پڑھی نہیں جاتی تو وہاں بعد از نماز فجر قربانی کی جاسکتی ہے۔

ذبح کون کرے:

بہتر یہ ہے کہ قربانی دینے والا خود قربانی کو ذبح کرے۔(سنن ابن ماجہ) اور اگر وہ کسی دوسرے سے ذبح کرائے تو بھی جائز ہے، لیکن بہتر ہے کہ ذبح کے وقت وہاں موجود ہو، اگر عورت ہو تو وہ پردہ کا اہتمام کرے۔

ذبح کرنا ضروری ہے:

قربانی کا جانور اگر خرید کر زندہ صدقہ کر دیا تو قربانی ادا نہ ہوگی، ذبح کرنا ضروری ہے۔

اگر عید کے تین دن قربانی نہیں کر سکا تو اس کے بعد قربانی کا جانور صدقہ کر دے، یا اتنی رقم صدقہ کر دے۔

قربانی کا گوشت کب تک کھایا جاسکتا ہے:

سنن ابی داؤد صفحہ ۳۸۸ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دیہات کے کچھ لوگ آئے اور وہ قربانی کے ایام تھے۔ آپ ﷺ نے قربانی کرنے والوں کو حکم دیا کہ تین دن سے زیادہ گوشت پاس نہ رکھیں۔ اگلے سال رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے سال تو ان غرباء کی وجہ سے یہ حکم دیا تھا کہ تین دن تک استعمال کر سکتے ہو، تا کہ سب کو گوشت کا حصہ مل جائے، لیکن اب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر دی ہے لہذا کھاؤ پیو اور ذخیرہ بھی کر لو۔(راوی: عند عمرة بنت عبدالرحمٰن)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا تا کہ اس گوشت میں تم سب کے لیے گنجائش ہو جائے (قربانی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سب کو پہنچ جائے) لیکن اب اللہ تعالیٰ نے رزق میں گنجائش دیدی ہے، لہذا تم کھاؤ، پیو اور ذخیرہ کر کے رکھو اور صدقہ کر کے ثواب حاصل کرو۔ خبردار یہ دن کھانے، پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔(سنن ابی داؤد، عن نبیشہ ہذلی)

قربانی کے گوشت کے تین حصے:

قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے، اور یہ تینوں حصے برابر کے ہوں:

ایک حصہ: اپنے لیے۔

دوسرا حصہ: رشتہ داروں اور اقرباء کے لیے۔

تیسرا حصہ: غرباء کے لیے۔

قربانی کے جانور کے مسائل

کس کس جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے؟

مسئلہ: بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی کی قربانی درست ہے۔ ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی درست نہیں، خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو، جیسے ہرن وغیرہ۔

قربانی کے جانوروں کی عمریں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاتذبحوا الامسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان))(صحیح مسلم)

"ایک سال کے جانور کی قربانی کروا جو دوسرے سال میں لگا ہو، البتہ چھ ماہ کا دنبہ ساتویں ماہ میں لگا ہو تو اس کی قربانی بھی کر دو۔"

مسئلہ: بکری، بکرا، دنبہ اور بھیڑ ایک سال کے ہو، گائے، بیل، بھینس، بھینسا دو سال کے اور اونٹ کی عمر پانچ سال ہونی چاہیے۔

خریدتے وقت جانور کی آنکھ اور کان دیکھ لیں:

حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا:

((ان تستشرف العین و الاذن وان لا تضحٰی بمقابلة ولا منابرة ولاشرقاء والاخرقاء))

(ترمذی اور ابو داؤد)

"قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان چرا ہوا ہو یا جس کے کان میں سوراخ ہو۔"

عیب والا جانور:

اگر کسی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور اس میں عیب پیدا ہو گیا تو اگر قربانی دینے والا امیر ہے تو اس کی قربانی درست نہیں، وہ اور جانور خریدے اور قربانی کرے، لیکن اگر غریب ہے تو اسی کی قربانی دیدے۔

قربانی کے جانور کی چار صفات:

قربانی کے لیے ایسا جانور ہونا چاہیے کہ جو لنگڑا نہ ہو، کانا نہ ہو، مریض نہ ہو اور دبلا پتلا مریل نہ ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہا ہو۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

((عن البراء بن عازب ان رسول اللہ ﷺ سئل ماذا یتقی من الضحایا فاشاربیدہ فقال اربعاً العرجاء البین ظلعها والعوراء البین عورها والمریضة البین مرضها العحیفاء التی لا تنقی))

اس حدیث کا مفہوم اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ (موطا امام مالک، مسند احمد، سنن ترمذی)

خصی جانور کی قربانی:

مسئلہ: خصی جانور کی قربانی درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خصی جانور کی قربانی کی ہے، کیونکہ اس کا گوشت لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے۔

قربانی میں شرکت

کن جانوروں کی قربانی کا ایک فقط ایک حصہ ہی ہوتا ہے؟

بکرا، بکری مینڈھا یا دنبہ ایک شخص کی طرف سے کافی ہوتے ہیں، چاہے نر ہوں یا مادہ۔

کن جانوروں کی قربانی کے سات حصے ہوتے ہیں:

اونٹ، گائے، بھینس چاہے نر ہوں چاہے مادہ ان کی قربانی میں سات سات لوگ شریک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے:

((نحرنا بالحدیبیة مع النبی ﷺ عن سبعة و البقرة عن سبعة))

(ابن ماجہ، باب عن کم تجزی البدنۃ والبقرۃ)

"ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔"

گوشت کی تقسیم:

قربانی کا گوشت تول کر تمام حصہ داروں میں برابر کا تقسیم کیا جائے گا۔

سات حصوں والے جانور میں کچھ حصے اگر عقیقے اور کچھ قربانی کے ہوں:

قربانی کے جانور یعنی اونٹ، یا گائے بیل وغیرہ میں اگر کچھ حصے عقیقے کے اور کچھ قربانی کے ہوں تو بھی جائز ہیں۔

قربانی کی نیت لازم ہے:

اگر گائے یا بھینس یا اونٹ کی قربانی میں سات لوگوں میں سے چھ کی نیت قربانی ہے اور ایک کی نیت گوشت کا حصول ہے تو کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوئی۔

شریک کا صاحب ایمان ہونا لازم ہے:

اگر قربانی کے جانور کے حصہ داروں میں سے کوئی مرتد یا قادیانی یا منکر حدیث یا بدین ہے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوئی۔

قربانی کے چمڑے کے مسائل

☆: قربانی کے کھال کوئی خود اپنے لیے رکھ لے یا، مصلّٰی بنالے یا گھر کے استعمال میں لے آئے تو بھی جائز ہے۔

☆: البتہ قربانی کی کھال کو فروخت نہ کریں اور اگر فروخت کریں تو اس کی قیمت کو اپنے کام میں نہ لائے بلکہ صدقہ کر دینا واجب ہے۔

☆: جن کو زکوۃ وصدقہ نہیں دیا جا سکتا ان کو قربانی کی کھال بھی نہیں دی جا سکتی۔

☆: قربانی کی کھال کسی کی مزدوری کے عوض (یا امام مسجد کو بطور وظیفہ) دینا جائز نہیں، ہاں تحفتاً دی جا سکتی ہے۔

☆: قربانی کی کھال انہی کو دی جا سکتی ہے جس کو زکوۃ وصدقات دیئے جا سکتے ہیں۔

☆: یتیم خانوں اور ایسے مدارس اور اداروں میں بھی قربانی کی کھال دی جا سکتی ہے جہاں فقیر ومسکین اور نادار طلباء کے قیام وطعام اور تعلیم ورہائش کا انتظام ہوتا ہے۔

باب نمبر 15:

خانہ کعبہ......عہد جاہلیت میں

خانہ کعبہ عہد قدیم میں کعبہ ایک مکعب عمارت تھی جو اپنی وضع قطع میں سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق کعبہ کے معنی اہم، نمایاں اور عالیشان مقدس عمارت کے ہیں۔ قرآن شریف میں اسے "بیت عتیق" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سب سے پرانا اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جہاں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی گئی۔ سورۃ مائدہ میں اسے "بیت الحرام" اور سورۃ ابراہیم میں اسے "بیت المحرم" بھی کہا گیا ہے۔ یہ اس قدر مقدس عمارت ہے کہ اس کے حدود میں کوئی ایسی حرکت نہیں کی جا سکتی جس سے اس کے تقدس پر حرف آجائے۔

اس کی قدامت و تقدس عہد قدیم سے مسلم الثبوت ہے۔ یہ اس قدر قدیم ہے کہ اس کی تعمیر کی متعین تاریخ نہیں بتائی

جا سکتی۔ قرآن شریف کی متعلقہ آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکے تشریف لائے، اس وقت بھی اس مقدس گھر کے آثار موجود تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے خاندان کو اس غیر آباد وادی میں مقدس گھر کے پاس آباد کر دیا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت خانہ کعبہ کی منڈیریں سیلاب کی وجہ سے شکستہ حالت میں موجود تھیں۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام باشعور ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اس وادی میں آئے اور دونوں نے فرمان الٰہی کے بموجب اس خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ چونکہ اس وقت وہ بت کدے کی صورت میں موجود تھا اس لیے انہوں نے اسے بتوں سے پاک کیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پھر سے رائج کی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ایک عرصے تک خانہ کعبہ کی متولی رہی۔ پھر بنوجرہم اور بنوخزاعہ نے یہ منصب ان سے چھین لیا، لیکن بنو اسماعیل بھی خاموش نہیں بیٹھے اور جدوجہد کرتے رہے۔ آخر کار اسماعیلی قبیلے بنوقریش کے رئیس قصی نے یہ منصب دوبارہ حاصل کر لیا۔ قصی کی اولاد نے خانہ کعبہ کی تعمیر از سر نو کی۔ کہا جاتا ہے کہ ولید بن مغیرہ کی نگرانی میں اسے تعمیر کیا گیا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ آپ اپنے کندھوں پر پتھر رکھ کر لاتے تھے۔ اس طرح آپ نے عملی طور پر خانہ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔

میور نے ''حیات محمد'' میں خانہ کعبہ کی قدامت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ دیودورس صقلی (۸۰ قبل مسیح) نے بھی نصف صدی قبل مسیح میں اقرار کیا تھا کہ ''مکہ میں ایک مقدس گھر موجود ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ اتنی تعداد میں جاتے ہیں کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ تاریخی روایتوں کے مطابق بھی یہ انتہائی قدیم زمانے سے عربوں کا مذہبی مرکز تھا۔ یمن، حضرموت، خلیج فارس اور صحرائے شام حتیٰ کہ عرب کے گوشے گوشے سے لوگ اس کی زیارت کے لئے جوق در جوق مکے کی طرف روانہ ہوجاتے تھے۔ اس طرح خانہ کعبہ کا حج قدیم روایات و خصوصیات کی یادگار ہے۔ طواف کی رسم حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے شروع ہوئی۔ اس طرح حج کے مناسک و رواسم سنت ابراہیم کی نشانیاں ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خانہ کعبہ بت کدے کی شکل میں موجود تھا۔ خود اس کے اندر تقریباً تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ اس کے چاروں طرف بھی بت کدے بن گئے تھے حتیٰ کہ صفا و مروہ میں بھی دو بت اساف و نائلہ رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سب بت کدوں کو مسمار کر دیا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیا۔ اسی کے ساتھ عریاں طواف کی بھی ممانعت ہوگئی اور بنوقریش کو حکم دیا گیا کہ مزدلفہ میں قیام نہ کریں بلکہ دوسرے حاجیوں کے ساتھ عرفات جائیں اور سارے مناسب حج ادا کریں۔

بنوقریش کے عہد میں خانہ کعبہ کے علاوہ دوسرے بت خانوں کی زیارت بھی حج میں شامل ہوگئی تھی۔ خانہ کعبہ کی طرح ان کے حرم بھی مقرر تھے اور خانہ کعبہ کے حرم کی طرح انہیں بھی تقدس حاصل تھا۔ بنوغطفان 'لیث' کو، ربیعہ ''ذوالکعبہ'' کو اور نجران ''گنبد والے'' مقام کو کعبے کے برابر مقدس مانتے تھے۔ مدینہ منورہ میں احد کے پاس بھی ایک ایسا ہی مقدس مقام ''سعیدہ'' تھا۔ جاہل عرب خانہ کعبہ کی طرح ان سب مقامات کی زیارت کرتے اور ان کے استھان پر بھیڑوں، بکریاں اور اونٹوں کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کی ان تمام نشانیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹا دیا اور خانہ کعبہ کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت، حج، عمرہ اور طواف کے لئے مخصوص کر دیا۔

خانہ کعبہ کی اہمیت کا اندازہ ''واقعہ فیل'' سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حبشہ کے عیسائی حاکم ابراہہ نے صنعاء میں ایک کلیسا بنوایا

اور عربوں کو اس کی زیارت کا حکم دیا۔ وہ اس حکم پر اس قدر مشتعل ہوئے کہ انہوں نے خود کلیسا کی بے حرمتی شروع کر دی۔ ابرہہ نے انسانوں اور ہاتھیوں کی فوج لے کر مکے پر حملہ کر دیا تا کہ خانہ کعبہ کا نام ونشان مٹا دیا جائے مگر قرآن حکیم کے مطابق ابابیل کی فوج نے ان پر سنگ ریزے برسا کر انہیں ہلاک کر دیا۔

باب نمبر 16:

اہل مکہ کے خصائل و عادات......عہد جاہلیت میں

عرب جاہلیت میں جہاں یہ ہزاروں بیہودہ اور لغو رسمیں رائج تھیں وہاں ان میں چند عمدہ اور قابل تعریف باتیں بھی تھیں۔ سخاوت شجاعت، مہمان نوازی اور مفلس ومحتاج لوگوں کی خبر گیری ان کے خمیر میں داخل تھے اپنے قول وقرار کے سچے تھے۔ وہ ارادے کے پورے، ظلم کے دفع کرنے، عہد کے پورا کرنے، ہمسایہ اور مہمان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہتے تھے۔ ان کی یہ خوبیاں مشہور ہیں جن سے ان کے قصاید اور دواین پر ہیں۔

پردہ کا اہتمام:

سب سے بڑی خوبی جاہلیت کے لوگوں میں یہ تھی کہ عورتوں کے بارے میں سخت غیور تھے۔ اس زمانہ کی شریف عورتیں عموماً پردے میں رہتی تھیں اور کسی غیر محرم کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں۔ باندی اور بی بی کی یہ پہچان تھی کہ باندیاں کھلے منہ باہر پھیرتی تھیں اور بیبیاں اپنے چہروں پر نقاب ڈالے رہتی تھیں۔

زمانہ جاہلیت میں بعض دیہات میں پردے کا رواج نہ تھا لیکن بڑے بڑے قصبوں اور شہروں کی عورتیں کبھی غیر مردوں کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں۔

سیرہ بن عمر فقعسی کہتا ہے:

ونسو تكم فى الروع باد وجوهها

يخلن اماء و الا ماء الحرائر

"لڑائی میں تمہاری بیبیاں جن کے میدان جنگ سے بھاگتے وقت شدت خوف اور گھبراہٹ کے باعث منہ کھلے ہوئے تھے۔ بسبب بے پردی کے باندیاں معلوم ہوتی تھیں، حالانکہ حقیقت میں یہ باندیاں نہیں آزاد تھیں۔"

ربیع بن زیادہ مالک بن زہیر عبسی کے مرثیہ میں کہتا ہے:

قد كن يخبان الوجوه تسترا

"مالک کے قتل سے پیشتر ہماری عورتیں پردہ کی وجہ سے اپنے چہرے چھپائے رکھتی تھیں لیکن اس کے مرنے سے ان کے منہ کھل گئے اور انہیں بے پردہ ہونا پڑا، کیونکہ ہر صبح وشام کھلے منہ اور برہنہ سر اس پر روتی اور اس کے ماتم میں اپنے منہ پیٹتی، کوٹتی، گریبان پھاڑتی، اور سر کے بال نوچتی ہیں۔"

ان اشعار سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آزاد عورتیں غیر مردوں سے ہمیشہ اپنا منہ چھپاتی تھیں۔

شعرائے جاہلیت نے اپنے اشعار میں عورتوں کے برقع اور نقاب کا بھی ذکر کیا ہے جس سے اس زمانہ میں صاف طور پر پردہ کا وجود ملتا ہے۔

گھر سے باہر نکلنا اور عام مجمعوں میں جانا اور بات ہے اور غیر مردوں کے سامنے منہ کھولنا اور بات ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ
مجمعوں میں شریک ہو اس کا منہ بھی کھلا ہوا ہو۔ امہات المومنین بھی اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر اور جہاد میں جاتی
تھیں، لیکن باوجود اس کے کسی غیر مرد کو اپنا منہ نہیں دکھلاتی تھیں۔

وفاداری و وفا شعاری (ایفائے عہد):

عربوں میں وفاداری اور وفا شعاری کا جذبہ بھی موجود تھا۔ ان کا فرض تھا کہ وہ کمزوروں اور مدد کے لئے طلب گاروں کی آواز پر لبیک کہیں اور آخر دم تک اپنے وعدوں پر قائم رہیں۔ وہ امانت میں خیانت کرنا ذاتی شرافت اور خاندانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے۔ سموال بن عادیا کی وفاداری مشہور ہے۔ وہ تیماء میں قلعہ ابلق کا رئیس تھا اور مشہور شاعر بھی۔ اسی نے امرء القیس کو پناہ دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ امرء القیس نے پانچ قیمتی زرہیں اور دوسرا ساز و سامان اسی کے پاس امانت رکھا اور پھر قیصر روم کے پاس چلا گیا۔ مگر اس کے دشمنوں نے قیصر کو بھڑکا دیا۔ اس لیے وہاں سے روانگی کے وقت اسے ایک زہر آلود خلعت عطا کی گئی، جسے پہنتے ہی راستے میں وہ فوت ہو گیا۔ ابن خلدون کے مطابق امراؤالقیس کے انتقال (۵۶۰ء) کے بعد حارث بن ظالم یا حارث بن ابی شمر نے اس کا ساز و سامان حاصل کرنے کیلئے قلعہ ابلق کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت سموال کا بیٹا شکار پر باہر گیا ہوا تھا۔ اسے حارث نے گرفتار کرلیا اور سموال کو دھمکی دی کہ اگر وہ امراؤالقیس کا سامان حوالے نہیں کرے گا تو پھر اس کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا بیٹا قتل کر دیا گیا مگر اس نے عہد و پیمان کی خلاف ورزی گوارا نہیں کی۔

عرب جاہلیت کے لوگ ایفائے عہد اور وعدے میں بھی تمام دنیا سے سبقت لے گئے تھے:

1: عوف بن محلم۔ 2: حنظلہ بن عفرا۔ 3: حارث بن ظالم مری۔ 4: ابو حنبل طائی۔
5: حارث بن عباد۔ 6: رسوال بن عادیا۔ 7: فکیہہ بنت قتادہ۔ 8: ام جبل دوسیہ۔

ایفائے عہد میں ضرب المثل ہیں۔ اگر ہم ان سب کی وفا کا مفصل حال لکھیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو جائے۔ یہ لوگ ضرب المثل ہیں۔ ورنہ تمام عرب کی وفا مشہور ہے اس سے بڑھ کر اور کونسی بات ہو سکتی ہے کہ عہد شکن بیٹے کو باپ اپنی ابیت سے خارج کر دیتا تھا۔

عربوں میں پناہ دینے کی رسم خاص طور سے رائج تھی۔ اگر کوئی شخص کسی اجنبی آدمی کو بھی اپنے ''جوار'' میں لے لے، اسے پناہ دیدے یا اسے اپنا حلیف بنالے تو پھر نہ صرف اس پر بلکہ اس کے سارے قبیلے پر واجب ہو گیا کہ وہ پناہ گزیں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت آخر دم تک کرے، اس پر آنچ نہ آنے دے اور اس کی حمایت میں جان تک کی بازی لگا دے۔ دور جہالت کے ادب میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملیں گے کہ عربوں نے محض اپنے مہمان کی خاطر معمولی سی بات پر سب کچھ لٹا دیا مگر اس کی آبرو ریزی ہونے نہیں دی۔ جنگ بسوس اس امر پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔

صفائی ستھرائی کا خیال:

جاہلیت کی تہذیب اور شائستگی کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب وہ دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نکلتے تو بھوکے اور خالی پیٹ نکلتے تھے۔ کھانا کھا کر لڑائی کے لئے نکلنا ان کے ہاں معیوب گنا جاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کا نیزہ ہمارے شکم میں لگے اور کھانا باہر نکل پڑے، جس سے دوسرے لوگوں کو نفرت ہو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوم عرب ایک ستھری اور صاف قوم تھی۔ عبد الشارق بن عبد العزیٰ جہنی کہتا ہے:

ردینۃ لو رایت غداۃ جئنا

على اضماتنا وقد اختوينا

"اے رُوینہ! کاش تو ہماری اس دن کی لڑائی دیکھتی جس دن ہم بھوکے اور خالی شکم اپنے دشمنوں سے لڑ رہے تھے اور ہمارے دل کینہ سے پر تھے۔"

مال یتیم سے پرہیز:

عرب جاہلیت میں یہ بھی بڑی خوبی تھی کہ وہ یتیموں کا مال کھانا حرام جانتے تھے اور ان کی شان کو بہت بڑا خیال کرتے تھے۔ نہ ان کے مال کو ہاتھ لگاتے تھے۔ نہ ان کی سواری پر سوار ہوتے تھے اور نہ ان کا کھانا کھاتے تھے۔ چونکہ یتیموں کے مال سے اجتناب کرنے میں بھی ان کی احتیاط حد سے بڑھ گئی تھی جس سے بعض اوقات یتیموں کو نقصان پہنچتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اصل مقصود یتیموں کی اصلاح ہے۔ اگر تمہارا ان سے بالکل علیحدہ رہنا ان کے حق میں مضر ہو تو ان کا ہانڈی چولہا علیحدہ نہ کرو۔ ان کو اپنے ساتھ شامل رکھو:

((وان تخالطو هم فاخوانكم))

"اگر تم کو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔" (تفسیر ابن جریر ص ۲۰۵ جلد ۲)

تعظیم ومحبت کعبہ:

اہل مکہ کو اپنے شہر اور اپنی قوم سے غایت درجہ کا انس تھا۔ حدود مکہ سے باہر رہنا اور اپنی قوم کے کسی آدمی کی نسبت کسی شخص کی زبان سے کوئی برا لفظ سننا انہیں از حد ناگوار گزرتا تھا۔ قبیلہ بنی عوف کے ایک شخص نے ابوجہل اور قریش کی ہجو کی تھی۔ زبرقان بن بدر اس کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اتدری من هجوك ابا حبيب — سليل خفارم سكنو البطا حا
ازاد الركب تذكرام هماما — و بيت الله والبلد اللقا حا

"اے ابوحبیب! تو جانتا ہے کہ تو نے کس کی ہجو کی ہے؟ تو نے ساکنین بطحاء کے سخیوں کی نسل کی ہجو کی ہے تو زاد الرکب (قافلے والوں کو کھانا کھلانے والے) کا عیب بیان کرتا ہے یا ہشام (ابوجہل) کا یا اللہ کے گھر اور غیر مفتوح شہر کا (ان میں سے کوئی بھی ہجو کے قابل نہیں ہے۔)"

ابوسطر حضری حرم سے باہر سکونت اختیار کرنا چاہتا تھا حرب بن امیہ اس کو اس طرح پر سمجھاتا ہے:

ابا مطر هلم الى صلاح — فيكفيك الندامى من قريش
وتنزل بلدة غرت قديما — و تأمن ان يزورك رب جيش
فنامن وسطهم و تعيش فيهم — ابا مطر هديت بخير عيش

"اے ابوسطر! راہ راست پر آ جا۔ قریش سے ہم صحبت تیرے لئے کافی ہوں گے اور تو اس شہر میں رہے گا جو ہمیشہ غالب رہا ہے اور اس بات سے تو امن میں رہے گا کہ کوئی صاحب لشکر تجھ پر چڑھائی کرے۔ ان میں تو امن اور عیش سے رہے گا، اے ابوسطر تجھے عمدہ زندگی کی طرف ہدایت کی گئی ہے۔"

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ دوبارہ تشریف لائے تو آپ نے بھی مکے کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب۔ اگر میں زبردستی تجھ سے نہ نکالا جاتا تو اپنی

قرشی سے کبھی نہ نکلتا۔"

غیرت مند:

جاہلیت کے لوگوں میں حمیت اور غیرت بھی تمام نہایت زیادہ تھی اور اس صفت میں وہ حد اعتدال سے بڑھ گئے تھے۔ جو ان سے نکل کر ذم میں داخل ہو گئی۔ ہماری بے گناہ لڑکیوں کو مار ڈالنا ان کی حمیت اور غیرت ہی کا باعث تھا۔

ذہانت و حافظہ:

عربوں کی ذہانت بھی مشہور ہے۔ وہ انسانوں کے علاوہ گھوڑوں کا نسب بھی آخری پشت تک یاد رکھتے تھے۔ فن رجال کے بانی بھی عرب ہی تھے۔ ہر خاندان کا شجرہ نسب اور اس کے ہر فرد کی مختصر حالات زندگی ان کو زبانی یاد تھے۔ پھر اسے قلمبند کیا گیا، لوگوں کے اخلاق پر بحث کی گئی اور اسے پرکھنے کیلئے اصول بنائے گئے۔ اس طرح اسلام نے ان کی دماغی صلاحیتوں کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ ایک ایک صحابی کو ہزاروں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ان کے سینے قرآن و حدیث کے صحیفے بن گئے تھے۔ اہل عرب ایک ایک حدیث پورے سلسلے کے ساتھ سنا دیتے تھے۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے علاوہ دنیوی علوم بھی پڑھے۔ انہوں نے نہ صرف یونانی، لاطینی، یونانی علوم کا مطالعہ کیا بلکہ ان میں بیش بہا اضافے بھی کئے۔

آزاد پسندی / حریت / خود مختاری:

عربوں کی فطرت آزاد پسند واقع ہوئی تھی۔ وہ قانون و حکومت کی جکڑ بندیوں سے آزاد تھے۔ قبیلے بھی اپنے اپنے دائرہ میں آزاد تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی فوقیت تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔ یہی حال افراد کا تھا۔ محض سخاوت و مروت کی طاقت سے کسی عرب کو غلام کیا جا سکتا تھا، ورنہ وہ ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ قبیلے کا وقار اور ہر فرد کی عزت قائم رہنا چاہیے، اس کی خاطر وہ سب کچھ قربان کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ امانت رکھنا اور مہمان کی خاطر داری کرنا عزت و وقار کی علامتیں تھیں۔ عوام ایسے لوگوں پر اعتماد کرتے اور شاعر اس کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے۔ گویا رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے یہی دو سب سے بڑے ذریعے تھے۔

اپنی آن کی خاطر انہوں نے بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکر لی۔ ایران، روم اور حبشہ کی طاقتوں نے انہیں زیر کرنے کی کوشش کی۔ حیرہ، غسان، کندہ اور یمن کے شاہی خاندانوں نے بھی ان پر حکومت چلائی۔ مگر وہ بھی ان سے برابر مقابلہ کرتے رہے۔ انہیں عارضی طور پر تو طاقت سے دبایا جا سکتا تھا۔ پھر بھی وہ تن کر ہی چلتے اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کیلئے آخر دم تک جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے ایرانیوں سے ٹکر لی اور حمیریوں سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی انفرادیت اور خود مختاری برقرار رکھنے کیلئے کئی مرتبہ متحد ہو کر بڑی بڑی طاقتوں کے خلاف محاذ قائم کئے اور فتح حاصل کی۔

عربوں نے اپنا ملکی اور قومی انتظام خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے پر نہیں رکھا اور سلاطین زمین میں سے کبھی کسی کے باج گزار نہیں ہوئے۔ اپنے شہر پر کبھی کسی بادشاہ کو قابض نہیں ہونے دیا اور اس کا نام بلد اللقاح شہر آزاد اور شہر غیر مفتوح رکھا۔

قبائل حمیر، کندہ لخم، غسان اور ان کے سلاطین قریش کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے اور امور مذہبی میں ان کی اطاعت و اقتدا فرض جانتے۔ اہل مکہ جس پر چاہتے چڑھائی کرتے اور قیدی پکڑ لاتے مگر ان پر کوئی چڑھائی کرتا اور نہ انہیں قیدی بنا سکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ابوا دین للملوك لهم لقاح   اذا هيجوا الى حرب اجابوا

''انہوں نے بادشاہوں کی اطاعت سے انکار کیا سو وہ آزاد ہیں اور جب لڑائی کی طرف اٹھائے جاتے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔''

شجاعت:

ان عربوں میں مروّت وشجاعت کو انسانی خوبیوں کا مجموعہ تصورر کیا جاتا تھا۔ وہ اسی شخص کو بامروّت انسان سمجھتے جو میدان کارزار میں دادشجاعت حاصل کرے، مصیبتوں میں صبر وضبط سے کام لے، اپنے عزیز واقارب کے خون کا انتقام وقصاص لئے بغیر دم نہ لے، کمزوروں اور بے بسوں کا ساتھ دے، ان کی حفاظت کرے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ طاقتور کے غرور کو خاک میں ملانے کا دم بھی رکھتا ہو۔

ایسے مثالی انسان کو وہ ''صاحب مروۃ'' اور ''صاحب عرض'' (عزت) سمجھتے تھے جو بہادر، سخی، وفادار، قول کا سچا اور باہمت جوان ہوتا، جولوٹ مار اور جنگ وجدال کے موقع پر اپنے قبیلے کی آن برقراررکھتا، جو اپنے مہمانوں کے لئے اپنا اونٹ تک قربان کردیتا اور کسی سائل کو اپنے در سے خالی ہاتھ جانے نہیں دیتا۔ عنترہ ابن شداد عبسی (۵۳۵ تا ۶۱۵) ایسی ہی مروت وشجاعت کا مثالی نمونہ تھا جو بہادر شہ سوار بھی تھا اور عاشق مزاج بھی۔ اس میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو بدوی معیار کے مطابق کسی مثالی جوان میں ہونا چاہیے۔ سبعہ معلقہ میں ایک قصیدہ اسی عنترہ کے دماغ کی پیداوار ہے جس نے اپنی محبوبہ کے رومانی قصے نظم کر کے اسے حیات جاودانی بخش دی ہے۔

سخاوت ومہمان نوازی:

ان عربوں کو سخاوت ومہمان نوازی میں بھی امتیازی شان حاصل تھی۔ خود بھوکے رہتے مگر اپنے مہمان کو خاطر تواضع کے ساتھ کھلاتے تھے۔ ان کی ساری ملکیت ایک اونٹ تک محدود ہوتی تب بھی وہ اسے ذبح کر کے اپنے مہمان کو کھلا دیتے اور خود مصائب و حوادث کو بسر وچشم برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ عربی ادب میں حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل کے طور مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے اونٹ چرانے جایا کرتا تھا۔ ایک دن کئی مہمان مل گئے۔ تین اونٹ ذبح کر کے انہیں کھلا دیئے اور باقی ان میں بانٹ دیئے۔ باپ کو معلوم ہوا تو بہت ہی ناراض ہوا اور حاتم طائی کو گھر سے نکال دیا۔

سخاوت میں دنیا میں سب سے زیادہ مشہور شخص حاتم طائی ہے جو خاک پاک عرب کا باشندہ اور اس زمانہ کا شخص تھا جس کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ عوام میں سب سے زیادہ شہرت حاتم طائی کو حاصل ہوئی ورنہ عرب جاہلیت میں ہزاروں حاتم طائی موجود تھے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ہر شخص حاتم طائی ہی تھا تو کچھ بیجا نہیں ہے۔

درج ذیل لوگ جود وکرم اور سخاوت وفیاضی میں ضرب المثل ہیں اور سوائے چند مسلمانوں کے تمام دنیا میں ان کے برابر کوئی سخی نہیں ہوا:

1: کعب بن مامہ ایادی۔
2: اوس بن حارثہ۔
3: ہرم بن سنان۔
4: عبداللہ بن حبیب عنبری۔
5: عبداللہ بن جدعان تیمی۔
6: قیس بن سعد۔
7: عبدۃ الکلبیہ۔
8: قتادہ بن مسلمہ حنفی۔
9: مطاعیم الریح۔
10: ازداد الرکب۔
11: حاتم طائی۔

ان کے علاوہ نفس سخاوت اور فیاضی جاہلیت کے ہر شخص میں موجود تھی۔ اہل تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عرب جاہلیت کے ان اسخیاء کے بارے میں حساب لگانا کہ انہوں نے کتنی دولت سخاوت میں صرف کی، ناممکن ہے، جو سخاوت میں ضرب المثل گزرے ہیں ان اسخیاء کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

دور جہالت کے عربوں میں بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں۔ دل کے ظلمت کدے میں نور کی ایک کرن بھی پھوٹ رہی تھی۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو منعطف کر کے ان کی کایا پلٹ دی۔ اب وہی وحشی، غیر مہذب قوم تہذیب وتمدن سے مالا مال ہو کر علم کی مشعل بردار اور دین برحق کی مبلغ و پرستار بن گئی۔ اس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا، دنیا کا سیاسی نقشہ ہی بدل گیا اور اخلاق و روحانیت کے عملی سبق سے انسانیت مستفیض ہونے لگی۔

باب نمبر 17:

مذاہب اہل عرب ومکہ......عہد جاہلیت میں

موحدین:

موحدین فرقہ کے لوگ حضرت ابراہیم اور ان کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین پر تھے۔ بت پرستی، قتل اولاد، راد بنات وغیرہ امور منکرہ اور ان تمام بدعات سے جو عمرو بن لحی خزاعی نے نکالی تھیں، سخت متنفر تھے، یہ لوگ موحد اور حنفاء یعنی تابع ملت ابراہیم کہلاتے تھے، لیکن ایسے لوگ تعداد میں بہت تھوڑے گزرے ہیں، اس فرقہ کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ یہ ہیں:

1: قس بن ساعدہ۔	2: زید بن عمرو بن نفیل۔
3: امیہ بن ابی الصلت۔	4: ارباب بن ریاب۔
5: سوید بن عامر مصطلقی۔	6: سعد ابوکرب حمیری۔
7: وکیع بن سلمہ بن زہیر آیادی۔	8: عمیر بن جندب۔
9: عدی بن زید۔	10: ابوقیس حرمہ ابی انس۔
11: سیف بن ذی یزن۔	12: ورقہ بن نوفل۔
13: عبداللہ بن قضاعی۔	14: عامر بن الظرب۔
15: عبدالطابخہ بن الثعلب۔	16: علاف بن شہاب۔
17: ملتمس بن امیہ۔	18: اہیر بن ابی سلمہ۔
19: خالد بن سنان۔	20: عبید بن ابرص الاسدی۔
21: کعب بن لوی۔	22: قصی۔
23: ہاشم۔	24: عبد مناف۔
25: عبدالمطلب۔	26: عبداللہ۔

ان لوگوں کی نسبت اگرچہ پورے طور پر دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم یا اسماعیل علیہما السلام کا دین کامل و مکمل محفوظ تھا، لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر پورا پورا ایمان رکھتے تھے اور خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں

کرتے تھے، نہایت سلیم الفطرت تھے اور ہمیشہ خلیل وذبیح کے دین کے متلاشی رہتے تھے، ان کے اشعار وقصاید اور خطبے توحید سے پر ہیں۔ نیکی کے کاموں میں سب سے آگے رہتے تھے اور ہر ایک بدی سے بچتے تھے۔ ان لوگوں کو ''حنیف'' کہا جاتا تھا۔

مارگولیوس کے مطابق عبرانی، سریانی زبان میں کافر ومنافق کو ''حنیف'' کہتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے بت پرستی ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا تھا، اسی لئے بت پرست عرب انہیں ''حنیف'' کہنے لگے۔ مفسرین کے مطابق بت پرستی سے انحراف کی وجہ سے ان کا لقب حنیف پڑ گیا تھا۔ دور جہالت کے عربی ادب میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن شریف میں ابراہیمی دین کو ''حنیف'' کہا گیا ہے اور یہودی وعیسائی مذہب اور دین ابراہیم میں تفریق پیدا کرنے کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے دین کو بدل ڈالا اور اس میں اپنی ذاتی منفعت کی خاطر بہت سی لغو باتیں شامل کر لیں لیکن دین ابراہیمی وہ دین ہے جو ان تمام خراب عقیدوں سے بالکل پاک وصاف ہو۔ ایسے پاک وصاف دین کو حنیف کے نام سے بھی یاد کیا گیا۔ چونکہ اسلام یہودی وعیسائی مذہبوں کی برائیوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔ اس لیے اسے بھی ''دین حنیف'' اور ''ملت ابراہیمی'' کا نام دیا گیا۔

ابن اسحاق نے ایسے چار آدمیوں کے نام تحریر کئے ہیں جو بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آئے۔ وہ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ محض ایک اللہ کو مانتے تھے۔ پھر انہوں نے سچے دین کی تلاش شروع کر دی۔ ان میں سے کچھ تو عیسائی ہو گئے اور کچھ عقیدہ توحید پر جمے رہے۔ یہ چاروں افراد یہ تھے:

1: ورقہ بن نوفل۔ 2: عبیداللہ بن جحش۔ 3: عثمان بن حویرث۔ 4: زید بن عمرو نفیل۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلے میں جمع ہو کر انہوں نے بت پرستی سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ جو بت بے جان ہیں، جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور جو کسی کو نفع یا نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے ان کے آگے سر جھکانا سراسر حماقت ہے۔

دین حنیف کے یہ چاروں پیروکار قریشی تھے۔ ورقہ بن نوفل اور عثمان بن حویرث دونوں بنو قریش کے خاندان بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں بعد میں عیسائی ہو گئے۔

ورقہ بن نوفل: حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے مقدس آسمانی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ مکے میں تورات وانجیل کے سب سے بڑے عالم وہی تھے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ ساری کیفیت بیان کی جو پہلی وحی نازل ہونے کے وقت آپ پر طاری ہوئی تھی۔ انہوں نے سارا واقعہ سن کر تصدیق کی کہ یہ وہی ''ناموس اکبر'' ہے جو آپ سے پہلے حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ علیہما السلام پر اترا تھا۔

عثمان بن حویرث: عبدالعزیٰ کا پوتا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ دار تھا۔ یہ اقتدار کا بھوکا تھا، اسی لیے عیسائی ہو گیا اور قیصر روم کے دربار میں جا کر اس کا مصاحب بن گیا۔ اس کی ہدایت پر یہ مکہ مکرمہ واپس آیا اور رومی سیادت قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لامینس نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نے قیصر روم یا اس کے کسی آدمی سے معاہدہ کیا تھا جس کے مطابق غسانیوں جیسی حکومت مکہ معظمہ میں قائم کرنے کیلئے اسے شاہی امداد کا یقین دلایا گیا تھا۔ قیصر روم ایسی حکومت کو ضرور پسند کرتا جو اس کے اثر میں ہو اور جسے ایرانیوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ عرب مورخوں کے مطابق عثمان خود مکے کا بادشاہ (ملک) بننا چاہتا تھا۔ اس نے بنو قریش زور دیا کہ وہ قیصر روم کی ماتحتی اختیار کر لیں اور اس کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کیلئے تحفے دیں، ورنہ وہ ان کی تجارت بند کر دے گا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ قیصر نے اسے مکے میں نذرانے وصول کرنے کیلئے اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو قریش نے اس

مخالفت شدت سے کی۔ خود اسی کے خاندان کے رئیس اسود بن مطلب ابوزمعہ نے اسے بہت ہی برا بھلا کہا۔ اس طرح عثمان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ کہا جاتا ہے کہ بنو قریش نے اسے زہر دے دیا تھا۔

عبیداللہ بن جحش: یہ عبدالمطلب کا نواسہ اور بنوعبدالشمس کا حلیف تھا۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد دوسرے مہاجروں کے ساتھ حبشہ چلا گیا۔ وہاں عیسائیوں سے تعلقات ہو گئے جنہوں نے اسے عیسائی بنالیا۔ وہ مسلمان مہاجروں سے کہا کرتا تھا:

''ہمیں تو بصیرت مل گئی مگر تم ابھی تک اس کی تلاش میں ہو۔''

آخر اس نے حبشہ ہی میں وفات پائی۔ ابن ہشام کے مطابق وہ مرتے دم تک نصرانی بنا رہا۔ حضرت امیر معاویہ کی بہن حضرت ام حبیبہ کی شادی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

زید بن عمرو: زید بن عمرو بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت عمر فاروق کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے عیسائی یا یہودی مذہب قبول نہیں کیا بلکہ اپنے خیالات پر قائم رہے۔ وہ دین حق کی تلاش میں شام و عراق کے پادریوں سے بھی ملے مگر ان میں سے کوئی بھی انہیں مطمئن نہیں کر سکا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

''اے اللہ! مجھے معلوم نہیں کہ میں تیری پرستش کس طریقے سے کروں تاکہ تیری رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو میں پھر اسی طرح تیری عبادت کیا کرتا۔''

کہا جاتا ہے کہ یہ کہہ کر وہ سجدے میں گر جاتے تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی حضرت اسماء کہتی تھیں کہ زید بن عمرو خود کو دین ابراہیم علیہ السلام کا پیرو سمجھتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ وہ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے دختر کشی کے خلاف آواز بلند کی۔ اگر انہیں بروقت اطلاع مل جاتی تو وہ ایسی لڑکی کو بچا لیتے اور اس کی پرورش خود کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت کے مطابق اعلان نبوت سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق اور خود ان کے بیٹے حضرت سعید نے آپ سے ان کے حق میں دعا کرنے کی درخواست کی تھی۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے وعدہ فرمایا:

((نعم ! انه یبعث امة واحدة))

''ہاں! وہ قیامت کے دن اکیلے ایک امت کی طرح اٹھائے جائیں گے۔''

ابن قتیبہ کے مطابق انہیں شام میں قتل کر دیا گیا۔ ابن خلدون کے مطابق یہ کسی لخمی یا جذامی کے ہاتھوں مارے گئے۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام نے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کے یہی چار نام دیئے ہیں۔ ابن قتیبہ نے ایسے چھ آدمیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرے مورخوں نے بھی ان چار آدمیوں کے علاوہ کئی اور نام بھی تحریر کیے ہیں:

1: قس بن ساعدہ ایادی۔
2: امیہ بن ابی الصلت۔
3: قیس بن نشبہ۔
4: ابوقیس صرمہ بن ابی انس۔
5: اسعد ابوکرب حمیری۔
6: خالد بن سنان۔
7: ارباب بن رئاب۔

امیہ نامیہ بن ابی الصلت طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کے حوالے سے تحریر کیا ہے

امیہ بن ابی الصلت نے بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔ اس نے آسمانی کتابیں پڑھی تھیں۔ ابن خلدون کے مطابق ابو سفیان سے اس کی گفتگو سے اندازہ لگتا ہے کہ وہ خود کو نبوت کا حق دار سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ منصب نبوت اسی کو ملنے والا ہے۔ وہ عتبہ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ ''معرکہ بدر'' میں عتبہ قتل ہوا تو اسے سخت صدمہ پہنچا اور اس کی یاد میں نہایت ہی پر درد مرثیہ لکھا۔ اس کے کلام میں عقیدہ توحید کی جھلک پائی جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کلام کو پسند کیا اور اس کے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا۔

قس بن ساعدہ: قس بن ساعدہ ایادی عرب کا نامور خطیب اور حکیم تھا۔ اس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ اس نے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ یہ بھی مشہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاظ میں اس کا خطبہ سنا تھا، لیکن اس کے خطبوں کا جو مجموعہ ملتا ہے وہ اس زمانے کی عربی زبان کا نمونہ نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لیے ان کی اصلیت پر شک کیا گیا ہے۔ عیسائی مؤرخ قیاس لگاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قس بن ساعدہ سے استفادہ کیا اور اس کے خطبوں کے طرز اسلوب کو اپنا لیا۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ قرآن کے طرز بیان پر قس بن ساعدہ کا اثر پایا جاتا ہے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جہالت کے شاعروں اور خطیبوں کے خیالات لے کر اسلام کے اصول بنائے لیکن یہ محض ان کا قیاس ہے اور ثبوت میں کوئی ٹھوس تاریخی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی۔ اصول جرح وتنقید سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عکاظ والی روایت ہی وضع کردہ ہے۔ اس کے راویوں کا کردار بھی مشکوک اور قابل اعتراض نظر آتا ہے۔ ایسی حالت میں غیر مستند روایت کے بل بوتے پر قیاسی دلیلیں تخلیق کر کے کوئی ایسی بات ثابت نہیں کی جاسکتی جو حقیقت پر مبنی نہ ہو۔

ابن قتیبہ کے مطابق اسعد ابوکرب حمیری، خالد بن سنان عبسی اور ارباب بن رئاب بھی دین حنیف کو مانتے تھے۔

اسعد ابوکرب: مروی ہے کہ اسعد ابوکرب حمیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بعثت سے سات سو سال قبل ہی آپ پر ایمان لا چکے تھے۔

خالد بن سنان: خالد بن سنان عبسی عقیدہ توحید کے قائل تھے۔ ابن قتیبہ کے مطابق اس کی بیٹی کے سامنے آپ نے سورۂ اخلاص تلاوت فرمائی تو اس نے عرض کیا کہ اس کے باپ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ ارباب بن رئاب کا تعلق بنو عبدالقیس سے تھا۔ شروع میں یہ ''دین حنیف'' کا پیرو تھا۔ پھر بعد میں اس نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا۔

ابو قیس: مدینہ منورہ میں بھی ''دین حنیف'' کے پیرو موجود تھے۔ ابو قیس صرمہ بن ابی انس بنو عدی بن نجار (خزرج) سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ عقیدہ توحید کے قائل تھے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں:

((وكان رجلًا قد ترهب في الجاهلية ولبس المسوح وفارق الاوثان))

''اور اس مرد خدا نے دور جہالت میں رہبانیت اختیار کر لی، موٹے موٹے ٹاٹ کے کپڑے پہننے لگا اور بتوں کو ٹھکرا دیا۔''

ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ''رب ابراہیم'' کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ ان کا گھر ہی ان کی عبادت گاہ تھی جہاں کسی ظالم یا جنبی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ہجرت نبوی کے بعد مشرف بہ اسلام ہو گئے اور آخر دم تک دین کی خدمت میں لگے رہے۔ ان کے اشعار میں نیکی، بھلائی، صلہ رحمی اور تقویٰ پر زور دیا گیا ہے۔

ابو قیس بن الاصلت: ابو قیس ابن الاصلت کا تعلق بھی مدینہ منورہ کے قبیلے اوس کے خاندان بنو وائل سے تھا۔ یہ دین حنیف کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی متاثر تھے مگر مسلمان ہونے سے پہلے ہی ہجرت نبوی کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔

عبد عمرو: عبد عمرو بن صیفی ''ابو عامر راہب'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس پر دین حنیف سے زیادہ رہبانیت کا رنگ غالب تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بھاگ کر مکے بنو قریش کے پاس چلا گیا اور ''معرکہ احد'' کے موقع پر یہ بنو قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ مروی ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''الفاسق'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

عیسائیت:

مسیح مذہب عرصہ دراز سے عرب میں رائج ہو چکا تھا۔ شامی و رومی مبلغ سیاسی و مذہبی مشن پر عرب کے مختلف حصوں میں آئے۔ مذہبی غلبے کے بغیر سیاسی فوقیت حاصل ہونے میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اسی لیے عیسائیت کی اشاعت پر خاص طور سے توجہ دی گئی۔ یمن میں بری و بحری دونوں راستوں سے عیسائیت داخل ہوئی۔ شام و حجاز میں کاروانِ تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ اس باہمی ربط وضبط کی وجہ سے شام کا مذہب بھی حجاز میں داخل ہوا اور پھر وہاں سے یمن تک پھیل گیا۔ بحری راستوں سے بھی یونانی و رومانی تاجر عرب میں داخل ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنے مذہب کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حبشہ کے حاکموں نے بھی اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر عیسائی مذہب رائج کیا۔ اس طرح چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ مذہب عرب میں پھیل چکا تھا۔

قیصر روم قسطنطیوس نے عیسائیت کی تبلیغ خاص طور سے کی۔ اسی نے ۳۵۴ عیسوی میں فرمنتوس اسقف کو تبلیغ کیلئے حبشہ بھیجا جو کاہن رومی کے نام سے مشہور رہا۔ اسی قیصر نے ۳۵۶ء میں تھیوس فلوس کو جنوبی عرب میں بھیجا جس نے حمیری حکومت میں دو کلیسے اور عدن میں ایک کلیسا بنوایا۔ یہ کلیسے حبشہ و یمن میں عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا گڑھ بن گئے۔ قیصر جستنیان نے ایک مشہور اسقف یوحنا کو حبشہ بھیجا تھا جس نے تبلیغ و اشاعت کے لیے اکسوم کو اپنا مرکز بنایا۔ پھر حبشہ کی فوجوں نے یمن فتح کر لیا۔ اس لیے وہاں عیسائیوں کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ امیر اسیمافیوس اور اسقف جریجنتوس نے یہودی اثر ختم کر کے وہاں عیسائیت کی بالادستی قائم کر دی۔

ان تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے کئی عرب قبیلے عیسائی ہو گئے۔ ۵۰۰ عیسوی میں اہل نجران نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ بنو تغلب، بنو طے اور بنو قضاعہ میں بھی عیسائی مذہب پھیل گیا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں تحریر کیا ہے کہ بنو ربیعہ اور بنو غسان عیسائی تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق نجران میں بنو حارث، یمامہ میں بنو حنیف اور کچھ لوگ بنو طے میں عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔ حیرہ میں بھی عیسائی موجود تھے۔ وہاں کے اسقفوں کا تذکرہ تاریخوں میں بار بار آیا ہے۔ یاقوت نے ایک کتبے کا حوالہ دیا ہے جس میں ہند نے خود کو حضرت مسیح علیہ السلام کی کنیز اور آپ کے غلام عمرو کی ماں تحریر کیا ہے۔ یہ حیرہ کے حاکم عمرو بن ہند کی ماں تھی اور غسانی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی نے حیرہ میں ایک بہت بڑی خانقاہ بنوائی اور عیسائیت کے ترویج میں حصہ لیا۔ حیرہ کے آخری حاکم نعمان بن منذر ابو قابوس نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

غسانیوں کا شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ یثرب اور شام کے درمیان کئی عیسائی قبیلے آباد تھے۔ عذرہ، جذام، قضاعہ، بلی، بہرا، کلب، لخم قبیلوں میں عیسائیت کے پیرو موجود تھے۔ اس طرح عراق سے لے کر شام تک عیسائی عربوں کے قبیلے آباد تھے لیکن پھر بھی بت پرستوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی تعداد بہت کم تھی۔

میور نے تسلیم کیا ہے:

''عیسائی مبلغوں نے پانچ سو برس تک جھک ماری پھر بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی، بلکہ بت پرستی اور دوسرے بیہودہ عقیدوں کا دریا جوش مارتا ہوا کعبے کی دیواروں سے ٹکراتا رہا۔''

عیسائی عربوں میں نسطوری اور حلولی فرقوں کے عقائد رائج تھے۔ بنو تمیم نسطوری فرقے اور بنو تغلب حلولی فرقے کے پیرو تھے۔ حضرت عیسٰی مسیح اور حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک جانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان تینوں میں ایک (ثالث ثلثۃ) ہے۔ سورۂ مائدہ میں اس عقیدے کو کفر میں شمار کیا گیا ہے اور پھر صاف لفظوں میں ان کی الوہیت کی تردید کی گئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسول و امه صدیقة کانا یا کلن الطعام))

''حضرت عیسیٰ مسیح بن مریم علیہما السلام کی حیثیت پیغمبر سے زیادہ نہیں۔ آپ سے پہلے بھی آپ جیسے کئی پیغمبر گزر گئے اور آپ کی ماں صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔''

عیسائی بھی یہودیوں کی طرح خود کو اللہ کے محبوب بیٹے اور بیٹیوں میں شمار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کہہ دیا:

((انتم بشر ممن خلق))

''تم بھی تو اسی خلقت بشر کی طرح ہو جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔''

وہ فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ قرآن شریف میں اس عقیدے کو بھی باطل قرار دیا گیا۔ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور حضرت مریم کو اس کی بیوی ماننے کے علاوہ اپنے عالموں (احبار) اور راہبوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے برابر ماننے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان عیسائیوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا جو حرام کو حلال قرار دیتے، معمولی منفعت کی خاطر سچے دین میں تحریف کرتے، حضرت مسیح اور ان کی ماں کو خدائی میں شریک گردانتے اور دین حق کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔

یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ عام عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ البتہ ان کی ایک جماعت کہتی تھی کہ وہ مارے نہیں گئے بلکہ زندہ ہیں۔ کچھ عیسائیوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ آپ مارے تو گئے تھے مگر پھر تین دن کے اندر اندر زندہ ہو کر آسمان کی طرف چلے گئے۔ یہ بھی عقیدہ رائج تھا کہ آپ کے جسم کو تو ختم کر دیا گیا، البتہ آپ کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

قرآن حکیم میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ان عقیدوں کو باطل قرار دے کر اعلان کر دیا گیا:

''حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ ہی صلیب پر لٹایا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت ایک دوسرا آدمی بھیج دیا جسے یہودیوں نے صلیب پر لٹکا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس اٹھا لیا۔ یہودی تو محض قیاس و گمان پر بھروسہ کرتے ہیں ورنہ انہیں حقیقت کا علم ہی نہیں۔ دراصل انہوں نے تو آپ کو قتل ہی نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے۔''

یہودیت:

عیسائیوں کے علاوہ عرب میں یہودیوں کی بستیاں بھی آباد تھیں۔ عیسائیوں اور عام عربوں کے مقابلے میں یہودی منظم اور خوشحال تھے۔ ان کے سب سے بڑے مرکز یثرب (مدینہ) اور خیبر تھے۔ طائف، مقنا، تیما، جرش اور وادی القریٰ میں ان کی بستیاں قائم تھیں۔ یمن، عمان اور بحرین میں بھی یہودی پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سب قلعہ بند محلوں (آطام) میں رہتے جو معاشی نقطہ نظر سے خود کفیل تھے۔ خطرے کے وقت یہودی اپنے اپنے محلوں کے پھاٹک بند کر کے اندر بیٹھ جاتے اور کافی عرصے تک محض اندرونی ذرائع کی طاقت پر تکیہ کر کے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔

بنو کنانہ، بنو حارث بن کعب اور حمیر و کندہ کے شاہی خاندانوں میں یہودی مذہب کے پیرو موجود تھے۔ مدینے میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سب سے زیادہ طاقتور اور خوشحال تھے۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہم کردار

اعلان کیا تھا۔ خیبر کے یہودیوں نے بھی مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور انہیں تباہ کرنے کے لئے مکے کے کافروں کا ساتھ دیا تھا۔ تیمائیں قلعہ الحق کے رئیس سموائل بن عادیا یہودی تھے جنہوں نے امرؤالقیس کو پناہ دی اور پھر اس کا مال ومتاع اپنے پاس بطور امانت رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا پھر بھی امانت کسی غیر کے حوالے نہیں کی۔ اسی لیے عربی ادب میں ان کی وفاداری بطور ضرب المثل مشہور ہے۔

قرآن شریف میں یہودیوں اور عیسائیوں کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ اسی لئے بنو قریش شک کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی یا عیسائی عالم سمجھاتے ہیں۔ قرآن شریف میں اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا:

((ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر))

''ہمیں معلوم ہے وہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ آپ کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔''

عرب کے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور خود کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ اور جنتی سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جہنم ان کے لئے نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے ان میں سے کسی کو جہنم میں بھیجا گیا تو بھی معمولی عرصے کے لئے کیونکہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیوں کی طرح سمجھتے تھے۔

قرآن شریف نے ان دعووں کو باطل قرار دے کر اعلان کر دیا کہ یہودیوں کو بھی جزا و سزا ان کے اعمال پر ملے گی اور کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت حاصل ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔''

عیسائیوں کی طرح یہودیوں نے بھی اپنی مقدس کتاب تورات میں تحریف کی۔ ان میں سے بہت سے یہودی تورات کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، پھر بھی غلط باتیں مشہور کرتے رہے۔ انہوں نے محض دنیوی منفعت کی خاطر تورات کی آیتیں بدل دیں اور حرام و حلال قرار دے دیا۔ اسی لیے تورات کے ایک حصہ پر ان کا ایمان قائم نہیں رہا۔ پھر انہوں نے بہت سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی یا پھر اپنی مطلب برآوری کے لئے تورات کی آیتوں کی تشریح وتاویل کی غرض سے انہوں نے اس کی اصلی عبارت کو چھپا دیا۔ انہوں نے ممانعت کے باوجود سود لینا اور ناحق لوگوں کا مال کھانا شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے زنا کاری کی مقررہ سزا (حد) پر بھی پردہ ڈال دیا۔ اگرچہ تورات میں ''نبی منتظر'' کے بارے میں جو کچھ تحریر ہے وہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے، پھر بھی انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر تسلیم نہیں کیا۔

یہودی اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بخل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ایسی ناحق بات کی وجہ سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور انہیں ملعون قرار دے دیا گیا۔

انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگایا، حالانکہ وہ برگزیدہ، طاہرہ اور صدیقہ خاتون تھیں۔ قرآن حکیم نے واضح کر دیا:

''وہ متقی ترین خاتون تھیں۔ حق بات تو یہی ہے کہ جو اللہ اپنی قدرت سے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے وہی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے تخلیق کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ پھر دوسروں کو شک کرنے کا حق کیسے پہنچتا ہے۔''

یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک ہی قسم کے جھوٹے دعوے کیے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا عقیدہ تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور جنت میں نہیں جائے گا۔ دونوں میں سے ہر ایک نے اسلام کو جھٹلانے کی کوشش کی اور کافروں کو ورغلایا کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو جائیں، حالانکہ صحیح مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب حنیف ہے جو یقیناً مشرکوں میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب کو مانتے تھے۔ یہودی کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہا السلام یہودی تھے، عیسائی دعویٰ کرتے کہ وہ نصرانی تھے۔ قرآن شریف نے دونوں کے دعوے کو باطل قرار دے دیا اور ثابت کر دیا کہ ''وہ حنیف و مسلم تھے، مشرک نہیں تھے۔'' پچھلے پیغمبروں کے بارے میں بھی ان دونوں کا یہی خیال تھا۔

پھر یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک دوسرے کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ یہودیوں نے عیسائیوں کو گمراہ قرار دیا اور عیسائیوں نے دعویٰ کیا کہ یہودی حق پر قائم نہیں رہے۔ اس باہمی تکرار نے دونوں کی قلعی کھول دی اور ثابت کر دیا کہ دونوں گمراہ ہو گئے ہیں۔ اسی لئے قرآن شریف میں ایسے گمراہ یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ یمن کے یہودیوں اور عیسائیوں میں باہمی کشمکش کی وجہ سے جنگ شروع ہو گئی۔

حمیری حاکم ذونواس نے یہودی مذہب قبول کرنے کے بعد عیسائیوں کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی۔ نجرانی عیسائیوں نے یہودی مذہب قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ اسی لیے قرآن شریف میں ان لوگوں کا ذکر ''اصحاب الاحدود'' کے نام سے آیا ہے۔ یہ واقعہ اکتوبر ۵۲۳ء میں پیش آیا جسے تفصیل کے ساتھ بیت ارخام کے بشپ شمعون نے بیان کیا ہے۔ قیصر روم کے اشارے پر حبشہ کی فوجوں نے یمن پر قبضہ کر لیا اور عیسائیت کا علم وہاں لہرا دیا۔ پھر بھی کشمکش جاری رہی اور دونوں میں مذہبی مناظرے ہوتے رہے۔

مظاہر پرستی:

جاہلیت کے بعض فرقہ ستارہ پرست تھے۔ بنی تمیم کے بعض اشخاص دبران کو پوجتے تھے اور لخم اور خزاعہ اور قریش کے بعض قبائل شعریٰ کو۔ شعریٰ کے پوجنے کی بدعت سب سے پہلے ابو کبشہ نے نکالی تھی۔ اس فرقہ کی تردید قرآن مجید کی اس آیت میں کی گئی ہے:

((انہ ھو رب الشعریٰ))

''اللہ تعالیٰ شعریٰ کا بھی پروردگار ہے۔''

وہ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ درختوں، غاروں، چشموں، کنوؤں اور پتھروں کو مقدس مانتے تھے۔ ابن ہشام و طبری کے مطابق نجران میں ایک کھجور کا درخت تھا جسے وہ بہت زیادہ مقدس مانتے تھے۔ لوگ اس کی زیارت کرتے اور اسلحہ، لباس اور دوسری قیمتی چیزیں چڑھاتے تھے۔ اہل مکہ ایک اور درخت کی زیارت ہر سال کرتے تھے۔ جس کا نام ''ذات الانواط'' (جس پر چیزیں لٹکائیں جائیں) تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ درخت عزیٰ کے بت کدے میں لگا ہوا ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ غاروں میں مافوق الفطرت طاقتیں رہتی ہیں۔ وہ انہیں بھی مقدس مانتے تھے۔ نخلہ میں ایک غار ''غبغب'' تھا جسے وہ بہت ہی مقدس مانتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی غار میں عزیٰ کے نام پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق یہاں پر صرف اونٹوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ ریگستانوں میں صاف و شفاف پانی کا قحط ہوتا ہے۔ اسی لیے جاہل عرب میٹھے پانی کے چشموں اور کنوؤں کو اسی طرح مقدس مانتے تھے جس طرح اہل ہنود گنگا، جمنا اور دوسرے دریاؤں کو مانتے ہیں۔ عربوں کا ایک عظیم بت ''بعل'' زمین دوز پانی اور چشموں کا دیوتا تھا۔ چاہ زمزم اور چاہ عروہ کو عرصہ دراز سے تقدس حاصل تھا۔ یاقوت کے مطابق لوگ چاہ عروہ کا پانی لے جا کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کو تحفے کے طور پر دیتے تھے۔

جاہلیت کے بعض قبائل چاند اور سورج کو بھی پوجتے تھے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

((لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا اللہ الذی خلقھن))

''نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے بلکہ اس اللہ کے آگے جھکو جس نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے۔''

جاہل عرب سیارہ پرست بھی تھے۔ یمن میں حمیری عرب سورج کی پرستش کرتے تھے۔ بنو کنانہ چاند کو پوجتے تھے، قبیلہ اسد عطارد کی، لخم وجذام مشتری کی، بنو تمیم "دبران" اور بنو قیس و بنو خزاعہ "شعریٰ" کی پرستش کرتے تھے۔ دومۃ الجندل میں بنو کلب "ود" چندر دیوتا کے پرستار تھے جس کی شکل آدمی جیسی تھی۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہل مدینہ کی مقدس دیوی "عزیٰ" ستارہ زہرا کا مظہر تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان ستاروں کا اثر انسان کی قسمت پر ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں کسی بڑے آدمی کی وفات پر سورج گرہن ہوتا ہے۔ یہی بات انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات کے موقع پر کہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خیال باطل قرار دیا۔

مجوس:

عرب کے بعض دیہات میں مجوس آباد تھے۔ یہ لوگ آگ کو پوجتے تھے اور ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ (ماں، بہن، بیٹی، بھتیجی) سے نکاح جائز جانتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ بنو تمیم میں صرف ایک شخص دین ابراہیم کا پیرو تھا۔ بنو تمیم کا رئیس زرارہ تمیمی مجوسی تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ ابن قتیبہ کے مطابق اقرع بن حابس تمیمی بھی مجوسی تھا۔ منذر بن ساوی عبدی حاکم بحرین کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے علاقے میں مجوسی بھی آباد تھے۔ البتہ ان میں نسطوری فرقے کے عیسائی کافی تعداد میں موجود تھے، اسی لیے وہ بازنطینی مملکت کے اثر میں تھے اور اس کے اشارے پر ایرانی مملکت کے شہروں پر چھاپے مارتے اور لوٹ مار کرتے تھے۔

ملائکہ پرست اور جنات پرست:

دیہات کے بعض لوگ فرشتوں اور جنات کو بھی پوجتے تھے۔ اس فرقہ کی تردید قرآن مجید کی اس آیت میں کی گئی ہے:

((ویوم نحشر هم جمیعا ثم نقول للملئكة اهؤلا ایاكم كانو یعبدون قالوا سبحانك انت ولینا من دو نهم بل كانوا یعبدون الجن اكثر هم بهم مؤمنون))

"اس دن کو یاد کرو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا والی ہے۔ یہ لوگ ہمیں نہیں پوجتے تھے بلکہ جنوں کو پوجتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ جنوں ہی پر ایمان رکھتے تھے۔"

اس آیت میں جو فرشتوں نے اپنی پرستش کا انکار کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ سرے ہی سے فرشتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے، کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو اللہ کے فرشتوں سے پوچھنے کے کیا معنی تھے۔ کیا وہ عالم الغیب فضول سوال کر سکتا ہے بلکہ فرشتوں کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنی پرستش کے لئے اغواء نہیں کیا تھا۔ یہ کام جنات کا ہے۔ جنات ہی پر یہ لوگ ایمان رکھتے تھے اور انہیں کا کہا مانتے تھے۔ انہوں نے ہی ان سے ہماری پرستش بھی کرائی ہوگی۔

زنادقہ:

یہ فرقہ جہان کے دو خالق مانتا تھا۔ ایک خیر اور نور کا اور دوسرا شر اور ظلمت کا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں اس فرقہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کے عقائد کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ قریش میں کچھ لوگ زندیق تھے جنہوں نے اس مذہب کو حیرہ سے لیا تھا۔ حیرہ چونکہ بلاد فارس میں واقع تھا اور اس میں جو عرب رہتے تھے وہ یا پارسی دین رکھتے تھے یا عیسائی۔ پس جو عقائد حیرہ سے ماخوذ ہوں گے وہ لامحالہ

پارسی بن گے، کیونکہ عیسائی عقائد والوں کو زندیق کہنے کے کوئی معنی نہیں۔غرض ابن قتیبہ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں یہ مذہب فارس سے آیا تھا اور چونکہ پارسیوں کے عقائد میں سب سے مقدم یہ عقیدہ ہے کہ وہ خیر وشر کے علیحدہ علیحدہ دو خالق مانتے ہیں۔اس لئے ہم نے اس فرقہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ وہ دو خالق مانتا تھا۔

صابئین:

یہ وہ قوم تھی جس سے رئیس الموحدین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کواکب پرستی میں مناظرہ کیا تھا اور ستارہ اور چاند اور سورج کے چھپنے سے ان کو قائل کیا تھا کہ یہ چیزیں معبود بننے کی قابلیت نہیں رکھتیں، کیونکہ یہ چیزیں زوال پذیر ہیں۔ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں اور معبود وہ ہونا چاہئے جو بے زوال ہو۔غرض جس قوم کی ہدایت کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہ قوم صابی کہلاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر صابئین کی دو قسمیں تھیں:

1: حنفاء۔ 2: مشرکین۔

حنفاء وہی لوگ ہیں جن کا ذکر پہلے موحدین میں گزر چکا۔چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے تھے، اس لئے کفار قریش آپ کو بھی صابی کہتے تھے۔

مشرکین سبعہ سیارہ اور بارہ برجوں کو پوجتے تھے۔سبعہ سیارہ، شمس، قمر، زہرہ، مشتری، مریض، عطارد، زحل کے لئے انہوں نے علیحدہ علیحدہ ہیکلیں بنائی تھیں جن میں ان کی تصویریں تھیں۔ان ستاروں کیلئے ان کے ہاں خاص خاص عبادتیں اور دعائیں مقرر تھیں۔ نجومیوں کی طرح پچھتروں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ان کا حرکات وسکنات اور تمام کاروبار کا مدار پچھتروں پر تھا۔اور بارش کو پچھتروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔چونکہ نبوت کے یہ لوگ سرے ہی سے قائل نہ تھے، اس لئے ان کا کوئی خاص دین نہیں تھا۔ بلکہ اس کا اصل اصول یہ تھا کہ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ہر دین میں سے عمدہ عمدہ باتیں چن لیتے تھے۔گویا یہ لوگ اس زمانہ کے برہمو تھے۔

مورخین نے لکھا ہے:

> ''عرب میں صابئی مذہب کے پیرو بھی موجود تھے۔وہ حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کو اپنا پیغمبر مانتے تھے۔ سات وقت کی نماز پڑھتے، ایک مہینے کے روزے رکھتے اور نماز جنازہ کے بعد میت کو دفن کرتے تھے۔خانہ کعبہ کی عظمت کے قائل تھے مگر سبع سیارہ کی پرستش بھی کرتے تھے۔قرآن شریف میں یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ صابیوں کا تذکرہ بھی آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان تینوں مذاہب کے وہ لوگ جنت میں جائیں گے جو اللہ پر ایمان لائے، یوم آخرت کو تسلیم کرلیا اور نیک کام (عمل صالح) کیے۔'' (سورۃ البقرۃ)

دہریہ:

جاہلیت میں بعض قبائل دہریہ تھے۔جو اللہ اور جزائے اعمال کے منکر تھے اور عالم کو قدیم مانتے تھے۔اس فرقہ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے:

((ماهي الا حيا تنا الدنيا نموت و نحيا و ما يهلكنا الا الدهر))

''سوائے دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں۔زمانہ کی تاثیر سے خود بخود ہی ہم مرجاتے ہیں۔اور خود بخود ہی پیدا ہو جاتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ماردیتا ہے۔''

بت پرست:

دور جہالت کے عرب بت پرست تھے، وہ مظاہر پرستی اور اعاظم پرستی کی لعنتوں میں گرفتار تھے۔ البتہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے قائل اور حشر و قیامت اور جزا و سزا پر عقیدہ رکھتے تھے۔ ان میں ایک جماعت ایسی بھی پیدا ہوئی جس نے بتوں کو ٹھکرا دیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا۔ ان کے علاوہ بہت سے عرب عیسائی، یہودی اور صابیٔ مذہبوں کے پیرو بھی تھے۔ اس طرح عربوں میں بت پرستی کے علاوہ دوسرے مذہب بھی پھیل چکے تھے مگر ان مذہب کے ماننے والوں کی تعداد بت پرستوں کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی۔

عربوں میں بت پرستی عہد قدیم سے رائج تھی۔ عاد، ثمود، طسم، جرہم اور عمالقہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی کوششوں سے ایک اللہ کے پرستاروں کی جماعت پیدا ہوئی تھی، لیکن ان کے بعد ان کے خاندان میں خانہ کعبہ کی تولیت کچھ عرصہ ان کے بعد برقرار نہیں رہی۔ بنو جرہم اور بنو خزاعہ نے اس منصب پر قبضہ کر کے بت پرستی شروع کر دی تھی۔ بنو خزاعہ کے رئیس عمرو بن لحی نے دین اسماعیل کو ترک کر دیا اور بت پرستی رائج کر دی۔ ایک روایت کے مطابق اس نے شام میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا۔ ان سے حقیقت معلوم کی تو انہوں نے بتایا:

''ان بتوں سے ہماری بہت سی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں، ان کی وجہ سے ہمیں لڑائیوں میں فتح حاصل ہوتی ہے اور قحط پڑتا ہے تو ان کی سفارش سے بارش ہونے لگتی ہے۔''

عمرو بن لحی نے ان سے کئی بت حاصل کیے اور مکہ مکرمہ میں لا کر خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس نصب کر دیئے۔ پھر خود بھی ان کی پرستش شروع کر دی اور دوسروں کو بھی بت پرستی کی طرف مائل کر دیا۔ ابن ہشام کی ایک روایت کے مطابق اس نے موآب یا عراق سے ہبل کا بت لا کر خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن لحی نے بت پرستی کی لعنت موآب، عراق یا شام سے حاصل کی اور اسے مکے میں رائج کر دیا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رایت عمرو بن لحی یجرو قصبه فی النار))

''میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ نار جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹے جا رہا ہے۔''

اکثر لوگ ان بتوں کو اللہ تصور نہیں کرتے بلکہ انہیں اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ سورۂ زمر کی ایک آیت کے مطابق بت پرست یہی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تو ان بتوں کی پرستش کر کے بارگاہ الٰہی میں قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

ان کا عقیدہ تھا کہ ان بتوں کی سفارش سے ان کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے اور ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ان کے بہت سے بت جانوروں اور پرندوں کے نام پر بھی تھے۔ ''عوف'' ایک بہت بڑے پرندے کو کہتے ہیں اور ''نسر'' (گدھ) بھی ایک پرندے کا نام ہے۔ وہ ان دونوں بتوں کو پوجتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں طیور پرستی بھی رائج تھی۔ ہر قبیلے کا الگ الگ مخصوص بت تھا جن کی پرستش وہ پابندی سے کرتے تھے۔ بنو مرج اور بعض یمنی قبیلے ''یغوث'' کو، بنو ہمدان ''یعوق'' کو اور بنو ہذیل ''سواع'' کو پوجتے تھے۔ ''یعوق'' کی شکل گھوڑے اور ''یغوث'' کی شکل شیر جیسی تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر بتوں کو پوجتی تھی جن کا تذکرہ قرآن شریف کی سورۂ نوح میں کیا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

''ان کی قوم کے امیر لوگوں نے غریبوں کو گمراہی میں ڈال دیا۔ انہوں نے ان پر زور ڈالا کہ وہ کبھی بھی اپنے معبودوں کی پرستش نہ کریں اور ود، سواع اور یغوث کی عبادت ترک نہ کریں۔ اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ ان

ظالموں کی گمراہی تو اور بھی زیادتی ہوگئی۔''

اسی بات پر مندرجہ ذیل آیت میں روشنی ڈالی گئی ہے:

((وقالوا لاتذرن الھتکم ولا تذرن ودّا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق و نسرا وقد اضلوا کثیرا ولا تذد الظلمین الا ضللا))

ان کے بت خاص قسم کے پتھر ہوتے تھے۔ بترا میں ''ذوالشریٰ'' کا بت مربع کی شکل میں سیاہ رنگ کا ایک ناتراشیدہ پتھر تھا جس کی اونچائی چار فٹ اور چوڑائی دو فٹ تھی۔ اسی طرح ''مناۃ'' بت بھی ایک سیاہ پتھر تھا۔ ''لات'' کا بت بھی مربع کی شکل کا ایک پتھر تھا۔ سواع کا بت بھی ایک پتھر ہی تھا یہ ینبع کے قریب رباط میں نصب تھا اور بنولحیان اس کے متولی تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سواع ایک عورت کی شکل کا مجسمہ تھا۔ اسی طرح نائلہ بھی ایک عورت کی شکل کا بت تھا۔ جاہل عربوں کی نظر میں ان بتوں کو بہت زیادہ عظمت حاصل تھی۔ وہ لات، منات اور عزیٰ کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ ان کے بت کدے طائف، مکہ اور یثرب میں ودع تھے۔

''لات'' کا بت کدہ طائف میں واقع تھا۔ بنوثقیف خاص طور سے اس کی عبادت کرتے تھے۔ یہ ایک چوکور پتھر تھا جس کی زیارت کے لئے اہل مکہ اور دوسرے عرب دور دور سے آتے اور قربانی چڑھاتے تھے۔ اس کے حدود کو حرم کا مرتبہ حاصل تھا۔ یہاں کے جانوروں اور درختوں کو بھی مقدس سمجھا جاتا، نہ تو کوئی شکار کرسکتا اور نہ ہی کوئی درخت کاٹ سکتا تھا۔ کشت وخون کی بالکل ممانعت تھی۔ جنگ طائف کے بعد بنوثقیف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ ہوا جس پر عمل کرتے ہوئے آپ نے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کو طائف بھیجا جنہوں نے لات کے بت کدے کو منہدم کردیا۔

''عزیٰ'' کو بھی یہی تقدس حاصل تھا۔ ''عزیٰ'' کا بت کدہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف ایک منزل کے فاصلے پر نخلہ میں واقع تھا۔ اس کے متولی بنوشیبان تھے۔ خاص طور سے قریش وکنانہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ کلبی کے مطابق یہ سب سے مقدس اور قابل تعظیم دیوی تھی۔ لوگ خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے، حج کی رسمیں ادا کرتے اور اس کے استھان پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ یہاں انسان کی قربانی بھی دی جاتی تھی۔ جاہل عرب عبدالعزیٰ کا نام عام طور سے رکھتے تھے۔ امۃ عزیٰ کا نام بھی روایتوں میں موجود ہے۔ نالکسن کے مطابق ایک جنوبی عرب نے اپنی بیمار بیٹی امۃ عزیٰ کے نام سے سونے کا بت عزیٰ کے نام پر چڑھایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ابوسفیان اپنے ساتھ لات وعزیٰ کے بت میدان احد میں لے گیا تھا تاکہ ان کی برکت اور امداد سے وہ مسلمانوں پر فتح حاصل کرسکے۔ بالکل اسی طرح کی رسم بنواسرائیل میں رائج تھی جو اسی مقصد سے ''تابوت موسوی'' کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ جاہل عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ سردیوں میں لات کے پاس اور گرمیوں میں عزیٰ کے پاس رہتا ہے۔

''مناۃ'' تیسری دیوی ہے جسے وہ اللہ کی بیٹی مانتے تھے۔ مکہ مکرمہ اور یثرب کے درمیان سمندر کے کنارے ''قدید'' کے قریب مشلل میں مناۃ کا معبد واقع تھا۔ یہ ایک کالے ناتراشیدہ پتھر کا بت تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن لحی نے اسے نصب کیا تھا۔ یہ یثرب (مدینہ) کے قبیلے اوس وخزرج کی مخصوص دیوی تھی۔ البتہ اسد، غسان، ہذیل، خزاعہ اور خزیمہ بھی اسے پوجتے تھے۔ اوس وخزرج خانہ کعبہ کا حج کرکے واپس یہاں آتے، سر منڈواتے اور اپنا احرام اتارتے تھے۔ یہ خاص طور سے قسمت کی دیوی تھی جس کا تذکرہ ''ذوالشریٰ'' کے ساتھ حجر کے نبطی کتبوں میں آیا ہے۔

لات، مناۃ اور عزیٰ تینوں دیویوں کا تذکرہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ ان کی پرستش کی مذمت کی گئی ہے اور پتھروں کی پوجا پر جاہل عربوں کی جہالت کی قلعی کھولی گئی ہے۔ سورۃ النجم میں اس تقسیم پر جاہل عربوں کو تنبیہ بھی کی گئی ہے اور انہیں مخاطب کرکے بتایا گیا ہے:

((ألکم الذکر ولہ الانثی تلك اذا قسمۃ ضیزی))

"تم تو اپنے لیے اولاد نرینہ چاہتے ہو لیکن اللہ کے لئے بیٹیوں کو مخصوص کر دیتے ہو۔ یہ تقسیم تو بہت ہی بری ہے، بے شک تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے یہ نام رکھ لیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اس تقسیم کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں اتری۔ یقیناً تم قیاس و گمان اور اپنے نفس کی پیروی کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ نے صحیح صحیح راستہ دکھا دیا ہے۔"

ان کے علاوہ ایک اور بت "ہبل" کو عظمت حاصل تھی۔ یہ اہل مکہ کا "صنم اعظم" تھا، جو قیمتی پتھر یاقوت احمر سے بنا ہوا انسانی شکل کا ایک مجسمہ تھا۔ عمرو بن لحی اس بت کو عراق یا موآب سے لایا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ عدنان و مضر کے پڑپوتے اور مدرکہ کے پوتے اسد بن خزیمہ نے اسے مکہ مکرمہ میں لا کر رکھا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ خانہ کعبہ کی چھت پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں سات تیر (ازلام) رکھے ہوئے تھے۔ جن پر "نعم" (ہاں) یا "لا" (نہیں) لکھا ہوا تھا۔ جاہل عرب ان تیروں سے فال نکالتے تھے۔ بنو قریش نے اسے بلند مقام عطا کیا حتیٰ کہ جنگوں میں وہ اسی کے نام کی جے پکارتے تھے۔ "معرکہ احد" میں ابوسفیان نے "اعلیٰ ہبل" کا نعرہ لگایا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق خانہ کعبہ کی چھت پر ہبل کے پاس "شمس" بت بھی رکھا ہوا تھا۔

ان کے علاوہ دوسرے بتوں کے نام بھی تاریخوں میں نظر آتے ہیں۔ کوہ مروہ پر "نائلہ" اور صفا پر "اساف" کی پرستش ہوتی تھی۔ بنو طے کے بت کدے میں "فلوس" یا "فلس" کی پوجا ہوتی تھی۔ اسے حضرت علی نے جولائی و اگست ۶۳۰ء میں منہدم کر دیا تھا۔ خثعم، باجلہ اور دوسرے قبیلے "ذوالخالصہ" کو پوجتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر حضرت جریر بن عبداللہ نے باجلہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تھا۔

"ذوالکفین" ایک اور بت تھا جسے منہدم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو بھیجا تھا۔ فتح مکہ کے بعد بت شکنی کی یہ مہم شروع ہوئی تھی۔ لات، مناۃ، عزیٰ اور سواع کے بت خانوں کو بھی اسی زمانے میں منہدم کیا گیا تھا۔

جاہل عرب اعاظم پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ وہ اپنے اسلاف کو مادی و روحانی طاقتوں کا سرچشمہ مانتے تھے۔ اسی لیے وہ ان کے مجسموں کے آگے سر جھکا کر ان کی برکت حاصل کرتے تھے۔ خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کی تصویریں موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں میں تیر اور ان کے قریب بھیڑ کا بچہ کھڑا دکھایا گیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کی مورتیاں بھی وہاں رکھی ہوئی تھیں۔

ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے کتاب الاصنام میں بت پرستی کی بنیاد یوں لکھی ہے کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے مکے میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ان کی نسل اس کثرت سے پھیلی کہ مکہ بھر گیا اور انہوں نے اکیلا کر کے ان عمالیق کو جو مکے میں رہتے تھے وہاں سے نکال دیا۔ اس پر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تمام اولاد مکے میں نہ سما سکی اور مکے میں جب کوئی غیر نہ رہا تو خود ان کے آپس میں عداوتیں واقع ہوئیں اور خانہ جنگیاں ہونے لگیں۔ جو فریق غالب آیا اس نے فریق مغلوب کو نکال دیا۔ اس طرح اسماعیل علیہ السلام کی اولاد معاش اور مسکن کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہوگئی اور جہاں جس کو ٹھکانہ ملا وہاں آباد ہوگئی۔ بتوں اور پتھروں کی پوجا کا سبب یہ ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حج اور عمرہ کی رسم ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے بطور وراثت کے چلی آتی تھی اور ان کو کعبہ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت اور انتہا درجہ کا عشق تھا۔ اس لئے جب کوئی شخص حرم سے باہر سفر کرتا تو حرم کعبہ کی تعظیم کے خیال سے حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتا اور جہاں ٹھہرتا اس کو اپنے آگے رکھ کر کعبہ کی طرح اس کے گرد طواف کرتا۔ پھر ان کے بعد ان کی اولاد نے جب یہ دیکھا کہ ہمارے بزرگ پتھروں کی تعظیم کرتے تھے تو وہ اس کی غرض و غایت کو نہ سمجھے اور ابراہیم و اسماعیل علیہ

السلام کا دین چھوڑ کر بتوں کو پوجنے لگے اور امم سابقہ قوم نوح وغیرہ کی روش اختیار کر لی جس پتھر کو چاہتے تھے پوجنے لگے تھے، لیکن پھر بھی کچھ لوگ دین اسماعیل علیہ السلام پر باقی رہے۔ اگرچہ انہوں نے بھی اس میں بعض وہ باتیں داخل کر لیں جو اس میں نہیں تھیں۔

یہ سبب ہوا مکے اور اس کے نواح سے باہر بت پرستی کے پھیلنے کا لیکن مکے اور اس کے نواح میں جس شخص نے سب سے پہلے دین اسماعیل علیہ السلام کو بدلا اور بتوں کو قائم کیا اور سائبہ اور بحیرہ اور وصیلہ اور حام چھوڑے وہ عمرو بن لحی خزاعی ہے۔ یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ خزاعہ کا جد اعلیٰ ہے جس کی طرف قبیلہ خزاعہ منسوب ہے۔ اس کی ماں کا نام فہیرہ تھا جو عمرو بن حارث کی بیٹی تھی۔ عمرو اس کا نانا یعنی فہیر کا باپ مکے کا اخیر متولی تھا جس کے بعد عمرو بن لحی اور اس کا نواسا مکے کا متوالی ہوا۔ اس کے بعد سے خانہ کعبہ اور مکے کی تولیت خزاعہ میں ہو گئی اور تین سو برس تک اسی قبیلہ میں رہی۔

اس کے بتوں کے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے بعد یہ شخص بیمار ہو گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ بلقاء شام میں ایک حمام ہے۔ اگر تو وہاں جائے اور اس میں غسل کرے تو تجھے آرام ہو جائے گا۔ یہ وہاں گیا اور اس نے اس حمام میں غسل کیا جس سے اسے آرام ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں کو اس نے بتوں کو پوجتے دیکھا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود ہیں۔ انہیں سے ہم مینہ برسنے کی دعا مانگتے ہیں اور انہیں سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک ہمیں بھی دے دو۔ انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا اور اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا۔ جب یہ وہاں سے مکہ آیا تو اس بت کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا۔ یہ سب سے پہلا بت ہے جو خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ اس کے بعد یہ جدہ گیا اور وہاں سے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ پانچ بت لایا اور ان کو خانہ کعبہ کے گرد کھڑا کر دیا۔ یہ پانچوں بت قوم نوح کے تھے۔ جو اس کی کوشش سے اہل عرب کے ہاتھ لگ گئے اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس کے کہنے سے عرب نے ان بتوں کو پوجنا شروع کر دیا۔

ان بتوں کی کیفیت یہ ہے کہ برد بن مہائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام کے وقت میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانچ آدمی تھے جو نہایت صالح اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اتفاقاً پانچوں ایک ہی مہینے میں مر گئے۔ ان کے قریبی رشتہ داروں کو ان کے مرنے کا نہایت رنج ہوا اور زیادتی غم والم کی وجہ سے ان کے کاروبار میں فرق آ گیا۔ ان کا اندوہ وغم اور رنج والم روز بروز بڑھتا گیا اور کسی طرح ان کے بیقرار دل کو تسکین نہ ہوئی۔ ان کی محبت جوش مارتی تھی، لیکن صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی جب ان کی بے صبری حد سے بڑھ گئی تو بنی قابیل میں سے ایک شخص نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کی صورت پر پانچ بت بنا دوں، ان بتوں اور ان بزرگوں کی صورت میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔ البتہ میں ان میں فقط روح نہیں ڈال سکتا۔ انہوں نے اس امر کو بخوشی منظور کر لیا۔ اس نے ان کی صورت پر پانچ بت بنا کر ان کیلئے ایک جگہ کھڑے کر دیئے۔ جب وہ بت نصب ہو گئے تو ہر ایک بت کے پاس اس کے بھائی، بھتیجے، چچا اور رشتہ دار آئے۔ اس کی تعظیم کرتے اور اس کے گرد پھرتے یہاں تک کہ یہ قرن اسی طرح گزر گیا۔ جب دوسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے ان بتوں کی پہلے قرن والوں سے زیادہ تعظیم کی اور اس طرح روز بروز ان کی تعظیم بڑھتی رہی۔ پھر جب تیسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے جو ان بتوں کی تعظیم کی ہے تو غالباً اس لئے کی ہے کہ انہیں یہ قوی امید تھی کہ یہ بت خدا کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے۔ یہ قیاس دوڑا کر انہوں نے ان بتوں کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور انہیں پوجنے لگے اور ان کا کفر اور بڑھ گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک یہ بت بچتے رہے اور روز بروز لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم بڑھتی رہی۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی تعظیم اور پرستش میں اور بھی مبالغہ کیا۔ ہرچند اس برگزیدہ خدا نے سمجھایا کہ بھائیو خدا کے سوا اور کوئی قابل پرستش

نہیں ہے۔ان بتوں کو چھوڑو اور خدا کے آگے جھکو، لیکن ان بدنصیبوں نے ایک نہ سنی۔حضرت نوح کا مقابلہ کیا اور سب نے مل کر کہا:

((لا تذرن الھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا و لا یغوث و یعوق ونسرا))

''اس کے کہنے سے تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔نہ ود کو چھوڑو، نہ سواع کو، اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔''

آخر ان بدکرداروں پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ طوفان آیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔طوفان ان پانچوں بتوں کو بہا کر جدہ لے آیا۔پانی خشک ہو جانے کے بعد یہ بت نہر جدہ کے ایک کنارہ پر پڑے رہ گئے اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ہوا سے مٹی اڑ اڑ کر ان کے اوپر پڑتی رہی اور اس طرح ایک عرصہ کے بعد زمین میں گڑ گئے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

عرب میں ان بتوں کے آنے کا سبب یہ ہوا کہ عمر بن لحی خزاعی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ایک کاہن تھا جس کا ایک جن تابع تھا۔اس جن نے اسے ورغلایا اور یہ حکم دیا کہ یہاں سے جلد روانہ ہو اور سعادت اور سلامتی کے ساتھ تہامہ سے سفر کر۔جدہ جا وہاں تو چند بت بنے بنائے تیار پائے گا۔ان کو تہامہ میں لا اور کسی سے نہ ڈر۔پھر تمام عرب کو ان کی عبادت کی طرف بلا۔عرب تیرا کہا مانیں گے۔

(بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ ص ۲۳۱ مطبوعہ بغداد)

جن کا یہ حکم سن کر عمرو بن لحی نہر جدہ پر پہنچا اور نہر کھود کر ان بتوں کو نکال کر تہامہ لایا۔پھر جب حج کا موسم آیا اور اطراف و جوانب کے عرب مکے میں جمع ہوئے تو اس نے تمام عرب کو ان بتوں کی عبادت کی طرف بلایا۔سب سے اول عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس کا کہا مانا۔اس نے اس کو ود دے دیا۔عوف نے اس کو دومتہ الجندل کی وادی القری میں نصب کر دیا اور اس کے نام پر اپنے بیٹے کا نام عبد ود رکھا۔عرب میں یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اپنے بیٹے کا نام بت کے نام پر رکھا۔پھر عوف نے اپنے بیٹے عامر کو اس کا مجاور بنا دیا۔چنانچہ اسلام کے زمانہ تک اسی کی اولاد اس بت کی مجاور رہی۔

عمرو بن لحی مذکور اپنے وقت میں عرب میں نہایت مقتدر اور قابو یافتہ تھا۔اہل عرب کیلئے جو شریعت تجویز کرتا تھا اور جو جو بدعت نکالتا تھا وہ اس کو نہایت خوشی سے قبول کر لیتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص کاہن تھا، جن کو اہل عرب پیغمبروں کی طرح مانتے تھے۔اس کے علاوہ خانہ کعبہ کا متولی اور حد درجہ کا سخی اور فیاض تھا۔ایام حج میں لوگوں کو کھانا اور کپڑا دیتا تھا۔اس کی سخاوت اور فیاضی کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ حج کے موسم میں ہمیشہ دس ہزار اونٹ قربان کرتا تھا اور لوگوں دس ہزار جوڑے کپڑے پہناتا تھا۔

(بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ ص ۲۳۱ مطبوعہ بغداد) (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)

بت پرست اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے اور ان کے لیے حج اور قربانیاں بھی کرتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی خالق کے وجود کے قائل تھے۔عالم کو حادث مانتے تھے اور مرنے کے بعد ایک قسم کے اعادہ کے سب قائل تھے گو اس کی صورت اور کیفیت میں اختلاف تھا۔جائز ناجائز اور حرام وحلال کے بھی قائل تھے۔ان کی توحید یہ تھی کہ خالق، رازق، لوگوں کے کام سنوارنے والا، نفع نقصان کا مالک، پناہ دینے والا فقط ایک خدا کو جانتے تھے اور ان امور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ان کا یہ کامل اعتقاد تھا کہ جہان کا پیدا کرنے والا مخلوق کا پالنے والا اور روزی دہندہ، لوگوں کی دعائیں سننے والا اور انہیں پناہ دینے والا، نفع ونقصان کا مالک سوائے ایک خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ان کا یہ اعتقاد قرآن مجید کی ان آیات سے بخوبی ثابت ہوا ہے:

((ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله ولئن سالتهم من خلقهم ليقولن الله))

"اگر تو ان سے پوچھے گا کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے اور اگر یہ پوچھے گا کہ خود ان کو کس نے پیدا کیا تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔"

((و قل من یرزقکم من السماء الارض ومن یملك السمع والا بصار و من یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی ومن ید برالا مر فسیقولون الله))

"ان سے پوچھو کہ بھلا تمہیں آسمان اور زمین میں سے روزی کون دیتا ہے اور بھلا شنوائی اور بینائیوں کا مالک کون ہے۔؟ اور مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے اور لوگوں کے کام کون سنوارتا ہے؟ ان سب باتوں کا جواب یہی دیں گے کہ اللہ۔"

باوجود اس اقرار ربوبیت کے جو یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بتوں کی عبادت سے بھی ان کا مقصود خدا ہی کی عبادت اور اس کا تقرب تھا۔ بتوں کی پرستش کی وجوہات ہر گروہ اور فرقہ نے علیحدہ علیحدہ قائم کی تھیں، لیکن مآل سب کا ایک ہی تھا۔ بعض کا یہ قول تھا کہ ہم میں اس قدر قابلیت نہیں ہے جو خدا کی عبادت بلا واسطہ کریں، کیونکہ خدا کی شان عظیم ہے، ہم بلا واسطہ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں تا کہ یہ ہمیں خدا تک پہنچا دیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا یہ قول موجود ہے:

((ما نعبد هم الا لیقر بونا الی الله زلفی))

"ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہمارا قرب بڑھا دیں۔"

بعض کہتے تھے کہ اللہ کے نزدیک فرشتوں کا بڑا مرتبہ ہے، اس لئے ہم نے ان کی صورت پر بت بنائے ہیں تا کہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ بعض کہتے تھے کہ ہم نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے اپنا قبلہ مقرر کیا ہے جیسا کہ اس کی عبادت کیلئے کعبہ بھی ایک قبلہ ہے۔ بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر بت پر خدا کے حکم سے ایک شیطان مقرر ہے۔ پس جو شخص بت کی عبادت خوب دل لگا کر کرتا ہے خدا کے حکم سے شیطان اس کی حاجتیں پوری کر دیتا ہے، ورنہ خدا ہی کے حکم سے شیطان اس کو تکلیف دیتا ہے۔

پھر ان بت پرستوں میں سے بعض حشر اور قیامت کے منکر تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا یہ قول بیان کیا گیا ہے:

((و اذامتنا و کنا ترابا و عظاما ائن لمبعوثون))

"جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے یا ہمارے اگلے باپ دادا زندہ کئے جائیں گے۔"

انکار حشر کے متعلق عرب جاہلیت کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

حیاة ثم موق ثم نشر

حدیث خرافة یا ام عمرو

"جینا پھر مرنا۔ پھر اس کے بعد حشر، اے ام عمرو یہ بات تو واقعہ خرافہ ہے۔" (واقعہ خرافہ پر آئندہ سطور میں روشنی ڈالی جائے گی۔)

شداد بن اسود بن عبد شمس بن مالک ان کفار قریش کے مرتبہ میں کہتا ہے جو بدر میں قتل کئے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے کنوئیں میں ڈلوا دیا تھا:

وما ذابالقلیب قلیب بدر — من الشیزی تزین بالسنابر

وما ذابالقلیب قلیب بدر — من القینات والشرب الکرم

تحیّنا السلامة ام بکر — فهل لیَ بعد قومی من سلام

یحدثنا الرسول بان سنحیا و کیف حیوة اصداء وهام

''بدر کے کنوئیں میں کیسے سخی اور داتا لوگ پڑے ہوئے ہیں جو اونٹ کی کوہانوں سے کٹھرے سجا کر مہمانوں کی نذر کرتے تھے۔ بدر کے کنوئیں میں کیسے ارباب نشان پڑے ہوئے ہیں جن کے پاس ہر وقت ڈومنیاں گالی رہتی تھیں اور سخی مےنوشوں کے ندیم تھے۔ ام بکر ہم کو سلامتی کی دعا دیتی ہے۔ کیا مجھے میری قوم کے بعد سلامتی حاصل ہو سکتی ہے؟ رسول ہم سے کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہم زندہ کئے جائیں گے۔ بھلا جب آدمی الو بن گیا تو پھر زندہ ہونا کیسا۔؟''

یہ شاعر حشر کا انکار کرتا ہے اور الو کا ذکر اس لئے کیا کہ ان کے اعتقاد میں جب آدمی گل سڑ جاتا ہے تو اس کی کھوپڑی میں سے ایک نکلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی الو ہو گیا تو دوبارہ انسان کیسے بن سکے گا؟

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حشر کے قائل تھے، لیکن اس میں انہوں نے بہت سی غلط راہیں شامل کر لی تھیں۔ بعض کا یہ اعتقاد تھا پیغمبر بشر نہیں ہو سکتا۔ ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے:

((لو لا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا))

''اس پیغمبر کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا کہ وہ بھی اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا؟''

جنات اور ملائکہ کی نسبت مشرکین عرب خصوصاً اہل مکہ کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کے سرداروں کی بیٹیوں سے شادی کی ہے، جن کے بطن سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے اسی بیہودہ اعتقاد کی تردید میں سورۂ والصفت کی آیتیں نازل ہوئی:

''اے پیغمبر! ان سے پوچھ کہ کیا تیرے پروردگار کیلئے لڑکیاں ہیں اور ان کیلئے لڑکے یا ہم نے ان کے سامنے فرشتوں کو مونث کیا ہے؟ سن لے کہ یہ بہتان سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی؟ نہیں! کیا ہو گیا؟ کیسا انصاف کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ یا تمہارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لاؤ اور اس میں دکھلاؤ اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ ٹھہرایا حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ وہ اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ یہ مشرک جو اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اللہ ان اوصاف سے پاک ہے۔''

حاملین عرش کی نسبت مشرکین عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ چار فرشتے خدا کا عرش تھامے ہوئے ہیں جن میں ایک فرشتہ آدمی کی صورت ہے۔ جو اللہ کے ہاں بنی آدم کا شفیع ہے دوسرا فرشتہ بیل کی صورت پر ہے، وہ بہائم کا شفیع ہے، تیسرا فرشتہ کرگس کی صورت پر ہے جو پرندوں کا شفیع ہے اور چوتھا شیر کی صورت پر ہے، وہ درندوں کا شفیع ہے۔ مشرکین عرب ان چاروں فرشتوں کو دعول یعنی بز کوہی کہتے تھے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

رجل و ثور تحت رجل یمینه والنسر للاخری ولیث مرصد
والشمس تطلع کل اخر لیلة حمراء یصبح لو نها یتورد
تابیٰ فما تطلع لنا فی رسلها الا معذبة والا تجلّد

''عرش کے ایک پایہ پر آدمی ہے اور دوسرے پر بیل، تیسرے پر کرگس ہے اور چوتھے پر شیر۔ صبح کو ہر رات کے خاتمہ پر

سورج سرخ گلابی رنگ نکلتا ہے۔ وہ نکلنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی خوشی سے نہیں نکلتا۔ مگر جب اس کو عذاب دیا جاتا ہے اور کوڑے لگائے جاتے ہیں تب نکلتا ہے۔''

جاہلیت کے لوگ تقدیر کے ویسے ہی قائل تھے، جیسے قائل مسلمان ہیں۔ وہ افلاس، تو انگری، صحت، بیماری اور ہر امر کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو کچھ ازل میں مقدر ہو چکا ہے وہی ہوا، وہی ہو رہا ہے، اور وہی آئندہ ہوگا۔ حسن بصری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے لوگ اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ تقدیر کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ شرع شریف نے اس کی تاکید کردی۔

جاہلیت کی حکایت......واقعہ خرافہ:

حدیث خرافہ زمانہ قدیم سے بطور ضرب المثل کے لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ اہل عرب ہر ایک بے حقیقت اور چھوٹی بات کو حدیث خرافہ کہتے ہیں۔ خرافہ ایک شخص کا نام تھا جس نے ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے:

ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے واقعہ خرافہ بیان فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ خرافہ پر رحم کرے وہ ایک نیک آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے اپنا قصہ یوں بیان کیا تھا کہ ایک رات وہ اپنے کسی کام کے لئے جارہا تھا۔ رستے میں اسے تین جن مل گئے جنہوں نے اسے پکڑ کر قید کرلیا۔ قید کرنے کے بعد ان تینوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔ ایک نے کہا کہ مناسب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دو۔ دوسرے نے کہا: نہیں ہم اسے قتل کریں گے۔ تیسرے نے کہا: قتل سے کیا فائدہ ہم اسے اپنا غلام بنا کر رکھیں گے۔ غرض وہ تینوں اس کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ اور ہنوز کسی بات پر ان کی رائے متفق نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا۔ سلام کے بعد اس نے ان سے پوچھا: تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو۔؟ انہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ اس آدمی کو ہم نے قید کیا ہے۔ سو ہم اس کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ اسے کیا کریں۔ اس نے کہا:

اگر میں تمہیں ایک عجیب واقعہ سناؤں تو تم اس شخص میں مجھے بھی شریک کرلو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔! اگر تو نے ہمیں کوئی عجیب واقعہ سنایا تو ہم ضرور اس آدمی میں تجھے اپنا ساجی کرلیں گے؟ اس نے کہا: تو سنو! میرا قصہ نہایت عجیب وغریب ہے۔ میں ایک بہت بڑا امیر اور مالدار آدمی تھا۔ اللہ نے ہر قسم کی دولت اور نعمت مجھے دی تھی، لیکن جب میری تقدیر بگڑی تو میری ساری دولت وثروت جاتی رہی اور مقروض ہوگیا۔ جب قرض خواہوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور میں ادا نہ کرسکا تو اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ رستے میں مجھے شدت سے پیاس لگی، میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور پانی پینے کی غرض سے اس کے اندر اترا۔ کنوئیں کے اندر سے کسی شخص نے چلا کر کہا کہ خبردار پانی نہ پینا۔ میں وہ آواز سن کر کنوئیں سے باہر نکل آیا اور پانی نہ پیا۔ اس کے بعد پیاس نے مجھ پر اور بھی غلبہ کیا۔ میں پھر کنوئیں میں اترا اس شخص نے کنوئیں کے اندر سے پھر چلا کر کہا: خبردار! پانی کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں پھر بغیر پانی پئے کنویں سے باہر نکل آیا۔ کنوئیں سے باہر آنے کے بعد پیاس نے مجھ پر اس شدت سے غلبہ کیا کہ مجھ سے مطلق صبر نہ ہوسکا اور تیسری بار پھر کنوئیں میں گیا۔ وہ اسی طرح چلایا، لیکن میں نے اس چلانے کی کچھ پروا نہ کی اور پانی پی لیا۔ جب میں پانی پی چکا تو اس نے کہا: بار خدایا! اگر وہ شخص مرد ہو تو اسے عورت کردے اور اگر عورت ہو تو اسے مرد کردے۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اسی وقت عورت بن گیا۔ اس کے بعد میں ایک شہر میں پہنچا۔ ایک شخص نے مجھ سے نکاح کرلیا۔ میں اس کی زوجیت میں رہنے لگا اور اس کے نطفے میں سے میں نے دو بچے جنے۔ ایک مدت کے

بعد میں اپنے شہر کو واپس ہوا اور اسی کنوئیں پر جس کا پانی پی کر میں عورت بن گیا تھا، گزرا چونکہ مجھے پیاس بڑی زور کی لگی ہوئی تھی، اس لئے میں پھر پانی پینے کی غرض سے اس کنوئیں میں اترا اور جس طرح پہلی دفعہ چلانے والا چلایا تھا۔ اسی طرح اس دفعہ بھی چلایا، لیکن پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اس کا پانی پی لیا اور اس کے چلانے کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اس نے جس طرح پہلے دعا کی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی دعا کی جس سے میں عورت سے مرد بن گیا اور اپنی اصلی حالت میں آ گیا جیسے پہلے تھا۔ پھر میں اپنے شہر میں آیا۔ وہاں میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس کے بطن سے میرے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سو اس وقت میرے چار لڑکے ہیں جن میں سے دو میری پیٹھ سے ہیں اور دو میرے پیٹ سے۔ اس کی یہ باتیں سن کر انہوں نے کہا کہ بیشک یہ واقعہ عجیب ہے تو اس آدمی میں ہمارا شریک ہے۔

ابھی وہ آپس میں مشورہ ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس سے ایک بیل گزرا جو ہوا کی طرح اڑا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ بیل ان کے پاس گزر گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں لاٹھی لئے ہانپتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور اس کا سانس چڑھا ہوا ہے۔ وہ شخص ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ دعا سلام کے بعد اس نے ان کا حال پوچھا۔ انہوں نے اپنا سارا قصہ جس طرح پہلے شخص سے بیان کیا تھا اس سے بھی بیان کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر میں تم کو اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ سناؤں۔ تو تم مجھے بھی اس قیدی میں اپنے ساتھ شریک کر لو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اگر تیرا واقعہ اس سے زیادہ عجیب ہوا تو ہم تجھے اس قیدی میں اپنا ساجھی کر لیں گے۔ اس نے کہا: تو سنو۔ ہم سات بھائی تھے اور ہمارا ایک چچا تھا جو بڑا مالدار تھا۔ اس کی ایک لڑکی نہایت خوبصورت تھی۔ میرے چچا نے ایک بچھڑا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک دن وہ بچھڑا چھوٹ گیا۔ اس نے ہم ساتوں بھائیوں سے کہا کہ تم میں سے جو اس بچھڑے کو لوٹا لائے گا اسی سے میں اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ یہ سن کر میں نے اپنی یہ لاٹھی اپنے ہاتھ میں لی اور لنگوٹ کس کر اس کے پیچھے دوڑتے دوڑتے مجھے سانس چڑھ گیا۔ جس وقت میں اس بیل کے پیچھے ہوا تھا اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا اور اب بوڑھا ہو گیا۔ سو نہ میں اس بیل تک پہنچا ہوں کہ اسے پکڑ کر روک لوں اور نہ یہ تھکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے۔ اسے یہ سن کر انہوں نے کہا کہ بے شک یہ واقعہ عجیب ہے۔ بیٹھ جا تو ہمارا ساجھی ہے۔

ابھی وہ مشورہ کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس ایک اور شخص آیا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے اس کا غلام تھا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے بھی پہلے دونوں شخص کی طرح انہیں سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے اپنا سارا قصہ اس سے بیان کیا۔ جب وہ ان کا قصہ سن چکا تو اس نے ان سے کہا کہ اگر میں تمہیں اس سے بھی زیادہ اور عجیب قصہ سناؤں تو تم اپنے ساتھ مجھے بھی اس قیدی میں شریک کر لو گے؟ انہوں نے کہا: ''ہاں! اگر تیری بات عجیب ہوئی تو ہم تجھے اس قیدی میں بڑی خوشی سے اپنے ساتھ شریک کر لیں گے۔'' اس نے کہا: تو سنو میری ایک خبیث اور بدکار ماں تھی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی گھوڑی سے جس پر وہ سوار تھا کہا کہ اسی طرح ہے نا؟ گھوڑی نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اس گھوڑے کی طرف جس پر اس کا غلام سوار تھا اشارہ کر کے کہا کہ میں اس بدکار کو اپنے اس غلام کے ساتھ متہم کرتا تھا اور گھوڑے سے پوچھا کہ میں سچ کہتا ہوں نا؟ گھوڑے نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے اپنے اس غلام کو ایک دن اپنے کسی کام کو بھیجا۔ اس بدکار نے اس کو اپنے پاس روک لیا۔ اس دوران میں مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا وہ بدبخت عورت بڑے زور سے چلائی اور

ایک چوہا بر آمد ہوا اس نے اس چوہے سے کہا کہ سجدہ کر۔ چوہے نے اسے سجدہ کیا۔ پھر کہا: قریب ہو۔ وہ اس کے قریب ہو گیا۔ پھر کہا کہ غائب ہو جا۔ چنانچہ وہ غائب ہو گیا۔ پھر اس نے چکی منگا کر ایک پیالہ ستو پیسے اور انہیں گھوٹ کر اس غلام کے پاس لائی اور اس سے کہا کہ یہ ستو اپنے آقا کے پاس لے جا۔ چنانچہ وہ ستو لے کر میرے پاس آیا۔ میں نے اس کے پینے میں ان دونوں سے حیلے حوالے کئے اور حکمت عملی سے وہ پیالہ انہیں دونوں کو پلا دیا۔ ستو پیتے ہی وہ عورت گھوڑی بن گئی اور وہ غلام گھوڑا۔ چنانچہ وہ دونوں یہ موجود ہیں۔ گھوڑی پر میں سوار ہوں اور گھوڑے پر میرا غلام۔ یہ بیان کر کے اس نے گھوڑی اور گھوڑا سے کہا کہ جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح ہے نا؟ گھوڑی اور گھوڑے دونوں نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں۔ جب وہ اس کا یہ قصہ سن چکے تو انہوں نے کہا: جتنی باتیں آج تک ہم نے سنی ہیں یہ بے شک ان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ پھر اس سے کہا کہ تو اس قیدی میں ہمارا شریک ہے۔ اس کے بعد ان سب کی رائے خزافہ کے آزاد کرنے پر متفق ہو گئی اور انہوں نے خزافہ کو آزاد کر دیا۔

خزافہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے اس نے یہ قصہ بیان کیا۔

کسی بھی معتبر کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خزافہ کے واقعہ کی نسبت کیا رائے قائم کی لیکن چونکہ خزافہ کی یہ حکایت قیاس سے باہر تھی اس لئے تمام عربوں نے اس کی اس حدیث کی تکذیب کی اور اسے جھٹلایا اور ہر ایک جھوٹی اور ناممکن ومحال بات کو خزافہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

حدیث خزافہ کے صدق وکذب نفس الامر سے تو علام الغیوب ہی خوب وقف ہے، لیکن عرب کے اس خیال کو صحیح مان کر حدیث خزافہ واقعہ میں جھوٹی اور بے اصل ہے۔

حائضہ عورتیں نہ بتوں کے قریب جاتی تھیں اور نہ ان کو ہاتھ لگاتی تھیں۔ علیحدہ ایک جانب ان کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔

بتوں کی پوجا میں چند امور کئے جاتے تھے ان کو سجدہ کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی طرح ان کے گرد طواف کرتے تھے، ان کو ہاتھ لگاتے تھے اور نہایت ادب وتعظیم کے ساتھ بوسہ دیتے تھے، ان کے نام پر قربانی کرتے تھے اور ان کو دودھ اور مکھن اور ہر قسم کی نذریں چڑھاتے تھے۔

امام مجاہد کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے آقا نے بیان کیا کہ مجھے میرے گھر والوں نے دودھ اور مکھن کا ایک پیالہ دیا اور کہا کہ اسے ہمارے معبودوں پر چڑھا آ۔ میں نے وہ دودھ اور مکھن ان پر چڑھا دیا اور ان کے ڈر کے مارے خود اسے نہ کھا سکا۔ میں وہیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک کتا آیا۔ اس نے وہ تمام مکھن کھا لیا اور دودھ پی لیا۔ پھر بتوں پر پیشاب کر دیا۔ یہ بت اساف اور نائلہ تھے۔

(بلوغ الارب فی احوال العرب جلد۲)

مویشیوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشیوں کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا بتوں کے واسطے اٹھا رکھتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصے میں سے اس کو پورا کر دیتے تھے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو بتوں کے حصہ میں سے اس کو پورا نہیں کرتے تھے۔

عرب مقررہ بتوں کے علاوہ سفید اور خوبصورت پتھروں اور ریت کے ٹیلوں کو بھی پوجتے تھے، لیکن اکثر ایسا سفر میں کرتے تھے، جہاں بت نہیں ہوتے تھے۔

جناب ہارون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کو جاتا تو چار پتھر اپنے ساتھ لے جاتا۔ جہاں مقیم ہوتا تین کا چولہا بنا کر اس پر اپنی ہانڈی پکاتا اور چوتھے کو پوجتا۔

ابورجاء کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب ہمیں خوبصورت پتھر ملتا تو اسے پوجنے لگتے اور اگر پتھر نہ ملتا تو ریت کا ایک ٹیلہ بنات اور ایک اونٹنی اس کے اوپر کھڑی کرتے۔ پھر اس کی ٹانگیں چیر کر اس ٹیلہ پر رکھتے۔ حتیٰ کہ ہم اس ٹیلہ کو دودھ سے خوب تر کر دیتے۔ پھر جب تک ہم اس جگہ اقامت کرتے اس ٹیلہ کو پوجتے رہتے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جاہلیت میں علاوہ اصنام یعنی سورتوں اور تصویروں کے سادہ پتھروں کو بھی پوجتے تھے۔ جن پر کوئی تصویر اور نقش نہیں ہوتا تھا۔ ان کو انصاب کہتے تھے۔ غیر مصور اور منقش پتھروں کی عظمت ان کے دل میں ایسی ہی تھی جیسی تصویر دار بتوں کی۔ خبریٰ لکھتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ انصاب یعنی حجر غیر مصورہ و منقش پر قربانیاں کرتے تھے۔ (سنن دارمی) (تفسیر ابن جریر ص ۴۲ جلد ۶)

دیگر عقائد:

جاہل عرب جنوں کے قائل تھے۔ وہ انہیں اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صحرا میں پھیلی ہوئی بد روحیں جن یا شیطان ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ جن و شیطان ویران، غیر آباد اور سنسان علاقوں میں رہتے ہیں۔ وہ اس شخص کو مجنوں کہتے جس پر جنوں کا سایہ پڑ گیا ہو یا جو ان کے قبضہ میں آ گیا ہو۔ جنوں کے مقابلے میں دیوتاؤں کو اپنا محافظ اور خیر خواہ مانتے اور بد روحوں سے بچنے کیلئے ان کی پرستش کرتے تھے۔

جاہل عرب اللہ تعالیٰ کے تصور سے ناواقف نہ تھے۔ کچھ لوگ ایک نامعلوم، غائب اور پوشیدہ طاقت کے قائل اور حشر و قیامت اور جزا و سزا پر عقیدہ رکھتے تھے، لیکن کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو قادر مطلق ہستی کے وجود کو تو مانتے تھے مگر حشر و قیامت اور جزا و سزا کے قائل نہ تھے۔ ایک ایسی بھی جماعت تھی جو نہ تو بت پرست تھی اور نہ ہی اللہ کو مانتی تھی۔ اسی لئے وہ حشر و قیامت کو برحق بھی نہیں مانتی تھی۔ سورۂ جاثیہ کی ایک آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دہر و زمانہ کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں دہر و زمانہ ہی سب کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ قرآن شریف میں ان تمام عقیدوں کو باطل کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عینی یہی تھا، لیکن وہ ایسے رسول کو بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھے جو ان کی طرح کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہو۔

معائی، صنعائی اور لحیانی کتبوں میں اللہ کا نام آیا ہے۔ صنعائی کتبوں میں ''ہلہ'' مرقوم ہے۔ قدیم عربی ادب میں اسے معبود اعظم مانا گیا ہے۔ شمالی عرب میں زید اللہی جیسے نام ملتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ تھا۔ ان تمام روایتوں سے ثابت کیا جاتا ہے کہ جاہل عرب اللہ کو اپنا خالق تسلیم کرتے تھے۔ مغربی مورخوں نے قیاس لگایا کہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کا تخیل جاہل عربوں سے لیا ہے، حالانکہ اسلام نے اللہ کی جو تعریف و توصیف بیان کی ہے وہ کہیں بھی نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ میں اور بتوں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظر و غائب ہے لیکن بت تو خود انسانی تخلیق اور بے جان و جامد شے ہے جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی سن سکتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کو ''رب'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ہمارا رب وہی ہے جو ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی، جو مارتا بھی ہے اور دوبارہ زندہ بھی کرتا ہے۔ اسی نے نر و مادہ سے جوڑے جوڑے بنائے، وہی پھر حشر کے دن دوبارہ اٹھائے گا، وہی لوگوں کو مالدار و غنی بناتا ہے اور بے شک وہی ''شعریٰ کا بھی رب ہے۔''

''شعریٰ'' ایک سیارے کا نام ہے جو جوزا کے پیچھے ہوتا ہے۔ یہ ایک بت کا نام بھی ہے جسے بنوخزاع پوجتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سارے اجرام فلکی اور ساری کائنات کا رب ہوا، پھر اس کے مقابلے میں بتوں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔؟

جاہل عرب فرشتوں کے وجود کے بھی قائل تھے مگر انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے، لیکن سورۂ والنجم میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ یہ تو محض ان کا خیال و گمان ہے۔ ورنہ حق تو یہی ہے کہ فرشتے تذکیر و تانیث سے مبرا ہیں۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کے تابع ہیں اور ان کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت و سفارش کا اختیار نہیں رکھتے۔ وہ تو ہمہ وقت و ہمہ تن اسی کی تسبیح و تہلیل اور اسی کے احکام و ہدایات کی

تعمیل میں معروف ومنہمک رہتے ہیں۔

باب نمبر18:

اہل مکہ کے مشہور بت

یوں تو جاہلیت میں بے شمار بت تھے جن کی تعداد نا ممکن ہے۔خود خانہ کعبہ میں جو خدا کا گھر ہے تین سو ساٹھ بت نصب تھے لیکن ہم فقط ان مشہور بتوں کا ذکر کرتے ہیں۔جن کی سب سے زیادہ عزت و تعظیم کی جاتی تھی۔

یعوب:

یعوب نامی بت قبیلہ طی کا تھا۔

باجر:

قبیلہ ازد، بنی طے اور قضاعہ باجر نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔

دوار:

جاہلیت میں منجملہ اور بتوں کے دوار نامی بت بھی تھا۔عرب جاہلیت اس کی غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور مرد و عورت سب اس کا طواف کرتے تھے۔اس بت کا ذکر امرؤالقیس نے اپنے معلقہ میں کیا ہے، وہ کہتا ہے:

فعن لنا سرب كان نعاجه

عذارى دوار فى ملاء مذيل

''ہمیں جنگلی گایوں کا ایک گلہ نظر پڑا۔جس کی گائیں حسن و لطافت اور خوبی رفتار میں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ گویا وہ کنواری لڑکیاں ہیں، جو لمبی چوڑی چادروں میں دوار کے گرد طواف کر رہی ہیں۔''

یہ بت نوجوان عورتوں کو پرستش کرنے کا تھا۔وہ چند اس کے گرد طواف کرتی تھیں اور پھر اس کو پوجتی تھیں، وہی اس کا طواف کرتی تھیں۔ لسان العرب وغیرہ کتب لغت کے دیکھنے سے ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ بت میلوں اور نمائشوں میں نکالا جاتا تھا۔

سعیر:

غزہ کا بت سعیر تھا۔وہ اس کے نام پر قربانی کرتے تھے اور اس کے گرد طواف کرتے تھے۔

عوض:

عوض نامی بت بکر بن وائل کا تھا۔ایک شاعر کہتا ہے:

حلفت بما ثرات حول عوض　　　وانصاب تركن لدى السعير

''میں ان خونوں کی جو عوض کے گرد بہائے جاتے ہیں اور ان پتھروں کی جو سعیر کے پاس ہیں قسم کھاتا ہوں۔''

عمیانس:

عمیانس خولان کا بت تھا۔وہ اپنے مویشی اور کھیتی میں ایک حصہ خدا کے نام کا مقرر کرتے تھے اور ایک حصہ اس بت کے نام کا۔

عمیانس کے حصہ میں سے اگر کوئی چیز خدا کے حصہ میں مل جاتی تو اس کو نکال لیتے اور اگر خدا کے حصے میں سے کوئی چیز عمیانس کے حصہ میں شامل ہو جاتی تو اس کو نہ نکالتے۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

((وجعلوا الله مما ذرا من الحرث والا نعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء مايحكمون)) ۔

''انہوں نے اللہ کیلئے اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ مقرر کر دیا اور اپنے زعم میں خوش ہو گئے اور کہا کہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ سو جو ان کے شرکاء کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ لوگ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔''

قیصر:

قیصر نامی بت مشارف شام میں تھا۔ قزاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان اسے پوجتے تھے۔

نہم:

قبیلہ مزینہ کے بت کا نام نہم تھا۔ خزاعی بن عبد نہم اس کا مجاور تھا۔ جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو اللہ نے اسے ہدایت دی۔ بت کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور یہ شعر پڑھے:

ذهبت الى نهم لا ذبح عنده عتيرة نسك كالذى كنت افعل
فقلت لنفسى حين راجعت عقلها اهذا اله ابكم ليس يعقل
ابيت فد ينى اليوم دين محمد اله السماء الماجد المتفضل

''میں نہم کی طرف گیا تاکہ اس کے پاس قربانی کروں جیسا کہ میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ پھر جب میں نے عقل کی طرف رجوع کیا تو اپنے دل میں سوچا کہ کیا یہ گونگا بے عقل معبود ہو سکتا ہے۔؟ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ آج میرا دین محمد کا دین ہے آسمان کا معبود بزرگی اور فضل والا ہے۔''

پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا اور اپنی قوم مزینہ کے اسلام کا ذمہ لیا۔

اس بت کے نام پر قبیلہ مزینہ کے لوگ اپنا نام عبد نہم رکھتے۔ اس کی قسمیں کھاتے اور اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے۔ امیہ بن الاشکر کہتا ہے:

اذا رايت راعيين فى غنم اسيدين يلحفان بنهم
بينهما اشلاء لحم مقتسم فامض ولا يا خدك باللحم الفرم

''جب تو بنی اسید کے دو چرواہوں کو بکریوں میں نہم کی قسمیں کھاتے دیکھے اور ان کے درمیان گوشت کے پارچے تقسیم ہو رہے ہوں تو تو وہاں سے گزر جانا جا! یہ نہ ہو کہ گوشت کی خواہش تجھے وہیں روک لے۔''

(معجم البلدان جلد ہشتم ص ۳۵۱ مطبوعہ بیروت تحقیق لفظ نہم)

عائم:

عائم ازوالسراۃ کا بت تھا۔

ذوالخلصہ:

ذوالخلصہ یہ بت سفید پتھر کا بنا ہوا تھا جس پر تاج کی شکل کندہ تھی، مکے سے سات دن کے رستے پر مکے اور مدینے کے درمیان نصب تھا اور اس کے اوپر ایک مکان بنا ہوا تھا خثعم دوس، اور بجیلہ اور جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے اور اس پر نذریں چڑھاتے تھے۔ حضرت جریر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس مکان کو گرادیا اور اس بت میں آگ لگادی جس سے وہ بت جل کر خاکستر ہوگیا۔

سعد:

سعد نامی بت ساحل جدہ پر نصب تھا۔ کنانہ کے بیٹوں مالک اور مکان نے اسے نصب کیا تھا۔ یہ ایک لمبا پتھر تھا۔ اس کے آس پاس کے لوگ اسے پوجتے تھے اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے۔

منات ثانی:

منات ثانی لکڑی کا تھا، عمرو بن الجموح نے جو قبیلہ بنی سلمہ میں ایک سردار تھے اسے اپنے گھر میں نصب کیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو وغیرہ صحابہ اس کو ہر شب غلاظت میں ڈال دیتے تھے۔ عمرو بن الجموح اسے صبح کو تلاش کر کے ہر روز دھوتے اور خوشبو سے معطر کرتے تھے۔ آخر انہیں اللہ نے ہدایت دی اور وہ مسلمان ہوگئے اور اس بت کا قصہ تمام ہوگیا۔

صذوالکفین:

صذوالکفین نامی بت قبیلہ دوس کا تھا۔ دوس کے مسلمان ہونے کے بعد طفیل بن عمرو دوسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کو جلا دیا۔

ذوالشریٰ:

ذوالشریٰ بت بنی حارث بن لشکر کا بت تھا جو قبیلہ ازد میں سے تھے۔

ضمار:

ضمار نامی بت مرداس بن ابی العباس بن مرداس کا تھا جسے وہ عمر بھر پوجتا رہا۔ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹے عباس کو وصیت کی کہ بیٹا ضمار کو پوجتے رہنا۔ یہ تجھے نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ اس وصیت کے مطابق عباس نے بھی کچھ دنوں اس کی پرستش کی۔ ایک دن وہ اس کی عبادت میں مصروف تھا کہ یکا یک اس کے اندر سے یہ ابیات سنائی دی:

قل للقبائل من سلیم کلها — اودی ضمار وعاش اهل المسجد
ان الذی ورث النبوة والهدی — بعد بن مریم من قریش مهتد
اودی فیما رو کان یعبد مرة — قبل الکتاب الی النبی محمد

''اے سننے والے! بنی سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دے کہ ضمار ہلاک ہوا اور مسجد والوں نے زندگی پائی۔ کچھ شک نہیں کہ وہ شخص جو قریش میں سے عیسیٰ بن مریم کے بعد نبوت اور ہدایت کا وارث ہوا ہے سیدھی راہ پر ہے۔ ضمار جو خدا کے نبی محمد کی

طرف کتاب نازل ہونے سے پہلے پوجا جاتا تھا ہلاک ہوا۔''

یہ آواز سنتے ہی عباس نے ضمار میں آگ لگا کر اس کو خاک سیاہ کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوا۔ (معجم البلدان جلد خامس ص ۴۴۰ مطبوعہ بیروت تحقیق لفظ ضمار)

ہبل:

یہ بت بھی قریش کا تھا اس کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا اسی لئے اسے ہبل خزیمہ کہتے تھے۔ یہ بت انسان کی صورت پر عقیق سرخ کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دہنا ہاتھ سونے کا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ جس وقت یہ بت قریش کے ہاتھ لگا تھا اس وقت اس کا دہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کا ہاتھ سونے کا بنا دیا تھا۔ اسی بت کے آگے وہ سات پانسے رکھے رہتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے۔ ان پانسوں کا ذکر ہم مناسب موقع پر کریں گے۔ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس لئے سب بتوں کے ساتھ یہ بت بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔

مناف:

مناف بت کے نام پر عبد مناف نام رکھا گیا۔ اس بت کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ بت کہاں نصب کیا گیا تھا اور اسے کس نے نصب کیا تھا۔

اساف و نائلہ:

اساف و نائلہ یہ دونوں بت خانہ کعبہ کے پاس صفا و مروہ پر نصب تھے۔ اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر خزاعہ اور قریش اور تمام عرب حج کیلئے آتے تھے ان کو پوجتے تھے۔ قریش ان دونوں بتوں کے نام پر قربانی بھی کرتے تھے۔

ود:

ود نامی بت دومۃ الجندل میں نصب تھا۔ بنی کلب اس کو پوجتے تھے۔ ایک دراز قد آدمی کی صورت پر بنا ہوا تھا۔ تہمد باندھے ہوئے تھا اور چادر اوڑھے ہوئے، گلے میں تلوار پڑی تھی۔ ہاتھ میں کمان کھینچے ہوئے تھا۔ آگے ایک تیروں سے بھرا ہوا ترکش اور لڑائی کا جھنڈا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس بت کے گرانے کیلئے مامور کیا۔ بنی عذرہ اور بنی عامر نے خالد بن ولید سے اس کے ڈھانے میں مزاحمت کی۔ خالد بن ولید نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر دیا اور اس بت کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

(بلوغ الارب فی احوال العرب جلد۲)

عزیٰ:

عزیٰ بت ذات عرق سے نو میل کے فاصلہ پر نخلہ شامیہ کے وادی میں ظالم بن اسد نے نصب کیا تھا اور اس کے اوپر بھی ایک مکان بنایا تھا۔ قریش کا یہ سب سے بڑا بت تھا جب کعبہ کا طواف کرتے تو لات اور عزیٰ اور منات کی قسم کھاتے اور کہتے کہ یہ تینوں بڑے مرتبہ کی مرغابیاں ہیں۔ قیامت کے دن ہمیں ان کی شفاعت کی امید ہے۔ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں جو اس سے ہماری شفاعت کریں گی۔ خدا نے ان کے اس قول کی تکذیب کی اور فرمایا:

((افر ایتم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری ألکم الذکر وله الا نثی تلك اذا قسمة ضیزی))

''بتاؤ تو تم جولات اور عزیٰ اور منات کو جو تیسرا ہے خدا کی بیٹیاں بتلاتے ہو تو کیا تمہارے لئے بیٹے اور خدا کیلئے بیٹیاں؟ یہ تو نہایت ہی ناانصافی کی تقسیم ہے۔''

قریش نے اس بت کے نام وادی حراض کی ایک زمین وقف کر دی تھی، جس کو انہوں نے حرم کعبہ کی طرح اس بت کا حرم قرار دے یا تھا اور اس بت کیلئے ایک قربان گاہ بنائی تھی جس میں اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے۔ اس قربان گاہ کا نام غبغب تھا۔ قریش اس ت کی سارے بتوں سے زیادہ تعظیم کرتے تھے اور اس کے مجاور بنی شیبان تھے۔ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اس کے انہدام اور ان تین درختوں کے کاٹنے کیلئے بھیجا جو وہاں کھڑے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ ڈالا اور عزیٰ کا نام ونشان مٹا دیا۔

ابو المنذر کا بیان ہے کہ قریش اور مکے کے باشندے ایسی تعظیم کسی بت کی نہیں کرتے تھے جیسی عزیٰ کی کرتے تھے۔ عزیٰ ان کا خاص بت تھا جس کی وہ لوگ کثرت سے زیارت کرتے تھے اور اس پر نذریں چڑھاتے تھے۔ عزیٰ کے بعد ان کے نزدیک لات کا رتبہ تھا اور اس کے بعد منات کا۔ جس طرح قریش کا خاص بت عزیٰ تھا۔ اسی طرح ثقیف کا خاص بت لات اور اوس وخزرج کا منات تھا، لیکن یہ سب عزیٰ کی بھی تعظیم کرتے تھے اور ان کی تعظیم پر سب کا اتفاق تھا۔ (بدع الارب فی احوال العرب جلد۲)

قریش کے اور بھی چند بت تھے جو خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے گرد نصب تھے جن میں سب سے بڑا ہبل تھا۔

منات:

یہ بت مکے اور مدینے کے درمیان مقام قدیم میں سمندر کے کنارہ پر نصب تھا۔ ہذیل اور خزاعہ اور تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے پاس قربانیاں کرتے تھے، خصوصاً اوس وخزرج (مدینہ کے دو گروہ) اس کی سب سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ یہ وہی بت ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے:

((ومناة الثالثة الاخرى))(سورة النجم)

سن آٹھ ہجری میں جس سال مکہ فتح ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس کے ڈھانے کیلئے بھیجا۔ حضرت علی نے اس کو ڈھا دیا۔

لات:

لات ایک مربع پتھر تھا جو طائف میں اس جگہ نصب تھا، جہاں اب طائف کی مسجد کا بایاں منارہ ہے۔ اس کے مجاور بنی ثقیف تھے۔ جنہوں نے اس کے اوپر ایک مکان بنا دیا تھا۔ قریش اور تمام عرب اس کو پوجتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے نام پر نام رکھتے تھے۔ جب بنی ثقیف مسلمان ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو اس کے ڈھانے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے اس کو ڈھا کر اس میں آگ لگا دی۔

یعوق:

یعوق قریہ خیوان میں نصب تھا جو صنعاء سے دو دن کے فاصلہ پر تھا۔ ہمدان اور وہ اہل یمن جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔

نسر:

نسر نامی بت بلغ میں نصب تھا۔ حمیرہ اور جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔ صنعا میں حمیر کا ایک مندر بھی تھا جس کا نام رمام تھا۔ حمیرہ اس مندر کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس میں قربانیاں کرتے تھے۔

سواع:

سواع نامی بت منبع میں نصب تھا اور اس بت کے مجاور بنی لحیان تھے۔ مضر اور ہذیل اور جو لوگ اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

تراهم حول قبلتهم عكوفا كما عكفت هذيل على سواع

''تو ان کو ان کے قبلہ کے گرد کھڑا دیکھے گا۔ جس طرح ہذیل سواع کے آگے عاجزی سے کھڑے ہوتے ہیں۔''

یغوث:

یغوث بت سرزمین یمن کے ایک ٹیلہ پر نصب تھا۔ مذحج اور اہل جرش اس کو پوجتے تھے۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں نے یغوث کو دیکھا۔ رانگ کا بنا ہوا تھا۔ لوگ اسے اونٹ پر لادے پھرتے تھے۔ جہاں اونٹ بیٹھ جاتا، یہیں اس کو پوجنے لگتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا پروردگار اس منزل سے خوش ہے۔ (شرح مقامات حریری جلد اول ص ۶۰ مطبوعہ مصر)

ہر گھر میں بت:

ان بتوں کے علاوہ مکے کے ہر گھر میں ایک بت تھا جس کو وہ اپنے گھروں میں پوجتے تھے جب کوئی سفر کو جاتا تو سب سے اخیر کام جو وہ اپنے گھر میں کرتا یہ تھا کہ بت کو ہاتھ لگاتا اور جب سفر سے واپس آتا اور گھر میں داخل ہوتا تو سب سے اول بت کو ہاتھ لگاتا۔

بت پرستی کا بانی:

عرب میں بت پرسی کا بانی عمر بن یحیٰی تھا۔ اس نے جنگ کر کے بنو جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود مکہ کا متولی بن گیا۔ عرب کا مشہور قبیل خزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔ یہ شام گیا، وہاں لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا اور شیطانی حرکات سے متاثر ہو گیا۔ وہاں سے چند بت خرید لئے اور واپس آکر کعبہ اطہر کے گرد سجائے۔ چونکہ کعبہ اطہر ہمیشہ سے ہی مرکز رہا ہے لہٰذا لوگوں کی آمد و رفت سے رواج پھیل گیا۔

☆☆☆

باب نمبر 19:

شہری ریاست مکہ، مناصب حکومت اور طرز حکومت......عہد جاہلیت میں

فصل نمبر 1:

شہری ریاست

بنو قریش کے رئیس قصی نے مکہ معظمہ میں شہری ریاست قائم کی، اپنا محل بنوایا اور ایک مشورہ گاہ ''دار الندوہ'' کی بنیاد ڈالی۔ ابن قتیبہ کے مطابق قصی نے قیصر روم کی مدد سے مکہ معظمہ میں اپنی سیاست قائم کی۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر مکہ معظمہ میں رومیوں کا اثر اسی زمانے میں قائم ہو گیا تھا۔ عبد مناف کے بیٹوں نے ہم عصر بادشاہوں اور حاکموں سے ملاقات کی۔ عبد الشمس شاہ حبشہ کی خدمت میں حاضر

ہوا، مطلب نے یمن کے حمیری حاکم کے دربار میں رسائی حاصل کی، نوفل نے ایران کے شاہ کسریٰ اور ہاشم نے قیصر روم سے تجارتی پروانے حاصل کیے۔ ابن سعد کے مطابق قیصر روم نے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط ہاشم کو دیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریش نے رومی شہنشاہ سے گہرے تعلقات قائم کر لیے تھے۔

قصی نے ''دارالندوہ'' کے علاوہ دوسرے ادارے بھی قائم کیے۔ اسی کی رہنمائی میں بنو قریش نے عہد کیا کہ وہ تین یوم تک حاجیوں کو خورد ونوش کی سہولتیں فراہم کریں گے اور اس سلسلے میں انتظامات کرنے پر جو کچھ بھی صرف آئے گا اسے محصول کے ذریعے پورا کریں گے۔ اس قسم کے محصول کو رفادہ کہتے ہیں۔ اس طرح محصول جمع کرنے، پانی پلانے، خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرنے، دارالندوہ کے اجلاس بلانے اور فوجی قیادت کے لئے مختلف شعبے قائم ہو گئے جن کے نام رفادہ، سقایہ، حجابہ، ندوہ اور لواہیں۔ قصی کے زمانے میں یہ اعزاز ان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے۔ گویا وہ ہر قسم کے اختیارات کا واحد سرچشمہ تھے۔ پھر مناصب دولت کی تعداد بڑھتی گئی، حتیٰ کہ طلوع اسلام کے وقت دس سے زیادہ ادارے قائم ہو چکے تھے۔ اس وقت بنو قریش دس بڑے بڑے خاندانوں پر مشتمل تھے:

1: ہاشم۔ 2: بنو امیہ۔ 3: نوفل۔ 4: عبدالدار۔
5: اسد۔ 6: یتم۔ 7: مخزوم ۔ 8: عدی۔
9: جمح۔ 10: سہم۔

بنو قریش کے دس بڑے بڑے خاندان تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا رئیس کسی نہ کسی منصب پر فائز تھا۔ ولادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس شہری ریاست مکہ کے رئیس عبدالمطلب تھے۔ ''معرکہ بدر'' میں ابو جہل بنو قریش کی فوج کا قائد تھا۔ ابو طالب کے پاس سقایہ کا محکمہ تھا لیکن ''فتح مکہ'' کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سقایہ کا منتظم حضرت عباس کو بنا دیا تھا۔ اس وقت خانہ کعبہ کے متولی حضرت عثمان بن طلحہ تھے۔ آپ نے ان کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔

اس طرح قصی کے بعد امور حکومت میں توسیع ہوتی گئی اور انتظامی شعبوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ جرجی زیدان نے تقریباً پندرہ منصوبوں اور متعلقہ فرائض کی تفصیل بیان کی ہے۔ اول الذکر پانچ منصوبوں کی تشکیل قصی کے عہد میں ہوئی۔ باقی منصوبوں کا اضافہ بعد میں ہوتا گیا۔

☆☆☆

فصل نمبر 2:

مناصب حکومت

مکہ معظمہ کے غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ باشندے معاشی اور سیاسی استحکام کے حصول کی غرض سے جزیرہ نما عرب کے معاشی وفاق سے منسلک تھے جو وہاں کے سالانہ میلے اور تجارتی قافلوں کا انتہائی ترقی یافتہ نظام تھا۔ پورے عرب میں ایک زبان بولنا، ایک طرز سے فال دیکھنا، مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی مشترک طور پر عبادت کرنا اور ان کے رسم و رواج میں یکسانیت کا پایا جانا، یہ تمام چیزیں ان کے سیاسی اتحاد اور ملی یگانگت کا مظہر تھیں۔

مکہ کے باشندوں نے اسلام سے بہت زمانہ پہلے ایک ایسا ترقی کناں دستور مرتب کیا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف مکہ بلکہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں کا نظم و نسق چلا سکتے تھے۔

مکہ مکرمہ پر پہلی حکومت جرہم کی قائم ہوئی جو پانچ سو سال تک رہی۔ ان کے بعد خزاعہ نے تین سو سال حکومت کی، پھر کسی دور میں جرہم کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ جن کا آخری حکمران خلیل بن حبیبہ تھا جس کی بیٹی حسی سے قبیلہ قضاع کے چشم و چراغ قصی بن کلاب نے شادی کر لی تھی۔ اس طرح ایک دو عہدے قصی کو وراثت میں مل گئے، لیکن بعد میں بزور شمشیر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں قبیلہ قضاع نے قصی کا بھرپور تعاون کیا، بلکہ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق قیصر روم نے بھی اسے امداد فراہم کی جو عرب میں اپنا اثر و نفوذ بڑھا کر ہند سے خشکی کے راستے ہونے والی تجارت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

قصی نے نظام مملکت چلانے کیلئے دس رکنی ایک مجلس مشاورت قائم کی جو دس بڑے قبائل کے سرداروں پر مشتمل تھی۔ یہ کونسل مالی قوانین اور تعزیراتی احکام صادر کرتی تھی۔ اس کے تمام ارکان معمر، جہاں دیدہ اور تجربہ کار تھے۔ جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہونا ضروری تھا، البتہ حاکم شہر کے بیٹے اعزازی طور پر عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے، لیکن قریش نے اپنے دور میں ان شرائط کو کافی نرم کر دیا تھا۔ چنانچہ ابوجہل کی اصابت رائے اور اعلیٰ صلاحیت کے پیش نظر اسے تیس سال کی عمر میں شوریٰ کا ممبر بنا لیا گیا تھا۔ اسی طرح حکیم بن حزام کو پندرہ یا بیس سال کی عمر میں یہ اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔

قصی سے پہلے مجلس شوریٰ کا اجلاس کسی کھلی جگہ یا اپنے سردار کے خیمہ میں ہوتا تھا لیکن قصی نے اس میں جدت پیدا کی اور کعبہ شریف کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا، جس میں اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ مجلس کے انعقاد کا کوئی معین وقت نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت اجلاس بلا لیا جاتا تھا۔

دارالندوہ کو مرکزی دارالبلد کی حیثیت حاصل تھی، جب کہ ہر محلہ میں مجالس قائم ہوئی تھیں۔ جنہیں ''نادی'' کہا جاتا تھا۔ جس طرح مدینہ طیبہ کی محلہ وار مجالس کو ''سقیفہ'' کہتے تھے۔

مشہور قول کے مطابق مکہ معظمہ کی حکومت میں دس عہدے پائے جاتے تھے۔ جب کہ ابن عبدربہ نے سترہ عہدے بیان کئے ہیں، حالانکہ ان کی تعداد اس سے بھی زائد تھیں۔ مثلاً:

ندوہ۔	مشورہ۔	قیادہ۔	سدانہ۔
حجابہ۔	سقایہ۔	عمارۃ البیت۔	اضافۃ۔
اجازہ۔	نسی۔	قبہ۔	عنہ۔
رفادہ۔	اموال۔	مجرہ۔	ایسار۔
اشناق۔	حکومہ۔	سفارہ۔	عقاب۔
لوا۔	حلوان۔	العطر۔	

آبادی یا شہریوں کو ''جماعۃ'' کہا جاتا تھا۔ اس لفظ کو رسول اللہ ﷺ نے بھی برقرار رکھا۔ جس سے آپ کے صحابہ کی پوری جماعت مراد لی جاتی تھی۔ جو باقی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی، یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے شاہ بحرین کو اپنے مکتوب میں اس ''جماعت'' میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اس میں عام رائے دہندگان شہر شامل ہوتے تھے۔ جو شوریٰ عمومی میں حصہ لینے کے مجاز تھے۔ قرآن کی اصطلاح میں انہیں ''ملاء'' (سردار) کہا گیا ہے۔ ان کی رضامندی سے حکمران فیصلہ کرتا تھا۔

مکہ شریف میں ''نقیب'' کا عہدہ بھی پایا جاتا تھا۔ جسے ''منادی'' یا ''مؤذن'' بھی کہتے تھے، جو مجالس کے انعقاد کا شہر میں ڈھنڈورا پیٹتا تھا۔ ہر قبیلہ کے سردار کے پاس کم از کم ایک یا متعدد نقیب ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں نقیب تقریبات کی دعوت پہنچانے اور کسی آدمی کے

''جات باہر'' کئے جانے کی اطلاع بھی محلوں میں دیتا تھا۔

ہنگامی اور فوری اطلاع دینے کیلئے نقباء کے علاوہ شہری اور اجنبی آدمی بھی مجالس بلدیہ کے انعقاد کا اعلان کر سکتے تھے۔ اس صورت میں اجنبی لوگ کسی بلند جگہ کھڑے ہوکر تمام کپڑے اتار دیتے اور بالکل ننگے ہوکر دہائی دیا کرتے تھے۔ عربی میں اسے ''النذیر العریاں'' کہتے تھے۔ بدر کے موقع پر قریشی قافلہ پر نبی ﷺ کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ابوسفیان کے قاصد نے مکہ پہنچ کر اسی انداز میں پہنچائی تھی۔

''اشناق'' کا عہدہ موروثی طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا، اس کا عہدیدار ان جرائم کا جو قابل راضی نامہ ہوں مالی جرمانہ عائد کرتا تھا۔ جس کا فیصلہ تمام شہریوں کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔

''حجابہ'' کعبہ شریف کی کلید برادری کا منصب قصی کے بعد عبدالدار کو ملا۔ بعدازاں عثمان بن عبدالدار، عبدالعزیٰ بن عثمان، ابی طلحہ یعنی عبداللہ بن عبدالعزیٰ، طلحہ بن ابی طلحہ کو نسلاً بعد نسلٍ ملتا رہا۔ فتح مکہ کے دن شہ کونین ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے چابی لے کر در کعبہ کھولا اور خیال یہ تھا کہ اب چابی حضرت عباس کو دی جائے، مگر فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا:

((ان اللہ یا مر کم ان تو دو الامانات الی اھلھا))

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانت والوں کو ان کی امانت ادا کردو۔'' (سورۃ النساء، آیت، ۵۸)

چنانچہ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو چابی مرحمت فرمادی۔ موصوف صفر ۸ ہجری میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے چچازاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔ جب سے لے کر اب تک نسلاً بعد نسلٍ اسی خاندان کو حاصل ہے۔

''لواء'' یہ عہدہ بھی عبدالدار بن قصی سے طلحہ بن ابی طلحہ تک اسی خاندان کے پاس رہا۔ چنانچہ جنگ بدر میں مشرکین کا علمبردار طلحہ ہی تھا۔ جبکہ اسلامی فوج کا جھنڈا مصعب بن عمیر بن ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ احد میں بھی مشرکین کا جھنڈا طلحہ ہی کے پاس تھا۔ جسے دوران جنگ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا تھا۔ بعدازاں اس کے بھائی سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا، لیکن اسے سعد بن ابی وقاص نے قتل کردیا تو عثم (یا عثمان) بن ابی طلحہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ جب اسے بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا تو مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھالیا۔ اسے عاصم بن ثابت بن ابی الافلح (قلح) انصاری نے قتل کردیا۔ پھر اس کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھالیا، عاصم بن ثابت نے اسے بھی ایک تیر مارا کہ وہ قریب المرگ ہوگیا تو جھنڈا اپنے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کردیا۔ جب اسے بھی حضرت قزمان نے قتل کردیا تو اس کے بھائی حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھالیا۔ حضرت قزمان کے وار سے وہ بھی قتل ہوگیا تو شرجیل بن ہاشم نے جھنڈا اٹھالیا جسے حضرت مصعب بن عمیر نے قتل کردیا۔ بعدازاں زرارہ بن عمیر یا یزید بن عمر نے اٹھایا جسے قزمان نے قتل کردیا۔ پھر قاسط بن عثمان بن عبدالدار نے سنبھالا، لیکن اسے بھی قزمان نے قتل کردیا، پھر صواب حبشی نے اٹھایا، جب اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا جب وہ بھی کٹ گیا تو ٹھوڑی سے تھام لیا، لیکن قزمان نے اس کا بھی کام تمام کردیا اور جھنڈا زمین پر گر گیا جس کے ساتھ ہی مشرکین بھاگ نکلے۔ اس طرح مشرکین کا یہ منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔

''سفارہ'' مکہ کے شوری نظم ونسق میں آخری اور انتہائی اہم عہدہ ''سفیر یا منافر'' کا تھا۔ یہ عہدہ موروثی طور پر بنی عدی یعنی سیدنا عمر فاروق کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ جب کبھی جنگ چھڑ جاتی تو قریش حضرت عمر کو اپنا سفیر مختار بنا کر بھیجتے۔ اس طرح جب کوئی بیرونی قبیلہ قریش کی اولیت کو چیلنج کرتا تو حضرت عمر کو ہی منافر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ ان کی جواب دہی اور بات چیت قریش کے لئے نا قابل ہوتی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے بعض مذہبی، عدالتی اور سیاسی عہدے حسب ذیل تھے:

مذہبی:

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۱	سقایہ	حاجیوں کیلئے کھانے پینے کا انتظام	بنو ہاشم	عباس بن عبد المطلب
۲	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام		
۳	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴	سدانہ	کعبہ شریف کی دربانی وکلید برداری	بنو عبد الدار	عثمان بن طلحہ
۵	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان بن امیہ
۶	اموال حجرہ	بتوں کے نذرانے اور جائیداد	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی:

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۷	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبد الدار	عثمان بن طلحہ
۸	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹	اشناق	خون بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تمیم	حضرت ابوبکر صدیق

سیاسی و جنگی:

شمار	عہدہ	خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار کا نام
۱۰	حکومہ	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس
۱۱	عقاب	قومی نشان کی علمبرداری	بنو امیہ	ابوسفیان
۱۲	قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری		....
۱۴	سفارہ	سفارت	بنو عدی	حضرت عمر بن الخطاب

علاوہ ازیں ہر قبیلہ میں ایک پنچائت ہوتی، جو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرتی تھی۔ البتہ جب کبھی دو قبائل کے مابین فیصلہ کرنا ہوتا تو کسی اجنبی ثالث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسے مقدمات مختلف معبدوں کی دیو بانی یا مشہور پنچوں کے پاس لے جاتے تھے۔ عرب میں کاہن، ہاتف، عائف، ازلام اور دایسار وغیرہ سے فیصلہ کرانے کا عام رواج بھی تھا۔

قصی کا دور ختم ہوتے ہی عدلیہ کا نظام تار تار ہو گیا۔ مختلف قبائل کی باہم رقابتوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ایسے حالات و واقعات کے پیش نظر رضا کاروں کی ایک جماعت "حلف الفضول" کے نام سے قائم ہوئی۔ جس کا اولین مقصد مظلوم کی دادرسی تھا۔ قریب تھا کہ یہ ادارہ ترقی کر کے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر لیتا لیکن جلد ہی اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو گیا اور پھر اسلام نے ایک

نہایت منظم مرکزی نظام عدالت قائم کردیا، جو رافت وراحت کا مژدہ جاں فزا ثابت ہوا۔

مؤرخ شہیر احمد بن ابراہیم الشریف لکھتے ہیں:

''مکہ میں ہمیشہ جمہوری حکومت رہی، خواہ خزاع کا دور ہو یا قصی بن کلاب کا۔ شوریٰ طرز سے تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ''مجلس الشیوخ'' (الملاء) سیاسیات، اقتصادیات اور اجتماعیات کے احکام صادر کرتی ہے۔ زمانہ قدیم میں کوئی باقاعدہ مسودہ قانون تو نہیں تھا، لیکن مجلس عرف اور علاقائی عادات کے مطابق فیصلہ کرتی تھی۔'' (تاریخ مکہ و مدینہ: ۱۱۲)

قدیم زمانہ میں اشراف مکہ ہر روز عصر سے قبل کچھ دیر کیلئے دارالامارت میں جمع ہوتے اور عوام کی شکایات و مسائل سن کر انہیں حل کرتے تھے۔

الرایہ (لوا):

علم برداری کا منصب بنوعبدالدار کے پاس تھا۔ قریشی علم کا نام ''عقاب'' تھا جسے وہ جنگ کے موقعوں پر بلند کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنوامیہ کے رئیس ابوسفیان قریشی لشکر کے علمبردار تھے۔

ندوہ:

ندوہ بہت ہی اہم منصب تھا۔ قصی نے باہمی مشورے کے لئے دارالندوہ قائم کیا تھا جہاں قریش رئیس جمع ہوکر صلاح و مشورے کیا کرتے تھے۔ صرف وہی شریک ہوسکتا تھا جس کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔ شادی بیاہ کی تقریب یہیں منعقد ہوتی اور جنگ کے وقت پرچم کشائی کی رسم بھی یہیں ادا ہوتی تھی۔ لڑکیوں کے بالغ ہونے پر ایک انوکھی تقریب بھی یہیں منائی جاتی تھی۔ دارالندوہ کا منصب دار یہ رسم خود اپنے ہاتھوں سے ادا کرتا تھا۔ یہیں سے تجارتی قافلے روانہ ہوتے اور واپس آکر یہیں خیمہ زن ہوتے تھے۔ یہ منصب بنوعبد الدار کے پاس تھا۔

عماہ:

مسجد حرام میں آداب و احترام کا ماحول پیدا کرنے کیلئے یہ منصب قائم کیا گیا۔ عقد الفرید کے مطابق اس منصب کا عہدیدار خیال رکھتا تھا کہ کوئی بھی بلند آواز سے بات نہ کرے اور ادب سے گری ہوئی بے ہودہ اور بازاری قسم کی باتیں نہ کی جائیں۔ گویا وہ حرمت کعبہ کا امین و محافظ تھا۔

الایسار:

الایساران تیروں کا نام ہے جس سے استخارہ کیا جاتا تھا۔ یہ منصب بنوجمح کے پاس تھا۔ مروی ہے کہ عربوں کے سب سے بڑے قومی بت ''ہبل'' کے پہلو میں سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے فال نکالتے تھے۔ کسی مہم، سفر، جنگ یا کسی مخصوص کام کے وقت شگون وفال نکالنے کیلئے ان تیروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ گویا قرعہ اندازی اور شگون وفال کے لئے یہ ایک مخصوص طریقہ رائج ہوگیا تھا۔ یہ کام صفوان بن امیہ کے سپرد تھا۔

اموال المحجرہ:

بتوں کے نام پر چڑھایا ہوا مال ایک رئیس کی تحویل میں رہتا تھا۔ یہ منصب بنوسہم کے رئیس کے پاس تھا۔ نقد رقم، کپڑے اور دوسرا سامان بتوں پر چڑھایا جاتا تھا جو اس کے پاس جمع رہتا تھا۔ گویا بیت المال جیسی ملتی جلتی تنظیم شروع ہوچکی تھی۔ بنوسہم کو یہ منصب ملا تھا اور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کے منتظم حرث بن قیس تھے۔

المشورہ:

المشورہ فرض منصبی بنواسد کے سپرد تھا۔ جب کبھی بنو قریش کسی امر پر متفق نہیں ہوتے تو پھر وہ اس منصب والے رئیس سے رجوع کرتے۔ اس طرح اہم مسئلوں اور دشوار موقعوں پر اسی سے مشورہ لیتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ عہدہ یزید بن ربیعہ اسود کے پاس تھا۔

الحکومہ:

باہمی جھگڑوں اور قضیوں کا فیصلہ کرنے کا کام الحکومہ منصب کا رئیس کرتا تھا۔ بنوسہم کا رئیس حکم کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

قبہ:

جنگ وجدال کے موقع پر بنو قریش ایک خاص طرز کا خیمہ نصب کرتے تھے۔ جہاں اسلحہ اور دوسرا سامان جنگ رکھا جاتا تھا۔ اسی کو قبہ کہتے ہیں۔ اس خیمے کی حفاظت ونگرانی کا منصب بنومخزوم کے پاس تھا۔ ولید بن مغیرہ اس محکمے کے نگراں تھے۔

قیادہ:

فوجوں وشہ سواروں کی قیادت اور تجارتی قافلوں کی رہبری اور امامت کا منصب بنو امیہ کے پاس تھا۔ ''معرکہ احد'' و''معرکہ احزاب'' میں کافروں کے قائد ابوسفیان تھے، لیکن اس سے پہلے ''معرکہ بدر'' میں کافروں کی قیادت عقبہ بن ربیعہ کے ہاتھ میں تھی۔

اعنہ:

جنگی گھوڑوں کی تربیت، پرورش وپرداخت کا کام کرنے کیلئے اعنہ کا منصب قائم کیا گیا تھا۔

سفاہ:

جنگ وجدال کے بعد مصالحت پر راضی ہوجاتے تو اس منصب سفاہ کا رئیس صلح نامے ومعاہدے کی شرائط طے کرنے کیلئے فریق ثانی سے بات کرتا تھا۔ اگر کسی قبیلے سے حسب ونسب اور نجابت وشرافت میں مقابلہ ہوجاتا تو بھی یہی منصب دار بنو قریش کی طرف سے حصہ لیتا اور اپنے قبیلے کے فضائل ومناقب فصیح وبلیغ زبان میں بیان کرکے حریف پر اپنی فوقیت جتانے کی کوشش کرتا تھا۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے حضرت عمر فاروق اسی منصب پر متعین تھے۔ اس طرح یہ منصب بنوعدی کے لئے مخصوص تھا۔

سدانہ:

سدانہ کو حجابہ کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ سدانہ کا منصب دار خانہ کعبہ کی دربانی اور اس کی دیکھ بھال کرتا۔ اسی کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی، وہی اسے کھولتا اور بند کرتا تھا۔ اس لیے اسے دوسرے رئیسوں پر فضیلت حاصل تھی۔ اسے وہی مرتبہ حاصل تھا جو یہودیوں میں ہیکل کی حفاظت ونگرانی کرنے والے ''کاہن خاص'' کو ملا ہوا تھا۔ عقد الفرید میں سدانہ اور حجابہ دونوں کو الگ الگ منصب کی حیثیت سے شمار کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت عثمان بن طلحہ حجابہ کے منتظم تھے۔

سقایہ:

مکہ معظمہ میں پانی کی قلت تھی۔ حاجیوں کے چمڑے کے ڈولوں میں پانی بھر دیا جاتا اور وہ حسب ضرورت استعمال کرتے تھے۔ چاہ زمزم کی دریافت کے بعد پانی کی قلت دور ہوگئی تھی۔ پھر بھی سقایہ کا منصب دار ہر وقت خیال رکھتا تھا کہ کہیں پانی کی قلت کی وجہ

حاجیوں کو تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے۔ یہ منصب بنو ہاشم کے لئے مخصوص تھا۔

رفادہ:

بنو قریش اپنے مال میں سے ایک حصہ بطور خراج الگ کر کے رفادہ کے منتظم کو دے دیتے تھے۔ وہ غریبوں کو کھانا پکوا کر کھلاتا اور ان کے آرام کا خیال رکھتا تھا۔ پہلے یہ منصب بنو نوفل کے پاس تھا، پھر بنو ہاشم کو مل گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حرث بن عامر کے سپرد یہ محکمہ تھا۔

اشناق:

خوں بہا، مال غنیمت اور لوٹ کا سامان اکٹھا کرنے کا کام منصب اشناق کے رئیس کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ یہ منصب بنو تیم کے پاس تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس منصب کے عہدیدار تھے۔

لوا اور آخر الذکر چھ منصب فوجی نوعیت رکھتے تھے۔ باقی دیوانی و انتظامی امور سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح شہری ریاست مکہ میں سیاسی، مذہبی، مالی، دیوانی، عسکری و حربی نوعیت کے سارے ادارے قائم ہو چکے تھے۔

یہ ہے بنو قریش کی سیاسی، مذہبی و معاشی سرگرمیوں کا خاکہ جن کی بدولت انہیں سارے قبیلوں میں امتیازی مقام حاصل ہو گیا۔ وہ دوسروں کے قضیے چکاتے لیکن کوئی غیر آدمی ان کے باہمی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا تھا۔ وہ جس قبیلے کی بیٹی مانگتے انہیں مل جاتی لیکن کسی غیر کو اپنی لڑکی نہیں دیتے تھے۔ انہیں امتیازی حقوق و خصوصی مراعات حاصل تھیں جن کی وجہ سے دوسرے قبیلے ان کا خیال رکھتے تھے۔ خاص طور سے خانہ کعبہ سے گہرا رشتہ ہونے کی وجہ سے کسی میں ہمت نہ تھی کہ ان کی مخالفت کرے، ان کے مال و متاع پر ہاتھ ڈالے یا پھر ان کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لے۔ طلوع اسلام کے وقت سیاسی و مذہبی اجارے داری حاصل ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر مغرور ہو چکے تھے کہ انہوں نے صدائے حق کو سننے تک سے انکار کر دیا تھا۔ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سرکش مشرکوں نے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور نہتے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرخرو فرمایا۔ ان کے مقابلے میں آپ کو فتح حاصل ہوئی، وہ سرنگوں ہو گئے اور حق کو آخر کار غلبہ حاصل ہو گیا۔

فصل نمبر 3:

طرز حکومت

کوئی شخص اپنا لباس پہن کر خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتا تھا وہ بنو قریش سے لباس حاصل کرتا یا پھر برہنہ ہو کر طواف کرتا تھا۔ یہی لوگ میلوں کے موقعوں پر تاجروں سے عشر وصول کرتے تھے۔ بتوں پر جو کچھ چڑھایا جاتا اس کی آمدنی بھی بنو قریش کے لئے مخصوص تھی۔ وہ بہت سی قیدوں اور شرطوں سے مستثنیٰ تھے۔ ایام حج میں عرفات تک جانا ان کے لئے ضروری نہیں تھا۔ وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے جسے حدود حرام کے اندر شمار کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی امتیازی تفریق پر وہ خود کو ''احمس'' کہتے تھے۔

بنو قریش میں ان کو عام طور سے اقتدار حاصل تھا جو صاحب ثروت تھے اور فیاض و سخی بھی۔ صاحب مروت ہونا ریاست و شرافت کی سب سے بڑی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ عبدالشمس کے اختیارات ہاشم کو اسی وجہ سے مل گئے کہ وہ فیاض، دولتمند، بامروت اور صاحب جاہ و عظمت تھے۔ امیہ کے مقابلے میں ہاشم کو ترجیح ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ہی دی گئی تھی۔ عبدالمطلب کے بعد مکہ مکرمہ کی ریاست ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی۔ ہاشم کی اولاد میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ان تمام خوبیوں کا مالک ہوتا۔ ابو طالب سخی و بامروت بزرگ تھے مگر ان کی مالی

حالت مستحکم نہ تھی۔ ان کے دوسرے بھائیوں کو بھی نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ مگر یہ عبوری دور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عبدالمطلب کے منظورِ نظر پوتے نے پیغامِ حق پیش کر کے انقلابی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ اس لیے آپ اور آپ کے خاندان کے خلاف دوسری تو تیں متحد ہو گئیں۔

امارت و سخاوت کے علاوہ کثرت اولاد بھی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ عصا ہے جس سے پیر بھی جواں رہتا ہے۔ اسی لئے عبد المطلب نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ وہ انہیں دس بیٹوں کی دولت سے مالا مال کر دے۔ انہوں نے منت بھی مانی تھی کہ اگر ان کی تمنا پوری ہوئی تو سب سے عزیز بیٹے کی قربانی دیں گے۔ کثرت اولاد کی وجہ سے رئیس کو تقویت پہنچتی اور دوسروں کی حمایت حاصل کرنے میں مدد ملتی تھی۔ خاندان کی طاقت اور قبیلے کی حمایت رئیس کے اقتدار کو برقرار رکھتی تھی اور جب تک اسے اور اس کی اولاد کو یہ حمایت حاصل رہتی، ریاست اس کے خاندان سے باہر نہ جاتی تھی۔

حرب بن امیہ، ولید بن مغیرہ، ابولہب، ابوسفیان، ابوجہل اور عاص بن وائل کو مکہ میں جو عزت و وقار حاصل ہوا، وہ محض خاندانی تعلق کا نتیجہ تھا۔ ولید بن مغیرہ دولت مند بھی تھا اور صاحب اولاد بھی۔ حضرت عمرو بن العاص کا والد عاص بن وائل بھی جاہ و ثروت اور کثرت اولاد کی وجہ سے بنو قریش میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حکیم بن حزام بھی بنو قریش کے رؤسا میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ ابوسفیان، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابی معیط بھی بنو قریش کے سربرآوردہ حضرات تھے۔ ان میں سے اکثریت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ بنایا اور صدائے حق کو دبانے کی بے انتہا کوشش کی مگر بری طرح ناکام ہوئے۔

ایام جاہلیہ میں خانہ بدوش قبیلوں کا شیخ ہی سب کچھ تھا۔ بادشاہ، قاضی، صاحب بیت المال اور فوج کے سپہ سالار کو جو اختیارات حاصل ہوتے وہ سب شیخ کی ذات میں محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ قبیلے میں جو سب سے زیادہ وجیہ اور دولت مند ہوتا اسی کو اپنا شیخ بناتے تھے۔ اگر اس قسم کے کئی لوگ موجود ہوتے تو ان میں سے سب سے، مدبر اور زیادہ معمر و وجیہ کو اپنا شیخ مان لیتے۔ جنگ ہوتی تو قرعہ اندازی کر کے اپنا قائد منتخب کر لیتے تھے۔ شیخ کے علاوہ ہر قبیلے میں چند ایسے لوگ بھی ہوتے جن کی رائے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی انہیں سید کہتے تھے۔ اسی لئے شیخ کو ''سید القوم'' بھی سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے قبیلے کا سرپرست ہوتا، غریبوں کی طرف سے خوں بہا ادا کرتا، مہمانوں کو کھانا کھلاتا اور جنگ میں اپنی فوج کی کمان سنبھالتا تھا۔ اس کی سخاوت مروت اور بہادری کی وجہ سے سارا قبیلہ اس کی اتباع کرتا تھا۔ وہ بھی اہل قبیلہ کی آواز پر چلتا، ان سے جھک کر ملتا اور ان کے رنج و راحت میں برابر سے شریک رہتا تھا۔ اہم معاملوں میں وہ ان سے اور خاص طور پر سربرآوردہ حضرات سے مشورہ کرتا۔ پھر ان کی حمایت حاصل کر کے کوئی قدم اٹھاتا تھا۔

خاندانی حکومتیں: یمن، حیرہ اور بصری میں باقاعدہ طور سے عربوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں۔ کندی، حمیری، لخمی اور غسانی بادشاہوں (ملوک) نے ایرانی و رومی طرزِ حکومت کو اپنا لیا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اپنے خاندان میں موروثی سیادت قائم رکھنے کی کوشش کی، دربار منعقد کیے اور شاعروں کی خدمات حاصل کیں۔ حیرہ میں عمرو بن عدی کے خاندان میں تقریباً ۳۶۴ سال تک حکومت برقرار رہی۔ اسی طرح بنو غسان کی حکومت جفنہ بن عمرو کے خاندان میں کم سے کم سو سال تک برقرار رہی۔ ان کے علاوہ یمن میں بھی شخصی و موروثی حکومتیں عرصے تک قائم رہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 20:

مکہ مکرمہ کے مشہور قبائل

درج ذیل چھ قبائل مکہ مکرمہ کے مشہور ترین قبائل تھے:

1: حنیہ: یہ قبیلہ مکہ مکرمہ کے مشرق میں مدینہ منورہ کی راہ پر آباد تھا۔

2: قریش: یہ قبیلہ منیٰ، عرفات، طائف میں باسی تھا۔

3: ھذیل: یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان آباد تھا۔

4: ثقیف: یہ قبیلہ طائف کے جنوب مشرق میں رہتا تھا۔

5: بنی حارث: یہ بھی طائف کے جنوب مشرق میں آباد تھا۔

6: بنی قھم: مکہ مکرمہ کے جنوب میں باسی تھے۔ (تاریخ مکہ، صفحہ ۱۸۲ جلد ۱)

باب نمبر 21:

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتیں اور ان کے مضامین

فصل نمبر 1:

مکی سورتیں

نزول وحی کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینے میں ولادت رسول اللہ ﷺ سے اکتالیس سال بعد بمطابق 610 عیسوی بعد از مغرب ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ سے تین میل دور وادی محصب کی اس پہاڑی کے غار میں یاد الٰہی میں مشغول تھے جسے اس زمانہ میں جبل الحراء کہتے تھے اور آج کل اسے جبل النور کہتے ہیں۔ آج کل وادی محصب میں بڑے بڑے محلات تعمیر ہو چکے ہیں اور اس کو محصب کی بجائے المعابدۃ کہا جاتا ہے۔

جو پہلی آیات نازل ہوئی تھیں وہ قرآن مجید کی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل ہوتا رہا کبھی کوئی سورۃ پوری بھی نازل ہو جاتی لیکن اکثر یہ ہوا کہ تھوڑا تھوڑا حصہ نازل ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ارشاد الٰہی اس نازل ہونے والی آیات کو قرآن مجید کی سورتوں میں ترتیب سے لکھواتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری وحی بمقام عرفہ شام کے وقت جمعہ کے دن نو ذوالحجہ دس ہجری بمطابق چھ سو بتیس عیسوی نازل ہوئی۔ یہ آخری وحی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر تین ۳ ہے۔ اس طرح پوری مدت نزول قرآن بائیس سال اور دو مہینے ہوتی ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چون سال کی عمر میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں تریسٹھ برس کی عمر مبارک میں انتقال فرمایا اس لیے نزول قرآن کی مدت بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پہلا مکی دور اور دوسرا مدنی دور۔

مکی دور:

رمضان المبارک اکتالیس میلادی (جس وقت حضور کی پیدائش کو اکتالیس سال ہوئے) سے ربیع الاول چون میلادی تک یعنی

بارہ سال اور پانچ مہینے کی مدت میں جو حصہ قرآن یعنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سورۃ العلق ناز
ہوئی اور سب سے آخر میں سورۃ المطففین نازل ہوئی۔

مدنی دور:

ربیع الاول چون میلادی (جس وقت حضور کی عمر مبارک چون برس تھی) سے لے کر ذوالحجہ تریسٹھ میلادی تک یعنی نو سال اور نو
کی مدت میں جو آیات اور سورتیں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔

قرآن مجید کی سورتوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مکی سورتیں۔

۲۔ مدنی سورتیں۔

قرآن مجید کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں، جن میں سے مکی سورتیں ۸۶ ہیں اور مدنی ۲۸۔

مکی و مدنی سورتوں کے نام، ان کی ترتیب نزولی و ترتیب توقیفی اور نزول کا مقام درج ذیل ہے:

نام سورت	بحساب نزول	موجودہ ترتیب	تعداد آیات	زمانہ نزول	مقام نزول
العلق	1	96	19	مکی	مکہ
المدثر	2	74	56	〃	〃
المزمل	3	73	20	〃	〃
الضحیٰ	4	93	11	〃	〃
انشراح	5	94	8	〃	〃
الفلق	6	113	5	〃	〃
الناس	7	114	6	〃	〃
الفاتحہ	8	1	7	〃	〃
الکافرون	9	109	6	〃	〃
الاخلاص	10	112	4	〃	〃
اللہب	11	111	5	〃	〃
الکوثر	12	108	3	〃	〃
الھمزۃ	13	104	9	〃	〃
الماعون	14	107	7	〃	〃
التکاثر	15	102	8	〃	〃
اللیل	16	92	21	〃	〃
القلم	17	68	52	〃	〃
البلد	18	90	20	〃	〃

الفیل	19	105	5	،	،
القریش	20	106	4	،	،
القدر	21	97	5	،	،
الطارق	22	86	17	،	،
الشمس	23	91	15	،	،
عبس	24	80	42	،	،
الاعلیٰ	25	87	19	،	،
التین	26	95	8	،	،
العصر	27	103	3	،	،
البروج	28	85	22	،	،
القارعۃ	29	101	11	،	،
الزلزال	30	99	8	،	،
الانفطار	31	82	19	،	،
التکویر	32	81	29	،	،
الانشقاق	33	84	25	،	،
العٰدیٰت	34	100	11	،	،
النّٰزعٰت	35	79	46	،	،
المرسلات	36	77	50	،	،
النباء	37	78	40	،	،
الغاشیۃ	38	88	26	،	،
الفجر	39	89	30	،	،
القیٰمۃ	40	75	40	،	،
التطفیف	41	83	36	،	،
الحاقۃ	42	69	52	،	،
الذاریٰت	43	51	60	،	،
الطور	44	52	49	،	،
الواقعۃ	45	56	96	،	،
النجم	46	53	62	،	،
المعارج	47	70	44	،	،

الرحمٰن	48	55	78	،	،
القمر	49	54	55	،	،
الصّٰفّٰت	50	37	182	،	،
نوح	51	71	28	،	،
الدھر	52	76	31	،	،
الدخان	53	44	59	،	،
قٓ	54	50	45	،	،
طٰہٰ	55	20	135	،	،
الشعرا	56	26	227	،	،
الحجر	57	15	99	،	،
مریم	58	19	98	،	،
صٓ	59	38	88	،	،
یٰسین	60	36	83	،	،
الزخرف	61	43	89	،	،
الجن	62	72	28	،	،
الملک	63	67	30	،	،
المومن	64	23	118	،	،
الانبیاء	65	21	112	،	،
الفرقان	66	25	77	،	،
بنی اسرائیل (اسریٰ)	67	17	111	،	،
النمل	68	27	93	،	،
الکھف	69	18	110	،	،
السجدة	70	32	30	،	،
حم السجدة	71	41	54	،	،
الجاثیة	72	45	37	،	،
النحل	73	16	128	،	،
الروم	74	30	60	،	،
ھود	75	11	123	،	،
ابراھیم	76	14	52	،	،

یوسف	77	12	111	〃	〃
المومن	78	40	85	〃	〃
القصص	79	28	88	〃	〃
الزمر	80	39	75	〃	〃
العنکبوت	81	29	69	〃	〃
لقمان	82	31	34	〃	〃
الشوریٰ	83	42	53	〃	〃
یونس	84	10	109	〃	〃
السباء	85	34	54	〃	〃
الفاطر	86	35	45	〃	〃
الاعراف	87	7	206	〃	〃
الاحقاف	88	46	35	〃	〃
الانعام	89	6	166	〃	〃
الرعد	90	13	43	〃	〃
البقرة	91	2	286	مدنی بعد ہجرت	مدینہ
البینۃ	92	98	8	〃	〃
التغابن	93	64	18	〃	〃
الجمعۃ	94	62	11	〃	〃
الانفال	95	8	75	〃	〃
محمد	96	47	38	〃	〃
ال عمران	97	3	200	〃	〃
الصف	98	61	14	〃	〃
الحدید	99	57	29	〃	〃
النساء	100	4	177	〃	〃
الطلاق	101	65	12	〃	〃
الحشر	102	59	24	〃	〃
الاحزاب	103	33	73	〃	〃
المنافقون	104	63	11	〃	〃
النور	105	24	64	〃	〃

المجادلہ	106	58	22	،	،
الحج	107	22	78	،	،
الفتح	108	48	29	،	،
التحریم	109	66	12	،	،
الممتحنہ	110	60	13	،	،
النصر	111	110	3	،	،
الحجرات	112	49	18	،	،
التوبہ	113	9	129	،	،
المائدۃ	114	5	120	،	،

سورۃ البینہ، تغابن اور سورۃ الحج میں اختلاف ہے کہ یہ مکہ میں ناز ہوئیں یا مدینہ میں، حقیقت میں ان کی چند آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور چند مدینہ میں۔

فصل نمبر 2:

مکی سورتوں کے اہم مضامین

قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

(سورت نمبر 20، آیت نمبر 4)(سورت نمبر 20، آیت نمبر 8)(سورت نمبر 26 ، آیت نمبر 192)(سورت نمبر 33، آیت نمبر 2)(سورت نمبر 41، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 42)(سورت نمبر 56، آیت نمبر 80) (سورت نمبر 69 ، آیت نمبر 43)

قرآن مجید جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 193)

قرآن مجید رسول اللہ پر نازل ہوا:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 6)(سورت نمبر 20، آیت نمبر 2)(سورت نمبر 47، آیت نمبر 2)(سورت نمبر 26، آیت نمبر 194)(سورت نمبر 69، آیت نمبر 40)(سورت نمبر 76، آیت نمبر 23)

نزول قرآن کا مہینہ:

(سورت نمبر 2، آیت نمبر 185)

نزول قرآن کی رات برکت والی ہے:

(سورت نمبر 97، آیت نمبر 1)(سورت نمبر 44، آیت نمبر 3)

قرآن مجید کی زبان عربی ہے:

(سورت نمبر 26،آیت نمبر 195)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 28)(سورت نمبر 42،آیت نمبر 7)(سورت نمبر 43،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 46،آیت نمبر 12)

قرآن مجید عربی میں ہی کیوں:

(سورت نمبر 41،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 44،آیت نمبر 58)(سورت نمبر 42،آیت نمبر 77)

قرآن مجید میں کیا ہے:

(سورت نمبر 14،آیت نمبر 52)

قرآن مجید شک وشبہ سے بالاتر ہے:

(سورت نمبر 2،آیت نمبر 2)

قرآن مجید سنتے وقت خاموش رہو:

(سورت نمبر 7،آیت نمبر 204)(سورت نمبر 75،آیت نمبر 16)(سورت نمبر 46،آیت نمبر 29)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 4)

قرآن مجید نہ سننا کفار کا طریقہ ہے:

(سورت نمبر 31،آیت نمبر 7)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 26)

قرآن مجید کا نام:

(سورت نمبر 41،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 56،آیت نمبر 77)(سورت نمبر 43،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 60)(سورت نمبر 42،آیت نمبر 7)(سورت نمبر 59،آیت نمبر 21)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 15،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 25،آیت نمبر 32)

صفات قرآن،صفات رسول:

(سورت نمبر 16،آیت نمبر 89)

قرآن کو پاک لوگ مس کریں:

(سورت نمبر 56،آیت نمبر 79)

قرآن مجید کا چیلنج:

(سورت نمبر 2،آیت نمبر 23)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 38)(سورت نمبر 11،آیت نمبر 13)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 88)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 42)(سورت نمبر 52،آیت نمبر 34)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حدیث بھی فرمایا:

(سورت نمبر 56،آیت نمبر 81)

قرآن مجید یاد کرنے کے لیے آسان ہے:

(سورت نمبر 54،آیت نمبر 17)(سورت نمبر 54،آیت نمبر 22)(سورت نمبر 54،آیت نمبر 32)(سورت نمبر 54،آیت نمبر 40)(سورت نمبر 44،آیت نمبر 58)

قرآن پاک ترتیل سے پڑھنے کا حکم:

(سورت نمبر 20،آیت نمبر 114)(سورت نمبر 73،آیت نمبر 4)

قرآن مجید کی طرف پیٹھ کرنا:

(سورت نمبر 75،آیت نمبر 32)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر 15،آیت نمبر 91)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا محافظ ہے:

(سورت نمبر 15،آیت نمبر 9)(سورت نمبر 75،آیت نمبر 16)(سورت نمبر 75،آیت نمبر 19)

قرآن مجید کا چرچا پہلی کتابوں میں:

(سورت نمبر 26،آیت نمبر 196)

قرآن مجید اور بزرگوں کی طرف پیٹھ نہیں کرنی چاہئے:

(سورت نمبر 80،آیت نمبر 14)(سورت نمبر 88،آیت نمبر 23)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں قرآن ہے:

(سورت نمبر 69،آیت نمبر 40)

قرآن مجید نصیحت ہے:

(سورت نمبر 73،آیت نمبر 19)(سورت نمبر 80،آیت نمبر 12)(سورت نمبر 80،آیت نمبر 16)(سورت نمبر 38،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 38،آیت نمبر 87)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 41)(سورت نمبر 45،آیت نمبر 20)

قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نیچا دکھانے والے کو عذاب دیا جائے گا:

(سورت نمبر 34،آیت نمبر 38)

قرآن مجید ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لیے:

(سورت نمبر 16،آیت نمبر 64)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 31،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 31،آیت نمبر 5)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 82)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 57)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 77)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 6،آیت نمبر 157)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 41)

علم القرآن:

(سورت نمبر 6،آیت نمبر 38)(سورت نمبر 6،آیت نمبر 59)(سورت نمبر 35،آیت نمبر 11)(سورت نمبر 16،آیت نمبر 89)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 37)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 61)(سورت نمبر 27،آیت نمبر 75)(سورت نمبر 54،آیت نمبر 53)(سورت نمبر 34،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 12،آیت نمبر 111)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 12)(سورت نمبر 22،آیت نمبر 70)

تلاوتِ قرآن اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے:

(سورت نمبر 35،آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو شیطان لے کر نہیں اترا:

(سورت نمبر 26،آیت نمبر 210)

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا:

(سورت نمبر 4،آیت نمبر 82)(سورت نمبر 3،آیت نمبر 118)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 219)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 242)(سورت نمبر 2،آیت نمبر 266)(سورت نمبر 7،آیت نمبر 176)(سورت نمبر 10،آیت نمبر 24)(سورت نمبر 16،آیت نمبر 44)(سورت نمبر 23،آیت نمبر 68)(سورت نمبر 24 ،آیت نمبر 1)(سورت نمبر 29،آیت نمبر 43)(سورت نمبر 30،آیت نمبر 28)(سورت نمبر 47،آیت نمبر 24)(سورت نمبر 38،آیت نمبر 29)(سورت نمبر 12،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 39،آیت نمبر 28)(سورت نمبر 43،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 3)(سورت نمبر 59،آیت نمبر 2)(سورت نمبر 59،آیت نمبر 21)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر 15،آیت نمبر 91)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم ارشاد فرمائی:

(سورت نمبر 38،آیت نمبر 1)

قرآن مجید پر کافر جھگڑتے ہیں:

(سورت نمبر 40،آیت نمبر 4)(سورت نمبر 41،آیت نمبر 40)

قرآن مجید بہتوں کے کفر کو ترقی دیتا ہے:

(سورت نمبر 5،آیت نمبر 64)(سورت نمبر 5،آیت نمبر 68)

قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح سے بیان کی گئی ہے:

(سورت نمبر 18،آیت نمبر 54)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 89)(سورت نمبر 30،آیت نمبر 58)(سورت نمبر 17،آیت نمبر 41)

قرآن مجید سے منہ موڑنے والوں سے ہدایت سلب کرلی جاتی ہے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57) (سورت نمبر 45، آیت نمبر 23)

قرآن مجید متصل اور مسلسل ہے:

(سورت نمبر 28، آیت نمبر 51)

قرآن مجید سے عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 50، آیت نمبر 45) (سورت نمبر 14، آیت نمبر 52)

یہ قرآن نصیحت ہے کیا تم اس کے منکر ہو:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 21، آیت نمبر 50) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 41) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 92) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 155)

قرآن مجید اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا:

(سورت نمبر 4، آیت نمبر 82)

قرآن مجید اچھی کتاب ہے، اس کی تلاوت ذکر اللہ کی طرف راغب کرتی ہے:

(سورت نمبر 39، آیت نمبر 23)

جنات کا قرآن مجید سننا:

(سورت نمبر 46، آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو کفار بھی سنتے تھے، ان کے سننے کی وجہ:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 47)

قرآن مجید کفار کی ہدایت کے لیے اترا:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 114)

جھوٹ کی تائید میں قرآن پیش کرنے والا دوزخی ہے:

(سورت نمبر 22، آیت نمبر 51)

جو قرآن مجید سے اندھا بن جائے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 36)

قرآن مجید لوح محفوظ میں پہلے سے موجود ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 4)

قرآن مجید سیدھی راہ ہے:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 126)

قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے کی سزا:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 157)

قرآنی آیات میں حکمت بھی ہے اور تفصیل بھی:

(سورت نمبر 11، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 5)

سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی عظمت:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 87)

قرآن مجید حق کی وضاحت کرنے والی کتاب ہے:

(سورت نمبر 23، آیت نمبر 62)

قرآن مجید لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 106)

پہلی آسمانی کتابوں کے عالم حضور ا کی آمد اور قرآن مجید کے نزول کے منتظر اور معترف تھے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 107) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 196)

ظالم قرآن مجید نہیں سمجھتے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57)

قرآن مجید میں حضور کے صحابیوں کا ذکر ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 24)

قرآن مجید کے معنیٰ حضور ﷺ کے دل پر نازل ہوئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 194)

عابدوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کافی ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 106)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سکھایا:

(سورت نمبر 27، آیت نمبر 6) (سورت نمبر 55، آیت نمبر 2)

☆☆☆

باب نمبر 22:

جاہلیت میں اہل مکہ کی قبیح ترین رسم......دختر کشی

قرآنی حکم......مذمت قتل:

جاہل عرب لڑکیوں کی ولادت پر خوش نہیں ہوتے تھے۔ وہ نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ سورۂ نحل میں ان جاہل عربوں

کے جذبات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے:

"جوں ہی انہیں لڑکی کی پیدائش کی خبر ملتی وہ غم زدہ ہو جاتے، ان کے چہروں پر سیاسی دوڑ جاتی اور وہ اپنے خاندان والوں کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتے۔ اسی لیے وہ کسی گوشے میں چھپ جاتے اور لوگوں سے ملنا جلنا بند کر دیتے تھے۔ پھر یا تو اس ذلت کو جبراً وقہراً برداشت کر لیتے یا پھر اس نوزائیدہ بچی کو سپرد خاک کر دیتے تھے۔"

سورۂ تکویر کے مطابق "ایسی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس گناہ کی پاداش میں اسے مار ڈالا گیا؟"

رزاق اللہ ہے:

اسلام نے دختر کشی کو سنگین جرم قرار دے دیا۔ سورۂ انعام میں ہدایت کی گئی:

"کوئی شخص اپنی غربت کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالے۔"

سورۂ بنی اسرائیل میں اسی قسم کا حکم آیا ہے۔ پھر سمجھاتے ہوئے کہا گیا:

"اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے، وہی ان کی پرورش کرے گا اور انہیں رزق عطا کرے گا۔ اسی لیے ایسی حرکت نہ کی جائے کیونکہ ان بے گناہوں کا مار ڈالنا بہت بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے۔"

اس لیے اسلام نے اس قبیح اور وحشی رسم کو بند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

((و لا تقتلوا اولاد کم خشية املاق نحن نرزقهم و ایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا))

"اور اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے مت قتل کر ڈالو۔ ہم انہیں اور تمہیں بھی رزق پہنچاتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔"

قتل بنات کی وجوہات:

جاہلیت کی سب سے زیادہ مذموم اور قبیح رسموں میں سے واد بنات اور قتل اولاد ہے۔ واد کے معنی زندہ درگور کرنے کے ہیں یعنی عرب جاہلیت میں اپنی لڑکیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ یہ بدرسم عرب کے تمام قبیلوں میں جاری تھی۔ لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے اور اولاد کے قتل کرنے میں عرب کے لوگوں کی غرضیں مختلف تھیں۔

1: اکثر اس لئے دفن کرتے تھے کہ بعض اوقات لڑکیوں کی وجہ سے انہیں عار لاحق ہوتی تھی کیونکہ عرب میں ہمیشہ کشت و قتال اور مار دھاڑ ہوتی رہتی تھیں اور عام طور پر لوٹ مار جاری تھی۔ جو فریق کسی فریق پر چڑھائی کرتا تھا وہ اس کی عورتوں اور لڑکیوں کو گرفتار کر کے لے جاتا تھا اور پھر ان کے ساتھ اپنی حاجت پوری کرتا تھا۔ اس لئے ان کی حمیت اور غیرت ان کو اپنی لڑکیوں کو مار ڈالنے پر مجبور کرتی تھی۔ بقول شخصیکہ خس کم جہاں پاک۔ نہ لڑکیاں ہوگی نہ ان کی وجہ سے ان کو عار لاحق ہوگی۔ بنی تمیم، رکندہ اور ربیعہ اور اکثر قبائل اسی خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔

2: میدانی نے اس کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ بنی تمیم نعمان بن منذر کو خراج دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اسے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ نعمان نے اپنے بھائی ربان کو ایک دستہ فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ان پر چڑھائی کیلئے بھیجا۔ اس نے ان کے اونٹ پکڑ لئے اور ان کی کو قید کر لیا۔ اس کے بعد بنی تمیم کے چند معزز آدمی نعمان بن منذر کے پاس گئے اور اس سے اپنی ذریات کے رہا کر دینے

''جہنم کی خبر تمہیں نذیر دے گا۔''

سیرت حلبیہ میں ہے کہ عبدالمطلب نے جو اپنے بیٹے عبداللہ کیلئے بنی زہرہ میں سے آمنہ خاتون کو پسند کیا اس کا باعث سودہ بنت زہرہ کاہنہ کا قول تھا جو اس نے آمنہ خاتون کے بارے میں کہا تھا کہ اس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہوگا۔ یہ سودہ آمنہ کے والد ماجد وہب کی پھوپھی تھی۔

5: بعض لوگ فقر اور محتاجی کے خوف سے بھی اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ لوگ بعض قبائل عرب کے فقیر تھے، جو اس خوف سے لڑکیوں کو مار دیتے تھے کہ ان کیلئے کھانے کو کہاں سے آئے گا۔

6: بعض لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مانتے تھے کہ اگر ہمارے دس بیٹے ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک کو خدا یا کعبہ کے نام پر قربان کریں گے، جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ کیا۔ جس کا قصہ امام المحدثین ابن شہاب زہری، یزید بن رومان اور صالح بن کیسان نے یوں بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو یہ تصور کر کے کہ بیٹے کا ذبح کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، یہ نذر مانی کہ اگر میرے دس لڑکے ہوں اور ان کو اپنی زندگی میں چلا پھرتا جوان دیکھ لوں تو ان میں سے ایک کو اپنے پروردگار کے شکریہ میں خانہ کعبہ کے نام پر ذبح کروں گا۔

جب ان کی نذر کی تعداد پوری ہوگئی اور انہوں نے اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھا تو ان سے کہا:

''بیٹو! میں ایک نذر مان چکا ہوں جس کا تمہیں پہلے سے علم ہے! اب کہو تمہارے کیا رائے ہے۔؟''

انہوں نے کہا:

''ابا جان! آپ مختار ہیں جیسا آپ کی سمجھ میں آئے ویسا کیجئے۔ ہم ہر طرح آپ کے تابعدار ہیں۔ ہم کو کوئی عذر نہیں ہے۔''

عبدالمطلب نے کہا:

''تم سب اپنے اپنے پانسے لاؤ اور ان پر اپنے نام لکھ دو۔''

انہوں نے اپنے اپنے پانسے پر اپنا اپنا نام لکھ کر سب پانسے عبدالمطلب کو دیدے۔ عبدالمطلب نے پانسے اپنے ہاتھ میں لے کر یہ رجز پڑھا:

عاھدته وانا موف عھده — والله لا یحمد شی حمده

اذا کان مولا ی کنت عبده — نذرت نذرالا احب وده

ولا احب ان اعیش بعده

''میں نے اللہ سے عہد کیا ہے اور میں ضرور اپنا عہد پورا کروں گا اور اللہ کی پوری پوری تعریف کوئی نہیں کر سکتا، وہ میرا مولا ہے اور میں اس کا بندہ۔ میں نے ایک نذر مانی ہے جس کو میں ٹالنا نہیں چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے پورا کرنے کے بعد میں زندہ رہوں۔''

پھر پانسے ڈالنے کیلئے امین قداح کو بلایا جو اس کام پر مقرر تھا اور پانسے اس کے ہاتھ میں دے کر کہا:

''یہ پانسے ڈال، لیکن ذرا جلدی نہ کرنا۔''

عبدالمطلب کو اپنے بیٹوں میں عبداللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ امین قداح نے جب پانسے ڈالے تو عبداللہ کے نام کا پانسا نکلا۔ عبدالمطلب نے چھری اپنے ہاتھ میں کی اور عبداللہ کو خانہ کعبہ میں لائے اور ان کو اساف و نائلہ کے درمیان لٹا کر یہ رجز پڑھا:

عاهدته و انا موف نذره — والله لا یقدر شی قدره
هذا قدار ید نحره — و ان یوخره یقبل عذره

''میں نے اللہ سے عہد کیا ہے اور میں اپنی نذر پوری کروں گا اور خدا کی پوری پوری قدر کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ میرا بیٹا ہے جسے میں ذبح کرتا ہوں، اگر اللہ اسے بچائے گا تو اس کا عذر قبول کرے گا۔''

یہ رجز پڑھ کر عبدالمطلب عبداللہ کو ذبح کرنا چاہتے تھے کہ اتنے میں ان کے بیٹے ابو طالب نے جو عبداللہ کے سگے بھائی تھے جلدی سے کود کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ رجز پڑھا:

کلا و رب البیت ذی الانصاب — اخوال صدق کا سود الغاب

''تم جو چاہتے ہو یہ ہرگز نہ ہوگا اس خانہ کعبہ کے پروردگار کی قسم! جس میں بت کھڑے ہیں۔ عبداللہ یوں کھیل کھیل میں ذبح نہیں کیا جا سکتا۔ اے شیب (عبدالمطلب کا نام) بدلہ لینے والی ہوا چل رہی ہے، ہماری طرف سے جھگڑنے کیلئے ہمارے سچے ماموں ہیں جو شجاعت کے شیر ہیں۔''

ابو طالب کا یہ رجز جب ان کے ماموں ابن مخزوم نے سنا تو انہوں نے کہا:

''ہمارا بھانجا سچ کہتا ہے۔''

اور فوراً کود کر عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا:

''اے ابوالحارث! ہم اپنے بھانجے کو ہرگز ذبح نہیں کرنے دیں گے۔ یہ تم کو اختیار ہے کہ اس کے سوا اپنے بیٹوں میں سے جس کو چاہو ذبح کرو۔''

عبدالمطلب نے کہا:

''میں نے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی اور پانسا اس کے نام نکلا ہے۔ اب میں اس کو بغیر ذبح کئے نہیں رہ سکتا۔''

انہوں نے کہا:

''جب تک ہم میں سے ایک جان بھی باقی ہے اس وقت تک تو آپ اس کو ہرگز ذبح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو منظور ہے تو ہم اپنا نیا پرانا سارا مال اس کے فدیہ میں دینے کیلئے تیار ہیں۔''

اس کے بعد مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے یہ رجز پڑھا:

یاعجباً من فعل عبد المطلب — فدون هایبغی خطوب تضطوب

''عبدالمطلب کے فعل سے بڑا تعجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو جو سونے کی مورت ہے ذبح کرتا ہے۔ قسم ہے خدا کے گھر کی جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں! یہ ہرگز نہیں ہوگا! یوں کھیل کھیل میں ہماری آنکھوں کے سامنے عبداللہ ذبح نہیں کیا جا سکتا۔''

پھر سردار قریش عبدالمطلب کی طرف دوڑے اور کہا:

''اے ابوالحارث! آپ نے قصد کیا ہے، کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑی بات ہے۔ اگر آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں گے تو اس کے بعد آپ کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ابھی آپ اس کام میں جلدی نہ کریں اور اپنے ارادہ پر قائم رہیں۔ ہم آپ کو بنی سعد کی کاہنہ عورت کے پاس لئے چلتے ہیں۔ وہ جس بات کا آپ کو حکم دے آپ اس کے

مطابق کریں۔''

چونکہ عرب میں عموماً سب لوگ کہانت کو حق جانتے تھے۔اس لئے عبدالمطلب اس پر راضی ہو گئے اور کہا:

''تمہاری یہ تجویز مجھے منظور ہے۔''

پھر عبدالمطلب بنی مخزوم کی ایک جماعت کے ہمراہ ملک شام کو روانہ ہوئے اور کاہنہ کے پاس پہنچے۔کاہنہ سے عبدالمطلب نے سارا حال بیان کیا اور یہ رجز پڑھا:

یا رب انی فاعل لما

تردو الشر معلوده

''پروردگار! میں وہی کروں گا جو تو چاہے گا، اگر تو چاہے تو ٹھیک اور حق بات کا ہمیں الہام کر دے۔اے وہ ذات جو ہر شہر کی طرف خیر کو ہنکا کر لے جاتا ہے تو نے ہی میرا مال اور آدمی بڑھائے ہیں۔''

کاہنہ نے کہا:

''آج مجھے فرصت نہیں ہے۔آج تو تم چلے جاؤ! کل میرے پاس آنا۔''

یہ لوگ اس کے پاس سے اپنی فرودگاہ میں لوٹ آئے اور اگلے روز پھر اس کے پاس گئے اور اس سے سارا حال بیان کیا۔اس نے پوچھا

''تمہارے ہاں آدمی کی دیت کتنی مقرر ہے۔؟''

انہوں نے کہا:

''دس اونٹ۔''

اس نے کہا:

''تو اب تم اپنے شہر کو واپس جاؤ اور وہاں جا کر دس اونٹوں اور اس لڑکے کے درمیان جس کے ذبح کرنے کا تم ارادہ کرتے ہو پانسے ڈالو۔اگر پانسہ اونٹوں پر پڑے تو انہیں اس کے عوض ذبح کر دو اور اگر تمہارے لڑکے پر پڑے تو دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ اور پانسے ڈالتے جاؤ یہاں تک کہ کسی مقدار پر تمہارا پروردگار تم سے راضی ہو جائے۔''

کاہنہ کا یہ فیصلہ سن کر وہ لوگ مکے واپس آئے اور سب نے مل کر عبدالمطلب سے کہا:

''اے شیبہ! اس کا اتباع کرنا چاہیے۔تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم نے کس طرح اسلام کے بدلے دنبہ قربانی کیا۔تم اسماعیل کی اولاد میں سردار ہو تمہیں ضرور ایسا کرنا چاہیے۔اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا خیال دل سے دور کرو اور اس کے بدلے اپنا مال قربان کر دو۔''

اگلے روز عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ اور دس اونٹوں کو اپنے ساتھ لے کر مذبح میں پہنچے اور پانسا ڈالنے والے کو بلایا اور ایک پانسا اپنے بیٹے کے نام پر کیا۔پھر پانسا ڈالنے والے کو پانسے دے کر کہا کہ پانسا ڈال، لیکن اطمینان سے ڈالنا جلدی نہ کرنا۔جب اس نے پانسا ڈالا تو عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب نے دس اونٹ بڑھا دیئے۔اس نے پھر پانسا ڈالا تو پھر عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب نے دس اونٹ اور بڑھا دیئے۔اسی طرح ہر مرتبہ عبداللہ کے نام پانسا پڑتا رہا اور عبدالمطلب ہر دفعہ اونٹ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ پورے سو اونٹ ہو گئے۔جب سو اونٹوں اور عبداللہ کے نام پانسا ڈالا گیا تو پانسا اونٹوں کے نام نکلا۔اس وقت عبداللہ اور تمام قریش نے خوش ہو کر تکبیر کا نعرہ مارا اور قریش نے عبدالمطلب سے کہا:

''ابوالحارث خدا کا شکر کرو کہ تمہارا پروردگار بھی راضی ہوگیا اور تمہارا بیٹا بھی ذبح ہونے سے بچ گیا۔''

عبدالمطلب نے کہا:

''ابھی میں اس بات کو نہیں مانتا۔ جب تک میں تین بار پانسا نہ ڈال لوں۔''

غرض عبدالمطلب نے دوبارہ پانسا ڈلوایا، لیکن وہ بھی اونٹوں کے نام نکلا پھر تیسری بار پانسا ڈلوایا تو وہ بھی اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب کو یقین ہوگیا کہ ان کا پروردگار ان کے بیٹے کا فدیہ لینے سے راضی ہوگیا۔ پھر انہوں نے یہ رجز پڑھا:

دعوت ربی مخلصاً وجهرا	یا رب لا تخربتنی نحرا
وقاد بالمال تجد لی وفوا	اعطیك مز كل سوام عشرا
عفوا و لا نسمت عیو ناخزرا	بالواضح الوجه المغشی بدرا
فالحمد لله الا جل شكرا	فلست والبیت المغطی سترا
مبدلا نعمة ربی كفرا	مادمت حیا اور ازور الهبرا

''میں نے اخلاص کے ساتھ اور باآواز بلند اپنے پروردگار سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا ذبح نہ ہو اور اس کے فدیہ میں مال قبول کرلے۔ میرے پاس بہت سامال موجود ہے میں تجھے ہر قسم کے چرنے والے جانوروں میں سے دس دس دوں گا۔ پروردگار! معاف فرما اور ایک ایسے حسین وجمیل روشن رو (چہرے) کو جس کے آگے چودھویں رات کا چاند بھی ماند ہے ذبح کرا کر ہمارے دشمنوں کو خوش نہ کر۔ سو اللہ بزرگ و برتر کا شکر ہے جس نے ہماری سن لی۔ قسم ہے خانہ کعبہ کی جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں! جب تک میں زندہ رہوں گا اور قبر میں نہ جا سوؤں گا اس وقت تک اپنے پروردگار کی نعمت کو کفر (ناشکری) سے نہیں بدلوں گا۔''

پھر عبدالمطلب نے اپنے عمدہ اور بیش قیمت اونٹوں میں سے عبداللہ کے ذریعہ سو اونٹ قربان کئے اور جہاں وہ قربان کئے تھے وہیں چھوڑ دیئے تاکہ جو کوئی آئے ان کا گوشت کھائے اور جس قدر ضرورت ہو اپنے گھر لے جائے۔ نوبت بہ نوبت ہر جگہ کے آدمی آتے تھے اور گوشت بھون کر کھاتے اور گھر لے جاتے۔ کسی کو ممانعت نہ تھی۔ اس روز سے آدمی کی دیت سو اونٹ قرار پا گئی، ورنہ اس سے پہلے دس اونٹ تھی۔

پھر عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر شاداں وفرحاں گھر کو لوٹے اور اس روز سے عبداللہ کو لوگ ذبیح کہنے لگے اور یہ ان کا لقب پڑ گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((انا ابن الزبیحین))

''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔''

دو ذبیحوں سے مراد حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

7: بعض لوگ اس خیال سے بھی اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔ پس وہ براہِ حماقت اس جنس کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جس کو انہوں نے خدا کیلئے مخصوص کرر کھا تھا اور یہ ان کا دوہرا احمقاپن تھا۔

قتل و دفن بنات کی مختلف صورتیں:

لڑکیوں کے دفن اور قتل کرنے کی کیفیت مختلف تھی۔

1: ایک یہ طریق تھا کہ جب کسی کے لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اسے صوف یا بالوں کا ایک جبہ پہنا دیتا اور چند اونٹ یا بکریاں اس کی سپرد کر کے ان کے چرانے کیلئے اسے جنگل میں چھوڑ دیتا۔ وہ جنگل میں اس کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتی اور اگر اس کو مارنا چاہتا تو اس سے کوئی کام نہ لیتا۔ جب چھ برس کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا کہ اس کو خوب بنا سنوار کر آراستہ کر اور خوشبو سے معطر کر میں اس کے اقارب میں لئے جاتا ہوں۔ پھر جنگل میں اس کیلئے ایک کنواں کھودتا اور اس کو اس کنوئیں پر لے جاتا اور اس سے کہتا کہ اس کے اندر جھانک۔ جب وہ جھانکتی تو اس کو پیچھے سے دھکا دے کر اس کو گرا دیتا۔ پھر اس کے اوپر مٹی ڈال کر کنوئیں کو بند کر دیتا۔

ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہمارے پچھلے گناہ کیونکر معاف ہوں گے ہم لوگ جاہل اور بت پرست تھے اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے، چنانچہ میری ایک لڑکی تھی جب وہ چند سال کی ہوگئی اور جواب دینے لگی تو میں اس کے مار ڈالنے کے درپے ہوا۔ وہ لڑکی میری نہایت فرمانبردار اور مطیع تھی۔ جب میں اسے اپنے پاس بلاتا تھا تو نہایت خوش ہوتی تھی اور دوڑ کر میرے پاس چلی آتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا اور کہا: میرے ساتھ چل۔ وہ خوشی سے میرے پیچھے پیچھے ہو لی۔ میں اسے اپنے خاندان کے ایک کنوئیں پر جو میرے گھر سے بہت دور نہیں تھا، لے گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے اسے اس کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ مجھے ابا جان ابا جان کہہ کر پکارتی رہی، لیکن مجھے اس پر ذرا رحم نہ آیا اور اسے دھکیل کر فوراً وہاں سے چل دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یہ بیان سن کر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔ پھر فرمایا:

"جاہلیت کی خطا اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی۔ اب آئندہ اچھے عمل کرنا۔" (سنن دارمی)

2: دوسرا طریق لڑکیوں کے گاڑنے کا یہ تھا کہ مرد نکاح کرتے وقت عورت سے یہ شرط کر لیتا کہ اگر اس کے لڑکیاں پیدا ہوں تو وہ ایک لڑکی زندہ رکھے اور ایک گاڑ دے، جب وہ لڑکی پیدا ہوتی جس کے گاڑنے کی شرط ہوئی تو مرد عورت سے یہ کہہ کر بالکل نکل جاتا کہ میں باہر جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔ اگر تو نے میرے واپس آنے تک اسے زندہ درگور نہ کیا تو جس طرح میری ماں کی پیٹھ مجھ پر حرام ہے، اسی طرح تو مجھ پر حرام ہے۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد وہ عورت اس لڑکے کے دفن کرنے کیلئے زمین میں ایک گڑھا کھودتی اور خاندان کی عورتوں کو بلواتی۔ وہ سب اس کے پاس اکٹھی ہو جاتیں اور اسے مع اس لڑکے کے گڑھے پر بٹھا تیں اور اس کے شوہر کے آنے کی منتظر رہتیں۔ جب وہ عورت اپنے شوہر کو واپس آتا دیکھتی تو اس لڑکی کو اس گڑھے میں ڈال دیتی اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیتی۔ یہ طریق قبیلہ مضر اور ربیعہ میں تھا جو فاقہ اور قید کے خوف سے ایسا کرتے تھے۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۸ ص ۳۵)

3: بعض لوگ اس طرح بھی لڑکیوں کو مارتے تھے کہ وہ ان کو پہاڑ کی چوٹی یا کسی اونچی جگہ سے نیچے گرا دیتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! جب سے میں مسلمان ہوا ہوں اس وقت سے اب تک مجھے اسلام میں کچھ لذت معلوم نہیں ہوتی، جس کا سبب یہ ہے کہ جاہلیت میں میری ایک لڑکی تھی میں نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس لڑکی کو خوب آراستہ کر۔ جب آراستہ کر چکی تو

میں اس کو ایک بہت گہرے نالہ پر لے گیا اور اسے میں نے اس میں گرا دیا۔ گرتے وقت اس نے یہ کلمہ کہا: ابا جان! تم نے مجھے مار ڈالا۔ جب مجھے اس کا یہ قول یاد آتا ہے تو مجھے کوئی شے اچھی نہیں معلوم نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاہلیت کے تمام گناہ اسلام نے مٹا دیئے اور اسلام کے گناہوں کو استغفار مٹا دیتا ہے۔''

4: یہ بھی طریق تھا کہ بعض لڑکیوں کو ڈبو دیتے تھے اور ذبح کر ڈالتے تھے۔

اسلام کی وادبنات کے فعل کی مذمت:

اسلام نے سینکڑوں برس کی اس قبیح اور جاہلانہ رسم کو ایک آن میں مٹا دیا۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں اس کے جملہ انواع و اقسام کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ایسے ظالموں کو سوائے دوزخ کے اور کہیں ٹھکانہ نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس فعل قبیح کی ممانعت اور شناعت میں متعدد آیات موجود ہیں۔ مثلاً:

((لا تقتلوا اولادكم من خشية املاق))

''محتاجی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔''

((واذالمؤدة سئلت باى ذنب قتلت))

''اس لڑکی سے جو زندہ دفن کی گئی ہے پوچھا جائے گا کہ تو کس گناہ میں ماری گئی تھی۔؟''

اس آیت میں اللہ نے یہ ظاہر فرمایا کہ زندہ درگور کرنے والا خبیث اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف التفات کیا جائے اور اس سے اس بارے میں پوچھ گچھ کی جائے بلکہ فقط مظلوم لڑکی کے اظہار لے کر یک طرفہ کارروائی کر دی جائے گی اور اسی کے بیان پر اس خبیث کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ جس طرح مسیح کے پوجنے والے اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے کچھ باز پرس کی جائے فقط مسیح علیہ السلام کا بیان لے کر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

کلام کا یہ پیرایہ نہایت بلیغ اور موثر ہوتا ہے اور یہی قرآن کا اعجاز ہے، کسی بشر کی کیا مجال جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

باب نمبر 23:

عہد جاہلیت اور عصر حاضر میں نکاح اور طلاق کی رسمیں......اہل مکہ کا طرز عمل

چار طریقے:

جاہلیت میں نکاح وطلاق کی رسموں سے بھی جہالت ٹپکتی تھی۔ صحیح بخاری میں دور جہالت میں رائج شدہ نکاح کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی حدیث کے مطابق نکاح کے چار طریقے رائج تھے۔

جائز طریقہ:

چار طریقوں میں سے ایک طریقہ اخلاقیات کے مطابق تھا۔ وہ یہ کہ والدین مہر مقرر کر کے اپنی اولاد کی شادی کر دیتے تھے۔ باقی تینوں طریقے زنا کاری کی حد میں آجاتے تھے۔

نکاح الاستبداء:

شوہر اپنی عورت کو کسی شریف و نجیب رئیس کے پاس چھوڑ دیتا تا کہ اعلیٰ نسب اور اچھے خون کی اولاد نصیب ہو جائے ... "الاستبداء" کہتے ہیں۔

تیسرا طریقہ:

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ایک عورت سے دس سے کم مردوں کی جماعت کا تعلق ہو جاتا۔ اولاد پیدا ہونے پر عورت اسے ... ان میں سے کسی کی طرف منسوب کر دیتی تھی۔

چوتھا طریقہ:

چوتھا طریقہ طوائفوں کی طرح عصمت فروشی کا تھا۔ چند روایتوں کے مطابق کئی بھائیوں میں صرف ایک ہی بیوی مشترک ہوتی تھی۔ سوتیلی ماں سے بھی نکاح جائز تھا۔ اسی طرح حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ باپ کی منکوحہ اس کے بیٹے کو وراثت میں ملتی ... وہ اس سے ازدواجی رشتہ قائم کر لیتا تھا۔ اس قسم کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ قریبی رشتہ دار مرنے والے کی عورت پر چادر ڈال دیتا تو وہ اس کی بیوی ہو جاتی تھی۔

عرب اور تعدد ازدواج:

تعدد ازدواج کے بغیر یہ رسمیں نہیں پھیل سکتیں۔ ہر ایک اپنی مرضی سے ایک سے زیادہ بیوی رکھ سکتا تھا۔ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کے پاس دس بیویاں تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ چار سے زیادہ بیویوں کو طلاق دے دیں۔ اسلام نے شرعی طریقہ نکاح کے علاوہ سارے دوسرے طریقوں کو باطل قرار دے کر دور جہالت کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

متبنٰی کی بیوی:

جاہل عربوں میں یہ بھی رسم تھی کہ وہ منہ بولے بیٹے (متبنٰی) کی بیوی سے طلاق ہونے کے بعد شادی نہیں کر سکتے تھے۔ سورۂ احزاب میں واضح کر دیا گیا:

"منہ بولا بیٹا حقیقی اولاد کے برابر نہیں ہو سکتا۔"

اس لیے اس کی بیوی سے طلاق ہونے کے بعد نکاح جائز ہے۔

لعان:

چونکہ ناجائز تعلقات کی روک تھام کیلئے کوئی قانون نہیں تھا، اس لیے لوگ اپنی بیویوں پر بھی شک کرنے اور ان کی عصمتوں کے خلاف تہمت لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ جاہلی رسم کے مطابق اسے "لعان" کہتے ہیں۔

ایلاء و ظہار:

اسی طرح عربوں میں "ایلاء و ظہار" کی بری رسمیں بھی رائج تھیں۔ شوہر قسم کھالیتا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔ اسے "ایلا" کہتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ شوہر یہ کہہ کر اپنی بیوی کو اپنے لئے حرام کر لیتا کہ تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کے برابر ہے۔ اس رسم کو "ظہار" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا:

"بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا))

''ایسے لوگ تو غیر معقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا مگر کفارے میں وہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کریں یا متواتر دو مہینوں کے روزے رکھیں یا پھر ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائیں۔

طلاق کی حد:

جاہل عربوں میں طلاق کی حد بھی مقرر نہ تھی۔ شوہر اپنی مرضی سے جب چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا۔

عورت کی طلاق:

عورت بھی اپنے شوہر کو چھوڑ کر جہاں چاہے جا سکتی تھی۔ ایک رسم کے مطابق وہ اپنے خیمے کا رخ موڑ دیتی۔ اگر اس کا رخ مشرق کی طرف ہوتا تو اسے مغرب کی طرف کر دیتی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب وہ آئندہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہے گی۔ گویا اس نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا ہے اور اب اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتی۔ اس قسم کی جاہلی رسموں کو اسلام نے منسوخ کر دیا اور ایک پاک و مہذب معاشرے کی بناڈالی۔

نکاح

حرمت نکاح:

اہل جاہلیت ماں، بیٹی، خالہ، پھوپھی، بہن، بھانجی، بھتیجی اور ان تمام عورتوں سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ جن سے شریعت اسلام میں نکاح کرنا حرام ہے۔ ان رشتہ دار عورتوں کو خواہ وہ نسبی ہوتیں یا رضائی نکاح میں لانا حرام جانتے۔ خصوصاً قریش اس بارے میں سب زیادہ حیا اور غیرت والے تھے۔ وہ ان ارحام قریبہ کی حرمت کا پورا پورا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔

نکاح ضیزن:

مسلمانوں کے ہاں جو عورتیں محرمات میں داخل ہیں جاہلیت میں ان میں سے صرف دو صورتیں مستثنٰی تھیں:

اول یہ کہ وہ لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ اس کو میت کا ترکہ تصور کرتے تھے۔ باپ کی بیوی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا بڑا بیٹا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تو بے تامل کر لیتا۔ کوئی عیب نہ تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں ایسے بے شمار نکاح ہوئے ہیں جو لوگ اس قسم کا نکاح کرتے تھے، ان کو ضیزن کہا جاتا تھا۔ بنی قیس بن ثعلبہ میں سے تین بھائیوں نے یکے بعد دیگرا اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا۔ اوس بن حجر تمیمی ان کو ان کے اس فعل پر عار دلاتا ہے:

یتکوا فکیھۃ وامشوا حول قبتھا

فکلکم لابیہ ضیزن سلف

''فکیہہ سے ہم بستر ہو اور اس کے قبہ کے گرد چکر لگاؤ تم سب اپنے باپ کے ضیزن سلف ہو۔''

نکاح مقت:

اگر میت کا بڑا بیٹا اس کی بیوی سے نکاح نہ کرنا چاہتا تو اس کے چھوٹے بھائی کر لیتے اور اگر وہ بھی نہ چاہتے تو میت کا اور کوئی رشتہ دار کر لیتا۔ اس میں عورت کی رضامندی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ میت کا ترکہ تھی جو کوئی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا وہی اس کے مالک ہو جاتا۔ جاہلیت میں اس نکاح کو نکاح مقت کہتے تھے۔ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوتی تھی اس کو مقتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو حرام فرمایا اور اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی:

((ولا تنکحوا مانکح اباؤ کم من النساء الا ماقد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا))

''جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ نکاح کرنا بے حیائی اور خدا کے غصے کا باعث ہے۔''

دو سگی بہنوں کا نکاح:

دوسری صورت جو شریعت اسلام کے خلاف تھی، وہ یہ تھی کہ وہ لوگ نکاح میں دو سگی بہنوں کو ایک وقت میں جمع کر لیتے تھے، اس میں بھی ان کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی حرام فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم پر دو بہنوں کا ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔''

چار سے زیادہ نکاح:

جب قیس بن حارث مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں اور غیلان بن سلمہ ثقفی کے اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار نکاحوں کی اجازت دی اور اس سے زیادہ کی ممانعت کر دی۔ (تفسیر ابن جریر ص ۲۰۴)

آٹھ قسم کے نکاح:

جاہلیت میں نکاح کی بے شمار اقسام تھیں۔ ان میں سے درج ذیل آٹھ اقسام بہت مشہور تھیں:

1: نکاح شغار۔ 2: نکاح بدل۔ 3: نکاح متعہ۔ 4: نکاح عام۔ 5: نکاح اجتماعی۔
6: نکاح خدن۔ 7: استبضاع۔ 8: نکاح نوبت۔

نکاح شغار (آٹا سائی):

نکاح شغار کی یہ صورت تھی کہ آدمی اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی یا کسی اور عزیزہ کو اس شرط پر کسی کے ساتھ بیاہ دیتا کہ وہ اپنی بیٹی یا بھتیجی یا کسی اور عزیزہ کو اس کے ساتھ بیاہ دے۔ ان دونوں نکاحوں میں مہر کسی کا مقرر نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ یہ آپس کا تبادلہ یعنی ایک دوسرے نکاح کا مہر ہوتا تھا۔

نکاح البدل:

نکاح بدل کی یہ صورت تھی کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا تھا کہ تو میرے لئے اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جا! میں تیرے لئے اپنی سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ اس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے سے اپنی بیویاں بدل لیتے تھے اور یہ ان کے نزدیک نکاح تھا۔

نکاح متعہ:

متعہ کی یہ صورت تھی کہ عورت سے ایک مدت معینہ کیلئے نکاح کرتے تھے۔ جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو زوجین کے درمیان خود بخود فرقت واقع ہو جاتی تھی۔

نکاح عام:

نکاح عام کی صورت آج کل کے نکاح سے جو مسلمانوں سے رائج ہے ملتی جلتی تھی۔ جاہلیت کے شرفاء میں اکثر اسی نکاح کا رواج تھا اور یہ نکاح اور نکاحوں سے بہتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا طریق یہ تھا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے، اس کی بیٹی یا اس خاتون کی جو اس کی ولایت میں ہوتی منگنی کی درخواست کرتا اور اس کا مہر مقرر کرتا۔ جب وہ شخص منگنی منظور کر لیتا تو مہر کی معین مقدار پر جس کا اس مجلس میں ذکر ہو جاتا اس کے ساتھ عقد کرتا۔ منگنی کی درخواست عورت کے باپ یا بھائی یا چچا یا چچازاد بھائیوں سے کرتے تھے۔ خاطب جب منگنی کی درخواست کرتا تو عورت کے باپ یا ولی سے کہتا:

''خدا کرے تم ہر صبح خوش رہو۔''

پھر کہتا:

''ہم تمہارے جوڑ گوت اور ذات برادری کے ہیں۔ اگر تم ہم سے اپنی بیٹی بیاہ دو تو ہماری خوشی پوری ہو جائے گی اور ہم تمہارے ہو جائیں گے اور تمہاری تعریف کرتے ہوئے ہم تمہاری فرزندی میں داخل ہوں گے۔ اور اگر کسی علت کی وجہ سے جس کو ہم بھی جانتے ہوں تم ہمیں محروم لوٹاؤ گے تو ہم تم کو معذور سمجھ کر لوٹ جائیں گے۔''

اگر عورت کی قوم سے خاطب کی قرابت قریبہ ہوتی اور اس کی منگنی منظور ہو کر اس کے ساتھ عقد ہو جاتا تو رخصت کے وقت لڑکی کا باپ یا بھائی لڑکی سے کہتا:

''خدا کرے جب تو اس کے پاس جائے تو عیش و آرام سے رہے اور لڑکے جنے نہ کہ لڑکیاں۔ خدا تجھ سے کثیر تعداد اور عزت والے اشخاص پیدا کرے اور تیری نسل ہمیشہ قائم رہے۔ اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کی عزت اور تعظیم کرنا اور پانی کو خوشبو سمجھنا۔''

اگر عورت کسی اجنبی اور پردیسی سے بیاہی جاتی تو اس کا باپ یا بھائی اس سے کہتا:

''خدا کرے نہ تو عیش و آرام میں رہے اور نہ لڑکے جنے، کیونکہ تو اجنبیوں سے قریب ہو گی اور دشمنوں کو جنے گی۔ اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کے عزیز و اقارب کی نظر میں پیاری بنی رہنا، کیونکہ ان کی آنکھیں تیری طرف اٹھی ہوئی ہوں گی اور ان کے کان تیری طرف لگے ہوئے ہوں گے اور پانی کو خوشبو سمجھنا۔''

قریش اور عرب کے اکثر قبائل میں یہی نکاح رائج تھا اور اکثر شریف اور خاندانی لوگ اسی نکاح کو پسند کرتے تھے۔

نکاح اجتماعی:

نکاح کی ایک قسم یہ تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو کر عورت کے پاس جاتے اور اس سے جماع کرتے۔ وہ کسی کو جو اس کے پاس آتا منع نہ کرتی۔ یہ فاحشہ عورتیں تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرتی تھیں۔ یہ جھنڈیاں اس بات کی نشانی ہوتی تھیں کہ جو ان کے پاس آنا چاہے چلا آئے، کسی کو ممانعت نہیں ہے۔ ان میں سے جب کوئی عورت کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو سب اس کے پاس جمع ہوتے اور ایک قیافہ شناس کو بلاتے اور قیافہ شناس بچہ کو جس کے مشابہ پاتا اس کا بیٹا قرار دیتا۔ عورت بچہ اس کو دے دیتی اور وہ اس کا بیٹا

کہلانے لگتا۔ مرد اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ جاہلیت میں اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرنے والی عورتوں میں سے ہشام بن الکلبی نے کتاب مثالب میں دس سے زیادہ مشہور عورتوں کے نام بیان کئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک عورت ام مہزول تھی جو جاہلیت میں زنا کراتی تھی۔ اسلام کے زمانہ میں بعض صحابہ نے اس سے نکاح کرنا چاہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

((الزانية لا ينكحها الا زان او مشرك))

''زانیہ عورت سے نکاح کرنا زانی یا مشرک کا کام ہے۔''

نکاح الخدن:

نکاح الخدن کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

''اور یارانے نہ لگائیں۔''

خدن کے معنی یارانے کے ہیں یعنی مخفی طور پر کسی عورت سے یارانہ کرنا۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ جو نکاح چھپا کر کیا جائے، اس میں مضائقہ نہیں ہے لیکن جو نکاح ظاہر ہو وہ منحوس ہے۔

استبضاع:

استبضاع کی صورت یہ تھی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جاتی تو اس کا شوہر اس سے کہتا:

''فلاں شخص کو اپنے پاس بلوا لے اور اس سے ہم بستر ہو تا کہ اس سے حاملہ ہو جائے۔''

وہ عورت اس شخص کو بلواتی اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی۔ اس عرصہ میں اس کا شوہر اس سے علیحدہ رہتا اور جب تک اس عورت کو اس شخص سے حمل ظاہر نہ ہوتا جس سے اس نے استبضاع چاہا تھا، شوہر اس کو ہاتھ نہ لگاتا۔ جب اس سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا اس وقت اس کا شوہر جب اس کا جی چاہتا اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا۔ استبضاع ان سرداروں اور رؤسا کے ساتھ کراتے تھے، جو شجاعت یا سخاوت وغیرہ اوصاف میں مشہور ہوتے تھے اور یہ اس لئے کرتے تھے کہ بچہ نجیب و شریف پیدا ہو کیونکہ عمدہ نر کے پانی سے عمدہ ہی اولاد ہوتی ہے۔ گویا اکابر اور شرفاء سے تخم لینے کا نام استبضاع تھا۔ آریوں کا نیوت اور یہ صورت ایک قسم کی ہے۔ حیض سے پاک ہونے کے بعد اس لئے کراتے تھے تا کہ اس عورت کو حمل رہ جائے کیونکہ اس وقت نطفہ کا ٹھہرنا زیادہ یقینی ہے۔

نکاح نوبت:

نکاح کی ایک اور قسم یہ تھی کہ چند آدمی مل کر جو دس سے کم ہوتے عورت کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اس سے ہم بستر ہوتے۔ یہ کام عورت کی رضامندی اور آپس کے اتفاق سے کرتے۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی اور مدت مقررہ کے بعد بچہ جنتی اور بچہ پیدا ہونے کے چند دن گزر جاتے تو ان سب کو اپنے پاس بلواتی۔ وہ سب اس کے پاس جمع ہو جاتے۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس کے پاس آنے سے انکار کرے۔ جب وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے تو ان سے کہتی:

''تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اب میں نے یہ بچا جنا ہے۔ سوائے فلاں! یہ تیرا بیٹا ہے۔''

عورت جس کو چاہتی اس کا نام لے لیتی اور وہ اس کا بیٹا قرار پا جاتا۔ وہ شخص اس کے قبول کرنے سے انکار نہ کر سکتا۔ یہ اس وقت ہوتا تھا جب بچہ لڑکا ہوتا اور اگر لڑکی ہوتی تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ کسی کی بیٹی قرار دی جائے کیونکہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

طلاق

طلاق کی تین اقسام:

جاہلیت میں طلاق تین قسم کی تھی۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے ثقہ اور معتبر اہل علم کی زبان سے سنا ہے کہ اہل جاہلیت تین طرح پر طلاق دیتے تھے:

1: ظہار کے ذریعے۔ 2: ایلا کے ذریعے۔ 3: طلاق کے ذریعے۔

طلاق کو تو اللہ تعالیٰ نے ثابت رکھا اور ایلا اور ظہار میں وہ فیصلہ کیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

ایلا کی معیاد اسلام میں چار ماہ ہے۔ اور ظہار کرنے والے کو حکم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا مساکین کو کھانا کھلائے یا پھر روزے رکھے۔

جاہلیت کا ایلا:

جاہلیت کے ایلاء کی نسبت طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جاہلیت میں ایک سال اور دو سال کا ایلاء کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ایلاء کے کل چار مہینے مقرر کئے۔ جو چار مہینے سے کم کا ہو وہ ایلا نہیں ہے۔

تین طلاقیں:

جاہلیت میں مختلف اوقات میں تین طلاقیں دیتے تھے۔ یہ طریقہ بعینہٖ اسلام کا طریقہ ہے۔ اس طریق کی بنیاد سب سے پہلے حضرت سماعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے ڈالی تھی۔ پھر ان کے بعد اہل عرب نے اس پر عمل کیا۔ چنانچہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو فقط ایک طلاق دیتا اور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ شوہر اس کا حق دار سمجھا جاتا۔ جب پوری تین طلاقیں دے چکتا، تو اس وقت عورت اس سے بالکل علیحدہ ہو جاتی اور شوہر کا اس پر کچھ اختیار باقی نہ رہتا۔

یہ طریق کسی طرح قابل ملامت نہیں ہے، لیکن جاہلیت میں اس میں یہ خرابی واقع ہوگئی تھی کہ اہل جاہلیت عورتوں کو طلاق دیتے جب ان کی عدت گزرنے کا زمانہ قریب ہوتا اور ایک دو دن باقی رہ جاتے اس وقت ان سے رجعت کر لیتے۔ نہ اس غرض سے کہ انہیں ان کے ساتھ محبت یا ان کی حاجت ہوتی تھی، بلکہ اس غرض سے کہ انہیں نقصان پہنچے اور عدت طویل ہو جائے اور نکاح ثانی کے لئے زمانہ دراز تک انتظار کرنا پڑے۔

ان کی یہ بھی شرارت تھی کہ اپنی عورتوں کو طلاق دیتے یا نکاح کرتے یا اپنا غلام آزاد کر دیتے اور کہتے کہ ہم نے مذاق کیا تھا۔ شریعت اسلام نے ان دونوں باتوں کو باطل کیا۔ پہلے امر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

((و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكو هن بمعروف اوسرحوهن بمعروف ولا تمسكو هن ضرا لتعتد وا ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه))

''جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کے قریب ہو تو اس کے بعد انہیں خوبی کے ساتھ روکو یا خوبی کے ساتھ چھوڑو۔ ضرر اور نقصان پہنچانے کی غرض سے انہیں نہ روکو اور جو انہیں نقصان پہنچانے کی غرض سے روکے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔''

دوسری بات کو جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے باطل کیا اور فرمایا کہ نکاح کا انعقاد اور طلاق و رجعت کا وقوع

ہر حالت میں ہو جاتا ہے خواہ انسان دل سے ان کا مرتکب ہو یا مذاق میں۔ مذاقاً ان باتوں کو کرنا ایسا ہی ہے جیسے دل سے کرنا۔

طلاق کے باب میں زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ جس طرح خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا اختیار رکھتے تھے، اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کی مجاز تھیں۔ بیویوں کے اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کا طریق یہ تھا کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اسے طلاق دینا چاہتی تو جس خیمے میں وہ رہتی اس کے دروازے کو بدل دیتی، یعنی اگر خیمے کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو اسے مغرب کی طرف اور اگر مغرب کی طرف ہوتا تو اسے مشرق کی طرف پھیر دیتی۔ اسی طرح اگر خیمے کا رخ جنوب کی طرف ہوتا تو اسی شمال کی طرف اور شمال کی طرف ہوتا تو اسے جنوب کی طرف بدل دیتی۔ اس کے ایسا کرنے سے اس کے خاوند پر طلاق پڑ جاتی اور خاوند جب خیمے کا رخ بدلا ہوا دیکھتا تو سمجھ جاتا کہ اس کی بیوی نے اسے طلاق دے دی ہے۔ پھر اس کے پاس نہ جاتا اور دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے۔

خلع کا طریقہ:

جاہلیت میں عورتیں خلع بھی کراتی تھیں۔ خلع کے یہ معنی ہیں کہ عورت شوہر کو کچھ مال دے کر اس سے اپنا پیچھا چھڑا لیتی تھی۔ یہ بھی ایک قسم کی طلاق ہی تھی۔ اس میں اور طلاق میں فقط یہ فرق ہے کہ طلاق شوہر خود اپنی مرضی سے دیتا ہے اور خلع میں مال کی عوض عورت اسے طلاق مانگتی ہے۔ خلع کا موجد عامر بن ظرب ہے۔ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی اپنے بھتیجے عامر بن حارث بن ظرب سے بیاہ دی تھی۔ نکاح کے بعد جب دلہن دولہا کے پاس بھیجی گئی تو دلہن کو دولہا کی صورت دیکھ کر اس سے نفرت پیدا ہوگئی۔ اس نے اس کا ذکر اپنے باپ سے کیا۔ باپ نے کہا کہ اگر تو اس سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے تو وہ مال جو اس نے تجھے مہر میں دیا ہے اسے واپس کر دے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ تیرے شوہر سے بھی تجھے چھڑا لوں اور اس کا مال بھی تیرے پاس رہے۔ پھر اس کے شوہر سے کہا کہ جو مال تو نے اسے دیا تھا وہ میں اس سے واپس کرائے دیتا ہوں تو اسے چھوڑ دے۔ یہ سب سے پہلا خلع ہے جو عرب میں واقع ہوا۔

عدت

جاہلیت میں طلاق اور موت کی عدت بھی مقرر تھی۔ تاریخ سے مطلقہ کی عدت کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی، لیکن وفات کی عدت ایک سال تھی۔ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ ایک چھوٹے سے تنگ گھر میں جس کی چھت نیچی ہوتی، نہایت خراب اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر بیٹھ جاتی۔ سال بھر تک اس میں بیٹھی رہتی۔ اس عرصہ میں نہ نہاتی، نہ کپڑے بدلتی، نہ ناخن کاٹتی، نہ خوشبو لگاتی۔ غرض زینت اور آرائش کی کسی بات کے پاس نہ پھٹکتی۔ جب پورا سال گزر جاتا اس وقت اس کے پاس کوئی جانور گدھا یا بکری، یا کوئی پرندہ لایا جاتا، اس کے ساتھ وہ اپنی عدت توڑتی یعنی اس جانور یا پرندے کے جسم کے کسی حصے سے اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتی۔ پھر بری صورت سے باہر نکلتی اور اس کے ہاتھ میں چند خشک مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ کسی کتے کے اوپر یا اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتی اور ایسا کرنے کے بعد عدت سے باہر ہو جاتی، پھر خوشبو لگاتی اور جن باتوں کی اس کو ممانعت تھی وہ اس کو مباح ہو جاتیں اور اس کے بعد جس قسم کا بناؤ سنگار چاہتی کرتی۔ جب وہ پرندہ پر اپنی شرم گاہ رگڑ کر اس کو باہر پھینکتی تو پرندہ مر جاتا تھا۔ (صحیح مسلم)

اہل مکہ اور عصر حاضر میں شادی کی رسومات

اہل مکہ کی شادی کی تقریبات بھی دوسرے ممالک سے قدرے مختلف ہیں۔ اکثر ممالک میں تو یہ رواج ہے کہ عورت اپنے ساتھ جہیز

لاتی ہے جب کہ مکہ مکرمہ اور عرب میں مرد عورت کو جہیز دیتا ہے۔ جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:

''یورپ کی رسم کے بالکل خلاف یہاں عورت مرد کو جہیز نہیں دیتی بلکہ مرد عورت کو جہیز دیتا ہے۔'' (تمدن عرب، ۳۳۷)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب رشتہ طے پا جاتا ہے تو لڑکے کے والدین لڑکی کے والدین کو جہیز تیار کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق رقم دیتے ہیں، جو کم از کم ۲۵ ہزار ریال ہوتی ہے۔ لڑکی والے اس رقم سے مکان اور کار کے علاوہ ہر وہ چیز خریدتے ہیں جن کی گھر میں ضرورت پیش آتی ہے، تاکہ جب دلہن اس گھر میں آئے تو اسے کسی چیز کی کمی اور ضرورت محسوس نہ ہو۔ اگر طے شدہ رقم ختم ہو جائے تو دلہن کے والدین اپنے پاس سے کمی پوری کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کمی کا اتفاق شاذ و نادر ہی پیش آتا ہے۔ رئیس لوگ شادی کی تقریبات ''حداق الزاہر'' منیٰ کے راستہ میں مناتے ہیں۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''شادی کے موقع پر عزیز واقارب کو دعوت دی جاتی ہے۔ مرد مکان کے باہر بیٹھتے ہیں اور عورتیں اندر۔ نماز عشاء کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا ہے، اس پر کھانا چنا جاتا ہے، مرد کھانا کھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں، عورتیں مکان کے اندر جاتی ہیں تو ایک عورت ان کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہے۔ پھر وہ دلہن کے کمرے میں جا کر سلام پیش کر کے بیٹھ جاتی ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ آدھی رات ہو جاتی ہے۔ اس وقت دلہن کو سادگی کے ساتھ دلہا کے گھر بھیج دیا جاتا ہے، اور عورتیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جاتی ہیں۔'' (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۲۰۵)

باب نمبر 24:

اہل مکہ اور نسی کی رسم

جاہلی رسموں میں سے ایک اہم رسم ''نسی'' ہے۔ حلال مہینوں کو بدل کر حرام قرار دینے کو ''نسی'' کہتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں بتا دیا کہ بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرام ہیں جنہیں بدلا نہیں جا سکتا۔ ایسا کرنا نہ صرف کفر بلکہ کفر پر شدت سے عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

((انما النسیء زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما لیواطئوا عدة ماحرم الله فیحلوا ما حرم الله زین لهم سوء اعمالهم والله لا یهدی القوم الکفرین))

''یقیناً حرام مہینوں کو بدل دینا (نسی) کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے اس کی وجہ سے کفر کیا وہ گمراہی میں پڑ گئے۔ وہ اس بناء پر کفر کے مرتکب ہوئے کہ ایک سال ان مہینوں کو حلال اور دوسرے سال حرام قرار دے دیتے تاکہ اس مدت کی تلافی ہو جائے جسے اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ تو پھر وہ اللہ کی حرام کردہ باتوں کو حلال کر لیتے ہیں۔ انہوں نے خود کو برے کاموں میں ملوث کر لیا ہے اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی وضاحت فرما دی:

''اس کے نزدیک اس کی کتاب میں صرف بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار مہینے حرام ہیں، تین مسلسل ولگاتار مہینے ذی قعد، ذوالحج اور محرم، چوتھا رجب کا مہینہ جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔''

بنو قریش نسی کی رسم اہتمام سے ادا کرتے تھے، جس کی وجہ سے حج ذی قعد میں ہونے لگا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۹ ہجری میں حج ماہ ذی قعد میں ہوا تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال اور انتظار کیا تا کہ اصلی مہینے میں حج ادا کیا جا سکے۔ پھر اس کے بعد آج تک حج ''ذوالحج'' کے مہینے میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ نے ایک بری رسم ختم کر کے مہینوں اور سالوں کا نظام درست فرمایا اور جہالت کی بہت بڑی نشانی مٹا دی۔

جناب حضرت سیدنا ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے حکم سے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے تھے، جن میں چار مہینے محرم، رجب ذیقعد، ذوالحجہ، حرمت والے قرار دیئے تھے، یعنی ان میں کشت وقتال حرام تھا۔ جاہلیت کے لوگ ان مہینوں کی حرمت کا اعتقاد رکھتے تھے اور ان میں کشت وقتال حرام جانتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں یہ بدعت نکالی تھی کہ ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے۔ جب ان کو ان مہینوں میں سے کسی مہینے میں قتال کرنے کی ضرورت پڑتی تو اس کی حرمت کو موخر کر دیتے، یعنی اس مہینے کو حلال اور دوسرے مہینے کو حرام کر لیتے۔ مثلاً: محرم کا نام صفر اور صفر کا نام محرم رکھ دیتے اور کہتے کہ اس سال محرم کا مہینا پیچھے ہٹ گیا ہے، یعنی یہ صفر ہے اور محرم صفر کے بعد آئے گا۔ اس طرح اپنی من سمجھوتی کر کے وہ محرم کو حلال کر لیتے اور صفر کو حرام۔

اگر صفر میں انہیں قتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے اور اس کی بجائے ربیع الاول کو حرام کر لیتے اور کہتے کہ اس سال محرم صفر اور ربیع الاول کے بعد آئے گا۔ اسی طرح رجب میں قتال کی ضرورت پڑتی تو اس کا نام شعبان اور شعبان کا نام رجب رکھ دیتے اور کہتے کہ اس سال رجب شعبان کے بعد آئے گا اور اس طرح اپنے دل کو سمجھا کر رجب کو حلال کر لیتے اور اس کی جگہ شعبان کو حرام کر دیتے۔ اگر شعبان میں بھی قتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے اور اس کی جگہ رمضان کو حرام قرار دیتے، غرض سب مہینوں کے ساتھ اسی طرح کرتے یہاں تک کہ تحریم سال کے کل مہینوں کی طرف چکر کھاتی پھرتی، کبھی سال تیرہ یا چودہ مہینوں کا بنا لیتے اور ان زائد مہینوں کو حرام کرتے، تا کہ قتال کے لئے انہیں وقت زیادہ ملے۔ غرض مہینوں کی حرمت کے باب میں مجرد عدد کا لحاظ رکھتے۔ نہ کہ معینہ مہینوں کی خصوصیت کا۔

شیخ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ عرب جاہلیت چند طرح پر مہینوں کو موخر کرتے تھے۔ بعض محرم کا نام صفر رکھ دیتے اور اس میں قتال حلال کر لیتے اور صفر کا نام محرم رکھ دیتے اور اس میں قتال حلال کر لیتے اور صفر کا نام محرم رکھ دیتے اور اس میں قتال حرام کر لیتے۔ بعض ایک سال محرم میں قتال حرام جانتے اور ایک سال صفر میں۔ بعض دو سال محرم میں قتال حرام جانتے اور دو سال صفر میں۔ بعض صفر کو ربیع الاول کی طرف موخر کر دیتے اور ربیع الاول کو ربیع الثانی کی طرف، اسی طرح سب مہینوں کے ساتھ کرتے۔ یہاں تک کہ شوال ذیقعد ہو جاتا اور ذیقعد ذی الحجہ۔ پھر ذی الحجہ کے بعد ایک اور مہینہ بڑھا لیتے۔

سب سے پہلے جس شخص نے نسی کی رسم کو جاری کیا وہ ایک شخص مالک بن کنانہ کی نسل سے تھا جس کا اصل نام حدیقہ اور مشہور نام قلمس تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے:

خدیقہ بن فقیم بن عامر بن الحارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ۔

ایک شاعر کہتا ہے:

ومنا ناسیء الشهر القلمس

''مہینوں کو پیچھے ہٹانیوالا قلمس ہمارے ہی خاندان میں سے تھا۔''

ایک اور شاعر کہتا ہے:

لهم ناسئ يمشون تحت لوائه

يحل اذا شاء الشهر لو يحرم

''ان کے نئے مہینوں کو پیچھے ہٹانے والا ایک سردار ہے جس کے جھنڈے تلے وہ لڑائی کیلئے چلتے ہیں۔ وہ سردار جب چاہتا ہے مہینوں کو حلال کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے۔''

عمیر بن قیس جو مالک بن کنانہ کی نسل سے ہے، کہتا ہے:

ونحن الناسيون على معد

شهور الحل نجعلها حراما

''معد بن عدنان کی اولاد میں مہینوں کے پیچھے ہٹانے کی رسم ہم ہی نے جاری کی ہے۔ ہم وہ ہیں جو حلال مہینوں کو حرام کر دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو گمراہی اور کفر قرار دیا اور فرمایا:

((ان عدة الشهور عند الله......))

''مہینوں کی تعداد جس روز سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس کی کتاب میں بارہ مہینے قرار پا چکی ہے جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ دین کا یہی سیدھا راستہ ہے۔ سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور سب مل کر مشرکین سے لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور یہ جان لو کہ خدا متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کو پیچھے ہٹانا کفر میں بڑھنا ہے جس سے کافر گمراہ ہو رہے ہیں۔ ایک سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تا کہ جو تعداد خدا نے حرام کی ہے، اس کو پورا کریں اور اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر لیں، ان کے برے عمل ان کو اچھے دکھلائی دیتے ہیں اور اللہ قوم کفار کو ہدایت نہیں کرتا۔''

باب نمبر 25:

اہل مکہ اور عرب کی حج و عمرہ کی رسمیں

اہل مکہ کا حج:

دور جہالت میں عرب خانہ کعبہ کی زیارت کے علاوہ بت کدوں کی زیارت اور ان کا طواف ادا کرنے کو بھی عرب حج میں شمار کرتے تھے۔ اہل یثرب (اہل مدینہ) تو صفا اور مروہ کے بجائے ''منات'' کے بت کدے کا طواف کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''صفا و مروہ اس کی نشانیاں ہیں، اس لیے صرف ان کا طواف کرنا واجب ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت کدوں کو تباہ کر کے شرک و بت پرستی کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور صرف اسی کے حج کو ارکان اسلام میں شامل کرنے کا اعلان فرمایا۔

برہنہ طواف:

بنو قریش کے علاوہ سارے عرب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ سب سے بڑی بے حیائی اور بے شرمی کی بات تھی۔ وہ

حرم میں داخل ہوتے ہی کپڑے اتار ڈالتے اور خانہ کعبہ کے چاوں طرف دوڑ لگاتے تھے۔عورتیں بھی ننگی ہو کر طواف کرتی تھیں۔ایک روایت کے مطابق وہ طواف کرتی ہوئی گاتی جاتی تھیں۔نسائی کی ایک روایت کے مطابق یہ شعر اسی موقع پر گایا جاتا تھا:

اليوم يبدوا بعضهم او كله

وما بد امنه فلا احله

''آج کے دن ان کا بعض حصہ یا پورا ظاہر ہو جائے گا اور جو ظاہر ہو گیا اسے میں حلال نہیں کرتی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس حرکت پر ملامت کی اور حکم دیا:

''نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔یعنی لباس پہن کر طواف کیا جائے۔''

ابطالِ باطل:

اسی لیے ۹ ہجری میں اس کی ممانعت ہوگئی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسی سال مسلمانوں نے حج اکبر ادا کیا۔اس موقع پر سورۂ برات کی ہدایتوں کا اعلان کرتے ہوئے حج کی جاہلی رسموں کو باطل قرار دے دیا گیا۔

آباؤ اجداد کا ذکر:

حج کے موقع پر جاہل عرب اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے بیان کرتے تھے،لیکن اسلام نے حکم دیا کہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر زبان پر رہے۔اسی کا نام ورد کیا جائے اور دل میں اسی کا خیال کر کے،اسی کی طرف لو لگا کر حج کیا جائے۔قرآن شریف میں فرمایا گیا:

((فاذا قضيم مناسككم فاذ كروا الله كذكر اباء كم او اشد ذكرا))

''مناسک حج ادا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو،بلکہ اس سے بھی زیادہ شد و مد کے ساتھ اسے یاد کیا کرو۔''

کعبہ کی دیواروں پر خون ملنا:

جاہل عرب قربانی کا خون لے کر خانہ کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا:

''قربانی تو شعائر اللہ میں سے ایک ہے۔قربانی کا گوشت اور اس کا خون اس کے پاس نہیں پہنچتا بلکہ صرف نیکی،خدا ترسی اور پرہیزگاری ہی اس کے پاس پہنچتی ہے۔''

اس طرح اس بری رسم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

قربانی کے جانور پر سواری:

عرب قربانی کے جانوروں پر سواری نہیں کرتے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا:

''بلا جھجک ایسے جانوروں پر سوار ہوں۔''

حج خموشاں:

وہ ''حج مصمت'' بھی ادا کرتے تھے یعنی وہ منت مان کر حج کے دوران بالکل نہیں بولتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی ممنوع قرار دیا اور فرمایا:

''یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔''

حج خموشاں میں شروع احرام سے آخر تک کلام کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ احرام باندھنے کے بعد آدمی گونگوں کی طرح چپ چاپ ہو جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس کو بڑا ثواب جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ایک عورت کو جس کا نام زینب بنت المہاجر تھا دیکھا کہ بالکل چپ چاپ اور خاموش ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتی۔ آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا:

''اس عورت کی یہ حالت کیوں ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''اس نے حج مصمت کی نیت کی ہے۔ اب جب تک یہ جملہ ارکان حج سے فارغ نہ ہو لے اس وقت تک کسی سے بات نہیں کر سکتی۔''

آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا:

''کلام کر۔ یہ فعل حلال نہیں ہے۔ یہ عمل جاہلیت میں سے ہے۔''

اس نے آپ کا یہ فتویٰ سن کر آپ سے کلام کیا اور جس لغویات کی نیت کی تھی اس کا ارادہ فسخ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

عمرہ:

عمرہ جاہلیت کے لوگ غیر اشہر حج (حج کے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں) میں کرتے تھے۔ اشہر حج میں عمرہ کرنا ان کے نزدیک فجور میں داخل تھا۔ ان کا یہ قول تھا:

اذابری الدبر وعفی الا ثر
حلت العمرة لمن اعتمر

''جب حج کے اونٹوں کی لگی ہوئی پیٹھ اچھی ہو جائے اور حاجیوں کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اس وقت عمرہ کرنے والے کیلئے عمرہ کرنا حلال ہے۔''

تعظیم کعبہ:

جاہلیت کے لوگ خانہ کعبہ کا نہایت ادب کرتے تھے اور اس میں کشت وقتال اور خونریزی کرنا حرام جانتے تھے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کی ہے کہ عرب کے سوا تمام ملکوں میں بادشاہ ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے کوئی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا، ان کا قانون ظالم کو ظلم سے روکتا تھا اور مظلوم کی فریاد رسی کرتا تھا، لیکن عرب میں ایسے بادشاہ نہ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عربوں کیلئے کعبہ کو قیام گاہ بنایا۔ اس میں لوگ امن پاتے تھے اور کوئی کسی کو ستا نہ سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ میں اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو اس کو بھی خانہ کعبہ کی حرمت کے خیال سے قتل نہیں کر سکتا تھا۔

خانہ کعبہ کا حج اور اس کا احترام کچھ اہل عرب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ اہل فارس بھی ہمیشہ اس پاک گھر کا حج کرتے اور اس کی زیارت کو موجب ثواب جانتے تھے۔ چنانچہ شاہان اکاسرہ کے جد اعلیٰ ساسان بن بابک نے حج کیا اور اس کے بعد اس کی قوم میں اس کا رواج رہا۔ ایک فارسی شاعر اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

ومازلنا نحج البيت قدما و نلقى بالا باطح آمينيا
وساسان بن بابك سارحتى اتى البيت العتيق باصيدينا

وطاف به و زمزم عند بیر　　　لا سمعیل تردی الشاربینا

''ہم ہمیشہ خانہ کعبہ کا حج کرتے اور امن و امان سے بطحاء میں ڈیرے ڈالتے رہے ہیں۔ ساسان بن بابک اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ پہنچا۔ اس کا طواف کیا اور حضرت اسماعیل کے کنوئیں پر جو پینے والوں کو سیراب کرتا ہے خدا کی تعریف کا راگ گایا۔''

اس سے قرآن کریم کی حقانیت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ فرمایا تھا اس کو پورا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

((واذن فی الناس بالحج یا توك رجالا وعلی كل ضامر یا تین من كل فحج عمیق))

''اے ابراہیم! لوگوں میں حج کی منادی کر دے وہ تیرے پاس پیدل اور تیز دبلی اونٹنیوں پر جو ہر ایک دور دراز راہ سے چلی آ رہی ہوں گی آ موجود ہوں گے۔''

اشہر حرام:

جاہلیت کے لوگ اشہر حرام کی بھی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان دنوں میں لوٹ مار بند کر دیتے اور اپنے نیزوں کی بھالیں اتار رکھتے۔ بے خوف و خطر تجارت کرتے اور اپنی روزی کماتے اور ہر طرح سے مطمئن رہتے، ان دنوں کی حرمت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی تھی، لیکن بعض اوقات ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے اور محرم کا نام صفر رکھ دیتے تھے۔

دوران حج بال نہ منڈوانا:

جاہل عرب حج کے دوران سر کے بال نہیں منڈواتے تھے۔ اسلام نے بھی یہی حکم دیا مگر وہ اس کی پابندی حد سے زیادہ کرتے تھے۔ اس میں اس قدر جوئیں پڑ جاتیں کہ بینائی زائل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا، پھر بھی وہ بال نہیں منڈواتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''ایسی حالت میں بال منڈوا کر فدیہ یا صدقہ دیں، روزہ رکھیں یا قربانی ادا کریں۔''

میدان عرفات:

عرفات حج کی اصلی عبادت گاہ تھی، لیکن بنو قریش حدود حرم سے آگے بڑھ کر واپس جانا اپنی شرافت و وقار کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ خود کو اہل حرم کہتے اور مزدلفہ سے آگے نہیں جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی عرفات جائیں اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جائیں۔

دروازوں سے آنا جانا بند:

عصر جاہلیہ میں دستور تھا کہ لوگ حج یا عمرے کی غرض سے احرام باندھنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کے دروازے سے آنا جانا بند کر دیتے تھے۔ عقبی دیواروں میں نقب لگاتے یا پھر سیڑھیوں پر چڑھ کر آتے جاتے تھے۔ بدو عرب اپنے خیموں میں پیچھے کی طرف بڑا سا سوراخ کر لیتے اور اس سے آنا جانا شروع کر دیتے تھے۔ صرف بنو قریش اس رسم سے مستثنیٰ تھے۔ انہیں مخصوص اعزاز و مراعات حاصل تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ بدستور حالت احرام میں بھی دروازے سے ہی آمد و رفت جاری رکھیں گے۔

ایک دفعہ حضرت قطبہ بن عمار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحالت احرام کسی کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ''

بھی دروازے سے داخل ہوئے۔ چونکہ وہ قریشی نہیں تھے، اس لئے لوگوں نے اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا:

''میں تو ''احمس بنو قریش'' ہونے کی وجہ سے دروازے سے داخل ہو گیا لیکن دوسرے ایسا نہیں کر سکتے۔''

انہوں نے عرض کیا:

''وہ محض آپ کی اتباع و پیروی میں آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دروازے سے اندر چلے گئے۔ ورنہ وہ ایسا کبھی نہیں کرتے۔''

اسی موقعہ پر قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی:

((ولیس البربان تاتوا البیوت من ظهور ها و لكن البر من اتقى واتو البیوت من ابوابها واتقوا الله لعلكم تفلحون))

''اور گھروں میں پیچھے سے آنا جانا نیک کام نہیں بلکہ نیک کام تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ اس لیے تم اپنے دروازوں سے آیا جایا کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمہیں بھی فلاح و بہبود حاصل ہو جائے۔''

موجودہ حج اور جاہلیت کا حج:

جاہلیت کے لوگ حج اور عمرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے حج اور عمرہ میں وہ تمام ارکان و اعمال شامل تھے جو آج مسلمانوں میں رائج ہیں۔ حج اور عمرہ کیلئے احرام باندھتے تھے اور اس میں تلبیہ کہتے تھے۔ خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے۔ حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے یا اس کو ہاتھ لگاتے تھے۔ سات مرتبہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے اور باستثنیٰ قریش تمام عرب جملہ مواقف میں کھڑے ہوتے تھے، لیکن انہوں نے حج میں اپنی طرف سے چند بدعتیں نکال لی تھیں۔ ہم ان کی بدعتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ تا کہ قارئین کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا حج اور عمرہ مسلمانوں کے حج اور عمرہ سے کن کن باتوں میں مختلف تھا اور اسلام نے ان کی کن کن امور میں اصلاح کی۔

احرام:

جاہلیت میں احرام میں کئی بدعتیں نکالی گئی تھیں۔ ابو مجلز سے روایت ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھتا تو بالوں کا ایک ہار اپنے گلے میں ڈال لیتا اس کے سبب سے کوئی اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دیتا۔ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتا تو اذخر کا ہار پہن لیتا۔

احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتا تو دروازہ سے داخل نہ ہوتا، بلکہ پچھے کی دیوار میں نقب لگا کر داخل ہوتا یا سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھتا اور چھت پھوڑ کر اندر داخل ہوتا۔ اس طریق کا رواج زیادہ تر انصار میں تھا۔ قریش میں یہ دستور نہیں تھا۔ حمس یعنی قریش کو پنیر اور مکھن کھانا اور صوف کے خیمہ میں رہنا جائز تھا۔ اس حکم کے مکلف خاص قریش ہی تھے اور انہوں نے ہی یہ انوکھا طریق ایجاد کیا تھا۔ وہ جب تک محرم رہتے چمڑوں کے خیموں میں رہتے۔ چمڑے کے خیموں کے سوا اور کسی چیز کے سایہ میں نہ بیٹھتے، کیونکہ اور کسی چیز کے سایہ میں بیٹھنا ان کے نزدیک خلاف احرام تھا۔

قریش نے یہ بھی فتویٰ دیا کہ جو لوگ حدود حرم سے باہر کے رہنے والے ہیں وہ جب حج یا عمرہ کیلئے حرم میں آئیں تو انہیں وہ کھانا کھانا درست نہیں ہے جو بیرون حرم سے اپنے ساتھ حرم میں لائیں۔ ان کے اس فتوے کو تمام عرب نے قبول کر لیا اور وہ کھانا کھانا جسے بیرون حرم کے حاجی اپنے ساتھ لائے ہوں خلاف احرام سمجھا گیا۔

تلبیہ:

جاہلیت کے تلبیہ کے وہی الفاظ تھے جو مسلمانوں کے تلبیہ کے ہیں، لیکن وہ اس میں بعض الفاظ شرک کے بھی ملا دیتے تھے۔ان کے تلبیہ کے یہ الفاظ ہوتے تھے:

لبيك اللهم لبيك لا شريك الا شريك
هولك تملكه و ما ملك

''اے اللہ! ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔فقط ایک شریک ہے۔سو وہ بھی تیرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔''

میدان عرفات:

جس طرح مسلمان عرفات میں کھڑے ہوتے ہیں، اسی طرح جاہلیت میں بھی باستثنائے قریش تمام عرب عرفات میں کھڑے ہوتے تھے لیکن قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔جب سب لوگ عرفات میں کھڑے ہوتے تھے، وہ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے۔وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور مکے کے رہنے والے اور خانہ کعبہ کے متولی ہو۔تمہاری عزت سب سے زیادہ ہے اور جو حقوق تمہارے ہیں وہ کسی عرب کے نہیں۔تمام عرب جس قدر تمہاری تعظیم وتکریم کرتے ہیں اس قدر تعظیم وتکریم اور کسی کی نہیں کرتے۔غرض تمہارے رتبہ کا کوئی شخص نہیں۔اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو مقامات حدود حرم سے باہر ہیں تم ان کی ایسی تعظیم نہ کرو جیسی حرم کی کرتے ہو۔کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم عرب کی آنکھوں میں حقیر ہو جاؤ گے۔وہ کہیں گے کہ یہ حل اور حرم دونوں کی تعظیم برابر کرتے ہیں۔

اس مغرورانہ خیال کی بناء پر قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا، لیکن معہذا وہ اس بات کے مقر تھے کہ وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانا ارکان حج اور دین ابراہیم علیہ السلام میں سے ہے۔اسی لئے وہ اپنے سوا تمام عرب کو وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانے کا حکم دیتے تھے، لیکن اپنے اعزاز میں فرق آنے کے خوف سے خود عرفات میں نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم خاص حرم کے رہنے والے ہیں، اس لئے ہمیں مناسب نہیں ہے کہ حرم سے باہر نکلیں اور حرم وحل دونوں کی یکساں تعظیم کریں، کیونکہ ہم لوگ حمس یعنی حرم کے باشندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حمس یعنی قریش کے اس لغو اور بیہودہ خیال کی تردید فرمائی اور حکم دیا:

((ثم افيضو امن حيث افاض الناس))

''اے قریش! جہاں سے سب لوگ مزدلفہ کو لوٹتے ہیں، وہیں سے تم بھی لوٹو۔''

طواف:

جاہلیت میں طواف میں یہ بدعت نکالی گئی تھی کہ برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔قریش نے حرم سے باہر رہنے والے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ جب باہر کے لوگ مکے میں داخل ہوں تو خانہ کعبہ کا پہلا طواف جسے طواف قدوم کہتے ہیں، حمس کے کپڑے پہن کر کریں کیونکہ حمس (مکہ سے خریدے گئے خاص) کپڑوں کے سوا اور کپڑوں میں خانہ کعبہ کا پہلا طواف درست نہیں ہے اگر انہیں حمس کے کپڑے نہ ملیں تو ننگے طواف کریں۔

جاہلیت میں یوں بھی کہا جاتا تھا کہ جس طرح ہم اپنی ماؤں کے پیٹ سے ننگے پیدا ہوئے ہیں اسی طرح ہم ننگے ہی طواف بھی

کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی مرد یا عورت ذی عزت ہو اور اسے حمس کے کپڑے نہ ملیں تو اسے جائز ہے کہ وہ اپنے انہیں کپڑوں میں طواف کر لے جو اپنے ساتھ حل سے لایا ہے، لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد ان کو نکال کر پھینک دے، پھر کبھی ان کپڑوں سے فائدہ نہ اٹھائے۔ وہ کپڑے جہاں اس نے پھینکے ہوں ہمیشہ وہیں پڑے رہیں، ان کو کبھی کوئی ہاتھ نہ لگائے، نہ کپڑوں والا اور نہ کوئی اور ان کپڑوں کا نام اہل عرب نے لقار رکھا تھا۔ غرض قریش نے عرب کو جو باتیں سکھلائیں عرب نے ان کو دین میں داخل کر لیا۔

وقوف عرفات اور مزدلفہ روانگی:

عرب لوگ وقوف عرفات کرتے پھر وہاں سے مزدلفہ جاتے اور ننگے طواف کرتے۔ عورتیں جب طواف کرتیں اپنے تمام کپڑا اتار ڈالتیں اور شرمگاہ پر ایک دھجی یا چیتھڑا رکھ لیتیں پھر طواف کرتیں اور یوں کہتیں:

اليوم يبد و بعضه او كله

وما بد امنه فلا احله

"آج میرا سارا بدن یا اس کا کوئی حصہ کھل جائے گا لیکن جو اس میں سے کھل جائے میں اس کا دیکھنا کسی کیلئے حلال نہیں کرتی۔" (تفسیر ابن جریر ص ۱۰۴)

غرض تمام لوگ ننگے طواف کرتے تھے، جو شخص اپنے ان کپڑوں میں جو حل سے اپنے ہمراہ لاتا تھا طواف کرتا تھا، وہ ان کو طواف سے فارغ ہونے کے بعد پھینک دیتا تھا۔ پھر کوئی ان کپڑوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ نہ خود کپڑوں والا، اور نہ کوئی اور۔ اللہ تعالیٰ نے الیٰ کی ان بیہودہ باتوں کی تردید فرمائی اور یہ حکم نازل فرمایا:

((يابنى آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد وكلوا واشربوا ولا تسرفوا انه لايحب المسرفين ○ قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبت من الرزق قل هى للذين امنوا فى الحيوة الدنيا خالصة يوم القيامة كذلك نفصل الايات لقوم يعلمون))

"اے بنی آدم! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت (کپڑے) اپنے ساتھ رکھو اور خوب کھاؤ پیو! ہاں فضول خرچی نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اے نبی کہہ دیجیے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہے اور پاک روزیوں کو کس نے حرام کیا؟ کہہ دیجیے کہ وہ تو دنیا کی زندگی میں مومنوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہیں کو ملیں گی۔ جاننے والوں کیلئے ہم یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔"

سیٹیاں اور تالیاں:

طواف کرتے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا بھی احکام حج میں داخل تھا۔ ان کا قول تھا کہ جب تک ہم کعبے کے گرد سیٹی نہ بجائیں اور مرغ کی طرح منہ سے آواز نہ نکالیں، ہمارا حج پورا نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں سورۂ انفال کی اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

((وما كان صلوتهم عند البيت الا مكاء و تصدية))

"خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے ان کی نماز ہی کیا ہے؟"

باب نمبر 26:

اہل مکہ کی جاہلیت کے آگیں

جاہلیت کے لوگوں میں چند قسم کی آگیں جلانے کا دستور تھا۔ یہ آگیں مختلف عوارض وحادثات کے ظہور کے وقت جلائی جاتی تھیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نارالقریٰ:

نارالقریٰ جسے نارالضیافہ بھی کہتے ہیں۔ یہ آگ رات کو بھولے بھٹکے مسافروں کی رہبری کیلئے جلائی جاتی تھی۔ مزید شہرت کی غرض سے اس آگ کو اونچی جگہوں پر جلاتے اور اس میں مندلی رطب جو ایک قسم کی خوشبو ہے ڈالتے، تاکہ خوشبو کے ذریعے سے نابینا بھی راستہ معلوم کرلے۔ جاہلیت کے لوگ آگ اس کو تمام آگوں سے افضل جانتے تھے، کیونکہ اس آگ سے راستہ پاکران کے ہاں مہمان آتے تھے۔ جن کے آنے کے وہ ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے۔ چونکہ اس آگ سے ان کا مقصود سخاوت وفیاضی اور غریب الوطن مسافروں کی دستگیری تھی، اس لئے اس آگ جلانے پر وہ ہمیشہ فخر کرتے اور اپنے اشعار میں اپنی تعریفیں کرتے تھے۔

نارمزدلفہ:

نارمزدلفہ مقام مزدلفہ میں جلائی جاتی تھی اور مقصود اس آگ جلانے سے یہ تھا کہ جو لوگ عرفات سے مزدلفہ میں آئیں وہ اس کی روشنی سے رستہ پائیں۔ اس آگ کی روشنی مزدلفہ سے عرفات تک پہنچتی تھی۔ سب سے پہلے یہ آگ مزدلفہ میں قصی بن کلاب نے جلائی تھی پھر اس کے بعد ہمیشہ رائج رہی۔

نارالتحالف:

جب دو طریق آپس میں ایک دوسرے کی نصرت وامداد کے عہد کرنے کا ارادہ کرتے تو آگ جلاتے اور اس کے پاس قسم کھا کر ایک دوسرے کی نصرت وامداد پر عہد کرتے اور یہ دعا مانگتے کہ جو اپنے عہد کو توڑے وہ آگ کی خیر سے محروم رہے، اس آگ میں نمک اور گندھک ڈالتے۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگتی تو قسم کھانے والے سے کہتے کہ یہ آگ تجھے ڈراتی ہے۔ اگر اس شخص کا ارادہ جھوٹی قسم کھانے کا ہوتا تو وہ قسم کھانے سے رک جاتا اور اگر اس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہوتا تو وہ بے تامل قسم کھالیتا۔ اس آگ کو نارالتحالف یعنی حلف والی آگ کہا جاتا تھا، چونکہ یہ آگ جھوٹی قسم کھانے سے ڈراتی تھی، اس واسطے اس کا نام نارمہول یعنی ڈرانے والی آگ بھی تھا۔ آگ کی تخصیص اس لیے کی تھی کہ اس کا نفع فقط انسان ہی کے ساتھ مختص ہے۔ انسان کے سوا اور کسی حیوان کو اس سے نفع نہیں پہنچتا۔

نارالغدر:

جب کوئی شخص کسی کو پناہ دے کر اس کے ساتھ عہد شکنی کرتا تو حج کے دنوں میں منیٰ میں ایک اونچی جگہ پر آگ جلاتے اور پھر خوب چلا کر کہتے کہ یہ فلاں شخص کے غدر (دھوکہ) کی نشانی ہے۔ لوگوں کو اس سے بچنا چاہیے۔

نارالسلامۃ:

جب کوئی شخص سفر سے سلامت اور کامیاب واپس آتا تو اس کیلئے آگ جلاتے، اس آگ کو نارالسلامۃ کہا جاتا تھا۔

نارالطرو:

جب کوئی شخص رخصت ہوتا اور اس کا واپس آنا پسند نہ کرتے تو اس کے پیچھے آگ جلاتے اور اس کیلئے اس طرح بددعا کرتے:

''خدا اسے دور کرے اور ہلاک کرے۔''

پھر اس کے پیچھے آگ بھڑکاتے۔

نارالاہبہ:

جب کسی پر چڑھائی یا لشکر کشی کا ارادہ کرتے تو پہاڑ پر آگ جلاتے تا کہ سب لوگوں کو خبر پہنچ جائے اور سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

نارالصید:

نارالصید نامی آگ ہرنوں کو شکار کرتے وقت جلاتے تھے تا کہ اس کی روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جائیں اور بھاگ نہ سکیں۔ شتر مرغ کے انڈے بھی آگ جلا کر ڈھونڈتے تھے۔

نارالاسد:

جب شیر کا خوف ہوتا تھا تو آگ جلاتے تھے تا کہ آگ کو دیکھ کر اسے فکر لاحق ہو جائے اور حملہ نہ کر سکے، اس آگ کو نارالاسد کہا جاتا تھا۔

نارالسلیم:

نارالسلیم نامی آگ مار گزیدہ اور کوڑے لگے ہوئے اور خون بہتے ہوئے مجرم اور دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے اشخاص کیلئے اس غرض سے جلائی جاتی تھی کہ انہیں نیند نہ آئے اور ان کی تکلیف بڑھ جائے جس سے وہ مر جائیں۔

نارالقدا:

جب بادشاہ کسی قبیلہ کی عورتیں پکڑ کر لے جاتے تھے تو اس قبیلہ کے سردار اور مقرر لوگ ان کے پاس فدیہ لے کر اپنی عورتیں چھڑانے جاتے تھے۔ بادشاہ عورتوں کی فضیحت اور رسوائی کے خوف سے ان کو دن میں واپس دینا پسند نہ کرتے اور اندھیرے میں ان عورتوں کی تعداد معلوم نہ ہوتی جن کو وہ اپنے لئے انتخاب کر کے روکتے۔ اس لیے عورتوں کو واپس دیتے وقت آگ جلاتے۔

نارالاستمطار:

جب قحط پڑ جاتا اور بارش نہ ہوتی تو گایوں کی دموں میں ملع اور عشر کی لکڑیوں کے گٹھے باندھتے اور ان میں آگ لگا کر ان کو دشوار گزار پہاڑوں پر چڑھاتے اور اس کو بارش کے اسباب میں سے خیال کرتے، اس آگ کو الاستمطار کہا جاتا تھا۔

باب نمبر 27:

اہل مکہ کا بتوں پر قربانی چڑھانا

جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں:

ایام جاہلیہ کے عرب بتوں پر قربانی چڑھاتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق انسانوں کی قربانی بھی دی جاتی تھی۔ بتوں پر قربانی چڑھانے کو ''انصاب'' کہتے ہیں۔

خانہ کعبہ میں قربانی:

کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کے چاروں طرف پتھر نصب تھے۔"ایام جاہلیہ" میں وہیں قربانیاں ہوتیں۔ پھر سارا گوشت وہیں ڈال دیتے اور خون سے سارے پتھر رنگین ہو جاتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔قرآن شریف میں شراب نوشی، قمار بازی، بتوں کے نام سے قربانی اور اس کا گوشت کھانے، نیز تیروں سے فال نکالنے کو فسق و فجور میں شمار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((یاایھا الذین امنوا انما الخمرو المیسر والانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون))

"اے ایمان والو! شراب نوشی، قمار بازی، بتوں پر قربانی چڑھانا اور اس کا گوشت کھانا اور تیروں سے جوا کھیلنا اور فال نکالنا شیطان کا کام ہیں، اس لیے ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح و بہبود حاصل ہو جائے۔"

باب نمبر 28:

ایام جاہلیت میں اہل مکہ اور عرب کی سودخوری

ایام جاہلیہ کے عرب سود خور تھے۔وہ سود مرکب کے حساب سے بڑی سے بڑی شرح پر قرض دیتے تھے۔اگر قرض دار وقت پر قرضہ نہیں چکاتا تو پھر اصل رقم میں سود جمع کر کے کل رقم کو قرضے میں شمار کرتے اور اس پر مزید سود لگاتے اور شرح سود بھی بڑھاتے رہتے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق اصل رقم سے دگنی رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔عدم ادائیگی کی صورت میں قرض دار کے بیوی بچوں کو رہن رکھ لیتے اور ان سے غلاموں جیسا سلوک کرتے تھے۔بنوقریش کے سرمایہ دار بھی یہ کاروبار کرتے تھے۔وہ بھاری بھاری شرحوں پر غریبوں کو قرض دیتے تھے۔مدینہ منورہ کے یہودی اور نجران کے عیسائی بھی سودخوری میں مشہور تھے۔ان لوگوں نے غریبوں اور قرض داوں سے بڑی بڑی رقمیں گھسیٹ کر کافی دولت جمع کر لی تھی۔بنوقریش میں حضرت عباس مسلمان ہونے سے پہلے سود پر ادھار دینے کا کاروبار چلاتے تھے۔قرآن شریف میں سود کو حرام قرار دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اسے تجارت اور خرید وفروخت کی مد سے خارج کر کے شیطانی فعل قرار دے دیا اور ہدایت کر دی کہ اصل مال کے علاوہ مزید رقم نہیں وصول کی جائے۔ورنہ اسے ظلم واستحصال میں شمار کیا جائے گا۔

سورۂ آل عمران میں دگنا تگنا سود لینے سے منع کیا گیا۔پھر سورۂ بقرۃ کی ایک آیت میں یہاں تک تنبیہ کی گئی کہ سودخوری کی وجہ سے انسانوں کی حالت شیطانوں جیسی ہو جاتی ہے۔آخر کار سورۂ بقرۃ کی ایک اور آیت میں یہاں تک تنبیہ کی گئی کہ سود لینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے برابر ہے۔

اس حکم کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودخوری پر مکمل طور سے پابندی لگا دی۔9 ہجری میں اہل نجران سے جو معاہدہ ہوا اس میں خاص طور سے ایک دفعہ شامل کی گئی جس کے مطابق انہیں سود لینے سے روک دیا گیا۔حتیٰ کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمادیا:

((وربا الجاھلیة موضوع واول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب))

"دور جاہلیہ کے سود باطل قرار دے دیئے گئے اور سب سے پہلے اس سود کو باطل قرار دیا جاتا ہے جو عباس کا دوسروں پر

واجب الادا ہے۔"

اس طرح محض اس اعلان کے بعد ایام جہالت کا سب سے بڑا کاروبار چشم زدن میں بند ہو گیا۔

جاہلیت کے لوگ عموماً سود خوار تھے۔ وہ سادہ سود ہی نہیں لیتے تھے بلکہ سود در سود لیتے تھے۔ ان کے سود کی کیفیت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کیلئے روپیہ قرض دیتا۔ جب وہ معیاد گزر جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا کہ یا تو میرا روپیہ ادا کرے دے اور یا اصل کو بڑھا دے یعنی سود کو اصل میں شامل کر دے کہ آئندہ اس پر بھی سود لگتا رہے۔ اگر قرضدار روپیہ ادا نہ کر سکتا تو وہ اس وقت تک تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا اور قرض خواہ کے لیے ایک اور معیاد مقرر کر دیتا۔ پھر اس دوسری معیاد کے گزرنے پر بھی یوں ہی کرتا اور جب تک قرضدار یکبارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا، ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود در سود چڑھتا رہتا۔ (تفسیر کبیر)

باب نمبر 29:

اہل مکہ کی خرید و فروخت

مکہ میں بلکہ پورے عرب میں جاہلیت میں چار قسم کی بیوع رائج تھیں:

1: حبل الحبلہ۔ 2: منابذت۔ 3: ملامست۔ 4: بیع حصاۃ۔

ان میں پہلی دو تو بہت مشہور تھیں۔

حبل الحبلہ:

حبل الحبلہ کی یہ صورت تھی کہ مشتری بائع سے کوئی چیز خریدتا اور ادائے ثمن کی معیاد اس اونٹنی کے بچے جننے کے وقت کو قرار دیتا جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتی یعنی بائع سے کہتا کہ میں بیع کی قیمت اس وقت دوں گا جب میری اس اونٹنی سے جو اس وقت حاملہ ہے مادہ پیدا ہو اور وہ بڑی ہو کر بچہ جنے۔

منابذت:

منابذت کی یہ صورت تھی کہ بائع مشتری کی طرف کوئی شے جسے وہ بیچنا چاہتا تھا پھینک دیتا تھا اور ایسا کرنے سے بیع واجب ہو جاتی تھی۔ اس میں مشتری کی رضامندی کی ضرورت نہ تھی۔ اس صورت میں قیمت وہ دینی پڑتی تھی جو اس شے پر لکھی ہوئی ہوتی تھی یا جو بائع مانگتا تھا۔

باب نمبر 30:

اہل مکہ کی جاہلیت میں خانہ جنگی

برسہا برس جنگ جاری رہنا:

جاہلیت میں معمولی معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔ لڑتے لڑتے تھک جاتے تو پھر کوئی بااثر آدمی بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیا کرتے۔ جس فریق کا جانی نقصان کم ہوتا وہ اپنے حریف کو زائد مقتولوں کا خون بہا ادا کر دیتا تھا۔

حرب بعاث:

حرب بعاث کی لڑائی یثرب (مدینہ منورہ) کے دو قبیلوں اوس و خزرج کے درمیان ہجرت نبوی سے چند سال پہلے ہوئی۔ اس قسم کی لڑائیوں کا سلسلہ پہلے ہی سے جاری تھا جن میں کافی خونریزی ہوئی اور دونوں قبیلوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ''جنگ بعاث'' میں اوس کا ساتھ یہودیوں نے دیا۔ شروع میں خزرج کو غلبہ حاصل ہوا، لیکن اوس کے رئیس حضیر کی بدولت خزرج کو شکست اٹھانا پڑی اور ان کا رئیس عمرو بن نعمان مارا گیا۔ یہ آخری لڑائی تھی جس کے بعد دونوں اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ کسی اور طاقتور قبیلے کی امداد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی کے بعد دونوں قبیلوں کے آدمیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور امن و آشتی کا سبق لے کر واپس یثرب چلے گئے۔ اسے ''بیعت عقبہ'' کہتے ہیں۔ اسی کے بعد آپ کو یثرب والوں نے دعوت دی اور آپ مستقل طور سے ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے۔ گویا ''جنگ بعاث'' ہجرت نبوی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

((کان یوم بعاث یوما قدمه الله لرسوله))

''جنگ بعاث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کی تمہید تھی۔''

حرب فجار:

حرب فجار نامی جنگ دو مرتبہ شروع ہوئی۔ پہلی جنگ کو ''حرب فجار اول'' اور دوسری جنگ کو ''حرب فجار ثانی'' کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لڑائیاں ان مہینوں میں لڑی گئیں جن میں جنگ کرنا حرام تھا، اس لئے انہیں ''حرب فجار'' (ناجائز لڑائیاں) کہتے ہیں۔ حرب فجار ثانی ''عام الفیل'' کے بعد چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں واقع ہوئی۔ ابن اثیر کے مطابق اس سے بڑی خونریز جنگ دور جہالت میں نہیں ہوئی۔

حیرہ کا رئیس نعمان بن منذر ابو قابوس (۵۸۵۔۶۱۳ء) ہر سال عکاظ و ذوالمجاز کے میلوں میں تجارتی قافلے بھیجتا تھا۔ اس موقع پر بھی اس نے ایک ایسا ہی تجارتی قافلہ عکاظ کے میلے میں بھیجنے کا اعلان کیا اور لوگوں سے پوچھا:

''کون اس قافلے کو بحفاظت عکاظ تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔؟''

براض کنانی نے اسے بنو کنانہ سے بچانے کا ذمہ لیا، لیکن ہوازن کے رئیس عروہ بن عتبہ کلابی نے دعویٰ کیا کہ وہ نہ صرف کنانہ بلکہ تہامہ و نجد کے سارے قبیلوں سے بچا کر صحیح سلامت قافلے کو عکاظ تک لے جا سکتا ہے۔ براض نے اسے اپنی ذلت خیال کیا اور راستہ میں عروہ کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ جس کی وجہ سے کنانہ و ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔ بنو قریش نے کنانہ کا ساتھ دیا اور بنو ثقیف نے ہوازن کا۔ اس طرح مضری قبیلوں میں پھر جنگ شروع ہوگئی اور کئی مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوتی رہی۔

کہا جاتا ہے کہ اس دور میں پانچ لڑائیاں ہوئیں جو یوم نخلہ، یوم شمطہ، یوم عبلا، یوم عکاظ اور یوم حریرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جنگ نخلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے لیکن دوسری روایت کے مطابق آپ جنگ عکاظ میں شریک ہوئے تھے۔ اس وقت بنو قریش کے سارے خاندان جنگ میں شریک تھے۔ بنو ہاشم کی طرف سے زبیر بن عبدالمطلب بھی لڑ رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ میدان عکاظ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ یہ لڑائیاں محض عزت و برتری کے نام پر لڑی گئیں جن میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا مظاہرہ اچھی طرح سے کیا گیا۔ آخر کار دونوں میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ جس فریق کے آدمی کم تعداد میں قتل ہوئے ہوں وہ اپنے مدمقابل فریق کو فاضل مقتولوں کا خون بہا ادا کرے گا۔

حرب داحس وغبراء:

حرب داحس چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں مضری قبیلوں عبس اور ذبیان میں ہوئی جو تقریباً پچاس برس تک جاری رہی۔ عبسی رئیس قیس بن زہیر اور ذبیانی شیخ حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں میں مقابلہ اس شرط پر ہوا کہ جیتنے والے کو ہارنے والا سو اونٹ دے گا۔ ابن خلدون کے مطابق قیس کی گھوڑی کا نام ''داحس'' اور حذیفہ کی گھوڑی کا نام ''غبراء'' تھا، لیکن جرجی زیدان نے اپنی کتاب ''العرب قبل الاسلام'' میں بیان کیا ہے کہ داحس وغبراء دونوں قیس کی گھوڑیاں تھیں جن کے مقابلے میں حذیفہ نے ''خطار وحنفاء'' گھوڑوں کو دوڑایا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حذیفہ نے جھاڑیوں میں اپنے آدمی چھپا دیئے تھے جنھوں نے قیس کی گھوڑیوں کو چھپی ماری یا کوئی ایسی حرکت کی جس سے وہ بدک گئیں۔ اس پر دونوں میں ایسا جھگڑا ہوا کہ جنگ شروع ہوگئی جس کا سلسلہ آغاز اسلام میں بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ عنترہ بن معاد یہ شدادی نے اسی لڑائی میں اپنی بہادری اور شاعری کے جوہر دکھائے۔ اس لڑائی میں بھی قتل وغارت گری کا مظاہرہ کیا گیا اور ہر طرف سے شدومد کے ساتھ انتقام کی آگ بھڑکائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ حارث بن عوف اور ہرم بن سنان نے دونوں فریقوں میں مصالحت کرادی۔

حرب بسوس:

بنو ربیعہ کے دو قبیلوں بنو بکر و بنو تغلب کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں، جن میں سب سے مشہور یہ جنگ ہے۔ بنو تغلب کا رئیس کلیب بن ربیعہ تھا۔ یہ اپنی شجاعت اور عقل وتدبر کی وجہ سے دوسروں پر غالب آگیا تھا۔ اس نے معد وعدنان کے مختلف قبیلوں کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ وہ سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے، اسے اپنا حاکم مان لیا اور پھر قضاعی رئیس زہیر بن خباب کلبی کے خاندان سے پوری طرح انتقام لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے یمنیوں کو ہرایا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی بھی انہوں نے یمنی رئیسوں کو خراج نہیں دیا۔ اس واقعے کو ''یوم خزاز'' کہتے ہیں۔

اس شاندار فتح کی وجہ سے کلیب کی عظمت بڑھ گئی۔ لوگوں نے اسے اپنا رہنما اور نجات دہندہ مان لیا اور تاج پوشی کی رسم ادا کر کے اسے اپنا بادشاہ بنالیا۔ کلیب کا بھائی مہلہل بھی اپنی بہادری اور جواں مردی کی وجہ سے مشہور ہوا۔ وہ عربوں کا عظیم شاعر بھی تھا۔ کلیب و مہلہل اوران کے حریف جساس کے کارناموں کو ''ایام العرب'' میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جن کی وجہ سے ان کا نام عربی دنیا کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔

اسی کلیب نے ایک شیبانی رئیس کی لڑکی جلیلہ سے شادی کی۔ جلیلہ کا بھائی جساس بن مرہ بنو بکر کا مشہور و معزز رئیس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جلیلہ اور جساس کی خالہ بسوس کے گھر میں سعد جرمی مہمان تھا۔ اسی سعد جرمی کے پاس ایک اونٹنی ''سراب'' تھی جو جساس اور کلیب کے اونٹوں کے ساتھ کلیب کی چراگاہ نے چرنے چلی گئی، لیکن کلیب اپنی چراگاہ میں کسی غیر آدمی کے جانوروں کو آنے نہیں دیتا اور نہ ہی کسی کو شکار کھیلنے کی اجازت دیتا تھا۔ ایک دن جساس اور کلیب دونوں گھوم رہے تھے کہ اس کی نظر سعد جرمی کی اونٹنی ''سراب'' پر پڑ گئی۔

جساس نے بتایا کہ یہ اس کے مہمان کی اونٹنی ہے لیکن کلیب نے اس بات پر اعتراض کیا۔ دونوں میں تکرار ہوگئی حتیٰ کہ کلیب نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ اگر یہ اونٹنی اس کی چراگاہ میں پھر نظر آئی تو وہ اس کے تھنوں کو تیروں سے چھلنی کردے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور زخمی اونٹنی چلاتی ہوئی بھاگی۔ سعد جرمی نے جساس سے فریاد کی۔ بسوس نے بھی اپنا سر پیٹ لیا اور اپنے مہمان کی حمایت میں رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر جساس نے عہد کیا کہ وہ اونٹنی سے زیادہ قیمتی اور عظیم اونٹ (کلیب) کو قتل کر کے بدلہ لے گا۔

جساس نے موقع پا کر کلیب کو قتل کر دیا اور اپنے قبیلے کو بنو تغلب کے خلاف جنگ کرنے کیلئے تیار کر لیا۔ کلیب کے بھائی مہلہل نے بھی انتقام کا نعرہ بلند کیا۔ اس نے شراب نوشی، قمار بازی اور دوسری عیش وعشرت کی چیزیں خود پر حرام کرلیں اور اپنے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے

نکل کھڑا ہوا۔اس طرح دونوں قبیلوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جو چالیس برس تک جاری رہی۔آخر ۵۲۵ء میں حیرہ کے رئیس منذر ثالث نے بیچ میں پڑکر صلح کرادی۔اس حساب سے یہ جنگ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں شروع ہوئی تھی۔

ربیعہ اور مضر کی بتیس لڑائیاں:

شمالی عرب عدنانی قبیلوں کا مرکز تھا جو نجد، تہامہ، حجاز اور یمامہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ان میں سے ربیعہ اور مضر دو بڑے طاقتور قبیلے تھے۔لڑنے والے جوانوں اور شہ سواروں کی تعداد کافی تھی اور اس کے ساتھ ہی خانہ بدوش عربوں کی ساری خصوصیات ان میں پوری طرح موجود تھیں۔انتقام اور باہمی طرف داری کا جذبہ ان میں حد سے زیادہ پایا جاتا تھا۔اس لیے وہ معمولی باتوں پر لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔قبائلی و خاندانی رقابت نے بھی ان لڑائیوں کو ہوا دی۔اس قسم کی لڑائیاں ربیعہ و مضر قبیلوں اور ان کے خاندانوں کے درمیان طویل مدت تک ہوتی رہیں جن میں قتل و غارت گری اور وحشت و بربریت کے روح فرسا کھیل کھیلے گئے۔کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی بتیس لڑائیاں ہوئیں جن کی داستانوں کو عربی ادب میں ''ایام العرب'' کہتے ہیں۔

''ایام العرب'' کی داستانیں دور جہالت کے عربی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔مویشی چرانے، چشموں سے پانی لینے اور گھڑ دوڑ میں حصہ لینے پر جھگڑا ہو جاتا اور قتل و غارت گری کا دور شروع ہو جاتا تھا۔اس طرح دل کی بھڑاس بھی نکل جاتی اور شاعروں اور جواں مردوں کو اپنے اپنے کارنامے دکھانے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔

باب نمبر 31:

جاہلیت میں اہل مکہ کا شعار......بتوں کے نام پر چھوڑے گئے جانور (سانڈ)

عمرو لحی:

دور جہالت میں تو ہم پرست عربوں نے اور بھی بہت سی رسمیں اختیار کرلی تھیں۔کہا جاتا ہے کہ ان عربوں کے رئیس عمرو بن لحی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرلی، خود بتوں کی پوجا شروع کردی اور دوسروں کو بھی بت پرستی پر مائل کیا۔عمرو بن لحی نے بتوں کے نام پر جانوروں کو نذر کرنے کی رسم بھی رائج کی۔قرآن حکیم میں ایسے جانوروں کا تذکرہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کے ناموں سے کیا گیا ہے۔

بحیرہ:

بحیرہ (کن چری) ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جو پانچ بچے دے چکی ہو اور آخری پانچواں بچہ نر ہو۔بحیرہ اونٹنی کے کان چیر کر اسے بتوں کے نام پر چلنے پھرنے اور کھانے پینے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔جاہل عرب نہ تو اس کا گوشت کھاتے، نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ ہی اس پر سواری کرتے اور بوجھ لادتے۔

بعض اس بکری کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے جو پانچ بچے مادہ دیدیتی تھی۔بعض اونٹنی کو پانچ اور بعض سات اور بعض دس بچے دینے کے بعد اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے۔بعض اونٹنی کے پہلوٹے بچہ کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے۔غرض یہ جانور بحیرہ کہلاتا تھا اور اس کو بتوں کے نام پر چھوڑا جاتا تھا۔اس پر سب کا اتفاق تھا کہ اس سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تھے لیکن اس کے گوشت اور دودھ میں ہر قبیلہ کی علیحدہ علیحدہ رسمیں تھیں۔بعض اس کا گوشت اور دودھ بالکل حلال نہیں جانتے تھے۔نہ مردوں کیلئے اور نہ عورتوں کے لئے۔بعض صرف عورتوں کے لئے حلال نہیں جانتے تھے، لیکن اگر وہ مرجاتا تو اس کے گوشت کی عورتوں کو بھی کچھ ممانعت نہ تھی۔مرد اور عورت سب اس کا

گوشت کھاتے۔ بعض کا یہ مذہب تھا کہ زندگی میں تو اس کا گوشت کسی کو درست نہیں لیکن مر جائے تو مردوں کو اس کا کھانا درست ہے، عورتوں کو جب بھی نہیں۔

سائبہ:

سائبہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو مسلسل دس ماہ بچے دے چکی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین عرب منت مانتے کہ سفر سے صحیح سلامت واپس آ گئے یا کسی لاحق عارضے سے شفا مل گئی وہ پھر اپنی اونٹنی کو سائبہ (مطلق السراح) قرار دے کر بتوں کے نام نذر کر دیں گے۔ سائبہ اونٹنی بھی بحیرہ کی طرح مقدس سمجھی جاتی۔

سائبہ کی تفصیل میں بھی اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اونٹنی دس بچے مادہ دے چکتی تو اس کو خدمت سے آزاد کر دیتے۔ نہ کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اس کے بال کاٹتا اور نہ سوائے مہمان اور مسافر کے کوئی اس کا دودھ پیتا۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو بتوں کے نام پر نامزد کی جاتی اور خانہ کعبہ کے مجاوروں کو دیدی جاتی تھی۔ سوائے مسافر محتاج کے کوئی اس کا دودھ نہ پیتا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ وہ اونٹ ہوتا تھا جو اپنے بچے کا بچہ دیکھ لیتا تھا، اس کو وہ لوگ چھوڑ دیتے تھے اور کوئی اس پر سوار نہیں ہوتا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی دور کے سفر سے واپس آتا یا اس کا جانور مشقت یا لڑائی سے نجات پاتا تو اس کو آزاد کر دیتا اور اس کی کمر چیر کر اس میں سے ایک مہرہ یا ہڈی نکال لیتا۔ نہ کوئی اسے اپنے پانی سے ہٹاتا نہ چراگاہ سے روکتا اور نہ اس پر سوار ہو سکتا۔ گویا یہ ان کی نذروں میں سے ایک نذر تھی جو اس وقت مانی جاتی تھی جب کوئی سفر سے آتا یا مرض سے شفاء پاتا۔ یہ تفصیل ابوعبیدہ نے بیان کی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹنی تھی جو حج کیلئے چھوڑ دی جاتی تھی، چونکہ اہل عرب ان تمام اقسام کے سائبہ چھوڑتے تھے۔ اس لئے آئمہ لغت نے سائبہ کی مختلف تعریفیں بیان کیں۔ گویا یہ کل سائبہ کے اقسام ہیں یعنی کوئی قبیلہ کسی قسم کا سائبہ چھوڑتا تھا اور کوئی کسی قسم کا۔

وصیلہ:

وصیلہ (موصولہ) یعنی ملایا ہوا یا ملا ہوا جانور۔ وصیلہ اس مقدس بکری یا اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کا ساتواں بچہ نر ہوتا اسے بتوں کے نام پر قربان کر کے اس کا گوشت جاہل عرب (مرد) خود کھا جاتے مگر عورتوں پر اس کا گوشت کھانا حرام تھا۔ اگر ساتواں بچہ مادہ ہوتا تو پھر اسے اپنے ریوڑ میں شامل کر کے خود پالتے تھے، لیکن نر و مادہ دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تو بھی انہیں یہ کہہ کر زندہ رکھتے کہ بھائی اپنی بہن سے مل گیا ہے۔ ایسی بکری یا اونٹنی کو بھی مقدس سمجھ کر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ جاہل عرب نہ تو اسے ذبح کرتے اور نہ ہی اس کا دودھ استعمال کرتے تھے۔ راجح قول یہی ہے کہ وصیلہ مقدس بکری کو کہتے ہیں۔

وصیلہ کی تفصیل میں بھی اختلاف ہے۔ فرار کہتے ہیں کہ یہ وہ بکری ہوتی تھی جو چھ مرتبہ دو دو پٹھیاں اور ساتویں مرتبہ ایک پٹھیا اور ایک بکرا دیتی۔ جب ساتویں مرتبہ وہ ایک پٹھیا اور ایک بکرا دیتی تو وہ اس پٹھیا کی نسبت کہتے کہ یہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی۔ للہذا اس کی ماں کا دودھ فقط وہی پئیں عورتیں نہ پئیں۔ پھر یہ بکری سائبہ کے قائم مقام سمجھی جاتی۔

زجاج کہتے ہیں:

> ”اہل جاہلیت کا یہ طریق تھا کہ اگر بکری بکرا دیتی تو وہ بکرا اپنے معبودوں کے نام کر دیتے اور اگر پٹھا دیتی تو اسے اپنے لئے رکھتے اور پٹھیا اور بکرا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی، پھر وہ اس بکری کو اپنے معبودوں کے نام پر ذبح نہ کرتے۔“

بعض کہتے ہیں کہ اگر بکری پہلی بار بکرا دیتی اور دوسری بار پٹھیا تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی، پھر اس پٹھیا کی وجہ سے اس کے بھائی کو بھی بتوں کے نام پر ذبح نہ کرتے اور اگر دوسری بار بھی بکرا نہیں دیتی تو کہتے کہ یہ ہمارے معبودوں کی قربانی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب بکری سات بچے دے چکتی اور ساتویں پٹھیا ہوئی تو اس پٹھیا کی کسی چیز سے عورتیں منقطع نہ ہوسکتیں۔ البتہ اگر وہ مرجاتیں تو اسے مرد اور عورتیں سب کھاتے۔ اسی طرح اگر وہ ساتویں دفعہ پٹھیا اور بکرا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی اور وہ پٹھیا بکری کے ساتھ چھوڑ دی جاتی اور اس سے بھی صرف مرد ہی فائدہ اٹھا سکتے عورتیں نہ اٹھاسکتیں، لیکن اگر وہ مرجاتی تو اس کے گوشت میں مرد اور عورت سب شریک ہوتے۔

ابن قتیبہ کا یہ قول ہے کہ اگر ساتواں بکرا ہوتا تو اس کو ذبح کر کے مرد کھاتے عورتیں نہ کھاتیں اور کہتے کہ یہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے۔ ہماری بیویوں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اگر ساتویں بار پٹھیا ہوتی تو وہ بکریوں میں چھوڑ دی جاتی اور اگر بکرے کے ساتھ پٹھیا کو چھوڑ دیتے تو اس سے فقط مرد ہی فائدہ اٹھاتے، عورتیں فائدہ نہ اٹھاتیں لیکن اگر وہ مرجاتی تو مرد اور عورتیں سب اس میں شریک ہوتے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہوتی تھی جو پانچ بطنوں میں دس پٹھیاں متواتر دیتی تھی۔ اس کے بعد جو بچہ دیتی تھی، وہ خاص مردوں کے لئے ہوتا تھا۔ عورتیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتی تھیں اور اگر اس کے بعد بکرا اور پٹھیا دونوں ایک ساتھ پیدا ہوتے تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی اور بھائی کی حرمت کے لحاظ سے بہن کو بھی ذبح نہ کرتے۔

بعض کا قول ہے کہ وصیلہ بکری ہوتی تھی جو تین یا پانچ بار بیاتی، اس کے بعد اگر بکرا دیتی تو اس بکرے کو ذبح کر لیتے اور پٹھیا دیتی تو اس کو باقی رکھتے اور اگر بکرا اور پٹھیا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی۔ اس لئے اس کے بھائی کو بھی ذبح نہ کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو پہلی دفعہ بھی مادہ بچہ دیتی پھر اس کے بعد دوسری دفعہ مادہ ہی بچہ دیتی اور ان کے درمیان نر واقع نہ ہوتا۔ اس اونٹنی کو وہ لوگ اپنے معبودوں کے نام چھوڑ دیتے اور کہتے کہ مادہ مادہ سے مل گئی اور ان دونوں کے درمیان نر واقع نہیں ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو متواتر دس بار مادہ ہی بچے دیتی اور ان کے درمیان کوئی نر واقع نہ ہوتا۔

چونکہ مختلف قبائل میں مختلف قسم کے وصیلوں کا رواج تھا اس لئے اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عرب میں وصیلوں کی یہ تمام قسمیں رائج تھیں۔

حام:

حامی (واق) وہ اونٹ ہے جس کی حفاظت بتوں کے نام پر کی جائے۔ حامی اس اونٹ کو کہتے ہیں جو دس مرتبہ اونٹنی کو گابھن کر چکا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حامی ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جس کا پوتا بڑا ہو کر بوجھ لادنے اور سواری کرنے کے قابل ہو گیا ہو۔ جاہل عرب اپنے بتوں کے نام پر مقدس سمجھ کر آزاد چھوڑ دیتے، نہ تو اس پر سواری کرتے اور نہ ہی حمل ونقل کیلئے استعمال کرتے تھے۔ اس لیے کہا جاتا ہے:

((حمی ظهره ای حفظه من الركوب))

''اس نے اپنی پیٹھ کو حمل ونقل کی مشقت سے محفوظ کرلیا ہے۔''

(حام) چونکہ یہ بھی چند قسم کا ہوتا تھا اس لئے اس کی تفسیر میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ فرار کا بیان ہے کہ جب نر اونٹ کی اولاد کی اولاد حاملہ ہو جاتی تو کہتے کہ اب اس اونٹ کی کمر محفوظ ہو گئی۔ پھر اس اونٹ کو چھوڑ دیتے۔ نہ اس کو پانی سے کوئی ہٹاتا اور نہ چراگاہ سے۔ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ حام وہ اونٹ ہوتا تھا جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکتے۔ اس کی نسبت کہتے تھے کہ اب اس کی پیٹھ محفوظ ہو گئی۔ پھر نہ اس سے دلانے کا کام لیا جاتا تھا۔ نہ کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا اور نہ اس کو پانی اور چراگاہ سے روکا جاتا تھا۔ یہی قول ابو عبیدہ اور زجاج کا بھی ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ حام وہ نر اونٹ ہوتا تھا جو اپنے مالک کی اونٹنیوں سے دس سال تک جفتی کرتا رہتا تھا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کے نطفہ سے پے در پے سات مادہ پیدا ہوتی تھیں۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ بار برداری کی زحمت سے محفوظ ہو جاتی تھی۔

غرض جاہلیت میں مختلف قسم کے بحیروں، مختلف قسم کے سائبوں، مختلف قسم کے وصیلوں اور مختلف قسم کے حاموں کا رواج تھا۔ شریعت اسلام نے ان تمام بیہودہ اور لغو رسموں کا ابطال کیا اور ان رسوم قبیحہ کی قباحت و شناعت ظاہر فرمائی۔

فرع:

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم فرع اور عتیرہ تھی۔ یہ دو قربانیاں تھیں جو بتوں کے نام پر کی جاتی تھیں۔ فرع کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ بکری اور اونٹ کا پہلوٹا بچہ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کر کے کھاتے اور اس کی کھال درخت پر لٹکا دیتے۔ دوسری قسم یہ تھی کہ جب کسی کے پاس اس قدر اونٹ ہو جاتے جس قدر اس کو تمنا ہوتی تو ان میں سے ایک اونٹ بتوں کے نام پر ذبح کرتے۔ اسی طرح جب کسی کے پاس پورے سو اونٹ ہو جاتے تو ان میں سے ہر سال ایک اونٹ بتوں کے نام پر قربان کرتا۔ وہ اور اس کے گھر والے اس میں سے کچھ نہ کھاتے۔

عتیرہ:

عتیرہ ایک قربانی تھی جس کو ماہ رجب میں بتوں کیلئے کرتے تھے اس کا نام رجبیہ بھی ہے۔ بعض لوگ یوں بھی کرتے تھے کہ کسی کام کے ہو جانے پر بھیڑ یا بکری کے قربان کرنے کی منت مانتے اور جب وہ کام ہو جاتا تو بھیڑ یا بکری کے بدلے ہرن ذبح کر دیتے اور اس ہرن کو عتیرہ کہتے ہیں، لیکن عام طور پر لوگ اس فعل کو معیوب خیال کرتے تھے۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے:

((وما عتر الخظباء بحی کعب))

''کعب کے خاندان میں کبھی ہرن ذبح نہیں کیا گیا۔''

معاقرت:

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم معاقرت تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ دو شخص اپنے اپنے اونٹوں کے ذبح کرنے میں بازی بدلتے، جو زیادہ اونٹ ذبح کرتا وہ جیت جاتا۔ یہ بازی جوئے کی طرح نہ تھی، بلکہ وہ لوگ فخر و مباہات کی وجہ سے ایسا کرتے تھے یعنی اس سے ہر شخص اپنی فیاضی جتاتا اور جیتنے والا شخص ہارنے والے پر فخر کرتا اور قوم میں زیادہ معزز گنا جاتا تھا۔ جو اونٹ اس طرح پر ذبح کئے جاتے تھے ان کا گوشت مفلس و محتاج لوگوں کے کام آتا تھا اور اکثر ایسا قحط میں کرتے تھے۔

اسلام کے زمانہ میں بھی حضرت علی کی خلافت میں ایک بہت بڑی معاقرت ہوئی تھی۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک سال قحط کی وجہ سے اہل کوفہ سخت گرسنگی میں مبتلا ہوئے، جس کی وجہ سے اکثر آدمی جنگل میں نکل بھاگے اور کوفہ کے بہت سے آدمی اطراف سماوہ میں جو کوفہ

سے ایک دن کے راستے پر جمع ہوئے۔ ان ایام میں فرزدق شاعر کا باپ غالب اپنی قوم میں بڑا رئیس تھا۔ اس نے اپنے گھر کے لوگوں کیلئے ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور اس میں سے چند کٹھرے بھر کر بنی تمیم کے لوگوں کو بھیجے اور ایک کٹھرا سحیم کو بھیجا۔ سحیم نے اس کو لے کر زمین میں الٹ دیا اور جو شخص لے کر آیا تھا اسے خوب پیٹا اور کہا:

''کیا میں غالب کے کھانے کا محتاج ہوں۔؟''

پھر سحیم نے اپنے گھر والوں کیلئے ایک اونٹنی ذبح کی۔ اگلے دن غالب اور سحیم نے دو دو اونٹنیاں ذبح کیں اور تیسرے دن دونوں نے تین تین، چوتھے دن غالب نے سو اونٹنیاں ذبح کی، چونکہ سحیم کے پاس اس قدر اونٹنیاں نہیں تھیں، اس لئے اس نے ایک اونٹنی بھی ذبح نہیں کی۔ جب قحط اور گرسنگی کا زمانہ گزر گیا اور لوگ کوفہ میں واپس آگئے تو بنی ریاح نے سحیم کو طعنہ دیا اور کہا:

''تو نے ہمیشہ کیلئے ہماری ناک کٹا دی! تو نے غالب کے برابر اونٹ کیوں نہیں ذبح کئے۔ ہم تجھے ہر اونٹنی کے عوض دو اونٹنیاں دیتے۔''

سحیم نے یہ عذر کیا کہ اس وقت میرے اونٹ موجود نہیں تھے۔ پھر اس نے تین سو اونٹ ذبح کئے۔ یہ واقعہ حضرت علی کی خلافت میں واقع ہوا۔ آپ نے لوگوں کو ان کا گوشت کھانے کی ممانعت فرما دی اور فرمایا:

''یہ اونٹ غیر اللہ کیلئے ذبح کئے گئے ہیں، کیونکہ ان کے ذبح کرنے سے غرض فخر و مباہات ہے۔ غرض ان اونٹوں کا گوشت کوفہ کی کوڑیوں پر ڈال دیا گیا اور کتوں اور عقاب اور چیلوں کے کام آیا۔ کسی آدمی نے اس کو نہ چھوا۔''

جانوروں کا تقدس:

جاہل عرب بتوں کے نام پر چھوڑے گئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت نہیں کھاتے، انہیں چرنے پھرنے اور کھانے پینے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ تو ان پر سواری کرتے، نہ ہی حمل و نقل کیلئے استعمال کرتے اور نہ ہی ان کا دودھ استعمال کرتے تھے۔ البتہ مرنے کے بعد ان کا گوشت مرد و عورت متبرک سمجھ کر بڑے اہتمام سے کھاتے تھے۔

اسلام اور باطل رسموں کا خاتمہ:

اسلام نے ان ساری رسموں کو باطل قرار دے دیا۔ سورۂ مائدہ میں ان سب باتوں کو کذاب و افتراء میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول فیصل ہے:

((ماجعل الله من بحيره ولا سائبة ولا وصيلة ولا حام ولكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب واكثر هم لا يعقلون))

''اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تقسیم و تخصیص نہیں کی ہے، لیکن کافروں نے اللہ تعالیٰ پر کذب و افترا پردازی کی ہے اور ان میں سے اکثر تو عقل سے بالکل بے بہرہ ہیں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مشن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قائم کر کے شرک و بت پرستی کی تمام رسموں کو مٹانا تھا۔ حجۃ الوداع کے خطبے میں ان سب رسموں کو باطل قرار دینے کا اعلان کیا گیا اور آپ نے صاف و واضح الفاظ میں فرمادیا:

((الا ! كل شي من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع))

"لوگو! تمہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دور جہالت کی ساری رسمیں میرے پیروں کے نیچے پامال ہو چکی ہیں۔"

باب نمبر 32:

مکہ میں عہد جاہلیت کا سلام

جاہلیت میں سلام کی جگہ لفظ:

انعم صباحا

انعم مساء

انعم ظلاما

بولا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صبح کو خوش رہو، شام کو خوش رہو، اندھیرے میں خوش رہو۔ انعم صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اگر مخاطب دو یا دو سے زیادہ اشخاص ہوتے یا عورتیں ہوتیں تو قاعدہ صرف کے مطابق لفظ انعم کو بدل لیتے یعنی دو کے لئے انعما اور زیادہ کیلئے انعمو، واحد مونث کیلئے انعمی اور جمع مونث کیلئے انعمن کہتے اور لفظ صباحا، مساء اور ظلاما بغیر تغیر ہر ایک کے ساتھ قائم رہتا۔ کبھی لفظ انعم اور اس کے مشتقات مذکورہ کو مختصر کر کے عم، عما، عموا، عمی، عم بولتے۔

شعرائے جاہلیت کے کلام میں اگرچہ صباحا، مساء اور ظلاما تینوں لفظ پائے جاتے ہیں لیکن عام طور پر بغیر کسی وقت کی قید اور پابندی کے لفظ صباحا بولا جاتا تھا۔ اس کا استعمال ہر وقت میں صحیح سمجھا جاتا تھا اور اس کو دوسرے لفظوں سے افضل اور اعلیٰ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ امر جذع بن سنان کے شعر سے جو اوپر مذکور ہوا بخوبی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جب رات میں اس کے پاس جن آئے تو اس نے انہیں عموا صباحا کہا۔

صبح کی تخصیص اس لئے کرتے تھے کہ صبح دن کا شروع ہے۔ پس اس کا مطلب اس دعا سے یہ ہوتا تھا کہ خوشی تمہارے پاس آنے میں ایک لحہ کی بھی تاخیر نہ کرے۔ جوں ہی تم صبح کو بستر سے اٹھو خوشی تمہارے پاس فوراً آ موجود ہو۔ اور پھر بطریق استصحاب حال ہمیشہ تمہارے پاس رہے۔

یہ سلام عامۃ الناس کا تھا، لیکن جب بادشاہوں کو سلام کیا جاتا تھا تو ان کو یہ الفاظ نہیں کہے جاتے تھے۔ ان کا سلام ابیت اللعن تھا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کاموں سے بچو جو لعنت کا موجب ہیں۔

سمیر بن حارث ضبی کہتا ہے:

اتوا ناری فقلت منون قالوا

سراۃ الجن قلت عموا ظلاما

"وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم سردار جن ہیں۔ میں نے کہا: تو اندھیرے میں خوش رہو۔"

جذع بن سنان کہتا ہے:

اتوا ناری فقلت منون انتم

فقالوا الجن قلت عموا صباحا

''وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو۔؟ انہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ میں نے کہا تو صبح کو خوش رہو۔''

جاہلیت کا یہ سلام بالکل انگریزوں کے سلام کے مطابق تھا، جس طرح ان کے ہاں صبح شام، دوپہر اور رات کیلئے علیحدہ علیحدہ سلام ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی مقرر کر رکھی تھے۔ جاہلیت اور انگریزوں کے سلام کے معنی بھی ایک ہی ہیں یعنی وہ صبح کو گڈ مارننگ، شام کو گڈ ایوننگ اور رات کو گڈ نائٹ کہتے ہیں جو بعینہ انعم مساء اور انعم ظلاما کے ہم معنی ہیں۔ انگریزوں کے ہاں دوپہر کا سلام گڈ نون ہے۔ اس کے لئے جاہلیت میں کوئی لفظ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے نزدیک دین کے شروع سے لے کر دوپہر تک کا نام صباح ہے اور دوپہر سے رات تک مساء ہے۔

باب نمبر 33:

اہل مکہ اور عرب کا غسل وطہارت اور عبادات

فصل نمبر 1:

غسل وطہارت

عرب جاہلیت نہایت صاف اور ستھرے رہتے تھے۔ طہارت کے پورے پابند تھے۔ ان کی طہارت میں وہ دس فطری باتیں تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ ان دس باتوں میں سے پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ تمام جسم کے۔ جو باتیں سر کے متعلق ہیں، وہ یہ ہیں:

1: کلی کرنا۔ 2: منہ دھوتے وقت ناک میں پانی ڈالنا۔
3: مونچھیں کتروانا۔ 4: سر میں مانگ نکالنا۔ 5: مسواک کرنا۔

جسم کے متعلق پانچ باتیں یہ ہیں:

1: استنجا کرنا۔ 2: ناخن ترشوانا۔
3: بغلوں کے بال اکھاڑنا۔ 4: زیر ناف بال مونڈنا۔ 5: ختنہ کرنا۔

اسلام نے ان باتوں کو قائم رکھا اور منجملہ سنن اسلام کے قرار دیا۔ حدیثوں میں بہ تفصیل ان کا ذکر موجود ہے۔ ان باتوں کے عرب جاہلیت ہمیشہ پابند رہتے تھے۔ اس کے علاوہ غسل جنابت کے بھی پابند تھے۔ عورت سے ہم بستر ہونے کے بعد اور احتلام سے غسل کرتے تھے۔

عرب جاہلیت حالت حیض میں عورتوں کو اپنے بستروں سے علیحدہ کر دیتے تھے اور ان سے اجتناب کرنے میں حد درجہ کا مبالغہ کرتے تھے، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، نہ پانی پیتے تھے اور نہ ایک گھر میں رہتے تھے۔ ان کا ایسا کرنا ان کی کمال نظافت کی دلیل ہے۔ یہ طریق شاید انہوں نے یہودیوں سے لیا ہو، کیونکہ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی حائضہ عورت کو غایت درجہ کا نجس خیال کرتے تھے اور اس کے برتن علیحدہ کر دیتے تھے۔ نہ کھانے پینے میں ان کو اپنے ساتھ شریک کرتے تھے اور نہ ایک گھر میں ان کے ساتھ

رہتے تھے۔ خیر کچھ بھی ہو جاہلیت کا یہ طریق چنداں معیوب نہ تھا، کیونکہ اس سے ان کی کمال نظافت وطہارت کا ثبوت ملتا ہے اور ان کا یہ عمل توریت کے مطابق ہے، لیکن بڑا تعجب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں وہ لوگ عورتوں سے خلاف وضع فطری کارروائی کرتے تھے جس سے ان کی ساری طہارت ونظافت خاک میں مل جاتی ہے۔ ان کے اس فعل شنیع کے ثبوت میں دو تین روایتیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھی ہیں۔ ہم کو ان روایتوں کو صحت پر یقین نہیں آتا۔ اہل عرب کی صفائی پسند طبیعتیں اس ناپاک فعل کو کیونکر گوارا کرسکتی ہیں؟ وہ اس پانی سے کہیں زیادہ پاک وصاف تھے جو ابھی آسمان سے اترا ہو اور ہنوز زمین پر نہ گرا ہو۔ شاید یہ روایتیں غلط ہوں اور اگر محدثانہ تحقیق وتدقیق سے ان کو دیکھا جائے تو یقیناً غلط ثابت ہوں گی۔ ہم اس موقع پر ان روایات سے بحث کرنا غیر ضروری جانتے ہیں۔ فقط اجمالی اشارہ کافی ہے۔

فصل نمبر 2:

نماز

بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت میں نماز کا بھی دستور تھا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پیشتر تین برس تک نماز پڑھی ہے۔ اس پر ان کے شاگرد نے ان سے پوچھا:

''منہ کس طرح کیا کرتے تھے۔''

انہوں نے کہا:

''منہ کس طرف کرتا؟ جس طرف خدا پھیر دیتا تھا اسی طرف کر لیتا تھا۔''

جاہلیت کی نماز مسلمانوں کی نماز کے مشابہ تھی۔ فرقہ صابین کی نسبت مشہور ہے کہ وہ دن رات میں مسلمانوں کی طرح پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے، ان باتوں سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جاہلیت میں فی الجملہ نماز کا وجود تھا گو اس کا عام رواج نہ تھا اور عرب کے اکثر لوگوں نے اس کو ضائع کردیا تھا۔

فصل نمبر 3:

روزے

جس طرح مسلمانوں میں رمضان کا مہینہ متبرک گنا جاتا ہے اور روزوں کیلئے مخصوص ہے۔ اسی طرح جاہلیت میں رجب کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل شمار کیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس مہینے میں روزے رکھتے تھے اور غلہ اور خوردنی چیزیں خریدتے تھے اور اپنی بیوی بچوں کے رزق میں فراخی کرتے تھے۔ اس مہینے میں گشت وقتال اور خونریزی حرام تھی۔ اسی مہینے میں سفر کرتے تھے اور بعض بعض کی طرف سے مامون اور بے خوف ہوجاتے تھے۔ لوٹ مار اور جنگ کی طرف سے کسی کو کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ خصوصا رجب کے پہلے دن کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اگر دو شخصوں کے درمیان عداوت ہوتی تھی تو وہ اس متبرک مہینے میں آپس میں صلح کر لیتے تھے۔

رجب کے علاوہ جاہلیت میں دسویں محرم یعنی عاشورہ کا روزہ رکھنے کا عام رواج تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعلان نبوت سے پیشتر اس دن روزہ رکھتے تھے، ان کے اس دن روزہ رکھنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دن ان کے ہاں متبرک گنا جاتا تھا، اس لئے وہ اس دن کی تعظیم کرتے تھے، اس میں روزہ رکھتے تھے اور کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔

بعض کا یہ قول ہے کہ قریش نے جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا، جس پر انہیں سخت ندامت ہوئی۔اس پر کسی نے ان سے کہا کہ عا روزہ رکھو! اس سے تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔قریش نے گناہ کے کفارہ میں روزہ رکھنا شروع کر دیا۔

بعض کا یہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ جاہلیت میں قحط سخت پڑا تھا جب وہ دور ہو گیا تو لوگوں نے یہ روزہ کسی پہلی شریعت سے لیا تھا

ہمارے خیال میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ جاہلیت کے لوگوں میں اس روزہ کا خیال یہودیوں سے پیدا ہوا، کہ اس روز روزہ رکھتے تھے۔ان کا قول تھا کہ اس روز اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن پر فتح دی تھی اور اس کو غرق کیا تھا۔اس کے بین موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا تھا۔ہم اس امر میں موسیٰ کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے فتحیاب ہونے کی خوشی مناتے تھے۔(ستہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آ کر یہ روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔)

غرض کچھ ہی وجہ ہو جاہلیت میں یہ روزہ رکھا جاتا تھا اور جاہلیت کے لوگ اس روزہ کو واجب جانتے تھے۔اسلام میں اس ر بابت علماء نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ بالکل منسوخ ہو گیا اور بعض کا یہ خیال ہے کہ صرف فرضیت منسوخ ہو افضلیت اب بھی باقی ہے۔

فصل نمبر 4:

اعتکاف

جاہلیت میں لوگ اعتکاف بھی کرتے تھے۔چنانچہ حدیثوں میں اس کی جا بجا تصریح ہے۔شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض خاموش اعتکاف بھی کرتے تھے، یعنی جتنے دنوں اعتکاف میں رہتے کسی سے کلام نہ کرتے۔

باب نمبر 34:

جاہلیت اور عصر حاضر میں میت کی رسمیں اور اہل مکہ

فصل نمبر 1:

عہد جاہلیت میں میت کی رسمیں

غسل اور تجہیز و تکفین:

جاہلیت میں مردہ کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طور پر کرتے تھے۔اول میت کو غسل دیتے، پھر اس کو کفنا کر ایک تخت پر اس اٹھاتے اور قبر پر لے جاتے۔غسل کا ذکر افوہ ازدی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

وجاو ابماء بارد يغسلوننی فيالك من غسل سيعه غير

''میرے مرنے کے بعد لوگ میرے پاس ٹھنڈا پانی لائیں گے اور اس سے مجھے غسل دیں گے! سو کاش! اے غسل تیرے پیچھے شراب بھی ہو۔''

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ مردہ کو ٹھنڈے پانی سے نہلاتے تھے۔

میت کو لے جانے کا طریقہ / عورتوں کا نوحہ:

میت کے قبر پر لے جانے کا طریقہ یہ تھا کہ جس خاندان میں میت ہوتی، اس خاندان کی تمام عورتیں اپنے سر کے بال کھول ڈالتیں اوران پر راکھ مل لیتیں، جب جنازہ تیار ہو جاتا تو نوحہ گر عورتیں جن کا پیشہ اجرت پر نوحہ کرنا ہوتا تھا، اجرت پر بلائی جاتیں۔ پھر جنازہ اٹھایا جاتا۔ میت کے عزیز و اقارب اور وہ لوگ جن کی میت سے خصوصیت ہوتی ننگے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے چلتے، میت کے خاندان کی عورتیں اور وہ نوحہ گر عورتیں جو اجرت پر لیجاتی تھیں اس کے ساتھ ہوتیں اور اس کے محاسن اور خوبیاں بیان کر کے اس پر اظہار حزن و ملال اور افسوس کرتی جاتیں۔

نوحہ اور اس کا طریقہ:

میت پر نوحہ کرنا جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے تھا۔ جب کوئی مر جاتا ہے اس کے خاندان اور قبیلہ کی تمام عورتیں اکٹھی ہوتیں، س کے کارنامے اور محاسن بیان کر کے بلند آواز سے اس پر روتیں۔ جاہلیت کے اکثر بلکہ تقریباً تمام مرتے وقت اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور خاندان کی عورتوں کو اپنے اوپر نوحہ کرنے کی وصیت کر جاتے تھے۔

نوحہ کی یہ صورت تھی کہ عورتیں اپنا سر اور منہ کھول کر کھڑے ہو کر بلند آواز سے مردہ کے کارنامے اور محاسن بیان کر کے روتیں اور پنے مونہوں پر طمانچہ مارتیں اور گریبان پھاڑتیں بعض عورتیں جو میت کے زیادہ قریب ہوتیں اپنے سر بھی منڈ والیتیں۔ ربیع بن زیاد الک بن زہیر عبسی کے مرثیہ میں کہتا ہے:

من مثله تمسی النساء حواسرا وتقوم معولة مع الا سحار
من كان مسرورا بمقبل مالك فليات نسوتنا بوجه نهار
يجد النساء حواسرا يند بنه يلطمن اوجههن بالا سحار
قد كن يخبان الوجوه تسترا فاليوم حين برزن للنظار
يضربن حر وجوههن غلى فتى عف الشمائل طيب الاخبار

''ایسے ہی شخص کے مرنے کی خبر سن کر عورتیں برہنہ سر اور برہنہ منہ ہر صبح و شام با آواز بلند کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جو شخص ملک کے قتل سے خوش ہوا ہے اس کو چاہیے کہ علی الصباح ہماری عورتوں کے پاس آ کر ان کی حالت دیکھے، وہ انہیں اس حالت میں پائے گا کہ کھلے سر اور کھلے منہ اسے رو رہی ہوں گی اور ہر صبح کو اپنے منہ پیٹ رہی ہوں گی۔ وہ عورتیں اس مصیبت کے پڑنے سے پہلے پردہ کی وجہ سے اپنے چہرے چھپاتی تھیں، لیکن آج جبکہ وہ نظارگیوں کے لئے ظاہر ہوئیں تو ایک جوان کے غم میں جس کی خصلتیں پاک اور خبریں نیک تھیں اپنے کھلے مونہوں کو پیٹ رہی ہیں۔''

اصبہانی کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے شوہر پر کھڑے ہو کر نوحہ کرتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کے بعد نکاح نہیں کرے گی۔
مشہور شاعرہ خنساء کہتی ہے:

يذكرني طلوع الشمس صخرا واذكره بكل غروب شمس

''سورج کا نکلنا مجھے میرے بھائی صخر کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر شام کو جب سورج چھپتا ہے میں اسے یاد کرتی ہوں۔''

جاہلیت کا نامور شاعر طرفہ بن عبد اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

اذا مت فانعینی بما انا اهله وشقی علی الجیب یا ابنة معبد

"میری صاحبزادی! جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ سلوک کرنا جس کا میں اہل ہوں۔ لوگوں میں میرے مرنے کی خبر مشہور کرنا اور میرے غم میں اپنا گریبان پھاڑ دینا۔"

نوحے کے لیے صبح اور شام کا وقت تھا۔

شریعت اسلام نے نوحہ کی رسم کو نہایت مذموم قرار دیا۔ حدیثوں میں اس کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے ماتم کیا اور گریبان پھاڑا وہ ہماری جماعت سے نکل گیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی۔ صالقہ وہ ہے جو مرنے میں آواز بلند کرے۔ حالقہ وہ ہے جو مصیبت میں اپنا سر منڈوائے اور شاقہ وہ ہے جو اپنا گریبان پھاڑے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب ہوتا ہے۔"

محدثین نے بیان کیا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب فقط اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس نے اپنی زندگی میں اس کی وصیت کی ہو، لیکن اگر اس نے اس کی وصیت نہ کی ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حدیث میں مردہ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں بھی لوگ اس کی وصیت کرتے تھے۔

نوحہ کی بابت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس کی مدت ایک سال تک تھی جس کا پتہ لبید کے اشعار سے بھی چلتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ شریعت میں جو نوحہ حرام ہے وہ فقط وہی نوحہ ہے جو جاہلیت کے طریق پر ہو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی بلند آواز سے چلا چلا کر مردہ کے محاسن بیان کر کے رویا جائے اور گریبان پھاڑا جائے اور منہ پیٹا جائے یا مردہ کے غم میں سر منڈایا جائے۔ ورنہ مطلق رونا منع نہیں ہے۔ حضرت لبید صحابی نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹیوں کو ناجائز نوحہ کی ممانعت فرمائی اور جائز رونے کی وصیت کی اور کہا:

تمنی ابنتای ان یعیش ابو هما وهل انا الا من ربیعة او مضر

فقوما و قولا بالذی تعلمانه ولا تخمشا وجها ولا تحلقا شعر

وقولا هو المرء الذی لا صدیقه اضاع ولا خان الامین و لا غدر

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبك حولا کاملا فقد اعتذر

"میری دونوں بیٹیوں کی یہ خواہش ہے کہ ان کا باپ ہمیشہ جیتا رہے۔ حالانکہ میں بھی ربیعہ اور مضر ہی کی اولاد ہوں۔ جب وہ مر گئے تو میں کس طرح ہمیشہ جیتا رہوں گا۔ اے میری بیٹیو! میرے مرنے کے بعد کھڑی ہو کر رونا اور میرے وہ اوصاف بیان کرنا جن کا تمہیں علم ہے۔ نہ اپنا منہ نوچنا اور نہ سر منڈوانا۔ یہاں پر کہنا کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے نہ اپنے کسی دوست کو ضائع کیا، نہ امانت رکھنے والے کی خیانت کی اور نہ کسی کو دھوکہ دیا۔ اس طرح سال بھر تک کرنا پھر اس کے بعد تم کو سلام ہے، کیونکہ جو پورے ایک سال تک روئے وہ معذور ہے۔"

لبید کی وفات کے بعد ان کی دونوں بیٹیاں ہر روز اچھے لباس پہن کر لبید کے قبیلہ جعفر بن کلاب کی مجلسوں میں جاتیں اور ان پر غم کرتیں لیکن اپنی آواز بلند نہ کرتیں۔ پورا ایک سال انہوں نے لبید کے وصال پر اظہار غم کیا۔ پھر اپنے گھر چلی گئیں۔

باپ، شوہر، اولاد یا کسی عزیز وقریب کے مرنے پر عورتیں نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ اپنا منہ پیٹنے لگتیں، کپڑے پھاڑ ڈالتیں اور خوب ماتم کرتی تھیں۔ ''معرکہ بدر'' کے بعد کافر عورتوں نے مکہ مکرمہ میں اسی قسم کا مظاہرہ کیا تھا۔ ''معرکہ احد'' میں مسلمان کافی تعداد میں شہید ہوئے۔ خبر پھیلتے ہی مدینہ منورہ ماتم کدہ بن گیا، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ خوانی پر پابندی لگادی اور آپ نے فرمایا:

''اس طرح ماتم کرنا مسلمانوں کی شان نہیں۔''

غزوہ موتہ کے بعد حضرت جعفر طیار کی مستورات کو بھی بین اور ماتم کرنے سے آپ نے روک دیا تھا۔ اس طرح دور جہالت کی یہ بری رسم بھی بند ہوگئی۔

میت کی تعظیم:

جاہلیت کے لوگوں کو میت کی تعظیم کا از حد خیال تھا۔ جب کسی مجمع کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تھا تو اس مجمع کے تمام آدمی مردہ کی تعظیم اور اس پر افسوس ظاہر کرنے کیلئے سروقد اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔

نماز جنازہ:

جب جنازہ قبر پر پہنچتا تو اس پر نماز پڑھتے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ میت کا ولی امام کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے تمام محاسن بیان کرتا اور اس کی تعریف کرتا۔ پھر اس کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتا اور دفن کے بعد کہتا علیک رحمۃ اللہ یعنی تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ جاہلیت کا ایک شخص اپنے پوتے کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اعمر وان هلكت وكنت حيا　　　فانی مکثرث من صلوتی

''اے عمرو! اگر تو مرگیا اور میں زندہ رہا تو میں تجھ پر کثرت سے نماز پڑھوں گا۔''

تدفین میت اور کھانا:

میت کے دفن سے پہلے میت کے ہمراہیوں میں سے کوئی شخص کھانا نہ کھاتا۔ جب اس کے دفن سے فارغ ہو کر گھر واپس آتے، اس وقت بھی کا کھانا لایا جاتا اور وہ سب آدمی جو میت میں شریک ہوتے کھاتے۔

مردہ کے ساتھ اونٹنی کو مارنے کی ترکیب:

عرب جاہلیت میں ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی سخی یا نامور آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹنی باندھ دیتے۔ پھر اسے نہ کھانا دیتے نہ پانی یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مرجاتی۔ باندھنے کا یہ طریقہ تھا کہ قبر کے پاس ایک گڑھا کھود اس میں چھوڑ دیتے اور اس کی گردن مروڑ کر اس کا سر چوتڑوں کی طرف کر دیتے اور ہاتھ پاؤں رسیوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے۔ اس اونٹنی کا نام بلیہ تھا اور یہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس کی قبر پر بلیہ باندھی جائے گی، قیامت کے دن وہ اپنی بلیہ پر سوار ہو کر اٹھے گا اور جس کی قبر پر بلیہ نہ باندھی جائے گی وہ قیامت کو پیادہ میدان حشر میں جائے گا۔

حربیہ ابن الفلیم نقعی اپنے بیٹے سعد کو وصیت کرتا ہے:

باسعد اما اهلكن فانني　　　اوصيك ان اخا الوصاة الاقرب
لا اعرفن اياك يحشر خلفكم　　　تعبا يختر على اليدين و ينكب
واحسل اياك على بعير صالح　　　وتقى الخطيئة انه هو اصوب

ولعل لي مما جمعت مطية　　　في الحشر اركبها اذا قيل اركبوا

''اے سعد! اگر میں مر گیا تو میں تجھے وصیت کرتا ہوں اور سمجھ لے کہ وصیت اپنوں ہی سے کیا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا باپ اپنی اولاد کے پیچھے پیچھے گرتا پڑتا میدان حشر میں جائے تو ایک باپ کو ایک اچھے تندرست اونٹ پر سواری کرنا اور ناقص اور ناکارہ اونٹ سے بچنا اور شاید میرے اپنے اونٹوں میں میرے لئے سواری موجود ہے۔ حشر میں جب لوگوں سے کہا جائے گا کہ سواری کرو تو میں اسی پر سوار ہو جاؤں گا۔''

عومیر نہانی کہتا ہے:

ابني لاتنس البليه انها　　　لا بيك يوم نشوره مركوب

''بیٹا! میری قبر پر بلیہ باندھنے کو نہ بھول جانا کیونکہ وہ قیامت کے دن، تیرے باپ کی سواری ہوگی۔''

موت کی تصدیق نہ کرنا:

کتاب اللب میں ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ میت کو دعا دیتے وقت اس کلمہ کا استعمال کرتے تھے۔ اس سے ان کی دو غرضیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اس سے بڑے شخص کی موت کی عظمت ظاہر کرتے تھے۔ گویا وہ ان کی موت کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ یہ معنی زہیر بن ابی سلمی نے اپنے ان اشعار میں بیان کئے ہیں:

يقولون حصن ثم تابى نفوسهم　　　وكيف بحصن والجبال جنوح

ولم تلفظ الموتى القبور ولم تزل　　　نجوم السماء والا ديلم صحيح

''لوگ کہتے ہیں کہ حصن مر گیا پھر ان کے دل اس سے انکار کرتے ہیں اور حصن کیونکر مر سکتا ہے جبکہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور قبروں سے مردوں کو نہیں نکالا اور ستارے بدستور اپنی حالت پر ہیں اور زمین میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔''

لوگ کہتے ہیں کہ حصن مر گیا پھر اس کہنے کو بڑی بھاری بات جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کیونکر مر سکتا ہے جبکہ ابھی تک پہاڑ ریزہ ریزہ نہیں ہوئے اور ستارے بے نور نہیں ہوئے اور قبروں نے اپنے مردوں کو باہر نہیں نکالا اور نظام عالم میں کوئی فرق نہیں آیا، یعنی وہ تو قیامت ہی کو مرے گا۔ قیامت سے پہلے کیونکر مر گیا۔

دوسری غرض یہ تھی کہ وہ میت کو اس کی زندگی کی دعا دیتے تھے اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ اس کا نام زندہ رہے، کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے نام کا زندہ رہنا بمنزلہ اس کی حیات کے ہے۔

رئیس کی موت:

جاہلیت میں جب کوئی رئیس یا بڑا شخص مر جاتا تو ایک سوار گھوڑے پر سوار ہو کر تمام بستی میں گھومتا اور لوگوں سے یہ کہتا پھرتا:

''میں فلاں شخص کے مرنے کی خبر دیتا ہوں۔''

اس رسم کا ذکر اصمعی نے کیا ہے۔ سارے عرب میں یہ رسم جاری تھی شعرائے عرب کے کلام میں اس کا ذکر کثرت سے پایا جاتا ہے۔

میت کے لیے دعا:

عرب جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص مر جاتا اس کو لا یبعد کہتے یعنی خدا اسے ہلاک نہ کرے۔ یہ ان کے یہاں میت کیلئے

دعا تھا۔ قال الخرائق:

لا يبعدن قوى الذين هم — سم العداة و آفة الجزر
النازلين بكل معترك — والطيبون معا قدالا زار

''خدا میری قوم کے لوگوں کو جو دشمنوں کے حق میں زہر قاتل اور اونٹوں کیلئے آفت تھے (یعنی انہیں ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاتے تھے) ہلاک نہ کرے، وہ لڑائی کے ہر معرکہ میں جاتے تھے اور ان کی آزار بندھ کی جگہیں پاک وصاف تھیں یعنی وہ زانی اور بدکار نہ تھے۔''

قال الفرار تسلمي: ماكان ينطعني مقال نسائهم
وقتلت دون رجالها لا تبعد

''مجھے ان کی عورتوں کا یہ کہنا کہ خدا کرے کہ تو ہلاک نہ ہو کیا نفع پہنچا سکتا ہے، جبکہ میں ان کے مردوں کے سامنے مارا جاؤں۔''

قبروں پر اونٹ اور گھوڑے ذبح کرنا:

اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ اپنے مردوں کی قبروں پر اونٹ اور گھوڑے ذبح کرتے تھے اور ان کے خون سے قبر کو تر کرتے تھے۔ شعرائے جاہلیت نے اس رسم کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔
لعفص بن اخف کنانی ربیعہ بن مکدم کنانی کے مرثیہ میں کہتا ہے:

لايبعدن ربيعة بن مكدم — وسقى الغوا دى قبره بذنوب
نفرت قلوصي من حجارة حرة — بنيت على طلق اليدين وهوب
لا تنقرى ياناق منه فانه

''خدا کرے ربیعہ بن مکدم کا نام ہمیشہ دنیا میں زندہ رہے اور صبح کے وقت برسنے والا مینہ اس کی قبر کو سیراب کرے۔ میری اونٹنی سیاہ رنگ والی زمین کے پتھروں سے جو ایک سخی اور فیاض کی قبر پر لگائے گئے تھے بدکی۔ میں نے اسے کہا کہ اے میری اونٹنی تو اس سے نہ بدک کیونکہ جوان پتھروں کے نیچے دبا ہوا ہے وہ بہت بڑا مے نوش اور سخت لڑائی کی آگ بھڑکانے والا تھا۔ اگر مسافرت اور لق دق بیابانوں کی دوری نہ ہوتی تو میں اس قبر پر اپنی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالتا اور وہ اپنے گھٹنوں اور پیٹ کے بل گھسیٹتی پھرتی۔''

زیاد الاعجم مغیرہ بن مہلب کے مرثیہ میں کہتا ہے:

قل للقو اقل و الغزاة اذا غزوا — والبا كرين وللمجد الرايح
ان الشجاعة والسماحة ضتمنا — قبر بمروعلى الطريق الراضح
فاذ امررت بقبره فاعقربه — كوم الجلاد و كل طرف سابح
وانفح جوانب قبره بدمائها — فلقد يكون اخادم و ذبايح

''جنگی سپاہیوں سے جب وہ جنگ میں مصروف ہوں اور قافلوں اور صبح وشام تیز چلنے والے لوگوں سے کہہ دے کہ شجاعت

اور سخاوت دونوں اس قبر میں مدفون ہیں جو مقام مردی کے مقام پر بنی ہوئی ہے، جہاں سڑک بج رہی ہے۔ پس جب تو اس کی قبر پر گزرے تو اس پر بڑے بڑے کوہان والی اونٹنیوں اور ہر ایک بار تیز رفتار گھوڑے کو ذبح کر اور ان کا خون اس کی قبر کی ہر ایک جانب اور ہر ایک پہلو پر پھینک دے، کیونکہ وہ اپنی زندگی میں بہت سے خون بہایا کرتا تھا اور بہت سے جانور ذبح کرتا تھا۔"

ربیعہ بن مکدم کی قبر کے چاروں طرف سیاہ پتھر لگائے گئے تھے لیکن وسط قبر میں ایک سفید پتھر لگا تھا۔ جو کوئی اس قبر پر گزرتا تھا اپنی اونٹنی ذبح کرتا تھا۔ جب یہ شاعر اس پر گزرا تو اس نے سفر کے خیال سے اپنی اونٹنی ذبح نہ کی اور یہ شعر کہے۔

قبروں پر اونٹوں کے ذبح کرنے کی چار وجہ بیان کی گئیں ہیں:

1: اول یہ کہ وہ لوگ میت کا بدلا اتارتے تھے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں اونٹ مہمانوں کیلئے ذبح کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے اس شعر سے حجت پکڑی ہے:

وانضح جوانب قبره يدمانها فلفد يكون اخادم و ذبابح

"اس کی قبر کو اس کے خون سے تر کر دے کیونکہ وہ خون بہانے والا اور اونٹوں کو ذبح کرنے والا تھا۔"

2: دوم یہ کہ قبر پر اونٹوں کے ذبح کرنے سے مقصود وصیت کی تعظیم تھی، یعنی جس طرح بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے، اسی طرح میت کے نام پر بھی کرتے تھے۔

3: سوم یہ کہ جب میت کی ہڈیاں گل سڑ کر بوسیدہ ہو جاتی تھیں تو ان کو اونٹ کھاتے تھے، اس لئے وہ میت کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے، گویا ان سے مردوں کا قصاص لیتے تھے۔

4: چہارم یہ کہ اونٹ اہل عرب کا نفیس اور بیش قیمت مال تھا، اس لئے وہ ان کو ذبح کر کے یہ ظاہر کرتے تھے کہ متوفی کی موت سے ہم پر ایسی سخت مصیبت پڑی ہے، جس کے صدمہ کی وجہ سے ہمارا نفیس اور بیش قیمت مال ہمارے نزدیک بے قدر اور ذلیل ہو گیا۔

بہر حال اس کی وجہ کچھ ہی ہو جاہلیت میں قبروں پر اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے خون سے قبروں کو تر کرنا رائج تھا۔ اسلام نے اس رسم کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

((لا خقر فی السلام))

"اسلام میں قبر پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔"

مردہ کے سر سے اُلو نکلنا:

اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب مردہ کی ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں تو اس کے سر میں سے الو کی شکل کا ایک پرندہ نکلتا ہے۔ تو بہ بن حمیر کہتا ہے:

ولو ان ليلى الا خيلية سلمت علي و دوني تربة و صفاح
لسلمت تسليم البشاشة اوزقا اليها صدى من جانب القبر صايخ

"اگر لیلیٰ اخیلیہ مجھ کو اس وقت سلام کرے گی جب میں قبر میں مٹی اور چوڑی سلون کے نیچے دبا ہوا ہوں گا تو میں نہایت خوش ہو کر اس کے سلام کا جواب دوں گا یا اس کی طرف میری قبر میں سے بولنے والا الو نکلے گا اور چلا جائے گا۔"

کہتے ہیں کہ لیلیٰ اپنے شوہر کے ہمراہ توبہ کی قبر پر گزری اور اس کو سلام کیا۔ جب کچھ جواب نہ پایا تو اپنے شوہر سے کہا کہ توبہ نے اپنی مدۃ العمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن آج اس کا جھوٹ ظاہر ہوا۔ شوہر نے کہا یہ کیونکر؟ اس نے کہا کہ اس نے میری محبت میں یہ شعر کہے ہیں، اب میں نے اس کو سلام کیا لیکن یہ جواب نہیں دیتا۔ اتفاقاً کہیں اس کی قبر کے کسی گوشہ میں ایک الو رہتا تھا، جب اس نے لیلیٰ کے ہودج کے ہلنے کی آواز سنی اور اونٹ کو دیکھا تو گھبرا کر بھاگا۔ لیلیٰ یہ سمجھی کہ یہ وہی الو ہے جو آدمی کے سر میں سے نکلا کرتا ہے اور جس کا ذکر توبہ نے کیا ہے۔ اسے دیکھ کر لیلیٰ ڈر کر زمین پر گر پڑی اور اسی وقت مرگئی۔

جاہلیت کے شعراء کے اشعار میں اس اُلو کا ذکر بہت ہے۔ عربی میں اس کا صدا کہتے ہیں۔ شریعت اسلام نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے۔ حدیث میں ہامہ کی جو نفی آئی ہے۔ اس سے مراد یہی صدا ہے۔

قبروں پر شراب چھڑکنا:

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ اپنے عزیز واقارب اور دوست واحباب کی قبروں پر شراب چھڑکتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

اسب علی قبر یکما من مدامة　　　فان لا تنا لا ھا تروجثا کما

''میں تم دونوں کی قبر پر شراب چھڑکتا ہوں۔ اگر تم خود اس کی نہیں لیتے ہو تو وہ تمہارے ڈھیروں کو سیراب کرتی ہے۔''

یہ شاعر اپنے دو رفیقوں کی قبر پر ہمیشہ دو پیالہ شراب چھڑکتا تھا۔ (الدر المنثور)

فصل نمبر 2:

اہل مکہ اور عصر حاضر میں تجہیز و تکفین کی رسم

زمانہ رسالت میں فتح مکہ کے بعد سے لے کر مکہ میں مرگ ہو جانے پر نوحہ گری نہیں ہوتی۔

علامہ رفت پاشا رقمطراز ہیں:

''جب کوئی موت واقع ہو جاتی ہے تو متوفی کے اقرباء میں سے کوئی عورت ایک یا دو مرتبہ آواز بلند کرتی ہے۔ جس کی آواز سن کر گردونواح کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ آنے والے مختلف اقسام کے حوادثات کا تذکرہ کر کے گھر والوں کی دلجوئی کرتے ہیں، اور پھر چلے جاتے ہیں۔ میت کے لواحقین میت کو شرشورہ (میت کو غسل دینے کی جگہ) میں پہنچا دیتے ہیں اور وہی قبر، غسل، کفن کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں۔'' (مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۲۰۵)

اکثر لوگوں کی نماز جنازہ کعبۃ اللہ میں پڑھی جاتی ہے، اس لیے ہر نماز کے بعد بہت سے جنازے لائے جاتے ہیں اور نماز کے فوراً بعد باجماعت نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

آج کل اس کا باقاعدہ محکمہ قائم ہے، جہاں مملکت کے دوسرے امور کا بجٹ منظور ہوتا ہے، وہاں موتی کی تجہیز و تکفین کا بجٹ بھی پاس کیا جاتا ہے۔ ان امور کا انچارج ''الشیخ الحارہ'' کہلاتا ہے۔ اسے معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۰۰۰۰ ریال اس کے پاس موجود رہتے ہیں۔ محلہ داروں کی خبر گیری محتاج اور حاجت مندوں کی امداد کرنا، ان کی ضروریات اور گزران سے باخبر رہنا اس کے فرائض میں ہے۔ جب کوئی مرگ ہو جاتی ہے تو فوراً شیخ الحارہ کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ شرشورہ میں (میت کو غسل دینے کا محل) فون پر اطلاع کرتا ہے، وہاں سے ایمبولینس آتی ہے اور میت لے جا کر شرعی قواعد کے مطابق غسل دیا جاتا ہے۔ اگر لواحقین اپنا کفن دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ بصورت دیگر شرشورہ والے اپنے فنڈ سے اسے کفن پہناتے ہیں۔ اگر اس کے بعد لواحقین میت گھر لے جانا چاہیں تو ان کے حوالے

کردی جاتی ہے۔ ورنہ حرم شریف میں جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔ عموماً فرض نماز کے بعد جنازہ پڑھا جاتا ہے۔

اگر حجاج میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کا معلم شیخ الحارہ کو مطلع کرتا ہے۔ شیخ الحارہ معلموں کے رئیس کو رپورٹ کرتا ہے اور وہ وزارت حج کو آگاہ کرتا ہے۔ پھر جب شرشورہ کے منتظمین میت لینے جائیں گے تو اس کا وارث دریافت کریں گے۔ اگر اس کا صحیح وارث موجود ہو تو متوفی کا سامان وارث کے حوالے کر کے میت لے جا کر غسل کفن دے کر دفن کر دیتے ہیں اور اگر وہاں اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا سامان وزارت حج کے دفتر میں جمع ہو جائے گا اور وہاں سے متوفی کے ملک کے سفارت خانہ کے حوالے کیا جائے گا۔ جب ایام حج گزر جائیں گے تو سفارت خانہ اس کے وارث کو فوتیدگی کی اطلاع دے گا۔ پھر وہ چاہیں تو اس کا سامان بھی بھیج دیتے ہیں۔

وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جنہیں مکہ کے قبرستان کی مٹی نصیب ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس قبرستان سے قیامت کے دن ایسے نیک اور صالح لوگ اٹھیں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ ان لوگوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔

اس قبرستان میں حضور نبی کریم ﷺ کے خاندان کے علاوہ بے شمار صحابہ، تابعین، اولیاء اور صلحاء محوِ خواب ہیں۔ نیز محلہ شبیکہ میں بھی ایک قبرستان تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔

باب نمبر 35:

اہل مکہ کے استخارے کے پانسے

اہم امور کے لیے پانسے ڈالنا:

جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے ایک رسم استقسام بالازلام یعنی استخارے کے پانسے ڈالنا تھی۔ جس کی صورت یہ تھی کہ جب وہ لوگ، سفر، تجارت، جنگ، نکاح، ختنہ، بیع یا مکان وغیرہ امور کا قصد کرتے یا ان کے درمیان کسی بڑی بات مثلاً: قتل، دیت، نسب وغیرہ امور میں اختلاف ہوتا اور اس کا فیصلہ کرنا چاہتے تو سو درہم لے کر ہبل بت کے پاس جاتے، جو مکے میں قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ وہ سو درہم پانسے ڈالنے والے کو دے دیتے اور اس سے پانسے ڈالنے کی درخواست کرتے۔

سات قسم کے پانسے:

ہبل بت کے پاس ایک شخص ہوتا تھا جو خانہ کعبہ میں بطور مجاور رہتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور بتوں کی محافظت کرتا تھا۔ اس کے پاس سات ازلام یعنی پانسے رہتے تھے۔ یہ سب پانسے مقدار میں برابر تھے، جن میں سے ایک پر امر بی ربی دوسرے پر نہانی ربی تیسرے پر منکم، چوتھے پر من غیرکم، پانچویں پر ملصق، چھٹے پر العقل لکھا ہوا تھا اور ساتواں سادہ تھا۔ اس پر کچھ نہیں لکھا تھا، چونکہ یہ شخص ان پانسوں کا مالک و محافظ تھا اور اکثر یہی لوگوں کیلئے پانسے ڈالتا تھا، اس لئے اس کو صاحب القداح اور امین القداح کہتے تھے۔

مستقبل کی خبر کے دو پانسے:

پانسے ڈلوانے والے اگر یہ چاہتے کہ انہیں آئندہ کی خبر مل جائے اور جس کام کا انہوں نے ارادہ کیا ہے اس کا نیک و بد انجام معلوم ہو جائے تو امین القداح امر و نہی کے دو پانسے ڈالتا۔ اگر امر والا پانسا نکلتا جس کام کا ارادہ ہوتا اس کو بڑی خوشی سے کرتے اور اگر نہی والا پانا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتے اور سال بھر تک اس کے پاس نہ جاتے۔ جب پورا سال گزر جاتا تو پھر دوبارہ اس کام کیلئے پانسے ڈلواتے۔ غرض جب تک امر کا پانسا نہ نکلتا اس کام کو نہ کرتے۔

نسب کا فیصلہ کرنے والے تین پانسے:

اگر ان کے درمیان کسی کے نسب میں جھگڑا ہوتا اور اس کا فیصلہ پانسوں کے ذریعے سے چاہتے تو امین قداح وہ تین پانسے ڈالتا، جن پر منکم اور من غیرکم اور ملصق لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اگر منکم والا پانسا نکلتا تو اس آدمی کو جس کے نسب میں انہیں اشتباہ ہوتا اور جس کے بارے میں جھگڑتے، نہایت عزت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی انتہاء درجے کی تعظیم وتکریم کرتے۔ اگر من غیرکم والا پانسا نکلتا تو اس سے سخت نفرت کرتے اور علیحدہ ہو جاتے۔ اگر ملصق والا پانسا نکلتا تو وہ آدمی ان کے نزدیک ویسا ہی مجہول النسب باقی رہتا، جیسے پہلے تھا۔ غرض ان تینوں پانسوں میں سے جونسا پانسا نکلتا اس کے بموجب عمل واجب جانتے اور اس پر پورا اعتماد کرتے۔

مقتول کی دیت کے دو پانسے:

اگر ان کے درمیان مقتول کی دیت میں اختلاف ہوتا یعنی اس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا اور کسی ایک یا چند آدمیوں پر اس کے قتل کا شبہ ہوتا تو جن پر قتل کی تہمت ہوتی ان کو امین القداح کے پاس لے جاتے۔ امین القداح وہ دو پانسے ڈالتا جن میں سے ایک پر عقل لکھا ہوا ہوتا تھا اور ایک سادہ۔ جس کے نام پر عقل والا پانسا نکلتا اس کو دیت کا بوجھ اٹھانا پڑتا۔ اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا یہاں تک کہ کسی نہ کسی کے نام عقل والا پانسا نکلتا۔ ان پانسوں کے ڈالنے کا طریق یہ تھا کہ امین القداح ان کو ایک تھیلے میں ڈالتا تھا پھر اس میں ہاتھ ڈال کر ایک ان میں سے نکال لیتا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے تین قسم کے پانسے:

واضح ہو کہ جاہلیت میں پانسے تین قسم کے تھے۔ ایک جوئے کے جو تعداد میں دس تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسرے وہ جو ہر آدمی کے پاس رہتے تھے۔ یہ تین ہوتے تھے جن میں سے ایک پر افعل، دوسرے پر لاتفعل لکھا ہوتا تھا اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ جب آدمی کوئی معمولی کام کرنا چاہتا تو خود انہیں ایک تھیلہ میں ڈالتا اور پھر اس میں ہاتھ ڈال کر ایک نکالتا۔ افعل والا نکلتا تو وہ کام کرتا اور لاتفعل والا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتا اور اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا۔

تیسری قسم کے پانسے وہ تھے جن سے فیصلے کئے جاتے تھے۔ وہ کعبہ کے متولی کے پاس رہتے تھے اور فقط اہم امور میں ڈالے جاتے تھے۔ کعبہ کے علاوہ عرب کے ہر کاہن اور حاکم کے پاس بھی یہ پالتے رہتے تھے۔

امرؤ القیس اور ذی الخلصہ کے پانسے:

ابو الفرض اصبہانی کہتے ہیں کہ لوگ کعبہ کی طرف ذی الخلصا کے پاس بھی پانسے ڈالتے تھے۔ چنانچہ امرؤ القیس شاعر جب اپنے باپ کا قصاص لینے کے ارادہ سے نکلا تو اس نے ذی الخلصہ کے پاس پانسے ڈالے اور اس کے خلاف طبع پانسا نکلا۔ اس نے بت کو گالی دی اور ایک پتھر مارا اور یہ شعر پڑھا:

لو کنت یاذ الخلص الموتورا　　لم تنه عن قتل العداة زورا

''اے ذوالخلصہ! اگر میری طرح تجھے صدمہ پہنچا ہوتا تو فریب دے کر دشمنوں کے قتل سے منع نہ کرتا۔''

کہتے ہیں کہ امرؤ القیس کے بعد اسلام کے زمانہ تک پھر کسی نے ذوالخلصہ کے پاس پانسا نہیں ڈالا۔

جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل قبیح کو حرام فرمایا اور فرمایا کہ یہ فعل فسق کی بنیاد ہے۔

☆☆☆

باب نمبر 36:

جاہلیت کی عیدیں، میلے اور جلسے

میلے اور عید منانے کا طریقہ:

جاہلیت کے لوگ اپنے میلوں اور تہواروں میں عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر اور بیش قیمت اور بڑھیا چادریں اوڑھ کر نکلتے تھے۔ سواروں میں گھر دوڑ ہوتی تھی اور سخی لوگ جوا کھیلتے تھے، لڑکے چند قسم کے کھیل کھیلتے اور دف اور ستار اور دو تارے وغیرہ باجے بجاتے اور رجز گاتے اور راگنی میں شعر پڑھتے۔

مکانی عیدیں اور میلے:

جاہلیت کی عیدیں دو قسم کی تھیں۔ زمانی اور مکانی۔ مکانی بہت سی عیدیں تھیں۔ جہاں جہاں ان کے بت نصب تھے، وہاں ان کے میلے لگتے تھے اور کثرت سے خلقت کا ہجوم ہوتا تھا۔ سب سے بڑے بت جن کی زیارت اور پوجا کیلئے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان کے پاس میلے لگتے تھے اور عیدین منائی جاتی تھیں تین تھے:

1: لات۔ 2: عزیٰ۔ 3: منات۔

لات اہل طائف کا تیرتھ تھا۔ یہ اصل میں ایک صالح اور نیک آدمی تھا جو موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد مدت تک لوگ اس کی قبر کی مجاوذت اور پوجا کرتے رہے، پھر اس کی تصویر بنا کر اس پر ایک قبہ بنایا اور اس کا نام بیت الربہ رکھا۔

عزیٰ اہل مکہ کا تیرتھ تھا۔ یہ بت عرفات کے قریب تھا، وہیں ایک درخت بھی تھا جس کے پاس اس کے نام پر قربانی کرتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس کے توڑنے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے اس کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور اس میں سے جو کچھ مال برآمد ہوا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ اس روز سے عزیٰ کی پرستش موقوف ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ اس بت میں سے ایک چڑیل نکلی تھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

منات اہل مدینہ کا بت تھا۔ جس کیلئے وہ احرام باندھتے تھے اور اس کو اللہ کا شریک کرتے تھے۔ یہ بت جبل قدید کے متصل تھا جو مکے اور مدینے کے درمیان سمندر کے کنارہ پر واقع ہے۔ ان تینوں بتوں کے اجتماع کے لئے سال کے خاص خاص موسم مقرر تھے۔ عرب ان کی پوجا اور زیارت کیلئے دور دور سے آتے تھے اور کعبہ کی طرح ان کی تعظیم اور ان کا طواف کرتے تھے۔ ان کیلئے قربانی کے جانور اپنے ساتھ لاتے تھے اور ان کے نام پر ذبح کرتے تھے، ان کے لئے مجاور اور خدام بھی مقرر تھے، لیکن مع ھذا ان کو اس بات کا اعتراف تھا کہ کعبہ ان سے افضل ہے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مسجد اور ان کا گھر ہے۔

یمن میں قبیلہ بجیلہ اور خثعم کا ایک مندر ذوالخلصہ تھا جس میں چند بت نصب تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ اس مندر کے پاس بھی سال میں ان کا ایک میلہ لگتا تھا اور وہ بھی ان کی ایک عید تھی۔ اس روز اس بت کو ہار پہناتے تھے اور اس پر شتر مرغ کے انڈے چڑھاتے تھے اور اس کے پاس قربانی کرتے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جاہلیت میں ایک مندر تھا جس کا نام ذوالخلصہ اور کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ تھا۔ جناب رسول اللہ صلی

علیہ وسلم نے جریر سے فرمایا:

''تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ مجھے ذوالخلصہ سے راحت دے۔''

حضرت جریر ڈیڑھ سو سوار اپنے ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور اس کو توڑ پھوڑ کر اس میں آگ لگا دی اور جو آدمی وہاں موجود تھے ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انہوں نے اس کی خبر دی تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ یہ ذوالخلصہ اس ذوالخلصہ کے سوا تھا جس کو عمرو بن لحی نے اسفل مکے میں قائم کیا تھا۔

اہل نجران ایک لمبے درخت کو پوجتے تھے۔ جس کے پاس ہر سال ایک میلہ لگتا تھا اور عید منائی جاتی تھی۔ جب وہ عید آتی تھی تو اس درخت پر عمدہ عمدہ کپڑے اور عورتوں کے زیور لٹکاتے تھے، پھر وہاں جمع ہو کر اس کو پوجتے تھے۔ اس درخت کی پوجا موقوف ہونے کا سبب یہ ہوا کہ اس درخت کو ایک عیسائی نے خرید لیا تھا جس کا نام فیموں تھا۔ یہ شخص نجران کے شرفاء میں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔ بڑا عابد و زاہد اور صاحب کشف و کرامات تھا۔ رات کو اٹھ کر اپنے گھر میں جس میں اس کو اس کے آقا نے رکھا تھا، تہجد پڑھنے کھڑا ہوتا تو اس کا گھر انوار الٰہی سے چمک جاتا اور صبح تک نور سے معمور رہتا۔ اتفاقاً کسی روز اس کے گھر کی روشنی اور چمک دمک اس کے آقا نے بھی دیکھ لی اور جو کرشمہ اس نے دیکھا اس سے اس کو سخت تعجب ہوا۔ اس لئے اس کے آقا نے یہ خیال کر کے کہ شاید یہ ان کے دین کی برکت ہے۔ اس سے پوچھا:

''تمہارا دین کیا ہے۔؟''

فیمون نے کہا:

''میں عیسائی ہوں اور تمہارا دین باطل ہے۔ یہ درخت جسے تم پوجتے ہو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں اپنے مالک سے جسے میں پوجتا ہوں، اس درخت پر بددعا کروں تو وہ اسے ابھی تہس نہس کر دے اور میرا مالک وہ اللہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

فیموں کی یہ تقریر سن کر اس کے آقا نے اس سے کہا:

''اچھا! تم اپنے خدا سے دعا کرو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے اور اپنے دین کو چھوڑ دیں گے۔''

فیموں نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں، پھر اللہ تعالیٰ سے اس درخت کیلئے بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی تیز ہوا چلائی جس نے اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس وقت سے اہل نجران نے عیسائی دین قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں وہ بدعتیں بھی آ گئیں جو ادھر ادھر کے عیسائیوں میں رائج تھیں۔ یہ نجران میں عیسائیت کی ابتداء تھی۔

زمانی عیدیں اور میلے:

زمانی عیدین اہل مدینہ کی دو تھیں۔ ان دو دنوں میں اہل مدینہ لہو ولعب میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عید کیلئے تمہارے ان دو دنوں سے بہتر دو دن بدل دیئے۔ وہ دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ہیں۔''

جاہلیت میں قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السبع تھا۔ جس میں وہ لوگ لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے۔ اسی

طرح ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السباسب تھا۔ اس عید میں جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے تو سلام کے ساتھ پھول نذر کرتے تھے۔ نابغہ کہتا ہے:

((یحیون بالریحان یوم الساسب))

''سباسب کی عید میں وہ لوگ سلام کے ساتھ پھول ایک دوسرے کی نذر کرتے ہیں۔''

جاہلیت کے جلسے

جلسے کا طریقہ:

جاہلیت میں سال میں بہت سے جلسے ہوتے تھے۔ بعض جلسے فقط آپس میں محبت بڑھانے اور تفریح طبع کیلئے ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں لوگ اپنی گزشتہ جنگوں اور واقعات کا ذکر کرتے تھے اور اشعار و قصائد پڑھتے تھے اور لطائف و ظرائف جن سے طبیعت خوش ہو بیان کرتے تھے۔ اس قسم کے جلسے اکثر رات میں ہوتے تھے، جب دل کو استقرار و اطمینان ہوتا تھا، جب مجلس میں سب لوگ جمع ہو جاتے تو حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور حلقہ کے بیچ میں قوم کا سردار اور بزرگ بیٹھتا۔ جب کوئی شخص کوئی نیا واقعہ یا کوئی عجیب بات بیان کرنا چاہتا تو کھڑا ہو کر کتاب کی طرح لوگوں کو پڑھ کر سناتا جس طرح خطیب اور لیکچرار کرتے ہیں اور جب کوئی دوسرا شخص اس سے گفتگو کرنا چاہتا تو اثنائے تقریر میں اس کی داڑھی پکڑ لیتا۔ یہ اہل عرب کی عادت قدیمہ تھی کہ مخاطب متکلم کی اثنائے گفتگو میں داڑھی پکڑ لیتا تھا۔ یہ ان کے ہاں شفقت اور محبت کی نشانی تھی۔ یہ جلسے گویا علمی معلومات بڑھانے کی غرض سے ہوتے تھے۔

جنگ کی مشاورت کے جلسے:

بعض جلسے جنگ اور دوسرے لوگوں پر لوٹ ڈالنے کی تدابیر سوچنے اور اس میں مشورہ کرنے کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب تک اہل حل وعقد کسی خاص جگہ جمع ہو کر جنگ کے بارے میں مشورہ نہ کر لیتے اس وقت تک اس کا نام نہ لیتے۔ جنگ کے مشورہ کیلئے ایک قبہ میں جمع ہوتے تھے تو ہر ایک اپنی رائے ظاہر کرتا جس امر پر سب کی رائے قائم ہو جاتی اس کے مطابق عمل کرتے اور اس سے کوئی شخص روگردانی نہ کرتا۔

مقدمات کو طے کرنے کے جلسے:

بعض جلسے آپس کے جھگڑے مٹانے اور مقدمات طے کرنے کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ ان باتوں کیلئے دار الندوہ میں جمع ہوتے تھے۔ وہاں جھگڑے اور قضیئے قضائے چکائے جاتے تھے اور آپس کے مقدمات کے فیصلے کئے جاتے تھے۔

وعظ و نصیحت کے جلسے:

بعض جلسے وعظ و نصیحت کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ چنانچہ کعب بن لوی ہفتہ میں ایک دن ہمیشہ وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور تمام قریش ان کا وعظ سنتے تھے، ان کی نصیحت نہایت عمدہ ہوتی تھی۔ صلح رحمی اور اپنوں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا ذکر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ سب سے پہلے کعب ہی نے رکھا ہے جس کی وجہ ان کے وعظ میں لوگوں کا اجتماع تھا۔ ورنہ اس سے پہلے ہفتہ کے دنوں کے نام یہ تھے:

اتوار کو اول کہا جاتا۔

پیر کو اھون کہا جاتا

منگل کو جبار کہا جاتا۔

بدھ کو دبار کہا جاتا۔

جمعرات کو مونس کہا جاتا۔

جمعہ کو عروبہ کہا جاتا۔

ہفتہ کو شعار کہا جاتا۔

ایک شاعر نے ان ایام کو نظم کیا ہے:

وملٌ ان اعیش وان یومی

باول اؤباھون اوجبار

او التالی دبار ان افتہ

فمونس فالعروبۃ او شعار

''میں زندگی کی امید کرتا ہوں حالانکہ میرا دن اول ہے یا اہون، یا جبار یا اس کے بعد دبار اگر اس سے بھی بچ رہا تو پھر مونس یا عروبہ یا شعار ہے۔ یعنی ہفتہ کے انہیں دنوں میں سے کسی ایک دن مر جاؤں گا۔''

عہد و پیمان کے جلسے:

بعض جلسے آپس میں حلف اور عہد و پیمان قائم کرنے کیلئے ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کی ظلم اس سے دور کرنے کیلئے آپس میں عہد و پیمان کرتے تھے۔

دعوتیں اور کھانے کی محفلیں

جاہلیت میں عرب مختلف تقریبوں پر سولہ دعوتیں کرتے تھے اور ہر دعوت ایک خاص نام سے موسوم تھی۔ ان دعوتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1: شندخ۔	2: نقیعہ۔	3: قیری۔	4: مادبہ۔
5: جفلی۔	6: نقری۔	7: ملاک۔	8: ولیمہ العرس۔
9: وضیمہ۔	10: وغیر۔	11: عقیرہ۔	12: تحفہ۔
13: خرس۔	14: ذوالخذاق۔	15: عقیقہ۔	16: اعذار۔

شندخ:

شندخ نامی کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب کسی کو اس کی کھوئی ہوئی چیز مل جاتی تھی۔

نقیعہ:

نقیعہ نامی کھانا سفر سے صحیح و سالم واپس آنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

قیری:

قیری کھانا ہے جو مہمانوں کو کھلایا جاتا تھا۔

مادبہ:

مادبہ وہ کھانا تھا جو فیاضی کے طور پر بغیر کسی سبب کے کھلاتے تھے۔

جفلی:

جفلی وہ کھانا تھا جس میں کسی کی تخصیص نہ تھی، بلکہ یہ دعوت عام ہوتی تھی اور دوست دشمن اس کھانے میں ہر کوئی شریک ہو سکتا تھا

نقری:

نقری وہ دعوت خاص تھی جس کیلئے خاص لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔

ملاک:

ملاک نامی کھانا منگنی کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ ملاک دراصل منگنی کی تقریب ہی کا نام ہے۔ اس میں جو کھانا دیا جاتا تھا اس کا نام شندخ ہے

ولیمۃ العرس:

ولیمۃ العرس نامی کھانا زن وشوہر کے اکٹھے ہونے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ اب عام طور پر ولیمہ اسی کھانے کو کہتے ہیں۔ اسلام میں یہ کھانا دینا مسنون ہے۔

وضیمہ:

وضیمہ نامی کھانا میت کے گھر والوں کو دیا جاتا تھا۔ یہ کھانا دینا بھی سلام میں مسنون ہے۔

وغیر:

وغیر نامی کھانا نیا مکان بنانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

عقیرہ:

عقیرہ وہ کھانا تھا جو رجب کا چاند دیکھنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

تحفہ:

تحفہ وہ کھانا تھا جو ملاقاتیوں اور ملنے والوں کیلئے تیار کیا جاتا تھا۔

خرس:

خرس وہ کھانا تھا جو بچہ پیدا ہونے کے بعد، عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگوں کو جس قدر خوشی بچہ پیدا ہونے کی ہوتی تھی اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی ہوتی تھی، اسی لئے وہ بچہ پیدا ہونے کی تقریب پر علیحدہ علیحدہ دو کھانے دیتے تھے۔ ایک عورت کے دردزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں اور دوسرا بچے کے پیدا ہونے کی خوشی میں۔

ذوالخذاق:

ذوالخذاق نامی کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب لڑکا کمالات عرب مثلاً شناوری، تیراندازی، شاعری وغیرہ امور میں ماہر ہو جاتا تھا۔ جاہلیت میں سب سے بڑی خوشی کسی شخص کے فن شعر گوئی میں کامل ہونے کی ہوتی۔ جب وہ شعر کہنے لگتا تو تمام قبائل اکٹھے ہوتے

اور اس قبیلہ کو مبارکباد دیتے۔ اس قبیلہ کے تمام آدمی خوش ہوتے اور عید مناتے۔ بیاہ شادی کی طرح عورتیں جمع ہو کر گیت گاتیں، لہو ولعب میں مشغول ہوتیں اور انواع واقسام کے کھیل، تماشے کرتیں، نفیس اور عمدہ کھانے پکتے اور دونوں قبائل کو کھلائے جاتے اور وہ وقت خوشی میں گزرتا۔

جاہلیت کے لوگ فقط تین چیزوں کی مبارکباد دیتے تھے:

1: لڑکا پیدا ہونے کی۔

2: گھوڑی کے بچھڑا دینے کی۔

3: کسی قبیلہ میں کسی شخص کے فن شعر گوئی میں ماہر ہو جانے کی۔

• ان تین چیزوں کے سوا ان کے ہاں اور کسی چیز کی مبارکباد دینے کا دستور نہ تھا۔

غرض اس تقریب یا اس قسم کی اور تقریبوں پر جو کھانا یا جاتا تھا وہ ذوالحذاق کہلاتا تھا۔ مسلمان یہ کھانا فقط ختم قرآن کی خوشی میں دیتے ہیں اور انہوں نے اس کا نام نشرہ رکھا ہے۔

عقیقہ:

عقیقہ نامی کھانا بچہ پیدا ہونے کی خوشی کی تقریب پر دیا جاتا تھا اور اس کیلئے بچہ کی پیدائش کا ساتواں دن مقرر تھا۔ جاہلیت میں عرب عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈوا کر اس بکری کے خون کا لیپ کرتے تھے۔ اسی دن بچہ کا نام بھی رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ سر پر خون کا لیپ کرنا موقوف کیا اور اس کی بجائے زعفران کا لیپ مقرر کیا۔

اعذار:

اعذار نامی کھانا ختنوں کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہے۔

باب نمبر 37:

اہل مکہ اور پیشہ تجارت

مکہ معظمہ کے لوگوں کا ذریعہ معاش قدیم زمانہ سے تجارت اور گلہ بانی تھا۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں، گھوڑے، گدھے اور خچر بہت بڑی تعداد میں پالتے اور ان کی تجارت کرتے تھے۔ پورے عرب میں ریوڑ اور گلہ بانی معاش کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

الشیخ ابراہیم الشریف مدظلہ لکھتے ہیں:

''اہل مکہ مویشی پالتے اور انہیں وادیوں اور گھاٹیوں میں چراتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ بھی محلہ جیاد میں بکریاں چراتے رہے ہیں۔ اسی طرح سیدنا فاروق اعظم بھی اپنے والد کے اونٹ شہر کے قرب و جوار میں چراتے رہے۔ اس کے علاوہ یہ شہر عہد عتیق سے بین الاقوامی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج سے ہزارہا برس پہلے مشرق اور مغرب کے تجارتی قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ بھی بہت بڑے تاجر بن گئے۔'' (تاریخ مدینہ)

جس طرح مکہ مشرفہ کی قدامت ایک نا قابل تردید حقیقت ہے اسی طرح اہل مکہ کی تجارت بھی ازمنہ قدیم سے بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے تاریخ جس پہلے تجارتی قافلہ کا ذکر پیش کرتی ہے وہ مکہ سے مصر جاتا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ تجارت تو اس سے پہلے بھی شروع تھی مگر تاریخ اس کے تذکرہ سے خاموش ہے۔

اس تجارتی قافلہ کا ذکر قرآن مجید اور تورات دونوں میں موجود ہے۔ البتہ قرآن مجید نے اپنے اعجاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اتنا ہی فرمایا

((وجاء ت سیارة فارسلوا واردھم))(سورئہ یوسف)

''اور قافلہ آیا پس انہوں نے اپنا آدمی پانی بھرنے والا بھیجا۔''

قرآن مجید میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا تھا اور نہ ہی اس کے تجارتی یا غیر تجارتی ہونے کا ذکر ہے۔ البتہ احادیث اور اسلامی روایات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ تورات نے اس کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی ہیں:

''اور ہوا یوں کہ جب یوسف اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو اسے اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا، وہ گڑھا سوکھا تھا، اس میں ذرا بھی پانی نہ تھا، اور وہ کھانا کھانے بیٹھے، اور آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مرا دنٹوں پر لادے ہوئے مصر کو جارہے ہیں۔ تب یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپائیں تو کیا نفع ہوگا؟ آؤ اسے اسماعیلیوں کے ساتھ بیچ ڈالیں کہ ہمارا ہاتھ اس پر نہ اٹھے، کیونکہ وہ ہمارا بھائی اور ہمارا خون ہے۔ اس کے بھائیوں نے اس کی بات مان لی۔ پھر وہ مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے تب انہوں نے یوسف کو کھینچ کر گڑھے سے نکالا اور اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچ ڈالا اور وہ یوسف کو مصر لے گئے۔''

(کتاب پیدائش، باب ۳۷، آیت ۲۲ تا ۲۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے اہل مکہ کا سامان تجارت بلسان، صنوبر، لوبان اور دیگر عطریات پر مشتمل تھا۔

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ، اسماعیل اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصران کی تجارتی سفر کی اولین منزل نظر آتا ہے۔ دو ہزار سال قبل مسیح قدامت پرست عرب کے اس قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا سامان ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔''

مسیحی مورخ ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:

''عرب ابتداء سے نہایت دلیر اور جہاز ران چلے آرہے ہیں۔ دور دراز ممالک کا سفر طے کرنے سے مطلق نہ گھبراتے۔ قدیم زمانہ میں دور دراز کا سفر طے کر کے مکہ آتے۔ جب اہل یورپ بڑی محنت اور مشقت کے بعد وسط افریقہ میں پہنچے تو دیکھا کہ عربوں کے تجارتی کاررواں پہلے سے وہاں موجود ہیں، عربوں کے لئے یہ سفر معمولی نوعیت کا تھا۔

عربوں نے اپنی حکومت کی ابتداء ہی میں ان دور افتادہ ممالک سے تجارتی تعلقات پیدا کر لئے، جہاں اہل یورپ کا خیال تک نہیں جاتا تھا۔ ان میں چین، روس کے بعض علاقے اور افریقہ وغیرہ کے نامعلوم علاقے شامل ہیں۔

اہل مکہ کا سامان تجارت

یہ انتہائی اہم اور تعجب انگیز سوال ہے کہ عرب کا ملک جو ایک بنجر اور بے آب و گیاہ زمین ہے وہاں تجارت کا سامان کہاں سے آتا ہوگا۔؟ وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی ہوگی اور عرب سوداگروں کا سرمایہ تجارت کیا کچھ ہوگا؟ اس سلسلہ کی مختلف تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارت کا مال عموماً تین اقسام پر مشتمل تھا:

ا۔ کھانے کا مصالحہ اور خوشبودار چیزیں (عطریات وغیرہ)

۱۔ سونا، چاندی جواہرات اور لوہا۔
۲۔ چمڑا، کھال، زین پوش اور بھیڑ بکریاں۔

چنانچہ حزقیل نبی کے ستائیسویں باب میں عرب کی تجارت کی تفصیلات اس طرح بیان کی گئی ہیں:

''دوان اور بادان، ازدال سے تیرے بازار میں آتے تھے۔ آبدار فولاد، تیز پات اور مصالحہ وہ تیرے بازار میں بیچتے تھے۔ دوان تیرا سوداگر تھا۔ سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا۔ عرب اور قیدار (بنو اسمٰعیل) کے روسا تیرے تاجر ہیں۔ وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ سباء اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے نفیس اور خوشبودار مصالحے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر (جواہرات) اور سونا تیرے بازار میں لاتے ہیں۔ حاران اور قانہ اور عدن سے سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے ہیں۔'' (تورات، باب ۲۷، آیت ۱۹ تا ۲۴)

مصالحہ یعنی لونگ، سیاہ مرچ، الائچی، ڈلی، دار چینی، ناریل اور املی وغیرہ جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتے تھے، گزشتہ تاریخی بیانات کے علاوہ آج تک یہ چیزیں انہی مقامات سے ساری دنیا میں جاتی ہیں اور اس دعویٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مصالحہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں۔ مثلاً: مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل اور قرنفل وغیرہ۔ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ ''ہندی'' کا لفظ نام کا جزو بن گیا ہے۔ مثلاً: عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی، چونکہ ہند کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جایا کرتی تھیں، اسی لئے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے۔ خوشبودار مسالحوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دار چینی، ہلدی وغیرہ سب داخل ہیں اور یہ سب اشیاء جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار اور آئینہ وغیرہ آرائشی سامان بھی عرب درآمد کرتے تھے۔

اگرچہ اہل مکہ کا پیشہ ہزار ہا برس سے تجارت ہی تھا، لیکن اسے قریش کے دور میں اور بھی زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ قرآن مجید نے خصوصیات کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی یہ احساس بھی جتا دیا کہ عالمگیر بدامنی اور لوٹ مار کے باوجود قریش کے قافلے مامون اور محفوظ تھے۔ یہ قافلے موسم سرما میں یمن اور گرما میں شام کا سفر کرتے اور ذیقعدہ میں مکہ مکرمہ میں آرام کرتے تھے۔

اسلام کے اوائل میں قریش کے بعض تجارتی قافلوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۲ ہجری میں نبی کریم ﷺ صحابہ کے ساتھ بواط کی جانب تشریف لے گئے۔ وہاں سے امیہ بن خلف کا قافلہ گزرا جس میں قریش کے ایک سو آدمی اور دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ (طبری، جلد ۱، عنوان جنگ بدر)

سریہ عبد اللہ بن جحش الاسدی کے موقعہ پر جس قافلہ سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تھا، اس کے سامان تجارت میں شراب، چمڑا اور کشمش کی بہت بڑی مقدار تھی۔ یہ سامان طائف سے لایا گیا تھا۔ (طبری، جلد ۱، عنوان جنگ بدر)

قریش کے جس قافلہ کو روکنے کی وجہ سے غزوۂ بدر ہوا تھا، وہ قافلہ ابو سفیان کی سربراہی میں ملک شام سے آرہا تھا، اس میں تیس، چالیس آدمی اور بہت بڑی تعداد میں مال تجارت تھا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان جنگ بدر)

مسیحی مورخ امیل درمنغم لکھتا ہے:

''قریش کے قافلے دو دو، تین تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے جن پر سونا چاندی، چمڑا، گھی اور دو دو، تین تین سو آدمی بھی ساتھ ہوتے تھے۔''

دور حاضر میں بھی مکہ کے لوگوں کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تجارت ہی ہے، مگر ذرائع مواصلات نے ماضی کی تمام مشکلات کو حل کر

دیا ہے۔ٹیلیفون کے ذریعہ اندرون و بیرون ملک سے مال خرید لیا جاتا ہے اور ایام حج میں نرخ تیز ہونے کے باوجود حجاج اس کثرت سے اشیاء خریدتے ہیں کہ اہل مکہ کی سال بھر کی روزی مہیا ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ مکانات کا کرایہ بھی ان کا ایک معقول ذریعہ آمدن ہے۔ تقریباً ہر آدمی مکان اور چھوٹے ہوٹل (ایک منزل پر اپنی رہائش اور باقی منزلیں کرائے پر) کا مالک ہے۔ایام حج میں ان کا کرایہ انتہائی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔پھر حج کے علاوہ عمرہ کرنے والے لوگ بھی سال بھر آتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 38:

اہل مکہ کی رہائش کا طریقہ......ایام جاہلیت میں اور عصر حاضر میں

عرب کے قدیم باشندے خیموں اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔سامی زبان میں عرب کے معنی دشت وصحرا میں رہنے والے بادیہ نشین ہے۔کچھ لوگ شہروں میں اور اکثر صحرا میں آباد تھے۔مسیحی مؤرخ جرجی زیدان بدوی اور حضروی معاشرت کا فرق اس طرح بیان کرتا ہے:

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اخیر قرن قبل مسیح تک بلکہ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں بھی رومانی حکام کے جور و ستم سے تنگ آ کر یہود عرب کے صحراؤں میں بھاگ آئے اور مکہ، مدینہ اور طائف میں سکونت اختیار کی۔اس اختلاط سے عربوں کی دو قسمیں بن گئیں۔ایک اہل بادیہ جو اپنی نیچرل سادہ زندگی پر قانع رہے، انہیں خانہ بدوش کہا گیا اور دوسری شہری گروہ جو مکہ، مدینہ اور طائف میں آباد ہوئے، انہیں حضری یعنی شہری کہا گیا۔''

(تاریخ تمدن عرب اسلامی، جرجی زیدان، جلد ۱، صفحہ ۱۵)

مؤرخ موصوف ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

''سامی زبان میں ''عرب'' کا معنی ''بدو'' ہے۔چنانچہ عرب کے لوگ بدو تھے۔خصوصاً شمالی عرب کے باشندے خیموں میں رہتے اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں سبزہ شادابی اور پانی ملتا وہاں چلے جاتے، کیونکہ ان کا معاش کا ذریعہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں، وہ لوگ نہ تو مکان بناتے اور نہ ہی تمدن اختیار کرتے تھے۔''

(العرب قبل الاسلام، جلد ۱، صفحہ ۱۵۴)

اہل مکہ عربی کلچر اور معاشرت کے اس قدر پابند تھے کہ ان کے نزدیک اسے چھوڑنا مذہبی ملی اور قومی تمدن کی صریح خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔علاوہ ازیں ان کے سامنے ''بیت اللہ'' بھی جلوہ فگن اور رونق افروز تھا۔اس کے قرب وجوار میں مکان بنانا اس کی بے حرمتی سمجھتے تھے۔اس لئے لوگ ندی نالوں کے کنارے رہتے۔دن حرم شریف میں بسر کرتے اور رات حدود حرم سے باہر اپنے خیموں اور جھونپڑیوں میں گزارتے تھے۔البتہ قریش کے زمانہ میں تمدنی ترقی میں بہت زیادہ پیش رفت ہوئی۔

قریش کے ترقی پذیر عہد میں مٹی گارے کے کچے اور پتھر کے سادہ مکانات تعمیر ہونے شروع ہوئے۔مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سعد بن عمرالسہمی نے مکان بنایا، یہ بھی چوکور نہیں تھا اور نہ ہی اس کی چھت ہموار تھی۔آج کل کے مکانات سے اس کی شکل بالکل مختلف تھی۔ اس طرح کا مربع شکل کا پہلا مکان حمید بن زہیر نے بنایا تھا۔جس پر قریش نے ان الفاظ میں اپنا ردعمل ظاہر کیا:

((ربع حمید بیتاً اما حیاةً واما موتاً))

''حمید نے مکان تو بنالیا ہے، اب دیکھئے یہ اس کی موت کا باعث بنتا ہے یا آبادی کا۔''

وہ لوگ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر مربع شکل اور چھت والا مکان بنانا کعبہ شریف کی توہین سمجھتے تھے، حالانکہ وہ برائے نام مکان تھے۔ ان میں نہ تو دروازہ ہوتا تھا اور نہ ہی وضع قطع مکان کی تھی۔ عرصہ دراز کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ نے سب سے پہلے اپنے مکان کا دروازہ بنایا۔ اس دور میں مکانات کے سامنے کھلے اور کشادہ صحن بنائے جاتے تھے، تاکہ حجاج اور زائرین آسانی سے قیام کر سکیں۔

قریش نے جب مکانات بنانا شروع کئے تو سب سے پہلے قومی فلاح و بہبود کی خاطر ''دارالندوہ'' تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر سے پہلے انہوں نے اپنے بادشاہ کا مکان بھی نہیں بنایا۔

سیدنا فاروق اعظم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کی حویلی کے دروازے نہ بنائے جائیں۔ ایک مرتبہ ہند بنت سہیل نے اپنی حویلی کا دروازہ بنانا چاہا تو امیر المومنین حضرت عمر سے اس کی اجازت طلب کی۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے اس درخواست کو مسترد کر دیا:

''کیا تم لوگ حج و عمرہ کرنے والوں پر اپنے دروازے بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔؟''

ہند نے عرض کی:

''اللہ کی قسم! ایسا فاسد خیال تو ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم تو حجاج کے سامان کو چوروں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے دروازہ بنانا چاہتے ہیں۔''

عرصہ دراز تک اسی نوعیت کے کچے اور سادہ مکانات اس شہر کا طرۂ امتیاز رہا، لیکن رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ آج مکہ کی بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں یورپ کے متمدن شہروں کی عمارات سے گوئے سبقت لے گئی ہیں۔ اس وقت مکانات بے حد مضبوط، عالیشان اور بلند و بالا ہیں۔ اکثر مکان نو دس منزلہ ہیں، کم از کم تین چار منزلیں ضرور ہوتی ہیں۔ جدید طرز کے مکانات کنکریٹ کے بلاکوں اور بجلی کے ذریعے پکائی گئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں اور چھت لینٹر کا ہوتا ہے جو لوہے، سیمنٹ اور کنکریٹ کی آمیزش سے بنایا جاتا ہے۔ عمارت کے درمیان میں سیڑھی (لفٹ) ہوتی ہے جو آخری منزل تک چلی جاتی ہے، دروازے لکڑی اور پلائی وڈ کے بنائے جاتے ہیں۔ کھڑکیاں، روشندان اور الماریاں لکڑی اور شیشے کی ہوتی ہیں۔ اس وقت اکثر مکان ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔

چونکہ شہر میں پانی کی سپلائی کا انتظام وسیع پیمانہ پر نہیں ہے، اس لئے لوگ مکان کی پہلی منزل میں ڈیوڑھی کے اندر زیر زمین ٹینکی بنا لیتے ہیں جسے موٹر گاڑی کے ذریعہ بھروا لیتے ہیں اور پھر بجلی کی موٹر کے ذریعہ آخری چھت پر رکھی ہوئی چھوٹی فولادی ٹینکیاں بھر لی جاتی ہیں۔ پھر ان ٹینکیوں سے پائپ کے ذریعہ ہر منزل میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔ زاہر، عسقلانی جعرانہ کے کنوؤں اور جدہ سے گاڑیوں کے ذریعہ پانی لایا جاتا ہے۔ جس طرح آئل ٹینکر ہوتے ہیں، اسی طرح کے ٹینکر وہاں پانی لاتے ہیں۔ جدہ میں سمندر کا پانی فلٹر کیا جاتا ہے اور وہی مکہ معظمہ میں سپلائی ہوتا ہے۔ نہر زبیدہ کا پانی بھی استعمال ہوتا ہے۔ شہر میں بجا بجا مخزن بنے ہوئے ہیں جہاں کافی مقدار میں ٹوٹیاں لگی ہوتی ہیں، جن سے سقے اور حجاج پانی بھرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں حجاج کو پانی قیمتاً خریدنا پڑتا تھا، چونکہ پانی کی سخت قلت ہوتی تھی، اس لئے حج کے قیام میں خاصا گراں فروخت ہوتا تھا، لیکن سعودی حکومت کی وجہ سے پانی کا انتظام بہت ہی عمدہ ہو گیا ہے۔

اس دور میں تمام مکانات فلش سسٹم ہیں، بڑے بڑے گٹروں کے ذریعے گندگی نشیبی علاقوں میں چلی جاتی ہے۔

سڑکوں اور بازاروں کی صفائی کا کام ۱۳۲۲ ہجری سے میونسپلٹی کا عملہ کر رہا ہے، جو تمام تر مسلمان ہے، عملہ وزارت داخلہ مقرر کرتی ہے۔ کوڑا کرکٹ ٹرکوں میں بھر کر شہر سے باہر ڈال دیا جاتا ہے، سڑکیں خوبصورت اور صاف ستھری ہیں، کہیں بھی غلاظت دکھائی نہیں

دیتی۔

ابن بطوطہ نے ۷۶۸ ہجری میں صفامروہ کے بازار کا تذکرہ اس طرح کیا تھا:

''اس جگہ بہت بڑا اور منظم بازار ہے۔ پورے شہر میں اس سے اچھا بازار نہیں ہے، یہاں غلہ، گوشت، کھجور، گھی اور پھل کی دکانیں ہیں۔ حج کے زمانہ میں سخت بھیڑ ہوتی ہے۔'' (سفرنامہ ابن بطوطہ،۲۰۵)

لیکن اس زمانہ میں صفامروہ کے درمیان بازار کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ اس جگہ صرف سعی کی جاتی ہے، البتہ صفا کے باہر دارارقم کی جگہ ایک سہ منزلہ بازار تھا جسے ۱۳۹۵ ہجری میں ختم کر دیا گیا۔ اس وقت سب سے بڑی مارکیٹ سوق اللیل میں ہے جہاں قدیم بازار کے علاوہ ایک سہ منزلہ جدید مارکیٹ بھی بنائی گئی ہے۔ جو سارے شہر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ حجاز کی تمام مطلوبہ اشیاء اس میں دستیاب ہیں۔ تھوک اور پرچون ہر طرح کی دکانیں ہیں۔ ہر قسم کا کپڑا، ریڈیو، کراکری، گھڑیاں، رومال، ٹوپیاں، تسبیحاں، جائے نماز، قالین، کیمرے، جوتے، کھلونے اور اشیاء خوردنی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

علامہ لبیب بتونی نے بھی اس بازار کی کچھ کیفیات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''سوق اللیل میں حجاج کی تمام ضروریات دستیاب ہیں، ایام حج میں سخت رش ہوتا ہے۔ بوجھ اٹھانے والے، لکڑیاں لانے والے، شتربان، خرکار، بہشتی اور مزدور بہت کثرت سے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔''

(الرحلۃ الحجازیہ:۶۲)

اگرچہ پہلے کی نسبت اس زمانہ میں بھیڑ بہت زیادہ ہوتی ہے، مگر شتربان، خرکار اور لکڑیاں لانے والے اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ اس وقت ٹیکسی گاڑیاں اس قدر عام ہیں کہ جہاں کسی نے جانا ہو یا تھوڑا بہت سامان لے جانا ہو تو مرسڈیز، مزدہ اور شورلائٹ جیسی گاڑیاں موجود ہیں اور لطف یہ کہ اندرون شہر بہت سستے داموں میسر آجاتی ہیں۔ مزدور زیادہ تر معلموں کے پاس ہوتے ہیں اور بازار میں خال خال نظر آتے ہیں۔ ٹریفک کنٹرول کے لئے مواصلاتی کیمرے جابجا نصب ہیں جو اپنے ہیڈ کوارٹر میں تصاویر پہنچاتے ہیں۔

الشیخ ابراہیم رفعت نے ۱۳۲۷ ہجری میں بازار کا نقشہ اس طرح بیان کیا تھا:

''مکہ مکرمہ کی آبادی تقریباً سات ہزار مکانات پر مشتمل ہے۔ ایام حج میں بیس لاکھ آدمی سما جاتے ہیں۔ بازاروں میں کل ۳۰۰۰ دکانیں ہیں۔ محلہ قرارہ میں بڑے بڑے مکانات ہیں، لیکن محلہ جیاد میں بہت زیادہ حسین وجمیل اور بلند و بالاتر طرز کے مکانات ہیں۔ کیونکہ اس کا محل وقوع بلند جگہ پر ہے۔''

باب نمبر 39:

اہل مکہ کا تعمیراتی نظام

قدیم زمانہ ہی سے مکہ میں فن تعمیر کے ماہرین کی بہتات تھی۔ اس فن میں کمال کسی ٹیکنیکل یونیورسٹی کی تعلیم کا مرہون منت نہیں تھا، بلکہ ان لوگوں کی خداداد صلاحیت اور عقل و دانش کا یہ کرشمہ تھا۔ مکہ کے جاہل معمار دنیا کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ انجینئروں سے زیادہ ماہر تھے۔ وہ سنگ تراشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ پتھروں کی بے نظیر عمارتیں بناتے جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ان کی بے مثال کاریگری کے نادر نمونے آج بھی موجود ہیں۔ ان کا تعمیراتی شعبہ حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا:

۱۔ رئیس:

ڈائریکٹر جنرل تعمیرات جس کے حکم کے مطابق ماتحت عملہ کام کرتا تھا۔ رئیس سمیت تمام عملہ صرف مکہ کے باشندوں پر مشتمل تھا۔

۲۔ معلم:

رئیس کی ہدایات کے مطابق تعمیر کا کام اپنے ہاتھوں کرتا اور عمارت کی کمزوری اور مضبوطی دریافت کرنے میں خاصا ماہر ہوتا تھا۔

۳۔ قراری:

یہ پتھر کی تراش خراش اور بنانے کا کام کرتا تھا۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر توڑ کر قراری کے سپرد کئے جاتے اور وہ انہیں تراش کر درست کرتا تھا۔

۴۔ قلاتی:

یہ قراری کے پاس پتھر پہنچانے پر مامور ہوتا تھا۔

۵۔ مروج:

تعمیر میں چھوٹے اور بڑے پتھروں کے درمیان خلاء پر کرنے کے لئے پتھروں کے ٹکڑے معلم کو دینا اس کا کام تھا۔

۶۔ خلاط:

یہ آدمی مٹی میں مناسب مقدار میں چونا ملا کر گوندھنے والا تھا۔

۷۔ طیان:

وہ مزدور جو معمار کو چونا گارا دیتا تھا۔

پتھر پہاڑوں سے توڑ کر گدھوں کے ذریعہ مکان کی جگہ لائے جاتے تھے۔ ایک گدھا چار یا پانچ پتھر اٹھا سکتا تھا۔ اسی طرح چونے کی بھٹیاں تنعیم کے قریب تھیں۔ وہاں سے گدھوں پر لاد کر لاتے تھے۔

پتھروں کے مکانات کے علاوہ جھونپڑوں کا عام رواج تھا۔ جو کھجور کی شاخوں اور بعض دوسرے درختوں کی لمبی ٹہنیوں سے قبہ نما بنائے جاتے تھے۔ ان کی وسعت چار میٹر تک ہوتی تھی۔ بعض حویلیوں میں مردوں اور عورتوں کے لیے کھانے پینے اور سونے کے لئے علیحدہ علیحدہ جھونپڑیاں ہوتی تھیں۔ اگرچہ ان کی چھت شاخوں اور چٹائیوں کی ہوتی تھی، مگر بارش کا پانی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ سوڈان، ہندوستان اور جاوا کے لوگ زیادہ تر جھونپڑوں میں رہتے تھے، لیکن ۱۳۷۰ ہجری کے بعد جھونپڑوں کا وجود ختم ہوگیا۔

مکہ کے بڑھئی لکڑی کے کام میں بہت زیادہ ماہر تھے۔ مکانات کی چھتیں اور کھڑکیاں نقش و نگار سے اس طرح مرصع کرتے تھے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ قصیدے اور اہم فیصلے چھت کے اندر لکڑی تراش کر عمدگی سے لکھتے تھے۔ حرم شریف کے چاروں طرف اکثر مکانات اس فنکاری کی منہ بولتی تصویر تھے، لیکن ۱۳۷۵ ہجری میں حرم کی توسیع کے باعث ان تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں بلند اور مضبوط ترین عمارتیں اہل مکہ کے ہاں ہی بنائی جاتی ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 40:

مکہ کا موسم

مکہ مکرمہ کا موسم اور ہوا کا رخ اکثر تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ آب و ہوا گرم وخشک ہے۔ مختلف مہینوں میں درجہ حرارت مختلف ہوتا ہے۔

جنوری میں کم از کم درجہ حرارت ۱۸ ڈگری سینٹی گریڈ (۴۔۶۴ فارن ہائیٹ)۔

فروری میں کم از کم ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۸ فارن ہائیٹ)۔

مارچ میں کم از کم ۲۳ ڈگری سینٹی گریڈ (۴۔۷۳ فارن ہائیٹ)۔

اپریل میں ۲۴ تا ۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۲۔۷۵ فارن ہائیٹ)۔

مئی میں ۲۷ تا ۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۔۸۰ فارن ہائیٹ)۔

جون اور جولائی میں کم از کم ۲۹ تا ۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۲۔۷۴ فارن ہائیٹ)

اگست میں ۳۰ تا ۴۵ ڈگری سینٹی گریڈ (۸۶ فارن ہائیٹ)

اکتوبر میں ۲۵ تا ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۷۷ فارن ہائیٹ)

نومبر میں ۲۴ تا ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ (۲۔۷۵ فارن ہائیٹ)

دسمبر میں ۲۰ تا ۳۵ ڈگری سینٹی گریڈ (۶۸ فارن ہائیٹ)

ہوائیں مختلف سمتوں سے چلتی رہتی ہیں، اگر ایک وقت میں شمالی ہوا چل رہی ہے تو دوسری ساعت میں مغربی اور تھوڑی دیر بعد جنوبی اور کچھ وقفہ بعد مشرقی ہوا شروع ہو جاتی ہے۔

مکہ میں ہوا اپنا رخ تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اہالیان مکہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر قسم کی ہوائیں پیدا کی ہیں، ۶۹ صرف مکہ کے لئے اور ایک پوری دنیا کے لئے۔ ہوا پہاڑوں میں بل کھاتے ہوئے اس طرح چلتی ہے جیسے پانی کی سطح پر بھنور ہوتا ہے۔ اسی لئے لوگوں نے مکانات کے اوپر منافذ (روشندان) بنا رکھے ہیں، جن سے ہر رخ کی ہوا داخل ہوتی رہتی ہے۔

سب سے عمدہ ہوا مغربی سمت کی ہوتی ہے، کیونکہ مغرب میں سمندر واقع ہے جس سے مرطوب اور خوش کن ہوا آتی ہے۔ اس کے بعد شام کی جانب سے آنے والی ہوا بھی خوشگوار ہوتی ہے، جسے شمالی ہوا کہا جاتا ہے، لیکن مشرقی اور جنوبی ہوائیں گرم ہوتی ہیں۔

شہر مکہ خشک پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، جن کی بلندی ۲۰۰ فٹ سے ۶۰۰ فٹ تک ہے، اور پہاڑ قدرتی شہر پناہ کا کام بھی دیتے ہیں۔ سطح سمندر سے ۳۳۰ میٹر بلند ہے۔ بعض اوقات آب و ہوا سردیوں میں ۳۵ ڈگری سینٹی گریڈ اور گرمیوں میں ۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے، یعنی سردیوں میں معمولی سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوسط درجہ حرارت ۲۵ ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ مکہ میں دن رات اکثر برابر ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹہ کا فرق ہوتا ہے۔

☆☆☆

نمبر 41:

اہل مکہ کا مالیاتی نظام اور کرنسی......عہد جاہلیت اور عصر حاضر میں

حکومت اور اہل مکہ کی آمدنی کے متعدد ذرائع تھے۔ عہد جاہلیت جرہم اور قطورہ کے دو قبائل نے جب مکہ میں وفاقی حکومت قائم کی تو انہوں نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا۔ جس حصہ سے کوئی تاجر شہر میں داخل ہوتا اسی حصہ کے قبیلہ کو وہ عشر ادا کرتا تھا، لیکن قصی نے اپنے عہد حکومت میں اس تقسیم کو ختم کر دیا اور مطلق العنان حکمران بن گیا۔

محصول یا عشر کا یہ طریقہ زمانہ تاریخ سے پہلے بھی عمالقہ کے ہاں رائج تھا اور یہی سب سے بڑا ذریعہ آمدن تھا۔ البتہ مکہ کے باشندے اس سے مستثنٰی تھے۔ اسلام کے بعد بھی حجاج اور تجار پر کئی مرتبہ ٹیکس لگایا گیا اور ترک بھی کیا جاتا رہا۔ سعودی حکومت بھی تنازل وصول کرتی ہے۔

قصی نے ایک اور فنڈ (رفادہ) بھی قائم کیا تھا، اس نے اپنی قوم کو ترغیب دی کہ حجاج کی خدمت اور ضیافت ہمارا فرض ہے لہٰذا تمام اہل مکہ اپنی آمدنی سے سالانہ کچھ رقم اس فنڈ میں جمع کریں، تا کہ حج کے ایام میں غریب حجاج کا تعاون کیا جائے اور ''بلدیہ'' کی طرف سے ان کی ضیافت بھی ہوتی رہے، گویا کہ یہ ایک سالانہ محصول تھا۔

عرب میں عام دستور تھا کہ رؤسا اور امراء بڑی عالی شان ضیافتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے، لیکن اہل مکہ سب مل کر ان مصارف کا بوجھ برداشت کرتے تھے اور جو رقم بچ جاتی تھی وہ حاکم وقت کے خزانہ کو معمور کرتی تھی۔

علاوہ ازیں جاہلیت میں کوئی اجنبی زائر یا مسافر مکہ میں فوت ہوجاتا تو اس کا مال بھی حاکم وقت کو دے دیا جاتا تھا۔ آمدن کا ایک انفرادی ذریعہ یہ بھی تھا کہ باہر کے لوگ جب طواف بیت اللہ کیلئے آتے تو وہ اہل مکہ سے کرایہ پر لباس حاصل کرتے تھے، اگر کسی وجہ سے لباس میسر نہ ہوتا تو پھر اپنے غیر مقدس اور گناہ آلودہ لباس کو اتار کر مرد اور عورتیں سب کامل برہنگی کی حالت میں طواف کرتے تھے۔ اس طرح اہل مکہ کے لئے یہ بھی ایک معقول ذریعہ آمدن بن گیا تھا۔

حجاج کرایہ کے مکان میں نہیں بلکہ بطور مہمان کسی کے گھر ٹھہرتے تھے۔ اگرچہ یہ کرایہ کے بوجھ سے سبکدوش تھے، مگر مہمان نوازی کی مدارت کیلئے وہ کپڑوں کا جوڑا، قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔

آج کل اہل مکہ کی آمدن کے تین انتہائی معقول ذرائع ہیں:

حج۔ کرایہ مکان۔ تجارت۔

ان سے صرف حج کے زمانہ میں اس قدر آمدنی ہوجاتی ہے جو انہیں سال بھر کیلئے کفایت کرتی ہے، بلکہ اس آمدنی سے اہل مکہ کی معیشت انتہائی مستحکم ہوگئی ہے۔

مکہ صوبہ حجاز کا دار الخلافہ ہے اور صوبہ حجاز بشمول دیگر صوبہ جات کے ایک مستقل ملک بنتا ہے۔ اس بنا پر یہاں سکہ ہر دور میں الگ رائج رہا۔ خواہ اس حکومت کی حدود مصر تک پھیلی ہوئی ہوں یا اسکا دائرہ اثر تنگ وسیع ہو۔ آج کل سعودی حکومت کا سکہ ریال کہتے ہیں۔ جس کا کرنسی نوٹ کاغذ کی شکل میں ہے۔ ۱، ۵، ۱۰، ۵۰ اور ۱۰۰ ریال۔ جب کہ ایک ریال ۲۰ قرش کا اور قرش ۲۵، ۵۰ ہلا کا ہوتا ہے۔ ہلا پاکستان کے ٹیڈی پیسے کے برابر سمجھ لیں۔

چونکہ مکہ مکرمہ میں دنیا کے بیشتر ممالک سے مسلمان فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں جن کے پاس اپنے ممالک کی مختلف الانواع کرنسی ہوتی ہے جسے ریال میں تبدیل کرنے کے لئے بینک اور صراف سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔صراف ایسے دکاندار ہوتے ہیں جو صرف کرنسی تبدیل کرنے کا کاروبار کرتے ہیں اور مختلف اوقات میں مختلف سکوں کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں رچرڈ ایچ سینگر نے لکھا تھا:

''سعودی ریال چاندی کا ہوتا ہے اور انگلستان، امریکہ اور میکسیکو کی ٹکسالوں میں تبدیل ہوتا ہے۔''

باب نمبر 42:

اہل مکہ کی زبان

مکہ مشرفہ کے یوم تاسیس سے آج تک وہاں عربی زبان بولی جاتی ہے۔جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ اس سنسان بیابان میں فروکش ہوئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد قبیلہ بنوجرہم پانی کی جستجو میں وہاں آکر آباد ہوگیا۔سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی، جب کہ جرہم عربی بولتے تھے۔ان کے اختلاط سے آپ نے بھی عربی سیکھ لی اور پھر عربی اس مقدس شہر کی اصل زبان قرار پائی اور اسے ایسی پذیرائی نصیب ہوئی کہ رب کائنات نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید کو بھی اسی زبان میں نازل فرمایا، اور امام المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کی محبوب زبان بھی یہی تھی۔

سیدنا اسماعیل اور ان کے بعد بنو اسماعیل قرب وجوار کے تمام ممالک کی مروجہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے اور بغیر کسی ترجمان کے گفت وشنید کرتے تھے، کیونکہ ان سے نسلی تعلق کے علاوہ تجارتی روابط بھی تھے۔

چنانچہ مسیحی مؤرخ جرجی زیدان لکھتا ہے:

''بنو اسماعیل قربت وطن کے باعث گرد وپیش کے تمام متمدن بلاد کی زبان جانتے تھے۔مثلاً سامی جو اس زمانہ میں تلفظ اور معنی میں عربی سے ملتی جلتی تھی۔کلدانی، اشوری، عبرانی، حبشی اور فینیقی وغیرہ زبانوں میں انہیں گفتگو کرنے میں کسی ترجمان کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔''

فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے عربی نے دنیا میں ایسا قابل رشک مقام حاصل کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور پھر شہری باشندوں کی نسبت دیہاتی لوگوں کی زبان بہت زیادہ فصیح اور خالص ہوتی تھی۔اسی وجہ سے زمانہ قدیم کے امراء اور رؤساء اپنے شیر خوار بچوں کی پرورش کا انتظام دیہات میں کرتے تھے، تاکہ زبان پر پوری طرح عبور حاصل ہوسکے۔اسی دستور کے مطابق آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ نے بھی بچپن سیدہ حلیمہ کے ہاں شہر سے بہت دور دیہات میں بسر فرمایا تھا۔

چونکہ شہر مختلف زبان بولنے والے لوگوں کی آمد ورفت کا مرکز ہوتا ہے، اس لئے ان کی زبان خلط ملط ہوجاتی ہے۔یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے لوگ عربی النسل اور عربی اللسان ہونے کے باوجود آج دنیا کی مختلف زبانوں کا اثر قبول کر چکے ہیں، عام لوگوں کی بول چال اور گفتگو میں بکثرت ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو عربی لغت اور قواعد کے بالکل خلاف ہیں۔

عصر حاضر میں عربی دو اقسام پر مشتمل ہے ''فصیحہ'' اور ''عامیہ'' فصیحہ انتہائی فصیح وبلیغ زبان ہے، یہی سرکاری زبان ہے۔اسکولوں، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور تصنیفات وتالیفات میں اسی کا استعمال ہوتا ہے۔''عامیہ'' یہ عامہ لوگوں کی زبان ہے۔

الشیخ لبیب بتونی لکھتے ہیں:

''حج کے موقع پر ساری دنیا کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں اور زبان مختلف ہونے کی وجہ سے عربی لوگوں کی گفتگو میں زبردست تغیر آ گیا ہے۔''

مذکورہ اغلاط تو کچھ زمانہ پہلے پائی جاتی تھیں مگر آج کل جو زبان بولی جا رہی ہے وہ بھی عربی قواعد سے بے حد مختلف ہے اور نہ جانے کن ممالک کی زبانوں سے اخذ شدہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں۔

نمبر 43:

اہل مکہ کا مذہب

مکہ معظمہ میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعلیمات کی تبلیغ کی جاتی تھی اور لوگ اس پر عمل پیرا بھی تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ دین حنیف سے روگردانی کر کے یہودیت، مسیحیت، اجسام پرستی، کواکب پرستی، ارواح پرستی اور بت پرستی کے خوگر ہو گئے۔ آفتاب اسلام طلوع ہونے سے پہلے کعبہ شریف کا فرش، چھت، دیواریں، غرض اندر اور باہر بت ہی بت نظر آتے تھے۔ گویا کہ بڑے بڑے بت خانوں کی طرح یہ بھی ایک بت کدہ بن چکا تھا۔ مکہ معظمہ میں بت پرستی کا بیج عمرو بن لحی نے بویا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد امام الانبیاء ﷺ نے نہ صرف کعبہ شریف کو بلکہ پورے شہر کو بتوں کی نحوست سے پاک کر دیا اور اب چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے کہ وہاں کے تمام باشندے صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ کوئی غیر مسلم اس طرف بھٹک بھی نہیں سکتا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے باعث اہل مکہ نہایت راسخ العقیدہ اور مضبوط ایمان والے لوگ ہیں۔ شرک تو کجا بدعات تک سے سخت متنفر ہیں۔

مسلمانوں کے چار بڑے فقہی مسالک ہیں (ان کے عقائد میں کوئی فرق نہیں فقط مسائل میں اختلاف ہے):

مسلک حنفی۔ مسلک شافعی۔ مسلک حنبلی۔ مسلک مالکی۔

سب اہل سنت ہیں اور سب ہی راہ راست پر ہیں، ان میں کوئی بھی بدعقیدہ نہیں ہے۔ آج کل مکہ مکرمہ میں فقہی مسلک حنبلی زیادہ رائج ہے اسی لیے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے آئمہ اور خطباء بھی مسلک حنبلی سے تعلق رکھتے ہیں اور پوری دنیا کے مسلمان ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں۔

نمبر 44:

اہل مکہ اور تعلیم

زمانہ میں پوری دنیا کی طرح مکہ شریف میں اہل علم حضرات کی تعداد بہت کم تھی، لیکن اسلام کے بعد اس میں بتدریج ترقی ہوئی۔ اس وقت دینی علوم و فنون کے ساتھ جدید عسکری تعلیم کا بھی انتہائی معقول انتظام ہے۔ مکہ معظمہ میں نہ صرف تعلیم مفت ہے، بلکہ طالبات کو کتابیں اور خوراک بھی مفت مہیا کی جاتی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس موضوع کو پوری شرح و بسط کے ساتھ ایک علیحدہ باب میں بیان کریں گے۔

☆☆☆

باب نمبر 45:

اہل مکہ کا لباس

عرب قدماء کے رواج کے مطابق آج تک عربوں کا لباس ڈھیلا ڈھالا، لمبا، باعزت اور باوقار ہے۔ تنگ و چشت نہیں ہے۔ البتہ کپڑے کی اقسام، ارزانی و گرانی اور رنگ وغیرہ زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مؤرخین نے مختلف اوقات میں کئی رنگوں کے لباس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ۷۲۶ ہجری میں حسب ذیل نوعیت کا لباس بیان کیا ہے:

''اہل مکہ نہایت خوش پوش ہوتے ہیں۔ سفید لباس سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ ہمیشہ سفید لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سرمہ، خوشبو اور مسواک کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں۔'' (سفر نامہ ابن بطوطہ، صفحہ ۲۱۳)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا نے ۱۳۲۷ ہجری میں لباس کی تفصیلات اسی طرح بیان کی ہیں:

''اہل مکہ لباس اور خوراک میں بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ لباس میں سبز، سرخ، گلابی اور زرد رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ گھروں میں آرائش و زیبائش کی بیش بہا قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ عورتیں جب بازار جاتی ہیں تو موٹے کپڑے کا برقع جس میں آنکھوں کے سامنے دو دائرے بنے ہوتے ہیں، پہن کر جاتی ہیں۔ پاؤں میں پورا جوتا ہوتا ہے۔ اکثر زرد رنگ کا جوتا پہنتی ہیں۔'' (مراۃ الحرمین: ۲۰۳ تا ۲۰۵)

لیکن اس زمانہ میں مرد اکثر سفید لباس پہنتے ہیں۔ کرتہ جسے توپ کہتے ہیں، ٹخنوں تک لمبا ہوتا ہے۔ اس کے نیچے پورا پاجامہ یا چھوٹا پاجامہ پہنتے ہیں۔ پاؤں میں بوٹ، چپل اور ہوائی چپل استعمال کرتے ہیں اور سر پر دھاگے کی بنی ہوئی ٹوپی یا رومال ہوتا ہے۔

کرتہ عموماً کے ٹی، ہائی صافی اور بوسکی وغیرہ کا ہوتا ہے۔ پاجامہ دھاری دار یا رنگدار ہوتا ہے۔ رومال زیادہ تر سفید استعمال کرتے ہیں جب کہ سبز اور سرخ بھی استعمال ہوتا ہے۔ رومال سر پر باندھنے کی بجائے سہ کونہ سا بنا کر ڈال لیا جاتا ہے، اور بعض آدمی بالخصوص معززین رومال پر سیاہ دھاگے یا سنہری تار سے بنا ہوا کڑا بھی پہنتے ہیں۔

رؤسا، امراء، علماء، فضلاء اور معززین چغہ بھی پہنتے ہیں، جو عموماً زرد، سیاہ، سبز اور کئی دوسرے رنگوں میں ہوتا ہے۔ عورتیں بھی توپ یعنی لمبی قمیض، پاجامہ اور دوپٹہ پہنتی ہیں۔ ان کا لباس زیادہ تر پرنٹ اور بہت قیمتی ہوتی ہے۔ پاؤں میں بوٹ یا چپل ہوتی ہے۔ بازار یا حرم شریف جاتے وقت برقع اوڑھ کر جاتی ہیں۔ جو عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ آج کل قدیم طرز کے مطابق آنکھوں کے سامنے دو دائرے بھی ہوتے ہیں اور جدید طرز کا قدرے باریک کپڑے کا نقاب بھی ہوتا ہے۔ عرب خواتین بازار میں بہت کم جاتی ہیں۔ خرید و فروخت مرد ہی کرتے ہیں، مرد اور عورتیں اکثر جرابیں بھی پہنتے ہیں۔

جدید طرہائے زندگی سے متاثر ہو کر اب اہل مکہ بھی جدید ترین فیشن والا فرنگی لباس پہننے لگ گئے ہیں۔

چونکہ مکہ معظمہ میں سردی نہیں ہوتی اس لئے موسم سرما اور گرما کا لباس تقریباً ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسرے ممالک کے لوگوں کو دیکھ کر اب وہاں بھی نوجوان ننگے سر نظر آتے ہیں۔ جب کہ کچھ عرصہ قبل تک مرد ننگے سر بازار جانا عیب سمجھتے تھے۔

اہل عرب نفاست اور صفائی کے بے حد خوگر ہیں۔ لباس، بستر، برتن، مکانات اور ہر چیز صاف ستھری رکھتے ہیں۔ گھروں، دکانوں اور موٹر گاڑیوں میں ٹائلٹ پیپر صفائی کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ مسواک اس کثرت سے کرتے ہیں کہ بازاروں میں چلتے پھرتے، دکان پر بیٹھے حتیٰ کہ جب نماز کی جماعت ہونے لگتی ہے تب بھی عربی لوگ مسواک کی سنت ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

ابن بطوطہ اہالیان مکہ کے اوصاف اور عادات اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اہل مکہ کے افعال جمیلہ، مکارم عظیمہ اور اخلاق کریمانہ بے حد قابل تعریف ہیں۔غرباء، مساکین، تارک الدنیا لوگوں اور ہمسایہ کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کرتے ہیں۔ جب کوئی آدمی دعوت ولیمہ کرتا ہے تو غرباء کو بڑی عزت واحترام، رفق و ہمدردی اور حسن اخلاق سے کھانا کھلاتے ہیں۔اسی طرح چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ بے حد رحم دلی اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ یہ بچے چھوٹی اور بڑی ٹوکریاں لے کر بازار میں بیٹھ جاتے ہیں۔لوگ بازار سے غلہ، گوشت، سبزی اور دوسری چیزیں خرید کر ان بچوں کے سپرد کر کے خود طواف کرنے یا کسی دوسرے کام کو چلے جاتے ہیں اور بچے بڑی دیانتداری اور حفاظت سے سامان ان کے گھر پہنچا دیتے ہیں اور گھر والے انہیں انعام واکرام سے نوازتے ہیں۔''(ابن بطوطہ:۲۰۲)

دنیا بھر کے لوگ جب فریضہ حج کی ادائیگی سے وطن لوٹتے ہیں تو اہل مکہ کی سنگدلی، بداخلاقی اور ترش روی کا شکوہ کرتے ہیں، حالانکہ ہمیں زیبا نہیں کہ جن لوگوں کو اللہ کریم نے اپنے مقدس گھر کا پڑوسی ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا ہے، ان کی عیب چینی کریں اور ان کے حق میں زبان طعن دراز کریں۔علاوہ ازیں نبی امی سید العرب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''میں عربی ہوں اور تم عربوں کو ہرگز برا نہ کہنا۔''

حجاج کی شکایت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس وقت مکہ میں عربی النسل لوگ بہت کم رہ گئے ہیں، اکثریت ان لوگوں کی ہے جو دوسرے ممالک کے باشندے ہیں اور ایک دو پشت یا زیادہ عرصہ سے مکہ میں مقیم ہیں۔ان لوگوں کے اخلاق اور اصل عربی لوگوں کے اخلاق میں بہت بڑا فرق ہے، اور حجاج کو اکثر انہی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔بہر حال ان کی عیب چینی سے گریز کرنا انتہائی ضروری ہے۔

☆☆☆

حصہ چہارم:

مسجد حرام کی تعمیر، توسیع، مرمت و ترقی ......دور سیدنا آدم سے موجودہ دور تک

باب نمبر 1:

کعبۃ اللہ کتنی مرتبہ تعمیر ہوا

چند پتھروں کی چنی ہوئی اس سادہ سی عمارت کی چھت کو اللہ کے جلال وقدوسیت نے اپنا نشیمن بنایا اور اسے ایسا لازوال دوام بخشا کہ ہزار ہا برس کے حوادثات وانقلابات اس کی قبولیت اور صداقت پر دھبہ نہ لگا سکے۔ مزید برآں اس چار دیوار کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا کہ چار ہزار برس کے دوران انقلابات ارضی وسماوی نے سمندروں کو جنگل اور شہروں کو سمندروں میں تبدیل کر دیا، لیکن آج تک اس مقدس گھر کی بنیادوں کو کوئی حادثہ متاثر نہ کر سکا اور نہ ہی کوئی صداقت انہیں نقصان پہنچا سکی۔ تاریخ اس بات پر نازاں ہے کہ اس سرزمین کی مقدس ومحترم خاک آج تک غیر مسلم اقوام کے حملہ سے محفوظ ومامون ہے۔ روئے زمین پر اس سے زیادہ قدیم اور کہنہ عمارت اور کوئی نہیں ہے اور رب ذوالجلال کی شان پر سو جان سے قربان جائیں کہ اس انتہائی سادہ سی عمارت کو چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں صرف چند بار بنانے اور تعمیر کرنے کی نوبت آئی ہے۔

جس کی تفصیلات محدثین اور مؤرخین نے پوری شرح وبسط سے ارقام فرمائی ہے۔ بعض روایات میں پانچ مرتبہ، بعض میں دس اور بعض میں گیارہ بار تعمیر کرنے کا ذکر آتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

امام سہیلی نے پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔

1: تعمیر شیث علیہ السلام۔ 2: تعمیر ابراہیم علیہ السلام۔
3: تعمیر قریش قبل از اسلام۔ 4: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔
5: خلیفہ عبدالملک بن مروان۔

(روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۲۷)

جمہور علماء کرام کے نزدیک تعمیر اول ملائکہ یا آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ شیث علیہ السلام نے ان کے بعد تعمیر کیا ہے۔
علماء کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو درج ذیل ادوار میں تعمیر کیا گیا۔

1: عہد ملائکہ (قبل از پیدائش آدم)۔ 2: عہد آدم علیہ السلام۔
3: عہد ابراہیم علیہ السلام۔ 4: عہد جرہم۔
5: عہد عمالقہ۔ 6: عہد قریش علیہ السلام۔
7: عہد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ 8: عہد حجاج بن یوسف۔
9: سلطان مراد خان ترکی۔ 10: شاہ فیصل۔

روح المعانی پارہ ۱۷ میں بھی پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے، لیکن علماء اور مورخین کے نزدیک جو روایت زیادہ قابل اعتماد ہے اس میں

تبہ کا ذکر ہے:

۱۔ ملائکہ۔
۲۔ حضرت آدم۔
۳۔ حضرت شیث۔
۴۔ حضرت ابراہیم۔
۵۔ بنی جرہم۔
۶۔ بنی عمالقہ۔
۷۔ قصی بن کلاب۔
۸۔ قریش۔
۹۔ عبداللہ بن زبیر۔
۱۰۔ حجاج بن یوسف۔

(اخبار مکہ)(تفسیر کبیر، جلد ا، صفحہ ۴۷۴)(تاریخ کعبہ، صفحہ ۳۹)

۱۱۔ سلطان مراد خان عثمانی۔

امام تقی الدین فاسی نے بھی دس ہی کا ذکر کیا ہے۔ جسے ایک منظور کلام میں پیش کرتے ہیں:

بنی الكعبة الغراء عشر ذكر تهم
ورتبتهم هسبالذى اخبر الثقة
ملائكة الرحمن، آدم، ابنه
كذالك خليل الرحمن ثم عمالقه
وجرهم، يتلوهم قصى، قريشهم
كذا ابن زبير ثم حجاج لاحقه

بعض شعراء نے اس کے متعلق اشعار لکھے ہیں:

بنى الكعبة الغراء عشر ذكرتهم — ورتبتهم حسب الذى اخبر الثقه
ملائكة الرحمن، آدم، ابنه — كذا خليل الله ثم الحمالقه
جرهم يتلوهم قصى فريشهم — كذا ابن الزبير ثم حجاج لاحقه
ومن بعدهم من آل عثمان قد بنى — مراد حماه من كل طارقه

نمبر 2:

تعمیر ملائکہ علیہم السلام

علامہ عماد الدین ابن کثیر علیہ الرحمۃ "قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها" کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

"زمین مکہ معظمہ کی سرزمین سے پھیلائی گئی ہے اور بیت اللہ کا سب سے پہلے ملائکہ نے طواف کیا تھا اور فرمان باری تعالیٰ: "انی جاعل فی الارض خلیفة" میں ارض سے مراد مکہ معظمہ ہی ہے۔" (تفسیر ابن کثیر، جلد ا، صفحہ ۷۰)

امام بغوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا اور زمین میں رہنے والے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا طواف کرنے اور حج کرنے کا حکم دیا تھا۔'' (مراۃ المفاتیح، جلد ۵، صفحہ ۲۶۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعبہ شریف زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب زمین پیدا ہی نہیں ہوئی تھی تو کعبہ شریف کی پیدائش کیسے عمل میں آئی جب کہ یہ بھی تو زمین پر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے اس پر دو فرشتے مقرر فرما رکھے تھے جو دو ہزار سال سے دن رات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کر رہے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمانا چاہا تو کعبہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا اور کعبہ شریف زمین کے عین وسط میں واقع ہے اور یہی قول حضرت مجاہد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ المشرفہ کو زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا، اور پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلا دی۔

سیدنا امام باقر علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ علی زین العابدین بن حسین بن امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے ایک آدمی نے تفسار کیا کہ بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ جل جلالہ نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((انی جاعل فی الارض خلیفة))

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' (سورہ بقرہ)

تو ملائکہ نے عرض کی:

((اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفك الدماء و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك))

(سورہ بقرہ)

''نئی جنس سے بننے والا خلیفہ زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی کرے گا، یا اللہ! ہم تیری حمد و ثناء کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((انی اعلم ما لا تعلمون))

''جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔'' (سورہ بقرہ)

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر ملائکہ کو گمان ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو جائے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے عرش عظیم کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے، جس کے باعث اللہ جل شانہ کی خصوصی رحمت نے ان پر نزول رحمت فرمایا اور عرش کے نیچے حسن و جمال میں عدیم النظیر ایک گھر رکھا جو زبرجد کے چار ستونوں پر قائم تھا اور یہ گھر بیت المعمور تھا، جس کے گرد طواف کرنے کا حکم بارگاہ خداوندی سے ملائکہ کو ہوا، اور عرش کی نسبت اس کا طواف سہل اور آسان تھا۔ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے ہر روز داخل ہوتے ہیں، جسے ایک دفعہ داخل ہونا نصیب ہو گیا قیامت تک پھر اس کی باری نہیں آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اس گھر یعنی بیت المعمور کی مانند میرا ایک گھر بناؤ تاکہ جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر میرے بندے اس گھر کا طواف کریں اور جس طرح میں بیت المعمور کا طواف کرنے والے فرشتوں سے راضی ہو گیا ہوں، اسی طرح بیت اللہ کا طواف کرنے والے بندگان خدا سے راضی ہو جاؤں۔

چنانچہ ملائکہ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اور بیت اللہ تعمیر کرنے کے بعد اس کا طواف کیا اور اس عمارت کا نام "الضراح" رکھا اور فرشتوں نے اس کا حج بھی کیا۔ (قرطبی، جلد۲، صفحہ۱۲۰) (اخبار مکہ، صفحہ۵)

باب نمبر 3:

تعمیر سیدنا آدم علیہ السلام

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے جب سیدنا آدم علیہ السلام کو آسمان سے اتارا تو آپ کا نزول سرزمین ہند میں ہوا۔ آپ تنہائی کے باعث غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ طبیعت میں قرار و سکون نہیں تھا۔ اللہ کریم نے ان کے اضطراب اور بے چینی کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ آپ مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں تشریف لے جائیں۔ وہاں آپ کی طمانیت قلبی کا سامان موجود ہے۔ وہاں میرا ایک گھر ہے، آپ اس کا طواف اس طرح کریں جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے، نماز اسی طرح پڑھیں جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمان سے سرخ یاقوت کا ایک خیمہ اتارا، جسے بیت اللہ شریف کی جگہ نصب فرما کر اپنا گھر قرار دیا۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام کا یہاں ورود مسعود ہوا تو بیت اللہ کے دیدار سے حزن و ملال کافور ہو گیا۔ اضطراب و قلق تسکین و طمانیت میں تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مناسک حج ادا کیے۔ بعد ازاں ہند سے پاپیادہ چل کر چالیس مرتبہ حج ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ نے اس یاقوتی خیمہ کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اسے غرق آبی سے محفوظ و مامون فرما دیا۔ یہ سرخ یاقوت کا خیمہ درحقیقت بیت المعمور تھا۔ جس کے شرقاً غرباً دو دروازے دل کو موہ لینے والے سبز زمرد کے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے اتارا تھا۔ طوفان نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے چوتھے آسمان پر اٹھالیا اور وہاں ملائکہ کا قبلہ قرار دے دیا گیا۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں، مگر جو ایک دفعہ اس میں داخل ہوا، دوبارہ قیامت تک اسے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی اور یہ کعبہ شریف کے بالکل محاذات میں واقع ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد۱، صفحہ۴۷۴) (تفسیر کشاف، جلد۱، صفحہ۲۳۳) (مصنف عبدالرزاق، جلد۵، صفحہ۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام مناسک حج سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"جس طرح حج کرنے سے ہم نے آپ کی لغزش معاف کر دی ہے، اسی طرح آپ کی اولاد میں سے بھی جو شخص اس گھر کا حج کرے گا اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔" (اخبار مکہ، صفحہ۱۳)

امام بیہقی علیہ الرحمۃ دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ حوا کو ساتھ لے کر میرا گھر تعمیر کریں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں کعبہ شریف کی جگہ بتا دی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھودنا شروع کیا اور سیدہ حوا مٹی نکالتی جاتی تھیں۔ بنیادوں کو پانی تک گہرا کھودا گیا۔ پھر ان پر تعمیر فرمائی۔ جب کعبہ شریف تیار ہو گیا تو اس کا طواف کرنے کا حکم ملا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوع انسانی کیلئے آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ پھر یہ گھر نوح علیہ السلام کے زمانہ تک محفوظ و مامون رہا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کا حج کیا۔"

(عمدۃ القاری، جلد۹، صفحہ۲۱۶)

امام ازرقی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے کعبہ شریف کی بنیادیں رکھیں اوراس میں نماز ادافرمائی تھی۔(اخبار مکہ،صفحہ۱۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ ملائکہ کی پاکیزہ باتیں سننے سے محروم ہو گئے۔دل مغموم اور اداس ہو گیا۔آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

''بارالہا! میں اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔''

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

''آپ مکہ معظمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اوراس کے پاس نماز پڑھیں۔جس طرح فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے اوراس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔''

چنانچہ سیدنا آدم علیہ السلام حضرت جبرائیل امین کی رہنمائی میں مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں جبرائیل علیہ السلام نے پر مار کر کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں جو انتہائی گہری تھیں۔پھر فرشتے پانچ مختلف پہاڑوں سے بڑی بڑی وزنی چٹانیں لائے۔جن میں سے ایک چٹان تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔حسب ذیل پہاڑوں سے فرشتے چٹانیں لائے تھے:

جبل لبنان۔ جبل طور۔ جبل زیتاء۔ جبل جودی۔ جبل حرا۔

بعد میں امتداد زمانہ اور حوادثات کے باعث وہ عمارت بنیادوں سمیت منہدم ہو گئی اوراس کے نشانات بھی مٹ گئے۔

(مصنف عبدالرزاق،جلد۵،صفحہ۹۲)(قرطبی،جلد۲،صفحہ۲۱)

یہ روایت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کعبہ شریف ملائکہ نے سب سے پہلے تعمیر کیا تھا جس کی بنیاد جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منکشف کر دی تھی۔

حضرت کعب کی روایت میں کعبہ شریف کے متعلق مذکورہ روایات کے برعکس واقعات سامنے آتے ہیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت کعب سے بیت اللہ شریف کی اصلیت اور حقیقت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ یاقوت کا بنا ہوا یہ گھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ساتھ آسمان سے اتارا تھا اور آپ کو حکم دیا کہ اس کا اسی طرح طواف کریں جس طرح فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے اور انہیں کی مانند اس کے پاس نمازیں پڑھیں اوراس کے ساتھ ہی فرشتوں کا نزول بھی ہوا جنہوں نے پتھروں سے بنیادیں چنیں اور ان پر یہ یاقوتی گھر نصب کر دیا۔پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کیا تو اس یاقوتی خیمہ کو آسمان پر اٹھا لیا اور بنیادیں زمین میں رہ گئیں۔(تفسیر کبیر،جلد۱،صفحہ۴۷۴)(عمدۃ القاری،جلد۹،صفحہ۲۱۶)(مصنف عبدالرزاق،جلد۵،صفحہ۹۲)

امام ازرقی نقل فرماتے ہیں کہ وہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا۔اس میں جنت ہی کی تین سنہری قندیلیں روشن تھیں،اور اس کے ساتھ حجر اسود بھی نازل ہوا تھا،جو انتہائی سفید جنت کا یاقوت تھا۔(اخبار مکہ،صفحہ۸)

حضرت عطاء کی روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین ہند میں اتارا،تو آپ ملائکہ کی گفتگو سے جو جنت میں سنتے تھے محروم ہو گئے۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ یہ محرومی کس وجہ سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی لغزش نے اس نعمت سے محروم کر دیا۔

بہر حال آپ مکہ مکرمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا اسی طرح طواف کریں،جس طرح آپ نے فرشتوں کو عرش کا

دیکھا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کو پورا کر دیا اور پھر ہندوستان سے چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

باب نمبر:

تعمیر مکہ......سیدنا شیث کے عہد سے حضرت ابراہیم تک

قدوۃ المؤرخین امام ازرقی وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا۔ تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے کعبہ شریف تعمیر کر دیا اور وہ عمارت طوفانِ نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۹)

اور امام سہیلی روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں:

''سیدنا شیث علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی سب سے پہلے تعمیر نو فرمائی تھی۔'' (روض الانف، جلد ا، صفحہ ۱۲۷)

لیکن اکثر علماء مفسرین، محدثین اور مورخین نے آدم علیہ السلام کی تعمیر ہی کا ذکر کیا ہے، اور شیث علیہ السلام کی تعمیر کا تذکرہ نہیں کیا اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ (تاریخ الکعبہ، صفحہ ۴۸)

امام مجاہد سے منقول ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آنے والے طوفان نے جہاں دیگر شہروں اور بستیوں میں ہلاکت خیز تباہی مچائی وہاں بیت اللہ شریف بھی اس کے دست تصرف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اللہ جل شانہ نے جنت سے بھیجے ہوئے سرخ یاقوتی خیمہ کو بحفظ وامان آسمان پر اٹھالیا، مگر اس کی بنیادیں جنہیں سیدنا آدم علیہ السلام نے بنایا تھا غرق آب ہو گئیں اور ان کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ پانی کے ریلے نے وہاں ریت اور مٹی اکٹھی کر دی۔ جو بعد میں ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں مرجع عوام بن گیا۔ یہ جگہ مرتفع ہونے کی وجہ سے برساتی نالہ کے بہاؤ سے محفوظ رہتی تھی اور اسی ٹیلے پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بسیرا کیا تھا۔

مظلوم ومقہور، مصیبت زدہ، بیمار اور علیل لوگ یہاں آتے اور دعا کرتے جسے اللہ کریم قبولیت سے نوازتا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کا حج کیلئے یہاں تشریف لانا بھی ثابت ہے۔ بہر حال ہزار ہا برس کے بعد اللہ رب العزت نے دو جلیل القدر نبیوں کے ہاتھوں پھر اس کی تعمیر وتزئین کا سامان فرمایا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۲۰)

امام ازرقی حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد کعبہ معظمہ والی جگہ ایک سرخ ٹیلہ بن گیا تھا جو بلند ہونے کے باعث سیلاب کی زد سے محفوظ تھا۔ طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود لوگ اس جگہ کو جانتے تھے اور زمین کے کونے کونے سے مظلوم اور بیمار لوگ وہاں آ کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتا۔ لوگ حج کیلئے بھی دنیا کے کونے کونے سے آتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر کیا۔

علامہ عماد الدین ابن کثیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ کشتی نوح میں اسی مرد وزن سوار تھے جن میں حضرت نوح بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا۔ جب وہ اس مقدس سرزمین میں پہنچی تو چالیس دن تک شب وروز بیت اللہ شریف کے گرد طواف میں مصروف رہی۔ پھر حکم ربانی سے اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف ہو گیا، جہاں جا کر ٹھہر گئی۔ یہ پہاڑ موصل کے علاقہ میں واقع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۴۴۷) (البدایہ والنہایہ، جلد ا، صفحہ ۱۶۳)

ایسا حیرت انگیز واقعہ صرف ایک ہی بار وقوع پذیر نہیں ہوا، بلکہ سانپوں، اونٹوں، پرندوں اور کئی دوسرے جانوروں کے طواف کرنے کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے وصال کے ۱۲۶ سال بعد سیدنا نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کے ۸۹۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ گویا کہ حضرت ابراہیم حضرت نوح کی وفات سے ۶۰ سال قبل پیدا ہو چکے تھے۔ سیدنا نوح کی ولادت کے ۶۰۰ سال بعد طوفان آیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کی ولادت سے ۲۹۰ سال قبل طوفان کا زمانہ بنتا ہے۔ طوفان نوح آنے کے ۴۰۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔

اس حساب سے تعمیر کعبہ کے وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۲۰ سال تھی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس میں تین اقوال ہیں: ۱۷۵، ۱۹۰ یا ۲۰۰ سال۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں صرف اسی آدمی تھے۔ وہ کشتی میں ایک سو پچاس دن تک ٹھہرے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا اور وہ چالیس دن تک کعبہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی پہاڑ کی طرف موڑ دیا، وہاں جا کر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ جاؤ زمین کی خبر لے کر آؤ اور وہ جا کر مردار پر گر پڑا اور جلدی واپس نہ آیا۔ پھر فاختہ کو بھیجا تو وہ زیتون کے پتے لے کر آئی اور اس کے پاؤں پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ پانی خشک ہو گیا ہے۔ پھر آپ جودی پہاڑ کے دامن میں اتر آئے اور وہاں ایک بستی کی بنیاد رکھی جس کا نام ثمانین رکھا۔ ایک دن اچانک ان کی زبانیں بدل گئیں۔ اسی آدمیوں کی اسی زبانیں ہو گئیں۔ ان میں صرف ایک عربی بولتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے بھی قاصر ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک دوسرے کو مطلب سمجھاتے تھے۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۵۲)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ بیت اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بنایا گیا اور وہ اس کا طواف کرتے رہتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کے غرق ہونے سے پہلے اس کا حج کیا اور اس کی عظمت بیان کی۔

<u>باب نمبر 5:</u>

تعمیر مکہ...... سیدنا ابراہیم کی تعمیر

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ فلسطین سے مکہ معظمہ میں مقیم اپنی بیوی اور فرزند دل بند کی ملاقات کے لئے حکم الٰہی سے براق پر سوار ہو کر گاہے گاہے تشریف لاتے رہتے تھے۔ مگر اب کی بار یہ تاریخی اور آخری سفر آپ نے عظیم و جلیل مشن کی تکمیل کے لئے اختیار فرمایا تھا۔ یہ یادگار سفر اللہ رب العزت کے گھر کی تعمیر کے سلسلہ میں تھا۔ اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام بیس سال کی عمر مبارک کو پہنچ چکے تھے۔ جب پدر بزرگوار کا ورود مسعود محمود ہوا تو وہ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ ایک طویل مدت کے بعد والد گرامی قدر کا چہرہ پر ضیا کا دیدار ان کیلئے نوید مسیحا ثابت ہوا۔ جوش مسرت میں والد مکرم سے بغل گیر ہو گئے اور انتہائی تعظیم و تکریم سے خوش آمدید کہا۔

باہمی راز و نیاز کی گفت و شنید کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گوہر مقصود سے تسلیم و رضا کے پیکر فرزند ارجمند کو آگاہ فرمایا کہ مجھے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا عظیم الشان کام سونپا گیا ہے۔ اداشناس نبوت بیٹے نے الحاح و تضرع سے عرض کیا کہ ارشاد ربانی کی تعمیر میں تاخیر آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ اس کی تعمیر میں جلدی سے کام لیں۔

ارشاد ہوا:

''جان پدر! اس عظیم منصوبہ کو پایا تکمیل تک پہنچانا تنہا میرے بس کا روگ نہیں، تمہیں بھی میرا دست و بازو بننا ہوگا۔''

فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا:

''سو جان سے فدا ہوں، جو بھی ارشاد ہو سر تسلیم خم ہے۔''

تب عظمت اسلام کے تابندہ نگیں اور شوکت وجلالت کے آفتاب و مہتاب اپنے اشتراک عمل سے خانہ خدا کی تعمیر پر کمر بستہ ہو گئے۔ ...ی مقدس یادیں ہیں جن سے ایک مہکتا ہوا گلستان نبوت اور سرسبز و شاداب چمن زار رسالت وابستہ ہے۔ جہاں باران رحمت سے سدا ...ر پھول قیامت تک اپنا جوبن اور نکھار دکھاتے رہیں گے۔

چنانچہ دو نبیوں کے مقدس ہاتھوں اس عظیم المرتبت اور ذی شان گھر کی تعمیر کا پروگرام طے ہو گیا، لیکن یہ حقیقت ابھی منکشف نہیں ...ی تھی کہ بیت اللہ کا حدود اربعہ کتنا ہوگا؟ کونسی دیوار کتنی طویل اور کونسا گوشہ کتنا عریض ہوگا؟ امتداد زمانہ اور سیلاب وغیرہ نے اس کے ...یم نشانات کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ اگرچہ لوگ اس بات سے آشنا تھے کہ اس مقام پر بیت اللہ تھا۔ اسی لئے بیمار مظلوم اور فریادی زمین کے ...شے گوشے سے یہاں آتے اور ان کی دعا کو قبولیت بھی نصیب ہوتی تھی، بلکہ حج کیلئے بھی آتے تھے، مگر جگہ کی صحیح تعین کسی کو بھی معلوم ...یں تھی۔

قدرت الٰہی سے ان معزز معماروں کی رہنمائی کے لئے اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی۔ جس سے یہ صدا آ رہی تھی کہ جس قدر طول و ...ض اس بدلی کے سایہ کا ہے اسی قدر جگہ میں آپ بیت اللہ کی بنیادوں پر دیواریں کھڑی کریں۔ اس میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بنیادوں کی نشاندہی کی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ...ے کہ ایک مجسم ہوا آئی جس کا نام ریح الخجوج تھا، اس نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد طواف کر کے اس کی حدود کو واضح کیا تھا۔ اس وقت یہ جگہ ...ک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں تھی، اور یہی بنائے آدم یا آپ پر اتارے گئے سرخ یاقوت کے خیمہ کا مقام تھا۔

خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ علیہ السلام نے اس جگہ کھدائی شروع کر دی اور کچھ دیر بعد وہ قدیم بنیادیں ظاہر ہو گئیں جن پر انہوں ...نے تعمیر کی تکمیل کرنی تھی۔ اسماعیل ذبیح اللہ مزدوروں کے بھیس میں پتھر لانے کی خدمت انجام دے رہے تھے اور خلیل اللہ معمار کی حیثیت ...سے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیواریں چن رہے تھے۔ مٹی، گارا یا چونا کی مدد کے بغیر ہی پتھر پر پتھر جوڑتے چلے جا رہے تھے، وہ پتھر اس ...ر بڑے اور وزنی تھے کہ تیس آدمی مل کر بھی بمشکل اٹھا سکتے تھے۔ اس تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں سے ملائکہ عظام ...ئے تھے۔ طور سینا، طور زیتا، یہ دونوں پہاڑ بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ہیں۔ کوہ لبنان، کوہ جودی اور کوہ حراء، بنیادوں میں کوہ حرا ...کے پتھر استعمال ہوئے۔ جب دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ ہو گئی اور پتھر لگانے میں دشواری کا سامنا ہونے لگا، تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ...نے اپنے چہیتے مزدور سے فرمایا:

''کوئی ایسا پتھر تلاش کر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کی تکمیل بسہولت ہو جائے۔''

چنانچہ سیدنا اسماعیل کی نظر انتخاب جس پتھر پر پڑی وہی یادگار پتھر تھا جسے قرآن پاک میں ''مقام ابراہیم'' کے مبارک اعزاز سے ...ازا گیا اور یہ وہی پتھر تھا جو سیدنا اسماعیل کی زوجہ مکرمہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھوتے وقت ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا۔ سیدنا ابراہیم ...لیل اللہ اس پتھر کو پاڑ بنا کر تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اس پتھر نے مزاج کی سنگینی اور سختی کے باوجود آپ کے نقش پا کا اس قدر گہرا اثر قبول کیا ...ہ زمانہ کے حوادثات بھی اسے نہ مٹا سکے۔ جس جگہ پتھر پر کھڑے ہو کر آپ تعمیر فرماتے رہے وہاں پاؤں مبارک کے ٹخنوں تک گہرے ...قش نصب ہو گئے، جن کا نظارہ آج بھی مسلمان عالم بچشم خود کر رہے ہیں۔

جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو آپ نے فرزند دل بند کو ارشاد فرمایا کہ کوئی عمدہ سا پتھر تلاش کر لاؤ جسے یہاں ایک کونے میں

نصب کر دیا جائے، جو طواف کرنے والوں کیلئے ایک امتیازی نشان بن جائے۔ حسب حکم سیدنا اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے کر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس جگہ کی رونق ایک ایسا پتھر بن چکا ہے جس کی روشنی شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ عرض کرنے لگے:

''ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''جان پدر یہ جبرئیل امین جنت سے لائے ہیں۔''

موجودہ حطیم والی جگہ سیدنا اسماعیل کی بھیڑ بکریاں باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی اسے بھی کعبہ شریف میں شامل کر لیا۔ مشرق کی جانب زمین کے برابر ایک دروازہ رکھا، جس کی نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ۔ دروازہ کے اندر دائیں جانب ساڑھے چار فٹ گہرا ایک کنواں بنایا جس میں کعبۃ اللہ پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کا خزانہ جمع کیا جاتا تھا۔ یہ فقید المثال اور عظیم النظیر مکان چھت کے بغیر ہی تھا جس کی دیواریں مٹی گارے کے بغیر پتھروں پر پتھر رکھ کر بنائی گئی تھیں۔

یہ واقعات بخاری شریف میں بھی اختصار کے ساتھ مرقوم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو سیدنا اسماعیل کو چاہ زمزم کے پیچھے تیر بناتے ہوئے پایا۔ انہیں بتایا کہ مجھے بارگاہ ایزدی سے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے۔ فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا: آپ حکم ربانی کی اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تمہیں بھی میرے ساتھ تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ عرض کرنے لگے: میں حاضر ہوں۔''

چنانچہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر شروع کر دی اور حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام پتھر دینے لگے۔ کام کے دوران دونوں باپ بیٹا بارگاہ الٰہی میں یہ دعا بھی کرتے رہے:

((ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم))

دیواریں جب بلند ہو گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر لگانے میں دشواری محسوس کرنے لگے تو ایک پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر مکمل کی۔

(بخاری، جلد ۱، کتاب الانبیاء، صفحہ ۴۷۶)

امام ابن کثیر ارقام فرماتے ہیں: ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا بھی کی تھی:

''اے اللہ! ہمیں مسلمان بنا دے۔ یعنی مخلص اور مطیع بنا، موحد بنا، شرک سے بچا، ریاکاری سے محفوظ فرما اور خشوع و خضوع کی نعمت عطا فرما۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

شیخ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُرسے براق پر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ سکینہ تھی جس کا منہ بھی تھا، وہ کلام کرتی تھی اور اس کے ساتھ فرشتہ بھی تھا جو انہیں بیت اللہ کی جگہ کی نشاندہی کرتا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جب کہ ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ان کی والدہ ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی قبر حجر یعنی حطیم میں بنائی گئی تھی۔ آپ نے بیٹے کو حکم الٰہی سے آگاہ کیا۔ بیٹے نے دریافت کیا کہ کعبہ کس جگہ بنایا جائے گا؟ تو فرشتے نے جگہ بتا دی۔ پھر دونوں باپ بیٹا بنیادیں کھودنے لگے۔ ان کے ساتھ تیسرا کوئی بھی معاون نہیں تھا۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھدائی کرتے ہوئے ان بنیادوں تک پہنچ گئے جو سیدنا آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں تو ان میں بڑے بڑے وزنی پتھر پائے، جنہیں تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۳۰)

اسی طرح مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۲ میں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں تشریف آوری کا واقعہ آ رمیحیاً سے مذکور ہے۔
سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر بیت اللہ کی پیمائش حسب ذیل ارقام فرمائی ہے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۱)

مشرق میں: حجر اسود سے رکن عراقی تک۔ ۳۲ ذراع ۴۸ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر
شمال میں: رکن عراق سے رکن شامی تک۔ ۲۲ ذراع ۳۳ فٹ یعنی ۱۰ میٹر
مغرب میں: رکن شامی سے رکن یمانی تک۔ ۳۱ ذراع، ساڑھے چھیالس فٹ یعنی ۱۳ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر۔
جنوب میں: رکن یمانی سے حجر اسود تک۔ ۲۰ ذراع ۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر

دیواروں کی بلندی ۹ ذراع ساڑھے تیرہ فٹ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۲ ذراع تقریباً ۳ فٹ۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کی درج ذیل خصوصیات تھیں:

۱۔ حضرت ابراہیم نے سیدنا آدم کی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔
۲۔ آپ نے پتھر پر پتھر رکھ کر دیواریں کھڑی کیں۔ گارا، مٹی، چونا یا کوئی دوسری چیز استعمال نہیں کی۔
۳۔ آپ نے کعبہ شریف مستطیل شکل کا بنایا تھا۔
۴۔ آپ کی تعمیر میں چار رکن تھے (رکن حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی) اور چاروں کا استلام کیا جاتا تھا۔
۵۔ مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا، جس کے نہ تو کواڑ تھے اور نہ ہی کسی دوسری چیز سے بند کیا جاتا تھا۔
۶۔ دروازہ زمین کے برابر تھا، بلندی پر نہیں تھا۔
۷۔ حطیم والی جگہ کعبہ شریف میں شامل تھی۔
۸۔ کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی۔
۹۔ نہ ہی کعبہ شریف پر غلاف تھا۔ غلاف سب سے پہلے شاہ تبع نے چڑھایا تھا۔
۱۰۔ دیواروں کی بلندی ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۶ انچ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر) تھی۔
۱۱۔ دروازہ والی مشرقی دیوار ۳۲ ذراع (۴۸ فٹ ۶ انچ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر) حطیم کی جانب والی دیوار ۲۲ ذراع (۳۳ فٹ یعنی تقریباً ۱۰ میٹر) اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کی دیوار ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) رکن شامی سے رکن یمانی تک ۳۱ ذراع (ساڑھے چھیالیس فٹ یعنی ۱۳ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر۔
۱۲۔ دروازہ کے سامنے دائیں جانب ۶۔ ۴ فٹ ۱۰ ایک میٹر ۷ ۳ سینٹی میٹر) گہرا گڑھا تھا۔

جس وقت سیدنا ابراہیم کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا حکم ملا، تو آپ نے جبرائیل کی نشاندہی کے مطابق ایک سرخ ٹیلہ پر کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ جیسا کہ سامنے والی تصویر سے ظاہر ہے۔

اس وقت کعبہ شریف ٹیلہ پر بلند جگہ تھا اور اس کے چاروں طرف زمین پست تھی۔ یہ مقدس گھر سیلاب کے دست رس سے محفوظ تھا، لیکن اب چار ہزار سال گزر جانے کے بعد کیفیت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے کہ کعبہ شریف نشیب میں واقع ہے جب کہ اس کے چاروں طرف راستے اور زمین خاصی بلند ہے۔ اس طویل عرصہ میں سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں، دامنوں اور اطراف سے مٹی اور بڑی بڑی چٹانیں بہا کر اس نشیبی جگہ میں برابر جمع کرتا رہا۔ چونکہ اس کے نکالنے اور راستہ صاف کرنے کا انتظام نہیں تھا، جس کے باعث نشیب، فراز اور بلندی، پستی میں تبدیلی ہوگئی۔

آج سے چار سو سال پہلے جس وقت سیلاب کی گزرگاہ (نالہ) حرم شریف سے شمالاً جنوباً باب الزیادہ اور باب الاجیاد کی طرف رہی سیلاب مسلسل مٹی اور پتھر بہا کر مسفلہ کی طرف جمع کرتا رہا۔ گویا کہ دس سال کے عرصہ میں اوسطاً ایک مرتبہ سیلاب آتا رہا۔ جس سے راستے اونچے اور حرم شریف کی زمین پست ہوگئی۔ حتیٰ کہ باب ابراہیم کی طرف سے حرم شریف میں داخل ہونے کیلئے پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ تک پہنچنا ہوتا تھا۔

۱۳۰۰ ہجری تک چھ سیڑھیاں مٹی میں دب چکی تھیں جب کہ سات باہر باقی تھیں، جن پر چڑھ کر لوگ اندر داخل ہوتے ہیں۔

یہ جملہ احوال آج سے کافی عرصہ پہلے کے ہیں۔ اس وقت باہر صرف دو سیڑھیاں رہ گئی ہیں اور باقی سب مٹی میں دب چکی ہیں اور دروازہ کے اندر صحن تک جانے کیلئے تیرہ سیڑھیاں اترنا پڑتی ہیں۔ شعبان ۱۳۶۶ھ میں جب باب الزیادہ کے سامنے فرش بنایا گیا جو مٹی، بجری اور سیمنٹ سے تیار کیا گیا تھا۔ جس سے پانچ سیڑھیاں اور بھی دب گئیں اور اس طرح صرف دو باقی رہ گئیں۔ جن پر چڑھ کر لوگ حرم شریف کے دروازہ تک پہنچتے تھے۔

یہ واقعات تو کافی زمانہ پہلے کے بیان کئے گئے ہیں، لیکن سعودی حکومت نے جب حرم شریف کی توسیع اور سڑکوں کو کشادہ کیا تو باہر کی سطح اور بھی بلند ہوگئی۔ اس طرح مذکورہ بالا دروازہ کے علاوہ تمام دروازوں سے باہر صرف تین سیڑھیاں رہ گئی ہیں۔ ان پر چڑھ کر دروازہ تک پہنچ کر پھر دو متفرق جگہوں سے آٹھ سیڑھیاں اتر کر صحن حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

''اب آپ لوگوں میں اعلان کریں کہ وہ بیت اللہ شریف کا حج کرنے کو آئیں۔''

آپ نے عرض کیا:

''پروردگار! یہاں تو دور دور تک انسانی آبادی کا نام ونشان نہیں ہے، یہ تو جنگل اور چٹیل میدان ہے اور جہاں آبادی ہے وہاں تک میں اپنی نحیف آواز کیسے پہنچا سکتا ہوں۔؟''

فرمان ذی شان ہوا:

((علیك الاذان وعلی البلاغ))

''آپ کے ذمے صرف اعلان کرنا ہے، ساری دنیا میں اسے پہنچانا اور پھیلانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

چنانچہ سیدنا ابراہیم مقام ابراہیم پر کھڑے ہوگئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس قدر بلند ہوگیا کہ جبل ابی قبیس کی بلندی بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ بعض روایات کے مطابق جبل ابی قبیس یا کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر دائیں بائیں اور شرقاً غرباً بلند آواز سے اعلان فرمایا:

''اے لوگو! پروردگار نے اپنا گھر بنایا ہے، لہٰذا تم اس کا حج کرنے کے لئے آؤ۔''

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس آواز کو زمین وآسمان کی تمام مخلوق نے سنا، یہ صدا چار دانگ عالم میں گونج گئی۔ نہ صرف دنیا میں موجود انسانوں کے کانوں تک یہ دلربا اور ایمان افروز آواز پہنچی بلکہ عورتوں کے ارحام اور مردوں کی اصلاب میں بھی جو بچے تھے اور جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے، بطور معجزہ ان سب تک یہ آواز پہنچا دی گئی۔ اللہ کریم نے جس کی قیمت میں اس مبارک گھر کی زیارت سے مشرف ہونا لکھا تھا، ان سب نے اس آواز پر لبیک کہا، جس کے مقدر میں دو مرتبہ حج کی سعادت تھی اس نے دو دفعہ اور جس کی قسمت میں تین یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ لبیک کہا۔ یہاں تک کہ درختوں، پتھروں، پہاڑوں اور ہر ایک چیز نے اس آواز پر لبیک کہا، لیکن جن لوگوں

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا وہ شوئی قسمت اور اپنی بدبختی کے باعث حج کی لازوال نعمت سے محروم رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

((وارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم))

''اے اللہ! ہمیں حج کے مناسک سکھادے اور ہم پر توبہ ڈال دے، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

حج کے اعلان عام کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی مذکورہ بالا دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور حج بیت الحرام کا حکم دیا۔ جبرائیل امین کی رہنمائی میں آپ نے پہلے کعبہ شریف کا طواف کیا، پھر صفاء مروہ کے درمیان سعی کی۔ بعد ازاں منیٰ کو تشریف لے گئے۔ آپ جب مقام عقبہ کے قریب ایک درخت کے پاس پہنچے تو شیطان سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے سات کنکریوں سے اس کی تواضع کی اور ہر ایک کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ وہاں سے شیطان غائب ہو کر تھوڑی دیر بعد جمرہ ثانیہ کے پاس راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے پھر تکبیر کہتے ہوئے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ خبیث وہاں سے بھاگ کر تیسرے جمرہ کے پاس پھر سامنے آ گیا۔ وہاں بھی تکبیر کے ساتھ سات کنکریاں ماریں۔ بالآخر اسے اپنی بے بسی کا یقین ہو گیا اور وہ ذلیل وخوار ہو کر روپوش ہو گیا۔

آپ چلتے چلتے میدان عرفات میں پہنچ گئے، جسے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اوصاف کے مطابق پا کر آپ نے پہچان لیا۔ اسی وجہ سے اس میدان کو عرفات کہا جاتا ہے۔ دن بھر وہاں ٹھہرنے کے بعد شام ڈھلے مزدلفہ کے قریب پہنچ گئے۔ رات وہاں بسر فرمائی اور صبح وہاں سے منیٰ تشریف لے گئے اور جن تین مقامات پر شیطان دکھائی دیا تھا، وہاں سات سات کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قیام کیا۔ جبرائیل نے آپ سے کہا کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد منیٰ کے مقام پر ہی حجامت بنائی جائے گی۔ آخر ارکان حج سے فارغ ہو کر وطن واپس تشریف لے گئے۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اختیار کردہ طریقہ کے مطابق اسلام نے بھی مناسب حج ادا کرنے کا حکم دیا۔ گویا انہیں بنیادوں پر اسلام کی عمارت کھڑی کی گئی۔

(فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۲۴) (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳) (تفسیر ابن جریر، جلد ۱)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل ادا کئے۔ اتنے میں جبرائیل تشریف لائے اور آپ کو صفا مروہ کی سعی کرائی۔ پھر منیٰ اور مزدلفہ میں لے گئے۔ منیٰ میں تین جگہ شیطان نظر آیا تو جبرائیل نے آپ سے کہا کہ تکبیر کے ساتھ اسے سات کنکریاں ماریں۔ بعد میں آپ عرفات تشریف لے گئے۔

شیخ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم نے سیدنا اسماعیل اور قبیلہ جرہم کے جو مسلمان وہاں موجود تھے، ان سب کی معیت میں ارکان حج ادا فرمائے۔ آپ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن صبح کی نماز ادا فرمائی، اور جب سورج طلوع ہو گیا، تو عرفات میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسجد نمرہ کی جگہ قیام فرمایا اور ظہر وعصر جماعت کے ساتھ اکٹھی مسجد ابراہیم والی جگہ ادا فرمائی اور موقف کی طرف تشریف لے گئے۔ موقف وہ مقام ہے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو آپ نے مزدلفہ میں رنجہ فرمایا۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ اگلے روز صبح صادق کے بعد نماز با جماعت ادا فرمائی۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو گئے اور وہاں رمی کی۔ مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ ﷺ اپنے وطن ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں وصال فرمایا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۶)

مؤرخین لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ پتھروں کو جوڑ کر بنایا۔ اس میں کوئی چونا یا مٹی نہیں لگائی گئی۔ اس کے اندر دائیں جانب ایک گہرا گڑھا کھودا جو کنوئیں کی مانند تھا۔ جو کچھ خانہ کعبہ کو بطور ہدیہ پیش کرتے وہ اس میں ڈالا جاتا تھا۔ وہ اس کے لئے خزانہ کا کام دیتا تھا۔ اس کی گہرائی علامہ ازرقی کے بیان کے مطابق ۳ ہاتھ تھی۔ کعبہ شریف کی نہ تو چھت تھی اور نہ دروازہ۔ لکڑی وغیرہ کسی قسم کا دروازہ نہیں تھا۔ ہاں شرقی دیوار میں تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ یہ دروازے کی جگہ تھی۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ یہ بیت اللہ کا چہرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ خیانت اور چوری وغیرہ جرائم سے بے خبر تھے۔ ان کے مال، سونا اور چاندی کی کبھی چوری نہیں ہوتی تھی علاوہ ازیں کے مکانات بھی ہمارے زمانہ کے محلات کی طرح مضبوط اور بلند نہیں تھے۔ سب سے پہلے اسعد حمیری نے خانہ کعبہ کا دروازہ بنایا جو بند کیا جا سکتا تھا۔ وہ یمن کے تبع بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے بہت پہلے کی ہے۔ اس شخص نے سب سے پہلے خانہ خدا کو غلاف پہنایا اور وہیں قربانی دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مندرجہ ذیل پانچ پہاڑوں سے خانہ کعبہ کو بنایا:

۱۔ طور سینا۔ ۲۔ طور زیت۔ ۳۔ لبنان۔ ۴۔ جودی۔

۵۔ حراء۔

اول الذکر دونوں پہاڑ بیت المقدس کے ہیں۔ فرشتے ان پہاڑوں سے پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں اٹھا اٹھا کر پتھر دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد پر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اس کی بنیاد جبل حراء کے پتھروں سے بنائی گئی۔ یہ پہاڑ مکہ سے شمال مشرق میں واقع ہے۔ فرشتے پتھر لا کر اس میں پھینکتے رہے۔ اس کا نام قواع رکھا گیا۔ آپ نے خانہ کعبہ کے صرف دو رکن بنائے، ایک کا نام رکن اسود ہے اور دوسرے کا نام رکن یمانی ہے۔ حجر اسماعیل کی جانب رکن نہیں بنائے گئے، بلکہ نصف دائرہ کی شکل میں اسے مدور کر دیا گیا جس طرح حجر اسماعیل کی دیوار ہے۔ نیز حجر اسماعیل کے پہلو میں ایک چھپر ڈال دیا گیا جو پیلو کے درخت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت اسماعیل کی بکریاں اس میں داخل ہوتیں اور ان کے لئے یہ پناہ گاہ کا کام دیتا تھا۔ دروازہ کو زمین سے ملا دیا لیکن اس کی شکل دروازہ کی نہیں تھی۔ زمین سے آسمان کی طرف اس کی بلندی ۹ ہاتھ کر دی اور سامنے کی دیوار جس میں دروازہ ہے اس کا عرض ۳۲ ہاتھ کر دیا اور اس کے بالمقابل دیوار کا عرض ۳۱ ہاتھ بنایا۔ اس دیوار کا عرض جس میں میزاب رحمت ہے، ۳۱ ہاتھ بنایا اور اس کے بالمقابل دیوار کا عرض ۲۰ ہاتھ کر دیا۔ (اخبار مکہ، جلد ۱، صفحہ ۵۹ تا ۶۶)

چونکہ حجر اسماعیل مدور تھا اس لئے مناسب تھا کہ کعبہ کی دیوار جو حجر کے بالمقابل ہو وہ بھی مدور ہو۔ یہاں پر حدود بیت اللہ ختم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے:

جب حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ بیت الحرام تعمیر کرو تو وہ آرمینیا سے براق پر آئے۔ ان کے ہمراہ سکینہ تھی۔ اس کا منہ [illegible] کرتی تھی۔ یہ ٹھنڈی ہوا کے بعد آئی۔ اس کے ہمراہ ایک فرشتہ جو بیت اللہ کی جگہ بتانے آیا تھا، حتی کہ وہ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام موجود تھے۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال کی تھی۔ ان کی والدہ وفات پا چکی تھی اور حجر کے مقام میں دفن تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتلایا کہ اے اسماعیل! اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر بناؤں۔ حضرت اسماعیل علیہ

پوچھا: کس مقام پر؟ تو فرشتے نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا۔ یہ حکم سن کر دونوں اٹھے اور بنیادیں کھودنے لگے۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں پر اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم نے اس کی بنیادیں تک کھودیں۔ بنیادیں کھودتے ہوئے ایک پتھر اور ہڈیاں ملیں۔ یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ تیس آدمی مل کر بھی اسے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پھر حضرت آدم کی بنیاد پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا۔ پھر سکینہ نے گھیر لیا۔ اس کی شکل سانپ جیسی تھی۔ اس نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ خانہ کعبہ کی بنیاد مجھ پر رکھو۔ آپ نے اس پر بنیاد رکھی۔ اس لئے اس کا جو بھی طواف کرتا ہے خواہ وہ کعبہ سے نفرت کرنے والا یا متکبر اور سرکش آدمی کیوں نہ ہو اس پر سکینہ (رحمت الٰہی) واقع ہوتی ہے۔ آپ نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ اس کا طول آسمان کی جانب ۹ ہاتھ اور عرض زمین پر ۳۲ ہاتھ ہے۔ یہ حجر اسود سے رکن شامی تک ہے جو حجر اسماعیل کے سامنے ہے۔ رکن شامی سے رکن غربی تک جس میں حجر واقع ہے ۲۲ ہاتھ ہے۔ اس کا طول پچھلی جانب رکن عربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ ہے۔ رکن اسود ہے رکن یمانی تک ۲۰ ہاتھ ہے۔ (اخبار مکہ)

کعبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ کعب کی شکل کے مانند ہے۔ اس طرح حضرت آدم کی بنیاد کو مضبوط کیا اور ایک دروازہ بنایا جو زمین سے ملا دیا۔ اس دروازے کے کوئی کواڑ نہیں تھے۔ حتیٰ کہ تبع سعد حمیری نے دروازہ بنایا اور ایرانی طرز کے کنڈے لگائے اور مکمل غلاف دیا۔ پھر اس کے پاس قربانی دی۔ حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کے پہلو میں حجر اسماعیل پر ایک چھپر ڈال دیا۔ چھت پر پیلو کے درخت کی لکڑی لگائی گئی۔ اس میں بکریاں داخل ہوتی تھیں۔ یہ حضرت اسماعیل کی بکریوں کے لئے پناہ گاہ تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے اندر ایک کنواں کھودا۔ جب کوئی شخص کعبہ شریف میں داخل ہوتا تو اس کی دائیں جانب ہوتا تھا۔ یہ بیت اللہ کا خزانہ تھا۔ اس میں تحفے اور ہدایا رکھے جاتے تھے۔ یہ وہی کنواں ہے جس پر عمرو بن لحی نے ہبل بت رکھا تھا۔ یہ وہ بت تھا جس کی قریش پوجا پاٹ کرتے تھے اور اس کے پاس آکر تیر نکالتے تھے۔ یہ جزیرہ کی زمین سے یہاں لایا گیا۔

حضرت ابراہیم پتھر لگاتے تھے اور حضرت اسماعیل اپنی گردن پر اٹھا کر آپ کے پاس لاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم کا پتھر نزدیک کیا گیا۔ آپ اس پر کھڑے ہو کر دیواریں تعمیر کرنے لگے اور حضرت اسماعیل بیت اللہ کے کناروں میں پتھر کو پھیرتے رہے۔ پھر جب حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ ایک ایسا پتھر تلاش کرو جو لوگوں کے لئے طواف شروع کرنے کا نشان بن جائے۔ حضرت اسماعیل ایسا پتھر تلاش کرتے رہے، لیکن نہ مل سکا۔ جب واپس آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے پہلے یہ پتھر لا چکے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے زمانے میں زمین کو غرق کیا تو یہ پتھر ابوقبیس پہاڑ کے سپرد کیا اور اسے حکم دیا کہ جب میرا خلیل یعنی حضرت ابراہیم میرے گھر کی تعمیر کرے تو اس پتھر کو باہر نکال دو۔ حضرت اسماعیل واپس آئے اور حضرت ابراہیم کے پاس حجر اسود دیکھ کر پوچھا: ابا جان! یہ کہاں سے ملا؟ جواب دیا: وہ لایا ہے جس نے مجھے تیرے پتھر پر بھروسہ سے بے نیاز کر دیا۔ اسے حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔ جب حضرت جبرائیل نے پتھر اس کی جگہ پر رکھا تو حضرت ابراہیم نے تعمیر کے کام کو مکمل کر دیا۔ حجر اسود اس وقت اتنا سفید تھا کہ چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب حرم کی حدود تک پہنچی تھی جو حرم کے چاروں طرف تھی۔ اس کے سیاہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دور جاہلیت اور دور اسلام میں کئی دفعہ آگ کی لپیٹ میں آیا۔ زمانہ جاہلیت میں اس کو آگ لگنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک عورت نے قریش کے زمانہ میں کعبہ میں اگر بتی جلائی۔ اس سے ایک شعلہ اڑا اور غلاف پر جا پڑا۔ اس سے حجر اسود جل کر سیاہ ہو گیا اور کعبہ کی دیواریں بوسیدہ ہو گئیں۔ اس لئے قریش نے

خانہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ از سرِ نو تعمیر کیا۔ دورِ اسلام میں آگ لگنے کا واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں پیش آیا۔ یوں ہوا کہ حصین بن نمیر کندی نے اس کا محاصرہ کیا۔ اس سے غلاف کعبہ اور حجر اسود جل گئے اور یہ پتھر تین مقامات سے پھٹ گیا۔ پھر حضرت شعبہ زبیر نے اس پر چاندی لگا کر مضبوط کیا۔ مذکورہ وجوہات اور گناہگاروں کے چھونے کی وجہ سے یہ سیاہ ہو گیا۔ اگر حجر اسود جاہلیت کی نجاسات سے ملوث نہ ہوتا اور مشرکین اور گنہگار لوگ اسے نہ چھوتے تو جب مصیبت زدہ اسے چھوتا اس کی مصیبت دور ہو جاتی۔

سعید بن سالم نے ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ نیز بتایا کہ وہ مکعب تختے کی مانند ابھرا ہوا ہے، اس لئے اسے کعبہ کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ پر چھت نہیں ڈالی تھی اور نہ ہی اینٹوں کو مٹی اور چونا وغیرہ سے جوڑا تھا بلکہ وہ تو پتھر جوڑے ہوئے تھے۔

وہب بن منبہ نے خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث کیا تا کہ آپ اللہ کا گھر بنائیں تو آپ نے پہلی بنیاد کو تلاش کیا جو حضرت آدم علیہ السلام نے خیمہ کی جگہ رکھی تھی۔ یہ وہ خیمہ تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکون حاصل ہوا۔ یہ جنت کا ایک خیمہ تھا۔ اسے مکہ معظمہ میں بیت الحرام کی جگہ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بنیادیں کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت آدم کے زمانہ کی بنیاد تک پہنچ گئے جہاں خیمہ رکھا ہوا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ ایک بادل کا سایہ کر دیا اور یہ بیت اللہ کی جگہ کو گھیرے ہوئے تھا۔ پھر اس کو اس نے گھیرے رکھا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے اور بنیادوں کے سلسلہ میں اس سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنیادیں اونچی ہو گئیں پھر بادل چھٹ گیا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب ''واذ بوانا لا براھیم یعنی بادل جس نے اس جگہ کو گھیر رکھا تھا تا کہ بنیادوں کی جگہ معلوم ہو جائے بلکہ یہ جب سے تعمیر ہوا ہے آباد رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

((فیہ آیات بینات مقام ابراھیم و من دخلہ کان امنا))

''کعبہ میں واضح نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوا امن والا ہوا۔''

کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام مکانات میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مکانات میں رہائش پذیر تھے، لیکن وہ پہلا گھر ہے لوگوں کے لئے جس میں کھلی اور واضح نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان سے ایک نشانی مقام ابراہیم کا پتھر بھی ہے، جو اس میں داخل ہو گا اسے امن ہو گا۔ نشانیاں یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم ہوا، لیکن انہیں مشکل نظر آیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خانہ کعبہ کو کیسے بنائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سکینہ بھیجی وہ ایک تیز و تند ہوا تھی، اس کا سر تھا، اس نے طوق پہنا ہوا تھا۔ وہ حوض کے کناروں میں خشک شدہ پانی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم نے اس پر بنیاد رکھی۔ آپ ہر روز سارا دن کام کرتے تھے۔ اس وقت مکہ معظمہ میں گرمی پورے جوبن پر تھی۔ جب آپ حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت اسماعیل سے فرمایا: جاؤ! ایک پتھر تلاش کر کے لاؤ، اسے یہاں پر رکھنا ہے تا کہ لوگ اس سے راہنمائی حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل پہاڑوں میں گھومتے پھرے لیکن حسب منشاء پتھر نہ مل سکا۔ جب واپس آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے پہلے حجر اسود لا چکے تھے۔ پوچھا: یہ پتھر کہاں سے ملا ہے؟

جواب دیا: اس آدمی سے جس نے میری اور تیری بنیاد پر بھروسہ نہیں کیا۔ پھر کچھ وقت کے بعد بیت اللہ شریف منہدم ہو گیا تو فرشتوں نے اسے تعمیر کیا۔ پھر منہدم ہو گیا تو قبیلہ بنو جرہم نے اسے تعمیر کیا۔ پھر ایک مرتبہ منہدم ہو گیا تو قریش نے اسے بنایا۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو قریش کا آپس میں نزاع پیدا ہو گیا۔ بالآخر اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو آدمی ہمارے پاس سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا، اسے پتھر نصب کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ ان کے فیصلہ کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: ایک کپڑا بچھاؤ۔ جب کپڑا بچھایا گیا تو آپ نے اس پر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ کا ایک آدمی چادر کا ایک کنارہ پکڑ لے۔ چنانچہ وہ اس طرح حجر اسود کو اٹھا کر خانہ کعبہ کے پاس لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔"

ابو الولید ازرقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت کعب سے کہا کہ مجھے بیت اللہ شریف کی خبر دو۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک مجوف یاقوت حضرت آدم کے ہمراہ اتارا اور فرمایا: اے آدم! یہ میرا گھر ہے، اسے میں نے تیرے ہمراہ اتارا ہے۔ اس کے اردگرد یوں طواف ہوگا جس طرح میرے عرش کے اردگرد طواف ہوتا ہے اور اس کے اردگرد یوں نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے اردگرد نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے ہمراہ فرشتے اترے۔ انہوں نے اس کی بنیادیں بلند کیں۔ پھر بیت اللہ شریف کو رکھا۔ پھر حضرت آدم اس کے گرد طواف کرتے رہے اور نماز بھی پڑھتے رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کو غرق کیا تو اسے اوپر اٹھا لیا گیا اور اس کی بنیادیں باقی رہ گئیں۔"

کعبۃ اللہ سن آٹھ ہجری فتح مکہ کے سال مسلمانوں کا قبلہ مقرر ہوا۔

تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ بیت اللہ شریف ۳ ہجری میں مسلمانوں کا قبلہ مقرر ہوا۔

باب نمبر 6:

تعمیر مکہ عہد جرہم اور عمالقہ میں

سیدنا علی سے مروی ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ جب منہدم ہو گئی تو پھر بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ مگر جب وہ بھی منہدم ہو گئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ارجمند نابت کعبہ شریف کے متولی بنے اور ان کے انتقال کے بعد نانا مضاض بن عمر متولی ہوئے اور بنو اسماعیل ننھیالی رشتہ کی وجہ سے انُ کے مطیع ہو گئے۔ اس طرح بنو جرہم اور بنو اسماعیل پر مضاض سلطنت کرنے لگا۔ ان کی تعداد کثیر اور اسلحہ بے شمار تھا۔ یہ لوگ جبل قعیقعان پر مقیم تھے، جو مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے۔ یہ جبل ابی قبیس کے سامنے شمال مغرب کو واقع ہے۔ اس زمانہ میں تجارتی قافلے بھی اسی پہاڑ پر قیام کیا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں واقع ہونے کی بنا پر بارش کے سیلاب سے محفوظ ترین جگہ تھی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب شاہ تبع مکہ مشرفہ میں آیا تو اس نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ جس میں بے شمار جانور ذبح کیے اور رمح کا اسلحہ بھی اسی مقام پر جمع کیا تھا۔ اسی سبب سے اس پہاڑ کا نام قعیقعان پڑ گیا۔ جرہم کا بادشاہ مضاض اسی پہاڑ

پر براجمان تھا اور اس کے مخالفین بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع لشیبی علاقہ میں تھا۔ ان دونوں کے مابین زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جرہم عمالقہ پر غالب آگئے اور صدیوں مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت قائم رہی۔ ان کے دور حکومت میں ایک مرتبہ زبردست سیلاب سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا۔ بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ اس سے قبل کعبہ شریف کے دروازہ کے کواڑ نہیں تھے۔ انہوں نے دروازہ بنائے اور کواڑ نہ ہونے کی وجہ سے متعدد بار کعبہ شریف کا خزانہ چوری ہوتا رہا۔ اس لئے انہوں نے چابی تالے کا انتظام بھی کیا۔ ایک مرتبہ ایک ڈاکو چوری کی نیت سے کعبہ شریف کے کنوئیں میں اترا ہی تھا کہ ایک بڑی چٹان کنوئیں کے منہ پر آپڑی اور چور کنوئیں میں بند ہو گیا۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چٹان ہٹا کر چور کو باہر نکالا۔ چابی تالے کا انتظام ہونے کے ساتھ ہی ایک قدرتی انتظام بھی ہوا کہ ایک بہت بڑا سانپ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا، جس نے خزانے کی حفاظت کیلئے کنوئیں پر ڈیرہ ڈال لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سانپ پانچ سو سال تک کعبہ شریف میں رہا اور قریش کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت بڑا پرندہ آیا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔

مؤرخین کے درمیان اس امر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر پہلے عمالقہ نے کی یا جرہم نے۔ مؤرخ شہیر علامہ ازرقی عمالقہ کی تعمیر جرہم سے پہلے بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح علامہ طبری نے اپنی کتاب "القریٰ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جب کہ امام فاکہی جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ہونے کے قائل ہیں۔ امام تقی الدین فاسی بھی اس کے مؤید ہیں۔ چونکہ دونوں قومیں ہم عصر تھیں اور ان کے مابین مدتوں زبردست جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا، جس کے باعث مؤرخین ان کی تعمیر کے تقدیم و تاخیر میں مختلف فیہ ہیں۔

علامہ طاہر کردی ارشاد فرماتے ہیں کہ واقعات اور قرائن سے جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ثابت ہوتی ہے۔ جرہم ہی مکہ معظمہ میں پہلے قیام پذیر ہوئے اور پھر انہیں میں سیدنا اسماعیل نے شادی کی تھی۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تو اس وقت وہاں کی آبادی قبیلہ بنو جرہم کے چند افراد پر مشتمل تھی، مگر دعائے ابراہیمی کی تاثیر اور بیت اللہ شریف کی مقناطیسی کشش سے لوگ پروانہ وار ہر سمت اور ہر جہت سے آنے شروع ہو گئے۔ پہلے پہل بیت اللہ شریف کے اردگرد نہ تو کوئی چاردیواری تھی اور نہ ہی مکانات، بلکہ اس کی تمام اطراف کھلی پڑی تھیں جو لوگ وہاں آباد ہوئے وہ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کی وجہ سے وہاں مکان نہیں بناتے تھے بلکہ پہاڑوں کے دامن اور نالوں کے کنارے جھونپڑیوں اور خیموں میں رہتے تھے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف کے جلال، عظمت اور ہیبت سے خائف تھے۔ اس کے قریب رہائش رکھنے میں ہلاکت کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ دن ہی دن میں اس کی زیارت کرتے اور رات حدود حرم سے باہر جا کر بسر کرتے۔ یہی طریقہ جرہم اور عمالقہ کے زمانہ میں بھی رہا۔

باب نمبر 7:

تعمیر مکہ عہد قصی بن کلاب میں

جب قصی بن کلاب کی حکومت مستحکم ہوگئی، تو اس نے قریش کو جمع کر کے کعبہ شریف کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قریش نے اس غرض کے لئے معقول رقم جمع کر لی اور کعبہ شریف کی قدیم بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے تعمیر نو شروع کر دی۔ اس سے پہلے کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی انہوں نے کھجور کے تختوں اور ٹہنیوں کی چھت بنائی اور دیواریں ۲۵ ذراع (۳۷ فٹ ۶ انچ یعنی ۱۱ میٹر ۴۳ سینٹی میٹر) اونچی بنائیں۔

اس سے پہلے لوگ کعبہ شریف کے گرد اگرد خیموں میں رہائش پذیر تھے۔ قصی نے کعبہ شریف کے چاروں طرف صحن چھوڑ کر قریش

سے مکانات بنوائے۔ ہر دو مکانات کے بعد راستہ چھوڑا گیا۔ اس طرح وہ خالی جگہ صحن اور مطاف کے طور پر استعمال ہونے لگی۔

جب قصی نے تعمیر کعبہ کیلئے سامان اور خرچہ جمع کر لیا تو کعبہ شریف منہدم کر کے نئی تعمیر شروع کر دی۔ انہوں نے اس قدر مضبوط اور عمدہ کام کرایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چھت کھجور کی لکڑی اور شاخوں سے بنوائی۔

قریش میں قصی پہلا آدمی تھا جسے کعبہ شریف تعمیر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ حضور انور ﷺ کے اجداد میں سے تھا اور آپ سے تقریباً ۱۳۰ سال پہلے اس کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

مشہور روایات کے مطابق سیدنا ابراہیم کی تعمیر کے بعد قریش کی تعمیر ثابت ہے، لیکن کسی صحیح روایت سے عمالقہ، جرہم اور قصی کی تعمیر ثابت نہیں ہوتی۔ یہ مجرد خبر ہے جس کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے۔ بالفرض ان تعمیرت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو کسی مورخ نے بھی عمالقہ اور جرہم کی تعمیر کا ذکر تو کیا۔ مگر اس میں کعبہ کا ارتفاع بیان نہیں کیا۔

علاوہ ازیں امام تقی فاسی نے زبیر بن بکار سے جو مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے۔ اس میں خود امام موصوف لکھتے ہیں کہ یہ روایت تحقیق طلب ہے۔ اس روایت میں بیان کردہ طول، عرض یا ارتفاع سب محل نظر ہیں اور دیگر تمام متفق علیہ روایات کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ روایت ناقابل التفات ہے۔

پھر جب قصی بن کلاب کو مکہ معظمہ کی حکومت ملی تو اس نے شہری آبادی پر بھرپور توجہ دی، لیکن بیت اللہ شریف کے رعب اور جلال سے مرعوب تھے۔ وہ مکان بنانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے تھے، حالانکہ قصی کا خیال تھا کہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف مکانات بن جانے سے یہ محفوظ ہو جائے گا، جب اس نے دیکھا کہ قریش اس کام پر آمادہ نہیں ہوتے تو اس نے خود ہی مکان بنانے میں پہل کی تاکہ دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی تعمیر شروع کر دیں۔

قصی نے دارالندوہ کی بنیاد رکھی۔ دارالندوہ حطیم کے سامنے اسی مقام پر واقع تھا جہاں مصلیٰ حنفی مرجع خلائق بنا رہا۔

قصی کی یہ سلیم نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور مکانات تعمیر ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے چاروں اطراف قریش میں تقسیم کر دیں اور حکم دیا کہ مکانات کے دروازے کعبہ شریف کی طرف رکھے جائیں اور ہر دو مکانوں کے بعد راستہ چھوڑ دیا جائے تاکہ کعبہ شریف تک آنے والوں کو سہولت ہو۔ اس طرح کعبہ شریف اور مکانات کا درمیانی فاصلہ صحن یا مطاف اور مکانات بمنزل چار دیواری کے بن گئے۔

باب نمبر 8:

تعمیر کعبہ......عہد قریش میں

حضور نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال قبل قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر کا پروگرام بنایا۔ تعمیر کی ضرورت کئی وجوہ سے درپیش تھی، جس کی تفصیلات محدثین اور مؤرخین حسب ذیل ارقام فرماتے ہیں:

۱۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بیت اللہ شریف شہر کے نشیبی علاقہ میں واقع ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی سیلاب بن کر حرم محترم میں داخل ہو جاتا اور عہد کہنہ کی اس یادگار عمارت کو نقصان پہنچاتا۔ پھر کعبہ شریف کی دیواریں بھی قدم آدم کے برابر اونچی تھیں اور اس کے اردگرد کوئی حصار یا چار دیواری بھی نہیں تھی، جو پانی کے لئے رکاوٹ بنتی۔ بالائی حصہ میں بند باندھ کر سیلاب کی روک تھام کی کوشش تو کی گئی مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ بند بھی سیلاب کی نذر ہو گیا۔ سیلاب کے باعث قریب تھا کہ

۲۔ امتدادِ زمانہ اور مرورِ ادوار کے باعث بیت اللہ شریف کی دیواریں بے حد بوسیدہ ہو کر آثارِ قدیمہ کی تصویر پیش کر رہی تھیں او زبانِ حال سے اپنی خستہ حالی کی فریاد کناں تھیں۔ چنانچہ قریش نے نئی تعمیر کا پروگرام بنایا جس میں اس کی چھت بنانے کا منصوبہ بھی شامل تھا۔

۳۔ اسی زمانہ میں کعبہ شریف کا خزانہ جس میں سونے کا ہرن، بیش بہا قیمتی موتی اور جواہرات تھے، چوری ہو گیا۔ مسروقہ مال ملیح بن عمرو الخزاعی جو ایک آزاد کردہ غلام تھا کے گھر سے برآمد ہوا۔ چوری کے الزام میں قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اگرچہ بعد کی تحقیق و تفتیش میں اصل مجرم حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف ثابت ہوا، جسے سزا کے طور پر دس سال کے لئے شہر بدر کر دیا گیا۔

۴۔ امام زہری سے روایت ہے کہ ایک عورت بیت اللہ شریف کو باخور جو ایک خوشبو ہے کی دھونی دے رہی تھی کہ ایک شرارہ اڑ کر بیت اللہ کے غلاف پر جا پڑا، جس سے آگ بھڑک اٹھی، غلاف جل کر خاکستر ہو گیا اور کعبہ شریف کی دیواریں بھی جھلس گئیں۔

(فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۵) (عمدۃ القاری، جلد ۹، صفحہ ۲۱۷) (زرقانی، جلد ۱، صفحہ ۲۰۳)

ان اسباب و عوامل کے باعث قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیرِ جدید کا منصوبہ بنایا اور پورے عزم بالجزم سے اس کارِ خیر کی انجام دہی پر کمربستہ ہو گئے، اور تائیدِ غیبی کے طور پر چند ایسے واقعات رونما ہوئے جو ان کے اس عظیم پروگرام کی تکمیل کیلئے ممد و معاون بن گئے۔ بیت اللہ شریف کے خزانہ والے کنوئیں پر ایک اژدھانے ڈیرہ ڈال رکھا تھا، جس کا سر بکری کے بچے کے سر جتنا موٹا اور پیٹ سفید تھا۔ یہ تقریباً پانچ سو سال سے براجمان تھا جس کے خوف اور دہشت سے کسی کو عمارت مسمار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دن حسبِ معمول دیوار پر بیٹھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ "النسر" (النسر گدھ جسے کرگس بھی کہتے ہیں) بھیجا جس کی پیٹھ کالی پیٹ سفید اور پاؤں زرد تھے، اس نے جھپٹا مار کر اژدھار کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیا اور گرفت مضبوط کر کے لے اڑا۔ اس طرح تعمیر کے راستہ میں یہ رکاوٹ ہٹ گئی۔

اس واقعہ سے قریش نے یہ فال نکالا کہ ہمارے پروگرام سے رب کعبہ راضی ہے اور اس کی مشیت اسی میں ہے کہ ہم یہ کام کر گزریں۔ (فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۵) (عمدۃ القاری، جلد ۹، صفحہ ۲۱۷) (اخبار مکہ، صفحہ ۴۹)

حسنِ اتفاق سے انہی دنوں ایک رومی تاجر کا مال بردار جہاز طوفان کے باعث شعیبیہ (حجاز کی قدیم بندرگاہ تھی، بعد میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے جدہ کی بندرگاہ قائم فرمائی تھی) کے ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا۔ یہ جہاز قیصرِ روم کا تھا۔ اس میں لوہا، عمارتی لکڑی اور سنگ مرمر لدا ہوا تھا جسے باقوم نامی تاجر ایک گرجے کی تعمیر کیلئے لے جا رہا تھا۔

قریش نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ولید بن مغیرہ کو ایک وفد کے ساتھ لکڑی خریدنے جدہ بھیج دیا۔

(فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۵)

باقوم کون تھا؟ اس کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً: یہ تاجر تھا، مکہ کا رہنے والا ایک غلام تھا۔ قارئین کی خدمت میں محققین علماء کرام کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

باقوم مکہ معظمہ کا ایک قبطی معمار تھا، جس نے کعبہ شریف کی چھت بنانے کیلئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

ابن عیینہ کی روایت کے مطابق باقوم رومی تاجر کا جہاز تباہ ہوا تھا۔ جس کی لکڑی قریش نے کعبہ شریف کی چھت کے لئے خریدی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ باقوم سعید بن العاصی کا مولیٰ تھا جس نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔

علامہ عسقلانی اس روایت کے رجال کو ثقہ بیان کرتے ہیں۔
اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاجر اور معمار دونوں کا نام باقوم ہو۔ایک نے دیوار بنائی ہو اور دوسرے نے چھت۔ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب باقوم رومی تاجر کا جہاز تباہ ہو گیا تو اس نے قریش کو لکڑی اور دوسرا سامان خریدنے کی پیش کش کی تھی۔
(زرقانی، جلد ا، صفحہ ۲۰۳)(اصابہ، جلد ا، صفحہ ۱۴۱)

یہ نام ''باقوم'' اور ''باخوم'' دو طرح استعمال ہوتا ہے۔رومانی اور یونانی زبان میں یہ لفظ ''باکوموس'' استعمال ہوتا ہے۔مگر عرب مورخین نے ''کاف'' کی بجائے ''قاف'' سے لکھا ہے۔جب کہ مصری اور مسیحی لوگ اس کے ''کاف'' کو ''خاء'' سے بدل کر ک ''باخوم'' پڑھتے ہیں۔یہ لفظ حقیقت میں قبطی زبان کا ہے۔

زمانہ قدیم کا یہ ایک رومی معمار تھا جو عدن کے ساحل پر کام کرتا تھا۔مذکورہ جہاز میں وہ بھی سوار تھا۔یہ اپنے فن میں اس قدر ماہر تھا کہ چہار دانگ عالم میں اس کا نام روشن تھا۔جب جہاز کو حادثہ پیش آیا تو قریش لکڑی اور دوسرا سامان خریدنے شعیبہ گئے تو باقوم کو بھی اپنے ساتھ مکہ معظمہ آنے کی دعوت دی اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کی پیش کش بھی کی۔

چنانچہ وہ ان کی درخواست پر مکہ معظمہ آیا اور کعبہ شریف کی تعمیر میں اپنے فن کا مظاہرہ دکھایا۔جب دیواریں چھت تک بلند ہو گئیں تو اس نے دریافت کیا کہ چھت قبہ نما بنائی جائے یا ہموار؟ قریش نے کہا کہ اللہ پاک کے گھر کی چھت ہموار بنایئے۔

قریش نے پہلے سے ہی پتھروں کی تراش خراش کر کے ذخیرہ کر رکھا تھا۔اب ان کے دل مسرور اور طبیعتیں ہشاش بشاش تھیں کہ ان کا پروگرام اللہ رب العزت کے عین مطابق ہے۔لکڑی مضبوط اور عمدہ قسم کی دستیاب ہو گئی، پتھر بھی موجود تھے، اور سانپ کی آفت سے بھی نجات مل گئی۔اس لئے وہ اب بیت اللہ کی قدیم اور بوسیدہ عمارت مسمار کر کے اسے جدت اور مضبوطی کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے پوری طرح مستعد تھے۔

جب تعمیری اخراجات کے لئے فنڈ جمع کرنے لگے تو ابو وہب نے جو رسول اللہ ﷺ کے والد کا ماموں تھا، قریش سے کہا کہ اس مقدس تعمیر میں ہر شخص اپنی حلال طیب کمائی میں سے خرچ کرے، اس میں حرام مال، زنا کاری، سودی بیوپار اور ظلم و ستم سے حاصل کردہ رقم ہرگز خرچ نہ کی جائے۔ایک روایت میں یہ قول ولید بن مغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو بیت اللہ شریف منہدم اور تعمیر کرنے کے لئے مختلف قبائل کے درمیان حصے بانٹ دیئے گئے، تا کہ حسد عداوت یا مسابقت کے امکانات باقی نہ رہیں۔اور تمام قبائل برابر کے درجہ میں پوری لگن اور تندہی سے اس عظیم الشان کام سے عہدہ برآ ہو سکیں۔(فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۵)

حصص کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی:

حجر اسود سے رکن عراقی تک دروازہ کا حصہ: بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں۔
حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ: بنو مخزوم اور بنو تمیم تعمیر کریں اور قریش کے دیگر قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔
رکن یمانی اور رکن عراقی کا درمیانی حصہ: بنو جمح اور بنو سہم کو ملا۔
حطیم کی جانب والی دیوار: بنو عبد الدار بن قصی، بن اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب کے حصہ میں آئی۔

کسی آدمی کو بھی بیت اللہ شریف کی دیواریں گرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔سب کے ہاتھ لرزاں اور دل خائف تھے۔بالآخر ولید بن مغیرہ نے جرأت کی اور کدال لے کر دیوار پر چڑھ کر کہنے لگا:

''اے رب کعبہ! تو دانا و بینا ہے ہمارا ارادہ قطعاً برا نہیں، ہم تیرے مقدس گھر کو ویران کرنے کی ناپاک جسارت ہرگز نہیں کر رہے، بلکہ اس کی آبادکاری تحفظ اور استحکام چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے رکن یمانی کا درمیانی حصہ گرانا شروع کر دیا، مگر قریش کے دل ابھی تک خوف زدہ تھے۔ وہ کہنے لگے، رات بھر انتظار کرنا چاہیے، اگر اس کام سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر ولید بن مغیرہ پر کوئی آفت نازل کرتا ہے تو ہم ان اکھڑے ہوئے پتھروں کو پھر وہیں نصب کر دیں گے، اور اپنے عزم سے باز آ جائیں گے اور اگر رات خیر و عافیت سے گزر جائے اور کوئی ناخوشگوار واقع رونما نہ ہو تو پھر یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ کام اللہ جل شانہ کی مرضی و منشا کے عین مطابق ہے، پھر ہم سب مل کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں گے۔

چنانچہ جب رات امن و امان سے گزر گئی تو صبح کے وقت تمام قبائل نے جمع ہو کر قدیم دیواروں کو مسمار کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ انہیں بھی اکھیڑنے کی کوشش تو کی گئی مگر ایک زبردست زلزلہ بپا ہو گیا، جس سے خوفزدہ ہو کر ان بنیادوں کا جوں کا توں رہنے دیا گیا، اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان بنیادوں کو اکھیڑنا مشیت ایزدی کے خلاف ہے۔ بہر حال ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے حصہ کی تعمیر میں منہمک ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر) (فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۶)

اس متبرک تعمیر میں امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ بھی بنفس نفیس شریک دوسرے حضرات کے ساتھ پتھر اٹھانے میں برابر حصہ لے رہے تھے۔ پتھر اٹھانے سے آپ کا کندھا مبارک بھی متاثر ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ کے چچا عباس نے آپ سے عرض کی کہ جس طرح دوسرے لوگوں نے اپنی ازار بند کی چادریں کندھوں پر رکھ لی ہیں تاکہ پتھر اٹھانے میں سہولت ہو اسی طرح آپ بھی چادر کندھے پر رکھ لیں (ان لوگوں کے نزدیک ناف سے گھٹنے تک ستر پوشی کوئی زیادہ ضروری نہیں تھی، فقط عین شرمگاہ کا پردہ کرتے تھے) لیکن آپ کی چادر کھلنے کی دیر تھی کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور سکتہ طاری ہو گیا، آنکھیں پتھرا گئیں۔ عباس نے فوراً آپ کی ستر پوشی کی، اور آپ ہوش میں آ گئے۔ آپ ﷺ کی زبان سے بے اختیار ازاری، ازاری کی آواز آ رہی تھی۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵)

تمام قبائل تعمیر کے مقدس کام میں پوری طرح یک جہتی سے مصروف اور بحسن و خوبی تیز رفتاری سے کام انجام دے رہے تھے، لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو قریش شدید اختلاف کا شکار ہو گئے۔ ہر ایک قبیلہ خواہشمند تھا کہ یہ خدمت اس کے ہاتھوں انجام پائے، یہ شرف اور اعزاز اسے نصیب ہو۔ یہ نزاع اس قدر بڑھا کہ جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں سونت لی گئیں اور ہر قبیلہ کٹ مرنے پر تیار ہو گیا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تو کسی برتن میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی بنی عبد الدار اور بنی عدی نے پیالہ میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ ہم سب جان تو دے سکتے ہیں مگر حجر اسود کسی دوسرے کو نصب نہیں کرنے دیں گے۔ چار پانچ دن اسی کشمکش میں گزر گئے، اور کوئی تصفیہ نہ ہوا۔ آخر حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس گتھی کو سلجھانے کے لئے قریش حرم شریف میں جمع ہوئے۔ ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا، تجویز پیش کی کہ کل صبح حرم شریف میں جو آدمی بھی سب سے پہلے داخل ہو اسے حکم بنا لیا جائے، وہ جو بھی فیصلہ کرے، تمام قبائل اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اس تجویز کو اتفاق رائے سے پذیرائی بخشی گئی۔

چنانچہ اگلے روز علی الصبح معززین قریش موقع پر پہنچے، لیکن قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ سب لوگوں کی نظریں جس ہستی پر پڑیں وہ جمال جہاں آراء چہرۂ محمدی تھا۔

((ھذا الامین رضیناہ))

کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔لوگوں کے چہرے مسرت وانبساط سے پھول کی طرح کھل گئے،لیکن آپ کی شان رحمت للعالمین یہ کب گوارا کر سکتی کہ وہ اس شرف سے تنہا بہرہ اندوز ہوں۔آپ نے بے مثال دانشوری اور حسن تدبیر سے ایسا طرز عمل اختیار فرمایا جس سے تمام قبائل کی دلی آرزو بھی پوری ہوگئی اور قتل وقتال اور خونریزی کا عذاب بھی ٹل گیا۔آپ نے تمام قبائل سے ایک ایک نمائندہ لے لیا اور چادر بچھا کر اپنے دست اطہر سے حجر اسود میں رکھا اور ارشاد فرمایا کہ تمام سردار چادر کے کونے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں۔جب اس کے نصب کرنے والی جگہ پر لایا گیا تو آپ نے اپنے دست حق پرست سے اس کی جگہ اسے نصب فرمادیا۔اس طرح اس فاضلانہ اور دانشمندانہ ترکیب سے ایک خون ریز جنگ کا انسداد بھی ہوگیا اور آپ کی عظمت وجلالت کا سکہ بھی قریش کے دلوں میں بیٹھ گیا اور وہ لوگ آپ کو الامین کے مبارک لقب سے پکارنے لگے۔(فتح الباری،جلد ۳،صفحہ ۳۴۵)

قریش نے ایک طرف تو تعمیر بیت اللہ کا سنہری کارنامہ انجام دیا اور دوسری طرف بعض نے ناپسندیدہ اور قابل صد نفرین کام بھی کئے۔جن سے عمارت ابراہیمی کی ہیئت میں تبدیلی ہوگئی۔اگرچہ انہوں نے کسی مجبوری کے تحت حطیم کا حصہ کعبہ شریف سے جدا کیا تھا مگر آج تک عمارت ابراہیمی اپنی اصلی حالت سے محروم ہے۔

قریش نے تعمیر فنڈ کے لئے حلال مال کی جو کڑی شرط عائد کی تھی،جمع شدہ فنڈ تعمیری ضروریات کیلئے ناکافی ثابت ہوا۔اس فنڈ سے کعبہ شریف کی عمارت کا مکمل ہونا ممکن نہیں تھا،اس لئے کچھ حصہ چھوڑ کر دیواریں کھڑی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ان کا خیال تھا کہ جب بھی حلال طیب مال جمع ہو جائے گا تو اس باقی ماندہ جگہ کو بھی شامل کرلیں گے،مگر وہ ایسا نہ کر سکے اور جو جگہ چھوڑی تھی اس کے گرد چھوٹی سی دیوار بنادی۔اس حصہ کا نام حطیم یا حجر اسماعیل ہے۔(تفسیر ابن کثیر،جلد ۱،صفحہ ۱۸۰)(اخبار مکہ،بناء قریش)

قریش نے ایک انتہائی قبیح جدت یہ بھی کی کہ کعبہ شریف کے اندر دیواروں پر چھت کے اندر اور ستونوں پر انبیاء،ملائکہ عظام کی تصویریں اور بیل بوٹے بنائے۔نعوذ باللہ حضرت ابراہیم کا بت بنا کر اس کے ہاتھ میں تیر دیئے۔علاوہ ازیں سیدنا عیسیٰ اور سیدہ مریم صدیقہ کے بت بھی بنائے۔جن سے کعبہ شریف کی تطہیر نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمائی تھی۔

قریش نے تعمیر کے وقت کعبہ شریف میں معلق زیورات،قیمت سامان،سیدنا اسماعیل کے ذنبہ کے سینگ،جو مغربی دیوار میں آویزاں تھے جن پر لوگ خوشبو لگایا کرتے تھے،اور کعبہ شریف کا خزانہ یہ تمام اشیاء ابی طلحہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی کے گھر میں محفوظ کردی تھی۔ہبل کا بت جو خزانہ کعبہ کے کنوئیں پر نصب تھا اسے نکال کر مقام ابراہیم کے قریب نصب کیا۔تعمیر سے فارغ ہو کر یہ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ لوٹا دی گئیں۔(اخبار مکہ،صفحہ ۱۰۹)(البدایہ والنہایہ،جلد ۵،صفحہ ۱۵۵)

قریش کی تعمیر کی خصوصیات درج ذیل تھیں:

1: تعمیر ابراہیمی میں دروازہ زمین کے برابر تھا۔قریش نے قد آدم اونچا کردیا،تاکہ ان کی مرضی ومنشاء اور اجازت کے بغیر کوئی آدمی کعبہ شریف میں داخل نہ ہو سکے۔

2: قریش کی تعمیر میں دیواروں کی چنائی پتھروں اور لکڑی کی مشترکہ ردوں سے ہوئی۔ایک ردہ پتھر کا اور ایک لکڑی کا بنایا گیا۔ردوں کی مجموعی تعداد ۳۱ تھی جس میں سولہ پتھر کے اور ۱۵ لکڑی کے تھے۔

3: قریش نے چھت کے سہارے کیلئے کعبہ شریف کے اندر تین تین ستونوں کی دو قطاروں میں چھ ستون بنائے،جب کہ اس سے پہلے نہ چھت تھی اور نہ ستون۔

4: انہوں نے چھت پر چڑھنے کیلئے کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی کی جانب لکڑی کا زینہ بھی بنایا۔

5: اس سے پہلے کعبہ شریف کا پرنالہ نہیں تھا۔قریش نے چھت کے ساتھ پرنالہ بھی بنایا، جس کا پانی حطیم میں گرنے لگا۔
کعبہ شریف کا مضبوط دروازہ بنوایا اور چابی تالہ کا انتظام بھی کیا۔
6: قریش نے سب سے پہلے تراشیدہ اور بنائے ہوئے پتھروں سے کعبہ شریف کی تعمیر کی۔
7: تعمیر ابراہیمی میں کعبہ شریف مستطیل مکان کی شکل میں تھا، جب کہ قریش نے حطیم کا حصہ ۶ ذراع اور ایک بالشت چھوڑ کر تقریباً مربع شکل بنادیا۔
8: تعمیر ابراہیمی چاروں کونوں میں رکن تھے جن کا استلام کیا جاتا تھا، لیکن قریش نے دو رکن کم کر دیئے جس کے باعث صرف رکن حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام باقی رہ گیا۔
9: تعمیر ابراہیمی میں دیواریں ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۶ انچ یعنی ۴ میٹر ۱۱ سینٹی میٹر) اونچی تھی، مگر قریش نے ۹ ذراع کا مزید اضافہ کر دیا جس سے کل بلندی ۱۸ ذراع (۲۷ فٹ یعنی ۹ میٹر ۲۸ سینٹی میٹر) ہوگئی۔
10: تعمیر ابراہیمی میں چھت نہیں تھی، قریش نے مضبوط اور عمدہ لکڑی کی چھت بنوائی۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۱۰۹) (البدایہ والنہایہ، جلد ۵، صفحہ ۱۵۵)

قریش کی تعمیر کے وقت اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ فہم وفراست میں خاصی شہرت کے مالک تھے، مگر قریش نے تعمیری منصوبہ اپنے سرداروں کی کابینہ میں پاس کیا تھا۔ جس سے روگردانی اور انحراف ناممکنات میں سے تھا۔ نہ تو انہیں کسی کی تنقید گوارا تھی اور نہ ہی ان کے تیار کردہ پروگرام میں کوئی تبدیلی کی جرأت کر سکتا تھا۔ قریش نے تعمیری خدوخال اپنی ثواب دید کے مطابق وضع کئے۔ نہ تو انہیں آثار ابرہیمی کی بقا مقصود تھی اور نہ ہی اس معاملہ میں مشیت ایزدی کے طلبگار تھے۔ حالات کی نزاکت اور سنگینی کے پیش نظر امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ نے سکوت ہی میں بہتری سمجھی، لیکن اس واقعہ کے پانچ برس بعد جب آپ خلعت نبوت سے نوازے گئے تو آپ ﷺ کے حساس دل میں ابراہیمی بنیادوں میں تبدیلی اور قریش کی من چاہی جدت کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ آپ اس کرب واضطراب کا اظہار گاہے گاہے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ نے استفسار کیا:

''بیت اللہ کا دروازہ اس قدر بلند کس مصلحت کے پیش نظر رکھا گیا؟ اور یہ کمان کی مانند خم دار دیوار (حطیم) کی حقیقت کیا ہے؟''

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ! تیری قوم نے اتنا بلند دروازہ اس غرض سے رکھا کہ کعبہ شریف میں داخلہ ان کی چاہت کا مرہون منت رہے، وہ جسے چاہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے کا اجازت نامہ جاری کریں اور جس سے نہ بنتی ہو اسے اس سعادت سے محروم رکھیں۔ علاوہ ازیں حطیم کی ہلال نما دیوار، یہ حصہ بھی کعبہ شریف میں شامل تھا۔ مگر تیری قوم نے جب اسے تعمیر کیا تو حلال مال سے جمع شدہ سرمایہ جواب دے گا اور وہ اس حصہ کو کعبہ شریف کی چار دیواری میں شامل کر کے مسقف نہ بنا سکے اور یونہی اس کی خم دار حد بندی کر دی۔ عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا اور مجھے ان کے انکار اور باہمی تصادم کا خوف بھی نہ ہوتا (ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں) تو میں اس حصہ کو ضرور بیت اللہ میں داخل کر دیتا، اس کا دروازہ زمین کے برابر بنا دیتا، بلکہ اس کے دروازے، ایک مشرق اور ایک مغرب میں بنا دیتا۔ جس سے ہر آدمی بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت سے بسہولت شرف بار ہو سکتا۔''

(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹)

ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی رفیقہ غمگسار کو مخاطب ہو کر فرمایا:

''عائشہ! کیا تو دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اسے قواعد ابراہیم سے گھٹا دیا۔؟''

حضرت عائشہ عرض پرداز ہوئیں:

''اے اللہ کے حبیب! آپ اسے بڑھا کر اصل بنا کے مطابق کر دیں۔''

لیکن حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تیری قوم کا ایمان تازہ اور کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر گزرتا۔'' (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قلق کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا، تو میں کعبہ شریف کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور دروازہ زمین کی سطح کے برابر کر دیتا، بلکہ اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک اندر جانے کا اور دوسرا باہر آنے کا، اور حطیم کا چھ ذراع (تقریباً نو فٹ) کا ٹکڑا بیت اللہ شریف میں داخل کر دیتا۔'' (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹)

لیکن نامساعد حالات، مذہبی، ملکی، سیاسی اور اقتصادی امور کی طرف توجہ آپ ﷺ کی اس خواہش کی تکمیل میں حائل رہی اور ابراہیمی بنیادوں کی تبدیلی کا درد دل میں لئے بیت اللہ کو اپنی ہیئت پر چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے۔

بعد میں سیدنا عبداللہ بن زبیر نے آپ ﷺ کی اس خواہش کو پورا کر دیا تھا۔

عام مشہور روایت کے مطابق قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس پہلے یعنی جب آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا اور اس کا عرض حجر اسماعیل کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے پاس حلال خرچ نہیں تھا، جو حلال مال اس عمارت کے لئے جمع کیا گیا تھا وہ خرچ ہو چکا تھا۔ نیز حجر کے پاس ایک چھوٹی سی دیوار بنائی گئی۔ لوگ اس سے باہر کی طرف سے طواف کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کا دروازہ زمین سے بلند کر دیا اور اس پر پتھر لگا دیئے۔ حتیٰ کہ وہ سیلاب کے پانی سے محفوظ ہو گیا۔ نیز کعبہ شریف کے دربان جسے چاہتے اندر جانے کی اجازت دیتے اور جسے چاہتے منع کرتے اور دروازے کا ایک کواڑ بنایا۔ اس میں کعبہ شریف کا کنواں بدستور باقی رہنے دیا، جسے وہ خزانہ کہتے تھے۔ اس میں ہدایا اور تحائف ڈالتے تھے۔ نیز اس پر چھت ڈال دی اور جانب شمال میزاب نصب کیا۔ اس کا پانی حجر اسماعیل پر واقع ہوتا تھا۔ اس سے پہلے خانہ کعبہ غیر مسقف یعنی بغیر چھت کے تھا۔ حضرت ابراہیم کے بعد سب سے پہلے قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ پر چھت ڈالی۔ یہ چھت درخت کنار کی لکڑی اور کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اس کی بلندی اٹھارہ ہاتھ کر دی گئی اور اس کے دو رکن بنائے گئے۔ حطیم کی جانب کوئی رکن نہیں تھا، بلکہ حضرت ابراہیم کی تعمیر کے مطابق مدور بنایا گیا۔ اس زمانہ میں لوگ خانہ کعبہ کی شکل پر مدور مکان بناتے تھے اور اسے خانہ کعبہ کی تعظیم تصور کرتے تھے۔

سب سے پہلے حمید بن ظہیر نے مربع شکل کا مکان بنایا۔ قریش دیکھ کر کہنے لگے: اس نے مربع شکل کا مکان بنایا ہے، اب دیکھئے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ وہ زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے۔

قریش کو خانہ کعبہ تعمیر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک دفعہ ایک عورت نے خانہ کعبہ میں بخور جلائی جس سے ایک شعلہ اڑ کر غلاف کعبہ شریف پر جا پڑا۔ اس سے غلاف اور دیواریں جل گئیں اور ان میں شگاف پڑ گئے اور کمزور ہو گئیں۔

قریش کی تعمیر سے پہلے کعبہ شریف خشک اینٹوں کا بنا ہوا تھا، اس میں گارا نہیں لگایا گیا تھا اور شگاف مٹی سے بھر دیئے گئے تھے اور

باقوم رومی معمار نے اسے تعمیر کیا تھا۔

باب نمبر 9:

تعمیر کعبہ......فاروق اعظم کے عہد مسعود میں

حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد تک بلکہ خلافت راشدہ کے کچھ عرصہ بعد تک بھی بیت اللہ کے احترام کے پیش نظر دومنزلہ عمارت بنانے کی کوئی بھی جرأت نہ کرسکا۔ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب نے اپنی ضوفشانی سے چار دانگ عالم کو منور کیا تو اطراف و اکناف عالم سے لوگ آکر مکہ مکرمہ میں آباد ہونے لگے۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو فتوحات کی کثرت سے زائرین کا بے پناہ ہجوم ہوگیا، اور حرم شریف تنگی کی شکایت کرنے لگا۔

چنانچہ ۱۷ ہجری مطابق ۶۳۸ عیسوی میں سیدنا فاروق اعظم نے پہلی بار حرم شریف کی توسیع کا ایک جامع منصوبہ بنایا۔ قریش کے ملحقہ مکانات زرکثیر کے عوض خریدے اور انہیں منہدم کر کے حرم شریف کو کشادہ کیا۔ بعض آدمی اپنے مکانات فروخت کرنے پر جب رضا مند نہ ہوئے تو فاروق اعظم نے انہیں فرمایا:

'' آپ حضرات نے فنائے کعبہ میں مکانات بنائے ہیں، جب کہ فنائے کعبہ تو کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود میں قیمتاً مکان خرید رہا ہوں۔''

امیر المومنین نے ان کی قیمت کعبہ شریف میں رکھ دی اور مکانات گرانے شروع کردیئے۔ بعد میں لوگ بھی قیمت لینے پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ رقم ان کے حوالے کر کے مکانات گرا کر تمام جگہ حرم شریف میں شامل کردی اور اس کے چاروں طرف دیوار بنادی۔ رات کے وقت اس دیوار پر چراغ رکھ کر حرم میں روشنی کی جاتی تھی۔ مکانات کے درمیان راستوں کے مطابق دیوار میں بھی راستے بنادیئے۔

باب نمبر 10:

تعمیر کعبہ عہد عثمان غنی میں

اسلامی تاریخ میں حرم محترم کی توسیع کا سہرا امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سر ہے، ان کا یہ کارنامہ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے لئے مشعل راہ بن گیا۔ جب خلعت خلافت ان کے زیب تن کی گئی تو مسلمانوں کی بہتات اور کثرت کے باعث حرم شریف کی توسیع ناگزیر تھی۔ خلیفہ ثالث نے اس سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔

چنانچہ ۲۶ ہجری مطابق ۶۴۶ء میں اس فقید المثال خدمت کو سرانجام دیا۔ قرب وجوار کے بہت سے مکانات خرید کر حرم شریف کو خوب کشادہ کیا اور اس کے چاروں طرف برآمدے تعمیر کئے، آپ ہی نے سب سے پہلے برآمدے بنوائے۔

(روح المعانی، جلد ۹، صفحہ ۱۴۱)

حافظ نجم عمر بن فہد سے منقول ہے کہ ۲۶ ہجری میں خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان ذی النورین جب مدینہ منورہ سے عمرہ کیلئے مکہ مشرفہ تشریف لائے تو حرم کے قرب وجوار کے مکانات خرید کر اسے کشادہ کیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اہل مکہ نے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ''شعیبیہ'' بندرگاہ جو زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی ہے اور مکہ معظمہ سے بہت دور ہے لہٰذا آپ جدہ کے ساحل پر بندرگاہ بنادیں۔ آپ نے جدہ جا کر جگہ کا معائنہ کیا اور بندرگاہ بنانے کا حکم صادر فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین نے سمندر میں غسل کیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ مبارک پانی ہے۔حاضرین کو بھی غسل کرنے کیلئے کہا۔اس طرح شعیبیہ کی بجائے جدہ بندگاہ قائم ہوئی جو آج بین الاقوامی بندرگاہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

باب نمبر 11:

تعمیر مکہ......سیدنا عبداللہ بن زبیر کے عہد میں

سیدنا عبداللہ کے والد مکرم کا اسم گرامی زبیر تھا، باپ بیٹا دونوں صحابی تھے۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر صدیق جن کا لقب ذات النطاقین تھا اور خالہ حبیبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ تھیں۔آپ کی ولادت ہجرت کے دس ماہ بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ہجرت کے بعد مسلمان مہاجرین میں سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی جس سے تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، کیونکہ اتنے عرصہ میں کسی بھی مہاجر مسلمان کے گھر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ چرچا ہونے لگا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔

چنانچہ آپ کی ولادت کے بعد حضرت زبیر آپ کو لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور اقدس ﷺ نے کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی (گھٹی دی) اور ''عبداللہ'' نام تجویز کیا۔

حضرت عبداللہ بے حد نیک، متقی، رحم دل اور شجاعت کے مالک تھے۔صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔بڑی لمبی نماز پڑھتے اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔آپ نے نماز کے لئے اپنی راتوں کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ایک رات نماز میں ساری رات قیام میں گزار دیتے، ایک رات اتنا لمبا رکوع ہوتا کہ اسی حالت میں صبح ہو جاتی اور ایک رات سجدہ اس قدر طویل ہوتا کہ صبح تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے۔آپ نے حضور نبی کریم ﷺ سے تینتیس احادیث روایت کی ہیں۔

قریش کی تعمیر بیت اللہ کے بعد ابھی ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی تھی کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے لئے تعمیر کی خدمت انجام دینا ناگزیر ہو گیا۔وہ کون سے اسباب وعلل تھے جن کے باعث آپ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا؟ احادیث، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں ان کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی گئی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر کے کانوں میں تعمیر کعبہ کے متعلق سرور کونین ﷺ کے فرامین کی صدا گونج رہی تھی اور آپ کے ایمانی جذبات اپنے آقا کی چاہت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انگڑائیاں لے رہے تھے۔مگر ابھی اس ساعت نیک اختر کا انتظار تھا جو حالات اور اسباب کو ان کے حق میں سازگار اور ممد ومعاون بنا دے۔

چنانچہ خاتم المحدثین امام بخاری سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ام المومنین صدیقہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

> ''عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ شریف کو منہدم کر دینے کا حکم دیتا اور جن چیزوں کو قریش نے کعبہ سے نکال دیا ہے انہیں دوبارہ اس میں شامل کر دیتا (حطیم اور بنیادوں کا آدھا حصہ) اور دروازہ کو زمین کے برابر کر دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی جانب، اس طرح میں ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔'' (بخاری، جلد ا، صفحہ ۲۱۵)

امام مسلم کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا: عائشہ! اگر تیری قوم کا عہد شرکیہ قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کعبہ شریف کو منہدم کر کے دروازہ کو

زمین کے برابر کر دیتا۔ مشرق اور مغرب میں دو دروازے بنا دیتا اور حطیم کی جانب سے چھ ہاتھ جگہ کعبہ شریف میں شامل کر دیتا، کیونکہ قریش نے جب بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو یہ چھ ہاتھ جگہ چھوڑ دی تھی۔'' (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۰)

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو گرا کر ابراہیم کی بنیادوں کے مطابق اسے تعمیر کرتا، کیونکہ قریش نے اس کی بنیادوں میں کمی کر دی ہے اور میں اس کی پشت کی دیوار میں بھی ایک دروازہ بناتا۔''

(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۴۱۵) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۲۹)

سیدنا عبداللہ بن زبیر حضور اکرم ﷺ کے فرامین اور چاہت کے مطابق کعبہ شریف کو تعمیر کرنے کا عزم رکھتے تھے مگر ہنوز اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہیں کر پائے تھے کہ ایک ایسا دل دوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد تعمیر کرنا ناگزیر ہو گیا۔ محدثین اور مورخین نے اس کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''یزید نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے اور بیعت سے انکار کرنے والے سے جنگ کرنے کیلئے جس لشکر کو بھیجا تھا اس کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ تھا۔ جس نے مدینہ طیبہ کو زیر نگیں کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کا رخ کیا، لیکن راستہ میں ''ابوا'' کے مقام پر اسے وقت نے آلیا۔ جب اس نے زندگی کا چراغ گل ہوتے دیکھا، تو حصین بن نمیر کو اپنی فوج میں قائم مقام بنا دیا۔

حصین بن نمیر ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا، جہاں اہل مکہ اور حجاز جو عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، اس نے انہیں یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی، لیکن جب ان کی طرف سے انکار رہا تو فریقین کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر جنگ کرنے کے بعد رات کے وقت شامی فوجوں نے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان پر منجنیقیں نصب کر لی اور شب و روز خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ محرم کے بقیہ دن اور صفر کا پورا مہینہ حتیٰ کہ تین ربیع الاول تک یہ حالت قائم رہی۔ شامیوں نے کعبہ پر آگ برسائی، جس سے چھت اور پردے جل گئے۔ اس دوران کوئی آدمی طواف نہ کر سکا۔''

(تاریخ ابن خلدون، جلد ۲، عنوان مکہ کا محاصرہ)

محاصرہ کے باعث حضرت ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں نے کعبہ شریف کے گرداگرد خیمے لگا لئے تاکہ حرم شریف کے باعث شامی فوج کے حملہ سے پناہ مل جائے، لیکن ان کی توقعات کے خلاف شامی فوج نے انہیں نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ کعبہ شریف کو بھی نشانہ بنالیا۔

محدثین عظام اور مورخین اس بات پر تو متفق نظر آتے ہیں کہ یزید کی فوج نے کعبہ شریف پر سنگ باری کی تھی جس کے باعث کعبہ شریف کو شدید نقصان پہنچا۔ اگرچہ ان کا مقصود بالذات کعبہ شریف نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر کی فوج کو نشانہ بنانا تھا۔ البتہ مؤرخین اس بات میں مختلف الآراء ہیں کہ کعبہ شریف کو آگ لگانے کی ذمہ داری کس فریق پر عائد ہوتی ہے۔ اکثر محدثین اور مورخین اس کا ذمہ دار شامی فوج کو ٹھہراتے ہیں جبکہ بعض روایات سے عبداللہ بن زبیر کے اصحاب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

امام مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں، یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب اہل شام نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ شریف جل گیا تو انہوں نے جو کچھ کرنا تھا سو کیا۔

عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو اسی حال پر چھوڑ دیا، تا کہ جب لوگ موسم حج میں آئیں گے تو اہل شام کو لعن طعن کریں گے۔ چنانچہ جب لوگ حج کو آئے تو ابن زبیر نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ تمام دیواریں منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائیں یا صرف اصلاح اور مرمت کردی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس نے رائے پیش کی کہ صرف مرمت ہی سے کام چلایا جائے۔ شکستہ دیواروں کو بنایا جائے اور جو کھڑی ہیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

مگر حضرت عبداللہ بن زبیر اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر (خدا نہ کرے) تم میں سے کسی کا مکان نذر آتش ہو جائے تو کیا وہ مرمت و پیوند کاری ہی پر اکتفا کرے گا؟ یا اسے مکمل طور پر نیا بنائے گا۔ پھر بیت اللہ کے مطابق تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا، جو بھی صورت سمجھ میں آئے گی اسے اختیار کروں گا۔ تین دن بعد آپ نے باقی مادہ دیواریں توڑ کر نئی تعمیر کا فیصلہ فرمایا، لیکن کعبہ شریف کے گرانے کی کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی۔ سب کے دل خائف تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ جو آدمی بھی اسے توڑنے کیلئے دیوار پر چڑھے گا وہ عذاب خداوندی کا شکار ہو جائے گا۔ بالآخر ایک آدمی جرأت کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور گرانا شروع کر دیا۔ باقی لوگوں نے جب دیکھا کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تو ان کی بھی ہمت بڑھ گئی اور وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے، اور زمین کی سطح تک دیواریں گرادیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کے گرد لکڑی کے چار ستون کھڑے کئے اور کپڑے کا پردہ بنادیا، تا کہ کعبہ جیسی ہیئت بن جائے اور لوگ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔

جب کام شروع ہونے لگا تو ابن زبیر نے فرمایا:

''میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ کو یہ بیان کرتے سنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ کرنے کو خزانہ بھی ہوتا جس سے نئی تعمیر کی جاسکتی تو میں حطیم میں سے پانچ ہاتھ جگہ بیت اللہ شریف میں ضرور داخل کر دیتا اور دروازہ بنا دیتا۔ ایک داخل ہونے کیلئے اور دوسرا باہر جانے کیلئے۔''

عبداللہ بن زبیر فرمانے لگے:

''اب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خزانہ بھی موجود ہے اور لوگوں کا زمانہ کفر بھی قریب نہیں رہا۔ یہ خوف بھی زائل ہو چکا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ رحمت دارین ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں۔''

بہر حال حطیم کی جانب سے پانچ ہاتھ شامل کر کے بنیادیں کھودی جارہی تھیں تو پہلی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ جنہیں معززین شہر، علماء و صلحاء نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر انہی پر عمارت تعمیر کی گئی۔ قریش نے کعبہ شریف کی بلندی ۱۸ ذراع تقریباً ۲۷ فٹ رکھی تھی۔ اب کی بار اس میں ۱۰ ذراع تقریباً ۱۵ فٹ کا اور اضافہ کر دیا گیا، کیونکہ جب حطیم کا حصہ شامل کیا گیا تو طول کی نسبت سے بلندی تھوڑی معلوم ہوتی تھی، اس لئے بلندی میں بھی اضافہ کر دیا گیا اور دو دروازے مشرق میں اندر داخل ہونے کیلئے اور مغرب میں باہر جانے کیلئے بنائے۔

(مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۰)

علامہ ابن حجر عسقلانی مذکورہ بالا بخاری اور مسلم کی روایت کی توضیح اور تشریح اس طرح کرتے ہیں:

الف: امام مسلم نے عطا بن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ جب یزید کے زمانہ میں شامی فوجوں نے مکہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ شریف جل گیا تو انہوں نے جو کچھ کرنا تھا سو کیا۔

ب: امام فاکہی تاریخ مکہ میں یزید بن رومان وغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہل شام نے کعبہ شریف کو جلا دیا اور

منجنیق سے سنگ باری کی تو کعبہ شریف گر گیا۔

ج: امام ابن سعد نے طبقات میں ابی حارث بن زمعہ سے روایت کی ہے کہ حصین بن نمیر کو ربیع الاول ۶۴ ہجری کو یزید کے مرنے کی اطلاع ملی۔ شامی فوج کی سنگ باری سے بیت اللہ شریف کی دیواریں اوپر سے نیچے تک ہل گئیں اور غلاف کعبہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔

د: امام فاکہی عثمان بن ساج سے روایت کرتے ہیں کہ جب حصین بن نمیر کی فوج نے مکہ پر چڑھائی کی تو اس اثناء میں شامی فوجیوں نے باب بنی جمح کے قریب آگ جلائی، جب کہ حرم شریف میں کعبہ شریف کے چاروں طرف حضرت ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کے خیمے تھے۔ آگ خیموں تک پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ کعبہ مشرفہ بھی آگ کی زد میں آ گیا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو آگ لگانے کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے۔ آگ کی وجہ سے بیت اللہ کی بنیادیں اس قدر کمزور ہو گئیں کہ اگر دیوار پر پرندہ بھی بیٹھتا تو دیواریں ہل جاتی تھیں۔

ہ: امام عبدالرزاق نے مرثد بن شرجیل سے روایت کی ہے کہ کعبہ شریف اہل شام کے جلانے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ جسے بعد میں عبداللہ بن زبیر نے گرا کر از سر نو تعمیر کیا۔ (فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۴۵)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی بھی لکھتے ہیں کہ شامی فوج جو یزید کی طرف سے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوئی تھی اس نے کعبہ شریف بھی جلا دیا۔ (عمدۃ القاری، جلد ۹، صفحہ ۲۱۷)

مکہ معظمہ کے سب سے پہلے مشہور عالم مؤرخ علامہ ازرقی نے مندرجہ ذیل مستقبل عنوان کے تحت اس موضوع پر بحث کی ہے:

((فاجاء فی خریق الکعبة ، وما اصابها من الرمی ابی قبیس بالمنجنیق))

جس میں سے چند روایات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں:

عبیداللہ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حصین بن نمیر کی فوج واپس جانے کے بعد عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوا جب کہ ان کے ساتھ بہت سے لوگ اور بھی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ کعبہ شریف کے پتھر بکھرے پڑے ہیں اور کعبہ جلا ہوا ہے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر عبداللہ بن عمرو بن العاص زار و قطار رو پڑے اور کہنے لگے:

''حضرت ابو ہریرہ یہ خبر پہلے ہی دے چکے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد تم ان کے نواسے کو قتل کرو گے اور اللہ کے گھر کو جلا دو گے۔ آج ہم تمہاری جسارت اور بیباکی کا نظارہ کر رہے ہیں کہ تم نے نبی ﷺ کے بعد نبی ﷺ کے بیٹے کو قتل کیا اور کعبہ جلا دیا۔؟ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کسی سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہیں آپس میں لڑوائے گا۔''

عبداللہ بن جعفر الزہری نے ابا عون سے دریافت کیا کہ کعبہ شریف میں آتش زنی کا واقعہ کب پیش آیا؟ انہوں نے بتایا کہ بیس ربیع الاول ۶۴ ہجری کی شب شامی فوج پر آسمانی بجلی گری اور اس کے بعد بیت اللہ میں آگ لگنے کا واقعہ رونما ہوا۔ ہمارے ایک آدمی مسلم بن ابی خلیفہ المذحجی کے ہاتھوں یہ حادثہ ہوا ہے۔ جو اپنے خیموں میں آگ جلا رہا تھا اور ہوا کے سبب چنگاری اڑ کر کعبہ شریف پر جا گری جس سے آگ بھڑک اٹھی۔

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ تم ہی لوگوں نے بیت اللہ شریف پر سنگ باری کی اور اسے جلا دیا مگر جلانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔

کعبہ شریف کو حادثہ پیش آنے کے کچھ دیر بعد عروہ بن اذینہ اپنے والد کے ساتھ حرم میں آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ حجر اسود جھلسا ہوا اور تین جگہ سے تڑکا ہوا تھا۔ یہ دل دوز منظر دیکھ کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ حادثہ کیسے رونما ہوا؟ تو انہوں نے عبداللہ بن زبیر کے

اصحاب میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس آدمی نے برچھی کی نوک سے ایک انگارہ اٹھایا جسے ہوا نے اڑا کر کعبہ شریف کے پردے پر گرا دیا، جس سے آگ بھڑک اٹھی اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جل کر خاک ہوگیا۔ (امام طبری نے بھی یہ روایت نقل کی ہے)

رباح بن مسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے شامی فوجوں کی سنگ باری کا دلسوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جبل ابی قبیس سے منجنیقوں کے ذریعہ اتنی زبردست سنگ باری کی گئی کہ پتھر موسلا دھار بارش کی طرح کعبہ شریف پر گر رہے ہیں۔ غلاف کعبہ کی دھجیاں بکھر گئیں اور عورتوں کے دوپٹوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اڑ رہا تھا۔ سنگ باری پورے زوروں پر تھی کہ رب ذوالجلال والمنتقم نے عصر کے وقت ان پر آسمانی بجلی گرائی جس سے منجنیق جل کر راکھ ہوگئی اور اٹھارہ آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔

ابن مرتفع سے روایت ہے کہ جس وقت کعبہ شریف پر سنگ باری ہو رہی تھی تو ہم حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ حطیم میں تھے۔ ہمیں کعبہ شریف سے ایسی خوفناک آواز آرہی تھی جس طرح مریض درد کی شدت سے آہ وزاری کرتا ہے۔

عثمان بن ساج کہتے ہیں کہ ہمیں ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ کعبہ شریف کے چاروں طرف خیمے نصب تھے۔ ایک خیمہ میں آگ جلائی جارہی تھی جس سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اس کے شعلے غلاف کعبہ تک پہنچ گئے جس سے بیت اللہ شریف جل گیا۔

امام موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھیوں کے خیمے کعبہ شریف کے چاروں طرف لگے ہوئے تھے جن پر حصین بن نمیر نے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان سے اس قدر سنگ باری کی کہ سورج کی دھوپ میں پتھروں سے سایہ ہوگیا۔ اس اثناء میں کعبہ شریف کا غلاف تار تار ہو کر بکھر گیا۔

ابن زبیر کے ایک آدمی نے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان خیمہ کے اندر آگ جلائی چونکہ اس زمانہ میں حرم بہت تنگ تھا اور ہوا شدید چل رہی تھی جس سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اسی سے غلاف کعبہ نے آگ پکڑ لی اور سارا کعبہ جل کر خاکستر ہوگیا۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۹)

امام فاکہی لکھتے ہیں کہ حصین بن نمیر نے اپنا ایک آدمی سیدنا ابن زبیر کے خیمے جلانے پر مامور کیا تھا۔ جس نے رات کے اندھیرے میں ایک شمع روشن کر کے خیمہ کے قریب رکھ دی۔ اس رات تند و تیز ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے خیمہ کو آگ لگ گئی اور اسی سے غلاف کعبہ نے بھی آگ پکڑ لی۔ جس سے غلاف جل گیا۔ دیواریں شدید متاثر ہوئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ قربان ہونے والے دنبے کے سینگ جو کعبۃ اللہ میں لٹکائے گئے تھے، جل گئے۔ (اخبار ام القریٰ، صفحہ ۱۹)

امام طبری لکھتے ہیں کہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ بروز سوموار شامی فوج نے منجنیق سے کعبہ شریف پر پتھر برسائے اور آگ لگا دی۔

(طبری، جلد ۴، واقعات ۶۴ھ)

بہر حال جب کعبہ شریف نذر آتش ہوا اور منہدم ہو جانے کا جانکاہ حادثہ رونما ہوا تو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تین دن تک استخارہ کرنے کے بعد پوری عمارت از سر نو تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

آپ کا خیال تھا کہ گارے میں واس جو ایک خاص قسم کی گھاس ہے ملایا جائے، مگر انہیں بتایا کہ اس کی ملاوٹ سے مٹی کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی، بلکہ اس کی بجائے چونا استعمال کرنا چاہیے۔ آپ نے دریافت کیا کہ چونا کہاں سے ملے گا؟ لوگوں نے بتایا: یمن کے شہر صنعاء میں عمدہ چونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ چار سو (۴۰۰) دینار کا چونا صنعاء سے خریدا گیا اور جب چونا مکہ شریف پہنچ گیا تو اسے چھاننے کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے شہر کے اہل علم حضرات سے دریافت کیا کہ قریش نے بیت اللہ کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کئے تھے، وہ کہاں سے لائے گئے تھے۔؟ معززین شہر نے بتایا کہ حرا، ثبیر ا، المقطع اور الجند مہ وغیرہ پہاڑوں سے لائے تھے۔آپ نے بھی انہیں پہاڑوں سے پتھر منگوائے۔

جب تمام انتظام مکمل ہوگئے تو آپ نے دیواریں منہدم کرنے کا پروگرام بنایا، مگر اہل مکہ شہر چھوڑ کر منیٰ کی طرف چلے گئے۔وہ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ کہیں کعبہ شریف کی دیواریں گرانے سے عذاب الٰہی نازل نہ ہو جائے، لیکن جب کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا تو لوگ مطمئن ہوکر واپس شہر میں لوٹ آئے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔

۵ جمادی الثانی ۶۴ ہجری بروز ہفتہ دیواریں گرانے کا کام شرع ہوا۔حضرت عبداللہ بن عباس نے جو ابھی تک شہر میں واپس نہیں آئے تھے پیغام بھیجا کہ لوگوں کو قبلہ سے محروم نہ رکھا جائے، بلکہ کعبہ شریف کے چاروں طرف لکڑیاں نصب کر کے ان پر کپڑے سے پردہ بنا دیا جائے تا کہ نماز پڑھنے اور طواف کرنے والے کعبہ شریف کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس مشورہ پر عمل کیا اور پھر تمام دیواریں گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام نے جن بنیادوں پر تعمیر کی تھی وہ ظاہر ہوگئیں۔ان میں بڑے بڑے وزنی پتھر اس طرح جڑے ہوئے تھے جس طرح انگلیوں میں انگلیاں ڈالی جاتی ہیں۔

(اخبار مکہ، عنوان بناء ابن زبیر)

حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ شریف کی بنیادیں صاف کیں تو میں بھی وہاں موجود تھا۔میں نے حطیم میں داخل ہوکر ابراہیمی بنیادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اس حدیث کے بیان کرنیوالوں میں سے ایک راوی جریر کہتے ہیں: میں نے یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''مجھے بھی وہ بنیادیں دکھائیں۔''

چنانچہ ہم دونوں حطیم میں گئے اور میں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا، پھر میں نے قریش کی تعمیر کردہ دیوار کعبہ سے ان بنیادوں کی پیمائش کی تو وہ چھ ذراع کے قریب تھیں۔(بخاری، جلدا، صفحہ ۲۱۵)

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حضور نبی کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق مشرق اور مغرب میں ایک ایک دروازہ زمین کے برابر بنایا۔ مغربی دروازہ رکن یمانی کے قریب ہی شاذ روان میں ایک سبز لمبے پتھر پر بنوایا۔حجر اسود جسے آپ نے دیواریں گراتے وقت نکال کر دیباج کے غلاف میں لپیٹ کر ایک صندوق میں مقفل کر کے شیبہ بن عثمان کے گھر رکھ دیا تھا۔اسے نصب کرنے کی جگہ نیچے اور وپر والے دو پتھروں کو تراش کر ان کے درمیان جگہ بنوائی۔پھر اپنے بیٹے عباد بن عبداللہ بن زبیر اور جبیر بن شیبہ بن عثمان کو کہا کہ حجر اسود ایک چادر میں رکھ لیں اور جب میں نماز ظہر شروع کر دوں تو تم اسے نصب کر دینا اور فارغ ہو کر تکبیر کہہ دینا تا کہ مجھے معلوم ہو جائے۔

چنانچہ جب آپ نے نماز ظہر کی تکبیر تحریمہ کہی تو عباد بن عبداللہ اور جبیر بن شیبہ دار الندوہ سے حجر اسود لے آئے۔عباد بن عبداللہ نے نصب کیا اور جبیر نے اس میں تعاون کیا۔جب اسے مضبوطی سے نصب کر لیا تو تکبیر کہی گئی۔اس دن گرمی بھی اپنے شباب پر تھی۔ اگر چہ حضرت ابن زبیر بڑی طویل نماز پڑھتے تھے مگر اب قدرے تخفیف کر دی اور یہ ترکیب آپ نے محض اس لئے اختیار کی کہ قریش کی طرح اب بھی لوگ حجر اسود کے نصب کرنے پر ہنگامہ برپا نہ کر دیں۔پھر آپ نے اس کے نیچے اور اوپر چاندی کا خول چڑھا کر خوب مضبوط کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں دیواروں کی بلندی ۹ ذراع تقریباً ساڑھے ۱۳ فٹ تھی۔قریش نے اس میں مزید ۹ ذراع کا

اضافہ کر دیا جس سے بلندی ۱۸ ذراع تقریباً ۲۷ فٹ ہوگئی، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہمانے طول میں بھی اضافہ کیا تھا جس کی بناء پر سابقہ بلندی طول کی نسبت کم تھی، اس لئے آپ نے مزید ذراع کا اضافہ کر دیا اور دیواریں ۲۷ ذراع تقریباً ساڑھے ۴۰ فٹ بلند ہوگئیں۔ دیواروں میں کل ۲۷ درے تھے۔ گویا کہ ہر ایک پتھر ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ دیواریں تین فٹ چوڑی تھیں۔ قریش نے کعبہ شریف کے اندر چھ ستون بنائے تھے، جب کہ آپ نے تین باقی رکھے اور تین ختم کر دیئے۔

یہ ستون خالص عود کی بیش بہا قیمتی لکڑی کے تھے اور جو زرد اور سرخ رنگ کے حسین امتزاج سے مرصع تھے ان کا قطر ۳۰ سینٹی میٹر تھا۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود ان کے نچلے حصے پر مضبوطی اور خوبصورتی کی غرض سے سونے کے پترے چڑھا دیئے گئے تھے اور ۱۳۰۴ ہجری میں ان کے نچلے حصہ میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، جنہیں ۱۳۱۴ ہجری میں میخوں اور ریشہ بندی سے مضبوط کر دیا گیا۔

آپ نے یمن کے شہر صنعاء سے نفیس ترین سنگ مرمر جسے "البلق" کہا جاتا تھا، منگوا کر ایک روشندان بنوا کر کعبہ شریف کی چھت میں نصب کرایا۔

قبل ازیں کعبہ شریف کا دروازہ صرف ایک کواڑ والا تھا۔ آپ نے دو کواڑ والا دروازہ بنایا۔ قریش نے دروازہ زمین سے چھ فٹ اونچا کر دیا تھا جب کہ دروازہ کی انتہا تک دس ذرع یعنی پندرہ فٹ بلندی تھی۔ آج بھی اس کی بلندی اسی قدر ہے۔ مگر آپ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق دروازہ زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بالمقابل مغرب میں دروازہ بھی بنوایا جس کی بلندی اسی کے برابر تھی۔

چھت پر چڑھنے کے لئے کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی کی جانب لکڑی کا زینہ بنوایا۔ کعبہ شریف کی تعمیر سے جو پتھر بچ گئے تھے ان سے حرم شریف یعنی مطاف والی جگہ فرش بنوا دیا جس کی چوڑائی پانچ ذراع تقریباً ۷ فٹ ۶ انچ تھی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ نے مشک اور عنبر کا پلستر کعبہ شریف کے اندر اور باہر کرایا اور قباطی کا غلاف کعبہ شریف کے زیب تن کیا۔

جب تعمیر کا کام بحسن وخوبی تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت غیر مترقبہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تنعیم سے عمرہ ادا کروں گا۔ جو لوگ میرے ساتھ عمرہ ادا کرنا چاہیں وہ تنعیم پہنچ جائیں۔ ۲۷ رجب ۶۴ ہجری آپ پا پیادہ تنعیم روانہ ہوئے اور بے شمار مسلمانوں نے بھی آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ وہاں ایک عظیم الشان ضیافت کا انتظام کیا گیا جس میں خود عبداللہ بن زبیر نے ایک سو دنبے ذبح کئے اور دوسرے لوگوں نے بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جانوروں کی قربانیاں کیں، اور عید کی طرح خوشیاں منائیں۔

سب لوگ عمرہ کا احرام باندھ کر حرم شریف میں آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ چونکہ اس وقت کعبہ شریف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل تعمیر کیا گیا تھا، اس لئے اس کے چاروں ارکان رکن حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی کا استلام کیا۔

۲۷ رجب کو یہ عمرہ اہل عرب کے ہاں ایسا پسندیدہ ہوا کہ ہر سال بڑے اہتمام سے کیا جانے لگا اور دور دراز سے لوگ آ کر اس تاریخ کو تنعیم سے احرام باندھتے اور عمرہ کرتے۔ امام قطب الدین کے بیان کے مطابق ۵۵۹ ہجری تک یہ طریقہ جاری رہا۔

(اخبار مکہ، عنوان بناء ابن زبیر)

۶۵ ہجری مطابق ۶۸۴ء میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہمانے اپنے عہد خلافت میں ایک بہت بڑی حویلی دس ہزار دینار میں خرید کر حرم شریف میں شامل کر دی، جس سے حرم کی وسعت میں بہت اضافہ ہوا۔ آپ نے حرم محترم کے برآمدے بھی بنوائے۔ اگر چہ یہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی کہ برآمدے چاروں طرف تعمیر کرائے یا بعض سمتیں کھلی رکھیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر میں نمایاں خصوصیات کی تفصیلات حسب ذیل ہے:

☆ کعبہ شریف کے دروازے مشرق اور مغرب میں اپنے آقا نبی کریم ﷺ کی منشاء کے مطابق بنوائے۔

☆ اس سے پہلے باب کعبہ کا صرف ایک کواڑ تھا، مگر آپ نے دونوں دروازے دو، دو کواڑ کے بنوائے۔

☆ حطیم کا حصہ جو تعمیر ابراہیمی میں کعبہ شریف میں شامل تھا، جسے قریش نے خرچہ کی کمی کے باعث چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابن زبیر نے حضور نبی کریم ﷺ کی دلی خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس حصہ کو کعبہ شریف میں شامل کر دیا۔

☆ تعمیر ابراہیمی کے عین مطابق چاروں کونوں میں چار رکن بنائے، جن کا استلام ہوتا تھا۔

☆ چھت میں ایک روشندان بنوایا تا کہ اندر روشنی آ سکے۔

☆ دیواروں کی چنائی چونا سے کی گئی اور چونا صنعاء (یمن) سے درآمد کیا گیا، دیواروں کی بلندی ۲۷ ذراع تقریباً ساڑھے ۴۰ فٹ کر دی۔

☆ کعبہ شریف کے اندر اور باہر دیواروں اور چھت پر کستوری اور عنبر سے خوشبودار پلستر کرایا۔ یہ تمام چیزیں یمن سے خریدی گئیں۔

☆ دیباج یعنی سفید ریشم قباطی یعنی مصری کتان، السی سے تیار شدہ باریک نفیس کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

☆ قریش نے کعبہ میں پتھر کے چھ ستون بنائے تھے۔ جب کہ آپ نے تین ستون ختم کر دیئے اور تین باقی رکھے جو عود خالص کے بنوائے۔

☆ آپ نے حرم شریف کے متصل مکانات اور دار ابی شیبہ کا نصف حصہ دس ہزار دینار میں خرید کر حرم محترم میں شامل کیا۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۲۰۷،۲۵)

کتب ہائے تاریخ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے تین یوم تک استخارہ کرنے کے بعد خانہ کعبہ کو کلیۃً منہدم کر دیا۔ یہاں تک کہ اسے زمین سے ملا دیا۔ اس کی بنیاد پر اسے دوبارہ بنایا گیا اور اسی پیمائش کے مطابق تعمیر کیا گیا۔ انہوں نے اس حدیث کو دلیل بنا کر ایسا کیا جو انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ سے سنی تھی۔ ہاں البتہ اس کا طول زیادہ کیا گیا جو ستائیس ہاتھ ہو گیا تا کہ عرض کے مناسب ہو اور اس کے دو دروازے بنائے جو زمین سے متصل تھے۔ ایک مشرقی جانب اور دوسرا مغربی جانب تھا۔ ایک داخلہ کے لئے اور دوسرا خارجہ کے لئے۔ ہر ایک کا طول گیارہ ہاتھ کر دیا اور ہر ایک دروازے کے دو کواڑ بنائے اور کعبہ شریف کے چار رکن بنائے۔ اس سے پہلے صرف دو رکن تھے۔ ایک رکن اسود اور دوسرا رکن یمانی تھا۔ اس زمانہ میں چاروں ارکان کا استلام کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ رکن شامی میں خانہ کعبہ کے اندر کی طرف ایک سیڑھی بنائی یہ سیڑھی لکڑی کی تھی، اس پر چڑھ کر اوپر پہنچتے تھے۔ نیز اسے سونا سے ملمع کر دیا اور اس کی سطح پر میزاب بنایا۔ اس کا پانی حجر پر گرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے خانہ کعبہ کو چونے سے تعمیر کیا۔ یہ چونا صنعاء سے منگوایا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پگھلا ہوا سیسہ اس پر لگایا گیا تھا۔ یہ ورس سے مخلوط تھا۔ ورس ایک زرد رنگ کا پودا ہے جو یمن میں پایا جاتا ہے اور اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

جب تعمیر کے کام سے فارغ ہوئے تو اس کے اندر اور باہر دیواروں پر عنبر اور کستوری کی خوشبو لگائی اور دیگر خوشبویات سے معطر کیا۔ پھر اسے ریشمی غلاف سے ملبوس کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ غلاف کا کپڑا قباطی کا تھا۔ یہ کپڑا سن سے تیار ہوتا تھا اور مصر میں اس کے بنانے کا رواج تھا۔ تعمیر کعبہ کی تکمیل کا دن بہت مشہور تھا۔ اس روز سے زیادہ کبھی لوگوں کو آزاد نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس دن سے زیادہ کبھی اونٹ اور بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔

باب نمبر 12:

خلفیہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی تعمیر ومرمت

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کردہ عمارت قریباً دس سال تک قائم رہی، لیکن آپ کی شہادت کے بعد جب عنان حکومت حجاج بن یوسف کے ہاتھ آئی تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ شریف قریش کی تعمیر کے برعکس نئی وضع سے بنادیا ہے۔ اگرچہ معززین شہر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر نے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کی ہے اور ہم نے ان بنیادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے، اب آپ حکم فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ خلیفہ نے لکھا کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے قریش کی تعمیر میں زیادتی اور اضافہ کردیا ہے جو ایک غلط اقدام معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس عمارت کا عرض اپنے حال پر چھوڑ کر باقی حصہ منہدم کر کے قریش کی تعمیر کے مطابق بنایا جائے، یعنی حطیم والا حصہ الگ کردیا جائے۔ دوسرا دروازہ بھی بند کردیا جائے اور مشرقی دروازہ قد آدم کے برابر اونچا کیا جائے۔

حجاج نے فرمان شاہی کے مطابق عمل کیا اور ایک بار پھر ابراہیمی بنا کے برعکس قریش کی تعمیر کے مطابق کعبہ شریف بنادیا، حطیم کا حصہ نکال دیا، مشرقی دروازہ اونچا کردیا اور غربی دروازہ بند کردیا۔ جب کہ سنت ابراہیم اور خواہش مصطفوی کے ساتھ مطابقت تعمیر ابن زبیر کو حاصل تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ موصوف حدیث عائشہ سے بے بہرہ اور بے خبر تھے، اسی وجہ سے ایک مرتبہ خلیفہ موصوف نے طواف کے دوران حضرت ابن زبیر کو سخت سست بھی کہا تھا اور ان کی تعمیر تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا۔ خلیفہ کا کہنا تھا کہ عبداللہ بن زبیر نے ام المومنین پر اس حدیث کا بہتان باندھا ہے۔

مگر حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ ان کی بات کاٹتے ہوئے فوراً بول پڑے کہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی صداقت کا گواہ ہوں۔ میں نے بھی یہ حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے سنی ہے۔ یہ سنتے ہی خلیفہ نادم اور پشیمان ہو کر کہنے لگے کہ اگر مجھے اس حدیث کا علم ہوتا تو بیت اللہ شریف کے گرانے کا حکم کبھی نہ دیتا اور حضرت ابن زبیر کی تعمیر قائم رکھتا۔ (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۱)

ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ حارث بن عبداللہ خلیفہ کے پاس آئے، دوران گفتگو موصوف نے کہا: میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے یہ حدیث اپنی خالہ عائشہ صدیقہ سے نہیں سنی ہوگی۔

حارث بن عبداللہ نے کہا: ہاں ہاں! ضرور سنی ہوگی، یہ حدیث تو میں نے بھی ام المومنین سے سنی ہے۔

خلیفہ نے سوال کیا کہ تم نے کیا سنا تھا؟

انہوں نے کہا: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کردیا ہے۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کی کمی کو پورا کردیتا۔ عائشہ! میرے ساتھ چل میں تجھے ابراہیم کی اصل بنیادیں دکھاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حطیم میں سے سات ہاتھ اندر کا حصہ بیت اللہ شریف ہی شامل تھا اور اس جگہ ابراہیمی بنیادیں تھیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے دو دروازے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو، ایک اندر

جانے کیلئے اور دوسرا باہر نکلنے کیلئے۔ عائشہ! تمہیں معلوم ہے تیری قوم نے اتنا اونچا دروازہ کیوں رکھا؟''

حضرت عائشہ نے عرض کیا:

''مجھے تو خبر نہیں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''محض اپنی بڑائی، تکبر اور نخوت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے، تاکہ وہ جسے چاہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں اس سعادت سے محروم رکھیں۔ جس آدمی کے اندر داخل ہونے پر وہ خوش نہ ہوں اسے دھکا دے کر نیچے گرا دیتے، اور جس کا داخلہ ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اس کی دستگیری کرتے۔''

عبدالملک نے کہا:

''حارث! کیا تم نے یہ حدیث خود سیدہ عائشہ صدیقہ سے سنی تھی؟''

حارث نے اثبات میں جواب دیا تو خلیفہ کچھ دیر تک اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے سوچتے رہے اور پھر فرمایا:

''اے کاش! میں بیت اللہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا۔ اس کے گرانے اور تبدیل کرنے کا فرمان جاری نہ کرتا۔''

(مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۰) (فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۵۰)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

''کعبہ شریف کا غربی دروازہ جو سیدنا عبداللہ بن زبیر نے بنایا تھا اور جسے بعد میں حجاج بن یوسف نے بند کر دیا، اس کے نشانات اب بھی بالکل نمایاں نظر آتے ہیں، مگر نشانات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دروازہ ابن زبیر نے سطح زمین سے اونچا بنایا تھا۔''

اس کے متعلق علامہ ازرقی فرماتے ہیں:

''۲۳۶ ہجری میں مجھے کعبہ شریف کے اندر جانا نصیب ہوا اور اندر سے یہ دروازہ دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دروازہ بند کرتے وقت حجاج نے اسے سامنے والے شرقی دروازہ کے برابر اور اسی کے مطابق چوڑا اور لمبا کر دیا تھا۔'' (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵۰)

حالانکہ یہ اس قدر بلند نہیں تھا بلکہ زمین کے برابر تھا۔

ولید بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو ۳۶ ہزار دینار مرحمت کئے کہ ان کی پلیٹیں بنا کر کعبہ شریف کے دروازہ اور میزاب کعبہ پر چڑھا دو اور کعبہ شریف کے اندر جو ستون ہیں ان پر بھی زرکاری کی جائے۔ اسلام میں سب سے پہلے ان ہی نے کعبہ شریف کے دروازہ پر زرپاشی کی اور کعبہ شریف کی چھت ساگوان کی بنوائی اور ستونوں پر ۱۵۰ مثقال سونا چڑھایا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۴۶)

امام سہیلی رقم طراز ہیں کہ سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے خزانوں میں سے سونا اور چاندی جو ''طلیطلہ'' ملک اندلس میں تھا ولید بن عبدالملک نے یاقوت اور زبرجد کے ہار اور دیگر خزانہ بڑی بڑی طاقتور اور جسیم خچروں پر لاد کر مکہ مکرمہ پہنچایا اور اس سے بیت اللہ شریف کی تزئین کرائی۔ (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے صرف باہمی مخاصمت کی بناء پر حجاج کو حکم دیا تھا، لیکن یہ ظن درست نہیں اور مسلمانوں کی نشان کے لائق نہیں۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کا شمار خیر القرون میں ہو کہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اور اپنے مخالف کو عبرت دلانے کے لئے بیت اللہ کو منہدم

کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائیں، بلکہ وہ تو نہایت اضطراری حالت کے سوا اور علماء سے مشورہ اور استفتاء حاصل کئے بغیر اس کی دوبارہ تعمیر کی جسارت بھی نہیں کرسکتے۔

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایام حصار میں کعبہ شریف کی دیواریں جل جانے کی وجہ سے اسے منہدم کردیا اور سے حسب منشاء اور اجتہاد کے دوبارہ تعمیر کیا تو حجاج نے یہ خیال کیا کہ عبدالملک بن مروان اس کی دوبارہ تعمیر کے خواہشمند ہیں، حالانکہ عبد الملک نے حجاج کو ایسا حکم نہیں دیا۔ علامہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں جو ذکر کیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

اس نے بیان کیا ہے کہ جب حجاج اس تمام کام یعنی خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوا تو اس نے حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کو عبدالملک بن مروان کی طرف بھیجا۔ عبدالملک نے اسے بتایا کہ میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے حضرت عائشہ سے یہ نہیں سنا، کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ میں نے حضرت عائشہ سے سنا ہے۔

جناب حارث بن عبداللہ نے فرمایا:

''میں نے سیدہ عائشہ سے سنا ہے!''

عبدالملک نے پوچھا:

''تم نے حضرت عائشہ کو کیا کہتے ہوئے سنا؟''

جناب حارث نے کہا:

''میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: تیری قوم نے خانہ کعبہ کی بنیادوں کو کم کردیا۔ اگر تیری قوم نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں اس حصے کو جو انہوں نے چھوڑ دیا ہے، اس میں شامل کردیتا۔''

پھر آپ نے وہ جگہ دکھائی جو تقریباً سات ہاتھ تھی، نیز آپ نے فرمایا:

''میں اس کے دروازے زمین سے متصل بناتا۔ ایک دروازہ شرقی جانب جس میں سے سب لوگ داخل ہوتے اور دوسرا غربی جانب جس سے لوگ نکلتے۔''

عبدالملک بن مروان نے پھر پوچھا:

''کیا تو نے خود حضرت عائشہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟''

اس نے جواب دیا:

''ہاں اے امیر المومنین! میں نے بذات خود سنا ہے۔''

یہ سن کر عبدالملک ایک تنکا اپنے ہاتھ میں لے کر اور سر کو نیچے جھکا کر کافی دیر تک کریدتا رہا۔ پھر کہنے لگا:

''بخدایا! مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں ابن زبیر کو اور جو اس نے خانہ کعبہ کے متعلق کیا اس سے تعرض نہ کرتا اور اسے یوں ہی چھوڑ دیتا۔''

☆☆☆

باب نمبر 13:

خلیفہ ہارون الرشید کا عزم تعمیر

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ہیئت تعمیر نبی کریم ﷺ کے فرمان اور منشاء کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتی تھی، اور ابراہیمی بنیادوں پر قائم تھی، مگر حجاج بن یوسف نے اپنی نخوت اور غرور کے باعث اسے گوارا نہ کیا اور پھر قریش کی وضع پر تعمیر کر دیا۔ اس لئے جب خلیفہ ہارون الرشید مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے بیت اللہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بنیادوں کے مطابق بنانا چاہا، لیکن اس ارادہ کی تکمیل کیلئے امام مالک علیہ الرحمۃ سے فتویٰ طلب کیا۔ امام صاحب نے خلیفہ کو یہ ارادہ ترک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''بیت اللہ کی بار بار تعمیر سے اس کی عظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی اور یہ بادشاہ کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ پہلی عمارت کو برداشت نہ کرتے ہوئے اسے گرا کر از سر نو بناتا رہے گا اور یہ عمل اس پر شکوہ عمارت کی شایان شان نہیں۔''

چنانچہ خلیفہ اپنے عزم سے باز آ گیا اور یہ مقدس عمارت بازیچہ اطفال بننے سے محفوظ ہو گئی۔

باب نمبر 14:

خلیفہ ابو جعفر منصور کی توسیع

۱۳۸ ہجری مطابق ۷۵۴ء میں خلیفہ ابو جعفر المنصور نے حرم شریف کی توسیع کا فرمان جاری کیا۔ ان دنوں مکہ مکرمہ میں زیاد بن عبید اللہ الحارثی گورنر تھا، اس نے شمال کی جانب سے مکانات خرید کر منہدم کئے اور وہ جگہ مسجد میں شامل کر دی اور شیبہ بن عثمان کی حویلی کا اکثر حصہ بھی ملا لیا۔ یہ توسیع دار الندوہ سے باب بنی سہم تک ہوئی، لیکن جنوبی سمت میں توسیع ممکن نہیں تھی، کیونکہ اس طرف بارانی نالہ (وادی ابراہیم) بہتا تھا۔ جس میں دیواروں کی بنیادیں بنانا ممکن نہیں تھا۔ دیواریں اکثر سیلاب کی نذر ہو جاتی تھیں۔

خلیفہ موصوف نے حرم محترم کے چاروں طرف محراب دار ڈاٹوں پر برآمدے تعمیر کرائے۔ مسجد میں بے مثال نقش و نگار، زیبائش و آرائش اور زرنگاری کرائی اور پتھر بھی منقش بنائے گئے۔ دو تین سال تک تعمیر جاری رہی اور یہ خدمت گورنر مکہ ہی نے انجام دی، جب تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچ گئی تو صفاء کی جانب باب بنی جمح پر یہ عبارت بطور یادگار لکھوائی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد خلیفہ حج ادا کرنے آیا، تو اس نے قریش پر بے انداز خزانہ نثار کیا۔ ہر ایک آدمی کو ایک ایک ہزار دینار دیئے۔ اسی طرح موصوف نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو صدقات و خیرات سے نوازا۔

باب نمبر 15:

خلیفہ مہدی عباسی کی توسیع

خلیفہ مہدی عباسی کریم الطبع، خوبصورت، شکیل و جمیل وجہ، شجاعت و مردانگی میں مشہور اور علماء کرام کی خدمت کا جذبہ صادق رکھنے والا تھا۔ موصوف تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ۱۶۰ ہجری میں زیارت حرمین شریفین کو گیا تو حرم شریف کی توسیع کی غرض سے قاضی

مکہ محمد الاوقص بن محمد بن عبدالرحمٰن المخزومی کو بالائی سمت کے تمام مکانات خریدنے کا حکم دیا۔قاضی صاحب موصوف نے مسعیٰ اور حرم کے درمیان واقع تمام مکان پچیس دینار فی مربع گز (جب کہ شرعی گز اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے) اور وادی کے اندر والے مکان پندرہ دینار فی مربع گز کے حساب سے خریدے اور جو لوگ غریب تھے،انہیں دوسری جگہ تعمیر شدہ مکان معاوضہ میں دیئے۔ان مکانات میں ''دارازرق'' جس کے صرف ایک کونے کی قیمت ۱۸۰۰۰ دینار اور خیرہ بنت سباع الخزاعیہ کی حویلی جو ۴۸۰۰۰ دینار میں خریدی گئی،شامل تھی۔علاوہ ازیں دار آل جبیر بن مطعم اور دار شیبہ بن عثمان بھی خرید کر یہ تمام جگہ حرم شریف میں داخل کر دی۔حرم اور مسعیٰ کے درمیان ایک سرائے بنوائی جس کا نام ''دارالقواریر'' رکھا۔بعد میں جعفر برمکی نے سرائے کی جگہ مکان بنالیا تھا،لیکن اس کے بعد حماد بربری نے اسے دوبارہ بے حد خوبصورت بنوادیا۔اس کے اندر شیشہ سے میناکاری کرائی اور باہر سنگ مرمر لگایا۔

یہ توسیع تمام تر حرم شریف کے صرف بالائی حصہ میں تھی۔اسی طرح زیریں حصہ میں باب بنی سہم (جسے باب العمرہ کہتے ہیں) سے باب الخیاطین (جس کا نام اب باب ابراہیم ہے) تک توسیع کرائی اور شمال میں اس وقت موجود قدیم تعمیر کی انتہا تک توسیع کرائی اور جنوب میں قبہ شراب جسے قبہ عباس بھی کہا جاتا تھا،تک توسیع کی (قبہ عباس صفا کی جانب زمزم کی ایک سبیل تھی)

اس طرح کعبہ شریف کی یمانی دیوار سے صفا کی جانب والی دیوار تک ساڑھے ۴۹ ذراع یعنی ۷۴ فٹ ۳ انچ کا فاصلہ ہو گیا۔مذکورہ دیوار کے پیچھے نالہ (وادی ابراہیم) واقع تھا۔یہ سارا کام خلیفہ موصوف نے ۱۶۰ ہجری ہی میں کرایا۔

خلیفہ کے فرمان سے مصر،شام اور ایران سے سنگ مرمر کے ستون سمندر کے راستے جدہ کے قریب قدیم بندرگاہ ''شعیبیہ'' پہنچائے گئے۔جہاں سے بیل گاڑیوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہنچائے گئے۔بنیادیں جمع کی صورت میں بہت گہری بنائی گئیں۔علامہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ بنیادیں اس قدر مضبوط تھیں کہ ۱۶۰ ہجری سے ۹۳۰ ہجری تک بالکل صحیح سلامت موجود تھیں۔۹۳۰ ہجری کے تباہ کن سیلاب میں بنیادیں ننگی ہو گئی تھیں جنہیں بہت سے لوگوں نے دیکھا۔

۱۶۴ ہجری میں خلیفہ موصوف جب دوبارہ حج کو آیا تو اس نے دیکھا کہ کعبہ معظمہ حرم شریف کے درمیان نہیں ہے،کیونکہ ۱۶۰ ہجری میں جو توسیع کی گئی تھی وہ بالائی،زیریں اور شمال کی جانب زیادہ اور جنوب کی طرف وادی کے بہاؤ اور مکانات کی وجہ سے تھوڑی ہوئی تھی۔حجاج حرم شریف سے نکل کر وادی عبور کرتے اور پھر ایک تنگ گلی سے گزر کر صفا پر چڑھتے تھے۔جب کہ مسعیٰ والی جگہ حرم شریف میں داخل تھی۔اس وقت نالہ میلین اخضرین کے درمیان تھا۔اس کا پانی حرم کے کچھ حصہ سے گزرتا تھا اور سیلاب کا پانی حرم شریف سے گزر کر حرم کی دیوار کے ساتھ ساتھ مسلفہ کی طرف نکل جاتا تھا۔

خلیفہ نے حرم شریف کے چاروں اضلاع کو دیکھا جو ایک جیسے نہیں تھے۔اگر جنوب کی طرف توسیع کر دی جائے تو کعبہ شریف وسط میں ہو سکتا تھا،لیکن انجینئر اس بات پر متفق نہ تھے۔ان کا کہنا تھا کہ وادی کے اس پار والے مکانات گرا کر ان کی جگہ نالہ بنایا جائے اور نالے والی پہلی جگہ حرم میں داخل کر دی جائے اور سیلاب کا پانی بدستور حرم کے اندر ہی سے گزرتا رہے،کیونکہ نالہ کی گہرائی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی بنیادیں مضبوط نہیں بن سکتی تھیں،اور ان کے بہہ جانے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا۔

خلیفہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اگرچہ اس منصوبہ پر لاگت بہت زیادہ آئے گی اور بہت سے مکانات بھی منہدم کرنے پڑیں گے،لیکن کام مضبوط اور خوبصورت ہوگا۔موصوف جو عزم راسخ کا مالک اور راہِ خدا میں دریا دلی سے خرچ کرنے والا تھا،کہنے لگا:

''حرم کی خاطر مجھے سارا شاہی خزانہ بھی خرچ کرنا پڑے تو بھی دریغ نہیں کروں گا۔لہٰذا اس کجی کو جس طرح بھی ممکن ہو دور کیا جائے۔''

ان کی عالی حوصلگی اور خلوص نیت دیکھ کر انجینئر اپنے پیش کردہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ رسی سے پیمائش کر کے نشانات لگائے۔ بعد ازاں خلیفہ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر دیکھا تو اسے تسلی ہو گئی کہ اب حرم کی عمارت مربع شکل بن جائے گی اور کعبہ شریف بھی وسط میں ہو جائے گا۔ اس سکیم کی زد میں آنے والے مکانات اور نالہ کی تبدیلی کا جائزہ لیا گیا جس سے خلیفہ پوری طرح متفق تھا اور اخراجات کا انتظام کرنے کیلئے عراق لوٹ گیا۔

۱۶۷ ہجری میں خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف کی دوسری مرتبہ جب توسیع کا کام شروع کیا تو قرب و جوار میں بہت سے مکانات خرید کر منہدم کرائے۔ محمد بن عباد کی حویلی کا اکثر حصہ منہدم کر کے اس جگہ وادی اور مسعی بنادی۔ اسی طرح صفا اور وادی کے درمیان جتنے مکان تھے سب منہدم کرا دیئے۔ توسیع باب بنی سہم سے شروع کرائی، کیونکہ یہ سمت اونچی تھی اور اختتام اس کے بالمقابل مسفلہ کی طرف باب الحزورہ پر کیا۔ سیلاب کے وقت جب پانی زیادہ ہوتا تو نالہ سے تجاوز کر کے اسی دروازہ سے گزرتا، اور اگر زیادہ شدت ہوتی تو باب ابراہیم سے بھی نکلتا تھا۔ جب کہ عام حالت میں سیلاب کا پانی حرم کی جنوبی دیوار تک بھی نہیں پہنچتا تھا۔ وہ دیوار رکن یمانی سے ساڑھے ۴۹ ذراع یعنی ۷۴ فٹ ۳ انچ دور تھی، لیکن ۱۶۷ھ میں نئی توسیع میں اسے ۹۰ ذراع یعنی ۱۳۵ فٹ دور کر دیا گیا۔ رکن یمانی کی طرف سے دارِ اُمِ ہانی بھی حرم میں شامل کر لیا گیا۔ اسی نسبت سے جو دروازہ اس جگہ بنایا گیا اس کا نام ''باب ام ہانی'' رکھا گیا۔ ستون سنگ مرمر کے اور چھت ساگوان کی منقش بے حد دیدہ زیب اور دلکش بنوائی۔ تمام کام بہت خوبصورت اور مضبوط کیا گیا، لیکن ہنوز کام جاری تھا کہ ۱۶۹ ہجری کو فرشتہ پروانہ اجل لے کر آ گیا اور خلیفہ راہی دار بقا ہو گیا۔

خلیفہ موصوف کے سانحہ ارتحال کے بعد اس کا فرزند ارجمند ابی محمد موسیٰ الہادی مسند خلافت پر رونق افروز ہوا۔ اس نے باپ کا جاری کردہ کام مکمل کرایا اور باب ام ہانی کی جانب بعض ستون بھی بنوائے اور تمام ستونوں پر پلستر کرایا۔ علاوہ ازیں کوئی قابل ذکر کام نہیں کرایا۔ اس کا دور حکمرانی صرف ایک سال کے قریب تھا اور عالم شباب ہی میں ۱۷۰ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

باب نمبر 16:

خلفیہ المتوکل کی توسیع

۲۷۱ ہجری میں ابو جعفر احمد بن المتوکل علی اللہ بن الرشید عباسی کے دور میں باب ابراہیم کی جانب سے حرم کی دیوار کمزور ہو گئی اور اتفاق سے اسی طرف زبیدہ بنت ابی جعفر المنصور کا محل حرم شریف کی چھت پر گر گیا، جس سے چھت کی لکڑیاں اور دو ستون گر گئے، جس کے نیچے دب کر دس معززین شہر بھی ہلاک ہو گئے۔

اس زمانہ میں مکہ مکرمہ کا گورنر ہارون بن محمد بن اسحاق اور قاضی یوسف بن یعقوب تھا۔ جب اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع خلیفہ کو پہنچی تو اس نے گورنر مکہ کی طرف زر کثیر بھیجنے کا حکم دیا کہ حرم کی تعمیر و مرمت بہت جلدی کر دی جائے۔ چنانچہ گورنر مذکور نے شاہی فرمان کے مطابق حرم شریف کے اس حصہ میں ایک پردہ بنا لیا تا کہ کام کرنے والے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر تسلی سے کام کر سکیں۔ مسمار شدہ دو ستون نئے بنائے اور ساگوان کی بے حد عمدہ منقش اور مزین چھت بنوائی۔ یہ کام ۲۷۲ ہجری میں بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔

☆☆☆

باب نمبر 17:

خلیفہ المعتضد کی توسیع

خلیفہ متوکل کے بعد خلیفہ ابوالعباس احمد المعتضد کے دور میں دارالندوہ کی سمت اضافہ ہوا، یہ بڑی وسیع اور عریض عمارت تھی جسے ظہور اسلام کے بعد بھی مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ مختلف ممالک سے آنے والے گورنر اور رؤساء اسی میں قیام کرتے تھے۔ اس کا ایک دروازہ حرم شریف کی طرف بھی تھا جس سے معزز مہمان حرم شریف میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے جاتے تھے۔

جبل قعیقعان اور اس کے قرب و جوار کے دوسرے پہاڑوں پر جب بارش ہوتی تو سیلاب کا پانی دارالندوہ میں داخل ہو جاتا، اور اس کے دروازہ سے حرم میں بھی پہنچ جاتا۔ پانی کا ریلا دارالندوہ اور حرم شریف میں کوڑا کرکٹ پھینک جاتا، جو حرم کے لئے نقصان کا موجب بنتا، اور صفائی و تطہیر ناگزیر ہو جاتی۔

چنانچہ قاضی مکہ قاضی محمد عبداللہ المقدسی اور امیر مکہ عج بن حاج مولی المعتضد نے عبیداللہ بن سلیمان بن وہب وزیر مملکت کو متعدد خطوط لکھ کر حالات سے مطلع کیا اور حرم شریف کی اصلاح و مرمت کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:

۱۔ دارالندوہ کو منہدم کر کے مسجد بنا دی جائے یا اسے حرم شریف میں شامل کر دیا جائے، تاکہ لوگ یہاں نماز پڑھیں، اس طرح اس کا تقدس، عزت و تکریم اور عظمت بحال رہے گی اور سیلاب کے نقصانات سے حرم بھی محفوظ رہے گا۔

۲۔ مسجد حرام کی چھت کمزور ہو چکی ہے اور بارش کی وجہ سے ٹپکتی رہتی ہے، اس کی تجدید بھی ضروری ہے۔

۳۔ وادی (نالہ) مٹی سے بھر گئی ہے، جس کے باعث سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو جاتا ہے، لہٰذا وادی کو گہرا کیا جائے، تاکہ حرم شریف میں پانی داخل نہ ہو۔

۴۔ کعبہ مشرفہ کے سامنے والی دیوار اندر سے پراگندہ ہو گئی ہے، اندر کا فرش شکستہ حالت میں ہے۔

۵۔ باب کعبہ کے دونوں بازو بھی زرپوشی کے محتاج ہیں، کیونکہ ۲۵۱ ہجری میں علویین کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لئے عامل مکہ نے دروازہ سے سونا اُتار کر دینار بنوائے اور اپنی حکومت سے تعاون کیا اور باب کعبہ کے بازو دیباج کے کپڑے سے ڈھانک دیئے۔

۶۔ حطیم کا فرش بھی ٹوٹ گیا ہے جس کی تجدید ضروری ہے۔

۷۔ مطاف کا فرش کعبہ شریف کے چاروں طرف مکمل نہیں ہے، اس کی تکمیل ناگزیر ہے۔

معززین کا ایک وفد دیوان خلافت جدہ بھی گیا، اور مذکورہ حالات و واقعات سے انہیں آگاہ کیا۔

ان مکاتیب کے جواب میں خلیفہ معتضد باللہ نے اپنے قابل اعتماد وزیر عبداللہ بن سلیمان بن وہب جو نیک طینت اور راسخ العقیدہ آدمی تھا، کو حکم دیا کہ کعبہ شریف کی ترمیم و اصلاح، حطیم اور مطاف کا فرش بنائے۔ مسجد حرام کی مرمت اور دارالندوہ کو منہدم کر کے مسجد میں تبدیل کرنے، نالہ گہرا کرنے اور دیگر امور ضروریہ کی تعمیر و مرمت کے لئے بہت زیادہ خزانہ لے جانے کا حکم دیا۔

قاضی بغداد یوسف بن یعقوب کو کہا گیا کہ معتمد آدمی کو یہ خزانہ لے جانے پر معمور کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۸۱ ہجری میں ایام حج میں اپنے بیٹے ابوبکر عبداللہ بن یوسف اور چند دوسرے معتمدین جن میں ابوالہیاج، عمیرہ بن حیان قابل ذکر ہیں، ان کو نقد مال دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے حسب الحکم باب کعبہ کو خالص سونے سے جڑھ دیا اور حج کے بعد ابوبکر عبداللہ بن یوسف ابوالہیاج وغیرہ کو وہاں چھوڑ

کر بغداد لوٹ آیا، تاکہ اشیاء ضروریہ کی ترسیل جاری رکھی جاسکے۔

ابوالہیاج نے سب سے پہلے وادی مکہ یعنی نالے اور حرم شریف کے باہر زمین کی کھائی شروع کرائی۔ زمین اتنی گہری کھودی گئی کہ حرم محترم کی ۱۲ سیڑھیاں جو مسلسل مٹی میں دب چکی تھیں، ظاہر ہو گئیں، حالانکہ صرف پانچ سیڑھیاں باہر رہ گئی تھیں۔ وہ مٹی شہر سے باہر پھنکوا دی گئی۔ پھر دارالندوہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر کے اسے منہدم کر دیا۔ وہاں بہت گہری بنیادوں کھود کر مسجد بنوائی اور حرم کے دو دروازے بھی اس میں داخل کر دیئے جو اس وقت کھلتے تھے۔ اس دیوار میں حرم کی جانب ۶ بڑے دروازے بنائے گئے جن میں سے ہر ایک دروازہ ۵ ذراع یعنی ۷ فٹ ۶ انچ چوڑا، اور زمین سے دروازہ کی بلندی تک ۱۱ ذراع یعنی ۱۶ فٹ ۹ انچ اونچا تھا۔ ان بڑے دروازوں کے درمیان ۶ دروازے چھوٹے بھی تھے جن کی زمین سے بلندی ۸ ذراع یعنی بارہ فٹ اور چوڑائی ڈھائی ذراع یعنی ۳ فٹ ۹ انچ تھی۔ علاوہ ازیں نئے اضافہ میں دو، دو محرابوں پر مشتمل دو دروازے بھی بنائے جو باہر کی طرف کھلتے تھے اور اس کے غربی جانب بھی ایک محراب دار دروازہ بنایا۔ مسجد کے چاروں طرف برآمدہ بنایا۔ جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی، جو ساگوان کی بنی ہوئی تھی اور ایک بلند و بالا مینار بھی بنوایا۔

کام تین ماہ تک مسلسل جاری رہا اور ۲۸۴ ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ عالیشان عمارت مدت دراز تک اسی حالت میں قائم رہی۔

بعد ازاں ۳۰۰ ہجری میں قاضی مکہ محمد بن موسیٰ نے اس کی تجدید کرائی اور اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ برآمدوں کی ہیئت تبدیل کر کے اس انداز سے بنوائے کہ ان میں بیٹھنے والے نمازی، معتکف اور دوسرے لوگ کعبہ شریف کا دیدار کر سکیں۔ ستون منقش پتھروں کے اور چھت ساگوان کی منقش بنوائی۔ اس میں انتہائی دلکش گل کاری کرائی اور اس کے کنگرے بھی تبدیل کرائے۔

سیاہ پتھروں کے بنے ہوئے مذکورہ ستون ۱۰۴۰ ہجری تک باقی رہے، بعد میں ان کی تجدید سلطان مراد خان نے سنگ مرمر سے کرائی تھی۔

باب نمبر 18:

المقتدر کی توسیع

ابوالفضل جعفر المقتدر باللہ بن المعتضد باللہ نے بھی حرم محترم کی توسیع میں حصہ لیا تھا۔ مغربی جانب میں باب الخیاطین اور باب بنی جمح کے باہر ملکہ زبیدہ زوجہ خلیفہ ہارون الرشید نے ۲۰۸ ہجری میں دو محل بنوائے تھے۔ ان محلات اور مذکورہ دروازوں کے درمیان ایک میدان تھا، جسے خلیفہ موصوف نے حرم میں داخل کر کے مذکورہ دونوں دروازوں کی جگہ ایک ہی بڑا دروازہ بنوایا جس کا نام ''باب ابراہیم'' رکھا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس دروازہ کی نسبت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ اس مقام پر ابراہیم نامی ایک درزی عرصہ تک کام کرتا رہا، جس کے نام سے وہ دروازہ منسوب ہوا۔ (حرم کی موجودہ انتظامیہ نے حضرت ابراہیم کے نام کی تختی لگا دی ہے)

ملکہ زبیدہ کے محلات بعد کے دور میں مسمار کر کے دو رباطیں بنادی گئیں۔ شامی جانب والے محل کی جگہ ''رباط الخوزی'' اور یمانی محل کی جگہ ''رباط رامشت'' تعمیر ہوئی۔

خلیفہ موصوف کی توسیع کے بعد حرم شریف کے طول میں ۵۷ ذراع یعنی ساڑھے ۸۱ فٹ ۹ انچ اور عرض میں ۶۵ ذراع یعنی ۹۸ فٹ کا اضافہ ہوا۔ نیز اس اضافہ کی مشرقی اور شمالی جانب ستونوں کی دو دو صفیں تعمیر کرائیں۔ البتہ مغربی جانب ستون نہیں تھے۔ ستون منقش پتھر کے بنا کر ان پر چھت ڈالی گئی۔ علاوہ ازیں یمانی چھت کے نیچے پانی کی سبیل بنوائی۔ علامہ تقی فاسی علیہ الرحمۃ نے اس اضافہ میں

مینار کا ذکر بھی کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس حصہ میں مینار کب اور کس نے بنوایا اور پھر کب منہدم ہوا، کیونکہ ہمارے دور میں وہاں مینار تو نہیں ہے البتہ سبیل ۹۸۳ ہجری تک موجود تھی۔

باب نمبر 19:

قاضی جمال الدین مخزومی کی تعمیر واصلاح

امام تقی الدین فاسی بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ محمد المہدی عباسی کی تعمیر حرم پر ۶۵۰ سال کا طویل زمانہ گزر گیا۔ مگر اس فقید المثال عمارت میں کسی قسم کا تغیر یا کوئی خرابی رونما نہ ہوئی۔ بعد ازاں ۸۱۵ ہجری میں مدرسہ البنجالیہ کے بالمقابل یمانی برآمدوں کی پہلی صف میں ایک ستون کی دو ڈاٹیں خراب ہوگئیں جنہیں مرمت کرایا گیا اور چھت بھی متعدد جگہ سے مرمت طلب تھی، اسے بھی ٹھیک کیا گیا۔ یہ کام قاضی جمال الدین محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ مخزومی متولی کعبہ نے کرایا تھا۔

باب نمبر 20:

سلطان اشرف برسبائی قائتبائی کی تعمیر واصلاح

۸۲۴ ہجری میں سلطان اشرف برسبائی نے جو مصر کے سلاطین جراکسہ کا آٹھواں حکمران تھا، امیر مقبل القدیدی کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ حرم شریف کی اصلاح و مرمت کی خدمت انجام دے۔ موصوف نے باب الجنائز جسے باب النبی ﷺ بھی کہتے تھے، کی تعمیر و مرمت کرائی۔

امیر موصوف نے درج ذیل دروازوں کی اصلاح و مرمت کروائی:

باب عباس۔ باب علی۔ باب عجلہ۔ باب زیارۃ۔

باب قطبی۔ باب صفا۔

اس کے علاوہ بہت سے دروازوں کی اصلاح و مرمت کرائی۔

باب العجلہ کی جانب بعض حلقوں کی اصلاح و مرمت کرائی، اور چھت کی بھی مناسب اصلاح کرائی۔ یہ تمام کام انجینئر معلم جمال الدین یوسف کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

باب نمبر 21:

سعد الدین ایم الصبیلی کی تعمیر واصلاح

شعبان ۸۳۰ ہجری میں سعد الدین ابراہیم بن یوسف الصبیلی نے شمالی جانب میں ۸ حلقے جو صحن کی طرف تھے، باب العمرہ کی جانب ۶ ستون، باب بنی شیبہ کی طرف دو ستون تعمیر کرائے اور باب الزیاد، باب العجلہ، باب الندوہ، باب ابراہیم، باب الرحمۃ، باب اجیاد اور باب الصفا وغیرہ کے باہر سیلاب سے بچاؤ کی خاطر سیڑھیاں بنوائیں۔

☆☆☆

باب نمبر22:

ملک الظاہری جقمق کی تعمیر واصلاح

۸۴۳ ہجری میں امیر سودون المحمدی کو قاہرہ سے تعمیراتی سامان دے کر بھیجا گیا، جس میں برآمدوں کے لئے پچاس اونٹ سفید چپس، دس قنطار لوہا کیل وغیرہ بنوانے کیلئے اور چالیس قطعہ لکڑی برآمدوں کی مضبوطی کے لئے تھی۔

ملک الظاہر جقمق جو ملوک جراکسہ کا دسواں بادشاہ تھا، نے امیر سودون المحمدی کو حرم شریف اور کعبہ شریف کی اصلاح ومرمت کا حکم دیا۔ چنانچہ امیر موصوف نے مینارہ، باب السلام کے پتھروں کی اصلاح اور سفیدی کرائی۔ باب العمرہ کے مینار کی اصلاح، باب الحزورہ کے مینار کی سفیدی، باب علی کے مینار کے نچلے حصہ میں مرمت اور انہیں اطراف میں حرم شریف کے چھت کی اصلاح کا کام کرایا۔ علاوہ ازیں برآمدہ کے ستونوں کے درمیان لگی ہوئی شہتیریوں کی تبدیلی اور اصلاح کرائی۔ مقام ابراہیم مصلیٰ حنفیہ، قبہ باب ابراہیم اور مسعیٰ میں واقع دومیلوں کی سفیدی کرائی۔

باب نمبر23:

امیر تمر کی اصلاح ومرمت

بروز اتوار ۱۶ شوال ۸۴۶ ہجری میں امیر تمر نے مسجد حرام کے مغربی برآمدوں کی بعض چھتیں اتار کر نئی بنوائیں۔ بعد ازاں ۸۴۸ ہجری میں مغربی حصہ کی تمام چھتیں اور باب الصفاء کی جانب کی چھت بھی تبدیل کرائی اور بروز ہفتہ ۱۵ ربیع الاول ۸۴۸ ہجری کو حطیم کا فرش تبدیل کرنا شروع کیا اور یہ کام اسی سال ۱۰ جمادی الاول جمعرات کے دن مکمل ہوا۔

باب نمبر24:

خواجہ بیرم، امیر بروبک اور چند غیر معلوم حضرات کی تعمیر واصلاح

۸۵۲ ہجری ماہ رجب اور شعبان میں خواجہ بیرم ناظر الحرم نے حرم شریف کی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ جو رباط الاشرف سے ملا ہوا تھا، تعمیر کرایا، شامی جانب کے برآمدوں کی سات ڈاٹیں نئی بنوائیں اور چھت کی بعض کرم خوردہ لکڑیاں بھی تبدیل کرائیں۔

۸۵۴ ہجری میں امیر بروبک ناظر الحرم نے حرم شریف کی بعض چھتیں تعمیر کرائیں۔

۸۸۱ ہجری میں حطیم کے اندر اور باہر کا سنگ مرمر تبدیل کرایا گیا۔

شوال ۸۸۵ ہجری میں حرم شریف کی چھت کی مختلف جگہوں سے سات لکڑیاں تبدیل کی گئیں اور ان کے اوپر چونے سے بنا ہوا مصالحہ لگا دیا گیا۔

ذی الحجہ ۹۱۵ ہجری، باب الدریبہ کی جانب سے اصلاح ومرمت کا کام کرایا گیا۔ اسی طرح محرم ۹۱۶ ہجری میں باب الدریبہ کی طرف سے حرم کی چھت بھی درست کرائی گئی۔

☆☆☆

باب نمبر 25:

ملک قنصوہ الغوری کی تعمیر ومرمت

۹۱۷ ہجری میں ملک قنصوہ الغوری نے امیر خیر بک المعمار کوحرم شریف کی تعمیر ومرمت کے لئے بیجا۔ جس نے باب ابراہیم پر ایک بہت بڑی ڈاٹ بنا کر اس پر ایک عالیشان محل بنایا، اور باب ابراہیم کے اندر بھی غرباء وغیرہ کے لئے جگہ بنائی۔

باب نمبر 26:

سلطان سلیم خان اول کی تعمیر وتوسیع

حرم محترم کی لکڑی سے بنی ہوئی چھت پر جب عرصہ دراز گزر گیا، تو لکڑی کرم خوردہ اور کمزور ہو جانے کی وجہ سے چھت کی حالت نہ گفتہ بہ ہوگئی۔ بعض لکڑیاں باہر نکل آئیں اور دیواریں جھک گئیں۔ مشرقی برآمدہ کے تین بالے اپنی جگہ چھوڑ کر ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ باہر نکل آئے، اور برآمدہ صحن حرم کی طرف بہت زیادہ جھک گیا، اور چھت سانپوں اور پرندوں کا مسکن بن گیا۔ اگر چہ وقتی طور پر کمزور بالے نکال کر نئے اور لمبے ڈال دیئے جاتے اور چھت کو سہارا دینے کے لئے نیچے لکڑیاں لگا دی جاتی تھیں، مگر اس کے باوجود حرم کی حالت دن بدن دگرگوں ہی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ۹۷۹ ہجری میں جب برآمدہ کی حالت بہت خطرناک ہوگئی تو حرم کے منتظمین نے سلطان سلیم خان عثمان کو صورت حاصل سے آگاہ کیا۔ سلطان موصوف نے حسین الحسینی کے زیر نگرانی حرم کی ساری چھت نئی قبہ دار اور پختہ بنانے کا حکم دیا تا کہ لکڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے بار بار چھت تبدیل کرنے سے نجات مل جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حرم کی چھت پختہ بنانے کا فرمان صادر ہوا، پھر آج تک پختہ ہی بنائی جا رہی ہے۔

۱۵ ربیع الاول ۹۸۰ ہجری کو باب الاسلام سے چھت گرانے کا کام شروع ہوا، کدال سے جھالر (کنگرے) توڑ کر چھت کی لکڑی اور مٹی صحن میں ڈالی جانے لگی، اور ساتھ ہی جانوروں کے ذریعہ جبل الفلق کے قریب ملبہ ڈالنے کا انتظام کر دیا گیا۔ پھر ستون اکھاڑ کر ان کی بنیادیں کھودی گئیں جو شطرنج کے چوکھٹوں کی مانند لمبے ستونوں کی طرح بنی ہوئی تھیں۔

کام کا افتتاح ایک عظیم الشان تقریب میں ہوا، جس میں مشائخ، علماء، قضاۃ، صلحاء، غرباء وفقراء، رؤساء اور دیگر معززین شہر شریک تھے۔ صمیم قلب سے تلاوت قرآن مجید کے بعد بہت سی گائے اور بھیڑ بکریاں ذبح کر کے فقراء اور خدام حرم میں تقسیم کی گئیں۔

جمادی الاول ۹۸۰ ہجری کو بنیادوں کا کام شروع ہوا، اس سے پہلے حرم کے ستون ایک ہی قطار میں بنے تھے جو گنبد بنانے کیلئے مفید تھے، کیونکہ گنبد چار ستونوں پر قائم ہوتا ہے، چنانچہ طے پایا کہ سنگ مرمر کے قدیم ستونوں کے بیچوں بیچ زرد پتھر کے نئے ستون بنائے جائیں۔ اس مقصد کیلئے جدہ کی جانب واقع بیر شمیسی کے قریب ایک پہاڑ سے پتھر لائے گئے۔ اسی نسبت سے انہیں حجر شمیسی کہا جاتا ہے۔ پتھر کی مضبوطی اور خوبصورتی کے باعث ستون بھی بے حد خوبصورت اور دیدہ زیب بنے۔ سنگ مرمر کے تین اور زرد پتھروں کے ایک ستون پر حلقے قائم کر کے گنبد بنا دیئے گئے۔ زرد پتھر کے ستونوں نے سفید سنگ مرمر کے ستونوں کے حسن وزیبائش کو چار چاند لگا دیئے، جو بے حد دلکش منظر پیش کرنے لگے۔ ستونوں کی قطاروں میں یکسانیت رکھی گئی جس سے یوں محسوس ہوتا تھا گویا کہ کعبہ شریف کے سامنے ستونوں کی صفیں باادب دست بستہ کھڑی ہیں اور جس سمت سے بھی دیکھا جائے، ایک ہی ستون معلوم ہوتا تھا، آج بھی اس حقیقت کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ تعمیر کا یہ ذی شان کام ابھی تک صرف مشرق اور شمال میں ہی ہوا تھا کہ رمضان المبارک ۹۸۲ ہجری کو سلطان سعادت

نشان ملک سلیم خان کے انتقالِ پُر ملال کی خبر آ پہنچی۔

باب نمبر 27:

سلطان احمد بن سلطان محمد یعنی سلطان مراد خان اول کی تعمیر وتوسیع

سلطان سلیم خان کے فرزند ارجمند سلطان مراد خان تین سال کی عمر میں رمضان ۹۸۲ ہجری میں تخت نشین ہوئے تو انہوں نے والد گرامی قدر کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم مصمم کر لیا۔ چنانچہ موصوف نے مغربی اور جنوبی حصّہ کی تعمیر حسن اہتمام سے مکمل کرائی۔ اس طرف کے دروازے، کھڑکیاں، سیڑھیاں اور دیگر تمام کام مضبوطی اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرایا۔ قبوں کے اوپر لگے ہوئے چاند تبدیل کرائے۔ مصر میں پیتل کے چاند بنوا کر ان پر سونے کا پانی چڑھا کر قبوں پر نصب کرایا جن سے حرم کی زینت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

اس طرح ۹۸۴ ہجری کو تعمیر مکمل ہوئی جب کہ ۹۸۰ ہجری میں ابتداء ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں حرم کے باہر بہنے والے دونوں برساتی نالے مٹی، ریت اور پتھروں سے اٹے پڑے تھے، جن میں دروازہ سے باہر کی بارہ سیڑھیاں دب چکی تھیں، اور صرف تین نظر آتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وادی ابراہیم ہر دس سال بعد اپنی مٹی شہر سے باہر نشیبی علاقہ میں بہا کرلے جاتی تھی، لیکن تقریباً تیس سال سے ایسا اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے نالہ مٹی سے بھر گیا تھا، جس کی وجہ سے سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو کر نقصان کا باعث بنتا تھا۔ چنانچہ ۱۴ جمادی الاول ۹۸۳ ہجری کو زبردست سیلاب آیا جو حرم کے اندر داخل ہو کر کعبہ شریف کے دروازہ کے نصف تک بلند ہو گیا تھا۔ سیلاب کی شدت کے باعث سات وقت کی نماز باجماعت حرم شریف میں ادا نہ ہو سکی۔ سیلاب کے ختم ہونے پر حرم کی صفائی کرائی گئی اور نالہ کی اصلاح اور گہرائی کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اتنی کھدائی کرائی گئی کہ مزید دس سیڑھیاں ظاہر ہو گئیں۔ اسی طرح شمال کی جانب بہنے والے نالے کو بھی خوب گہرا کیا گیا۔ سلطان موصوف نے ہر دو تین سال بعد نالہ صاف اور گہرا کرنے کا حکم بھی دیا۔ حرم شریف کی تعمیر تجدید اور نالہ کی کھدائی وغیرہ پر لکڑی کی قیمت کے علاوہ ایک لاکھ دس ہزار دینار صرف ہوئے۔

وادی ابراہیم: یہ نالہ حرم شریف کے جنوب میں گزرتا تھا، اس میں طغیانی کے باعث متعدد بار کعبہ مشرفہ اور حرم محترم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اگرچہ مختلف اوقات میں اسے کھود کر گہرا کیا جاتا رہا تا کہ سیلاب کا اندیشہ نہ رہے، مگر اس کے باوجود مٹی وغیرہ بھر جانے سے لوگ سیلاب کی آفت سے دوچار ہوتے رہتے۔

بالآخر ۱۳۷۵ ہجری میں سعودی حکومت نے ایک جامع منصوبہ کے تحت اس نالہ کو زیر زمین تعمیر کیا، جو دارقم کے قریب سے شروع ہو کر مسعی اور حرم سے گزرتا ہوا باب ملک عبدالعزیز کے سامنے سے مسفلہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کی چوڑائی بعض جگہ ۴ سے ۶ میٹر تک ہے اور تقریباً ۲ کلومیٹر لمبا ہے۔ دوسرا نالہ باب السلام کے قریب حرب کے نیچے سے گزرتا ہوا باب ملک عبدالعزیز کے باہر بڑے نالہ میں آ ملتا ہے۔ (تاریخ حرمین، صفحہ ۱۵۶)

بیت اللہ شریف زمینی اور آسمانی حوادثات سے صدیوں محفوظ رہا، لیکن تقریباً ایک ہزار سال بعد سیلاب کی ستم ظریفی سے زمین بوس ہو گیا۔ جس کی تعمیر جدید کا شرف اللہ رب العزت نے سلطان السلاطین خاقان خاقان سلطان مراد خان کو عنایت فرمایا۔

حجاج بن یوسف نے (۷۴ ہجری مطابق ۶۹۳ء) کعبہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے بعد کبھی کبھار اس کی اصلاح و مرمت تو کی جاتی رہی مگر اسے منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی نوبت نہیں آئی، لیکن اس تعمیر کے ۹۶۶ سال بعد مکہ مکرمہ میں سخت بارش ہوئی اور زبردست سیلاب آیا، جس کے سبب کعبہ شریف منہدم ہو گیا اور ۱۰۴۰ ہجری میں سلطان مراد خان نے اسے پھر تعمیر کیا۔

(تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۳۰۱)

بدھ کے دن ۱۹ شعبان المعظم ۱۰۳۹ھ کو ایسی موسلادھار بارش ہوئی، جس نے حرم محترم، کعبہ شریف اور شہر میں تباہی مچادی۔ کعبہ شریف کی بعض دیواریں زمین بوس ہو جانے کی وجہ سے سلطان موصوف کے لئے بیت اللہ کی تعمیر ناگزیر ہوگئی تھی۔ سلطان موصوف کا زمانہ عصر حاضر کے مؤرخین کے قریب ہونے کے باعث اس کی بیش بہا تعمیری خدمات کو پوری شرح وبسط سے زینت قرطاس بنایا ہے۔

مؤرخین کا بیان ہے:

''۱۹ شعبان بروز بدھ دو بجے صبح زبردست بارش کا غیر متناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جو ظہر اور عصر کے درمیان اور بھی شدت اختیار کر گیا اور ساتھ ہی اولے بھی پڑنے لگے۔ طوفان باد و باراں اگلے روز جمعرات ۲۰ شعبان کو بھی جاری رہا۔ بارش کی شدت کے باعث بدھ کی شام کو ہی تباہ کن سیلاب آ گیا تھا۔ جو اس قدر ہولناک تھا کہ ماضی میں ایسی مثال نہیں ملتی تھی۔ حرم شریف میں سمندر کا سماں تھا، باب کعبہ سے پانی اندر داخل ہو کر دیواروں کے نصف تک پہنچ چکا تھا۔ حرم میں پانی اس قدر بلند تھا کہ چھت میں آویزاں قندیلوں (تقریباً دس فٹ) تک پہنچ گیا تھا۔ سیلاب کا پانی لوگوں کے مکانات میں داخل ہو گیا اور بہت سی اشیاء اور سامان بہا کر مسفلہ کی جانب لے گیا۔ اس قیامت خیز بارش اور سیلاب میں ہزاروں قیمتی جانیں بھی تلف ہوگئیں۔ سیلاب رات بھر حرم میں ٹھاٹھیں مارتا رہا۔''

علامہ حسین عبداللہ انسانی جانوں کا نقصان ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

((مات خلق كثير ، من كبير و صغير و جليل و حقير))

''بہت ساری مخلوق اس حادثے کی وجہ سے موت کا شکار ہوئی، جن میں بڑے چھوٹے اور باعزت اور کمتر سب شامل تھے۔''

۲۰ شعبان ۱۰۳۹ ہجری جمعرات کی شام کعبہ شریف کی شامی دیوار یعنی حطیم کی طرف والی دیوار اور مشرقی اور مغربی دیوار کا بعض حصہ بھی منہدم ہو گیا اور اندر والی سیڑھی بھی گر گئی۔ یہ دلسوز جاں گداز حادثہ عصر کے بعد رونما ہوا۔ جس کے سبب لوگوں کے دل پریشان ہو گئے۔

علامہ احمد بن علان کا کہنا ہے کہ اولوں کا پانی سخت نمکین اور کڑوا تھا۔

جمعرات کی صبح کو مسعود بن ادریس بن حسن امیر مکہ حرم شریف میں آیا اور باب ابراہیم کے تختے کھول دینے کا حکم دیا، تاکہ پانی مسفلہ کی جانب تیزی سے نکل جائے۔ اسی شام غروب آفتاب کے قریب کعبہ شریف کی دیواروں کے گرنے کا اندوہناک سانحہ پیش آیا اور یہ روح فرسا خبر امیر کو پہنچی تو وہ گھبرایا ہوا حرم کی طرف چل دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے اشراف اور سردار بھی تھے، جن میں الشیخ محمد ابن ابی القاسم الشیبی اور دیگر علماء کرام اور صلحاء عظام تھے۔ امیر نے شمع روشن کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ کعبہ شریف کے اندر سے قنادیل اور قیمتی سامان نکال لیا جائے تاکہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ شیخ نے خدام کعبہ میں سے ایک ایسا آدمی اس کام کے لئے مقرر کیا جو سخت بیمار ہونے کی وجہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا (غرض یہ تھی کہ وہ اس خدمت کی انجام دہی کے باعث شفایاب ہو جائے)۔ پھر اس کے ساتھ خدام کی جماعت کعبہ شریف میں تیر کر داخل ہوئی۔ وہ لوگ سونے کی بیس قندیلیں اور ایک ایسی قندیل جو جواہرات سے مرصع تھی، علاوہ ازیں خزانہ اور میزاب وغیرہ بھی نکال لائے، اور شیخ جمال الدین محمد بن القاسم الشیبی کے گھر (صفا کے قریب) محفوظ کر دیا۔ ان سب چیزوں کو ایک کمرہ میں بند کر کے سربمہر کر دیا، جس پر امیر مکہ اور نائب حرم کی مہر بھی ثبت تھی اور چوکیدار بٹھا دیا۔ یہ تمام کام اسی دن مغرب سے پہلے پہلے مکمل کر لیا اور لوگ مطمئن ہو کر گھروں کو چلے گئے۔

جمعہ کے دن ۲۱ شعبان ۱۰۳۹ ہجری کو جب سیلاب ختم ہوا تو حرم شریف کی صفائی کرنے کا اعلان عام کیا گیا۔ چنانچہ امیر مکہ بمعہ

سادات واشراف کے آیا اور بہت سے دوسرے لوگ بھی ہر جانب سے آ گئے۔ جب مطاف صاف کر دیا گیا تو علامہ فائز بن ظہیرہ القرشی المخزومی خطبہ کیلئے تشریف لائے۔ خطبہ کے بعد لوگوں کی معیت میں مطاف میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد کعبہ شریف کی دیواروں کے گرے پڑے پتھروں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ کچھ مصلیٰ حنفی کی جانب اور کچھ باب الاسلام کی طرف منبر شریف کے قریب جمع کئے اور چھوٹے چھوٹے پتھر مقام حنفی اور حاشیہ مطاف کے درمیان جمع کر دیئے۔

اسی دن مصطفیٰ آغا رئیس المشدین صاحب جدہ آیا تو اس سے تعمیر و مرمت کیلئے پانچ سو دینار طلب کئے گئے۔ یہ رقم مکہ مکرمہ ۲۴ شعبان سوموار کے دن پہنچی۔

ہفتہ کے دن ۲۹ شعبان امیر مکہ آیا اور علماء کرام کو جمع کیا۔ مصر سے محمد پاشا البانی کی طرف سے حسین آغا الشادوش بھی تشریف لائے۔ امیر مکہ نے حاضرین علماء کرام سے استفسار کیا کہ کیا پانی وغیرہ خشک ہونے سے پہلے تعمیر شروع کر دی جائے یا کچھ توقف کیا جائے؟ نیز تعمیر کے اخراجات قندیلوں کو فروخت کر کے پورے کئے جائیں یا کسی دوسرے مال سے؟

علماء کرام میں قاضی عبداللہ بن ابی بکر الحنفی، الشیخ خالد المالکی اور قاضی احمد بن عیسیٰ وغیرہ جیسے اجلہ علماء تشریف رکھتے تھے۔ علماء کرام اس بات پر متفق تھے کہ کعبہ شریف کے مال ہی سے تعمیر کی جائے۔ البتہ اس صورت حال سے سلطان مراد خان کو آگاہ کر دینا چاہیے جو کہ سلطنت عظمیٰ کا والی ہے۔ علماء نے اپنے دستخطوں سے یہ فتویٰ جاری کیا۔

یہ دستاویز لے کر امیر مکہ ایک وفد کے ساتھ سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وفد احمد شادوش حسین آغا کی جماعت سے النوری علی یمنی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ ۲۴ شعبان سوموار کو روانہ ہوئے تا کہ وزیر مصر کو واقعات و حوادثات سے مطلع کیا جائے اور وہ سلطان مراد خان کو صورت حال سے آگاہ کر دے۔ اس عرصہ میں جدہ سے سنجق کی ایک اور رقم پانچ سو دینار کی بھی پہنچ گئی۔ ۱۰ رمضان المبارک تک حرم محترم کو پوری طرح صاف کر دیا گیا۔

امیر مکہ مسعود نے آدمی بھیجے کہ جدہ سے لکڑی لا کر کعبہ شریف کے چاروں طرف پردہ بنا دیں۔ جس طرح سیدنا عبد بن اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے پردہ بنایا تھا، تا کہ تعمیر شروع ہونے تک کعبہ شریف کی ہیئت قائم رہے۔ یہ لکڑی رمضان شریف کے آخری دنوں میں پہنچ گئی اور اس سے پردہ بنانا شروع کر دیا گیا۔ یہ کام ۲۶ رمضان شریف جمعرات کے دن شروع ہوا۔ علی بن شمس الدین کاریگر کھجور کے تنوں کی لکڑی لایا جنہیں چوڑائی میں نصف تنے کی جانب سے کاٹ دیا اور ایک دوسری لکڑی کے سروں کو ملا کر کھڑا کر کے کیل لگا دیئے گئے اور مزید مضبوطی کی خاطر رسیوں سے اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ یہ کام بروز اتوار ۳ شوال پایہ تکمیل کو پہنچا۔ علامہ علی بن عبد القادر طبری نے یہ نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا:

قالو النا البیت الشریف قد غدا فی ثوبہ الاخجر
ذابر فقلت لھم لا تعجبوا فالہ من حلی الجنان الخضر

جب کعبہ شریف کے حادثہ عظیمہ کی خبر اطراف واکناف میں پھیلی تو لوگ اس کثرت سے آنے شروع ہو گئے کہ موسم حج کا سا سماں بندھ گیا۔ جب والی مصر محمد پاشا نے یہ بھیڑ دیکھی تو کہنے لگا:

"اگر قسطنطنیہ سے سلطانی قاصد کی آمد کا انتظار کیا جاتا رہا تو ہجوم میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔"

رضوان آغا نے تجربہ کار معمار بھیج دیئے۔ ۱۰ شوال کو قاصد نے مکہ معظمہ پہنچ کر اطلاع دی کہ آغا رضوان بک معمار متعین کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ ۱۶ شوال کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور الجواخی کے مقام پر جوزاہر کے شہداء کی سبیل ہے قیام کیا۔ ان کے

ساتھ قاضی مدینہ سید محمد آفندی بھی تھے۔ان کے استقبال کے لئے سید عبدالکریم بن ادریس بن حسن شہر سے باہر گئے۔ پھر ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۴۰ ہجری کو سید محمد آفندی قاضی مدینہ کو کعبہ شریف کی تعمیر کا نگران مقرر کر کے بھیجا گیا۔ جب کہ امیر مسعود علالت کے باعث صاحب فراش تھا۔ جو دو دن بعد ۱۸ ربیع الثانی کو دار فانی سے رحلت کر گیا۔اس کی جگہ عبداللہ بن حسن بن ابی نمی کا تقرر رہوا۔''

۲۱ ربیع الثانی ۱۰۴۰ ہجری کو اطلاع ملی کہ ''غراب بن سویدان'' (یہ جہاز کے کپتان کا نام ہے،اسی کے نام پر جہاز کا نام رکھا گیا) جدہ پہنچ گیا ہے،جس میں وافر مقدار میں تعمیری آلات اور سامان ہے۔۲۲ ربیع الثانی کو معماروں نے بیت اللہ شریف کے چاروں طرف ۶ ذراع (۳ میٹر ۵ سینٹی میٹر) کا فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کا ایک اور احاطہ قد آدم جتنا اونچا بنایا تا کہ کام کرنے میں لوگ مخل نہ ہوں۔علاوہ ازیں کعبہ شریف کے چاروں طرف دیواروں کی بلندی تک گوء باندی گئیں،جس کی ابتداء مغربی دروازہ سے کی گئی تھی۔

۲ جمادی الاول کام کا آغاز مطاف کے فرش جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا،کو اکھاڑنے سے کیا گیا۔۱۰ جمادی الاول کو چونا منگوا کر چاہ زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔۱۹ جمادی الاول جمعہ کے دن امیر مکہ عبداللہ بن حسن،علماء کرام،معززین شہر اور انجینئروں نے جائزہ لینے کے بعد کہا کہ باقی ماندہ دیواریں بھی گرا دی جائیں یا موجودہ حالت ہی میں ان پر تعمیر کر دی جائے۔ چنانچہ مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے، مغربی اور درمیانی دیوار گرانے کا متفقہ فیصلہ ہو گیا۔

۲۵ جمادی الاول ہفتہ کے دن غلاف اتار کر مقام ابراہیم کے چبوترہ پر رکھ دیا گیا اور کعبہ شریف کا دروازہ شیخ حرم سید محمد آفندی کے گھر رکھا گیا۔یکم جمادی الثانی اتوار کے دن مغربی دیوار گرانے کا کام شروع ہوا۔سوموار کے دن یمانی دیوار بھی گرا دی گئی۔حجر اسود کے سوا باقی تمام دیوار مکمل طور پر گرا دی گئی۔اس طرح حجر اسود سے نیچے کا حصہ آج بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر کا تعمیر کردہ موجود ہے۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۰۴۰ ہجری کو چنائی شروع ہوئی۔فرش کعبہ سے منڈیر تک کل ۲۵ رڈے بنائے گئے،جن میں استعمال ہونے والے پتھروں کا حجم حسب ذیل تھا:

پہلا ردہ ۶۰ سینٹی میٹر۔	دوسرا ۶۱ ۵ سینٹی میٹر۔
تیسرا ۵۰ سینٹی میٹر۔	چوتھا، پانچواں اور چھٹا ۴۵ سینٹی میٹر۔
ساتواں، آٹھواں اور نواں ۴۳ سینٹی میٹر۔	دسواں ۴۲ سینٹی میٹر۔
بارہواں، تیرہواں ۴۰ سینٹی میٹر۔	چودھواں، پندرہواں ۳۷ سینٹی میٹر۔
سولہواں، سترہواں ۳۶ سینٹی میٹر۔	اٹھارہواں، انیسواں اور بیسواں ۲۲ سینٹی میٹر۔

اکیسواں، بائیسواں، تیئیسواں اور چوبیسواں ۳۶ سینٹی میٹر۔ پچیسواں ۳۳ سینٹی میٹر۔

۲ ذی الحجہ ۱۰۴۰ ہجری تقریباً ساڑھے چھ ماہ کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد کعبہ شریف کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی۔

(تاریخ الکعبہ،عنوان تعمیر سلطان مراد خان)

سلطان مراد خان کی تعمیر کے لئے کعبہ شریف کی دیواروں کو بنیادوں تک نہیں گرایا گیا بلکہ کچھ اوپر ہی سے تعمیر شروع کر دی گئی،تا کہ بنیادوں میں کمی بیشی کا احتمال ہی نہ رہے۔علاوہ ازیں یہ تعمیر حجاج بن یوسف کی تعمیر سے پوری طرح مطابقت رکھتی تھی۔اس میں کمی یا زیادتی نہیں کی گئی۔

اس تعمیر میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں،جبل شبیکہ سے جسے جبل کعبہ بھی کہا جاتا ہے،لائے گئے۔

مؤرخ عماد الدین نے ۲۸ رجب ۱۳۷۷ ہجری بروز سوموار انہیں شمار کر کے حسب ذیل تعداد اور تفصیل بیان کی ہے۔

''بڑے بڑے پتھر ۱۹ سینٹی میٹر لمبے، ۵۰ سینٹی میٹر چوڑے اور ۲۸ سینٹی میٹر موٹے ہیں، جب کہ چھوٹے پتھر ۵۰ سینٹی میٹر لمبے اور ۴۰ سینٹی میٹر چوڑے ہیں۔ سامنے دکھائی دینے والے پتھروں کی تعداد حسب ذیل ہے لیکن اندر چھپے ہوئے پتھروں کی تعداد معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ تعداد بھی پشتہ کعبہ کو چھوڑ کر بیان کی گئی ہے۔

دروازہ والی مشرقی دیوار میں	۴۱۹ عدد۔
پشت والی مغربی دیوار میں	۴۴۹ عدد۔
رکن یمانی سے حجر اسود کے درمیان والی دیوار میں	۴۲۸ عدد۔
حطیم کی جانب والی دیوار میں	۳۱۸ عدد۔
میزان	۱۶۱۴ عدد۔

کتب ہائے تاریخ میں ہے کہ سلطان احمد مراد خان، جو آل عثمان کے سلاطین میں سے تھے، کے عہد میں خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۰۳۹ ہجری ماہ شعبان کی انیس تاریخ کو بروز بدھ صبح آٹھ بجے مکہ معظمہ اور اس کے گردونواح میں شدید بارش ہوئی۔ اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کا پانی مسجد الحرام میں داخل ہو گیا۔ جو باب کعبہ شریف کے قفل سے تقریباً ۲ میٹر بلند ہو گیا۔ اگلے روز یعنی جمعرات کو عصر کے وقت کعبہ کی شامی دیوار دونوں اطراف سے گر پڑی اور مشرقی دیوار باب شامی کی حد تک جھک گئی۔ اس کے سوا باقی کوئی دیوار نہ رہی اور اسی پر دروازے کا دارمدار تھا اور مغربی جانب کی دیوار کا دونوں اطراف سے تقریباً چھٹا حصہ گر گیا اور اس ظاہر وجہ سے تقریباً دو ثلث دیوار گر پڑی اور چھت کا کچھ حصہ بھی گر پڑا۔ یہ شامی دیوار کے بعد گرا۔ اس لئے سلطان احمد مراد خاں نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جو ماہ رمضان المبارک ۱۰۴۰ھ میں حجاج کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کی مانند مکمل ہوا۔ سلطان مراد خاں کی یہ عمارت اب تک موجود ہے۔

ابراہیمی تعمیر اور تعمیر قریش کے درمیان ۲۶۴۵ سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عنوان بنا کر بیان کیا ہے۔

قریش اور عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر کا درمیانی عرصہ ۷۲ سال ہے۔ حضرت ابن زبیر اور حجاج ثقفی کی تعمیر کا درمیانی عرصہ ۱۰ سال ہے اور حجاج اور سلطان مراد کی تعمیر کا درمیانی عرصہ ۹۶۶ سال ہے۔

باب نمبر 28:

سلطان ابن محمد کی تعمیر

اسدی نے ذکر کیا ہے کہ گیارہویں صدی کے اوائل میں ۱۰۱۹ھ کو کعبہ شریف کی شامی جانب کی دیوار پھٹ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مکہ معظمہ میں بہت بارش ہوئی اور سیلاب کا پانی مسجد حرام میں داخل ہو گیا۔ اور اس سے دو دیواریں شرقی اور غربی جانب کی۔ نیز حجر اسود کی دیوار متاثر ہوئی۔ ان حالات کو دیکھ کر سلطان احمد بن سلطان محمد نے خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا اور دوبارہ خانہ کعبہ کے پتھروں سے دیواریں تعمیر کی گئیں۔

سلطان نے ایک اینٹ پر سونا اور دوسری پر چاندی لگا کر تعمیر کرنا چاہا لیکن اس وقت کے علماء نے اسے منع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ

اس کی حفاظت ایک پٹی سے ہوسکتی ہے جو پھٹنے سے محفوظ رکھے گی۔ چنانچہ اس نے تانبے کی ایک زرد رنگ کی پٹی بنائی جس پر سونے کا ملمع تھا۔ ۱۰۲۰ ہجری میں اس کام کا آغاز کیا گیا اور ۱۰۲۱ ہجری کو بنائی گئی جس پر سونے کا ملمع تھا۔ ۱۰۲۱ ہجری میں اس کام کا آغاز کیا گیا اور ۱۰۲۱ ہجری کے اوائل میں پایہ تکمیل تک پہنچا اور اس تقریباً اسی ہزار دینار خرچ آئے۔

باب نمبر 29:

سلطان عبدالحمید خان اول کی تعمیر و اصلاح

۱۱۱۲ ہجری میں ابراہیم بک نے سلطان عبدالحمید خان اول بن سلطان احمد خان ثالث عثمانی کے حکم سے حرم شریف کے اندر اور باہر جہاں جہاں تعمیر و مرمت کی ضرورت تھی کام کرایا۔ باب العمرہ، باب الحزورہ اور باب السلام کے مینار اندر اور باہر سے مرمت کرائے۔ باب السلام پر لگی ہوئی لکڑیاں تبدیل کرائیں۔ ۱۱۳۴ ہجری میں محمد آفندی المعمار نے باب اسلام کی جانب سے بعض فرش تبدیل کرایا۔

امام طبری کی کتاب اتحاف میں ہے کہ ۱۰ ربیع الاول ۱۱۴۰ ہجری میں حرم شریف کے برآمدوں کا فرش پہلی مرتبہ مضبوط اور تراشیدہ پتھروں سے بنوایا گیا۔ جب کہ اس سے پہلے فرش میں چونے لگے ہوئے تھے۔

محمد آفندی المعمار کا بنایا ہوا فرش ۱۳۵۴ ہجری تک موجود تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ ۱۲۸۲ ہجری تک وہ فرش رہا بعد میں اس فرش کو پتھر کا فرش بنایا گیا ہے۔

باب نمبر 30:

سلطان عبدالحمید خان دوم کی تعمیر و اصلاح

۱۲۵۷ ہجری باب البغلہ اور باب الصفاء کے درمیان دوستون کمزور ہو گئے تھے جنہیں سلطان عبدالحمید خان کے حکم سے ربیع الاول ۱۲۵۷ ہجری میں مذکور ستونوں کی ڈاٹیں اور قبے گرا کران کی اصلاح کی گئی اور پھر اس جگہ انہیں نصب کر کے ڈاٹ اور قبہ بنا دیا گیا۔ علاوہ ازیں حرم شریف میں سفیدی بھی کرائی گئی۔ ۱۲۶۲ ہجری میں فرش میں لگے ہوئے چوکوں کی اصلاح کرائی گئی۔ بعض ستون، مقامات اربعہ اور منبر پر نقش و نگار کرایا گیا اور حرم شریف کی سفیدی کرائی اور ۱۲۶۶ ہجری میں باب السلام کے اندر سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا اور یہ تمام کام سلطان عبدالمجید خان عثمانی کے عہد میں ہوا۔

باب نمبر 31:

سلطان عبدالعزیز خان اول کی مرمت و اصلاح

۱۲۷۹ ہجری میں سلطان عبدالعزیز خان نے حرم شریف کی مرمت اور اصلاح کا حکم دیا، کیونکہ ۸ جمادی الاول ۱۲۷۸ ہجری کو نماز صبح سے قبل سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا تھا، جس کی بلندی باب کعبہ کے تالے تک تھی۔ سیلاب کی وجہ سے اس دن پانچ اوقات کی نماز حرم شریف میں ادا نہ ہوسکی۔ برآمدوں کا فرش، مطاف کا حاشیہ اور گزرگاہیں بہت خراب ہو گئی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن عون امیر مکہ اور شیخ الحرم احمد عزت پاشا نے ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۹ ہجری کو برآمدوں کے فرش سے قدیم چونے کے نکالنے کا کام شروع کرایا۔ اس طرح مطاف کا حاشیہ اور گزرگاہوں کی تجدید اور مرمت شروع کرائی۔ یہ کام اسی سال ذی الحجہ میں مکمل کرایا گیا۔

(تاریخ عمارۃ المسجد الحرام، ۲۶۵ تا ۲۷۴)

باب نمبر 32:

سلطان عبدالحمید سوم کی مرمت اور اصلاح

۱۳۱۴ ہجری میں سلطان عبدالحمید عثمانی نے حرم شریف کی مرمت اور اصلاح کا حکم دیا، کیونکہ ۱۲۷۹ ہجری سے ۱۳۱۴ ہجری تک مسلسل ۳۵ سال کسی نے بھی حرم شریف کی مرمت وغیرہ نہیں کرائی تھی، جس کی وجہ سے دیواروں کے علاوہ نقش ونگار اور رنگ وروغن کے حالات خستہ ہو چکے تھے اور مکڑی نے جا بجا جالے بنا لیے تھے۔ چنانچہ سلطان کے فرمان کے مطابق احمد راتب پاشا ناظر الحرم نے کام شروع کرایا۔ سب سے پہلے لکڑی کی پچاس مضبوط گھوڑیاں بنوا کر قبوں کی صفائی شروع کی، جن پر گرد وغبار کے علاوہ پرندوں کی بیٹیں اور مکڑی کے جالے کثرت سے لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح ستون اور چھت بھی صاف کرائی۔ سنگ مرمر کے ستون صاف کرانے پر بہت زیادہ محنت کی گئی۔ ایک ایک ستون پر ہفتہ ہفتہ اور دو دو ہفتے صرف ہو جاتے، لیکن صفائی کے بعد شیشہ کی طرف چمکتے تھے۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت تھی، مضبوطی کے ساتھ مرمت کرائی۔ مطاف کے حاشیہ، مقام ابراہیم، چاہ زمزم، حرم شریف کے دروازے اور مقامات اربع وغیرہ سب کی اصلاح اور مرمت کرائی۔ جس سے حرم پاک ایسا خوبصورت ہو گیا گویا کہ اسے از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ کام مکمل ہو جانے پر باب النبی ﷺ پر سنہری حروف میں سلطان عبدالحمید خان کا نام اور تاریخ ۱۳۱۴ ہجری کندہ کرائی گئی۔

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۷ ہجری کو زبردست سیلاب آیا، جس سے حرم شریف سمندر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جب پانی ختم ہوا تو شریف حسین ابن علی امیر مکہ دیگر معززین شہر کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے اور صفائی کا کام شروع کرایا۔ تقریباً پندرہ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد صفائی مکمل ہوئی۔ چونکہ سیلاب سے بیس ستون اور فرش خراب ہو گیا تھا لہٰذا اسے مرمت کیا گیا۔

باب نمبر 33:

سلطان محمد رشاد خان

سلطان عبدالحمید عثمانی کے دور میں جو سیلاب آیا تھا اس سے بہت تباہی ہوئی اور خانہ کعبہ کے ستون اور دیواروں کو بھی نقصان پہنچا، اس وقت ضروری مرمت کر لی گئی لیکن ۱۳۱۴ ہجری کی ابتداء میں سلطان محمد رشاد خان نے غالب پاشا ناظر الحرم کو حرم شریف کو مستقل مرمت کا حکم دیا، لیکن یہ زمانہ عالمی جنگ کے عروج کا تھا، جس میں سلطنت عثمانیہ بھی شامل تھی۔ جنگ کی وجہ سے کاریگروں کا ملنا اور تعمیر کا سامان حاصل کرنا دشوار تھا۔

تاہم یکم صفر کو اس کام پر ترکی معمار لگائے گئے۔ جنہوں نے بعض ستون بھی تبدیل کیے۔ تعمیراتی سامان کی کمی کے باعث ستونوں کو نکالنے اور چھت کو سہارا دینے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بنا بریں نئے ستون، سریا، سیمنٹ، پسی ہوئی اینٹیں اور بالوں کے مرکب سے بنائے گئے، جن پر چپس بھی لگائی گئی تھی۔ اگرچہ ان کی رنگت دوسرے ستونوں سے مختلف رہی لیکن مضبوطی اور پائیداری میں دوسروں سے کچھ کم نہ تھے۔ اسی طرح بعض دروازے، مینار اور چھت بھی مرمت کی گئی۔ یہ کام یکم صفر سے ۸ شعبان ۱۳۳۴ھ تک جاری رہا اور اس پر تقریباً پانچ سو گنی عثمانی خرچ ہوئے۔ (تاریخ عمارت مسجد الحرام)

☆☆☆

باب نمبر 34:

شاہ عبدالعزیز، شاہ سعود اور شاہ فیصل کے دور میں تعمیر جدید و توسیع

اوائل محرم ۱۳۷۷ ہجری شاہ سعود بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود نے کعبہ شریف کی چھتیں تبدیل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے لکڑی کو گھن لگ گیا اور وہ کمزور ہوگئی۔ شاہی فرمان کے مطابق علماء، انجینئروں اور کاریگروں پر مشتمل ایک تعمیراتی کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے:

رئیس ہیات الامر بالمعروف ونہی عن المنکر الشیخ عبدالملک بن ابراہیم۔

مدرس حرم شریف الشیخ عبداللہ جابر۔

مدرس حرم شریف السید علوی ابن عباس المالکی۔

کنٹریکٹر تعمیرات الشیخ محمد بن علی الحرکان۔

کنٹریکٹر تعمیرات الشیخ محمد بن عوض بن لادن الحضرمی۔

الشیخ محمد صالح القزاز۔

معلم الشیخ حسین عجاج۔

طارق الشواف۔

طہ القرملی۔

کمیٹی کے انچارج شیخ محمد بن عوض بن لادن۔

اواخر محرم میں کمیٹی اس پروگرام پر متفق ہوگئی۔

اوپر والی چھت کے ساتھ اندر والی چھت بھی تبدیل کی جائے، کیونکہ اس کی لکڑی بھی کرم خوردہ ہے۔ دیواروں کی حسب ضرورت ترمیم واصلاح کی جائے۔ کعبہ شریف کے اندر دیواروں کا سنگ مرمر تبدیل کیا جائے۔ ان امور کی انجام دہی کے لئے کسب حلال سے مال خرچ کیا جائے۔

۷ محرم ۱۳۷۷ ہجری ہفتہ کو صبح سویرے کمیٹی کے ارکان نے کعبہ شریف میں داخل ہو کر کام کا جائزہ لیا اور پروگرام کا آخری اور قطعی شکل دی۔ جب تمام انتظامات مکمل ہوگئے تو سب سے پہلے کعبہ شریف کے چاروں طرف لکڑی کا پردہ اسی طرح بنایا جس طرح سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بنایا تھا۔ چنانچہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۷۷ ہجری کو نماز عشاء کے ایک گھنٹہ بعد یہ کام شروع ہوا، جو مسلسل دن رات جاری رہا اور سوموار کے دن ۲۳ جمادی الثانی کو مکمل ہوا۔ جب پردہ مکمل ہوگیا تو کعبہ شریف فرش مطاف سے منڈیر تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا، بلکہ پردہ کعبہ شریف کی بلندی سے بھی ڈیڑھ میٹر اونچا تھا۔ البتہ حجر اسود اور رکن یمانی استلام کی غرض سے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

پردہ حطیم کی جگہ کو بھی گھیرے ہوئے تھا۔ مطاف میں واقع منبر شریف سے ایک لکڑی کا پل حطیم تک بنایا گیا۔ جس کی چوڑائی ۲ میٹر اور بلندی تقریباً ۴ میٹر تھی۔ یہ پل اس لئے بنایا گیا تاکہ تعمیر کا سامان اور کام کرنے والے آدمی چھت تک پہنچ سکیں۔ طواف کرنے اور نماز پڑھنے والوں کو بھی دقت نہ ہو۔ پل کے دروازہ پر ایک خاصی جماعت پہرہ پر تعینات تھی تاکہ کام کرنے میں دوسرے لوگ مخل نہ ہوں اور نہ

ہی مخصوص آدمیوں کے علاوہ پل پر کوئی دوسرا آدمی چڑھے۔طواف کرنے والے لکڑیوں کے استادہ پردہ کے باہر طواف کرتے اور جب منبر کے قریب پہنچتے تو مذکورہ پل کے نیچے سے گزرتے تھے۔

ہفتہ کے روز الشیخ محمد بن عوض بن لادن کنٹریکٹر، الشیخ محمد صالح، الشیخ عبداللہ بن سعید، الشیخ عبدالقادر نائب الحرم اور محمد طاہر کردی کعبہ شریف میں بڑے ادب واحترام سے داخل ہوئے، پہلے دو رکعت نفل ادا کئے، اور غور وخوض سے اندر کے کام کا جائزہ لیا۔

لیکن کام رجب تک مؤخر کرنے کا فیصلہ ہوا، کیونکہ ابتداء سال میں موسم شدید گرم ہوتا ہے جب کہ رجب میں گرمی کی شدت میں کمی ہوجاتی ہے۔علاوہ ازیں اس عرصہ میں تعمیراتی سامان لکڑی، چونا، آلات تعمیر اور دوسری اشیاء بھی بآسانی جمع ہوسکتی تھیں۔

چنانچہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۷۷ ہجری مطابق ۷ فروری ۱۹۵۸ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ولی عہد امیر فیصل بن عبدالعزیز، جلالۃ الملک شاہ سعود بن عبدالعزیز کے نمائندہ کی حیثیت سے حرم شریف میں تشریف لائے، کیونکہ شاہ سعود مرض کی شدت کے باعث تشریف لانے سے قاصر تھے۔امیر موصوف کے ساتھ وزراء، امراء اور علماء وغیرہ بھی تھے، نماز جمعہ سے دو گھنٹے قبل کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر ایک مرتبہ پھر کام کا جائزہ لیا۔

ولی عہد امیر فیصل نے اللہ کا نام لے کر ہتھوڑے سے کعبہ شریف کی چھت اکھاڑنے کی ابتداء کی، پھر دوسرے حضرات بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تکبیر وتہلیل کہتے ہوئے اس مقدس کام میں مصروف ہوگئے۔

چھت کے فرش کا سنگ مرمر اکھاڑنے کے بعد امیر موصوف اور دیگر زعماء نیچے اتر آئے اور دوسرے حضرات بقیہ پتھر، چونا اور دیگر چیزوں کو اکھاڑنے لگے۔جب جمعہ کا وقت ہوگیا تو کام بند کرکے نماز جمعہ ادا کی گئی اور عصر تک آرام کیا۔پھر پورے زور وشور سے کام شروع کردیا گیا جو مغرب تک جاری رہا۔

رات کو کام جاری رکھنے کیلئے روشنی کی ضرورت تھی، چنانچہ کعبہ شریف کی چھت پر اور اندر بجلی کے قمقمے لگائے گئے تاکہ کام کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے اور یہ پہلا موقع تھا کہ کعبہ شریف کے اندر یا اس کے اوپر بجلی کے بلب روشن کئے گئے اور اس واقعہ کے بعد یہ ضرورت پیش نہیں آئی، کیونکہ عام حالات میں عین کعبۃ اللہ کا دروازہ رات کو کھولنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور جن مواقع میں دن کو کھولا جاتا ہے تو دروازہ سے سورج کی روشنی اس ضرورت کو پورا کردیتی ہے۔

یہ کام حمد باری تعالیٰ اور نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں ۱۹ رجب ہفتہ کی رات تک جاری رہا، یہاں تک کہ تمام چھت کا سامان اکھاڑ دیا گیا۔پتھر، چونا اور لکڑی وغیرہ سب کچھ حطیم میں ڈالی جاتی رہی، جو کہ پردہ کے اندر تھا۔لوگوں نے بے حد خوشی اور دل لگی سے یہ خدمت انجام دی، اسی وجہ سے اس قدر جلد کام مکمل ہوگیا۔

ہفتہ کی صبح کو جب صفائی مکمل ہوگئی تو انجینئروں نے عمارتی آلات سے دیواروں کا جائزہ لیا، بالخصوص میزاب کعبہ والا حصہ قدرے جھکا ہوا تھا۔

اتوار کی صبح چھت بنانے کا کام شروع ہوا جو شام تک جاری رہا۔چھت میں موٹے اور مضبوط شہتیر استعمال کئے گئے جو شرقاً غرباً دیواروں پر چڑھائے گئے تھے اور دو شہتیر ان کے نیچے ایک مشرقی دیوار اور دوسرا مغربی کے ساتھ ڈالا گیا۔چھت پر ۲۱ شہتیر ڈالے گئے اور دو ان کے نیچے۔مجموعی تعداد ۲۳ تھی۔اکثر شہتیر ۱۰ میٹر اور ۴۰ سینٹی میٹر لمبے تھے جب کہ بعض ۱۰ میٹر اور ۱۰ سینٹی میٹر تھے۔ان سب کے نیچے دو محرابیں بنائی گئیں جو چھت کا بوجھ اٹھانے کیلئے تھیں۔ایک محراب نچلی چھت کیلئے اور دوسرے اوپر والی چھت کے لئے، ان کا طول ۱۱ میٹر اور ۲۰ سینٹی میٹر تھا۔یہ شمالی اور جنوبی دیواروں سے ملحق تھیں۔

سوموار کی رات ۲۱ رجب چھت پر تختیاں ڈالنے کا کام شروع ہوا جو تقریباً ساری رات جاری رہا۔ پھر صبح کے وقت چھت کے اوپر منڈیر بنائی جانے لگی، جو چھت کے فرش سے ۸۰ سینٹی میٹر اونچی تھی۔ اسے سیمنٹ، بجری اور چونے کی آمیزش سے بے حد مضبوط بنایا گیا۔ یہ کام اگلی رات کو مکمل ہوا۔

۲۲ رجب منگل کی صبح اندر والی چھت کا کام شروع کیا گیا اور اوپر والی چھت کا فرش بنانے کا کام منگل، بدھ اور جمعرات تک ملتوی رکھا گیا تا کہ پہلا کام مضبوط ہو جائے۔

اوپر والی چھت میں نہایت مضبوط سرخ اینٹوں سے حاشیہ بنایا گیا۔ یہ اینٹیں مدینہ منورہ سے منگائی گئی تھیں جو مکینیکل طریقہ اور جدید آلات سے پکائی گئی تھیں۔ ان کا طول و عرض حسب ذیل تھا:

طول: ۲۳ سینٹی میٹر

عرض: ۱۱ سینٹی میٹر

حجم: ۶ سینٹی میٹر

۲۲ رجب منگل کے دن غلاف کعبہ کی رسیاں باندھنے کیلئے کعبہ شریف کی منڈیر میں لوہے کی ۸ کھونٹیاں نصب کی گئیں، جن کی لمبائی ۱۰ سینٹی میٹر تھی۔ جب کہ اس سے پہلے کھونٹیاں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔

۲۵ رجب جمعہ کے دن چھت پر نصب شدہ تختیوں پر وارنش میں ایک ایسا مصالحہ ملا کر لگایا گیا جس سے لکڑی کو مٹی اور کیڑے سے نقصان کا احتمال نہ رہا۔ اس پر پلاسٹک کا سبز غالیچہ (المشمع) بچھا دیا گیا۔ پھر اس کے اوپر سفید چپس کا نہایت مضبوط فرش بنایا گیا، اسے اور زیادہ محکم کرنے کیلئے مذکورہ بالا قسم کی پختہ اینٹوں کا فرش چپس کے اوپر بنا دیا گیا۔

۲۶ رجب ہفتہ کے دن ان پر سیمنٹ اور چونے کی آمیزش سے پلستر کیا گیا اور ۲۷ رجب اتوار کے دن پلستر پر انتہائی نفیس سفید سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا۔ یہ پتھر تھوڑی سی تعداد میں نئے تھے جب کہ زیادہ تر پرانے پتھر ہی صفائی اور اصلاح کے بعد تبرکاً لگا دیئے گئے تھے۔ ان کا طول ۶۶ سینٹی میٹر اور عرض ۵۶ سینٹی میٹر تھا۔ ان میں بعض ۷۱ سینٹی میٹر لمبے اور ۶۰ سینٹی میٹر چوڑے بھی تھے۔ چھت پر لگائی جانے والی سلوں کی مجموعی تعداد ۲۸۲ تھی جن میں سے ۲۲۴ چھت پر اور ۵۸ سلیں منڈیر کے اندر لگی تھیں۔

۲۸ رجب سوموار کے دن جدید برقی آلات اور مشینری کے ذریعہ دیواروں پر پتھروں کے درمیان خالی جگہوں میں (رصاص) سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا، تا کہ خوب مضبوط ہو جائیں، اور ہلنے نہ پائیں۔ یہ کام ۲۹ رجب منگل کے دن مکمل ہوا۔

یکم شعبان بروز بدھ فرش کے حاشیہ میں لگی ہوئی اینٹوں پر منڈیر کے متصل سنگ مرمر کی سلیں لگائی گئیں، تا کہ فرش کا حسن و جمال اور خوبصورتی ہر سمت سے یکساں رہے۔ چنانچہ ۵۶ سینٹی میٹر لمبی اور ۶۰ سینٹی میٹر چوڑی، جن میں سے بعض کا طول ۷۰ سینٹی میٹر بھی تھا، ۵۸ سلیں لگائی گئیں۔

اسی اثناء میں کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی میں چھت پر چڑھنے والے دروازہ کی اصلاح بھی کی گئی۔ اس میں وہی پرانی لکڑی استعمال کی گئی جو صحیح سالم تھی۔ یہ دروازہ رکن عراقی میں مشرقی دیوار سے ایک میٹر اور شامی میزاب والی دیوار سے ۲۰ سینٹی میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دروازے کا ڈھکنا لکڑی کے موٹے تختوں سے بنا کر اوپر تانبے کی چادر چڑھا دی گئی تھی۔ اس ڈھکنے کا طول ۱۵۸ سینٹی میٹر یعنی تقریباً ۶ فٹ اور عرض ۱۱۰ سینٹی میٹر یعنی ۳ فٹ ساڑھے ۷ انچ ہے۔ جب کہ اس کے نیچے بنی ہوئی سیڑھی کا منہ ۱۲۷ سینٹی میٹر یعنی ۴ فٹ ۲ انچ لمبا اور ۱۰۴ سینٹی میٹر یعنی ۳ فٹ ۵ انچ چوڑا ہے۔ ڈھکنا بڑا ہونے کی وجہ سے بارش کے پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں جا سکتا۔ اس طرح اوپر

والی چھت کی سات مضبوط و مستحکم تہیں بنائی گئیں، پہلے شہتیر، ان پر تختیاں، پلاسٹک کا غالیچہ، چپس، اینٹوں کا فرش، کنکریٹ کا پلستر اور سنگ مرمر کا فرش۔

خلیفہ المقتدر کی توسیع کے ۱۰۷۰ سال گزر جانے کے بعد سلطان عبدالعزیز آل سعود نے حرم شریف کی توسیع کا فرمان جاری کیا، کیونکہ قدیم زمانہ میں سفری سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے حجاج کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی، لیکن جیسے جیسے سفر کی سہولتوں میں اضافہ ہوتا گیا، سبک رفتار گاڑیوں اور طیاروں نے سفر میں حیرت انگیز تبدیلی کردی تو حجاج اور زائرین کی بہتات اور کثرت بھی ضروری تھی۔ ہزاروں کی بجائے لاکھوں حجاج کا اجتماع ہونے لگا۔ اس لئے حرم شریف کی توسیع ناگزیر تھی۔ چنانچہ ۱۳۷۰ ہجری میں جب سعودی حکومت مسجد نبوی شریف کی توسیع سے فارغ ہوگئی تو ۱۳۷۵ ہجری مطابق ۱۹۳۸ء میں حرم شریف کی توسیع کا ایک جامع منصوبہ تیار کر کے یہ خدمت انجام دینا شروع کردی۔

۶ صفر ۱۳۷۵ ہجری مطابق ۱۹۳۸ء کو تقسیم کار کیلئے تین کمیٹیاں بنادی گئیں۔ بعد ازاں تمام انتظامات مکمل ہو جانے پر ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ ہجری کو جیاد اور مسعیٰ میں واقع مکانات اور دکانوں کو منہدم کرنے کا کام شروع ہوا۔ عمارات کے گرانے اور ملبہ اٹھانے کا کام بڑی سرعت سے کیا گیا۔ پھر بنیادوں کھودنا شروع کیں، پہلے مشرقی اور جنوبی سمت کی بیرونی بنیادیں کھودی گئیں جو کہ محلہ جیاد، مسعیٰ اور صفا سے غربی جانب ہے۔

جمعرات کے دن ۲۳ شعبان ۱۳۷۵ ہجری کو نئی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے ایک ایمان افروز اور باوقار تقریب منعقد ہوئی جس میں جلالۃ الملک المعظم سلطان عبدالعزیز آل سعود اور ملک کے وزراء، علماء، معززین کے علاوہ اسلامی ممالک کے نمائندے بھی شریک تھے۔ سنگ بنیاد رکھنے کے بعد سیمنٹ اور بجری سے بنیادیں بھری گئیں۔ یہ کام پوری جاں فشانی اور سرعت سے جاری رہا۔ یہاں تک کہ ذیقعدہ ختم ہونے سے پہلے اس حصہ کی تمام بنیادیں مکمل ہو گئیں۔

اس طرح عرصہ دراز کے بعد حجاج کرام نے پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ سعی ادا کی، کیونکہ گزشتہ کئی سالوں سے وہاں بازار بن گیا تھا، لوگوں کی آمد و رفت کے علاوہ جانوروں اور گاڑیوں کی بھی بھیڑ رہتی تھی۔ اس سمت میں ۱۳۷۶ ہجری میں بنیادوں کا کام مکمل ہو گیا۔ پھر ۱۳۷۷ ہجری کے اوائل میں دوسری اطراف میں مکانات اور دکانات گرانے کا کام شروع کیا گیا۔ مجموعی طور پر تعمیر و توسیع کا کام تین مرحلوں میں ہوا:

پہلے برساتی نالہ حرم سے جنوبی سمت میں زیر زمین تعمیر کیا گیا۔

پھر مسعیٰ کی دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔

بعد ازاں پر شکوہ دو منزل برآمدے بنائے گئے، جن میں سے پہلا برآمد ساڑھے ۱۰ میٹر اور دوسرا ۱۰ میٹر اونچا ہے۔

حرم شریف کی توسیع اور کعبہ شریف کی مرمت وغیرہ کی تکمیل ۱۳۸۵ ہجری میں ہوئی۔ اس طرح دس سال مسلسل کام جاری رہا۔ اس نئی سعودی توسیع میں بیک وقت تین لاکھ لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں، جب کہ قدیم تعمیر اور صحن حرم اس کے علاوہ ہے۔

سعودی تعمیر و توسیع جو دو منزلہ عالیشان حرم شریف کی دو منزلہ عالیشان عمارت جو سعودی حکومت کی تعمیر کا عدیم النظیر شاہکار ہے۔ عمارت پر مشتمل ہے، کی تمام دیواریں سنگ مرمر سے بنائی گئی ہیں۔ حکومت کو اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ حرم کی تعمیر میں کام آنیوالا سنگ مرمر اور دیگر اقسام کا پتھر تمام تر ملکی ہے۔ قدیم تعمیر کی طرح دوسرے ممالک سے درآمد نہیں کیا گیا۔ اکثر سنگ مرمر اور دوسرے پتھر مکہ معظمہ کے قرب و جوار میں بعض پہاڑوں سے نکال کر مخصوص اوزاروں اور مشینوں سے خوبصورت شکل میں بنائے گئے۔ ان پر عجیب و غریب اور

دلربا، عربی طرز کے نقش و نگار بھی کئے گئے ہیں۔ پتھر کاٹنے، صاف کرنے اور خاص طرز سے بنانے کیلئے جدہ میں ایک مستقل کارخانہ قائم کیا گیا جہاں سے تیار شدہ پتھر نگاریوں کے ذریعے مکہ مکرمہ لائے جاتے تھے۔

حرم شریف کی سابقہ عمارت کو اسی حال میں قائم رکھا گیا، جو اب آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے، لیکن نئی اور پرانی عمارت کو تمام اطراف سے اس خوبصورتی سے ملا دیا گیا ہے کہ کسی قسم کا کوئی نقص یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔

نئی سعودی توسیع کے بعد حرم شریف کی پیمائش ۱۹۰۰۰۰ مربع میٹر ہوگئی ہے۔ جبکہ قدیم عمارت ۲۹۱۲۷ مربع میٹر تھی۔ اس پر مجموعی اخراجات ۸۰۰ ملین ریال آئے ہیں جو تمام تر سعودی حکومت نے برداشت کئے ہیں۔ کسی دوسری اسلامی حکومت کو اس میں شریک نہیں کیا۔ (تاریخ حرمین، صفحہ ۱۵۴)

تاریخ مکہ، الجلد الثالث میں ہے:

''امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن فیصل آل سعود نے جب ملک حجاز کا اقتدار سنبھالا تو انہوں نے ۱۳۴۴ ہجری میں محمد سعید ابوالخیر مدیر اوقاف کو مسجد حرام کی تعمیر اور اصلاح کا حکم دیا۔ انہوں نے حرم کی دیواروں اور فرش پر جہاں کچھ نقص تھا اسے دور کر دیا۔ مرمت طلب جگہوں کی مرمت کرائی۔ ستونوں کی اصلاح اور رنگ و روغن کر دیا۔ مطاف میں جانے کے لئے راستے، مطاف کا حاشیہ اور دروازے بھی مرمت کرائے۔ مقام ابراہیم کے قبہ پر سبز رنگ کر دیا، مطاف کے گرد واقع پیتل کے برقی کھمبوں کی اصلاح کرائی۔ ۱۳۴۶ ہجری کے اوائل میں ملک عبدالعزیز آل سعود نے مسجد حرام کے اندرونی اور بیرونی حصہ کی مرمت کی خدمت پر شیخ عبداللہ دہلوی کو مامور فرمایا۔ موصوف اس سے قبل نہر زبیدہ کا کام بڑی عمدگی کے ساتھ انجام دیئے چکے تھے۔ جس کے باعث حسن کارکردگی میں خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور حرم شریف کی تعمیر کے مقدس کام کو بحسن وخوبی سر انجام دینے کی پوری صلاحیت اور اہلیت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے نہر زبیدہ پر کام کرنے والے کاریگروں کا بھی تعاون حاصل کیا اور مرمت و اصلاح کا سامان اور مواد مہیا کر کے جمادی الاول ۱۳۴۶ ہجری میں کام کا آغاز کر دیا۔ حرم شریف کے چاروں طرف برآمدوں کی مرمت و اصلاح کے بعد دارالندوہ، باب ابراہیم، صحن کے راستے، ائمہ اربعہ کے چبوترے اور مطاف کے کناروں اور دروازوں کے پتھروں کی مرمت کرائی۔ گنبدوں کو اندر اور باہر سے صاف کرایا۔ دروازوں کی بوسیدہ لکڑی تبدیل کرائی۔ پھر مسجد حرام کی دیواروں اور ستونوں کو روغن سے مزین کیا، البتہ اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ جس رنگ کے پتھر تھے، اسی کے مطابق انہیں روغن کرایا۔ سیاہ، زرد، نارنگی، سرخ، عنابی اور خاکستری رنگوں سے انہیں سجایا۔ سنگ مرمر کے ستونوں کو گرد و غبار سے صاف کر کے جب روشن و پالش کی گئی تو دودھ کی طرح سفید چمکنے لگے، کیونکہ تقریباً بتیس سال قبل سلطان عبدالحمید دوم نے ۱۳۱۴ ہجری میں رنگ و روغن کرایا تھا۔ قبہ زمزم کی چھت مرمت کرائی، اس پر سفید سنگ مر مر لگایا اور دوسرے مقامات کی طرح اس پر بھی سبز رنگ کرایا۔ مطاف کے گرد واقع بجلی کے پیتل کے کھمبے سبز رنگ سے سجائے اور ان کی چوٹی پر سنہری روغن کرایا۔ صحن حرم کی کنکریاں گرد و غبار سے صاف کر کے دوبارہ بچھائی گئیں اور شاذروان یعنی پشتہ کعبہ کے پتھروں کو اچھی طرح مضبوط کرایا۔ حتیٰ کہ حرم شریف کی ہر چیز جس کی اصلاح، تجدید، صفائی اور رنگ و روغن کر کے اس میں اس طرح چمک دمک پیدا کر دی گویا ابھی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ عمل مسلسل ایک سال یعنی ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ تک جاری رہا اور اس پر دو ہزار جنیہ خرچ آئے، جو تمام تر امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود نے اپنی جیب خاص سے ادا کئے۔ ۱۹ رمضان المبارک کو ایک مرتبہ پھر مطاف کے گرداگرد پتھروں سے بنے ہوئے فرش کی اصلاح اور مرمت

سے حرم شریف کے کام کا آغاز ہوا۔۴ شوال ۱۳۵۴ھ قبوں کی صفائی اور حرم شریف کے دروازوں کی اصلاح وغیرہ شروع کی گئی۔اس سے قبل ۱۳۴۵ ہجری کو بیرون ملک سے آمدہ حجاج کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار کے قریب پہنچ گئی جس کی وجہ سے حرم شریف میں ظہر اور عصر کی نماز دھوپ میں ادا کرنا مشکل ہو گیا۔حکومت نے حجاج کرام کو اس تکلیف کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور فوری طور پر چھتری نما شامیانوں جن کے نیچے قناتیں بھی تھیں، کا انتظام کر دیا گیا، تاکہ حجاج گرمی اور دھوپ سے محفوظ ہو کر دل جمعی سے عبادت کر سکیں۔مذکورہ سال اسی طرح گزارا، لیکن ۱۳۴۶ ہجری میں ملک عبدالعزیز السعود نے وزیر مالیات شیخ عبداللہ السلیمان الحمدان کو حکم دیا کہ مذکورہ طرز کے شامیانے عمدہ اور مضبوط نصب کئے جائیں کیونکہ سال گزشتہ میں تند و تیز ہوا سے کئی مرتبہ اکھڑ گئے تھے۔چنانچہ وزیر موصوف نے موٹی اور مضبوط لکڑی کے ستونوں پر نئے انداز میں خیمے نصب کرائے، جو پہلے شامیانوں کی نسبت ہر لحاظ سے زیادہ مفید اور مضبوط تھے۔حجاج کے چلے جانے کے بعد انہیں اٹھالیا گیا، تاکہ آئندہ سال کام آسکیں۔ان شامیانوں کے سایہ میں دس ہزار سے زائد حجاج نے نمازیں ادا کیں۔''

تاریخ مکہ جلد ثالث میں ہی ہے:

''جب عبدالعزیز بن عبدالرحمان فیصل آل سعود نے ملک حجاز کا اقتدار سنبھالا تو اسے مسجد حرام کی تعمیر و اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ یہ ۱۳۴۴ ہجری کی بات ہے۔چنانچہ سابق مدیر اوقاف محمد سعید ابوالخیر نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔اس نے مسجد میں سنگ مرمر لگوائے اور جہاں مرمت کی ضرورت تھی، کروائی اور مسجد کی دیواروں اور فرش پر جہاں کچھ نقص واقع ہوا اسے دور کرایا۔ اس کے ستونوں کی اصلاح کرائی، راستے اور مطاف کا کنارہ اور دروازے سے مرمت کئے گئے اور مقام ابراہیم کو سبز روغن سے طلا کیا گیا۔اسی طرح پیتل کے ستون جو مطاف کے گرد واقع ہیں، ان کی اصلاح کی گئی۔موسم حج کی آمد کی وجہ سے یہ تمام کام بہت جلد سرانجام پا گئے۔پھر ۱۳۴۶ ہجری کے اوائل میں جناب ملک عبدالعزیز نے مسجد حرام کی داخلی اور خارجی مرمت کا کام جاری کرنے کا ارادہ کیا اور یہ کام شیخ عبداللہ دہلوی کے سپرد کیا، کیونکہ وہ کئی سال تک نہر زبیدہ کی تعمیر میں کام کرتا رہا تھا اور اپنی حسن کارکردگی میں کافی شہرت پا چکا تھا اور مسجد حرام کی تعمیر کے کام کو بخوبی سرانجام دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔چنانچہ شیخ عبداللہ دہلوی نے سب سے پہلے میٹریل اور مواد مہیا کیا اور زبیدہ نہر پر بعض کام کرنے والے لوگوں کی امداد حاصل کی۔چنانچہ جمادی الاولی کے آغاز میں کام شروع ہوا اور مسجد کے چاروں برآمدوں کے فرش کی اصلاح کی گئی۔پھر دارالندوہ، باب ابراہیم، عام راستے، مقام اربعہ کے پتھر مطاف کے گرد اور دروازوں کے پتھروں کی مرمت کی گئی۔گنبدوں کو اندر اور باہر سے صاف کیا گیا۔مسجد حرام کے دروازوں میں جو لکڑی خستہ ہو گئی تھی اس کی مرمت کی گئی۔پھر مسجد حرام کی دیواروں، ستونوں وغیرہ کو روغن سے مزین کیا گیا۔اندر اور باہر ایسا روغن کیا گیا جو ان کے لئے مناسب تھا۔چنانچہ شیشے کے پتھر بعض سیاہ رنگ سے رنگے گئے۔کچھ پر زرد رنگ لگایا گیا۔بعض نارنگی رنگ سے سجائے گئے۔کچھ پر سرخ، عنابی اور خاکستری رنگ لگایا گیا۔سنگ مرمر کے تمام ستونوں پر پڑی ہوئی گرد و غبار کو دور کیا گیا۔اب وہ سفید چمکنے لگے اور ان کا اصلی رنگ ظاہر نظر آنے لگا۔سلطان عبدالحمید نے ۱۳۱۴ ہجری میں یہ روغن کئے تھے۔بعد ازاں تقریباً بتیس سال تک کسی نے انہیں پالش اور روغن نہیں کیا۔قبہ زمزم کی چھت کی مرمت کی گئی اور اس پر سنگ مرمر کے پتھر لگوائے گئے اور دیگر مقامات کی طرح سبز روغن لگایا گیا۔پیتل کے ستون جو مطاف کے گرد واقع تھے جس پر بجلی کے بلب لگے ہوتے تھے، سبز روغن سے سجائے گئے۔ان کے سروں پر سنہری روغن کیا گیا۔کعبہ شریف کے شاذروان کی مرمت کی گئی اور اس پر چپس لگائی گئی اور

پتھروں کے درمیان والی جگہ مضبوط کی گئی اور مسجد حرام کے کنکر اٹھائے گئے اوان کی مٹی اور غبار وغیرہ دور کرنے کے بعد مسجد کے صحن میں بچھائے گئے۔''

باب نمبر 35:

خادم الحرمین شاہ فہد کی توسیع

حجاج کرام اور زائرین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حرم محترم تنگی داماں کا بزباں حال شکوہ کناں تھا، چنانچہ خادم الحرمین شریفین شاہ فہد نے عظیم الشان توسیع کا منصوبہ بنایا، جس کی مختصری تفصیل حسب ذیل ہے:

مسجد الحرام کے جنوب مغربی جانب باب الملک عبدالعزیز اور باب عمرہ کے سامنے سابقہ سوق الصغیر کی جانب توسیع کے لئے ۲ صفر ۱۴۰۹ ہجری مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۸۸ء، بروز منگل سنگ بنیاد رکھا۔ جدید توسیع حسب سابق زمینی منزل یعنی تہہ خانہ، پہلی منزل اور دوسری منزل اور چھت پر مشتمل ہے۔

مسجد الحرام کی چاروں منزلوں کا مکمل رقبہ ۷۶۰۰۰ مربع میٹر ہے، یہاں تقریباً ۱۵۲۰۰۰ لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ صحن کا رقبہ لگ بھگ ۸۵۸۰۰ مربع میٹر ہے، یہاں تقریباً ۱۹۰۰۰۰ لوگ بیک وقت عبادت کر سکتے ہیں۔ اس طرح مسجد الحرام کا کل رقبہ جدید توسیع کے بعد ۳۵۶۰۰۰ مربع میٹر ہو گیا۔ جس میں تقریباً ۷۷۳۰۰۰ لوگ عام دنوں میں اور دس لاکھ سے زائد لوگ حج وعمرہ اور رمضان المبارک میں بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد الحرام کے بیرونی مرمریں فرش کا مجموعی رقبہ ۷۵۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ اس کے علاوہ صفا مروہ سے قریب داہنی جانب ۶۴۰۰۰ مربع میٹر صحن بنایا گیا جس میں ۶۵۰۰۰ نمازیوں کے لئے گنجائش پائی جاتی ہے۔

مسجد حرام کی چھت بھی نمازیوں کے لئے فراہم کر دی گئی، جہاں ۹۰۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش ہے۔ چھت تک جانے کے لئے ہر عمارت میں متعدد سیڑھیاں ہیں۔ ان کے علاوہ پورے حرم کے باہر ہر جانب سات خودکار برقی سیڑھیاں (ایکسیلیٹر لفٹیں) بھی تعمیر کر دی گئیں۔ جن کے ذریعہ بیک وقت ۱۵۰۰۰ آدمی پہلی منزل اور چھت پر جا سکتے ہیں، بعد میں مزید چار الیکٹرانک سیڑھیاں بھی بنا دی گئیں۔

جدید توسیع میں قائم بڑا دروازہ ''باب الملک فہد'' پر دو بلند و بالا مینار تعمیر کئے گئے ہیں جن کی بلندی ۸۹ میٹر ہے۔ سابقہ سات میناروں کے ساتھ بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے، ان کے اوپر دو سونے کے ملمع کئے ہوئے چاند نصب ہیں، جن کا وزن تین ٹن اور بلندی چھ میٹر ہے۔

نئی توسیع میں ۴۹۲ ستون قائم ہیں۔ گول ستونوں کا قطر ۷۱ سینٹی میٹر اور مربع شکل والے ستونوں کا ہر ضلع ۷۱ سینٹی میٹر ہے۔ ستونوں کی بلندی زمینی منزل میں ۴.۳۱۵ میٹر اور پہلی منزل میں ۵.۴۰ میٹر ہے۔

جدید تعمیر میں ۱۰۰۰۰ مکعب میٹر کنکریٹ ۷۵۰۰ ٹن سریا استعمال ہوا ہے۔ دیواریں ۵۴۰۰۰ مکعب میٹر مصنوعی پتھر سے تیار کی گئی ہیں۔

برقی نظام کے کنٹرول کے لئے احتیاطی پاور اسٹیشن تعمیر کئے گئے، ان میں سے ہر ایک کی طاقت ایک میگاواٹ ہے۔ باب فہد کے سامنے بیرونی حصہ میں زیر زمین مردانہ اور زنانہ باتھ روم اور وضو خانے کثیر تعداد میں بنائے گئے ہیں۔ ۸۰۰ طہارت خانے دو منزلہ ان کے قریب ہی ۶۶۹ وضو کی جگہیں بھی ہیں، جن کے لئے برقی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں صفا مروہ کے باہر بھی زیر زمین ۱۶۴۰

طہارت خانے اور ۱۰۵۶ وضو کی جگہیں بنائی گئی ہیں۔

تو کل حرم میں ۲۴۰۰ سے زائد باتھ روم اور ۱۰۰۰۱ سے زائد وضو خانے ہیں جن کی صفائی کے لیے چار ہزار ملازمین کی ڈیوٹی ہے۔ جو ہمہ وقت وہیں پر موجود ہوتے ہیں، ان کی شفٹیں بدلتی رہتی ہیں۔ ہر آٹھ گھنٹے بعد شفٹ بدلتی ہے۔

باب نمبر 36:

توسیعات سعودیہ

(رپورٹ آفس سیکرٹری توسیعات سعودیہ)

رپورٹ آفس سیکرٹری توسیعات سعودیہ کچھ اس طرح ہے:

''جب حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تو یہ سرزمین کی ایک وادی میں دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ اس کے علاوہ اس کے آس پاس کوئی عمارت نہیں تھی۔ لوگ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے پاس گھر بنانے سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے اس سے دور گھاٹیوں میں اپنے گھر بنائے ہوئے تھے۔ کئی صدیوں تک یوں ہی کام چلتا رہا۔ یہاں تک کہ مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی خدمت میں قصی کو نصیب ہوئی۔ اس نے لوگوں کو اس کے آس پاس عمارتیں بنانے کی اجازت دے دی تو لوگوں نے اس کے گرد دائرہ کی شکل میں اس کے تمام اطراف میں مکانات تعمیر کیے اور اس کے گرد بہت کم جگہ باقی رہ گئی۔ آج کل یہ جگہ مطاف کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد حرام ان چھوٹی سی پیمائشوں میں محدود رہی یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں کے لئے نبی بن کر مبعوث ہوئے اور اسلام پھیل گیا اور اسلام کی آغوش میں آنے والوں کی کثرت ہوئی اور حاجیوں کی تعداد جو مختلف علاقوں سے اسلام کی روشنی سے منور ہوئے، میں اضافہ ہونے لگا تو اتنی بڑی تعداد میں آنے والوں کا مسجد میں سمانا مشکل ہو گیا۔ اس تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لئے مسجد میں پے در پے کئی مرتبہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حضرات نے اس میں اضافہ کیا:

۱۔ حضرت عمر بن خطاب	۱۷ ہجری
۲۔ حضرت عثمان بن عفان	۲۶ ہجری
۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر	۶۵ ہجری
۴۔ عبدالملک بن مروان	۷۵ ہجری
۵۔ ولید بن عبدالملک	۹۱ ہجری
۶۔ ابوجعفر منصور عباسی	۱۳۷ ہجری
۷۔ محمد مہدی عباسی	۱۶۰ ہجری
۸۔ معتمد باللہ عباسی	۲۷۱ ہجری
۹۔ معتضد باللہ عباسی	۲۸۴ ہجری
۱۰۔ مقتدر باللہ عباسی	۳۰۶ ہجری

۱۱۔ناصرزین الدین ابی سعادت فرج برقوق بن قانسوۃ جرکسی	۸۰۷ہجری
۱۲۔سلطان قاتیبائی	۸۸۲ہجری
۱۳۔سلطان سلیمان خاں	۹۷۲ہجری
۱۴۔سلطان سلیم خاں	۹۸۰ہجری
۱۵۔سلطان مرادخاں	۹۸۴ہجری

سلطان مراد نے اپنے باپ سلطان سلیم خاں کی شروع کردہ عمارت کی تکمیل کی تھی۔ان میں سب سے بڑا اضافہ محمد مہدی عباسی کے دور میں ہوا۔پھر جب سعودی حکومت کا دور آیا تو اس نے بیت اللہ شریف اور حرم شریف میں اس قدر توسیع کی اور خرچ کیا کہ ایک اعلیٰ مثال قائم کردی۔یہ اس کا اچھا عمل ہمیشہ باقی رہے گا۔

مسجد حرام کی پیائش تو اسی حد پر رہی جہاں پر سلطان مراد خاں نے ۹۸۴ھ میں کی لیکن اس کی اردگرد کی عمارت نہیں رکی بلکہ آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔یہاں تک کہ تمام اطراف سے مکانات سے جالمی اور اسے تنگ ہوکر گلیوں کی شکل میں تبدیل ہوگئے اور حرم شریف میں جانے والے اس سے واپس آنے والے گزرتے وقت اس سے تکلیف محسوس کرنے لگے اور خاص طور پر حج کے ایام میں تو ان کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔

یہی حال سعی کے میدان کا تھا۔اس کے اور مسجد حرام کے درمیان خاص خاص عمارتیں واقع تھیں اور عرصہ طویل سے ایک راستہ بنا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ دکانیں واقع تھیں اور اس میں مختلف قسم کا سامان ہوتا تھا۔ان دکانوں کے اوپر کئی منزلہ مکانات تھے۔سامان فروخت کرنے والے اس میں گھومتے پھرتے تھے اور اپنا سامان ان کے سامنے فروخت کے لئے پیش کرتے تھے۔اب عبادت گاہ بازار بن چکا تھا۔عبادت کرنے والے اور بیع وشرا کرنے والے اکٹھے ہونے کی وجہ سے سخت اژدحام ہوجاتا تھا اور سعی کا کام بہت مشکل ہوجاتا تھا۔اب بڑے احتیاط سے سعی کرتے تھے،کیونکہ تصادم اور اژدحام اور سامان میں پھسل کر گر پڑنے کا سخت اندیشہ تھا۔

مسجد حرام ایک طویل زمانہ تک اسی حالت میں رہی۔حالانکہ انہوں نے اس کی تنگی اور تکلیف کا خود مشاہدہ کیا۔موسم حج کے ماسوا اہل مکہ اور وہاں ٹھہرنے والے جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر تکلیف محسوس کرتے تھے۔تو حج کے ایام میں جب حجاج کرام آتے ہیں تو پھر طواف اور نماز میں ان کے اژدحام کا کیا حال ہوگا۔؟ اکثر لوگ مجبور ہوکر حرم شریف کے اردگرد گلی کوچوں میں دھوپ میں نماز ادا کرتے تھے۔

جب سعودی حکومت کا زمانہ آیا تو ملک عبدالعزیز نے حرم مدنی کی توسیع کا حکم دیا۔اس کی تکمیل کے بعد حرم مکی کی طرف توجہ کی۔یہ ۱۳۷۵ھ کی بات ہے۔پھر انجینئروں کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔اس نے اس کام کو جاری کرنے کے لئے مختلف نقشے بنائے اور اس کی توسیع کے لئے یہ ضروری ہوا کہ وہ راستہ جو میدان سعی کو قطع کرتا ہے اور حرم کے سامنے سے گزرتا ہے اسے نئی عمارت میں داخل کیا جائے اور اس راستے کو توسیع کی حدود سے باہر صحن کے پیچھے سے بنایا جائے۔

چونکہ یہ راستہ سیلاب کی گزرگاہ اور حرم شریف کے دروازے سے حرم شریف میں داخل ہوتا تھا۔اس لئے اس سے بچاؤ کے لیے ایک اور گزرگاہ بنانے کا خیال پیدا ہوا جو توسیع کی حدود سے باہر ہو اور سیلاب کا رخ اس کی طرف ہو۔چنانچہ ۴ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو توسیع کے کام اور راستہ تبدیل کرنے اور سیلاب کی ایک نئی گزرگاہ بنانے کا کام ایک ہی وقت میں شروع کیا گیا۔

سب سے پہلے متصل مکانات کو گرایا گیا۔ پھر بیرونی دیوار کی بنیادیں کھودی گئیں تاکہ بہت بڑی توسیع کی جائے۔ یہ دیوار سعی کے میدان میں تھی اور اجیاد کے علاقہ میں جو باب ام ہانی کے بالمقابل واقع تھی۔

۲۳ شعبان ۱۳۷۵ھ کو سعودی حکومت نے عمارت کی توسیع کا سنگ بنیاد رکھا اور اس موقعہ پر اسلامی ممالک کے بے شمار مندوبین، سیاسی اور اسلامی لیڈر اور حکومت کے خاص خاص لوگ اور بڑے بڑے ملازمین شریک ہوئے۔

میدان سعی کا طول صفا سے مروہ تک اندرونی چھت میں ۳۹۴۱/۲ میٹر، عرض ۲۰ میٹر اور پہلی منزل کی بلندی ۱۲ میٹر ہے۔ اور دوسری منزل جو مسجد کے تابع ہے اس کی بلندی ۹ میٹر ہے۔ جدید سعی کے آٹھ دروازے ہیں جو شرقی جانب کے راستے پر واقع ہیں، لیکن چھوٹی گزرگاہیں جو میدان سعی کے ستونوں کے درمیان واقع ہیں اور سائبان جو شارع عام پر ہے، ان کے اوپر لوہے کے مضبوط جنگلے لگائے گئے ہیں۔ ان کی تعداد ۱۶ ہے۔

صفاء کے اوپر چھت گنبد نما بنائی گئی ہے۔ اس کے پاس ایک مینار بنایا گیا ہے جس کا طول سطح زمین سے ۹۲ میٹر اور عرض بنیاد سے ۷×۷ میٹر ہے۔ مسجد کے سات نئے مینار ہیں اور تمام اونچے ہیں۔ ایک باب صفا پر، دو باب ملک عبدالعزیز پر، اور دو باب عمرہ پر، اور باقی باب السلام کبیر پر ہیں۔ یہ تینوں دروازے سب سے بڑے ہیں۔ نئی توسیع کے مطابق اب چھوٹے اور بڑے کل ۵۱ دروازے ہیں۔

ہر بڑے دروازے کے دونوں جانب حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانے کے لئے سبیلیں ہیں۔ ان کی غرض وغایت یہ ہے کہ حج کے موسم میں چاہ زمزم پر اژدحام نہ ہو۔ نئی توسیع دو منزلوں تک پہنچ چکی ہے۔ حج کے موسم میں حاجی یہاں نماز پڑھتے ہیں اور اسی طرح اوپر کی سطح میں بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اب اس میں مزید ۵ ہزار سے لے کر ۶ ہزار تک نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد حرام کی تمام دیواریں سنگ مرمر اور مصنوعی پتھر کی بنائی گئی ہیں۔ اس میں بیل بوٹے کا کام کیا ہوا ہے اور حکومت کو اس بات پر فخر کہ تمام سنگ مرمر اور دیگر پتھر خود ان کے ملک کے ہیں۔ مکہ معظمہ کے نزدیک حکومت نے بعض پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر مخصوص اوزاروں سے ان کو سنگ مرمر اور دیگر خوبصورت پتھروں کی شکل میں بنایا ہے۔ اس طرح مصنوعی پتھر جن میں عجیب وغریب نقش ونگار ہیں جو عربی طرز کے ہیں وہ بھی اسی ملک کے ہیں۔ ان پتھروں کو صاف کرنے اور خاص طرز پر بنانے کے لئے جدہ میں کارخانہ ہے۔ وہاں سے پتھروں کو ٹرکوں کے ذریعے مکہ مکرمہ لے جاتے ہیں۔

مسجد کی سابقہ عمارت کو قائم رکھا گیا ہے۔ اسے آثار قدیمہ میں شمار کیا گیا۔ جناب جلالۃ الملک فیصل شہید کی توجہ اور کوشش سے نئی اور پرانی عمارت کو تمام اطراف سے ملا دیا گیا ہے۔

حرم شریف کی پیمائش اس توسیع کے بعد ۱۹۰۰۰۰ مربع میٹر تک پہنچ گئی ہے۔ زمانہ ماضی میں اس کی پیمائش ۲۹۱۲۷ مربع میٹر تھی اور عنقریب اس کا خرچ ۸۰۰ ملین ریال تک پہنچ جائے گا۔ اب تک ۶۰۰ ملین ریال خرچ ہو چکے ہیں۔ اس کا خرچ سعودی حکومت نے اپنے خزانہ سے برداشت کیا ہے۔ کسی اسلامی حکومت کو اس کام میں شریک نہیں کیا۔

خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کی جگہ حاجیوں سے تنگ ہو جاتی تھی خصوصاً مقام ابراہیم اور چاہ زمزم میں بہت دقت ہوتی تھی۔ چنانچہ مطاف کو وسیع کرنے کی غرض سے چاہ زمزم کی عمارت منہدم کر دی گئی تاکہ مشرقی جانب سے کعبہ شریف نظر آئے اور چاہ زمزم کی عمارت زمین کے نیچے بنائی گئی جہاں حاجی لوگ سیڑھی کے ذریعے پہنچتے ہیں۔

جلالۃ الملک فیصل شہید نے مقام ابراہیم سے سابقہ سرپوش اتار کر بلور کا صندوق بنوایا۔اس پر لوہے کا مضبوط تالا لگوایا۔اس کو خوبصورت بنایا۔نیز اس کا حجم چھوٹا کر دیا تاکہ مطاف میں توسیع ہو جائے اور حاجی لوگ اس پتھر کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی دیواروں کو تعمیر کیا تھا اور اس پر جو قدموں کے نشانات ہیں وہ بھی دیکھ لیں، کیونکہ بعض حجاج کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید حضرت ابراہیم یہاں مدفون ہوں گے۔

ماہ رجب ۱۳۸۷ھ میں ایک مجلس منعقد ہوئی اور فیصلہ کیا گیا کہ بلوری صندوق جو صاف شیشے کا بنایا گیا ہے وہ مقام ابراہیم پر لگایا جائے اور قابل صد احترام جناب شاہ فیصلؒ شہید نے اس صندوق کا پردہ دور کیا۔اس وقت اسلامی ممالک کے مندوبین حکومت کے بڑے بڑے آدمی اور دینی اور مذہبی رہنما وغیرہ کافی تعداد میں وہاں جمع تھے۔منبر کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا کر مشرقی جانب کیا گیا۔اب مطاف وسیع ہو گیا ہے اور طواف کرنے والے اس میں آسانی سے سما سکتے ہیں۔

اس بڑی توسیع اور مختلف ممالک سے حاجیوں کے موٹروں اور بسوں پر آمد کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے کھلے میدان بنانا ضروری خیال کیا تاکہ وہاں پر ایسے وقت میں موٹریں کھڑی کی جائیں۔جب حاجی مناسک حج کی ادائیگی میں مصروف ہوں۔چنانچہ اس غرض و غایت کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے حرم شریف کے گرد میدان بنا دیئے۔نیز حکومت حرم شریف کے گرد اور میدان بنانے کی خواہاں ہے۔جس میں موٹروں کی ایک بہت بڑی تعداد سما سکے اور حرم شریف کے راستوں پر نئے طریقے سے روشنی کرنے کا انتظام کرنا چاہتی ہے۔

نیز ان میدانوں میں بسوں کے کھڑے ہونے کی وجہ سے حاجیوں کو جب نماز کے لئے اور مناسک حج کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں، خطرہ رہتا ہے کہ کہیں کسی موٹر سے حادثہ نہ ہو جائے۔اس لئے حکومت نے حاجیوں کے گزرنے کے لئے زمین دوز راستہ بنانے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ ہر حاجی اپنے مکان پر امن سے جائے اور راستہ میں موٹروں اور بسوں کے تصادم سے بچ جائے۔یہ زمین دوز راستے چھ ہیں جو حکومت بنانے کی خواہاں ہے۔

اس کے علاوہ وضو کے لئے ٹونٹیاں بنائی گئیں۔کچھ زمین کی سطح سے اوپر اور کچھ نیچے ہیں۔یہ حاجیوں کے وضو اور غسل کے لئے بنائی گئی ہیں۔

وادی ابراہیم کی جانب سے سیلاب اور بارشوں کے پانی حرم شریف میں داخل ہوتے تھے۔اس لئے ان سیلابوں کی روک تھام کے لئے احتیاط ضروری تھی۔چنانچہ سیلاب گزرنے کے لئے سرنگ بنائی گئی جو میدان سعی کے نیچے سے شروع ہوتی ہے جو دارارقم کے پاس ہے اور حرم شریف کے نیچے سے گزرتی ہے۔پھر ملک عبدالعزیز کے میدان سے گزر کر مسفلہ میں پہنچ جاتی ہے۔

اس سرنگ کا طول ۲ کلومیٹر اور عرض ۴ تا ۶ میٹر ہے۔ایک اور سرنگ حرم کی عمارت کے نیچے بنائی گئی۔یہ باب السلام سے شروع ہوتی ہے اور میدان باب ملک میں جا کر بڑی سرنگ سے جا ملتی ہے۔

باب ملک پر ۲، باب عمرہ پر ۲، باب السلام پر ۲، صفا پر ایک، کل تعداد سات۔

زمانہ ماضی میں حرم مکی کے دروازوں کی تعداد:

علاقہ اجیاد میں	۵
باب ملک میں	۳

باب عمرہ میں	۳
باب ملک اور عمرہ کے درمیان	۶
باب عمرہ اور باب اسلام کے درمیان	۶
باب السلام کبیر میں	۳
باب السلام صغیر میں	۱
سعی کے میدان میں قشاشیہ کی جانب	۱۰
سعی کے میدان میں باب اسلام کی طرف	۴
اس طرح حرم کے تمام دروازوں کی تعداد	
زمانہ ماضی کے	۹
دور حاضر کے	۴۱
کل تعداد	۵۰

باب نمبر 37:

حرم کی تعمیر و اصلاح کا خاکہ

فصل نمبر 1:

حرم کی مرمت اور اصلاحات کا اجمالی خاکہ

حرم شریف کی جزدی مرمت اور مختلف اوقات میں اصلاح وغیرہ کی جو خدمت انجام دی گئی ہے اس کا اجمالی خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

خلیفہ مہدی عباسی کی تعمیر کے ۶۵۰ سال بعد مرمت کی ضرورت پیش آئی تھی۔

سن اصلاح	امیر کا نام
۸۱۵ ہجری	قاضی جمال الدین محمد بن عبداللہ بن ظہیرہ مخزدی۔
۸۲۵ ہجری	سلطان اشرف برسبائی۔
۸۳۰ ہجری	سعد الدین ابراہیم بن یوسف الصبیلی۔
۸۴۳ ہجری	امیر سودون المحمدی نے بحکم ملک الظاہر جقمق۔
۸۴۶ ہجری	امیر قمم۔
۸۴۸ ہجری	نامعلوم۔
۸۵۲ ہجری	خواجہ بیرم ناظر الحرم۔
۸۵۴ ہجری	امیر بردبک ناظر الحرم۔

۸۸۱ ہجری	نا معلوم۔
۸۸۵ ہجری	امیر سنقر جمالی۔
۹۱۵ ہجری	خواجہ محمد عبداللہ الرومی۔
۹۱۷ ہجری	ملک قانصوہ الغوری۔
۱۱۱۲ ہجری	ابراہیم بک۔
۱۱۳۴ ہجری	محمد آفندی۔
۱۱۴۰ ہجری	نا معلوم۔
۱۲۵۷ ہجری	سلطان عبدالحمید خان اول۔
۱۲۶۲ ہجری	سلطان عبدالحمید خان۔
۱۲۶۶ ہجری	نا معلوم۔
۱۲۷۹ ہجری	سلطان عبدالعزیز خان۔
۱۳۱۴ ہجری	سلطان عبدالحمید عثمانی دوم۔
۱۳۳۴ ہجری	سلطان محمد رشاد خان۔
۱۳۴۴ ہجری	امام عبدالعزیز آل سعود۔

فصل نمبر2:

حرم کی توسیعات کا اجمالی خاکہ

حرم شریف یا مسجد حرام جس کی تعمیر اور توسیع کی تفصیلات قارئین پڑھ چکے ہیں، اس کا اجمالی خاکہ ملاحظہ ہو:

۱۷ ہجری	مطابق ۶۳۸ عیسوی	امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔
۲۶ ہجری	مطابق ۶۴۶ عیسوی	امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔
۶۵ ہجری	مطابق ۶۸۴ عیسوی	سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ آپ نے سات لاکھ دینار کے عوض مکانات خرید کر توسیع کی۔
۹۱ ہجری	مطابق ۷۰۹ عیسوی	خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان۔
۱۶۰ ہجری	مطابق ۷۷۶ عیسوی	خلیفہ مہدی عباسی۔
۱۶۴ ہجری	مطابق ۷۸۰ عیسوی	خلیفہ مہدی عباسی۔
۱۸۱ ہجری	مطابق ۷۹۶ عیسوی	خلیفہ مہدی نے دار شیبہ بن عثمان کو حرم شریف میں داخل کیا۔
۲۷۱ ہجری	مطابق ۸۸۲ عیسوی	المعتمد باللہ عباسی۔
۲۸۴ ہجری	مطابق ۸۹۷ عیسوی	المعتمد باللہ عباسی۔
۳۰۶ ہجری	مطابق ۹۱۸ عیسوی	المعتمد باللہ عباسی۔

۸۰۲ہجری مطابق ۱۳۹۹عیسوی — مشرقی جانب جل گئی تھی جسے ۸۰۷ہجری میں ملک فرج بن برقوق نے تعمیر کرایا۔

۸۲۵ہجری مطابق ۱۴۲۲عیسوی — سلطان قائیتبائی۔

۸۸۰ہجری مطابق ۱۴۷۷عیسوی — دولت عثمانیہ ترکیہ کی خدمت کا دور۔ عثمانی خلفاء۔

۹۷۲ہجری مطابق ۱۵۶۴عیسوی — سلطان سلیمان خان۔

۹۸۰ہجری مطابق ۱۵۷۲عیسوی۔ — سلطان سلیم خان ثانی۔

۹۸۴ہجری مطابق ۱۵۷۶عیسوی — سلطان مراد خان ابن سلیم خان۔

۱۲۷۹ہجری مطابق ۱۸۷۱عیسوی — سلطان عبدالعزیز عثمانی۔

۱۳۴۴ہجری مطابق ۱۹۴۶عیسوی — سلطان عبدالعزیز آل سعود۔

۱۳۷۵ہجری مطابق ۱۹۵۵عیسوی — شاہ سعود اور شاہ فیصل۔

فصل نمبر 3:

سعودی تعمیر و توسیع

سعودی دور حکومت میں توسیع وتجدید ایک نظر میں:

بیان	توسیع سے پہلے	توسیع	توسیع کے بعد مجموعی حالت
مسجد حرام کا کل رقبہ	M۲ ۱۹۳۰۰۰ ایک لاکھ ترانوے ہزار مربع میٹر	M۲ ۱۶۳۰۰۰ ایک لاکھ تریسٹھ ہزار مربع میٹر	M۲ ۳۵۶۰۰۰ تین لاکھ چھپن ہزار مربع میٹر
نمازیوں کی تعداد	۴۱۰۰۰۰ چار لاکھ دس ہزار	۷۷۳۰۰۰ سات لاکھ ستتر ہزار	۱۲۰۰۰۰۰ بارہ لاکھ تقریبا
مینار	۷	۲	۹ مینار ۸۸ میٹر بلند
مرکزی دروازے	۳	۱	۴ مرکزی دروازے
عام دروازے	۲۷	۱۸	۴۵
تہ خانے کے دروازے	۴	۲	۶
الیکٹرانک سیڑھیاں	-	۴	۱۱
مسجد حرام کے دروازے	۲۷	۱۴	۴۱

حمام وضو خانے	پانچ ہزار(۵۰۰۰)	چھ ہزار(۶۰۰۰)	گیارہ ہزار(۱۱۰۰۰)
باتھ روم	نوسو(۹۰۰)	پندرہ سو(۱۵۰۰)	چوبیس سو(۲۴۰۰)

☆☆☆

حصہ پنجم:

حرم شریف کی پیمائش اور حرم کے اہم تاریخی حصوں کی تعمیر و اصلاح

باب نمبر 1:

مسجد حرام اور کعبۃ اللہ کی پیمائش

فصل نمبر 1:

حرم کی پیمائش

امام ارزقی کی بیان کردہ پیمائش:

حرم شریف کا طول وعرض امام ازرقی کے زمانہ ۲۲۳ ہجری میں حسب ذیل تھا:

تفصیل	میٹر/سینٹی میٹر
باب بنی جمع سے باب بنی ہاشم جو مسعی میں سبز میل کے قریب تھا:	۴۰۴
باب دار الندوہ سے باب صفا تک:	۳۰۴
مسعی والے مینار سے باب بنی شیبہ کبیر کے مینار تک:	۸۷۰
باب الاجیاد کے مینار سے باب بنی سہم کے مینار تک:	۲۷۸

دیواروں کی بلندی:

مشرقی جانب مسعی والی دیوار کی بلندی:	۱۸
جنوبی سمت والی دیوار جو وادی ابراہیم کی طرف تھی:	۲۲
مغربی دیوار جو باب بنی جمع کی طرف تھی:	۲۲_۵
شمالی دیوار جو دار الندوہ کی طرف تھی:	۱۹_۵

شیخ عباس کرارہ کی بیان کردہ پیمائش:

شیخ عباس کرارہ نے مفصلہ ذیل پیمائش تحریر کی ہے:

شرقاً غرباً طول:	سینٹی میٹر۔ میٹر
حرم شریف کی مشرقی دیوار سے مشرقی برآمدہ کے سائبان تک:	۷۰ _ ۵۰
مشرقی برآمدہ سے باب بنی شیبہ تک:	۶۳ _ ۴۰
باب بنی شیبہ سے صحن میں مقام مالکی تک:	۴۸ _ ۸۰
جنوبی سمت سے مغربی کنارے تک:	۵۲ _ ۴۵
مغربی برآمدہ سے سامنے والی دیوار تک:	۱۴ _ ۹

شرقاً غرباً کل طول:	۴۴ ـ ۱۹۶
دار الندوہ سے باب الدریبہ تک:	۱۵ ـ ۱۵
شمال میں مقام حنفی تک:	۶۵ ـ ۲۸
شمالاً جنوباً صحن:	۴۵ ـ ۴۷
مقام حنبلی سے جنوب تک:	۴۰ ـ ۳۱
جنوبی سمت سے باب جیاد صغیر تک:	۵ ـ ۲۰
شمالاً جنوباً طول:	۷۰ ـ ۱۴۲
صحن کا طول شرقاً غرباً:	۶۵ ـ ۱۶۴
صحن کا عرض شمالاً جنوباً:	۵۰ ـ ۱۷۰

سعودی توسیع:

سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر و توسیع کی جو خدمت انجام دی ہے وہ انتہائی قابل قدر اور فقید المثال ہے۔اس توسیع کے بعد حرم کی پیمائش حسب ذیل ہے:

دور الارض	۳۶۰۰۰ میٹر
مسعی	۸۰۰۰ میٹر
قدیم حرم	۱۰۰۰۰ میٹر
مطاف اور صحن	۱۷۰۰۰ میٹر
کل:	۷۱۰۰۰ میٹر

فصل نمبر2:

کعبہ کی پیمائش

پیمائش کا حساب ذراع سے بیان ہوا ہے جب کہ علامہ ازرقی کے فرمان کے مطابق ذراع انگشت کا ہوتا ہے جو تقریباً ۱۸ انچ کا بنتا ہے۔

بلندی	....	۹ ذراع	تقریباً	۶ـ۱۳ فٹ
طول	....	۳۲ ذراع	تقریباً	۰ـ۳۶ فٹ
عرض	....	۲۲ ذراع	تقریباً	۰ـ۳۳ فٹ

قریش کی تعمیر:

بلندی	....	۱۸ ذراع	تقریباً	۰ـ۲۷ فٹ
طول	....	۲۷ ذراع	تقریباً	۶ـ۳۶ فٹ

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر:

بلندی	۲۷ذراع	تقریباً	۲_۳۹فٹ
طول	۳۲ذراع	تقریباً	۰_۴۶فٹ

کعبہ شریف کی بلندی، طول اور حدودِ مطاف

کعبہ کی بلندی زمین سے آسمان کی طرف جس طرح صاحب "مرآۃ الحرمین" (یہ کتاب ابراہیم پاشا کی تصنیف ہے) نے بیان کی ہے:

تفصیل	سنٹی میٹر	میٹر
طول شرقی جانب جہاں پر دروازہ ہے:	۰۰	۱۵
طول بجانب مغرب:	۵۸	۱۲
طول شامی جانب یعنی بجانب حطیم:	۹۳	۱۱
طول یمنی جانب یعنی دو رکنوں کے درمیان:	۳۲	۱۰
حجر اسود کی بلندی زمین سے:	۱۳	۱۰
کعبہ کی بلندی زمین سے:	۵۰	۱
دروازے کا طول:	۰۰	۲
مشرقی جانب حطیم کی کشادگی:	۰۰	۲
مغربی جانب حطیم کی کشادگی:	۷۵	۲
میزاب کعبہ سے حطیم کی دیوار کے وسط تک:	۳۶	۱
مشرقی جانب کعبہ شریف کی دیوار سے مقام ابراہیم تک:	۱۰	۱۱
حطیم کی دیوار کے وسط سے دائرۂ طواف تک:	۰۰	۱۲
مغربی جانب کعبہ شریف کی دیوار کے وسط سے دائرۂ مطاف تک:	۸۰	۱۵
یمنی جانب کی دیوار سے دائرۂ طواف تک:	۸۰	۱۵

فصل نمبر 3:

کعبہ شریف کی بیرونی پیمائش

بلندی	۲۷ذراع	۲_۳۹فٹ
سامنے والی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک	۲۵ذراع	۲_۳۶فٹ
رکن عراقی سے رکن شامی یا غربی تک	۲۱ذراع	۲_۳۱فٹ
رکن شامی سے رکن یمانی تک پشت والی دیوار	۲۵ذراع	۲_۳۶فٹ
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۲۰ذراع	۰_۲۷فٹ

دیواروں کی چوڑائی ۲ ذرائع تقریباً		۳ فٹ

گویا کہ مکسر پیمائش ۱۸۱۴ مربع ذراع جو تقریباً ۷۲۶۷ مربع فٹ ہوتی ہے۔

فصل نمبر 4:

کعبہ شریف کی اندرونی پیمائش

دروازہ والی دیوار کی پہلی چھت تک بلندی	۱۸۔۱/۲ ذراع	۲۷۔۹ فٹ
فرش کعبہ سے اوپر والی دوسری چھت تک بلندی	۲۰ ذراع	۳۰۔۰ فٹ
سامنے والی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک	۱۹۔۱۰ ذراع	۲۹۔۵ فٹ
رکن عراقی سے رکن شامی تک	۱۵۔۱۸ ذراع	۲۳۔۱ فٹ
رکن شامی سے رکن یمانی تک	۲۰۔۶ ذراع	۳۰۔۴۔۱/۲ فٹ
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۱۶۔۶ ذراع	۳۰۔۴۔۱/۲ فٹ
کعبہ شریف کے اندر پہلا ستون حجر اسود اور رکن یمانی والی دیوار سے	۴۔۱۲ ذراع	۶۔۹ فٹ
پہلے ستون سے دوسرے ستون کے درمیان فاصلہ	۴۔۱۲ ذراع	۶۔۹ فٹ
دوسرے اور تیسرے ستون کے درمیان فاصلہ	۴۔۱۲ ذراع	۶۔۹ فٹ
اور تیسرے ستون سے حطیم کی طرف والی دیوار کے درمیان فاصلہ	۲۔۸ ذراع	۶۔۵ فٹ

عین کعبۃ اللہ پر دو چھتیں ہیں۔ پہلی چھت پر روشنی کرنے کے لئے دوسری چھت میں چار روشندان سنگ مرمر کے بنائے گئے۔ یہ روشندان چاروں کونوں کی جانب سے (حجر اسود، رکن یمانی، رکن شامی اور رکن عراقی) یہ پتھر سیدنا عبداللہ بن زبیر نے یمن کے شہر صنعاء سے منگوائے تھے۔

موجودہ چھت میں کوئی روشندان نہیں ہے، صرف اوپر چڑھنے کیلئے ایک دروازہ ہے جسے بوقت ضرورت اندر سے کھولا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مورخ علام علامہ حسین عبداللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ازرقی نے مکسر پیمائش جو ارقام فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان کے نزدیک ازرقی کی بیان کردہ پیمائش کا مکسر ۵۲۔۲ ذراع ہے۔

شفاء الغرام میں ابوعبداللہ محمد بن کرامہ کی کتاب ''دلائل القبلہ'' سے حسب ذیل پیمائش نقل فرمائی ہے۔

بلندی ۲۷ ذراع اور سامنے والی دیوار ۲۴ ذراع۔

اور یہ حجاج بن یوسف کی تعمیر کے مطابق ہے۔

جب کہ سیدنا عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر کا طول ۳۰ ذراع۔

سامنے والی اور پیچھے والی دیوار ۲۴ ذراع۔

رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ ذراع۔

رکن شامی سے رکن عراقی تک ۲۱ ذراع۔

علامہ حسین عبداللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ فرق صرف گز کی وجہ سے ہو، کیونکہ علامہ ازرقی کی پیمائش شرعی گز یعنی ایک ہاتھ کے مطابق ہوئی ہو اور ابو عبداللہ نے لوہے کے گز سے پیمائش کی جو غالباً ۳۶ انچ کا ہوتا ہے۔

مشرقی دیوار اور اندر سے پہلی چھت .... ۱۷ ذراع

رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک .... ۲۵ ذراع

شامی دیوار اندر سے .... ۱۷ ذراع

اور لمبائی میں .... ۱۴ ذراع

مغربی دیوار اندر سے پہلی چھت تک .... ۱۷ ذراع

اور اس کی لمبائی .... ۱۸ ذراع

اور جنوب والی دیوار اندر سے پہلی چھت تک .... ۱۷ ذراع

اور لمبائی .... ۱۴ ذراع

لوہے کے گز سے پیمائش اس طرح ہے:

بلندی .... ۲۳ گز

مشرقی دیوار .... ۲۱ گز

شمالی دیوار .... ۱۷ گز

اور جنوبی دیوار .... ۱۸ گس

علامہ حسین عبداللہ کا کہنا ہے کہ شرعی گز جس کے مطابق علامہ ازرقی نے پیمائش کی وہ تقریباً ۴۸ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اور جو گز علامہ فاسی نے پیمائش میں استعمال کیا وہ ۵۶ سینٹی میٹر کا ہے۔

اسی لئے علامہ ابراہیم رفعت پاشا مصری نے مرآۃ الحرمین میں میٹر سے حسب ذیل پیمائش بیان کی ہے:

بلندی .... ۱۵ میٹر

شمالی دیوار .... ۹،۹۲ میٹر

غربی دیوار .... ۱۲،۱۵ میٹر

جنوبی دیوار .... ۱۰،۲۵ میٹر

اور مشرقی دیوار .... ۱۱،۸۸ میٹر

اس اعتبار سے علامہ ازرقی اور علامہ تقی فاسی کی بیان کردہ پیمائش میں کوئی فرق نہیں کیونکہ جب مصری گز ۵۶ سینٹی میٹر کا ہو تو ازرقی نے بلندی ۱۸ ذراع بیان کی ہے، جو ۲۶۔۱۰ میٹر بنتی ہے جب کہ ابراہیم پاشا نے ۲۵۔۱۰ میٹر بیان کی ہے۔

شیخ عباس کرارہ فرماتے ہیں کہ جمعۃ المبارک ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۲ ہجری کو اللہ رب العزت نے مجھے بھی پیمائش کا موقع مرحمت فرمایا۔ چنانچہ میں نے اندر اور باہر سے تمام پیمائش کی ہے۔

شامی دیوار سے یمانی دیوار کے درمیان کا فاصلہ ۱۰،۱۵ میٹر۔

مشرقی دیوار سے مغربی دیوار کے درمیان کا عرض ۱۰،۸ میٹر۔

یہ پیمائش علامہ فاسی کی پیمائش سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔(تاریخ الکعبہ،صفحہ۱۳۲،۱۳۸)

کعبہ شریف کے اندر تین ستون ہیں جن کے نیچے ساگوان کی کرسی بنی ہوئی ہے جس کی بلندی ڈیڑھ ذراع تقریبا۴۔۲ فٹ اور عرض ایک ذرا آٹھ انگل ہے۔اس پر زردوزی کی گئی ہے، پھر اس کے اوپر دیباج کا غلاف ہے۔کرسی کے نیچے سرخ سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ ستونوں کے تیسرے حصہ تک سونے اور چاندی کی زرکاری کی ہوئی ہے اور باقی حصہ بھی منقش ہے۔ پہلا ستون باب کعبہ کے بالکل سامنے ہے۔ستونوں کی موٹائی اڑھائی ذراع ہے۔اسی طرح ستونوں کے اوپر بھی کرسی بنی ہوئی ہے، جو سونے اور دیگر مختلف دھاتوں سے مرصع ہے۔نیز اوپر کی کرسی میں ساگوان کی تین لکڑیاں ستونوں کو سہارا دینے کیلئے لگی ہوئی ہیں۔جن کا ایک سرا دروازہ والی دیوار میں اور دوسرا پشت والی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ان پر بھی سونے کی نگارش کی ہوئی ہے۔

فصل نمبر 5:

تفصیلی پیمائش

کعبہ شریف کی عدیم المرتبت عمارت کا طول وعرض اور متعلقہ چیزوں کی پیمائش حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	مقامات	سینٹی میٹر	میٹر	انچ تقریباً	فٹ
۱۔	کعبہ شریف کی بلندی زمین سے کناروں تک:		۱۵	۲،۵۵	۴۹
۲۔	کعبہ شریف کا طول مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے:	۵۸	۱۱	۱۱،۹	۳۷
۳۔	کعبہ شریف کا طول مغربی دیوار سے:	۹۳	۱۱	۱،۶۸	۳۹
۴۔	کعبہ شریف کی چوڑائی بجانب حطیم:	۲۲	۱۱	۲،۳۶	۳۳
۵۔	کعبہ شریف کی چوڑائی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان:	۱۳	۱۰	۲،۸۱	۳۳
۶۔	زمین سے حجر اسود کی اونچائی:	۵۰	۱	۱۱،۰۵	۴
۷۔	کعبہ شریف کی کرسی کی زمین سے اونچائی:	۰	۲	۶،۷۴	۶
۸۔	کعبہ شریف کے دروازہ کی لمبائی:	۰	۲	۶،۷۴	۶
۹۔	دروازہ کی چوڑائی ۱۸ انگل،۳ ذراع:				
۱۰۔	حطیم کی دیوار میں مشرقی راستہ:	۶۵	۲	۸،۳۳	۸
۱۱۔	حطیم کی دیوار میں مغربی راستہ:	۵۸	۲	۵،۵۷	۸
۱۲۔	میزاب رحمت سے حطیم کی دیوار کا درمیانی فاصلہ:	۳۶	۸	۵،۱۳	۲۷

۱۳۔	کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مقام ابراہیم کا فاصلہ:	۰	۱۱	۵	۳۶
۱۴۔	حطیم کی دیوار کے درمیان سے دائرہ مطاف کے وسط تک:	۰	۱۲	۴٫۴۴	۳۹
۱۵۔	کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے مطاف کے دائرہ تک:	۸۰	۱۵	۲٫۵۵	۴۹
۱۶۔	کعبہ شریف کے رکن یمانی کی طرف دیوار کے وسط سے دائرہ مطاف تک:	۸۰	۱۵	۲٫۵۵	۴۹

عمدۃ المفسرین سید محمود الوسی علیہ الرحمۃ نے حسب ذیل تفصیلات نقل فرمائی ہیں:

نمبر شمار	مقام	انگشت	ذراع
۱۔	کعبہ شریف کی بلندی	۰	۲۷
۲۔	حجر اسود کی بلندی	۷	۳
۳۔	کعبہ شریف کے دروازہ کی کرسی زمین سے	۳	۴
۴۔	کعبہ شریف کے دروازہ کی اونچائی	۱۰	۶
۵۔	کعبہ شریف کے دروازہ کی عرض	۰	۴
۶۔	حطیم کی دیوار میں مشرقی دروازہ	۱۸	۳
۷۔	میزاب کے نیچے سے حطیم کی دیوار تک، اس میں سے ۶ ذراع اور ایک بالشت کعبہ شریف کا حصہ ہے اور باقی سیدنا اسماعیلؑ کی بکریوں کا باڑہ تھا	۸	۱۷
۸۔	حطیم کے دونوں دروازوں کے مابین فاصلہ	۰	۲۰
۹۔	حطیم کی دیوار کی چوڑائی	۰	۲
۱۰۔	حطیم کی دیوار کی بلندی	۰	۲
۱۱۔	پشت والی دیوار میں بند دروازہ رکن یمانی سے	۵	۴
۱۲۔	بند دروازہ کی لمبائی	۰	۵
۱۳۔	بند دروازہ کی چوڑائی	۱۲	۳
	کوہ صفا سے حجر اسود تک	۱۸	۲۶۳
	جو دروازہ کوہ صفا کی جانب باہر نکلنے کیلئے ہے اس سے حجر اسود کے درمیان	۰۰	۱۶۴
	طواف کے سات چکروں کی مسافت	۲۰	۹۳۰

درج ذیل تفصیلات علامہ محمد طاہر کردی نے امام ازرقی کی کتاب ''اخبار مکہ'' سے نقل کی ہیں جس میں پیمائش ذراع سے کی گئی ہے۔ ذراع یعنی شرعی گز ایک ہاتھ کا ہوتا ہے جو تقریباً ۱۸ انچ کا بنتا ہے۔

بنائے ابراہیمی کی پیمائش:

پیمائش بناء ابراهیم خلیل الله	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۹	۶	۱۳
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۳۲	۰	۴۸
مغربی دیوار	۳۱	۶	۴۶
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

بنائے قریش کی پیمائش:

پیمائش قریش	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۱۸	۰	۳۶
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۲۶	۰	۳۹
مغربی دیوار	۲۶	۰	۳۹
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۳

بنائے حضرت عبداللہ ابن زبیر:

پیمائش بناء سیدنا عبد الله بن زبیر	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۲۷	۶	۴۰
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۳۲	۰	۴۸
مغربی دیوار	۳۱	۶	۴۶
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

ائے حجاج بن یوسف/عبدالملک بن مروان:

پیمائش بناء حجاج بن یوسف الثقفی	ذراع	انچ	فٹ
کعبہ شریف کی بلندی	۲۷	۶	۴۰
مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے	۲۶	۰	۳۹
مغربی دیوار	۲۶	۰	۳۹
حطیم کی سمت والی دیوار	۲۲	۰	۳۳
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار	۲۰	۰	۳۰

دید پیمائش:

میٹر کے حساب سے پیمائش	سینٹی میٹر	میٹر
مطاف کی زمین سے دروازہ کی بلندی	۸۴	۱
کعبہ کے دروازہ کے تالہ کی لمبائی	۳۴	۰
کعبہ شریف کے دروازہ کے قریب واقع غار کی پیمائش مقام ابراہیم کی قدیم کھڑکی تک، جب کہ یہ غار ۱۳۷۷ھ میں بند کر دی گئی تھی۔	۸۶	۹
مذکورہ غار سے باب حطیم یعنی رکن عراقی تک	۶۰	۵
مذکورہ غار سے رکن حجر اسود تک	۸۰	۴
مذکورہ غار سے کعبہ شریف کی دہلیز تک	۸۰	۴
حجر اسود کے کونے میں ملتزم کی جانب پشتہ کعبہ کی لمبائی	۰	۱
مشرقی دیوار کی مطاف سے بلندی	۹۵	۱۲
مشرقی دیوار رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک	۷۱	۱۱
مغربی دیوار رکن یمانی سے رکن شامی تک	۹	۱۲
حطیم کی طرف رکن عراقی سے رکن شامی تک	۰	۱۰
رکن یمانی سے حجر اسود تک	۱۷	۱۰
رکن یمانی سے حجر اسود تک بمعہ پشتہ کعبہ	۳۵	۱۱
حجر اسود سے رکن عراقی یعنی مشرقی دیوار بمعہ پشتہ کعبہ	۸۰	۱۲
رکن عراقی سے رکن شامی تک بمعہ پشتہ کعبہ	۲۰	۱۱
رکن یمانی سے رکن شامی تک بمعہ پشتہ کعبہ	۳۰	۱۳

شرقی دیوار حجر اسود سے رکن عراقی تک کعبہ شریف کے اندر سے		۷۹	۱
مغربی دیوار رکن یمانی سے رکن شامی تک کعبہ شریف کے اندر سے		۱۱	۰
رکن عراقی سے رکن شامی تک کعبہ شریف کے اندر سے		۹۸	۷
رکن یمانی سے حجر اسود تک کعبہ شریف کے اندر سے		۱۷	۸
حطیم کے وسط سے کعبہ شریف کی دیوار تک فاصلہ		۴۷	۸
حطیم کی دیوار کی بلندی		۱۲	۱
حطیم کی دیوار کی چوڑائی		۵۶	۱
طول سیڑھی جو کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی میں ہے		۳۲	۲
عرض سیڑھی جو کعبہ شریف کے اندر رکن عراقی میں ہے		۵۱	۱
کعبہ شریف کی منڈیر کی بلندی		۸۴	۰
کعبہ شریف کی دیواروں کی چوڑائی		۹۳	۰
کعبہ شریف کے اندر والے فرش سے پہلے چھت تک فاصلہ		۵۰	۸
پہلی چھت اور دوسری چھت کے درمیان فاصلہ		۲۷	۱
کعبہ شریف کے اندر کے پہلے ستون کی لمبائی جو حطیم کی جانب ہے۔ یہ تینوں ستون سیدنا عبداللہ بن زبیر نے تعمیر کئے تھے۔		۳	۷
کعبہ شریف کے اندر درمیان والے ستون کی لمبائی		۰	۷
کعبہ شریف کے اندر تیسرے ستون کی لمبائی جو حجر اسود کی جانب کعبہ شریف کے دروازہ کے سامنے ہے		۱۲	۷
ان تینوں ستونوں کا قطر		۴۴	۰
فرش کعبہ سے ان تینوں ستونوں کے سرے تک کل بلندی		۲۰	۷
ستونوں کے اوپر جو تاج بنا ہوا ہے اس کی بلندی		۵۰	۰
ستونوں کے اوپر جو تاج بنا ہوا ہے اس کی چوڑائی		۵۵	۰
ستونوں کے اوپر بنے ہوئے تاج کے نچلے حصہ کی چوڑائی		۴۰	۰
میزاب رحمت کی لمبائی		۵۳	۲
میزاب رحمت کی چوڑائی		۲۶	۰
میزاب رحمت کی اونچائی		۲۳	۰

میزاب رحمت کا جو حصہ دیوار میں گڑھا ہوا ہے	۵۸	۰
حدود مطاف قدیم جو بیضوی شکل میں تھا	**سینٹی میٹر**	**میٹر**
کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مقام ابراہیم کی طرف مطاف قدیم کی آخری حد تک	۵۰	۱۱
کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے سوق صغیر کی طرف مطاف قدیم کی آخری حد تک	۶۵	۱۶
رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار سے مطاف قدیم کی آخری حد تک	۴۰	۱۵
حطیم کی دیوار کے درمیان سے مطاف قدیم کی آخری حد تک	۰	۱۲
حدود مطاف جدید جو گول دائرہ کی شکل میں ہے	**سینٹی میٹر**	**میٹر**
کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مقام ابراہیم کی طرف مطاف جدید کی آخری حد تک	۸۰	۲۶
کعبہ شریف کی مغربی دیوار سے سوق صغیر کی طرف مطاف جدید کی آخری حد تک	۴۰	۲۷
رکن یمانی اور حجر اسود والی دیوار سے مطاف جدید کی آخری حد تک	۷۰	۲۶
حطیم کی دیوار کے وسط سے مطاف جدید کی آخری حد تک	۶۵	۱۶
کعبہ شریف کے دروازہ کے باہر والا غار جسے ۲ شعبان ۱۳۷۷ھ میں ختم کر دیا گیا اس کا طول	۲	۲
کعبہ شریف کے دروازہ کے باہر والا غار جسے ۲ شعبان ۱۳۷۷ھ میں ختم کر دیا گیا اس کی گہرائی	۱۰	۱
فرش مطاف سے حجر اسود کی بلندی	۵۰	۱
ملتزم کی چوڑائی	۰	۲
فرش مطاف سے کعبہ شریف کے دروازہ کی بلندی	۹۲	۱
کعبہ شریف کے دروازہ کے نیچے نصب شدہ پتھر جس سے غسل کعبہ کا پانی نکلتا ہے، اس کی لمبائی	۹۰	۱
اس سوراخ کے دائرہ کا قطر	۳	۰
حطیم کے مشرقی دروازہ (گزرگاہ) کا عرض	۱۳	۲
حطیم کے مغربی دروازہ (گزرگاہ) کا عرض	۷۰	۲
کعبہ شریف کے چاروں طرف نزدیک سے ایک چکر کی مساف	۰	۶۸
حطیم کی دیوار کی کل لمبائی	۵۷	۲۱
حطیم کی دیوار کی کل چوڑائی	۵۲	۱
حطیم کی دیوار کی کل بلندی	۴۳	۱
حطیم کی دیوار کی کل گزرگاہ	۶۵	۲
حطیم کی مغربی گزرگاہ	۶۵	۲

کعبہ شریف کی دیوار کے وسط سے حطیم کی دیوار کا فاصلہ		۵۵	۸
باب بنی شیبہ کا عرض (جسے غالباً ۱۳۹۱ھ میں ختم کیا گیا)		۹۰	۴
باب بنی شیبہ کی دیوار کا عرض		۹۰	۰
دیوار سمیت دروازہ کی کل لمبائی		۷۰	۶
حطیم کی دیوار سے منبر شریف کی پشت تک فاصلہ (پہلے منبر مطاف میں تھا مگر ۱۳۸۲ھ کے آخر میں مطاف کی توسیع کے باعث منبر شریف مطاف سے باہر نصب کر دیا گیا۔ مگر ۱۳۹۸ھ کے آخر میں وہاں سے بھی توسیع مطاف کے باعث اٹھا لیا گیا)۔		۹۰	۳۰

مشہور مقامات کا فاصلہ:

بعض مقامات کا ایک دوسرے کے مابین فاصلہ	میٹر
صفا سے مروہ تک فاصلہ تقریباً	۴۰۵
باب بنی شیبہ سے جنت المعلاء کے دروازہ تک کا فاصلہ تقریباً	۱۰۴۲
جمرہ عقبی اور جمرہ وسطی کے درمیان تقریباً	۱۱۶
جمرہ وسطی سے جمرہ اولیٰ کے درمیان فاصلہ تقریباً	۱۵۶
جمرہ وسطیٰ سے وادی محسر کے آخر تک فاصلہ تقریباً (مزدلفہ میں)	۵۳۲۸
وادی محسر کے آکر سے مازمین کی ابتداء تک فاصلہ	۳۸۱۲
مازمین سے عرفات کی جانب حدود حرم کے نشانات تک کا فاصلہ	۴۳۷۲
حرم شریف کے نشانات سے حدود عرفات کے نشانات تک فاصلہ	۱۵۵۳
عرفات کے نشانات سے جبل رحمت کا فاصلہ	۱۵۵۳

☆☆☆

باب نمبر 2:

حطیم

قوس نما دیوار:

کعبہ شریف کی شمالی جانب ایک قوس نما دیوار بنی ہوئی ہے، اس احاطہ کو حطیم، حجر اسماعیل اور حظیرۂ اسماعیل کہا جاتا ہے۔ قاموس میں حطیم کے معنی، حجر کعبہ اور جدار کعبہ بیان کیا گیا ہے اور معجم البلدان میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے:

((الحطیم الجدار))

''حطیم کعبہ کی دیوار ہے۔''

علامہ یاقوت الحموی کہتے ہیں:

''ابو منصر الازہری کا کہنا ہے کہ حجر مکہ جسے حطیم کہا جاتا ہے، یہ میزاب کعبہ سے ملی ہوئی جگہ ہے۔'' (تاریخ الکعبہ:۱۶۱)

حضرت اسماعیل کا مکان:

امام ازرقی لکھتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ﷺ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت اس مقام پر حضرت اسماعیل کی رہائش اور ان کی بکریوں کے لئے مکان پیلو کی لکڑی اور کھجور کی شاخوں سے بنایا تھا، جس کے دو دروازے تھے۔'' (اخبار مکہ:۳۱)

سیدہ حاجرہ کے ٹھہرنے کی جگہ:

امام ازرقی اور امام فاکہی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سیدنا ابراہیم نے حضرت ہاجرہ کو حطیم والی جگہ بٹھایا، اور جھونپڑی بنا لینے کا کہہ کر واپس تشریف لے گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ زمزم کے قریب ایک درخت کے سائے تلے بٹھایا تھا۔

روایات میں مطابقت:

اگر چہ یہ روایات متضاد معلوم ہوتی ہیں مگر نہ تو مذکورہ مقامات پر کوئی خاص فاصلہ ہے اور نہ ہی مقصود ومفہوم میں کوئی زیادہ فرق ہے۔ آپ نے خود جھونپڑی بنائی یا بنا لینے کا مشورہ دیا، ہجرت کے وقت بنائی یا تعمیر کعبہ کے موقع پر بنائی، یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے بنائی تھی، کیونکہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے، یہ بات یقینی ہے کہ جھونپڑی حطیم والی جگہ تھی، یہی سیدنا اسماعیل کی رہائش گاہ تھی، یہی عبادت گاہ اور اسی میں ان کی بکریاں بھی ہوتی تھیں۔

حقیقت حطیم:

محبوبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ نے حضور اقدس ﷺ سے استفسار کیا، اس دیوار کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ بیت اللہ میں شامل ہے، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ بیت اللہ میں سے ہے۔''

ام المومنین نے عرض کیا:

''تو پھر اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا گیا؟''

فرمایا:

''عائشہ! تیری قوم نے جب بیت اللہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے حلال وطیب مال خرچ کرنے کی پابندی لگائی تھی۔ اس طرح جو فنڈ جمع ہوا وہ پوری عمارت کے لئے ناکافی تھا، جس کے پیش نظر انہوں نے شمالی جانب سے کچھ چھوڑ کر تعمیر مکمل کرلی۔ عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا اور مجھے ان کے انکار اور باہمی تصادم کا خدشہ نہ ہوتا تو میں حطیم کے حصہ کو بیت اللہ میں ضرور شامل کر کے ابراہیمی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا اور اس کے مشرق اور مغرب میں دروازے بناتا۔'' (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۱)

حطیم میں نماز پڑھنا...... بیت اللہ میں نماز پڑھنا ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی:

''میرا جی چاہتا ہے کہ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھوں۔''

تو حبیب کردگار مدنی تاجدار ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے، اور فرمایا:

''یہاں نماز پڑھو اور جب بھی تیرا دل کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا متمنی ہو تو حطیم میں داخل ہو کر نماز پڑھ لیا کرو، کیونکہ یہ بھی کعبہ شریف ہی کا حصہ ہے، لیکن تیری قوم نے خرچ ختم ہو جانے کے باعث اسے کعبہ شریف سے نکال دیا تھا۔''

(ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۲۲۰) (نسائی، جلد ۲، صفحہ ۲۷)

حطیم میں داخل ہونا...... بیت اللہ میں داخل ہونا ہے:

سیدہ عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہونا چاہتی ہوں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب بھی تیرا دل کعبہ شریف میں داخل ہونے کا ہو تو حطیم میں داخل ہو جایا کر، کیونکہ یہ بیت اللہ شریف کا ہی حصہ ہے۔''

(نسائی، جلد ۲، صفحہ ۲۷)

حطیم کے دروازے پر مقرر فرشتہ:

امیر المومنین علی المرتضیٰ سے روایت ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''حطیم کے دروازہ پر ایک فرشتہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ جو آدمی حطیم میں دو رکعت نفل پڑھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس طرح حطیم کے دوسرے دروازہ پر بھی ایک فرشتہ اعلان کر رہا ہے، جو متقی آدمی امت محمدیہ ﷺ سے حطیم میں نفل پڑھ کر نکلے گا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

جنت کا دروازہ:

امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین ایک مرتبہ میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر حاضرین سے فرمانے لگے:

''تم مجھ سے پوچھو کہ کہاں کھڑے ہو؟''

چنانچہ حاضرین نے جب یہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوں۔ (جامع اللطیف)

دعا کی قبولیت:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے جو دعا مانگی جائے گی وہ ضرور قبول ہو کر رہے گی۔

حطیم اور جنت کی ہوا:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے حطیم میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ سیدنا اسماعیل ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مکہ معظمہ میں شدید گرمی کی شکایت کرنے لگے تو اللہ پاک نے وحی بھیجی کہ میں آپ کیلئے جنت کے دروازے حطیم میں کھول دوں گا، جن سے قیامت تک روح پرور ہوا کے جھونکے آتے رہیں گے۔" (اخبار مکہ: ۲۲۰)

مصلیٰ اخیار:

سیدنا عبداللہ بن عباس نے ارشاد فرمایا:

''اخیار کے مصلی پر نماز پڑھو اور ابرار کا پانی پیو، ان سے پوچھا گیا کہ مصلیٰ اخیار کون سی جگہ ہے؟ تو فرمایا: میزاب کعبہ کے نیچے ہے اور شراب ابرار آب زمزم ہے۔" (جامع اللطیف)

حطیم کی پیمائش:

حطیم کی لمبائی کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف روایات بیان فرمائی ہیں: پانچ ذراع، چھ ذراع اور سات ذراع کے قریب۔ (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۳۰)

جب کہ ذراع ۱۸ انچ یا ۴۶ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

امام نووی ان روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں اور فرق ذراع میں بیان فرماتے ہیں۔

امام ازرقی نے حسب ذیل پیمائش بیان فرمائی ہے:

میزاب کعبہ کے نیچے سے حطیم کی دیوار تک:	۱۷ ذراع ۱۸ انگل (۲۶ فٹ ۴ انچ یا ۷ میٹر ۹۳ سینٹی میٹر)
رکن عراقی سے رکن شامی تک:	۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر)
عرض:	۲۲ ذراع (۳۳ فٹ یا ۱۰ میٹر ۱۶ سینٹی میٹر)
حطیم کی دیوار کے اندر سے بلندی:	۱ ذراع ۱۴ انگل (۳ فٹ یا ۹۲ سینٹی میٹر)
باب کعبہ کی سمت میں حطیم کے دروازہ کی بلندی:	۱ ذراع ۲۰ انگل (۲ فٹ یا ۱۱ انچ یا ۷۸ سینٹی میٹر)
غربی دروازہ کی بلندی	۱ ذراع ۲۰ انگل
دیوار کی چوڑائی	۳ ذراع (ساڑھے چار فٹ یا ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر)

(اخبار مکہ: ۲۲۶)

جدید تاریخ مکہ میں حسب ذیل پیمائش بیان کی گئی ہے۔

چوڑائی ۹ ذراع 1/2 فٹ یا ۴ میٹر۔

ابتداء میں اس کی چوڑائی ۶ ذرائع یعنی ۹ فٹ تھی۔ مگر شیخ ابن تیمیہ کے زمانہ میں جب اس کی تعمیر نو ہوئی تو اسے ۹ ذراع کر دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ۱۲۶۰ ھ میں سلطان عبدالحمید عثمانی نے یہ اضافہ کرایا ہو، کیونکہ اگر امام موصوف کے زمانہ میں اضافہ ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ (تاریخ الکعبہ: ۱۶)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے مراۃ الحرمین میں میٹر سے حطیم کی پیمائش حسب ذیل ارقام فرمائی ہے:

''حطیم کی دیوار اندر سے ۱۲۳ سینٹی میٹر بلند ہے۔ اوپر کی سطح ۱۵۲ سینٹی میٹر چوڑی اور نیچے سے ۱۴۴ سینٹی میٹر ہے۔ مشرقی

دروازہ شاذروان کے پتھر کو چھوڑ کر ۲٫۳۰ میٹر چوڑا، مغربی دروازہ ۲٫۲۳ میٹر ہے۔ اور دونوں کے درمیان ۸ میٹر فاصلہ ہے۔ حطیم کی دیوار کے باہر ۱۲ میٹر مطاف کی چوڑائی ہے۔ میزاب رحمت سے نیچے حطیم کی دیوار تک ۸٫۴۴ میٹر کا فاصلہ ہے۔“

(مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۲۶۶)

فرش کی تجدید:

شاہ خالد کے حکم سے ۱۳۹۶ھ میں جب حطیم کے فرش اور دیوار کی تجدید ہوئی تو دیوار پر ۶۶ سنگ مرمر کی سلیں لگائی گئیں جن میں سے ۲۲ بڑی اور ۴۴ چھوٹی ہیں۔ ہر بڑی سل کے اندر اور باہر کی طرف ایک ایک چھوٹی سل نصب کی گئی ہے۔

حطیم کی تعمیر:

حطیم کا فرش نہایت سادہ ریت اور کنکریوں سے بنا ہوا تھا، جسے بعد میں صحرائی پتھروں سے بنایا گیا۔ تاریخ میں یہ تصریح تو نہیں ملتی کہ پتھروں کا فرش سب سے پہلے کس نے بنایا تھا، البتہ سنگ مرمر کا فرش ۱۴۰ھ میں خلیفہ ابو جعفر المنصور نے بنایا۔ بعد از اں جن لوگوں نے اس کار خیر میں حصہ لیا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حطیم کی تعمیر، مرمت اور اصلاح کرنے والے حضرات:

نمبر شمار	اسماء	سن ہجری	تعمیر و مرمت کی تفصیل
۱۔	خلیفہ ابو جعفر المنصور	۱۴۰ھ	سب سے پہلے انہوں نے سنگ مرمر کا فرش بنوایا
۲۔	خلیفہ المہدی العباسی	۱۶۱ھ	خلیفہ مہدی کا بنایا ہوا فرش ۸۰ برس تک قائم رہا۔
۳۔	خلیفہ المتوکل علی اللہ العباسی	۲۴۱ھ	خلیفہ مہدی کا بنایا فرش اکھیڑ کر نہایت عمدہ اور خوبصورت سنگ مرمر ہی کا فرش بنوایا۔
۴۔	خلیفہ المعتضد باللہ العباسی	۲۸۳ھ	انہوں نے پورے حطیم کو سنگ مرمر سے مزین کیا۔
۵۔	وزیر جمال الدین الجواد	۵۵۰ھ	انہوں نے دو مرتبہ حطیم کی تعمیر و مرمت کرائی۔
۶۔	خلیفہ الناصر العباسی	۵۷۶ھ	فرش کی تجدید کرائی۔
۷۔	خلیفہ المستنصر العباسی	۶۲۹ھ	کعبہ شریف کی اصلاح کیساتھ حطیم کی مرمت بھی کرائی۔
۸۔	ملک مظفر صاحب یمن	۶۵۵ھ	ملک موصوف نے اس سال حج کیا اور باب کعبہ، تالا کعبہ اور حطیم کی تجدید و اصلاح کرائی۔
۹۔	ملک الناصر ابن قلادون	۷۲۰ھ	
۱۰۔	ملک اشرف علی بن شعبان	۷۸۱ھ	
۱۱۔	ملک الظاہر برقوق	۸۰۱ھ	ملک موصوف کے حکم سے اس سال امیر مکہ نے حطیم کا سنگ مرمر تبدیل کیا۔

۱۲۔	القائد علاؤ الدین	۸۲۲ھ	اس نے سنگِ مرمر کو مضبوط بنوایا۔
۱۳۔	امیر زین الدین	۸۲۶ھ	فرش اور دیوار کی اصلاح کرائی۔
۱۴۔	سودون المحمدی	۸۳۸ھ	
۱۵۔	سلطان جمق	۸۴۳ھ	
۱۶۔	امیر تنم	۸۴۸ھ	تمام فرش اکھاڑ کر دوبارہ وہی پتھر نصب کر دیئے۔
۱۷۔	سلطان قایتبائی	۸۸۱ھ	حطیم کے اندر اور باہر کے تمام پتھر تبدیل کئے۔
۱۸۔	سلطان قانصوہ الغوری	۹۱۶ھ	انہوں نے نہایت مضبوط اور خوبصورت تعمیر کی اور حطیم کی دیوار پر تعمیر کرنے والوں کے نام کندہ کرائے۔
۱۹۔	سلطان سلیمان خان	۹۴۰ھ	
۲۰۔	سلمان مراد خان رابع	۱۰۴۰ھ	
۲۱۔	سلطان محمد خان رابع	۱۰۷۳ھ	
۲۲۔	سلطان عبد المجید خان	۱۲۶۰ھ	
۲۳۔	سلطان عبد العزیز آل سعود	۱۲۸۳ھ	
۲۴۔	شریف حسین بن علی	۱۳۳۱ھ	اس نے دیوار کی بنیادیں اور فرش مضبوطی سے بنوایا۔ (تاریخ القویم، جلد۳، صفحہ۱۱۹)
۲۵۔	شاہ خالد بن سعود	۱۳۹۶ھ	فرش اور دیوار پر نیا سنگ مرمر لگایا۔

خلافت عثمانیہ میں حطیم کے وسط میں ایک حسین وجمیل قبہ ''بیت المقدس'' کے نام سے بنایا گیا تھا جو اس بات کی علامت تھی کہ بیت المقدس اس سمت واقع ہے اور یہ بات یقیناً صحیح بھی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحویل قبلہ سے پہلے حجرا سود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہوکر اور کعبہ شریف درمیان میں رکھ کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (تاریخ القویم: جلد۳، صفحہ۱۲۶)

الحجر الاخضر یعنی سبز پتھر

حطیم کے اندر سبز پتھر جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا، ۱۳۹۶ھ میں شاہ خالد کے دور میں فرش کی تجدید کے وقت ہٹا دیا گیا۔

حطیم میں دو سبز پتھر نصب ہیں جو ایک ہی رنگ اور وضع قطع کے ہیں۔ دونوں محرابی شکل کے ہیں۔ ایک میزاب کعبہ کے نیچے اور دوسرا اس کے مشرق میں تقریباً دو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میزاب کے نیچے والا پتھر مستطیل اور دوسرا مربع شکل ہے۔ ان میں عجیب المنظر نقطے ہیں، رنگ سبز سیاہی مائل ہے، ایک کا قطر ۶۴ سینٹی میٹر اور دوسرا ۵۱ سینٹی میٹر ہے۔ ایک ہزار سال سے لوگ ان پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ عام خیال تو یہ ہے کہ میزاب کے نیچے والا پتھر سیدنا اسماعیل کی قبر کی نشاندہی کرتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اسی نوعیت کے دو پتھر ہیں جن میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے، ۲۴۱ھ میں عبداللہ بن عبیداللہ بنا

عباس بن محمد ہاشمی نے حکم دیا کہ ایک عمدہ قسم کا پتھر میرے لئے بنایا جائے جس پر میں نماز پڑھا کروں، چنانچہ حسب حکم عباس بن محمد ہاشمی کے غلام احمد بن ظریف نے مصر سے دو سبز عمدہ پتھروں کا ہدیہ ارسال کیا۔

جو پتھر بیضوی تھا اسے حطیم کی دیوار پر درمیان میں نصب کر دیا اور دوسرا پتھر میزاب رحمت کے نیچے لگایا گیا۔ پھر ۲۸۳ھ میں دیوار میں نصب بیضوی پتھر اکھاڑ کر میزاب کے نیچے والے سبز پتھر کے ساتھ نصب کر دیا گیا۔ جیسا کہ علامہ ازرقی نے بھی لکھا ہے۔

یہ دونوں پتھر بے حد قیمتی اور نفیس ہیں، یہ نادر الوجود تحفہ حطیم جیسی مقدس و معزز جگہ کیلئے بھیجا گیا۔ پھر حطیم میں بھی اس کی تنصیب کے لئے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

آج ۱۳۷۶ھ تک اسے ۱۱۳۵ برس گزر چکے ہیں، مگر یہ نادرۂ روزگار پتھر صحیح حالت میں موجود ہے۔ صدیوں سے لوگ اس پر نماز پڑھ رہے ہیں، مگر نہ تو یہ تلف ہوا، نہ خراب ہوا اور نہ ہی اس میں شکست و ریخت ہوئی۔ (تاریخ القویم)

۱۳۹۴ھ کے اوائل میں راقم آثم بھی اس مرقع حسن و تجمل اور خیر و برکت پتھر کی زیارت سے شرف یار ہوا ہے، لیکن اس وقت اس کی سطح ہموار نہیں تھی بعد میں غالباً ۱۳۹۶ھ میں مسلمانان عالم اس کے دیدار سے محروم ہو گئے ہیں، کیونکہ شاہ خالد کے حکم سے جب حطیم کا نیا فرش بنایا گیا تو پہلے تمام پتھر ختم کر دیئے گئے۔

حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حجر کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ بیت اللہ شریف میں شامل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: پھر اسے بیت اللہ شریف میں شامل کیوں نہیں کیا گیا؟ آپ نے جواب دیا: ان کے پاس خرچ نہیں تھا۔ پھر دریافت کیا کہ اس کا دروازہ اونچا کیوں کیا گیا؟ آپ نے فرمایا:

> ''یہ تیری قوم نے ایسا اس لئے کیا کہ جسے چاہیں اندر آنے کی اجازت دیں اور جسے چاہیں رد کریں۔ اگر تیری قوم نومسلم نہ ہوتی اور ان کے دلوں میں یہ بات ناگوار نہ گزرتی تو میں دیوار کو بیت اللہ شریف میں شامل کر دیتا اور اس کا دروازہ زمین سے متصل کر دیتا۔''

نیز سیدہ عائشہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام لانے کا زمانہ قریب کا نہ ہوتا تو میں بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کا حکم دیتا اور جو اس سے نکالا گیا ہے، اسے اس میں شامل کرتا اور زمین سے متصل کرتا۔ نیز اس کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب اور اسے ابراہیمی بنیاد تک پہنچا دیتا۔

(بخاری، جلد اول، صفحہ ۲۱۵)

سعید بن منصور نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں کعبہ کے دو دروازے بناتا، ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا نکلنے کے لیے تاکہ اژدھام نہ ہو۔''

نیز سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا ارادہ معلوم ہوا تو مجھے ہاتھ سے پکڑا اور حطیم میں داخل کیا اور مجھے بتایا کہ جب بیت اللہ شریف میں داخل ہونا چاہو تو حجر میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے لیکن تیری قوم نے کعبہ شریف کو تعمیر کرتے وقت چھوٹا کر دیا اور اسے بیت اللہ سے خارج کر دیا۔

اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ابی داؤد، جلد اول، صفحہ نمبر ۲۸۴)

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے سوا آپ کی تمام بیویاں بیت اللہ شریف میں داخل ہو چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے رشتہ دار شیبہ کے پاس جاؤ اسے کہو کہ تیرے لئے خانہ کعبہ کھول دے۔ آپ اس کے پاس گئیں

اور اسے خانہ کعبہ کے متعلق کہا۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: بخدا! میں نے جاہلیت اور اسلام کے زمانہ میں رات کو کبھی نہیں کھولا۔ اگر آپ مجھے کھولنے کا حکم فرماتے ہیں تو میں کھول دوں گا۔ فرمایا: نہیں رہنے دو۔ پھر آپ نے فرمایا: تحقیق تیری قوم کے پاس خرچ کی کمی تھی۔ اس لئے انہوں نے بنیادوں کو چھوٹا کر دیا اور حطیم بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ جاؤ اس میں نماز ادا کرو۔

اسے احمد، سعید بن منصور اور بوذر نے تخریج کیا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ ایک دفعہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئیں اور ان کے ہمراہ دیگر عورتیں بھی تھیں۔ دربانوں نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ پکارنے لگیں: اے ام المومنین! جب حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا: تم حجر یعنی حطیم میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہ بیت اللہ شریف میں شامل ہے۔

عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ میں اس میں کوئی فرق نہیں سمجھتی کہ حجر میں نماز پڑھوں یا بیت اللہ شریف میں۔ (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۱۱ تا ۳۱۴)

باب نمبر 3:

بابِ کعبہ

کعبہ شریف کا دروازہ بھی امتیازی شان کا حامل ہے، جس کی زیبائش و آرائش کی ہر دور میں مقدور بھر کوشش کی جاتی رہی۔ سیدنا آدم کی تعمیر کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو خیمہ آپ کے لئے آسمان سے اتارا گیا تھا اس کے دو دروازہ تھے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب کی طرف۔ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے کعبہ تعمیر فرمایا تو آپ نے زمین کے برابر مشرق کی طرف دروازہ رکھا لیکن اس میں نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ۔ تاریخی روایات اس معاملہ میں بہت مختلف پائی جاتی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلے انوش بن شیث بن آدم نے دروازہ بنایا، اور ایک روایت میں ہے کہ جرہم نے بیت اللہ شریف تعمیر کرتے وقت دروازہ کے طور پر دو بازو بنائے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلاطین یمن میں سے تبع ثالث نے جو بعثت نبوی ﷺ سے بہت زمانہ پہلے گزرا ہے، کعبہ شریف کا دروازہ بنایا اور اس پر غلاف بھی چڑھایا۔

علامہ ازرقی، ابن ہشام اور علامہ ابن خلدون نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ شاہ تبع نے دروازہ بنایا اور تالے چابی کا بھی انتظام کیا۔ (اخبار مکہ: ۱۷۴)

قریش کی تعمیر تک یعنی تقریباً سات سو سال شاہ تبع کا بنایا ہوا دروازہ جو صرف ایک کواڑ کا تھا قائم رہا، پھر جب قریش نے تعمیر کی تو انہوں نے دروازہ کے دو کواڑ بنا دیئے۔

(ایک روایت کے مطابق دو کواڑ کا دروازہ عبد اللہ بن زبیر نے بنوایا تھا) اور اس کی لمبائی زمین سے گیارہ ذراع تقریباً ۶ انچ ۱۶ فٹ تھی۔ جبکہ زمین سے چار ذراع تقریباً ۶ فٹ اونچا تھا۔ پھر جب عبد اللہ بن زبیر نے تعمیر کی تو دروازہ زمین کے برابر کر دیا۔ مگر اس کی لمبائی اتنی ہی رکھی، یعنی ۱۶ انچ ۱۶ فٹ۔ لیکن جب حجاج بن یوسف نے اسے تبدیل کیا تو اس کی بلندی پھر ۶ ذراع اور ایک بالشت (۱۱ انچ ۹ فٹ) کر دی۔

۱۹۴ھ میں خلیفہ امین محمد بن ہارون الرشید نے اپنے عامل سالم بن جراح کی طرف ۱۸ ہزار دینار بھیجے کہ ان سے کعبہ شریف کے دروازہ کے نقش و نگار میں اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ سونے کے قدیم منقش پتھروں کو اتار کر ان میں ۱۸ ہزار دینار کا اضافہ کیا۔ جس سے

دروازہ میں مزید دو بڑے دلکش حلقے بنائے اور نقش و نگار میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ یہ اضافہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے ۲۱۸ھ تک قائم رہا۔

۲۱۹ھ میں وزیر جمال الدین احمد بن علی بن ابی المنصور المعروف جواد نے کعبہ شریف کے لئے دروازہ بھیجا، جس پر چاندی سے نقش و نگار کر کے زر دوزی بھی کر دی گئی۔ بعد ازاں ملک المظفر صاحب یمن نے چاندی کا منقش دروازہ ارسال کیا، جس کا وزن ۳۰ سیر تھا۔ ۱۳ ذی القعدہ ۷۳۳ھ کو اسے اتار کر ملک ناصر محمد بن قلاؤون کا دروازہ نصب کر دیا گیا۔ جس پر پینتیس ہزار تین سو درہم چاندی سے نقش و نگار کیا گیا تھا۔ دروازہ کے نیچے ملک ناصر کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ۸۱۶ھ میں اس کی چاندی تبدیل کی گئی جس میں مزید ۱۹۲ درہم کا اضافہ کر کے نقش و نگار کیا گیا اور اس پر سونے کا پانی بھی چڑھایا گیا، اور اس میں ملک موید کا نام بھی لکھ دیا گیا۔

بعد میں اس کے پترے اکھاڑے جاتے رہے جس کی وجہ سے ۹۶۱ھ میں سلطان سلیمان خان نے احمد جلبی ناظر الحرم کو اس کی تجدید کا حکم دیا۔ اس نے باقی ماندہ پترے اتار کر چاندی کا اضافہ کر کے دوبارہ نصب کر دیا، لیکن تحصیل المرام میں ہے کہ ملک محمد بن قلاؤون کا دروازہ ۹۵۳ھ میں سلطان سلیمان خان کے حکم سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۵ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے امیر رضوان بیک نے سادہ لکڑی کا دروازہ لگایا جس پر صرف سفید سوتی پردہ پڑا ہوا تھا۔ تین چند یوم بعد امیر رضوان کے پاس شیخ حرم، گورنر مکہ اور کعبہ کا کلید بردار جمع ہوئے، اور باہمی مشورہ کے بعد پہلے دروازہ کی چاندی سے جس کا وزن ستر سیر تھا نئے دروازہ پر نقش و نگار کر دیا۔ اور سلطان مراد خان بن سلطان احمد خان کا نام بھی لکھ دیا گیا۔

۱۱۱۹ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے اس کی اصلاح اور مرمت کی گئی اور وہ دروازہ ۱۳۸۴ھ تک موجود رہا۔

(تاریخ الکعبہ عنوان باب عب)

سب سے پہلے خانہ کعبہ کا دروازہ بنانے کا شرف کس کو حاصل ہوا ہے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہیں۔ مورخین کے درج ذیل معتبر ترین اقوال ہیں:

1: انوش بن شیث بن آدم نے سب سے پہلے دروازہ بنایا۔ یہ دروازہ پتھروں کا بنا ہوا تھا۔

2: دوسرا قول یہ ہے کہ جرہم نے جب خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تو اس کے دو کواڑ اور ایک قفل بنایا۔

3: تیسرا قول یہ ہے کہ یمن کے سابقہ بادشاہوں میں سے ایک شخص تبع ثالث ہوا ہے، اس نے سب سے پہلے دروازہ بنانے کا شرف حاصل کیا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کی بعثت سے بہت دیر پہلے کی ہے۔ اس قول کو ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق مطلبی سے اور ازرقی نے تاریخ مکہ میں بیان کیا ہے۔ اس نے ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ تبع پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف کو غلاف سے آراستہ کیا اور قبیلہ جرہم کے گورنروں اور حاکموں کو اس کی وصیت کی۔ نیز حکم دیا کہ اسے پاک اور صاف رکھا جائے۔ پھر اور حاکموں کو اس کی وصیت کی۔ نیز حکم دیا کہ اسے پاک اور صاف رکھا جائے۔ پھر اس کا ایک دروازہ اور چابی تیار کی، لیکن ازرقی نے ابن جریج سے بیان کیا ہے کہ تبع سب سے پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کو مکمل غلاف سے آراستہ کیا اور اس کا ایک دروازہ بنایا جو بند کیا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے دروازہ کبھی بند نہیں کیا گیا۔ تبع نے اس کے متعلق کچھ اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

واقمنا به من الشهر عشرا وجعلنا لبابه اقليدا

''ہم نے مکہ معظمہ میں دس روز تک قیام کیا اور ہم نے خانہ کعبہ کے دروازے کی چابی بنائی۔''

4: اختلاف قریش کی تعمیر سے پہلے کا ہے۔ جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو دروازے کے دو کواڑ تھے۔ ابن فہد نے کہا ہے

کہ خانہ کعبہ کا دروازہ جو سیدنا ابن زبیر کی تعمیر سے پہلے تھا اس کے دو کواڑ تھے۔ اس کا طول زمین سے بلندی کی طرف گیارہ ہاتھ تھا۔

ابن جریج نے کہا کہ وہ دروازہ جسے سیدنا ابن زبیر نے بنایا تھا اس کا طول گیارہ ہاتھ تھا۔ جب حجاج کا دور دورہ ہوا تو اس نے ایک دروازہ بنایا، اس کا طول چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا۔ یہ اس لئے کہ حجاج نے سیدنا ابن زبیر کے بنے ہوئے دروازہ کو اونچا کر دیا۔ اس لئے دروازے کا طول کشادگی کے برابر ہو گیا۔

ابن فہد قرشی نے ۱۹۴ھ کے حوادث میں لکھا ہے کہ خلیفہ امین محمد بن ہارون رشید عباسی نے سالم بن جراح کو جو مکہ معظمہ کا گورنر تھا، بارہ ہزار دینار بھیجے تا کہ اس کی تختیاں بنا کر کعبہ شریف کے دروازے پر لگائی جائیں۔ چنانچہ سابقہ تختیوں کو اتار کر ان میں اٹھارہ ہزار دینار سونا کا مزید اضافہ کر کے تختیاں، کیل اور دروازہ کے دو کنڈے بنائے گئے۔ نیز چھت کے کنگروں اور دہلیز پر بھی سونا لگایا گیا۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے باب کعبہ کی تجدید و مرمت کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی ہیں:

''۵۵۰ھ میں جواد وزیر صاحب موصل نے دروازہ بھیجا، جسے ۵۵۱ھ میں نصب کیا گیا۔ وہ دروازہ سونے سے مرصع اور اس پر خلیفہ المقتفی عباسی کا نام کندہ تھا۔ پھر ۶۵۹ھ میں جب ملک مظفر صاحب یمن حج کو گیا تو اس کی نگارش میں سیم چاندی کا اضافہ کیا۔ بعد میں ملک ناصر محمد بن قلاوون نے ملک مظفر کا دروازہ اتار کر اپنا دروازہ نصب کرایا۔ جس پر ۳۵۳۰۰ درہم چاندی کے نقش و نگار کئے گئے تھے۔ ۷۶۱ھ میں ملک ناصر حسن نے ساگوان کا دروازہ لگایا۔ ۷۷۶ھ میں تیس ہزار درہم چاندی سیم اس پر نقش و نگار کرایا گیا۔ ۸۱۶ھ میں ملک موید نے دو ہزار درہم سونے سے زر نگاری کرائی اور ۸۱۷ھ میں زین الدین عثمانی نے بھی باب کعبہ اور میزاب رحمت پر سونا چڑھایا تھا۔ ۹۶۱ھ میں سلطان سلیمان خان نے اسے چاندی سے مرصع کرایا۔ ۹۶۴ھ میں پہلا لکڑی کا دروازہ نصب کیا گیا، جس میں سیاہ الماس کی تختیاں جو چاندی سے مرصع تھیں لگائی گئیں۔ مزید برآں ۱۲۰۰۰ اشرفیاں سونا بھی چڑھایا، ۱۰۴۵ھ میں سلطان مراد خان نے اس کی جگہ نیا دروازہ نصب کیا، جس پر ۸۳ سیر چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ پھر اس پر ایک ہزار دینار سونے کا پانی بھی چڑھایا گیا۔'' (مراۃ الحرمین)

۱۳۷۰ھ میں ملک عبد العزیز بن عبد الرحمن الفیصل آل سعود نے سونے اور چاندی سے مزین نیا دروازہ نصب کرایا جو ۱۳۶۳ھ میں مکہ معظمہ میں تیار کیا گیا تھا۔ بعد از اں ۱۳۹۹ھ میں شاہ فہد بن عبد العزیز نے نیا دروازہ نصب کرایا۔

قدیم زمانہ میں کعبہ شریف کا دروازہ مختلف اوقات میں کھولا جاتا تھا اور ہر خاص و عام کو اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

امام ابن سعد لکھتے ہیں:

''قریش دوشنبہ (سوموار) اور پنجشنبہ (جمعرات) کا باب کعبہ کھولتے تھے۔ دروازہ پر دربان بیٹھتا اور دروازہ کے سامنے سیڑھی لگی ہوتی تھی جب کسی نے اندر جانا ہوتا تو وہ جوتیاں اتار کر سیڑھی پر چڑھ کر کرسی تک پہنچتا، اگر دربان کی مرضی ہوتی تو اسے اندر جانے کی اجازت دے دیتا ورنہ دھکا دے کا نیچے گرا دیتا، جس سے کئی آدمی زخمی بھی ہو جاتے تھے۔''

(طبقات ابن سعد، جلد ا، صفحہ ۲۲۸)

علامہ ابن بطوطہ نے ۷۲۵ھ اپنے سفر نامہ میں دروازہ کھلنے کا ایمان افروز منظر اس طرح بیان کیا ہے:

''باب کریم ہر نماز جمعہ کے بعد اور ۱۲ ربیع الاول کو کھولا جاتا ہے۔ چار پہیوں والی لکڑی کی کرسی جو منبر کے مشابہ ہوتی ہے دروازہ کے ساتھ لگائی جاتی ہے، باب کعبہ کا پردہ جسے برقع یا ستارہ کعبہ کہا جاتا ہے، خدام اسے اوپر اٹھاتے ہیں اور خاندان

بنوشیبہ کا معمر ترین آدمی چابی لئے آتا ہے اور تالا کھول کر اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیتا ہے۔ خدام پردہ چھوڑ دیتے ہیں، وہ دو نفل پڑھنے تک اندر رہتا ہے، پھر اسی طرح اس خاندان کے دوسرے آدمی بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ ان کے فارغ ہو جانے کے بعد یہ آدمی اندر جا سکتا ہے۔ وہاں موجود لوگ دروازہ کھلنے کے انتظار میں نظریں نیچی کئے عاجزی اور انکساری سے کھڑے ہو کر خداوند قدوس میں دست بدعا رہتے ہیں، جب دروازہ کھل جاتا ہے تو پھر پروانہ وار اندر داخل ہونے کی تگ و دو کرتے ہیں۔" (سفرنامہ ابن بطوطہ: ۱۹۵)

۱۱ محرم عورتوں کے لئے، ۱۲ ربیع الاول صبح مردوں کے لئے اور دوسرے جمعہ کو عورتوں کے لئے۔ رجب کے تیسرے جمعہ کو صبح مردوں کیلئے شام عورتوں کے لئے۔ اسی طرح رمضان کا پہلا جمعہ مردوں کیلئے اور دوسرا جمعہ عورتوں کے لئے اور رمضان اور جمعۃ الوداع کو سلطان کی دعا کے لئے۔ ۱۵ ذیقعدہ مردوں کے لئے اور اس کے بعد عورتوں کے لئے۔ ۲۰ ذیقعدہ کو غسل کعبہ کیلئے اور ۲۸ ذیقعدہ کو احرام کعبہ کے لئے۔ ۲۰ ذی الحجہ کو غسل کعبہ کیلئے۔ علاوہ ازیں حج کے ایام میں کئی مرتبہ کھولا جاتا ہے۔

لیکن حجاج کی کثرت کے باعث اب یہ معمول نہیں رہا۔ البتہ ۔ ذی الحجہ کو غسل کعبہ کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس موقع پر سربراہ مملکت بھی تشریف لاتے ہیں اس لئے حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوتے ہیں۔ مخصوص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا آدمی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔

باب نمبر 4:

میزابِ رحمت

میزاب رحمت تاریخ کی نظر میں:

میزاب رحمت دیوار کے اوپر کے کنارے پر واقع ہے، یہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس کا پھیلاؤ ایک بالشت ہے اور تقریباً دو ہاتھ باہر نظر آ رہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کے نیچے پتھر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس پر ایک مستطیل سبز رنگ کا سنگ مرمر کا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس کی شکل محراب کی ہے۔ اس کے نزدیک ایک اور سنگ مرمر کا پتھر ہے جو سبز رنگ کا ہے، اس کی شکل مستدیر ہے۔ ان دونوں کا پھیلاؤ ۱۱/۲ بالشت ہے۔ یہ دونوں عجیب و غریب شکل کے ہیں۔ ان کا منظر نہایت دلکش اور دلفریب ہے اور اس کے پاس ہی رکن عراقی سے متصل آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کی قبر ہے، اس کی نشانی سبز مستدیر شکل کا سنگ مرمر ہے۔ اس کا پھیلاؤ ۱۱/۲ بالشت ہے۔ دونوں قبروں کے درمیان سات بالشت کا فاصلہ ہے۔

میزاب کے نیچے دعا:

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ جو آدمی میزاب رحمت کے نیچے کھڑا ہو کر دعا کرتا ہے تو اس کی دعا منظور ہوتی ہے اور گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے پیدائش کے وقت تھا۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۱۸)

نیک لوگوں کا مصلیٰ:

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا:

"نیک لوگوں کے مصلیٰ پر نماز پڑھو اور نیک لوگوں کا پینا پیو۔"

حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا:

''نیک لوگوں کا مصلّٰی کہاں ہے؟''

جواب دیا:

''میزاب کے نیچے۔''

پھر سوال کیا گیا:

''نیک لوگوں کا پینا کیا ہے؟''

جواب دیا: زمزم کا پانی ۔(اخبار مکہ، جلد اول:۳۱۸)

قریش مکہ اور میزاب رحمت:

سب سے پہلے قریش نے کعبہ شریف کا میزاب رحمت (پت نالہ) بنایا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی تھی۔ نیز اس وقت خانہ کعبہ بغیر چھت کے تھا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ بن زبیر نے اسے تعمیر کیا تو اس کا پت نالہ بنایا اور اس کے بہنے کی جگہ حجر اسماعیل بنائی۔ قریش نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

حجاج بن یوسف اور میزاب رحمت کی تنصیب:

پھر حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو جو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا، کم کر کے قریش کی بنیادوں کے مطابق کر دیا اور اس کے شمالی جانب ایک پت نالہ لگایا۔ اس کا بہاؤ حجر اسماعیل پر بنایا جس طرح پہلے تھا۔

قرشی نے کہا ہے کہ یہ مکہ کے گورنر شریف رمیثہ نے بنایا تھا۔

میزاب رحمت کی پیمائش اور سونے سے مزین ہونا:

علامہ ازرقی نے میزاب رحمت کا طول چار ہاتھ اور اس کی وسعت آٹھ انگشت بیان کی ہے۔ اس کے نیچے اور اوپر سونا لگا ہوا تھا۔ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے میزاب رحمت کو سونا لگا کر مزین کیا۔

دار الفوائد میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے میزاب رحمت کو سونے سے آراستہ کیا۔ اس سے مراد وہ پت نالہ ہے جسے رامشت نے بنایا تھا اور اسے اس کا خادم مثقال ۵۳۹ء میں لے کر آیا تھا۔

میزاب کی مرمت و تبدیلی:

نجم الدین ابن فہد نے ۷۳ھ کے حوادث میں بیان کیا ہے کہ ابوالقاسم ابراہیم جو رامشت بن حسین فارسی صاحب رباط کے نام سے مشہور تھا وہ اور اس کا خادم مثقال مکہ معظمہ میں آئے تو ان کے پاس ایک پت نالہ تھا۔ یہ اس کے مالک رامشت کا بنایا ہوا تھا۔ ۵۳۹ھ میں اسے خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ میزاب کعبہ شریف میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ اس کے دو اسباب تھے۔ ایک سبب تو یہ تھا کہ جب اس میں کوئی نقص واقع ہوتا تھا تو اسے دوسرا آدمی فوراً درست کرتا تھا۔

دوسرا یہ کہ بعض مسلمان بادشاہ اور امراء لوگ خانہ کعبہ کے لئے نیا پت نالہ بنوا کر تحفتاً بھیجتے تھے۔ اسے خانہ کعبہ کی چھت پر نصب کیا جاتا اور سابقہ پت نالہ کو اتار لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس میزاب کا حال ہے جو امیر المومنین مکتفی عباسی نے بنایا تھا اور اسے کعبہ شریف پر نصب کیا گیا اور سابقہ میزاب کو اتارا گیا جو رامشت نے لگایا تھا۔ یہ ۵۴۱ھ یا اس کے بعد کا واقعہ ہے۔

لکڑی کا میزاب رحمت:

اسی طرح تقی فاسی اور نجم الدین بن فہد نے ذکر کیا ہے کہ وہ میزاب جسے ناصر عباسی نے بنایا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اور وہ لکڑی کا تھا۔ اس کے اوپر جہاں سے پانی گزرتا تھا سکہ بھرا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ چاندی کا ملمع کیا ہوا ہے، ابن فہد نے ذکر کیا ہے کہ امیر سوڈاں باشانے جو میزاب بنایا تھا وہ اس زمانہ کا تھا جب ۸۱ے ھ ماہ محرم میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی گئی تھی۔

سلطان سلیمان اور میزاب رحمت کی تنصیب:

یہ پت نالہ ۹۵۹ھ میں اکھاڑا گیا اور اس جیسا ایک اور پت نالہ بنایا گیا جس پر سونے اور چاندی کا ملمع کیا ہوا تھا، یہ سلطان سلیمان نے بنایا تھا اور حج کے ایام میں سن مذکور میں کعبہ شریف پر نصب کیا تھا۔ سابقہ پت نالہ اکھاڑ کر روم لے جانے کا حکم دے دیا، لیکن بنوشیبہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے تعرض کیا اور جدہ کی بندرگاہ پر اسے روک لیا اور اس کے وزن کے برابر چاندی دے دی۔ جدہ کے نائب اور مکہ کے قاضی کے تخمینہ کے مطابق دو ہزار آٹھ سو درہم چاندی تھی۔

سلطان احمد اور تنصیب میزاب:

ایک میزاب سلطان احمد خاں نے بھی بنوایا تھا۔ طبری مکی ''تاریخ ارج مسکی'' مخطوط میں لکھا ہے کہ ۱۰۲۰ سن آغاز معمار شاہی دروازہ سے گزرا، اس کے پاس کعبہ شریف کا میزاب تھا اور چاندی کی پٹی تھی جو سونے سے ملمع کی ہوئی تھی۔ اس سے بیت اللہ شریف کو باندھا گیا تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ سلطان کی غفلت سے حرم شریف میں سیلاب داخل ہوا اور اس سے کعبہ شریف کی دیواریں پھٹ گئیں۔

کعبہ میں ایک سونے کی تختی تھی جو دروازے کے سامنے لگائی گئی۔ اس پر لکھا ہوا تھا:

((ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا))

اور کچھ سونے سے ملمع کی ہوئی تختیاں جو منبر کے اوپر والے حصے کے لئے لائی گئیں تھیں۔

ایک میزاب وہ ہے جسے سلطان احمد خاں نے ۱۰۹۱ھ میں بنوایا۔ اس کے متعلق شاذروان کے سفید پتھر پر جو دروازہ کے دائیں جانب ہے لکھا ہے:

((امر بتجديد سقف الكعبة وميزاب الرحمة السطان احمد خان فى سنة الف واحدى و تسعين))

''سلطان احمد خاں کے حکم سے ۱۰۹۱ھ میں کعبہ شریف کی چھت اور میزاب رحمت کی تجدید کی گئی۔''

سلطان عبدالمجید اور میزاب کی تنصیب:

سفید پتھر پر جس میزاب کا ذکر ہے وہ ۱۰۲۱ھ میں بنا ہے اور ۱۰۹۱ھ کا نہیں ہے۔ ایک میزاب وہ ہے جسے سلطان عبدالمجید خاں بن سلطان محمود خاں نے قسطنطنیہ میں بنایا تھا اور پھر حاجیوں کے ہمراہ اسے رضا باشا لایا۔ یہ ۱۲۷۶ھ میں خانہ کعبہ پر نصب کیا گیا۔ اس وقت مکہ کا گورنر عبداللہ بن محمد بن عون تھا۔

موجودہ میزاب رحمت:

اس کے ایک ہی سال بعد سابقہ میزاب اکھاڑا گیا اور بلند دروازوں کی طرف اٹھایا گیا۔ میزاب جدید پر تقریباً پچاس رطل سونا

ہوا ہے۔ دورِ حاضر کا میزاب یہی ہے کیونکہ ہمیں تاریخ نے اس کے متعلق کوئی خبر نہیں دی کہ اس کے بعد بھی کوئی میزاب لگایا گیا ہو۔ یہ میزاب بھی سلطان عبدالمجید کی جانب سے نصب کیا گیا تھا۔

صاحب تاریخ مکہ جدید کی تحقیق:

تاریخ مکہ جدید میں ہے:

''ابتداء میں پرنالہ لکڑی یا پتھر کا ہوتا تھا، پھر ولید بن عبدالملک نے لکڑی پر سونا چڑھایا، امیر مکہ مریشہ نے جو میزاب کعبہ شریف کی نذر کیا تھا، وہ تقریباً ۶ فٹ یعنی ایک میٹر ۸۳ سینٹی میٹر لمبا، ۱۵ سینٹی میٹر چوڑا اور اتنا ہی اونچا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد خلافت میں میزاب کے باہر اور اندر سونا چڑھایا۔ ۵۳۹ھ میں ابوالقاسم ابراہیم المعروف رامشت بن الحسین الفارسی کی جانب سے اس کے خادم مثقال نامی نے نیا میزاب نصب کیا۔ ۵۴۱ھ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد رامشت کا میزاب تبدیل کر کے خلیفہ المکتفی باللہ کا میزاب لگایا گیا۔ اسی طرح الناصر العباسی نے ایک لکڑی کا میزاب تیار کرایا، جس کے اندر پانی کی گزرگاہ پر قلعی اور باہر کے حصے پر چاندی چڑھی ہوئی تھی اور اس پر خلیفہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ۷۸۱ھ میں امیر سدون پاشا نے میزاب کی مرمت کرائی، پھر اسے ۹۵۹ھ میں تبدیل کر کے سلطان سلیمان نے چاندی سے مرصع ایک نیا میزاب بنوایا، جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور پرانا میزاب روم کے خزانہ میں بھیج دیا گیا۔ سلطان کا یہ طرز عمل بنوشیبہ کو ناگوار گزرا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ سلطان نے ان کی دلداری کی خاطر جدہ کی بندرگاہ سے اس کے عوض انہیں چاندی دینے کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ نائب جدہ اور قاضی مکہ نے پرنالہ کے وزن کے مطابق ۲۸۰۰ درہم چاندی بنوشیبہ کو ادا کی۔ ۱۰۲۰ھ میں سلطان احمد خان نے حسن آغا المعمار کے ہاتھ چاندی کا ایک عالیشان میزاب بھیجا۔ سلطان احمد خان نے بیت اللہ شریف کی چھت اور میزاب رحمت کی تجدید کا فرمان ۱۰۹۱ء میں جاری فرمایا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ نقل کرنے میں خطا واقع ہوئی، بلکہ اصل عبارت ۱۰۲۱ھ ہونی چاہیے۔ بہر حال اس کے بعد سلطان عبدالمجید خان بن سلطان محمود خان نے قسطنطنیہ میں سونے کا میزاب بنوایا اور ۱۲۷۶ھ میں رضا پاشا کے ہاتھ بھیج کر کعبہ شریف کی زینت بنایا۔ اس زمانہ میں مکہ شریف کا امیر شریف عبداللہ بن محمد بن عون تھا۔ پہلا میزاب اتار کر نئے میزاب کو زینت بخشی گئی، جس پر تخمیناً ۵۰ رطل سونا صرف ہوا تھا جو آج تک جلوہ نما اور رونق افروز ہے۔''

جدید میزاب کی پیمائش اور تحریر شدہ عبارات:

علامہ طاہر کردی نے میزاب رحمت کی پیمائش حسب ذیل بیان کی ہے:

طول ۲۵۸ سینٹی میٹر۔

عرض اندر سے ۲۶ سینٹی میٹر۔

اونچائی ۵۸ سینٹی میٹر۔

کعبہ شریف کی دیوار میں میزاب کے اوپر ایک بڑا وزنی پتھر نصب ہے، جس کا

طول امیٹر ۲۰ سینٹی میٹر۔

عرض نصف میٹر ہے۔

میزاب کا اگلا حصہ زبان کی مانند ہے، جو نیچے لٹکا ہوا اور متحرک بھی ہے۔ اسے ''لسان'' اور ''برقع'' بھی کہتے ہیں۔ اس حصہ پر بسم

اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے نیچے یا اللہ لکھا ہوا ہے۔میزاب پر دائیں جانب یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((جدد هذا الميزاب ....عبد المجيد خان بن السلطان الغازی))

بائیں جانب یہ عبارت ہے:

((محمود خان بن السلطان عبد المحميد خان .... سنة ۱۰۲۱ھ اللهم رب هذا......))

میزاب کے نچلے حصہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((البيت الحرام، ايدبقاء ....ومائتين والف هجره))

میزاب کی اصلاح کی ضرورت تو پیش نہیں آتی، البتہ اس کے کنارہ پر چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہیں، تاکہ کبوتر میزاب پر نہ بیٹھیں۔ جب وہ پرانی اور کمزور ہو جاتی ہیں تو انہیں تبدیل کیا جاتا ہے۔اسی طرح میزاب کے اندر جو لکڑی لگی ہوئی ہے اس کے بوسیدہ ہو جانے پر اسے بھی تبدیل کیا جاتا ہے، لیکن میزاب اس قدر مضبوط اور عمدہ بنا ہوا ہے کہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ سعودی حکومت نے میزاب کی کیلوں اور لکڑی کی تجدید کا کام ۹ شعبان ۱۳۷۷ھ کو کرایا تھا۔

باب نمبر5:

ملتزم

باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان چھ فٹ کا حصہ جسے ملتزم کہا جاتا ہے یعنی چمٹنے کی جگہ۔

((سمي بذالك لا لتز امه بالدعاء والتعوذ))

''دعا اور تعوذ کے التزام ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس نے اس مقام پر کھڑے ہو کر اپنا سینہ اور رخسار دیوار سے چمٹائے، دونوں بازو اور ہاتھ دیوار پر پھیلا دیئے اور کہنے لگے: میں نے اسی طرح اپنے آقا اور مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا۔(ابوداؤد:۱۸۹)(ابن ماجہ:۲۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اس جگہ جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے، چنانچہ انہوں نے تجربہ کیا تو صحیح ثابت ہوا۔

سیدنا آدم نے بھی طواف سے فارغ ہو کر اس جگہ دعا مانگی تھی۔

زائر آب زمزم پینے کے بعد ملتزم پر آئے، تکبیر و تہلیل اور حمد باری تعالیٰ کرتے اور درود پڑھتے ہوئے ملتزم سے چمٹ جائے۔اپنے رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگائے۔غلاف پکڑ کر ہاتھ پھیلا کر اسی غفور الرحیم سے دعا مانگے۔حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا۔دعا کی قبولیت کے مخصوص مقامات میں ملتزم بھی ہے۔زائرین کے تجربات اس کے شاہد ہیں۔

زائر طواف کے سات چکر پورے کر لینے کے بعد پہلے ملتزم پر آئے پھر طواف کے نفل ادا کرے، بعد ازاں آب زمزم پیئے اور پھر حجر اسود پر آکر اس کا استلام سعی کیلئے کرے اور یہ طریقہ زیادہ آسان اور افضل بھی ہے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اگر رش کی وجہ سے ملتزم تک جانا یا وہاں کھڑا ہونا دشوار ہو تو اس کے برابر میں دور کھڑے ہو کر دعا کر لیں، کیونکہ یہ کوئی فرض یا واجب چیز نہیں ہے، جب کہ رش کی حالت میں وہاں کھڑا ہونا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی سخت اذیت

کا موجب ہوتا ہے، خصوصاً عورتوں کو ایسی حالت میں اس سے اجتناب فرض ہوگا۔

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کا قول ہے کہ جس آدمی نے ملتزم کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرح وہ پیدائش والے دن گناہوں سے پاک تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ رب العزت کی قسم ہے کہ میں نے جب کبھی ملتزم کے پاس دعا کی وہ ضرور قبول ہوئی۔''

باب نمبر 6:

غلافِ کعبہ

فصل نمبر 1:

تاریخ غلاف کعبۃ اللہ

قیمتی چیزوں کا غلاف:

کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کسی انسان کو کوئی قیمتی اور نفیس چیز مل جائے تو وہ اسے سات پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے اور اسے ہوا تک نہیں لگنے دیتا، یہی وجہ ہے کہ تبرکات اور خوشنما چیزوں کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کیلئے صندوق اور مختلف قسم کے غلاف بنائے جاتے ہیں۔ بیت اللہ شریف جو بے حد واجب التعظیم، عبادت گاہ اور نادر الوجود متبرک عمارت ہے اسے خارجی اثرات، ہوا، مٹی، پانی اور دھوپ وغیرہ سے محفوظ رکھنے اور ظاہری زیب و زینت کی غرض سے غلاف پہنایا جاتا ہے۔

کعبہ کو سب سے پہلے غلاف پہنانے والے:

مورخین مختلف الاراء ہیں کہ سب سے پہلے غلاف چڑھانے کی سعادت کسے نصیب ہوئی، اکثر روایات میں تین نام سرفہرست آتے ہیں:

سیدنا اسماعیل۔

عدنان۔

شاہ تبع اسعد الحمیری۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''ابن جریج سے روایت ہے کہ سب سے پہلے شاہ تبع حمیری نے غلاف چڑھایا تھا، جب کہ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ عدنان پہلا آدمی ہے جس نے غلاف چڑھانے کی طرح ڈالی تھی، لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ سیدنا اسماعیل نے پہلے غلاف چڑھایا تھا۔ ان روایات میں اس طرح تطبیق دی جاتی ہے کہ اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ سیدنا اسماعیل نے غلاف چڑھایا تھا تو ممکن ہے بعد میں یہ طریقہ متروک ہوگیا ہو، پھر عدنان نے اس طریقہ کو جاری کر دیا، بعد میں صدیوں یہ عمل بند رہا۔ بالآخر شاہ تبع نے اسے پھر جاری کر دیا (جو اب تک جاری ہے)۔'' (فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۶۰)

امام ازرقی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ تبع نے یمن میں خواب دیکھا کہ وہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک

غلاف تیار کرایا اور کعبہ پر چڑھانے کیلئے مکہ معظمہ روانہ ہوگیا۔ جب وہ مکہ شریف پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے نہ تو اس کا استقبال کیا اور نہ ہی خوش آمدید کہا۔

وہ دل میں کہنے لگا کہ ان کا یہ غرور کعبہ شریف کی وجہ سے ہے، کیوں نہ کعبہ کو مسمار کر کے ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا جائے۔ لیکن خالق ہے وہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ معالجین علاج سے عاجز آ گئے۔ بالآخر اس کی جماعت میں ایک اہل کتاب عالم نے اسے کہا کہ اس بیماری کی اصل سبب تیرا وہ ناپاک ارادہ ہے۔ لہٰذا تو اس سے توبہ کرتا کہ تیری جان بچے۔ بادشاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے صدق دل سے توبہ کی تو رب کعبہ نے شفاء عنایت فرما دی۔ اس کے بعد اس نے غلاف چڑھایا۔

امام ازرقی اس سلسلہ کی ایک اور روایت اس طرح بیان کرتے ہیں: زمانہ جاہلیت میں جب شاہ تبع مکہ مکرمہ آیا تو وہاں چھ دن قیام کیا اور بڑی فیاضی سے اہل مکہ کی دعوت کرتا رہا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے خواب کے مطابق (موٹا کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ اس نے دوبارہ خواب دیکھا کہ اس سے عمدہ قسم کا غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے معافیر کا غلاف چڑھایا۔ تیسری مرتبہ اسے خواب میں کہا گیا کہ اس سے بھی قیمتی اور اچھا غلاف چڑھاؤ۔ اس پر الملاء اور الوصائل (یمن کا دھاری دار کپڑا) کا غلاف چڑھایا۔ (اخبار مکہ: ۱۷۳)

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسعد حمیری یعنی شاہ تبع کو برا نہ کہو، اسی نے سب سے پہلے کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا تھا۔

امام سہیلی کے بیان کے مطابق شاہ تبع ظہور اسلام سے سات سو سال پہلے مکہ معظمہ میں آیا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں غلاف کعبہ:

زمانہ جاہلیت میں کعبہ شریف پر جہاں مختلف اقسام کے غلاف چڑھائے جاتے تھے، وہاں بعض اوقات کئی دوسری چیزیں بھی بطور غلاف کے لٹکا دی جاتی تھیں۔ امام ازرقی لکھتے ہیں:

''کعبہ شریف کو مختلف قسم کے کپڑوں کا لباس پہنانے کے علاوہ قربانی کے جانوروں پر ڈالے جانے والے کمبل، چادریں، یمنی کپڑے کی جھالریں اور ریشمی و اونی چادریں بھی ہدیہ بھیجی جاتی تھیں، جنہیں کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ جو بچ جاتیں انہیں کعبہ شریف کے خزانہ میں جمع کر دیا جاتا۔ جب غلاف کعبہ پرانا ہو جاتا یا کہیں سے پھٹ جاتا تو اس جگہ پیوند لگا دیتے۔ مگر پھٹی پرانی چیزوں کو کعبہ شریف سے جدا نہیں کرتے تھے۔ قریش مکہ سبز اور زرد خز (ایک قیمتی ریشمی کپڑا) شقاق (باریک قسم کا کپڑا) اور نماط (ایک قسم کا اونی کپڑا جو ہودج پر ڈالا جاتا تھا) یمن کی دھاری دار چادر جنہیں جرأت کہتے تھے۔ نمارق العراقیہ (جو کمبل کی قسم کا کپڑا تھا) اور چمڑے کا غلاف بھی چڑھایا کرتے تھے۔ یہ سب کپڑے موٹے اور مضبوط ہوتے تھے۔''

مقریزی نے لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں چمڑے اور ٹاٹ کے غلاف بھی چڑھائے گئے ہیں، اس زمانہ کے لوگ چمڑے اور ٹاٹ کا لباس بھی پہنتے تھے۔

اسی طرح قربانی کے جانوروں کی جھولیں بطور نذرانہ کعبہ شریف کے ساتھ لٹکائی جاتی تھیں، جیسا کہ عمرو بن الحکم سلمی کی والدہ نے ایک مرتبہ کعبہ شریف کے قریب اونٹ کی قربانی دینے کی نذر مانی۔ چنانچہ اونٹ کو بھیڑ اور اونٹ کے بالوں سے تیار شدہ دو چادریں ڈال کر سجایا اور کعبہ شریف کے قریب لے جا کر ذبح کیا۔ پھر دونوں چادریں کعبہ شریف پر لٹکا دیں۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے، عمرو بن الحکم کا کہنا ہے کہ میں نے کعبہ شریف پر مختلف قسم کے کپڑے، چمڑے کے ٹکڑے اور اونی غلاف دیکھا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خالد بن جعفر بن کلاب نے دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔

نتیلہ بنت حبان والدہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے بھی ایک مرتبہ دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ سیدنا عباس بچپن میں کہیں گم ہو گئے تھے، جس پر ان کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر بچہ زندہ وسلامت مل گیا تو کعبہ شریف پر دیباج کا غلاف چڑھاؤں گی، چنانچہ بچہ مل جانے پر انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔

غلاف چڑھانے کا طریقہ قریش کے زمانہ تک اسی طرح جاری رہا، جو ریشم، چمڑا اور عراقی نمارق وغیرہ متفرق پردوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلا غلاف اتارے بغیر نیا غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔

قصی بن کلاب نے اپنے عہد حکومت میں غلاف کے اخراجات مختلف قبائل پر تقسیم کر دیئے تھے جو نہایت قیمتی کپڑوں مثلاً دیباج اور مخمل وغیرہ کے غلاف تیار کرتے اور اس کے اندر، باہر عمدہ قسم کی خوشبوئیں لگاتے تھے۔ یہ سلسلہ ابو ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے دور تک قائم رہا، پھر جب ابو ربیعہ کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا اور وہ امیر کبیر بن گیا، تو ایک سال غلاف کے تمام اخراجات خود ادا کرتا، اور ایک سال قریش کے تمام قبائل مل کر بنواتے تھے۔ اس نیک کام میں قریش کے ساتھ برابری اور وسعت کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے قریش نے ابو ربیعہ کو عدل اور اس کی اولاد کو بنو عدل کا خطاب دیا، ابو ربیعہ نے یہ طرز عمل تا حیات جاری رکھا۔

غلاف کعبہ کی تاریخی حیثیت:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ دیباج کا غلاف کعبہ شریف پر سب سے پہلے کس نے چڑھایا؟ اس میں چھ اقوال پائے جاتے ہیں:

۱۔ خالد بن جعفر بن کلاب۔
۲۔ نتیلہ بنت حبان جو سیدنا عباس کی والدہ تھیں۔
۳۔ سیدنا معاویہ۔
۴۔ یزید بن معاویہ۔
۵۔ سیدنا ابن زبیر۔
۶۔ حجاج بن یوسف۔

ان اقوال میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ خالد اور نتیلہ نے تو صرف غلاف کا کچھ حصہ دیباج کا ڈالا تھا اور سیدنا معاویہ نے ممکن ہے کہ خلافت کے آخری ایام میں دیباج کا غلاف چڑھایا ہو اور وہی یزید کی طرف منسوب ہو گیا ہو اور سیدنا ابن زبیر نے کعبہ شریف کی تعمیر نو کے بعد دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ اس اعتبار سے وہ سب سے پہلے دیباج کا غلاف چڑھانے والے قرار پائے، لیکن ان کے غلاف کو دوام نصیب نہ ہوا اور عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج نے دیباج کا غلاف چڑھایا اور اسے دوام نصیب ہوا، تو اس اعتبار سے وہ پہلے شخص قرار پائے جنہوں نے دیباج کا غلاف چڑھایا۔ (فتح الباری، جلد ۳، عنوان کسوۃ الکعبہ)

امام ازرقی فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین پہلے شخص ہیں جنہوں نے سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھانے کی طرح ڈالی تھی۔ امام فاکہی فرماتے ہیں کہ سفید دیباج کا غلاف سب سے پہلے مامون الرشید نے چڑھایا تھا۔ (تاریخ الکعبہ: ۱۳۷ تا ۲۳۹)

☆ کعبہ انور کی عظمت کے پیش نظر حضور سید عالم ﷺ کی بعثت سے قبل بھی غلاف چڑھایا جاتا تھا۔
☆ غلاف کعبہ کی مبارک رسم کا آغاز سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ (تاریخ مکہ، صفحہ ۱۴۴، جلد ۲)
☆ علامہ ازرقی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف تبع اول نے چڑھایا۔
☆ علامہ ازرقی علیہ الرحمۃ نے اخبار مکہ میں اسی عنوان کے تحت تبع کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔
☆ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دور جاہلیت میں خالد بن جعفر بن کلاب نے غلاف پہنایا۔
☆ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے بھی کعبہ شریف کو غلاف پہنایا۔

☆ قصی بن کلاب نے اپنے دور میں غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کے اخراجات قبائل پر تقسیم کئے۔
☆ حضور سید عالم ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا۔
☆ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کعبہ پر قباطی کا غلاف چڑھایا۔
☆ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے تھے۔
☆ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھایا۔
☆ پرانے غلاف کو دفن کر دیا جاتا تھا۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
''دفن کر دینے سے بہتر ہے کہ اسے فروخت کر کے اس کی رقم عرب میں تقسیم کر دی جائے۔'' (تاریخ مکہ، صفحہ ۱۵۰، جلد ۲)
☆ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر سال قربانی کے جانوروں پر عمدہ کپڑا ڈال کر انہیں ذبح کرتے پھر یہی کپڑے کعبہ میں لٹکا دیتے۔
☆ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے، ایک مرتبہ محرم شریف کو دوسری مرتبہ ۲۹ رمضان المبارک۔ آپ کعبہ شریف کو انتہائی بہترین خوشبو لگاتے۔ (اخبار مکہ، باب کسوۃ الکعبہ)
☆ مصر میں غلاف تیار ہونے کا آغاز سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔
☆ یزید بن معاویہ نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا۔
☆ خلیفہ ہارون الرشید کے چڑھائے گئے غلاف کو امام فاکہی نے دیکھا تھا جس پر یہ لکھا تھا:
''بندہ خدا امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کو اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس کی عزت کو دوبالا کرے۔''
☆ ۱۹۰ھ میں فضیل بن ربیع نے تیونس سے تیار کرایا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا۔
☆ ۱۹۷ھ فضل بن سہل اور طاہر حسین نے غلاف چڑھایا۔
☆ ۳۰۱ھ حاکم بامر اللہ نے سفید قباطی کا غلاف چڑھایا۔
☆ ۴۲۳ھ میں الظاہر اعزاز اللہ نے غلاف چڑھایا۔
☆ ۴۳۷ھ سے ۴۴۲ھ تک ناصری خسرو نے غلاف چڑھایا۔
☆ ۴۵۵ھ میں ابی نصر نے غلاف چڑھایا۔
☆ ۴۶۶ھ میں الصلیحی نے غلاف چڑھایا۔
☆ ۵۳۲ھ میں تاجر ابوالقاسم رامشت نے غلاف پیش کیا۔
☆ احمد ناصر الدین عباسی اپنے دور خلافت ۵۷۵ھ سے ۵۹۲ھ تک ہر سال غلاف چڑھاتا رہا۔
☆ خلیفہ مامون الرشید نے اپنے ۲۰ سالہ دور خلافت میں ہر سال تین مرتبہ غلاف چڑھایا۔
☆ فاطمی خلفاء حاکم العبیدی، خلیفہ حفیدہ المستنصر، خلیفہ الصلیحی، خلیفہ ابوالنصر ہمیشہ سفید غلاف چڑھاتے۔
☆ خلیفہ ابوالنصر نے ہندوستان کا تیار شدہ سفید غلاف چڑھایا۔
☆ ۴۶۶ھ میں سلطان سبکتگین نے زرد رنگ کا غلاف چڑھایا۔
☆ ناصر عباسی نے سبز غلاف چڑھایا۔
☆ ۶۴۳ھ سے اب تک سیاہ غلاف چڑھایا جا رہا ہے۔

☆ خلیفہ جعفر متوکل علی اللہ کے دور میں ہر تین ماہ بعد نیا غلاف چڑھایا جاتا۔

☆ ۶۴۳ھ میں منصور بن ربیعہ البغدادی نے سیاہ رنگ کا غلاف پہنایا۔

☆ ۶۶۱ھ میں سلطان الظاہر بیبرس نے غلاف پیش کیا۔

☆ ۷۵۰ھ میں الناصر محمد بن قلادون نے غلاف کے لیے ایک گاؤں خرید کر وقف کر دیا۔ منقول ہے کہ تین گاؤں لبوس، سندبیس اور ابی الغیط خرید کر وقف کیے تھے جن کی سالانہ آمدنی ۸۹۰۰۰ درہم تھی جو اس کام پر خرچ ہوتی۔

☆ ۸۰۰ھ میں فرج بن برقوق نے غلاف پیش کیا جو سنہری کڑھائی سے مزین تھا۔

☆ ۸۱۹ھ سے ۸۲۴ھ تک سفید غلاف چڑھایا جاتا رہا۔

☆ ۸۲۵ھ میں پھر سیاہ غلاف پہنایا گیا۔

☆ ۸۲۶ھ میں ملک اشرف برسبائی نے غلاف چڑھایا۔

☆ ۸۶۰ھ میں ملک جقمق نے غلاف چڑھایا۔

☆ ۸۶۵ھ میں ملک ناصر ابا سعید نے غلاف چڑھایا۔

☆ ۸۷۸ھ میں مصر سے آنے والے حجاج نے غلاف چڑھایا۔

☆ ۹۲۲ھ میں سلطان قانصوالغوری نے غلاف چڑھایا۔

☆ حجاز پر سلطنت عثمانیہ کے آغاز ۹۲۲ھ سے ۱۲۲۱ھ تک غلاف مصر سے بن کر جاتا رہا۔ اسی دوران مصر نے غلاف بھیجنا بند کر دیا۔ سلطنت عثمانیہ کے ختم ہونے پر مصر نے پھر غلاف بھیجنا شروع کر دیا۔

☆ ۱۳۴۱ھ میں شریف مکہ اور اہل مصر کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تو غلاف واپس کر دیا گیا۔

☆ ۱۳۴۲ھ میں حسین بن علی نے عراق سے تیار کرایا۔ غلاف ''القیلان'' سے منگوالیا کہ اگر مصر سے غلاف نہ آیا تو چڑھا دیا جائے گا، مگر اہل مصر نے بروقت بھیج دیا اور عراق کا غلاف محفوظ کر لیا گیا۔

☆ ۱۳۴۶ھ سے غلاف کعبہ شریف کے لیے باقاعدہ طور پر مکہ مکرمہ میں ہی انتظام کر لیا گیا ہے۔ غلاف بنانے والا ادارہ پورا سال مصروف عمل رہتا ہے۔ مجھے اس ادارہ کو دیکھنے کی سعادت ملی ہے۔

☆ غلاف شریف کے لئے ریشم حاصل کرنے سعودی نمائندہ ہندوستان پہنچا، کشمیر کا دورہ کیا، ریشم پسند نہ آیا تو بمبئی، بنارس سے جائزہ لیا۔ آٹھ سو افراد کا انتخاب کیا، مشہور کاریگروں میں صبغۃ اللہ، صفی اللہ، مسیح اللہ سرفہرست ہیں۔

از مترجم: غلاف کعبہ تیار کرنے کی سعادت ایک مرتبہ پاکستان کے حصہ میں آئی ۱۹۶۳ء میں ناصر و سعود کشمکش ذرا شدت اختیار کر گئی، سعودی حکومت مصر سے غلاف لینے اور مصر نے غلاف بنا کر دینے سے معذرت کر دی۔ اس کشمکش سے پاکستان کو سنہری موقعہ ملا۔ سعودی حکومت سے دوسرے اسلامی ممالک نے بھی خواہش کی کہ غلاف کعبہ بنانے کا اعزاز انہیں دیا جائے، مگر ایں سعادت بزور بازو نیست۔ غلاف شریف لاہور کی ایک فرم نے تیار کیا جس میں خاص خیال کیا گیا کہ کوئی کاریگر بے وضو نہ ہو۔ غلاف شریف مکمل ہو جانے پر ہر پاکستانی بے حد مسرور تھا۔ پاکستانی مسلمان جذبات وعقیدت کے لحاظ سے پوری دنیا میں اپنی مثل نہیں رکھتے حکومت سے عوامی تقاضہ شروع ہو گیا کہ غلاف کعبہ کی زیارت کروائی جائے۔ چنانچہ سپیشل ٹرین کا اہتمام کیا گیا، غلاف کعبہ بنانے کے انتظامات جماعت اسلامی کے ذمے تھے اور جماعت مذکور نے اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور جماعتی فروغ چاہا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ شاید یہی عدم خلوص تھا کہ یہ غلاف

چڑھایا نہ جاسکا۔ گاڑی کے بارے میں اخبارات میں اعلان ہو جاتا کہ کس وقت کہاں رکے گی، لوگوں کے ریکارڈ توڑ ہجوم ہوتے، مرد، خواتین، بچے جوان بوڑھے سبھی گھنٹوں انتظار میں رہتے کہ غلاف کعبہ کی زیارت کرنا ہے، جونہی دور سے گاڑی نظر آتی مجمع کی آنکھیں بھیگ جاتیں، آہ وبکا کا عالم دیدنی ہوتا، لوگ دعاؤں میں مصروف ہو جاتے۔ گاڑی چلنے میں گھنٹوں تاخیر ہو جاتی، ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ ڈبے کے اندر جا کر غلاف کعبہ کو ایک نظر دیکھ سکے، جسے زیارت ہو جاتی خوشی سے پھولے نہ سماتا، جو بھیڑ کے باعث محروم رہ جاتا وہ خون کے آنسو روتا، گاڑی کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے تک لوگ اسٹیشن چھوڑ کر جانا بے ادبی سمجھتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ غلاف کو کعبہ سے نسبت ہوگئی ہے، ابھی غلاف کعبہ کو لگا بھی نہیں مگر شرف مل گیا ہے، قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے ہی باعث احترام بن جاتا ہے۔ میرے نزدیک وہ سیاسی جماعتیں باعث نفرت ہیں جنہوں نے ائمہ حرمین شریفین کو بلا کر سیاسی مفاد اٹھانے اور عوام میں وہ اعزاز نہ رہنے دیا جو ہونا چاہئے تھا۔ خطیب مسجد نبوی شریف کی پہلی آمد کو ذہن نظر میں لائیں کہ اسلام آباد کا ائیر پورٹ عرق گلاب سے دھویا گیا، ہزاروں روپے کی عطر بیزی کی گئی، منوں کے حساب سے پھول نچھاور کئے گئے، وزراء سفراء دست بستہ قطار میں کھڑے تھے کہ مسجد نبوی شریف کا امام ہے، مصافحہ کی باری نہیں آتی تھی۔ یہی کیفیت پہلی مرتبہ خطیب حرم شریف کی تھی مگر سیاسی لوگوں نے انہیں بار بار بلا کر اپنے مقاصد تو پورے کئے مگر ان کے اعزاز واکرام کا احساس نہ کیا۔ کاش ائمہ حرمین شریفین بھی یہ محسوس کر لیتے کہ پاکستان کا ہر فرد ان کے لئے اپنے سینے میں بے پناہ جذبات محبت رکھتا ہے۔ (مترجم کا کلام ختم ہوا۔)

خالد بن مہاجر سے روایت ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ نے عاشورہ کے روز خطبہ دیا اور فرمایا: آج عاشورا کا روز ہے۔ اس روز خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ تم پر اس کے روزے فرض نہیں، حالانکہ میرا روزہ ہے، جو تم میں چاہے روزہ رکھے۔

ابن جریج سے روایت ہے کہ گزشتہ زمانہ میں عاشورہ کے دن غلاف پہنایا جاتا تھا۔ اس وقت تمام حجاج واپس چلے جاتے تھے۔ جب بنو ہاشم کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس پر قمیص پہنانے کی رسم شروع کی۔ وہ یوم ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کو ریشمی قمیص (غلاف کا اوپر والا حصہ) پہناتے تھے۔ اس سے کعبہ باہیبت اور پر جمال نظر آتا تھا۔ جب عاشورہ کا دن ہوتا تو اس پر ازار (غلاف کا نچلا حصہ) ڈالتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کو علامہ ازرقی نے بیان کیا ہے۔ نیز انہوں نے بتایا کہ میرے دادا نے مجھے بیان کیا کہ کعبہ شریف پر ہر سال دو غلاف چڑھاتے تھے۔ ایک ریشمی غلاف ہوتا تھا اور دوسرا قباطی کا۔ ریشمی غلاف آٹھ ذی الحجہ کو پہنایا جاتا تھا اسے قمیص کی شکل میں پہناتے تھے اور نیچے لٹکا دیا جاتا تھا، اس کی سلائی نہیں کی جاتی تھی۔ جب لوگ منیٰ سے واپس آتے تو قمیص کی سلائی کی جاتی تھی اور ازار کو ویسے ہی رہنے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام حجاج واپس چلے جاتے تھے۔ پھر اس کی سلائی کی جاتی تھی۔ ایسا اس لئے کرتے تاکہ کوئی غلاف کو پھاڑ نہ سکے۔ جب عاشورہ کا دن ہوتا تو چادر لٹکائی جاتی اور اسے قمیص سے ملا دیتے تھے۔ پھر یہ ریشمی غلاف خانہ کعبہ کے اوپر رہتا تھا۔ پھر جب رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ ہوتی تو اس پر ایک اور قباطی کا غلاف عید الفطر کی خوشی میں پہنایا جاتا تھا۔

جب مامون رشید خلیفہ ہوا تو اس نے ایک اور تیسرے غلاف کا حکم دیا، یہ سفید ریشم کا تھا۔ اس کے زمانہ میں سرخ ریشمی غلاف ۸ ذی الحجہ کو پہنایا جانے لگا۔ دوسرا غلاف قباطی کا وہ رجب کی پہلی تاریخ کو پہناتے تھے اور مامون رشید کا تیار کردہ سفید ریشمی غلاف ستائیس رمضان المبارک کو عید الفطر کے لئے پہناتے تھے، آج تک کعبہ شریف کو ہر سال تین غلافوں سے ڈھانپا جاتا ہے۔ پھر مامون رشید کے پاس یہ خبر پہنچی کہ سفید ریشمی پردوں کو لوگ پھاڑ لیتے ہیں اور حج کے ایام میں حاجیوں کے چھونے کی وجہ سے بوسیدہ ہو جاتے ہیں تو اس نے ایک اور پردہ سفید ریشم کا بھیجا جسے یوم ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) یا ساتویں تاریخ کو پہنایا جاتا تھا۔ اس کی غرض وغایت یہ ہوتی تھی کہ عید الفطر

کے موقعہ پر جو غلاف پہنایا جاتا تھا اور پھٹ جاتا تو اس غلاف سے اسے ڈھانپ دیتے تھے۔ پھر یوم عاشورا کو اس پر سرخ ریشمی پردہ پہنایا جاتا اور اسے سی دیا جاتا تھا۔

ابن ابی نجیح سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے غلاف اتار کر ہر سال حجاج میں تقسیم کرتے تھے اور مکہ معظمہ میں کیکر کے درختوں پر ڈال کر سایہ حاصل کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، اس نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانہ میں کعبہ شریف پر کافی غلاف پڑے رہتے تھے۔ کوئی چمڑے کا، کوئی کپڑے کا اور کوئی زین کا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ پڑے رہتے تھے۔ جب زمانہ اسلام میں بیت المال سے غلاف دیا گیا تو سابقہ غلاف آہستہ آہستہ اتارنے لگے۔ پھر شیبہ بن عثمان نے تجویز پیش کی کہ جاہلیت کے زمانہ کے تمام غلاف اتار دیئے جائیں تو بہت بہتر ہوگا تاکہ ایسا کوئی غلاف نہ رہے جس کو مشرکوں کے ناپاک ہاتھوں نے چھوا ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو اپنی تجویز لکھ بھیجی۔ انہوں نے یہ تجویز منظور کر کے حکم دیا کہ خانہ کعبہ سے دور جاہلیت کے تمام غلاف اتار لے جائیں اور ایک غلاف ریشمی، دوسرے قباطی کا اور تیسرا دھاریدار کپڑے کا بھیجا۔ پس شیبہ نے تمام غلاف اس سے اتار لیے اور اس کی دیواروں کو خلوق کی خوشبو سے معطر کیا۔ پھر وہ غلاف پہنائے جو حضرت معاویہ نے بھیجے تھے اور سابقہ غلافوں کا کپڑا اہل مکہ میں تقسیم کر دیا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جب کعبہ شریف سے غلاف اتار لے جا رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس مسجد حرام میں موجود تھے، لیکن انہوں نے نہ تو ان کو روکا اور نہ ہی برا محسوس کیا۔

ابن جریج سے مروی ہے، وہ عبدالحمید بن شیبہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ عثمان بن شیبہ نے حریق کے واقعہ سے پہلے خانہ کعبہ کے تمام غلاف اتار دیئے اور اس پر خوشبویات لگائیں۔ میں نے پوچھا:

''وہ غلاف کیسے تھے؟''

بتایا:

''چمڑے کے اور دھاریدار کپڑے کے تھے اور شیبہ اسے پہنایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک حائضہ (عورت) کو دیکھا کہ وہ غلاف کعبہ پہنے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر اس نے غلاف کا کپڑا گھر میں دفن کر دیا اور وہیں گل سڑ گیا۔'' (اخبار مکہ)

ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اسعد حمیری یعنی تبع کو گالی گلوچ مت دو، کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کو غلاف سے ملبوس کیا۔''

سعید بن سالم سے روایت ہے، وہ عثمان بن ساج سے اور وہ محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اکثر اہل علم سے یہ خبر پہنچی ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے کعبہ شریف کا غلاف سے ملبوس کیا تبع یعنی اسعد ہے۔ اسے خواب آیا کہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اس پر چمڑے کا غلاف چڑھایا۔ پھر دوبارہ ایسا دروازہ بنایا جو بند ہو جاتا تھا۔ اسعد نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

وكسونا البيت الذى حرم الله	ملاء معضد و برودا
واقمنا من الشهر عشرا	وجعلنا لبابه اقليدا
وخرجنا منه نوم سهيلا	قد رفعنا لوائه معقودا

''ہم نے عزت و احترام والے بیت اللہ کو چادروں سے ملبوس کیا اور اس کا دروازہ کواڑ والا بنایا۔ ہم وہاں صرف دس دن تک

ٹھہرے اور ہم نے دروازے کی چابی بھی بنالی۔ پھر ہم اونگھتے ہوئے آرام اور تسلی سے وہاں سے نکلے اور پرچم کو بلند کئے ہوئے تھے۔"

محمد بن یحیٰ نے بیان کیا، اسے سلیم بن مسلم نے، اسے ابن جریج نے بتایا کہ سب سے پہلے تبع نے کعبہ شریف کو مکمل غلاف پہنایا۔ یہ کپڑا دھاری دار یمنی علاقہ کا تھا۔ نیز دروازہ کے کواڑ بنائے جس سے بند ہو جاتا تھا۔

محمد بن یحیٰ نے بیان کیا، اس نے واقدی سے، اس نے افلح سے سنا، وہ اپنے باپ حمید سے، وہ اپنے باپ سے، وہ نوار بنت مالک بن صرمہ یعنی زید بن ثابت کی والدہ سے بیان کرتا ہے۔ اس نے بتایا کہ زید بن ثابت کی ولادت سے پہلے جب میں خانہ کعبہ کے پاس تھی اس پر ریشمی سبز اور زرد رنگ کا غلاف تھا۔ اس کے علاوہ گنواروں جیسی چادروں کا غلاف اور باریک بالوں کا بنا ہوا کپڑا تھا۔

واقدی سے روایت ہے، وہ عبدالحکیم بن عبداللہ بن ابی فروہ سے، وہ بلال بن اسامہ سے، وہ عطا بن یسار سے، وہ عمر بن حکم سلمی سے روایت کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ کے پاس قربانی کرے گی اور اس کا غلاف بالوں اور اون کا دو حصوں میں بنائے گی۔ چنانچہ اس نے وہاں پر قربانی دی اور کعبہ کا غلاف دو حصوں میں بنا کر اسے پہنایا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں سکونت رکھتے تھے اور ہجرت نہیں کی تھی۔ جب بیت اللہ کو دیکھا گیا تو اس پر مختلف قسم کے کئی غلاف تھے۔ کچھ یمنی دھاری دار کپڑے کے تھے۔ کچھ ریشمی اور چمڑے کے غلاف تھے۔ علاوہ ازیں کچھ عراقی قالین تھے۔

سعید بن سالم سے، اس نے ابن جریج سے، اس نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی، اس نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ دور جاہلیت میں کعبہ شریف پر مختلف قسم کے غلاف چڑھائے جاتے تھے۔ قربانی کے جانوروں پر دھاری دار یمنی چادریں اور دیگر کپڑے ڈالے جاتے تھے۔ یہ سب کچھ خانہ کعبہ کی نذر کرتے تھے۔ ہاں البتہ قربانی کے جانوروں کے کپڑے خانہ کعبہ پر بطور غلاف چڑھاتے تھے۔ ان قربانیوں پر مختلف قسم کے کپڑے ہوتے تھے۔ کوئی ریشمی تھا، کوئی دھاری دار یمنی اور کوئی زین کا کپڑا ہوتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کو کعبہ شریف پر پہناتے اور باقی ماندہ کو خزانہ میں ڈالا جاتا تھا۔ جب غلاف کا کچھ حصہ بوسیدہ ہو جاتا تو اس پر ایک اور نیا غلاف چڑھا دیا جاتا تھا۔ پہلے غلاف کو اتارنے کا رواج نہیں تھا۔ اس کی طرف خلوق اور مجمر (خوشبویات کے نام) تحفہ کے طور پر بھیجی جاتی تھیں اور یہ اس کے اندر اور باہر لٹکائی جاتی تھیں۔

عبدالجبار بن ورد نے بیان کیا، اس نے بتایا کہ میں نے ابن ملیکہ سے سنا، وہ کہتا تھا کہ قریشی جاہلیت کے زمانہ میں غلاف کعبہ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے تھے۔ تمام قبائل بقدر وسعت اس میں حصہ ڈالتے تھے۔ قصی بن کلاب کے زمانہ تک یوں ہی ہوتا رہا۔ پھر جب ابو ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم جوان ہوا اور تجارت کرنے کے لئے یمن جانے لگا۔ اسے تجارت میں بہت منافع ہوا اور وہ ایک بڑا سرمایہ دار بن گیا۔ اس نے قریش سے کہا کہ ایک سال کعبہ شریف پر میں اکیلا غلاف چڑھاؤں گا اور ایک سال تم تمام مل کر غلاف چڑھاؤ۔ وہ اپنی تمام زندگی بھر ایسا ہی کرتا رہا حتی کہ اسے موت نے آدبوچا۔ وہ جند (ایک علاقہ کا نام) سے دھاری دار عمدہ کپڑا لا کر کعبہ شریف کو ملبوس کرتا تھا۔ قریش نے اس کا نام عدل رکھ دیا۔ اس لئے کہ اس کے فعل کو قریش کے فعل کے برابر تصور کیا گیا۔ آج تک لوگ اسے عدل کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کی اولاد کو بنو عدل کہتے ہیں۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۲)

خلفائے راشدین اور غلاف کعبہ:

جدید تاریخ مکہ میں ہے:

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے حضور انور ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا۔

''امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق نے قباطی کا غلاف چڑھایا (جو ایک باریک قسم کا سفید مصری کپڑا تھا) امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم نے مصر کے ایک قصبہ قبطیہ والوں کو غلاف تیار کرنے کا حکم دیا، انہوں نے قباطی کپڑے کا غلاف تیار کیا جسے خلیفۃ المسلمین نے کعبہ شریف پر چڑھایا اور پرانا غلاف اتار کر حجاج میں تقسیم کر دیا۔ آپ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے تھے۔ امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین بھی حضرت فاروق اعظم کی طرح مصر سے قباطی غلاف تیار کراتے اور پہلے غلاف پر ہی نیا غلاف چڑھا دیتے تھے۔ اسلام کی تاریخ میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلے غلاف پر دوسرا چڑھایا، ایک مرتبہ آپ نے یمن کے عامل یعلی بن منبہ کے ذریعہ غلاف تیار کرایا تھا۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم ہر سال نیا غلاف چڑھاتے اور پرانا غلاف حجاج میں تقسیم کر دیتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ طریقہ رائج رہا، لیکن ایک مرتبہ عثمان بن شیبہ نے کسی ناپاک عورت کے بدن پر غلاف کعبہ کی قمیض دیکھ کر اس خیال سے غلاف کی تقسیم بند کر دی کہ ہر کس و ناکس کو دینے سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے لہٰذا اسے دفن کر دیا جائے۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب غلاف کعبہ شریف سے جدا ہو گیا تو اب اسے ہر آدمی چھو سکتا ہے۔ دفن کرنے کی بجائے اسے فروخت کر کے اس رقم کو غریب حجاج اور مسافروں میں تقسیم کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ سیدنا عباس کا فرمان بھی یہی تھا۔ چنانچہ عثمان بن شیبہ نے دفن کرنا ترک کر دیا اور پرانا غلاف فروخت کر کے اس کی قیمت غرباء میں تقسیم کرنے لگے۔ قدیم زمانہ میں پرانے غلاف اتارے نہیں جاتے تھے، انہیں پر نیا غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔ مگر عثمان بن شیبہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ رائج کیا کہ پرانا غلاف اتار کر فروخت کر دیا جائے اور صرف دو غلاف رہنے دیئے جائیں، مگر بعد میں یہ طریقہ بھی چھوڑ دیا گیا، کبھی کبھار پرانے غلاف اتار دیئے جاتے اور کبھی ان پر غلاف ڈال دیا جاتا۔ تاہم ۲۰۰ھ سے ۲۴۲ھ تک صرف بیالیس برس میں کعبہ شریف پر موجود غلافوں کی تعداد ایک سو ستر ہو گئی تھی۔ ممکن ہے یہ تعداد ان غلافوں کی ہو جو صحیح حالت میں موجود ہوں اور جو زیادہ بوسیدہ ہو کر پھٹ چکے ہیں ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔'' (تاریخ مکہ، جدید)

سیدنا عبداللہ بن عمر ہر سال قربانی کے جانوروں پر عمدہ اونی کپڑے ڈال کر انہیں ذبح کرتے، اور وہ کپڑے کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے۔

شاہان بنی امیہ اور غلاف کعبہ:

یہ خاندان ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک ۹۱ سال برسر اقتدار رہا، ان کا دار الحکومت دمشق تھا اور ان کے کل ۱۴ خلفاء ہوئے ہیں۔ بنو امیہ کے پہلے خلیفہ امیر المومنین سیدنا معاویہ نے ابتداء میں کسی سال قباطی اور مصری سن کے کپڑے کا غلاف بھیجا، بعد میں بردیمانی کا ارسال کرتے رہے، وہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ دس محرم الحرم کو دیباج کا اور دوسری مرتبہ ۲۹ رمضان المبارک کو عید کی آرائش کے لئے قباطی کا غلاف ڈالتے تھے۔

سیدنا امیر معاویہ نے کعبہ شریف کے لئے نفیس و لطیف خوشبو، دھونی، عمدہ اور قیمتی عطریات کا کوٹہ مقرر کر رکھا تھا، جن سے کعبہ شریف کو حج کے ایام میں اور ماہ رجب میں ہر نماز کے بعد معطر کیا جاتا تھا۔ (اخبار مکہ: ۱۷۶)

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ نے دیبا اور یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف شیبہ بن عثمان کلید بردار کعبہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ پرانا غلاف اتار کر کعبہ شریف کی دیواروں کو معطر کیا جائے، اور پھر نیا غلاف چڑھا دیا جائے۔ چنانچہ شیبہ بن عثمان نے پرانے غلاف اتار کر حجاج میں تقسیم کر دیئے، اور کعبہ شریف کو خوشبو اور عطر لگا کر نیا غلاف چڑھایا۔

علامہ طاہر کردی نے کتاب الحمل دالج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ ۸ ذی الحجہ کو سرخ دیباج کا غلاف چڑھاتے تھے، مگر

ازار اس وجہ سے نہ ڈالتے کہ لوگوں کے چھونے سے پھٹ جائے گا۔ جب حجاج چلے جاتے تو دس محرم کو آزار (غلاف کے نیچے لٹکنے والا حصہ) پہناتے اور پھر ۲۷ رمضان شریف کو قباطی کا بنا ہوا غلاف چڑھاتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم نے مصر میں غلاف بنانے کی طرح ڈالی جسے بعد کے خلفاء نے بھی قائم کیا۔

یزید بن سیدنا معاویہ نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا اور کعبہ شریف کی خدمت کے لئے غلام بھی مقرر کئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر جب کعبہ شریف کی تعمیر نو سے فارغ ہوئے تو اندر اور باہر مشک اور عنبر کا پلستر کرایا اور پھر ۲۷ رجب کو دیباج کا غلاف چڑھایا۔

حجاج بن یوسف ثقفی نے دیباج خسروانی کا غلاف چڑھایا۔

عبدالملک بن مروان جس کا عہد خلافت ۶۶ھ سے ۸۶ھ تک تھا ہر سال نیا غلاف چڑھاتا رہا۔ خلفاء بنو امیہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھاتے تھے (محرم کی دسویں اور رمضان المبارک کے آخری ایام میں۔)

ہشام بن عبدالملک نے دیباج کا غلاف چڑھایا۔

خلفاء بنو عباس اور غلاف کعبہ:

۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک تقریباً پانچ سو سال خلفاء بنو عباس نے حجاز پر حکومت کی، ان کا دار الخلافہ بغداد تھا۔ وہ ہر سال غلاف بھیجتے رہے البتہ ان کے زوال اور کمزوری کے زمانہ میں بعض اوقات سلاطین مصر کی طرف سے اور کبھی کبھار یمن سے غلاف آتا رہا۔ عباسی سلطنت کے ابتدائی سالوں کے دوران کئی کئی مرتبہ نیا غلاف چڑھایا جاتا جب کہ پرانا غلاف اتارنے میں باقاعدگی نہیں تھی۔

۱۶۰ھ میں خلیفہ مہدی عباسی جب حج بیت اللہ کے لئے گیا تو اسے کلید بردار کعبہ نے اطلاع دی کہ کعبہ شریف پر غلافوں کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ ان کے بوجھ سے دیواریں گر جانے کا اندیشہ ہے، جس پر خلیفہ نے پرانے سب غلاف اتارنے کا حکم دیا۔ جب تمام غلاف اتار دیئے گئے، تو دیواروں پر مشک، عنبر اور گلاب کا لیپ کرایا اور خوشبو سے خوب معطر کر کے صرف تین غلاف ایک مصری کپڑے کا، دوسرا خز کا اور تیسرا دیباج کا چڑھا دیئے۔

امام فاکہی کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ مہدی کے غلاف کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

((امر به عبد الله المهدی محمد امیر المومنین اصلحه الله محمد بن سلیمان ان یصنع من طراز تیونس کسوة الکعبه علی ید الخطاب بن مسلمه عامله سنه تسع و خمسین و مائة))

"اللہ کے بندے امیر المومنین مہدی محمد، اللہ اس کی اصلاح فرمائے، نے ۱۵۹ھ میں محمد بن سلیمان کو حکم دیا کہ خطاب بن مسلمہ عامل کے ذریعہ تیونس شہر سے غلاف تیار کرائے۔"

امام فاکہی کا کہنا ہے کہ میں نے خلیفہ مہدی کے زمانے کا ایک اور بھی غلاف کا ٹکڑا دیکھا جس پر یہ عبارت لکھی تھی:

((بسم الله بر کته من الله، بعبد الله المهدی محمد امیر المومنین اطال الله بقاه، مما امربه اسماعیل بن ابراهیم ان یصنع من طراز تینس علی ید الحکم بن عبیده سنه اثنین و ستین و مائة))

''امیر المومنین مہدی محمد پر اللہ کی برکت نازل ہو، رخدا اس کی عمر دراز کرے۔ اس کے زمانہ میں اسماعیل بن ابراہیم نے ۱۶۲ھ میں حکم بن عبیدہ کو حکم دیا کہ تیونس کا بنا ہوا غلاف کعبہ شریف پر ڈالا جائے۔''

امام فاکہی لکھتے ہیں کہ میں نے خلیفہ ہارون الرشید کے غلاف کا ٹکڑا دیکھا، جس پر لکھا ہوا تھا:

''بسم اللہ، بندۂ خدا امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کو اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس کی عزت کو دوبارہ کرے، اس نے ۱۹۰ھ میں فضل بن ربیع کو تونہ (تیونس) کے کپڑے (قباطی) کا غلاف تیار کرانے کا حکم دیا تھا۔''

علامہ طاہر کردی کتاب المحمل والحج کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ۱۹۷ھ میں فضل بن سہل ذی ریاستین اور طاہر بن حسین نے بھی غلاف چڑھایا تھا۔ (تاریخ القویم، جلد ۴، صفحہ ۱۹۴)

خلیفہ مامون الرشید جس کی خلافت کا زمانہ ۱۸۸ھ سے ۲۰۸ھ تک تھا۔ خلیفہ موصوف سال میں تین مرتبہ ۸ ذی الحجہ کو سرخ اطلس کا، یکم رجب کو قباطی کا اور ۲۹ رمضان المبارک کو سفید اطلس کا غلاف چڑھاتا تھا۔ جب خلیفہ کو آگاہ کیا گیا کہ سال میں تین مرتبہ غلاف تبدیل کرنے کے باوجود غلاف پھٹ جاتا ہے تو موصوف نے سرخ اطلس کی ایک قمیص اور ایک نئی آزار کا اضافہ کر دیا۔

امام فاکہی لکھتے ہیں کہ میں نے کعبہ شریف کے قباطی غلاف کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر باریک سیاہ خط میں لکھا تھا:

((مما امر به امير المومنين المامون سنه ست و مائتين))

''امیر المومنین نے ۲۰۶ھ میں اس کی تیاری کا حکم دیا۔''

فاطمی خلفاء مثلاً خلیفہ حاکم العبیدی، خلیفہ حفیدہ المستنصر، خلیفہ الصلیحی اور خلیفہ ابوالنصر وغیرہ فاطمی خلفاء عموماً سفید غلاف چڑھاتے رہے۔ خلیفہ ابوالنصر نے ۴۶۶ھ میں ہند کا بنا ہوا سفید غلاف چڑھایا تھا، اور اسی سال یعنی ۴۶۶ھ میں سلطان سبکتگین نے زرد دیباج کا غلاف چڑھایا۔ بعد میں ناصر عباسی نے سبز دیباج کا اور ۶۴۳ ہجری میں سیاہ رنگ کا سوتی غلاف چڑھایا گیا۔ جس کے بعد اب تک کالے رنگ کا خلاف ہی چڑھایا جا رہا ہے۔

علامہ طاہر کردی نے کتاب المحمل والحج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۲۰۰ھ میں ابی السرایا الاصفر بن الصفر نے حسین بن حسن الافطس الطالبی کے ذریعہ غلاف کے دو باریک کپڑے سرخ اور سفید بھیجے تھے جن پر اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔

خلیفہ جعفر متوکل علی اللہ جس کا زمانہ خلافت ۲۳۲ھ سے ۲۳۴ھ تک تھا۔ اس کے دور میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ یکم رجب کو سرخ اطلس کی ازار چڑھائی جاتی تھی، لیکن جب خلیفہ کو معلوم ہوا کہ حجاج کے چھونے سے وہ خراب ہو جاتی ہے تو اس نے دو ازار کا اضافہ کر دیا، اس طرح تین مرتبہ ازار تبدیل ہونے لگی، علاوہ ازیں قباطی کی قمیص پر سرخ اطلس کا حاشیہ لگا کر اسے فرش تک لمبا کر دیا۔ ۲۴۰ھ تک ہر دو ماہ بعد نئی ازار چڑھائی جاتی رہی، لیکن خدام حرم نے دیکھا کہ قمیص زیادہ لمبی ہونے کی وجہ سے دوسری آزار کی چنداں ضرورت نہیں تو انہوں نے دوسری ازار کو کعبہ شریف کے صندوق میں محفوظ کر دیا، اور خلیفہ کو اطلاع کر دی کہ دوسری آزار کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ حاشیہ والی قمیض کے ساتھ ایک ہی ازار کافی ہے، چنانچہ اس کے بعد ہر تین ماہ بعد نیا غلاف چڑھایا جانے لگا۔

۳۸۱ھ میں ابی الحسن جعفر نے سفید غلاف چڑھایا، ۳۸۴ھ میں یحییٰ بن یمان تیونس سے دو غلاف لایا۔ ۳۹۷ھ میں حاکم بامر اللہ نے سفید قباطی کا غلاف چڑھایا۔ ۴۲۳ھ میں الظاہر لاعزاز دین اللہ نے غلاف چڑھایا۔ ۴۳۷ھ سے ۴۴۴ھ تک ناصری خسروں غلاف بھیجتا رہا۔ ۴۶۶ھ میں ابی نصر الاسترابادی نے اور ۴۵۵ھ میں الصلیحی صاحب یمن نے غلاف بھیجا۔

۵۳۲ھ میں سلاطین کے باہم اختلاف کی وجہ سے غلاف کسی جگہ سے بھی نہ آیا۔ اس لئے ایک فارسی تاجر ابوالقاسم رامشت نے

غلاف تیار کرایا جس پر ۸۰۰۰ادینار مصری خرچ ہوئے۔

اس کے بعد احمد ناصر الدین اللہ عباسی نے جس کا عہد حکومت ۵۷۵ھ تا ۵۹۲ھ تھا آخری ایام میں سیاہ دیباج کا غلاف چڑھایا۔ جب کہ اس سے پہلے خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ ۲۰۶ھ سے سفید دیباج کا غلاف چڑھایا جارہا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ موصوف کے ابتدائی عہد حکومت میں سبز غلاف چڑھایا جاتا تھا پھر بعد میں سیاہ غلاف چڑھانا شروع کر دیا۔

۶۴۳ھ میں تند و تیز طوفان باد و باراں میں غلاف پھٹ گیا، اس لئے منصور بن ربیعہ البغدادی شیخ حرم نے کالے رنگ کا سوتی غلاف چڑھایا۔

۶۶۱ھ میں سلطان الظاہر بیبرس البندقداری نے غلاف بھیجا، خلفائے بنوعباس کے بعد سلاطین مصر کا یہ سب سے پہلا غلاف تھا اور کعبہ شریف کو غسل اپنے ہاتھ سے دیا، اور باب کعبہ کے لئے چابی بھی بنوائی۔

۷۵۰ھ میں ملک الناصر محمد بن قلادون نے مصر کے نواح میں ایک گاؤں خرید کر کعبہ، حجرہ شریف اور منبر شریف کے غلاف کیلئے وقف کر دیا۔ گاؤں کی قیمت بیت المال سے ادا کی گئی۔ اس آمدن سے کعبہ شریف کا غلاف، حجرہ شریف اور منبر شریف کا مؤلف خریدا جاتا اور ان کی آرائش کی جاتی۔ تاریخ الکعبہ میں مذکورہ گاؤں وقف کرنے کا سن ۷۶۰ھ تحریر کیا گیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ رماۃ الحرمین کے مولف کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک اسماعیل بن ملک ناصر محمد بن قلادون مذکور نے تین گاؤں بسوس، سندبیس اور ابی الغیظ خرید کر وقف کئے تھے، جب کہ سالانہ آمدنی ۸۹۰۰۰ درہم تھی۔

خلفائے بنوعباس کے زمانہ عروج تک غلاف تیار کرنے کی خدمت انہی کے سپرد تھی، لیکن جب گردش ایام سے ان کی حکومت میں ضعف آ گیا اور ہر سال غلاف تیار کرنے کے اخراجات مہیا نہ کر سکے تو پھر کبھی سلاطین یمن اور کبھی سلاطین مصر کی طرف سے غلاف آنے لگا، لیکن رفتہ رفتہ یہ خدمت مستقل طور پر مصری سلاطین ہی کے سپرد ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کپڑا خلفائے بنوعباس کا پسندیدہ تھا اس لئے وہ کعبہ شریف کا غلاف بھی سیاہ حریر کا چڑھاتے اور مصر کا شہر تینس جو قیمتی کپڑا بننے میں خاص شہرت رکھتا تھا وہاں غلاف تیار کراتے تھے۔

۷۲۸ھ میں ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ملک ناصر کا بھیجا ہوا غلاف دس ذی الحجہ کا مکہ مکرمہ پہنچا، جسے شیبیوں نے کعبہ شریف کی چھت پر رکھ دیا۔ یہ غلاف سیاہ رنگ کا تھا، جس کے اندر کا حصہ کتان کا بنا ہوا تھا۔ اس پر چاروں طرف پٹی میں سفید الفاظ میں ''جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما'' اور دیگر قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔

۸۰۰ھ میں فرج بن برقوس نے غلاف چڑھایا جس میں سونے سے مرصع زرد حریر سے کڑھائی کی گئی تھی، جس سے غلاف کی زیبائش و آرائش میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، جب کہ سفید الفاظ میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

بعد ازاں سیاہ حریر کا برقعہ کعبہ جس کا حاشیہ سونے کی آمیزش والی چاندی سے انتہائی خوبصورت بنوایا۔ ۸۱۴ھ میں غلاف کعبہ نیلے کمخواب کا بنایا گیا جس پر ''واللہ العالم ما کان و ما یکون'' لکھا ہوا تھا۔

۸۱۹ھ سے ۸۲۴ھ تک سفید حریر کا غلاف چڑھایا جاتا رہا، جب کہ ۹۲۵ھ میں پھر سیاہ حریر کا غلاف چڑھایا گیا۔

۸۲۶ھ ملک اشرف برسبائی نے کعبہ شریف کے اندر کا سرخ غلاف نیا لٹکایا۔ ۸۴۸ھ میں شاہ رخ مرزا مصر سے اندر کا غلاف لایا، جسے عبد الاضحیٰ کے دن لٹکایا گیا۔ ۸۵۶ھ میں ملک ظاہر جقمق نے کعبہ شریف کے اندر ملک اشرف برسبائی اور ملک جقمق کے غلاف اتار کر اپنا غلاف لٹکایا۔ ۸۶۵ھ میں ملک ناصر ابا سعید کوش قدم والی مصر نے کعبہ شریف پر نیا غلاف چڑھایا جس کی مشرقی اور شمالی جانب سفید دیباج اور باقی غلاف سیاہ قصب کا تھا۔ ۸۷۸ھ میں مصر سے ''حسن الطویل'' کا غلاف حجاج لے کر آئے تھے۔ ۹۲۴ھ میں سلطان قانصوہ

الغوری نے طواشی مرجف کے ہاتھ غلاف بھیجا تھا۔

خلافت ترکیہ عثمانیہ میں غلاف کعبہ:

جب مصر سلطنت عثمانیہ کے زیرنگیں ہوگیا تو کعبہ شریف کا اندرونی غلاف استنبول سے اور باہر کا غلاف مصر سے ہر سال آنے لگا، جو سیاہ حریر کا آٹھ پردوں پر مشتمل تھا، جن میں ہر جگہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بنا ہوا تھا۔

سلطان صالح محمد بن قلا دون کے وقف کردہ مذکورہ گاؤں کی آمدنی جب غلاف کعبہ کیلئے ناکافی ہوگئی، تو سلطان سلیمان خان (جن کا عہد حکومت ۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ تھا) نے حسب ذیل سات گاؤں مزید خرید کر آمدنی میں اور بھی اضافہ کردیا:

سلکتہ۔ سرونجتہ۔

قریش الحجر۔ منایل وکوم رحانن۔

بجام۔ منیتہ النصاری۔

بطالیہ۔

ان گاؤں کی آمدنی کا تخمینہ اس طرح ہے:

موضع سلکتہ	۳۰۴۹۶ درہم
سرونجتہ	۱۸۲۰۷ درہم
قریش الحجر	۵۱۳۰۴ درہم
منایل وکوم رحانن	۳۷۸۴۰ درہم
بجام	۱۴۹۳۴ درہم
منیتہ النصاری	۶۰۸۵۸ درہم
بطالیہ	۱۰۴۸۴ درہم
میزان	۲۳۶۷۷۲ درہم

یہ رقم تخمیناً ۹۸۷۸ روپے بنتی ہے۔

مذکورہ وقف نامہ کی تکمیل صفر ۹۴۷ھ میں ہوئی جس کی تجدید بارہویں صدی ہجری میں محمد علی پاشا خدیو مصر نے باضابطہ وقف نامہ لکھ کر کرائی۔ اتنی کثیر آمدن کے باوجود مصارف عموماً زیادہ ہوتے جو شاہی خزانہ سے پورے کئے جاتے تھے۔ (تاریخ الکعبہ: ۲۴۷، ۲۵۰)

۸۱۰ھ تا ۸۱۴ھ میں غلاف کی صرف شرقی سمت میں سفید حریر سے پٹیوں کو منقش کیا جاتا رہا اور ۸۱۵ھ سے ۸۱۸ھ تک مذکورہ جانب پٹیوں کے علاوہ غلاف کا پورا حصہ سیاہ ہوتا تھا۔ ۸۱۹ھ میں پھر اس طرح کی پٹیاں سفید حریر سے منقش کی گئیں۔ بعد ازاں ۸۲۴ھ تک اسی طرز کا غلاف چڑھایا جانے لگا، لیکن ۸۲۵ھ میں پٹیوں کا رنگ سفید کردیا گیا۔

غلاف کی پٹیوں پر مندرجہ ذیل آیات کڑھائی کی ہوئی تھیں:

مشرقی جانب:

((ان اول .... عن العالمین)) (سورئہ آل عمران، آیت ۹۶،۹۷)

مغربی جانب:

((واذ یرفع .... التواب الرحیم))(سورئہ بقرہ، آیت ۱۲۷، ۱۲۸)

شمالی جانب:

((جعل الله .... شيء علیم)) (سورئہ مائدہ، آیت ۹۷)

۸۴۸ھ میں شیراز کے سلطان شاہ رخ مرزا کا غلاف چڑھایا گیا۔ ۸۶۵ھ میں ملک الناصر ابوسعید خوش قدم والی مصر نے غلاف بھیجا جس کی مشرقی اور جنوبی جانب سفید تھی جب کہ پٹیاں سیاہ تھیں اور مشرقی جانب کی بعض پٹیاں سنہری تھیں۔ ۹۲۲ھ میں سلطان قانصوہ الغوری نے غلاف بھیجا تھا۔

بعد ازیں ۹۲۳ھ سے حجاز مقدس میں سلاطین عثمانیہ کا سنہری دور شروع ہوا تو قدیم دستور کے مطابق مصر ہی سے غلاف جاتا رہا۔ چنانچہ کعبہ شریف کے باہر اور اندر کا غلاف باقاعدگی سے ۱۱۱۸ھ تک مصر ہی جاتا رہا۔ بعد میں استنبول سے صرف کعبہ شریف کے اندر کا غلاف آنے لگا اور باہر کا غلاف مصر سے بھیجا جاتا تھا اور یہ سلسلہ ۱۲۲۱ھ تک جاری رہا۔ اس اثناء میں مصر نے غلاف بھیجنا بند کر دیا جس کی وجہ سے سعود الکبیر بن عبدالعزیز آل سعود نے سرخ ریشم کا غلاف چڑھایا۔ پھر جب دولت عثمانیہ حجاز سے ختم ہوگئی تو مصر نے سابقہ روایت کے مطابق باہر کا غلاف پھر سے بھیجنا شروع کر دیا۔

غلاف کعبہ بننے کا کارخانہ مصر کے محلہ خرنفش میں واقع تھا۔ مولف تاریخ غلاف کعبہ لکھتے ہیں: ہمارے دور ۱۳۶۴ھ میں یہ کارخانہ اسی محلہ میں موجود ہے جس کے نگران عبداللہ فائق بک ہیں۔

۱۳۳۲ھ تک یہ دستور تھا کہ غلاف کی پٹی پر سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ کا نام لکھا جاتا تھا، لیکن ۱۳۳۳ھ میں اس کے ساتھ یہ عبارت بھی لکھ دی گئی:

"والامر بها السلطان الكامل حسين"

سلطان محمد رشاد خان ترکی عثمانی کے نام کے ساتھ سلطان حسین کامل سلطان مصر کے نام کے اضافہ والا کلڑا غالب پاشا اور امیر مکہ حسین بن علی نے تبدیل کر دیا اور اس غلاف کو ۱۳۴۱ھ تک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھ دیا گیا۔

۱۳۳۴ھ موافق ۱۹۱۴ء کو امیر مکہ شریف حسین بن علی نے حکومت ترکیہ عثمانیہ سے بغاوت کر کے حجاز مقدس پر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ادھر ۱۳۴۰ھ تک غلاف مصر سے مسلسل آتا رہا۔

۱۳۴۱ھ میں حسب دستور جب مصر سے غلاف کعبہ، محمل، گندم اور ایک طبی وفد جدہ پہنچا تو شریف حسین بن علی نے اطباء کے وفد کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی، جس سے وفد اور شریف حسین کے مابین ایسا اختلاف رونما ہوا جس کی وجہ سے غلاف کعبہ دیگر جملہ اشیاء کے ساتھ واپس مصر چلا گیا۔ یہ واقع ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کے آخری ایام میں پیش آیا۔

چنانچہ شریف حسین بن علی نے امیر مدینہ کو حکم دیا کہ حکومت ترکیہ والا غلاف بندرگاہ رابغ کے راستے فی الفور جدہ پہنچاؤ، تاکہ بروقت کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا جا سکے۔ اس طرح شریف موصوف حسب دستور ۱۰ ذی الحجہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۳۴۲ھ میں شریف حسین بن علی نے عراق میں بنا ہوا "القیلان" موٹی زین کا غلاف احتیاطاً منگوالیا کہ مصر سے غلاف نہ آنے کی صورت میں اسے کعبہ شریف پر چڑھایا جائے گا، لیکن مصر نے وقت پر غلاف حجاز مقدس بھیج دیا جسے کعبہ کی زینت بنا دیا گیا، اور عراق کے بنے ہوئے غلاف کو محفوظ رکھ دیا۔

آل سعود کے غلاف:

۱۳۴۳ھ میں جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کو مکہ مکرمہ پر اقتدار حاصل ہوگیا، لیکن اس سال مصر کی طرف سے غلاف نہ آیا تو ملک موصوف نے عراق کا بنا ہوا القیلان کا مذکورہ بالا غلاف کعبہ شریف پر چڑھا دیا۔

۴ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حجاز مقدس سے شریف حسین بن علی کے بیٹے علی کا اقتدار بھی ختم ہوگیا جس کے باعث ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود حجاز مقدس کے حکمران بن گئے تو مصر سے سابقہ دستور کے مطابق غلاف کعبہ محمل اور دیگر متعلقہ جملہ چیزیں بمعہ وفد اور حجاج کے مکہ شریف آنا شروع ہوگئیں اور مصری غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا گیا لیکن ۹ ذی الحجہ کی رات کو منی اور عرفات کے میدان محمل کے محافظ سپاہیوں اور حجاز مقدس کے باشندوں کے درمیان خونریز تصادم ہوگیا جس میں مشین گن اور بندوقوں کا آزادانہ استعمال ہوا، لیکن ملک عبدالعزیز آل سعود نے کمال دانشمندی، وسیع الظرفی اور بے مثال مہمان نوازی کے جذبے کے ساتھ مصری سپاہیوں سے درگزر کی اور ان کے اس جرم کو معاف کر دیا۔ بظاہر یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

۱۳۴۵ھ میں غلاف کعبہ، محمل اور حرمین شریفین کے لئے جو امداد صدیوں سے آ رہی تھی حکومت مصر نے عین وقت پر بند کر دی اور اس کا علم سعودی حکومت کو ذی الحجہ کی ابتداء میں ہوا۔ جب کہ دس ذی الحجہ کو نیا غلاف کعبہ شریف پر چڑھانا تھا، لیکن وقت کی تنگی کے باوجود ملک عبدالعزیز بن سعود نے غلاف بنوانے کا کام فی الفور شروع کرا دیا۔ وزیر مالیات شیخ عبداللہ سلیمان الحمدان کی سربراہی میں یہ کام شروع ہوا۔ کالے اون کا غلاف بنوایا گیا، جس پر نفیس اور عمدہ پٹیاں چاندی اور سونے کی تاروں سے بنی ہوئی آیات قرانیہ سے مرصع تھیں اور ستارہ کعبہ بھی بنوایا گیا۔ یہ تمام کام اس برق رفتاری سے ہوا کہ صرف چند دنوں میں اتنا عظیم الشان کام مکمل کر کے ۱۰ ذی الحجہ کو غلاف کعبہ شریف پر چڑھا دیا گیا۔

فصل نمبر 2:

مکہ مکرمہ میں غلاف کی تیاری اور اس کا کارخانہ

جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود نے اس سال یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ غلاف کعبہ، ستارہ کعبہ، حزام کعبہ وغیرہ غلاف کے جملہ متعلقات سعودی حکومت کی اپنی نگرانی میں مکہ مکرمہ ہی میں تیار کئے جائیں گے، تاکہ مصر یا کسی بھی دوسری حکومت کے سامنے سرنگوں نہ ہونا پڑے۔

چنانچہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ کو وزیر مالیات شیخ عبداللہ سلیمان الحمدان کی نگرانی میں محلہ جیاد میں غلاف کی تیاری کے لئے محل کی تعمیر شروع کر دی جس کا رقبہ ۱۵۰۰ مربع میٹر تھا۔ کاریگروں نے اس قدر جاں فشانی اور محنت سے کام کیا کہ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں بے حد مضبوط اور خوبصورت محل تیار ہوگیا، مکہ مکرمہ کی پوری تاریخ قبل از اسلام اور بعد از اسلام میں یہ پہلا محل تھا جو خالص غلاف کعبہ کی تیاری کے لئے مکہ شریف میں بنایا گیا تھا۔

محل تیار ہو جانے کے بعد ملک عبدالعزیز آل سعود نے غلاف، حزام اور ستارہ کعبہ کے متعلقہ اوزار اور بننے کا سامان اور کاریگر ہندوستان سے منگوانے کا فیصلہ کیا اور یہ کام ہندوستان کے ایک نامور عالم مولانا محمد اسماعیل غزنوی کے سپرد کیا، جو ہندوستان سے چالیس کاریگر اور ان کے خاندان کے بیس افراد، ۱۲ کپڑا بننے کی مشینیں اور اوزار، ریشم اور دیگر ضروریات کی چیزیں لے کر ابتداء رجب ۱۳۴۶ھ میں مکہ شریف پہنچ گئے۔ جنہوں نے غلاف کعبہ اور ستارہ کعبہ، حزام وغیرہ بالکل مصری غلاف کے مطابق بے حد مضبوط اور خوبصورت اواخر

ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ میں تیار کردیا۔ سیاہ ریشم کے اس غلاف پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جس کے نیچے "یا اللہ" اور اس کے دائیں اور بائیں "جل جلالہ" کاڑھا ہوا تھا۔

غلاف کی پٹیوں پر حسب ذیل آیات سنہری اور روپہلی تاروں سے کڑھی ہوئی تھیں۔ اس غلاف کی پٹیاں مصری غلاف کی طرح ایک میٹر چوڑی تھیں۔ جن میں حضرۃ محمد ادیب آفندی خطاط نے کتابت کی تھی۔ مشرقی دیوار یعنی دروازہ کی سمت یہ آیات تھیں:

((بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا ...... تا ...... انک انت التواب الرحیم))

جنوبی سمت حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان حسب ذیل آیات تھیں:

((بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا ...... تا ...... واللہ شھید علی ما تعملون))

مغربی دیوار یعنی رکن یمانی اور حطیم کے درمیان یہ آیات تھیں:

((بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واذ بوانا لا براھیم مکان البیت ...... تا ......ولیطوفوا بالبیت العتیق))

جب کہ حطیم کی طرف یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

((ھذا الکسوۃ صنعت فی مکۃ المبارکۃ المعظمۃ بامر خادم الحرمین الشریفین جلالۃ الملک الا مام عبد العزیز بن عبد الرحمن الفیصل آل سعود ملک المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ایدہ اللہ تعالیٰ ینصرہ، سنہ ۱۳۴۶ھجریۃ علی صاحبھا افضل التحیۃ واتم التسلیم))

سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود کو ۱۳۴۶ھ میں یہ خیال ہوا کہ غلاف کعبہ حجاز ہی میں تیار ہونا چاہیے تاکہ مصر وغیرہ کسی دوسرے ملک کی حاجت نہ رہے، انہوں نے اپنے اس پروگرام سے انڈین سکریٹری مولوی سید اسماعیل صاحب غزنوی کو آگاہ کیا، انہوں نے حاجی کریم بخش بنارسی جوان دنوں حج کے لئے گئے ہوئے تھے انہیں یہ پروگرام بتایا، دونوں نے مل کر مکہ معظمہ میں غلاف کا ایک ٹکڑا تیار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جسے سلطان نے پسند فرمایا اور سیکرٹری صاحب ممدوح کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان جا کر کاریگر، ریشم، منقش اور اوزار بھجوائیں تاکہ خصوصاً غلاف کعبہ اور حسب ضرورت دوسری قسم کے کپڑے بھی حجاز میں تیار ہوا کریں۔

چنانچہ وہ اوائل ۱۳۴۶ھ میں ہندوستان آئے، ریشم کے لئے کشمیر کا دورہ کیا مگر وہاں کا ریشم پسند نہ آیا، بالآخر بمبئی سے ریشم کا انتظام کیا اور بنارس سے کپڑا بننے والے کاریگر فراہم کر کے انہیں مکہ معظمہ روانہ کردیا۔ یہ لوگ حاجی حافظ رحمت اللہ کے خاندان کے افراد تھے، جو محلہ ہنومان پھاٹک کے قریب بنارس میں رہتے تھے ان میں چیدہ چیدہ کاریگروں کے نام صبغۃ اللہ، صفی اللہ اور مسیح اللہ وغیرہ تھے۔ کل ساٹھ مرد، بیس عورتیں اور ۹ بچے روانہ کئے گئے۔ عورتیں ریشم کھولنے کیلئے گئیں، مردوں کا مشاہرہ چالیس روپے سے سو روپے تک اور عورتوں کا بیس سے تیس روپے تک خوراک کے علاوہ قرار پایا۔ انہیں دو ماہ کی تنخواہیں پیشگی دی گئیں اور سفر کے تمام تر اخراجات سلطان سعود کے ذمہ تھے، ان لوگوں سے تین سال کا اقرار نامہ لکھایا گیا، ان میں سے بعض بمعہ اہل وعیال اور بعض تنہا گئے۔

یہ لوگ انیس ہزار روپیہ کا ریشم اور ستر و سو روپیہ کا لکڑی کا سامان اور اوزار وغیرہ خرید کر ساتھ لے گئے۔ چونکہ حزام اور برقع کعبہ زریں کام مکہ مکرمہ میں ہونا دشوار تھا اس لئے ان حصوں کا ٹھیکہ حافظ حاجی بشیر الدین ساکن محلہ مسجد فتح پوری دہلی کو تخمیناً چھ ہزار روپے میں دے دیا۔

فصل نمبر 3:

غلاف کعبہ کے اجزاء

خلافت عثمانیہ کے دور سے غلاف چار بڑے اجزاء میں مشتمل چلا آرہا ہے:

١۔ اصل غلاف۔ ٢۔ حزام یعنی پٹی۔ ٣۔ رنوکات یعنی دامن ے۔

٤۔ برقع یا ستارہ باب کعبہ یعنی دروازہ کعبہ کا پردہ۔

غلاف ٦٢ ٹکڑے جوڑ کر بنایا جاتا ہے جن میں سے ہر ایک ٹکڑا ٢٦ ٢ ذراع (یعنی ٣٩ فٹ یا ١١ میٹر ٨٩، سینٹی میٹر) لمبا اور ٩٠ سینٹی میٹر (یعنی ١٣٥ انچ) چوڑا ہوتا ہے۔ کپڑے کی مجموعی پیمائش ١٦١٢ ذراع یعنی ٢٤١٨ فٹ تھی۔ کپڑے کے عرض میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دو سطروں میں انتہائی خوش خط اوپر سے نیچے تک مسلسل کڑھائی کیا گیا تھا۔ اس طرح ١١٨ انچ چوڑے اور ١٣٥ انچ لمبے ٹکڑے میں پورا کلمہ شریف آجاتا تھا۔ اور ١٣٥ انچ طول اور عرض کے ٹکڑے میں دو مرتبہ کلمہ شریف بنا ہوا تھا۔ کلمہ شریف کے حروف ''الف'' یا ''لام الف'' کی لمبائی تقریباً ١٠، ١١ انچ اور حروف کی جسامت یا موٹائی ایک تہائی انچ تھی۔ ہر کلمہ کے اوپر جل جلالہ ایک طرف سیدھا اور دوسری طرف معکوس اس عمدگی سے لکھا گیا تھا کہ بظاہر حرف جلالہ دکھائی دیتا تھا مگر ''جیم'' کا سر اور ''ل'' کو دو مرتبہ پڑھنے سے جل جلالہ صاف نظر آتا تھا۔ کلمہ کے اوپر ایک مثلث میں لفظ ''اللہ'' جو کلمہ کا جزو تھا، بنا ہوا تھا اور نیچے کی طرف دوسرے مثلث میں ''یا اللہ'' لکھا تھا۔

اگرچہ یہ تفصیلات ١٣٢٥ھ مطابق ١٩٠٨ء میں موجود غلاف کی بیان کی گئی ہیں، لیکن اسی نوعیت کے غلاف خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں چڑھائے جاتے تھے۔ البتہ لکھائی کا انداز تبدیل ہوتا رہا ہے۔

حزام یعنی پٹی:

تقریباً تین فٹ چوڑی زریں کام سے مرصع ایک پٹی کعبہ شریف کے گرداگرد غلاف میں لگی ہوئی ہے۔ سنہری اور روپہلی لکھائی سے مزین اس پٹی کے موجد سلطان سلیمان خان بن سلیم خان عثمانی ہیں۔ جنہوں ٩٢٣ھ میں غلاف کے ساتھ بنوائی تھی، جب کہ اس سے پہلے صرف زرد ریشم کی پٹی لگائی جاتی تھی۔

پٹی لگانے کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاف کے دو ٹکڑوں کا جہاں جوڑ ملتا تھا اسے چھپانے کی غرض سے پٹی لگا دی جاتی تھی، حزام یعنی پٹی کے آٹھ ٹکڑے تھے جو ہر دیوار پر دو، دو ہوتے تھے۔ اس کا استر سرخ اطلس کا اور اوپر کی جانب سیاہ ریشمی مخمل نما کپڑا جس پر طغرائی شکل میں سنہری تاروں سے نہایت خوشخط آیات قرآنیہ کڑھی ہوتی تھیں۔ حزام کی ان آٹھ پٹیوں پر تقریباً سوا پینتیس سیر سونا خرچ ہوتا تھا۔

حزام پر خطاطی مصر کے شہرۂ آفاق خوشنویس ''عبدالملک بک زہدی'' نے اسماعیل پاشا خدیو کے زمانہ میں کی تھی۔ جو سلطان محمد رشاد الخامس عثمانی کے عہد میں ہوا ہے۔

نصف صدی قبل کی لکھائی:

☆ دروازہ والی شرقی دیوار پر حسب ذیل آیات لکھی ہوئی تھیں:

((بسم الله الرحمن الرحيم ٥ واذ جعلنا البيت .... والركع السجود))

(البقرہ، آیت ۱۲۵)

((واذ يرفع ابراهيم .... التواب الرحيم))(البقرہ ۱۲۷، ۱۲۸)

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان والی دیوار پر یہ آیات لکھی تھیں:

((بسم الله الرحمن الرحيم٥ قل صدق .... عميق))(سورۃ الحج، آیت ۲۶)

مغربی دیوار پر کندہ آیات:

((منافع لهم .... بالبيت العتيق))(سورۃ الحج، آیت ۲۷)

میزاب والی دیوار پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی:

((فى ايام دولة مولانا .... خلد الله ملكه))

☆ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں حسب ذیل آیات لکھی ہوئی تھیں۔

دروازہ والی مشرقی دیوار پر:

((وعهدنا الى ابراهيم .... انك انت التواب الرحيم))

اس کے نیچے غلاف کے وسط میں ایک سطر میں یہ عبارت لکھی تھی:

((ثم صنع هذا .... العربية السعودية سنة ۱۳۷۷ھ))

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ آیات لکھی تھیں:

((بسم الله الرحمن الرحيم واذ بوانا لابراهيم مكان البيت))

حطیم والی دیوار پر مذکورہ آیت کا اگلا حصہ لکھا تھا:

((وليوفوا نذورهم .... من مقام ابراهيم مصلى))

جب تک غلاف کعبہ مصر سے آتا رہا یہ مقدس ہدیہ بھیجنے والے بادشاہ کا نام باب کعبہ کے پردہ پر لکھا جاتا تھا، لیکن جب ۱۳۴۷ھ سے غلاف مکہ معظمہ میں تیار کیا جانے لگا تو رئیس مملکت السعودیہ کا نام غلاف پر لکھنا شروع کر دیا گیا۔

دروازہ والی سمت میں بسم اللہ کے بعد لکھا ہوا تھا:

((ان اول بيت وضع للناس...... غنى عن العالمين ......صدق الله العظيم))

رکن حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین بسم اللہ شریف کے بعد **جعل الله الكعبة البيت الحرام** سے **بكل شى عليم** تک بعد **صدق الله العظيم**۔

مغربی دیوار پر:

بسم اللہ کے بعد:

((واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسماعيل ......التواب الرحيم......صدق الله العظيم))

حطیم والی دیوار پر بسم اللہ شریف کے بعد:

((مما امر بعمل هذا الكسوة الشريفة العبد الفقير السلطان فلان))

مؤلف مراۃ الحرمین اپنے دور کے غلاف کی پٹیوں کا طول اوران میں زردوزی کا وزن حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

غلاف کعبہ میں مختلف سمتوں میں آٹھ پٹیاں لگی ہوئی ہیں:

مختلف ادوار میں غلاف چڑھانے کی تاریخ:

کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے کا دستور مختلف تاریخوں اور ایام سے چلا آرہا ہے جس کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

ادوار	ایام
ملوک تبع الحمیری اور اس کے بعد	پہلا غلاف بالکل بوسیدہ ہو جانے پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا۔
ابتداء اسلام اور قبل از اسلام	۱۰ محرم۔
قریش کے زمانہ میں	۸ ذی الحجہ کو غلاف اور ۱۰ محرم کو آزار چڑھاتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن عمر کے زمانہ میں	۱۰ ذی الحجہ۔
سیدنا امیر معاویہ کی خلافت میں	(۱) ۱۰ محرم اور (۲) رمضان کے آخری ایام میں۔
خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں	(۱) یکم رجب (۲) ۲۷ رمضان اور (۳) ۸ ذی الحجہ۔
چھٹی صدی ہجری کے بعد سے ۱۳۸۷ھ تک	۸ ذی الحجہ کی صبح کو۔

۱۳۸۷ھ سے ۱۴۰۱ھ تک بھی ۸ ذی الحجہ کو غلاف چڑھایا جاتا رہا، لیکن شاہ فہد کے برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۴۰۲ھ اور ۱۴۰۳ھ میں یکم ذی الحجہ کو غلاف چڑھایا گیا۔

غلاف میں تحریر کردہ امراء وسلاطین کے اسماء:

قدیم زمانہ میں غلاف کعبہ میں نہ تو نقش ونگار ہوتا تھا اور نہ ہی آیات وغیرہ لکھی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں غلاف کی صناعت میں نفاست اور غلاف بنانے والے بادشاہ یا امیر کا نام اور پھر آیات قرآنیہ لکھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، چنانچہ سب سے پہلے جو عبارت غلاف پر لکھی گئی وہ حسب ذیل ہے:

امام فاکہی کہتے ہیں کہ میں نے غربی رکن کی جانب غلاف پر یہ عبارت لکھی دیکھی:

((مما امربه السرى .... اى من الحجرة))

امام فاکہی نے غلاف کعبہ کے ایک ٹکڑے پر یہ عبارت بھی دیکھی:

((مما امربه امير المومنين المامون سنة ست و مائتين))

امام فاکہی کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ مہدی عباسی کے غلافوں میں سے ایک غلاف پر یہ عبارت بھی لکھی دیکھی:

((بسم الله بركة من الله .... و ستين و مائة))

ایک غلاف پر یہ عبارت تحریر تھی:

((ومما امر به عبد الله .... خمسين و مائة))

خلیفہ ہارون الرشید کے قباطی مصری غلاف پر یہ عبارت تحریر تھی:

((بسم الله بركة من الله .... سنة تسعين و مائة))

ابوسرایا نے کوفہ سے دوغلاف زرد اور سفید ریشم کے بھیجے تھے جن پر یہ عبارت لکھی تھی:

((بسم الله الرحمن الرحيم ـ وصلى الله .... لبيت الله الحرام))

یہ غلاف یکم محرم ۲۰۰ ہجری کو کعبہ شریف پر چڑھائے گئے تھے۔

بعدازاں ۵۷۸ھ میں ابن جبیر نے غلاف پر قرآنی آیات کا ذکر بھی کیا ہے۔

سبز غلاف پر سرخ رنگ میں قرآنی آیات اور خلیفہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ مشرقی جانب بسم الله الرحمن الرحيم اوران اول بيت جلی حروف میں اور باقی تینوں اطراف میں خلیفہ کا نام اور اس کے حق میں دعائیہ کلمات لکھے تھے۔

۸۲۵ھ میں غلاف پر یہ عبارات لکھی ہوئی تھیں۔

مشرقی جانب کی پٹی پر:

((ان اول بيت وضع للناس ...... تا ...... فان الله غنى عن العلمين))

مغربی جانب:

((واذ يرفع ابراهيم القواعد ...... تا ...... انك انت التواب الرحيم))

جنوبی سمت:

((جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس ...... تا ...... وان الله بكل شيء عليم))

اور شمالی جانب مصر کے بادشاہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

سیاہ ریشمی غلاف پر سفید سوتی دھاگہ سے قرآنی آیات کڑھی تھیں، جب کہ رکن غربی اور رکن شامی کے درمیان یہ عبارت لکھی تھی:

((مما امر بعمل هذا الكسوة الشريفة العبد الفقير السطان فلان))

شاہ سعود کے دور میں تقریباً سات سال تک سیاہ حریر کا غلاف بغیر قرآنی آیات اور خلیفہ کے نام کے چڑھایا جاتا رہا۔ جب کہ ۱۳۳۳ھ میں قرآنی آیات کے علاوہ مشرقی جانب محمد رشاد الخامس عثمانی کا نام لکھا ہوا تھا۔

سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل کے زمانہ میں مصر سے غلاف نہ آیا تو سلطان مذکور نے غلاف بنوانے کا حکم دیا۔ اس پر قرآنی آیات کے علاوہ حطیم والی سمت میں یہ عبارت لکھی گئی تھی:

((هذه الكسوة صنعت .... واتم التسليم))

۱۳۸۵ھ میں مصر اور سعودی حکومت کے مابین جب ایک معاہدہ ہوگیا تو پھر غلاف پر یہ عبارت لکھی گئی:

((امر يصنع هذه .... خمسين هجرية))

اس کے بعد دروازہ والی سمت پر سعودی حکمران کا نام لکھا جانے لگا۔

فصل نمبر 4:

احرام کعبہ

کعبہ معظمہ پر ایام حج میں ایک سفید کپڑا لٹکایا جاتا ہے جسے لوگ احرام کعبہ کہتے ہیں۔ احرام کیا چیز ہے؟ اسے اس نام سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟ اور کب معرض وجود میں آیا؟

عوام الناس کا خیال ہے کہ جس طرح مناسک حج میں حاجی کے لئے احرام ضروری ہے، اسی طرح کعبہ شریف کو بھی احرام باندھا جاتا ہے، حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، درحقیقت ایام حج میں حجاج کثرت سے غلاف کعبہ کو چھوتے اور مس کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پھٹ جاتا ہے۔ لہٰذا حفاظت کی غرض سے اسے قد آدم کی مقدار اوپر اٹھا دیا جاتا ہے تا کہ لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔ ابتداء میں جب غلاف اٹھانے کی وجہ سے کعبہ شریف ننگا نظر آیا تو ایک کپڑا بطور غلاف لٹکا دیا جاتا تھا، لیکن بعد میں یہ ایک مستقل دستور ہی بن گیا اور لوگوں نے اس کپڑے کا نام احرام مشہور کر دیا۔

علامہ ابن جبیر اندلسی جب ۵۷۸ھ کو زیارت حرمین شریفین سے باریاب ہوئے تو وہ لکھتے ہیں:

''۲۷ ذی قعدہ کو غلاف کعبہ چاروں اطراف سے قد آدم کے برابر اونچا کر دیا جاتا ہے تا کہ لوگوں کے چھونے سے پھٹنے نہ پائے اور اسے احرام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''احرمت الکعبۃ'' یہ طریقہ مستقل طور پر جاری ہے۔ حجاج کے چلے جانے کے بعد غلاف کھول دیا جاتا ہے۔''

بعینہٖ یہی بیان ابن بطوطہ کا ہے جب کہ وہ ۷۲۸ھ میں حج بیت الحرام کو گیا تھا۔

علامہ محمد طاہر کردی لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہ طریقہ ہے کہ ہر سال سات ذی الحجہ کو غلاف قد آدم جتنا بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کے نیچے سفید کپڑا لٹکایا جاتا ہے، اگرچہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ احرام کا طریقہ کب اور کیوں رائج ہوا۔ خیال ہے کہ یزید بن معاویہ یا مامون الرشید کے زمانہ میں یہ شروع ہوا ہے۔ جیسا کہ امام ازرقی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

کعبہ مشرفہ پر سال میں دو مرتبہ غلاف ڈالا جاتا ہے۔ ۸ ذی الحجہ کو دیباج کا اور ۱۰ محرم کو قباطی کا۔ لوگوں کے مس کرنے اور پھاڑنے کے پیش نظر دیباج کا غلاف اونچا رکھا جاتا تھا، اسی لئے حجاج کے مکہ مشرفہ سے چلے جانے کے بعد دس محرم کو قباطی کا غلاف بطور ازار لٹکا دیا جاتا تھا۔

مامون الرشید کو جب خلافت ملی تو اسے بتایا گیا کہ عید الفطر کے آنے سے پہلے ہی ازار کعبہ (دیباج کا غلاف) لوگوں کے چھونے سے پھٹ جاتا ہے، چنانچہ خلیفہ موصوف نے ۲۰۶ھ میں ایک اور سفید دیباج کا ازار ڈالنے کا فرمان جاری کیا، جس کے بعد سال میں تین غلاف چڑھائے جانے لگے، سرخ دیباج کا غلاف ۱۰ محرم کو، قباطی کا یکم رجب کو اور سفید دیباج کا غلاف جسے مامون الرشید نے جاری کیا تھا، ۲۷ رمضان المبارک کو۔

بعد ازاں خلیفہ کو پھر آگاہ کیا گیا کہ جو غلاف ۲۷ رمضان شریف کو چڑھایا جاتا ہے وہ ایام حج سے پہلے ہی پھٹ جاتا ہے، اس لئے موصوف نے حکم دیا کہ ۷ یا ۸ ذی الحجہ کو ایک اور سفید دیباج کا ازار ڈال دیا جائے تا کہ غلاف پھٹنے سے کعبہ معظمہ ننگا نہ ہو، اور دس محرم کو

سرخ دیباج کا غلاف حسب دستور چڑھایا جائے۔
علامہ کردی کہتے ہیں کہ مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاف کعبہ کو چھونے اور پھٹنے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے خلیفہ مامون الرشید نے جس سفید ازار کے لٹکانے کی طرح ڈالی تھی، وہ آج تک جاری ہے۔ البتہ مختلف ادوار میں اس کے چڑھانے کی تاریخ متفرق رہی ہے، مثلاً: ۲۷ ذی القعدہ، ۷ یا ۸ ذی الحجہ، لیکن رنگ ہمیشہ سفید ہی رہا، سفید ازار کا نام احرام کعبہ مشہور ہو گیا۔
۱۴۰۱ھ تک مذکورہ سفید ازار ۷ ذی الحجہ ہی کو لٹکانے کا معمول چلا آ رہا تھا، لیکن ۱۴۰۲ھ میں شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کے فرمان روا بننے کے بعد یکم ذی الحجہ کو احرام لٹکائی گئی اور اسی دن غسل کعبہ بھی دیا گیا۔ ازار حجاج کے بکثرت چھونے اور کھینچا تانی سے بہت جلد پھٹ جاتی ہے۔ ۱۳۹۹ھ میں راقم الحروف نے ۱۰ ذی الحجہ کو نصف ازار پھٹی ہوئی دیکھی لیکن ۱۱ ذی الحجہ کو بالکل غائب تھی۔ یہی حال ۱۴۰۲ھ میں دیکھا گیا۔

فصل نمبر 5:

مصر سے مکہ تک غلاف کعبہ کی منازل

جس زمانہ میں غلاف کعبہ مصر کی حکومت بھیجتی تھی، غلاف کی تیاری کے علاوہ بار برداری پر بھی کثیر خرچ کرتی تھی۔ ان کا دستور تھا کہ غلاف کو بے حد احترام اور ادب کے ساتھ صندوقوں اور تھیلوں میں بھر کر چند ذمہ دار اور با اثر افراد کے حوالے کر دیا جاتا جو اونٹوں پر لاد کر قافلہ کی صورت میں مکہ مکرمہ پہنچتے تھے۔
قاہرہ سے غلاف عموماً ۳ شوال کو خشکی کے راستے روانہ ہوتا تھا، جو مکہ معظمہ میں ۳۷ دن کی صبر آزما مسافت طے کر کے پہنچتا تھا۔ ۳۱ راتیں قافلہ چلنے میں اور ۶ دن مختلف منزلوں پر قیام میں صرف ہوتے تھے۔ قاہرہ سے مکہ شریف تک قدیم زمانہ میں ۳۱ منزلیں تھیں اور تقریباً چالیس سال تک حسب ذیل خشکی اور بحری راستہ سے غلاف آتا رہا۔ قاہرہ سے سویز تک ریل کے ذریعہ سویز سے جدہ تک بحری جہاز میں اور جدہ سے خشکی کے راستے مکہ شریف تک پہنچتا تھا۔ اس طرح سارے راستے میں کل ۱۲ منزلیں تھیں۔

فصل نمبر 6:

غلاف کعبہ کے اخراجات

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں غلاف کعبہ کے مصارف کا تخمینہ ۴۵۵۰ گنی سالانہ تھی۔ جس کی تفصیلات اس طرح ہیں:
چاندی کے خسیش اور سنہری خسیش کی قیمت

۱۴۹۳۵ھ مثقال اور ۳۸۰۵ مثقال سفید چاندی	۵۱۵ گنی
زرکشی کا کام کرنے والوں کی اجرت جن کی تعداد ۲۴ تھی	۱۴۶۴ گنی
حریر کی قیمت اور بننے کی اجرت، بننے والوں کی تعداد ۷۰ تھی	۱۱۱۱ گنی
کام کرنے والے آلات کی قیمت مثلاً: چھینٹ وغیرہ	۲۰۰ گنی
شب مہرجان کے مصارف جس میں معمولاً سالانہ جلسہ ہوتا تھا	۱۵۰ گنی
غلاف کی تیاری کے آخر میں کام کرنے والوں پر صرف کیا جاتا تھا	۱۶۰ گنی

ملازمین کی تنخواہیں اور دفتر غلاف کے متعلقین کے وظائف ۸۵۰ گنی

میزان ۴۵۵۰ گنی

یہ رقم تقریباً ۶۳۷۰۰ ریال بنتی ہے۔

سلطنت مصر کے مختلف سالوں کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ھ سے ۱۹۲۴ء تک صرف غلاف کی تیاری و بار برداری وغیرہ پر کم سے کم چار ہزار گنی اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار گنی سالانہ خرچ ہوتے یعنی پچاس ساٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک خرچ ہوتے رہے۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۶ء کے تفصیلی اخراجات غلاف تحریر کئے جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہو جائے گا کہ کس مد میں کتنا خرچ ہوتا تھا۔ مصری گنی کی قیمت کم و بیش چودہ روپے کلدار ہوتی ہے، جب کہ ایک ہزار ملیم کی ایک گنی ہوتی ہے۔

تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	مدارات	گنی	ملیم
۱۔	ریشم	۱۱۲۲	
۲۔	سنہری مخیش (تار) ۱۶۰۰۰ مثقال	۱۱۹۶	۷۵۰
۳۔	روپہلی مخیش (تار) ۶۵۰۰ مثقال	۸۰۷ تقریباً	
۴۔	اخراجات زرردوزی	۱۳۱۰	
۵۔	ریشم کی بنوائی	۵۱	۱۹۰
۶۔	ریشم کی رنگوائی	۱۳۷	۱۰۰
۷۔	سوتی دھاگہ کی بٹوائی	۳۴	۸۵۰
۸۔	سبزہ و سرخ اطلق	۱۱	۲۲۰
۹۔	دھاگہ بٹواء	۴	۲۰۰
۱۰۔	قطن مفتول، درستی بوص قدیم و جدید	۲۴	۸۵۰
۱۱۔	درستی بوص قدیم و جدید	۳۰	۵۷۰
۱۲۔	اجرت تکویف	......	۵۸۰
۱۳۔	ریشمی تکلیل کی بٹوائی	۴	۵۷۰
۱۴۔	قیمت ریشم رنگین	۶	۷۲۰
۱۵۔	سوت کے کام کی اجرت	۱	۸۳۰
۱۶۔	سوتی دھاگے اور ریشم کی رنگوائی	۲	۳۳۰
۱۷۔	قرابہ مسی برائے عراق گلاب	۱	۷۲۰
۱۸۔	جھالر کی تیاری	۶	۵۵۰

۱۹۔	رسیاں	......	۷۴۰
۲۰۔	ٹاٹ کے تھیلے (غلاف کا کپڑا رکھنے کیلئے)	۱	۳۶۰
۲۱۔	سفید خاصہ (غلاف کے استر کے لئے)	۱۷	۸۸۰
۲۲۔	مختلف قسم کی چاندی	۱۱	۹۳۰
۲۳۔	ازار فضہ	۲۰	۷۴۰
۲۴۔	ماءورد	۱	۲۶۰
۲۵۔	غلاف کعبہ کی سلائی	۷	۱۰۰
۲۶۔	ریل پر غلاف کعبہ لادنے کی اجرت	۲	۸۰
۲۷۔	متفرق اخراجات متعلق غلاف	۸	۲۲۰
۲۸۔	پانی	۶	۲۸۰
۲۹۔	حریر کی تیاری کی اجرت	۴	۲۸۰
۳۰۔	غلاف بننے والوں کی اجرت	۲۱۸	۸۰۰
۳۱۔	تنخواہ رئیس النوالہ (محاسبہ)	۳۰	
۳۲۔	غلاف کے لپیٹنے اور تہہ کرنے کی اجرت	۷	۵۵۰
۳۳۔	غلاف کی درستی وصفائی		۵۹۰
۳۴۔	کارخانہ تیاری غلاف کے متفرق اخراجات بروز جلوس		۵۵۰
۳۵۔	مستری کا بھتہ		۲۵۰
۳۶۔	بھتہ برائے محاسب		۲۵۰
۳۷۔	الاؤنس برائے خدمت گاراں (بروز جلوس)		۴۲۰
۳۸۔	الاؤنس برائے کاریگراں (بروز جلوس)		۴۸۰
۳۹۔	الاؤنس برائے مستحقین (بروز جلوس)		۴۳۰
۴۰۔	الاؤنس برائے رئیس کبیر (جلوس کے دن)		۶۳۰
۴۱۔	الاؤنس برائے محاسب (جلوس کے دن)		۵۸۰
۴۲۔	الاؤنس برائے مہالی (جلوس کے دن)		۹۹۰
۴۳۔	الاؤنس برائے قاریان (جلوس کے دن تلاوت کی وجہ سے)		۴۵۰
۴۴۔	الاؤنس برائے خزانچی (جلوس کے دن)		

۴۵۔	الاؤنس برائے محافظ غلاف و مقام ابراہیم (جلوس کے دن)		۵۰۰
۴۶۔	الاؤنس برائے نقیب علم برادر فرقہ سعدیہ (جلوس کے دن)		۳۵۰
۴۷۔	حزام کعبہ کو اٹھانے والے کے لیے الاؤنس (جلوس کے دن)		۴۰۰
۴۸۔	الاؤنس برائے شیخ حزامین (جلوس کے دن)		۵۰۰
۴۹۔	الاؤنس برائے حمال برقع (جلوس کے دن)		۳۰۰
۵۰۔	الاؤنس برائے مشعل روشن کرنے والے (جلوس کے دن)		۹۵۰
۵۱۔	الاؤنس برائے زردوزوں (جلوس کے دن)		۸۰۰
۵۲۔	الاؤنس برائے فراشوں (جلوس کے دن)		۲۰۰
۵۳۔	غلاف کعبہ اٹھانے والوں کے لیے الاؤنس (جلوس کے دن		۹۰۰
۵۴۔	الاؤنس برائے دربان (جلوس کے دن)		۱۰۰
۵۵۔	الاؤنس برائے حمالی غلاف مقام ابراہیم (جلوس کے دن)		۲۰۰
۵۶۔	الاؤنس برائے نقیب رفاعیہ (جلوس کے دن)		۲۵۰
۵۷۔	خیمے نصب کرنیوالوں کے لیے الاؤنس (جلوس کے دن)		۳۰
۵۸۔	الاؤنس برائے کاتب انتظام (جلوس کے دن)		۴۵۰
۵۹۔	الاؤنس برائے فراش مصلحہ (جلوس کے دن)		۱۵۰
۶۰۔	الاؤنس برائے نجار (جلوس کے دن)		۴۵۰
۶۱۔	مسجد حسین کی صفائی کے لیے الاؤنس (جلوس کے دن)		۹۰
۶۲۔	الاؤنس برائے مسجد حسین (جلوس کے دن)		۵۵۰
۶۳۔	بروز جلوس غلاف کی سلائی وزردوزی		۳۵۰
۶۴۔	نخیش (سنہری روپہلی تاریں گرم کرنے کیلئے کوئلے)		۱۵۰
۶۵۔	یوم جلوس پولیس کے سپاہیوں کے لئے بھتہ		۸۰۰
۶۶۔	زردوزوں کو جو نخیش گرم کرتے ہیں۔	۴	
۶۷۔	بیت اللہ کے ممبر کے غلاف کی تیاری۔	۵۵	
۶۸۔	جلوس کی رات کے اخراجات۔	۸۰	
۶۹۔	متفرق۔	۱۲۸	۵۵۰
۷۰۔	مصارف تیاری مصطبہ (اسٹیج)۔	۲۰	

۸۱۰ ملیم	۶۴۰۰ گنی	میزان کل	
	باسٹھ ہزار چار سو روپیہ کلدار		

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء کی شائع شدہ خبر کے مطابق شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود نے جو غلاف کعبہ شریف کی نذر کیا اس پر حسب ذیل لاگت آئی ہے۔

غلاف پر مجموعی اخراجات ۶۰ لاکھ سعودی ریال کا تخمینہ ہے گیارہ ماہ کی مدت میں غلاف تیار ہوا، جس میں ۸۰ گرام ریشم ۳۰۰ کلوگرام سونا اور چاندی اور استر کے علاوہ ۶۵۸ میٹر کپڑا استعمال ہوا۔ یہ غلاف ۱۴ میٹر لمبے ۴۷ ٹکروں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ غلاف پر ۱۶ ٹکڑوں کی پٹی لگائی گئی ہے جس پر سونے اور چاندی کی تاروں سے قرآن مجید کی آیات مرصع کی گئی ہیں، جب کہ دروازہ کا پردہ (برقع کعبہ) ۴ میٹر چوڑا اور ساڑھے سات میٹر لمبا ہے۔ اسے مکمل طور پر سونے اور چاندی کی کامدانی (وہ ریشمی کپڑا جس پر کام کیا گیا ہے) سے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں ۱۲۰ کلوگرام سونا اور چاندی استعمال ہوا۔ یہ پردہ بیت اللہ کے نئے طلائی دروازہ پر لگایا جائے گا۔ اس سے قبل ۱۳۶۳ھ میں دروازہ نصب کیا گیا تھا۔ نئے دروازہ پر ۱۸۰ کلوگرام سونا استعمال کیا گیا ہے۔

فصل نمبر 7:

کعبہ شریف کا اندرونی غلاف

کعبہ شریف کا بیرونی غلاف سال میں ایک مرتبہ، دو اور تین مرتبہ بھی تبدیل ہوتا رہا ہے، کیونکہ بارش، غبار، ہوا اور سخت دھوپ کی وجہ سے غلاف جلد کمزور ہو جاتا ہے، اس لئے اسے بار بار تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اندر کا غلاف ہر قسم کے حوادثات سے محفوظ ہونے کی وجہ سے نیا ڈالنے کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔ اس بنا پر اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں صرف چند مرتبہ اندر کا غلاف تبدیل کیا گیا ہے۔ البتہ سلاطین عثمانی ہر سال بیرونی اور اندرونی غلاف چڑھاتے رہے ہیں۔

اندر کا غلاف سب سے پہلے کس نے چڑھایا؟ اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ امام تقی فاسی کے بیان کے مطابق:

سب سے پہلے ملک مظفر صاحب یمن نے ۶۵۹ھ میں کعبہ کے اندر غلاف لٹکایا۔

پھر ۷۶۱ھ میں ملک ناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے سرخ ریشم کا غلاف بھیجا۔

۸۲۶ھ میں ملک اشرف برسبائی سلطان مصر نے بھی سرخ غلاف بھیجا اور پرانا اتار دیا گیا۔

۸۴۸ھ میں شاہ رخ سلطان عجم نے غلاف بھیجا۔

پھر ۸۵۶ھ میں ملک ظاہر جقمق نے غلاف بھیجا۔

۸۸۳ھ میں سلطان قیتبائی نے غلاف لٹکایا۔

۱۱۱۸ھ میں سلطان احمد خان بن سلطان محمد رابع نے اندرونی غلاف استنبول میں تیار کرنے کا حکم دیا۔

۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالعزیز خان بن سلطان محمود ثانی نے نیا غلاف بھیجا جو ۱۳۶۳ھ تک موجود تھا۔

بعد میں ملک عبدالعزیز بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے نیا غلاف لٹکایا۔ اندر والا غلاف اکثر سرخ رنگ کا ہی چڑھایا جاتا رہا۔ اس وقت بھی سرخ رنگ کا غلاف موجود ہے (جو غالباً ملک عبدالعزیز کا ہی ہے)۔

اندر کے غلاف کا سرخ رنگ غالباً اس وجہ سے اختیار کیا گیا کہ کعبہ شریف میں نہ تو کوئی روشندان ہے نہ کھڑکی اور نہ ہی اندر کوئی فانوس یا بجلی کا قمقمہ جلتا ہے، سوااس کے کہ جب دروازہ کھلتا ہے تو تھوڑی سی روشنی ہو جاتی ہے، تو ایسے میں سرخ رنگ بآسانی نظر آجاتا ہے۔

اندر والے غلاف پر لکھائی کا انداز باہر والے غلاف سے بالکل مختلف ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

سب سے اوپر خوشنما بیضوی دائروں میں ''یا منان'' اور چھوٹے چھوٹے دائروں میں ''یا سلطان'' اور ''یا سبحان'' کڑھا ہوا ہے۔ پھر بیضوی دائروں میں ''یا حنان'' لکھا ہوا ہے۔ بعدازاں تقریباً گز بھر عرض میں لہریئے کی شکل میں آیت:

((قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضها، فول وجهك شطر المسجد الحرام))

مسلسل تین مرتبہ لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد جلی حرف میں مسلسل تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کڑھا ہوا ہے اور آخر میں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم تین جگہ کڑھا ہوا ہے۔

فصل نمبر 8:

ستارۂ کعبہ

کعبہ شریف کے دروازہ پر بے حد خوبصورت، دیدہ زیب و دلفریب ایک پردہ ڈالا جاتا ہے، جسے ستارۂ کعبہ، باب کعبہ، برقع کعبہ یا پردہ باب کعبہ کہا جاتا ہے۔ جس پر سونے اور چاندی کی تاروں سے انتہائی نفاست کے ساتھ قرآنی آیات بنی ہوئی ہیں۔ علامہ طاہر کردی اس کی تاریخ ایجاد اور تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ہمیں اس بات کا پوری طرح علم تو نہ ہو سکا کہ باب کعبہ کا پردہ سب سے پہلے کب اور کس نے چڑھایا اور یہ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتداء جواہرات سے مرصع شمسیات (چھتریوں) سے ہوئی جو مختلف اوقات میں سلاطین و امراء تحفے کے طور پر بھیجتے رہے یا مستقل طور پر سے بنایا گیا، جب کہ قدیم زمانہ میں دروازہ کی جگہ خالی چھوڑ کر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ البتہ اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ نویں صدی ہجری کی ابتداء میں برقع کعبہ موجود تھا۔ چنانچہ کتاب ''الحمل والحج'' کے مولف نے ''صبح الاعشی، جلد۴، صفحہ ۲۸۱، ۲۸۳'' سے نقل کیا ہے کہ ملک ناصر برقوس نے سیاہ دیباج کا غلاف کعبہ شریف پر چڑھایا، جس پر قرآنی آیات اور نقش و نگار سفید کیا گیا تھا۔ اسی نسبت سے باب کعبہ کا برقع بھی سیاہ بنوایا، جس پر قرآنی آیات سفید دھاگہ سے کڑھی ہوئی تھیں۔ یہی انداز فرج بن برقوق کے ابتدائی زمانہ میں بھی تھا، جب کہ ملک فرج کا سن وصال ۸۰۱ ہجری ہے۔''

برقہ کے حاشیہ میں بارہ چھوٹے گول دائرے ہیں جن میں ''اللہ ربی'' لکھا ہوا ہے۔ جب کہ حاشیہ میں بیضوی دائروں میں الحمد شریف تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لکھی گئی ہے جو دوسری جانب اوپر جا کر ختم ہوتی ہے۔ حاشیہ کی پیشانی پر پہلے دائرہ میں ''الله ربی'' پھر آیت ''قد نرى تقلب وجهك في السماء'' اس کے چھوٹے دائرہ میں "الله حسبی" بعد میں "فلنولينك قبلة ترضها" اور پھر چھوٹے دائرہ میں ''اللہ ربی'' برقع کے متن میں بارہ بڑے بیضوی دائرے، دو بڑے گول دائرے، چار مثلث نما دائرے اور کچھ پٹیاں ہیں۔

فصل نمبر 9:

محمل

محمل کے لغوی معنی بوجھ اٹھانے والی چیز کے ہیں، اور اس سے مراد وہ ہودج ہے جو عورتوں کی باپردہ سواری کے لئے اونٹ پر رکھا جاتا تھا، لیکن کچھ عرصہ تک محمل کو غلاف کعبہ کا ایک لازمی جز تصور کرلیا گیا تھا۔

محمد لبیب بتونی لکھتے ہیں:

بعض مورخین کا خیال ہے "محمل" اس ہودج کا نام ہے جس پر ملک الصالح نجم الدین کی ملکہ فاطمہ شجرۃ الدر سوار ہوکر ۶۴۵ھ میں حج بیت اللہ کو گئی تھیں، لیکن بعد میں وہ اونٹ اور مذکورہ ہودج پوری شان و شوکت کے ساتھ حرمین شریفین جاتا رہا، حالانکہ اس میں کوئی آدمی سوار نہیں ہوتا تھا کیونکہ بادشاہوں کی نشست گاہ پر کوئی دوسرا آدمی احتراماً نہیں بیٹھتا تھا، لیکن بعض مورخین اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے، ان کے نزدیک محمل کا رواج انتہائی قدیم بلکہ اسلام سے بھی پہلے موجود تھا۔ اس کی تحقیق میں محمل اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس پر کعبہ شریف کے لئے ہدیے اور تحفے لاد کر بھیجے جاتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف کے لئے تحفے محمل پر لاد کر مکہ بھیجے تھے۔ اسی طرح تاریخ میں محمل عراقی، محمل یمنی، محمل ابن الرشید، محمل ابن سعود اور محمل ابن دینار وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ یہ تمام حرمین شریفین کے لئے تحفے لانے والے اونٹ ہی تھے۔

چنانچہ نعوم بک سقیر تاریخ سوڈان میں لکھتے ہیں:

"حکومت الفور ہر سال بہت سے صدقات اور خیرات محمل کے ذریعہ حرمین شریفین بھیجتی ہے۔"

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمل شجرۃ الدر حقیقت میں تحائف سے لدا ہوا مزین ہودج والا اونٹ تھا جو ملکہ موصوف کی سواری کے ساتھ حرمین شریفین گیا تھا۔ بعد میں تحائف بھی بھیجنے کے لئے ہر سال اس کی زیبائش و آرائش میں اضافہ ہوتا گیا، جس کے سبب محمل کی پوشش اور دیگر ہدایا کا وزن اس قدر زیادہ ہوگیا کہ انہیں متعدد صندوقوں میں بند کر کے کئی اونٹوں پر لاد کر روانہ کیا جاتا تھا۔ محمل کے غلاف اور متعلقہ چیزوں کا وزن ۱۴ قنطار تھا (جبکہ قنطار ساٹھ کلو کا ہوتا ہے)۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ جانے والے امراء، روساء اور دوسرے لوگوں کی تعداد میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا جو رفتہ رفتہ جلوس کی شکل اختیار کر گیا، جس پر سالانہ اخراجات ۵۰۰۰۰ جنیہ یعنی تقریباً سات لاکھ ریال تھے۔

تاریخ غلاف کعبہ کے مولف نے ہر ایک مد کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کر کے چھ لاکھ ریال سالانہ کا خرچہ تحریر کیا ہے۔

محمل کے ساتھ سفر کرنے کو لوگ بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے، چند سالوں کی تعداد قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے:

۱۔ ۱۹۰۳ء میں شرکاء کی تعداد ۲۸ تھی۔
۲۔ ۱۹۰۴ء میں ۶۹۶۔
۳۔ ۱۹۰۵ء میں ۱۶۰۵۔
۴۔ ۱۹۰۶ء میں ۸۴۷۔
۵۔ ۱۹۰۷ء میں ۱۵۴۸۔
۶۔ ۱۹۰۸ء میں ۱۸۱۹ ہوگئی تھی۔

(مراۃ الحرمین، جلد ۲، صفحہ ۲۶۰)

مؤلف غلاف کعبہ کی تصریحات کے مطابق اس کے ساتھ بہت سی غیر شرعی چیزیں بھی شامل ہوگئی تھیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ اس پر نذر نیاز چڑھانا، عرضیاں ڈالنا، اس سے مرادیں مانگنا اور بینڈ باجے قابل ذکر ہیں اور بالآخر ۱۳۴۴ھ میں حسب دستور جب

محمل باجے کے ساتھ حرم میں داخل ہوا اور عرفات جاتے وقت کسی پرجوش نجدی نے اس کو کھیل تماشہ تصور کرکے اونٹ کے پاؤں پر گولی مار کر زخمی کر دیا تو اس کا جواب مصری فوج نے مشین گن سے دیا اور پچاس نجدی مارے گئے۔ابن سعود نے اس فساد کو بڑھنے نہ دیا۔یہ سب سے آخری محمل تھا۔سلطان ابن سعود نے مصری حکومت کو کہا کہ آئندہ محمل کے ساتھ باجا نہ آئے،مگر مصری حکومت نے یہ شرط قبول کرنے کی بجائے اچانک یکم ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کو غلاف کعبہ اور محمل نہ بھیجنے کا اعلان کر دیا۔

باب نمبر 7:

الواحِ کعبہ

مؤرخین کا بیان ہے کہ کعبہ شریف کے اندر دیواروں پر سنگ مرمر کی سات تختیاں آویزاں ہیں،جن پر کعبہ شریف کی خدمت کرنے والے بعض سلاطین کے اسماء گرامی کندہ ہیں۔ان میں سے ایک ایک تختی مشرقی اور شمالی دیوار پر اور پانچ تختیاں مغربی دیوار پر آویزاں ہیں۔جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ باب کعبہ میں داخل ہوتے وقت دائیں جانب مشرقی دیوار میں سنگ مرمر کی تختی۔

۲۔ دوسری تختی شمالی دیوار میں زینہ کعبہ کے قریب آویزاں ہے،جسے سلطان مصطفیٰ عثمان کی والدہ ماجدہ نے ۱۱۰۹ھ میں تعمیر کی خدمت انجام دی۔

۳۔ باب کعبہ سے داخل ہوتے ہی سامنے مغربی دیوار پر ایک پتھر کی منقش تختی ہے،اسے ابوجعفر المنصور نے ۶۲۹ھ میں تعمیر و مرمت کا حکم دیا۔

۴۔ چوتھی تختی بھی غربی دیوار میں تختی نمبر ۳ کے قریب آویزاں ہے۔یہ تختی یوف بن عمر بن علی بن رسول کی یادگار ہے۔جس پر ۶۸۰ھ مرقوم ہے۔وہ یمن کا بادشاہ تھا۔

۵۔ چوتھی تختی کے ساتھ ہی غربی دیوار میں یہ بھی جلوہ نما ہے،جو سلطان مراد خان کی تعمیری خدمات کی یاد تازہ کرتی ہے۔

۶۔ چھٹی تختی بھی مغربی دیوار میں پانچویں کے متصل جلوہ گر ہے یہ تختی مولانا سلطان بن سلطان مہمد خان کی یادگار ہے۔

۷۔ ایک اور تختی غربی دیوار میں جلوہ افروز ہے۔یہ تختی سلطان اشرف ابوالنصر برسبائی کی خدمت کی عکاسی کرتی ہے جو انہوں نے ۸۲۶ھ کو تحریر کی تھی۔(تاریخ الکعبہ:۱۳۹تا۱۴۱)

باب کعبہ سے اندر بائیں جانب ایک لکڑی کی میز رکھی ہوئی ہے جس پر حریر کا پردہ پڑا ہے،اس کے اوپر سبز اطلس کی ایک تھیلی میں کعبہ شریف کی کنجیاں رکھی ہوئی ہیں۔

باب نمبر 8:

معالیق کعبہ

کعبہ شریف کے اندر آویزاں بیش بہا قیمتی اشیاء جو مختلف اوقات میں دنیا کے بادشاہوں اور امراء نے کعبہ شریف کی نذر کی تھیں،ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔دنبہ کے سینگ۔ ۲۔مقاطعہ قریش۔

۳۔کسریٰ کے خزانہ کے دو چاند۔	۴۔صحیفہ الحجر۔
۵۔قیمتی یاقوت۔	۶۔سونے کا بیش قیمت ہار۔
۷۔چاندی کا پائپ۔	۸۔جواہرات سے مرصع چھتریاں۔
۹۔دو بلوری پیالے۔	۱۰۔تخت زینبی اور دو ہلال۔
۱۱۔سونے کا بت مع تخت۔	۱۲۔سونے کی چھتری۔
۱۳۔چاندی کی قندیلیں۔	۱۴۔سونے کی چھتری
۱۵۔شمسیہ۔	۱۶۔سونے کے حلقے اور بلخش۔
۱۷۔قندیلیں اور سونے کی محرابیں۔	۱۸۔سونے کی فانوس۔
۱۹۔چاندی کی قندیلیں۔	

دنبہ کے سینگ:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے فدیہ میں جنت کے جس دنبہ کو ذبح کیا تھا اس کے سینگ کعبہ شریف میں لٹکا دیئے گئے تھے۔ وہ سینگ نبی اکرم ﷺ کے مقدس دور تک محفوظ تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی سے فرمایا کہ میں نے وہ سینگ کعبہ شریف میں دیکھے تھے مگر تمہیں کہنا بھول گیا کہ ان پر کپڑا ڈال دو۔

بعد ازاں سیدنا عبداللہ بن زبیر کے دور میں جب کعبہ شریف جل گیا تو اس روح فرسا حادثہ میں وہ سینگ بھی جل گئے تھے۔

مقاطعہ قریش:

نبوت کے ساتویں سال جب کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان کو قریش مکہ نے شعب بن ہاشم میں محصور کر دیا تو اس دوران قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب سے قطع تعلقات پر مبنی ایک عہد نامہ لکھا جس پر تمام قریش کے سردار متفق تھے، پھر اسے کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

قیمتی چھتریاں اور بلوری پیالے:

☆ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے دو عدد شمسیہ (جواہرات سے مرصع چھتریاں) اور دو بلوری پیالے ارسال کئے۔

☆ خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ نے جواہرات، یاقوت اور زبرجد سے مرصع انتہائی قیمتی چھتری بیت اللہ شریف کے لئے بھیجی جو حج کے ایام میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکائی جاتی تھی۔

☆ ۳۶۲ھ میں خلیفہ المعز الدین اللہ نے ایک نادر روزگار چھتری کعبہ شریف کی نذر کی، جو بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع تھی، جس پر ایک ہزار ایک سو پچیس تولے سونے کے علاوہ بیس ہزار درہم خرچ ہو گئے تھے۔

تخت زینبی اور دو ہلال:

خلیفہ ولید بن یزید نے تخت زینبی اور دو ہلال کعبہ شریف کی نذر کئے۔

سونے کے دو چاند:

امام ازرقی بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم نے جب کسریٰ فتح کیا تو شاہی خزانہ سے سونے کے دو چاند کعبہ

شریف کے لئے ہدیہ بھیجے جنہیں کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

صحیفہ الحجر:

السفاح نے صحیفہ الحجر بھیجا جسے کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

قیمتی یاقوت:

خلیفہ مامون الرشید نے ایک بیش بہا قیمتی یاقوت کعبہ شریف کے لئے بھیجا جسے حج کے دنوں میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکایا جاتا تھا۔

سونے کا ہار:

۲۵۹ھ میں سندھ کے ایک بادشاہ نے جب اسلام قبول کیا تو زمرد اور یاقوت وغیرہ جواہرات سے مرصع سونے کا ایک طوق کعبہ شریف کے لئے تحفہ بھیجا، جو خلیفہ المعتمد کے حکم سے بیت اللہ شریف کے اندر لٹکا دیا گیا۔

چاندی کا پائپ (نلی):

☆ چاندی کی ایک نلی جس میں جعفر امیر المومنین المعتمد علی اللہ اور ابی احمد الموفق باللہ کی بیعت کا اقرار نامہ تھا۔ جس کا وزن ۳۶۰ درہم تھا۔ اس کے باہر چاندی کی تین زنجیریں اور چاندی کے تین بٹن لگے ہوئے تھے۔ ۲۶۱ھ میں الفضل بن عباس حج کے دنوں میں یہ تحفہ لے کر مکہ مکرمہ پہنچا، جسے کعبہ کے دوسرے قیمتی تحائف کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔

☆ ۱۸۶ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے دونوں بیٹوں کی بیعت اور عہد و پیمان کی دستاویز دو قیمتی نلیوں میں ملفوف کعبہ شریف میں لٹکائی گئی۔

سونے کا بت مع تخت:

۲۰۱ھ میں تبت کے ایک بادشاہ نے سونے کا بت جو انسانی شکل کا تھا بمعہ تخت کے کعبہ شریف کے لئے بھیجا۔

شمسیہ:

کعبہ شریف کی نذر کئے جانے والے انتہائی قیمتی سامان میں "شمسیہ" کا ذکر بھی کئی مرتبہ آیا ہے۔

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم اس لفظ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

۱۔ ایسا کپڑا جو کسی مکان کی چاروں دیواروں پر لٹکایا جائے۔

۲۔ وہ معروف چھتری جو بارش اور دھوپ سے بچاؤ کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔

۳۔ کعبہ شریف کا غلاف یا باب کعبہ کا پردہ۔

مذکورہ واقعات میں جس لفظ کا استعمال ہوا ہے اس کیلئے ان توجیہات میں سے ہر ایک توجیہہ ہو سکتی ہے۔

سونے اور چاندی کی قندیلیں:

☆ ۳۵۹ھ میں مطیع عباسی نے کعبہ شریف کے لئے چاندی کی قندیلیں بھیجیں، جن میں سے ہر ایک کا وزن ۶۰۰ مثقال تھا۔

☆ خلیفہ منصور صاحب یمن نے ۳۶۲ھ میں سونے اور چاندی کی قندیلیں بھیجیں۔

☆ ۵۳۲ھ میں شاہ رامشت فارسی نے سونے کی چار قندیلیں بھیجیں جن میں سے ہر ایک کا وزن ۱۰ رطل یعنی پانچ سیر تھا، جو ۱۸ ہزار

دینار کی تھیں۔

☆ ۶۳۲ھ میں ملک منصور عمر بن علی بن رسول شاہ یمن نے سونے اور چاندی کی قندیلیں ہدیہ بھیجیں۔

☆ ۷۰ھ میں شاہ بغداد شیخ اویس نے دو سونے اور دو چاندی کی قندیلیں بھیجیں، جو کعبہ شریف میں کچھ عرصہ تک لٹکائی گئیں بعد میں عجلان بن رمیثہ امیر مکہ نے انہیں خرچ کر دیا۔

☆ ۹۸۴ھ میں سلطان مراد خان نے جواہرات سے مرصع سونے کی تین قندیلیں ہدیہ بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف میں اور ایک حجرہ المنوّرہ نبی ﷺ میں آویزاں کر دی گئی۔ سلطان موصوف خلافت عثمانیہ کے پہلے حکمران تھے، جنہوں نے حرمین شریفین کے سونے کی قندیلوں کا تحفہ بھیجا تھا۔

☆ ۱۰۹۴ھ میں آشی نے سونے کی پانچ قندیلیں کعبہ شریف میں لٹکانے کے لئے بھیجیں، ان دنوں شریف سعید بن برکات امیر مکہ تھا۔

سونے کے دو حلقے اور بلخش:

۷۱۸ھ میں سلطان ابی سعید شاہ تتر کے وزیر علی شاہ نے جواہرات سے مرصع دو سونے کے حلقے کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجے، جن کا وزن ایک ایک ہزار مثقال یعنی پانچ، پانچ سو تولہ تھا۔ ہر ایک حلقہ میں چھ انتہائی نادر اور فاخرہ جواہرات اور چھ بے مثال بلخش لگے ہوئے تھے۔ یہ دونوں حلقے باب کعبہ پر آویزاں کر دیئے گئے، مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد رمیثہ بن ابی نمی امیر مکہ نے انہیں اپنی جنگی ضروریات میں خرچ کر دیا۔

بلخش کے متعلق علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں:

''یہ قیمت میں یاقوت کی مانند ہوتا ہے، مگر قدر و منزلت میں اس سے کم ہے۔ اس کے تین رنگ ہوتے ہیں، سرخ کو معقرب، سبز کو زبرجدی اور زرد کو ورسی کہتے ہیں، جبکہ سرخ رنگ زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔''

العجائب میں لکھا ہے:

''یہ یاقوت ہی کی طرح سخت اور شفاف پتھر ہے۔ فوائد اور احوال کے اعتبار سے بھی یاقوت ہی کی مانند ہے۔''

سونے کی محراب:

۴۲۰ھ میں شاہ عمان نے کعبہ شریف کے لئے قندیلیں اور سونے کی محرابیں بھیجیں۔ ہر ایک محراب ۱۶ سیر وزنی تھی۔

سونے کی فانوس:

۹۷۲ھ میں سلطان سلیمان القانونی نے جواہرات سے مرصع سونے کے دو فانوس بھیجے، جنہیں کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

اس وقت کعبہ شریف میں صرف چند چیزوں کے سوا باقی تمام اشیاء مفقود ہیں، کچھ نوادرات کا ذخیرہ باب عمرہ کے قریب تہہ خانہ میں ہے۔

☆☆☆

باب نمبر9:

شاذروان......پشتہ کعبہ

یہ ایک بنا ہے جو کعبہ شریف کی دیوار کے نچلے حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ تین اطراف شرقی، غربی اور جنوبی سے مطاف کی زمین سے متصل ہے۔اس شاذروان کی شکل مسنم ہے۔ یہ سنگ مرمر کے پتھروں کا بنا ہوا ہے لیکن شمالی جہت میں باقی تینوں اطراف کی طرح شاذروان نہیں بلکہ ایک بسیط بنا ہے۔اس کی بلندی حجر اسماعیل جسے حجر صوان بھی کہتے ہیں، سے چار قیراط ہے۔ یہ ایک قسم کا پتھر ہے جس سے خانہ کعبہ بنایا گیا ہے، یہ اصل کعبہ شریف میں شامل ہے اور یہ شاذروان نہیں۔ درحقیقت شاذروان کعبہ شریف کی دیواروں کی بنیاد ہے۔ جہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ پھر قریش نے دیوار کعبہ کی پہلی بنیاد جب کہ روئے زمین پر بنایا گیا تھا، سے عرض کی جانب اسے کم کردیا۔ جس طرح تعمیر کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ جمہور علماء شافعی اور مالکی کا قول ہے۔

علامہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ شاذروان کے پتھروں کی تعداد جو خانہ کعبہ کے اردگرد ہیں تینوں اطراف میں اڑتیس ہے۔ ان میں سے رکن غربی سے رکن یمانی تک پچیس ہیں۔ان میں سے بعض کا طول ساڑھے تین ہاتھ ہے اور یہ دروازہ کی دہلیز پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ کعبہ شریف کی پشت میں تھا، اسے بند کیا ہوا ہے۔اس کے اور رکن یمانی کے درمیان چار ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ رکن یمانی پر ایک مدور پتھر لگا ہوا ہے۔ رکن یمانی سے رکن اسود تک انیس پتھر ہیں۔ شاذروان کی حد سے رکن تک جس میں حجر اسود نصب ہے تین ہاتھ اور بارہ انگشت ہے۔ اس میں شاذروان شامل نہیں، شاذروان کی حد سے جو ملتزم کے قریب ہے، رکن تک جس میں حجر اسود واقع ہے، دو ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ اس میں شاذروان کا شمار نہیں اور یہ وہ مقام ہے جسے ملتزم کہا جاتا ہے۔ شاذروان کی لمبائی آسمان کی طرف سولہ انگشت اور اس کا عرض ایک ہاتھ ہے۔

شاذروان ایک نہایت لطیف بنا ہے جو کعبہ شریف کی دیوار سے متصل ہے۔ اس کی بلندی مقامات پر تقریباً ۱/۲ ۱۱ بالشت اور عرض ۱/۲ ۲ بالشت ہے اور بعض مقامات پر ۱/۲ ۱۱ بالشت ہے۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۰)

شاذروان پشتہ کعبہ کا نام ہے جو کعبہ شریف کی دیواروں کے نیچے تین سمت مشرق، جنوب اور مغرب میں بنا ہوا ہے۔اس کے بنانے کی غرض وغایت میں دو اقوال بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ قریش نے تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم کی دیواروں کی چوڑائی بھی کم کردی تھی، اس لئے بعد میں اس بقیہ حصہ میں بڑے بڑے پتھروں سے پشتہ بنا دیا گیا، تاکہ طواف کرنے والے ان بنیادوں کے باہر طواف کریں۔

۲۔ دوسرا قول جو البتونی نے رحلۃ الحجازیہ میں بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ شاذروان اس بند کو کہا جاتا ہے جو نہر کے دونوں کناروں پر بنایا جاتا ہے، اور قدیم مصری عمارتوں میں اس لفظ کا اطلاق ان فواروں کے محیط پر ہوتا تھا، جو بڑے بڑے صحنوں میں بنائے جاتے تھے۔ یہ سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یا حجاج بن یوسف نے سیلاب سے کعبہ شریف کی حفاظت کی غرض سے بنوایا تھا۔

اس پشتہ کی بلندی بعض جگہ ۱۶ انگل تقریباً ایک فٹ یعنی ۳۵ سینٹی میٹر اور چوڑائی ایک ذراع تقریباً ۱۸ انچ یا ۴۵ سینٹی میٹر اور بعض جگہ بلندی ڈیڑھ بالشت یعنی ساڑھے تیرہ انچ یا ۳۴ سینٹی میٹر ہے۔

شاذروان میں کل ۶۸ پتھر لگے ہیں، رکن عراقی سے رکن یمانی کے درمیان ۲۵ پتھر ہیں، ان میں سے ایک پتھر ۱۹ انچ ۶ فٹ یعنی ۲ میٹر ۵ سینٹی میٹر لمبا ہے۔ جو بند دروازہ کی دہلیز کی جگہ نصب ہے، اس لمبے پتھر اور رکن یمانی کے درمیان تقریباً ۶ فٹ کا فاصلہ ہے۔ رکن

یمانی کی جگہ گول پتھر نصب ہے۔رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ۱۹ پتھر لگے ہیں۔حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ملتزم کے مقام پر پشتہ نہیں ہے، یہ جگہ خالی ہے۔اسی طرح اس جگہ سے رکن عراقی کے درمیان ۲۳ پتھر ہیں۔رکن عراقی اور رکن شامی کے درمیان حطیم کے اندر پشتہ نہیں ہے۔البتہ اس طرف ۴-۶ انچ اونچی منڈیر سی بنی ہوئی ہے، اس میں جو پتھر استعمال ہوتے ہیں وہ حجر الصوان ہیں جو کعبہ شریف کی عمارت میں استعمال ہوتے ہیں، یہ پشتہ بعض فقہاء کے نزدیک حطیم کی طرح کعبہ شریف کا حصہ ہے لہٰذا طواف کرتے وقت اس کے باہر طواف کیا جائے۔

امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ شاذروان ایک نفیس پشتہ بنا ہوا ہے جو کعبہ شریف کی دیوار کی ابتداء میں ہے، اس کی بلندی بعض جگہ سے دو بالشت تقریباً ۱۸ انچ اور بعض جگہ ڈیڑھ بالشت تقریباً ساڑھے تیرہ انچ ہے۔

امام تقی الدین فاسی فرماتے ہیں:

''یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شاذروان کی ابتداء کب ہوئی ہے، اور نہ ہی یہ ایک دفعہ بنایا گیا ہے، بلکہ متعدد بار اس کے بنانے کا اتفاق ہوا ہے۔مثلاً: ۵۴۲ھ میں اس کی تعمیر کی گئی مگر یہ معلوم نہیں کہ کس نے کی ہے اور ابن خلیل نے اپنی کتاب مناسک حج میں لکھا ہے کہ ۶۳۶ھ میں یہ پشتہ بنایا گیا تھا، اسی طرح ۶۶۰ھ یا ۶۷۰ میں بھی اسے تعمیر کیا گیا۔ابن فہد قرشی نے ۸۳۸ھ کے حوادثات میں ذکر کیا ہے کہ اس سال سودون المحدی نے شاذروان کی تجدید کرائی۔اس نے مصر سے ساٹھ ذراع لمبا سنگ مرمر منگوا کر اس سے شاذروان کی تعمیر کرائی اور پھر ۸۴۶ھ میں بعض پتھر اکھاڑ کر ان کی جگہ نئے نصب کئے۔''

جب کہ ابراہیم رفعت پاشا نے مراۃ الحرمین میں اس کی پیمائش اس جگہ بیان کی ہے:

شمالی جانب:

بلندی ۵۰ سینٹی میٹر۔

چوڑائی ۳۹ سینٹی میٹر۔

مغربی جانب:

بلندی ۲۷ سینٹی میٹر۔

عرض ۸۰ سینٹی میٹر۔

جنوبی سمت:

بلندی ۲۴ سینٹی میٹر۔

عرض ۸۷ سینٹی میٹر۔

مشرقی دیوار کی طرف:

بلندی ۲۲ سینٹی میٹر۔

عرض ۶۶ سینٹی میٹر ہے۔

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان نے بھی کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت اس کی تجدید کرائی تھی۔

۱۰۹۸ھ میں احمد پاشا نے شاذروان کی اصلاح کرائی اور سنگ سماق سے اسے تعمیر کیا اور پہلے سنگ مرمر کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

(تاریخ الکعبہ، عنوان شاذروان کعبہ)

امام ازرقی نے شاذروان کے پتھروں کی تعداد ۶۸ بیان کی ہے، جب کہ علامہ طاہر کردی نے ۱۳۷۶ھ میں ۶۴ لکھے ہیں، لیکن جدید مؤرخین نے ان کی تعداد ۵۳ شمار کی ہے۔ جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

دروازہ والی دیوار میں ۱۰ عدد پتھر۔

مغربی دیوار میں ۲۳ عدد پتھر۔

جنوبی سمت ۲۰ عدد پتھر۔

جن میں سے جنوبی دیوار میں تین اور اسی طرح مشرقی دیوار میں چھ پتھر ہیں۔

ابراہیم رفعت پاشا نے شاذروان میں لکھے ہوئے پیتل کے کنڈے جن سے غلاف کعبہ باندھا جاتا ہے، ان کی تعداد ۴۸ بیان کی ہے، جب کہ جدید مؤرخین نے ۴۲ کنڈے بیان کیے ہیں۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

مشرقی دیوار میں ۹ عدد۔

مغربی میں ۱۲ عدد۔

حطیم کے اندر ۱۰ عدد۔

جنوبی سمت میں ۱۱ عدد۔

ان میں سے مشرقی دیوار میں ۲ عدد کنڈے۔

مغربی میں ۲ عدد کنڈے۔

جنوبی دیوار میں ۳ عدد کنڈے۔

حطیم میں ۹ عدد کنڈے۔

یہ پتھر بے حد قیمتی، نادر الوجود اور انتہائی عظیم المرتب تحفہ ہیں۔ یہ آٹھ مستطیل پتھر حجم اور طول وعرض میں تقریباً برابر ہیں۔ ان میں سے بڑا پتھر ۳۳ سینٹی میٹر لمبا اور ۲۱ سینٹی میٹر چوڑا ہے۔ یہ تمام مربع شکل میں نصب ہیں جن کا طول وعرض ۴۷ سینٹی میٹر ہے۔ ان کے زرد رنگ کو سرخ نے اور بھی جاذب نظر بنا دیا ہے۔

ان کے نیچے ایک نیل گوں پتھر ۶۹ سینٹی میٹر لمبا اور ۳۲ سینٹی میٹر چوڑا نصب ہے، جس پر مذکورہ آٹھ پتھر شاذروان میں نصب کرنے کی تاریخ ۶۳۱ھ کندہ ہے، اس طرح ان پر ۷۳۶ سال گزر چکے ہیں۔ (تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۱۲۷)

اس وقت ۷۵۱ سال بیت چکے ہیں، علامہ طاہر کردی فرماتے ہیں کہ اس قدر نفیس اور قیمتی پتھر ہم نے کہیں بھی نہیں دیکھے۔ اب شاذروان کے تقریباً تمام پتھر شکستہ حالت میں ہیں، وہ سب تجدید کے خواستگار ہیں۔ اگرچہ انتظامیہ مرمت تو کرتی رہتی ہے مگر بہتر یہ ہوگا کہ تمام پتھر نئے لگائے جائیں، اسی طرح کعبہ شریف کے پتھر بھی جہاں تک لوگوں کے ہاتھ پہنچتے ہیں گھسے ہوئے ہیں۔ بعض پتھر ایک سے ڈیڑھ انچ تک گھس گئے ہیں۔

نمبر 10:

زینۂ کعبہ

کعبہ شریف کے اندر چھت پر چڑھنے کیلئے رکن عراقی میں زینہ لگا ہوا ہے، جس کا دروازہ ساڑھے تین ذراع اونچا اور ڈیڑھ ذراع چوڑا ہے۔ دروازہ ساگوان کی لکڑی کا ہے۔ زینہ کا عرض ایک ذراع ۴ انگل ہے۔ دروازہ پر ۲۳۷ھ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے چاندی کے نقش و نگار کرایا تھا۔ چھت میں دروازہ کا طول ڈھائی ذراع اور عرض ۲ ذراع ہے۔ (اخبار کعبہ: ۲۰۶)

۸۱۴ھ میں اس کی مرمت کا کام ہوا، پھر ۱۱۰۹ھ میں نیا زینہ بنایا گیا، جس کے پہلے سات زینے سنگ مرمر کے اور باقی ساگوان کے تھے۔ (تاریخ الکعبہ: ۲۲۰)

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

''جب قریش نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اس کا دروازہ تقریباً دو میٹر بلند رکھا، جس کی دو وجہیں تھیں:

۱۔ بیت اللہ نشیب میں واقع ہونے کے باعث سیلاب کا پانی اندر داخل ہو جاتا تھا، اس لئے دروازہ اونچا کر دیا گیا تاکہ سیلاب سے محفوظ رہے۔

۲۔ قریش کی مرضی کے بغیر کوئی آدمی بیت اللہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے دروازہ اونچا کر دیا تاکہ ان کی اجازت کے بعد کوئی شخص اندر نہ جا سکے۔

پھر دروازہ تک پہنچنے کے لئے زینے کی ضرورت محسوس ہوئی، اگرچہ یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ مذکورہ زینہ کب اور کس نے بنایا۔ البتہ علامہ ازرقی نے اپنے زمانہ کے زینہ کی پیمائش اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ اونچائی ۸ ذراع (تقریباً ۴ میٹر) عرض ساڑھے ذراع (تقریباً پونے دو میٹر) اور تیرہ درجے یعنی زینے ہیں، جبکہ سیڑھی ساج کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔

۲۔ ۸۱۲ھ میں ملک المؤید جرکسی نے حرم محترم کے لئے ایک عالیشان منبر اور سیڑھی بھیجی تھی۔

۳۔ ۱۰۹۷ھ میں شیخ الحرم احمد پاشا والی جدہ نے سیڑھی کی مرمت کرائی اور اطراف میں لکڑی کا پردہ سا بنا دیا۔

۴۔ ۱۲۱۶ھ حسین حمیدان نے ہندوستان سے لکڑی کی سیڑھی کعبہ شریف کیلئے بھیجی، لیکن والی جدہ سلیمان پاشا نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، جو ۱۲۲۷ھ تک جدہ ہی میں رکھی رہی۔ پھر محمد پاشا المعمار والی جدہ نے اسے خرید کر ۱۶ جمادی الثانی ۱۲۲۷ھ کو مکہ مکرمہ روانہ کر دی۔ چنانچہ احمد پاشا والی سیڑھی کی جگہ نئی سیڑھی استعمال ہونے لگی، لیکن ۱۸ جمادی الثانی یعنی صرف دو یوم بعد شریف مکہ نے حکومت ترکیہ کے حکم سے اس سیڑھی کا استعمال ممنوع قرار دے کر احمد پاشا والی سیڑھی استعمال کرنے کا فرمان جاری کیا اور محمد پاشا والی نئی سیڑھی شیخ عبدالقادر الشیبی کے گھر محفوظ کر دی گئی اور اس کی تزئین و آرائش بھی کی گئی۔

۵۔ ۱۲۴۰ھ میں نواب محمد منور خان والی مدراس ہند نے گیارہ زینوں والی ساگوان کی سیڑھی بھیجی جو ۱۳۹۷ھ تک حرم محترم میں رونق افروز رہی۔ اس کا طول زمین سے پانچ میٹر اور عرض بھی دو میٹر تھا۔ اس پر بھیجنے والے کا نام اور تاریخ درج تھی، بارہا اس کی مرمت کی جاتی رہی۔

۶۔ ۱۳۰۰ھ میں نواب کلب علی خان والی رامپور ہند نے لکڑی کی سیڑھی بھیجی جس کے چودہ زینے تھے، لیکن حکومت ترکیہ کی اجازت

ملنے تک استعمال نہیں کی گئی۔ اس پر چاندی کی مینا کاری کی گئی تھی۔ اسے صرف عورتوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کی لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۳۶۵ھ تک یہ سیڑھی استعمال کی جاتی رہی، پھر آل شیبہ کے تصرف میں دے دی گئی، جنھوں نے چاندی اور لکڑی سے فائدہ حاصل کیا اور اب ختم ہو چکی ہے۔

۷۔ سعودی حکومت کے فرمان روا سعود بن عبدلعزیز نے قاہرہ، مصر سے ایک عالیشان نادرہ روزگار سیڑھی بنوائی، جو بروز بدھ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ کو مکہ مکرمہ پہنچی۔ اس کے بارہ زینے تھے، سونے اور چاندی کے نقش ونگار سے مرصع تھی۔

علامہ کردی کے الفاظ میں:

((وهو بديع الصنع، جميل المنظر، يعد تحفة نادرة، وآية من آيات الرسم والزخرفة))

شعبان ۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے اس کی اصلاح اور مرمت کرائی، اس کا نچلا حصہ ۳ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر سنگ مرمر کا ہے اور بقیہ لکڑی کا۔

۲۵ شعبان ہفتہ کے دن ان تینوں ستونوں کی اصلاح اور صفائی کی گئی، جو سیدنا عبداللہ بن زبیر نے بنوائے تھے۔ تیرا سو سال گزر جانے کے باوجود ستون ابھی تک مضبوط اور محفوظ ہیں۔ جہاں کہیں نرمی تھی اسے روغن زیتون میں ایک مصالحہ بنا کر پر کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان پر لکڑی کے رنگ کے مطابق رنگ کر دیا گیا۔ ستونوں کو مضبوطی کی غرض سے نچلے حصہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چاندی کے تین بند لگادیئے گئے، جن کا عرض تقریباً ۷ے ۸ سینٹی میٹر ہے۔

۲۶ شعبان اتوار کے دن اندر کے فرش کو اکھاڑے بغیر نیا سنگ مرمر کا فرش بنادیا، جسے سریش کے ذریعہ چپکایا گیا۔ جب کہ پہلے بھی سنگ مرمر کا فرش بنا ہوا تھا۔ قدیم فرش نہ اکھاڑنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں بعض پتھر بیش بہا قیمتی اور نادرالوجود تھے۔ اس ترکیب سے ان کی معقول حفاظت بھی ہوگئی۔

اس کام میں اہلیان مکہ، مصر اور بعض دوسرے ممالک کے کاریگروں اور مزدوروں نے کام کیا۔ کام کرنے والوں کی اکثریت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بلا معاوضہ کام کرتی رہی، اور بعض غریب مزدور اجرت پر بھی کام کرتے رہے۔ مگر ہر آدمی نے پورے خلوص اور دیانتداری سے باوضو کام کیا۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بھی حرم شریف کی صرف تعمیر میں حصہ لیا۔ موصوف نے برآمدوں کی دیواریں بلند کر کے ساگوان کی نہایت عمدہ چھت بنوائی اور تمام ستونوں کی نچلی کرسی پر پچاس پچاس مثقال سونا چڑھایا (پچاس مثقال کا وزن تقریباً ۱۶ اتولے کے برابر ہوتا ہے)۔

۹۱ھ مطابق ۷۰۹ء میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے نئے ڈیزائن اور عالیشان طرز سے برآمدے بنوائے، جنہیں دیدہ زیب زرد وزی اور بے مثال نقش ونگار سے مزین کرایا۔ تمام ستون سنگ مرمر کے بنوائے اور چھت منقش ساگوان کی قبہ دار بنوائی۔ علاوہ ازیں ۳۶ ہزار دینار (۶۲۲۵۰ تولہ سونا) باب کعبہ، میزاب کعبہ اور کعبہ شریف کے اندر والے چاروں کونوں میں لگانے کیلئے بھیجے۔

نمبر 11:

منبر مبارک

دورِ خلفاء:

حرمِ محترم میں حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین کے مبارک دور میں منبر نہیں تھا۔ خطیب حرم شریف میں زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے۔ کبھی کعبہ شریف کے سایہ میں اور کبھی حطیم کی جانب کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے تھے۔ پھر امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ نے اپنے عہد خلافت میں منبر بنوا کر حرم شریف میں رکھا۔

منبرِ کعبہ کی مختصر تاریخ:

علامہ ازرقی فرماتے ہیں:

"حرم محترم میں منبر پر سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے خطبہ دیا۔ وہ منبر چھوٹا سا تھا، اور اس کے تین زینے تھے۔ عرصہ دراز تک وہ حرم شریف کی زینت بنا رہا، گو اس کی مرمت تو کی جاتی رہی مگر اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ جب ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید حج کرنے آیا تو اس نے ایک بیش بہا قیمتی اور نقش و نگار میں لاثانی منبر اپنے عامل موسیٰ بن عیسیٰ کے ہاتھ تحفہ بھیجا۔ یہ منبر نو سیڑھیوں کا تھا جو پہلے منبر سے بڑا اور اونچا تھا۔ اسے حرم شریف میں رونق بخشی گئی اور سیدنا امیر معاویہ کا پرانا منبر عرفات میں منتقل کر دیا گیا۔ پھر واثق عباسی نے اپنے عہد میں تین منبر تیار کرائے۔ ایک حرم محترم کے لئے، دوسرا منیٰ اور تیسرا عرفات کے لئے۔ المنتصر بن المتوکل العباسی جب اپنے والد بزرگوار کے عہد حکومت میں حج کرنے آیا تو اس کیلئے ایک عظیم الشان منبر تیار کیا گیا جس پر کھڑے ہوکر اس نے خطبہ دیا۔ المنتصر نے اس کو حرم میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بھی متعدد منبر بنائے جاتے رہے۔"

چار سیڑھیوں والا منبر:

علامہ ابن جبیر اندلسی فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم کے سامنے منبر رکھا ہوا دیکھا جس کے چار پہیے تھے۔ جمعہ کے دن اسے رکن عراقی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار کے ساتھ ملا کر رکھا جاتا۔ خطیب صاحب باب النبی ﷺ کی طرف سے تشریف لاتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ اس منبر کے چار زینے تھے۔

ایک خوبصورت منبر:

مقتدی عباسی کے وزیر نے بھی ایک انتہائی قیمتی اور بے حد خوبصورت منبر بنوایا، جس پر ایک ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ جب وہ منبر مکہ شریف پہنچا تو مصریوں کو یہ بات بے حد ناگوار گزری۔ انہوں نے خلیفہ مقتدی کی بجائے المستنصر عبیدی حاکم مصر کا خطبہ پڑھا اور اس نئے منبر کو آگ لگا کر جلا دیا۔ امیر مکہ محمد جعفر کبھی تو بنو عباس کا خطبہ پڑھتا اور کبھی ملوک مصر کا۔

ملک اشرف شعبان اور ملک ظاہر برقوق کا منبر:

۷۶۶ھ میں ملک اشرف شعبان والی مصر نے منبر بنوایا، جس پر ۳۱ سال تک خطبہ دیا گیا۔ پھر ۷۹۷ھ میں ملک ظاہر برقوق والی مصر نے نیا منبر تیار کرایا۔ جو عرصہ دراز تک باقی رہا اور متعدد بار اس کی اصلاح اور مرمت کی گئی۔

۷۹۷ھ میں ملک ظاہر نے جو منبر بھیجا تھا وہ شعبان بن حسین نے ۷۶۶ھ میں تیار کیا تھا۔ ملک ظاہر کا یہ منبر ۸ ذی الحجہ ۷۹۸ھ کو مکہ

مکرمہ پہنچا۔

شاہ شیخو کا منبر:

۸۱۵ھ میں مصر کے شاہ شیخو نے بھی لکڑی کا منبر حرم شریف کی نذر کیا، جس پر یوم ترویحہ کو پہلی بار خطبہ دیا گیا۔ بعد ازاں ۸۱۸ھ میں ۷ ذی الحجہ کو حاکم مصر حسن انقذہ کے نئے منبر پر خطبہ پڑھا گیا۔ پھر ۸۶۶ھ میں قاہرہ سے الملک الناصر خوش قدم کا منبر لایا گیا، جو لکڑی کا بنا ہوا تھا، اس پر ذی الحجہ کے دوسرے جمعہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

تاریخ مکہ میں ہے:

''۸۱۵ھ میں شیخو صاحب مصر نے ایک لکڑی کا منبر بنا کر بھیجا۔ اس پر یوم ترویہ کو خطبہ دیا گیا۔''

ملک ناصر خشقدم کا منبر:

ابن فہد قریشی نے کہا ہے کہ ۸۶۶ھ میں قاہرہ سے ایک قافلہ مکہ معظمہ آیا تھا۔ اس قافلہ کے اگلے حصے میں مصری لوگ تھے وہ ایک منبر کا اٹھائے ہوئے تھے جو ملک ناصر خشقدم نے بھیجا تھا۔ اسے بدھ اور جمعرات کے دو ایام میں جوڑا گیا اور جمعہ کو مکمل ہوا۔ پھر اس جمعہ کا خطبہ دیا گیا۔

ملک اشرف قایتبائی کا منبر:

۸۷۷ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے بھی لکڑی کا منبر بھیجا جس پر کیم ذی الحجہ کا خطبہ دیا گیا۔ ۸۷۹ھ میں ایک نیا منبر ۲۵ ذی قعدہ کو حرم شریف میں پہنچا۔ یہ بھی لکڑی کا تھا۔ اسے باب السلام کے سامنے رکھا گیا اور کیم ذی الحجہ کو اس پر خطبہ پڑھا گیا۔ لکڑی کے منبروں میں سب سے آخری منبر تھا۔ یہ تمام منبر مرور زمانہ کے باعث ختم ہو گئے۔

تاریخ مکہ میں ہے:

''۸۷۷ھ میں الملک اشرف قاتیبائی ظاہری نے ایک لکڑی کا منبر بنا کر بھیجا، اس پر ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو خطبہ دیا گیا۔ کتب ہائے تاریخ میں ہے کہ ۲۵ ذی قعدہ ۸۷۹ھ میں مکہ مکرمہ میں ایک لکڑی کا منبر لایا گیا۔ اسے باب السلام سے داخل کیا گیا اور مطاف کے پاس لایا گیا۔ اس پر خطیب نے اول ذی الحجہ کو خطبہ دیا۔''

سلطان سلیمان خان کا منبر

سلطان سلیمان خان بن سلطان سلیم خان کے منبر کو جو شرف و مجد اور اعزاز بارگاہ ذوالمنن سے مرحمت ہوا اس سے قبل کے تمام منبر اس سے محروم ہیں۔ سلطان موصوف نے ۹۶۶ھ میں جدت طرازی اور صناعی کا نادرۂ روزگار شاہکار سنگ مرمر کا عالی شان منبر تیار کرایا جو چمک دمک میں بے نظیر تھا۔ آج بھی بیت اللہ شریف کے سامنے مقام ابراہیم کے بالمقابل چاہ زمزم سے شمال مشرقی سمت جلوہ نما ہے۔ اس فقید المثال منبر کے تیرہ زینے ہیں۔ اس کے اوپر سنگ مرمر کے چار ستونوں پر چھتری نما لکڑی کا مستطیل قبہ بنا ہوا ہے، جس میں لگے ہوئے چاندی کے کیلوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ ۴۳۱ سال کی مدت مدید گزر جانے کے باوجود نہ تو اس کی زردوزی کی زینت میں فرق آیا اور نہ ہی اس کی چمک، خوبصورتی اور دل آویزی میں کمی واقع ہوئی۔ اس منبر میں حسن صنعت اور لطافت کا جو کرشمہ دیکھا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

صحن مسجد سے منبر کے چاند تک بلندی تقریباً ۳۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر ہے۔ اختلاف موسم کے باوجود خطیب کے چہرہ پر دھوپ

نہیں پڑتی۔ جو بنانے والے کے حسن ذوق اور مہارت فن کا نادر الوجود نمونہ ہے۔ گویا کہ اس نے جواہرات کو سلک مروارید میں پرو دیا ہے،اس مبارک منبر کی غربی جانب بیت اللہ شریف کی سمت یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((الحمد لله رب العالمين- قدبنى سليمان منبر البلد الامين))

اور مشرقی جانب اس کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے:

((انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم صدق الله جل اسمه ٩٦٦ هجرى))

اس منبر پر سب سے پہلا خطبہ ابو حامد البخاری نے عید الفطر کا دیا تھا۔

۱۰۲۰ھ کو سلطان احمد خان کا عطیہ ہلال اس منبر کے اوپر لگایا گیا اور قبہ کی چھت پر اینٹوں کی جگہ تختیاں لگا کر ان پر چاندی کے پترے جڑھ دیئے گئے۔بعد میں ان پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا۔

اس طرح حرم محترم میں سب سے پہلا منبر سیدنا امیر معاویہ نے رکھا،اور اب تک سب سے آخری سلطان سلیمان خان عثمانی کے منبر کو بقا نصیب ہے۔ گویا کہ مسجد حرام میں یہ دلہن کی طرح رونق افروز ہے اور صدیاں گزر جانے کے باوجود اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔نہ یہ بوسیدہ ہوا اور نہ ہی خراب۔رب کریم سلطان مرحوم پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔آمین۔

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں سعودی حکومت نے جب مطاف کی توسیع کا پروگرام بنایا تو وہ مبارک منبر بھی مطاف سے ہٹا کر حرم کے عجائب خانہ میں رکھ دیا گیا۔اب لکڑی کے منبر پر باب کعبہ کے پاس خطبہ ہوتا ہے جسے بعد میں وہاں سے ہٹالیا جاتا ہے۔

تاریخ حرمین میں ہے:

''جتنے بھی بادشاہوں اور امراء نے ممبر بھجوائے ان منبروں میں اب کوئی بھی باقی نہیں رہا۔اب صرف وہ منبر موجود ہے جسے سلطان سلیمان خان نے بنوایا تھا۔یہ منبر لکڑی کا آخری منبر ہے جو مسجد حرام کے لئے بنوایا گیا۔اس منبر کو ۹۶۶ھ میں سلطان سلیمان خاں بن سلیم خاں نے خانہ کعبہ بھیجا تھا۔ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔اس کے پتھر سفید اور چمکیلے ہیں۔وہ اب تک مسجد حرام کے صحن میں کعبہ شریف کے سامنے موجود ہے۔ یہ خانہ خدا سے مشرق جانب اور مقام ابراہیم سے شمالی جانب قائم ہے۔اس منبر کی تیرہ سیڑھیاں ہیں یہ حسن وزیبائش میں بے نظیر ہے۔اس کے اوپر والے حصے میں چبوترہ ہے۔اس کے اوپر چار ستونوں پر گنبد ہے جو مستطیل شکل کا ہے۔ یہ نہایت مضبوط لکڑی کا بنا ہوا ہے۔اس نقرئی تختیاں لگی ہوئی ہیں جن پر آب زر سے ملمع کیا ہوا ہے۔دیکھنے والا یوں محسوس کرتا ہے گویا کہ خالص سونا ڈھالا گیا ہے۔اس مربع شکل کے گنبد پر ۳۸۸ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس کا روغن نہیں اترا کیونکہ اس پر سونے کا ملمع کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔اس منبر کی بلندی صحن مطاف سے ہلال قبہ تک تقریباً بیس ہاتھ تقریباً بارہ میٹر ہے۔اس کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ موسم سرما ہو یا گرما خطیب کو دھوپ نہیں لگتی۔اسے دیکھنے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اسے بنانے والا بہت بڑا ماہر وحاذق اور پختہ کار ہے، کیونکہ یہ جواہرات یا گوہر شاہوار سے مرصع ہے۔اس منبر کے مغربی جانب جو کعبہ سے بالکل قریب ہے، لکھا ہوا ہے:

((الحمد الله رب العالمين، قد بنى سليمان منبر البلد الامين وانه بسم الله الرحم الرحيم- صدق الله جل اسمه ٩٦٦ھ))

قاضی صلاح الدین بن ظہیرہ قرشی مکی نے اس منبر کی تاریخ نظم میں لکھی ہے:

ان ذالمنبر الذی قد حوی الحسن کله
هاك تاريخ الذی شهدالخلق فضله
لسيلمان منبرا بالدعاء شاهد له

''بے شک یہ منبر جو ہر قسم کے حسن وزیبائش سے آراستہ ہے۔ اس منبر کی تاریخ یہ ہے جس کی مخلوق نے فضیلت بیان کی ہے۔ یہ سلطان سلیمان کا بنایا ہوا منبر ہے۔ یہ اس کے لئے دعا کرتا ہے ۹۶۶ھ۔''

علی بن عبدالقادر طبری نے ''ارج مسکی'' میں لکھا ہے کہ اس منبر کی متعدد تاریخیں نظم ونثر میں لکھی جا چکی ہیں۔ منجملہ ان میں سے شیخ علامہ علی بن حسین حضرمی کے مندرجہ ذیل ابیات ہیں:

انظر الی منبر منير اشرق فی الخافقين بدره
عمره ملك البرايا خليفة الله جل ذكره
اعنی سليمان مولی من آل عثمان طال عمره
تاريخة قبل الله اقبل بنا سليمان اعز نصره

''اس روشنی کرنے والے منبر کو ذرا دیکھو جس کا چاند دونوں کناروں پر چمک رہا ہے۔ مخلوق کے بادشاہ نے اسے تعمیر کیا جو اللہ جل شانہ کا جانشین ہے، یعنی سلطان سلیمان جو آل عثمان میں سے ایک بادشاہ تھا، اس کی عمر دراز ہو۔ اس کی تاریخ لکھ دو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلیمان کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس کی مدد غالب آئے۔''

باب نمبر 12:

کعبہ کے قیمتی تحفے اور خزانہ کعبہ

کعبہ کا گڑھا:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تو اس کے اندر ایک گڑھا کھودا جو کنویں کی مانند تھا۔ جب کوئی آدمی خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتا تو اس کی داہنی جانب نظر آتا تھا۔ اس میں تحائف اور نذرانے ڈالے جاتے تھے۔ وہ زیورات، سونا، چاندی، خوشبو وغیرہ کے ہوتے تھے۔ اس گڑھے کو ''خزانہ کعبہ'' کہتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام جُب، غبغب اور اخسف بھی آیا ہے۔ کعبہ شریف کے اندر جو مال ہوتا تھا اسے ''ابرق'' کہتے تھے۔

کنویں کی جگہ ہبل بت کو نصب کرنا:

جب قریش نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پیشتر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تو اس کے کنویں کو اس جگہ پر رہنے دیا اور اس پر ہبل بت لاکر رکھ دیا۔ یہ بت قریش کے سب بتوں سے بڑا تھا۔ اسے عمرو بن لحی جزیرہ کے علاقہ مقام ہیت سے لایا تھا اور کعبہ شریف کے اندر کنویں پر نصب کر دیا۔ پھر لوگوں کو اس کی عبادت کا حکم دیا۔ یہ قریش کی تعمیر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۱۱۷)

جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو ہبل کو کنویں پر بدستور سابق رکھا۔

کنویں کو پتھروں سے بند کرنا:

ہم نے کسی مؤرخ کو نہیں دیکھا جس نے سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر یا حجاج بن یوسف کی تعمیر کے وقت کنویں کا ذکر کیا ہو۔ کیا انہوں نے اسے قائم رکھا یا بند کر دیا۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر کے وقت کنواں پتھروں سے بند کر دیا گیا تھا۔ حجاج کی تعمیر کے وقت بھی ایسے ہی کیا گیا اور آج تک یہ بند ہے۔ اس لئے کعبہ شریف کا اندرونی فرش مرتفع ہے اور مطاف کے فرش سے اونچا ہے اور دروازے کی دہلیز کے برابر ہے۔ حجاج کی تعمیر کے وقت خانہ کعبہ سے بچے ہوئے پتھر اس پر لگائے گئے۔ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے سنگ مرمر کا فرش بنوایا۔ جب کنواں بند ہو گیا تو اس کے خزانہ سے شیبہ بن ابی طلحہ کا گھر بنایا گیا۔ پھر کعبہ شریف کے تحائف اور نذرانے اس میں رکھتے تھے۔ یہ گھر مسجد حرام کے پاس ہی تھا۔ باب بنی شیبہ کا نام باب السلام بھی ہے اور اس کی موجودہ جگہ مقام ابراہیم کے پاس کھڑا ہونے کی جگہ ہے۔ (اخبار مکہ: ۲۹۸ تا ۳۰۷)

سب سے پہلا تحفہ:

مختلف ادوار میں سلاطین و امراء جو بیش بہا قیمتی تحفے کعبہ مشرفہ کی نذر کرتے رہے، ان کی تفصیلات سے مورخین نے اپنی کتابوں کو مزین کیا۔ علامہ قطب الدین، علامہ مسعودی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کی نذر کیا جانے والا تحفہ ساسان بن بابک کا تھا جو جرہم کی ولایت سے بھی پہلے چڑھایا گیا تھا۔ وہ قیمتی تحفہ سونے کے دو ہرن، جواہرات، تلواریں اور بہت سے سونے اور چاندی پر مشتمل تھا۔

کلاب بن مرہ:

پھر کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی نے سونے اور چاندی کی تلواریں کعبہ شریف میں لٹکائیں۔ (اعلام الاعلام، صفحہ ۶۱)

سیدنا فاروق اعظم کا نذرانہ:

سیدنا فاروق اعظم کے مقدس عہد میں جب کسریٰ تاخت و تاراج ہوا تو آپ نے شاہی خزانہ سے سونے کے دو ہلال کعبہ شریف کی نذر کئے۔ جنہیں کعبہ شریف میں آویزاں کیا گیا۔

سفاح کا ہدیہ:

سفاح نے سبز چوڑی تلواریں کعبہ شریف کے لئے نذرانہ بھیجیں، جو کعبہ شریف کے اندر لٹکائی گئیں۔

عبدالملک بن مروان کا ہدیہ:

عبدالملک بن مروان نے جواہرات سے مرصع دو چھتریاں اور دو بلور کے پیالے بھیجے جنہیں کعبہ شریف میں معلق کیا گیا، اور کعبہ شریف کے درمیان والے ستون کو نیچے سے لے کر اوپر تک سونا چڑھایا اور اس پر نقش و نگار بھی کرایا۔

ولید بن عبدالملک کا نذرانہ:

پھر ولید بن عبدالملک نے اپنے دور خلافت میں دو پیالے نذر کئے، بعد میں ولید بن یزید نے زیلبی تخت اور دو چاندار سال کئے۔ ان پر یہ عبارت درج تھی:

((بسم اللہ الرحمن الرحیم امیر عبد اللہ الخلیفۃ الولید بن یزید امیر المومنین فی سنۃ احدی و مایۃ ۱۰۱ھ))

ابوالعباس کا ہدیہ:

ابوالعباس نے ایک سبز رنگ کا بڑا پیالہ کعبہ شریف کیلئے ہدیہ بھیجا۔

ہارون الرشید کا تحفہ:

ہارون الرشید نے ۱۸۶ھ میں دو یاقوت ارسال کیے، جنہیں سونے کی زنجیروں سے حج کے موسم میں کعبہ شریف کے سامنے لٹکایا جاتا تھا۔

خلیفہ متوکل کا تحفہ:

جعفر المتوکل علی اللہ نے سونے کی ایک چھتری جواہرات سے جڑی، موتیوں سے لگی بھیجی۔ جو ہر موسم میں سونے کی زنجیروں سے کعبہ شریف کے سامنے لٹکائی جاتی تھی۔ عراق سے ایک سپہ سالار یہ چھتری لاتا اور کعبہ شریف کے دربانوں کے حوالے کر دیتا۔ دربان ۶ ذی الحجہ کو اسے باب کعبہ کے سامنے لٹکاتے اور ۸ ذی الحجہ کو اتار لیتے۔ اس کا کپڑا سرخ دیباج کا تھا اور اس کی شکل مربع تھی۔ ۱۴۴ بالشت اس کی پیمائش تھی۔

المعزلدین اللہ کا تحفہ:

رمضان المبارک ۳۶۲ھ میں المعزلدین اللہ جب اپنے مصر کے قصر شاہی میں پہنچا، اور دربار منعقد کیا اور لوگوں سے ہدیئے قبول کرنے بیٹھا تو اس نے ایک انتہائی بیش قیمت چھتری لگائی جسے بعد میں کعبہ مشرفہ کی نذر کر دیا۔ وہ چھتری بارہ بالشت لمبی اور بارہ بالشت چوڑی تھی۔ اس کا کپڑا سرخ دیباج کا تھا، اور اس کے چاروں طرف سونے کے بارہ چاند بنے ہوئے تھے۔ ہر چاند میں ایک سونے کا ترنج (لیموں) تھا۔ جس کے اندر بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک موتی کبوتر کے انڈے کے برابر موٹا تھا۔ ان موتیوں میں سرخ، زرد اور نیلے یاقوت بھرے تھے اور چاروں طرف سبز زمرد سے آیات حج نقش کی گئی تھیں۔ اس تحریر کے بیچ میں ایک اس قدر بڑا موتی تھی جس کے مانند آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ پوری چھتری میں پسا ہوا مشک بھرا تھا اور یہ چھتری محل کے اندر اور باہر دونوں جگہ سے دکھائی دیتی تھی۔

تبت کے بادشاہ کا ہدیہ:

تبت کے بادشاہوں میں سے ایک بت پرست بادشاہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو اس نے ایک بت جو انسانی شکل کا تھا کعبہ شریف کی نذر کر دیا، اس کے سر پر سونے کا تاج تھا جو جواہرات، سرخ اور سبز یاقوت اور زبرجد وغیرہ سے مرصع تھا۔ بت ایک چاندی کے چاکور تخت پر نصب تھا، جس پر دیباج کی چادر بچھی تھی اور چادر کے چاروں طرف سونے اور چاندی کے بٹن بند لگے ہوئے تھے۔

بادشاہ مذکورہ نے یہ تمام چیزیں امیر المومنین عبداللہ المامون کی خدمت میں بھیجیں۔ امیر المومنین نے یہ تحفہ حسن بن سہل کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ اسے کعبہ شریف میں پہنچا دیا جائے۔ حسن بن سہل بلخ کے ایک آدمی نصیر بن ابراہیم کی معیت میں ۲۰۱ھ میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ جب حجاج منیٰ سے واپس لوٹے تو نصیر بن ابراہیم نے یہ تخت صفا اور مروہ کے درمیان عمر بن خطاب کے رحبہ میں نصب کر دیا۔ تین دن تک لوگ اس کی شوکت کا نظارہ کرتے رہے، اس کے ساتھ ایک سونے کی تختی بھی تھی جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

((بسم الله الرحمن الرحيم هذا سرير فلان بن فلان ملك التبت اسلم و بعث هذا السرير الى الكعبة فاحمدو ا الله الذى هداه للا سلام))

''تین دن کے بعد کعبہ شریف کے مجاوروں کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے اسے دار شیبہ بن عثمان میں کعبہ شریف کے خزانہ میں جمع کر دیا۔''

پھر ۲۰۲ھ میں حمدون بن علی بن عیسیٰ المکز ومی مکہ مکرمہ کا حکمران ہوا تو اس نے اپنے دشمن کے مقابلہ کی غرض سے بت اور تخت بیچ دیا اور کچھ رقم کے دراہم و دنانیر بنالئے، لیکن تاج اور تختی ازرقی کے زمانہ تک کعبہ شریف کے خزانہ میں موجود تھے۔(اخبار مکہ: ۱۵۵تا۱۵۸)

معتصم العباسی کا ہدیہ:

امام فاسی نے امام فاکہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ۲۱۹ھ میں المعتصم العباسی نے سونے کا ایک تالہ کعبہ شریف کی نذر کیا جو ایک ہزار دینار سے تیار کیا گیا تھا۔

المعتمد علی اللہ کا تحفہ:

۲۵۹ھ میں سونے کا ایک ذی شان ہار جو زمرد، الماس اور سبز یاقوت سے مزین تھا کعبہ کیلئے تحفہ آیا۔ اس کا وزن ۲۴ مثقال تھا۔ اسے امیر المومنین المعتمد علی اللہ کے حکم سے سونے کے زنجیر سے دیگر معلقات کے ساتھ کعبہ شریف میں لٹا دیا گیا۔

اسی طرح چاندی کا ایک بہت بڑا گلوب جس میں جعفر بن المعتمد اور اپنی احمد الموفق کا بیعت نامہ تحریر تھا کعبہ شریف میں لٹکایا گیا۔

المطیع العباسی کا ہدیہ:

۳۵۹ھ میں المطیع العباسی نے چاندی کی قندیلیں ہدیہ بھیجیں جن کا وزن چھ سو مثقال تھا اور ایک روایت کے مطابق یہ قندیلیں عمان کے بادشاہ نے بھیجی تھیں۔ ۴۲۰ھ کے بعد کچھ محاریب نذر کی گئیں۔

چاندی کی قندیلیں اور تالہ و چابی:

۶۳۲ھ میں ملک منصور عمر بن علی بن رسول صاحب یمن نے سونے اور چاندی کی قندیلیں بھیجیں اور ملک الظاہر بیبرس صاحب مصر نے تالہ اور چابیاں ارسال کیں۔

سونے کے دو حلقے:

۷۱۸ھ میں وزیر علی شاہ نے جو سلطان ابی سعید ملک تتر کا وزیر تھا، سونے کے دو حلقے ارسال کئے، وہ حلقے جواہرات اور بلخش سے مزین تھے۔ ہر حلقہ ایک ہزار مثقال وزنی تھا اور ہر حلقہ میں چھ چھ نادر الوجود موتی لگے ہوئے تھے۔ یہ حلقے تھوڑا ہی عرصہ کعبہ شریف کی زینت بنے، جب رمیثہ بن ابی نمی مکہ کا حکمران ہوا تو اس نے انہیں اپنے قبضہ میں لے لیا۔

چار قندیلیں:

۷۷۰ھ میں سلطان شیخ اویس صاحب بغداد نے چار بہت بڑی بڑی قندیلیں نذرانہ بھیجیں جن میں سے دو سونے کی اور دو چاندی کی تھیں، یہ بھی کچھ عرصہ تک معلق رہیں، پھر امیر مکہ عجلان بن رمیثہ نے ان پر قبضہ کرلیا۔

کعبہ کے خزانہ پر قبضہ:

امام فاسی فرماتے ہیں کہ ۱۹۹ھ میں الحسین بن الحسن الافطس نے کعبہ مشرفہ کا تمام خزانہ اپنے قبضہ میں کرلیا، اور کعبہ شریف کے غلاف سمیت تمام اشیاء اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔

۲۵۱ھ میں اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم الحسنی نے کعبہ شریف کا سونا، چاندی، عطریات اور غلاف وغیرہ سب کچھ ضبط کرلیا تھا اور

ابن فہد نے ۵۸۶ ھ کے حوادثات میں ذکر کیا ہے کہ امیر مکہ داؤد بن عیسیٰ بن فیلیتہ نے کعبہ شریف کا خزانہ اور حجر اسود کا حلقہ اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔

سلطان مراد کا ہدیہ:

امام قطب الدین نے اعلام الاعلام میں لکھا ہے کہ سلطان مراد خان نے ۹۸۴ھ میں تین سونے کی قندیلیں جواہرات سے مزین کعبہ شریف کے لئے ہدیہ بھیجیں ان میں سے دو کعبہ شریف کی چھت میں لٹکانے کے لئے اور ایک روضہ رسول ﷺ کے لئے تھی۔ آل عثمان کے تحائف میں یہ سب سے پہلا سونے کا تحفہ تھا جسے کعبہ شریف میں آویزاں کیا گیا۔

آشی کا تحفہ:

الاتحاف کے مولف طبری نے بیان کیا ہے کہ ۱۰۹۴ھ میں مکہ بندر آشی نے پانچ سونے کی قندیلیں کعبہ شریف میں لٹکانے کی غرض سے بھیجی تھیں۔ یہ واقعہ شریف سعید بن برکات کے زمانہ کا ہے۔

الجب:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے جب کعبہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس کے اندر ایک کنواں تقریباً ساڑھے چار فٹ گہرا بنایا، تا کہ کعبہ شریف پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز اس میں جمع کی جائیں۔ قدیم زمانہ میں اس کنوئیں کو ''الجب'' اور ''الغبغب'' کہا جاتا تھا اور جو خزانہ اس میں جمع ہوتا اس کو ''الابرق'' کہتے تھے۔ خزانہ کئی بار چوری بھی ہوا۔ ایک مرتبہ کعبہ کا چوکیدار اسے چرا رہا تھا کہ کنوئیں ہی کے ایک پتھر نے اسے قید کر دیا۔ صبح جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے پتھر ہٹا کر اسے نکالا۔ اس واقعہ کے بعد اس کنوئیں کا نام ''الاحسف'' (دھنسانیوالا) بھی مشہور ہو گیا۔

سانپ کا مسلط ہونا:

کہتے ہیں کہ اس خزانہ پر ایک ثعبان (بہت بڑے سانپ) نے ڈیرہ جما لیا، جو عہد خزاعہ، عہد جرہم اور کچھ عرصہ قریش کے دور تک تقریباً ۵۰۰ سال اس پر قابض رہا۔ بالآخر قریش نے مقام ابراہیم کے پاس جمع ہو کر بارگاہ الٰہی میں الحاح وزاری سے دعا کی کہ اس آفت سے ہمیں نجات عنایت فرما۔ حضور نبی کریم ﷺ بھی اس دعا میں شریک تھے۔

چنانچہ ایک دن یہ اژدھا حسب عادت کعبہ شریف کی دیوار پر ہوا خوری کیلئے بیٹھا تھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ آیا اور اسے اچک کر لے گیا، اس طرح آفت سے لوگوں کی گلو خلاصی ہوئی۔ (اخبار مکہ: ۷۰)

سونے کے دو ہرن اور تلواریں:

زمانہ قدیم میں اہل فارس بھی حج بیت اللہ کو آیا کرتے تھے اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے بیت اللہ پر نذر و نیاز بھی چڑھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کو چاہ زمزم صاف کرتے وقت جو سونے کے دو ہرن دستیاب ہوئے تھے وہ اہل فارس ہی نے نذرانہ چڑھائے تھے۔

سیدنا اسماعیل کے بعد بیت اللہ شریف کی تولیت پر جرہم مامور ہوئے، لیکن جرہم کی عیاشیوں اور بے اعتدالیوں کی پاداش میں خزاعہ نے مکہ کی سلطنت سے انہیں بے دخل کر کے خود اس پر قابض ہو گئے۔ جرہم بھاگتے وقت کعبہ کا خزانہ چاہ زمزم میں پھینک گئے، تا کہ کسی دوسرے کے کام بھی نہ آسکے۔ عبدالمطلب کو جو خزانہ ملا تھا اس میں سونے کے دو ہرن بہت سی قلعی تلواریں اور زر ہیں تھیں۔ قلعی

تلواریں بادیہ عرب میں مرج الظلمۃ کے مقام پر بنائی جاتی تھیں جو عرب میں بہت مشہور تھیں۔ شمشیر قلعی اسی مقام سے منسوب ہیں، عبد المطلب نے تلواروں سے کعبہ شریف کا دروازہ بنوایا، اور ہرنوں کا سونا پتھروں کی شکل میں تبدیل کر کے دروازہ پر چڑھا دیا اور سونے ہی کا تالہ اور چابی بھی بنوائی۔ کعبہ شریف پر بے بہا قیمتی تحفہ سب سے پہلے یہی سونا چڑھایا گیا۔

(مقدمہ ابن خلدون، صفحہ ۳۸۰) (طبقات ابن سعد، جلد ۱، صفحہ ۱۳۲) (سیرت ابن ہشام: ۷۳)

خزانہ کعبہ اور رسول اللہ و خلفائے راشدین کا دور:

حضور نبی کریم ﷺ نے کعبہ شریف کا خزانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے خیال کا اظہار تو فرمایا تھا مگر ایسا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ہاتھ تک نہیں لگایا، ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم نے خرچ کرنے کا اردہ تو کیا تھا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ آپ کے دونوں ساتھیوں نے (حضور ﷺ اور صدیق اکبر) ایسا نہیں کیا، تو آپ نے بھی اس ارادہ کو ترک کر دیا۔

(صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱)

دوسری صدی ہجری:

امام ازرقی محمد بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۸۸ھ تک یہ مال صحیح حالت میں موجود تھا، مگر اس کے بعد خدا جانے اس کا کیا ہوا۔

(اخبار مکہ: ۱۷۲)

سیدنا عبداللہ ابن زبیر کا زمانہ:

سیدنا عبداللہ بن زبیر کی تعمیر تک اس خزانہ والے کنویں کا ذکر تو ملتا ہے، مگر بعد کی تاریخ اس کے بیان سے خاموش ہے۔ غالباً ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس میں پتھر بھر کر بند کر دیا تھا، بعد ازاں حجاج بن یوسف نے کعبہ مشرفہ کی تعمیر کے وقت تعمیر سے بچے ہوئے پتھر کعبہ شریف کے اندر دہلیز کے برابر تک بھر کر فرش بنا دیا۔ اس طرح وہ کنواں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور خزانہ کعبہ شیبہ بن عثمان بن طلحہ کے گھر میں رکھا جانے لگا۔ کعبہ شریف کے اندر کا فرش سنگ مرمر سے سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے بنوایا تھا۔

(تاریخ حسین عباس کر[illegible])

خزانہ کعبہ کو خرچ کرنے والا:

امام ازرقی ہی نے ایک اور روایت اس طرح نقل کی ہے:

''سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب مکہ شریف فتح کیا تو اس کنوئیں میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) اوقیہ سونا جس کی مالیت ایک لاکھ دینار تھی موجود پایا۔ حضرت علی نے عرض کیا: اللہ کے حبیب! اس خزانہ سے اگر سامان جنگ خرید لیا جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ مگر آپ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے بعد صدیق اکبر نے خزانہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ ۱۹۹ھ تک برابر محفوظ رہا۔ بالآخر حسین بن الحسن العلوی کا جب مکہ مکرمہ پر تسلط ہوا تو اس نے سارے خزانہ پر قبضہ کر لیا اور کہنے لگا کہ یہ مال کعبہ میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ ہم اس کے حقدار ہیں، ہم لڑائی کے مصارف میں اسے خرچ کریں گے۔ لہٰذا اس نے تمام خزانہ خرچ کر دیا۔ پھر اس وقت سے اب تک کعبہ شریف مالی ذخیرہ سے خالی ہے۔'' (اخبار مکہ، ۲/۱۷۱، مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۲)

روح پرواز نہ کرتی تھی:

علامہ ازرقی روایت کرتے ہیں کہ کعبہ شریف کے کنجی برداروں میں سے ایک آدمی جب قریب المرگ ہوا تو کئی دن تک اس پر جان

کنی کی حالت طاری رہی، وہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک دن اس کے باپ نے دریافت کیا کہ بیٹا تیرے ذمے اس ''الابرق'' یعنی مال کعبہ میں سے کوئی چیز تو نہیں ہے؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں! چار سو دینار میرے ذمہ ہیں۔ اس کے باپ نے چند آدمیوں کے سامنے وعدہ کیا کہ یا اللہ میں چار سو دینار ادا کروں گا، تو میرے بیٹے پر رحم فرما۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔

(اخبار مکہ: صفحہ ۱۷۲)

باب نمبر 13:

مطاف کا فرش

اسلام کی ابتداء تک مطاف کا فرش سادہ اور کچا تھا، لیکن جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ شریف تعمیر کیا تو تعمیر سے بچے ہوئے پتھروں کا مطاف میں فرش بنا دیا، جس کی چوڑائی ۱۰ ذراع یعنی ۱۵ فٹ ۴ میٹر ۷ ۵ سینٹی میٹر تھی اور وہ فرش امام فاکہی علیہ الرحمۃ کے زمانہ تک قائم رہا۔ حج کے ایام میں اس پر ریت ڈال کر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا، جس سے طواف کرنے والوں کو چلنے میں آسانی ہوتی تھی۔ ریت کا ذخیرہ باب بنی سہم کے قریب ہر وقت موجود رہتا۔ وقت ضرورت مطاف میں ڈال دی جاتی، دن میں کئی مرتبہ پانی کا چھڑکاؤ ہوتا۔ گرمیوں میں نوعمر لڑکے زمزم کے مشکیزے کندھوں سے لٹکائے طواف کرنیوالوں کو پانی پلاتے تھے۔

(اخبار ام القری، صفحہ ۵)

امام فاسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ۶۳۱ ہجری میں المستنصر باللہ نے فرش تبدیل کرایا اور اس کا نام باب کعبہ کے قریب شاذروان کے ایک پتھر پر کندہ کیا گیا۔ ۷۶۶ ہجری میں ملک اشرف شعبان شاہ مصر نے نیا فرش بنایا۔ بعد میں مصر منصور الاجین المنصوری نے اس کی تجدید کرائی اور موصوف کا نام رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ایک پتھر پر لکھ دیا گیا۔

امام موصوف نے مطاف کی مختلف جہات سے جو پیمائش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پچیس سے ۳۰ گز تو چوڑا تھا۔

علامہ حموی نے ۶۲۶ ہجری میں لکھا تھا کہ مطاف کے فرش پر ریت ڈالی جاتی ہے اور باقی صحن حرم میں کنکریاں پڑی ہوئی ہیں۔

علامہ قطب الدین نے حسب ذیل پیمائش بیان کی ہے:

''حطیم کی دیوار سے مصلیٰ حنفی تک ۲۲ ذراع یعنی ۳۳ فٹ یا ۱۰ میٹر ۶ سینٹی میٹر اور مستجارہ سے دوسری جانب تک ۳۰ ذراع ۴۵ فٹ یا ۱۳ میٹر ۷۱ سینٹی میٹر۔ رکن یمانی سے مطاف کے کنارہ تک ۲۸ ذراع یعنی ۴۲ فٹ یا ۱۲ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر اور مطاف کا دائرہ صحن سے ۳ ذراع یعنی ۴ فٹ ۶ انچ یا ایک میٹر ۳۷ میٹر اونچا ہے۔ مطاف میں ۳۳ ستون تھے جن میں سے ۳۱ پیتل کے اور دو سفید سنگ مرمر کے تھے، ہر ستون کے نیچے پتھر کی چوکور کرسی بنی ہوئی تھی اور ہر دو ستونوں کے درمیان کمان کی مانند ایک لکڑی قلعی سے مرصع لگائی گئی تھی۔ جس کے ساتھ قندیلیں لٹکائی جاتی تھیں۔ ستونوں کے باہر مطاف کا حاشیہ بنا ہوا تھا۔ جس میں باقی صحن حرم کی طرح کنکریاں بچھی ہوئی تھیں، اس کے بعد وزیر سنان پاشا نے پورے حرم میں پتھر کا فرش بنوا دیا۔''

(اعلام الاعلام، صفحہ ۴۳۰)

علامہ ابن جبیر اندلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ مطاف کا فرش پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کا ہے، جن میں سیاہ، سفید اور بھورے رنگ کے پتھر لگے ہیں اور اس کی چوڑائی ۹ قدیم ہے۔ اس کے باہر حرم شریف کے سارے صحن میں سفید ریت بچھی ہوئی ہے۔ عورتیں اسی ریت پر طواف کرتی ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر، صفحہ ۱۷)

علامہ محمد لبیب البتونی لکھتے ہیں کہ مطاف بیضوی شکل کا ہے، کعبہ شریف سے جنوبی اور مغربی سمت میں ۱۹ میٹر چوڑا اور مشرقی اور شمالی سمت میں ۱۲ میٹر ہے۔ جب کہ شمالاً جنوباً مطاف کا قطر ۵۱ میٹر اور شرقاً غرباً ۴۱ میٹر ہے۔ اس طرح کعبہ شریف کا ایک شوط (طواف کا ایک چکر) ایک سو میٹر کا ہے اور سات شوط سات سو میٹر کا سفر بن جاتا ہے۔ (رحلۃ الحجاز، صفحہ ۱۲۲)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حرم شریف میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کنکریاں بچھانے کی ابتداء کی تھی۔ امام فاکہی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دور میں چار سو دینار کی سالانہ کنکریاں ڈالی جاتی تھیں۔ البتہ ۲۵۱ھ سے ۲۵۶ھ تک یہ سلسلہ موقوف رہا۔ پھر ۲۶۲ھ میں تمام کنکریاں سیلاب کی نذر ہو گئیں۔ بعد ازاں باقاعدگی سے ڈالی جاتی رہیں۔ یہیں تک کہ ۱۳۹۸ ہجری میں مطاف کی توسیع کے باعث پورے صحن حرم میں سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا اور کنکریاں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دی گئیں۔

۱۳۶۷ ہجری میں علامہ طاہر کردی نے قدیم مطاف کی حدود اس طرح بیان فرمائی ہیں:

باب کعبہ والی دیوار سے مطاف کے آخر تک یعنی مقام ابراہیم تک	سینٹی میٹر ۵۰۔ ۱۱ میٹر
مغربی دیوار سے مطاف کے کنارے تک:	سینٹی میٹر ۶۵۔ ۱۶ میٹر
جنوبی دیوار سے مطاف کے کنارے تک:	سینٹی میٹر ۲۰۔ ۱۵ میٹر
حطیم کی دیوار کے وسط سے مطاف کے آخر تک:	سینٹی میٹر ۰۰۔ ۱۲ میٹر

نئے مطاف کی حدود حسب ذیل ہیں:

کعبہ شریف کی مشرقی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک:	سینٹی میٹر ۸۰۔ ۲۶۱ میٹر
مغربی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک:	سینٹی میٹر ۴۰۔ ۲۷ میٹر
جنوبی دیوار سے مطاف جدید کے آخر تک:	سینٹی میٹر ۰۷۔ ۲۶ میٹر
حطیم کی دیوار کے وسط سے مطاف جدید کے آخر تک:	سینٹی میٹر ۶۵۔ ۱۶ میٹر

۱۳۸۳ھ میں جب مطاف کشادہ کیا گیا تو اس کے اندر صفوں کی مانند سیاہ سنگ مرمر کی ۸ لائنیں بنا دی گئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مطاف کی حدود سے باہر ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ مختلف اوقات میں مطاف کی توسیع کی یہ علامت ہیں۔

سعودی حکومت نے مطاف کو مزید وسیع کرنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا تھا جو ایک پاکستان انجینئرنگ مشاورتی کمپنی کا تیار کردہ تھا۔ اس توسیع کے بعد ۲۸ ہزار افراد بیک وقت طواف کر سکتے تھے جب کہ اس وقت مطاف میں چار ہزار افراد کی گنجائش تھی۔

چنانچہ اس وقت منصوبہ کے تحت ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں پورے صحن حرم کو مطاف میں تبدیل کر دیا گیا۔ چاہ زمزم کا راستہ برآمدوں کے قریب بنایا گیا، موذن کا چبوترہ پہلی جگہ کے متصل برآمدہ میں منتقل کر دیا گیا، منبر اٹھا لیا گیا، بجلی کے کھمبے ختم کر دیئے گئے اور سارا صحن ہموار کر کے ہر طرف سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا۔ فرش میں یہ جدت بھی کی گئی ہے کہ چھوٹی چھوٹی سلوں کی بجائے پورا مصلیٰ سنگ مرمر کا بنا کر ہر سمت سے کعبہ کی جانب صحیح رخ میں نصب کیا گیا، تا کہ نماز میں صفیں بھی سیدھی رہیں۔ اس طرح صحن میں نہ تو کوئی کچی جگہ باقی رہ گئی اور نہ ہی کنکریاں، اب پورا صحن سنگ مرمر سے مزین مطاف کا کام دے رہا تھا۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں شاہ خالد بن عبد العزیز نے مطاف کی جو توسیع کرائی اس کی تفصیل اس طرح تھی ہے کہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء کو صحن یا مطاف کی کیفیت یہ تھی۔ عثمانی تعمیر کے اندر اندر پورے صحن میں گول دائرہ کی شکل میں سیاہ رنگ سنگ مرمر سے صفیں بنی ہوئی تھیں، صفوں کی چوڑائی تقریباً ۴ فٹ تھی۔ جب کہ تمام مصلیٰ ایک ایک پتھر کے بنے ہوئے تھے، جن کی چوڑائی

مختلف تھی۔ایک،ڈیڑھ اور دو فٹ تک چوڑے تھے۔

چونکہ صحن حرم بالکل گول نہیں تھا اور نہ ہی کعبہ شریف سے عثمانی تعمیر کا فاصلہ ہر سمت سے یکساں تھا،اس لئے کعبہ شریف کے چاروں ارکان اور جہات اربع سے صفوں کی تعداد بھی مختلف تھی۔

رکن حجر اسود سے	۶۰ صفیں
رکن یمانی سے	۵۶ صفیں
رکن عراقی سے	۴۸ صفیں
رکن غربی سے	۵۱ صفیں
دروازہ والی دیوار سے	۶۷ صفیں
حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان سے	۴۸ صفیں
رکن یمانی اور رکن غربی کے درمیان سے	۵۴ صفیں
حطیم کی جانب سے	۴۰ صفیں

اس طرح اب تمام صحن حرم مطاف میں تبدیل ہو چکا ہے۔

باب نمبر 14:

کعبہ کا اندرونی حصہ اور اندر والی چھت

۲۲ رجب ۱۴۱۷ ہجری منگل کے روز ماہرین تعمیرات نے کعبہ شریف کے اندر داخل ہو کر چھت کا جائزہ لیا۔اندر والا سرخ ریشمی غلاف،قندیلیں اور دیگر قیمتی تحائف جو کعبہ شریف میں آویزاں تھے اتار لیے گئے۔یہ قندیلیں روشنی کے لئے نہیں بلکہ قدیم زمانہ کے بیش بہا قیمتی تحفے کعبہ شریف میں محفوظ تھے،ان میں چھوٹی بڑی ۸۰ قندیلیں تھیں۔یہ تمام اشیاء لکڑی کے دو بڑے صندوقوں میں بند کر کے ایک مکان میں محفوظ کر دی گئی تھیں۔صندوق ۱۵۰ سینٹی میٹر یعنی ۴ فٹ ۱۱ انچ لمبے اور ۸۰ سینٹی میٹر یعنی ۲ فٹ ساڑھے ۷ انچ چوڑے اور ۸۰ میٹر اونچے تھے۔

اگر چہ چھت کی لکڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے تجدید کی محتاج تھی،لیکن اس کے نیچے والے شہتیر مضبوط اور صحیح حالت میں تھے،البتہ درمیان والا قدرے کمزور تھا۔یہ شہتیر ۱۰ میٹر اور بعض ۱۵ میٹر لمبے ان کا قطر ۴۰ سینٹی میٹر یعنی ۱ فٹ ۴ انچ تھا۔یہ شرقاً غرباً دیواروں پر چڑھے ہوئے تھے۔

چھت پر تمام نئی لکڑیاں ڈال کر ان پر موٹی اور مضبوط تختیاں بچھا دی گئیں،لیکن ان تختیوں پر مٹی یا سنگ مرمر وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا، کیونکہ یہ چھت اندر ہونے کی وجہ سے بارش اور دھوپ وغیرہ سے محفوظ تھی۔یہ کام ۲۵ رجب جمعہ کی رات کو مکمل ہوا۔اس چھت میں مشرقی اور جنوبی سمت دو چھوٹے چھوٹے دروازے بھی ہیں،جن میں لگی ہوئی سیڑھی کے ذریعہ چھت پر چڑھا جاتا ہے۔

یہ دوہری چھت قدیم زمانہ کے دستور کی پیروی میں بنائی گئی ہے۔ورنہ اس پر نہ تو کوئی سامان رکھا جاتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے مقصد کے استعمال کے لئے ہوتی ہے۔صدر اسلام میں بھی یہ چھت موجود تھی۔جو غالباً دیواروں کی بلندی زیادہ ہونے کی وجہ سے بنائی گئی تھی۔

چھت کی تجدید و مرمت کے ساتھ ساتھ دیواروں کو باہر سے ٹیپ بھی کر دیا گیا، اگرچہ دیواریں بے حد پائیدار اور مضبوط تھیں، مگر درزوں میں لگا ہوا مصالحہ کمزور ہو چکا تھا۔ اس کام کیلئے ۱۲۹ افراد پر مشتمل ایک ٹیم بنائی گئی، جنہوں نے روغن کنجد روئی اور چونے کی آمیزش سے ایک مرکب تیار کر کے انگلیوں سے پتھروں کی درزوں میں بھرا اور پھر اس کے اوپر سیمنٹ اور چونے وغیرہ کا مرکب تیار کر کے لگا دیا۔ اس کام کی تکمیل اتوار کے دن ۵ شعبان ۱۳۷۷ھ کو ہوئی۔

چھت اور باہر کے کام سے فارغ ہو کر دیواروں کی اندر سے اصلاح اور مرمت کا کام شروع ہوا۔ ۳ شعبان ۱۳۷۷ھ نماز جمعہ کے بعد چاروں اطراف سے قدیم پلستر اتارنا شروع کیا گیا جو دیواروں کے ساتھ ۳ میٹر اور ۵۰ سینٹی میٹر بلندی تک لگا ہوا تھا تاکہ اس کی صفائی اور اصلاح بھی ہو جائے۔ اندر والی سیڑھی جس کے ذریعے پہلے چھت پر چڑھا جاتا ہے، اس کی اصلاح و مرمت اور کعبہ شریف کی دہلیز بھی مرمت کرنے کا پروگرام طے ہوا۔

دیواروں کا کام کرنے کیلئے ایک لکڑی کی سیڑھی بنائی گئی جو پہلے چھت کے برابر اونچی تھی۔ سنگ مرمر اکھارنے کے بعد دیواروں کو کھرچ کر چونا اور دوسرا مصالحہ وغیرہ اتارا گیا۔ چاروں طرف سے پہلی چھت تک دیواروں کو صاف کر دیا گیا۔ بعد ازاں قدیم سنگ مرمر برقی اور مشینی آلات کے ذریعہ پہلی جگہوں پر نصب کر دیا گیا۔ صرف ایک بڑا پتھر نیا لگایا گیا، جس پر مرمت کی تاریخ کندہ تھی۔

اس کام کے دوران انتہائی قابل رشک بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تکبیر و تہلیل اور تسبیحات زبانوں پر جاری تھیں۔ دنیاوی کلام سے مکمل پرہیز کیا گیا، البتہ کام سے متعلق کسی وقت کوئی ضرورت بات کر لی جاتی تھی۔ علماء کرام، امراء، روسا، بنفس نفیس چونا، پتھر اور پانی وغیرہ اپنے سروں پر اٹھا کر خوشی خوشی معماروں کو دیتے رہے۔ ہفتہ کے دن گیارہ شعبان ۱۳۷۷ھ کو یہ تمام کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔

جب کام مکمل ہو گیا تو اسی روز مغرب سے نصف گھنٹہ پہلے شاہ سعود ریاض سے تشریف لائے اور کعبہ شریف میں داخل ہو کر اس سنگ مرمر کو نصب کیا، جس پر ان کا نام اور اصلاح و مرمت کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

۱۲ شعبان اتوار کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد لکڑی کے اس پردہ کو اکھاڑنا شروع کیا گیا جو کام کرنے کیلئے کعبہ شریف کے چاروں طرف قائم کیا گیا تھا۔ جب یہ پردہ ہٹا دیا گیا تو بغیر غلاف کے کعبہ شریف کا لوگوں نے دیدار کیا اور پھر نماز ظہر سے دو گھنٹے پہلے اس پر غلاف چڑھا دیا گیا۔ اسی طرح منگل کے دن ۱۴ شعبان کو اندر کا غلاف لٹکایا گیا اور اس میں پیوند کاری بھی کی گئی۔

جمعہ کی رات ۱۷ شعبان ۱۳۷۷ھ کعبہ شریف کے دروازہ کی دہلیز اور کواڑ کے پیچھے دیوار کی اصلاح و مرمت کا کام کیا گیا۔ دونوں کو اڑا تار کر دیوار کو مرمت کیا گیا۔ اوپر والی دہلیز کو تبدیل کر کے نئی لکڑی کی دہلیز لگائی گئی۔ اس دہلیز کے اوپر والی لکڑی پر باہر کی جانب سونے کی ایک پلیٹ چڑھی ہوئی تھی، جس پر چند اشعار لکھے ہوئے تھے۔ اسے اتار کر صاف کیا اور کیمرہ سے اس کا فوٹو لے کر دوبارہ اسی جگہ نصب کر دی گئی۔

اتوار کے دن ۱۹ شعبان ۱۳۷۷ھ دروازہ کے نیچے والی دہلیز کو درست کیا گیا، اور اس پر سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا۔ اس فرش میں نصف دائرہ کی شکل میں ایک لوہے کی پٹڑی لگا دی گئی تاکہ دروازہ کھولنے اور بند کرنے میں سہولت ہو۔

اندر والی سیڑھی جس کا نچلا حصہ ساڑھے ۳ میٹر سنگ مرمر اور بقیہ اوپر کا حصہ موٹی مضبوط لکڑی کا ہے۔ نچلے حصہ میں جہاں ضرورت تھی چونا اور سیمنٹ لگا دیا گیا اور اسی طرح لکڑی کے حصہ کی جہاں اصلاح درکار تھی کر دی گئی۔ مگر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

شاہ فہد کے دور میں ایک مرتبہ پھر بیت اللہ شریف کی چھت اور اندرونی دیواروں کی تجدید کی گئی ہے۔

حرم محترم کی تعمیرات کے نگران نوجوان انجینئروں کو تجسس ہوا کہ بیت اللہ شریف کی دونوں چھتوں اور ستون جو لکڑی کے بنے

ہوئے ،صدیاں گزر جانے کے باوجود ابھی تک کیسے قائم ہیں؟ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں لکڑی کو دیمک نہ لگ گئی ہو، خدانخواستہ لکڑی کرم خوردہ ہوکر کہیں چھت منہدم نہ ہوجائے۔ چنانچہ ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئی (جس میں ایک پاکستانی انجینئر بھی شامل تھے) کمیٹی نے برمے کے ذریعے ستونوں کی لکڑی کو چیک کیا جو بے حد مضبوط ثابت ہوئی۔اسی طرح چھت کی لکڑیاں بھی محکم اور صحیح حالت میں پائی گئیں،لیکن نوجوان انجینئر چھتوں کی تبدیلی پر مصر تھے۔

چنانچہ ساگوان کی لکڑی انڈیا سے خریدنے کا فیصلہ ہوا، جو دنیا میں مضبوط ترین لکڑی ہے۔ بنا بریں لکڑی خرید کر کٹوائی گئی اور ایک سال تک وہاں ہی چھوڑ دی گئی۔ جب وہ طبعی طور پر خشک ہوگئی تو حسب ضرورت چیرا کر مکہ مکرمہ میں لائی گئی۔

۱۰ محرم ۱۴۱۷ھ کو بیت اللہ شریف کی اندرونی دیوار نکالنے کا کام شروع ہوا۔ بیت اللہ کے اندر اور باہر دو دیواریں متصل بنی ہوئی ہیں۔ جو غالباً موسمی اثرات سے بچاؤ کیلئے بنائی گئی تھیں۔ باہر والی دیوار بڑے پتھروں کی ہے، جبکہ اندرونی دیوار چھوٹے پتھروں کی مٹی چونے سے بنائی گئی تھی۔ جس کی چوڑائی ۹۰ سینٹی میٹر ہے۔ مذکورہ پتھر نکال کر آب زمزم سے دھویا گیا اور جو کمی تھی وہ جبل نور سے پتھر لاکر پوری کی گئی، کیونکہ جبل کعبہ پر اس قدر زیادہ آبادی ہوگئی ہے کہ وہاں سے پتھر حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔

ستونوں کو دیمک سے محفوظ رکھنے کی خاطر مطاف کی سطح تک کنکریٹ بھر کر نصب کئے ہیں، بیت اللہ کے اندر واقع آہنی سیڑھی کی جگہ انتہائی شفاف شیشے کی سیڑھی لگائی گئی ہے۔ جو چھت میں واقع روشندان کھلنے سے روشنی کا عکس لے کر بیت اللہ شریف کو روشن کردیتی ہے۔

بیت اللہ کے اندر دیواروں پر اندر والے غلاف کے برابر تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ بیت اللہ کی دہلیز کے نیچے والے سوراخ پر پیتل کی خوشنما جالی لگا کر بند کردیا گیا ہے،لوگ نادانی کے باعث اس میں انگلیاں ڈالتے اور عرضیاں لکھ کر ڈالتے تھے۔

شاذروان کے قدیم پتھر تبدیل کرکے سفید سنگ مرمر کے ایک جیسے پتھر لگادیئے گئے ہیں۔ غلاف کعبہ باندھنے کیلئے شاذروان میں واقع کنڈے جن میں یکسانیت نہیں پائی جاتی تھی، تبدیل کرکے ایک جیسے مضبوط اور خوبصورت پیتل کے کنڈے لگادیئے گئے۔

حطیم کی دیوار پر لگے ہوئے منقش پتھروں کو تبدیل کرکے سفید سنگ مرمر کے سادہ پتھر لگائے گئے۔ بیت اللہ کے دروازہ کے اوپر اور اس کے بالمقابل بند دروازہ کے اوپر تین تین سوراخ دیوار میں کئے گئے ہیں تاکہ ہوا کراس کرتی رہے اور بیت اللہ کے اندر حبس نہ ہونے پائے۔

بیت اللہ کے اس کام میں جو چیزیں ناقابل استعمال تھیں ان کی حرمت اور تقدس کے پیش نظر مولانا عبدالمنان نے امام مالک کا قول پیش فرمایا کہ بیت اللہ کی اشیاء مثل قرآن مجید کے متبرک و مقدس ہیں، لہٰذا انہیں ادب واحترام کے ساتھ سمندر کی نذر کردینا چاہیے۔ بنا بریں ان چیزوں کو جہاز کے ذریعے جدہ سے ستر کلومیٹر دور سمندر میں ڈال دیا گیا۔ یہ کام یکم رجب ۱۴۱۷ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔

کعبۃ اللہ کے درمیان تین بلند ستون ہیں۔ یہ مضبوط لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کا قطر تقریباً نصف میٹر ہے۔ اس کی لکڑی کا رنگ سرخ زردی مائل ہے ۱۳۰۴ھ میں اس کا نیچے کا حصہ پھٹ گیا تھا۔ پھر ۱۳۱۴ھ میں تینوں ستونوں کے لئے لکڑی کے دائرے بنائے گئے۔ یہ لکڑی طاب (ایک درخت کا نام) کی لکڑی کے مشابہ تھی۔ جہاں سے ستون پھٹا تھا وہاں سے لے کر تقریباً ۱۱/۲ میٹر کعبہ کی زمین سے بلند بنایا گیا۔ ان ستونوں کے ارد گرد پھر بند باندھا گیا اور اس پر کیل ٹھونک دیئے گئے۔ یہ تینوں ستون حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بنائے ہوئے ہیں۔ تیرہ صدیوں سے یوں ہی چلے آتے ہیں۔ اب تک یہ پوری طرح مضبوط اور سخت ہیں۔ یادگار قدیمہ میں سے ایک بہت بڑی یادگار شمار ہوتے ہیں۔

کعبہ شریف کے اندر زمین کا فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ یہ پتھر اکثر سفید ہیں اور کچھ رنگین بھی ہیں۔ خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں

کے حصہ پر رنگ دار سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔اس میں نقش ونگار کیا ہوا ہے۔اس کے اندرونی حصے پر سرخ گلابی رنگ کا ریشمی غلاف ہے۔اس پر سفید دھاگے سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ''دال'' کی شکل میں لکھا ہوا ہے یا ہندسہ ۷ کی شکل میں بنا ہوا ہے۔ پھر ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' ہندسہ ۸ کی شکل میں ہے۔ پھر دائرہ کے اندر یا حنان، یا سلطان، یا منان، یا سبحان'' لکھا ہوا ہے۔ یہ تمام ہندسے ۸ کی شکل میں لکھے ہوئے ہیں۔اس کی چھت اور چاروں دیواریں اس غلاف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔اس کے غلاف کا رنگ پرانا ہونے کے باعث تبدیل ہو چکا ہے۔ دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سبز یا خاکستری رنگ ہو، اس لئے کہ سلطان عبد العزیز کے آخری عہد حکومت میں ۱۲۹۰ھ میں بنایا گیا۔اب تک اس پر ۸ سال گزر چکے ہیں۔ سیڑھی کے دروازہ پر جو کعبہ شریف کی سطح تک ہے، سیاہ رنگ کا پردہ ہے۔ یہ ریشمی غلاف ہے۔اس پر سونے اور چاندی کی تاروں سے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ یہ کعبہ شریف کے دروازہ کے غلاف کی مانند ہے۔

خانہ کعبہ کے داخلی اور خارجی حصہ اور اس کی بلندی کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔علامہ ازرقی نے کہا ہے:

کعبہ شریف کی پیمائش باہر کی جانب سے آسمان کی طرف بلندی میں ۲۷ ہاتھ ہے۔

سامنے کی طرف رکن شامی کی جانب سے ۲۵ ہاتھ ہے۔

رکن یمانی سے رکن غربی تک ۲۰ ہاتھ ہے۔

حجر اسود سے رکن یمانی تک ۲۰ ہاتھ ہے۔

رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۱ ہاتھ ہے۔

اس کی تمام پیمائش مکسر ۱۸/۴ ہاتھ ہے۔

کعبہ شریف کے اندر کا فرش

کعبہ شریف کے اندر کی سطح حضرت ابراہیم سے لے کر حجاج بن یوسف تک زمین کے برابر تھی، مگر حجاج نے جب کعبہ شریف تعمیر کیا تو تعمیر سے بچے ہوئے پتھر اندر بھر کر فرش کو دروازہ کی دہلیز کے برابر تقریباً چھ فٹ اونچا کر دیا۔(تاریخ حرمین عباس کرارہ، صفحہ ۱۰۴)

امام ارزقی فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر سنگ مرمر کا فرش سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبد الملک نے بنوایا اور دیواروں کے اندر بھی سنگ مرمر بنانے کا حکم دیا تھا۔ یہ سنگ مرمر شام سے درآمد کیا گیا تھا جس میں سفید، سرخ اور سبز رنگ کے پتھر تھے۔امام موصوف کا کہنا ہے کہ کعبہ شریف کے اندر جتنا کام سنگ مرمر کا کیا گیا، وہ سارا ہی ولید بن عبد الملک نے کرایا تھا اور کچھ تختیاں بھی ہیں جن پر سونے اور چاندی کی ملمع کاری کی گئی ہے۔ یہ دو پشتوں کی صورت میں ہیں۔ نچلے پشتہ میں ۳۸ سلیں ہیں جن کا طول دو ذراع اور آٹھ انگل تقریباً ۶ انچ ۳ فٹ۔ا میٹر ے سینٹی میٹر۔ان میں سے ۲۱ سفید ہیں، اور رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان والی دیوار میں ۷ سلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک ۶ ہیں اور ان میں سے ۴ سلیں ملتزم میں نصب ہیں اور ۱۹ سلیں سبز سنگ مرمر کی لگی ہیں۔

رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان ۴، رکن یمانی سے حجر اسود تک بھی ۴ اور دروازہ والی دیوار میں ۵ ہیں جن میں سے دو ملتزم کی جگہ ہیں، اور حطیم کی طرف والی دیوار میں ۴ نصب ہیں۔

بالائی حصہ میں ۴۲ سلیں لگی ہیں، جن میں سے ہر ایک چار ذراع اور چار انگل لمبی یعنی ساڑھے چھ فٹ یا ا میٹر ۹۲ سینٹی میٹر ہیں۔ان میں سے ۲۰ سفید ہیں۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پانچ سلیں نصب ہیں اور ایک ملتزم میں ہے اور دروازہ والی دیوار میں پانچ ہیں [illegible] حطیم والی دیوار

میں ۹ سلیں نصب ہیں، اور سرخ سنگ مرمر کی کل نو سلیں ہیں۔ تین رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان۔ دو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان، ۲ دروازہ والی دیوار میں دو ہی حطیم والی دیوار میں ہیں۔

سبز رنگ کی چھ سلیں ہیں، دو رکن یمانی سے رکن شامی کے مابین، دو رکن یمانی سے حجر اسود کے مابین اور دو حطیم کی جانب والی دیوار میں ہیں۔

چاروں گوشوں میں سونے اور چاندی سے مرصع چھ تختیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا طول چار ذراع اور چار انگل ۶ فٹ ۳ انچ یا ا میٹر ۹۲ سینٹی میٹر ہے اور ان کا عرض ایک ذراع اور چار انگل تقریباً ۲۱ انچ یا ۵۴ سینٹی میٹر ہے۔ ایک تختی مغرب میں رکن یمانی کی سمت لگی ہے اور ایک تختی رکن یمانی میں مشرق کی جانب نصب ہے۔ ایک ملتزم کی جگہ ہے اور ایک دروازہ کے دائیں جانب ہے۔ ان تختیوں پر ۱۶ منقش کیل سات سات انگل لمبے لگے ہیں۔ ملتزم کی تختی میں تین اور باقی ماندہ میں ایک ایک اور دو دو دوسری تختیوں پر لگے ہیں۔

(اخبار مکہ، ۲۰۶ تا ۲۰۸)

علامہ ازرقی اپنے زمانہ کے فرش کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر سفید، سرخ اور سبز سنگ مرمر کا فرش بنا ہوا ہے جس میں کل ۳۶ سلیں لگی ہوئی ہیں۔ ہر ایک پتھر ایک ذراع اور چار انگل، تقریباً ۲۱ انچ مربع شکل کا ہے۔ ان میں سے چار سبز پتھر ستونوں کے اور دیوار کعبہ کے مابین ہیں۔

باب کعبہ اور ستون کے درمیان سولہ پتھر ہیں جن میں سے سات سرخ اور چھ سفید ہیں۔ ان کی لمبائی سات ذراع اور پندرہ انگل ہے، یعنی ۱۱ فٹ ۵ انچ یا ۳ میٹر ۴۸ سینٹی میٹر۔ اسی طرح سیڑھی والی دیوار اور سبز سنگ مرمر کے درمیان تین بڑے پتھر ہیں جن میں سے دو سفید اور ایک سرخ ہے۔ جب کہ ان کا طول ساڑھے چار ذراع یعنی ۶ فٹ ۹ انچ ہے، ۲ میٹر ۶ سینٹی میٹر اور سولہ پتھر جن میں سے آٹھ سفید اور آٹھ سرخ ہیں۔ ان کا طول سات ذراع اور نو انگل ہے۔ تقریباً ۱۱ فٹ اور ۱ انچ، ۳ میٹر ۳۸ سینٹی میٹر اور مصلیٰ نبوی ﷺ جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی تین سفید سنگ مرمر کے پتھر لگے ہیں جو رکن یمانی کی سمت میں ہیں اور باب کعبہ کے اندر ایک سرخ اور سبز پتھر لگا ہے۔

یہ فرش ۲۴۰ھ کے آخر تک موجود تھا، پھر جب محمد المنتصر باللہ نے مکہ اور حجاز مقدس کی عنان حکمرانی اپنے ہاتھ میں لی تو اسے گورنر مکہ نے خط لکھا کہ کعبہ شریف کے اندر والا فرش بے حد خستہ حالت میں ہے، پتھر ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بن گئے ہیں، اسی طرح دیواروں کے اندر جو سنگ مرمر لگا ہوا تھا وہ بھی گر رہا ہے۔ علماء، صلحا اور معززین شہر سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا، تو سب اس بات پر متفق تھے کہ غلاف کعبہ کے بوجھ کی وجہ سے یہ نقصان ہوا ہے اور مزید دیواروں کے نقصان کا خطرہ بھی موجود ہے۔ اگر تمام غلاف اتار دیئے جائیں یا کچھ اتارے جائیں تب بھی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے۔

چنانچہ محمد المنتصر باللہ نے امیر المومنین جعفر المتوکل علی اللہ کو ان حالات سے آگاہ کیا جس کے بعد دونوں کے مابین خط و کتابت ہوئی۔ علاوہ ازیں شاہی فرمان سے زاویوں میں لگے ہوئے چاندی کے بند سونے کے بنا دیئے گئے۔ البتہ ولید بن عبد الملک نے جو سونے کے حلقے لگائے تھے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیواروں کے سنگ مرمر کو تبدیل کر دیا۔ یہ کام شعبان ۲۴۲ھ میں مکمل ہوا۔

(اخبار مکہ: ۲۰۹ تا ۲۱۵)

۵۵۰ھ میں وزیر موصل جمال الدین اصبہانی المعروف الجواد نے نیا فرش بنانے کا حکم دیا۔ پھر ۶۸۰ھ میں ملک مظفر صاحب یمن نے بھی اس کی تجدید کرائی، اور بادشاہ کا نام غربی دیوار کے ایک پتھر پر کندہ کیا گیا۔

علامہ ابن فہد کا بیان ہے، ۸۲۶ھ میں ملک اشرف برسبائی نے مقبل القدیری امیر مکہ کو کعبہ شریف کے فرش کی تجدید کا حکم دیا۔ چنانچہ

امیر موصوف نے اندر کا فرش اور دیواروں سے سنگ مرمر اکھاڑ دیا، ان میں سے جو پتھر صحیح حالت میں تھے، انہیں دوبارہ استعمال میں لایا گیا اور ٹوٹے ہوئے پتھروں کی جگہ نیا سنگ مرمر لگایا گیا اور اندر والے ستونوں کی مرمت بھی کرائی، بے حد عمدگی اور زیبائش سے یہ کام انجام دیا۔ سلطان اشرف برسبائی کا نام چاندی کے ایک طشت پر کندہ کرایا اور سونے سے نقش ونگار کرایا اور کعبہ شریف کے اندر آویزاں کیا۔(اعلام الاعلام:۲۰۷)

۸۴۳ھ میں ملک ظاہر جقمق کے فرمان سے امیر سودون نے کعبہ شریف کے اندر دروازہ والی دیوار کے سنگ مرمر کی اصلاح و مرمت کرائی۔(اعلام الاعلام:۲۱۶)

رجب ۸۸۴ھ میں ملک اشرف ابوالنصر قایتبائی نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ پھر ۱۲۹۹ھ میں سلطان عبدالمجید خان الثانی عثمانی نے فرش کعبہ کی تجدید کرائی، مگر اس کی تفصیلات نہ مل سکیں۔(تاریخ الکعبہ:۲۰۶، ۲۰۷)

۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے جب کعبہ شریف کی چھت تبدیل کرائی تو بروز اتوار ۲۶ شعبان اندر کا قدیم فرش اکھاڑے بغیر نیا فرش بنوادیا چونکہ پرانے فرش میں نادر الوجود بیش بہا قیمتی سنگ مرمر لگا ہوا تھا، جو مضبوط اور خوبصورت ہونے کے علاوہ صحیح حالت میں بھی تھا۔ غالباً فرش کعبہ کی سطح بلند کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے پہلا فرش مضبوط و محکم ہونے کے باوجود نیا فرش بنایا گیا، جس کے باعث پانچ سینٹی میٹر فرش اونچا ہو گیا۔

باب نمبر 15:

رکن یمانی

بیت اللہ کے چار کونے:

بیت اللہ شریف کے چار کونے چار ارکان کہلاتے ہیں اور ہر ایک الگ الگ نام سے موسوم ہے۔ مشرقی کونہ حجر اسود کے نام سے موسوم ہے، شمالی مشرقی کونہ رکن عراقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شمالی مغربی کونہ رکن شامی یا غربی کہلاتا ہے، اور جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں۔

رکن یمانی کی وجہ تسمیہ:

امام سہیلی اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس معمار نے یہ گوشہ تعمیر ومرمت کیا تھا اس کا نام ابی بن سالم تھا اور وہ یمن کا باشندہ تھا، اس لئے اسی کے نام سے رکن یمانی مشہور ہو گیا۔(روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹)

چاروں کونوں کا استلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تھا تو یہ چار ارکان پر مشتمل تھا اور آپ طواف کے دوران ان سب کا استلام کرتے تھے، لیکن قریش کی تعمیر کے وقت خرچہ کی کمی کے باعث بیت اللہ شریف کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ گویا کہ رکن عراقی اور شامی قواعد ابراہیم کے مطابق نہ رہے اور اس حصہ میں نصف دائرہ کی صورت میں نشاندہی کیلئے دیوار بنادی گئی، جسے حطیم کہا جاتا ہے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام:

سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا، لیکن رکن شامی اور عراقی چونکہ قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں، اس لئے آپ نے ان کا استلام نہیں کیا۔(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵)(مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ہم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں کبھی بھی ترک نہیں کیا، جب سے نبی کریم ﷺ کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے، ہم بھی اس کے کاربند ہو گئے ہیں۔ (بخاری، جلد ا، صفحہ ۲۱۵) (مسلم، جلد ا، صفحہ ۴۱۲)

جبرائیل کی دعائے مغفرت:

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ بڑی کثرت سے رکن یمانی کا استلام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو جبرائیل کو موجود پایا، جو استلام کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔

استلام گناہوں کو مٹانے کا سبب:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرنے سے اللہ کریم گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

جنت کے دو دروازے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رکن یمانی اور حجر اسود جنت کے دو دروازے ہیں۔''

حجر اسود اور رکن یمانی کی خصوصیات:

امام المحدثین امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''رکن حجر اسود دو فضیلتوں کا حامل ہے اس لئے اس کا استلام بوسہ دے کر یا ہاتھ سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ ایک فضیلت اس میں تو یہ ہے کہ قواعد ابراہیمی کے مطابق ہے، اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس رکن یمانی میں صرف ایک فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ قواعد ابراہیمی پر قائم ہے، لہٰذا اس کا استلام صرف ہاتھ لگا کر کیا جائے، بوسہ نہ دیا جائے اور دوسرے دونوں رکن قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہ کیا جائے اور نہ ہی بوسہ دیا جائے۔ (مسلم، جلد ا، صفحہ ۴۱۲) (مرقاۃ، جلد ا، صفحہ ۳۱۵)

مقبول دعا:

سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ۷۰ فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں یہ دعا پڑھتے ہوئے گزرے تو فرشتے آمین کہتے ہیں:

((اللھم انی اسئلک العفو والعافیة فی الدنیا والاخرة ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار))

''اے اللہ میں تجھ سے معافی اور عافیت مانگتا ہوں دین اور دنیا کے معاملوں میں۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔'' (ابن ماجہ: ۲۱۲) (مشکوۃ: ۲۲۸)

علامہ ابن جوزی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے اللہ کریم نے رکن یمانی پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے، طواف کرنے والا جب وہاں سے مذکورہ دعا پڑھتے ہوئے گزرتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔

☆☆☆

باب نمبر16:

حرم کے مینار

زمانہ قدیم میں حرم کے چار مینار:

حرم شریف کی عمارت میں تبدیلی اور اضافہ ہوتا رہا، اسی طرح میناروں کی تعداد میں بھی کمی بیشی ہوتی رہی، جنہیں مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے بنایا۔ چنانچہ مورخ جلیل علامہ ابوالولید ازرقی نے تیسری صدی ہجری میں چار مینار بیان کئے ہیں۔ اس زمانہ میں میناروں پر اذان ہوتی تھی۔ ان کے دروازے مسجد کی طرف تھے، جو اذان کے بعد بند کر دیئے جاتے تھے۔ ان میناروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ایک مینار باب بنی سہم پر۔

دوسرا باب الحزورہ پر تھا۔ اس مینار پر مؤذن رمضان المبارک میں سحری کی اذان دیتا تھا۔

تیسرا دار ابن عباد اور دار السفیانیین کی جانب سوق اللیل کی طرف تھا۔ جو منارۃ المسکین کے نام سے مشہور تھا۔

چوتھا مینار شمال مشرق میں واقع تھا۔ (اخبار مکہ: ۳۳۱،۳۳۲)

چھ / سات مینار:

بعض مورخین نے چھ مینار بیان کئے ہیں، جب کہ قطب الدین مکی نے سات ذکر کئے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ مینار باب حزورہ: یہ مہدی عباسی نے ۱۶۸ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ۷۷۱ھ میں گر جانے کی وجہ سے دوبارہ ملک اشرف شعبان بن حسین صاحب موصل نے تعمیر شروع کرائی اور ۷۷۲ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ علامہ قطب الدین فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانہ تک صحیح سالم موجود ہے۔''

۲۔ مینار باب العمرۃ: اسے خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے ۱۳۰ھ میں بنوایا تھا، ۵۵۱ھ میں محمد الجواد بن علی ابی منصور اصفہانی نے تجدید کرائی۔

۳۔ مینار باب الزیادۃ: خلیفہ معتضد العباسی نے ۲۸۴ھ میں تعمیر کرایا، بعد میں منہدم ہو جانے کے باعث ملک اشرف برسبائی نے ۸۳۸ھ میں تعمیر کرایا۔

۴۔ مینار باب علی: یہ خلیفہ مہدی عباسی کی یادگار ہے۔ سلطان مراد خان کے زمانہ میں اس میں خرابی آجانے کے باعث اسے منہدم کر کے زرد پتھروں سے نہایت مضبوط بنایا گیا اور اس کی چھوٹی رومی طرز کی بنائی گئی۔

۵۔ مینار سلطان سلیمان خان: یہ باب السلام اور باب الزیادہ کے درمیان تھا جو سب سے زیادہ تھا۔ اس کی چوٹی رومی طرز کی تھی۔ ۹۷۳ھ میں امیر قاسم امین نے اسے تعمیر کرایا تھا۔

۶۔ مینار باب الاسلام: یہ مینار پہلے پہل خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۸ھ میں تعمیر کرایا۔ پھر ۸۱۰ھ میں گر جانے کے باعث خلیفہ الناصر فرج بن برقوق نے اس کی تعمیر جدید کرائی اور علامہ قطب الدین کے دور تک صحیح حالت میں موجود تھا۔ رمضان المبارک میں سحری کی اذان اسی پر دی جاتی تھی۔

۷۔ مینار مدرسہ سلطان قائیتبائی: یہ مینار سلطان قائیتبائی کے نام سے موسوم مسعی (صفا و مروہ) کی جانب واقع تھا۔ سلطان

موصوف نے ۸۸۰ھ میں اسے تعمیر کرایا جو فن تعمیر میں بے نظیر تھا، اسی طرز کا ایک مینار منیٰ میں مسجد خیف کا بھی بنوایا تھا۔

مذکورہ سات میناروں کے علاوہ دیگر مینار:

مذکورہ سات مینار ۹۸۸ھ تک موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھی مؤرخین نے چند مینار بیان کئے ہیں، ہمارے زمانہ میں یہ مینار موجود نہیں ہے، ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کب بنے اور کب منہدم ہوئے:

ا۔ امام فاکہی نے صفا اور مروہ کے درمیان میل اخضر کے قریب۔

۲۔ علامہ ابن جبیر نے باب الصفا پر۔

۳۔ امام تقی فاسی نے ۸۴۲ھ میں باب ابراہیم پر۔

سعودی مینار:

مذکورہ بالا تمام مینار قدیم عمارت میں واقع تھے، جب کہ سعودی حکومت نے چاروں طرف بہت زیادہ اضافہ کر کے تین منزلہ خوبصورت اور عالی شان عمارت بنادی ہے جس پر فن تعمیر کے نادرۂ روزگار شاہکار سات مینار ہیں، قدیم مینار سب مسمار کر دیئے گئے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

باب ملک عبدالعزیز پر دو مینار۔	باب العمرہ پر دو مینار۔ [۳۹]
باب السلام پر دو مینار۔	ایک مینار کوہ صفا پر۔

تعمیرات حرم کے کنٹریکٹر عوض بن محمد بن لادن لکھتے ہیں کہ ۱۳۷۵ھ میں شاہ فیصل نے جب حرم شریف کی بے مثال توسیع وتعمیر کی خدمت جلیلہ انجام دی تو قدیم مینار بتدریج ختم کر دیئے اور نئی عمارت پر سات عالی شان مینار بنوائے۔ تین دروازوں پر واقع چھ مینار ۹۲ میٹر بلند ہیں اور صفا والا مینار ۳۵ میٹر ہے۔ جب کہ سب کا عرض ۷x۷ میٹر ہے، ان سب کی چوٹی پر خالص سونے کے چاند لگے ہوئے ہیں۔

باب نمبر 17:

حرم شریف کے ستون

حرم شریف کی ساری عمارت خوشنما اور مضبوط ستونوں پر قائم ہے، جو سنگ مرمر حجر شمیسی اور کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد مختلف ادوار میں کم و بیش ہوتی رہی۔ ہم ان کی تفصیلات تین ادوار کے مطابق قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

پہلا دور تیسری صدی ہجری تک ہے جس کی تفصیلات علامہ ازرقی نے بیان کی ہیں۔

دوسرا دور ۹۸۸ھ تک ہے جسے علامہ قطب الدین نے قلم بند کیا ہے۔

تیسرا دور ۱۳۹۸ھ تک ہے۔

پہلا دور:

علامہ ازرقی لکھتے ہیں:

حرم شریف میں ستونوں کی کل تعداد ۴۸۴ ہے:

مشرقی جانب	۱۰۳
مغربی جانب	۱۰۵

شمالی جانب	۱۳۵
جنوبی جانب	۱۴۱
میزان	۴۸۴

اکثر ستونوں کی لمبائی ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یعنی ۴ میٹر ۵ سینٹی میٹر) اور ڈاٹ (محراب) کی گولائی ۳ ذراع (ساڑھے ۴ فٹ یعنی ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر) ہے۔ اگرچہ بعض ستونوں کی موٹائی اور لمبائی زیادہ بھی ہے۔ ہر دو ستونوں کے درمیان ۶ ذراع اور ۱۳ انگل (۹ فٹ ۱۰ انچ یعنی ۴ سینٹی میٹر) کا فاصلہ ہے۔ ان کے علاوہ مسعی کی جانب دروازہ میں ۶ وادی اور صفا کی جانب ۱۰ اور باب بنی جمع کی سمت ۴ ستون ہیں۔ کل میزان ۲۰ ہے۔

۳۲۱ ستونوں کی چوکھٹ سونے کے نقش ونگار سے مزین تھی۔ جن میں سے دارالندوہ کے برآمدہ میں ۱۳۳، باب بنی جمع کے برآمدہ میں ۵۴، وادی کی جانب برآمدہ میں ۴۲ اور مسعی کی طرف ۹۲ تھے۔ تین ستونوں کی چوکھٹ سرخ پتھر کی تھی۔ سنگ مرمر کے ۱۶ ستونوں کی کرسی منقش پتھر کی اور ۴۴ ستون پتھر کے بنے ہوئے تھے جبکہ باقی تمام سنگ مرمر کے تھے۔ دو ستون سرخ سنگ مرمر کے بھی تھے۔

(اخبار مکہ: ۳۲۰)

دوسرا دور:

علامہ قطب الدین نے ۹۸۸ھ میں ستونوں کی تعداد اس طرح بیان فرمائی ہے:

سنگ مرمر کے کل ستون	۳۱۱ عدد
حجر شمیسی (زرد پتھر)	۲۴۴ عدد
کل تعداد	۵۵۵ عدد

ان کی تفصیل اس طرح ہے:

مشرقی حصہ میں سنگ مرمر کے ستون	۶۲ عدد
شمالی حصہ میں سنگ مرمر کے ستون	۸۱ عدد
غربی حصہ میں سنگ مرمر کے ستون	۶۴ عدد
جنوبی حصہ میں سنگ مرمر کے ستون	۸۳ عدد
دارالندوہ کے اضافہ میں	۱۵ عدد
باب ابراہیم میں	۶ عدد
میزان	۳۱۱ عدد

حجر شمیسی زرد پتھر کے ستون

مشرقی جانب	۳۰ عدد
شمالی جانب	۳۴ عدد
غربی جانب	۳۶ عدد
جنوبی جانب	۷۶ عدد

دارالندوہ میں	۳۶عدد
باب ابراہیم میں	۱۸عدد
ارکان حرم میں	۴عدد
میزان	۲۴۴عدد

تیسرا دور:

ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ، اس وقت حرم محترم کی فقید المثال اور نادرۂ روزگارہ عمارت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ صحن کی طرف اندروالی عمارت کی تعمیر کنندگان سلطان سلیم خان اور سلطان مراد خان برد اللہ مضجعہما ہیں، جسے ہم قدیم عمارت کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ ایک تہہ خانہ اور دو منزلہ جدید ونفیس عمارت پر مشتمل ہے، جسے شاہ سعود اور شاہ فیصل نے تعمیر کرایا تھا، یہ جدید عمارت کہلاتی ہے۔

قدیم عمارت جس کے ستونوں کی تفصیلات قدیم ادوار کی بیان ہو چکی ہیں، انہیں ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ میں شمار کیا گیا تو ان کی تعداد ۵۵۵ کی بجائے ۵۳۹ تھی۔ ممکن ہے کہ سعودی تعمیر کے وقت بعض ستون گرا کر نئے بنا دیئے گئے ہوں:

کل تعداد	۵۳۹
سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ستون	۲۵۴
زرد پتھر کے بنے ہوئے ستون	۱۷۶
کنکریٹ کے بنے ہوئے ستون	۹۲
سیاہی مائل پتھروں کے ستون	۱۵
سرخ سنگ مرمر کے ستون	۲
کل میزان	۵۳۹

سنگ مرمر کے دو ستونوں کے سوا تمام ستون سفید ہیں، اور ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے اندر سوراخ کر کے لوہا رکھا گیا تھا، اور دو ستون سرخ سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ زرد پتھر کے ستونوں کے نیچے چار (۴) رڈے سیاہی مائل پتھر کے ہیں، سنگ مرمر کے بعض ستون کمزور ہو گئے ہیں، جن کی حفاظت کے لئے ان پر آہنی بند چڑھائے گئے ہیں اور بعض ستون کنکریٹ کے بنا دیئے گئے ہیں۔

جدید عمارت کی پہلی اور دوسری منزل میں ۹۸۳-۹۸۳ ستون ہیں۔ حکومت نے ان پر نمبر بھی لگا دیئے ہیں، جن کی ابتداء ملک عبد العزیز کے قریب غربی سمت سے ہوئی ہے، یہ تمام ستون کنکریٹ کے ہیں۔ بعض گول اور بعض مربع شکل ہیں۔ مربع شکل ستونوں پر سیاہ سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ جن کی تعداد ۳۸۶ ہے اور گول ستون ۵۹۷ ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 18:

حرم کے گنبد

مسجد حرام میں بڑے اور چھوٹے گنبد:

مسجد حرام کی تعمیر جو سن ۹۸۴ھ ترکی دور میں ہوئی، اس وقت بڑے اور چھوٹے گنبدوں کی تعداد ۱۵۲ تھی۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مسجد حرام کی شرقی جانب ۲۴۔

شمالی جانب ۳۶ اور ایک رکن میں جو منارہ الحزورہ سے متصل اور زیادۃ دارالندوہ میں ہے۔

قطب الدین حنفی مکی نے ''اعلام'' میں یہ سب کچھ ذکر کیا ہے لیکن غربی اور جنوبی جانب اور زیادۃ باب ابراہیم کی جانب کا ذکر نہیں کیا۔ شاید یہ سہو ناقل سے ہوئی ہے یا مطبعہ سے، حالانکہ میں نے ان کو شمار کیا تو ان کی تعداد مندرجہ ذیل تھی۔

مغربی جانب ایک گنبد۔

باب ابراہیم ۱۵ گنبد۔

جنوبی جانب ۳۶ گنبد۔

چھوٹے گنبدوں کی کل تعداد ۲۳۲۔

شمالی جانب ۹۵ گنبد۔

غربی جانب ۴۳ گنبد۔

جنوبی جانب ۶۴ گنبد۔

قطب الدین نے ''اعلام'' میں ان کا ذکر نہیں کیا، جو مشرقی جانب ہیں ان کی کل تعداد ۳۹ ہے۔

زیادۃ دارالندوہ پر ۲۴، باب السلام کے منارہ کے قریب ۲ اور مسجد کے رکن میں جو باب عمرہ سے متصل ہے ایک گنبد ہے۔

بڑے اور چھوٹے گنبدوں کی تعداد ۹۸۴ھ سے اب تک یہی ہے۔

مشرقی اور شمالی گنبد:

علامہ قطب الدین حنفی نے قدیم تعمیر میں بنی ہوئی محرابوں اور ان پر تعمیر شدہ گنبدوں کی تعداد حسب ذیل ارقام فرمائی ہے:

برآمدوں کی چھت پر نمایاں قبوں کی مجموعی تعداد	۱۵۲
حرم شریف کی شرقی سمت میں	۲۴
حرم شریف کی شمالی سمت میں	۳۶
منارہ حزورہ کے متصل	۱
میزان	۶۱

غربی اور جنوبی گنبد:

علامہ قطب الدین سے غربی اور جنوبی جوانب کی تعداد مذکور نہیں، ممکن ہے سہو طباعت سے رہ گئی ہو، لیکن شیخ عباس کرارہ نے اپنی کتاب تاریخ الحرمین میں لکھا ہے کہ ان دونوں جانب کے قبوں کو میں نے شمار کیا ہے۔ جن کی تعداد حسب ذیل ہے:

حرم شریف کے جنوب میں	۳۶
حرم شریف کی غربی سمت	۲۴
باب ابراہیم والے حصہ میں	۱۵
دارالندوہ	۱۶
میزان	۹۱
سابقہ تعداد	۶۱
مجموعی تعداد	۱۵۲

حرم کی محرابیں:

حرم شریف کے برآمدوں میں بنائی گئی خوبصورت محرابوں کی مجموعی تعداد ۲۳۲ ہے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

شمالی جانب	۶۲
غربی جانب	۴۳
جنوبی جانب	۶۴
شرقی جانب	۳۹
دارالندوہ کی جانب	۲۴
میزان	۲۳۲

باب نمبر19:

مسجد حرام کے دروازے

انیس دروازے اوراڑتیس گزرگاہیں:

اب مسجد حرام کے انیس دروازے اوراڑتیس گزرگاہیں ہیں۔

علامہ شمس الدین کے مطابق حرم شریف کے درج ذیل انیس دروازے ہیں:

باب النبی ﷺ۔	باب العجلہ۔
باب الندوہ۔	باب البشارۃ۔
باب بنی شیبہ۔	باب دارالوزیر۔
باب جیاد۔	باب بنوہاشم۔
باب زیادتین۔	باب البزازین۔
باب الحزورہ۔	باب ابراہیم۔
باب الدقاقین۔	باب بنی مخزوم۔
باب الصفاء۔	باب زقاق الشطوی۔

باب التمارین۔ باب بنی سہم۔ باب بن جمح۔

انیسویں صدی تک چھوٹے بڑے دروازوں کی کل تعداد ۲۵ تھی۔ مشرق اور مغرب میں ۵، ۵، شمال میں ۸ اور جنوب میں ۷، ان میں سے چھ چھوٹے جو کھڑکی کا حکم رکھتے ہیں اور ۱۹ بڑے۔

مشرق میں درج ذیل دروازے تھے:

باب السلام۔ باب النبی۔ باب عباس۔ باب علی۔
باب بنی ہاشم۔

مغرب میں درج ذیل دروازے تھے:

باب عمرہ۔ باب ابراہیم۔ باب الوداع۔

شمال میں درج ذیل دروازے تھے:

باب دریبہ۔ باب زیادت۔ باب القطبی۔ باب الباسطیہ۔
باب العتیق۔ باب ام ہانی۔
باب بنی تیم۔

جنوب میں درج ذیل دروازے تھے:

باب الرحمۃ۔ باب اجیاد صغیر۔ باب البغلہ۔ باب باذان۔
باب الوداع۔ باب عمرہ۔ باب الزیادت۔

(مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۲۲۸)

مذکورہ بالا تفصیلات قدیم تعمیرات اور بالخصوص سلطان مراد خان کی تعمیر تک بیان ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جب خاندان سعود نے حرم شریف کی عجوبہ روزگار عمارت بنائی، جس کے باعث دروازوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا۔

قدیم ہیئت پر باقی دروازے:

صفا کی جانب	۴ عدد
مروہ کی جانب	۲ عدد
باب عمرہ کی جانب	۲ عدد
باب السلام کی جانب	۱ عدد
کل	۹ عدد

جدید تعمیر میں کل تعداد:

منطقہ جیاد کی طرف	۵ عدد
باب ملک عبدالعزیز کی طرف	۳ عدد
باب ملک اور باب عمرہ کے درمیان ۶ عدد	
باب عمرہ کے اندر	۳ عدد

باب عمرہ اور باب السلام کے درمیان	۶ عدد
باب السلام کبیر کے اندر	۳ عدد
باب السلام صغیر کی طرف	۱ عدد
مسعیٰ میں وادی ابراہیم کی طرف	۱۰ عدد
مسعیٰ میں باب السلام کی طرف	۴ عدد
کل تعداد	۵۰ عدد

بعض دیگر دروازے:

بعض دروازے مندرجہ ذیل ناموں سے بھی موسوم تھے:

باب عمرہ۔ باب دارالندوہ۔

باب الحزورہ۔ باب النبی ﷺ۔

باب المکیہ۔ باب الحمدیہ۔

باب بنی شیبہ۔ باب ابراہیم۔

باب السلیمانیہ۔ باب الوداع۔

باب داؤدیہ۔ باب النساء۔

باب قائتبائی۔ باب الزمانیہ۔

باب القطبی۔ باب الحکمہ۔

مندرجہ بالا تمام دروازے اپنی قدیم ہیئت پر قائم ہیں، جب کہ دیگر ابواب فن تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

حرم کے کل چھوٹے بڑے دروازے:

محمد بن عوض بن لادن کنٹریکٹر حرم شریف کی مطبوعہ تفصیلات ۱۳۹۸ھ کے مطابق اس وقت چھوٹے بڑے ۶۲ دروازے ہیں:

باب الحسین۔ باب اسماعیل۔

باب الصفاء۔ باب ملک عبدالعزیز۔

باب الاجیاد۔ باب بلال۔

باب ارقم کے اوپر دوسری منزل میں دو دروازے جو محلہ جیاد کی سمت کھلتے تھے۔

صفا سے مروہ تک باہر کی جانب درج ذیل دروزے ہیں:

باب السلام۔ باب بنی شیبہ۔

باب الحجون۔ باب المدعیٰ۔

باب المعلاء۔ باب المروہ۔

باب الصفاء۔ باب ارقم۔

باب بنی ہاشم۔ باب علی۔

باب عباس۔ باب النبی۔

مروہ کے اندر کی جانب اور باب المروہ کے بالمقابل درج ذیل دروزے ہیں:

باب القریش۔ باب المقدس۔

باب ذی طوی۔ باب عمر بن عبدالعزیز۔

باب سلطان مراد۔

محلہ شامیہ کی سمت درج ذیل دروزے ہیں:

باب عمر الفاروق۔ باب الندوہ۔

باب الشامیہ۔ باب القدس۔

باب عمرہ۔ باب الدربیہ۔

باب الحدیبیہ۔ باب القرارہ۔

باب الفتح۔

باب عمرہ سے باب ملک عبدالعزیز تک درج ذیل دروزے ہیں:

باب ام ہانی۔ باب ابراہیم۔

باب الوداع۔ باب ابوبکر صدیق۔

باب الہجرۃ۔ باب المدینہ۔

علاوہ ازیں کچھ دروازے تہہ خانہ میں اور کچھ دوسری منزل میں واقع ہیں۔

مسجد حرام جو ایک وسیع و عریض صحن اور بلند و بالا پرشکوہ عمارت پر مشتمل ہے، جس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں۔ ابتداء میں قصی بن کلاب نے کعبہ معظمہ کے اردگرد کچھ فاصلہ پر مکانات بنوائے اور ہر دو مکانوں کے بعد راستہ رکھا تا کہ آنے جانے میں سہولت رہے۔ یہی کیفیت حضور اقدس ﷺ کے مقدس عہد میں بھی تھی۔ پھر جب سیدنا فاروق اعظم نے حرم کی تجدید و توسیع کرائی اور چاروں طرف دیوار بنوائی تو اس دیوار میں بھی راستوں کے برابر راستے رکھے۔ پھر سیدنا عثمان ذی النورین نے جب اپنے عہد خلافت میں حرم شریف کی توسیع کر کے برآمدے بنوائے۔ برآمدوں میں سابق روایت کو قائم رکھتے ہوئے جابجا دروازے رکھے، لیکن وہ دروازے بھی صرف گزرگاہ کی شکل میں تھے۔ (چوکھٹ اور کواڑ نہیں تھے) حتیٰ کہ خلیفہ ابو جعفر نے جب توسیع و تعمیر کی خدمت انجام دی تو متعدد دروازے بنائے اور انہیں مختلف ناموں سے موسوم بھی کیا۔ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں کوئی باقاعدہ دروازہ تھا، نہ ہی کسی خاص نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بعد کی توسیع و تعمیرات میں جن جن معززین کے مکانات حرم شریف میں داخل کئے گئے، ان اطراف میں انہی کے نام کی نسبت سے دروازوں کے نام بھی رکھ دیئے گئے۔

مثلاً: جہاں شیبہ بن عثمان کا مکان تھا، وہاں جو دروازہ بنایا گیا اس کا نام باب بنی شیبہ رکھا، چونکہ اسی راستہ سے حضور انور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے، اس لئے وہ دروازہ باب النبی ﷺ اور باب السلام کے نام سے بھی شہرت پذیر ہوا۔ اسی طرح دار العجلۃ کی جگہ باب العجلہ اور دار العباس کی جگہ باب العباس بنائے گئے۔

مراۃ الحرمین میں دروازوں کی تفصیل:

مراۃ الحرمین میں دروازوں کی کیفیت اور نام یوں تحریر ہیں:

باب العمرہ : باب العمرۃ کا پہلا نام باب بنی سہم تھا۔ لیکن جب تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر آنے والے زائرین عموماً اس دروازے سے حرم میں داخل ہونے لگے، تو یہ باب العمرہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

علامہ ابن جبیر لکھتے ہیں:

''یہ دروازہ حرم شریف کی مغربی جانب واقع ہے۔ مدینہ منورہ، جدہ اور شام کی طرف راستے یہیں سے نکلتا ہے۔ قریب ترین میقات تنعیم سے عمرہ کرنے والے اسی دروازہ سے نکلتے اور داخل ہوتے ہیں جس کے باعث یہ باب العمرہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔'' (سفرنامہ ابن جبیر، صفحہ ۱۱۱)

باب السویقہ : دارالندوہ کے اضافہ کے سامنے واقع ہے۔

باب الزیادۃ باب الزیادۃ باب السویقہ سے حرم میں داخل ہوتے وقت دائیں جانب واقع ہے۔

باب الباسطیہ: مدرسہ عبدالباسط کے متصل واقع تھا۔ اسے باب العجلہ بھی کہتے تھے۔

باب السدہ : کسی زمانہ میں باب السدہ بند کر دینے کی وجہ سے یہ نام مشہور ہوا، مگر دوبارہ کھول دینے کے بعد اسے باب عمرو بن العاص بھی کہا جاتا تھا۔

باب الدریبہ : باب السلام سے داخل ہوتے وقت دائیں جانب واقع ہے (آج کل یہ دروازہ دوسری منزل کی طرف جاتا ہے)۔

باب الرحمہ : باب الرحمۃ کی جانب الملک المجاہد صاحب یمن کا مدرسہ تھا جس کی نسبت سے اس کا نام باب المجاہد یہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

باب مدرسہ شریف عجلان: اس طرف مدرسہ شریف عجلان تھا اور اسے باب بنی تمیم بھی کہا جاتا تھا۔

باب ام ھانی : سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب کا مکان اس طرف تھا، اسے باب الملاعبۃ اور باب الفرج بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے مکان کے قریب ہی زمانہ جاہلیت میں ایک کنواں بھی تھا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے دوسری توسیع کے وقت یہ مکان اور کنواں حرم شریف میں شامل کر کے اس کے بدلے باب الحزورہ کے قریب حرم سے نکلتے ہی بائیں جانب کنواں بنوایا جس کے پانی سے لاوارث میت کو غسل دیا جاتا تھا۔

مکہ مکرمہ کے شرفاء، سادات اور معززین شہر آل حسن بن علی وغیرہ اسی دروازہ سے حرم شریف میں داخل ہوتے تھے۔ مغربی جانب تین دروازے تھے۔

باب الحزورہ : جسے عوام باب العزورہ بھی کہتے ہیں، باب بنی حکیم بن حزام، باب بنی الزبیر بن العوام اور خطہ حزامیہ کے متصل ہونے کی وجہ سے باب الحزامیہ بھی کہا جاتا تھا۔

باب الابراھیم : ابراہیم نامی خیاط کی طرف منسوب یہ بہت بڑا دروازہ تھا۔ قدیم کتب میں اس کا نام باب الخیاطین بھی آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ باب خیاطین اور باب بنی جمع دونوں کی جگہ ایک ہی بڑا دروازہ بنا کر باب ابراہیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

باب باذان : اس کا دوسرا نام باب بنی عائذ بھی ہے۔ نہر زبیدہ میں اترنے کے لئے تین مقامات پر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک جگہ اس دروازہ کے قریب تھی اور اسی نسبت سے یہ نام بھی مشہور رہا، کیونکہ باذان سیڑھی کے ذریعہ نہر میں اترنے کی جگہ

کو کہا جاتا ہے۔

باب العجلہ : قدیم زمانہ میں اس جانب ایک جگہ کا نام دار العجلہ تھا۔اسی نسبت سے یہ نام رکھا گیا۔اس کا ایک ہی در تھے۔۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی مرمت کرائی تھی۔

باب الصفا : اس طرف قبیلہ بنی مخزوم آباد تھا، جس کی وجہ سے فقہاء کرام نے اس کا نام بنی مخزوم بھی ذکر کیا ہے۔ یہ دروازہ بہت بڑا تھااوراس کے پانچ در تھے۔

باب اجیاد صغیر: اسے باب الخلاقین بھی کہا جاتا تھااورامام ازرقی نے اس کا نام بھی باب بنی مخزوم لکھا ہے۔

باب السلام : باب السلام یاباب بنی شیبہ، یہ دارشیبہ بن عثمان کی طرف واقع تھا، جسے دارالعوام بھی کہتے تھے۔حرم شریف کی توسیع کے باعث یہ دروازہ صحن حرم میں آگیا۔

امام تقی فاسی فرماتے ہیں:

''یہ وہی دروازہ ہے جس کی طرف سے امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ حرم شریف میں تشریف لائے اور باب بنی مخزوم سے صفا کی طرف تشریف لے گئے۔''

مؤرخ جلیل امام قطب الدین لکھتے ہیں: سلطان سلیم خان اور سلطان مراد خان کی تعمیر جدید میں مذکورہ دروازہ کے بالمقابل ایک انتہائی عالی شان اور دیدہ زیب دروازہ اسی نام سے بنایا گیا جوتین دروازوں پر مشتمل چھ کواڑ والا تھا۔اسے اس قدر پختہ اور مضبوط بنایا گیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود مرمت کی ضرورت پیش نہ آئی۔اس کے درمیان در میں ایک چھوٹا سا دروزہ بھی تھا، جو رات کے وقت کھلا رہتا تھا۔

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی حرم میں اس طرف سے آمد ورفت کی وجہ سے اس دروازہ کو باب السلام کہا جاتا ہے۔حضور ﷺ اور امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر کے زمانہ میں یہی حرم اور مطاف کی حد تھی۔حرم اور مطاف کی باقی توسیع کے بعد خلفاء حسب ضرورت کراتے رہے، جس کی وجہ سے یہ دروازہ صحن میں آگیا، لیکن شاہ سعود نے مطاف میں کشادگی اور آسانی کے پیش نظر ۱۱ رجب ۱۳۸۷ھ میں اسے ہٹادیا اور اس کی نشاندہی کی خاطر فرش میں کالے سنگ مرمر کی ایک پٹی بنوادی۔

۱۴۰۰ھ میں مطاف کی توسیع کے وقت مذکورہ پٹی بھی ختم کردی گئی۔

باب الجنائز : اسے باب النبی ﷺ اور باب الطاقان بھی کہا جاتا ہے۔اکثر اسی دروازہ سے جنازے حرم شریف میں لے جا کر باب کعبہ کے سامنے نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔اس کے منہدم ہو جانے پر ۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی نئی تعمیر کرائی جو ۹۸۸ھ تک قائم رہی۔

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں کہ ہمارے دور میں جنازے باب العباس سے داخل ہوتے اور باب السلام سے نکلتے تھے۔

باب العباس : مسعی کی طرف اس کے سامنے سیدنا عباس کا گھر تھا۔اسی نسبت سے یہ نام رکھا گیا۔۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے اس کی تعمیر و مرمت کرائی۔اس کے تین در تھے اور ہر ایک در میں دو کواڑ تھے۔

باب علی : اسے باب بنی ہاشم اور باب البطحا بھی کہا جاتا تھا۔حرم شریف کے بالائی حصہ میں واقع تھا۔اس کے بالمقابل مغرب میں باب الحزورہ ہے۔۸۲۶ھ میں امیر مقبل القدیدی نے تعمیر کرایا، اس میں تین در تھے۔

باب بنی شیبه : باب بنی شیبہ مقام ابراہیم خلیل اللہ کے پیچھے واقع ہے، اس کی شکل نصف دائرہ کی ہے، نہایت خوبصورت اور دلکش ہے۔ یہ دو مربع ستونوں پر قائم ہے۔ یہ ستون سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر گلکاری اور نقش و نگار کیا ہوا ہے۔ اس کے مشرقی جانب آب سنہری سے ہلال کے نیچے لکھا ہوا ہے:

((" ادخلوها بسلام آمنین"))

اور عقد کے اوپر یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

((" رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا"))

غربی جہت پر مقام براہیم اور خانہ کعبہ کے بالمقابل:

((" الله جل جلاله"))

لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر:

((" سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین))

پھر

((" محمد علیه السلام"))

لکھا ہوا ہے۔

زمانہ قدیم سے یہ دروازہ اسی حالت میں رہا۔ دور جاہلیت اور دور نبوی ﷺ میں بھی اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ حدیث، سیرت اور تاریخ کی اکثر کتب میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوتے اور اسی دروازے سے نکلتے تھے۔

اب یہ دروازہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے مکتوبات نظر آتے ہیں۔

اس دروازے کے متصل خانہ کعبہ کے مجاور شیبہ بن عثمان حجبی کا مکان واقع تھا۔ یہ مکان ان مکانات میں سے تھا جو خلیفہ مہدی عباسی نے آل شیبہ بن عثمان سے خرید کر گرا دیئے تھے اور اسے مسجد حرام کی توسیع میں شامل کر دیا۔ یہ ۱۶۴ھ کا واقعہ ہے جب کہ خلیفہ عمرہ کرنے کیلئے مکہ معظمہ آیا تھا۔

باب بنی شیبہ بہت بڑا دروزہ ہے۔ اسے باب بنی عبدالشمس بن عبد مناف بھی کہا جاتا ہے۔ اس دروازہ کی شہرت زمانہ جاہلیت اور اسلام میں قائم رہی۔ اس میں دو ستون اور تین دروازے تھے۔ اس کی لمبائی ۱۰ ذراع (تقریباً ۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۷۵ سینٹی میٹر) تھی، پیشانی پر رنگ برنگ گل کاری کی گئی تھی۔ دروازہ کے اوپر منقش ساگوان کا عظیم الشان روشن دان بنا ہوا تھا، جس پر سنہری مینا کاری کی گئی تھی۔ اس کا طول ۲۷ ذراع ۵۔۵۰ فٹ اور عرض ۵۔۳ ذراع (تقریباً ۱۳ انچ ۵ فٹ یا ۱ میٹر ۹۰ سینٹی میٹر) اور زمین سے اس کی بلندی ۱۷ ذراع (۲۵ فٹ ۶ انچ، ۷ میٹر ۷ سینٹی میٹر) دروازہ کے دونوں طرف دیوار پر سرخ اور سفید سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ دہلیز کے اندر چار زینے تھے جن سے اتر کر حرم میں داخل ہوتے تھے۔

باب بنی سهم : یہ شمالی سمت میں واقع تھا، اس کا ایک ہی در تھا جو دس ذراع (۱۵ فٹ) بلند اور ۷ ذراع چوڑا تھا، اس کے باہر ۱۰ زینے تھے۔ بعد میں اس دروازہ کا نام باب العمرہ مشہور ہو گیا۔ امام ابن ظہیرہ نے بھی یہ تصریح کی ہے۔

باب عمرو بن عاص : یہ بنی سہم کے مینارہ کے قریب تھا۔۱۰ ذراع بلند (۱۵ فٹ) اور ۴ ذراع چوڑا تھا۔اس کے باہر ۷ زینے تھے۔

باب العجلہ : یہ دار العجلہ کی جگہ واقع تھا، اور اس کے قریب ہی ایک اور دروازہ بھی تھا جو اس وقت بند کر دیا گیا ہے۔

باب قعیقعان : اسے باب مجیر بن ابی اہاب بھی کہا جاتا تھا۔اس کا طول ۱۰ ذراع اور عرض ۹ ذراع اور ۶ انگل تھا۔اس کے باہر کھلا میدان تھا اور اندر اترنے کے لئے ۶ سیڑھیاں تھیں۔بعض مؤرخین نے ۸ سیڑھیاں بھی ذکر کی ہیں۔

باب الخیاطین: یہ بھی دو دروازوں پر مشتمل تھا، بلندی ۱۳ ذراع (۲۰ فٹ ۳ انچ یا ۶ میٹر ۷ اسینٹی میٹر) اور چوڑائی ۲۱ ذراع (۳۱ فٹ ۹ انچ یا ۹ میٹر ۱۸ اسینٹی میٹر) تھی، دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔امام ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب ابراہیم بیان کیا ہے۔

باب ابی البختری بن ھاشم : یہ دروازہ ابی البختری بن ہاشم الاسدی کے مکان کی طرف تھا، جسے بعد میں دار زبیدہ میں داخل کر لیا گیا تھا۔یہ دار زبیدہ اور مسجد کے درمیان ایک گلی کی طرف کھلتا تھا۔اس میں ایک ہی در تھا، جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) بلند اور ۵ ذراع (۷ فٹ ۶ اانچ یا ۲ میٹر ۲۷ سینٹی میٹر) چوڑا تھا۔

ایک اور دروازہ بھی اس گلی میں کھلتا تھا، جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ) بلند، ۴ ذراع اور ۱۲ انگل (۹ انچ یا ۲ میٹر ۷ اسینٹی میٹر) چوڑا تھا۔

باب الندوہ: یہ دار الندوہ کی جانب تھا۔

باب شیبہ بن عثمان: اس میں ایک ہی در تھا جس کی بلندی ۹ ذراع اور عرض ۶ ذراع تھا۔اس کے اندر ۸ زینے اترنے کے لئے تھے۔

باب القواریر: یہ دروازہ القواریر کے صحن کی طرف کھلتا تھا۔اس میں ایک ہی در تھا۔اس کا طول ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۷۵ سینٹی میٹر) اور عرض ۷ ذراع (۱۰۔۵ فٹ یا ۳ میٹر ی ۱۰ اسینٹی میٹر) تھا۔

باب النبی ﷺ: اس طرف سے حضور نبی کریم ﷺ سیدہ خدیجہ الکبری کے گھر آتے جاتے تھے، جو عطاروں کی گلی سے گزرتا تھا۔مسعی کی طرف سے اس کی طرف ۵ سیڑھیاں تھیں، اس میں ایک ہی در تھا۔طول ۱۰ ذراع (تقریباً ۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۵۷ سینٹی میٹر) اور عرض ۷ ذراع (۱۰۔۵ فٹ یا ۳ میٹر ۱۰ اسینٹی میٹر) تھا۔

امام ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب الجنائز لکھا ہے۔

باب الصفا : اس میں چار ستون اور پانچ دروازے تھے۔لمبائی ۱۳۔۵ ذراع (۳ انچ ۲۰ فٹ یعنی ۶ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر تھی۔البتہ درمیانی دروازہ ۱۴ ذراع (۲۱ فٹ یعنی ۶ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) اونچا اور ۳۶ ذراع (۴۴ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) چوڑا تھا۔سامنے اور اندر سے منقش تھا اور اس کے ملحقہ ستونوں کا نصف حصہ گل کاری سے مزین اور سنہری حروف میں یادگار عبارتیں لکھی ہوئی تھیں۔سفید، سرخ اور سبز سنگ مرمر سے اس کی تزئین کی گئی اور سنہرے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔اس کے باہر ۱۲ سیڑھیاں تھیں۔

باب بنی مخزوم : اس میں دو در تھے جن کا طول ۵۔۱۳ ذراع اور عرض ۱۵ ذراع تھا۔اس کے باہر بھی ۱۲ زینے تھے۔یہاں ایک اور دروازہ باب بنی مخزوم کے نام سے مشہور تھا۔

باب العباس : یہ دروازہ سیدنا عباس بن عبد المطلب کے گھر کی طرف واقع تھا اس میں دو ستون اور تین در تھے۔ہر ایک در ۱۳ ذراع (۱۹ فٹ ۶ انچ یعنی ۵ میٹر ۹۴ سینٹی میٹر) بلند تھا۔سامنے اور اندر سے منقش اور مینا کاری سے مزین تھا۔دروازہ کے اوپر منقش سائبان کا روشن دان تھا جس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔اس کا طول ۲۶ ذراع (تقریباً ۳۹ فٹ یعنی ۱۱ میٹر ۸۹ سینٹی میٹر) اور عرض ۵۔۳

ذراع (۳ انچ ۵ فٹ یعنی ایک میٹر ۹۰ سینٹی میٹر تھا) روشندان کے اوپر والے کنارہ سے دروازہ کی دہلیز تک ۲۳ ذراع (۹ انچ ۳۴ فٹ یعنی ۱۰ میٹر ۵۹ سینٹی میٹر) فاصلہ تھا۔ دروازہ کے دونوں طرف دیوار پر سفید، سرخ اور سبز سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ جس پر آب زر سے نقش و نگار کیا گیا تھا۔ دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔

باب بنی تیم : یہ بھی دو دروازوں پر مشتمل تھا۔ بلندی ۵۔۱۳ ذراع (۲۰ فٹ ۳ انچ یعنی ۶ میٹر ۱۸ سینٹی میٹر) اور عرض ۱۵ ذراع تھا (۲۲ فٹ ۹ انچ یعنی ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) اور عرض ۱۵ ذراع (۲۲ فٹ ۹ انچ یعنی ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) تھا۔ اس کے باہر ۱۲ زینے تھے۔ یہ دروازہ عبداللہ بن جدعان اور عبداللہ بن معمر بن عثمان التیمی کے مکانات کی طرف واقع تھا اور وہ دونوں مکان خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف میں شامل کر دیئے تھے۔

باب ام ھانی : یہ دروازہ بنی شمس اور بنی مخزوم کے مکانات کی سمت تھا۔ اس میں دو ستون اور تین در تھے۔ بلندی ۱۳ ذراع اور ۱۲ انگل (۲۰ فٹ ۳ انچ یا ۶ میٹر ۸۷ سینٹی میٹر) چوڑائی ۱۴ ذراع اور ۱۲ انگل (۲۱ فٹ ۳ انچ یا ۶ میٹر ۴۸ سینٹی میٹر) تھی۔

باب بنی جمح کی طرف ۶ دروازے ہیں۔

باب الاجیاد : اسے باب بنی حکیم بن حزام اور باب بنی زبیر بن العوام بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں ایک ستون اور دو طاق تھے۔ اس کی بلندی ۱۳ ذراع (۲۰ فٹ ۳ انچ یا ۶ میٹر ۷ سینٹی میٹر) اور چوڑائی ۱۵ ذراع (۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۸۶ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر آٹھ سیڑھیاں تھیں۔

باب بنی جمع : اس میں دو دروازے تھے جن کی بلندی ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یا ۴ میٹر ۷۵ سینٹی میٹر) چوڑائی ۱۵ ذراع (۹ انچ ۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۹۴ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر سات زینے تھے۔ اس کی آرائش و تزئین خلیفہ ابو جعفر نے کرائی تھی۔

باب بنی ھاشم : یہ وادی کی جانب واقع تھا۔ اس کا عرض ۲۱ ذراع (۹ انچ ۳۱ فٹ یا ۹ میٹر ۶۸ سینٹی میٹر) تھا۔ اس میں دو ستون اور تین دروازے بنے ہوئے تھے۔ اندر اور باہر سے منقش تھا۔ سفید، سبز اور سرخ سنگ مرمر سے مینا کاری کی گئی تھی۔ دروازہ کے اوپر ۲۴ ذراع (۳۶ فٹ یا ۱۰ میٹر ۷ ۹ سینٹی میٹر) لمبا روشندان تھا۔ جس کا عرض ۳ ذراع (۵۔۴ فٹ یا ۱ میٹر ۳۷ سینٹی میٹر) تھا، وادی کی جانب سات زینے تھے۔ امام ابن ظہیرہ نے اس کا نام باب علی لکھا ہے اور یمانی جانب سات دروازے تھے۔

باب بنی عائد : اس میں دو ستون اور تین در تھے، جن کی بلندی ۵۔۱۳ ذراع (۲ انچ ۲۰ فٹ یا ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) اور چوڑائی ۱۴ ذراع اور ۱۸ انگل (تقریباً ۲۲ فٹ یا ۶ میٹر ۷۰ سینٹی میٹر) تھی۔ دروازہ کے باہر نالہ میں ۱۲ زینے بنے ہوئے تھے۔

باب بنی سفیان بن عبد الاسد : یہ دروازہ دو در پر مشتمل ۵۔۱۳ ذراع (۲ انچ ۲۰ فٹ یا ۶ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) اونچا اور ۵۔۱۴ ذراع ۹ انچ ۲۱ فٹ یا ۶ میٹر چوڑا تھا۔ بطن وادی میں دروازہ کے باہر ۱۲ زینے بنے ہوئے تھے۔

ابو جعفر کی توسیع اور حرم کے دروازے:

عمدۃ المؤرخین علامہ ازرقی خلیفہ ابو جعفر کی توسیع میں دروازوں کی تعداد اور نام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۔ باب بنی جمح: اس میں دروازے تھے اور اس کے نیچے سیلاب کا پانی بہتا تھا۔

۲۔ باب بنی سہم: اس میں ایک ہی دروازہ تھا۔

۳، ۴۔ دار العجلہ: اس میں دو دروزے تھے جن کا ایک ایک طاق تھا۔

۵۔ باب الندوہ۔

۶۔ دارالحجیر بن ابی اہاب میں ایک دروازہ تھا۔

۷۔ دار عمرو بن العاص میں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازے ابی جعفر المنصور نے بنوائے تھے۔

خلیفہ مہدی کی توسیع اور پانچ دروازے:

خلیفہ مہدی عباسی کی پہلی توسیع میں پانچ دروازے بنائے گئے:

باب دار ابی شیبہ بن عثمان، یہ بہت بڑا دروازہ تھا۔ خلفاء اسی سے حرم شریف میں داخل ہوتے تھے، اسی کو باب بنی عبد الشمس بھی کہا جاتا تھا، اور اب باب بنی شیبہ الکبیر مشہور ہے۔ اس میں تین دروازے تھے اور دو ستون۔ اس کی دہلیز کے نیچے ایک بڑا پتھر تھا، جس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ یہ ایک بت تھا جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی۔ مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔

باب دار القواریر بھی ایک دروازہ پر مشتمل تھا۔

باب النبی ﷺ عطاروں کی گلی کی طرف واقع تھا اور اسی راستہ سے امام الانبیاء ﷺ سیدہ خدیجہ الکبری کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

باب العباس بن عبد المطلب یہ تین دروازوں پر مشتمل تھا۔ مروہ کی سمت والے سبز میل کے قریب واقع تھا۔

۱۶۴ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی نے جنوبی سمت میں توسیع کی تو چند مزید دروازے بھی بن گئے جن کے نام یہ ہیں:

باب بنی ہاشم۔

باب البقالین۔

باب الاجیاد۔

علامہ ازرقی نے تیسری صدی ہجری کے ابتداء میں دروزوں کی تفصیلات اس طرح بیان کی تھیں۔

مسجد حرام میں ۲۳ دروازے ہیں جن کے اندر ۴۳ در ہیں۔

مشرقی جانب مسعی کی طرف ۵ دروازے ہیں جن میں ۱۱ در ہیں۔

حرم کی کھڑکیاں:

حرم شریف کی کھڑکیوں کی تفصیل اس طرح ہے:

صفا اور مروہ کے درمیان ۱۲ دروازے اور ۵۳ کھڑکیاں ہیں۔ ہر دروازہ کے اوپر تین مستطیل روشندان بنے ہوئے ہیں۔

اسی سمت کی دوسری منزل میں ۶۵ محراب نما کھڑکیاں ہیں۔ ان کے اوپر بھی تین تین مستطیل روشندان ہیں۔ روشندان کے اوپر گول دائرہ میں ایک جگہ لا الہ الا اللہ اور دوسری جگہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

صفا کی جانب ایک جگہ کھڑکی کے بغیر بھی محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس طرح ۳۸ مرتبہ کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ یونہی ہر ایک دروازہ کے اوپر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی ہے۔ ہر کھڑکی کے اندر ایک ایک ایئر کنڈیشن لگا ہوا ہے، کھڑکیوں میں ڈیڑھ انچ موٹی سٹیل کی گرل لگی ہوئی ہے۔

صفا سے مروہ تک یعنی مسعی کے اندر کی طرف سے گزرگاہیں ۵ دروازے اور ۱۸ کھڑکیاں ہیں۔

صفا اور مروہ سے دوسری منزل کو جانے کے لئے ۶۵ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

دوسری منزل میں پہنچ کر مسعی تک جانے کیلئے مزید ۸ سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔

مروہ کے اوپر مستطیل گیلری بنی ہوئی ہے، جس کے دائیں بائیں ایک ایک کمرہ بنا ہوا ہے اور پشت کی جانب بازار کے برابر میں دو بڑے دروازے ہیں، اور درمیان میں پل بنا ہوا ہے۔

مروہ کی چھت میں ۲۲ خوشنما روشندان بنے ہوئے ہیں، جن میں انتہائی دلفریب رنگا رنگ چھوٹے چھوٹے شیشے لگے ہیں جن پر اللہ اکبر لکھا ہے۔

اندر کی جانب سیڑھیوں تک (مروہ سے باب دریبہ تک) ۲۷ محراب نما کھڑکیاں، ان کے بعد ۴ کھڑکیاں پھر گزرگاہ۔

اس کے بعد پھر ۴ کھڑکیاں اور ان کے بعد گزرگاہ اور پھر صفا تک ۲۴ کھڑکیاں ہیں۔

اس طرح کل ۵۹ کھڑکیاں اور ۳ گزرگاہیں ہیں۔ جب کہ ۲۶ کھڑکیوں پر روشن دان بنے ہوئے ہیں۔

صفا پر واقع گنبد میں ۳۴ مستطیل روشن دان ہیں، جن پر مختلف اقسام کے چھوٹے چھوٹے شیشوں سے انتہائی دلکش مینا کاری کی گئی ہے۔ ان پر بھی اللہ اکبر لکھا ہوا ہے۔ صفا کی دوسری منزل سے باہر جانے کیلئے تین بڑے دروازے بنے ہوئے ہیں۔

۱۹۷۹ء میں حرم شریف پر جو حملہ ہوا تھا اس کے بعد کئی چیزوں میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اسی سلسلہ میں حرم شریف کے بعض دروازے عارضی اور بعض مستقل طور پر بند کر دیئے گئے تھے۔

جنوب کی جانب دروازے اور گزرگاہیں:

جنوب کی جانب سات دروازے اور سترہ گزرگاہیں ہیں۔

۱۔ باب ام ہانی بنت ابی طالب: علامہ ازرقی نے بھی یہی نام لکھا ہے۔ اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔ فاسی نے اسے باب ملاعبہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس گھر کے بالمقابل ہے جو اس زمانہ میں کھیلنے کے لئے تھا۔ اسے باب الفرج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی نسبت ام ہانی کی طرف زیادہ مشہور ہے، اس لئے کہ اس کے نزدیک ام ہانی کا مکان تھا اور اس کے پاس ایک کنواں تھا، پھر وہ گھر اور کنواں مسجد میں شامل کئے گئے۔ یہ کام مہدی عباسی کے زمانہ میں ہوا۔ اس کے عوض مہدی نے باب البقالین کے پاس ایک کنواں کھدوایا تھا جو مسجد کی حد کے اندر واقع تھا۔ شاید یہ کنواں وہی ہو جو باب حزورہ کے پاس تھا۔ مسجد الحرام سے باہر بائیں جانب اچانک مرجانے والے فقیر لوگوں کی میت کو اسی سے نہلایا جاتا تھا۔

۲۔ باب مدرسۃ الشریف عجلان: اس لئے کہ وہ اس جانب ہے۔ علامہ ازرقی نے اسے باب بنی تیم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔

۳۔ باب المجاہدیہ: اس کا نام اسی لئے رکھا گیا، کیونکہ یہ ملک مجاہد صاحب یمن کے مدرسہ کے پاس تھا۔ اسے باب الرحمۃ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نام کی وجہ تسمیہ مجھے معلوم نہیں ہوسکی۔ اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔

۴۔ باب اجیاد الصغیر: اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔ ابن جبیر نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اسے باب الحلقیین بھی کہتے ہیں۔ ازرقی نے اسے باب بنی مخزوم کے نام سے ذکر کیا ہے۔

۵۔ باب الصفا: اس کی پانچ گزرگاہیں ہیں۔ فقہاء نے مناسک میں اسے باب بنی مخزوم کے نام سے ذکر کیا ہے۔

۶۔ باب البغلۃ: اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔

۷۔ باب باذان: چونکہ چشمہ باذان اس کے پاس ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوگیا۔ اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔

شمالی جانب دروازے اور گزرگاہیں:

بجانب شمال پانچ دروازے اور چھ گزرگاہیں ہیں:

۱۔ پہلا دروازہ باب الدریبہ: اس کی ایک گزرگاہ ہے۔

۲۔ دوسرا باب سویقہ: اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔

۳۔ تیسرا باب الزیادۃ: یہ باب سویقہ کے دائیں جانب واقع ہے۔اس کی ایک گزرگاہ ہے۔

۴۔ چوتھا دروازہ باب العجلۃ: اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ایسے گھر کے نزدیک ہے جس کا نام عجلہ تھا۔اس کی ایک گزرگاہ ہے۔

۵۔ پانچواں دروازہ باب السدہ: سدہ کا معنی ہے بند رہنے والا، کیونکہ پہلے یہ بند تھا پھر کھولا گیا۔

علامہ ازرقی نے اسے باب عمرو بن العاص کے نام سے موسوم کیا ہے۔اس کی ایک گزرگاہ ہے۔

شرقی جانب دروازے اور گزرگاہیں:

شرقی جانب چار دروازے اور گیارہ گزرگاہیں ہیں۔

۱۔ پہلا دروازہ باب السلام نام باب بنی شیبہ تھا۔اس کی تین گزرگاہیں ہیں۔

۲۔ دوسرا دروازہ باب الجنائز اسے باب الجنائز اس لئے کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں اس سے جنازہ لے جایا کرتے تھے۔اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔علامہ ازرقی نے اس کا نام باب النبی علیہ السلام لکھا ہے۔

۳۔ تیسرا دروازہ باب العباس بن عبدالمطلب ہے، کیونکہ یہ ان کے گھر کے بالمقابل واقع ہے۔اس کی تین گزرگاہیں ہیں۔

۴۔ چوتھا دروازہ باب علی کے نام سے موسوم ہے۔اس کی تین گزرگاہیں ہیں۔

علامہ ازرقی نے اسے باب بنی ہاشم کے نام سے موسوم کیا ہے۔اسے باب بطحاء بھی کہتے ہیں۔

غربی جانب دروازے اور گزرگاہیں:

غربی جانب تین دروازے ہیں۔

۱۔ باب العمرہ: اس لئے کہ عمرہ کرنے والے تنعیم کی طرف اسی دروازے سے نکلتے ہیں اور اسی میں آکر داخل ہوتے ہیں۔علامہ ازرقی نے اس کا نام باب بنی سہم لکھا ہے۔اس کی ایک گزرگاہ ہے۔

۲۔ باب ابراہیم: اس کی ایک گزرگاہ ہے۔یہ اس جانب کے تمام دروازوں سے بڑا ہے۔

وہ ابراہیم جس کی طرف یہ دروازہ منسوب ہے درزی تھا اور دروازہ پر بیٹھ کر کپڑوں کی سلائی کیا کرتا تھا۔

حافظ ابن عساکر اور ابن جبیر وغیرہ علماء نے اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳۔ باب الحزورہ: اسے باب بغزورہ بھی کہتے ہیں۔اس کی دو گزرگاہیں ہیں۔علامہ ازرقی نے اسے باب بنی حکیم بن حزام کے نام سے موسوم کیا ہے اور باب بنی زبیر بن عوام بھی لکھا ہے۔پھر لکھا ہے کہ غالب قیاس یہ ہے کہ یہ باب الحزمیہ ہے، اس لئے کہ حزامیہ کے خط کے مشابہ ہے۔

☆☆☆

باب نمبر 20:

مؤذن کا چبوترہ

امام فاکہی لکھتے ہیں:

''موذن کعبہ حضرت ابومحذورہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو سقایہ، بنی عبدالدار کو حجابہ اور ہمیں اذان کی خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ جب آپ ﷺ جنگ حنین کو تشریف لے جانے لگے تو مجھے بلا کر پاس بٹھایا، میری پیشانی پر بوسہ دیا اور تین مرتبہ خیر و برکت کی دعا دی۔ پھر فرمایا: جاؤ بیت اللہ شریف میں جا کر اذان دو۔'' (ام القریٰ:۱۴)

حضرت عبداللہ بن محیریز رحمۃ اللہ علیہ یتیم تھے اور ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرپرستی میں پلے بڑھے تھے۔ حضرت عبداللہ بن محیریز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل انہوں نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''شام کے لوگ مجھ سے آپ کی اذان کے بارے میں پوچھیں گے تو میں انہیں کیا بتاؤں گا؟''

ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ حنین کی جانب نکلا۔ ہم راستے میں تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ حنین سے واپس آتا ہوا راستے میں ملا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان پڑھی۔ ہم نے کچھ فاصلے سے اذان کی آواز سنی۔ ہم راستے سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ہم نے اذان سن کر اس کے الفاظ کا مذاق اڑایا اور دہرانا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری (دُور سے بطورِ معجزہ) آواز سن لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حکم دیا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کیا جائے۔ جب ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کس کی آواز بلند تھی؟''

یہ سن کر سب نے میری طرف اشارہ کر دیا اور وہ اس معاملے میں سچے بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی سب کو جانے کی اجازت دے دی مگر مجھے ٹھہرا لیا۔ پھر حکم دیا:

''اُٹھو اور اذان پڑھو۔''

میں حکم سن کر اٹھا۔ اس وقت مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے زیادہ کوئی چیز مکروہ (ناپسندیدہ) نہیں تھی۔ بہر حال میں اٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کے کلمات سکھائے اور فرمایا:

''اب بلند آواز سے کہنا شروع کر دے۔''

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ　　اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ　　حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ　　اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ

(یہ الفاظ صرف اذان سکھانے کے لیے تھے)۔

جب میں نے یہ اذان مکمل کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیشانی پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا، پھر وہ ہاتھ میرے چہرے، سینے، پیٹ اور کلیجے سے لے کر میری ناف تک پھیرا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

''اللہ تجھے برکت عطا فرمائے اور تجھ پر اپنا فضل و کرم کرے۔''

اب میری قلبی حالت بدل چکی تھی۔میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے مکہ میں مؤذن مقرر فرما دیجئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ میں نے تجھے حرم کا مؤذن مقرر کر دیا۔''

اب میرے دل کی حالت یہ تھی کہ دنیا جہاں کی تمام اشیاء سے زیادہ محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دکھائی دیتے تھے۔کوئی بھی چیز مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھی۔میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکم مکہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور انہیں پورا واقعہ سنایا۔چنانچہ اس وقت سے میں اذان کی ذمہ داری نبھا رہا ہوں۔

السنن البیہقی میں بیان کیا گیا ہے کہ ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد، ان کے پوتے اور پر پوتے سب مسجدِ حرام میں اذان دیا کرتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 72)(الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 175)(السنن البیہقی، جز 2، عربی صفحہ 392-418)(السنن النسائی، جز 2، عربی صفحہ 5)

ابتداء میں اذان کہنے کے لئے کوئی چبوترہ وغیرہ نہیں تھا، جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے تشریف لاتے تو مؤذن زمین پر کھڑے ہو کر اذان کہتا۔گرمی، سردی اور دھوپ میں وہیں بیٹھتے، پھر خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں عبداللہ بن محمد بن عمران طلحی گورنر مکہ نے مؤذن کے لئے سایہ دار جگہ بنائی۔پھر ۲۶۰ میں جعفر المتوکل علی اللہ کے دور میں اس میں اضافہ اور تجدید کی گئی۔وہ چبوترہ امام ازرقی کے دور تک قائم رہا۔(اخبار مکہ:۳۳۲)

بعد ازاں کئی دوسرے مقامات پر بھی انتظامات کئے جاتے رہے، مثلاً: مقام ابراہیم کے چبوترہ پر، مصلیٰ حنفی کے چبوترہ پر اور زمزم کے چبوترہ پر زمانہ دراز تک اذان دی جاتی رہی۔اسی طرح امام ازرقی کے دور میں چاروں میناروں پر اذان دی جاتی تھی۔

جب قبہ زمزم پر اذان شروع ہوئی تو شیخ المؤذنین اذان کی ابتداء کرتا۔پھر اس کی پیروی میں دوسرے میناروں پر مؤذن بھی اذان شروع کر دیتے، قبہ زمزم کی جنوبی دیوار میں بے حد عمدہ دھوپ گھڑی بنی ہوئی تھی۔یہ گھڑی ایک مراکشی نے حرم شریف کے لئے بطور تحفہ بھیجی تھی۔

امام فاکہی کے زمانہ میں رئیس المؤذنین مینارہ باب العمرہ سے اذان کی ابتداء کرتے اور پھر دوسرے میناروں سے بھی مؤذن اذان کی ایمان افروز صدا بلند کرتے، لیکن مورخ جلیل علامہ تقی فاسی ۸۳۲ھ کے زمانہ میں اذان کی ابتداء مینارہ باب الاسلام سے ہونے لگی اور پھر علامہ قطب الدین ۹۸۸ھ کے دور میں چاہ زمزم کے اوپر قبہ سے اذان کی ابتداء ہوئی۔اس چبوترہ کی سلطان مراد خان نے ۹۳۱ھ میں تجدید کرائی اور اسے اینٹوں سے بنوایا اور اس پر رومی طرز کا مینار بنوایا اور اس پر تین قندیلیں آویزاں کیں۔

سعودی حکومت نے زمزم کے قریب ایک دومنزلہ عمارت موذنین کے لئے بنائی جو ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء تک قائم تھی، لیکن بعد

میں مطاف کی توسیع کے باعث اسے قریب ہی برآمدہ میں منتقل کر دیا گیا ہے، جو پہلے چبوترہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور وسیع تر ہے۔ اس کے چاروں طرف بے حد خوبصورت اور دلکش شیشہ لگا ہوا ہے جس میں باہر سے کوئی چیز نظر نہیں آتی، جب کہ اندر سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ گویا کہ ایک چھوٹا سا نفیس ترین شیش محل بنا ہوا ہے۔ اس میں روشنی کے علاوہ ایئر کنڈیشن اور ٹیلیفون جیسی جدید ترین سہولتیں میسر ہیں۔ لاؤڈ سپیکر کا نہایت اعلیٰ نظام اور مشنری کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی کے نشریاتی آلات بھی نصب ہیں۔ چبوترہ کے نیچے چاروں طرف خودکار ٹی وی کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ ایام حج کے علاوہ امام صاحب ظہر اور عصر کی نماز اسی چبوترہ کے نیچے پڑھاتے ہیں۔

☆☆☆

حصہ ششم:

زمانہ رسول اللہ ﷺ اور جدید زمانہ کی مکی درسگاہیں

باب نمبر 1:

تعارف

اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم الکتاب والحکمۃ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی بعثت ہی بحیثیت معلم کے ہوئی ہے۔ اندر، باہر، سفر، حضر، رات، دن، ہر حال اور ہر مقام میں آپ کی ذات مقدسہ متحرک درسگاہ تھی اور مختلف حالات واوقات میں ایک لاکھ سے زائد تلامیذ واصحاب نے آپ سے تعلیم پائی، اس پر عمل کیا، دوسروں تک پہنچایا، اور دنیا والوں نے اپنی اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق اس سے فیض حاصل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مثل ما بعثنی الله بد من الهدی والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا، فكان منها نقية قبلت الماء فانبتت الكلا والعشب الكثير وكانت، منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا، واصاب منها طائفة اخرى انما هی قيعان لا تمسك ماءً اولا تنبت كلا فذلك مثل فقه فی دين الله ونفعه ما بعثنی الله به فعلم وعلم، ومثل من لم يرفع بذالك راساً ولم، يقبل هدى الله الذی ارسلت به))(رواه البخاری)

''اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دیکر مبعوث کیا ہے اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کے طرح ہے جو زمین پر گری اور اس کے ایک قابل روئیدگی علاقہ نے پانی کو جذب کرلیا جس سے گھاس اور سرسبزی آگئی اور ایک علاقہ نا قابل روئیدگی تھا جس نے پانی کو روک لیا اور اللہ نے اس سے انسانوں کو نفع پہنچایا، لوگوں نے خود پانی پیا، دوسروں کو پلایا، اور کھیتی باڑی کی، اور ایک علاقہ صرف سنگلاخ اور پہاڑی تھا، نہ پانی روکا، نہ سبزہ اگا، یہ اس شخص کی مثال ہے۔ جس نے اللہ کے دین کو اچھی طرح سمجھا، میرے علم و ہدایت نے اس کو نفع پہنچایا، اس کو خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے علم و ہدایت آنے کے بعد جہالت سے سرنہیں اٹھایا اور نہ ہی اللہ کی ہدایت قبول کی جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔''

قرآن وحدیث کی صورت میں تعلیمات نبویہ کا اتنا عظیم تر ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کے جملہ ادیان و مذاہب مسکین نظر آتے ہیں۔ اس ذخیرہ تعلیمات نبویہ میں تمام باتیں نہایت بسط و تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، یہاں صرف ان کی جھلک پیش کی جاتی ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس درس اور اس سے متعلق باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدرس ہی نہیں تھے کہ صرف کتاب پڑھیں پڑھائیں، بلکہ معلم تھے اور ہر حال میں ہر طرح تعلیم دیتے تھے۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی مرکزی درسگاہ نہیں تھی، جہاں رہ کر سکون واطمینان سے باقاعدہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھتے، رات دن افکار وحوادث کا ہجوم رہتا تھا، اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مقدس ذات ہی متحرک درسگاہ تھی، نیز صحابہ کرام میں چند حضرات چھپ چھپا کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خباب بن ارت وغیرہ رضی اللہ عنہم معلم تھے،اس دور کے ایسے مقامات اور حلقات کو درسگاہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا۔

اس دور کی مشہور درسگاہیں درج ذیل ہیں:

1: دارارقم۔ 2: درسگارہ مسجد ابوبکر۔ 3: درسگاہ فاطمہ بنت خطاب۔

باب نمبر 2:

درسگاہِ دارارقم

حضرت ارقم بن ابوارقم رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں سے ہیں۔مکہ مکرمہ میں ان کا مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا‘اس جگہ کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔اس کا شمار وہاں کے متبرک مقامات میں ہے،اس کو دارالاسلام اور مجتبٰی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نبوت کے پانچویں سال میں ضعفائے اسلام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور مکہ میں رہ جانے والے حضرات سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ نبوت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دارارقم میں پناہ لی اور یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے اور اسی میں دین اور قرآن کی تعلیم و تعلم کا شغل بھی جاری رہا۔

طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں ہے:

((کان النبی ﷺ یسکن فیھا فی اول الاسلام وفیھا یدعو الناس الی الاسلام فاسلم فیھا قوم کثیر))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں اسی مکان میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔“

قدیم الاسلام اور جدید الاسلام صحابہ کو اسی دارارقم میں قرآن اور دین کی تعلیم دی جاتی تھی،امام ابوالولید ازرقی اپنی کتاب اخبار مکہ میں لکھتے ہیں:

((یجتمع ھو عند الارقم بن ابی الارقم ویقرء ھم القران ویعلمھم فیه))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ دارارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپ ان لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔“

درسگاہ دارارقم کے طلبہ کے قیام و طعام کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسلام لانے والوں میں سے دو آدمیوں کو کسی مستطیع مسلمان کے ساتھ کر دیا جاتا تھا،اور یہ دونوں اس کے یہاں رہ کر کھانا کھاتے تھے۔یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تقریباً ایک ماہ رہ کر خفیہ طور سے تعلیم و تعلم اور دعوت اسلام میں لگے رہے، یہی مقام ان کے لئے درسگاہ اور دارالاقامہ تھا،خورد ونوش کا انتظام صاحب حیثیت صحابہ کے یہاں تھا۔

اسی مدت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مسلمانوں نے کھلم کھلا کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی اور ان میں ایمانی جرات پیدا ہوئی‘بعد میں اس مکان کو حضرت ارقم بن ابوارقم نے اپنی اولاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔

باب نمبر 3:

درسگاہِ مسجد ابو بکر

تعلیم وتعلم کے سلسلے میں اولین درسگاہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسجد ہے، جس میں وہ نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔ یہ ایک کھلی جگہ تھی، حضرت ابوبکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو کفار ومشرکین کے لڑکے بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہوکر قرآن سنتے تھے۔ یہ صورت حال ان کو ناگوار گزری، اور انھوں نے اس مرکز کو چھوڑنے پر حضرت ابوبکر کو مجبور کیا، مگر ابن دغنا می شخص یہ کہ کر ان کو واپس لایا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں اور قرآن مجید کی تلاوت کریں، چنانچہ حضرت ابوبکر نے کچھ دنوں اس پر عمل کیا، پھر مکان کے سامنے مسجد بنا کر نماز وتلاوت میں مشغول ہوگئے۔ صحیح بخاری میں ہے:

((ثم بد الابی بکر فابتنی مسجدا بفناء داره و برز فکان یصلی فیه ویقرء القران))

''پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے باہر ایک مسجد بنائی اور وہ وہاں پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نماز ادا فرماتے۔''

مسجد ابوبکر میں نہ کوئی معلم ومقری تھا اور نہ کوئی متعلم اور پڑھنے والا تھا، البتہ یہ مسجد تلاوت قرآن کے لیے مکہ مکرمہ میں پہلا مرکز تھی، اور یہاں کفار کے بچے قرآن سنتے تھے۔

باب نمبر 4:

درسگاہِ بیت فاطمہ بنت خطاب

حضرت فاطمہ بنت خطاب بن نفیل قرشیہ عدویہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بہن ہیں، یہ اپنے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابتدائی دور میں مسلمان ہوگئی تھیں اور زوجین اپنے گھر میں حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے تلوار لئے ہوئے اپنی بہن کے مکان پر گئے تو دیکھا کہ بہن اور بہنوئی دونوں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

((وعند هما خباب بن الارت معه صحيفة فيها طٰه يقرء هما اياها))

''ان دونوں کے پاس خباب بن الارت تھے۔ ان کے ساتھ ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ طٰہٰ تھی اور ان دونوں کو پڑھا رہے تھے۔''

سیرت حلبیہ میں حضرت عمر فاروق کی زبانی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا، ایک خباب بن ارت اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ خباب بن ارت میرے بہن بہنوئی کے یہاں آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عمر فاروق کا یہ بیان بھی ہے:

((کان القوم جلوسا یقرون صحیفة معهم))

''یہ جماعت بیٹھ کر صحیفہ پڑھ رہی تھی جو ان کے پاس تھا۔''

بیت فاطمہ بنت خطاب کو قرآن کی تعلیم کا مرکز اور درسگاہ کہا جاسکتا ہے جس میں کم از کم دو طالب علم اور ایک معلم تھے، اور حضرت عمر

کے بیان میں لفظ قوم دو سے زیادہ کو بتا رہا ہے۔

باب نمبر 5:

دیگر درسگاہیں

ان مقامات کے علاوہ مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ دو دو چار چار جمع ہو کر قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے، خاص طور سے دار ارقم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بعد مسلمانوں نے جرأت و ہمت سے کام لیا اور کھل کر جگہ جگہ قرآن سننے سنانے کا مشغلہ جاری کیا۔ شعب ابی طالب میں حصار کے تقریباً تین سالہ دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے۔ یہاں خاندان ابو طالب کے علاوہ دوسرے حضرات کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھی تعلیم و تعلم میں مصروف رہے ہوں گے۔

اسی طرح ہجرت حبشہ کے زمانہ میں یہاں حضرات صحابہ تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے تھے، جن میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں معلم بنا کر بھیجا تھا، مہاجرین حبشہ میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جنھوں نے شاہ نجاشی کے دربار میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے ترجمانی کی تھی اور شاہ نجاشی کے سامنے سورہ کھیعص کی ابتدائی آیات سنائی تھیں جن کو سن کر وہ رو پڑا تھا۔

اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کی مجلسوں، بازاروں، اور موسمی میلوں اور مناسک حج کے مواقع و مقامات میں دعوت اسلام کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور لوگوں کو قرآن سناتے تھے، ایسے تمام مقامات قرآن اور دین کی درسگاہ تھے۔

باب نمبر 6:

مکرمہ کے بعض مشہور مدارس

مکہ مکرمہ کے بعض مشہور مدرسے درج ذیل ہیں:

مدرسہ الملک الافضل۔ حرم شریف کے شرقی جانب۔
مدرسۃ الامیر الزنجیلی۔ باب عمرہ کی جانب۔
مدرسہ طالب الزمان الجشینہ ۵۸۰ھ۔
مدرسہ الملک المجاہد ۷۳۹ھ۔
مدرسہ الارسونی العیف۔
مدرسہ ابن الاحداد۔

مدرسہ بدار العجلہ۔ حرم شریف کے بائیں جانب۔
مدرسہ الملک المنصور عمر بن علی ۶۴۱ھ۔
مدرسہ الملک المنصور غیاث الدین ۸۱۲ھ۔
مدرسہ ابی علی ابن ذکری ۶۳۵ھ۔
مدرسۃ المکی۔
مدرسہ النہادندی۔

مدرسہ صولیتہ (یہ مدرسہ محلہ حارۃ الباب میں واقع ہے۔ معلم عمر اکبر مرحوم کے دفتر سے متصل ہے)

مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کے حصہ دہم "فصل نمبر 25-24 کو ملاحظہ کیجئے۔

☆☆☆

حصہ ہفتم:

حجر اسود، مقام ابراہیم، رکن یمانی اور آب زمزم

باب نمبر 1:

حجر اسود قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں

ایک ذراع کے برابر:

امام ازرقی عکرمہ بن خالد المخزومی سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابن زبیر کے دور میں کعبہ شریف جل گیا تو میں نے حجر اسود دیکھا جو تقریباً ایک ذراع کے برابر تھا، اور اس کا رنگ سفید تھا۔ (اخبار مکہ ص ۱۵۱)

حجر اسود کا رنگ:

اسی طرح محمد بن نافع بیان کرتے ہیں کہ ۳۱۷ھ میں جب قرامطہ نے حجر اسود اکھاڑا تو میں نے دیکھا کہ اس کا طول ایک ذراع (۵۴ سینٹی میٹر اور حجم ۱۵ سینٹی میٹر) تھا اور اس کا جو حصہ دیوار کے اندر تھا اس کا رنگ سفید تھا۔ (تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۲۹۴)

سیدنا آدم کا لایا ہوا جنتی یاقوت:

حجر اسود بیضوی شکل کا ایک پتھر ہے، جس کے سیاہ رنگ کو ہلکی سی سرخی نکھارتی ہے۔ ایک بالشت طول اور تقریباً 2/3 بالشت عرض کی جسامت پر محیط ہے۔ بیت اللہ شریف کے جنوب مشرقی کونے میں صحن مسجد سے چار فٹ کی بلندی پر جلوہ نما، اپنی ضیا پاشیوں سے چار دانگ عالم کو مستیز کر رہا ہے۔ اس کے اندر ایسی زبردست مقناطیسی کشش ہے کہ ہر ملک وقوم اور رنگ ونسل کے لوگ کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ یہ پرشکوہ پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے، جسے سیدنا آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے، اور تعمیر بیت اللہ کے وقت ایک گوشہ میں نصب فرمایا تھا۔

کوہ ابی قبیس کے شکم میں امانت:

طوفان نوح میں سیدنا آدم کا تعمیر کردہ بیت اللہ آسمانوں پر اٹھائے جاتے وقت اس متبرک پتھر کو شکم جبل ابی قبیس میں امانت رکھ دیا گیا، پھر تعمیر ابراہیمی کے وقت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا تھا، اس طرح اسے پھر اسی جگہ کی زینت بنا دیا گیا جہاں پہلے رونق افروز تھا۔ (قرطبی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۲)

حجر اسود کی وجہ تسمیہ:

امام ابن ظہیرہ فرماتے ہیں:

”جنت کے اس انتہائی منور اور چمکدار پتھر کو ”حجر اسود“ (کالا پتھر) کہنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس کا یہ نام ابتداء سے چلا آ رہا ہے یا اس کا رنگ تغیر ہونے کے بعد اس نام سے مشہور ہوا۔ امام موصوف نے اپنے جد امجد سے یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں یہ بات تو نہیں پڑھی لیکن غالب خیال یہ ہے کہ اس کا رنگ جب سفیدی سے سیاہی میں تبدیل ہو گیا تو پھر اسے حجر اسود کہا جانے لگا۔“ (جامع اللطیف: ۲۵)

علاوہ ازیں حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور ان کے بعد کچھ زمانہ تک اسے صرف ”حجر“ ہی کے نام

سے یاد کیا گیا ہے۔ البتہ حدیث شریف میں قریش اور نبی کریم ﷺ کی زبان سے حجر اسود کے الفاظ ملتے ہیں۔

بااین ہمہ اس کا رنگ بتدریج تبدیل ہوا ہے، یک لخت سیاہ نہیں ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ قرون اولی کے کئی لوگوں نے اس میں سفیدی دیکھی ہے، چنانچہ امام ابن ظہیرہ، قاضی عز الدین بن جماعۃ کا قول بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۷۰۸ھ کو میں نے حج کیا تو حجر اسود میں سفید نقطہ دیکھا تھا جو بعد میں ختم ہو گیا۔ (جامع اللطیف:۲۳)

اسی طرح علامہ ابن خلیل نے اپنی تصنیف ''منسکۃ الکبیر'' میں لکھا ہے کہ میں نے حجر اسود میں تین سفید نشانات دیکھے تھے، ان میں سے بڑا نشان باب کعبہ کی جانب مکئی کے دانے جتنا تھا، دوسرا اس سے چھوٹا اور تیسرا باجرہ کے دانے کے برابر تھا۔

امام ابن ظہیرہ ان روایات کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عبرتناک بات ہے کہ اگر گناہ کے اثر سے پتھر کالا ہو جاتا ہے تو یقیناً گناہ انسان کے دل کو بھی کالا کر دیتے ہیں۔ اس لئے گناہ سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ آئینہ کی طرح شفاف دل بھی گناہ کی آلودگی سے حجر اسود کی طرح سیاہ ہو جائے گا۔

اسی طرح ابن عون نے تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے وقت حجر اسود کو دیکھا جو اندر سے چاندی کی طرح سفید تھا۔

علامہ محمد بن علان الصدیقی کا بیان ہے کہ ۱۰۴۰ھ میں جب سلطان مراد خان نے کعبہ شریف تعمیر کرایا تو مجھے حجر اسود دیکھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی، جس کا طول ایک ذراع کے قریب تھا اور اس کے سامنے والے سرے کے علاوہ سارا سفید تھا۔

(تاریخ الکعبہ:۱۱۱)

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

''۱۳۷۶ھ میں جب کہ میں تاریخ القویم لکھ رہا ہوں، اس وقت بھی حجر اسود کا جو حصہ دیوار کے اندر ہے اس کے سفید ہونے میں شک نہیں، جب کہ اس کا جو حصہ سامنے نظر آ رہا ہے وہ کالا ہو چکا ہے اس میں سفیدی کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔''

(تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۳۰۰)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''حجر اسود جنت سے آیا ہے۔ یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بعد ازاں بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔''

روشن نشانی:

اللہ تعالی نے فرمایا:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکاً وهدی للعالمین فیه ایات بینات مقام ابراهیم))

''بے شک پہلا گھر جو عبادت کی غرض سے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، بابرکت اور سب جہانوں کے لیے ہدایت والا۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے۔''

یہاں فیہ ایات بینات (روشن نشانیوں) سے مراد ''حجر اسود'' ہے۔

تعمیر بیت اللہ سے پہلے:

حجر اسود وہ واحد پتھر ہے جو بیت اللہ شریف کی تعمیر سے پیشتر تھا اور جس کونے میں اسے نصب کیا گیا وہ اس کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا قطر تقریباً تیس سینٹی میٹر ہے اس کی شکل بیضوی ہے۔ اس کے کنارے غیر منتظم ہیں اور اس کی سطح چمکدار ہے۔ اس کا رنگ سیاہ سرخی

ائل ہے۔اس میں سرخ نقطے ہیں۔اس کے سیاہ رنگ کی وجہ اور رکن کے امتیاز کی خاطر طواف کی ابتداء اس سے کی جاتی ہے۔

حجر اسود کی تقبیل واجب نہیں بلکہ سنت ہے......عورتوں کے لیے حکم......محافظت حجر اسود:

کچھ علماء کے خیال میں اس کی تقبیل واجب نہیں کیونکہ مسلم اور نسائی نے حضرت عمر کا قول ذکر کیا ہے اس میں

((رایت رسول الله صلی الله علیه و سلم حفیا))

کے الفاظ مذکور ہیں اور ''یقبلک'' کا ذکر نہیں کیا۔اس روایت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی۔انہوں نے ایک عورت سے کہا:

''حجر اسود پر بھیڑ مت کرو۔اگر تم کو تنہائی مل جائے تو بوسہ دو۔اگر اژدحام دیکھو تو اس کے برابر آ کر تکبیر و تہلیل پڑھو اور کسی کو ایذا مت دو۔''

نیز بخاری میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مذکور ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ عورتیں حجر اسود کا بوسہ ترک کر دیں۔ خواہ اس کی تاویل کی جاتی ہے، کیونکہ یہ فعل فتنہ کا موجب بنتا ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا بوسہ واجبی اور لازمی نہیں۔جب اژدحام ہو تو اس وقت حاجی کا ہاتھ سے چھونا یا ہاتھ سے اشارہ کرنا ہی کافی ہے۔اگر اس کو بوسہ دینا واجب ہوتا تو ہر حالت میں اس کو بوسہ دیا جاتا اور حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہوتا۔میں نے جب اس پر غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں کامل حکمت ہے اور ایک خاص مقصد ہے۔وہ یہ ہے کہ حجر اسود کا چومنا طواف کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس مسئلے کی روح سے مجھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سنت حجر اسود کی حفاظت کے لئے ہے۔اسی حجر اسود سے طواف کا آغاز کیا جاتا ہے جو حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

اگر یہ سنت نہ ہوتی تو کچھ سال گزرنے کے بعد حجر اسود کو لوگ بھول جاتے اور مسلمان اسے ترک کر دیتے۔

مسلمان جب حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی سنت سمجھ کر ایسا کرتے ہیں اور انہوں نے اس کی یہ توجیہہ اس لئے نکالی ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہاں ایک ایسا پتھر ہے جس کی محافظت ضروری ہے۔کبھی اس کو بوسہ دیتے ہیں، کبھی ہاتھ سے چھوتے ہیں اور کبھی دور سے اشارہ کرتے ہیں۔مزید برآں ان کے اعضاء دعوت دیتے ہیں کہ ان کے وجود اس کی طرف توجہ کریں اور اس کی حفاظت کریں۔ دین اسلام کی تمام بدنی عبادتیں اس کی مثل دعوت دیتی ہیں کہ روح کی توجہ خالق کی طرف ہو۔

نفس میل کچیل سے اور مفاسد سے پاک ہو۔نیز ایک مکمل نظام کی طرف دعوت دیتی ہیں اور مجھے یقین کامل ہے کہ یہ سبب حجر اسود کو بوسہ دینے، یا چھونے یا اشارہ کرنے کو سنت قرار دینے کی بنیاد ہے۔

حجر اسود کی تقبیل واجب ہے......سیدنا عمر فاروق کا عمل:

جید علماء کے ہاں حجر اسود کی تقبیل واجب یا کم از کم سنت مؤکدہ ضرور ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان سے حجر اسود کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا:

''میں نے آنحضرت ﷺ کو اسے بوسہ دیتے اور ہاتھ سے چھوتے ہوئے دیکھا ہے۔(حدیث بخاری، جلد اول، باب تقبیل الحج)

کسی آدمی نے حجر اسود کے بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: میں نے آنحضرت ﷺ کو اسے ہاتھ سے چھوتے اور منہ سے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔اس نے پھر سوال کیا کہ اگر اژدحام ہو یا میں مغلوب ہو جاؤں تو انہوں نے ایسے سوالات کرنے کو ناپسند کیا اور فرمایا:

''میں نے تو آنحضرت ﷺ کو اسے چھوتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔'' (بخاری)

حضرت عمر بن خطاب نے بوسہ دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

''مجھے معلوم ہے کہ تو تو ایک پتھر ہے، اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

پھر آگے بڑھ کر اس کو بوسہ دیا۔ (صحیح بخاری و مسلم) (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۳۰)

نسائی نے مزید کہا:

(('' قبله ثلاثا''))

حضرت عمر نے حجر اسود کو تین مرتبہ بوسہ دیا۔

امام بخاری کی روایت میں ہے:

((حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انی رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم استلمك ما استلمتك فاستلمه))

حضرت عمر نے فرمایا: تُو تو ایک پتھر ہے۔ تجھے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر تجھے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔ پھر اسے بوسہ دیا۔

علامہ ازرقی نے مزید بیان کیا کہ حضرت علی نے کہا:

''کیوں نہیں! اے امیر المومنین! وہ نقصان کرتا اور نفع پہنچاتا ہے۔ انہوں نے کہا: تم ایسے کیوں کہتے ہو؟ حضرت علی نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی کتاب سے استدلال کرتے ہوئے ایسا کہتا ہوں۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کہاں ذکر ہے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((و اذ اخذ ربك من بنى ادم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالو بلى شهدنا))

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی تمام اولاد کو ان کی پیٹھ سے نکالا۔ پھر ان سے اقرار لیا کہ وہ رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں۔''

پھر اس میثاق کو ایک کاغذ پر لکھا اور اس وقت حجر اسود کی دو آنکھیں تھیں اور ایک زبان تھی۔ اسے حکم ہوا کہ منہ کھولے۔ اس نے منہ کھولا اور اس کاغذ کو نگل گیا اور اس جگہ پر اسے رکھا گیا۔ پھر کہا: کون ہے جو تیرے ساتھ وعدہ پورا کرے گا؟

حضرت عمر نے کہا:

''اے ابوالحسن! میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی قوم میں زندہ ہوں جو ان میں سے نہ ہو۔'' (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۲۴)

حضرت حسین بن علی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے تحریری وعدہ لیا تو اسے حجر اسود کے اندر رکھ دیا۔ حجر اسود کو بوسہ دینا بھی وفائے عہد میں شامل ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بنی آدم سے وعدہ لیا تو اسے حجر اسود میں رکھ دیا۔

صحیح مسلم جلد اول، صفحہ ۴۱۳ میں ہے کہ بے شک حضرت عمر نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور اس سے چمٹ گئے اور کہا: میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ تیرا بہت اہتمام کرتے تھے۔ (بخاری مسلم) (مسلم، جلد اول، صفحہ ۴۱۳)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے حجر اسود کو ہاتھ لگا کر استلام کیا اور پھر ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت سے میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے، میں ہمیشہ سے اس پر عمل کر رہا ہوں۔

(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۹) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۲)

ایک مرتبہ سیدنا فاروق حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر فرمانے لگے، تو ایک پتھر ہے، نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، اگر میں نے اپنے محبوب، محبوب خدا ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔

(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۷)

سیدنا فاروق اعظم ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود پر پہنچے تو اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتا ہے، اگر میں نے اپنے آقا اور مولا، مولائے کل، ختم رسل ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بھی بوسہ نہ دیتا۔ سیدنا علی المرتضیٰ جو قریب ہی کھڑے تھے، ضبط سخن نہ کر سکے اور فرمانے لگے کہ نفع اور نقصان دونوں چیزیں اس میں موجود ہیں۔

سیدنا عمر نے دریافت فرمایا: یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ تو امیر المومنین سیدنا علی نے ارشاد فرمایا کہ روز ازل جب اللہ کریم نے اپنے بندوں سے اپنے رب العالمین ہونے کا اقرار لیا تو اس اقرار کو کتاب میں درج کر کے اس پتھر (حجر اسود) میں محفوظ کر دیا تھا۔

چنانچہ قیامت کے دن یہ پتھر گواہی دے گا کہ فلاں شخص نے اقرار پورا کیا یعنی مومن ہو گیا اور فلاں نے انکار کیا اور کافر ہو گیا۔

(کنز العمال، جلد ۵، صفحہ ۱۷۷)

گویا کہ اس کی تعظیم و تکریم کرنیوالوں کو اللہ کے حکم سے نفع پہنچتا ہے اور اس کی بے حرمتی اور تذلیل کرنے والوں کو نقصان۔

حضرت عمر فاروق نے یہ بات بالا علان اور علی روس الاشہاد اس لئے فرمائی تا کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمر اور دوسرے اکابر مسلمین کو حجر اسود کو چومتا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور صفات، بناؤ اور بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، جس کے سبب سے اسے چوما جا رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے تو وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگار کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حجر اسود دیکھنے میں تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہے لیکن اس میں ایسی روحانیت ہے جس سے وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ بلا واسطہ یا بلا واسطہ اسے چومتا ہے (اپنے ہونٹوں، ہاتھ یا لاٹھی سے اسے چھو کر ہاتھ یا لاٹھی کو چوم لیتا ہے) اور اس کا استلام کرتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ ان بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ اس کا استلام کرتے تھے۔

حجر اسود اور ید اللہ......حدیث کا مفہوم:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص حجر اسود کو ہاتھ لگاتا ہے گویا وہ اپنا ہاتھ اللہ تعالیٰ سے ملاتا ہے۔'' (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے، زمین پر اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں ابن عباس کی جان ہے کہ مسلمان مرد اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہے۔'' (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۲۳)

انہی سے روایت ہے کہ حجر اسود اللہ کا ہاتھ ہے، زمین پر جو اسے چھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہے۔

ابو عبید قاسم بن سلام نے بیان کیا ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''حجر اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔''

ابو طاہر مخلص نے اپنی کتاب فوائد کی جزء ثانی میں بیان کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی بیعت کا زمانہ نہیں پایا اور حجر اسود کا مسح کرتا ہے تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کی۔

(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۲۶)

بیشک ہر آدمی جو بادشاہ کے پاس آتا ہے تو اس کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے۔ جب حج یا عمرہ کرنے والا آتا ہے تو اس کے لئے یہ سنت ہے کہ آتے ہی حجر اسود کو بوسہ دے۔ اس کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مثال اس سے بھی بلند ہے۔ اسی طرح جو اس سے مصافحہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے جس طرح بادشاہ مصافحہ کرنے والے سے عہد کرتے ہیں۔

آنسو بہائے جانے والا مقام:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ حجر اسود پر جھکے: پھر اپنے دونوں ہونٹ اس پر رکھ دیئے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر آپ نے مڑ کر دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب رو رہے تھے۔ یہ ماجرہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''یہ وہ مقام ہے جہاں پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔'' (سنن ابن ماجہ) (مستدرک حاکم)

حجر اسود کے استلام اور تقبیل کی کیفیت:

اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ تقبیل کے وقت (چومنے کی) آواز نہیں آنی چاہئے، جس طرح عوام الناس کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے حجر اسود کو ہاتھ سے چھوا، پھر ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا:

''میں نے جب سے آنحضرت ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا اس وقت سے میں نے کبھی ترک نہیں کیا۔''

(بخاری، مسلم) (بخاری، صفحہ ۲۱۸)

صحابہ و تابعین حجر اسود کو چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیتے:

حضرت عطا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید، ابو ہریرہ، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھا کہ جب حجر

اسود کو ہاتھ سے چھوتے تو ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔

ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا: کیا ابن عباس بھی ان میں شامل تھے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا غالب خیال یہی ہے کہ ابن عباس بھی ان میں تھے۔

عبداللہ ابی رباح سے روایت ہے کہ میں نے عطاء، مجاہد اور سعید بن جبیر کو دیکھا۔ جب وہ حجر اسود کو چھوتے تو اپنے ہاتھوں کو چومتے تھے۔

عبداللہ بن یحییٰ سہمی سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میں نے ابوعطاء بن ابی رباح، عکرمہ بن خالد اور ابن ابی ملیکہ کو دیکھا کو وہ عصر کے بعد طواف کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور میں نے ان کو دیکھا کہ وہ حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوتے تھے، پھر اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور منہ پر مسح کرتے تھے۔ بعض اوقات ہاتھ سے چھوتے لیکن منہ اور چہرہ کا مسح نہیں کرتے تھے۔

ابن جریج سے روایت ہے، عمرو بن دینار نے کہا کہ جس نے حجر اسود کو ہاتھ سے چھوا ہاتھ کو بوسہ نہ دیا تو اس نے ظلم کیا۔

حمید بن حبان سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا۔ جب وہ حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتا تو اپنا ہاتھ رخسار اور پیشانی پر لگاتا تھا۔

سفیان نے کہا کہ میں نے ایوب بن موسیٰ کو دیکھا کہ جب وہ حجر اسود کو چھوتے تو اپنا ہاتھ پیشانی پر لگاتے تھے۔

حجر اسود پر ہاتھ، منہ اور ناک لگایا جائے، ماتھا نہ لگایا جائے:

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ جب وہ حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتے تو اپنا ہاتھ، منہ اور ناک اس پر لگاتے تھے۔

ایک اور روایت میں پیشانی کے بجائے رخسار ذکر آیا ہے۔

ہاتھ حجر اسود سے لگا کر اپنے منہ سے لگایا جائے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ لیکن ''احد تولیہ'' میں مذکور ہے کہ اپنے ہاتھ کا بوسہ نہ دے۔ اسی طرح قاسم بن محمد کے نزدیک بھی ہاتھ کا بوسہ جائز نہیں۔

استلام حجر اسود اور اس کا معنیٰ:

استلام کے معنی پتھر پر مسح کرنا ہے۔ سلام کا واحد سلمۃ لام کے کسرہ سے ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ یہ سلام سے باب افتعال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ استلم تحیہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جب وہ اسے بوسہ دیتا ہے تو گویا اسے سلام کہتا ہے۔ اور حجر اسود کی طرف سے اپنے آپ کو سلام کہتا ہے۔ جس طرح اختتام کے معانی اپنے نفس کی خدمت کرنا ہے۔ اہل یمن حجر اسود کو محیا یعنی سلام کی جگہ کہتے ہیں کہ کیونکہ لوگ اسے سلام کہتے ہیں۔ ابن اعرابی نے اسے مہموز الاصل قرار دیا ہے۔ اس کا ہمزہ محذوف کر دیا گیا۔ یہ ملامۃ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی موافقت کے ہیں۔

جوہری نے کہا استلم الحجر کے معانی لمسہ اما بالقبلۃ او بالید یعنی اسے بوسہ دینا ہاتھ سے چھونا ہے۔ نیز کہا: اس پر ہمزہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ سلام سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی پتھر کے ہیں۔ بعض نے اس پر ہمزہ لگایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن کافی اونچا سورج آنے کے بعد میں مکہ معظمہ کی مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے پر بٹھا دیا اور خود مسجد میں تشریف لائے اور حجر اسود کے پاس آ کر وہاں سے طواف شروع کیا اور اس کو بوسہ دیا اور رونے کے باعث آپ کی چشم مبارک سے آنسو بہنے لگے۔ پھر تین چکر ذرا تیز لگائے اور باقی چار چکروں میں آہستہ چلتے رہے۔ جب فارغ ہوئے تو حجر اسود کو بوسہ دیا اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور چہرہ مبارک کا مسح کیا۔ یہ حدیث ابی جعفر محمد بن حسین بن علی بن ابی طالب کی حدیث سے زیادہ اچھی ہے۔

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ جب حجر اسود کے پاس آتے اگر اژدحام ہوتا تو گزر جاتے اور بھیڑ نہ کرتے، لیکن اگر اژدحام نہ ہوتا اس کا تین مرتبہ بوسہ لیتے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایسا کرتے دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔ (سنن نسائی)

حضرت سفیان بن عینیہ سے روایت ہے، وہ ابی یعقوب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے خزاعہ قبیلہ کے ایک آدمی سے سنا۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں شہید ہوئے تو اس وقت وہ مکہ شریف کے گورنر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا:

''اے ابوحفص! تو بڑا آدمی ہے۔ رکن پر اژدحام نہ کرو۔ اس سے کمزوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تو خلوت پائے تو اسے بوسہ دے۔ ورنہ تکبیر پڑھ کر گزر جاؤ۔''

اسے احمد نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور کہا: بس متوجہ ہو کر تہلیل وتکبیر پڑھو۔ (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۳۴)

جناب عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آنحضرت ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ پھر جب وہ عمرہ کر کے واپس آئے تو آپ نے پوچھا: اے ابومحمد! حجر اسود کا استلام کیسے کیا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے کبھی تو اسے بوسہ دیا اور کبھی ترک کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا۔ (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۳۳)

استلام حجر اسود کی فضیلت:

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حجر اسود لائے گا، تو وہ جبل ابی قبیس سے بھی بڑا ہوگا، اسے زبان اور دو ہونٹ عطا کئے جائیں گے، اور وہ ان لوگوں کے حق میں سفارش کرے گا جنہوں نے خلوص نیت سے اس کے بوسے لئے تھے۔''

(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۳۰)

ابو ولید نے ہمیں بیان کیا کہ مجھے میرے دادا نے، ان کو داؤد بن عبدالرحمٰن عطاء نے بیان کیا، ان کو معمر نے، ان کو عطاء بن سائب نے بیان کیا کہ بیشک عبید بن عمر نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان دونوں رکنوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر مزاحمت کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ ان دونوں کو بوسہ دینے اور ہاتھ سے چھونے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۳۱)

ایک آدمی جسے حمید بن نافع کہا جاتا تھا، نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کچھ ایسے کام کرتے ہیں جو آپ کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ حضرت ابن عمر نے جواب دیا: تجھے ہر کام میں طعنہ زنی کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ پھر پوچھا: کون سے کام ہیں؟ اس نے کہا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اپنی داڑھی چھوٹی کراتے ہیں اور سبتی جوتے پہنتے ہیں اور جب تک آپ کی اونٹنی نہیں اٹھتی، اس وقت تک حج اور عمرہ میں تہلیل نہیں پڑھتے اور مشرقی رکنوں کے علاوہ کسی رکن کو نہیں چومتے۔ انہوں نے جواب دیا: میرا داڑھی چھوٹی کرانے کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی (ایک مٹی سے زائد بڑھی ہوئی) چھوٹی کراتے تھے۔ سبتی جوتوں کی بابت یہ ہے کہ آپ نے اپنی تمام زندگی میں یہی جوتے پہنے ہیں۔ شرقی رکنوں کے متعلق آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے ماسوا کسی اور رکن کو بوسہ نہیں دیا۔ حتیٰ کہ آپ ملک عدم کی طرف رحلت فرما گئے، لیکن تہلیل کا معاملہ تو وہ اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ جب آنحضرت ﷺ کی اونٹنی اٹھ کر کھڑی ہوتی تھی تو پھر آپ تہلیل وتکبیر پڑھتے تھے۔ (اخبار مکہ، جلد اول: ۳۳۱)

سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے:
''جس شخص نے حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے اسے چھولیا گویا کہ اس نے اللہ رب العزت کے دست قدرت کو چھونے کی سعادت حاصل کر لی۔'' (سنن نسائی، جلد ا، صفحہ ۲۸)

عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔''

حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
''اگر میرے پاس گنجائش ہوتی تو حجر یعنی حطیم کی جانب کعبہ شریف کو چند ہاتھ اور بڑھاتا اور اس کا ایک اور دروازہ بناتا جس سے لوگ نکلتے۔''

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے حجر یعنی حطیم کے متعلق سوال کیا گیا۔ کیا وہ بیت اللہ شریف میں شامل ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۱۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود پر تشریف لائے تو اپنے مبارک ہونٹوں سے اس کا طویل بوسہ لیا اور زار و قطار رو رہے تھے، جب فارغ ہو کر دیکھا تو حضرت عمر فاروق کو بھی گریہ کناں پایا، تو آپ اس طرح گویا ہوئے:
''عمر یہی جگہ ہے جہاں آنسوؤں کی ندیاں بہائی جاتی ہیں۔'' (سنن ابن ماجہ: ۲۲۱)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے:
''حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جس مسلمان کو رسول پاک ﷺ کی بیعت کا شرف نصیب نہیں ہوا، لیکن اس نے حجر اسود کا بوسہ لے لیا تو اب اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بیعت کا اعزاز حاصل کر لیا۔''
(جامع صغیر، جلد ا، صفحہ ۱۵۰) (اخبار مکہ: ۲۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں:
''حجر اسود زمین پر اللہ کریم کا ہاتھ ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے، جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔ دنیا میں جس نے خلوص نیت سے اس کا استلام کیا تو قیامت کے دن یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، حجر اسود کے قریب مسلمان اللہ کریم سے جو کچھ بھی مانگے گا وہ مل کر رہے گا۔'' (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۳۹) (اخبار مکہ: ۲۲۸، ۲۳۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:
''اگر حجر اسود کو مشرکین کے نجس اور گنہگار ہاتھ مس نہ کرتے تو اسے چھونے اور بوسہ دینے والا ہر مرض سے شفایاب ہو جاتا، اسے اللہ کریم نے پہلی نورانی صورت سے تبدیل کر کے سیاہ رنگ کر دیا ہے تاکہ جہنمی لوگ اس کی زینت کو نہ دیکھ سکیں۔ جب سیدنا آدم کا آسمان سے نزول ہوا تو اللہ رب العزت نے جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت بھی ان کے ساتھ نازل فرمایا جسے کعبہ شریف میں زینت بخشی گئی اور ملائکہ کی ایک جماعت نے بڑے اعزاز و احترام سے اسے اس جگہ نصب فرمایا تھا اور جنوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کی حفاظت بھی کرتے رہے۔ اس وقت تک زمین انسانی آبادی سے خالی اور انسانوں کے گناہوں سے پاک تھی، لیکن جنات اس قابل نہیں تھے کہ اس کے دیدار سے مشرف ہوں، کیونکہ یہ تو جنت کی

نادر الوجود چیز تھی اور جنت کی کسی چیز کا دیدار جنت میں داخلہ کا باعث بن سکتا تھا۔"

حجر اسود کا سفید ہونا:

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نزل الحجر الاسود من الجنة وهو اشد بياضاً من اللبن فسودته خطايا بنی آدم))

"جب جنت سے حجر اسود دنیا میں آیا تو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا، لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔"

(ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۰۷) (نسائی، جلد ۲، صفحہ ۲۹)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ جس وقت حجر اسود جنت سے اتارا گیا تو وہ ستاروں کی طرح چمکتا تھا، کیونکہ وہ جنت کا سفید یاقوت تھا۔ (اخبار مکہ: ۱۰)

امام ابن ظہیرہ نے اس سلسلہ میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔ مثلاً:

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ برف سے زیادہ سفید تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ موتیوں کی طرح سفید تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ یاقوت کی طرح سفید تھا۔

ایک روایت میں چاندی کی طرح سفید بیان کیا گیا ہے۔

شفیع المذنبین رحمت للعالمین ﷺ فرماتے ہیں:

"حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں (یہ دونوں بے حد منور تھے) لیکن اللہ رب العزت نے ان کی نورانیت کو چھپا دیا، اگر ان کی روشنی کو مٹایا نہ جاتا تو یہ مشرق سے مغرب تک ہر ایک چیز کو روشن اور منور کر دیتے۔"

(ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۰۷) (سنن کبریٰ، جلد ۵، صفحہ ۷۵)

امام ازرقی ابی عون کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر کے زمانہ میں جب کعبہ شریف جل گیا اور حجر اسود بھی ٹوٹ گیا تو میں نے اسے اندر سے دیکھا کہ وہ چاندی کی مانند سفید تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"حجر اسود جنت کے سفید یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، اس کی نورانیت کو مشرکین کے گناہوں نے سیاہی میں تبدیل کر دیا، قیامت کے دن جب اسے میدان حشر میں لایا جائے گا، تو وہ کوہ احد کی مانند بڑا ہوگا، دنیا میں جس نے اسے ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا اس کے حق میں شہادت دے گا۔" (جامع صغیر، جلد ۱، صفحہ ۱۵۰)

حبیب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے، اگر کافروں اور فاجروں کے چھونے سے گناہوں کی نحوست اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو جاتی تو اندھا، کوڑھی یا کسی بھی مرض کا مریض اسے چھونے سے صحت و تندرستی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا، اور اس وقت جنت کی چیزوں میں سے اس کے سوا اور کوئی چیز دنیا میں باقی نہیں ہے۔"

(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۳۸) (جامع صغیر، جلد ۱، صفحہ ۱۳۲)

ایک روایت میں یہ فرمان بیان ہوا ہے:

''حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ایک پتھر ہے جو بے حد سفید تھا، اگر اسے مشرکین کے نجس ہاتھ نہ لگتے تو جو بیمار آدمی، خواہ بیماری کیسی خطرناک ہی کیوں نہ ہو، اسے چھوتا تو وہ شفایاب ہو جاتا۔'' (سنن کبریٰ، جلد ۵، صفحہ ۷۵)

حجر اسود کی گواہی:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''حجر اسود جنت کے سفید یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، اس کی نورانیت کو مشرکین کے گناہوں نے سیاہی میں تبدیل کر دیا، قیامت کے دن جب اسے میدان حشر میں لایا جائے گا، تو وہ کوہ احد کی مانند بڑا ہوگا، دنیا میں جس نے اسے ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا، اس کے حق میں شہادت دے گا۔'' (جامع صغیر، جلد ا، صفحہ ۱۵۰)

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان اس طرح منقول ہے:

''رکن یمانی اور حجر اسود محشر کے دن اس حال میں لائے جائیں گے کہ ان دونوں کو آنکھیں، زبان اور ہونٹ عنایت کئے جائیں گے، اور یہ ان لوگوں کے حق میں وفا کی گواہی دیں گے، جنہوں نے ان کو بوسہ دیا تھا، یعنی گواہی دیں گے کہ ان بوسہ دینے والوں نے اقرار پورا کر دیا۔'' (مصنف عبدالرزاق)

حجر اسود انسان کے سر کے برابر:

علامہ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ حجر اسود انسان کے سر کے برابر موٹا ہے۔ (معجم البلدان، جلد ۷، صفحہ ۲۵۶)

حجر اسود کہاں سے آیا:

حجر اسود سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب پورے وثوق اور یقین سے نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس سلسلہ میں متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حجر اسود فنا نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جنت کا پتھر ہے اور جنت کی چیزوں کیلئے فنا نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۳۸)

ابن حاتم نے سدی سے روایت کی ہے، جب سیدنا آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تو وہ حجر اسود اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ہند میں محفوظ رہا۔ یہ سفید چمکدار یاقوت تھا۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی تو جبرئیل علیہ السلام اسے ہند سے لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر لوگوں کے خطا کار ہاتھوں نے اسے سیاہ کر دیا۔

(فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۳۱۴)

علامہ طاہر کردی امام ازرقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ طوفان نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو جبل ابی قبیس میں محفوظ کر کے پہاڑ کو حکم دیا کہ جب تو ابراہیم خلیل اللہ کو بیت اللہ تعمیر کرتے ہوئے پائے تو یہ امانت ان کے سپرد کر دینا۔ چنانچہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کعبہ شریف تعمیر کر رہے تھے اور دیواریں حجر اسود کی جگہ تک بلند ہو گئیں تو آپ نے حضرت اسماعیل کو فرمایا:

''کوئی پتھر تلاش کر کے لاؤ جسے یہاں نصب کیا جائے تا کہ طواف شروع کرنے کی علامت بن جائے۔''

سیدنا اسماعیل تلاش کرنے چلے گئے لیکن واپس آ کر دیکھا کہ وہاں بے حد عمدہ پتھر نصب ہو چکا ہے۔ والد گرامی سے پوچھا: یہ پتھر کہاں سے آ گیا؟ انہوں نے فرمایا: یہ جبرائیل لائے ہیں۔ جس وقت جبرئیل نے اسے نصب کیا تو زبردست سفیدی کے باعث جگمگا رہا تھا، اس کی روشنی سے شرق و غرب اور یمن منور ہو گئے، اس کی روشنی حدود حرم تک پھیلی ہوئی تھی۔

(تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۲۹۴)

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ یہ پتھر جبل ابی قبیس میں محفوظ تھا، اس پہاڑ نے سیدنا ابراہیم کو آواز دی کہ آپ کی امانت میرے پاس محفوظ ہے آپ وصول فرمالیجئے۔ چنانچہ آپ نے پہاڑ کھود کر حجر اسود نکالا اور کعبہ کی زینت بنادیا۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود سیدنا آدم کے ساتھ آسمان سے رات کے وقت اتارے گئے۔ صبح کے وقت جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو پہچان لیا، ان سے لپٹ گئے اور پیار کرنے لگے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۲۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس سے ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ جب سیدنا آدم اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں ان کے لیے حجر اسود جنت سے اتارا گیا جو بے حد چمکدار اور سفید تھا، حضرت آدم نے فرط محبت سے اسے چوما اور محفوظ کرلیا۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۲۲۹)

ابی جہم سے روایت ہے کہ جب سیدنا اسماعیل پتھر تلاش کرنے قریبی نالہ کی طرف گئے تو اس اثناء میں جبرائیل آسمان سے حجر اسود لے کر حضرت خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ طوفان نوح میں جب ہر چیز غرقاب ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس مقدس پتھر کو آسمان پر اٹھالیا تھا۔

چنانچہ جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو اس جگہ ایک نفیس اور منور پتھر نصب دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آگیا۔؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: یہ جبرائیل لائے ہیں۔ (فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۳۱۴)

بوسہ حجر اسود اور دقیق نکتہ:

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں کہ حجر اسود کی عظمت و جلالت میں یہ ایک دقیق نکتہ ہے کہ ہم اسی جگہ بوسہ دیتے ہیں، جہاں امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹوں سے بوسے دیئے تھے، اور جہاں انبیائے کرام کے منہ مبارک مس کرتے رہے ہیں، اسی طرح ہمارے ہاتھ بھی اسی جگہ لگتے ہیں جہاں انبیاء کے مقدس ہاتھ لگتے تھے۔ لہٰذا اے مسلمان! جب تو اس نکتہ کو سمجھ جائے تو پھر حجر اسود کا بوسہ دینے اور ہاتھ سے مس کرنے میں غفلت نہ کرنا۔ (تاریخ القویم، جلد ۳، صفحہ ۲۹۹)

امام ابن ظہیرہ فرماتے ہیں:

''اس عظیم المرتبت پتھر کا حیرت انگیز وصف ہے کہ نہ تو پانی میں ڈوبتا ہے اور نہ آگ میں گرم ہوتا ہے۔'' (جامع اللطیف: ۲۵)

یہ مقدس پتھر کئی مرتبہ حوادثات کا شکار ہوا اور اسے اکھاڑ کر چرالیا گیا، مثلاً: جرہم، ایاد، عمالقہ، خزاعہ اور آخر میں قرامطہ نے چرایا تھا۔

حجر اسود اور قرب قیامت کا زمانہ:

سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حجر اسود کا کثرت سے استلام کرو، ایک وقت آئے گا کہ تم اسے اپنی جگہ موجود نہ پاکر افسوس کروگے، رات کے وقت لوگ طواف کے دوران اس کا استلام کرتے رہیں گے مگر صبح کے وقت اسے غائب پائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی کسی چیز کو بھی دنیا میں نہیں چھوڑنا، قیامت سے پہلے اسے دوبارہ اٹھا کر جنت میں پہنچادیا جائے گا۔ (اخبار مکہ: ۲۴۴)

یوسف بن ماہک سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حجر اسود کو ''عید'' قرار دیا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے لئے مائدہ عید کا موجب بنا تھا۔ جب تک تم بھلائی پر رہو گے یہ مقدس پتھر تمہارے درمیان موجود رہے گا، لیکن جس طرح جبرائیل امین

نے اسے اس مقام پر نصب کیا تھا، وہی اسے اٹھا کر جنت میں لے جائیں گے۔ (اخبار مکہ:۲۴۴)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت سے پہلے (قیامت کے قریب) لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید اور کعبہ شریف سے حجر اسود آسمانوں پر اٹھالیا جائے گا۔ (اخبار مکہ:۲۴۴)

حجر اسود اور حوادثات:

جنت کا یہ انمول موتی، عالی مرتبت، مقدس و متبرک یاقوت گردش ایام کی ستم رانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا، متعدد بار اسے فساق و فجار ظالموں کے ہاتھوں تختہ مشق بننا پڑا، بارہا حوادثات کا شکار رہا، اور اس کے نازنین بدن پر کتنی ہی مرتبہ زخم آئے۔

امام سہیلی بیان فرماتے ہیں:

''بنو مضر سے بنو خزاعہ کو کعبۃ اللہ کی ولایت کیسے حاصل ہوئی؟ جب حرم بنو نزار پر تنگ ہو گیا تو انہوں نے بغاوت شروع کر دی، تو انہیں بنو مضر نے مکہ سے نکال دیا۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں حجر اسود کو اکھاڑ کے ساتھ لے جانے کی ناکام جسارت کی، چنانچہ وہ اسے اکھاڑ کر اور ایک اونٹ پر لاد کر چلنے لگے، مگر کرشمہ الٰہی سے وہ اونٹ نڈھال ہو کر گر گیا اور حجر اسود زمین پر آ پڑا۔ اس اونٹ کو چھوڑ کر دوسرے اونٹ پر لادا مگر وہ بھی اس کے بارگراں کو برداشت نہ کر سکا، اور گر گیا۔ پھر تیسرے اونٹ پر لادا گیا، مگر جب وہ بھی گر گیا تو حجر اسود کو زمین میں دفن کر کے چلے گئے۔ یہ منظر بنو خزانہ کی ایک عورت دیکھ رہی تھی، صبح کے وقت جب لوگوں نے حجر اسود کو غائب پایا تو سخت تشویش ہوئی کہ یہ در مکنون ہم سے چھن گیا، لیکن جب اس عورت نے اپنی قوم کو واقعہ بتایا اور اس کی نشاندہی کر دی تو انہوں نے اسے نکال کر پھر اس کی جگہ نصب کر دیا، پھر اس کے بعد بنو مضر کی حکومت مکہ پر مستحکم ہو گئی۔'' (روض الانف، جلد ا، صفحہ ۸۴)

آگ کا بھڑکنا:

زمانہ جاہلیت میں کعبۃ اللہ اور حجر اسود کو آگ لگنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک عورت نے قریش کے زمانہ میں کعبہ میں اگربتی جلائی۔ اس سے ایک شعلہ اڑا اور غلاف پر جا پڑا۔ اس سے حجر اسود جل کر سیاہ ہو گیا اور کعبہ کی دیواریں بوسیدہ ہو گئیں۔ اس لئے قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ از سر نو تعمیر کیا۔

دور جاہلیت میں قریش کی تعمیر کعبہ سے قبل ایک عورت کعبہ شریف کو خوشبودار دھونی دے رہی تھی جس سے ایک شرارہ کعبہ شریف کے غلاف پر پڑا اور آگ بھڑک اٹھی، جس نے کعبہ شریف کو شدید نقصان پہنچایا اور حجر اسود بھی اس المیہ میں جھلس گیا۔

دور اسلام میں آگ لگنے کا واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں پیش آیا۔ وہ یوں ہوا کہ حصین بن نمیر کندی نے اس کا محاصرہ کیا۔ اس سے غلاف کعبہ اور حجر اسود جل گئے اور یہ پتھر تین مقامات سے پھٹ گیا۔ پھر حضرت شعبہ بن زبیر نے اس پر چاندی لگا کر مضبوط کیا۔

۲۸ شوال ۸۰۲ھ ہفتہ کی شب حرم محترم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یہ اندوہناک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ باب الحزورہ کے متصل رباط رامشت جسے شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن الحسین الفرسی نے ۵۲۹ھ میں غرباء کے لئے بنوایا تھا۔ اس کے ایک کمرہ میں ساکنین چراغ جلتا چھوڑ کر باہر گئے تو بعد میں چوہے کی شرارت سے آگ لگ گئی۔ جب آگ شدت اختیار کر گئی تو ایک کھڑکی سے حرم کی چھت نے بھی آگ پکڑ لی اور دیکھتے ہی دیکھتے خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ جو مغرب سے بڑھتے بڑھتے شمالی جانب پہنچ گئی۔ لوگ وسائل کی کمی کے باعث آگ پر قابو پانے سے قاصر تھے لیکن غیبی طور پر ایک ایسا عجیب انتظام ہوا جس سے فلک بوس شعلے بالکل ماند پڑ گئے۔ ہوا

یوں کہ اسی سال جمادی الاول میں سیلاب میں باب العجلہ کی طرف سے دوستون بہہ گئے جن کی وجہ سے چھت کا کچھ حصہ زمین بوس ہو گیا۔ چنانچہ جب آگ وہاں پہنچی تو نہ بڑھ سکی اور اس طرح باقی ماندہ حرم جلنے سے بچ گیا۔

اس روح فرسا حادثہ میں حرم شریف کی تین سمتیں نذر آتش ہوگئیں اور ۱۳۰ استون جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس قدر سنگین حادثہ اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اب سیلاب کی تباہ کاری اور آتشزدگی کے واقعات کی وجہ سے حرم پاک کی تجدید انتہائی ضروری تھی۔

چنانچہ ۸۰۳ھ میں ملک الناصر فرج بن برقوق کی طرف سے بیسق الظاہری مصری حجاج کے امیر کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے جنہوں نے حج سے فراغت کے بعد حرم کی صفائی کرا کے غربی اور جنوبی سمت کے ستونوں کی بنیادیں خلیفہ مہدی عباسی کی بنیادوں تک کھدوائیں جو کہ جمع کی صورت + میں تھیں۔ انہیں مضبوط کرنے کیلئے پہلے شطرنج کے خانوں کی مانند تہہ بنوائی، اور پھر اس کے اوپر سطح زمین تک انہیں زاویہ قائمہ کی شکل میں بنوایا۔

بنیادیں بھرنے کے بعد جبل کعبہ سے پتھر لا کر ۱۲ انچ موٹائی میں نصف دائرہ کی شکل میں تراشا گیا، اس طرح دو پتھر مل کر پورا دائرہ بن جاتا۔ پھر قدیم بنیادوں سے نئی بنیادیں اس طرح اٹھائیں کہ دو پتھروں کے درمیان سریا رکھ کر پگھلا ہوا سکہ ڈال کر زمین کی سطح تک بھر دیں، پھر سنگ مرمر کی کرسی بنا کر پتھر ہی کے ستون چھت تک بنائے گئے، ان کے اوپر ایک ایک لکڑی اس طرح نصب کی گئی جن کا ایک سرا دوسرے سرے تک ملا ہوا تھا، اس طرح مغربی جانب کی تعمیر مکمل ہوئی۔

شامی جانب باب العجلہ تک کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس میں سفید سنگ مرمر کے ستون بنوا کر لوہے کی چادریں اوپر چڑھادیں، جس سے وہ تراشیدہ پتھروں کے ستونوں سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ چونکہ سنگ مرمر زیادہ مقدار میں دستیاب نہ ہو سکا تھا، اس لئے مجبوراً کچھ حصہ میں پتھر کے ستون بنوا دیئے۔ چنانچہ شمال، جنوب اور مشرق کے تینوں برآمدوں میں اسی نوعیت کے ستون تھے۔ صرف مغربی برآمدہ تراشیدہ پتھروں کا بنایا گیا تھا۔

اور آخر شعبان ۸۰۴ھ میں ستونوں کا کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ صرف چھت ڈالنا باقی تھی، لیکن چھت کا کام اس لئے موخر کیا کہ مکہ معظمہ میں دوم اور چیل کی لکڑی کے سوا کوئی عمدہ لکڑی دستیاب نہیں تھی۔ پھر چیل وغیرہ پائیدار بھی نہیں ہوتی، جب کہ صنوبر، ساگوان یا سرو کی لکڑی درکار تھی۔ حالانکہ ساگوان ہندوستان اور صنوبر وسرو روم کے سوا کہیں نہیں ملتا تھا۔ بنابریں امیر بیسق کام بند کر کے ۸۰۵ھ کے اوائل میں لکڑی کا معقول انتظام کرنے کی خاطر مصر چلا گیا۔ پھر ۸۰۷ھ میں واپس آ کر چھت کا کام شروع کرا دیا۔ ساگوان تو دستیاب نہ ہو سکا لہٰذا صنوبر کی لکڑی بلاد روم سے منگوا کر اسے رنگارنگ نقش ونگار سے مزین کرایا اور طائف سے عرعر (چیل) کی لکری کافی مقدار میں منگوا کر بقیہ ضرورت کو پورا کیا۔

جب لکڑی کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا تو مغربی جانب کی پوری چھت عرعر کی اور ساتھ ہی شامی سمت سے باب العجلہ تک چھت مکمل کرنے کا پروگرام طے ہوا۔ تراشیدہ پتھروں کے ستونوں ہی پر چھت مکمل کی گئی۔ مشرقی، یمانی اور شمالی چھت میں قندیلیں لٹکانے کیلئے تانبے اور لوہے کی زنجیریں لٹکائی گئیں۔ البتہ مغربی جانب جو آگ سے جل گئی تھیں اس میں زنجیریں نہیں تھیں، جو حلقے صحن کی جانب بنائے گئے ان میں تین تین زنجیریں آویزاں تھیں۔ بہر حال تینوں جانب کے علاوہ حسب ضرورت چھت کی اصلاح اور تعمیر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، جس پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی۔

علامہ ازرقی لکھتے ہیں:

''۶۴ھ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر کے دور میں جب یزیدی فوجوں نے کعبہ شریف پر سنگ باری کی اور اسی اثناء میں کعبہ

شریف خوفناک آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس حادثہ عظیمہ میں حجر اسود کو بھی شدید صدمہ پہنچا۔ یہ ٹوٹ کر تین ٹکڑوں میں بٹ گیا، جسے شعبہ ابن زبیر نے چاندی کے تین انچ موٹے خول میں مضبوطی کے ساتھ محفوظ کر دیا۔''

۱۸۹ھ کو خلیفہ ہارون الرشید جب عمرہ کی ادائیگی کیلئے آیا تو اس نے دیکھا کہ مذکورہ چاندی ڈھیلی پڑ گئی ہے، خلیفہ نے حجر اسود کے ٹکڑوں کو مربوط اور محفوظ کرنے کی غرض سے ابن الطحان مولی المشعل سے الماس کے ذریعہ اس میں سوراخ کرائے اور ان میں چاندی بھر دی، وہ چاندی آج (علامہ ازرقی کے زمانہ میں) بھی موجود ہے۔ (اخبار مکہ: ۲۴۶)

علامہ کردی نے حجر اسود کو چاندی کے طوق میں محفوظ اور ملفوف کرنے کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں:

''۶۴ھ میں سیدنا عبد اللہ بن زبیر نے چاندی کا طوق پہلی مرتبہ چڑھایا۔ ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے حجر اسود کے نیچے اور اوپر والے پتھر میں الماس کے ذریعہ سوراخ کر کے چاندی کا طوق مضبوطی سے چڑھایا۔ ۳۱۷ھ میں جب قرامطہ اسے اکھاڑ کر لے گئے تھے اور پھر ۳۳۹ھ میں واپس لایا گیا، تو اسے عارضی طور پر چونا وغیرہ سے لگایا گیا تھا، مگر ۳۴۰ھ میں آل شیبہ نے ۳۰۹۷ درہم وزنی چاندی کا طوق بنا کر اسے مضبوطی سے نصب کیا۔ ۱۰۹۷ھ میں شیخ الحرم احمد پاشا نے نیا طوق چڑھایا۔ ۱۲۶۸ھ میں سلطان عبد الحمید خان نے سونے کا طوق چڑھایا، جس پر آیت الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ ۱۲۸۱ھ میں سلطان عبد العزیز خان نے سونے کا طوق اتار کر چاندی کا طوق چڑھایا۔ ۱۳۳۱ھ میں سلطان محمد رشاد خان نے چاندی کا نیا طوق چڑھایا جو ۱۳۷۵ھ تک قائم رہا۔ آخر میں شاہ سعود بن عبد العزیز آل سعود نے نیا طوق چڑھایا جو آج تک موجود ہے۔''

۳۱۷ھ میں جب مکہ مکرمہ قرامطہ کے دست تصرف میں آیا تو ابو طاہر سلیمان بن الحسن نے جو قرامطہ کا سردار تھا، حرم محترم میں خون کی ہولی کھیلی۔ ۸ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو اس قدر قتل عام کیا کہ حجاج کی لاشوں سے چاہ زمزم بھر گیا۔ شہر اور مضافات کے تیس ہزار بے قصور افراد کو موت کی نیند سلا دیا جن میں سترہ سو حاجی اور سات سو طواف کرنے والے بھی شہید ہو گئے۔ اس نے یہ سارا کھیل میزاب رحمت یعنی کعبہ شریف کا پرنالہ جو سونے کا تھا، اکھاڑنے، مقام ابراہیم اور حجر اسود چوری کرنے کی نامشکور جسارت کیلئے کھیلا تھا۔

دو آدمی اس مذموم حرکت کے لئے کعبہ شریف پر چڑھے مگر آن واحد میں سر کے بل زمین پر گر کر واصل جہنم ہو گئے۔ مقام ابراہیم تو اس کے دست تصرف سے مامون رہا، کیونکہ خدام حرم نے اسے پہاڑ کی گھاٹی میں کہیں چھپا دیا تھا۔ مگر ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ بروز اتوار عصر کے وقت جعفر بن حلاج نے ابو طاہر کے حکم سے حجر اسود کو کدال سے اکھاڑ لیا۔ اس پر کئی ضربیں لگائیں جس سے کچھ ریزے ٹوٹ گئے اور اپنے ساتھ بحرین لے گئے اور اس کی جگہ خالی رہ گئی۔ طواف کرنے والے بس اس جگہ ہاتھ رکھ کر ہاتھ ہی کا بوسہ دے لیا کرتے تھے، تقریباً بائیس سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بحرین کے شہر ''ہجر'' سے بروز بدھ ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو یہ مبارک پتھر واپس ہوا۔ واپسی بھی معجزہ نما تھی۔ قرامطیوں سے بار بار واپسی کا مطالبہ جب زور پکڑ گیا تو انہوں نے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ وہ پتھر تو دوسرے پتھروں میں مل کر جل گیا ہے، ان میں سے اسے الگ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علامت ہے تو اسے تلاش کر لو۔ چنانچہ علماء کرام سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ان سب پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے جو پتھر آگ میں پگھل یا پھٹ جائیں وہ حجر اسود نہیں لیکن حجر اسود کو آگ متاثر نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ جنت کا پتھر ہے۔ اس طرح اس مقدس پتھر کی برتری اور مقبولیت کا لوہا منوا کر اسے واپس لوٹایا گیا، اور پھر سے کعبہ شریف کی زینت بنا دیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ ظالم ابو بکر چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوا۔ اس کا جسم پھٹ گیا اور نہایت ذلت کے ساتھ مرا۔ اس واقعہ کے بعد اس کی حفاظت کے لئے تین ہزار سینتیس درہم چاندی کا ایک وزنی طوق بنا کر اس کے اندر نصب کر دیا گیا جو آج

تک موجود ہے (علامہ قطب الدین کے زمانہ تک)۔'' (اعلام الاعلام: ۱۶۵)

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں:

''ابوطاہر کرامتی بد بخت کو ابرہہ کی طرح بیت اللہ کی بجائے اپنے شہر ہجر میں حج کا اجتماع کرانے کا جنون دماغ میں پیدا ہوا، اس نے اس غرض سے ایک عالیشان محل بنوایا جس کا نام ''دار الہجرہ'' رکھا۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں حج کے ایام میں ایک لشکر جرار لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا، طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حاجیوں پر دست ستم دراز کیا۔ حد یہ کہ حرم محترم کے اندر بھی بے دریغ قتل کیا۔ شہر کے علاوہ گردونواح میں قتل عام کا بازار گرم کیا، تیس ہزار بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے، اس قدر روح فرسا واقع کبھی رونما نہیں ہوا تھا، وہ ظالم کہتے تھے کہ تم مسلمان کہتے ہو: ''من دخله كان امنا'' بتاؤ اب امن کہا گیا۔؟

ایک آدمی میزاب کعبہ اکھاڑنے کے مذموم ارادہ سے کعبہ شریف کی چھت پر چڑھا۔ جسے جبل ابی قبیس سے کسی نے تیر کا نشانہ بنایا اور وہ آناً فاناً مردار ہو کر نیچے گر پڑا۔ پھر دوسرے آدمی کو حکم دیا کہ تم میزاب اتار لاؤ۔ وہ بد بخت جب چھت پر چڑھا تو سر کے بل گر کر جہنم رسید ہو گیا۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک آدمی قاضی یحییٰ بن عبد الرحمان بن ہارون القرشی جو بمعہ اہل وعیال وادی رہجان میں روپوش ہو گئے تھے، ان کے گھر کا تمام اثاثہ جس کی مالیت ایک لاکھ دینار تھی لوٹ لیا گیا۔

لوگ اس سال فریضہ حج کی ادائیگی سے بھی محروم رہے اور حج اس فتنہ کبریٰ کی نظر ہو گیا۔

علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں:

''ابوطاہر نے کعبۃ اللہ کا دروازہ اکھاڑ پھینکا، غلاف کعبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے فوجیوں میں بانٹ دیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کے ساتھ لے گئے، اہل مکہ کے گھربار اور مال و متاع لوٹ لیا۔ اس نے روانگی کے وقت یہ اعلان کیا آئندہ سے حج اس کے ہاں ہوا کرے گا۔ خلافت مستکفی کے امراء نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح حجر اسود واپس آ جائے، انہوں نے پچاس ہزار دینار سرخ کی پیشکش بھی کی، مگر قرامطی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ اس خیال فاسد پر قائم تھا کہ یہ ناپاک جسارت اپنے امام عبید اللہ المہدی والی افریقہ کی خوشنودی کیلئے کر رہا ہے۔ لیکن جب منصور اسماعیل نے قیروان سے حجر اسود کی واپسی کا مطالبہ شدت سے کیا اور ادھر عبید اللہ المہدی نے بھی ابوطاہر کو سختی سے ڈانٹا کہ اگر حجر اسود واپس نہ کرو گے تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اس لئے مجبوراً ۳۳۹ھ میں واپس کرنا پڑا۔ جب کہ اس سے قبل خلافت مستکفی کی جانب سے پچاس ہزار دینار کے عوض بھی واپس کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا تھا۔'' (ابن خلدون، جلد ۵، صفحہ ۱۹۶)

خلیفہ عبید اللہ المہدی کا خط جو ابوطاہر قرامطی کو لکھا گیا تھا۔ اس کا متن حسب ذیل ہے:

''تیرا خط دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ تو نے ایسی ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیوں کیا؟ اور تجھے ایسے افعال شنیعہ کی جرأت کیسے ہوئی۔ تو نے تو اس مقدس گھر کی عزت و توقیر کو تاخت و تاراج کر دیا جہاں زمانہ جاہلیت میں بھی خونریزی اور اہل مکہ کی اہانت ممنوع اور حرام سمجھی جاتی تھی۔ تو نے کتنی بڑی زیادتی کی کہ حجر اسود جو یمین اللہ فی الارض ''زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے'' جس سے اللہ کے بندے مصافحہ کرتے ہیں، اسے اکھاڑ لایا؟ اس فعل شنیع اور قبیح حرکت پر تیرا دل خوش تھا کہ میں تیرا شکر ادا کروں؟ تیرے اس فعل شنیع پر خدا کی لعنت ہو اور پھر لعنت ہو! اور سلام ہو اس انسان پر جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔'' (ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۲۱۴)

علامہ تقی الدین فاسی فرماتے ہیں:

''حجر اسود کی واپسی چار دن کم بائیس سال بعد ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو ہوئی۔ سبز بن حسن قرامطی حجر اسود لایا اور اپنے ہاتھوں اسے نصب کیا، اس پر پہلے سے کچھ چاندی موجود تھی مگر اس نے چونا لگا کر اسے مضبوط کر دیا۔''

حافظ نجم الدین بن فہد القرشی فرماتے ہیں:

''قرامطی مکہ مکرمہ میں گیارہ دن رہے اور مکہ معظمہ سے ''ہجر'' تک، حجر اسود کو لے جانے میں چالیس اونٹ راستہ میں ہلاک ہوئے۔'' (تاریخ الکعبہ:۱۵۴)

امام علی بن سلطان القاری نے اس سلسلہ میں ہلاک ہونے والے اونٹوں کی تعداد ایک سو بیان کی ہے، جب کہ ہجر سے مکہ شریف تک واپسی میں صرف ایک ہی اونٹ پر آسانی سے لے آئے تھے۔ (مرقاۃ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۰)

اس واقعہ کے چند ماہ بعد کعبہ شریف کے خدام آل شیبہ نے حجر اسود کو صحیح طرح مضبوط کرنے کی غرض سے اکھاڑا، وہ چاہتے تھے کہ جس طرح سیدنا ابن زبیر نے اسے چاندی میں مڑھا تھا، اسی طرح چاندی کا خول بنا کر نہایت مضبوطی کے ساتھ اسے نصب کیا جائے، تاکہ آئندہ کیلئے اس کی حفاظت بھی رہے۔ چنانچہ انہوں نے ۳۰۹۷ درہم چاندی تقریباً گیارہ سیر چار چھٹانک اور ۵ ماشے کا طوق بنا کر نصب کر دیا۔

امام تقی فاسی کا فرمان ہے کہ یہ چاندی بھی ۵۸۵ھ میں داؤد بن عیسیٰ بن فلیتہ الحسنی امیر مکہ نے اپنی معزولی سے پہلے اتار لی تھی، جس کی بنا پر موجودہ چاندی ۳۳۹ھ میں آل شیبہ کی لگائی ہوئی نہیں ہے۔

۳۶۳ھ میں ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ گرمی شباب پر تھی اور طواف کرنے والے اِکا دُکا ہی تھے، ایک آدمی نقاب پوش وارد ہوا، اس کے ہاتھ میں پھاوڑا تھا، تیزی کے ساتھ حجر اسود کی طرف بڑھا، کسی کو کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے، آتے ہی پوری قوت کے ساتھ حجر اسود پر کدال ماری، ابھی دوسری ضرب لگانے نہیں پایا تھا کہ ایک یمنی نوجوان نے جو طواف کر رہا تھا جرأت کر کے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حرم شرف کے کونے کونے سے لوگ فوراً جمع ہو گئے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ رومی باشندہ تھا، جسے بڑی تعداد میں مال دیا گیا کہ حجر اسود کو نکال کر لے آؤ، لیکن اللہ رب العزت نے اس کے شر سے حجر اسود کو محفوظ فرما لیا۔ لوگوں نے گھسیٹ کر اسے حرم شریف سے باہر نکالا اور بہت سی لکڑیاں جمع کر کے جلا دیا۔ (تاریخ الکعبہ:۱۵۶)

امام فاکہی رقمطراز ہیں:

''۴۱۳ھ میں ایک آدمی نے کدال سے تین ضربیں حجر اسود پر لگائیں جس سے ناخن کے برابر چند ٹکڑے جدا ہو گئے اور حجر اسود میں شگاف بھی پڑ گیا۔ دو دن یہ مبارک پتھر اسی حال میں رہا اور پھر بنی شیبہ نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ اس کی مرمت کس چیز کے ذریعہ کی جائے، طے یہ پایا کہ لاکھ میں کستوری ملا کر ان ٹکڑوں کو جوڑ دیا جائے۔''

امام ابن اثیر نے یہ واقعہ ۴۱۴ھ کے حوادثات میں بیان کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن سرخ رنگ، لمبے قد، لمبے بالوں والا ایک موٹا تازہ شخص حرم میں داخل ہوا، جس کے ایک ہاتھ میں کدال اور دوسرے میں تلوار تھی، معلوم یہ ہوتا تھا کہ حجر اسود کا استلام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس نے آتے ہی تین بار کدال سے وار کیا، جس سے حجر اسود کے تین ٹکڑے ناخن کے برابر ٹوٹ گئے اور کہنے لگا: حجر اسود تو کب تک لوگوں کا معبود بنا رہے گا؟ آج میں تجھے اور کعبہ کو مسمار کر کے جاؤں گا۔ اس کی پشت پناہی کے لئے دس گھڑ سوار حرم کے دروازہ

پر کھڑے تھے۔ حاضرین اس کی بیبا کی سے خوفزدہ ہو گئے، لیکن اہل مکہ سے ایک آدمی سے اسے دبوچ لیا اور تلوار سے پے در پے وار کر کے اس قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے معاونین پر بھی لوگوں نے ہلہ بول دیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس ظالم کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے اور اس کے ساتھیوں کو آگ میں جلا دیا۔

اسی طرح ۹۱۹ھ میں ایک عجمی نے حجر اسود پر کدال سے حملہ کیا، جب کہ اس وقت مکہ معظمہ میں ناصر جاوش امیر تھے۔ علامہ سنجاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اوائل ربیع الاول ۱۰۹۷ھ میں شیخ الحرم نے حجر اسود کا ایک نیا مضبوط طوق بنا کر اس کے اوپر لگایا جو ۱۳۵۱ھ تک قائم رہا۔ اس سال محرم کے اواخر میں افغانستان کا ایک فارسی باشندہ آیا اور ایک ٹکڑا حجر اسود کا توڑ لیا اور ستارہ کعبہ کا کچھ حصہ چرا لیا اور کعبہ شریف کی سیڑھی جو چاہ زمزم اور باب شیبہ کے مابین رکھی ہوئی تھی اس سے چاندی کا کچھ حصہ اتارا، لیکن بعد میں گرفتار کر کے اسے بھی کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود طائف سے ریاض جاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں آئے۔ ان کے ساتھ رئیس القضاۃ الشیخ عبداللہ بن حسن اور شیخ عبداللہ الشیبی اور دیگر معززین اور امراء وکبراء بھی تھے اور پولیس کپتان محمد مہدی بک بھی آموجود ہوئے۔ چنانچہ ایک کیمیاوی مرکب میں کستوری اور عنبر ملا کر مذکورہ افغانی کے توڑے ہوئے ٹکڑوں کو شاہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کی جگہ نصب کیا اور پھر کاریگروں نے انہیں اچھی طرح مضبوط کر دیا۔ (تاریخ الکعبہ: ۱۵۲ تا ۱۵۸)

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

''مختلف اوقات میں حجر اسود پر جو حوادثات آتے رہے اور ٹوٹ کر کچھ ٹکڑے جدا ہوتے رہے، انہیں دوبارہ مصالحہ وغیرہ لگا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۱۳۳۶ھ میں چھوٹے بڑے پندرہ ٹکڑے سامنے نظر آتے تھے، لیکن ربیع الاول ۱۳۷۶ھ میں آٹھ ٹکرے شمار کیے ہیں۔

باب نمبر 2:

مقام ابراہیم......قرآن واحادیث کی روشنی میں

مقام ابراہیم جنتی یاقوت:

مقام ابراہیم ایک عظیم اسلامی نشان ہے، اس کی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے لے کر آج تک حجر اسود کی طرح حفاظت کی ہے۔ اس کی دلیل ترمذی کی وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ تحقیق رکن اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو مٹا دیا۔ اگر ان کا نور نہ مٹاتا تو مشرق سے مغرب تک ان کی روشنی ہوتی۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۲۸)

یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف بیان کی گئی ہے۔

امت مسلمہ کے دو نشان:

اللہ تعالیٰ نے مسلمان امت کو ان دو نشانیوں سے خاص کیا ہے۔ چنانچہ حجر اسود کو مبدء طواف اور اختتام طواف ٹھہرایا ہے اور مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دیا۔ دیگر امتوں میں سے کسی امت کے پاس ایسے نشانات موجود نہیں جو ہمیشہ قائم رہیں اور زمانہ قدیم سے ان کا وجود باقی ہو۔ ان دونوں عظیم الشان نشانات کی نظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ دونوں قیامت تک مسجد حرام میں محفوظ رہیں گے۔

قرآن اور مقام ابراہیم کا ذکر:

قرآن کریم میں مقام ابراہیم کا ذکر یوں آیا ہے:

((واتخذو امن مقام ابراهيم مصلى))

''مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔''

علامہ بیضاوی نے ''واتخذوا'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ خطاب امت محمد ﷺ کے لئے بطور استحباب ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم کے قدم کا نشان ہے یا وہ جگہ ہے جہاں پتھر رکھا ہوا تھا جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے لوگوں کو حج کی دعوت دی اور بیت اللہ شریف کا دروازہ اونچا کیا، آج اس کی وہی جگہ ہے۔

مقام ابراہیم پر سونے کا گنبد:

ابن جبیر اندلسی نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس کی صفت بیان کی ہے۔ انہوں نے ۵۷۸ھ میں حج کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ قابل توقیر وتعظیم مقام جو اس گنبد کے نیچے واقع ہے یہ مقام ابراہیم ہے۔ یہ ایک پتھر ہے۔ اس پر چاندی چڑھی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی تین بالشت اور اس کی وسعت دو بالشت ہے۔ بالائی حصہ زیریں حصہ سے وسیع ہے۔ اس پر دونوں قدموں اور انگلیوں کے نشانات واضح نظر آرہے ہیں۔ مقام ابراہیم کے اوپر ایک سونے کا گنبد بنا ہوا ہے۔ وہ زمزم کی جانب پڑا ہے۔ جب حج کے ایام ہوتے ہیں اور لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے اور سونے کا قبہ اوپر نصب کیا جاتا ہے۔''

تنصیب مقام ابراہیم:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر سے فارغ ہو کر اسے کعبہ شریف کے دروازہ کے متصل رکھ دیا، مگر بعد میں حضرت نبی کریم ﷺ نے، یا سیدنا فاروق اعظم نے موجودہ جگہ پر نصب فرمایا، جہاں آج بھی جلوہ افروز ہے۔ علامہ ابن کثیر پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر کے عہد خلافت میں یہ کعبہ شریف کے متصل تھا مگر حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں اسے موجود جگہ نصب فرمایا۔ (ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱) (روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۳۷۹)

علامہ محمود آلوسی نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ جس جگہ اب مقام ابراہیم نصب ہے یہاں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کعبہ کے وقت اپنے لئے جھونپڑی بنائی تھی، جب کام سے فارغ ہوتے تو یہ پتھر اپنی جھونپڑی میں رکھ لیتے تھے، لیکن آپ کے بعد اسے کعبہ شریف کے متصل نصب کر دیا۔ (روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۳۷۹)

علامہ طاہر کردی امام ابن کثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ابن مردویہ سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم کعبہ شریف کے اندر تھا، نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے باہر نکال کر کعبہ شریف کے قریب نصب کر دیا۔''

علامہ موصوف ان روایات میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں، چونکہ یہ بے حد قیمتی جنت کا یاقوت تھا، اس لئے اس کی حفاظت بھی انتہائی ضروری تھی۔ بنابریں سیدنا ابراہیم نے اسے کعبہ شریف کے قریب نصب فرما دیا ہو، لیکن بعد کے زمانہ میں سیلاب وغیرہ کے خطرہ

کے باعث اسے کعبہ شریف میں محفوظ کر دیا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے پھر باہر نصب فرمایا، جسے سیدنا فاروق اعظم نے موجودہ جگہ نصب فرما دیا۔ (تاریخ القویم، جلد ۴، صفحہ ۲۲)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم کے عہد خلافت میں ۱۷ھ کو زبردست بارش ہوئی، جس سے تباہ کن سیلاب آ گیا اور کعبہ شریف میں بھی پانی داخل ہو گیا۔ یہ سیلاب ''ام نہشل'' کے نام سے مشہور تھا، کیونکہ اس سیلاب میں ام نہشل بنت عبیدہ بن سعید بن العاص ڈوب کر مر گئی تھی۔ سیلاب مقام ابراہیم کو بھی بہا کر لے گیا اور مکہ کے نشیبی علاقہ میں جا پھینکا۔

چنانچہ بڑی جدوجہد کے بعد اسے تلاش کیا گیا اور پھر کعبہ شریف کے متصل نصب کر دیا، اور اس حادثہ کی اطلاع امیر المومنین کو بھی کر دی گئی۔ انہیں اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپ رمضان شریف میں عمرہ کیلئے تشریف لائے۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے اعلان فرمایا کہ اگر کسی کو مقام ابراہیم کی جگہ کا صحیح علم ہو تو آگاہ کرے۔ چنانچہ مطلب بن ابی وداعہ نے کہا:

''امیر المومنین! مجھے اس کی صحیح جگہ کا علم ہے۔ اس بات کا مجھے پہلے ہی خدشہ تھا، جس کے پیش نظر میں نے ایک مضبوط رسی سے اس کی مختلف مقامات سے پیائش کر لی تھی۔ میں نے حجر اسود سے مقام ابراہیم کا فاصلہ، حطیم کے دروازہ سے اور چاہ زمزم سے اس کا فاصلہ ناپ لیا تھا اور وہ رسی میرے گھر میں محفوظ ہے۔''

خلیفۃ المسلمین نے فرمایا:

''آپ میرے پاس تشریف رکھیں، اور آدمی بھیج کر رسی منگوا لیں۔ جب وہ رسی آ گئی تو ہر سمت سے ناپا، تو یہی جگہ متعین ہوئی جہاں آج بھی مقام ابراہیم جلوہ فگن ہے۔ اس کے باوجود حضرت امیر المومنین نے حاضرین سے بھی دریافت کیا، کیا یہی جگہ تھی؟ تو سب نے اس بات کی شہادت دی۔ تب مقام وہاں نصب فرما دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ۲۰۲ھ میں بھی زبردست سیلاب آیا جس سے مقام ابراہیم ظاہر ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کا دیدار کیا۔
(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۴۷) (اخبار مکہ: ۲۷۵)

سیدنا فاروق اعظم نے جہاں مقام ابراہیم کو اپنے دست حق پرست سے نصب فرمایا تھا اسی جگہ آج بھی موجود ہے، اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی جگہ رونق افروز رہے گا۔ ۱۳۷۷ھ میں سعودی حکومت نے طواف کرنے والوں کی تکلیف کے پیش نظر مطاف سے باہر منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا، کیونکہ حج کے دوران اس مقام پر طواف کرنے والوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن علماء کرام نے حکومت کی اس تجویز کے خلاف بیانات دیئے جس کی وجہ سے حکومت نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

کعبہ کے دروازہ سے گیارہ میٹر کے فاصلہ پر:

اللہ رب العزت نے مقام ابراہیم کا ذکر قرآن مجید میں بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ یہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے جس کے ساتھ حسین و جمیل اسلامی اور تاریخی یادیں وابستہ ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ مہتاب اپنی نرالی شان کے ساتھ کعبہ شریف کے دروازہ کے سامنے گیارہ میٹر کے فاصلہ پر جلوہ نما ہو مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

منور یاقوت:

سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو بجھا دیا ہے۔ ورنہ یہ مشرق سے مغرب تک ہر ایک چیز کو منور کر دیتے۔ (سنن ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۰۷)

جنت کا یہ یاقوت ایک تابناک تاریخ کا حامل ہے۔ اس کی عظمتوں، رفعتوں اور شرف و مجد کے روح پرور تذکرہ سے تاریخ کے

اوراق لبریز ہیں۔ اسلامی عظمتوں کے اس عظیم شاہکار کے تاریخی پس منظر کو محدثین عظام، مفسرین اعلام اور امت کے مشاہیر مورخین نے نہایت تزک واحتشام اور بے حد اہتمام واحترام سے اپنے علمی شہ پاروں کی زینت بنایا ہے۔ اس عظیم المرتبت پتھر کی خصوصیات وکیفیات عالم انسانی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

تعمیر کعبہ میں معاون:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جب کعبہ تعمیر فرمارہے تھے تو یہ پتھر حکم ربی سے خود بخود اوپر نیچے ہوتا اور آگے بڑھتا تھا۔ اس طرح یہ تعمیر میں ممدومعاون ثابت ہوا۔ اس کی لطافت اور نظافت جس پر دنیا جہاں کی لطافتیں، نظافتیں قربان جائیں اور اس کی اثر پذیری اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ اپنے کثیف وثقیل بدن کے باوجود خلیل اللہ علیہ السلام کے نقش پا کو سینے سے سجالیا، جو اس کا قیمتی سرمایہ حیات اور مایہ افتخار بن گیا۔ اس کی تقدیسی ایسی رفعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے کہ جس کے سامنے ہمالیہ سرنگوں، کوہ قاف پابوس اور جبل ابوقبیس کی بلند وبالا جسامت بھی شرمندہ ہے۔

مقام ابراہیم کی حقیقت:

مقام ابراہیم کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں محدثین، مفسرین اور مورخین کے درج ذیل اقوال ہیں:

۱۔ مقام ابراہیم وسیع تر معنوں میں پورے حرم شریف پر اطلاق کرتا ہے۔

۲۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جب اپنی زوجہ محترمہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو سواری سے اترے، چڑھتے وقت اسی پتھر پر پاؤں رکھتے تھے۔

۳۔ یہی وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہوکر کعبہ شریف تعمیر فرمایا تھا۔

۴۔ یہ پتھر حجر اسود کی طرح جنت سے سیدنا آدم کے ساتھ اتارا گیا تھا۔

۵۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم نے پاؤں رکھا اور آپ کا سر مبارک بہو نے دھویا۔

مقام ابراھیم کا اطلاق پورے حرم پر ہوتا ہے: مجاہد اور نخعی وغیرہ کا قول ہے کہ ''مقام ابراہیم'' کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں بلکہ پورے حرم شریف کو مقام ابراہیم کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس، مجاہد اور عطاء سے بھی منقول ہے کہ اس سے مراد حج کے مقامات ہیں۔ یونہی شمعون اور ابی رباح سے روایت ہے کہ اس سے مراد عرفات، مزدلفہ اور تینوں جمرات ہیں **واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** کا مصداق یہ ہے کہ جہاں جہاں سیدنا ابراہیم دعا کے لئے کھڑے ہوئے ہیں تم بھی وہاں اللہ کریم سے گریہ وزاری کر کے دعا مانگو۔

حضرت ابراھیم کے ذاتی استعمال میں: سیدنا ابراہیم جب اپنی بیوی اور بیٹے کی ملاقات کو تشریف لاتے تھے تو سواری سے اترتے اور چڑھتے وقت جس پتھر پر پاؤں رکھتے، اس میں نشانات پڑ گئے تھے، اسی پتھر کو بعد میں آپ نے تعمیر کے وقت استعمال فرمایا تھا۔

تعمیر کعبہ میں معاون: سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل مل کر کعبہ شریف کی تعمیر فرمارہے تھے۔ جب دیواریں قدریں بلند ہوگئیں اور پتھر لگانے میں دشواری ہونے لگی تو حضرت خلیل اللہ نے اپنے فرزند دلبند سے فرمایا:

''کوئی پتھر تلاش کر لاؤ، جس پر کھڑے ہوکر سہولت سے دیواریں بنائی جاسکیں۔''

چنانچہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ یہ پتھر لائے اور حضرت خلیل اللہ نے اسے پاڑ بنا کر حسب منشاء دیواریں بلند کر دیں۔

قدرت خداوندی کا کرشمہ اور حضرت ابراہیم کا معجزہ تھا کہ وہ سنگ خارا سخت جان ہونے کے باوجود ایسا گلبدن ہو گیا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے انمٹ نقش پا کر حرز جان بنالیا۔ جو آج بھی جلوہ گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ آپ کے پاؤں ٹخنوں تک پتھر میں گڑھ گئے تھے، جب آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس پتھر کو کعبہ شریف کے متصل باب کعبہ سے حجر اسود کی جانب رکھ دیا۔ حضرت ابن عباس، جابر اور قتادہ سے یہی قول مروی ہے۔ (بخاری، جلد ۱:۴۷۶)

سیدنا آدم جنت سے لائے تھے: حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حجر اسود کی طرح مقام ابراہیم بھی حضرت آدم کے ساتھ جنت سے اتارا گیا تھا۔ (اخبار مکہ:۲۲۹)

حضرت ابراہیم کے پاؤں کے نیچے رہنے والا پتھر: جب سیدنا ابراہیم اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے مگر وہ گھر پر موجود نہیں تھے، ان کی بیوی عمارہ نے آپ کی عزت و تکریم اور بے حد تعظیم کی اور اس وقت کے دستور کے مطابق التجا کی کہ چچا جان! آپ براق سے اتر کر استراحت کریں اور میں آپ کے گرد آلود سر کے بال دھونے کی سعادت حاصل کروں، لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں۔

چنانچہ نیک خصال بہو ایک پتھر لائی اور اسے آپ کے دائیں پاؤں کے نیچے رکھا۔ آپ نے پتھر پر پاؤں رکھ کر سر کو دائیں جانب جھکا دیا، اور بہو نے اسے دھویا۔ پھر پتھر بائیں پاؤں کے نیچے رکھ کر سر کی دوسری جانب بھی دھوئی۔ جہاں آپ نے پتھر پر پاؤں مبارک رکھے تھے وہاں ٹخنوں تک اس میں گڑھ گئے اور بہت گہرے نشانات مرتسم ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل گھر تشریف لائے تو زوجہ مکرمہ نے سارے واقعات سے آپ کو مطلع کیا اور یہ بات خصوصیات اور تعجب سے بتائی کہ جس پتھر پر انہوں نے پاؤں رکھے تھے، اس میں اب بھی گہرے نشانات موجود ہیں۔ سیدنا اسماعیل نے اسے ایک معجزہ قرار دیا اور اس پتھر کو گھر میں عزت و تکریم سے محفوظ فرمالیا۔

پھر جس وقت تعمیر بیت اللہ کے لئے حضرت ابراہیم تشریف لائے اور دوران تعمیر پہاڑ بنانے کیلئے کوئی پتھر لانے کو کہا تو حضرت اسماعیل نے وہی پتھر لا کر پیش کر دیا۔ (روح المعانی، جلد ۹، صفحہ ۱۴۳) (تفسیر کبیر، جلد ۱، صفحہ ۱۵۶)

مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا حکم:

چنانچہ سیدنا جابر سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے تو امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم کا مقام ہے جس کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے:

((واتخذوا من مقام ابراهيم مصلىٰ))

ارشاد ہوا: یہی وہ مبارک مقام ہے جسے نماز کی جگہ بنانے کا موقع ملا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۱۴)

امام المحدثین امام بخاری نور اللہ مرقدہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں، امیر المومنین سیدنا فاروق فرماتے ہیں کہ تین معاملات میں اللہ کریم نے میری رائے سے موافقت فرمائی ہے:

۱۔ مقام ابراہیم کے متعلق میں نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ کیوں نہ ہم اسے نماز کی جگہ مقرر کر لیں، تو اللہ جل شانہ نے یہ فرمان ذیشان نازل فرمایا:

((واتخذو من مقام ابراهيم مصلىٰ))

''مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔''

۲۔ امہات المومنین کے پردہ کرنے کا مشورہ میں نے دربار مصطفوی ﷺ میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیات نازل فرمادیں۔

۳۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ سید الانبیاء ﷺ نے رخ انور ازواج مطہرات سے پھیر لیا ہے تو میں نے امہات المومنین سے کہا کہ اگر تم اس خیال سے باز نہ آئیں تو خالق کائنات تم سے بھی اچھی بیویاں اپنے محبوب کو عطا فرمادے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم میں **عسیٰ ربہ** کی آیت نازل فرمائی۔ (بخاری، جلد۲، صفحہ۶۴۴)

جب امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود محمود ہوا تو آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ سات چکر پورے کر لینے کے بعد ''مقام ابراہیم'' کے پیچھے کھڑے ہو کر طواف کی دو رکعات ادا فرمائیں۔ (بخاری، جلد۲، صفحہ۶۴۴)

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عمر فاروق کا ہاتھ پکڑ کر مقام ابراہیم کے پاس لے گئے اور فرمایا: عمر یہ مقام ابراہیم ہے۔

حضرت عمر نے عرض کیا: ہم اسے نماز کی جگہ کیوں نہ مقرر کرلیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں ابھی تک اس بات کا حکم نہیں دیا گیا، لیکن اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یہ آیت نازل ہوگئی۔ (روح المعانی، جلد۱، صفحہ۳۸۰)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر اس آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

((واتخذو من مقام ابراھیم مصلیٰ))

پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیم آپ کے اور کعبہ شریف کے درمیان تھا۔ آپ ﷺ نے طواف کے دو نفل ادا فرمائے، بعد ازاں حجر اسود کا استلام کیا۔ (مسلم، جلد۱، صفحہ۳۹۵) (نسائی، جلد۲، صفحہ۳۶)

ان دو رکعات میں آپ نے **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** پڑھی۔

سیدنا ابراہیم کے قدموں کے نشان:

پتھر کی چٹان پر قدموں کے نشانات پڑ جانا اور چٹان کے اندر پاؤں کے ٹخنوں تک سما جانا اور پھر پتھر میں اتنا گہرا گڑھا بن جانا اور آثار انبیاء میں سے صرف اسی اثر کا اتنے زمانہ تک باقی رہنا اور کثرت اعداء (یہود ونصاریٰ وغیرہ) کے باوجود ہزاروں برس تک اس کا محفوظ رہنا، کعبہ شریف کا قبلہ ہونے کا ایک بین ثبوت ہے۔

مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان حج:

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو جب بارگاہ خداوندی سے اعلان حج کا حکم ملا تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ قدرت خداوندی سے وہ اس قدر بلند اور اونچا ہو گیا کہ دنیا کے پہاڑوں کی بلندی اس کے سامنے ہیچ ہو گئی۔ یہ جبل ابی قبیس سے بھی بلند ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی آواز کو اللہ تعالیٰ نے اطراف واکناف عالم اور عرش سے فرش تک پہنچا دیا۔

(تفسیر کبیر، جلد۱، صفحہ۴۴۳۔۴۷) (روح المعانی، جلد۹، صفحہ۱۴۳)

مقام ابراہیم اور اس کے قبے کی پیمائش:

علامہ ازرقی جو ۲۴۰ھ کے لگ بھگ ہوئے ہیں اپنی بہترین کتاب ''اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار'' کی جزء ثانی، صفحہ۲۹ پر مقام ابراہیم کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کی پیمائش ایک ہاتھ ہے۔ یہ مربع شکل کا ہے، اس کا پھیلاؤ اوپر سے چودہ ضرب چودہ انگشت اور نیچے سے بھی تقریباً

اتنا ہی ہے۔اس کے دونوں کناروں پر سونے کی پٹیاں ہیں۔ان دونوں پٹیوں کے درمیان جو پتھر ہے وہ نظر آرہا ہے۔اس پر کوئی سونا نہیں لگا ہوا، تمام کناروں سے اس کی لمبائی نو انگشت ہے اور عرض اور طول دس مربع انگشت ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس پر سونا نہیں لگا ہوا تھا۔ جو امیر المومنین متوکل علی اللہ نے لگایا تھا۔ پھر مقام ابراہیم کا عرض تمام اطراف سے اکیس انگشت ہو گیا۔اس کا وسط مربع ہے۔دونوں قدموں اور سات انگلیوں کے نشانات پتھر پر موجود ہیں۔ان دونوں قدموں کا اندرونی حصہ مڑا ہوا ہے اور پتھر پر دونوں قدموں کے درمیان دو انگشت کا فاصلہ ہے۔اس کا درمیانی حصہ بار بار ہاتھ لگانے سے باریک ہو چکا ہے۔ ساگوان (چیڑ کا درخت) کی لکڑی کا ایک صندوق بنا ہوا ہے، اس پر چھت ہے، مقام کے پچھلی جانب چیڑ کی لکڑی لگی ہوئی ہے۔اس کے دونوں جانب جالیاں ہیں جو صندوق سے نیچے تک لگی ہوئی ہیں۔اس کو دو قفل لگائے جاتے ہیں۔''(اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۳۸)

ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفر نامہ حج ۵۷۸ھ میں لکھا ہے:

''یہ قابل احترام پتھر جو اس گنبد کے نیچے واقع ہے مقام ابراہیم ہے۔اس پتھر پر چاندی کا ملمع کیا ہوا ہے۔اس کی بلندی تین انگشت اور اس کا پھیلاؤ دو انگشت ہے۔اس کا بالائی حصہ زیریں حصہ سے کشادہ ہے۔اس پر دونوں قدموں کے اور انگلیوں کے نشانات واضح ہیں۔''

پھر لکھتے ہیں:

''مقام ابراہیم پر ایک سونے کا گنبد بنا ہوا ہے جو زمزم کے گنبد کے پاس رکھا ہوا ہے۔جب حج کے مہینے آتے ہیں اور لوگوں کا ازدحام ہو جاتا ہے تو لکڑی کا گنبد اٹھا لیا جاتا ہے اور لوہے کا گنبد رکھا جاتا ہے۔''

تقی فاسی نے ''شفاء الغرام'' میں قاضی عزالدین بن جماعہ سے بیان کیا ہے:

''مقام ابراہیم کی بلندی کا حساب لگایا گیا تو وہ ۷/۸ ہاتھ تھی اور مقام ابراہیم کا بالائی حصہ ہر جہت سے ۳/۴ ہاتھ تھا۔دونوں قدموں کی گہرائی چاندی سے اوپر ۱/۲ قیراط تھی۔قیراط مصر میں پیمائش کا ایک آلہ تھا۔''

شیخ حسین بن عبداللہ نے اپنی کتاب ''تاریخ عمارۃ المسجد الحرام'' میں صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے:

''مقام ابراہیم کی صفت اور پیمائش یوں ہے۔ یہ پانی کے پتھروں کی قسم کا ایک نرم پتھر ہے۔اس کا صندوق پتھر کا نہیں۔ یہ مربع شکل کا ہے، اس کی پیمائش طول، عرض اور بلندی ایک ہاتھ ہے یا تقریباً پچاس سینٹی میٹر ہے۔اس کے درمیان حضرت ابراہیم کے دونوں قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ یہ دونوں بیضوی شکل کے مستطیل گڑھے ہیں۔لوگوں نے متعدد مرتبہ اپنے ہاتھوں سے کھودا اور اس میں آب زمزم ڈالا۔بکثرت ہاتھوں کے مسح سے دونوں قدموں کے نشانات مٹ گئے اور اس کے بدلے دو اور گڑھے کھودے گئے۔جس طرح اول باب میں مذکور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ میں نے ۱۳۳۲ھ میں بچشم خود مقام ابراہیم کو دیکھا۔میرے ہمراہ جناب عزت مآب دربانوں کے رئیس شیخ محمد صالح بن احمد بن محمد شیبی تھے۔ اس پر چاندی کی تختیاں لگی ہوئی تھیں اور ایک چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ یہ مربع شکل کا تھا۔جیسا میں بیان کر چکا ہوں۔اس کی رنگت سفید سیاہی زردی مائل تھی۔میں نے دونوں قدموں کے نشانات دیکھے۔''

حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشانات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔اہل مکہ اس سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں ان کا ذکر کیا ہے:

وموطی ابراھیم فی الصخر رطبة
علی قدمیه غیر فاعل

''حضرت ابراہیم کے دونوں پاؤں کے نشانات پتھر پر موجود ہیں۔آپ کے پاؤں ننگے تھے۔''

موطا میں ابن وہب سے روایت ہے، وہ یونس سے بیان کرتا ہے، وہ ابن شہاب سے، وہ یونس سے، انہوں نے کہا کہ میں نے مقام ابراہیم کو دیکھا۔ اس میں حضرت ابراہیم کے پاؤں کی انگلیاں اور قدموں کا درمیانی حصہ لگا ہوا تھا۔ ہاں البتہ لوگوں کے بار بار ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے وہ مٹنے کے قریب ہو چکا تھا۔

طبری نے اپنی تفسیر میں قتادہ سے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے:

((واتخذو امن مقام ابراھیم مصلیٰ))

لوگوں کو حکم ہوا تھا کہ اس کے پاس نماز ادا کریں اور ان کو اس کا مسح کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس نے بتایا: مجھے ایک ایسے آدمی نے بیان کیا جس نے ایڑی کے اور انگلیوں کے نشانات کا بچشم خود مشاہدہ کیا، لوگ اس کا مسح کرتے تھے، یہاں تک کہ پرانا ہو کر مٹ گیا۔

مقام ابراہیم پر غلاف کا رواج......قبہ مقام ابراہیم:

مقام ابراہیم پر غلاف کعبہ کا رواج آل عثمان کی حکومت کی اختراع ہے۔ ان بادشاہوں کی عادت تھی کہ مقام ابراہیم پر غلاف پہناتے تھے۔ یہ غلاف سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ اس میں چاندی کی تاروں سے کشیدہ کیا ہوتا تھا اور سونے کا ملمع کیا ہوتا تھا۔ یہ باب کعبہ کے غلاف کی شکل کا تھا۔ یہ غلاف لکڑی کے تابوت پر تھا جو لوہے کے جنگلے کے اندر واقع تھا۔ یہ غلاف مقام ابراہیم کے پتھر پر ڈالتے تھے۔ عثمانی حکومت کے دور میں خانہ کعبہ کے غلاف کے ہمراہ ہر سال مصر سے آتا تھا۔ بعض اوقات پانچ پانچ سال تک ایک ایک ہی غلاف رہتا تھا۔ پھر مقام ابراہیم پر غلاف کا رواج ختم ہو گیا۔ اس سے پہلے جو غلاف مقام ابراہیم پر تھا وہ قدیمی تھا۔ اسے سترہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ ہمارے زمانہ میں اب مقام ابراہیم پر کوئی غلاف نہیں ہے۔

درحقیقت مقام ابراہیم پر غلاف ڈالنا جس سے پتھر چھپ جائے، ایک بہت بڑی بدعت ہے۔ یہ کام نہ صحابہ اور تابعین نے کیا اور نہ ہی بعد میں آنے والے لوگوں میں سے کسی نے کیا۔ یہ بدعت عثمانی حکومت کی ایجاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((واتخذ وامن مقام ابراھیم مصلیٰ))

نیز فرمایا:

((فیه آیات بینات مقام ابراھیم))

اس سے غلاف کا اتارنا لازمی ہے تاکہ مسلمان اس مقدس پتھر کی زیارت کر سکیں جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور تاکہ انہیں معلوم ہو کہ یہ پتھر ہے کوئی اور چیز نہیں۔ غلاف دلوں میں وسواس پیدا کرتا ہے اور اس کو شکل اور ہیئت کے خیال میں مشغول رکھتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر مقام ابراہیم سے غلاف اتار دیا جاتا اور لکڑی کا تابوت جو اس کے اوپر لگا ہوا ہے اسے دور کیا جاتا۔ پھر شیشے کا مضبوط شفاف صندوق بنایا جاتا۔ پھر مقام کے اوپر رکھ کر مضبوطی سے باندھا جاتا تاکہ جب اس میں سیلاب آئے تو حرکت نہ کرے اور اس طریقہ سے مقام ابراہیم لوگوں کے لئے ظاہر نظر آئے۔ نیز لوگوں کے ہاتھوں اور مٹی سے محفوظ ہو جائے۔ اس میں کوئی

شک نہیں کہ یہ کام بہت بڑا ہے۔اس کی تعریف تمام مسلمان کریں گے۔

اب مقام ابراہیم پر موٹے شیشے کی تختیاں جڑی ہوئی ہیں اوران کے اوپر لوہے کی جالی ہے۔

یہ بھی مستحن ہے کہ مقصورہ کو چاروں اطراف سے شیشے کی تختیاں لگائی جائیں اور رات کے وقت اس میں بجلی کے بلب روشن کئے جائیں تا کہ اس کا منظر نہایت خوبصورت نظر آئے اور مقصورہ گرد وغبار سے محفوظ ہو جائے۔

اس میں تین فوائد ہیں۔

۱۔ ضائع ہونے سے محفوظ ہو گیا اور لوگوں کے ہاتھ لگانے کی وجہ سے جو اس میں تغیر وتبدل ہو رہا تھا اس سے محفوظ ہو گیا۔بارش، مٹی اور ہوا کے اثرات سے محفوظ ہو گیا۔اگر زمانہ جاہلیت میں اس طرح محفوظ ہوتا تو اس کی کوئی چیز نہ ٹوٹتی اور نہ ہی اس کی اصلاح کی ضرورت پیش آتی۔نیز مقام ابراہیم پر سونے اور چاندی کا پٹہ نہ ڈالا جاتا۔

۲۔ چوری سے محفوظ ہو گیا۔اب بد دیانت اور بے عقل لوگ اس میں توڑ پھوڑ نہیں کر سکتے۔جس طرح حجر اسود کے ساتھ متعدد مرتبہ ہوا ہے۔سب سے زیادہ مشہور حادثہ قرامطہ کا ہے جنہوں نے ۳۱۷ھ میں مکہ معظمہ پر قبضہ کیا اور ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو بے شمار حاجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اوران کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔پھر مقام ابراہیم کو لے جانے کی کوشش کی،لیکن کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔کعبہ شریف کے دربانوں نے اس کو مکہ معظمہ سے باہر گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔اس سے ان کا غلیظ وغضب بڑھ گیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر ہجر میں لے گئے جو بحرین میں واقع تھا۔پھر ۳۳۹ھ میں انہوں نے حجر اسود واپس مکہ معظمہ بھیج دیا۔یہ مطیع اللہ فضل بن مقتدر کے زمانہ کا واقعہ تھا۔علامہ ابن ظہیرہ قرشی نے اپنی کتاب ''الجامع اللطیف'' میں لکھا ہے کہ ایک یہودی یا عیسائی مکہ میں رہتا تھا۔اس کا نام جریج تھا۔وہ مسلمان ہو گیا۔ایک رات مقام ابراہیم گم ہو گیا۔تلاش بسیار کے بعد اس کے پاس پایا گیا۔وہ اسے شاہ روم کے پاس بھیجنا چاہتا تھا۔چنانچہ یہ پتھر اس سے لے کر اسے قتل کرا دیا گیا۔

۳۔ لوگ بدعت سے محفوظ ہو گئے کیونکہ اس کو ہاتھ سے مسح کرنا یا چومنا بدعت ہے۔سنت تو یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی جائے اور اس کا مسح یا بوسہ نہ دیا جائے۔ہاں البتہ حجر اسود اور رکن یمانی کا مسح کرنا سنت ہے۔

ازرقی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ عبید بن عمر نے ابن عمر سے سوال کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان دونوں رکنوں پر اژدحام کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ بے شک ان دونوں کو ہاتھ لگانے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔نیز ابن عمر سے روایت ہے، وہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر طواف میں رکن اسود اور رکن یمانی کا مسح کرتے تھے۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب جب رکن کے مقام پر پہنچتے تو کہتے:

((اشهد انك حجر لا تضر ولا تنفع وان ربى الله الذى لا اله الا هو ولو لا انى رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسحك ويقبلك ما قبلتك ولا مسحتك))

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو تو ایک پتھر ہے تجھے نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں۔میرا پروردگار تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اگر میں نے آنحضرت ﷺ کو تجھے ہاتھ لگاتے اور بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی ہاتھ نہ لگاتا اور نہ ہی بوسہ دیتا۔''(اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۴۰)

ہاں البتہ ان کے مسح اور تقبیل میں یہ شرط ہے کہ کسی کو ایذاء دی جائے۔ازرقی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: اے عمر! تو طاقتور آدمی ہے تو کمزور کو تکلیف دیتا ہے۔اس لئے جب خلوت دیکھے تو حجر اسود کو بوسہ دے، ورنہ تکبیر کہہ

کر گزر جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا، جو عطاء نے حضرت ابن عباس سے سنی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو حجر اسود پر اژدحام دیکھے تو کسی کو تکلیف نہ دے اور نہ تجھے تکلیف دی جائے۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۳۳۴)

مقام ابراہیم پر سونے اور چاندی کا پٹہ:

سب سے پہلے مقام ابراہیم پر امیر المومنین محمد مہدی عباسی نے سونے کا پٹہ باندھا۔ یہ ۱۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ جب اسے یہ خبر پہنچی کہ مقام ابراہیم پر ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اور خطرہ ہے کہ کہیں پتھر بوسیدہ ہو کر پھٹ نہ جائے تو اس نے ایک ہزار دینار سونا بھیجا جو اس پر مضبوطی سے باندھا گیا۔ پھر ۱۷۹ھ میں ہارون الرشید نے دیکھا کہ پتھر پر جو چاندی اور سونا مضبوطی کے لئے لگایا تھا وہ کھوکھلا ہو گیا ہے تو اس نے اسے مضبوط کرنے اور اس کی درستی کا حکم دیا۔ چنانچہ کیلوں سے پتھر میں سوراخ کیا گیا اور اس میں چاندی ڈھالی گئی۔ پھر امیر المومنین متوکل علی اللہ نے حکم دیا کہ اس سونے کے اوپر اور زیادہ خوبصورت سونا لگایا جائے اور مضبوطی سے باندھا جائے۔ یہ ۲۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ پھر ایک دفعہ کعبہ شریف کے دربانوں نے مکہ شریف کے گورنر علی بن حسین عباسی سے ذکر کیا کہ پتھر بوسیدہ ہو چکا ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ یہ خبر سن کر اس نے حکم دیا کہ اس کو دو پٹے باندھے جائیں۔ ایک پٹہ چاندی کا اور دوسرا سونے کا ہو۔ یہ محرم ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ پھر اس کو دارالامارۃ میں لے گئے اور پارہ ڈال کر اس میں جڑی بوٹیاں ڈالی گئیں اور مضبوطی سے باندھا گیا۔ یہاں تک کہ ساتھ مل گیا۔ اس سے پہلے اس کے سات ٹکڑے تھے۔ پھر بشر نے جو امیر المومنین معتمد عباسی کا نوکر تھا، اپنے ہاتھوں سے مضبوط کیا۔ پھر الشاکر کے دو پٹے باندھے گئے اور ان کو ساتھ ملایا گیا اور اس جگہ پر مضبوطی سے نصب کیا گیا۔ یہ سوموار ۸ ربیع الاول ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

بے شک ابراہیم بیگ نے مقام کو تعمیر کیا اور چاندی و سونا سے دوبارہ اس کی تجدید کی اور چاندی اور پتھر کے درمیان سکہ ڈال دیا، جس سے چاندی اور پتھر مضبوط ہو گئے۔ یہ ۱۱۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

آل عثمان کے بادشاہوں میں رواج تھا کہ جب خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تو مقام ابراہیم پر بھی غلاف دیتے تھے، یہ غلاف سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ اس میں چاندی کی تاریں سونے سے ملمع شدہ لگی ہوتی تھیں۔ یہ باب کعبہ کے غلاف کے مشابہ ہوتا تھا۔ یہ غلاف لکڑی کے تابوت پر ڈالتے تھے، جو لوہے کے جنگلے کے اندر تھا اور جو مقام ابراہیم پر واقع تھا۔ اس کے چاروں طرف قرآنی آیات کشیدہ کاری سے لکھی ہوئی تھی۔

ابراہیم باشا لکھتے ہیں:

> "مقام ابراہیم حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اسلام کے زمانہ تک مطاف کی جگہ پر تھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں تلف ہونے کا شدید خطرہ تھا، کیونکہ بارش کا پانی اور سیلاب وہاں بکثرت پہنچتا تھا۔ نیز لوگ اسے بار بار ہاتھ لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک طویل عرصہ گزرنے پر لازمی تھا کہ اس پتھر کی قوت کمزور ہو اور اس کی سختی نرمی میں تبدیل ہو جائے اور پھٹ جائے اور تلف ہونے کا اندیشہ لاحق ہو۔ چونکہ اسلام نے اس کی فضیلت کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے لوگ اسے ہاتھ سے چھونے اور چومنے کے لئے اژدحام کرنے لگے حالانکہ ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں تھا۔ جب تک کسی مکان میں محفوظ نہ ہوتا لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے مقصورہ بنایا گیا اور اس کے اوپر ایک گنبد بنایا گیا۔ مقام کا پتھر ایک کرسی پر تھا جس پر سکے کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں امیر المومنین محمد مستنصر باللہ نے حکم دیا کہ سکے کی تختیاں اتار کر چاندی کی تختیاں لگائی

جائیں۔ جیسا کہ ازرقی نے اخبار مکہ میں بیان کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کے لئے تابوت کس نے بنایا۔ ہاں کہتے ہیں کہ ۸۱۰ھ کے لگ بھگ بنایا گیا۔ مقام ابراہیم کے لئے ایسا مقصورہ بنایا گیا جو نہ منتقل ہوسکتا تھا اور نہ حرکت کرسکتا تھا۔

یہ مقام ابراہیم کا پہلا قبہ تھا، ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفرنامہ میں بیان کیا ہے، یہ سفر انہوں نے ۵۷۸ھ میں کیا تھا۔

ابن جبیر نے مقام کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مقام ابراہیم کے اوپر ایک گنبد بنایا گیا جو لوہے کا ہے اور اسے چاہ زمزم کے پاس رکھا گیا۔ جب حج کے مہینے آتے ہیں اور لوگوں کا اژدحام ہوجاتا ہے تو لکڑی کا گنبد اتار کر لوہے کا گنبد نصب کیا جاتا ہے۔ پھر ہم نے مقام کے کسی ستون پر عبارت لکھی ہوئی دیکھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اس کی تجدید ۵۵۸ھ میں ہوئی۔''

ابن فہد نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے:

''یہ ۸۲۷ھ کا واقعہ ہے۔ ابن ہلال دولہ نے اس کے سونے کے جنگلے بنائے جو مقام ابراہیم کو چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے تھے۔ پھر ۹۰۰ھ میں مقام کی چھت اور گنبد کی مرمت کی گئی۔ پھر ۹۱۵ھ میں اس کی تجدید ہوئی۔ اس کی تعمیر کا کام محمد بن عبداللہ رومی نے کیا۔ اس کو ملک اشرف نے حکم دیا تھا۔ پھر اس کی تجدید سلطان سلیمان خاں بن سلطان سلیم خاں نے کروائی جیسا کہ مقام کے اوپر خانہ کعبہ کے بالمقابل مکتوب ہے۔ یہ سلطان سلیمان وہی ہے جس نے مسجد الحرام کے لئے سبز سنگ مرمر بھیجا تھا۔ جو اب تک موجود ہے۔ پھر اس کی تعمیر ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ پھر سلطان مراد خاں نے ۱۰۴۹ھ میں اس کی تجدید کی۔ پھر آغا محمد کزلار سلطان محمد بن ابراہیم خاں نے اس کا گنبد سونے کا بنوایا اور اس پر مختلف رنگوں سے نقش و نگار کئے، یہ کام ۱۰۷۲ھ میں ہوا۔ پھر جب مقام ابراہیم میں کچھ خلل واقع ہوا تو محمد بیگ نے ۱۰۹۹ھ میں اس کی تجدید کی۔ پھر ابراہیم بیگ نے تمام مقام ابراہیم کی تعمیر کروائی اور زمین پر سنگ مرمر لگوائے۔ گنبد کی شکل تبدیل کی اور اس پر سونے کا نقش و نگار کیا۔ نیز مقام کا پتھر مضبوط کیا گیا اور چاندی سے مزید محکم کیا گیا اور حضرت ابراہیم کے پاؤں کی جگہ کی تجدید کی گئی۔ اس پر سونا اور چاندی لگائے گئے۔ یہ ۱۱۱۲ھ کا واقعہ ہے۔ پھر محمد آفندی معمار نے مقام ابراہیم کے صندوق کو تبدیل کیا اور لکڑی سے بنایا۔ پھر اس کی پہلی تختیوں کو پالش کر کے چمکدار بنایا گیا اور اس کی جگہ لگائی گئیں۔ یہ کام ۱۰۳۰ھ میں ہوا۔ پھر سلطان عبدالعزیز عثمانی نے گنبد کو تقریباً ۱/۲ ۱۱ ہاتھ اونچا کردیا اور مسجد حرام کی مرمت کا حکم دیا۔ یہ ۱۲۷۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی علم نہیں کہ کسی نے اس میں کچھ ترمیم، تجدید یا اضافہ کیا ہے۔''

تاریخ ازرقی جو ۱۳۵۷ھ کو مطبعہ ماجدیہ مکہ مکرمہ نے طبع کرائی اس کی جز ثانی میں حاشیے پر لکھا ہوا ہے:

۱۲۲۵ھ سعود بن عبدالعزیز نے ساتواں حج کیا۔ ابن بشر نے بیان کیا ہے کہ اس دفعہ سعود نے مقام ابراہیم کے گنبد کا دور ہٹایا اور پتھر اور دونوں قدموں کے نشانات نظر آرہے تھے اسے اہل مکہ اور دیگر لوگوں نے دیکھا اور میں نے بھی دیکھا۔ یہ ایک سفید رنگ کا مربع شکل کا پتھر تھا۔ اس کی لمبائی تقریباً ایک ہاتھ تھی۔ اس پر زرد رنگ کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ سونے کی تھیں یا پیتل کی۔ یہ گول شکل کی بنی ہوئی تھیں۔ ان پر مندرجہ ذیل عبارت مرقوم تھی:

((ان ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين شاكراً لانعم اجتباه وهذه الى صراط مستقيم واتيناه فى الدنيا حسنة وانه فى الاخرة لمن الصالحين ثم او حينا اليك ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين))

ہمارے موجود زمانہ میں جو پندرھویں صدی کا زمانہ ہے۔ مقام ایک لکڑی کے تابوت میں ہے۔ اس پر ایک ریشمی پردہ ہے جس پر قرآنی آیات مکتوب ہیں اور تابوت کے چاروں طرف پیتل کی جالیاں چار ستونوں کے ساتھ نہایت مضبوط اور محکم لگی ہوئی ہیں۔ چھت پر ایک نہایت خوبصورت چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے۔

ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ موجودہ شکل کا مقصورہ کس نے بنایا۔ کیا ابراہیم بیگ کی تعمیرات میں سے ہے؟ جو اس نے ۱۱۱۲ھ میں کیں یا سلطان عبدالعزیز نے جو آل عثمان کے سلاطین میں سے تھا اس مقام کا گنبد بلند کیا۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یا اس کے بعد بنایا گیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعود بن عبدالعزیز نے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جب ۱۲۲۵ھ میں مقام ابراہیم کے گنبد کو بنایا تو اس نے تمام مقصورہ نہیں گرایا اور لوہے کے جنگلے اور جالیوں میں بھی کوئی ردو بدل نہیں کیا۔ اس نے تو صرف گنبد دور کیا اور مقام پر چھت ڈالی اور غلاف اور لکڑی کا تابوت جو پتھر کے اوپر تھا اسے دور کیا۔

قبہ مقام ابراہیم کی اصلاح و مرمت:

اگرچہ تاریخی روایات سے یہ تو ثابت نہیں ہو سکا کہ مقام ابراہیم پر قبہ کب اور کس نے بنایا تھا۔ البتہ اس کی غرض و غایت اظہر من الشمس ہے۔ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب چار دانگ عالم میں پوری تمازت سے چمکا اور مسلمان کثیر تعداد میں حرمین شریفین کی زیارت کو آنے لگے تو یہ مقدس پتھر کثرت سے چھونے کے باعث گھسنے لگا۔ جس کے پیش نظر اسے محفوظ کر دینا ضروری سمجھا گیا۔

ابتداء میں یہ پتھر کھلا رکھا رہتا تھا۔ جیسا کہ ۱۷ھ میں سیدنا فاروق اعظم کے عہد میں اس کے سیلاب کی نذر ہو جانے کا واقعہ پیش آیا اور اسی طرح علامہ قطب الدین نے بیان کیا ہے کہ ۱۶۰ھ میں جب خلیفہ المہدی عباسی کے ورود مکہ معظمہ میں ہوا تو اس نے دار الندوہ میں اقامت اختیار کی۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ خلیفہ کے پاس اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ عبید اللہ بن عثمان بن ابراہیم الحجبی نے اس مقدس پتھر میں آب زمزم ڈال کر خلیفہ کو پیش کیا۔ اس نے بڑی عزت و توقیر سے اس تبرک کو حاصل کیا اور پھر اپنے اہل وعیال کو بھی یہ تحفہ پیش کیا۔

علامہ قطب الدین فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ ۹۸۷ھ میں بھی زیارت کے وقت اس میں زمزم ڈال کر نوش کیا جاتا ہے۔

(اخبار مکہ: ۲۷۸)

البتہ ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۸ھ میں لکھا ہے کہ زمزم کے قریب ایک آہنی قبہ رکھا ہوا ہے جو موسم حج میں مقام ابراہیم پر رکھا جاتا ہے اور اس کا لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے، کیونکہ لکڑی کا قبہ طول عرض میں آہنی قبہ سے بڑا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر: ۷۲)

اسی طرح الشیخ ابی عبداللہ یاقوت الحموہ المتوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

> "مقام ابراہیم پر قد آدم کے برابر لوہے کا خول ہوتا ہے، جس پر غلاف بھی چڑھا ہے۔ ایام حج میں مقام ابراہیم کو کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا جاتا ہے، تاکہ طواف میں سہولت رہے۔ جب ایام حج گزر جاتے ہیں تو واپس اپنی جگہ لوٹا دیا جاتا ہے اور اس پر لکڑی کا صندوق رکھ دیا جاتا ہے، جس میں دروازہ بھی ہے جو نماز کے اوقات میں کھولا جاتا ہے۔"

(معجم البلدان، جلد ۷، صفحہ ۲۵۷)

امام ازرقی نے لکھا ہے کہ ابتداء میں قلعی پگھلا کر مقام ابراہیم کو محفوظ کیا گیا تھا۔ پھر مہدی عباسی کے دور میں جب یہ پتھر ٹوٹنے لگا تو خلیفہ کو صورت حال سے مطلع کیا گیا۔ چنانچہ خلیفہ نے ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ ان کا طوق بنا کر مقام ابراہیم کو محفوظ کر دیا جائے۔ پھر ۲۳۶ھ میں خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ نے اس کے اوپر ایک اور سونے کا طوق چڑھا دیا جو اس سے بھی زیادہ عمدہ اور مضبوط تھا۔ بعد ازاں

۲۴۱ھ میں خلیفہ محمد المستنصر باللہ نے اس کے اردگرد چاندی چڑھادی۔ (اخبار مکہ: ۲۷۸)

علامہ عباس کرارہ کا بیان ہے کہ ہم نے قبہ کے ایک ستون پر لکھا دیکھا کہ ۸۵۸ھ میں اس کی تجدید کی گئی ہے۔ جب کہ ابن مہدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۲۸۷ھ میں عمر ابن ہلال نے آہنی جنگلہ بنوا کر اس پر رکھا۔ پھر ۹۰۰ھ میں قبہ اور اس کے چھت کی تجدید کی گئی۔ اس کے بعد ۹۱۵ھ میں محمد بن عبداللہ الرومی نے ملک اشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے اس کی تعمیر کی۔ پھر سلطان سلیم خان نے اس کی تجدید کرائی۔ بعد ازاں ۱۰۰۱ھ میں تجدید ہوئی۔ ۱۰۲۷ھ میں آغا محمد کزلار السلطان محمد بن ابراہیم خان نے سونے اور دیگر قیمتی چیزوں سے اس کے قبہ پر نقش و نگار کیا۔ ۱۰۹۹ھ میں مقام ابراہیم میں کچھ خلل آ گیا تھا، تو اس کی مرمت و تجدید کی خدمت محمد بیگ نے انجام دی۔

پھر ۱۱۱۲ھ میں ابراہیم بیگ نے اس کا فرش سنگ مرمر سے بنوایا۔ قبہ تبدیل کیا اور اس پر سونے سے نقش و نگار کرایا۔ اس مقدس پتھر کو چاندی سے خوب مضبوطی سے بندھوایا اور سیدنا ابرہیم خلیل اللہ کے مبارک قدموں کی چاندی میں سونا ملا کر تجدید کی۔ ۱۱۳۰ھ میں محمد افندی المعمار نے مقام ابراہیم کا صندوق تبدیل کیا اور نئی لکڑی نے قبہ کی بلندی میں ۱۷ انچ کا اضافہ کیا۔ ہمیں معلوم نہیں اس کے بعد بھی کسی نے کوئی تعمیر و ترمیم کی یا نہیں۔

امام ازرقی کی تاریخ مکہ مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۷ھ کی جلد دوم مقام ابراہیم کے زیر عنوان حاشیہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۲۵ھ میں جب سعود بن عبدالعزیز حج کرنے آیا تو قبہ کو کھولا گیا۔ پتھر اور قدم کے نشانات تازہ بتازہ تھے، جن کے دیدار سے لوگوں نے اپنی آنکھوں کو منور کیا۔ حاشیہ نگار کہتے ہیں کہ ہم نے بھی دیکھا، سفید پتھر مربع شکل کا ہے جس کا طول ۲۰ انچ ہے۔ اس پر زردی مائل کوئی دھات پگھلا کر چڑھائی گئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ سونا تھا یا پیتل، یہ فریم مربع شکل کا تھا۔

قدمین مبارکین پر غبار پڑی ہوئی تھی، جالی اور جس پتھر میں دونوں قدم ہیں کے درمیان تقریباً چار انگل کا فاصلہ ہے۔

علامہ عباس کرارہ کہتے ہیں:

''ہمارے موجودہ زمانہ میں مقام ابراہیم لکڑی کے صندوق میں رکھا ہے، جس پر ریشم کا غلاف چڑھا ہوا ہے اور غلاف پر قرآنی آیات لکھی ہیں۔ اس تابوت کے باہر پیتل کا جالی دار قبہ رکھا ہوا ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مقصود جو موجودہ شکل میں ہے کس نے بنوایا تھا۔ آیا ۱۱۱۲ھ میں ابراہیم نے بنوایا تھا یا پھر اس کے بعد کسی وقت بنایا گیا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ سعود بن العزیز نے ۱۲۲۵ھ میں جب قبہ کھولا تھا تو تمام مقصورہ گرانے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی انہوں نے آہنی جالی کو توڑا۔ انہوں نے صرف قبہ کی چھت تبدیل کرائی اور پردہ ڈالنے کا طریقہ ختم کر دیا اور لکڑی کا صندوق بھی ہٹا دیا۔

خادم الحرمین شریفین شاہ فیصل مرحوم نے جب دیکھا کہ حج کے دنوں میں منبر مبارک اور مقام ابراہیم کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے تو موصوف نے ان دونوں کو مطاف سے باہر نصب کرنے کا پروگرام بنایا۔ منبر کے منتقل کرنے پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا، مگر مقام ابراہیم کی نقل مکانی کو کوئی بھی برداشت نہ کر سکا۔ جس کے باعث شاہ مرحوم نے مقام کے قبہ کی جسامت کم کر کے طواف میں سہولت پیدا کر دی۔ چنانچہ ۱۳۸۷ھ میں ایک عدیم النظیر پیتل کا جالی دار قبہ بنوا کر اس کے اندر اس مقدس پتھر کو نصب کر دیا۔'' (تاریخ حرمین عباس کرارہ: ۱۵۵)

مقام ابراہیم کے سائز کا ایک بے حد نفیس بلور کا خول چڑھا کر اس پر کرسٹیل کا قبہ نما خول جس میں جالی اور شیشہ لگا ہوا ہے چڑھا دیا گیا۔ شیشہ اس قدر صاف شفاف ہے کہ قدم مبارک کے نشانات بالکل صاف دکھائی دیتے ہیں۔ پیتل کا یہ قبہ مغربی ممالک میں واقع ''بلجیکا'' سے بنوایا گیا۔

یکم محرم ۱۴۰۰ھ کے المناک سانحہ میں اس خول کا شیشہ بھی متاثر ہوا تھا۔ جس کی جگہ نیا شیشہ لگا دیا گیا۔

علامہ طاہر کردی جدید مقصورہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

’’مکہ معظمہ سے ایک سو کلومیٹر پر واقع ایک پہاڑ سے کالا سنگ مرمر لایا گیا۔ جس کا طول ۱۶۰ سینٹی میٹر، عرض ۱۱۰ سینٹی میٹر اور بلندی ۷۵ سینٹی میٹر ہے۔ اس پر مقام ابراہیم کو نصب کر کے اس پر چاندی کا طوق چڑھا دیا گیا، پھر بلور کا ایک حسین و جمیل خول چڑھا کر اس کے باہر پیتل کا جالی دار مقصورہ نصب کر دیا گیا۔ جس کا طول ایک میٹر ۶۰ سینٹی میٹر۔ عرض ایک میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور بلندی ۳ میٹر ہے۔ پہلے چبوترہ کی نسبت اس کا طول و عرض بہت تھوڑا ہے۔

باب نمبر 3:

رکن یمانی

بیت اللہ کے چار کونے:

بیت اللہ شریف کے چار کونے چار ارکان کہلاتے ہیں اور ہر ایک الگ نام سے موسوم ہے۔ مشرقی کونہ حجر اسود کے نام سے موسوم ہے، شمالی مشرقی کونہ رکن عراقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شمالی مغربی کونہ رکن شامی یا غربی کہلاتا ہے، اور جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں۔

رکن یمانی کی وجہ تسمیہ:

امام سہیلی اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس معمار نے یہ گوشہ تعمیر و مرمت کیا تھا اس کا نام ابی بن سالم تھا اور وہ یمن کا باشندہ تھا، اس لئے اسی کے نام سے رکن یمانی مشہور ہو گیا۔ (روض الانف، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹)

چاروں کونوں کا استلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تھا تو یہ چار ارکان پر مشتمل تھا اور آپ طواف کے دوران ان سب کا استلام کرتے تھے، لیکن قریش کی تعمیر کے وقت خرچہ کی کمی کے باعث بیت اللہ شریف کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا۔ گویا کہ رکن عراقی اور شامی قواعد ابراہیم کے مطابق نہ رہے اور اس حصہ میں نصف دائرہ کی صورت میں نشاندہی کیلئے دیوار بنا دی گئی، جسے حطیم کہا جاتا ہے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام:

سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کبھی ترک نہیں کیا، لیکن رکن شامی اور عراقی چونکہ قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں، اس لئے آپ نے ان کا استلام نہیں کیا۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ہم نے حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں کبھی بھی ترک نہیں کیا، جب سے نبی کریم ﷺ کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے، ہم بھی اس کے کاربند ہو گئے ہیں۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵) (مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۲)

جبرائیل کی دعائے مغفرت:

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ بڑی کثرت سے رکن یمانی کا استلام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو جبرائیل کو موجود پایا، جو استلام کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔

استلام گناہوں کو مٹانے کا سبب:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرنے سے اللہ کریم گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

جنت کے دو دروازے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''رکن یمانی اور حجر اسود جنت کے دو دروازے ہیں۔''

حجر اسود اور رکن یمانی کی خصوصیات:

امام المحدثین امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
''رکن حجر اسود دو فضیلتوں کا حامل ہے اس لئے اس کا استلام بوسہ دے کر یا ہاتھ سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ ایک فضیلت اس میں تو یہ ہے کہ قواعد ابراہیمی کے مطابق ہے، اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس رکن یمانی میں صرف ایک فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ قواعد ابراہیمی پر قائم ہے، لہٰذا اس کا استلام صرف ہاتھ لگا کر کیا جائے، بوسہ نہ دیا جائے اور دوسرے دونوں رکن قواعد ابراہیمی کے مطابق نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہ کیا جائے اور نہ ہی بوسہ دیا جائے۔ (شرح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۱۲) (مرقاۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۵)

مقبول دعا:

سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ۷۰ فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں یہ دعا پڑھتے ہوئے گزرے تو فرشتے آمین کہتے ہیں:

((اللهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنيا والاخرة ربنا اتنا فی الدنيا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار))

''اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت مانگتا ہوں دین اور دنیا کے معاملوں میں۔ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔'' (ابن ماجہ: ۲۱۲) (مشکوٰۃ: ۲۲۸)

علامہ ابن جوزی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے اللہ کریم نے رکن یمانی پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے، طواف کرنے والا جب وہاں سے مذکورہ دعا پڑھتے ہوئے گزرتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔

باب نمبر 4:

آب زمزم ...... فضیلت، تاریخ اور مسائل (اسلام اور سائنس کی روشنی میں)

فصل نمبر:

تاریخ آب زمزم

امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''حضرت ابراہیم، اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو لے کر زم زم کے بالائی طرف مسجد سے اوپر والے حصے میں تشریف لائے جبکہ اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے۔ ان دنوں مکہ میں کوئی رہنے والا نہ تھا اور نہ وہاں پانی تھا۔ جب آپ نے ان کو وہاں چھوڑا تو ان کے پاس دو برتن تھے۔ ایک برتن جس میں کھجوریں اور ایک برتن جس میں پانی تھا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پیچھے چلے گئے۔ آپ کے پیچھے ام اسماعیل گئیں۔ عرض کی: آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں اس وادی میں جہاں نہ کوئی انسان ہے نہ کوئی دوسری شے چھوڑے جاتے ہیں؟ یہ بات انہوں نے کئی مرتبہ کہی مگر آپ ان کی طرف توجہ ہی نہ فرماتے تھے۔ آخر کار انہوں نے کہا: کیا اس کا حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے؟ تو آپ نے جواباً کہا: ہاں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: تب تو وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔ پھر آپ پلٹ آئیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام چلے گئے حتیٰ کہ جب گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے وہ آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے تو آپ نے اپنا منہ بیت اللہ شریف کی طرف کیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا فرمائی جو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد کو ایسے مقام پر ٹھہرایا ہے جہاں پر کوئی سبزہ نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس۔ اے ہمارے رب اس لئے کہ یہ نماز قائم کریں تو تو بنادے لوگوں کے دلوں کو کہ ان کی طرف کھنچے چلے آئیں اور تو انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما' تاکہ یہ شکر گزار ہوں۔ اسماعیل کی والدہ نے اسماعیل کو دودھ پلانا شروع کردیا اور اس پانی سے پیتی رہیں حتیٰ کہ جب مشک کا پانی ختم ہوگیا تو ماں بیٹا دونوں پیاسے ہوگئے۔ تو آپ نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ آپ پیاس سے بے تاب تھے اور پریشانی کے عالم میں زمین پر پاؤں مارتے تھے۔''

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ گویا وہ موت کی ہچکیاں لے رہے تھے، سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے اور کبھی آواز بلند کرتے تھے۔ کبھی آواز پست ہوتی تھی، جھگڑنے والے کی طرح تو سیدہ کی طبیعت کو بے قراری ہو رہی تھی۔ جب آپ اسے دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں تو وہ چلیں تو صفا پہاڑ کو انہوں نے اپنے قریب ترین اس زمین میں پایا۔ اس پر کھڑی ہوئیں، منہ وادی کی طرف کر کے دیکھنے لگیں کہ کیا کوئی نظر آتا ہے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا تو آپ صفا سے اتریں حتیٰ کہ جب وادی تک پہنچی تو آپ نے اپنے دامن کو اٹھایا، پھر آپ طاقتور انسان کی طرح دوڑیں حتیٰ کہ وادی کو عبور کر کے مروہ تک پہنچیں، اس پر کھڑی ہوئیں تو دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آئے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا اس طرح آپ نے سات مرتبہ کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی صفا و مروہ کے درمیان لوگوں کی سعی ہے۔ جب آپ مروہ پر چڑھیں تو آپ نے ایک آواز سنی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے جبرائیل کو ندا دی تو جبرائیل نے کہا: کون ہے؟ آپ نے جواب میں کہا:

''میں ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی ماں ہاجرہ ہوں۔''

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے آپ دونوں کو کس کے سپرد کیا ہے۔؟''

سیدہ نے جواب دیا:

''اللہ کے۔''

جبرائیل نے کہا کہ انہوں نے تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی یا اپنے پیر سے زمین کو کریدا حتیٰ کہ پانی ظاہر ہوگیا۔

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ پانی بہنے لگا تو اسماعیل کی والدہ علیہم الصلوٰۃ والسلام گھبرا گئیں۔ آپ نے اس کے گرد حوض

بنانا شروع کر دیا۔

آپ نے پانی کو مشک میں ہاتھوں کے ساتھ ڈالنا شروع کیا۔ آپ کے ہاتھوں کے ساتھ پانی ڈالنے کے بعد پانی جوش مارنے لگا۔ آپ فرماتی جا رہی تھیں:

"زم زم"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم فرمائے، اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں اور چلوؤں سے نہ روکتیں تو زم زم جاری چشمہ ہوتا۔"

آپ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے پانی پینا شروع کیا تو آپ کا دودھ بچے کے لئے زیادہ ہو گیا۔ آپ کو فرشتے نے کہا: ضائع ہونے کا ڈر نہ رکھو کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا والد تعمیر کریں گے اور اللہ اس بیت اللہ کے رہنے والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

سیدہ ہاجرہ اسی حالت میں وہاں ٹھہری رہیں حتیٰ کہ ان کے پاس سے جرہم بنی قحطان کا ایک قافلہ یا جرہم قبیلے کے ایک گھر والے گزرے۔ کداء کے راستے سے آتے ہوئے تو وہ مکہ میں اترے۔ انہوں نے پرندوں کو منڈلاتے دیکھا، حالانکہ کبھی کوئی پرندہ وہاں نہ گزرا تھا تو انہوں نے کہا کہ بے شک یہ پرندہ پانی پر گھومتا ہے اور اس وادی میں ہمیں ایک زمانہ گزرا ہم نے یہاں پانی نہیں دیکھا۔ انہوں نے ایک یا دو قاصدوں کو بھیجا۔ انہوں نے پانی پایا تو واپس آکر خبر دی تو سب پانی پر آئے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدہ ہاجرہ پانی کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں اس پانی کے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہیں؟ آپ نے انہیں اجازت دی اور فرمایا کہ تمہارے لئے پانی میں سے اس کے سوا کچھ نہیں جو تم اسے پیو یا جس سے نفع اٹھاؤ۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

قبیلہ جرہم آب زم زم پیتے رہے اور اس کے پاس جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہرے رہے۔ جب جرہم نے تحقیر آمیز سلوک کیا اور انہوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت کو پامال کر دیا۔ کعبۃ اللہ کا مال جو ہدیۃً آتا تھا وہ ظاہر و پوشیدہ کھانے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے کاموں کا ارتکاب کیا تو آب زم زم خشک ہو کر ختم ہو گیا۔

آب زم زم کی جگہ پرانی ہوتی رہی اور مٹتی رہی اور اس پر پانی کے سیلاب گزرتے رہے۔ حتیٰ کہ اس کی جگہ ایسی پوشیدہ ہوئی گویا مٹ گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جرہم پر خزاعہ کو مسلط کر دیا تو انہوں نے انہیں حرم سے نکال دیا تو شرید کے سوا ان میں سے کوئی نہ بچا اور جرہم فنا ہو گئے۔ کعبہ کے متولی خزاعۃ ہوئے اور جب تک اللہ نے چاہا وہ اس کے متولی رہے۔

اس عرصے میں زم زم کا مقام زمانے کے گزرنے سے معروف نہ رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کو قریش میں سے اس کام کے لئے مخصوص فرما لیا۔

آب زم زم مٹا رہا حتیٰ کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہاں تک کہ برکتوں والے نبی کریم ﷺ کے پیدا ہونے کا وقت آ گیا جن کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوتے تھے، جو صاحب کوثر ہیں اور سیراب کر دینے والے حوض کے مالک ہیں۔ جب آپ ﷺ کے ظہور کا وقت قریب ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا کے ذریعے آب زم زم کو ظاہر کیا۔

زم زم کے کنویں کو خواب کے ذریعے جناب عبدالمطلب نے دیکھا، تین دن مختلف خواب آتے رہے جن میں آب زمزم کے کنویں کو کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس کی جگہ کی نشاندہی بھی کی گئی، کچھ علامتیں بتائی گئیں جن کے ذریعے زم زم کی جگہ واضح ہوئی تو انہوں نے

اسے کھودا۔

زمزم کھودنے کی نیت سے جب حضرت عبدالمطلب حرم میں پہنچے اور کھدائی شروع کی تو اہل مکہ آڑے آئے اور آپ کو کھدائی روکنی پڑی۔ حضرت عبدالمطلب نے زم زم کی کھدائی پر اللہ کے لئے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے گا تو ایک اس کے نام پر ذبح کروں گا۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ جب آپ کے دس بیٹے پورے ہوئے تو آپ نے ان میں سے ایک کو اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی بزرگی اور اولاد میں اضافہ فرمایا کہ چھ بیویوں سے دس بیٹے ہوئے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حارث۔ ۲۔ حضرت عبداللہ۔ ۳۔ جناب ابوطالب۔ ۴۔ حضرت زبیر۔

۵۔ حضرت عباس۔ ۶۔ ضرار۔ ۷۔ ابولہب۔ ۸۔ غیداق۔

۹۔ حضرت حمزہ۔ ۱۰۔ مقوم۔

جب دس بیٹے پورے ہو گئے، آپ کو شرف عظیم عطا ہوا' زم زم کھودلیا اور اس سے پانی پلانے کا کام پورا ہو گیا' آپ نے اپنے بیٹوں میں قرعہ اندازی کی کہ کس کو ذبح کریں تو قرعہ حضرت عبداللہ ؓ' رسول اللہ ﷺ کے والد کے نام نکلا۔

آپ نے ان کے ذبح کا ارادہ فرمایا تو حضرت عبداللہ کے ماموں بنو مخزوم' قریش کے بڑے بڑے حضرات اور ان کے اہل رائے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! آپ اسے ذبح نہیں کریں گے کیونکہ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو یہ طریقہ عرب کے اندر جاری ہو گا۔''

اس مسئلہ میں آپ کے بیٹے بھی قریش کے ساتھ ہو گئے۔ قریش نے آپ سے کہا کہ حجاز میں ایک عرافہ (نجومی) ہے۔ اس کے کچھ جن تابع ہیں تو اس سے پوچھ۔ پھر تجھے اپنے معاملہ میں اختیار ہے، اگر وہ تجھے ذبح کا حکم دے ذبح کرو، اگر وہ کسی ایسے کام کا حکم دے جس میں آسانی ہو تو اسے قبول کرو۔

پھر وہ سب اس کے پاس پہنچے۔ اس سے پوچھا اور اس کے سامنے حضرت عبدالمطلب ؓ نے اپنی صورتحال بیان فرمائی تو اس نے کہا: تم سب واپس چلے جاؤ۔ جب میرا جن میرے پاس آئے گا میں اس سے پوچھوں گی۔''

پھر جب صبح اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

''ہاں میرے پاس خبر آئی ہے تمہارے اندر دیت کی مقدار کیا ہے؟''

انہوں نے کہا: دس اونٹ۔

وہ نجومی عورت بولی:

''اپنے علاقے کی طرف لوٹ جاؤ اور دس اونٹ قربانی کے لئے الگ کر کے اونٹ اور عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کرو، اگر قرعہ اونٹوں پر نکلے تو انہیں ذبح کر دو اور اگر عبداللہ پر نکلے تو دس اونٹ اور زیادہ کر کے پھر قرعہ اندازی کرو حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔ جب قرعہ اندازی اونٹوں کے حق میں ہو تو انہیں ذبح کر دو تب تمہارا رب راضی ہو گا اور تمہارے صاحب کو نجات ہو گی۔''

پھر مکہ کی طرف سب لوٹ آئے۔ حضرت عبدالمطلب ؓ نے حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا تو وہ حضرت

عبداللہ کے نام نکلا۔قریش نے کہا: اے عبدالمطلب! اپنے رب کے لئے زیادہ کرحتیٰ کہ راضی ہو جائے لہٰذا آپ دس اونٹ بڑھاتے رہے اور قرعہ حضرت عبداللہ پر نکلتا رہا اور قریش کہتے رہے:

''اپنے رب کے لئے زیادہ کرحتیٰ کہ وہ راضی ہو جائے۔''

آپ ایسا کرتے رہے حتیٰ کہ اونٹ سو ہو گئے اور قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔قریش نے عبدالمطلب سے کہا:

''انہیں ذبح کرو کہ یقیناً تیرا رب راضی ہو گیا۔''

آپ نے فرمایا: پھر تو میری طرف سے اپنے رب کے ساتھ اس وقت تک انصاف نہ ہوگا جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام کا تین بار نہ نکل آئے۔لہٰذا آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ اور سو اونٹوں کے درمیاں قرعہ اندازی تین بار کی تو ہر بار قرعہ اونٹوں کا ہی نکلا۔

تین بار قرعہ اندازی کرنے کے بعد آپ نے وادیوں، گھاٹیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اونٹ ذبح فرمائے اور ان اونٹوں سے کسی انسان، پرندے اور درندے کو نہ روکا گیا۔ان اونٹوں سے آپ نے اور آپ کے بیٹوں میں سے کسی ایک نے کچھ بھی نہ کھایا۔مکہ شریف کے اردگرد کے دیہاتیوں کو بلایا گیا اور جو باقی بچا اس پر درندے جھپٹ پڑے۔یہ پہلا موقع تھا جب دیت سو اونٹ ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا تو دیت یہی پکی ہو گئی۔

اس دن جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی طرف واپس ہوئے تو وہب بن مناف بن زہرہ بن کلاب کے پاس سے گزرے وہ مسجد میں بیٹھے تھے اور وہ مکہ کے شرفاء میں سے تھے۔انہوں نے اپنی بیٹی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عبداللہ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

چاہ زمزم حرم مکی میں عہد قدیم سے ہے، مسلمانوں کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اس کے تقدس کے واقعات مذکور ہیں۔اس کا تاریخی زمانہ حضرت اسماعیل تک پہنچتا ہے۔جب آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ بیت اللہ شریف کے مقام کے پاس ٹھہریں اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل کو پیاس لگی تو وہ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتی رہیں لیکن پانی کا کہیں سراغ نہ پایا۔بالآخر حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور اپنی ایڑی سے زمین کو کریدا۔ایک روایت میں بحث کے بجائے عزم کا لفظ آیا ہے اور دونوں لفظ صحیح بخاری میں موجود ہیں تو پانی زمین پر بہنے لگا اور یہ واقعہ زمزم کے معرض وجود میں آنے کا باعث بنا۔اگر حضرت ہاجرہ اس کے گرد بند نہ باندھتی تو زمزم ایک نہر نما چشمہ ہوتا جو تمام روئے زمین پر بہتا۔جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہے۔فاکہی نے ذکر کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمزم کا کنواں چشمہ پھوٹنے کے بعد حضرت ابراہیم نے کھودا تھا۔اس وقت مکہ معظمہ میں لوگ آباد ہونا شروع ہوئے تھے۔اس سے پہلے وہاں کوئی نہیں ٹھہرتا تھا۔پانی کو دیکھ کر قبیلہ جرہم وہاں آباد ہو گیا، لیکن جب وہ مکہ سے جلاوطن ہوئے تو چاہ زمزم کو بند کر گئے۔پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا زمانہ آیا تو اس نے خواب میں زمزم کی جگہ دیکھی تو اس نے اسے معلوم کرنا چاہا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے اس نے کنواں کھودا جیسا کہ اصحاب سیر نے بیان کیا ہے۔بعد ازاں مسلمانوں نے اس کی پوری پوری حفاظت کی کیونکہ اس کے پانی کی فضیلت کے متعلق متعدد احادیث آئی ہیں۔انہوں نے اس پر ایک مربع شکل کا مکان تعمیر کرایا۔اس کی دیواروں میں پانی کے لئے ٹونٹیاں لگا دیں جو زمزم کے پانی سے بھری جاتی تھیں اور ایک لوہے کا جنگلہ لگا دیا اور اس کی دیواروں کو عمدہ کتابت سے مزین کیا۔

فصل نمبر:

سقایہ العباس اور اس کی تجدید......دور عباس سے لے کر عصر حاضر تک

سقایہ عباس:

جس زمانہ میں چاہ زمزم بند تھا حجاج کو پانی پلانے اور وضو کرنے کیلئے حرم شریف میں کئی حوض بنائے گئے لیکن ان میں زیادہ مشہور سقایہ عباس ہے، کیونکہ یہ صدیوں قائم رہا اور حجاج اس سے فیض یاب ہوتے رہے۔ یہ حوض کعبہ شریف کے مشرق میں چاہ زمزم سے جنوب کی طرف حجر اسود سے ۸۰ ذراع یعنی ۳۶ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔

جناب عبد المطلب اور ابو طالب و عباس کا دور:

اسی جگہ جناب عبد المطلب بن ہاشم نے حجاج کے لئے سبیل بنوائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد ابو طالب اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن انہوں نے اپنے بھائی عباس سے دس ہزار درہم ایک سال کیلئے قرض لئے، مگر سال پورا ہونے پر قرض ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ انہیں مزید ایک سال کی مہلت اس شرط پر مل گئی کہ اگر آمدہ موسم حج کے موقع پر آپ رقم ادا نہ کر سکے تو پھر ''سقایہ'' کے منصب سے دست بردار ہو جائیں، لیکن دوسرا سال گزر جانے کے باوجود قرض ادا نہ کر سکے۔ جس کی وجہ سے حضرت عباس کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک حجاج کو پانی پلانے کی خدمت سیدنا عباس کی اولاد انجام دے رہی ہے۔

دور ابن عباس:

علامہ ازرقی حضرت ابن عباس کے زمانے میں چاہ زمزم کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

''پہلے زمانے میں زمزم کے دو حوض تھے' ایک حوض اس کے اور رکن کے درمیان تھا جس سے پانی پیا جاتا تھا اور ایک حوض اس کے عقب میں وضو کے لئے تھے جس میں باب وضو کی طرف سے پانی جانے کا راستہ بنا ہوا تھا یعنی باب صفا۔ جس کے پہلو میں چاہ زمزم پر کھڑا ہو کر پانی کھینچنے والا اس میں پانی ڈالتا۔ معاویہ بن ابی سفیان نے چاہا کہ دار الندوہ میں انہیں آب زمزم پلایا جائے مگر ابن عباس نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: ابن عباس نے سچ کہا۔ پھر انہیں رمی جمرات کے موقع پر پلایا گیا اور پھر جب منیٰ میں واپس آئے تو وہاں پر پلایا گیا۔ نبیذ پلانے کی جگہ رکن اور زمزم کے مابین صفا کے قریب تھی۔''

سلیمان بن عبد اللہ بن عباس کا دور:

ابن عباس کی مجلس کا مقام زمزم کے اس پہلو میں تھا جو صفا اور وادی کے قریب اور زمزم کے مدخل کے دائیں طرف تھی اور پہلا شخص جس نے ان کے بیٹھنے کی جگہ پر گنبد بنایا وہ سلیمان بن عبد اللہ بن عباس تھا اور اس وقت مکہ پر سلیمان بن عبد الملک کی طرف سے خالد بن عبد اللہ القسری عامل تھا۔

ابو جعفر کا زمانہ:

پھر امیر المومنین ابو جعفر نے اپنے زمانہ خلافت میں زمزم پر کام کیا اور اس پر ایک کھڑکی لگوائی۔ وہ زمزم کے فرش اور کھڑکی پر سنگ مرمر لگوانے والا پہلا شخص تھا۔

سیدنا عبداللہ ابن زبیر کا دور:

ابتداء میں یہ حوض حجر اسود اور چاہ زمزم کے درمیان حضرت عباس کی نشست گاہ کے قریب تھا، لیکن مطاف کی وسعت کے پیش نظر سیدنا عبداللہ بن زبیر نے ۸۰ ذراع کے فاصلہ پر بنوایا۔

محمد بن ہارون اور احمد بن محمد کا دور:

بعد میں محمد بن ہارون بن ابراہیم نے اس پر کمرہ بنا کر لکڑی کی چھت ڈال دی اور نالیاں سنگ مرمر کی بنوائیں۔ یہ عمارت ۳۵۰ھ تک قائم رہی۔ پھر احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اسے منہدم کر کے چار ستونوں پر منقش لکڑی کی چھت بنوائی جو چاروں طرف سے کھلی تھی۔ یہ تعمیر ۴۷۳ھ تک قائم رہی۔

جعفر اور عمر بن حسن کا دور:

جعفر بن علی بن سلیمان عباسی نے جب حج کیا تو اسے پتھروں اور چونے سے بے حد مضبوط اور مستحکم تعمیر کرایا۔ جو ۴۳۰ھ تک قائم رہا۔ اس کے بعد عمر بن حسن نے اسے منہدم کر کے مکان کی شکل میں ساری عمارت نئی تعمیر کرائی اور شرقاً غرباً دو دروازے بھی رکھے۔ یہ عمارت ۵۲۰ھ تک رہی۔

ابراہیم عباسی اور خلیفہ الناصر کا دور:

بعد میں ابراہیم عباسی نے اس کی تجدید کرائی۔ بعدازاں جوادالاصفہانی صاحب موصل نے اسے تعمیر کرایا اور اس پر قبہ بھی بنوایا جو ۶۰۷ میں گر جانے کے باعث صاحب موصل اور خلیفہ الناصر الدین اللہ عباسی کی والدہ نے اس کی تجدید کرائی۔

ملک مظفر کا دور:

۶۷۴ھ میں ملک مظفر اور ۷۲۰ھ میں احمد بن عمر مرجانی نے اس کی تجدید کرائی۔ ابن فہد کی روایت کے مطابق ۷۰۶ھ میں محمد بن قلادون نے بھی اسے تعمیر کرایا تھا۔

سلطان ظاہر برقوق اور وزیر حسن پاشا کا دور:

۸۰۷ھ میں سلطان ظاہر برقوق نے اور ۸۷۴ھ میں قایتبائی نے تجدید کرائی اور ۸۹۴ھ میں دوبارہ تعمیر کرائی۔ ۱۱۲۶ھ میں وزیر حسن پاشا نے اسے مرمت کرایا۔

سلطان عبدالحمید کا دور:

بالآخر ۱۲۵۹ھ ہجری میں سلطان عبدالحمید خان کے حکم سے حوض کے گنبد میں ایک عظیم الشان کتب خانہ (لائبریری) بنایا۔ جس میں ہر موضوع اور ہر فن کی بے شمار کتابیں رکھیں جس سے ہر خاص و عام استفادہ کرتا رہا۔

مختلف بادشاہوں کی توجہ کا مرکز:

چاہ زمزم خلفاء، ملوک اور حکام کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ انہوں نے چاہ زمزم اور اس کے حجرے کی تعمیر کی اور اس میں قابل قدر آرائشیں کیں۔ آل سعود کا زمانہ آیا تو چاہ زمزم کے لئے اہتمام میں مزید اضافہ ہوا۔

مہدی کا دور حکومت:

علامہ ازرقی مہدی کے عہد خلافت میں زمزم، اس کے حجرے اور حوض پر کام کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''زمزم کے حجرے کا ماتھا جس اس کا دروازہ تھا، اور جو مقام سعی کے قریب تھا، اس کا پھیلاؤ بارہ ہاتھ انیس انگشت تھا اور مقام سعی کے قریب اس کے کھلنے کی جگہ دس ہاتھ بارہ انگشت تھی۔ کعبہ کے قریب اس کے کھلنے کا پھیلاؤ ۹ ہاتھ ۱۱۵ انگشت تھا اور درز جو وادی اور صفا کی طرف تھی ۱۳ ہاتھ ۱۳ انگشت چوڑی تھی اور زمزم کے حجرے کی اونچائی ۵ ہاتھ تھی۔ اس پر دو ہاتھ اور بارہ انگشت سنگ مرمر تھا اور اتنی ہی ساگوان کی لکڑی تھی اور دیواروں کے وسط میں پورے زمزم کے حوض کی اطراف دائرے میں تھیں۔ حوض کی اونچائی ۱۹ انگشت اور چوڑائی ۱۱۸ انگشت تھی، اندر کی طرف دیواروں کی لمبائی دو ہاتھ تھی۔ حوض کی دیواروں پر اندر اور باہر اور وسط میں سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ حوض پر ایک چھت تھی جس کی اونچائی بیس انگشت تھی اور چھت کے نیچے چھتیس طاق تھے جن کے ذریعے حوض سے پانی حاصل کر کے وضو کیا جاتا۔ ہر طاق کی لمبائی بیس انگشت اور چوڑائی چودہ انگشت تھی۔ مقام سعی' کعبہ اور وادی کی جوانب بارہ بارہ طاق تھے اور کنویں کے ارد گرد زمزمے کے حجرے کے اندر اور کنویں کی حد سے لے کر حجرے کے دروازے کی چوکھٹ تک سنگ مرمر کا فرش تھا۔ کنویں کے سر کی گولائی باہر سے ساڑھے پندرہ ہاتھ اور اندر سے ساڑھے بارہ ہاتھ تھی اور حجرے پر ساگوان کے چار ستون تھے اور اس پر مربع شکل کے سانچے تھے۔ اس میں بارہ چرخیاں تھیں جن پر پانی کھینچا جاتا تھا۔''

معتصم باللہ کا عہد اور چاہ آب زمزم کی تعمیر و مرمت:

علامہ ازرقی امیر المومنین المعتصم باللہ کے عہد میں ۲۲۰ھ میں کئے گئے تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اس سے قبل زمزم ماسوائے ایک چھوٹے سے گنبد کے کھلا ہوا تھا کہ عمر بن فرج الرخجی نے اس پر پوری کی پوری ساگوان کی لکڑی کی چھت ڈال دی جس پر اندر کی طرف سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا اور اس کے پہلو میں قندیلوں کا ایک سلسلہ بنایا گیا جس سے ایام حج میں روشنی حاصل کی جاتی۔ اس نے زمزم اور مشروب پینے والی جگہ کے درمیان واقع گنبد پر پچی کاری کی۔ ۲۲۰ھ سے ہر سال موسم حج میں اس کو آراستہ کیا جاتا۔ مہدی باللہ کی خلافت کے زمانہ ۲۵۶ھ میں مسجد کی تعمیر کے لئے بسر نامی ایک خادم آیا جس نے اس کے گنبد کی زمین کو بدل دیا' اس نے سنگ مرمر کو توڑ دیا اور اسے مٹی سے بھر دیا حتی کہ اس کی زمین بلند ہوگئی اور اس میں ایک چھوٹا سا تالاب بنا دیا جس کے وسط میں فوارہ سے پانی نکلتا۔ اس نے اس پر لکڑی کے بند ہونے والے دروازے اور کھڑکیاں بنا دیں۔ کھلی جگہ پر یہ پہلا کام تھا اس سے پہلے لوگ اس جگہ پر نماز پڑھا کرتے اور سویا کرتے تھے۔ گنبد کے چاروں کونوں میں ایک ایک چھوٹا رقبہ تھا جنہیں محمد بن داؤد کے زمانے میں اکھاڑ دیا گیا۔''

چھٹی صدی ہجری اور آب زمزم کے کنویں کی مرمت:

علامہ ابن جبیر اپنے سفرنامے میں زمزم کے گنبد کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''۵۷۸ھ میں وہ رکن اسود کے بالمقابل چوبیس قدم کے فاصلے پر تھا اور اس کے کونے سے مقام ابراہیم دس قدم تھا اور اس کے اندر صاف سفید سنگ مرمر کا فرش تھا اور کنویں کا اندرونی دائرہ بیت المکرم کے مقابل کی دیواروں کی جانب جھکا ہوا تھا اور اس کی گہرائی گیارہ قامہ (ایک قامہ = ۶ قدم) تھی اور پانی کی گہرائی سات قامے اور گنبد کے دروازے کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ گنبد کے اندر ایک گول سقایہ تھی جس کی چوڑائی ایک بالشت اور گہرائی تقریباً دو بالشت تھی اور زمین سے اس کی اونچائی پانچ بالشت تھی۔ اس میں وضو کے لئے پانی بھرا ہوتا تھا۔ اس کے ارد گرد ایک گول چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر لوگ بیٹھ کر وضو کرتے تھے۔ گنبد کی سیڑھی پر باب صفا کے رخ پر ایک چبوترہ تھا۔ زمزم کے اوپر نصف حصے میں لکڑی کا [illegible]

تھا۔اس کی لکڑی میں جالی تھی جس کے سوراخ واضح تھے اور زمزم کے گنبد کی کھڑکی کے اندر راہب کے گوشہ تنہائی سے ملتی جلتی سطح تھی۔جس پر زمزمی موذن اذان دیتا تھا۔"

خلافت عباسیہ اور چاہ آب زمزم:

الفاسی زمزم کے مقام کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ مربع شکل کا کمرہ ہے۔اس کی دیواروں میں پانی کے نو حوض ہیں جو آب زمزم سے بھرے جاتے ہیں،لوگ ان سے وضو کرتے ہیں،سوائے ایک کے جو معطل پڑا ہے اور کعبہ کی طرف کی دیوار میں کھڑکی ہے اور اس کی چھت ساگوان کی ہے اور اس کام کو کرنے والا نامعلوم ہے۔یہ تعریف ازرقی کی تعریف سے مختلف ہے۔الفاسی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازرقی کے زمانے کے بعد چاہ زمزم کی عمارت بنائی گئی اور یہ بات بعید بھی نہیں۔امام الفاسی کے زمانہ تک بکثرت عباسی خلفاء اور ان میں سے معظم خلفاء منصب خلافت پر فائز رہ چکے تھے۔اور عباسیوں کو چاہ زمزم کے ساتھ والہانہ محبت تھی کیونکہ سقایہ ان کے دادا حضرت عباس کے پاس تھی اور یہ ان کے لئے بڑے فخر کی بات تھی۔لہٰذا ناگزیر ہے کہ ان میں سے اکثر نے چاہ زمزم پر تعمیر کی ہوگی۔

نویں صدی ہجری اور آب زمزم کے کنویں کی تعمیر و مرمت:

امام الفاسی چاہ زمزم پر بنائی گئی عمارت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وہ مکان جس میں چاہ زمزم تھا' اس کے اوپر مؤذنین کے لئے ایک چھتر تھا، دیمک نے اس کے ستونوں کی لکڑی کو کھا کر اسے خراب کر دیا لہٰذا اس چھتر کو ۸۲۱ ہجری میں لکڑیوں کے ساتھ سہارا دے کر گرنے سے روکا گیا لیکن ۷ ربیع الاول ۸۲۲ھ کو چھتر کو گرا دیا گیا۔اس کے نیچے لکڑی کی مولڈنگ (آرائشی بیل) اور ریلنگ (جنگلہ) تھی جو دیمک خوردہ تھی۔لہٰذا صورت حال اس کا تقاضا کرتی تھی کہ چھتر کو کعبہ کی قریبی دیوار' مقام شافعی اور اس مکان کی خلوت کے قریب کی دیواروں پر بنایا جائے جہاں ٹائلوں کے مضبوط ستون تھے، تاکہ اسے لکڑی کے ستونوں کی طرح دیمک کھا کر خراب نہ کر دے لہٰذا ان دیواروں کو اوپر سے نیچے زمین تک اکھاڑا گیا اور ان کی بنیاد کو کعبہ کی جانب ایک ہاتھ کے قریب وسیع کیا گیا اور تعمیرات کے قواعد کے مطابق بنیاد کو زمین میں ایک قامہ (٦ قدم) کے قریب نیچے اتارا گیا اور اسے پہلی بنیاد کے ساتھ ملا کر بنایا گیا۔اور مقام شافعی والی بنیاد کو چوڑا اور مضبوط پایا گیا تو اس پر ادھیڑی گئی دیواروں کو چھت تک تعمیر کیا گیا اور ہر دیوار میں چونے کے تین محراب بنائے گئے۔کعبہ کی طرف محرابوں کے درمیان سنگ مرمر کے سیسہ پلائے ہوئے مضبوط ستون بنائے گئے اور ان کے لئے مذکورہ دیوار کی بنیاد سے جگہ خالی چھوڑ گئی اور ان دو دیواروں کی جالیوں کو ان حوضوں تک بڑھا دیا گیا اور ان دیواروں کی چوڑائی زیادہ کر دی گئی۔ان کے اوپر کو تراشے ہوئے بڑے مضبوط پتھروں سے اور محرابوں کے اوپر تراشے بغیر پتھروں سے چونے کے ساتھ تعمیر کیا گیا' نیز خانہ زمزم کی شرقی دیوار کی اوپر کی چوکھٹ کو سرے تک ادھیڑ کر چونے اور ٹائلوں سے تعمیر کیا گیا۔اس مکان کی چھت کو کھول کر خراب لکڑی کو عمدہ لکڑی سے تبدیل کر دیا گیا اور اس کی غربی دیوار پر تین مضبوط ستون پختہ اینٹوں اور چونے سے بنائے گئے۔اسی طرح ایک ستون شامی دیوار پر اور دوسرا ایمانی دیوار پر بنایا گیا اور ان دونوں ستونوں کو مضبوط کرنے کے لئے ان کے درمیان ایک لکڑی کا ستون نصب کیا گیا اور ان ہر چھ ستونوں پر لکڑی چڑھائی گئی اور تمام لکڑیوں کو وارنش شدہ لکڑی کی تختیوں سے ڈھانپ دیا گیا۔مذکورہ ستونوں پر وارنش شدہ لکڑی سے چھت بنائی گئی جو چھ ستونوں کے درمیانی حصے کے لئے ساتر تھی سوائے اینٹوں کے درمیانی ستون اور سامنے کے لکڑی کے ستون کی درمیان کی جگہ کے' کہ اسے چھت سے خالی چھوڑا گیا۔اس خالی جگہ پر وارنش شدہ لکڑی سے ایک گنبد بنایا گیا اور اس کے

اوپر سے ڈھانپنے کے لئے ایک اور گنبد لکڑی' کھجور کی ٹہنیوں اور بانس سے بنایا گیا۔ وارنش شدہ لکڑی سے ایک محرمتصد بنایا گیا جو مؤذن کے لئے چھتری کا کام دیتا تھا۔ چھت' گنبد اور چھتے کو لوہے کی میخوں اور راہوں سے مضبوط اور محفوظ کیا گیا۔ وارنش شدہ چھت کے اوپر غیر وارنش شدہ لکڑی سے چھت بنائی گئی اور اوپر والی چھت کو پختہ اینٹوں اور چونے کے ساتھ ہموار کر کے چونے کا پلستر کیا گیا اور چھت کے درمیانی گنبد کو بھی پلستر کر کے مضبوط کیا گیا۔ زمزم کے حجرہ کی پوری سطح کو چونے اور پختہ اینٹوں سے درست کیا گیا اور اس کی جملہ اطراف پر ماسوائے یمانی جانب کے' لکڑی کا مخروطہ جنگلہ لگایا اور موذن کے چھتر کی یمانی اور شرقی اطراف کے گرد بھی جنگلہ لگایا گیا' جو اس سے قبل نہیں تھا۔ اس کے بعد ملی جگہ کو جو چاہ زمزم کے آگے لکڑیوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی' تنگ کر دیا گیا۔ چاہ زمزم پر لوگوں کو اس میں سے گزرنے سے روکنے کے لئے لوہے کی جالی لگا دی گئی اور ان چاروں جالیوں کے گرد مخروطی جنگلہ لگایا گیا۔ قبل ازیں اس جنگلہ کی جگہ پر قد آدم اونچی لکڑیاں تھیں جن پر چونے کا پلستر تھا۔ چاہ زمزم کی جالیوں کا وزن ساٹھ مثاقیل تھا جو ۲۶۰ درہم کی تھیں۔ اور زمزم کے حجرے کی بعض جالیوں میں لوہے کا اضافہ کیا گیا اور اس سیڑھی کو چوڑا کیا گیا جس سے حجرہ زمزم کے اندر موذن کے چھتر کی طرف چڑھا جاتا تھا۔ اس سے ۸۱۸ھ میں بنائی گئی سیڑھی کی تنگی کو دور کر دیا گیا۔ اس سے خانہ زمزم کے گوشہ تنہائی کی طرف بھی راستہ بن گیا۔ سیڑھی کے لئے غیر مخروطی لکڑی کا جنگلہ بھی بن گیا۔ چنانچہ اس سیڑھی کی وسعت' زمزم کی دیواروں کے مابین اور موذن کے چھتر کی جگہ پر جو تمام کچھ کیا گیا۔ اسے بہت زیادہ بنظر تحسین دیکھا گیا۔ اس کام سے فراغت ماہ رجب ۸۲۲ھ میں ہوئی۔ اس تعمیر کے انچارج خواجہ شیخ علی بن محمد بن عبدالکریم جیلانی تھے جو مکہ معظمہ کے رہائشی تھے۔ اس مکان کے ایک جانب گوشہ تنہائی تھا جس میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جو آب زمزم سے بھرا رہتا جس سے خلوت میں داخل ہونے والا پانی پیا کرتا۔ پہلے اس کا ایک دروازہ صفا کی طرف تھا جو بند کر دیا گیا اور خلوت کی جگہ پر محرابی حوض بنا دیا گیا اور صفا کی طرف والی دیوار میں ٹونٹیاں لگا دی گئیں جن سے لوگ وہاں پر نصب شدہ پتھروں پر بیٹھ کر وضو کرتے۔ محرابی حوض پر خلوت تھی اس میں کعبہ اور صفا کی جانب جالیاں تھیں اور حوض پر چھوٹا سا ڈھکنا تھا۔ اس طرح کا یہ کام ۸۰۷ھ میں ہوا تھا۔ پھر اسے ۸۱۷ھ کے پہلے عشرے میں گرا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض جاہل لوگوں نے یہاں پر استنجا کیا اور اس کی بجائے مولانا سلطان الملک المؤید ابوالنصر نے لوگوں کے پانی پینے کے لئے ایک مربع شکل کی سبیل بنا دی جس میں تین مستطیل شکل لوہے کی جالیاں تھیں جن میں خوبصورت لکڑی کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ ایک جالی کعبہ کے رخ پر اور دوسری صفا کی جانب تھی اور مکان کے اندر ہر جالی کے نیچے ایک چھوٹا تالاب تھا جس میں پانی سے بھری ہوئی حوضیاں تھیں اور اس کی چھت روغن شدہ تھی جو سبیل کے اندر سے نظر آتی تھی۔ اس کا دروازہ صفا کی طرف تھا اور اس کا لکڑی کا روشن دان باہر کی طرف سے روغن شدہ تھا۔ نیز اس کے اوپر پتھر میں کھودی ہوئی منقش جھالریں تھیں' سبیل کا اندرون روشن اور اس کا باہر رنگدار سنگ مرمر کا تھا اور وہ ایک خوبصورت تعمیر تھی۔ اس کام کی ابتدا حجاج کی واپسی کے بعد ہوئی اور فراغت ماہ رجب ۸۱۸ھ میں ہوئی۔ اس خلوت کی جگہ پر حضرت عبداللہ بن عباس کی بیٹھک تھی جیسا کہ ازرقی اور فاکہی نے بیان کیا۔ حجر اسود سے لے کر حجرہ زمزم کی دیوار کے وسط تک اکیس ذراع (ہاتھ) کا فاصلہ تھا اور اس کا چھٹا حصہ لوہے کا تھا۔"

نویں ہجری کی تعمیر و مرمت:

کتاب شفاء الغرام کے حاشیہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ۹۳۳ھ میں بیت زمزم کے اردگرد سنہری نقش [illegible] گیا اور اس میں سلیمان

سلالہ آل سلیمان کا نام لکھا گیا۔ ۹۴۸ھ میں بیت زمزم کی تجدید کی گئی اور قاضی بن ظہیرۃ المخزومی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ تجدید امیر خوشکلدی کے ہاتھ پر تمام ہوئی، اس کے فرش کو پلستر کیا گیا، اس پر چھت بنائی گئی اور اس پر خوش نما لکڑی کا گنبد چھت والا چھتر بنایا گیا اور اس کے درمیان میں قبہ پر سیسے کی چادر چڑھائی گئی۔

علامہ طاہر کردی اس وقت کے چاہ زمزم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''چاہ زمزم نچلے پانی سے لے کر اوپر تک پتھر، چونے اور پلستر کے ساتھ مضبوط بنا ہوا ہے اور سطح زمین سے دیوار کی جگہ سے لے کر پانی کھینچنے والے کے کھڑے ہونے کے مقام تک سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور اس دیوار کے اوپر والے حصے میں سکے کا دائرہ بھی ہے اور وہاں سے سطح زمین تک سنگ مرمر کی حفاظت کے لئے سکے کا خوش نما ستون ہے تاکہ وہ کنویں میں گرنے سے بچا رہے، پھر پانی کھینچنے والے کے مقام پر اس کے نصف قد تک تانبے کا عمدہ ستون ہے۔ ہر ایک ستون کے درمیان ایک ذراع کے برابر کشادگی ہے جس کے اوپر سکے سے ڈھلا ہوا ایک گول کالر ہے اور یہ سلطان اعظم سلیمان مرحوم کے دور میں ۹۷۳ھ میں والی وقت خوشکلدی کی کارکردگی ہے۔ مولانا سلطان عبدالحمید خان اور پھر مولانا سلطان عبدالمجید خان کے زمانے میں گول کالر اور سکے کی ماربل اور لوہے سے تجدید کی گئی۔''

گیارہویں صدی کی تجدید و مرمت:

علامہ طاہر کردی مزید بیان کرتے ہیں:

''سلطان احمد اول بن سلطان محمد ثالث ابن مراد ثالث بن سلیم ثانی بن سلیمان اول بن سلطان بن سلیم اول فاتح مصر نے چاہ زمزم میں اتارنے کے لئے کنویں کی گولائی کے مطابق لوہے کی جالی بنانے کا حکم دیا اور اس کے لئے چھ زنجیر بنائی گئیں۔ انہیں کنویں کے اوپر والے دائرے سے باندھ دیا گیا اور مذکورہ جالی کو کنویں داخل کر دیا گیا اور پانی کو اس کے اوپر دو تہائی قامہ کے برابر کیا گیا لہٰذا جو کوئی کنویں میں گر جاتا تا جالی اسے ڈوب کر ہلاک ہونے سے بچا لیتی۔ پھر ۱۰۲۷ھ میں جالیوں اور زنجیروں میں لوہے اور تانبے کے باعث آب زمزم کا ذائقہ بدل گیا اور جناب شریف محمد بن سید مصطفیٰ القنادی کے حکم سے جالیوں اور زنجیروں کو چاہ زمزم سے نکال دیا گیا اور ایک عرصہ تک پانی نکلتے رہنے سے ذائقہ درست ہو گیا۔''

منائح الکرم (تاریخ عمارت المسجد الحرام) میں آیا ہے کہ سلیمان بک صنجق نے ۱۰۷۲ھ میں چاہ زمزم کی گنبد کے بغیر تجدید کی۔

علامہ طاہر کردی اس زمانے میں بیت زمزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ مربع شکل کا ہے اس کی دیواروں میں آٹھ جالیاں ہیں۔ تین کعبہ کے رخ پر، تین المدرج کے رخ پر اور دو دروازے کی طرف، دروازہ درمیان میں ہے اور اس میں پینے کے لئے آب زمزم سے بھری ہوئی دو حوضیاں ہیں، اور کنویں کے قبہ کے اوپر ستونوں پر ایک دوسرا حجرہ ہے جو شیخ زمزم (رئیس موذنین) کے لئے ہے اور وہ مقام حنبلی کی طرف سے سیڑھی کے ذریعے اس پر چڑھتے ہیں۔

بارہویں صدی ہجری کی تجدید و مرمت:

علامہ طاہر کردی اضافہ کرتے ہیں کہ ۱۱۱۲ھ میں عمر ابراہیم بیگ نے زمزم کے دائرے کو اندر باہر سے پچکاری اور قلعی سے سجایا، پھر مقام حنبلی کے قریب چاہ زمزم پر بیرونی فرش کو تبدیل کیا اور اس کی لکڑی کو بدلا جو مکبرین کے مقام کے اوپر والے حصے کی تھی، نیز اور بھی ضروری تبدیلیاں کیں اور اس کی چادر پر سونے کا پانی چڑھایا گیا اور حضرت عباس کی سقایہ کی جگہوں کو درست کیا گیا جو مدت مدید میں ٹوٹ پھوٹ سے خراب ہو گئی تھیں۔

تیرھویں صدی ہجری کی تجدید:

قبہ کی بنیاد تک اکھاڑا گیا اور اس کی شمسیہ پتھر سے تجدید کر کے قلعی کی مختلف انواع سے اسے مزین کیا گیا اور اس میں دو الماریاں بنائی گئیں اور اس کی شرقی جانب ایک طاق کھولا گیا۔ طاق کے اندر سے سبیل کے لئے ایک حوض بنایا گیا اور قبہ سے ملے ہوئے حوض کی مرمت کی گئی۔ سلطان عبدالحمید اول کے زمانہ ۱۲۰۰ھ میں مسجد حرام میں بعض جھکے ہوئے ستونوں کی درستی اور مسجد کی چھت کے بعض قبول اور چاہ زمزم اور مسجد کے بعض میناروں کی تعمیر کی گئی۔

علامہ طاہر کردی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بیت زمزم کی جالیوں کی تجدید کی گئی اور فرش کے سنگ مرمر اور کنویں کے منہ پر ٹونٹیوں کی اصلاح کی گئی، یہ سب کچھ جناب شریف عبداللہ بن شریف محمد بن عون اور الحاج عزت پاشا کے ہاتھ پر سلطان عبدالقدیر خان کے دور سلطنت میں ۱۲۷۹ھ میں ہوا۔

چودھویں صدی ہجری کی تجدید:

علامہ طاہر کردی مزید کہتے ہیں کہ زمزم گول منہ کا کنواں ہے، اس کے منہ کی وسعت کے مطابق سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور قبہ کے اندر کنویں کے اردگرد اس کی بلندی زمینی فرش سے قریباً ۱۴۰ سینٹی میٹر ہے۔ بیت زمزم کا فرش قبہ کے اندر تک سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اور کنویں کے منہ کے بالائی حصے پر ٹھوس لوہے کے پائے ہیں۔ پایوں کے اوپر ۱۳۳۲ھ میں لوہے کی جالی لگائی گئی۔ جالی لگانے کا سبب یہ بنا کہ افغانستان کے ایک آدمی نے کنویں میں چھلانگ لگادی اور جب اسے باہر نکالا گیا تو اس نے اس حادثہ کے لئے حکومت ترکیہ پر تہمت لگائی۔

جلالۃ الملک عبدالعزیز آل سعود نے اپنے زمانہ میں اپنے ذاتی خرچ سے دو سبیلیں بنانے کا حکم صادر فرمایا' ایک قبہ زمزم کے قریب دروازے کے پاس اس کے جنوبی پہلو پر' اور دوسری بیت زمزم کی جنوبی جانب غوطہ خوروں کے حجرہ کے جوار میں سلاطین آل عثمان کے زمانے کی بنائی ہوئی قدیمی سبیل کی طرف۔ اور یہ بھی کہ قدیم سبیل کی عمارت کی بھی تجدید اسی طرح سے کی جائے جس طرح وہ دو سبیلیں جو اس کے مخصوص نام کے ساتھ بنائی جائیں۔ اس کام کو شیخ عبداللہ دہلوی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور زمزم کے گنبد کے قریب سنگ مرمر کے ساتھ جدید طرز کی ایک سبیل بنائی اور اس کے چھ منہ بنائے اور اسی طرح سے غوطہ خوروں کے کمرے کے نزدیک دوسری جدید طرز کی سبیل بنائی اور اس کے تین منہ دو ہاتھ بنائے۔ قدیمی سبیل کی عمارت کو بھی جدید صورت میں بنایا جو اپنی پڑوسن سے ملتی جلتی ہے اور پہلی سبیل جو باب زمزم کے قریب ہے اس پر یہ الفاظ تحریر کئے گئے:

((ھذا السبیل انشاۃ الامام عبد العزیز بن عبد الرحمن السعود))

سبیل جو غوطہ خوروں کے حجرے کے پاس بنائی گئی اس پر لکھا گیا:

((انشاء ھذا السبیل عبد العزیز بن عبدا لرحمن السعود))

یہ تحریر واضح عربی رسم الخط میں تینوں سبیلوں کی بلندی پر لکھی گئی اور اسے سنہری اور دیگر عجیب وغریب رنگوں سے مزین کیا گیا۔ یہ تینوں سبیلیں حجاج' اہل وطن اور مجاوروں کے لئے صبح اور شام آب زمزم کے مشروب کے لئے سقایہ بن گئیں۔ ان پر سونے کی تین سو اشرفیاں خرچ کی گئیں۔ غوطہ خوروں کے حجرہ کے قریب والی سبیل ۱۳۴۵ھ اور قبہ زمزم والی سبیل ۱۳۴۶ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

۱۳۷۴ھ میں چاہ زمزم کے سامنے اور دونوں اطراف کے ایک حصہ میں چھوٹی سی ایک عمارت تعمیر کی گئی چھت دار دیواروں پر

مشتمل ہے۔اس کے سایہ میں پانی پینے والے سایہ حاصل کرتے ہیں اور اس کی دونوں طرف متعدد ٹونٹیاں نصب ہیں۔جن سے لوگ آب زمزم پیتے ہیں اور باہر سے کنویں کے اوپر تک سیڑھی بنائی گئی جب کہ قبل ازیں اصل عمارت میں وہاں پر دروازہ تھا۔قبہ زمزم پر باہر کی طرف پہلے درج شدہ ان اشعار کو اس کے دروازے پر مشرقی جانب لکھ دیا گیا۔

نیکو کار،صاحب شرافت وسخاوت سلطان عالم عبدالحمید کے لئے قدیمی موروثی شرف (زمزم) کی تعمیر کے باعث مسرت،فتح ونصرت ورفعت ہے،ابن ہاجرہ (اسمٰعیل علیہ السلام) کے (پیاس) کے دن ابراہیم علیہ السلام کا کھودا ہوا کنواں ہے اور آدم علیہ السلام کے زمانے کا جبریل علیہ السلام کا رکضہ (ایڑی مارنا) ہے۔

اور مشرقی جالی پر جہاں شمالی جانب سے قبہ کا دروازہ قریب ہے لکھا ہوا ہے:

((ماء زمزم شفاء من كل داء))

''آب زمزم ہر مرض کی دوا ہے۔''

یہ حدیث ہے جو سیوطی نے اپنی جامع الصغیر میں حضرت صفیہ سے درج کی ہے اور دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں نکالا ہے اور کہا کہ یہ ضعیف ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے:

((آية بيننا و بين المنافقين انه لا يتضلعون من زمزم))

''ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کی علامت یہ ہے کہ وہ زمزم کو سیر ہو کر نہیں پیتے۔''

اس حدیث کو حاکم،ابن ماجہ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور دونوں حدیثوں کے نیچے یہ الفاظ ہیں (رواہ سلطان عبد الحمید خان ۱۲۰۱ھ) اور جنوبی جانب جو قبہ زمزم کے دروازے کے قریب ہے،پر لکھا ہوا ہے:

((" ماء زمزم لما شرب له، لا يجمع ماء زمزم ونار جهنم في جوف عبد"))

''آب زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے،اسی مقصد کے لئے ہے،آب زمزم اور جہنم کی آگ بندے کے پیٹ میں اکٹھے نہیں ہوتے۔''

پہلی حدیث کو سیوطی نے الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے ابن ابی شیبہ،احمد،ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت جابر،ابن عمر سے روایت کیا ہے اور دوسری حدیث کو کنوز الحقائق میں مناوی نے ذکر کیا ہے اور اس کے نیچے بھی یوں ہی لکھا ہوا ہے:

''السلطان عبدالحمید خان ۱۲۰۱ھ۔''

اور زمزم کے قبہ کی شمالی دیوار جہاں سے غربی جانب قریب ہے لکھا ہوا ہے:

((وسقهم ربهم شرابا طهورا))

اور قبہ زمزم کی شمالی دیوار پر نصب کردہ ایک قدیم پتھر پر واضح خط میں لکھا ہوا ہے:

''اس مقام اور اس حطیم پر سنگ مرمر کے کام کا حکم سلطان المعظم الناصر محمد بن سلطان بن سلطان الملک المنصور خاں خادم حرم شریف نے ۷۲۴ھ میں کیا۔''

آب زمزم ڈول کے ذریعے نکالا جاتا اور اسے کھلے منہ کے مخزنوں (حنفیات) میں ڈال دیا جاتا اور ہر حاجی اپنا برتن حنفیہ میں ڈال کر اس میں سے پانی پیتا۔اسی طرح سے حنفیات کے ساتھ پیالے رسی یا زنجیر سے بندھے ہوتے تا کہ پانی پینے والا ان کے ساتھ پانی

نکال لے۔ یہ طریقہ مضرِ صحت ہونے کے پیشِ نظر اور شہروں میں ارتقائی مدارج طے ہونے کے نتیجہ میں وزارت اوقاف نے ۱۳۰۳ھ میں چاہ زمزم کے آگے ایک چھتر بنانے کے لئے ٹنڈر طلب کیئے تا کہ وہاں پر دو بڑے بڑے ٹینک رکھے جائیں اور ہر ٹینک کی بارہ بارہ ٹونٹیاں ہوں اور اسی طرح سے اس کے مکبر جو چاہ زمزم کے اوپر کی جگہ کی توسیع مطلوب تھی۔ نیز اس کے اور چھتر کیلئے مکبر جو چاہ زمزم کے اوپر تھا' کی جگہ کی توسیع مطلوب تھی۔ نیز اس کے اور چھتر کے لئے مکبر تک پہنچنے والی بیرونی سیڑھی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس سکیم کو بذریعہ نیلام عام بروئے کار لایا گیا اور بولی میرے چچا جناب حمزہ کوشک کے حق میں بیس ہزار ریال کے عوض تمام ہوئی۔

اس کام کے دوران میرے دوسرے چچا شیخ حمزہ مرزوقی جو اس وقت وزیر اوقاف تھے، جب کہ ان کا سیکرٹریٹ حمیدیہ میں تھا' کو تجویز پیش کی کہ چاہ زمزم سے وافر مقدار میں صاف ستھرا پانی نکالنے کے لئے زیر آب پمپ لگایا جائے اور اس دور میں کنویں کا پانی انجنوں کے ذریعہ نکالنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاتا تھا۔ حمزہ مرزوقی نے اس تجویز کو دو شرطوں کے ساتھ قبول کرلیا۔ پہلی یہ کہ پمپ لگانے کے کام کی تکمیل سے قبل کوئی رقم نہ دی جائے گی اور دوسری یہ کہ یہ کام طواف کرنے والے کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو۔

میرے چچا نے یہ دونوں شرطیں منظور کر کے شرکت جفالی سے پمپ کی قیمت طے کرلی اور کنویں میں اسے ترکیب کے ساتھ لگانے کے لئے غوطہ خور کا انتظام کرلیا اور یہ کام چھتر' تالابوں اور پانی کے نلوں کی تعمیر کا کام ہو جانے کے بعد کیا گیا چنانچہ پمپ اوپر والے ٹینک میں اور اس کے بعد کنویں کے اردگرد لگائی ہوئی ٹونٹیوں میں پانی ڈالنے لگا۔ میرے چچا کو ڈول کے ذریعے نکالنے والوں کی طرف سے خاصا پریشان کیا گیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ پمپ لگائے جانے سے ان کی ضرورت نہیں رہے گی اور اس طرح انہیں نقصان پہنچے گا۔

پمپ کے ذریعے پانی نکالنے سے آب زمزم زیادہ خوش ذائقہ اور شیریں ہو گیا کیونکہ ڈول پانی کو اوپر کی سطح سے لاتے تھے جب کہ پمپ سطح آب سے دو میٹر نیچے سے لانے لگا۔ پمپ بذریعہ بجلی چلتا تھا اس لئے اس کی کوئی آواز نہ تھی کہ طواف، اعتکاف یا نماز پڑھنے والوں کے لئے خلل کا باعث بنتا، وزارت اوقاف کی طرف سے اس پمپ کی منظوری کے بعد میرے چچا کو ایک فاضل پمپ کی تنصیب کی ذمہ داری بعوض مبلغ دس ہزار ریال سونپی گئی۔

یہ تنصیب چاہ زمزم کی تاریخ میں بڑا انقلاب خیال کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ کنویں سے پانی نکالنے کا طریق کار' پانی کی کمیت اور اس کی نظافت کی رو سے عمدہ اور افضل ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ پانی پینے کا طریقہ بھی بہتر ہوا کہ برتن کو مٹی میں ڈال کر نکالنے کی بجائے ٹونٹیوں سے برتن کو بھرنا آسان ہو گیا اور ڈول بھی پمپوں کے پہلو بہ پہلو ڈول سے پانی پینے کے شائقین کے لئے خدمت سرانجام دیتے رہے۔

دنیا میں مسلمانوں کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا، نیز دوسری عالمگیر جنگ عظیم کے بعد آزاد مسلمان ملکوں میں اضافے' اجتماعی اور اقتصادی حالات میں بہتری اور سفر کی سہولتوں کے باعث ۱۳۵۵ھ سے حجاج کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۷ء) میں حجاج کی تعداد ۹۰۶۶۲ ہوگئی جب کہ ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۳ء) میں ۱۰۰۳۹۱۱ تک پہنچ گئی۔

اس اضافہ نے مکہ مکرمہ میں بالعموم اور مسجد حرام میں بالخصوص محدود خدمات کو بوجھل بنا دیا جس نے ملک عبدالعزیز کو ۱۳۵۵ء میں سوچنے پر مجبور کر دیا کہ حجاج کے اس اضافے کے پیش نظر مسجد حرام کی عمارت میں توسیع کر دی جائے، چنانچہ ۱۳۷۵ھ میں مطلوبہ تعمیر شروع ہوگئی اور اس ضخیم منصوبے پر ۲۰ سال صرف ہوئے۔

مسجد حرام ۱۳۷۵ھ میں وہی عمارت تھی جسے سلطان سلیم نے ۹۸۰ھ میں تعمیر کروایا' وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی اصلاحات اور توسیعات کے باوجود ۴۰۰ سال سے اصل عمارت بغیر کسی تبدیلی کے قائم رہی۔ ہم اس رپورٹ میں مطاف میں ہونے والے عمومی اور چاہ زمزم پر

ہونے والے تغیرات کو پیش نظر رکھیں گے کیونکہ جو تغیرات چاہ زمزم پر ہوئے مطاف پر اس نسبت سے نہیں ہوئے۔

کعبہ شریف کے اردگرد بڑے اور چھوٹے محوروں کے ساتھ بیضوی شکل کا بالترتیب چالیس اور پچاس میٹر کا مطاف ہے اور اس پر سنگ مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں۔ روشنی کے لئے باہر والے محیط پر تانبے کی قندیلیں لگی ہوئی تھیں اور ۱۰۷۲ھ میں زمزم گنبد والی عمارت کے ساتھ ڈھکا ہوا تھا اور اس عمارت کی پہلی منزل مکبر یہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ ۵ محرم ۱۳۷۵ھ کو مسجد حرام کی توسیع کے لئے بڑے اشتیاق کا حامل سرکاری اعلان شائع ہوا اور مسجد نبوی میں استعمال ہونے والے آلات اور سامان کو مکہ مکرمہ منتقل کرنے کی ہدایت کر دی گئی اور یہ بھی کہ مسجد حرام کی توسیع کے لئے معاوضہ جات کی ادائیگی کر کے مطلوبہ چیزوں کو خرید ا جائے۔ پھر صفر ۱۳۷۵ھ میں ولی عہد امیر فیصل بن عبدالعزیز کی سربراہی میں ایک اعلیٰ ادارہ تشکیل دیئے جانے کا حکم صادر ہوا اور اس ادارے کو اعلیٰ سطح کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اس منصوبے میں مکمل نفاذ کے لئے آسانی پیدا کرنے کی خاطر ایک انتظامی کمیٹی تشکیل دے دی گئی اور مفصل کام کی نگرانی اس کے سپرد کر دی گئی۔ پھر دونوں کمیٹیوں کو شاہ فیصل کی سربراہی میں ایک ہی کمیٹی میں مدغم کر دیا گیا۔ چنانچہ سرکاری ہدایات کے مطابق مجوزہ عمارت کا ڈیزائن اور اس کی تعمیر کا کام شیخ محمد بن لادن کے سپرد کر دیا گیا۔ جو ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو مقام سعی اور محلہ اجیاد کی طرف اور قشاشیہ روڈ کے اردگرد شروع ہوا۔ مقام سعی اور اجیاد کے اردگرد کی جائیدادوں کو خرید کر انہیں گرا دیا گیا۔ مقام سعی کو قائم رکھا گیا اور اس کام کے دوران باب علی کے قریب قدیمی حرم کا ایک حصہ گر گیا۔ ۲۳ شعبان ۱۳۷۵ھ کو ایک تقریب میں شاہ سعود نے تعمیر کے افتتاحی مرحلہ کے موقع پر باب ام ہانی کے سامنے سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں شاہی خاندان، علماء، اشراف اور سرکاری ملازمین نے شرکت کی۔ یہ تقریب بین الاقوامی رسمی تقریبات کا منظر پیش کر رہی تھی۔

اس عظیم منصوبے سے دوسرے مرحلے میں جو جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک جاری رہا، قدیمی مطاف کی توسیع مکمل ہوئی۔ چاہ زمزم پر کی عمارت کو گرا دیا گیا اور کنویں کا منہ سطح مطاف سے نیچے ہو گیا۔ ہر منبر اور چھتری کو تبدیل کیا گیا اور مقام ابراہیم کے لئے نئے سرے سے بنیاد قائم کی گئی۔ مقام جدید کا افتتاح جلالۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز نے ایک سرکاری تقریب میں ۱۸ رجب ۱۳۸۷ھ کو کیا۔

اس توسیع کے نتیجے میں مطاف کا قطر ۸۔۶۴ میٹر ہو گیا، اس اعتبار سے کہ کعبہ قطر کا مرکز ہے۔ مطاف کو ۲۵ میٹر چوڑی اور ۲۰ سینٹی میٹر اونچی دو باہم متجاوز گزرگاہیں محیط ہیں اور مطاف کے فرش پر مختلف حجم کے اٹلی سے درآمد شدہ سفید سنگ مرمر لگائے گئے ہیں۔ بعض تاریخی مقامات کے سیاہ پتھر کے ساتھ، ان کی جائے وقوعہ کو محفوظ کیا گیا۔ طواف کے لئے مستقل طور پر بطور معمول استعمال ہونے والے دائرے کے اندرونی حصہ کو صفوں کے ساتھ ممیز نہیں کیا گیا لیکن دائرے کے بیرونی حصہ کو ۸ گول صفوں میں کالے سنگ مرمر کے دس سینٹی میٹر چوڑے حاشیے کے ساتھ واضح کیا گیا جو نماز باجماعت میں صفوں کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سنگ مرمر کی سلوں سے بنے ہوئے وہ راستے جو مطاف سے آ کر ملتے ہیں، ان میں اور ان کی حدود میں صدیوں سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، بلکہ ان میں سے بعض کی تاریخ کا آغاز تو جیسا کہ روایت کیا جاتا ہے، اسلام سے ماقبل ہوتا ہے۔ روشوں کے مابین کھلے قطعے کنکریوں سے ڈھکے ہوئے ہیں اور حصاوی کہلاتے ہیں۔ اوقات نماز میں ان پر چٹائیاں بچھا دی جاتی ہیں اور حجاج ان حصاوی پر کبوتروں کے لیے گندم کے دانے پھینکا کرتے ہیں۔

چنانچہ کعبہ کے اردگرد مطاف کا رقبہ ۳۰۵۸ مربع میٹر ہو گیا جو مطاف سے محیط روشوں کو چھوڑ کر قریباً ۱۸۵۰۰ افراد کے لئے کافی ہے۔ حج اوقات میں یہ رقبہ معہ روشنیوں کے ۱۵۴۰۰ مربع میٹر تک پہنچ جاتا ہے اور ۱۱۴۰۰۰ افراد کے لئے کافی ہو رہتا ہے جب کہ اژدھام بڑھ جاتا ہے جس کے باعث طواف کی رفتار میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اٹھنے والے قدموں کو چھوٹا کر دیتا ہے اور طواف کی تکمیل میں قریباً ایک

گھنٹہ چالیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔

مطاف کی توسیع کے ساتھ چاہ زمزم کی اوپر کی عمارت کو منہدم کر دیا گیا اور دائرہ مطاف کے بیرونی محیط کے قریب چاہ زمزم کے منہ کو مطاف کی سطح سے نیچے کر دیا گیا' اسے کعبہ کی طرف سے نصف دائری دیوار محدود کرتی ہے جس کا نصف قطر ۴.۹۰ میٹر تک پہنچتا ہے اور اسے دیگر اطراف سے مستطیل شکل کا ایک پردہ جس پر نمبر ادرج ہے' محدود کرتا ہے اور شرقی جانب سے ۱۴.۷۶ میٹر کی ۲۳ درجہ سے بنائی ہوئی کنویں سے گہری ہوئی سطح زمین پر سیڑھی کے ذریعے پہنچنا ممکن ہے جو ٹونٹیوں والی جگہ تک لے جاتی ہے۔اس کا رقبہ ۱۵.۸۸x۸.۴۸ میٹر ہے اور مطاف سے نیچے ۲.۷ میٹر پر ہے۔ پینے والی جگہ کا رقبہ ۱۰۰۷.۴ مربع میٹر ہے جس میں ۵۴۲.۷ مربع میٹر مردوں کے لئے اور ۴۶۴.۷ مربع میٹر عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ یہ ۳۹ ٹونٹیوں کے ساتھ تعمیر شدہ ہے۔

پچھلی صدی تک کنویں کے حجرہ کی شرقی جانب سخت ٹھوس ڈھانچے پر مشتمل تھی۔ کنوئیں کا مشاہدہ سلاخوں میں سے کیا جا سکتا تھا اور کنوئیں تک رسائی ان دروازوں میں سے ہو سکتی تھی جو اس لوہے کے ڈھانچے میں ثبت تھیں اور یہ دروازے عام طور پر بند ہی رہتے تھے۔ مردوں کے لئے پانی کی بیس ٹونٹیاں اور عورتوں کے لیے پانی کی انیس ٹونٹیاں تھیں جو زیر زمین مخزنوں سے زمزم کی سیڑھی کے دونوں طرف متصل تھیں۔ پھر یہ ٹونٹیاں باب السلام کے مخزن سے مل جاتی تھیں اس کے بعد کہ پانیوں کی تعقیم (Steralization) بالا بنفشی شعاعوں کے ساتھ کر دی گئی۔

زمزم کی ٹونٹیوں سے دائمی استعمال کیلئے نکلنے والا پانی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی نالی میں جمع ہو جاتا ہے، پھر عورتوں کے حصے کی جانب جاتا ہے اور غربی طرف سے ہو کر حرم سے باہر شہر کے نکاس کی نالی میں پمپ کر دیا جاتا ہے۔

فصل نمبر:

خصوصیاتِ آب زمزم

جنتی چشمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک حبشی زم زم میں گر کر مر گیا۔ حضورﷺ نے ایک مرد کو اتارا تو اس نے اسے نکالا، پھر فرمایا: اس سے سارا پانی نکالو۔ پھر جو شخص کنویں کے اندر تھا اسے فرمایا: ڈول اس چشمہ کی طرف سے بھر و جو بیت اللہ شریف اور رکن کی طرف ہے کیونکہ وہ چشمہ جنت کے چشموں میں سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ آب زم زم کی اصل جنت سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((ان فی زم زم عینا فی الجنة من قبل الرکن))

"بے شک زم زم میں ایک چشمہ جنتی ہے جو رکن کی طرف ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ آب زم زم جنت سے ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنة' باب مافی الدنیا من انھار الجنة ۴/ ۲۱۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((سیحان و جیحان و الفرات و النیل کل من انھار الجنة))

"سیحان' جیحان' فرات اور نیل سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۔"

ان نہروں کا جنت کے پانی سے ہونا جو ہے اس میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہیں اور ان کا مادہ جنت سے ہے اور جنت پیدا ہو چکی۔ یہی اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ (شرح صحیح مسلم امام نووی ۱۷۷/۱۷)

جب رسول اللہ ﷺ کو سدرۃ المنتہی کی طرف جانا ہوا تو آپ نے چار نہریں دیکھیں جو جنت کی اصل سے نکل رہی تھیں دو نہریں ظاہر تھیں اور دو باطن تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کہا کہ اے جبرائیل! یہ نہریں کیسی ہیں؟ تو جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا: جو باطنی دو نہریں ہیں یہ جنت میں ہیں اور جو ظاہر ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔

(بخاری، التوحید باب ما جاء فی قولہ تعالی وکلم اللہ موسی تکلیما ۴۷۸/۱۳)

بہترین پانی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خير ماء على وجه الارض ماء زم زم فيه طعام الطعم وشفاء السقم))

''زمین پر پائے جانے والے پانیوں میں بہترین آب زم زم ہے۔ اس میں بھوکے کے لئے کھانا' بیمار کے لئے شفاء ہے۔''

صادق ومصدوق آقا ﷺ نے فرمایا:

((ان ماء زم زم خير مياه الارض على الاطلاق ففيه كل خير و بركة))

''بے شک زمین کے پانیوں سے بہترین پانی علی الاطلاق آب زم زم ہے۔ اس میں ہر خیر اور ہر برکت ہے۔''

نرالہ ظہور:

آب زمزم کو ظاہر کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پانی کو حکم کرتا کہ وہ پھوٹ پڑے اور خود بخود نکل آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اس پانی کے شرف کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا اور جس کے لئے یہ نکلا اس کی عظمت کو واضح کرنا چاہا تو سید الملائکہ سیدنا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کو حکم دیا تو اس نے زمین پر اپنا پر مارا جس سے یہ برکتوں والا پانی نکل آیا۔ برکت والی جگہ میں' برکت والے سید کے لئے اور برکت والے امین کے فعل کے واسطہ سے۔

اس طرح پانی کی شرافت وعظمت میں زیادتی ہوئی اور اللہ عزوجل اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے۔

آب زمزم بہترین جگہ پر:

آب زم زم بیت اللہ شریف کے پاس ہے۔ رکن اور مقام ابراہیم کے قریب ہے۔ صفا' مروہ اور عظیم مشاعر کے قریب ہے۔ اور یہ مبارک جگہ اسی طرح ہی نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا بیت عتیق ہوگا اور ایسا مکان جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور انوار کا نزول ہوتا رہے گا۔

اس سے اس پانی کا کبیر شرف اور عظیم قدر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اس مناسب مکان کو اختیار فرمایا۔

یہ پانی اللہ کے معظم گھر کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج اور عمرہ کرنے والے حضرات اور اس بیت عتیق کے پڑوسیوں کو سیراب کرنا ہے۔

ہر بیماری کی شفاء:

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے ان کے لئے برکتوں والے آب زم زم کو ہر بیماری سے شفاء کی

خاصیت عطا کی۔اللہ تعالیٰ اپنے کرم وفضل سے جسے چاہے اسے آب زم زم کے ذریعے شفاء عطا کرتا ہے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((زم زم طعام طعم و شفاء سقم))

''زم زم بھوکوں کیلئے بھوک مٹانے والا کھانا اور بیماروں کے لیے شفاء ہے۔''

((وحمل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم زمزم فى الاداوى والقرب' وكان يصب منه على المرضى ويسقيهم))

''اور رسول اللہ ﷺ برتنوں اور مشکیزوں میں زم زم اٹھاتے اور آپ بیماروں کے اوپر ڈالتے اور انہیں پلاتے تھے۔''

وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ ثقہ تابعی ہیں،آپ فرماتے ہیں:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں وہب کی جان ہے' کوئی بھی شخص آب زم زم پر اعتماد کر کے پئے حتیٰ کہ اس کا پیٹ خوب بھر جائے تو بلا شک وشبہ اس سے بیماری نکل جاتی ہے اور شفاء اس کے لئے ظاہر ہو جاتی ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ماء زم زم لما شرب له فان شربته تستشقى به شفاك الله))

''آب زم زم جس مقصد کے لئے پیا جائے اسی کے لئے ہے۔تو اگر تو اسے پئے اس کے ساتھ شفاء طلب کرتے ہوئے تو اللہ تجھے شفاء دے گا۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر بیماری سے شفاء کیلئے آب زم زم پیا کرتے تھے کیونکہ وہ آب زم زم میں اس خاصیت سے واقف تھے اور انہیں یہ علم بھی تھا کہ آب زم زم جس مقصد کے لئے پیا جائے اس کے لئے کارگر ہوتا ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آب زم زم پیا کرتے یہ دعا مانگا کرتے:

((اللهم انى اسألك علماً نافعاً و رزقاً واسعاً وشفاءً من كل داء))

''اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔'' (المستدرک الحاکم ۱/۴۷۳)

یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کیا ہم نے بھی ان کے ساتھ حج کیا تو جب آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کیں پھر صفا کی طرف نکلتے ہوئے آپ آب زم زم کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اے لڑکے! اس سے میرے لئے ایک ڈول نکالو! حضرت یحییٰ کہتے ہیں کہ ابا جان! نے ان کے لئے کنویں سے ڈول نکالا تو ان کے پاس لایا گیا' آپ نے اس سے پیا اور کچھ اپنے سر اور چہرے پر ڈالا اور آپ فرما رہے تھے: زم زم شفاء ہے جس مقصد کے لیے پیا جائے اسی کے لیے ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خير ماء على وجه الارض ماء زم زم فيه طعام الطعم وشفاء السقم))

''زمین پر بہترین پانی آب زم زم ہے۔اس میں بھوکے کا کھانا اور بیماری کی شفاء ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم کی حدیث کو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کرتے ہوئے کہا:

((انها مباركة انها طعام طعم))

''بے شک یہ برکت والا ہے۔ بے شک بھوکوں کی بھوک مٹانے والا کھانا ہے۔''

امام تقی الدین فاسی متوفی ۸۳۲ نے (شفاء الغرام ۱/۲۵۵) میں لکھا کہ احمد بن عبداللہ شریفی جو مسجد حرام مکہ شریف میں فراش تھے۔ انہوں نے اپنے اندھے پن سے شفاء کے لیے آب زم زم پیا تو انہیں شفاء عطا ہوئی۔ اس کی خبر مجھے ہمارے شیخ علامہ تقی الدین عبدالرحمن بن ابی الخیر فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دی۔

عمر بن محمد مؤرخ (اتحاف الوری باخبار ام القری) کے مصنف متوفی ۸۸۵ سے نقل کیا اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا ہے، اس نے کہا کہ میں نے اپنے والد رحمہ اللہ تعالیٰ کو حکایت بیان کرتے سنا کہ جب ان کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا وہ مکہ میں تھے، پانی اس قدر بہتا رہا کہ ان کی بینائی ختم ہوگئی اور انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا، وہ ایک چلا کر لے جانے والے کے کچھ وقت محتاج ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شفاء کی نیت سے آب زم زم پیا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور اس کی تصدیق کے لئے جو آب زم زم کے بارے وارد ہوئی ہے اور میں نے اپنی آنکھوں میں بھی پانی ڈالا تو مجھے اس عارضہ سے بہت جلد نجات مل گئی حالانکہ ڈاکٹر حضرات آنکھ میں پانی ڈالنے سے مجھے روکتے تھے، پانی آنکھ میں ڈالنے کو وہ اندھا ہونے کا سبب کہتے تھے لیکن جب طبیعت کے معاملہ پر اللہ تعالیٰ کی مدد غالب ہو تو معاملہ الٹ جاتا ہے۔

اسی جار اللہ محمد بن عبدالعزیز نے کتاب مذکور میں اپنے بارے لکھا جیسا کہ میں نے اسے لکھا ہوا اس کے خط میں دیکھا، اس نے کہا:

''۹۱۰ھ میں اسی طرح کا واقعہ مجھے پیش آیا کیونکہ میری آنکھوں کو درد شروع ہوگئی۔ اس بیماری جو ''حطاط'' کہا جاتا ہے اور اس بیماری میں آنکھوں کی پلکوں کے اندر چھوٹے چھوٹے دانے نکل آتے ہیں۔ اس تکلیف نے مجھے مطالعہ اور رات کو مسجد حرام میں حج کے دنوں میں چلنے سے روک دیا تو میں مطاف شریف میں نماز صبح ادا کرتا اور زم زم کے کنویں کی طرف چلا جاتا اور اس کا پانی پیتا اور حجر اسود کے مقابل حوض میں اپنا سر داخل کر دیتا اور اس کے درمیان اپنی آنکھیں کھولتا اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتا اور میرا دل ٹوٹ چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسی سال اس بیماری سے مجھے عافیت عطا کر دی۔''

امام تقی الدین فاسی متوفی ۸۳۲ھ (شفاء الغرام ۱/۲۵۵) ذکر کیا کہ فقیہ علامہ مدرس مفتی ابوبکر بن عمر بن منصور اصحی جو یمن کے معتبر علماء میں سے ہیں، انہوں نے پانی زم زم پیا۔ استسقاء کی عظیم بیماری سے شفاء کی نیت سے جو انہیں مکہ میں ہی لگی تو آب زم زم پینے کے اثر سے آپ کو شفاء ہوگئی۔ اسی طرح مجھے ان کے فقیہ صالح بیٹے عفیف الدین عبداللہ نے مکہ میں اطلاع دی۔

مجھے اس نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی کہ جب اسے شدید استسقاء کی مرض ہوئی تو وہ ڈاکٹر کے پاس مکہ میں جانے کے ارادہ سے نکلے تو جس ڈاکٹر کے پاس گئے اس نے ان کی طرف توجہ ہی نہ کی، اس وجہ سے ان کا دل ٹوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آب زم زم پینے کا خیال ڈال دیا۔ اس حدیث کے سبب جو اس بارے وارد ہوئی آب زم زم جس مقصد کے لئے پیا جائے اسی مقصد کے لئے ہے تو انہوں نے زم زم کا ارادہ کر لیا اور ایک ڈول منگوا کر پانی پیا حتی کہ خوب سیر ہو گئے اور سیر ہونے کے بعد آپ نے اپنے پیٹ میں کوئی چیز ٹوٹتی محسوس کی تو آپ جلدی جلدی بھاگے حتی کہ رباط سدرۃ تک پہنچے تاکہ اس سے نجات حاصل کریں۔ وہاں تک پہنچتے ہوئے انہیں مسجد بھر جانے کا ڈر تھا تو انہوں نے کھل کر پاخانہ کیا، پھر آب زم زم کی طرف لوٹ آئے اور دوبارہ خوب پیٹ بھر کر پیا اور پھر کثیر مواد نکالا، اس کے بعد صحیح ہو گئے۔

اسی اثناء میں کہ ان دنوں وہ مکہ میں کسی جگہ کپڑے دھو رہے تھے اور اپنے پاؤں سے ان کو کوٹ رہے تھے تو اچانک وہی ڈاکٹر جس نے اسے چیک کر کے مہربانی کرنے سے منہ پھیر لیا اس نے کہا کیا تو وہی ہے جسے وہ بیماری تھی۔ انہوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: کس چیز سے تو نے علاج کیا؟ آپ نے کہا: آب زم زم سے تو اس نے کہا: اللہ پاک ہے، اس نے تجھ پر لطف و کرم کیا ہے۔

یہ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بھی پہنچی اس ڈاکٹر سے کہ اس نے جب انہیں پہلی بار دیکھا تو کہا تھا کہ یہ تین دن نہیں جیئے گا۔

جناب محترم المقام ڈاکٹر شیخ محمد مظہر بقا (جو اصول فقہ اور فقہ پر احیاء التراث الاسلام کے مرکز جامعہ ام القری میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔) اللہ تعالیٰ انہیں خیر و عافیت سے رکھے اور ان سے نفع عطا فرمائے' نے مجھے بیان کیا کہ انہوں نے جب ۱۳۹۰ھ میں پہلا حج کیا۔ اس وقت انہیں سلسل البول کی بیماری تھی' طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے معذور تھے۔ انہوں نے شفاء کی نیت سے آب زم زم پیا اور اپنے رب سے اس کرم کی دعا مانگی کہ نمازیں اور عبادات کو پوری پوری پاکیزگی کے ساتھ ادا کریں اور انہیں اس بیماری سے نجات حاصل ہو جو طہارت اور پاکیزگی کے منافی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو پینے کے بعد اسی دن سے شفاء عطا کر کے ان پر کرم کر دیا اور وہ ایسے ہوئے کہ جیسے انہیں یہ بیماری تھی ہی نہیں۔

اسی طرح آب زم زم سے شفاء پانے والوں کی خبریں بہت ہی زیادہ ہیں بلکہ وہ حد و شمار سے بڑھ کر ہیں حتی کہ امام قزوینی متوفی ۶۸۲ھ نے فرمایا۔

آب زم زم تمام مختلف بیماریوں سے شفاء کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بندگان خدا تو کہتے ہیں کہ اگر تمام ان بیماریوں کو جمع کیا جائے جن کا علاج ڈاکٹر و حکیم حضرات کرتے ہیں تو یہ ان بیماریوں کا نصف بھی نہ ہوگا جن سے اللہ تعالیٰ آب زم زم کے ذریعے عافیت عطا فرماتا ہے۔

یہ خاصیت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان پر ظاہر فرمایا اور یہ کہ آب زم زم بیماریوں کی شفاء ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے دن تک باقی رہے گی۔ حضور ﷺ نے اسے کسی زمانہ سے مخصوص نہیں فرمایا۔ امام ابوبکر بن عربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں:

''یہ آب زم زم سے شفاء پانا ہر اس شخص کے لیے تا قیامت اس میں موجود رہے گا جس کی نیت درست ہو، ضمیر صحیح ہو اور اسے جھٹلانے والا نہ ہو اور نہ تجربہ کے لیے پیئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ و توکل کرنے والوں کے ساتھ ہے اور وہ تجربہ کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔'' (احکام القرآن' ابن عربی ۳/ ۱۱۴۳' الجامع الاحکام القرآن قرطبی ۹/ ۳۷۰)

وہ شفاء دینے والا پاک ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی شفاء کے سوا شفاء ممکن نہیں اور پاک ہے وہ ذات جس نے اس برکت والے پانی کو ہر بیماری کے لئے شفاء بنایا اور ہم اللہ تعالیٰ سے درگزر' معافی' عافیت' ہمیشہ کی تندرستی اور برائی سے حفاظت' دین' دنیا اور آخرت میں مانگتے ہیں۔ اپنے لئے' ماں باپ کے لیے' اپنے مشائخ کے لئے' اپنے بھائیوں کے لیے' مسلمان عورتوں اور مردوں سب کے لیے۔ بے شک وہ سب کرم کرنے والوں سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔

آب زم زم میں عمومی طور پر ہر بیماری کی شفاء ہے اور خصوصی طور پر وہ بخار کی بیماری کی شفاء ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری (کتاب بدء الخلق باب صفۃ النار ۶/ ۳۳۰) میں ابی جمرۃ ضبعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مکہ میں بیٹھا تھا اور مجھے بخار ہو گیا تو انہوں نے کہا: اسے آب زم زم کے ساتھ ٹھنڈا کر کے دور کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ بخار جہنم کی گرمی سے ہے، اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ یا راوی کہتے ہیں کہ فرمایا آب زم زم سے ٹھنڈا کرو۔

(مسند امام احمد)

البتہ ٹھنڈا کرنے کی کیفیت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا: ''بخار کو ٹھنڈا کرنے کی کیفیت بہترین وہ ہے جو سیدہ اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل ہے کہ آپ بخار والے کے بدن پر اس کے سینے پر کچھ پانی چھڑک دیا کرتی تھیں۔

یہ ایسے ہی جیسے کسی کو دم کر کے پھونکنے یا چھڑکنے کی اجازت ہوتی ہے۔

اور پھر صحابیؓ مثلاً اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو ان حضرات میں سے ہیں جو نبی کریم ﷺ کے گھر کے ساتھ لازم ہو چکے تھے تو یہ حضرات غیر سے زیادہ بہتر مراد جانتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کا سیدہ اسماء کی حدیث کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے بعد ذکر کرنے میں کوئی راز ہو کیونکہ ابن عمر کی حدیث مذکور ہوئی کہ بخار جہنم کی گرمی ہے اس کو پانی سے بجھاؤ اور یہ اس کی نئی اور عجیب ترتیب ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱۷۶)

ازرقی نے ضحاک ابن مزاحم تابعی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آب زم زم کو تضلع (خوب سیر ہو کر پینا) منافقت سے بیزاری ہے اور آب زم زم صداع یعنی سر کے درد کو دور کرتا ہے اور اس میں دیکھنا بینائی کو بڑھاتا ہے۔

آب زم زم سر اور بدن پر ڈالنا سنت ہے اور اس میں دیکھنا عبادت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت بدن کے اعضاء کو نور اور جلاء عطا کرتی ہے۔

فصل نمبر:

ماءزمزم لما شرب لہ

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((ماء زمزم لما شرب له))

''زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے وہ غرض پوری ہو جاتی ہے۔'' (اخبار مکہ، جلد دوم، صفحہ ۵۲)

اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا۔ منذری اور دمیاطی نے اسے صحیح کہا ہے اور حافظ نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔

اس مبارک کنویں کا پانی تمام پانیوں کا سردار ہے۔ اس کی بڑی قدر ہے۔ لوگ اس سے بہت محبت کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اس مبارک پانی کی فضیلت اور فوائد کے متعلق کئی احادیث مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

((ماء زمزم لما شرب له))

بیمار اس سے شفاء پاتا ہے۔ بھوکا اس سے پیٹ بھرتا ہے اور پیاسا اپنی پیاس دور کرتا ہے۔ اس کے اور بے شمار فوائد ہیں جو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے لے کر دور حاضر تک تجربہ سے معلوم کئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ جس غرض کے لئے پیا جائے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی خواہش سے بات چیت نہ کرتے تھے۔ اس کی تفسیر ابن عباس کی روایت میں مذکور ہے جو انہوں نے حدیث ماء زمزم لما شرب له کی بیان کی ہے کہ اگر تو شفاء کی نیت سے پئے گا تو شفاء حاصل ہوگی۔ اگر پیٹ بھرنے کی نیت سے پئے گا تو پیٹ بھر جائے گا اور اگر پیاس بجھانے کی غرض سے پئے گا تو تیری پیاس مٹ جائے گی۔

اسے دارقطنی نے بیان کیا۔

اگر تو پناہ لینے کی نیت سے پئے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے پناہ دے گا۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس جب زمزم کا پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اللھم انی اسئلك علماً نافعاً ورزقاً واسعاً و شفاءً من کل داء))

"یا اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والا علم، وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔"

ابوذر کی مندرجہ ذیل روایت جو مرفوع مذکور ہے اس کی تائید کرتی ہے:

((زمزم مبارکۃ انا طعام طعم وشفاء سقم))

"زمزم کا پانی مبارک ہے، کھانے والے کو طعام کا کام دیتا ہے اور مریض کو شفاء بخشتا ہے۔"

یہ الفاظ صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

جیسا کہ عقل اور طب کے اصولوں سے یہ بعید نہیں کہ اس کا پانی جس غرض سے پیا جائے وہ پوری ہو اور ثقہ علماء کے تجربہ سے بھی ثابت ہوا ہے کہ زمزم کا پانی اللہ کے حکم سے فائدہ پہنچاتا ہے اور جس غرض سے پیتے ہیں وہ غرض پوری ہو جاتی ہے اور عقلی طور پر اس کا کوئی مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافع کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بنایا ہو۔ اور جو انسان طلب کرتا ہے اس کا حصول اس پر مرتب کیا ہو۔ بشرطیکہ خلوص نیت سے ہو اور جب اسے پئے تو اس کی پوری پوری تصدیق کرے۔ جس طرح کہ سید الخلق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے۔ یہ پانی بڑی برکت والا ہے اور خیر کثیر اور نفع کا باعث ہے، اس لئے سنت یہ ہے کہ انسان اسے پیٹ بھر کر پئے اور برکت کی امید سے پئے۔ اور منافقوں کی عادت کی مخالفت کرے کیونکہ وہ اس کا پانی بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق اور شک کی بیماری ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((ان ایۃ ما بیننا و بین المنافقین لا یتضلون من ماء زمزم))

"ہمارے مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان امتیاز کرنے والی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ آب زمزم پیٹ بھر کر نہیں پیتے۔" (ابن ماجہ)

اس روایت کے مطابق ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ حج بیت اللہ یا عمرہ کی توفیق دے وہ اس مبارک پانی کو اتنا پئے کہ پسلیاں تن جائیں اور جب تک مکہ معظمہ میں رہے اس کا پانی بکثرت پئے اور پیتے وقت جسمانی اور قلبی بیماریوں سے شفایاب ہو جانے، علم نافع اور عمل مقبول کی دعا کرے اور ایسے عمل کی نیت کرے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے۔ ایسا آدمی اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کے مطابق اس پر فضل کرے اور اس کی دعا قبول فرمائے۔ وہ اللہ کے حرم میں اس کا مہمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت کرم کرنے والا ہے وہ اپنے بندے کو اپنے فضل سے اس نعمت سے محروم نہیں کرتا۔

فصل نمبر:

آب زم زم گھروں کو لے کر جانا اور اس کا دوسرا استعمال

زمانہ قدیم سے رواج چلا آرہا ہے کہ مسلمان حج کرنے کے بعد گھروں کو واپسی کے وقت اپنے ہمراہ اس مبارک پانی کو لے جاتے ہیں۔ اس کے لئے مخصوص قسم کے برتن پہلے ہی تیار شدہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو بطور تحفہ یہ پانی پیش کرتے ہیں۔ اس کے متعلق اصل روایت وہ ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے:

((انها كانت تحمل من ماء زمزم وتنحران رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحمله))

''حضرت عائشہ زمزم کا پانی ساتھ لے جاتی تھیں اور بتاتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ بھی پانی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔''

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ پانی کسی مٹی کے برتن میں ڈال کر اٹھاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ بھی ایسا کرتے تھے اور مکہ میں ہمیشہ لوگ ایسا ہی کرتے تھے۔ پچھلی صدی میں سقوں کو دیکھا جاتا کہ صراحیوں میں پانی بھر کر لوگوں کے پاس پھرتے تھے۔ حرم شریف میں زمزم کا پانی ان کے پاس ہوتا تھا۔ یہ لوگوں کو پانی پلانے کے لئے پھرتے تھے۔ نیز پانی کی صراحیاں بھر کر حاجیوں کی رہائش گاہوں پر پہنچاتے تھے تا کہ حجاج چاہ زمزم کے مکان کے اندر اژدحام کی تکلیف سے بچ جائیں۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے جو پانی حاصل کرے، اسے پینے میں استعمال کرے۔ گھر میں ذخیرہ کرنے کے لئے حاصل نہ کرے۔ حکومت حجاز کا یہ بہت اچھا کارنامہ ہے کہ اس نے حکم نافذ کیا ہوا ہے کہ وہ برتن اور گیلن جن میں پانی ڈال کر اسلامی ممالک میں بھیجا جاتا ہے ان کو پہلے نہایت صاف ستھرا کریں، پھر اس میں پانی بھریں۔

حاجی کو چاہئے کہ جب چاہ زمزم پر پہنچے اور پانی پئے تو وہاں بکثرت دعا کرے، کیونکہ یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اپنے رب سے جامع دعا کرے۔ اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرے اور اپنی توبہ کی قبولیت اور بلندی درجات کی دعا کرے۔ نیز اپنے والدین، رشتہ دار اور اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں دعا کرے، کیونکہ ان کے لئے غائبانہ دعا بہت جلد منظور ہوتی ہے۔ جب آپ ایسے مقام پر ہوں کہ جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا۔ اس مقام پر ہمیں بھی یاد رکھیئے۔

بعض لوگ سفید لٹھا لے کر زمزم کے پانی سے دھوتے ہیں تا کہ موت کے وقت ان کا کفن ہو۔ آنحضرت ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔ وہ تو صرف زمزم کا پانی پینے پر اکتفا کرتے تھے۔

فصل نمبر:

آب زمزم پیتے وقت کی نیتیں

بہت سارے سادات صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ علماء نے آب زم زم پیتے وقت مخصوص نیتوں کو دل سے حاضر رکھنے پر حرص کیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد ماء زم زم لما شرب له سے یہ ہی سمجھا کہ دعا زمزم پیتے وقت قبول ہوتی ہے۔ بے شمار عام مومنوں نے ان کی اس بات پر پیروی کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی نیتیں متعدد اور کئی طرح کی ہیں۔ دینی اور دینوی حاجات سے ان کا تعلق ہے کیونکہ انہیں نبی کریم ﷺ کے فرمان کہ زم زم جس مقصد کے لئے پیا جائے اسی کے لیے ہے پر ایمان و یقین ہے اور اللہ تعالی سے وہ اپنے مقصود (جس کی انہوں نے نیت کی) کے حصول کی امید رکھتے ہیں۔

بہت سارے بلکہ بے شمار حضرات نے اپنے وہ مقاصد دنیا میں پائے جن کے لیے انہوں نے آب زم زم پیا اور اللہ تعالی سے امید رکھی جاتی ہے کہ جو کچھ انہوں نے اس سے مانگا وہ آخرت میں عطا فرمائے گا۔

روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے جب آب زم زم پیا تو یہ دعا فرمائی:

((اللهم انی اشربه لظما یوم القیمة))

''اے اللہ! بے شک میں اسے قیامت کے دن کی پیاس کے لیے پیتا ہوں (تا کہ اس پیاس سے بچوں)''

امام حافظ حکیم ترمذی کے والد سے روایت کی گئی ہے اور حکیم محمد بن علی بن حسن متوفی ۳۲۱ھ، سے آپ کے بیٹے حکیم ترمذی نے بیان کیا ہے کہ میرے ابا جان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

''میں اندھیری رات میں طواف کرنے لگا، مجھے پیشاب آ گیا، اس نے مجھے طواف نہ کرنے دیا۔ قطرے ٹپکنا شروع ہو گئے حتی کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی اور مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں مسجد سے نکلوں تو کوئی میرے قدموں تلے نہ آ جائے۔ یہ دن بھی حج کے تھے تو مجھے یہ حدیث یاد آ گئی یعنی ماء زم زم لما شرب لہ میں زم زم کے پاس گیا تو خوب سیر ہو کر پیا تو پیشاب کا مسئلہ صبح تک حل ہو گیا۔''

امام علامہ حافظ قاضی ابی بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی سے روایت ہے، احکام القرآن انہی کی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں ۴۸۰ھ ذی الحجہ کے اندر مکہ میں مقیم تھا اور آب زم زم بہت زیادہ پیتا تھا، جب بھی پیتا علم و ایمان کی نیت کرتا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے زم زم کی برکت سے میرے لئے علم کو کھول دیا۔ اتنی مقدار میں جتنا میرے لئے اس نے آسان کیا اور میں یہ بھی بھول گا کہ عمل کے لیے پیوں۔ کاش! میں علم و عمل دونوں کے لئے پیتا حتی کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں میں میرے لئے کشادگی عطا کرتا اور تنگی نہ ہوتی، بہر حال علم کی طرف جھکاؤ عمل سے زیادہ ہوا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفظ و توفیق کا اس کی رحمت کے ساتھ سوال کرتے ہیں۔'' (احکام القرآن ۱/۱۱۲۴)

اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ، صاف ستھری جانوں پر رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کتنی زیادہ عاجزی کرتے تھے اور عمل کے دعوی سے دور ہوتے تھے حالانکہ وہ اس مقام میں پہنچے جہاں انہیں پہنچنا تھا لیکن یہ سبق اور عبرتیں ان کے لیے ہیں جو عبرت حاصل کریں۔

امام ابو بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جب میں نے حج کیا' آب زم زم کئی مقاصد کے لیے پیا۔ ان میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ میں فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ تک پہنچوں جن کا نام عمر بن رسلان ہے، وہ امام مجتہد اور حافظ ہیں، متوفی ۸۰۵ھ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے رتبہ کو پاؤں۔''

فصل نمبر:

آبِ زم زم پینے کے آداب

آب زم زم پینے کے کئی آداب ہیں۔ فقہاء اور اصحاب مناسک نے اس پر نص فرمائی یہ آداب سات ہیں:

۱۔ زم زم پیتے وقت دعا مانگنا (آداب میں سے ہے)

چونکہ زم زم پیتے وقت دعا کرنا قبولیت کے اوقات میں قبولیت کی قوی امید والا وقت ہے لہذا زم زم پینے والے کو چاہئے کہ زم زم پیتے وقت دنیا و آخرت کی خیر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔

زم زم پیتے وقت جامع ترین دعا وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مانگی اور دوسروں کو سکھائی۔

جیسا کہ فاکہی نے ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی فرمایا کہ آپ نے ایک آدمی کو زم زم پیتے دیکھا تو فرمایا: کیا تو جانتا ہے آب زم زم کیسے پیا جاتا ہے؟ ڈول زم زم سے نکال' پھر قبلہ کی طرف منہ کر اور کہہ بسم اللہ اور تین بار سانس لے حتی کہ خوب پیٹ بھر جائے اور کہہ:

((اللھم انی اسئلك علماً نافعاً و رزقاً واسعاً وشفاء من کل داء))

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے نفع بخش علم' کشادہ رزق اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔''

یہ ہی وہ دعا ہے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود مانگا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ۵/۱۱۳' سنن الدارقطنی ۲/۲۸۸' مستدرک حاکم ۱/۴۷۳)

۲۔ ہر بار پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔

۳۔ ہر بار سانس لینے کے لئے پینے کی انتہا کے وقت الحمد للہ تعالیٰ کہنا۔

۴۔ دائیں ہاتھ سے پینا کیونکہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا اور بائیں ہاتھ سے پینے سے روکا ہے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔(صحیح مسلم' الاشربۃ' باب آداب الطعام والشراب ۳/۱۵۹۸)

۶۔ کثیر زم زم پینا اور کوکھیں بھر کر پینا۔

۷۔ قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہونا (یعنی منہ کا رخ اس طرف کرنا)

۸۔ تین سانسوں میں پینا' کہ پینے والا برتن کو منہ سے تین مرتبہ الگ کرے اور تین مرتبہ پئے کہ رسول اللہ ﷺ پینے میں سانس لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ سانس لینا زیادہ سیراب کرنے والا' زیادہ صحت بخش اور زیادہ خوشگوار ہے۔

(صحیح مسلم' الاشربۃ' باب کراھۃ التنفس فی نفس الاناء ۳/۱۶۰۳)۔

ابن قیم نے زاد المعاد ۴/ ۲۳۰ میں اس جملہ ''انہ اروی وابرا وامرا'' کی شرح کرتے وقت کہا: اس پینے میں بہت ساری حکمتیں اور اہم فوائد ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے جمع ہونے پر اپنے اس ارشاد ''انہ اروی وابرا وامرا'' سے خبردار فرمایا۔

۹۔ برتن میں پھونکنا مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(صحیح مسلم ۳/۱۶۰۲)

جو آداب گزر گئے ان کی دلیل وہی ہے جو حضور ﷺ کے فعل سے مروی ہے اور جس کی سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس شخص کو تعلیم دی جس نے زم زم پینے کا ارادہ کیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ زم زم کے مقام میں تھے کہ آپ نے ڈول لانے کا حکم دیا تو کنویں سے آپ کے لئے ڈول نکالا گیا۔ تو آپ نے اسے کنویں کے کنارے پر رکھا پھر اپنا ہاتھ اس ڈول کے کنارے کے نیچے سے رکھا، پھر فرمایا: بسم اللہ پھر اس میں منہ لگا کر آپ نے پیا' پینے میں دیر کی پھر دیر فرمائی یعنی خوب پیا۔ پھر سر انور اٹھایا تو فرمایا: الحمد للہ' پھر آپ نے دوبارہ (پینے کی طرف) توجہ فرمائی تو فرمایا: بسم اللہ۔ پھر اس میں منہ لگا کر پیا تو پہلے سے کم وقت لگایا۔ پھر سر اٹھایا تو فرمایا: الحمد للہ پھر اس سے منہ لگا کر پیا تو بسم اللہ کہا، پھر دیر تک پیتے رہے مگر دوسری مرتبہ سے کم دیر لگی۔ پھر سر مبارک اٹھایا تو فرمایا: الحمد للہ، پھر فرمایا:

((علامة ما بيننا وبين المنافقين لم يشربوا منها قط حتى يتضلعوا))

''ہمارے اور منافقوں کے درمیان نشانی یہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی خوب سیر ہو کر آب زمزم نہیں پیا۔''

عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ سے روایت ہے، فرمایا: ایک آدمی ابن عباس کے پاس آیا۔ آپ نے اسے کہا: تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے زم زم پیا ہے۔

آپ نے اسے کہا: کیا تو نے ایسے ہی پیا ہے جیسے کہ پینا چاہئے تھا؟

اس نے کہا: وہ کیسے اے ابن عباس؟

فرمایا: جب تو زم زم پیئے تو منہ کعبہ شریف کی طرف کر۔ بسم اللہ پڑھ' تین بار سانس لے اور خوب سیر ہو کر پی تو جب فارغ ہو تو اللہ عزوجل کی حمد کر کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور منافقوں کے درمیان نشانی یہ ہے کہ وہ زم زم خوب سیر ہو کر نہیں پی سکتے۔

فصل نمبر:

آب زم زم پلانے کا ثواب

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم شریف میں (الحج' باب حجة النبی ﷺ ۸۹۲/۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے حج کی کیفیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف کی طرف لوٹ آئے مکہ میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ بنی عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے، وہ آب زم زم پلاتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب زم زم نکالو۔ اگر لوگوں کے تم پر تمہارے پلانے پر غلبہ کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نکالتا۔ انہوں نے ڈول پیش کیا اور آپ نے اس سے نوش فرمایا۔''

نبی کریم ﷺ نے جہاں زم زم کے علاوہ پانی پلانے کی فضیلت بیان فرمائی وہاں دیگر احادیث میں آپ نے اس نیک عمل کی اللہ کے ہاں قدر و عظمت کو بیان فرمایا۔

امام مسلم نے مسلم شریف (کتاب البر والصلة' باب فضل عیادة المریض ۱۹۹۰/۴) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللہ عزوجل یقول یوم القیامة یا ابن آدم استقیتك فلم تسقنی قال یا رب وکیف اسقیك وانت رب العالمین؟ قال استسقاك عبدی فلان فلم تسقه اما انك لو سقیة وجدت ذلك عندی))

''بے شک اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب! میں کیسے تجھے پلاتا تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اسے نہ پلایا اگر تو اسے پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔''

امام بخاری ومسلم (صحیح بخاری' المسقات' باب فضل سقی الماء ۴۰/۵۔ ۴۱' صحیح مسلم' اسلام' باب فضل سقی البهائم غیر المحترمة واطعامها ۴/۷۱۶' الفاظ مسلم کے ہیں) نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بینما رجل یمشی بطریق اشتد علیه العطش' فوجد بئرا' فنزل فیها فشرب' ثم خرج فاذا کلب یلهث' یاکل الثری من العطش' فقال الرجل لقد بلغ هذا الکب من العطش مثل الذی کان بلغ منی' فنزل البئر فملا خفه ماء ثم امسکه بفیه حتی رقی' فسقی الکلب' فشکر اللہ له فغفر له قالوا یا رسول اللہ وان لنا فی البهائم لاجرا؟ فقال فی کل کبد رطبة اجر))

''ایک آدمی راستہ میں جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی اسے ایک کنواں دکھائی دیا تو وہ اس کے اندر اترا اور پانی پیا، پھر باہر نکلا تو ایک کتا ہانپ رہا تھا۔ پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا۔ اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو اسی طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھر کر اپنے منہ کے ساتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالی نے اس کی قدر کی اور اسے بخش دیا۔ (صحابہ کرام) نے عرض کیا! یا رسول اللہ! جانوروں میں بھی ہمارے لئے اجر وثواب ہے؟ فرمایا: ہر تر جگر والے میں اجر ہے۔''

اور عبداللہ بن دینار کی روایت میں فغفر لہ کے بجائے فادخلہ الجنۃ (اور اسے جنت میں داخل کر دیا) ابن حبان کی روایت اسی طرح ہے۔ (فتح الباری: ۴۲/۵)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں میں سے غیر محترم جانور (جیسے کتا، لومڑی، شیر، درندے) کو پانی پلانے کی فضیلت بیان فرمائی کہ اس کام کے کرنے والے کو حسن خاتمہ نصیب ہوا اور اسی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوا تو بنی نوع انسان میں سے کسی فرد کو پانی پلانے کی فضیلت کیا ہوگی جنہیں اللہ تعالی نے فضیلت عطا کی اور بہت زیادہ عزت وکرامت سے نوازا؟ تو جب کتے کو پانی پلانے سے مغفرت حاصل ہوگئی تو مسلم کو پلانے سے بہت زیادہ عظیم اجر نصیب ہوگا۔

بلکہ اللہ تعالی نے ایک فاسقہ فاجرہ عورت کو بخش دیا جو بنی اسرائیل کے زناکاروں میں سے تھی کیونکہ اس نے ایک ہانپتے کتے کو پانی پلایا تھا جو پیاس کی وجہ سے قریب تھا کہ مر جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب بخاری شریف (بدء الخلق باب اذا وقع الذباب فی شراب احدکم ۳۵۹/۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((غفر لا مراة مومسة مرت بكلب على راس ركى يلهث قال كاد يقتله العطش فنزعت خفها' فاوثقة بخمارها' فنزعت له من الماء فغفر لها بذالك))

''ایک زانیہ عورت کی بخشش ہوگئی جو کنویں کے کنارے زبان نکالتے ہانپتے ہوئے کتے کے پاس سے گزری۔ فرمایا قریب تھا کہ پیاس اسے قتل کر دے تو اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اور اپنے دوپٹہ کے ساتھ باندھا پھر کتے کے لئے پانی کھینچا اس وجہ سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔''

امام بخاری نے (آخر کتاب الانبیاء ۵۱۱/۶) بالفاظ دیگر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((''بينما كلب يطيف بركية كاديقتله العطش اذ راته بغي من بغايا بني اسرائيل' فنزعت موقها' فسقه فغفرلها به''))

اسی دوران کہ کتا کنویں کے گرد گھوم رہا تھا کہ پیاس سے مر جاتا جب اسے ایک بنی اسرائیل کی زانیہ بدکار عورت نے دیکھا تو اس نے اپنا موزہ اتارا اور کتے کو پانی پلایا اس کے بدلہ میں اسے بخش دیا گیا۔

اس کے علاوہ کثیر احادیث ہیں جو پانی پلانے کی عظیم فضیلت کو بیان کرتی ہیں تو آب زم زم پلانا کیسا ہوگا جو برکت والا عظیم خیر

امام منذری رحمہ اللہ تعالی نے پانی پلانے کی فضیلت میں ذکر کیا ہے کہ یہ عمل بیماریوں سے شفاء کا سبب ہے کیونکہ علی بن حسن بن

شفیق سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ ابن مبارک سے سنا اور ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا: اے ابو عبدالرحمٰن! ایک پھوڑا میرے گھٹنے میں سات سال سے نکلا ہوا ہے اور میں نے کئی طرح اس کا علاج کیا اور ڈاکٹروں' طبیبوں سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی مگر مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

آپ نے فرمایا: جا! ایسی جگہ دیکھ جہاں لوگوں کو پانی کی حاجت ہو۔ وہاں کنواں کھود دے کہ بے شک مجھے امید ہے وہاں چشمہ پھوٹے گا ادھر تیرا خون رک جائے گا۔ تو اس شخص نے یہ کام کیا اور تندرست ہو گیا۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

اس مفہوم کو ہمارے شیخ حاکم ابو عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ محمد بن عبداللہ متوفی ۴۰۵ کی حکایت تقویت دیتی ہے کہ آپ کے چہرے پر پھنسیاں پھوڑے ہو گئے اور انہوں نے بہت علاج معالجہ کیا مگر یہ بیماری دور نہ ہوئی تقریباً ایک سال وہ اسی حالت میں رہے تو انہوں نے استاد امام ابو عثمانی صابونی' اسماعیل بن عبدالرحمٰن نیشاپوری' علامہ محدث مفسر واعظ' متوفی ۴۴۹ رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں ان کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کر دی اور اکثر لوگوں نے آمین کہی۔

جب دوسرا دن ہوا۔ ایک عورت نے مجلس میں رقعہ بھیجا کہ وہ اپنے گھر لوٹ کر گئی اور حاکم ابو عبداللہ کے لئے اس رات دعا میں پوری قوت صرف کی۔ تو اس نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے۔ ابو عبداللہ سے کہہ کر مسلمانوں پر پانی میں توسیع و کشادگی کر دے۔

رقعہ حاکم کے پاس لایا گیا۔ اس نے اپنے گھر کے دروازے پر سبیل کی تعمیر کا حکم صادر فرمایا، جب تعمیر سے فارغ ہوئے اس میں پانی اور برف ڈالنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے پینا شروع کر دیا۔ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ اسے شفاء ظاہر ہو گئی اور وہ پھنسیاں پھوڑے زائل ہو گئے اور چہرہ پھر اسی طرح خوبصورت ہو گیا تھا اور وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہا۔

آب زم زم پلانے کی ڈیوٹی میں تو بہت عظیم شرف ہے جس کا اندازہ قیمت سے نہیں لگایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے پانی پلانے کا کام اپنے چچا سیدنا عباس اور ان کے بیٹوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد کر دیا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عظیم شرف کو جو حضور نبی ﷺ نے آپ کو عطا کیا تھا اپنا شعار و علامت بناتے ہوئے کہا:

((واعطانی زم زم وما احب ان لی بها جمیع اموال اهل مكة)).

"مجھے آپ نے زم زم عطا کیا اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اہل مکہ کا تمام مال اس کے بدلہ میں مجھے ملے۔"

اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور خبردار کیا جاتا ہے کہ جو تیری عزت و اکرام زم زم پلا کر کرے اور تجھے تحفہ عطا کرتے تو اسے قبول کر خوشی اور رشک سے اور اسے رد نہ کر (کیونکہ اگر تو نے رد کر دیا) تو (گویا) خیر کثیر کو رد کر دیا۔

امام حافظ حجت سفیان بن عیینہ' علامہ' شیخ الاسلام' محدث الحرم' متوفی ۱۹۸ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی گئی ہے کہ ان کے پاس آب زم زم لایا گیا تو آپ نے پیا اور اپنی دائیں جانب والے کو پلایا اور فرمایا: آب زم زم خوشبو کے قائم مقام ہے کہ اسے رد نہیں کیا جاتا۔
(اخبار مکہ' فاکہی ۲/۴۷)

جیسے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ خوشبو کو رد نہیں کیا جاتا۔
(صحیح بخاری اللباس' باب من لم یرد الطیب ۱۰/۳۷۰)
اس میں حدیث اس طرح ہے:

((ان النبی صلی الله علیه واله وسلم كان لا یرد الطیب))

"نبی کریم ﷺ خوشبو رد نہ کیا کرتے تھے۔"
اسی طرح آب زم زم ہے۔

فصل نمبر:

قرآن مجید اور علم الماء

آبی چکر:

1580ء میں Bernard Palissy وہ پہلا شخص تھا جس نے موجودہ آبی چکر (Water Cycle) کا تصور پیش کیا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کیسے سمندر وغیرہ کا پانی بخارات میں تبدیل ہوتا ہے اور ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بادل جہاں سے بنتے ہیں وہاں سے خشکی کی طرف رواں ہوتے ہیں۔ یہ پانی ندیوں اور جھیلوں کی صورت میں اکٹھا ہوتا ہے اور پھر واپس سمندروں میں جا گرتا ہے۔ اس طرح یہ آبی چکر (Water Cycle) مسلسل جاری رہتا ہے۔
ساتویں صدی قبل از مسیح یونانی فلسفی Thales کا یہ کہنا تھا کہ سمندروں کی سطح پر موجود پھوار کو آندھیاں زمین پر لا پھینکتی ہیں اور اس طرح بارش ہوتی ہے۔
عہد سابقہ میں لوگ زمین کے اندر پانی کے منبع سے ناواقف تھے۔ ان کا یہی خیال تھا کہ سمندروں کا پانی براعظم کے اندرونی حصوں پر آندھی کے تھپیڑوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ان کا یہ بھی نظریہ تھا کہ پانی ایک خفیہ راستے سے یا کہ تحت الثریٰ سے آتا ہے۔ سمندر سے منسلک یہ تصوراتی راستہ افلاطون کے زمانے سے (Tartorus) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ایک عظیم فلاسفر Descartes بھی انہی خیالات کا حامل تھا۔ ارسطو کا نظریہ تو انیسویں صدی عیسوی تک مسلمہ رہا۔ وہ نظریہ یہ تھا کہ پانی پہاڑوں کے ٹھنڈے غاروں میں تکثیف (Condensation) کے عمل سے گزرتا ہے اور زمین کے نیچے جھیلیں بناتا ہے جو کہ بعد میں چشموں کی صورت میں ابھرتی ہیں۔"
اب ہم جان چکے ہیں کہ بارش کا وہ پانی جو دراڑوں اور مساموں سے رینگ کر زمین کے نیچے پہنچتا ہے وہ اس کا باعث بنتا ہے۔
قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(("الم تر ان الله انزل من السمآء مآء فسلكه ينا بيع فى الارض ثم يخرج به ذرعا مختلفا الوانه")) (القرآن المجید، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 39 (الزمر)، آیت نمبر 21)

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پانی نازل کیا آسمانوں سے پھر اسے چشمے (بنا کر) زمین میں چلایا، پھر وہی اللہ اس سے مختلف رنگوں کی کھیتی نکالتا ہے۔"

اور فرمایا:

(("وينزل من السمآء مآء فيحي به الارض بعد موتها ان فى ذلك لايت لقوم يعقلون")) (القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (روم)، آیت نمبر 24)

"اور وہی نازل کرتا ہے آسمان سے پانی، پھر پانی سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرنے کے بعد، بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لیے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(("وانزلنا من السمآء مآء بقدر فاسکنه فی الارض وانا علیٰ ذهاب به لقدرون"))

(القرآن الجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 18)

"اور ہم ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا ایک مقررہ اندازہ کے ساتھ، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور بیشک ہم اس کو لے جانے (ختم کر دینے) پر (بھی) قادر ہیں۔"

یقیناً قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب آپ کو نہیں ملے گی جو آج سے چودہ سو تیس سال قبل واٹر سائیکل کی مکمل وضاحت کرتی ہو۔

عمل تبخیر:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(("والسمآء ذات الرجع"))

"آسمان کی قسم! جو مینہ (پانی) برساتا ہے۔" (القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 86 (الطارق)، آیت نمبر 11)

ہوائیں بادلوں کو بارآور کرتی ہیں:

ارشاد ربانی ہے:

(("وارسلنا الریح لواقح فانزلنا من السمآء مآء فاسقینکموه"))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 15 (الحجر)، آیت نمبر 22)

"اور ہم ہی نے تو ہوائیں بھیجیں (پانی سے) بھری ہوائیں، پھر ہم ہی نے تو آسمان سے پانی نازل کیا پھر وہ ہم نے تمہیں پلایا۔"

یہاں "لواقح"، "لقح" کی جمع ہے اور لاقحہ سے مشتق (بنا ہوا) ہے جس کے معنی بارآور کرنے کا ہے۔ آیت میں بیان کی مناسبت کے لحاظ سے اس بارآور کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہوائیں بادلوں کو دھکیلتی ہوئی تکثیف (Condensation) کے عمل کو بڑھاتی ہیں اور تکثیف کا عمل گرج، چمک اور آخر کار بارش کا موجب بنتا ہے۔ یہی بیان ہمیں قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ملتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

(("الم تران الله یزجی سحابا ثم یولف بینه ثم یجعله رکاما فتری الودق یخرج من خلله وینزل من السمآء من جبال فیها من برد فیصیب به من یشآء ویصرفه عن من یشآء یکاد سنا برقه یذهب بالابصار"))

(القرآن الجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 43)

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے پھر وہ انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور وہ آسمانوں (میں جو اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اتارتا ہے اولے۔ پھر وہ جس پر چاہے انہیں ڈال دیتا ہے، اور جس سے چاہے وہ اسے پھیر دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک

آنکھوں (کی دیکھنے کی قوت کو) لے جائے۔"

مزید برآں ایک اور ارشاد ربانی سنیے:

(("الله الذی یرسل الریح فتثیر سحابا فیبسطه فی السمآ کیف یشآء ویجعله کسفا فتری الودق یخرج من خلله فاذا اصاب به من یشآئمن عبادة هم یستبشرون"))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (روم)، آیت نمبر 48)

"اللہ وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں پھر وہ بادلوں کو پھیلاتا ہے آسمان میں جیسے وہ چاہتا ہے اور وہ بنادیتا ہے بادل کو ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھے کہ اس سے مینہ نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وہ پہنچا دیتا ہے، تو وہ اچانک خوشیاں منانے لگتے ہیں۔"

(("وهو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی رحمته ط حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد میت فانزلنا به الماء فاخرجنا به من کل الثمرات کذلك نخرج الموتی لعلکم تذکرون"))

"اللہ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے حتیٰ کہ جب وہ بھاری بادل اٹھالائیں تو ہم نے انہیں کسی مردہ شہر کی طرف ہانک دیا پھر اس سے پانی نازل کیا پھر ہم نے نکالے اس سے ہر قسم کے پھل، اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے تا کہ تم غور کرو۔o" (القرآن الکریم، پارہ نمبر 8، سورۃ نمبر 7 (الاعراف)، آیت 57)

(("انزل من السمآء ماء فسالت اودیة بقدر ها فاحتمل السیل زبدا رابیا"))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 13، سورۃ نمبر 13 (الرعد)، آیت نمبر 17)

"اسی اللہ نے آسمانوں سے پانی اتارا، پس بہہ پڑے ندی نالے اپنے اپنے انداز سے، پھر اٹھایا (اوپر لے آیا) نالہ پھولا ہوا جھاگ۔"

(("وهو الذین ارسل الریح بشرا بین یدی رحمته وانزلنا من السمآء ماء طهورا o یحی به بلدة میتا و نسقیه مما خلقنا انعاما و اناسی کثیرا))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت 48-49)

"اور اللہ وہی ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) کے آگے ہوائیں خوشخبری (کے لیے) بھیجیں اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا تا کہ ہم اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور ہم اس سے پلائیں ان کو جو ہم نے پیدا کئے ہیں کثیر چوپائے اور آدمی۔"

(("والله الذی ارسل الریح فتثیر سحابا فسقنه الی بلد میت فاحیینا به الارض بعد موتها کذلك النشور"))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 35 (فاطر)، آیت نمبر 9)

"اور اللہ وہی ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس کو مردہ شہر کی طرف لے گئے پھر ہم نے اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اسی طرح (مردوں کو روز حشر) جی اٹھنا ہے۔"

(("وجعلنا فیها جنت من نخیلو اعناب و فجرنا فیها من العیون"))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 34)

''اور ہم نے زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگور کے اور ہم نے ہی تو زمین میں چشمے جاری کیے۔''

((''وما انزل الله من السمآء من رزق فاحيا به الارض بعد موتها و تصريف الريح ايت لقوم يعقلون''))

''اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد اور ہواؤں کی گردش میں عقل والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (القرآن الکریم، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 45 (الجاثیہ)، آیت نمبر 5)

((''وانزلنا من السمآء مآء مبركا فانبتنا به جنت وحب الحصيد ٥ والنخل بسقت لها طلع نضيد٥ رزقا للعباد و احيينا به بلدة ميتا كذلك الخروج''))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 50 (ق)، آیت نمبر 9-10-11)

''اور ہم ہی نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتی کا غلہ اور بلند و بالا کھجور کے درخت اگائے، جن کے خوشے تہ بہ ہیں، بندوں کے لیے بطور رزق اور ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح (قبر سے) نکلنا ہوگا۔''

((''افرئيتم المآء الذى تشربون٥ ء انزلتموه من المزن ام نحن المنزلون٥ لو نشاء جعلنه اجا جا فلو لا تشكرون٥''))

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 56 (الواقعہ)، آیت 68-69-70)

''کیا تم دیکھتے ہے وہ پانی جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے بادل سے نازل کیا یا ہم نازل کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ہم اسے بدذائقہ کردیں پس تم کیوں شکر نہیں کرتے۔٥؟''

فصل نمبر:

آب زمزم کی تقسیم کا جال

آب زمزم کی تقسیم کا جال باب السلام کے ذخیرہ آب سے منسلک ہے اور کنویں پر پمپ لگے ہوئے ہیں جو ۲۰ ہارس پاور بجلی سے چلتے ہیں۔ باب السلام کا ذخیرہ آب تیز رفتار پانی کے ۱۲ انچ کے لوہے کے پائپ کے ساتھ پھیلا ہوا ہے اور ایام حج کے علاوہ پمپ دن میں ۶ سے ۷ گھنٹے مسلسل بلاتوقف چلتا رہتا ہے' اور ۵۰۷ لیٹر پانی فی منٹ خارج کرتا ہے، لیکن حج کے موسم میں پمپوں سے لمبے وقت تک کام لیا جاتا ہے اور ۱۲ انچ قطر کا پائپ حرم کے زیرزمین زمزمہ کے حجروں اور خلاوی کو پانی مہیا کرتا ہے۔ پانی کے جال میں ۱۹۴ ٹونٹیاں ہیں۔ ان میں سے ۱۵۵ زمزمہ کے حجروں اور خلاوی اور ۳۹ ٹونٹیاں زمزم کے منطقہ میں ۱.۲ میٹر بلند ہیں اور پیتل سے بنی ہوئی ہیں۔ وزارت حج و اوقاف نے ایک حجرہ تہ خانے میں اس غرض کے لئے مخصوص کر رکھا ہے کہ اگر دیگر مخزنوں میں پانی کی رفتار کم ہو جائے تو اس میں پانی جمع کر لیا جائے۔ یہ حجرہ زمزم کے جال سے متصل ہے اور برامیل (پیپوں) سے تیار شدہ ہے جو زیادہ تر معدنیات اور مٹی کے بنے ہوئے تا کہ ان میں پانی جمع کیا جائے۔ زمزمہ اپنے برتن ان برامیل سے بھرا کرتے تھے اور حرم اور اس کے اردگرد چل پھر کر زائرین کو گھروں میں یا حرم کے منطقہ حصاوی میں متعین مقامات پر بیٹھ کر پانی پلاتے۔ جمعہ کے دن' رمضان المبارک اور گرمی کے مہینوں میں

سینکڑوں کی تعداد میں یہ برتن آب زمزم سے بھر کر مطاف کے ارد گرد حصاوی میں زائرین کے پینے کے لئے رکھ دیئے جاتے۔

فصل نمبر:

چند سال پہلے مکمل ہونے والے منصوبہ جات

گزشتہ سالون میں مطاف کی توسیع اور اندرون حرم نکاسی آب کے نظام کے بہتر بنانے کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔۱۳۹۲ھ کو وزارت مال اور ملکی اقتصادیات نے اس بارے میں تفصیلی و تحقیق مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ پاکستان کی متحدہ انجینئر ز ایسوسی ایشن پر ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ مطاف اور منطقہ زمزم کی توسیع کے لئے منصوبہ بنا کر تفصیلی تحقیقاتی رپورٹ پیش کرے اور اسی طرح مغربی جرمنی کنسلٹنٹ انجینئر زو۔ف۔کورنر کے اشتراک عمل سے حرم کے پانی کی نکاسی کی سکیم اور رپورٹ تیار کرے۔

لہٰذا مشاورتی اداروں کی اس سکیم کے لئے ابتدائی تحقیقات حکومت کی طرف سے منظور ہونے کے بعد تفصیلی نقشہ' عملدرآمد کے خاکے اور ٹھنڈر طلبی کی دستاویزات تیار کرلی گئیں اور بن لادن فاؤنڈیشن کے ساتھ' اس کی عظیم الشان مسجد کی توسیع کے عظیم تجربات کے پیش نظر' منصوبے پر عملدرآمد کے لئے مذاکرات ہوئے اور وزراء کی کابینہ کی منظوری کے بعد متعلقہ جگہ کو ۱۳۹۸۔۵۔اھ کو کنٹریکٹر سپرد کر دیا گیا اور اس منصوبے پر بہترین طریقے سے کام کیا گیا۔

مطاف اور منطقہ زمزم سے متعلق جدید سکیم کی خصوصیات:

۱۔ مطاف کے دائرے کا قطر ۶۴.۸ میٹر کے مقابلے میں ۹۵.۲ میٹر کر دیا گیا اور مطاف کا رقبہ ۳۲۹۸ مربع میٹر سے بڑھ کر ۷۱۱۹ میٹر ہو گیا، اس توسیع کے ساتھ مطاف میں ایک ہی وقت میں ۲۷ ہزار افراد کے لئے جگہ میسر ہوگئی۔ اب کعبۃ اللہ کے مطاف اور دونوں منزلوں اور طواف کے لیے بنائی گئی لوہے کی عارضی سلوں کے ذریعے ۲۵ لاکھ حاجیوں کے طواف کرنے کی سہولت میسر ہے۔

۲۔ تہ خانہ میں جہاں زمزم ہے' کے رقبہ کی وسعت ۱۳۵ مربع میٹر سے بڑھ کر ۱۲۱ تا ۱۴۵۰ مربع میٹر ہوگئی۔ زمزم کی جدید عمارت کنویں کا قریب سے مشاہدہ اور ٹونٹیوں سے پانی پینا آسان ہو گیا اور یہ وسعت اتنی ہوگئی کہ ایام حج میں ۲۵ سو افراد کے مجمع کے لئے کافی ہے۔

۳۔ جدید تہ خانے کے الگ الگ دو حصے ہو گئے۔ ایک مردوں کے لئے اور دوسرا خواتین کے لئے۔ ہر حصے میں ایک سیڑھی اور لفٹ داخل ہونے کے لئے اور دوسری باہر آنے کے لئے۔ حج کے دوران حجاج کے آنے جانے کے لحاظ سے داخل ہونے اور باہر آنے کے مقامات متعین کر دیئے جاتے ہیں۔

۴۔ پینے کے پانی (آب زمزم) کے نلوں کی ترتیب میں تعداد اور منصوبے کی رو سے بہتری آئی جس سے پانی پلانے کی خدمات بآسانی سرانجام دی جاسکتی ہے اور یہ آمد و رفت میں یقینی سہولت کا باعث بھی ہے:

۵۔ زمزم کے تہ خانے کو ائیر کنڈیشنڈ کر دیا گیا اور تازہ ہوا مہیا کرنے کے لئے جدید اپریٹس کا انعقاد کیا گیا تاکہ اس جگہ کا درجہ حرارت ۳۲ سینٹی گریڈ سے نہ بڑھنے پائے اور ہوا کے نظام کی ترتیب اس کو روکنے اور کھولنے کے سسٹم پر مبنی ہونہ کہ اندرونی ہوا کی تحریک کی تنظیم پر۔

۶۔ تہ خانے کو جدید دروازے لگائے گئے تاکہ حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں دیکھ بھال اور کام کی اضافی ذمہ داری کے پیش نظر اس کا نصف حصہ بند رکھا جائے۔

۷۔ تہ خانے میں بجلی کے قمقموں کے ذریعے بالواسطہ متحرک رکاوٹوں کے ساتھ عام دنوں میں ۵۰ واٹ روشنی ہوتی ہے اور رمضان اور حج کے دنوں میں ۱۵۰ واٹ روشنی کی جاتی ہے۔

فصل نمبر:

آب زمزم کی تقسیم کا نظام

حرم شریف میں تقسیم آب کا موجودہ نظام ماضی میں پمپوں کے انعقاد ذخیرہ آب کے اہتمام اسے ٹھنڈا کرنے اور اس کی تقسیم درست شدہ جال پر مشتمل جدید کمپریشر سسٹم کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا۔ مجوزہ نظام کی خوبیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ جدید قسم کے اپریٹس لگائے گئے جن سے مخازن آب میں پانی کے پمپ کرنے اس کی اصلاح کرنے اور اسے ٹھنڈا کرنے کی سہولت یقینی ہو گئی۔

۲۔ باب السلام پر واقع موجودہ مخزن حج کے دنوں میں اضافی پانی جمع کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ عام دنوں میں مجوزہ سکیم کے مخازن ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہیں۔

۳۔ چاہ زمزم پر پانی نکالنے کا مرکزی پمپ زیر آب پمپ سے تبدیل کر دیا گیا۔

۴۔ چاہ زمزم کو بیرونی فضا سے محفوظ کرنے کے لئے اس کے لئے شفاف ڈھکنا تیار کیا گیا۔

۵۔ تہ خانے میں موجودہ ۳۹ پیچدار ٹونٹیوں سے بڑھ کر ۳۵۰ ٹونٹیاں ہو گئیں اور ایک منٹ میں ۱۱۳۵۰ اشخاص پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح حج کے موسم میں روزانہ پانچ لاکھ اشخاص پانی پی سکتے ہیں۔ پانی پینے والی نوکدار نالیوں کی بلندی اور ان کے طرز سے وضو اور غسل کے ساتھ پانی کے غلط استعمال کی حوصلہ شکنی ہو گئی۔

۱۴۳۳ ہجری میں ان ٹونٹیوں میں خاصہ اضافہ کیا گیا، جس سے پانی استعمال کرنے والوں کو مزید سہولت مل گئی۔

۶۔ نمازیوں اور حاجیوں کو ٹھنڈا پانی مہیا کرنے کے لئے گراؤنڈ فلور اور فسٹ فلور میں مناسب مقامات پر مجموعی طور پر ۳۸۴ پیچدار ٹونٹیاں لگائی جائیں گی اور ہر ٹونٹی کو اس ترتیب سے لگایا گیا کہ گرایا ہوا پانی مسجد کے نکاسی والے پائپ میں بہہ جاتا ہے۔

۷۔ تہ خانے میں زمزمہ کے نظام کو قائم رکھا گیا لیکن ان پیچدار ٹونٹیوں کی تعداد بتدریج کم کر دی گئی۔

۸۔ حرم کے ارد گرد اور صحن میں صفائی کے لئے اور آگ پر قابو پانے کے لئے کافی تعداد میں پانی کے ماخذ تیار کئے گئے جن میں پانی ان مخزنوں سے آتا ہے جنہیں داؤدیہ کنوئیں کے پانی سے بھرا جاتا ہے۔

فصل نمبر:

استعمال شدہ آب زمزم کی نکاسی

یاخور کنواں:

چاہ زمزم کی سطح نشیب ہونے سے قبل اس کا استعمال شدہ پانی ''یاخور'' کنویں کی ڈرین میں قدرتی ڈھلان کے باعث پورا پورا نکل جاتا تھا۔ حرم کی نکاسی کا نالہ بھی اسی ڈرین میں جا پڑتا تھا۔ کنویں کی سطح نشیب میں ہو جانے کے بعد زمزم کا پانی بڑی مشکل سے نالہ مذکورہ میں جاتا اور اگر اس نالہ میں کوئی رکاوٹ واقع ہو جاتی تو قدرتی ڈھلان کے طریقے سے نکاسی میں مزید مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

"یاخور" ترکی زبان کالفظ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ترکوں کے تسلط کے دوران زمزم سے بہنے والے اور حرم میں پڑنے والی بارشوں کے پانیوں کے نکالنے کے لئے گہرا نالہ بنایا گیا اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نالہ اس گہرے کنویں سے ملا ہوا تھا جو حرم سے ایک فاصلے پر واقع تھا اور اس کی جائے وقوع نامعلوم تھی اور اپنی بہت بڑی گہرائی کے باعث کنواں کہلاتا اور کئی چھوٹی چھوٹی نالیاں تھیں جو موجودہ محلہ مسفلہ کی عمارتوں کے نیچے سے گزرتیں۔ان نالیوں کی ابتداء معلوم نہیں لیکن احتمال یہ ہے کہ ترکوں نے انہیں یاخور کنوئیں کے مخارج کے طور پر قائم کیا ہوگا۔حرم میں تبدیلیاں ہونے' بکثرت عمارتوں کے بن جانے' متعدد ادوار کے گزرنے اور زمزم کے نکاسی کے نظام کو یاخور کنوئیں میں گرنے والی نالیوں سے ملانے کے نتیجہ میں نیز یاخور کنویں میں پانی پڑنے کے باعث اور غالباً ان نالیوں کے ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں یاخور کنوئیں کے نظام میں رکاوٹیں پیدا ہوگئیں اور وہ بے کار ہو کر رہ گیا۔

نکاسی کے دو مرحلے:

چنانچہ اس وقت کی صورت حال کی تحقیقات کے لئے نکاسی آب کو دو مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

مرحلہ اول: یہ چاہ زمزم کے استعمال شدہ پانی کے حرم سے باہر نکالنے کا مرحلہ ہے جبکہ اس کا اختتام (۲۸۴۳۹) سے منسوب مقام پر ہوتا ہے اور چھوٹے بازار کے مدخل کے مقام کے قریب جاگرتا ہے اور اس مرحلہ میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔

مرحلہ ثانی: یہ اس مقام سے محلہ مسفلہ کی طرف یاخور کنوئیں کے نالہ کی صفائی کی صورت میں پانی کی نکاسی یا اس پانی کے شارع مجلہ کے ساتھ واقع بارشوں کے پانی کی نکاسی کے نالے میں پمپ کرنے کا مرحلہ ہے۔امور حرم کے ذمہ دار ادارے نے یاخور کنوئیں کے نالے کی صفائی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور احسن اظہر کے گھر سے لے کر شارع مجلہ کے ساتھ عبدالغفار بخاری کے گھر تک ۱۵۰۰ میٹر تک صفائی میں کامیاب ہوگیا۔

نکاسی کی مشکلات:

اس کے بعد اس کی راہ گزر بارش کے پانی کے نکاس کے نالے کی نسبت نشیب میں ہونے کے باعث اس کی صفائی مشکل ہوگئی اور درج ذیل مشکلات پیش آئیں:

۱۔ متعلقہ علاقہ آباد تھا اور اس میں کھدائی سے عمارتوں کی بنیادوں کو خطرہ درپیش تھا۔

۲۔ یاخور کنوئیں کے نالے کی گزرگاہ سے کامل واقفیت کا نہ ہونا جس سے کارکنوں کو بیشتر اوقات میں اندازے سے کام لینا ہوتا۔

۳۔ زمین کی متعلقہ بلندی اور کنوئیں کے نالے کا متعلقہ نشیب اور سابقہ تجربات کی بنیاد پر یہ آگاہی کی کھدائی کم و بیش ۱۱ میٹر کی گہرائی تک پہنچتی ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

۴۔ زیرزمین پانی' چٹانوں یا دیگر غیر معروف پانیوں کے نالوں کے درپیش آنے کا احتمال۔

۵۔ حفاظت کے کام کی مشقت جبکہ یہ کام بڑی اہمیت کا حامل تھا تاکہ ایسا نہ ہو کہ رکاوٹ پھر واقع ہو جائے۔

اور یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ حسن اظہر کے گھر سے لے کر چھوٹے بازار کی سڑک تک صفائی انتہائی مشکل ہونے کے علاوہ کثیر محنت و اخراجات کی بھی محتاج ہے۔

مشاورتی کمیٹی کی تجاویز:

پاکستانی انجینیرز کی مشاورتی کمیٹی نے زمزم اور حرم کے اندرونی پانی کے نکاس کے لئے سوق صغیر (چھوٹے بازار) کے مدخل سے مسفلہ تک مخصوص نالہ بنانے کی تجویز پیش کی، لیکن اس کام میں مشکلات تھیں۔جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

ا۔ متعلقہ علاقہ آباد ہونے کے باعث اس میں کھدائی کا کام۔
ب۔ زیرزمین پانی' چٹانوں یا دیگر پانیوں کے غیر معروف نالوں کے موجود ہونے کا امکان۔
ج۔ چاہ زمزم سے لے کر نشیبی علاقہ تک کھدائی کی ضرورت تا کہ نکاسی کا عمل یقینی ہو جائے جبکہ زمزم کا علاقہ خاصا نشیب میں تھا جو کہ پانی کے مطلوبہ بہاؤ کے کام کا جائزہ لینے سے واضح ہوا۔
د۔ اکھاڑنے' کھودنے یا اس کے برعکس کرنے کے سبب مشکلات میں اضافہ کے باعث کثیر ذمہ داریوں اور وقت میں طوالت کا سامنا۔
ہ۔ نکاسی کے جدید طریقہ کار کے استعمال کا فقدان۔
و۔ نکاسی کے نالہ کی دائمی حفاظت کے کام کی با مشقت ذمہ داری۔

علی بسیونی کی تجاویز:

امور حرم کے انچارج انجینیر علی بسیونی نے زمزم اور حرم کے اندرونی پانیوں کی نکاسی کے لئے انہیں بارش کے پانی کی نکاسی کے نالے میں بلند اگزاسٹ پمپوں کے ذریعے ڈال دینے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ اس تجویز کو سابقہ تجاویز کے مقابلہ میں بہتر حل کے طور پر قبول کرلیا گیا۔ اس فیصلہ میں درج ذیل اسباب کو پیش نظر رکھا گیا:

(ا) بارشوں کے پانی کے نکاس کے نالے کی موجودگی کے باعث دوسرے نالے تعمیر کئے بغیر اسی سے استفادہ کا امکان۔
(ب) ذمہ داریوں میں کمی ہونے کے ساتھ ساتھ کم وقت میں کام کی تکمیل کی امید۔
(ج) کھدائی کے کام میں کمی اور شہر مکہ میں سے گزرنے والے نالوں کی کمی۔
(د) کھدائی کے اضافے کی صورت میں پڑوس کی عمارتوں کو جو خطرہ لاحق ہے اس سے اجتناب۔
(ہ) خودکار پمپوں کے ساتھ کام میں سہولت ہوگی۔ جب پانی متعین لیول تک پہنچے گا تو وہ اسے کھینچ لیا کریں گے۔ یہ طریقہ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں اختیار کیا جاتا ہے۔ ضرورت صرف عمدہ قسم کے پمپوں کی ہے جنہیں کئی میٹر لمبے نالے کی نسبت دیکھ بھال اور حفاظت کی کم ضرورت ہوتی ہے۔

نکاسی آب میں رکاوٹیں:

وزارت مال و اقتصادیات نے ''نکاسی آب میں رکاوٹ کے اسباب'' کے موضوع کو تحقیقات کے لئے والسن مشاورتی کمپنی کے سپرد کیا اور والسن کمپنی نے مذکورہ وزارت کو مفصل رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کا ملخص تبصرہ درج ذیل ہے:

(ا) حرم میں وقتاً فوقتاً نکاسی آب کے طریق کار میں غیر منتظمہ تبدیلی جس سے تمام نالوں کو ایک مقصد کے لئے نہیں بلکہ متعدد اغراض کے لئے استعمال کرنا۔
(ب) اندرون حرم سیلاب کے واقع ہونے کے سبب پرانی قدیمی نالیوں کا بند اور چھوٹا ہو جانا۔
(ج) حرم میں براہ راست بارشوں کے پڑنے' زیرزمین پانی کے بلند ہونے اور حرم کی ہموار سطح کو پہلے کی نسبت بڑا کرنے سے حرم میں سیلابوں کا آتے رہنا۔
(د) اندرون حرم کے پانی کی نکاسی کا کام ''یا غور'' کنوئیں کے نالے سے لینا ممکن نہیں لیکن گہرے لیول کے ساتھ نالے کو بنا کر پانی منتقل کرنے کے لئے پمپ لگانا ممکن ہے۔

واٹسن کمپنی کی سفارشات:

چنانچہ واٹسن کمپنی نے درج ذیل سفارشات پیش کیں:

۱۔ اندرون حرم اور بالخصوص زمزم کے پانی کی نکاسی کے علیحدہ نظام کا قیام۔

۲۔ اندرون حرم نکاسی کی قدیمی نالیوں کو گرا کر مٹی وغیرہ سے پر کر دینا کیونکہ پھر ان کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

۳۔ حرم سے پانی کے نکاس کے لئے پمپنگ سٹیشن کا قیام یا پانی کی گہری نالی جو بارش کے پانی کے نالے کے مطابق ہو۔

واٹسن کمپنی کو ہدایات:

چنانچہ وزارت مال واقتصادیات وطنی نے اس تجویز اور سابقہ تجاویز جو تعقیم آب زمزم بذریعہ بالائے بنفشی شعاعیں تھیں سے اتفاق کیا اور واٹسن مشاورتی کمپنی کو ماہ رمضان ۱۳۹۱ھ کے آغاز میں مندرجہ ذیل کام کی ہدایات جاری کیں۔

۱۔ آب زمزم کے نکاس کے نالے کی بہتری کا عمل اور اس لحاظ سے بھی کہ وہ حرم کے نالے سے علیحدہ ہو کہ اس سے نہ ملے تاکہ آب زمزم کے قدرتی ڈھلوان کے ساتھ بیرون حرم جمع ہونے کے مقام تک پوری پوری نکاسی زیر نظر رہے اور اس مقام سے زمزم کے نالے کا پانی حرم کے پانی کے نکاس کے نالے میں پمپ کر دیا جائے۔

۲۔ بارشوں اور حرم کے دھونے کے پانیوں کے نکاس کی مکمل ذمہ داری فی الحال موجودہ مصارف سے استفادہ کے امکان کو پیش نظر رکھا جائے نیز مسجد کی تہ کو کھولنے کی غرض سے اور دھلائی کے پانی کے جال کے کام کے لئے کھدائی سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

۳۔ زمزم کے جمع شدہ پانی اور اسی طرح مختلف مصادر سے اندرون حرم سے نکاسی کے جمع شدہ پانی کا ضروری سروے کہ وہ قدرتی ڈھلان کے ساتھ اس نالے میں بہہ جائے جس کا بہاؤ شاہی میدان سے مسفلہ کی طرف شدہ ہے اور نکاس کے پیش نظر اس نالے میں جو تبدیلیاں ضروری ہوں ان کا مطالعہ وسروے کیا جائے۔

۴۔ آب زمزم کی تعقیم کے لئے چاہ زمزم کے مخصوص فیڈرز کے دہانوں پر لگائے جانے والے تعقیم کے اپریٹس کے لئے مطلوبہ تحقیق و سروے کیا جائے۔

۵۔ موجودہ روشوں کی توسیع کے لئے مرمر کے سلیب لگانے کا جائزہ اور اسی طرح سفید سنگ مرمر سے مختلف مواد کے ساتھ مقامات حصاوی پر سلیب لگانے کا مطالعہ جو ضرورت پوری کرتا ہو اور پائیداری وکم حفاظت کے ساتھ ساتھ گرمی اور سردی کی تلافی کرنے والا ہو۔

واٹسن کنسلٹنٹ کمپنی کی تحقیقات اور اس پر عمل درآمد:

چنانچہ واٹسن کنسلٹنٹ کمپنی نے اس موضوع پر ابتدائی مکمل تحقیقات وزارت مال واقتصادیات وطنی کو پیش کر دیں۔ وزارت نے ان تجاویز پر غور کرنے میں کافی وقت صرف کیا۔ پھر اس کے بعد وزارت نے پاکستانی مشاورتی ادارے کو ذمہ داری سونپنے کا فیصلہ کیا جو حرم شریف کی تعمیر کی نگرانی کرتا رہا تھا جبکہ پہلے مطاف کی توسیع اور حرم کے پانی کے نکاس کے بارے میں واٹسن کمپنی ذمہ دار تھی۔

اس دوران میں پاکستانی ادارے کے مشیر کے طور پر کام کر رہا تھا اسی طرح جس طرح ادارے نے مکینکل اور الیکٹریکل کاموں کے سلسلہ میں انجینئر علی بسیونی کو بذاتہ اور جرمنی ڈبلیوایف مشاورتی کمپنی سے مشارکت کے ساتھ مشیر بنا کر اس سے تعاون حاصل کیا تھا۔

لہٰذا بارش کے پانی کے پمپنگ سٹیشنوں کا کام اور آب زمزم کے نکاس اور اسے شارع ہجلہ کے ساتھ موجودہ پانی کے نکاس کے

الی طرف لے جانا تجویز کیا گیا کیونکہ ان پمپنگ سٹیشنوں کے قیام کی تکالیف قدرتی ڈھلان کے بہت گہرے اس نالے کی نسبت جو جبلہ کے خراسانی نالے کے ساتھ جا ملتا ہو قلیل تھیں اور تفصیلی سروے کی تکمیل اس بنیاد پر ہوئی کہ مستقبل میں نکاس کے عمل میں قدرتی ڈھلان کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ حرم پانیوں کے نکاس کیلئے پمپوں کی حاجت نہ رہے۔ اور پمپ صرف آب زمزم کی نکاسی کے لئے مختص رہیں۔ ان تحقیقات کی تکمیل کے بعد اس سکیم کا ٹنڈر بن لادن کے حق میں منظور ہوا اور کام شروع ہو گیا۔

پہلے منصوبے میں وادی کے درمیان شارع عام میں چلتے ہوئے بارش کے پانی اور سکیم کے لئے ضروری مالی وسائل کی دستیابی کے ساتھ پانی کے جال، نالوں کی تعمیر اور شہر مکہ کی خوبصورتی کے بعد ۴x۴ میٹر پانی کے نالوں کی تعمیر منظور شدہ تھی۔ مگر جب شہر مکہ معظمہ میں بارش کے پانیوں کے نکاس کی سکیم کے نفاذ کا آغاز ہوا تو بلدیہ نے رائے پیش کی کہ شارع عام میں اس طرح کی سکیم پر عملدرآمد کرنا کاروں کی آمد و رفت، عمومی خدمات اور عوامی سہولیات سے متعلق پورے شہر کے نظام میں مخل ہو گا، چنانچہ بلدیہ نے مشاورتی کمپنی سے ان تجاویز کو مکہ مکرمہ کی پہاڑیوں کے نیچے سے شارع عام کے متوازی گزرنے والی بہت گہری سرنگوں میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا جس سے مطلوبہ مقصد بھی حل ہو جائے گا اور اس سے عمومی خدمات و سہولیات اور گاڑیوں کی آمد و رفت بھی متاثر نہ ہو گی۔ چنانچہ دو سرنگوں کا منصوبہ عمل مکمل ہو گیا جس میں ایک شارع عام سے متصلا گزرتی ہے اور ابی قبیس پہاڑ اور جبل قلعہ کے نیچے مسفلہ کے رخ پر چلتی ہے۔ اور دوسری سرنگ معابدہ کی طرف سے آتی ہے اور جبل ابی قبیس کے نیچے سے گزرتے ہوئے پہلی سرنگ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ یہ بڑا جلیل القدر موقع تھا کہ اس پر اتفاق ہو گیا کہ وزارت مال و اقتصاد وطنی بارشوں کے نکاس کے لئے سرنگ بنوائے جس کی تعمیر قبل ازیں شرع مسیال میں تجویز کردہ تھی۔ اس حل کے نتیجے کے طور پر اس نالے کی تعمیر کا مقصد حاصل ہونے کا امکان ہوا اور بارشوں کے نکاس کے سرنگ پر اکتفا ہوا جس کا نفاذ جبل ابی قبیس کے نیچے ہوا۔

حرمین شریفین کے امور کے رئیس عام، بلدیہ کے امین کی موجودگی میں میٹنگ کے انعقاد کا فیصلہ ہوا، اس میٹنگ میں یہ اتفاق ہو گیا کہ حرم کے نچلے مقام سے نشیبی لیول سے زمزم کے پانی کے نکاس کا نالہ حرم شریف کے جملہ مقامات سے قدرتی ڈھلان کے ساتھ بنایا جائے۔ چنانچہ تعمیر کے ذمہ داران نے کام کا آغاز کر دیا، سرنگ کھودنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں پر آب زمزم کے لیول میں نقص ہے لہٰذا سرنگ کی گہرائی میں کام روک دیا گیا اور ماہرین کی متعدد کمیٹیاں اس موضوع کی تحقیقات اور چاہ زمزم کے فیڈرز کے پانی کی قدرتی گزرگاہوں کی طرف واپسی اور کسی بھی دیگر پانی کے اندر اس میں ملوث ہونے کو روکنے کی ضمانت کے لئے تشکیل دی گئیں۔

پروفیسر یحییٰ بکداش لکھتے ہیں کہ میں اس دوران امریکہ کے سفر پر تھا۔ چنانچہ میں نے اس صورت حال کی تحقیق شروع کی اور اس سلسلہ میں مرتب کی گئی جملہ رپورٹوں کا مطالعہ کیا اور فنی نقطہ نظر میں سنا اور برادر غازی سلطان کے ساتھ ایک میٹنگ میں میں نے انہیں سابقہ صورت حال کی تفصیل بتائی اور انہوں نے بالتفصیل بتایا کہ ان کی رسائی کہاں تک ہوئی ہے اور اب ان مسائل کے حل کی کیا تجاویز تھیں۔

میرا ہمیشہ سے نقطہ نظر رہا ہے حتیٰ کہ سرنگ کی کھدائی اور آب زمزم میں قدیم زمانوں میں اس قدر فراوانی نہیں تھی اور گزشتہ سالوں میں آب زمزم کے لیول میں جو اضافہ ہوا ہے وہ کئی مختلف عوامل کا نتیجہ ہے۔ اس لیے میں نے سرنگ کی کھدائی کے نتیجہ میں جو کچھ پیش آیا، اسے آب زمزم کی بہتری، اس کی تطہیر اور زیر زمین پانی سے جو اس پر غالب آ رہا تھا سے خلاصی پر محمول کیا۔

چنانچہ میں نے صاحب جلالت شاہ فہد بن عبدالعزیز کو اپنے نقطہ نظر پر رپورٹ پیش کی۔ میں نے اس میں قدیم مورخین کی آراء کا ذکر کیا اور چاہ زمزم سے متعلق کنویں میں پانی کے لیول سے متعلق اور جو ظاہر ہو رہا ہے کہ چاہ زمزم کا پانی پہلے کبھی اس فراوانی کے ساتھ نہ

تھا، نیز تاریخی کتابوں میں واردشدہ زمزم کے خشک ہونے اور ماضی وحال میں اس کی صفائی سے متعلق اس پر گزرنے والے مراحل کا حوالہ دیا۔ اسی طرح میں نے اپنی رپورٹ میں ان اقدامات کا ذکر کیا جو میری نظر میں سرنگ کی کھدائی کے بعد آب زمزم کے لیول میں واقع ہونے والے نقص کے علاج کی مناسبت سے مشکل تھے۔ چنانچہ ان تفصیلات پر جن کی میں نے وضاحت کی اور میری طرف سے پیش کیے جانے والی تجاویز پر جلالت الملک شاہ فہد کی طرف سے مجھے شکریہ اور قدردانی کا عندیہ ملا۔

فصل نمبر:

چاہ زمزم کے چشمے اور پیمائش

آب زم زم کا کنواں کعبہ مشرفہ کے قریب واقع ہے لیکن اس کا بالائی حصہ مطاف (طواف کی جگہ) کے نیچے ۱۵۶ء۱ میٹر گہرائی میں ہے۔ مطاف کی زمین میں مقام ابراہیم کے پیچھے بائیں طرف جبکہ نگاہ کعبہ مشرق کی طرف ہو۔ وہاں پر ایک گول پتھر رکھا گیا ہے۔ جس کے اوپر (بیئر زم زم) لکھا ہے۔ موجودہ کنواں کے بالائی حصہ کے ساتھ قبہ کے اندر مطاف کی سطح کے نیچے ستون بنا ہوا ہے۔

مطاف کے آخر میں مقام ابراہیم کے پچھلی جانب کنویں کے منہ کی طرف سیڑھیاں بنائی گئی ہیں جو کنویں کے منہ تک پہنچاتی ہیں۔ یہ آب زم زم کے کنواں کی جگہ اور مکان کے متعلق مسئلہ تھا۔ البتہ کنویں کی حالت دو طرح کی ہے۔

۱۔ وہ حصہ جس کی گہرائی ۱۲٫۸۰ میٹر ہے کنویں کے منہ سے۔

۲۔ وہ حصہ ہے جسے پہاڑ کی چٹان میں سوراخ کر کے بنایا گیا، اس کی لمبائی ۱۷٫۲۰ میٹر ہے۔ اسی طرح کنویں کی گہرائی تیس میٹر کنویں کے منہ سے اس کی نچلی سطح تک ہے۔

پانی کی سطح تک کنویں کے منہ سے گہرائی ۴ میٹر کے قریب ہے اور وہ چشمے جو کنویں کو پانی پہنچاتے ہیں ان کی گہرائی کنویں کے منہ سے ۱۳ میٹر ہے اور چشموں سے کنویں کی آخری حد تک گہرائی ۱۷ میٹر ہے۔

کنویں کا قطر گہرائی کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے اور وہ ۱٫۰۵ اور ۲٫۵ میٹر کے درمیان ہے۔

وہ چشمے جن سے کنویں میں پانی آتا ہے تین ہیں۔ ایک چشمہ رکن اسود (حجر اسود والے کونے) کے محاذی ہے۔ ایک چشمہ جبل ابی قیس اور صفا کے برابر سامنے ہے اور تیسرا چشمہ مروہ کے محاذی ہے۔ (اخبار مکہ ازرقی ۲/۶۱ فاکہی ۲/۴۷)

زم زم کے چشموں کی یہ حدود پرانی تیسری صدی میں اور اس سے پہلے تھی۔ البتہ جو حد سنہ ۱۴۰۰ ہجری میں مکمل ہوئی اسے انجینئر استاذ یحییٰ کوشک یوں بیان کرتا ہے:

''مصدر رئیسی (پانی کے نکلنے کا بڑا مرکز) وہ سوراخ و چشمہ ہے جو کعبہ شریف کی طرف رکن غربی حجر اسود کی سمت میں ہے، اس کا طول ۴۵ سینٹی میٹر ہے، اس کی بلندی ۳۰ سم اس سے پانی کی سب سے بڑی مقدار پھوٹتی ہے اور دوسری پانی نکلنے کی جگہ بڑی ہے جو مکبّریہ (اذان واقامت کہنے کی جگہ) کی جانب ہے۔ ۷۰ سم لمبائی اندر سے دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی ۳۰ سم ہے۔ وہاں پر کچھ چھوٹے چھوٹے سوے ہیں جو کنویں کے اندر پتھروں کی عمارت کے درمیان ہیں ان سے پانی نکلتا ہے۔ پانچ سوے دو بنیادی سوموں کے درمیان والی سطح میں ہیں۔ ان کی مقدار ایک میٹر ہے جیسے کہ ۲۱ دوسرے سوے بھی موجود ہیں جو پہلے بنیادی سوے سے ظاہر ہوتے ہیں، یہ جبل ابی قیس اور صفا و مروہ۔''

پہلے لوگوں میں سے بیشتر لوگ زمزم کا اوپر سے لے کر اس کی تہ تک کا اور اس کی وسعت کا اندازہ کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ کہ اس

کے اندر کتنے چشمے ہیں۔ ازرقی کہتے ہیں کہ زمزم کی اوپر سے لے کر نیچے تک گہرائی ۶۰ ذراع تھی اور اس کی تہ میں تین چشمے تھے، رکن اسود کے سامنے کا چشمہ ابی قبیس اور صفا کے سامنے کا چشمہ اور مروہ کے بالمقابل کا چشمہ۔ پھر اس کا پانی بہت کم ہو گیا تا آنکہ ۲۲۴۔۲۲۳ھ کے سالوں میں اکٹھا ہونا شروع ہوا۔ ۹ ذراع (ہاتھ) بیلچے سے اس کے اطراف میں سوراخ کئے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ۲۲۵ھ میں بارشیں اور سیلاب بھیجے تو اس کا پانی بڑھ گیا۔

سالم بن جراح نے امیر المومنین ہارون الرشید کے دور خلافت میں سوراخ کئے اور مہدی کے زمانے میں اس میں سوراخ کئے اور مہدی کے زمانے میں بھی ایسا کیا جاتا رہا اور عمر بن ماہان نے الامین محمد بن رشید کی خلافت کے زمانے میں اس میں سوراخ کئے جبکہ اس کا پانی بہت کم ہو گیا تھا حتی کہ اہل طائف میں سے ایک آدمی محمد بن مشیر نامی جو اس میں کام کرتا تھا، نے کہا:

''میں نے اس کی تہ میں نماز پڑھی۔ اس کے سر سے لے کر پہاڑ تک ۴۰ ذراع ہے۔ یہ ساری کی ساری عمارت ہے اور باقی کھودا ہوا پہاڑ ہے اور وہ ۲۹ ذراع ہے۔ اوپر کی طرف زمزم کی جالی 1/2 2 ذراع ہے۔ زمزم کے منہ کی گولائی (محیط) ۱۱ ذراع اور وسعت (قطر) 2/3 3 ذراع ہے۔ کنویں پر مربع شکل کی نرم ساگوان کی چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ اس میں بارہ چرخیاں آگے کو بڑھی ہوئی ہیں جن پر بیٹھ کر پانی پیا جاتا ہے۔''

امام الفاسی نے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب نے زمزم کے منہ کا زمین سے اس کی بلندی، اس کی وسعت اور اس کی گولائی کے متعلق اندازہ لگایا کہ اس کے اوپر کی بلندی ۴ قیراط کم ۲ ذراع ہے۔

اس کی وسعت 1/2 4 ذراع اور اس کی گولائی ۲ قیراط کم ۱۵ ذراع ہے اور ان میں سے ہر ایک لوہے کے اس ذراع کے مطابق ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یاقوت الحموی نے معجم البلدان میں محمد بن احمد ہمذانی سے روایت بیان کی ہے:

''زمزم کی پیمائش اوپر سے نیچے تک ۶۰ ذراع تھی اور اس کی تہ میں ۳ چشمے تھے، ایک رکن اسود کے بالمقابل، دوسرا ابی قبیس اور صفا کے سامنے اور تیسرا مروہ کے سامنے۔ پھر اس کا پانی کم ہو گیا ہے تا آنکہ پھر اکٹھا ہونا شروع ہوا۔ یہ ۲۲۴۔۲۲۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ چنانچہ محمد بن ضحاک نے اسے ۹ ذراع تک کھودا۔ یہ خلیفہ عمر بن فرج الرخجی کے عہد کا واقعہ ہے جو مکہ کی ڈاک اور دیگر امور کا ذمہ دار تھا۔ لہٰذا زمزم کا پانی بڑھ گیا اور وسیع ہو گیا۔ پھر ۲۲۵ھ میں اللہ تعالیٰ نے بارشیں اور سیلاب بھیجے تو اس کا پانی بکثرت بڑھ گیا۔ اس کے سرے سے لے کر اس کے کھودے ہوئے پہاڑ تک اس کا طول ۱۱ ذراع تھا وہ ڈھکا ہوا تھا اور باقی پہاڑ میں کھودا ہوا ۲۹ ذراع تھا اس کی گولائی کی پیمائش ۱۱ ذراع تھی اور اس کے منہ کی وسعت 2/3 3 ذراع۔''

اس مرحلہ پر زمزم کی پیمائش میں ازرقی، الفاسی اور ہمدانی کے درمیان فرق ملاحظہ کیا جائے۔ یہ فرق ذراعوں کے مابین اختلاف کے باعث تھا، جس سے انہوں نے کنویں کی پیمائش کی اور ان کے مابین طول زمانہ بھی تھا جس کے دوران کنویں پر کھودے جانے، اس کی تعمیر اور اصلاح کی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

ابن جبیر نے اپنے زمانے ۵۷۸ھ میں زمزم کی تعریف کی ہے اور کہا ہے:

''ہماری پیمائش کے مطابق اس کی گہرائی میں ۳ چشموں کا ذکر کیا ہے، فاکہی نے ان کے متعلق کہا ہے کہ عباس بن عبد المطلب نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس کے چشموں میں سے کون سا چشمہ سب سے زیادہ پانی دینے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''وہ چشمہ جو حجر اسود کے سامنے سے پھوٹتا ہے۔''

انہوں نے فرمایا: آپ نے ٹھیک کہا۔

دارقطنی نے اپنی سنن میں ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ایک زنگی زمزم میں گر کر مر گیا۔ ابن عباس کی ہدایت پر اسے نکالا گیا اور پانی کھینچا گیا تو رکن سے آنے والا پانی ان پر چھا گیا، پھر اسے بند کر دینے کی ہدایت کی۔

الطحاوی نے معانی الآثار کی شرح میں اور ابن شیبہ نے عطاء سے صحیح اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے:

''ایک حبشی زمزم میں گر کر مر گیا تو عبداللہ بن زبیر نے اس کے پانی کو نکالنے کا حکم دیا مگر پانی تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ دیکھا گیا تو پانی حجر اسود کے سامنے سے جاری تھا۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا: ''تمہارے لئے بس اتنا پانی نکالنا کافی ہے'

اور العمری نے مسالک الابصار میں کہا ہے: ''ایک حبشی اس میں گر گیا تو اس کی وجہ سے پانی نکالا گیا تو ۳ چشموں سے پانی ابلتا ہوا پایا گیا۔ حجر اسود کے قریب والے چشمے کا پانی سب سے زیادہ طاقتور تھا۔''

اسے دارقطنی نے روایت کیا۔

پروفیسر یحییٰ بکداش لکھتے ہیں:

''۱۴۰۰ھ کے اوائل میں جب مجھے چاہ زمزم کی صفائی اور تطہیر کا ذمہ دار بنایا گیا تو ہم نے تمام موجود پانی کو نکالنے کے لئے کنویں میں بڑے بڑے پمپ لگائے جس سے ہمارے لئے کنویں کی پیمائش اس کی دیواروں اور اس کے بڑے مصادر کا مشاہدہ آسان ہو گیا اس کے بعد کہ ان مصادر کی سطح میں پانی کو کم کیا گیا اور سینمائی اور فوٹو گرافی پر مبنی تصاویر لی گئیں۔ دو غوطہ خور جو کنوئیں کی صفائی میں ہمارے ساتھ تھے انہوں نے کنویں کے عرض کی پیمائش کی جو قریباً ۴ میٹر ہوئی اور ہمیں واضح ہوا کہ کنویں کی دیواریں کنویں کے منہ سے لے کر ۱۲ میٹر ۱۸ سینٹی میٹر کی گہرائی کے ساتھ اندر سے قلعی کردہ ہیں اور اس گہرائی کے نیچے کنویں کو غذا پہنچانے کے لئے دو شگاف ہیں ان میں سے ایک کعبہ مشرفہ کے سامنے اور دوسرا جیاد کی طرف۔ پھر ایک جز پہاڑ میں ۱۷.۲۰ میٹر گہرا کھدا ہوا ہے اور یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ پیمائشیں تاریخی روایات میں وارد ہونے والی پیمائشوں کے قریب ہیں جن کا زیادہ تر اتفاق اس پر ہے کہ کنویں کی گہرائی اس کے سر سے لے کر چٹان تک ۴۰ ذراع (۲۲.۵۰ میٹر) ہے اس لئے کہ یہ سارے کا سارا تعمیر شدہ ہے اور جو باقی ہے وہ کھودا ہوا پہاڑ ہے جو ۲۹ ذراع (۲۵۔۱۶ میٹر) ہے۔ تعمیر شدہ گہرائی میں موجود وقت اور تاریخی روایات کے مابین فرق اس بنیاد پر ہے کہ اس وقت کا زمزم کعبہ مشرفہ سے مطاف کی سطح زمین سے نشیب میں ہے جبکہ پہلے سطح زمین سے اوپر تھا۔ اور پہاڑ میں کھودے ہوئے حصہ کی نسبت میں جو فرق ہے وہ تقریباً ۱ میٹر ہے اور وہ کنویں کی صفائی کا نتیجہ ہے۔ گہرائی کے اختلاف کے باعث کنویں کے قطر میں اختلاف ہے جو ۱۔۵۰ اور ۲ میٹروں کے بین بین ہے۔ اور تعمیر شدہ حصہ کے پہاڑ میں کھودے ہوئے حصے سے اتصال کے وقت قطر ۱.۸۰ میٹر تک پہنچ جاتا ہے۔

کنویں کے بڑے مصادر:

کنویں کے بڑے مصادر پتھر کے صفین سے بنے ہوئے ہیں اور وہ درج ذیل طرز پر ہیں:

۱۔ مصدر رئیسی۔

۲۔ مصدر ثانی۔

۳۔ فروع مصادر۔

مصدر رئیسی:

وہ کعبہ مشرفہ کی جانب حجر اسماعیل کے بالمقابل والے رکن کے رخ پر ایک شگاف سے عبارت ہے۔ اس کا طول ۴۵ سینٹی میٹر اور بلندی ۳۰ سینٹی میٹر اور اس کے اندرون میں گہرائی ہے۔ اس میں پانی بڑی مقدار میں پھوٹتا ہے اور یہ بات تاریخ میں وارد ہونے والی روایت کے مطابق ہے۔

مصدر ثانی:

وہ ایک بڑے شگاف سے عبارت ہے جس کا طول ۷۰ سینٹی میٹر ہے اور اندر سے ۲ شگافوں میں تقسیم شدہ ہے۔ اس کی بلندی ۳۰ سینٹی میٹر ہے وہ جیاد کے رخ پر ہے۔

فروع مصادر:

وہ بنیاد کے پتھروں کے درمیان چھوٹے چھوٹے شگاف ہیں جن سے پانی بہتا ہے۔ اس میں سے ۵ بنیادی شگافوں کے درمیان ایک میٹر کی مسافت میں واقع ہیں اور ۲۱ دوسرے شگاف پہلے بنیادی شگاف کے قریب سے شہر اور جبل ابی قبیس اور صفا اور مروہ کی جانب سے شروع ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ دوسرے شگاف سے جا ملتے ہیں۔ یہ شگاف ایک ہی لیول پر نہیں بلکہ مختلف سطحوں پر پائے جاتے ہیں اور ان سے مختلف مقداروں میں پانی پھوٹتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ تاریخی روایات ۳ چشموں کے وجود میں وارد ہوئیں:

"رکن اسود کے سامنے۔

ابی قبیس اور صفا کے سامنے۔

مروہ کے سامنے۔

جبکہ مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں پر صرف دو اساسی مصادر ہیں:

ان میں سے ایک کعبہ کی طرف۔

دوسرا جیاد کی طرف ہے۔

جہاں تک تیسرے مصدر کا تعلق ہے جس کا ذکر تاریخی روایات میں ہے یہ کہ وہ جبل ابی قبیس اور صفا کی طرف ہے اس کے بجائے بنیاد کے پتھروں کے درمیان پائے جانے والے یہ چھوٹے چھوٹے ۲۱ شگاف ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ۱۰۲۸ھ میں چاہ زمزم کی مرمت کے موقع پر اس مصدر کو بند کرنے کے دوران بنیاد کے پتھروں سے پانی پھوٹ نکلے ہوں۔

فاؔسی نے اپنی تاریخ میں علامہ المحضر اوی کی تاج تواریخ البشر سے روایت کیا ہے کہ ۱۰۲۸ھ کو رمضان میں شامی اور مغربی اطراف سے چاہ زمزم میں پتھروں کی ایک مقدار گر پڑی اور ۴ شوال بروز سوموار ۱۰۲۸ھ میں اس کی اصلاح کی گئی اور ۱۶ شوال کو بنیاد مکمل ہوئی۔

چاہ زمزم میں چٹان والے حصہ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس چٹان میں طول کے رخ کھودے ہوئے حصے ہیں۔ ان میں سے ۴ مصدر رئیسی کے نیچے اور ۴ ہر دو اساسی مصدروں کے مابین ایک میٹر کے فاصلے پر اور ۱۱۲ اس جگہ جس میں چھوٹے چھوٹے شگاف پائے جاتے ہیں۔ ان کھودے ہوئے شگافوں کی گہرائی مختلف ہے۔

ان میں سے کچھ تو گہرے ہیں جن کی گہرائی ۶ سینٹی میٹر تک پہنچی ہے اور کچھ سطحی ہیں۔ احتمال یہ ہے کہ چٹان میں یہ طول کے رخ پر کھدائی مصادر سے مسلسل پانی گرنے کے باعث واقع ہوئی یا کنویں سے ڈولوں کے ذریعے پانی نکالنے کے وقت چٹان کے ساتھ ڈولوں کی زنجیروں کے ٹکرانے کا نتیجہ ہوگی۔ تاریخی روایات میں آیا ہے کہ کنویں کے منہ کے پاس پانی نکالنے کے لئے بارہ بکرۃ (چرخی): دوا

کرتے تھے اور وہ ان دونوں کے باہم عوامل کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

فصل نمبر:

آب زمزم کا کنواں اور جدید سائنسی تحقیقات...... چاہ زمزم کے آبی ذرائع

زمینی پانی (المیاہ الجوفیہ):

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ کنویں اپنی غذا پانیوں سے حاصل کرتے ہیں جو مختلف عوامل کے نتیجے میں وادیوں میں زمین کے پیٹ اور چٹانوں کی درزوں میں موجود ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عام کنووں سے متعلق بالعموم اور چاہ زمزم سے متعلق بالخصوص پانی کی بہم رسانی کے چشموں پر ایک مفصل نقطہ نظر پیش کریں۔

زمینی پانی دو اقسام کے ہیں:

ا: وہ پانی جو آتشی چٹانوں میں پایا جاتا ہے جبکہ وہ زمین کے اندر آتشی تو دہ سے صاف ہوتا ہے۔

۲۔ رسوبی چٹانوں کے بننے کے وقت ان کے اندر کا پانی۔ یہ پانی بہت گہرائیوں میں پایا جاتا ہے اور اس کی حرکت محدود ہوتی ہے اور زمین کے چھلکے (قشر) کے پھٹنے کے نتیجے میں سطح زمین پر آجاتا ہے۔

زیر زمین پانی کا اساسی مصدر: بارشوں کے پانی کا زیر زمین چلا جانا ہے اور یہ پانی مخصوص طبقات میں پایا جاتا ہے۔

پانیوں سے پر منطقے (Saturated Areas):

پانی اطراف کی جانب اپنی حرکت میں آزاد ہوتا ہے۔ اوپر سے زمینی پانی کا لیول اسے محدود رکھتا ہے اور وہ ہمیشہ ایک ہی لیول میں نہیں رہتا۔ متعدد حالات کے تحت اس میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے جس میں سے بارشوں کی فراوانی' ارضی اور جغرافیائی عوامل اہمیت کے حامل ہیں۔

پانیوں کا مخصوص شعری منطقہ پانی سے پر ہوتا ہے اس میں پانی موجود ہوتا ہے مگر وہ زمین کے جملہ مساموں کو پر نہیں کرتا۔ اس طبقہ کی ضخامت زمین کے مساموں کی وسعت' مٹی کے باریک ذرات کے قطر' اور مٹی کے باریک ذرات اور پانی کے قطروں کے مابین قوت کشش اور سطحی دباؤ پر موقوف ہوتی ہے۔

پانیوں کے دباؤ یا سطحی کشش کا منطقہ: وہ منطقہ ہے جو پانی کے مخصوص شعری منطقہ کے اوپر ہوتا ہے اور اس میں پانی رقیق حالت میں پایا جاتا ہے۔ جو مٹی کے باریک ذروں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس منطقہ میں ہوا کے بلبلے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے رہتے ہیں۔

جب ہم اوپر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم پانی کے رقیق غلافوں کو جو مٹی کے باریک ذروں کو محیط ہوتے ہیں ہوا کی شدت کے ساتھ مساموں میں منتشر ہوتے ہوئے پاتے ہیں۔

اور اس پانی کی مقدار کا اندازہ لگانا ممکن ہوتا ہے جس کے کنووں سے پمپ کیے جانے کا امکان ان آبی قوانین وضوابط کے مطابق ہوتا ہے جو طبقات مسامیہ کے کنووں سے پانیوں کے چلنے پر موثر عوامل میں رابطہ پیدا کرتے ہیں۔

عام کنووں کے آبی قوانین

جب ہم کنویں کے کچھ حصہ کے اوپر کی طرف اور اس کی آس پاس کی مٹی میں غور کریں اور کنویں سے پانی کھینچنے کے وقت کنویں اور

مٹی کی تصویر لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ خط جوان دونوں ہموار سطحوں سے ملا ہوا ہے وہ نیچے آغاز سے لے کر اوپر کی طرف معکوس مخروط ہے۔ اور اس کا سرا منحنی ہے اور اس کا اوپر کا سرا پانی کھینچنے کے دوران کنویں میں پانی کا لیول ہے اور اسے مخروط الانخفاض یا الھبوط کا نام دیا جاتا ہے۔

Q= بہاؤ کی رفتار   K= مستقلہ

H= (پانی کے) کھینچنے سے قبل زمینی پانی کی اصل بلندی

h- کھینچنے کے دوران زمینی پانی کی بلندی

R- کنویں کے دائرے کا موثر نصف قطر۔

(r)- کنویں کا نصف قطر

۱۔ زمینی پانی کی سطح کے مخروطی اتراؤ کی رفتار!

Q=1,36K(H2-Y2)/Log10R/r

۲۔ کنویں کے بہاؤ کی وقتی نسبت!

Q=1,76K(H2-h2)/Log10R/r

واضح رہے کہ کنویں کے بہاؤ کی رفتار (Q) کی معرفت کا انحصار دوسری حدود کی مقدار اور ان حدود کے اتار چڑھاؤ پر ہے اور ہم ماسوائے کنویں کے دائرے کے موثر نصف قطر (R) کو جو (h) کے متغیر ہونے سے تبدیل ہوتا ہے' تمام کی معرفت ممکن پاتے ہیں۔ مگر ملاحظہ ہوتا ہے کہ (R) کی مقدار میں تغیر (Q) کی مقدار پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتا اور اس کا بہاؤ پر اثر انداز ہونا اسی وقت ممکن ہے جب (R) کی مقدار ۳۰۰' ۴۰۰ میٹر کے قریب ہو۔

جزیرہ نمائے عرب میں عام طور پر بارشیں موسم سرما میں ہوتی ہیں اور وہ قلیل ہوتی ہیں۔ وہاں مرطوب ہواؤں کے باعث آتی ہیں جو جزیرہ نما پر محیط ہوتی ہیں اور بحر ابیض متوسط کے مشرق میں دجلہ و فرات کے علاقہ میں چلتی ہیں۔ ان مرطوب ہواؤں میں سے بعض بحر احمر کے ساحل کے قریب جنوب کے رخ پر چلتی ہیں۔ یہی ہوائیں مکہ میں موسم سرما میں بارشیں لاتی ہیں۔ یمن کے قریب ان کا رخ جنوب کی طرف ہو جاتا ہے۔ عام طور بارش گھنٹہ سے ۲ گھنٹہ تک مسلسل موسلا دھار برستی ہے۔ مکہ مکرمہ میں بارشوں کا ریکارڈ کرنا ۱۹۶۹ء میں شروع ہوا، بارش کی سالانہ اوسط ۲۱ اور ۸۲.۶ ملی لیٹر کے مابین ہے۔ ایک دن میں بارش سب سے زیادہ ریکارڈ ہوئی اور وہ اوسط ۴.۷ ۱۱ ملی لیٹر تک پہنچ گئی۔

جب کبھی بارش اچانک بادلوں سے برس پڑتی تو فوری طور پر سیلابوں میں بدل جاتی کیونکہ اس منطقہ میں سطح زمین بہت زیادہ نشیبی اور سخت ٹھوس اور بے مسام چٹانوں سے بنی ہوئی ہے جبکہ سیلاب آگے بڑھنے کا راستہ نہیں پاتے۔ مکہ مکرمہ کا شہر قدیم زمانوں سے مختلف شدید سیلابوں کا ہدف بنا رہا۔ مورخین نے ان سیلابوں اور ان حادثات کا جو واقع ہوئے اور حرم شریف میں بہت سے انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنے' جبکہ سیلاب اچانک ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے' کا ذکر کیا ہے۔

وادی ابراہیم شمال مشرق اور جنوب مشرق کی طرف سے ڈھلان میں ہے۔ باہر جانے والے پانی کے نکاس کا واحد راستہ حرم شریف کے جوار میں تنگ وادی کو عبور کرتا ہے اور منطقہ کا رقبہ کوئی بڑا نہیں۔ وہ ۶۵۰ ھیکٹر (۱۶۰۰ افدان) سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا اس چھوٹے منطقہ میں اس کے ارد گرد ٹھوس ڈھلوانی چوٹیوں کے سبب ہلاکت خیز سیلابوں کا واقع ہونا فطری امر ہے۔ ۱۹۶۸ء کے دوران دیکھا گیا کہ اجیاد

کے منطقوں سے سداور بلیلہ کنویں کی دونوں اطراف سے بہہ کر آنے والے پانیوں نے ایک شدید اور ہولناک طوفان کی صورت اختیار کر لی۔ان بڑے طوفانی سیلابوں کے مکہ مکرمہ اور حرم شریف میں آنے کے باعث کعبہ مکرمہ اور مسجد حرام کی عمارتوں کو شدید نقصان پہنچا۔اور منی جبل النور نیز وادی جعران جنوب مشرق اور مشرق شمال کے رخ پر واقع وادی اوسط کے باہر کے معمولاً آنے والے سیلاب جانوں اور عمارتوں کے بھاری نقصان پر منتج ہوتے ہیں۔پانی والے منطقہ کا رقبہ قریباً ۷۰۰۰ ہیکٹر (۲۷ مربع میل) تک پہنچ جاتا اور منی سے شہر میں آنے والے سیلاب منطقہ الششہ کے قریب وادی سے داخل ہوتے ہیں،لیکن وادی النور اور وادی جعرانہ سے آنے والے سیلاب پرانے شاہی محل کے نزدیک وادی کو عبور کر کے داخل ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض سیلاب شمال کی جانب سے آتے ہیں اور یہ سارے سیلاب حرم شریف تک قشاشیہ کے نزدیک حجون' معلاوہ اور غزہ کی طرف سے پہنچتے ہیں۔جبکہ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ کے اونچائی والے حصوں سے بہنے والے بہت سے سیلاب ماسوائے جبل ابی قبیس و منطقہ اجیاد سے شمال مشرق اور مشرق میں بہنے والے بعض سیلابوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔جبل ابی قبیس اور منطقہ اجیاد والے سیلاب براہ راست باب الملک والے منطقہ میں جا گرتے ہیں اور یہ سب کے سب حرم شریف سے گزرتے ہوئے براہ راست بہاؤ میں جا گرتے ہیں۔

تاریخی ریکارڈ ظہور اسلام کے بعد ۸۶ حادثات کا ذکر کرتے ہیں اور ان سیلابوں کی شدت کا اظہار صیغہ مبالغہ کے ساتھ کیا گیا ہے، مثلاً ''قبل ازیں ایسے سیلاب واقع نہیں ہوئے۔''اس طرح کے اندرون حرم (بارشوں کے پانی کا) لیول حجر اسود یا باب کعبہ کی دہلیز کے اوپر یا دروازے کے قفل کے اوپر یا قندیلوں کے ستونوں کے اوپر تک پہنچا ہوا ذکر کیا گیا ہے۔اسی طرح ان سیلابوں کے باعث جانوں و دیگر قیمتی اشیاء کے نقصان کا بھی کبھی اندازہ لگایا گیا۔ان سیلابوں کا نکاس کبھی کبھی پورے دو دن لے لیتا اور ان کی شدت اور ان کے حجم کو'' دریائے نیل بوقت طغیانی'' سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔

۱۳۲۷ھ کے بعد ۱۳۲۸' ۱۳۳۵' ۱۳۴۴' ۱۳۵۰' ۱۳۶۰' ۱۳۷۶' ۱۳۸۲' ۱۳۸۴' ۱۳۸۸اور ۱۳۹۴ھ کے سالوں میں سیلاب آئے مگر یہ سیلاب شدید نہیں تھے۔اگرچہ ان سیلابوں میں اہم سیلاب جو ۵ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ کو واقع ہوا وہ منطقہ میں شدید بارشوں کے برسنے اور موٹر گاڑیوں کے ذریعے سیلاب کے نالے جزوی طور پر بند ہونے کے باعث پانی سے حرم کا منطقہ مکمل طور پر بھر دینے اور کعبہ کے دروازے کی دہلیز سے نصف میٹر کے قریب بلندی تک پہنچ جانے سے ہوا۔

تاریخ کی کتابوں میں چاہ زمزم سے متعلق سیلابوں اور بارشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ازرقی نے اپنی تاریخ میں کہا ہے:

''پھر چاہ زمزم کا پانی بہت کم ہو گیا حتی کہ پھر ۲۲۴' ۲۲۳ھ کے سالوں میں جمع ہونا شروع ہوا۔لہذا زمین میں اس کے اطراف میں ۹ ذراع سوراخ کئے گئے۔پھر اللہ تعالی نے ۲۲۵ھ میں بارشیں اور سیلاب بھیجے اور اس کے پانی میں بہتات ہو گئی۔''

تاریخ ازرقی میں دوسرے مقام پر یہ بات آئی ہے:

''زمزم پر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ اس کا پانی نیل و فرات سے زیادہ میٹھا تھا۔''

ابو محمد الخزاعی نے کہا:

۲۸۱ھ میں ہم نے دیکھا کہ مکہ میں کثیر بارشیں ہوئیں اور اس کی وادیاں ۲۸۰' ۲۷۹ھ کے سالوں میں بڑے بڑے سیلابوں سے بہہ پڑیں اور زمزم کا پانی بڑھا اور بلند ہو گیا حتی کہ اس کے سر کے قریب پہنچ گیا اور پانی اور اس کے اوپر والے کنارے کے درمیان ۷ ذراع فاصلہ بھی نہ رہا۔ہم نے ایسا کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا تھا کہ کسی نے اس طرح کی صورت حال دیکھی ہو اور اس کا پانی نہایت میٹھا ہو گیا حتی کہ وہ

اہل مکہ کے پینے والے پانیوں میں سب سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں اور اہل مکہ کثرت سے اس کی مٹھاس کے باعث اسی کا انتخاب کرتے۔ میں نے اسے چشموں کے پانیوں سے زیادہ میٹھا پایا اور بوڑھوں میں سے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے ایسی مٹھاس دیکھی ہو اور ۲۸۳ھ میں اور اس کے بعد وہ غلیظ ہو گیا لیکن پانی اسی طرح کثرت میں رہا اور ہم اندازہ لگایا کرتے کہ اگر وہ وادی مکہ میں ہوتا تو اس کا پانی روئے زمین پر بہتا کیونکہ مسجد وادی سے بلند تر اور زمزم مسجد سے بلند تر ہے اور مکہ کے پہاڑ اور اس کی گھاٹیاں' نیز اس کے گھر جو اس مقام پر تھے' میں سے پانی پھوٹا کرتا۔

۱۳۸۸ھ میں مکہ مکرمہ میں شدید بارشیں ہوئیں اور پانی حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ ایسا اس لئے ہوا کہ ان دنوں حرم شریف کے پانی کے نکاس کا کوئی انتظام نہ تھا۔

آب زمزم کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا میں بھی رکن تھا۔ ہم نے دیکھا کہ پانی زمزم کے حجرے میں داخل ہو رہا ہے اور کنویں کے منہ سے باہر کی طرف نکل رہا ہے۔ بھولے بھالے لوگ کہہ رہے تھے کہ کنواں اپنے آپ کو صاف کر رہا ہے۔ میرے ہاتھ میں ایک کاغذی رومال تھا جسے میں نے سطح زمین پر ڈال دیا اور دیکھا کہ رومال کو پانی باہر کی طرف بہا کر لے جا رہا ہے۔ اور زمین پر مجھے تقریباً ۲ میٹر بڑی ایک ٹیوب ملی۔ میں نے اس کا ایک سرا کنویں کے درمیان رکھا تو دوسرے سرے سے پانی نکلنے لگا۔ اس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہاں پر دباؤ ہے جو پانی کے نیچے سے اوپر کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جس سے یہ تصدیق ہو رہی تھی کہ چاہ زمزم شدید بارشوں میں فواری کنویں کی طرح عمل کرتا ہے۔

میں نے آب زمزم کو چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ چنانچہ کنویں سے نمونے لے کر ان کا تجزیہ کیا گیا تو ثابت ہوا کہ وہ مکہ کے ہر دوسرے پانی سے شیریں تر ہے۔ کچھ عرصہ تک پانی اسی طرح کنویں سے نکلتا رہا حتی کہ اس کا دباؤ کم ہوا اور وہ گھٹنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ کنواں اصلی حالت پر آ گیا یعنی منہ سے ۳ میٹر کے فاصلے پر لیکن اس میں کافی وقت صرف ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاہ زمزم کے مصادر زمینی پانی کے مصادر سے مختلف ہیں، اس لئے کہ اگر پانی کی فراوانی ہوتی تو چاہ داؤدیہ اور حرم شریف کے گرد و نواح کے کنووں میں بھی پانی بلند ہوا ہوتا۔ یہ حقیقت یقین دلاتی ہے کہ چاہ زمزم کا اپنا مستقل مصدر ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ ہم نے سال ۱۴۰۰ھ میں حرم شریف میں ہونے والے واقعات کے بعد آب زمزم کا تجزیہ کیا تو معائنہ کے وقت کنویں کے بڑے مصادر سے لئے گئے نمونوں کے تجزیوں نے ثابت کیا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں۔ اور اس کی نوعیت کنویں کے دیگر مصادر سے مختلف نہیں۔

چاہ زمزم کی پیداواری طاقت

ماضی میں چاہ زمزم کی پیداواری طاقت کا اندازہ لگانے کیلئے کئی ایک مساعی کی گئیں لیکن جن نتائج تک رسائی ہوئی وہ سارے کے سارے تخمینے ہی تھے۔ اس لیے کہ چاہ زمزم کی پیداواری طاقت کا اندازہ لگانے کیلئے ضروری تحقیقات کا اجراء متعدد عوامل کا متقاضی ہے جن میں اہم ترین بڑے بڑے پمپوں سے معاون کے طور پر کنویں سے پانی نکالنے کا کام لینا ہے اور آب زمزم کے ان مخصوص مخزنوں سے پانیوں کو دور سے کھینچ کر لانا جس سے نکالا ہوا پانی مطلوبہ مقداروں تک نہیں پہنچتا اور اسی طرح سے چاہ زمزم سے کام لینے کے یومیہ وقفے جبکہ وہ اس پہلو سے ایک مشکل معاملہ ہے کہ آب زمزم مسلمانوں کی نظر میں ایک مرتبہ کا حامل پانی ہے اور سب روز اس کے پینے پر ان کا اژدھام رہتا ہے۔

چاہ زمزم کی پیداواری قوت کی تحقیق کی پہلی سنجیدہ کوشش آب زمزم کے یومیہ استعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۳۹۱ھ میں میسر

امکانات کے ساتھ کی گئی، جب وزارت زراعت و آب نے استاد مصطفےٰ نوری کو چاہ زمزم کی پیداواری قوت کی تحقیق پر مقرر کیا اور وہ اس وقت محکمہ جیالوجی کے سربراہ تھے۔ میں نے ان کی معاونت کی۔ چنانچہ تحقیقات کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ان کا خلاصہ میری تیار کردہ رپورٹ میں درج ذیل ہے:

۱۔ کنویں پر دو سنٹری فیوگل پمپ ہیں جو بجلی سے چلتے ہیں اور وہ کنویں کے سر کے قریب لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا ۵۰ ہارس پاور کا ہے اور اس کی پیداواری قوت ۳۰ مکعب میٹر فی گھنٹہ ہے اور چھوٹے کی پیداواری قوت ۱۱.۶ مکعب میٹر فی گھنٹہ ہے۔

۲۔ بڑا پمپ ۳ انچ ٹیوبوں میں سطح حرم پر بلند مخزن میں پانی کھینچ کر ڈالتا ہے، جس کی لمبائی ۱۵.۲۰ میٹر، چوڑائی ۲.۷۰ میٹر اور بلندی ۱.۴۰ میٹر ہے۔

۳۔ چھوٹا پمپ ۲.۵ انچ اور ۲ انچ ٹیوبوں میں کنویں کے حجرہ کے دونوں طرف واقع مخزنوں میں پانی کھینچ کر ڈالتا ہے، جن میں سے ہر ایک کی لمبائی ۵.۹۰ میٹر، چوڑائی ۱.۹۰ میٹر اور بلندی ۲.۱۹ میٹر ہے۔

۴۔ اوپر والا بڑا مخزن بڑے پمپ کے ذریعے 31/2 گھنٹوں میں، چھوٹے مخزن میں سے ہر ایک قریباً ۵۲ منٹ میں بھرتا ہے۔

۵۔ صرف چھوٹے پمپ کے ساتھ پانی نکالنے کا عمل مکمل ہوا اور اس کے فعل سے تجربہ کی ابتداء سے ۷ منٹ میں رکے ہوئے پانی کا لیول ۲.۱۶ میٹر سے ۷.۴۱ تک نیچے ہوگیا اور ابتدائے تجربہ سے ۱۸ منٹ کے اندر ۲.۱۰ میٹر تک اور ۲۴ منٹ میں ۲.۱۲ میٹر تک۔

۶۔ چھوٹے پمپ کے رک جانے کے بعد بڑے پمپ کے ساتھ پانی نکالا جاتا رہا اور تجربہ کی ابتداء سے ۷۷ منٹوں میں پانی کا لیول ۲.۲۷ میٹر نیچے ہوگیا اور ابتدائے تجربہ سے ۹۶ منٹوں میں پانی کا لیول ۲.۳۲ میٹر اور ۱۱۷ منٹوں میں ۲.۱۳ میٹر اور ۱۲۳ منٹوں میں ۲.۳۲ میٹر تک۔

۷۔ دونوں پمپوں سے بیک وقت پانی کا نکالا جانا جاری رہا اور ۴ گھنٹوں کے بعد زیادہ سے زیادہ پانی کا لیول ۲.۶۴ میٹر نیچے ہوا اور یہ تجربے آئندہ ۳ دنوں تک دہرائے جاتے رہے۔

۸۔ چاہ زمزم پر لگے ہوئے پمپوں کے ذریعے کنویں کی پیداواری قوت ۱۲۳.۵، ۱۲۷.۳ گیلن فی منٹ کے درمیان سمجھ لینا ممکن ہے (یعنی ۱.۴ سے ۲.۷ لیٹر فی سیکنڈ کے مابین)

ڈاکٹر یحییٰ بکداش لکھتے ہیں:

مشاورتی کمپنیاں جنہیں آب زمزم سے متعلق تحقیقات کی ذمہ داری سونپی گئی تھی مثلاً والسن، پاکستانی انجینئر ز کی یونین اور جرمنی کی ڈبلیو ایف کورنز انہوں نے چاہ زمزم کی پیداواری قوت کا اندازہ بحساب ۶۰ میٹر فی گھنٹہ لگایا اور یہ اندازہ ان مقداروں پر منحصر تھا جو کنویں پر لگائے گئے پمپوں کے ذریعے پانی نکالا گیا۔ اور یہی اندازے معروف رہے حتی کہ مجھے ۱۴۰۰ھ میں چاہ زمزم کی پیداواری قوت کی تحقیقات کا موقع ملا جبکہ میں مغربی منطقہ میں فراہمی و نکاسی آب کا ڈائریکٹر جنرل تھا، مجھے حرم پر واقع ہونے والے حادثات کے بعد چاہ زمزم کی اس ملاوٹ و آلودگی سے صفائی اور تطہیر کا کام سونپا گیا جو ان افسوس ناک حادثات کے دوران ہوگئی تھی۔ نیز ان کی اصلی حالت پر بحال کرنے اور آب زمزم پینے والوں کے لئے صاف ستھرا اور خوش ذائقہ پانی لوٹانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اس دوران آب زمزم کا استعمال بیت اللہ شریف کے زائرین کی آمد اور کنویں کی نظافت و طہارت تک روک دیا گیا۔ اس کام کی تکمیل کیلئے کنویں کا پورا ملاوٹ شدہ پانی نکال دینا ناگزیر تھا۔ کنویں کے منہ کی تنگی، پمپوں کا انعقاد اور مختلف فاصلوں کی

گہرائیوں پر ان کا اتارنا اور آب زمزم کو نکالنے والے عمومی پمپوں اور اتارنے کے لئے کرین، آہنی سیڑھی اور پمپوں کو اٹھانے والی زنجیروں اور ہر پمپ کے لئے بجلی کے فیڈر کیبلوں' روشنی کے کیبلوں اور کنویں کے منہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والے پٹوں کی موجودگی میں بڑا مشکل کام تھا۔ اس کے باوجود فلجٹ قسم کے طرز کے چار زیر آب پمپوں کو کنویں میں سطح آب سے مختلف فاصلوں کی گہرائیوں میں کنویں کے قطر کی تنگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اتارنے میں مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ کامیاب ہو گئے۔

پہلا پمپ ع1=25 میٹر (H1=25M) کی گہرائی پر

دوسرا پمپ2=22 میٹر (H2=22M) کی گہرائی پر

تیسرا پمپ3=19 میٹر (H3=19M) کی گہرائی پر

چوتھا پمپ ع4=17 میٹر (H4=17M) کی گہرائی پر

اور جملہ پمپوں کا عمل مکمل ہوا سوائے اس کے کہ ایک پمپ کچھ وقت کے بعد بجلی کے غلاف میں پانی کے داخل ہونے سے بڑے دباؤ کے نتیجے میں جو اسے ۲۵ میٹر کی گہرائی پر پیش آیا' رک گیا اور باقی تین پمپ صحیح سالم کام کرتے رہے۔ اور مذکورہ پمپ کے گراف کی طرف متوجہ ہونے سے جو گہرائی سامنے آتی ہے وہ ع یا H اور تصرف کی مقدار ک یا Q کے مابین ہے۔ گراف پر گہرائیوں کے تعین کے ساتھ درج ذیل وضاحت ہوتی ہے۔

ا۔ ۲۵ میٹر کی گہرائی پر پمپ کی مقدار نکاس=۲۵۰۰ لیٹر فی منٹ۔
ک=Q=۱۵۰۰۰ لیٹر فی گھنٹہ۔
ک=Q=۱۵۰ مکعب میٹر فی گھنٹہ۔

۲۔ ۲۲ میٹر کی گہرائی پر پمپ کی مقدار نکاس=۲۶۰۰ لٹر فی منٹ۔
ک=Q=۱۵۶ مکعب میٹر فی گھنٹہ۔

۳۔ ۱۹ میٹر کی گہرائی پر پمپ کی مقدار نکاس=۲۷۰۰ لٹر فی منٹ۔
ک=Q=ف ۱۶۲ مکعب میٹر فی گھنٹہ۔

۴۔ ۱۷ میٹر کی گہرائی پر پمپ کی مقدار نکاس=۲۸۰۰ لٹر فی منٹ۔
ک=Q=۱۶۸ مکعب میٹر فی گھنٹہ۔

اور پہلے پمپ کے تعطل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۳ پمپوں کی کل مقدار نکاس=۱۵۶+۱۶۲+۱۶۸=۴۸۶ مکعب میٹر فی گھنٹہ۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ ۳ پمپ جو کنویں کے اندر چل رہے تھے اور ان پانیوں کو بارش کے نکاس کے نالے کی طرف نکال رہے تھے اور اس عرصے میں دو پمپ بغلی گڑھے میں چل رہے تھے جو زمینی پانی کو کنویں کے پہلو سے نکال رہے تھے اور ان پانیوں کو بارش کے نکاس کے نالے میں پورا پورا نکال دیتے اور جب کنویں میں موجود پانی کم ہو جاتا تو ایک پمپ یا دونوں پمپ رک جاتے اور پانی کی سطح کنویں میں ۱۳ میٹر کی گہرائی تک گر جاتی۔

مندرجہ ذیل شیڈول ۲۳/۱/۱۴۰۰ھ میں تیار کیے گئے۔ اور وہ پمپنگ کی ابتدائی کے وقت اور ہر ریڈنگ (پیائش) کے وقت پانی کی گہرائی کو ظاہر کرتے۔ اور اسی طرح پانی کے پمپنگ کے توقف سے لے کر پانی کی دوسری مرتبہ واپسی تک کے لئے ضروری وقت کو

شیڈول نمبر۴ ظاہر کرتا ہے اور کنویں میں تینوں پمپوں اور حوض 'ب میں موجود دو پمپوں کی ریڈنگ لی گئی۔ منہ پر پانیوں کا لیول ۳.۲۳ میٹر تھا اور ریڈنگ ہر آدھے منٹ میں مکمل ہوتی حتی کہ پانی کا لیول کنویں کے اندر ۱۲.۷۲ میٹر تک پہنچ گیا۔ چنانچہ پمپ پورے طور پر رک گیا کیونکہ اس نے چوسنا شروع کیا تھا جبکہ حوض میں پانی کی سطح ۶۵ س م تھی اور ریڈنگ کا ہر آدھے منٹ پر لینا جاری رہا حتی کہ پانی کی گہرائی ۱۲.۸۳ میٹر تک پہنچ گئی۔ اور ہم ہر منٹ بعد اس کی ریڈنگ کرتے رہے حتی کہ پانی ۱۳٬۳۹ میٹر تک پہنچ گیا۔ اور کنویں میں پانی کا گرنا اس گہرائی میں رک گیا۔ اس دوران حوض ب میں پمپ چلتا رہا اور پانی کا لیول ۶۸.۵ سم ہو گیا اور ریڈنگ ۶ منٹ کے عرصہ کے لئے روک دی گئی۔ اور یہ کنویں کے بڑے شگافوں سے نمونے لینے میں آسانی پیدا کرنیکے لئے تھا اور اسی طرح پتھروں کے درمیان سے نکلتے ہوئے پانیوں کے نمونوں کے لئے بھی۔ اس کے بعد ایک پمپ مکمل طور رک گیا تو پانی کنویں میں چڑھنا شروع ہو گیا حتی کہ منہ سے ۹۰۵ میٹر بلند ہو گیا اور اس کے بعد دوسرا محرک (پمپ) رک گیا اور پانی ۶۰۶ میٹر تک بلند ہوتا رہا۔ اس کے بعد تیسرا پمپ رک گیا اور ۱۱ منٹوں میں پانی ۳.۹۰ میٹر بلند ہو گیا۔

لیکن دوسرا شیڈول ۱۴۰۰/۱/۲۴ھ کو پمپنگ کے رک جانے کے بعد پانیوں کی واپسی کو کنویں کے منہ تک ظاہر کرتا ہے۔ اور جب حوض الف اور حوض ب میں پمپ چل رہے ہوں تو مندرجہ ذیل عوامل کے پیش نظر ہائیڈرروجیکل قوانین کی تطبیق مشکل ہوتی ہے

۱۔ کنویں کے دو قریبی مقامات سے مسلسل پمپنگ کا ہونا۔

۲۔ کنویں کے غذارسانی کے وقفوں کی طوالت سے عدم واقفیت۔

۳۔ مٹی (زمین) میں نفوذ کرنے والے عوامل سے ناواقفیت۔

۴۔ نصف قطر کے دائرے کا اثر۔

آب زمزم اور عصر حاضر

چاہ زمزم کی تاریخ متعدد ثقہ کتابوں میں رقم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے اس کنویں کی حفاظت اور اس کے زیادہ سے زیادہ استعمال کا کام بڑی توجہ سے کیا گیا، البتہ کچھ عرصہ کے لئے یہ کنواں مخفی ہو کر رہ گیا تا آنکہ حضرت عبدالمطلب نے اسے دوبارہ نکالا۔ موجودہ حرم شریف کی عمارت بن جانے سے قبل حرم کے منطقہ میں کئی ایک کنویں موجود تھے اور یہ تمام کے تمام کنویں ماسوائے داؤد یہ کنویں کے حرم شریف کی تعمیر کے دوران دفن کر دیئے گئے۔ فیوجر دنے ان متروکہ کنوؤں میں سے ایک تک رسائی حاصل کر لی۔

چاہ زمزم شگافوں کے تین مجموعوں کی گزرگاہ پر واقع ہے اور یہ شگاف صفا' کعبہ اور مروہ سے کنویں کی طرف پھیلتے چلے گئے ہیں۔ کنویں کی گہرائی ۳۰.۵ میٹر تک پہنچتی ہے جس میں ۱۷.۵ میٹر سنگ خارائی چٹانوں میں ہے اور جو حصہ چٹانی طبقہ پر واقع ہے اس کی تبطین کی تکمیل ایک دیوار کی تعمیر سے ہوئی۔ اس دیوار میں تین شگاف پائے جاتے ہیں جو کنویں کے شگافوں سے مل جاتے ہیں۔ کنویں کے پانی کا لیول اس کی ساکن حالت میں کنویں کے شگافوں سے مل جاتے ہیں۔ کنویں کے پانی کا لیول اس کی ساکن حالت میں کنویں کی سطح سے تین میٹر نیچے ہوتا ہے۔ اس حالت میں کنویں سے بڑی مقدار میں پانی رس رس کر جمع ہوتا رہتا ہے۔ جبکہ پانی جدید خدمات کے منطقہ میں کنویں کی طرف سے دو موجود حوضوں میں بہتا ہے۔ پانی کے جمع ہونے کا یہ عمل کنویں پمپ کے چلنے پر رک جاتا ہے۔

محرم ۱۴۰۰ھ کے واقعات کے دوران منطقہ زمزم کو پر کر دینے والے پانی کا لیول کنویں میں ساکن پانی کے لیول سے تقریباً دو میٹر اوپر تک پہنچ گیا اور یہ لیول وادی ابراہیم علیہ السلام کی بلند جانب کے زمینی پانی کے لیول کے برابر ہو گیا۔

زمزم کے منطقہ میں پانی کے دیگر تین مختلف مصادر ہیں جن کے پانی دو حوضوں میں جمع ہو جاتے ہیں اور جنہیں ملاحظہ کرنے کے وقفے کے دوران حرم شریف سے باہر پمپ کر دیا جاتا ہے۔ کنویں اور صفا کی جانب سے رستا ہوا پانی صفا کے نزدیکی تالاب میں جمع ہو جاتا ہے اور کنویں کا رستا کنویں کے نہ چلنے کے اوقات کے دوران ہوتا ہے۔ جہاں تک دوسرے رسنے کا تعلق ہے وہ کمزوری کے ساتھ رستا ہے اور خراسانی دیواروں کے نیچے صفا اور مروہ کے متوازی جاری رہتا ہے۔ صفا مروہ کی طرف موجود دوسرے حوض میں زمزم کی جانب سے رس کر آنے والا پانی جمع ہوتا ہے۔ نیز وہ پائپ جو اس میں براہ راست رسنے والا پانی ڈالتے ہیں چھوٹے پائپ سے نکلنے والے پانی کی مقدار تھوڑی سی ہوتی ہے اور اس کا درجہ حرارت کم ہوتا ہے اور یہ کنویں کی طرف سے رس کر آنے والی یا بڑے پائپ کے ذریعے آنے والی مقدار کی نسبت بہت کم ہوتی ہے یہ دونوں پائپ متحدہ کنسلٹنٹ انجینیئرز کی ہدایات کے مطابق بنائے گئے جنہوں نے پانی کے ان دو مصادر کی تعمیر کی نگرانی کی اور سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹا پائپ وادی ابراہیم کی بلند جانب سے رستے ہوئے گہرے پانی کو غریلی رسوبات (تہ جمی سلٹ) کو عبور کر کے تالاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

زمزم سے متعلقہ جدید خدمات کے منطقہ میں کھدائی کے دوران پانی کا پائپ ٹوٹ گیا اور پانی موذنین کی عمارت کی طرف بہ گیا اور یہ کنسلٹنگ ماہر انجینیئرز کے رائے کے مطابق ہوا۔ لہٰذا اس پانی کو جمع کرنے کے لئے ایک بڑا مین ہول بنایا گیا اور پھر اس پانی کو بڑے پائپ کے ذریعے تالاب میں ڈالا گیا۔ انجینیئرز نے یہ بھی بتایا کہ یہ پانی چشمہ زبیدہ کے نیٹ ورک سے آتا ہے۔ اور یہ لحاظ رکھا گیا زمزم کے چلنے کے وقت بڑے پائپ سے پانی کی مقدار میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

پھر کنویں اور بڑے پائپ، چھوٹے پائپ سے نمونے حاصل کئے گئے اور ان نمونوں کا جامعہ ملک عبدالعزیز میں تجزیہ کیا گیا۔ اسی طرح ان مصادر کی طبعی خصوصیات کی تحقیق کے موقع پر تجزیہ کیا گیا۔

متعلقہ تحقیقات استعداد رسائی اور درجہ حرارت کی حد تک خدمت کے منطقہ میں پانی کے موجودہ مصادر کے مابین اختلاف کو واضح کرتی ہیں، درآنحالیکہ چھوٹی پائپوں کو عبور کرتے ہوئے پانی میں درجہ حرارت کا گرنا اور اس کی استعداد رسائی میں کمی کا واقع ہونا اشارہ کرتا ہے کہ اس پانی کا مصدر دیگر مصادر سے مختلف ہے جبکہ یہ پانی وادی ابراہیم میں تہ جمی بھل کو عبور کرتے ہوئے سست روی کے ساتھ چلنے والے زمینی پانی سے عبارت ہے۔

یہی حال زمزم میں صفا کی جانب سے کنویں کے نیچے سے رس کر آنے والے پانی کے درجہ حرارت اور اس کے اوپر تک رسائی کی صلاحیت میں ہے اور اس کے رسنے کی نسبت بہت کمزور ہے۔ احتمال یہ ہے کہ یہ پانی خود مصدر سے آتے ہیں اور جبل قبیس میں کھلے راستے کے اوپر رستے رہتے ہیں۔ تجزیے اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ کنویں کی طرف سے تالاب کی طرف رسنا تمام تر خود کنویں سے ہوتا ہے کیونکہ اس پانی کے حوض خود آب زمزم کے حوض ہیں۔ مزید یہ کہ زمزم سے پانی کھینچنے کے دوران رسنا رک جاتا ہے۔

بڑی ٹیوبوں اور زمزم کے پانی کا درجہ حرارت ایک جیسا ہوتا ہے سوائے اس کے کہ ان کی منتقل ہونے کی صلاحیت میں بہت بڑا فرق ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان ٹیوبوں کا پانی زمزم کا پانی نہیں اور اس کے باوجود ان دونوں مصدروں کے حوضوں میں مماثلت کی احتیاج ہے جو برابر کی سطح کے علاقے میں اس کا سبب ظاہر کرے۔

چاہ داود یہ زمزم کی طرف سے آنے والی لہر کی جانب پایا جاتا ہے۔ حرم شریف کے منطقہ میں موجود غیر محصورہ پانی کی کوئی بھی بڑی مقدار مسفلہ کی طرف اتر جاتی ہے اور اسی وجہ سے وادی ابراہیم علیہ السلام اور داودیہ میں زمینی پانی میں بعض مواد ملوث ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آب زمزم ان اوقات میں جب اسے استعمال نہ کیا جا رہا ہو اس کنویں کی طرف رس جاتا ہو۔

یہ احتمال اس لئے بھی کہ چاہ وادو یہ کئی مصادر کے پانیوں پر مشتمل ہے۔ اوران دونوں کنوؤں کے معائنہ کے دوران ان دونوں میں موجود مادی خصائص مماثل تھے سوائے اس کے کہ جب زمزم سے پانی نکالا جارہا ہوتو وادو یہ کنواں بتدریج شدید متاثر ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں کنویں ایک دوسرے سے بہاؤ میں متصل ہوتے تو چٹانی دراڑوں اور شگافوں کو عبور کرتے وقت جو تاثر بھی ظاہر کرتے تو اس وقت ان دونوں کنوؤں میں حوزی مطابقت ہوتی۔ اور چونکہ صورت حال ایسی نہیں ہے لہٰذا ایسا بھی نہیں یعنی چاہ وادو یہ کے حوض چاہ زمزم سے مختلف ہیں۔ اوران کے مادی خصائص میں جو مماثلت ملاحظہ کی گئی ہے وہ ماہ محرم ۱۴۰۰ھ کے وقفہ کے دوران زمزم سے مسلسل رسنے کے ساتھ منسوب کی جاسکتی ہے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء کو کی جانے والی پمپنگ کی تحقیقات نے کنویں کے بعض حوض واضح کئے ہیں۔ ان تحقیقات میں تین زیر آب پمپوں سے کام لیا گیا اور پمپنگ پانی کے پہلے لیول سے ۱۰۲۰ میٹر نیچے کی گہرائی تک جاری رہی۔ اس کے بعد پمپ یکے بعد دیگرے رکتے گئے اور عام اندازے سے اس پانی کا بہاؤ دنیا بھر کے ناری چٹانوں کے کنوؤں کے ریکارڈ کئے گئے بہاؤ کی نسبت زیادہ تغیر کی نشاندہی کرتے ہیں۔

النزھتہ یونائیٹڈ کنسلٹنٹس کمپنی مکہ مکرمہ نے دومرتبہ بارش برسنے کے بعد مکہ مکرمہ کے منطقہ میں واقع لیول اور چاہ زمزم کے پانیوں کے لیول میں واقع ہونے والے تغیرات کا معائنہ کیا اور ملاحظہ کیا کہ بارش جو مکہ مکرمہ پر براہ راست برسی اس نے وادی ابراہیم اور حرم شریف کے بعض حصوں میں سیلاب کی صورت پیدا کردی لیکن چاہ زمزم کے پانی کے لیول میں کوئی قابل ذکر تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

لیکن دوسرا خصوصی ملاحظہ طائف کے علاقہ میں موسلا دھار اور شہر پر بڑی نسبت سے برسنے والی بارش کا تھا۔ اس بارش سے وادی ابراہیم میں کوئی سیلابی کیفیت پیدا نہیں ہوئی لیکن اس سے زمزم کے پانیوں کے لیول میں دفعتہ بڑے پیمانے پر تغیرات واقع ہوئے۔ اور یونائیٹڈ کنسلٹنٹس انجنیئر کمپنی بارش ہونے کے ساتھ قلم بند کردہ ہر دو لیول کے ریکارڈ برقرار رکھے ہوئے ہے۔

چاہ زمزم اپنے پانی قدیم زمانوں میں وجود میں آنے والی گہری چٹانوں سے حاصل کرتا ہے۔ پانی تین چٹانی دراڑوں میں سے گزر کر آتے ہیں جو کعبہ مشرفہ صفا اور مروہ سے نکل کر کنویں سے جا ملتی ہیں۔ ان دراڑوں سے نکلنے والا پانی ان پیمائشوں کے مطابق جن سے اندرونِ چاہ شگاف کی کشادگی کی پیمائش مکمل ہوئی پریشر کے ساتھ قریبا ۱۰ میٹر اوپر تک پہنچ جاتا ہے۔ اور کنویں کے مقام میں موجود چٹانی طبقہ ریت کے نرم طبقہ پر غالب آ گیا ہے اس کی چھت (چوٹی) ۱۶ میٹر بلندی تک پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ غرنیہ میں سے پھوٹ کر نکلنے والا زمینی پانی طبعی اور کیمیائی خصوصیات میں زمزم کے پانی کی طبعی اور کیمیائی خصوصیات سے مختلف ہے۔

گہری چٹانیں جو چاہ زمزم کو غذا پہنچاتی ہیں مشرق کی جانب واقع پہاڑوں سے اپنی کمی کو پورا کرلیتی ہیں اور یہ منطقہ تعویض (کمی پورا کرنے والا طبقہ) چاہ زمزم کے منطقہ کے ساتھ کئی شگافوں کو عبور کر کے مل جاتا ہے۔ چٹانوں کے فاصل اور سطح جھکاؤ جن کی سمتیں ۴۰/۵۰، ۱۳۰/۵۰/۱۵۰ اور ۱۰/۲۰ درجہ کے بین بین ہیں دیگر چھوٹے جھکاؤ سمیت باہم جدا ہوتے ہیں اور ایک شبکہ (جال) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور وہ ان تین شگافوں کی سمتیں شمار کی جاتی ہیں جو کنویں کے مقام پر مشاہدہ کی گئی ہیں اور وہ بڑے ھلکبہ (نزدیک کے کنویں) میں داخل ہوتی ہوئی مقامی (موضعی) قسم سے ہیں۔ مکہ مکرمہ شہر مضبوطی کے ساتھ باہم مربوط سطحی اور متوسط سفلی ماحولیات میں وادیوں کے منطقے اور دراڑوں پر مشتمل سنگلاخ پہاڑیوں کے منطقے کے مابین واقع ہے۔ ان دراڑوں پر مشتمل چٹانی منطقوں میں زمینی پانی کی نکاسی میں مشکلات کا سامنا ہے۔

یہی حال مکہ مکرمہ کے منطقہ کا ہے جیسا کہ روزمرہ کے نکاسی آب کے نالوں اور بارشوں کے پانیوں کی نکاسی کے نالوں سے پانی

رس رس کران دراڑوں سے گزر کر جو چاہ زمزم کوغذا پہنچانے والی دراڑوں کی سطح تک پھیلتی چلی گئی ہیں' چاہ زمزم میں پڑنے کا احتمال ہے۔

مکہ مکرمہ میں چشمہ زبیدہ کے پانی کو سال ۱۵۰۰ء کے دوران بنائے جانے والے نظام کے ذریعے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور اس نظام کی ایک شاخ شارع صفا کے قرب وجوار میں چلتی ہے اگر چہ اس کی اس شاخ کا صحیح موقع نقشوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس نظام سے پانی خدمات زمزم کے منطقہ میں نکاسی کے ایک تالاب میں لا کر ڈالا جاتا ہے۔

چشمہ زبیدہ کو پانی کی غذا پہنچانے والا اور اپنے پانی کی نوبہ نو سپلائی کرنے والا ایک ہی منطقہ ہے اور وہ شرقی جانب واقع پہاڑوں کا منطقہ ہے، اس حقیقت کا اظہار وضاحت کے ساتھ پانی کے درجہ حرارت اور اس کی منتقلی کی خصوصیات سے ہوتا ہے اور اس کے باوجود زمزم کے پانی چشمہ زبیدہ کے پانی سے مختلف ہیں۔

چاہ زمزم اور اس کے قرب وجوار کے منطقہ میں زمزم سے پانی نہ نکالنے کے وقفہ میں پانی کے رسنے کا عمل ہوتا ہے جبکہ پانی کا لیول کنویں کی سطح سے تین میٹر کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔ رسنے کا یہ عمل مختلف سمتوں میں ہوتا ہے مگر رسنے کا یہ عمل کنویں سے پانی نکالنے کے دوران رک جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ چاہ داودیہ اور وادی ابراہیم اور زمزم کی جانب دیگر مصادر سے پانی کے رسنے کے متعلقہ امور میں اس مقصد کو پیش نظر رکھا جائے۔

چاہ داودیہ زمزم سے آنے والے بہاؤ کی جانب واقع ہے اور یہ تصدیق شدہ بات ہے کہ دونوں کنویں غریی رواسب کو عبور کرتے وقت ہائیڈ رولوکیا (پانی کے حرکی قوت کے لحاظ سے) متصل ہوتے ہیں جبکہ ان دونوں کے مابین چٹانی دراڑوں کے راستوں سے ہیڈ رولیکی اتصال تقریباً ناممکن ہے، لیکن چاہ زمزم سے پانی کا چاہ داودیہ کی طرف رسنا تصدیق شدہ چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی احتمال ہے کہ پانیوں کے غرینی مواد کو عبور کرتے وقت اس طرح کی صورت حال کا واقع ہونا کہ دونوں کنوؤں کے طبعی خواص باہم متماثل ہو جاتے ہوں اس دوران میں ہو جبکہ تحقیقاتی تجزیہ دونوں کنوؤں کے عدم استعمال کے دوران کیا گیا ہو۔

وادی ابراہیم میں زمینی پانی کا لیول زمزم کے ساکن لیول سے قریباً ۲ میٹر بلند ہوتا ہے۔ موجودہ استعمال کے منطقہ میں نکاسی آب کا نظام زمینی پانی کے لیول کو اتنا کم کر دیتا ہے کہ وہ کنویں کے ساکن لیول کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

وادی سے اٹھ کر رسنے والے پانی کا کوئی بھی بہاؤ زمزم تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کنویں میں پانی کا لیول چوڑی نالیوں کے کم از کم لیول سے نیچے نہیں ہو جاتا۔ کنویں سے رس کر منطقہ خدمت میں پانی پڑ جاتا ہے اور اس کے برعکس منطقہ خدمت سے پانی رس کر کچھ نہ کچھ کنویں میں بھی پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا گہرائیوں میں یا کم از کم پانی کے لیول کے وسط میں ترنشات کا قائم کرنا کنویں میں ہر طرح سے پانی رسنے سے روکنے کا کام دیتا ہے۔

زمینی پانی اونچی سطحوں سے نچلی سطحوں کی طرف آتا ہے اور زمزم کے لیول کی بلندی ساکن ہے اور وادی میں پانی کے لیول سے کچھ کم ہو جاتی ہے۔ اور ترنشات پانی کے لیول کو کم کرنے کا کام دیتے ہیں' نیز وادی اور زمزم سے پانی کو کھینچنے اور جمع کرنے کا کام دیتے ہیں۔ اس کے باوجود حج کے موسم میں زمزم کے پانیوں کے لیول اس کے عمومی لیول سے کئی میٹر کم ہو جاتے ہیں اور اسی لئے سطح ترنشات وادی سے پانی کو کھینچنے اور جمع کرنے کا کام نہیں کرتے کیونکہ زمزم ترنش کی مانند ہو جاتا ہے اور پانی وادی سے زمزم کی طرف رستا ہے سوائے اس کے کہ ترنش کی تعمیر زیادہ گہرائی میں ممکن ہو کیونکہ یہ پانی کے ہر طرح کے رسنے کے لیول کو نیچے لے جاتا ہے اس سے قبل کہ وہ کنویں تک پہنچے پانی کی نوعیت معلوم کرنے کے لئے تحقیقات کے دوران جو تجربات کئے گئے تھے وہ تجربہ گاہ کی خطا پر مشتمل تھے لہٰذا اس رپورٹ میں انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

چاہ زمزم کی پیداواری قوت جیسا کہ پمپنگ کے تجربات سے ظاہر ہے۔۱۱۔۵۔۱۵ لیٹر فی سیکنڈ کے مابین ہے۔ مگر اس قسم کے حسابات کے ریکارڈ اجراء کے لئے نفاذ و تحوین کی نسبت کی طرح کامل معلومات کے فقدان کے پیش نظر پانی کی حرکی قوت سے متعلق پیمائشوں کے حساب سے تمام نہیں ہوئے۔

آب زمزم اور کیمیائی اور حیاتیاتی تحقیقات

آب زمزم سے متعلق احادیث شریفہ اور روایات نے بعض محققین، سائنسدانوں اور کئی اداروں کو آب زمزم کے عناصر معلوم کرنے کے لئے اس کی تحقیق و تجزیے کی طرف ترغیب دلائی۔ نیز سعودی حکومت نے حج و عمرہ کے عازمین اور مقامی لوگوں تک نقائص و جراثیم سے پاک وصاف پانی مہیا کرنے کے لئے اس کی تقسیم کی طرف' اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کے طبعی خواص اور اس کے امتیازی ذائقے میں کوئی فرق نہ آئے' گہری توجہ دینا شروع کی۔

اس مقصد کے پیش نظر آب زمزم کے کیمیائی و حیاتیاتی تجزیے پر مبنی کئی تحقیقات کا اہتمام کیا گیا، لیکن کیمیائی تجزیئے پر گفتگو سے قبل ہم قارئین کو پانی کی قسموں سے متعلق عملی تجربات پر مشتمل سادہ اور آسان نظریہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

درج ذیل معلومات حاصل کرنے کے لئے تجربہ گاہوں میں تجربات کئے گئے۔

۱۔ پانی کے ذرائع کی درستگی کی حد یا اس کی عدم درستگی کا فیصلہ

۲۔ اس قسم کے پانی کو آلائش سے پاک کرنے کی عملی مناسبت۔

۳۔ تنقیہ (صفائی) کے عملی اقدامات کی قابلیت کی حد کا فیصلہ' اس مقصد کے لئے کئے گئے ہر اقدام کی حد تک۔

۴۔ استعمال کی صلاحیت کی نسبت سے پانی کی تقسیم کے امکانات۔

استعمال کے قابل صاف ستھرا پانی: وہ جراثیم سے پاک اور ہر قسم کے مضر صحت معدنی مواد سے خالی ہوتا ہے۔ پانی کے صاف ستھرا ہونے کا اعتبار اس کے رنگ' آلائش' ذائقہ اور بو کے اسباب سے مبرا ہونے کے ثبوت کے ساتھ ہوتا ہے۔

غیر صاف مگر قابل استعمال پانی: وہ پانی ہیں جو طبعی عوامل کے لئے کھلے ہوئے ہوں اور جن کے رنگ' ذائقہ اور بو کو ان عوامل نے نامیاتی اور غیر نامیاتی حل شدہ یا ملحقہ مواد کے ساتھ متغیر کر دیا ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پانی پینے کے قابل نہیں ہوتے۔ اس آلائش سے کسی بیماری یا کسی حقیقی نقصان کا خدشہ نہیں ہوتا۔

پینے کا ناقابل پانی: یہ وہ پانی ہیں جو بیکٹیریا یا زہریلے کیمیاوی مادوں پر مشتمل ہونے کے باعث صحت عامہ کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں اور نادر ہی ہے کہ قدرتی طور پر کہیں کامل صاف ستھرا پانی پایا جاتا ہو، کیونکہ بخارات کے ذرات پانی کے قطروں میں تکثیف کے دوران ہوا میں موجود بعض گیسوں کو جذب کر لیتے ہیں اور غبار کے بعض ذرات اور ہوا میں تیرتے ہوئے بعض جراثیم کو اپنی سطح پر اٹھاتے ہیں اور جب وہ زمین پر گرتے ہیں تو بہتے ہوئے اپنے ساتھ کیچڑ' مٹی' نامیاتی و غیر نامیاتی مواد اور کلورائیڈز قسم کے مواد کو اپنے اندر حل کر لیتے ہیں اور زمین میں سرائیت کرتے وقت مٹی میں موجود نمکیات کی ایک نسبت اپنے اندر حل کر لیتے ہیں اور طبقات کی نوعیت' زمین کی تکوین اور اس میں پانی سرائیت کرنے کی رفتار کے مطابق نمکیات کا کچھ حصہ پانی میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے اور اسی طرح دیگر ارضیاتی عوامل کے باعث بھی۔

(جدول نمبر ۱):

درج ذیل شیڈول پانی میں آمیز اور حل شدہ مواد کو اور اس کی نسبتوں میں متعین حدود سے اضافہ کرنے والی اشیاء کو ظاہر کرتا ہے۔

(۱)(المواد العالقہ)	بیکٹیریا	بعض بیکٹیریا بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔
آمیز شدہ مواد	کائی	رنگ، ذائقہ اور بو کا سبب بنتی ہے۔
	مٹی	پانی کو گدلا کرنے کا سبب بنتی ہے۔
(۲)(المواد الفرویہ)	آئرن آکسائیڈ	سرخ رنگ کا باعث بنتا ہے۔
چھننے والے مواد	میگنیز	سیاہ رنگ کا باعث بنتا ہے۔
	نامیاتی مواد	رنگ و ذائقہ کا باعث بنتے ہیں۔
(۳) کیلشیم اور بائی کاربونیٹس		اساسیت اور عارضی بھاری پن کا باعث بنتے ہیں۔

HCO

میگنشیم کے کاربونیٹس اساسیت اور عارضی بھاری پن کا باعث بنتے ہیں۔

CO3-2

نمکیات	سلفیٹس SO4-2	عارضی بھاری پن کا باعث بنتے ہیں۔
	کلورائیڈز CL-1	بھاری پن کا باعث بنتے ہیں
سوڈیم کے بائی کاربونیٹ		اساسیت کا باعث بنتے ہیں۔
نمکیات کاربونیٹ سلفیٹ		اساسیت کے باعث بوائلر وں میں جھاگ کی تہ کا سبب بنتے ہیں۔

فلورائیڈ ان کی زیادتی دانتوں کے بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔

کلورائیڈ ذائقے میں تغیر کا باعث بنتی ہے۔

حل ہونے والی گیسیں:

آکسیجن اس کی زیادہ نسبت معدنیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔

کاربن ڈائی آکسائیڈ معدنیات پر اثر انداز ہوتی ہے اور کھٹاس پیدا کرتی ہے۔

ہائیڈروجن سلفائیڈ معدنیات پر اثر انداز ہوتی ہے اور ذائقہ اور بو کا سبب بنتی ہے۔

پانی اور اس کے باعث پیدا ہونے والے امراض:

ناقابل استعمال آلودہ یا پینے کے ناقابل پانی سے متعدد بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ٹائیفائیڈ۔ ۲۔پیچش۔ ۳۔ہیضہ۔ ۴۔پیراٹائیفائیڈ۔

۵۔بچوں میں پولیو۔ ۶۔بلھارسیا۔

پینے کے پانی میں نمکیات کی کمی بیشی یا اس میں کیمیائی مواد کے پائے جانے سے بعض دیگر امراض بھی لگ جاتے ہیں۔مثلاً:

۱۔تھائی رائیڈ کا ورم: جو آئیوڈین کی کمی کے باعث ہوتا ہے۔

۲۔دانتوں کی پالش کا زائل ہونا: پانی میں ۱.۵ اجزء فی دس ہزار سے زائد فلورائیڈز کی موجودگی سے دانت بے آب ہو جاتے ہیں اور ان کی پالش ضائع ہو جاتی ہے۔

۳۔ دانتوں کی بوسیدگی: پانی میں دس ہزار میں 0.75% کی نسبت فلورائیڈز کی کمی سے دانت بوسیدہ ہوجاتے ہیں۔

۴۔ سیسے کا زہر (Lead poisioning): سیسہ عام طور پر پانی میں نہیں پایا جاتا، لیکن کاربن ڈائی آکسائیڈ کی بڑی مقدار کے شامل ہونے سے وہ سیسے کی کچھ مقدار اپنے اندر حل کر لیتا ہے اور جب اس کی مقدار ۵. فی دس ہزار سے بڑھ جاتی ہے تو اس کا استعمال خطرناک ہوتا ہے۔

۵۔ انتڑیوں کی خرابی: معدے کے جراثیم کی عدم موجودگی کے باوجود پانی کا نمکیات یا نامیاتی مواد پر مشتمل ہونا انتڑیوں کی بیماری یا دیگر امراض کا باعث بن جاتا ہے اور پانی میں کیلشیم اور میگنشیم کے کاربونیٹ سلفیٹ اور کلورائیڈز کی موجودگی گردے میں مضر اثرات پیدا کرتے ہیں اور اس میں پتھری پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے دس جزفی دس ہزار سے زائد کی نسبت سے نائیٹروجنی مواد کی موجودگی کالے یرقان کا باعث بن جاتی ہے۔

پانی کے جدید تجزیئے اور آب زمزم

پانی کا عمومی طور پر تجزیہ درج ذیل طور پر کیا جاتا ہے۔

۱۔ طبعی تجزیہ۔ ۲۔ کیمیائی تجزیہ۔ ۳۔ جراثیمی تجزیہ۔ ۴۔ خوردبینی تجزیہ۔

۱۔ طبعی تجزیہ:

۱۔ تجزیہ حرارت کی پیمائش۔ ۲۔ ذائقہ اور بو کا اندازہ۔

۳۔ آمیز شدہ مواد کی مقدار کا اندازہ۔ ۴۔ گدلے پن کا تجزیہ۔ ۵۔ حل ہونے والے مواد کا تجزیہ۔

۲۔ کیمیائی تجزیہ:

کیمائی تجزیئے دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ نامیاتی۔ ۲۔ غیر نامیاتی۔

۱۔ (حل شدہ مواد کے) نامیاتی تجزیے:

ان تجزیوں سے مراد پانی کی آلودگی اور اس میں نامیاتی مواد کی مقدار جو اس مواد کے تحلل کا نتیجہ ہو معلوم کرنا ہے۔ ان میں سے اہم نائیڑوجن کے درج ذیل مرکبات ہیں۔

۱۔ خالص نشادر یا ملاوٹ شدہ نشاردر۔ ۲۔ زلالی نشادر۔

۳۔ نائیٹریٹ۔ ۴۔ نائیٹرائٹ۔

ان جملہ مرکبات کی پانی کی آلودگی کی مقدار کے استدلال میں اہمیت ہے۔

(i) خالص یا ملاوٹ شدہ نشادر:

خالص یا ملاوٹ شدہ نشادر جب امونیم بائی کاربونیٹ کی صورت میں پایا جائے تو یہ پانی میں جدید آلودگی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ معاملہ صحت عامہ کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔

(ii) زلالی نشادر:

پانی میں جب زلالی نشادر پایا جائے تو وہ اس میں بناتاتی نامیاتی مواد پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) نائیٹریٹ:

نائیٹریٹ (کاٹنا) بیکٹیریا کے ذریعے نامیاتی مواد کی اوکسی ڈائزیشن میں آخری مرحلہ ہے۔

نائیٹریٹ کی پانی میں موجودگی آلودگی کو ختم نہیں کرتی بلکہ آلودگی کا بہت بڑا سبب ہے۔

نشادر کا خالص یا ملاوٹ شدہ نشادر کے ساتھ پایا جانا نباتاتی ذرائع سے نامیاتی آلودگی' جس کے ساتھ دیگر حیوانی ذرائع سے نامیاتی آلودگی ملی ہوئی ہو' پر دلالت کرتا ہے۔

اور یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ پانی میں دیگر اسباب کے باعث ان نامیاتی مرکبات کا اس طرح کی آلودگیوں سے پاک ہونا ممکن ہے۔

بارش اور بالخصوص صنعتی علاقوں کے پانی میں نشادر پایا جاتا ہے یا اس زمینی پانی میں جو بہتے ہوئے ان علاقوں سے گزرتا ہے جو نشادری نمکیات پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی طرح سے اوکسی ڈائزیشن کے قابل نمکیات و مرکبات مثلاً لوہے کے نمکیات کی کمی کے سبب پانی میں نائیٹریٹ پایا جاتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ پانی کے ذرائع میں ان مرکبات کے جملہ احتمالات کے اسباب کا معائنہ اور تحقیق کی جائے، اس سے قبل کہ ان کیمیاوی مرکبات پر مشتمل ہونے کے سبب پانی میں نامیاتی آلودگی کے پائے جانے کا حکم لگایا جائے۔

۲۔ غیر نامیاتی تجزئیے:

ان تجزیوں کا مقصد پانی میں معدنی نمکیات کی نسبت معلوم کرنا ہے۔

(الف) الیکٹروکنڈکٹیوٹی کی تحقیق:

اس سے مصدر کی نمکیاتی نسبت کا تقابل مراد ہے۔

(ب) ہائیڈروجن آئینز کے ارتکاز کی قوت (PH):

پانی میں ہائیڈروجن آئن کے ارتکاز کے درجہ کا جب اندازہ کیا جائے اور وہ سات سے کم ہو تو وہ اس کے تیزابی پن پر دلالت کرتا ہے اور اس کے برعکس اگر سات سے زیادہ ہو تو اس کے الکلائن ہونے کی دلیل ہے۔

(ج) پانی کے الکلی' تیزابی اور نمکین ہونے کا اندازہ:

جب پانی کاربونیٹ یا بائی کاربونیٹ یا ہائیڈروآکسائیڈ پر مشتمل ہوگا تو وہ الکلائن ہوگا۔ اور جب وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور سلفیورک ایسڈ جیسے معدنی تیزاب پر مشتمل ہوگا تو وہ تیزابی ہوگا اور پانی نمکین کہلائے گا جب سوڈیم' کیشلیم' مگنشیم یا پوٹاشیم کے کلوریٹس اور سلفیٹس پر مشتمل ہوگا۔

(د) بھاری پانی میں نمکیات کا اندازہ:

پانی بھاری ہوگا جب وہ کیلشیم اور مگنیشیم کے نمکیات یا شاذ حالات میں زنک قلعی' لوہا اور ایلومنیم کے نمکیات پر مشتمل ہوگا اور یہ نمکیات صابن کے ساتھ عمل کر کے جھاگ کی بجائے رسوب (پھٹکیاں) بناتے ہیں، ایسے ہی یہ نمکیات انتڑیوں کی تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

اور جب وہ پانی کے بوائلروں میں استعمال ہوتا ہے تو نمکیات بوائلروں کی دیواروں کے ساتھ جم جاتے ہیں اور حرارت کے لئے نمکیاتی بفرزون بنا دیتے ہیں۔ یہ طبقہ پانی کے اچانک زیادہ مقدار میں بھاپ میں تبدیل ہونے کے سبب پھٹ کر بوائلروں کے پھٹنے کا باعث بن جاتا ہے اور جب پانی میں نمکیات کی مقدار ۵۰/۱۰ لاکھ سے کم ہوتی ہے تو وہ ہلکا تصور ہوتا ہے۔

(ہ) کلورائیڈز نمکیات کا اندازہ:

پانی میں زیادہ پایا جانے والا نمک سوڈیم کلورائیڈ (کھانے کا نمک) ہوتا ہے۔ جبکہ پانی میں کلورائیڈز کی نسبت کی زیادتی اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ وہ بڑی مقدار میں نہ ہو اور بعض گرم ممالک میں کلورائیڈز کی پانی میں نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ تاکہ جسم سے پسینہ بہنے کے دوران واقع ہونے والی کمی کی تلافی ہو سکے۔

(و) معدنی نمکیات کی مقدار کا اندازہ:

مثلاً سوڈیم، پاٹاشیم، لوہا، میگنیز، تانبا، کیلشیم اور میگنشیم، ان معدنیات میں سے ہر ایک کی متعین مقدار ہوتی ہے۔ اسے اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، ورنہ پانی استعمال کے قابل تصور نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ صحت عامہ کے لیے مضر ہوتا ہے۔

جدول نمبر ۲:

پینے کے قابل درست پانی میں کیمیائی مواد کی انتہائی مقدار (ملی گرام فی لیٹر)

مادہ	انتہائی مقدار
سیسہ	00.01
س الفار	00.05
سلینیم	00.05
فلورین	1.00
تانبا	0.3
لوہا	0.3
میگنیز	0.3
زنک	15.00
میگنشیم	125.00
کلورائیڈز	250.00
سلفیٹس	50.00
جملہ الکلائیز	400.00
مرکبات فینول	0.001
مجموعی طور پر حل شدہ نمکیات	1000.00

پانی میں حل شدہ گیسیوں کی مقدار:

پانی میں درج ذیل حل شدہ گیسیں ہوتی ہیں:

ا۔آکسیجن۔

۲۔کاربن ڈائی آکسائیڈ۔

۳۔ہائیڈروجن سلفائیڈ۔

۴۔لمیشن۔

(ا) آکسیجن(O_2): جب پانی میں کامل انجذاب کے درجہ کے قریب حل شدہ آکسیجن پائی جاتی ہے تو وہ پانی کے پینے کی صلاحیت پر دلالت کرتی ہے۔

اور پانی کی بعض خصوصیات کے لیے ضروری ہے کہ پانی میں حل شدہ آکسیجن کی مقدار کے درجہ کا کم از کم 90% ہونا چاہیے تا کہ پانی استعمال کے قابل ہو۔

(۲) کاربن ڈائی آکسائیڈ(CO_2): پانی میں جب کاربن ڈائی آکسائیڈ ہو تو وہ نامیاتی مواد کی تحلیل یا پانی میں جراثیم کے پائے جانے اور ان کی بڑھوتری کا نتیجہ ہوتا ہے اور زمینی پانی میں سے اس کی مقدار 10/50 لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ جب کہ سطحی پانی میں 10 لاکھ /2 سے زیادہ نہیں ہوتی۔ حل شدہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اگر پانی میں اس مقررہ مقدار جس سے پانی کا پینے کے لیے موزوں ذائقہ ہو جانے سے زیادہ پائی جائے تو وہ پانی استعمال کے لیے ممنوع ہے۔

ہائیڈروجن سلفائیڈ(H_2S): یہ گیس پانی میں سلفر والے نامیاتی مواد کی تحلیل سے پائی جاتی ہے، حل شدہ حالت میں نہ کہ آزاد حالت میں اور اس کا پانی میں ۱/۱۰ لاکھ سے زیادہ کی مقدار میں پایا جانا درست نہیں کیونکہ ایسی صورت میں اس میں گندے انڈے جیسی بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اس کا پانی میں پایا جانا دھاتی مواسیر کے کھائے جانے کے لیے معاون عوامل میں شمار کیا جاتا ہے۔

لمیشین (Mathane) میتھین(CH_4): اس کا پانی میں پایا جانا بعض نامیاتی مواد کی تحلیل کا نتیجہ ہے اور یہ گیس زمینی پانی میں اس سے زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے، لہٰذا پانی کے ساتھ مل کر یہ ہوا میں دباؤ کے ساتھ نکلتی ہے۔

۳۔جراثیمی تجزیے:

بیکٹیریا ایک انتہائی چھوٹی زندہ مخلوق ہے جو عام خوردبین میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کی کثرت غذا، حرارت اور ضروری رطوبت سے مشروط ہے۔

بیکٹیریا مفید بھی ہوتا ہے اور نقصان دہ بھی۔ مفید بیکٹیریا کی قسمیں وہ ہیں جو سطح ارضی کے اوپر والے حصے میں پائی جاتی ہیں اور وہ نامیاتی مواد کی غیر نامیاتی مواد میں آکسیڈیشن کے عمل میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ بیکٹیریا انسانوں اور تمام حیوانات کے نظام ہضم میں پایا جاتا ہے اور جسم میں کھانے ہضم کرنے اور اسے جذب ہونے کے قابل بنانے کے عمل میں حصہ لیتے ہیں اور اس طرح مفید بیکٹیریا کی وہ قسم ہے جو دودھ پر دہی کا خمیر اٹھاتی ہے۔ نیز روٹی کے خمیرہ اور مکھن اور پنیر وغیرہ کی مصنوعات میں کام کرتی ہے۔

نقصان دہ بیکٹیریا کی قسمیں زندہ نامیاتی مواد جس میں تعفن اور زہریلا پن پایا جاتا ہو میں بڑھتی ہیں جو کہ امراض کا باعث بنتا ہے اور ان امراض میں سے ہر مرض میں بیکٹیریا کی کوئی مخصوص قسم ہوتی ہے۔

اور بیکٹیریا عام طور پر تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ ہوائی بیکٹیریا۔

۲۔ غیر ہوائی بیکٹیریا۔

۳۔ متقلبہ بیکٹیریا۔

(الف) ہوائی بیکٹیریا (Aerobic Bacteria): یہ بیکٹیریا آکسیجن پر مشتمل ہوا میں رہتا ہے۔

(ب) غیر ہوائی بیکٹیریا(Anaerobic Bacteria): یہ بیکٹیریا آکسیجن سے خالی فضا میں رہتا ہے۔

(ج) متقلبہ بیکٹیریا (variable Bacteria): یہ بیکٹیریا آکسیجن کی موجودگی یا اس کی غیر موجودگی' دونوں صورتوں میں رہ سکتا ہے اور یہ بیکٹیریا کی بڑی غالب قسم ہے۔

پانی کے نمونے پر کیے گئے اہم تجزیے جو مطلوب ہیں ان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

(ا) زندہ بیکٹیریا کی کل تعداد ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر۔

(ب) زندہ بیکٹیریا کی کل تعداد ۳۷ ڈگری سینٹی گریڈ پر۔

انسانی جسم میں پائے جانے والے بیکٹیریا:

(ا) قولون والے بیکٹیریا کی تعداد(Colonic Number):

(ب)(Diplococcus) کی تعداد:

پانی پینے کے لیے درست شمار ہوتا ہے جبکہ اس کا بیکٹیریائی تجزیہ درج ذیل نتائج دیتا ہو:

(ا) زندہ جراثیم ایک ملی میٹر میں ایک سو سے زیادہ نہ ہوں۔

(۲) قولونی جراثیم کی تعداد ایک ملی میٹر میں 1% سے زیادہ نہ ہوں۔

(۳) مکورات سجیہ (Staphglacocus) ایک ملی میٹر میں 1% سے زیادہ نہ ہوں۔

(۴) عضویات دلسن (Diplococcus) ایک ملی میٹر میں 1/1000 سے زائد نہ ہوں۔

پینے کے پانی میں لازمی پائے جانے والے عناصر اور آبِ زمزم

پینے کے قابل پانی میں درج ذیل خصوصیات ہونی چاہیے۔

اولاً......طبعی خواص:

رنگ: نیلگوں سفید۔

گدلا پن: 1/5 لاکھ

ذائقہ: قابل قبول (پسندیدہ)

بو: قابل قبول

ثانیاً......کیمیائی خواص:

(الف) زہریلا مواد۔ ضروری ہے کہ پانی زہریلے مواد سے خالی ہو۔

جدول نمبر ۳:

مادہ	انتہائی مقدار
کاسہ	0.100 ملی گرام فی لیٹر
سم الفار (Arsenic)	0.00 ملی گرام فی لیٹر
کرومیم	0.05 ملی گرام فی لیٹر
سلینیم	5.05 ملی گرام فی لیٹر
سائینائیڈ	0.01 ملی گرام فی لیٹر

(ب) کیمیاوی مواد جو صحت کے لیے مؤثر ہیں:

جدول نمبر ٤:

مادہ	انتہائی مقدار
فلورائیڈ	1.5 ملی گرام فی لیٹر
نائیٹریٹ	10.0 ملی گرام فی لیٹر

(ج) کیمیائی مواد جو پانی کے ذائقہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔

جدول نمبر ۵:

مادہ	موزوں مقدار	انتہائی مقدار
مجموعی طور پر تمام نمکیات	1000	1200 ملی گرام فی لیٹر
لوہا	0.3	1.00 ملی گرام فی لیٹر
میگنیز	0.3	1.00 ملی گرام فی لیٹر
تانبا	1.0	1.5 ملی گرام فی لیٹر
زنک	0.05	15.00 ملی گرام فی لیٹر
میگنیشم	100 0	150.00 ملی گرام فی لیٹر
کیلشیم	150.00	250.00 ملی گرام فی لیٹر
سلفیس	250.00	500.00 ملی گرام فی لیٹر
کلورائیڈ	300.00	600.00 ملی گرام فی لیٹر
فینول	0.001	0.002 ملی گرام فی لٹر

تابکاری مواد:

جدول نمبر ٦:

مادہ	انتہائی حد
القاریز	9:10 میکرو کیری فی ملی لیٹر
بیٹاریز	8:10 میکرو کیری فی ملی لیٹر

رابعاً: بیکٹیریائی معیار:

(ا) آب صالح (Treated Water): قولونی قسم کے مجموعے میں کل تعداد ایک بیکٹیریائی سو ملی لیٹر سے زائد نہ ہو۔

(ب) غیر صالح زمینی پانی: عمومی طور پر جب ان معیاروں میں نسبت انتہائی حد سے بڑھنے لگے تو پانی کے قابل استعمال ہونے کا فیصلہ دینے سے قبل اسے ماہرین کو برائے معائنہ پیش کرنا چاہیے۔

آب زمزم پر قائم کردہ بیکٹیریائی اور کیمیائی تجزیے

استاذ صالح محمد جمال کی کتاب 'اخبار مکہ' میں وارد ہے کہ آب زمزم الکائن ہے جس میں سوڈا' کلورین' چونا' سلفیورک ایسڈ' نائیٹرک ایسڈ' اور پوٹاش ہوتا ہے جس سے وہ معدنیاتی پانی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور مرآۃ الحرمین میں تحریر ہے کہ آب زمزم کا ذائقہ قلوی ہے۔ اور ڈاکٹر انجینئر حسن فرید غلول مشیر صحت عالیہ جو ۱۹۵۳ء میں مصری وفد کے ساتھ زیارت حجاز کے لیے آئے تھے' نے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں مملکت سعودی عربیہ کی فضائی صحت سے متعلق ایک رپورٹ تیار کی۔ نیز انہوں نے آب زمزم کا تجزیہ کیا جس کے نتائج درج ذیل ہیں۔

جدول نمبر ۷:

آب زمزم کا کیمیائی آئنک تجزیہ	جز فی ملین
الکلیز OH-	263.00
کلورائیڈ Cl-	263.00
دائمی بھاری پن	1240.00
سلفیٹ SO4--	528.2
کیلشیم Ca++	444.5
میگنیشیم Mg++	130.7
سوڈیم Na+	501.6
پوٹاشیم K+	301.0
امونیا N+H4 NH3	10.00
نائیٹرائٹ No2-1	0.5
نائیٹرائٹ No-13	1448.00

پرمینگنیٹ پر چار گھنٹے میں جذب شدہ آکسیجن	5.00
لوہا	0.15
بھاری دھاتیں (تانبہ، سیسہ، زنک، ٹن)	نہیں پائی جاتیں
فلورائیڈز	1.5
مینگنیز	نہیں پایا جاتا
سیلکا	40
PHہائیڈروجن آئینز کی مقدار	7.05
مجموعی طور پر حل شدہ ٹھوس مواد	4500

عام طور پر پانی صاف ستھرا ہوتا ہے سوائے اس صورت کے کہ بعض مواد اس میں شامل ہو گئے ہوں۔ اس کی کوئی بو نہیں ہوتی، لیکن اس کا ذائقہ بعض نمکیات پر مشتمل ہونے کے باعث تھوڑا سا نمکین ہوتا ہے۔

جدول نمبر ۸:

مختلف چشموں کے پانی میں نمکیات کی نسبت

نمبر	کنوئیں کا نام	نمکیات کی فیصد مقدار	نمکیات کی مقدار
۱	زمزم	0.25	2500
۲	طوی	0.24	2400
۳	المسفلة	0.19	1900
۴	الداودیہ	0.21	2100
۵	زبیدہ	0.55	500

جدول نمبر ۹:

مختلف کنوؤں کے پانی میں موجود آئینز کا انکشاف

نمبر	کنواں	سلفیٹس	سلفائیڈ	کلورائیڈ	نائیٹریٹس	لوہا	کیلشیم	میگنیشیم
1	زمزم	+	-	+	آثار	آثار	+	+
2	طوی	+	-	+	+	آثار	+	آثار
3	مسفلہ	+	+	+	+	آثار	+	+
4	الداودیہ	+	آثار	+	آثار	آثار	+	+
5	زبیدہ	آثار	-	+	-	آثار	آثار	آثار

تقابلی کیمیائی تجزیئے......آب زمزم اور دیگر پانیوں میں فرق

ڈاکٹر ابوالسمن رجا حسین استاد پیٹرو کیمیکل صنعت الفاتح یونیورسٹی طرابلس لیبیا نے آب زمزم کی تحقیق کی۔ ڈاکٹر موصوف نے بڑی احتیاط کے ساتھ چاہ زمزم سے صحیح اور مبنی برحقیقت نمونے حاصل کیے۔ انہوں نے اپریل ۱۹۷۶ء تا جولائی ۱۹۷۶ء ۳ لیٹر اور ۱۹۷۷ء میں ایک لیٹر اور آخری طور پر ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء جو ایک لیٹر کی مقدار میں پانی کے نمونے حاصل کیے اور ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء کو چاہ داودیہ اور مسفلہ سے ۳/۴ لیٹر پانی کے نمونے حاصل کیے اور عرفات کے چشمہ زبیدہ سے ۲۳ اپریل ۱۹۷۶ء کو ۲ لیٹر پانی بطور نمونہ لیا۔

ان تجزیات کی تحقیق درج ذیل ہے:

جدول نمبر(۱۰):

آب زمزم کا کیمیائی تجزیہ

تجربہ	مقدار
ہائیڈروجن نمبر (PH)	6.9
حل شدہ نمکیات کی تعداد جز فی ملین	1620
کلورائیڈز جز فی ملین	234
کاربونیٹس جز فی ملین	365
سلفیٹس جز فی ملین	190
کیلشیم جز فی ملین	موجود
میگنیشیم	موجود
لوہا	آثار
سلفائیڈز	غیر موجود
نائیٹریٹس	غیر موجود

جدول نمبر (۱۱):

مکہ مکرمہ کے کنوؤں کا کیمیائی تجزیہ

کنواں	ہائیڈروجنی نمبر PH	حل شدہ نمکیات کی مقدار جز فی ملین	کلورائیڈز جز فی ملین	کاربونیٹس جز فی ملین	سلفیٹس جز فی ملین	سلفائیڈز جز فی ملین	نائیٹریٹس جز فی ملین
زمزم	6.9	1620	234	365	190	غیر موجود	غیر موجود
داودیہ	7.2	2000	190	450	300	غیر موجود	غیر موجود

مسفلہ	6.8	2050	140	500	300	غیر موجود	غیر موجود

جدول نمبر (۱۲):

آب زمزم اور چشمہ زبیدہ کی کیمیائی تحلیل

تجربہ کا نام	چاہ زمزم	چشمہ زبیدہ
ہائیڈروجنی نمبر (PH)	6.9	7.00
حل شدہ نمکیات کی مقدار	1620 جزفی ملین	500 جزفی ملین
کلورائیڈز Cl^-	234 جزفی ملین	80 جزفی ملین
کاربونیٹس Co_3^{-2}	365 جزفی ملین	130 جزفی ملین
سلفیٹس SO_4^{-2}	190 جزفی ملین	96 جزفی ملین
سلفائیڈز S^{-2}	غیر موجود	غیر موجود
نائیٹریٹس No_3^{-1}	غیر موجود	غیر موجود

جدول نمبر (۱۳):

آب زمزم کی حیاتیاتی تحلیل

کعبہ مکرمہ کے گرد مطاف کی توسیع اور آب زمزم کی نکاس اور دیگر متعلقہ امور کی ذمہ دار ملکی وزارت مال و اقتصاد تھی چنانچہ اس کی نگرانی کی کمپنی ڈبلیوایف کورنر نے چاہ زمزم سے نمونہ آب لے کر جرمنی میں تحقیق کی۔ جس کے نتائج درج ذیل ہیں:

مادہ	مقدار
توصیل الحرارت	6.9
Headt Conduction	1530U مائیکروواھم
Steam sedimentation	621 ملی گرام فی لیٹر
بھاری پن	14.8
بھاری پن بوجہ کاربونیٹس	14.8
امونیا	تحقیق ناممکن رہی
میگنیشیم	57 ملی گرام فی لیٹر
کیلشیم	91 ملی گرام فی لیٹر
کلورائیڈ	220 ملی گرام فی لیٹر

لوہا خام	ملی گرام فی لیٹر تحقیق ناممکن رہی
سلفر	ملی گرام فی لیٹر 157
نائیٹریٹ	ملی گرام فی لیٹر 4.5
نائیٹرائٹ	ملی گرام فی لیٹر 207
فاسفیٹ	ملی گرام فی لیٹر تحقیق ناممکن رہی
M-Value	5.3 M-Vail/L

آب زمزم میں پائے جانے والے بیکٹیریا

الدکتور یحییٰ بکداش لکھتے ہیں کہ سال ۱۴۰۰ء کی ابتداء میں حرم مکی شریف پر واقع ہونے والے حادثات کے خاتمے پر جبکہ میں منطقہ غربیہ کی آب رسانی و نکاسی کی اصلاح کے لیے منتظم اعلیٰ تھا تو مجھے چاہ زمزم کی صفائی اور اسے افسوسناک واقعات سے قبل والی حالت پر بحال کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ جامعہ ملک عبدالعزیز کا مرکز معاملات حج میرے ساتھ چاہ زمزم پر واقع ہونے والی اس صورت حال کے مطالعہ کی قابل قدر مساعی میں شریک تھا۔ اس دوران ہونے والی تحقیقات میں آب زمزم کی بیکٹیریا اور کیمیائی تحقیق بھی شامل تھی۔ چنانچہ آب زمزم سے متعلق ان تحقیقات کے اہم نتائج درج ذیل ہیں۔

ان غیر متوقع اور حادثاتی حالات کے باعث چاہ زمزم آلودگی سے دوچار ہوا۔ چنانچہ چاہ زمزم کی صفائی کے لیے بڑی مقدار میں پانی کی پمپنگ کے دوران مختلف گہرائیوں سے آب زمزم کے نمونے حاصل کیے گئے تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ آلودگی کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ لہذا بڑے شگافوں کی ۱۳ تا ۱۷ میٹر کی سطح سے اور کنوئیں کی آخری سطح سے جو ۲۶ تا ۳۰ میٹر کے مابین تھی، سے اور پھر کنوئیں کے حقیقی مصادر سے جبکہ وہ ظاہر ہوئے نمونے حاصل کیے گئے۔ یہ نمونے مختلف اوقات میں لیے گئے۔ تاکہ کنوئیں کی صفائی اور پانی کے آلودگی سے پاک ہوجانے کی تصدیق ہوجائے۔

بیماری پیدا کرنے والے جراثیم کا لیول اور اس طرح سالمونیلا، شیجیلا اور اسکر یکیا کولائی جراثیم کا لیول ۱۳ تا ۱۷ میٹر کی گہرائی جو قریبا شگافوں کی سطح کے برابر ہے سے لئے گئے نمونوں میں کافی اونچا ہے۔ جو نمونے ۲۰ محرم ۱۴۰۰ھ کو لئے گئے۔

ان میں ان جراثیم کی اوسط نسبت بہت زیادہ تھی۔ مثال کے طور پر اسکر یکیا کولائی ۱۸۰،۰۰۰ فی سو مکعب سنٹی میٹر تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ان جراثیم کی تعداد کم ہوتی گئی حتی کہ ۱۲ صفر ۱۴۰۰ھ تک ۱۸۰ فی ۱۰۰ مکعب سنٹی میٹر ہوگئی۔

لیکن ۲۶ تا ۳۰ میٹر کی گہرائی پر موجود جراثیم کی تعداد میں نسبت اوپر والی سطح سے کافی بڑی تھی جن میں سے صرف اسکر یکیا کولائی کی تعداد ۲۰ محرم کو دس لاکھ فی ۱۰۰ مکعب سینٹی میٹر تھی جو ۱۲ صفر کو کم ہو کر ۱۸۰ فی ۱۰۰ مکعب سنٹی میٹر رہ گئی۔

۱۳ تا ۱۷ میٹر گہرائی (شگافوں کی سطح پر)

کل بیکٹیریا 22°C پر	مرض انگیز جراثیم 28°C پر	سالمونیلا و شجیلا	گول بیکٹیریا	اسکر یکیا کولائی	نمونہ جات لینے کی تاریخ ۱۴۰۰ء
420.000	320.000	141	--	180.000	20 محرم

173.000	271.000	85	–	1600	29 محرم
–	83.000	52	4	1800	12 صفر

۲۶ تا ۳۰ میٹر کی گہرائی کی سطح

کل بیکٹیریا 22°C پر	مرض انگیز جراثیم 28°C پر	سالمونیلا وشجیلا	گول بیکٹیریا	اسکریکیا کولائی	نمونہ جات لینے کی تاریخ ۱۴۰۰ھ
330.000	290.000	250	–	10,00,000	20 محرم
460.000	705.000	858	–	00	29 محرم
–	159,000	00	3	00	12 صفر

اس تحقیق سے یہ ظاہر ہوا کہ گہرائی میں مکروبات بالخصوص سالمونیلا شجیلا اور اسی طرح بیماری پیدا کرنے والے جراثیم کی تعداد ۲۹ محرم تک بڑھتی رہی۔ میکروبات مرضیہ کی تعداد ۲۰ محرم کو 290000 فی مکعب سنٹی میٹر ہوگئی اور یہ زیادتی اس وقت ان گہرائیوں سے کوئی پمپنگ نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔ علاوہ ازیں اس پانی کا امونیا اور نائیٹریٹ کی بڑی نسبت پر مشتمل ہونے کے پیش نظر کلورین کے ساتھ سطحی تعقیم تھی جیسا کہ کیمیائی تجزیوں سے ظاہر ہے۔

ان میکروبات کی پیدائش وافزائش کی حوصلہ افزائی بالخصوص اس منطقہ میں پانی کے درجہ حرارت 32C نے کی۔ وان میکروبات کے لیے مثالی درجہ حرارت (37C) کے قریب ہے۔ اس وقت ان گہرائیوں تک کلورین کے اضافے کے ساتھ مسلسل پمپنگ کی سفارش کی گئی۔ حتی کہ کنوئیں کی دیواروں کی تعقیم بھی ممکن ہو جائے۔ چنانچہ اس سفارش پر پورا پورا عمل کیا گیا اور اس طرح جملہ مکروبات کی تعداد گھٹ کر رہ گئی۔ اور چاہ زمزم کے بنیادی مصادر کے ظاہر ہونے تک مختلف سطحوں سے ۸۰۰۰ لیٹر فی منٹ کے حساب سے بار بار پمپنگ جاری رہی۔ اور جب بھی ان مصادر سے پانی خارجی اثرات سے بعید نکل کر ظاہر ہوا تو اس سے نمونہ لیا جاتا رہا۔ اور بڑے اور چھوٹے چشموں سے بھی وقتاً فوقتاً نمونے لیے جاتے رہے۔ دو نمونے دوسرے فروعی مصادر سے لئے گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پہلا نمونہ ۲۰ محرم کو غوطہ خور کے ذریعے حاصل کیا گیا جبکہ یہ مصادر پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ اور دوسرے نمونے براہ راست مصادر سے معقم سیشوں میں لیے گئے۔

مصادر سے براہ راست لیے گئے نمونوں میں مختلف قسم کے بیکٹیریا پایا جاتا ہے۔ اور نتائج سے معلوم ہوا کہ پہلا نمونہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے' میں میکروبات کی تعداد اور خصوصاً بیماری پیدا کرنے والے میکروبات اور اس طرح سالمونیا شجیلا اور Ecoil کی تعداد زیادہ تھی۔

اور میکروبات کی تعداد ان مصادر کے ظاہر (قریب) ہونے کے ساتھ اور اب شگافوں کی دیواروں سے ملوثہ مواد کو دھو دینے سے کم ہوگئی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آلودہ پانی میں مٹی ملی ہوتی تھی جو ریت' کنکریوں اور پتھروں کی صورت میں بڑی مقدار میں نکالی گئی تھی۔ اور یہ مصادر کی دیواروں کو مٹی اور دیگر آلودگیاں جو ان سے چمٹی ہوئی تھیں، سے صاف کرنے کا نتیجہ تھا۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ان غیر معمولی واقعات سے چھ ماہ قبل کنوئیں کی صفائی کے ساتھ منطقہ غربیہ کی آب رسانی ونکاسی آب کے نظام کی اصلاح کا کام کیا گیا اور بڑی مقدار میں ریت اور بھل نکالی گئی، جب کہ کنوئیں سے مسلسل پمپنگ کے ساتھ اور یکے بعد

دیگرے ان مصادر کے انکشاف کے ساتھ ساتھ مصادر کی صفائی ہوتی گئی اور امراض پیدا کرنے والے تمام جراثیم اور اس طرح سالمونیا' شجیلا اور E-Coil کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ دوسرے بیکٹیریا جو قدرتی طور پر پانی میں موجود ہوتے ہیں' ان کا بڑے چشمے میں پایا جانا ظاہر ہوا۔ جبکہ چھوٹے چشمے میں یہ (قدرتی) میکروبات مسلسل کم ہوتے گئے۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی مجال نہیں ہے کہ آب زمزم کی اصل مصادر تلوث کا باعث بننے والے ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہیں۔

۸۔ ۱۲ میٹر پر منکشف ہونے والے چاہ زمزم میں موجود شگافوں سے براہ راست لیے گئے پانی کے نمونے جو مختلف میکروبات کی تعداد کا اظہار کرتے ہیں۔

جدول نمبر (۱۵):

کل بیکٹیریا $22^{O}C$ پر	بیماری پیدا کرنے والے بیکٹیریا $37^{O}C$	سالمونیلا و شجیلا	بیکٹیریا براز السیجہ	E-Coil اسکریکیا کولائی	تاریخ جس میں ۱۴۰۰ھ میں نمونے لیے گئے
2000	2000	57	--	230	29 محرم
3900	2530	44	180	35	7 صفر
3000	00	00	2	8	22 صفر
3200	00	00	00	00	26 صفر

چھوٹا چشمہ:

کل بیکٹیریا $22^{O}C$ پر	بیماری پیدا کرنے والے بیکٹیریا $37^{O}C$	سالمونیلا و شجیلا	بیکٹیریا براز السیجہ	E-Coil اسکریکیا کولائی	تاریخ جس میں ۱۴۰۰ھ میں نمونے لیے گئے
25000	30000	79	-	490	29 محرم
8600	1380	48	180	160	7 صفر
3500	00	00	2	5	22 صفر
1380	00	00	00	00	26 صفر

دیگر چھوٹے شگاف:

کل بیکٹیریا $22^{O}C$ پر	بیماری پیدا کرنے والے بیکٹیریا $37^{O}C$	سالمونیلا و شجیلا	بیکٹیریا براز السیجہ	E-Coil اسکریکیا کولائی	تاریخ جس میں ۱۴۰۰ھ میں نمونے لیے گئے

2140	2340	44	30	50	7صفر
1580	00	00	17	45	22صفر

کیمیائی تجزیوں کے نتائج

جدول نمبر۱۶ سے کیمیائی تحلیل کے لیے حاصل کردہ نمونے اور جدول نمبر۱۷ سے ان کے کیمیائی تجزیوں کے نتائج واضح ہوتے ہیں جو تحقیق کے دوران چاہ زمزم اور رسنے والے پانی اور چاہ داودیہ سے حاصل کیے گئے۔ یہ پانی عمومی طور پر کیلشیم اور میگنیشم کی بڑی مقدار پر مشتمل ہونے سے متمیز ہیں۔

تجزیوں کے نتائج واضح کرتے ہیں کہ پانیوں میں جملہ الکلیز اور بائیکاربونیٹ آئنز کی نسبت شگافوں کی سطح کے پاس آب زمزم میں ان کی بڑی مقدار تک جا پہنچی ہیں جبکہ یہ مقداریں ان نمونوں میں کم ہو جاتی ہیں جو تحقیق کے پہلے مرحلے میں چاہ زمزم سے جمع کئے گئے جیسا کہ رسنے والے چاہ داودیہ کے پانی میں جملہ الکلیز کی کم مقداریں پائی گئیں اور چاہ زمزم کے پانی میں سوڈیم اور پوٹاشیم کی مقدار حالیہ تحقیق کے دوران اپنی اوسط قائم رکھنے میں ممتاز رہی، جبکہ رسنے والے پانی میں سوڈیم اور پوٹاشیم کی مقدار گھٹ جاتی رہی ہے۔

زمزم کے پانی کے نمونے جو پانی کے اخراج کی جگہ سے حاصل کیے گئے ان تجزیوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کلورائیڈ کی مقدار ۲۴۰ ملی گرام فی لیٹر تک پہنچ جاتی ہے جبکہ یہ مقدار پانی کے ان نمونوں میں کم پائی جاتی ہے جو تحقیق کے اولین مراحل میں جمع کئے گئے اور جو کلورائیڈ کی کم مقدار کی خصوصیت کی وجہ سے رسنے والے اور چاہ داودیہ کے نمونوں کے پانیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

زمزم کے پانی میں سلفیٹس کی مقدار پانی کے اخراج کی جگہ پر ۳۷۰ تا ۳۸۰ ملی گرام فی لیٹر تک پہنچ جاتی ہے اور سلفیٹس کی مقدار کی یہ اوسط زمزم کے پانی میں بڑھ جاتی ہے اور تمام پانیوں میں نائیٹریٹس کی مقدار زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور وہ ۳۳۲ اور ۳۸۰ ملی گرام فی لیٹر کے مابین ہوتی ہے۔

ان پانیوں پر حاصل شدہ نتائج پانیوں میں امونیا کے نمکیات کی اونچی مقدار کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور کم از کم مقدار جس سے چاہ زمزم تحقیق کے آخری مرحلہ میں پانی کے اخراج کی جگہ پر متمیز ہوتا ہے وہ جدول نمبر۱۷ کے ۹۸ نمونے ہیں۔ اس طرح آخری مرحلہ میں آب زمزم نائیٹرائیٹ' نمکیات جو حیاتیاتی آلودگی پر دلالت کرتے ہیں سے خالی ہوتا ہے۔ جبکہ نائیٹرائیٹ نمکیات پانی کے دیگر تمام نمونوں میں پائے جاتے ہیں۔

اور جدول نمبر۱۷ سے کیمیائی تجزیہ کے نتائج واضح کرتے ہیں کہ پانی کے نمونوں میں نمکیات کی مجموعی تعداد پانی میں ان حل شدہ نمکیات کو بنانے والے ان اساسی عناصر کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ (مثبت چارج والے ریڈیکلز) اور Anions (منفی چارج والے ریڈیکلز) کی مجموعی مقداریں ان بڑے تجزیوں میں برابر پائی جاتی ہیں۔ اور یہ تجزیہ بعض ان عناصر کی موجودگی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو انتہائی قلیل مقدار ہونے کے باعث تجزیہ میں نہیں آسکتے اور نہ وہ آلودگی کے احتمالات کے اظہار کے ذریعے پانی کی خصوصیات کو متاثر کرتے ہیں۔

پانی کے کیمیائی علم کے قواعد کے مطابق نمکیات جن کے آب زمزم رسنے والے پانی اور چاہ داودیہ کے پانی میں پائے جانے کا احتمال ہے کہ نوعیت کا معلوم کرنا ممکن ہے۔ جیسا کہ جدول نمبر۱۷ سے واضح ہے اور ان نتائج سے آخری مرحلہ میں آب زمزم کے نمونہ جات ۹۰۸ میں کیلشیم، میگنیشم، سوڈیم کلورائیڈ، پوٹاشیم نائیٹریٹ اور دیگر حل شدہ نمکیات کی مقدار سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح جدول نمبر

۱۷ کے نتائج سے آخری مرحلہ میں آب زمزم کا رسنے والا پانی اور چاہ داؤد یہ کے پانی سے حل شدہ نمکیات کی مقدار کی رو سے اختلاف واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ تجزیہ چاہ داؤدیہ کے پانی میں میگنیشیم کلورائیڈ، کیلشیم سلفیٹ، سوڈیم نائیٹریٹ اور پوٹاشیم نائیٹریٹ کے نمکیات کی بڑی مقدار کے پائے جانے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سے رسنے والا پانی میگنیشیم کلورائیڈ پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کا آب زمزم میں پائے جانے کا کوئی احتمال نہیں۔

حل شدہ مواد کے نتائج ۱۰۵ ڈگری سینٹی گریڈ پر بعض اختلافات کا اظہار کرتے ہیں اور خارج ہونے والے حل شدہ نمکیات کی مقدار میں (جدول نمبر ۱۷) کے حساب سے ظاہر ہوتی ہے جن کا رخ درج ذیل اسباب کی طرف ہے:

(الف) یہ کہ پانی کی ۱۰۵ سینٹی گریڈ پر تبخیر اور ٹھوس مواد کا خشک ہو کر بیٹھ جانا پانی سے ان کے کرسٹلز کو مکمل پر ختم نہیں کرتا اور میگنیشیم کے نمکیات محفوظ رہتے ہیں اور اس کے کرسٹلز نمونے کے پانی کے مجموعی وزن میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(ب): پانی کے نمونے بعض نامیاتی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا وزن نمونہ میں ٹھوس مواد کے ضمن میں خیال کیا جاتا ہے اور بعض نمونوں میں اس مواد کی مقدار ۳۰ تا ۴۰ ملی گرام فی لٹر کے مابین ہوتی ہے۔

(ج): نمونوں کے بخارات بننے اور خشک ہونے کے دوران امونیا کے بعض نمکیات ۱۰۵ ڈگری سینٹی گریڈ پر اڑ جاتے ہیں اور یہ باقی ماندہ ٹھوس مواد کے آخری وزن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان تمام اسباب کے باعث پانی کے متعین اور عملاً موجود وزن کے اختلاف کی نسبت سابقہ تحقیقات کے مطابق 10% تک پہنچ جاتی ہے۔

جدول نمبر(۱۶):

نمبر شمار	گہرائی	نمونہ لینے کی تاریخ
زمزم ۱	۲ میٹر	31/12/1979
زمزم ۲	۶ میٹر	31/12/79
زمزم ۳	۱۳ میٹر	31/12/79
زمزم ۴	۲۶ میٹر	31/12/79
زمزم ۵	شعاعوں سے قبل	02/01/80
زمزم ۶	شعاعوں سے قبل	02/01/80
زمزم ۷	۱۶ میٹر	01/01/80
زمزم ۸	۱۳ میٹر	14/01/80
زمزم ۹	۱۳ میٹر	14/01/80
رسنے والے پانی کا حوض ۱	رسنے والا پانی	02/01/80
رسنے والے پانی کا حوض ۲	رسنے والا پانی	02/01/80

چاہ داؤدیہ ۱	۳ میٹر	02/01/80
چاہ داؤدیہ ۲	۱۶ میٹر	02/01/80

جدول نمبر ۱۷ :

آب حرم مکی شریف کے کیمیائی تجزیوں کے نتائج (ملی گرام فی لیٹر)

نمونہ	زمزم ۱	زمزم ۲	زمزم ۳	زمزم ۴	زمزم ۵	زمزم ۶	رسنے والا پانی	رسنے والا پانی ب	داؤدیہ ۱	داؤدیہ ۲	زمزم ۷	زمزم ۸	زمزم ۹
جملہ القلیہ	250	270	270	250	270	270	250	270	240	240	280	280	300
مجموعی طور پر بھاری پن	680	660	650	640	660	660	620	640	720	550	680	650	680
عارضی طور پر بھاری پن	250	270	270	250	270	270	250	270	240	240	280	280	300
مستقل بھاری پن	730	390	380	390	390	390	370	370	380	310	300	370	380
کیلشیم کے نمکیات کے باعث بھاری پن	380	420	340	340	340	340	380	380	500	340	465	450	470

210	200	220	210	220	270	240	320	300	300	310	240	300	میگنیشیم کے نمکیات کا باعث بھاری پن
188	180	184	136	200	148	152	136	140	136	136	168	152	کیلشیم Ca^{++}
510	486	535	51.0	535	656	583	778	753	729	5.3	583	729	میگنیشیم Mg^{++}
253	250	257	242	257	226	254	255	255	253	254	255	250	سوڈیم Na^{+}
121	120	121	111	131	156	123	118	120	118	119	118	119	پوٹاشیم K^{+}
6.00	600	720	720	410	750	730	1460	1398	1220	1490	1034	1034	امونیا NH_3
0.00	0.00	0.98	016	0.98	0.16	0.52	197	180	390	330	330	329	نائیٹرائٹ NO_2
372	336	380	376	230	346	336	332	332	376	376	380	376	نائٹرائٹ No_3
340	340	340	350	330	325	335	330	330	350	310	320	300	کلورائیڈز Cl^{-}
372	380	402	380	403	308	400	400	384	420	380	372	400	سلفیٹس So_4^{-2}
0.25	0.20	0.17	0.20	0.20	0.30	0.25	0.10	0.10	0.14	0.14	010	0.14	فاسفیٹ Po_4^{-3}

بائی کاربونیٹ HCO_3	305	329	329	305	329	329	305	329	292	292	341	341	366
مجموعی حل شدہ مواد 105C پر	2002	1810	1860	2030	2000	2000	1950	1930	2100	2000	1902	1890	1980

جدول نمبر (۱۸):

آغاز سال ۱۴۰۰ھ میں چاہ زمزم کی صفائی کے دوران غوطہ خوروں کو بڑے مصادر سے آب زمزم کے نمونے حاصل کرنے پر مامور کیا گیا اور منطقہ غربیہ کی اصلاح آب ونکاسی کی تجزیہ گاہ میں تجزیہ کیا گیا جس کے نتائج درج ذیل ہیں۔

بیکٹیریا تحقیق کے نتائج

نمونہ حاصل کرنے کا مقام	تاریخ	قولونی قسم کا مجموعہ فی مکعب سینٹی میٹر
جانب مروہ	24/1/1400	20
جانب کعبہ	24/1/1400	0
جانب صفا	24/1/1400	60

کیمیائی تجزیے کے نتائج

نمونہ لینے کی جگہ اور تاریخ ملی گرام فی لٹر (24/1/1400)	**جانب مروہ۱**	**جانب کعبہ۱**	**جانب صفا۳**
امونیا (اصل حالت میں) NH_3	1.42	1.95	1.9
نائٹرائٹ No2-1	0.068	0.055	0.072
نائٹریٹ No3-1	50	49.5	61
مجموعی الکلیز	310	320	320
مجموعی بھاری پن	670	670	720
کیلشیم Ca^{++}	194	198	220
میگنیشیم Mg^{++}	462	437	425

کلورائیڈز Cl-1	330	335	350
سلفیٹس So4-2	370	370	370
لوہا Fe	0.12	0.15	0.18
مینگانیز Mg	0.25	0.15	0.3
تانبہ Cu	0.135	0.12	0.1
کلورائیڈز F	0.88	0.85	0.62
کرومیم Cr	0.018	0.022	0.018
حل شدہ سیلکا	85	73.8	75
فاسفیٹس Po_4^{-3}	1048	0.89	0.63
حل شدہ آکسیجن	9	9	11
سلفائیڈز S-2	0.002	0.003	0.008
رنگ	Brown	Brown	Brown
بو	--	--	--
گدلا پن	330	165	340
خوردبینی تحقیق	ریت کی موجودگی	موجودگی	--
حل شدہ نمکیات کا وزن mg/l	2065	2065	2100
ہائیڈروجنی نمبر PH	7.5	7.15	7.3
حیاتیاتی تحقیق	--	--	--
سائنائیڈ CN	0	0	0
الیکٹرو کنڈکٹوٹی میں مزاحمت (U/I)	2950	2950	3000

ڈول کے استعمال اور حجاج کا کنوئیں کے جوار میں نہانے دھونے سے کنوئیں کے پانی میں باہر سے آلودگی آئی اور ملاوٹ ہوئی ہے۔ نیز آلودگی کا سبب زمینی پانی کے ذریعے لر اوپر آنے اور کنوئیں کے اردگرد سے پانی کی نکاسی کے درست نظام کا فقدان بھی تھا۔ اس مرحلہ پر پروفیسرز نے بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کی تعقیم کی نشاندہی کی۔

بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کی تعقیم

تعقیم آب کے طریقے:

پانی کو پینے کے قابل بنانے کے لیے اس کی تعقیم کے متعدد طریقے ہیں:

حرارت: پانی کو کھولاؤ کے درجے تک گرم کرنا' پھر اس کو ۱۵ تا ۲۰ منٹ تک کھولتے رہنے دینا۔

روشنی: پانی کی تعقیم کے لیے پانی کو طویل عرصے تک سورج کی شعاعوں کے سامنے رکھا جاتا ہے یا پانی کو مناسب طول موج والی بالائے بنفشی شعاعوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ یہ تعقیم آب کے لیے سادہ اور آسان ٹیکنیکل طریقہ ہے۔ صاف ستھرے مقطر پانی کی تعقیم باریک طبقات میں بالائے بنفشی شعاعوں کے سامنے رکھ کر جو مرکری لیمپوں کے ذریعے پیدا کی گئی ہوں جاری رہتی ہے۔ ان لیمپوں کا مخصوص شیشوں کے اندر رکھنا لازم ہے جو غیر مرئی ۲۵۳۷ انگسٹرم والی شعاعوں کو گزرنے دے اور تعقیم آب کو یقینی بنانے کے لیے پانی کا صاف وشفاف ہونا لازم ہے' نیز جراثیم کو ہلاک کرنے کے لیے پانی کا طویل عرصے کے لیے قوی شعاعوں کے سامنے رہنا ضروری ہے۔

کیمیائی تعقیم: اس کے لیے پانی کا مناسب مقدار میں موجود کیمیائی لوازم کے ساتھ ایک مقررہ مدت تک جو پانی کی تعقیم کے لیے کافی ہو رکھا جاتا ہے۔

تکسیری عوامل: پانی کی بڑے پیمانے پر تعقیم کے لیے کیمیاوی عوامل سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) ہیلوجنز: کلورین' برومین' آیوڈین۔

(۲) پوٹاشیم پرمیگنیٹ اور اوزون۔

نیز سیال ہیلوجینز بالخصوص کلورین کی دوسری صورتیں تطبیق اور اقتصادی لحاظ سے زیادہ مناسب ہیں۔

دھاتی آئنیز یا زیادہ تیزابیت یا پانی کی زیادہ الکلینیٹی پانی کے تعقیم کے کچھ دیگر طریقے ہیں۔

بالائے بنفشی شعاعیں کیا ہیں؟:

بالائے بنفشی شعاعیں' شعاعوں کی وہ قوت ہے جو ایسے مخصوص شیشوں میں بڑی حفاظت کے ساتھ کم پریشر والے مرکری لیمپوں کے ذریعے پیدا ہوتی ۔ ، جو ۲۵۳۷ انگسڑام والی شعاعوں کو گزرنے دیں۔ یہ بات کئی سالوں سے معروف چلی آرہی ہے کہ بالائے بنفشی شعاعیں بڑے موثر طریقہ سے دقیق کائنات میں زندگی کو فنا سے ہمکنار کرسکتی ہیں۔ لیکن قریبی زمانے میں جو ارتقائی مدارج طے ہوئے ہیں' انہوں نے بالائے بنفشی شعاعوں کو گیسوں اور مائعات میں بیکٹیریائی تعقیم میں کام آنے والے آلات میں استعمال کے قابل بنا دیا ہے۔

۱۔ بالائے بنفشی شعاعوں کا طول موج پیدا کرنا۔

۲۔ فقط ۲۵۳۷ انگسٹرام طول موج والی بالائے بنفشی شعاعیں دینے کی طاقت والے لیمپ کی ایجاد ہی مشکل نہ تھا بلکہ اس کا طاقت کے ساتھ مسلسل ۷۵۰۰ گھنٹے (۱۰ مہینے) کے طویل عرصے تک کام دیتے رہنا بھی ایک مشکل کام تھا' جو ہوا۔

مائعات میں جراثیم کے خاتمے کی طاقت کا تسلسل:

امریکہ وزارت صحت نے ایک گھونٹ پانی کی تعقیم کے لیے ۲۵۳۷ انگسڑام والی بالائے بنفشی شعاعوں کی جو مقدار مقرر کی ہے وہ ۱۶۰۰۰ امیکرو ویوز فی مربع سینٹی میٹر ultrads ہے۔

تعقیم کی طاقت کا دقیق اندازہ لگانے کے لیے خودکار حساس آلہ کی ایجاد: مناسب شدت والا وہ آلہ ایجاد ہو گیا جو شعاعوں کے سیال کے وسط میں داخل ہونے کے بعد اس کے لیول کی نشاندہی کرے اور متنبہ کرنے کے لیے سمعی اشارات دے اور (شعاعوں کے ناکافی ہونے کی صورت میں) پانی کے بہاؤ کو روکے۔ اس آلہ نے جراثیم کی ہلاکت کے لیے بالائے بنفشی شعاعوں کو ۲۵۳۷

انگسٹرام طول موج تک محدود کر دیا ہے۔

UDC 50 (Multi Sensor) بالائے بنفشی شعاعوں کی شدت کو ناپنے والے میٹر سے بالائے بنفشی شعاعوں کی مقدار کو ایک کنفیسز یا متعدد کنفیسزوں کی نسبت سے پڑھا جا سکتا ہے۔ جبکہ الیکٹرانک آلات ایسی صورت میں رکھے ہوں کہ وہ بالائے بنفشی شعاعوں کی شدت (میں کمی یا بیشی) کو اشاروں کی تبدیلی کی صورت میں دور (سینکڑوں قدموں تک) کے مقام پر رکھے ہوئے مقیاس بکس تک منتقل کر سکیں۔

آب زمزم کی تعقیم میں بالائے بنفشی شعاعوں کے استعمال کی ترجیح کے اسباب:

(۱) پانی میں کیمیائی اجزاء کے اضافہ کی عدم ضرورت ہے۔

(۲) پانی کو ابالنے اور ٹھنڈا کرنے کی ضرورت کا نہ ہونا۔

(۳) پانی میں (کیمیائی اجزاء) ملانے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے خزاں (حوض) کی ضرورت کا نہ ہونا۔

(۴) پانی کی PH (تیزاب یا الکلی ملا کر) بدلنے کی عدم ضرورت۔

(۵) بیکٹیریا اور وائرس سے پانی کی ۹۷ تا ۹۹% تک تعقیم۔

(۶) تکالیف تعقیم میں کمی مثلاً ۲۰۰۰ گیلن پانی کے لیے ایک یونٹ بجلی کا کافی ہو رہنا۔

(۷) بجلی کی فراہمی کی سہولت۔

(۸) خود کار طریقہ سے کام اور اگر تعقیم کے لیے شعاعیں ناکافی ہوں یا بلب کے بدلنے کی ضرورت ہو تو ایک مخصوص آواز کے ذریعے اطلاع۔

(۹) اس طریقہ سے پانی کے رنگ ذائقہ اور بو میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہونا۔

بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعہ بیکٹیریا کا خاتمہ کیسے؟:

جب بالائے بنفشی شعاعیں بیکٹیریا' وائرس' الجی یا دیگر مائیکرو آرگنزمز پر پڑتی ہیں تو اس کی بیرونی جھلی کو پھاڑ دیتی ہیں اور میکروب کے DNA نامی مرکزی حصہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔

بالائے بنفشی شعاعوں کے آلہ کے عمل کی کیفیت اور اس کو نصب کرنے کی مشکلات:

پانی ایسے سلنڈر میں داخل کیا جاتا ہے جس کے اندرونی طرف بالائے بنفشی شعاعیں پیدا کرنے والے بلب لگے ہوئے ہوں اور سلنڈر کے اندر موجود بلبوں کی تعداد سلنڈر کے حجم اور زیر تعقیم پانی کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

سلنڈر میں در حقیقت بلب پانی کو نہیں چھوتے کیونکہ وہ خاص قسم کے شیشے میں لگے ہوتے ہیں۔ پانی سلنڈر کے نچلے سوراخ سے داخل ہوتا ہے اور اوپر والے سوراخ سے خارج ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے پانی کے جملہ اجزاء بالائے بنفشی شعاعوں کے سامنے ہوتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ جملہ اقسام کے بیکٹیریا کی ہلاکت کے لیے بالائے بنفشی کی لازمی قوت ۶۰۰۰ اور ۱۳۰۰۰ یونٹ کے درمیان ہونی چاہیے اور آلہ تعقیم کے اندر رکھے ہوئے بلبوں کی قوت ۳۰۰۰۰ یونٹ سے کم نہیں ہوتی تاکہ پانی کے تمام اجزاء تک شعاعوں کی رسائی اور پانی میں موجود بیکٹیریا کی ہلاکت یقینی ہو جائے۔ اس آلہ کا مستقل استعمال قابل ترجیح ہے تاکہ پانی کے جال کا طویل ہونے کے باعث پانی میں آلودگی سے بچاؤ یقینی ہو۔

آب زمزم پر تحقیق کرنے والے حضرات میں ممتاز مقام رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر یحییٰ بکداش اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''چنانچہ ریاست ہائے امریکہ سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وطن واپسی پر مجھے وزارت داخلہ برائے بلدیاتی امور میں تعینات کر دیا گیا۔ وزارت میں میری ماسٹر کی ڈگری کا موضوع زیر بحث آیا جبکہ وہ مکہ مکرمہ اور مملکت میں پانی کے دو جال بچھانے اور ان کی ضرورت کے منصوبہ سے متعلق تھا۔ چنانچہ میں نے وزارت کے نائب کو آب زمزم کی تعقیم کے لیے بالائے بنفشی شعاعیں استعمال کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس موضوع کو بڑی اہمیت دی گئی۔ پھر بالائے بنفشی شعاعوں کے آلے بنانے والی کمپنیوں سے خط و کتابت کی گئی۔ نیز اس تجویز کو مملکت سعودیہ میں تنظیم عالمی صحت WHO کے نمائندے جناب ڈاکٹر حسن فرید غلول کے سامنے پیش کیا گیا جنہوں نے اس کی تائید کی۔ پھر اس تجویز پر رپورٹ پیش کی کہ اس دوران کنوئیں سے پانی نکالنا ترک کر دیا جائے اور ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے چاہ زمزم کو آلودگی والے ذرائع سے بچایا جائے جیسا کہ حجاج کا بڑی تعداد میں کنوئیں کی طرف براہ راست داخل ہونا اور اس میں سے ڈول کے ذریعے پانی نکال کر پینا۔ اسی طرح سے بعض مسالک کا یہ نظریہ کہ کنوئیں میں کسی علامتی چیز کا ڈالنا خوش بختی کا باعث بنتا ہے۔ یہ دونوں طریقے کنوئیں میں آلودگی کا باعث بنتے ہیں۔

پھر واٹسن کمپنی نے بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے تعقیم آب زمزم کی تجویز پر رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا! اگرچہ تعقیم کا یہ طریقہ کلورین سے کام لینے جیسے روایتی طریقوں کی نسبت زیادہ تکلف ہے تاہم حرم میں صرف اس طریقہ سے کام لینے کی سفارش ہم مندرجہ ذیل اسباب کی بنیاد پر کرتے ہیں!

(۱) آلہ کی سادگی۔ (۲) کام کے دوران تعقیم کی تحقیق کا امکان۔

(۳) معالجہ میں افراط کا فقدان ہونا۔ (۴) رنگ، ذائقہ یا بو پر اس کا کوئی اثر نہ ہونا۔

(۵) کیمیکلز اجزاء کی درآمد، اسے ذخیرہ کرنے اور ملانے کی ضرورت نہ ہونا۔

اسی طرح اس نے آب زمزم کی تعقیم کے لیے بالائے بنفشی شعاعوں سے کام لینے کے لیے مختلف مواقع پر کئی ایک حکومتی اقدامات کی سفارش کی۔

۱۳۹۰ھ میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری نے وزارت زراعت و آب کو اس وزارت کے تحت ماہرین میں سے کسی ایک کے ذریعہ چاہ زمزم کی گنجائش کی تحقیق کی طرف توجہ دلائی، تاکہ اس کی روشنی میں وہ کسی ماہر کمپنی کی شراکت سے آب زمزم کو پاک وصاف حالت میں جو دلوں کے لیے اطمینان کا باعث بنے۔ شیشے کے برتنوں میں بھرنے کے معاملہ کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

چنانچہ وزارت زراعت و آب نے اس معاملے کو توجہ کا مرکز بنا لیا اور ادارہ ترقی مقامات آب (ادارہ تنمیۃ الموارد المیاہ) کے فی الوقت ناظم اور الارضیات کے استاد مصطفیٰ نوری کو اس کا ذمہ دار بنایا۔

استاد مصطفیٰ نوری نے ۱/۳/۱۳۹۱ھ تا ۷/۴/۱۳۹۱ھ کے درمیانی عرصے میں چاہ زمزم کی استعدا سے متعلقہ تحقیقات پر کام کیا اور انہوں نے آب زمزم کی تعقیم کے بارے میں اپنی رپورٹ میں جو سفارشات پیش کیں ان کا ایک حصہ درج ذیل ہیں:

''ہمارے دوست جناب یحییٰ حمزہ کوشک وزارت بلدیات سے قبل جن کی خدمات واٹسن کمپنی کے سپرد تھیں، کی تجویز سے کام لینے سے متعلق ہے جن سے ہم میکروبات اور بیکٹیریا کی ہلاکت کا کام لے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ طریقہ محفوظ عمدہ اور کلورین کے استعمال سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ کلورین آب زمزم کے ذائقے کو بدل دیتی ہے۔ جبکہ ہم چاہتے ہیں

کہ اس کا ذائقہ بغیر کسی تغیر کے برقرار رہے۔''

سال ۱۳۹۲ھ میں مختلف وزارتوں کے نائبین پر مشتمل کمیٹی نے جدہ شہر میں منطقہ غربیہ کی فضائی صحت کو بہتر بنانے کے لیے کئی اجلاس منعقد کیے اور کیمیاوی کمیٹی نے وزارت صحت میں تعقیم آب کی ٹیم کے کاتب اعلی استاد عمران اور واٹسن ایڈوائیزری کمیٹی جس کی نمائندگی میں کر رہا تھا کو چاہ زمزم کی پیداواری قوت کی تحقیق کا کام سونپا۔ اس سب کمیٹی نے ڈول کے ذریعے پانی پینے پلانے، آب زمزم کے حوضوں کو دھونے اور حوضوں کے پانی کی تعقیم کی ممانعت کر دی۔ نیز پانی پلانے والے کارکنوں کو حرم شریف میں وزارت صحت کی طرف پانی منتقل کرنے کی بھی ممانعت کر دی، جبکہ قبل ازیں وزارت صحت پانی پلانے والوں کو انکوائری کے بعد یہ سند عطا کرتی تھی کہ متعلقہ پانی امراض معدہ کے مواد سے پاک و مبرا ہے۔ اور استاد عمران نے اپنی سفارشات میں اس تجویز کو قابل ترجیح قرار دیا کہ بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کی تعقیم کی جائے کیونکہ کلورین کے ذریعے تعقیم سے پانی کا ذائقہ بدل جاتا ہے، نیز چھوٹے نیٹ ورک کے لیے کلورین کا بھی کوئی انتظام نہیں۔

اسی طرح سے اس تجویز کو ہر طرف سے تائید حاصل ہوئی اور وزارت مال واقتصادیات جو حرم مکی شریف کی توسیع اور دیگر متعلقہ سکیموں کی ذمہ دار تھی، کے ساتھ خط و کتابت کی تکمیل ہوئی۔ اس دوران جناب امیر مساعد بن عبدالرحمٰن نے، جو کہ وزیر مال واقتصادیات تھے، کنسلٹنگ انجنیئر سمیت وزارت حج واوقاف اور بعض دیگر محکمہ جات کی نمائندگان پر مشتمل ایک میٹنگ طلب کی۔ جس میں حرم شریف سے متعلق مختلف سکیموں پر بحث و تمحیص ہوئی اور ہوتے ہوتے بات چاہ زمزم اور آب زمزم میں واقع ہونے والی آلودگی تک جا پہنچی۔ مختلف نقطہ ہائے نظر سننے کے بعد وزیر موصوف نے میرے بارے میں دریافت فرمایا جبکہ وہ ذاتی طور پر مجھے جانتے نہیں تھے۔ میرے تعارف کے بعد انہوں نے مجھ سے بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کی تعقیم سے متعلق دریافت کیا۔ پوری تفصیل سننے کے بعد انہوں نے اس طریقے کے ساتھ آب زمزم کی تعقیم کی تائید فرمائی۔

ڈاکٹر یحییٰ لکھتے ہیں:

اس کے بعد واٹسن کمپنی نے حرم شریف میں آبی خدمات' بارش اور زمزم کے پانی کی نکاسی' آب زمزم کی تقسیم کے نیٹ ورک' بالائے بنفشی شعاعوں کے آلوں کی بناوٹ اور کنکر بچھانے کے کاموں کی رپورٹ پیش کی۔

پھر ایسا ہوا کہ بعض ممالک میں ہیضہ کی وباء پھیل گئی جبکہ وہاں سے حج کے لیے حجاج بھی آ رہے تھے۔ چنانچہ ۴ مئی ۱۹۷۵ء، وزارت مال واقتصاد کی ہدایت پر متعلقہ انجینئرز کا ایک اجتماع منعقد کیا گیا جس میں بھی مشاورتی کمپنی کی طرف سے بطور مندوب شریک تھا۔ اس اجتماع میں بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کی تعقیم کے پروجیکٹ کو فوراً مکمل کرنے پر اتفاق ہوا۔ چنانچہ واٹسن کمپنی اور وزارت مال واقتصاد کے مندوبین پر مشتمل ایک وفد متعلقہ آلہ جات کی خرید اور انہیں بذریعہ ہوائی جہاز درآمد کرنے کی انتظامات کے لیے ریاست ہائے امریکہ بھیجنا تجویز کیا گیا۔

وفد کی ترسیل کی تجویز کے ساتھ ساتھ ایک کنٹریکٹر کی ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ان متعلقہ آلہ جات کی توریدو ترکیب کا اہتمام کرے۔ چنانچہ متعلقہ آلات بالفصل مہیا ہو گئے۔ اور ان تجربات کی نگرانی کی اور نتیجہ بڑی کامیابی کی صورت میں برآمد ہوا۔

بالائے بنفشی شعاعوں کے یہ آلات اطمینان بخش رفتار کے ساتھ مسلسل کام کرتے رہے۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ وزارت حج واوقاف نے ایک مشاورتی کمپنی کو یہ ذمہ داری تفویض کی کہ وہ آب زمزم کی عفونت سے پاک شیشے کی بوتلوں میں بھرنے کا جائزہ لے، چنانچہ متعلقہ کمپنی نے آب زمزم سے پہلے دوسرے طریقے سے کام لینے کی تجویز پیش کی لیکن

اس نے بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے تعقیم اور اس کی وسیع کفائت کی تعریف کی اور اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس نے درج ذیل طریقے سے آب زمزم کے نمونے حاصل کیے ہیں۔

۱۔ چھ نمونے تعقیم سے قبل۔

۲۔ تعقیم کی ہر اکائی سے تعقیم کے بعد چھ نمونے۔

(تعقیم کی اکائی تین تھیں)

۳۔ مذکورہ بالا ہر دو سیکشن ۱، ۲ سے تین تین نمونے برائے تجزیہ درج ذیل اداروں کو بھیجے گئے۔

(الف) کونام سرفیسز کمپنی جدہ، جواب جدہ کی تحقیق کی مستقل تجربہ گاہ ہے۔

(ب) تجربہ گاہ اطباء برائے طبی تحقیقات۔

کونام سیرفیسز کمپنی کی تحقیق کے نتائج درج ذیل تھے:

۱۔ نمونہ ۲، ۳ نمونے جو تعقیم کی اکائیوں میں سے پورے پورے تلوث کی حالت میں نہیں گزرے۔

۲۔ نمونہ (۱/۱/۱، ۲/۲/۲، ۳/۳/۳) اور (۳/۱، ۳/۱، ۲/۳، ۳/۳/۳) تعقیم کی اکائیوں میں سے گزرنے کے بعد آلودگی سے پورے پورے پاک و مبرا ہو گئے۔

تجربہ گاہ اطباء برائے طبی تجزیات کی تحقیقات کے نتائج درج ذیل ہیں۔

۱۔ نمونہ جات ۱، ۲ جب تعقیم کی اکائیوں میں سے گزرے تو آلودگی کی رو سے نتیجہ مثبت تھا اور نمونہ نمبر ۳ کا نتیجہ منفی یعنی آلودگی سے پاک و مبرا۔

۲۔ نمونہ جات (۱/۱/۱/۳) اور (۱/۲/۲، ۲/۲/۳، ۳/۳/۳) تعقیم کی اکائیوں میں سے گزرنے کے بعد تمام کے تمام ہر قسم کی آلودگی سے پاک و مبرا تھے۔ لہٰذا مشاورتی کمپنی نے اپنی رپورٹ کو نتیجہ خیز بنایا کہ ان تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ زیر کار آلہ جات تعقیم کے لیے کفایت کرنے والے ہیں۔

حرم شریف میں مطاف کی توسیع اور اس سے متعلقہ امور پر مامور میکینیکل و الیکٹریکل کنسلٹنٹ انجنیئرز کمپنی ڈبلیو ایف کورنر کی قائم کردہ تحقیقات میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ:

''بالائے بنفشی شعاعوں کے ذریعے آب زمزم کے معالجہ سے بڑی حد تک جراثیم کا خاتمہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی ذائقہ کی تبدیلی یا اس میں بیکٹیریا کی موجودگی کا کوئی احتمال نہیں پایا گیا۔''

بعد کے دنوں میں البتہ آب زمزم کی بڑی مقدار کی ضرورت کے پیش نظر بالائے بنفشی شعاعوں کے آلوں میں سے گزارے بغیر نیز جدید آلوں کے اضافہ کے بغیر استعمال کے لیے حوضوں سے براہ راست پانی کی سپلائی کا کام لیا گیا ہے۔ یہ چیز حفظان صحت کی نگرانی کرنے والوں کے لیے تشویش کا سبب بنی جو تجزیوں کے لیے نمونے لے رہے تھے اور تجزیوں کے بعد واضح ہوا کہ بعض نمونے آلودگی سے پاک تھے۔ اور بعض آلودہ۔ اب انشاء اللہ زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ چاہ زمزم کی تزئین' آب زمزم کی تقطیر اور جدید آلات کی تنصیب سے اس کی تعقیم کا انداز اور بہتر ہو جائے گا۔ جس سے پانی کی بڑی مقدار کے استعمال اور اس کو ٹھنڈا کرنے کے کام کی سکیم کی تکمیل بھی ہو جائے گی۔

حرم شریف کے امور کے ڈائریکٹر جناب شیخ سلیمان بن عبید اور شیخ عبدالملک بن دھیش نے ۱۴۰۲ھ کے موسم حج سے قبل ہی

متعلقہ آلہ جات کی تنفیذ کے لیے تحقیقات کا عمل جلد مکمل کرنے کی تاکید فرمائی جبکہ یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ بن لادن فاؤنڈیشن ان آلات کی تنصیب کے کام کے اختتام تک پہنچ چکی ہے۔

اب الحمدللہ! جدید آلات کے ذریعے آب زمزم کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے اور یہ آلات بڑی بھاری رقم میں حاصل کیے گئے ہیں۔اب کنویں کے اوپر عمارت بنادی گئی ہے اور کنویں تک عام لوگوں کی رسائی ناممکن ہے۔



حصہ ہشتم:

خطبہ حجۃ الوداع اور حج وعمرہ کی فضیلت اور طریقہ

باب نمبر 1:

خطبہ حجۃ الوداع...... پہلا عالمی انسانی منشور

منصب سید المرسلین:

اللہ تعالی نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل کی بعثت اور کتب وصحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا اس کا اختتام قرآن مبین پر اور اکمال واتمام ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ تمام حاملان منصب نبوت اور جملہ کار پردازان رسالت اگر چہ تاریخ عالم کے مختلف ادوار، مختلف دیار وامصار، اور مختلف اقوام وملل میں متفرق تہذیبی وتمدنی تناظر میں تشریف لائے، تاہم وہ سب کے سب ہدایت ربانی سے سرفراز، اللہ کے فرستاد، اس کے پیغامبر صدق وصفا کے پیکر، داعی الی الحق، اللہ کے پسندیدہ تھے اور بحیثیت مجموعی ان کے نبی، رسول، پیغمبر ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنے وجود ہستی، اپنی صفات، خصوصیات ذاتی، اور اپنے اظہار کمالات منصبی کے اعتبار سے ہر نبی کی حیثیت الگ الگ، ہر رسول کا تشخص جدا جدا، ہر ایک کی فضیلت کا حوالہ مختلف ہے اور ہر پیغمبر بجائے خود منفرد ومتفرد ہے۔

اس لحاظ سے ذات وصفات وکمالات مصطفوی میں بھی کوئی امر محتاج دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہادی اعظم، پیغمبر عالم ﷺ وخلق کی تمام خوبیوں، نبوت ورسالت کے جملہ محاسن، تلقین وہدایت کے تمام لوازم اور دعوت وارشاد کے تمام مفاخر کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی تشریف آوری میں سے متاخر ہونے کے باوجود امام الانبیاء سید الرسل قرار پائے اور ختم الرسل بن کر گویا چمن ہدایت کے ہر گل سرسید کا عطر کھینچ لائے۔

یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا۔ وہی جو آگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جارہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تمام صفات وخصوصیات کا بیان، آپ ﷺ کے جملہ امتیازات وکمالات کا احاطہ، اور دلالات ومعجزات کا استقصا اگرچہ ممکن نہیں ہے، تاہم گفتگو کے لیے اور بطور مطالعہ واستفاضہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوصاف وامتیازات رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوۃ میں سے ایک وصف خاص اور نمایاں ترین امتیاز واعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، ملک، گروہ، آبادی یا خطے کے لیے نہیں ہوئی۔ نہ آپ ﷺ کا فرض منصبی عرب کی اصلاح یا عجم کی فلاح تک محدود تھا، نہ آپ کی نبوت ورسالت کو کسی خاص وقت یا زمانے سے مخصوص کیا گیا، بلکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والرسل بنا کر اور پیغمبر انسانیت کی حیثیت سے بھیجا کیا گیا۔ بلکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والرسل بنا کر اور پیغمبر انسانیت کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک عالمگیر دعوت وپیغام کے ساتھ سارے عالم کے لئے، جملہ انفس وآفاق کے لیے بلکہ تمام جن وانس کے لیے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده ليكون للعلمين نذيرا))

''وہ اللہ پاک ہے جس نے اپنے بندے پر حق وباطل کو الگ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تا کہ وہ تمام جہان والوں کو ڈرائیں۔''

حضور سید الکونین ﷺ، رسول الثقلین کی یہ ہمہ گیر و عالمگیر پیغمبرانہ صفت، اور وصف آفاقیت ان مسلمہ حقائق میں داخل ہے جن پر اجماع امت ہے اور جن کی بہت کافی صراحت قرآن وحدیث میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً: سورۃ نساء میں فرمایا گیا:

((وارسلنك للناس رسولاً))

''اور ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔''

سورۃ السباء میں ہے:

((وما ارسلنك الا كافة للناس بشيراً ونذيراً))

''اور ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔''

اور سورۃ الاعراف میں جہاں اہل کتاب سے نبی امی ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے، خاص سیاق وسباق کے ساتھ یہ کہہ کر ساکنان آفاق پر حجت تمام کی گئی:

((قل يايها الناس انی رسول الله اليكم جميعا))

''فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

اسی طرح متعدد احادیث میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی اس خصوصیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: صحیحین میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت ورسالت کے جن خصائص کو خود شمار فرمایا ہے اس میں متذکرۃ الصدور وصف بھی شامل ہے۔ چنانچہ بخاری میں ''اعطیت خمسا لم یعطھن احدا من الانبیاء'' کے ضمن میں یہ ارشاد گرامی منقول ہے:

((وكان النبی يبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس كافة))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قوم کی طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے اور تمام انسانوں کی طرف عام طور پر۔''

جبکہ صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ کے تحت روایت جابر کے الفاظ یہ ہیں:

((كان كل نبی يبعث الی قومه خاصة وبعثت الی كل احمر واسود))

''ہر نبی اپنی قوم کی جانب خاص طور پر بھیجا جاتا تھا، اور میں ہر سفید وسیاہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

روایت ابوہریرہ میں فرمایا گیا:

((وارسلت الی الخلق كافة وختم بی النبيون))

''میں تمام مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور نبوت مجھ پر ختم کی گئی۔''

بہرحال مندرجہ بالا آیات واحادیث اور تفصیلات سے دو باتوں کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے:

اولاً یہ کہ ہدایت ربانی اور تاریخ نبوت ورسالت کے حوالے سے ایک دور وہ ہے جو دنیا میں آنحضرت ﷺ کے ظہور وبعثت سے پہلے گزرا اور جس میں حضرات انبیاء سے مختلف زمان ومکان اور مختلف قوموں میں مبعوث فرمائے جاتے رہے، اس لیے عقلاً ونقلاً بھی ان

نفوس قدسیہ کا دائرہ اصلاح وارشاد محدود رہا اور ان کی نبوت و رسالت بھی ملکی، قبائلی، قومی اور بہر نوع مخصوص رہی۔ چنانچہ اس اصولی حقیقت کی مزید تائید ارشاد ربانی:

((ولقد ارسلنا من قبلك رسلاً الی قومهم))

سے بھی ہوتی ہے اور تاریخی واقعات اور انبیاء و رسل کے حالات سے بھی۔

ثانیاً: حضور نبی اکرم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کو تمام جہان کے لیے پیغمبر انسانیت بنا کر بھیجا گیا۔ (گویا الہامی ہدایت اور نبوت و رسالت کا مبارک عہد جو حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والتحیۃ کے ظہور و بعثت سے شروع ہوا ہنوز جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہاں ختم نبوت کے مضمرات و متضمنات سے بحث کا موقع نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا مشن عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، ختم رسالت دائمی شان نبوت کا مظہر ہے اور یہ کہ ''رسالت محمد یہ قدیم اور جدید ازمنہ کے درمیان ایک قوت رابطہ ہے، بہ اعتبار سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے حضرت رسول اکرم ﷺ قدیم زمانے سے مرتبط ہیں، مگر اپنی دعوت، پیغام اور استقرائی راہنما تعلیم کے ذریعے وہ جدید دنیا سے بھی وابستہ ہیں۔ یوں ختم نبوت دراصل قدیم و جدید کا نقطہ ارتکاز ہے۔

ہادی عالم نبی معظم، محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر، ابدی، اور آفاقی ہے، اس لیے آپ ﷺ کی یہ حیثیت بجائے خود اس بات کی متقاضی تھی کہ آپ کا لایا ہوا دین و پیغام ابدی، آفاقی اور عالمگیر ہو۔ چنانچہ سید الرسل ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اور جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور تبلیغ و تعلیم کا محور بنی وہ بھی ابدی، آفاقی اور عالمگیر رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ اس کتاب (قرآن) کا تخاطب بھی تمام انسانوں سے ہے اور وہ تمام عالم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے، ہر عہد اور ہر زمانے کے لیے نسخہ شفاء، ضابطہ حیات، و نوشتہ نجات بن کر نازل ہوئی۔

اللہ رب العالمین کے فرستادہ نبی، برگزیدہ رسول، ہادی کائنات اور پیغمبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے ختم الرسل ﷺ کا فرض منصبی تھا:

۱۔ تبلیغ دین اور ابلاغ حق فرمائیں اور اللہ نے جو پیغام عطاء فرمایا ہے اسے من وعن بندگان خدا تک پہنچا کر حق امانت ادا کریں۔
۲۔ تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت، تزکیہ نفوس و قلوب اور تفسیر و تشریح کتاب فرمائیں۔
۳۔ جو سعید روحیں پیغام حق کو قبول کریں، انہیں فوز و فلاح کی بشارت سنائیں، اور جو شقی القلب دعوت ربانی کو ٹھکرانے پر تل جائیں انہیں اخروی نتائج اور انجام بد سے ڈرائیں۔
۴۔ جہد مسلسل اور سعی پیہم سے دین حق کو دنیا میں غالب فرمائیں۔
۵۔ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وحی الٰہی کی روشنی میں فرمائیں اور انہیں عدل اور قسط پر قائم فرمائیں۔

حضور سید المرسلین ﷺ نے اپنے فرائض منصبی کو پورے اخلاص للٰہیت، محبت و شفقت، رافعت و رحمت، اور جاں گدازی و جاں سپاری کے ساتھ ادا فرمایا اور اہل علم کے سامنے سیرت کا ایسا نمونہ کامل پیش فرمایا کہ بالآخر حجت تمام ہوگئی۔

اس کے ساتھ ہی وہ وقت بھی آ گیا کہ دین حق غالب ہوا۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ اسلامی معاشی، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر مکمل ہوئی، باطل قوتیں مغلوب ہوئیں اور سید المرسلین، محبوب رب العالمین کا مقدس مشن بھی پورا ہوا جو ان حضرات انقیاء پر علی سبیل الانفراد مقرر ہوا تھا اتمام و اکمال سے ہمکنار ہوا۔

بالآخر وہ منزل آ گئی جبکہ ہادی و رہبر سید و سرور پیغمبر ﷺ نے حجۃ الوداع کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا عظیم الشان سفر کی

قعدہ، ذی الحجہ ۱۰ ہجری مطابق فروری، مارچ ۶۳۲ء میں اختیار فرمایا۔ یہی آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا اور اسی یادگار حج کے دوران آپ نے وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو نہ صرف یہ کہ تاریخ رسالت ونبوت میں بلکہ تاریخ انسانی میں بھی انقلاب آفریں حیثیت رکھتا ہے اور جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے لیکن اسے بجا طور پر ایک حقیقی خطبہ انقلاب کہا جاسکتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے وقت دنیا کی حالت:

یہ واضح رہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جبکہ پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبہ انقلاب ارشاد فرمایا تھا اس وقت کی آباد دنیا بہر حال آج کل کی طرح وسیع نہ تھی۔ امریکہ کے دونوں براعظم ہنوز گوشہ گمنامی میں تھے۔ آسٹریلیا دریافت نہ ہوا تھا۔ افریقہ کے بڑے حصے پر آفتاب تمدن کی روشنی نہ پہنچ سکی تھی، ایشیاء و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے اجاڑ اور غیر آباد تھے۔ ہاں البتہ عرب، چین، ہندوستان، ایران، عراق، شام، مصر، مغرب اقصی، حبشہ، یونان، اطالیہ، فرانس، اسپین، جنوبی روس، بحیرہ بالٹک کا مشرقی اور جنوبی حصہ، جٹ لینڈ، اسکینڈے نیویا، اور برطانیہ وغیرہ میں اگر چہ تہذیب وتمدن کی روشنی موجود تھی مگر کہیں تیز کہیں کہیں مدہم، یعنی یہ ظاہر ہے کہ ہر جگہ نہ تہذیبی و تمدنی ترقی یکساں ہوئی تھی، نہ سیاست، مذہب اور اخلاق و معاشرت کا حال ایک جیسا تھا۔ مجموعی طور پر اس زمانے کے فرمانرواؤں، سلطنتوں، اور حالات کا خلاصہ ذیل میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

جزائر برطانیہ: جزائر برطانیہ میں اس وقت اینگلوسیکسن قبائل کا فرمانروا شاہ ایڈرن (۶۱۶ تا ۶۳۳ء) تھا۔ اس وقت تہذیبی وتمدنی اعتبار سے انگریز قوم بہت پسماندہ تھی اور اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ میں نیم وحشی قبائل کا تسلط تھا۔ جو اکثر و بیشتر انگلستان پر حملہ آور ہوتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

چین: چین میں تانگ خاندان برسر اقتدار جس کا بانی اور پہلا فرمانروا اگر چہ جنرل لی یوآن تھا جو ۶۲۷ء تک حکمران رہا لیکن اس وقت جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا خطبہ انقلاب معمور عالم میں گونجا، وہاں تائی شنگ (Taitsung) برسر اقتدار تھا۔ جس نے ۶۲۷ء تک حکومت کی۔ اسی کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ اس کا زمانہ حکومت اگر چہ سیاسی اور تمدنی لحاظ سے کامیاب رہا، لیکن بدھ مت کے دینی، مذہبی اور اخلاقی انحطاط کو وہ بھی نہ روک سکا۔

یورپ: یورپ کے دیگر علاقوں میں نیم وحشی، نیم مہذب قبائل (مثلاً نارسمین، سوئیڈس، فریشنس، سلافی، آوار امگیار وغیرہ) کا بہت عمل دخل تھا جو زیادہ تر اصنام پرست تھے۔

الجیریا اور مراکش: الجیریا اور مراکش میں بربر آباد تھے اور وہ بھی اصنام پرست تھے۔

کمبوڈیا: کمبوڈیا وغیرہ میں کھمیر خاندان برسر حکومت تھا جس کا دور ۶۰۶ء سے ۱۳۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران اگر چہ تمدن پھولا پھلا لیکن اصنام پرستی کے سبب مذہبی، اخلاقی حالت بہت پست رہی اور انسانیت ذلیل و خوار۔

سلطنت رومہ: سلطنت رومہ پر اس وقت ہرقل اعظم (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) برسر اقتدار تھا اور مصر و حبشہ، تیونس، طرابلس وغیرہ سلطنت رومہ کے صوبے تھے۔

ہندوستان: ہندوستان میں ہندو دور کا آخری عظیم فرمانروا ہرش وردھن تھا جو ۶۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۴۷ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی حدود سلطنت میں دو مذاہب یعنی ہندومت اور بدھ مت کا زور تھا مگر دونوں روبہ زوال تھے اور دونوں کی صورت مسخ ہو چکی تھی۔

فرانس: فرانس میں یہ زمانہ شاہ فرانس ڈیگورٹ اول (۶۲۸ء تا ۶۳۹ء) کا تھا۔ جس کے فوراً بعد ہی شاہی خاندان کا زوال

شروع ہو گیا تھا۔ عیسائیت کا شیوع اس وقت وہاں ہو چکا تھا۔

ایران: ایران میں طوائف الملو کی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز (جس نے ہادی عالم ﷺ کے نامہ مبارک کو ازروئے گستاخی چاک کر ڈالا تھا) کے قتل (۶۲۸ء/۷ھ) کے بعد سے ۶۳۲ء تک (جبکہ آپ ﷺ نے اپنا خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا) بارہ حکمرانوں نے لیلیٰ اقتدار کو گلے لگایا۔ اس زمانے کا ایران، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے زوال و پستی کا عبرتناک منظر پیش کرتا ہے۔

اطالیہ: اطالیہ پر مغربی قوط (Goth) کا حکمران سائبرٹ تھا جو یہودیوں پر مظالم کے لیے مشہور ہوا۔

یہ ہے وہ مختصر سا عالمی تاریخی پس منظر جو ظاہر کرتا ہے کہ جس زمانہ میں پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبہ حجۃ الوداع یعنی پہلا انسانی عالمی منشور ارشاد فرما کر بنی نوع انسان کو زندگی کی اعلیٰ ترین رفعتوں سے ہمکنار فرمایا، وہ اس کا بہترین اور مناسب ترین موقع تھا، کیونکہ دنیا میں خشکی وتری ہر جگہ فساد ہی فساد بپا تھا۔ انسانیت قعر مذلت کے کنارے کھڑی تھی اور چار دانگ عالم کی فضائے بسیط میں کہیں کوئی زندگی آمیز و زندگی آموز پکار، کوئی حیات بخش و حیات افزا پیغام گونجا تھا۔ کہیں کوئی منشور انسانیت، کوئی فرمان آدمیت کوئی نوشتہ نجات، کوئی چارٹر موجود نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا سفر حج:

حجۃ الوداع کے مقدس، یادگار اور تاریخی سفر، اس کی منازل اور تفصیلی روائیداد سے اگرچہ ہمارے موضوع کا براہ راست تعلق نہیں ہے۔ تاہم انتہائی مختصر بیان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ کے خطبہ جلیلہ کے موقع و محل کو سمجھنا مزید آسان ہوگا۔

اکثر مؤرخین اور اصحاب سیر کے بیان کے مطابق حجۃ الوداع کے مبارک سفر کے لیے سرور دنیا و دین، حضور رحمۃ للعالمین مدینہ منورہ سے ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ بمطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء کو (اکثر روایات کے لحاظ سے بعد از نماز ظہر) روانہ ہوئے۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ مدینہ طیبہ سے کچھ ہی فاصلے (تقریباً ۶ میل/۹ کلومیٹر) پر واقع (میقات اہل مدینہ) ذی الحلیفہ پہنچ کر فروکش ہوئے۔ دوسرے دن اتوار، ۲۶/ذی قعد، ۲۳/فروری کو احرام زیب تن فرمایا، قصواء پر تشریف فرمائے ہوئے اور ہزاروں جانثاروں کے جلو میں تکبیر و تہلیل اور تلبیہ کی صداؤں کے ساتھ آگے سفر شروع فرمایا۔ یہاں تک کہ مختلف منزلوں ملل، روحاء، اثایہ، العرج، ابواء، عسفان، مرالظہران، سرف اور ذی طوری سے ہوتے ہوئے بالآخر حرم مکہ کی بالائی جانب (کداء) سے نزول اجلال فرمایا۔ چنانچہ تمام مصنفین کا اس پر اتفاق ہے کہ مکہ معظمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) بروز اتوار ہوا۔

مکہ معظمہ میں تقریباً چار دن قیام فرمانے کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جمعرات ۸ ذی الحجہ ۱۰ھ (یوم الترویہ/۸ مارچ ۶۳۲ء) کو منیٰ کے لیے روانہ ہوئے، جہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر شب میں وہیں اقامت اختیار فرمائی۔ نماز فجر اور طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے (۹ ذی الحجہ/۷ مارچ) روانہ ہو کر پہلے نمرہ میں قدم رنجہ فرمایا اور پھر عرفات میں وقوف فرمایا۔ پھر اسی دن (یوم عرفہ) زوال آفتاب کے بعد قصواء پر رونق افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر وعصر کی قصر نمازوں، تکبیر و تلبیہ، دعاؤں اور غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، کچھ دیر استراحت کے بعد طلوع فجر کے ساتھ ہی نماز (فجر) ادا فرما کر طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو کر مشعر الحرام اور پھر وادی محسر سے بعجلت گزرتے ہوئے ۱۰ ذی الحجہ (۸ مارچ/یوم النحر) کو منی میں جمرہ کبریٰ (عقبہ) کے پاس تشریف لائے۔ رمی جمار، قربانی، اور حلق (رأس) کے بعد طواف افاضہ کے لیے مکہ معظمہ کو یمن قدم سے نہال کیا اور پھر منیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ نیز منیٰ میں یوم النحر کو بھی خطاب فرمایا اور غالباً ایام تشریق (۱۱، ۱۲ ذی الحجہ/۹، ۱۰ مارچ/اتوار، پیر) میں بھی خطاب فرمایا۔ ۱۳ ذی الحجہ (۱۱ مارچ/منگل) کو زوال تک قیام اور رمی جمرات کے بعد وادی

محصب میں توقف فرماتے ہوئے ۱۴ ذی الحجہ (۱۲ مارچ/بدھ کو طواف وداع کے لیے پھر کعبۃ اللہ میں جلوہ فرما ہوئے۔ اور یوں نہ صرف یہ کہ فریضہ حج کی تکمیل ہوگئی، بلکہ اس طرح آپ ﷺ قیامت تک کے لیے مناسک حج وعمرہ کی تعلیم امت کو عطا فرما گئے۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک کا جو سفر اختیار فرمایا تھا، اس کا اجمالی بیان اگرچہ تاریخ وسیر اور حدیث کے تمام قابل ذکر مآخذ (ابن سعد/۲۳۰ھ، بخاری/۲۵۶ھ، ابن قیم/۷۵۱ھ، ابن کثیر/۷۷۴ھ، مقریزی/۸۴۵ھ، زرقانی/۱۱۲۲ھ وغیرہ) میں موجود ہے، لیکن اس سفر کی جزئیات وتفصیلات میں ان کے ہاں اتنا فرق وتفاوت پایا جاتا ہے جس کے سبب راستے اور سفر کی منزلوں کا یقینی تعین دشوار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سفر حجۃ الوداع سے پہلے بھی حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کئی یادگار سفر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں، مثلاً: ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا سفر، عمرۃ الحدیبیہ اور عمرۃ القضا کے مواقع پر مدینہ سے مکہ اور واپسی کا سفر، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی آمد ورفت اور پھر حجۃ الوداع کا سفر، لیکن خاص بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف راستے منتخب فرمائے ہیں، اس لیے اس حقیقت کے باوجود کہ راہ مسافرت نبوی ﷺ میں مساجد بنادی گئی تھیں جیسا کہ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المساجد میں حضرت ابن عمر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

تعین راہ آسان نہیں اور اس میں ظاہر ہے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ کچے راستوں اور ریگستانی علاقوں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ جو راستہ ایک وقت میں گزرگاہ ہو وہ دوسرے وقت میں قابل عبور نہ رہے، علاوہ ازیں مکہ اور مدینہ کے درمیان آنے جانے کے راستے پہلے بھی مختلف رہے ہیں اور فی زمانہ بھی متعدد ہیں، پھر قدیم وجدید راستے ان کی منزلیں اور ان کے ناموں اور عرفیت میں فرق پڑ جانا بعید از قیاس نہیں ہوسکتا۔

ان وجوہ سے ہمارے ہاں کے علمائے متقدمین، متوسطین اور متاخرین کی تحریروں میں سفر ومنازل سفر کے بیان میں تفاوت پایا جانا نہ تو تعجب خیز ہے نہ قابل گرفت۔

سفر حجۃ الوداع کے سلسلے میں بطور خلاصہ چند باتیں واضح ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی (زیادہ تر اقوال/ مآخذ کے مطابق بروز شنبہ/سنیچر/ ہفتہ) ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہوئی۔

۲۔ یہ مہینہ (ذی قعدہ) ۲۹ دن کا تھا اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ / یکم ذی الحجہ ۱۰ھ بالاتفاق پنجشنبہ/ جمعرات (۲۷ فروری ۶۳۲ء) کو تھی۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) کو (بروز یکشنبہ/ اتوار) ہوا۔

۴۔ گویا حجۃ الوداع کا یہ مقدس سفر (از روانگی تا داخلہ مکہ) ۹ دنوں پر مشتمل ہے۔

۵۔ تقریباً چار روز قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعمال وارکان حج ادا فرمائے یعنی ۸ ذی الحجہ (یوم الترویہ) سے ۱۳ ذی الحجہ تک مسلسل مشغول رہے اور پھر ۱۴ ذی الحجہ کو طواف وداع فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت نوعیت:

نبوت ورسالت کا بنیادی تقاضا اور فرض منصبی بہر حال ابلاغ پیغام ربانی ہے۔ ہر نبی ورسول کی مساعی حسنہ کا تمام تر ہدف، تبلیغ وتلقین حق ہے۔ اس اعتبار سے خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں آنحضرت ﷺ نے بحیثیت رسول ابلاغ حق کو اس نقطہ کمال تک پہنچا دیا جس سے آگے کوئی حد کمال نہیں کہ تفویض رسالت میں تبلیغ وترسیل دعوت کا جو فرض پنہاں تھا:

((یایها الرسول بلغ مآانزل الیك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته))

جس کا علی الاعلان آغاز مکۃ المکرمہ (میں خطبہ کوہ صفا) سے ہوا تھا، اس کا اکمال واتمام بھی اسی سرزمین پر (جبل الرحمۃ/عرفہ/منیٰ/ مضافات مکۃ المکرمہ میں ہی اس وقت خطبہ حجۃ الوداع پر ہو رہا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جبکہ کم ازکم لاکھ، سوا لاکھ بندگان خدا کے مجمع عام سے حضور سرور عالم ﷺ نے بار بار استفسار فرمایا تھا کہ بتاؤ؟ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟

((هل بلغت؟))

تو تمام انسانوں، تمام مسلمانوں، تمام حاضرین نے بہ یک آواز، بہ یک دل، بہ یک زبان، بہ یک وقت اقرار کیا تھا کہ ہاں بے شک ہم اس کی شہادت یقیناً دیں گے کہ آپ ﷺ نے (اللہ کی) امانت (دین ہم، تک من وعن) پہنچا دی اور نبوت ورسالت کا حق ادا فرما دیا۔

((نشهد انك قدادیت الا مانة وبلغت الرسالة و نصحت الامة))

حیات رسول ﷺ میں (حجۃ الوداع کے موقع پر) ابلاغ حق کا یہ درجہ کمال یکایک نہیں آیا۔ اس کے پیچھے دراصل ۲۳ سالہ داعیانہ، مبلغانہ پیغمبرانہ مساعی کا تسلسل موجود ہے۔ جس کا آغاز اسی وقت سے ہو گیا تھا جبکہ آپ ﷺ کو کار نبوت ورسالت پر فائز کیا گیا اور آپ ﷺ نے تمام تر موانع ومشکلات کے علی الرغم، پورے صبر وثبات، انتہائی عزم واستقلال سے اس منصب کے تقاضوں کو پورا فرمایا، اور پیغام خداوندی کو بندگان خدا تک پہنچانے کے لئے (وحی الٰہی ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة کے مطابق) تبلیغ وترسیل (communication) کا ہر وہ معروف واحسن ذریعہ/ وسیلہ اور طریقہ کار (Mechanism) استعمال، اختیار فرمایا جو تبیین کلام الٰہی اور ابلاغ پیغام ربانی میں، ہر سامع وناظر اور ہر مخاطب، حاضر وغائب کے دل پر دستک دے سکے تا آنکہ اس کے ذہن میں شک وریب کا کوئی کانٹا اور ابہام واشکال کا کوئی رخنہ، باقی نہ رہنے پائے۔ یہاں حوالوں اور مثالوں کا تو موقع نہیں لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ داعی اعظم ﷺ نے فرد واجتماع سے رابطے کی تمام شکلوں اور تعلیم وتعلم کی تمام صورتوں کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ نطق وبیان، خطبہ وتقریر، وعظ وتلقین، حکمت وموعظت، پند ونصیحت، مذاکرہ ووصیت، تعلیم وتدریس، تشریح وتسہیل، رمز واشارہ، تفسیر وکنائے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے بہ حد کمال اسوۂ رحمۃ للعالمینی میں نہ دیکھا جا سکے۔

عہد جدید میں علوم وفنون ابلاغ عامہ کے حوالے سے یہ بات مسلمات میں داخل ہے کہ ابلاغ کے پورے عمل کا مدار کلیۃ انسانی رویے (Human behaviour) پر ہوتا ہے۔ نیز ابلاغ عامہ (Mass Communication) کے دوران تبلیغ وترسیل کے طریقوں وذرائع سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی پیغام، دعوت، مدعا، مضمون، نقشہ، خاکہ، کتنا معنی خیز، کیسا سریع الاثر اور کس درجہ نتائج افروز ہے۔ اس جہت سے بھی سیرت مبارکہ ومطہرہ کا مطالعہ اجالہ بخشتا ہے۔ چونکہ انسانی رویے کے ہمہ جہتی حسن کے حوالے سے حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ (وانك لعلی خلق عظیم کی رو سے) اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے اور آپ ہر مرحلے، ہر لحہ زندگی میں حسن قول وعمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کے دل بھی فتح کرتے رہے۔ (حالانکہ عام حالات میں دشمنوں تک کسی بات کی رسائی تقریباً ناممکن ہے)۔

((ومن احسن قولا ممن دعآ الی الله وعمل صالحاً و قال اننی من المسلمین ٥
ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه

عداوة کانه ولی حمیم))

اس لیے ظاہر ہے کہ ابلاغ حق کا کامل ترین نمونہ بھی گویا آپ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کے ہاتھ متشکل ہوا۔ آپ ﷺ کا پیغام واقعتا اتنا ہی معنی خیز، اس درجہ سریع الاثر اور ایسا نتائج افروز ثابت ہوا جس کے اثرات وثمرات کو دنیا چشم حیرت حجۃ الوداع میں دیکھ رہی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابلاغ حق کے لئے آپ ﷺ کی شبانہ روز کوششوں کے خاطر خواہ مثبت نتائج حجۃ الوداع سے پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد عامۃ الناس کا قبول اسلام (ید خلون فی دین الله افواجا) پھر غزوۂ تبوک (۹ھ) کے بعد عام الوفود (۹ھ میں) اطراف واکناف عرب سے لوگوں کا (اظہار اطاعت، استفسار، تعلیم بتوضیح اور تبلیغ کے لئے) خدمت نبوی ﷺ میں آنا اور پھر ۱۰ھ میں (خطبہ حجۃ الوداع سے پہلے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کے انتقال کے بعد ایک خطبے کے دوران) لوگوں کا یہ صاف صاف اقرار:

((نشهد انك قد بلغت رسالت ربك و نصحت لا متك و قضيت الذى عليك))

''ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام بلاکم وکاست ہم تک پہنچا دیا امت کو نصیحت سے سرفراز فرمادیا اور اپنا فرض کما حقہ ادا فرمادیا۔''

ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے فرض منصبی کو نہ صرف یہ کہ وقت مقررہ پر ٹھیک ٹھیک ادا فرمادیا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ابلاغ حق اپنے درجہ تمام وکمال تک آپ ﷺ کے اپنے عہد مبارک میں ہی پہنچ گیا تھا۔ پھر حجۃ الوداع میں یہ کمال ابلاغ بہ درجہ غایت اس طرح موکد ومحقق ہوگیا کہ ہر شریک بزم، ہر حاظر وناظر ہر سامع ومخاطب، کھڑے بیٹھے ہر حال میں ہر جگہ، خطبہ رسالت مآب ﷺ کے ہر ہر لفظ کو سن رہا تھا، بلکہ گویا حرف حرف گن رہا تھا، یہاں تک کہ ہر زبان، دل نے ابلاغ حق کی گواہی دی اور وحی الٰہی:

((اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى))

کا نزول ساتھ ساتھ ہوا۔

لیکن ایک اور جہت سے ابلاغ حق کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے عالمی ابدی پیغام کو 'فليبلغ الشاهد الغائب'' (جو موجود ہے وہ یہ باتیں اسے جا کر بتائے جو موجود نہیں ہے) کے طلسمی ابلاغی الفاظ میں مقید میں کر کے ایک نغمہ سرمدی کی صورت میں ڈھال دیا، گویا آنے والا ہر زمانہ خطیب عصر، خطیب زماں، سرور کون ومکان ﷺ کی دسترس میں یوں ہے کہ ابلاغی تسلسل کبھی بھی منقطع نہیں ہوسکتا اور اس بات کا ثبوت ہے کہ صلاح وفلاح بشر کا وہ آخری پیغام پوری انسانیت کیلئے تھا اور ہر زمانے کی بنیادی ضرورت تھا۔ خطبہ جلیلہ میں آپ ﷺ نے خود ہی فرمادیا تھا:

((الا ! كل نبى قد مضت دعوته الا دعوتى فانى قدذخرتها عند ربى الى يوم القيامة))

اور شاید یہی وہ موقع تھا جبکہ عہد نامہ قدیم میں درج یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار رہے تھے:

''ہر نبی کو ایک مقبول دعا دی گئی اور ہر نبی نے وہ دعا مانگ لی لیکن میں نے وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر رکھی ہے، کہ اس دن اللہ سے دعا مانگوں گا۔''

حضور سید الانبیاء مرسلین ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع ہر قسم کے منفی رجحان سے ماوراء خالص مثبت رد اور اصولی تعلیمات کا مظہر تھا۔

اسلام جس دعوت و تعلیم کا مدعی ہے اس کا عملی نمونہ تو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کے درمیان پہلے ہی قائم کیا جا چکا تھا، البتہ اتمام حجت کی خاطر اور ابلاغ حق کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس وقت سے ۲۳ سال پہلے صفا کے پہاڑی وعظ سے جس عالمی دعوت کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس لیے اسے اتمام و اکمال کی منزل پر پہنچاتے ہوئے چند فقروں، چند باتوں کی صورت میں اسی سرزمین پر کوہ عرفات کے دامن سے آخری بار پھر نشر کر دیا جائے اور اس دین کی مبادیات و اساسیات کا احاطہ کر دیا جائے جس کی تبلیغ و اشاعت کے آپ مکلف بنائے گئے تھے۔ یہ رعایت بھی تھی کہ اسلام کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ان اقدار کو واضح کر دیا جائے جو آئندہ آنے والے زمانوں میں کارفرمائی کی مستحق تھیں اور جن کی تعمیل میں ہی انسانیت کی نجات مضمر تھی۔

خطبہ حجۃ الوداع میں زبان وحی ترجمان سے جو کچھ ارشاد ہوا اس کے بارے میں اس حقیقت کا ادراک بہت ضروری ہے کہ وہ محض منصوبہ، خیالی باتیں، واعظانہ موشگافیاں، آئندہ کا پروگرام، یا خواہشات و توقعات یا صرف تجاویز یا سفارشات قسم کی چیز نہ تھا، بلکہ دین الٰہی کا عملی، تاریخی، تعبیری خاکہ اور دین شریعت کی تقریب تکمیل تھی، جس کا اعلان فاطر السموات والارض نے ان الفاظ کی گونج میں فرمایا:

((الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا))

اس نکتہ کی اہمیت و معنویت ان لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ اجاگر ہو سکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوق انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو منظور کیا تھا تجویز و سفارش سے زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کسی مملکت کے لئے Universal Declaration of Human Rights کا تسلیم کرنا لازمی و ابدی نہیں ہے۔ ایک مصنف کے بقول:

> "یہ منشور تحفظ حقوق انسانی کے معاملے میں بالکل ناکارہ اور نا قابل اعتماد دستاویز ہے...... اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطہ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں۔ اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماجی حقوق منظور کیے گئے ہیں وہ ایک بالغ نظر مبصر کے مطابق، اس اصلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں، یہ تو سماجی اور معاشی پالیسیوں کے محض اصول ہیں۔ بلکہ کمیشن برائے انسانی حقوق میں ۱۹۴۷ء کو طے کے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال قبل ہی یہ طے ہو گیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی، کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر از خود رضا کارانہ طور پر عملدرآمد کر سکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔"

اس کے برعکس خطبہ حجۃ الوداع میں "فرمودات نبوی عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں" اور ان سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ صلاح و فلاح آدمیت و انسانیت میں حارج ہے بلکہ دین و دنیا دونوں میں نقصان و خسران کا باعث ہے۔ خطبہ جلیلہ میں زندگی کے ان اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جن پر تعمیر حیات کا اصل مدار ہے اور جن کے بغیر شعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ خطبہ مبارکہ میں ان تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جو دراصل پورے دین حق کی زندگی و تابندگی کا ثبوت ہیں اور جن کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

یہ مکرر عرض ہے کہ حجۃ الوداع (حجۃ البلاغ، حجۃ التمام، حجۃ الاسلام) کا واقعہ نہ صرف پوری اسلامی تاریخ میں انتہائی عظیم الشان حیثیت رکھتا ہے بلکہ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے یہ حیات مقدسہ کا وہ ناقابل فراموش واقعہ ہے، جو متعدد پہلوؤں سے گونا گوں حیثیت اور عظمت و اہمیت رکھتا ہے، جریدۂ عالم پر یہ نقش دوام بن کر ابھرا اور تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔

اس واقعے کا اگر چہ ہر جزو اہم اور ہر پہلو قابل لحاظ ہے تاہم اس واقعہ بے مثال کا جزو اعظم ، اور وجہ افتخار وہ خطبہ جلیلہ ہے جو فخر انبیاء ، سید الرسل ، رحمت عالم ﷺ نے آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ / ۷ مارچ ۶۳۲ء کو میدان عرفات میں اپنی زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا تھا۔ وہ بہت عظیم خطبہ تھا۔ (خطبة عظيمة ، ابن کثیر) وہ بہت طویل خطبہ تھا (قولاً کثیراً ، ابن کثیر) وہ خطبہ اپنے صدور کے اعتبار سے تو خطبہ تھا مگر اپنے وقوع کے اعتبار سے فرمان اور اپنے شیوع کے اعتبار سے منشور تھا۔

خطبے کا عالمی انسانی منشور ہونے کی حیثیت سے ، اس کی ترتیب و تدوین میں ایک دیباچہ ہے اور ایک اختتامیہ۔ دیباچہ اور اختتامیہ کے درمیان مواد اور متن خطبہ اڑتالیس (۴۸) مرکزی دفعات پر مشتمل ہے اور ذیلی دفعات اس کے علاوہ ہیں جو اکہتر (۷۱) ہیں اور کل سطریں ایک سو ستاسی ہیں ، اس تجزیے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بڑی دستاویز ہے جس کی کل دفعات ۴۷+۷۱ = ۱۱۸ ہیں اور جو دنیا میں پائے جانے والے تمام نوشتہ ہائے حقوق انسانی سے زیادہ ہیں۔

مثلاً برطانیہ کے میگنا کارٹا مجریہ ۱۲۱۵ء میں کل ۶۳ دفعات ہیں ، جن میں اصولی باتوں اور انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک محض چند دفعات میں پائی جاتی ہے۔ اعلان حقوق انسانی و باشندگان فرانس مجریہ ۱۷۸۹ء میں بھی کل تعداد اس سے کم اور حقوق آزادی وغیرہ سے متعلق دفعات محض ۱۷ ہیں ، نوشتہ حقوق امریکہ مجریہ ۱۷۹۱ء میں بھی متعلقہ دفعات بمشکل ۱۵ ہیں اور اقوام متحدہ کا منشور حقوق انسانی مجریہ ۱۹۴۸ء کل ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے جو تمام تر تجاویز اور سفارش ہیں جن کی کوئی قانونی اطلاقی حیثیت نہیں ہے ، (خطبہ حجۃ الوداع کے عالمی انسانی منشور میں صرف حقوق انسانی کا ہی بیان نہیں بلکہ حقوق اسلامی اور نظام زندگی کے دوسرے شعبوں کی تفصیل بھی موجود ہے۔

اس خطبہ مبارکہ کی نوعیت و ماہیت پر بات کرنے سے پہلے اس خطبہ کے خطیب کو دیکھئے ، اس کی شان دیکھ لیجئے کہ اس خطبہ کا خطیب کون ہے؟ اور وہ مخاطبین سے کب کہاں اور کس ظرف زمان و مکان میں گہر افشانی کر رہا ہے ، وہ جلیل القدر ہستی ، خطیب اعظم ، پیغمبر کائنات ﷺ کی ہے ، وہ ہادی جن و انس ، رہبر حق ، نجات دہندہ انسانیت ﷺ ہے ، ختم الرسل ، امام الانبیاء ، سرور عالم ، جان دو عالم ﷺ ہے ، وہ مبلغ اعظم ہے جو اس وقت ابلاغ حق کو نقطہ کمال تک پہنچا رہا تھا (حجة البلاغ) صادق و امین امانت ربانی بندگان الٰہی کے سپرد کر رہا تھا۔ متمم دین ، اپنی مساعی جمیلہ کو اس مژدہ الٰہی سے ہم آہنگ کر رہا تھا:

((اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا (نزلت وهو واقف بعرفة))(ابن سعد :۲/ ۱۸۸)

معلم انسانیت تعلیم اسلام کا جزو کل پیش کر رہا تھا ، اس کا مشن ان کے سامنے کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو رہا تھا ، لاکھوں کا مجمع تھا ، مگر ہر ایک گوش بر آواز تھا۔

(((ففتحت اسماعنا حتى كنا نسمع مايقول ونحن في منازلنا))

(ابن کثیر / جلد ا ، صفحہ ۳۹۶)

اس خطیب کامل کی ہر بات قول فیصل ، تقدس مآب ، معیار دین و ایمان اور باعث اجر و ثواب تھی ، وہ جو اپنے دہن مبارک سے ادا کر رہا تھا اس پر خود بھی عمل پیرا تھا ، اس لیے اس کا ہر لفظ حدیث اور ہر عمل سنت تھا ، لہٰذا پورا خطبہ مطہرہ بجائے خود صحیفہ حدیث و سنت بن کر قرطاس دل پر منتقل ہو رہا تھا ، اور پوری انسانیت کے لیے واجب الاذعان قرار پا رہا تھا ، اس خطبہ کا ہر لفظ ، متن کا ہر حرف اور منشور کی ہر دفعہ کسی اور ہستی کسی اور مجلس کسی اور قوت نافذہ کی منظوری سے مشروط نہ تھی ، وہ اپنے صدور کے ساتھ ہی فی الفور سمع و طاعت کا حصہ بن گئی ،

تاہم یہ کمال خطیبانہ نہیں، بلکہ منتہائے پیغمبری ہے۔

وہ خطیب زمان تاجدار مدینہ، سربراہ مملکت، فرمانروائے ریاست اور حاکم وقت بھی تھا، جو انتظام حکومت عملاً دس برس سے مسلسل چلا رہا تھا، یہاں تک کہ مدینہ کی محدود شہری مملکت اس وقت تک ترقی کی منزل طے کرتی ہوئی دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر پھیلی ہوئی پورے عرب کی وسعتوں پر چھا گئی تھی اور اس کی حدود میں رہنے والے باشندے بلا امتیاز ہر قسم کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی و مذہبی تمدنی سے پاک معاشرے میں دین و دنیا کی برکتوں سے متمتع ہو رہے تھے، اب جبکہ وہ بحیثیت حکمران باشندگان ریاست کی ضروریات کا ادراک، ادنیٰ و اعلیٰ کے حقوق کا خیال، عام و خاص کی جہتوں سے آگہی حاصل کرکے تمام انسانوں کے مفادات کا محافظ بن کر حاضر و غائب تمام نفوس کو تکریم آدمیت اور تعظیم انسانیت کی جو دولت بصورت فرمان امروز عطا کر رہا تھا اور تحفظ معیشت، معاشرت کے لئے جو منشور جاری فرما رہا تھا، وہ فی الفور نافذ ہو گیا اور دنیا کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ، اخلاق و معاشرت اور اصول شریعت کا جامع ضابطہ اور حقوق انسانی و اسلامی کی دائمی ضمانت مہیا کر گیا مختصر یہ کہ اس عطائے فراواں کی کل سوغات خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں نصیب ہو رہی تھی۔

خطبہ حجۃ الوداع بطور حقوق انسانی کا عالمی منشور:

سید الاولین والآخرین کے کارہائے نمایاں میں یہ کارنامہ یقیناً عظیم ترین متصور ہوگا کہ ان ہی کے یمن قدم سے انسان بمعنی انسانیت پر فائز ہوا، آپ ہی کے سبب انسانی فضیلت و احترام اور تکریم و شرف آدمیت کی قندیل روشن ہوئی اور آپ ہی کے فیض کرم سے دنیا کو حقوق انسانی کی سوغات ملی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ انسان کے وقار و احترام کی حقیقی ضمانت دی گئی۔ انسان کے بحیثیت انسان حقوق و فرائض متعین ہوئے اور تمام انسانوں کو ایک ہی رشتہ مودت و محبت میں یوں پیوست کر دیا گیا کہ تقویٰ کے سوا، رنگ و نسل، زبان و وطن، اونچ نیچ، ذات پات، اعلیٰ و ادنیٰ کا ہر امتیاز بے وقعت ٹھہرا اور خون و خاندان، دولت و سامان، عہدہ و منصب، قومیت و قبائلیت کا ہر فرق بے معنی قرار پایا اور یہ طے کر دیا گیا کہ سب کے سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، ایک ہیں، کہ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور ان میں سے ہر ایک برابر کی عزت و وقعت اور اعزاز و احترام کا سزاوار ہے۔

عہد نبوی ﷺ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ کے عہد زریں میں انسان درجہ تذلل کی انتہائی پستیوں سے نکل کر آبرومندانہ زندگی گزارنے کے قابل بنا، اور اسے اس مثالی معاشرہ و ریاست میں وہ تمام سیاسی و سماجی اور قانونی و ثقافتی حقوق عملاً حاصل ہوئے جن کا اس دور، اس زمانہ میں تصور بھی محال تھا، آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پاکیزہ الہامی تعلیمات کے ذریعے ذہن و فکر کے سانچے بدلے گئے اور ایسے انتظامات کئے گئے کہ قتل و غارت گری، خونریزی و سفاکی اور عداوت و شقاوت کا ہر دروازہ بند ہو جائے اور معاشرہ کا ہر فرد دوسرے فرد کی جان و مال، عزت و آبرو اور نجی و شخصی زندگی کا محافظ بن جائے۔

یہ نبوی ﷺ کارنامہ، اپنے خاص تاریخی پس منظر کے سبب اور زیادہ وقیع اس لیے نظر آتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کی معلوم دنیا میں انسان ہر شرف سے محروم، پستی و ذلت کی آخری انتہا پہ کھڑا تھا، دنیا کے جو علاقے تہذیب و تمدن سے عاری مشہور ہیں، ان کی تو بات ہی کیا، وہ علاقے بھی جہاں پر تہذیب و تمدن کی ضوفشانیوں کا چرچا ہے، اس وقت انسانیت و آدمیت کے لئے موجب ننگ و عار تھے، انسانی اخوت بر بنائے انسانیت اور مساوات بر بنائے وحدت آدمیت کا چال چلن اس عہد میں نہ تھا، دنیا میں ہر جگہ، ہر خطہ ہر علاقے میں انسان طبقوں میں بٹا ہوا تھا، سماجی تقسیم کہاں نہیں تھی، اونچ نیچ، ذات پات، اشراف و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ کے پیمانے الگ، ان کی حیثیت و مرتبہ جدا، ان سے سلوک مختلف، سب جگہ تھا۔ روم، ہندوستان، ایران و عرب، ہر ملک ہر خطہ میں اخوت و مساوات بے معنی الفاظ تھے اور

اقتدار واختیار، دولت وثروت کے آگے ہر شرف ہیچ تھا، خود غرضی وعیاشی، بغض وانتقام اور انانیت وشیطانیت کے عفریت، انسانیت کو ہر پہلو سے ڈس رہے تھے، ایسی کرب ناک ذلتوں سے آدمی کو نکالنے والے آقا اور حیات نو کا پیغام سنانے والے، مزمل ومدثر نے اپنے خطبۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا:

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب کے سب حضرت آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز ومحترم وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔ پس کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، ہاں مگر تقویٰ کے سبب۔''

پیغمبر انسانیت ﷺ نے اسی موقع پر اعلان فرمایا:

''لوگو تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت وآبرو، آپس میں ایک دوسرے پر حرام ومحترم ہے (جس طرح یہ دن محترم ہے، یہ مہینہ محترم ہے) قیامت تک کے لئے۔''

پھر فرمایا:

''دیکھو! میرے بعد کہیں گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

اور پھر فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو اور سمجھ لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور ایک مومن دوسرے مومن کے لئے (آج کے دن کی طرح حرام ومحترم ہے) کہ اس کا گوشت دوسرے (مومن) پر حرام ہے کہ اسے کھائے، پیٹھ پیچھے اس کی غیبت کرکے اور اس کی آبرو بھی دوسرے (مومن) پر حرام ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالے (اور اس کی قبائے عزت کو پھاڑ ڈالے) اور اس کا چہرہ بھی حرام ہے کہ اس پر مارے، اور اسے اذیت پہنچانا بھی حرام ہے اور یہ بھی (حرام ہے) کہ اسے دھتکارے اور ذلیل وخوار کرے۔''

آپ کا ارشاد گرامی تھا:

''مجھ سے سن لو! تم زندگی گذارو (رہو، سہو، مگر اس طرح) کہ ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا! سنو ظلم نہ کرنا۔''

یہ بھی کہا:

''پس آپس میں ایک دوسرے کی جانوں پر ظلم نہ کرنا۔''

فرمان رسالت تھا:

''ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔''

یہ بھی فرمایا:

''لوگو! سنو اور اطاعت کرو! اگرچہ تم پر کوئی ایسا نک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے جو تم میں کتاب اللہ کو قائم کرے۔''

آخر میں فرمایا:

''اور تم سب، عنقریب رب ذوالجلال کے پاس جاؤ گے۔ پس وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس فرمائے گا۔''

ان ارشادات پر غور کیجئے اور ایک مرتبہ پھر اس وقت، اس زمانہ کا تصور کر لیجئے، جب کہ حقوق و مساوات انسانی کا یہ سبق، احترام آدمیت کا فرمان اور تکریم انسانیت کا یہ اعلان یا مختصر الفاظ میں یہ منشور انسانیت سرور عالم کی طرف سے جاری کیا جا رہا تھا اور اسے تمدن و معاشرت انسانی کا لازمی عنصر قرار دیا جا رہا تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ اس ''منشور انسانیت کا اجراء آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس وقت روبہ عمل آ رہا تھا، جب کہ دنیا میں کہیں حقوق انسانی کا کوئی یقینی کوئی تصور موجود نہ تھا۔ انسانی مساوات کے الفاظ لغت اقوام میں بالکل اجنبی تھے۔ اور تمدن و معاشرت باہمی کے لئے احترام آدمیت اور حقوق انسانی کی اہمیت سے یونان و روم، عجم و عرب سے سب ہی ناواقف تھے۔

علاوہ ازیں ان حقوق انسانی کا اجراء، جس ذات بابرکت کے ہاتھوں ہو رہا تھا، وہ نہ صرف یہ کہ اوج رسالت پر فائز اور صفات و کمالات نبوت سے آراستہ تھی بلکہ وہی ہستی امر واقع میں جزیرہ نمائے عرب کی مسند اقتدار پر جلوہ افروز تھی، اور ان حقوق و فرامین کے اجراء کی سند اسے مقتدر اعلیٰ کی طرف سے ملی تھی اور ان کی آخری منظوری احکم الحاکمین نے ایوان اختیار سے جاری کی جا چکی تھی۔ گویا سیاسی لغت کے حوالے سے یہ منشور انسانیت ایک وسیع الاختیار مملکت اور کثیر الوسائل ریاست کی طرف سے عطا کیا جا رہا تھا، اور دینی، اخلاقی حوالے سے یہ رب الناس اور ملک الناس کی عطائے خاص تھی جو حاضر و غائب تمام انسانوں تک بالواسطہ پہنچائی جا رہی تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ارشادات سید لولاک میں انسانیت کو جن حقوق و تحفظات سے سرفراز کیا جا رہا تھا اور احترام آدمیت و انسانیت کے جو اصول زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جاری ہوئے، آنے والے زمانوں میں انہی کی روشنی و تابانی سے افق تا افق اجالا ہوا اور دنیا میں جہاں کہیں بھی بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور انسانی معاشرے میں جہاں کہیں بھی آزادی، مساوات اور حقوق کی آواز بلند ہوئی، اس کے پیچھے یہی آواز تھی جو اس وقت وادی فاران کے دشت و جبل میں گونج رہی تھی۔

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس خطبہ جلیلہ میں جن بنیادی انسانی حقوق اور تحفظات کو معاشرے و مساوات انسانی کے لئے لازم ٹھہرایا (اور جن میں سر فہرست، تحفظ جان، تحفظ مال و ملکیت، تحفظ عزت و آبرو، حق انصاف و مساوات اور فرق و امتیاز کے بغیر انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور دیگر معاشرتی حقوق مسائل ہیں۔ ان کی نوعیت یہ ہے کہ وہ تمام تر ایجابی (Positive) اور واقعی (Real) حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو عوام کی طفل تسلی کے لئے خطابت کے زور پر، کاغذی پیرہن میں، وقتی حل کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ نہ وہ ترحم خسروانہ کا عکس تھے، نہ داد و بیداد زمانہ کا نتیجہ، بلکہ ان کے پیچھے اسلام کی مستقل تعلیمات، قرآن کی ابدی آفاقی ہدایات اور ریاست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابندہ روایات جلوگر تھیں، ان حقوق کو عملاً برتر کر دکھایا جا چکا تھا اور ایسے تحفظات، اس ریاست، اس معاشرے میں فراہم کیے جا چکے تھے جو اجرائے حقوق انسانی اور تشریف و تکریم آدمیت کی بجائے خود ضمانت تھے۔

خطبہ حجۃ الوداع...... منشور برائے فلاح انسانیت:

تمام انبیاء و رسول کی دعوت کا محور و مرکز توحید رہا ہے اور سب کے سب بلا استثناء انسانوں کو ایک اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا بھی اصل الاصول توحید تھا۔ دین کا مدار دعوت نبوی کا خلاصہ، مساعی رسالت کا منتہا اعلائے توحید الٰہی تھا اور اسلامی نظام حیات کی بنیاد تمام تر توحید پر ہی قائم ہوئی، چونکہ اس عقیدہ کا لازمی تقاضہ اور مدعا یہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے سرنگوں نہ ہو، انسان پر انسان کی حاکمیت اعلیٰ قائم نہ ہو، بندہ بندے کا غلام نہ بنے، بلکہ صرف اللہ رب العالمین مالک الملک کیلئے ہی اس کی اطاعت و بندگی وقف ہو۔ اس کے فکر و عمل کا ہر گوشہ اسی عقیدے سے مستفاد ہو، کار زار حیات میں بس حکم الٰہی کا سکہ رواں ہو اور مختصر یہ کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے راستے (صراط مستقیم، سواء السبیل) پر گامزن رہے کہ یہی راستہ امن اور نجات کا واحد راستہ ہے، اور اس طرح وہ دین و دنیا کے خسران و نقصان سے بچ سکتا ہے، اور اسی کے سبب انسان ہر ظلم و جہل سے، مطلق العنانیت

سے،فرعونیت ونمرودیت سے اور وحشت و بربریت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

فوزو فلاح انسانیت کا یہ راستہ محسن اعظم ﷺ نے دنیا کو اس وقت دکھایا تھا اور معراج انسانیت کی بنائے مستحکم اس عقیدے پر اس وقت رکھی تھی جب کہ دنیا معرفت توحید سے یکسر خالی تھی، عرب، عجم، یونان، روم، چین، ہندوستان یعنی اس وقت کی معلوم دنیا میں ہر سمت، ہر جگہ آدمی آدمی کا غلام تھا۔ حاکمیت ربانی کے بجائے طاغوت کی حکمرانی کا سکہ رواں تھا اور کفر و شرک کے اندھیروں نے زندگی گزارنے کا اصل راستہ مفقود کر دیا تھا، اس ماحول اور اس دنیا میں پیغمبر انسانیت ﷺ کی تشریف آوری چار دانگ عالم کے لئے نوید آزادی ثابت ہوئی، ہادی برحق، رحمت عالم ﷺ نے صور توحید پھونکا اور توحید کی جامعیت کبریٰ سے زندگی کے نظام فکر و عمل کو یوں آراستہ فرمایا کہ ایک نیا عالم وجود میں آ گیا اور پھر ان الحکم الا للہ کے پرچم تلے اونٹوں کے چرانے والے شاہراہ حیات پر قائد بن کر چلنے لگے اور اب جبکہ ۱۰ھ میں توحید کی برکتیں سب کے سامنے آ چکی تھیں، اور دنیائے انسانیت بچشم سر فلاح و سعادت سے ہمکنار ہونے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ محسن عظم رحمت عالم ﷺ نے توحید الٰہی اور حاکمیت خداوندی کے سبق کو پھر سے یاد کرایا، اور ضروری سمجھا کہ عروج آدمیت کے لئے اور فلاح نسانیت کی خاطر ''اساسیات دین'' کی پیروی لازم ہو۔

چنانچہ روایات کے مطابق اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ہادی عالم ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہر پہلو سے جلوہ گر توحید ہے اور اس کے لفظ لفظ سے حاکمیت خداوندی کا اظہار ہے۔ مثلاً اس خطبہ جلیلہ کا سر آغاز یہ ہے:

''سب تعریف اللہ کیلئے ہے۔ ہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اس سے مدد و مغفرت چاہتے ہیں، اسی کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، اس کے دامن میں اپنے نفس کی خرابیوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ بھٹکا دے اسے کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اور اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر فرمایا:

''لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے تقویٰ شعاری اختیار کرو اور میں تمہیں اللہ ہی کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے۔''

اسی موقع پر ارشاد رسالت ہوا:

''لوگو! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا کہ تمہاری اس زمین پر کبھی اس کی عبادت و پرستش کی جائے گی، مگر وہ آگے بڑھ کر اس بات پر راضی ہے کہ ان اعمال کے باب میں تم اس کے اشاروں کی تعمیل کر لو، جنہیں تم (بظاہر بہت) حقیر سمجھتے ہو۔ پس اپنے دین کے معاملے میں شیطان کے حملوں سے بچاؤ کا بندوبست کر لو۔''

یہ بھی فرمان نبوی ﷺ تھا:

''اور سنو! غلو سے بچے رہنا، کیونکہ دین میں غلو کرنے والے، تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیئے گئے۔''

اور فرمایا:

''لوگو! میری بات اچھی طرح سمجھ لو! کہ میں بلاشبہ حق تبلیغ ادا کر چکا ہوں، اور تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو کبھی (ہرگز) گمراہ نہ ہو گے۔ ایک وہ جسے اللہ کی کتاب نے واضح کر دیا ہے اور دوسرے اللہ کے نبی کی سنت۔''

ان ارشادات نبوی ﷺ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ بڑی بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ ہی کو اپنا خالق و مالک ماننا، اسی کو معبود حقیقی، اسی کو ملجا و ماوی تسلیم کرنا، اسی کی بندگی و اطاعت کا اعتراف، پھر زندگی بھر تقویٰ شعاری اور اسی سبوح وقدوس کی رضا کا حصول، ہر آن شیطانی حربوں سے بچتے رہنا اور غلو فی الدین سے احتراز، نہ صرف یہ کہ دین حق کے سنگ ہائے میل ہیں، بلکہ دین کی حفاظت کی دلیل ہیں۔ اور انسانی حقوق اور آزادیوں نیز مقاصد تشریع کے حوالے سے یہ باتیں تحفظ دستور کے ارکان ہیں، کیونکہ اگر دین ہی محفوظ نہ رہے، اور دستور ہی دست و برد زمانہ سے نہ بچ سکے، تو دین کے عطا کردہ تحفظات اور دستور کی فراہم کردہ آزادیوں اور حقوق کا اجراء کس طرح ہوگا، اور احترام آدمیت و تکریم انسانیت کی ضمانت کون دے گا، ان ہی تمدنی و معاشرتی ضرورتوں کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ کے خطبہ جلیلہ میں ان ارشادات گرامی کو گویا مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ باقی باتیں اسی کا اجمال ہیں یا تفصیل، ان ہی کے نور سے مستنیر ہیں اور ان ہی ماخذ سے مستفاد ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع اور اجتماعیت کا شعور:

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے وقت انسانی تمدن و معاشرت کا حلیہ ہر جگہ بالکل بگڑ چکا تھا اور زندگی کا ہر دائرہ، تمدن کا ہر گوشہ اور معاشرت کا ہر جلوہ کیفیت و کمیت ہر لحاظ سے ظلم و جبر کی تصویر تھا، اور قرآن مجید کے بیان سے صاف متبادر ہوتا ہے کہ ''خشکی و تری ہر جگہ فساد ہی فساد'' برپا تھا اور قرآن کا یہ تبصرہ بھی برمحل معلوم ہوتا ہے:

''اور تم آگ سے بھرے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پس اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔''

تمدن و معاشرت کی پہلی اکائی خاندان ہے جس کا آغاز ایک مرد اور عورت کے اشتراک و تعاون سے ہوتا ہے، ایک مرد اور عورت کے تعاون سے پیدا ہونیوالا دائرہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے، اور تعلقات میں تنوع پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ قوم، قبیلے اور ملت تک جا پہنچتا ہے، اس اکائی کا استحکام، تمدن و معاشرت کے استحکام کی ضمانت ہے، اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اکائی کے دونوں ارکان میں حقوق و فرائض کا توازن ہو، ساتویں صدی عیسوی میں یہی ادارہ ظلم و استحصال کا سب سے زیادہ شکار تھا، عورت اپنی نوع جنس میں ذلیل ترین مخلوق کا درجہ رکھتی تھی، دنیا کے کسی معاشرے میں اس وقت عورت کو عزت و وقار حاصل نہ تھا، اس کا استحصال ہر جگہ یکساں تھا، اور اس کے حقوق ہر جگہ پامال ہو رہے تھے۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا، عورتوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک اور وحشیانہ رویوں نے خاندانوں اور معاشروں کا امن و سکون تباہ کر رکھا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ تمدن و معاشرت تباہی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، ایسے عالم میں انسانیت کا اور انسانی تمدن و معاشرت کا نجات دہندہ، محمد الرسول کے سوا کون ہو سکتا تھا، محسن انسانیت ﷺ نے خاندانوں میں تمدن و معاشرت کو تباہ ہونے سے بچایا اور ارکان خاندان، ارکان معاشرہ کے حقوق و فرائض کا تعین کر کے ایسا میزان عطا کر دیا کہ اگر ان کی دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی جائے تو نہ صرف ایک گھر اور اس کا ماحول بلکہ پورا معاشرہ عدل و توازن سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے، اس بات کا اندازہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے علاوہ ان ارشادات سے بخوبی ہو سکتا ہے، جو خطبہ حجۃ الوداع کے روشن الفاظ سے ظاہر ہے، اس موقع پر مرسل داور، خاص پیغمبر ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرمایا:

''لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔''

اس کے بعد ان حقوق کی تفصیل ارشاد فرمائی مثلاً:

''عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ سلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ اور تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں جنہیں تم نہیں چاہتے۔ اور یہ کہ معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں

ان پر (زیادتی کرنے کی) کوئی راہ نہیں۔''

یہ بھی فرمایا:

''پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور عورتوں کے متعلق میں تم کو خیر کی تلقین کرتا ہوں۔''

ان ارشادات رسالت پر غور فرمایئے اور آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی اس دنیا کو دیکھئے جہاں ہر معاشرے، ہر سماج میں تمدن و معاشرت کی تباہ کاریاں اپنے شباب پر تھیں، اور جس کا صاف اظہار عورتوں کی خستہ حالی سے ہو رہا تھا، ایسے وقت ایسے ماحول میں، حقوق نسواں کے تحفظ کی جو ضمانت حضور ختمی مرتبت ﷺ کے خطبہ جلیلہ میں دی گئی تھی اور اشتراک حقوق وسلوک کی جو تاکید فرمادی گئی تھی، اب صدیاں گزرنے کے بعد بھی دنیا کے کسی دستور، کسی منشور میں ایسا تحفظ نہیں پایا جاتا، اس لیے وہ دن پہلا دن تھا جبکہ، یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہن رہا تھا اور دنیائے انسانیت کو یہ درس دے رہا تھا کہ افراط وتفریط کی پر پیچ راہوں سے الگ شاہراہ اعتدال پر کس طرح چلا جاتا ہے۔

عورتوں کے علاوہ سماجی ناہمواری اور معاشرتی ظلم وفساد کا ایک اور نمائندہ گروہ، غلاموں کا تھا، غلاموں کا طبقہ اس وقت کے نام نہاد مہذب ومتمدن ممالک میں بھی پست ترین حالات کا شکار تھا۔ یہ بات تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں لونڈی غلام مال واسباب کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے، مقام ومرتبے کے اعتبار سے وہ کسی گنتی شمار میں نہ تھے اور انہیں آزادی اور حقوق کے نام کی کوئی چیز حاصل نہ تھی، بلکہ وہ پالتو جانوروں سے زیادہ گئے گزرے تھے۔ اس پر مستزاد وہ ظلم وستم، زیادتیاں، سختیاں اور ناروا سلوک تھا جو ظالم آقاؤں، جابر سرمایہ داروں اور حق وانصاف کا خون کرنے والے دولت مندوں کی انسانیت سوز حرکات کا نتیجہ تھا۔

اس پر منظر میں اسوۂ رحمۃ للعالمین کو ملاحظہ کیجئے، حضور سید المرسلین کی بعثت مطہرہ کا مقصد کلی یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ غلامی کا ادارہ بتدریج ختم کرنے کیلئے عہد رسالت میں اور اس کے بعد بھی برابر اقدامات کئے جاتے رہے، یہ سرور کائنات کی تعلیم اور عمل پیہم کا ہی نتیجہ تھا کہ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کا تحفظ اس عہد، اس معاشرے میں یوں کیا گیا کہ خود غلاموں کی غلامی باعث فخر بن گئی۔

حجۃ الوداع کے معرکۃ الآراء خطبے میں طبقہ غلاماں کے محسن اعظم نے صرف ایک جملہ میں ہی غلاموں کے حقوق وسلوک کا فیصلہ یوں کردیا:

''اور ہاں! تمہارے غلام تمہارے غلام! (ان کا خیال رکھنا) جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ، اور اگر وہ کوئی ایسا خطا کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو، انہیں فروخت کردو، انہیں نشانہ ستم نہ بناؤ۔''

پھر فرمایا:

''خبردار! جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے گا، اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

خطبہ حجۃ الوداع اور تکمیل دین:

پیغمبر انسانیت، حضور سید کونین ﷺ ۶۱۰ء میں جس دن حق دین فطرت، دین انسانیت کی تبلیغ وتعلیم پر مامور کیے گئے تھے۔ اب ۲۳ سال گزرنے پر ۶۳۲ء (ذی الحجہ ۱۰ھ) میں وہ دین وہ مشن اسی جگہ اسی سرزمین اور اسی شہر (مکۃ المکرمہ) اور اس کی وادیوں میں پایہ تکمیل کو پہنچ رہا تھا، جہاں سے شروع ہوا تھا۔ دین اسلام کے قیام واستحکام اور اس کے غلبہ واظہار نے اتمام واکمال کی وہ منزل حاصل کرلی تھی

جسے خود مشیت بنظر استحسان دیکھ رہی تھی۔عرفات ومنیٰ کے میدانوں میں مکہ کے دشت وجبل میں، نہیں بلکہ مطلع آفاق پر اطاعت و بندگی رب کا وہ سب سے بڑا مظاہرہ ہو رہا تھا جس کے لیے جن وانس کی تخلیق ہوئی اور جس کے لئے گردش ایام نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں، اور یہ کہنے کا وقت آ گیا:

((ایھا الناس !ان الزمان قدر استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السماوات والارض))

''لوگو!زمانہ گھوم پھر کر اسی جگہ آ گیا ہے، جہاں سے کائنات (ارض وسماوات) کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا۔''

اس وقت تک نظام اسلامی، نظام ربانی قائم ہو گیا تھا اور جاہلیت کے تمام آثار وادارات مٹ گئے تھے اور یہ انقلاب حالات دیکھنے والوں نے اپنے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، اور یہ سب ایسی حقیقتیں تھیں جو عملاً تو پردہ تاریخ پر ثبت ہو ہی چکی تھیں لیکن اب اگر کسی آخری سرکاری رسمی اعلان کی ضرورت باقی تھی تو وہ اس وقت پوری ہو گی، جبکہ ہادی کل، فخر الرسل ﷺ نے اسی خطبہ حجۃ الوداع میں اپنی زبان وحی ترجمان سے یہ اعلان فرمادیا:

''آگاہ ہو جاؤ! کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی جا چکی ہے اور جان لو کہ زمانہ جاہلیت کے سارے خون (اور سلسلہ ہائے انتقام) مال واموال (باطلہ) اور آثار وعلامات قیامت تک کے لئے کالعدم ہیں۔''

آثار و مفاخر جاہلیت کے تمام بادل چھٹ گئے اور دین مبین کا آفتاب گویا نصف النہار پر چمکنے لگا، بشیر ونذیر، سراج منیر نے حق رسالت ادا کیا، اب اس دین کی حفاظت امت کا کام تھا، اس لیے صاف صاف فرمادیا:

''لوگو! میرے بعد کوئی اور پیغمبر آنے والا نہیں اور نہ تمہارے بعد کوئی اور امت برپا ہو گی۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے جس دین فطرت کو پیش فرمایا، وہ چند سادہ اصولوں اور گنے چنے فرائض وواجبات پر مشتمل ہے، اس دین میں نہ حد سے زیادہ مبالغہ ہے نہ حد سے زیادہ کمی، نہ خود ساختہ وظائف واعمال نہ غیر ضروری مشقت، نہ خلاف فطرت ضابطے اور قاعدے، البتہ چند بنیادی ارکان کی ادائیگی اور کچھ متعین احکام کی بجا آوری اور دین ودنیا کی مجموعی اسکیم سے ہم آہنگ طرز عمل کی نمائندگی سے دین کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے، حجۃ الوداع کے عظیم الشان موقع پر دین کا خلاصہ خاتم النبیین ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

''خوب سن لو! کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو، مالوں کی زکوٰۃ نہایت دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیائے امور وحکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو جاؤ گے۔''

ایک روایت کے مطابق یہ بھی ارشاد ہوا:

''اللہ کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کرنا، کسی کی جان جسے اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے ناحق نہ لینا، اور زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔''

فرمایا:

''میں تمہیں بتادوں کہ مسلم کون ہے؟ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کے جان و مال کو خطرہ لاحق نہ ہو اور اصل میں مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے کنارہ کشی کرے، اور مجاہد وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔''

یہی ارشادات نبوی، یہی باتیں پورے دین کا خلاصہ اور اس کی اساس ہیں، ان اساسیات کو بیان فرما کر گویا حضور نبی کریم ﷺ نے

پورے دین کا خلاصہ پیش فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ دین کی ان مستقل اقدار میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، البتہ جزئیات و تفصیلات، وقت زمانہ اور حالات کے تحت مرتب ہوتی رہیں گی کہ یہی پہلو اس دین کو آنے والے ہر زمانے میں قابل عمل بنانے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع بطور اساس دین اسلام (خلاصہ خطبہ حجۃ الوداع):

خطبہ حجۃ الوداع کے جامعیت کا اندزہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس خطبہ عظیم میں پورے دین کی اساسیات اور اس کی مذہبی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی و اعتقادی بنیادیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں، مختصراً ان کا جائزہ ہم نکات ذیل کی صورت میں لے سکتے ہیں:

۱۔ انسانی و معاشرتی:

۱۔ وحدت آدم، تمام انسان برابر، اصل و نسل ایک۔
۲۔ زبان، وطن، رنگ اور دوسرے امتیازات باطل۔
۳۔ مساوات انسانی۔
۴۔ انسانی، سماجی، اجتماعی اداروں کا تحفظ۔
۵۔ تحفظ حقوق۔
(الف) انسان۔
(ب) مسلمان
(ج) مرد و زن۔
(د) غلام۔
۶۔ انسانی، سماجی اداروں کی اصلاح۔
۷۔ اخوت انسانی، اخلاقیات انسان۔
۸۔ معاشرتی ظلم کی ہر نوع ناپسندیدہ۔
۹۔ بنیادی انسانی حقوق اور ذمہ داریاں آزادیاں۔

۲۔ مذہبی و اعتقادی:

۱۔ تقویٰ شعاری کی ہدایت۔
۲۔ اطاعت خداوندی اور توحید ربانی کی تلقین۔
۳۔ امور جاہلیت سے اجتناب۔
۴۔ نماز پنجگانہ، ادائے زکوٰۃ، صوم رمضان اور اطاعت اولی الامر کی تاکید۔
۵۔ شرک سے پرہیز۔
۶۔ شیطان کے حربوں سے خبردار۔
۷۔ اعتصام کتاب و سنت کا حکم۔
۸۔ غلو فی الدین سے بچنے کی وصیت۔

۳۔ قانونی و تشریعی:

۱۔ امور جاہلیت کالعدم متصور ہوں گے۔
۲۔ اشہر حرم چار متعین ہیں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم)۔
۳۔ ہر ایک کی جان، مال، عزت و آبرو معزز و محترم ہے۔
۴۔ عورتوں کے حقوق مردوں پر اور مردوں کے عورتوں پر واجب ہیں۔
۵۔ زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کیا جائے۔
۶۔ امانت، اس کے سپرد کی جائے جو اس کا اہل اور حقدار ہے۔
۷۔ اللہ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت ایک حد سے زیادہ جائز نہیں۔
۸۔ ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔
۹۔ ہاں! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

۴. معاشی:

۱۔معاشی ظلم کی ہر شکل ممنوع (سود، ربا اصل)۔

۲۔تحفظ مال کی ضمانتیں۔

۳۔ظلم وغضب مال سے اجتناب۔

۴۔ازدواجی رشتوں میں مال کا تحفظ۔

۵۔ادائے امانت کا حکم۔

۶۔قرض ادھار قابل ادائیگی ہے۔

۷۔ورثہ اور وارث کے حقوق۔

۸۔عاریۃ لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔

۹۔تحفہ کا بدلہ دینا چاہیے۔

۱۰۔ضامن کو تاوان ادا کرنے کی ہدایت۔

۱۱۔عورتوں اور غلاموں کے حقوق میں لباس وغذا کی اہمیت۔

۵. تبلیغی و تحریکی:

۱۔انبیائے ماسبق کی تعلیمات معدوم ہو چکیں۔

۲۔ختم الرسل کا لایا ہوا پیغام (اسلام) اب ہمیشہ کے لئے پوری انسانیت کے لئے، آخری حیات بخش پیغام ہے۔

۳۔اسلام قیامت تک قائم و نافذ ہونے کیلئے آیا ہے۔

۴۔مسلسل تبلیغ دعوت اور اشاعت پیغام کی ضرورت۔

۵۔دعوت ونصیحت کو حاضر غائب تک اور سننے والا مجلس میں حاضر نہ ہونے والوں تک پہنچادے کہ ممکن ہے جسے بات پہنچائی جارہی ہے، وہ سننے والے سے زیادہ عامل ومحافظ ثابت ہو۔

۶۔دعوت کا تسلسل ہر زمانے میں جاری رہے گا۔

خطبہ حجۃ الوداع اور عدل اجتماعی کے محرکات:

ساتویں صدی عیسوی میں ظلم وجبر کے وسیع تناظر کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں ظلم وجبر کی مختلف سطحیں تھیں، تاہم ظالمانہ اور جابرانہ نظام کا اثر سب سے زیادہ معاشی سطح پر تھا اور اس معاملے میں ایران وروم، چین وہندوستان، عرب وعجم کی تخصیص نہ تھی، کیونکہ ظلم وجبر، دراصل مسرفانہ زندگی کی ضرورت اور عیش پرستانہ طرز حیات اور اجارہ دارانہ وسرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیداوار ہوتا ہے اور اس زندگی کے نمائندے اور نمونے متمدن وغیر متمدن تمام معاشروں میں پائے جاتے تھے، بہر حال معاشی سطح پر جو ادارے اس وقت انسانیت کا لہو چوس رہے تھے، ان میں سرفہرست سود تھا جو نہ صرف یہ کہ معاشی ظلم کی ایک موثر صورت ہے بلکہ تحفظ مال کی نفی اور عدل اجتماعی کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے۔رسول اقدس ﷺ نے تحفظ مال وملکیت کے لئے جو مختلف احکام نافذ فرمائے اور جنہیں عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے محرم بنایا، ان کا خلاصہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ جلیلہ میں بھی ارشاد فرمایا۔اسی سلسلے میں فرمان رسالت یہ تھا:

"جان لو! کہ جاہلیت کا تمام سودی کاروبار، اب باطل ہے، البتہ اپنی اصل رقم لینے کا تمہیں حق ہے، کہ جس میں نہ اوروں پر ظلم ہو نہ تم پر۔اللہ نے یہ بات طے کردی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں۔"

اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"دیکھو میں نے حق پہنچا دیا ہے، پس اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔"

یہ بھی فرمایا:

''لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کا جداگانہ حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے اب وارث کے حق میں (ایک تہائی سے زائد میں) کوئی وصیت جائز نہیں۔''

پھر کہا:

''قرض قابل ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔''

یہ بھی ارشادِ رسالت مآب ﷺ تھا:

''لوگو! میری بات سن لو اور سمجھ لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور تمام مسلمان باہم رشتہ اخوت میں منسلک ہیں۔ پس کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کا مال لے مگر یہ کہ وہ برضا و رغبت دینا پسند کرے۔''

خطبہ حجۃ الوداع کی پوری دنیا کے مختلف دستوروں پر فوقیت

خطبہ حجۃ الوداع اور عالمی منشور حقوق انسانی (اقوام متحدہ، دسمبر ۱۹۴۸ء):

یہ منشور دراصل وہ اعلان ہے جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو زیر بحث آیا اور منظور ہوا یہ منشور کل (۳۰) دفعات پر مشتمل ہے اور جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے کی جانے والی کوششوں کی معراج ہے۔

اس منشور کا متن یہ ہے:

۱۔ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور منصب و مرتبے اور حقوق کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ وہ عقل و ضمیر سے بہرہ ور ہیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے برادرانہ جذبے کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

۲۔ ہر فرد، کسی بھی قسم کے لحاظ و امتیاز کے بغیر تمام حقوق و آزادیوں کا مستحق ہوگا جو اس منشور میں عطا کی گئی ہیں۔ مثلاً نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی یا سماجی حیثیت ملکیت، پیدائش یا دوسرے امتیازات۔ مزید برآں اس بنا پر بھی امتیاز نہیں برتا جائے گا کہ کوئی شخص جس ملک یا خطے و علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی قانونی یا بین الاقوامی حیثیت کیا ہے۔ وہ ملک آزاد و خود مختار ہے، زیر تولیت ہے، حکومت غیر خود اختیاری یا کسی محدود اختیار کے تحت ہے۔

۳۔ ہر ایک کو زندہ رہنے، آزادی سے زندگی بسر کرنے اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی بھی شخص کو غلام یا محکوم نہ بنایا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر قسم ممنوع متصور ہوگی۔

۵۔ کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم و ستم، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک و سزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

۶۔ ہر ایک فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ قانون کی رو سے ہر جگہ اس کی شخصی حیثیت و انفرادیت تسلیم کی جائے۔

۷۔ قانون کی نظر میں سب بلا کسی لحاظ و امتیاز کے یکساں قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔ نیز وہ ہر اس امتیاز کے خلاف بھی یکساں تحفظ کا حق رکھتے ہیں جو اس منشور کی خلاف ورزی پر مبنی ہو یا جہاں اس قسم کے امتیاز کی تحریص و ترغیب پائی جائے۔

۸۔ ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعے ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف با اختیار قومی ٹریبونل کے ذریعہ موثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

۹۔ کوئی شخص بلا جواز گرفتاری، نظر بندی، یا جلاوطنی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

۱۰۔ ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برات کے لئے آزاد و خود مختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ (i) ہر ایک فرد جس پر تعزیری جرم کا الزام ہے، اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بے قصور گردانا جائے تا آنکہ اسے کسی کھلی عدالت میں قانون کے مطابق مجرم ثابت کر دیا جائے۔ جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام جرروری ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

(ii) کسی فرد کو نہ کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنا پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار دیا جا سکے گا جو اپنے وقوعے کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ سمجھا جا سکے۔ نہ ہی کوئی جرمانہ یا تاوان اس سے زیادہ عائد کیا جا سکے گا، جو ارتکاب جرم کے وقت قابل اطلاق تھا۔

۱۲۔ کسی فرد کی خلوت، گھر بار، خاندانی معاملات اور خط و کتابت میں بلا جواز مداخلت نہیں کی جا سکے گی اور نہ اس کی عزت و شہرت کو مجروح کیا جائے گا۔ ہر ایک فرد اس قسم کی بے جا داخلت یا جراحت کی صورت میں قانونی تحفظ کا حقدار ہے۔

۱۳۔ (i) ہر فرد کو اس کی اپنی ریاست کے حدود میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

(ii) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی ملک کو بشمول اس کے اپنے ملک کو چھوڑ کر چلا جائے اور پھر اپنے ملک واپس پہنچ جائے۔

۱۴۔ (i) ہر فرد کو ظلم و تشدد سے بچنے کیلئے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہے۔

(ii) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کیلئے یہ حق البتہ کارآمد نہ ہوگا۔

۱۵۔ (i) ہر فرد کو حق شہریت حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق اس سے سلب کیا جائے گا۔

۱۶۔ (i) ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت و مذہب شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہے اور دونوں رشتہ ازدواج قائم کرنے میں، ازدواجی زندگی بسر کرنے میں اور ازدواجی حیثیت ختم کرنے میں برابر برابر حق رکھتے ہیں۔

(ii) رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کیلئے زن و شوہر کی مکمل آزادانہ مرضی و منظوری ضروری ہوگی۔

(iii) خاندان معاشرہ کا بنیادی اور فطری رکن ہے۔ جسے ریاست اور معاشرہ دونوں کی طرف سے مکمل تحفظ و سلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔

۱۷۔ (i) ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(ii) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

۱۸۔ ہر فرد کو فکر و خیال، ضمیر، عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہے اور اس حق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے عقیدہ یا مذہب کو تنہا، یا دوسروں کی معیت میں خلوت میں یا جلوت میں تبدیل کر سکے اور اپنے عقیدے و مذہب کا اظہار، اس کی تعلیم، اس کے مطابق عمل، عبادات اور تبلیغ و اشاعت کر سکے۔

۱۹۔ ہر فرد کو آزادی خیال و اظہار حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر، کسی بھی ذریعے سے اور سرحدوں کا لحاظ کیے بغیر، کوئی بھی رائے یا خیالات رکھنے، معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

۲۰۔ (i) ہر فرد کو پرامن اجتماع اور تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو کسی خاص تنظیم سے تعلق رکھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۱۔ (i) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کرے۔

(ii) ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا حق مساوی طور پر حاصل ہے۔

(iii) حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و رضامندی ہوگی۔ اس کا اظہار معین وقت پر، صحیح جائز، انتخابات کے ذریعے، آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی یا اس کے مماثل طریقہ کار کے مطابق ہوگا۔

۲۲۔ ہر فرد کو رکن معاشرہ ہونے کی حیثیت سے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے اور قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے اپنے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا بھی حقدار ہے۔

۲۳۔ (i) ہر فرد کو کام کرنے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائط کار حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہر فرد، بلاامتیاز، یکساں کام کی یکساں اجرت پانے کا حقدار ہے۔

(iii) ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کرسکے اور ضرورت پڑنے پر اس کے سماجی تحفظ کے لئے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کیے جائیں۔

(iv) ہر فرد کو اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شرکت کرنے کا حق حاصل ہے۔

۲۴۔ ہر فرد کو راحت و آرام، تفریح اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق حاصل ہوگا۔

۲۵۔ (i) ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت و خوشحالی کے لئے ایک معقول معیار زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد، ضروری سماجی خدمات شامل ہیں۔ نیز یہ استحقاق بھی اسے حاصل ہے کہ بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور ایسے حالات میں جو اس کے قابو سے باہر ہوں، اسے تحفظ فراہم کیا جائے۔

(ii) امومیت یا مادریت اور شیر خوارگی، خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز، یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

۲۶۔ (i) ہر فرد کو حصول تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم از کم اساسی اور ابتدائی مراحل میں مفت ہوگی۔ بنیادی تعلیم لازمی متصور ہوگی۔ البتہ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا حصول عام رکھا جائے گا اور اہلیت و قابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کے مواقع سب کو حاصل ہوں گے۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔ تعلیم سے تمام اقوام اور نسلی، مذہبی گروہوں کے درمیان افہام و تفہیم، تحمل، رواداری اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد ملے گی اور اقوام متحدہ کی ان کوششوں کو بھی جو قیام امن کے لئے کی جارہی ہیں۔

(iii) والدین کو بدرجہ اولیٰ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس نوعیت تعلیم کا خود انتخاب کریں جو اپنے بچوں کو دلانا چاہتے ہیں۔

۲۷۔ (i) ہر فرد کو معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، علوم و فنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ii) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی مفادات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۲۸۔ ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے

بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

۲۹۔ (i) ہر فرد پر اس معاشرہ کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشو ونما ممکن ہے۔

(ii) اپنے حقوق اور آزادیوں کے استقلال کے لئے ہر شخص صرف ان پابندیوں سے محدود رہے گا جو قانوناً عائد ہوتی ہیں۔ جن کا مقصد کلی دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا اور ایک جمہوری معاشرہ میں اخلاق عام، نظم وضبط اور مجموعی فلاح کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

(iii) ان حقوق اور آزادیوں کو کسی حال میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

۳۰۔ اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جاسکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروہ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلاتا ہے جس کے ذریعے وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کردے جو منشور میں عطا کی گئی ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع اور میگنا کارٹا (منشور اعظم، انگلستان):

میگنا کارٹا، برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم ترین اور تاریخی دستاویز ہے۔ عہد جدید میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث میں نقطہ آغاز بالعموم اسی دستاویز کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس منشور کو تیرہویں صدی عیسوی میں انگلستان کے بادشاہ (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء) نے جون ۱۲۱۵ء میں جاری کیا تھا۔

میگنا کارٹا میں کل (۶۳) دفعات ہیں۔ زیادہ تر دفعات اپنے زمانہ کی ضروریات اور حالات کی مطابقت میں لکھی گئی ہیں جن کے حوالے جابجا موجود ہیں۔ البتہ بعض دفعات جو اصولی باتوں پر مشتمل ہیں اور جن میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک موجود ہے۔ ان کا مفہوم اور خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے:

اس دستور کا متن اور دفعات درج ذیل ہیں:

سرنامہ: ہرگاہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، اپنی، اپنے آباؤ اجداد اور وارثوں کی روح کی بالیدگی کے لئے، احترام خداوندی کے اظہار اور مقدس کلیسا کی عظمت و جلال کے لئے اور اپنی مملکت کے بہتر انتظام و انصرام کے لئے، اپنے مقدس مذہبی پیشواؤں اور اپنی اطاعت شعار رعایا کی ہدایت اور مشورے پر ہم نے اپنی طرف سے اور اپنے وارثوں کی طرف سے وہ تمام آزادیاں عطا کردی ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) انگریزی کلیسا آزاد رہے گا۔ اس کے حقوق کم نہیں کیے جائیں گے اور اس کی آزادیاں متاثر نہیں ہوں گی۔ (ملاحظہ ہو۔ دفعہ نمبر ۱)

(۲) عام نوعیت کے مقدمات کی سماعت عدالت شاہی میں نہیں ہوگی بلکہ کسی اور مقررہ جگہ پر کی جائے گی۔ (دفعہ ۱۷)

(۳) ضلعی عدالت کے انعقاد کے دن اگر مقدمات کی سماعت ممکن نہ ہو تو افسر مجاز (Knight) (نائٹ) آزاد شہریوں کی اتنی ہی تعداد کے سامنے (جو عدالت میں موجود یا باقی رہ گئی ہو) سماعت کریں گے، اور عدالت کی کارروائی کے لئے یہ کافی سمجھا جائیگا۔ (دفعہ ۱۹)

(۴) آئندہ کوئی سرکاری افسر کسی شخص پر، خود اپنے ایسے بیان کی رو سے، کوئی مقدمہ دائر نہ کرسکے گا، جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور جس کی صداقت پر کوئی معتبر شہادت بھی پیش نہ کی جاسکے۔ (دفعہ ۳۸)

(۵) کوئی آزاد شہری نہ گرفتار کیا جائے گا، نہ قید، نہ اس کے حقوق سلب کیے جائیں گے، نہ اسے اپنی ملکیت سے محروم کیا جائے گا، نہ اسے ملک بدر کیا جائے گا، نہ اسے اس کی حیثیت سے محروم کیا جائے گا، نہ ہماری طرف سے اس کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی، نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیا جائے گا۔ الا یہ کہ کوئی قانونی فیصلہ یا اس کے ہم رتبہ افراد کا فیصلہ یا ملکی قانون کا تقاضا ہو۔ (دفعہ ۳۹)

(۶) ہم نہ تو کسی کو حق یا انصاف فروخت کریں گے نہ اس سے محروم کریں گے اور نہ ہی اس میں تاخیر کی جائے گی۔ (دفعہ ۴۰)

(۷) مستقبل میں ہر شخص قانوناً مجاز ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ اپنی وفاداری قائم رکھتے ہوئے بلاضرر، بلاضرار خشکی یا پانی کے راستے، ہماری سلطنت چھوڑ کر چلا جائے یا واپس آجائے۔ الا یہ کہ وہ جنگ کا زمانہ ہو۔ (دفعہ نمبر ۴۲)

(۸) یہ تمام مراعات اور آزادیاں جو ہم نے عطا کی ہیں، ہماری قلمرو میں، اس حد تک جس حد تک ہمارے اپنے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ ہیں، جاری وساری رہیں گی۔ ہماری سلطنت کے تمام افراد خواہ خواص ہوں یا عوام، وہ بھی ان مراعات اور آزادیوں کا، حسب مراتب پاس ولحاظ کریں۔ (دفعہ نمبر ۶۰)

خطبہ حجۃ الوداع اور اعلان حقوق انسانی و باشندگان (فرانس ۱۷۸۹ء):

یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کارفرما تھے۔
دستوری حکومت اور قانون کی حکمرانی کے لئے قواعد وضوابط کا ایک مکمل مجموعہ۔
اس اعلان کی توثیق حکومت فرانس کے دستاویز مجریہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۸ء کے دیباچوں میں موجود ہے۔
اس اعلان کا متن درج ذیل ہے:

(۱) انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور انہیں آزاد ہی رہنا چاہیے۔ حقوق کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ البتہ معاشرتی امتیازات کا مدار صرف افادۂ عامہ پر ہوگا۔

(۲) تمام شہری انجمنوں کا مقصد انسانوں کے فطری اور لازوال حقوق کا تحفظ ہے۔ یعنی حقوق آزادی، حقوق ملکیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق۔

(۳) قوم لازماً تمام تر اقتدار کا سرچشمہ ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص یا مجموعہ اشخاص کسی اقتدار و اختیار کا حامل نہیں ہوسکتا۔ الا یہ کہ اس کا اختیار واضح طور پر مقتدر اعلیٰ سے ہی ماخوذ و مستفاد ہو۔

(۴) آزادی کی وسعت وانحصار اس حد تک ہے جہاں تک کہ وہ دوسرے کی آزادی کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق ہر شخص اپنے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے میں آزاد ہے اور ان حدود کا تعین صرف قانون سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) قانون کی نظر میں صرف وہی باتیں معیوب وممنوع ہونی چاہئیں جو معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہیں۔ جس کی ممانعت قانون میں نہ ہو، اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ نہ ہی کسی شخص کو ایسی بات پر مجبور کیا جانا چاہیے جس کا مطالبہ قانون کی جانب سے نہ ہو۔

(۶) قانون لوگوں کی مشترکہ ومتفقہ مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ تمام شہریوں کو اس میں شرکت کا حق ہے۔ کوئی فرد اس کی تشکیل میں خواہ ذاتی طور پر شریک ہو یا نمائندگی کے ذریعہ۔ قانون سب کے لئے یکساں ہونا چاہیے۔ خواہ وہ تحفظ کے لئے ہو یا سزا کے لیے۔ اور سب اس کی نظر میں برابر ہیں اور جملہ اعزازات، مقامات اور مناصب کے لئے سب اپنی مختلف صلاحیتوں کے مطابق

یکساں طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اپنی خوبیوں اور طباعی و ذہانت کے علاوہ [illegible]

(۷) سوائے ان صورتوں کے جو قانون متعین کرے اور ان طریقوں کے جن کا قانون نے [illegible] جائے گا نہ اس کو قید کیا جائے گا اور نہ جیل میں بند کیا جائے گا۔ تمام وہ لوگ جو [illegible] کا نفاذ کریں یا نفاذ کرائیں ان کو سزا ملنی چاہیے اور ہر شہری، جس کو قانون کی رو سے عدالت میں طلب کیا جائے یا [illegible] لیا جائے فوری طور پر اس کی تعمیل کرنی چاہیے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو سزا کا مستوجب ہوگا۔

(۸) قانوناً جرمانہ یا تاوان صرف اسی طرح کا اور اسی قدر عائد کیا جانا چاہیے جو مطلقاً اور [illegible] بھی سزا نہیں دینی چاہیے الا اس قانون کی رو سے جو جرم سرزد ہونے سے پہلے نافذ ہوا اور جس کا قانوناً اطلاق ہو سکتا ہو۔

(۹) چونکہ ہر شخص معصوم ہے جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہو جائے۔ اس لیے جب بھی اس کی گرفتاری ناگزیر ہو جائے تو قانوناً [illegible] ایسی مدد بہم پہنچائی جائے جو اس کی شخصیت کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کے معاملہ میں اس کے خیالات اور آراء کی بنا پر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اس کے مذہبی خیالات و عقائد کی بنا پر، جب تک کہ ان خیالات وعقائد کا اقرار واعلان سرکاری نظم وضبط کے انتشار کا باعث نہ بنے۔

(۱۱) خیالات وافکار کی بلا روک ترسیل واشاعت چونکہ انسان کا ایک انتہائی قیمتی بنیادی حق ہے، اس لیے ہر شہری اپنی [illegible] اس کی طباعت واشاعت میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ بے لگام آزادی کی خرابیوں کا ذمہ دار ہو۔ ان معاملات میں جن کا تعین قانون نے کر دیا ہے۔

(۱۲) انسانوں اور شہریوں کے حقوق کو تحفظ دینے کیلئے چونکہ ایک سرکاری قوت ضروری ہے اس لیے اس قوت کا قیام معاشرہ [illegible] کی بہتری کے لئے ہونا چاہیے نہ کہ اس مخصوص شخص کے فائدے کے لئے جس کو یہ تفویض کی گئی ہے۔

(۱۳) سرکاری قوت کو مدد بہم پہنچانے اور حکومت کے دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک مشترکہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم معاشرہ کے جملہ ارکان سے ان کی حیثیت کے مطابق مساوی طور پر وصول کی جانی چاہیے۔

(۱۴) سرکاری عطیہ کی ضرورت وحاجت، اس کے جواز، مقدار، طریقہ تشخیص اور مدت کے تعین کے سلسلہ میں ہر شہری بجائے خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۵) سماج کو اپنے تمام ارکان کے رویہ اور کردار کے احتساب کا حق حاصل ہے۔

(۱۶) ایک ایسے معاشرہ کے لئے دستور کی ضرورت ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ تقسیم اختیارات [illegible]

(۱۷) حق ملکیت و جائیداد ناقابل نفساخ اور محفوظ ہے۔ لہٰذا کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ [illegible] ضرورت ناگزیر ہو یا قانوناً اس کا تقاضا موجود ہو یا کسی سابقہ جائز تاوان کی ادائیگی ثابت ہو۔

خطبہ حجۃ الوداع اور نوشتہ حقوق امریکہ ۱۷۹۱ء:

اعلان استقلال امریکہ ۱۷۷۶ء میں ہوا۔

وثیقہ الحقوق (Bill of Rights) کا اجراء دسمبر ۱۷۹۱ء میں عمل میں آیا۔

برطانوی وثیقہ الحقوق کے طرز پر امریکہ کی ورجینیا سمیت تمام ریاستیں اپنے اپنے وثیقہ جات رکھتی ہیں۔ تاہم فرانس کے اعلان حقوق انسانی کی طرح امریکی دستور، دس ترامیم کے ساتھ (جن پر وثیقہ الحقوق مشتمل ہے) دستوریت اور قانونیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس دستور کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) کانگریس مذہب کے قیام سے متعلق یا اس کے آزادی کے ساتھ نافذ کیے جانے کی ممانعت کرتے ہوئے یا آزادی تقریر یا پریس کی آزادی کے حق سے کسی کو محروم کرنے یا لوگوں کو امن کے ساتھ کہیں مجتمع ہونے کے حق اور شکایات کی دادرسی کے لیے سرکار سے مرافعہ کرنے کے سلسلہ میں کوئی قانون وضع نہیں کرے گا۔

(۲) کسی آزاد ریاست کے تحفظ کے لئے ایک باقاعدہ رضا کار فوج (ملیشیا) کی ضرورت ہونے کی وجہ سے قوم کے اس حق کی تنسیخ نہیں کی جائے گی کہ وہ ہتھیار رکھے اور اپنے ساتھ لے کر چلے۔

(۳) امن یا جنگ کے زمانہ میں کسی سپاہی کو، مالک کی مرضی کے بغیر کسی مکان میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ قیام کسی مقررہ طریقہ اور ضابطہ کے مطابق ہو۔

(۴) لوگوں کو اپنی ذات، مکانات، کاغذات اور ساز وسامان کی کسی معقول وجہ کے بغیر تلاشی یا اس پر قبضہ کے خلاف مدافعت کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ اور کسی امکانی سبب کے بغیر کوئی وارنٹ جاری نہیں کیا جائے گا۔ اس سبب کی تائید قسم یا تصدیق سے ہونی چاہیے اور اس وارنٹ میں خصوصیت سے اس جگہ کا ذکر ہونا چاہیے جس کی تلاشی لی جائے گی یا ان اشخاص یا اشیاء کا جن کو قبضہ میں لیا جانا ہے۔

(۵) کوئی شخص کسی سنگین یا پھر قابل نفرت جرم کے لئے اس وقت تک جواب دہ نہیں ہوگا، جب تک کہ ایک جیوری کلاں کا تحریری استغاثہ یا حلفیہ بیان نہ ہو۔ سوائے ان مقدمات کے جو بری یا بحری فوجوں یا رضا کار فوج میں زمانہ جنگ یا پبلک کے خطرہ کے وقت دوران ملازمت پیش آیا ہو۔ نہ ہی کسی فوجداری مقدمہ میں کسی کو اپنے ہی خلاف گواہ بننے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ ہی مناسب کارروائی کے بغیر زندگی، آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے گا۔ نہ ہی نجی املاک کو عوامی استعمال کیلئے بغیر معقول معاوضہ دیئے لیا جائے گا۔

(۶) تمام فوجداری مقدمات میں مجرم کو یہ حق حاصل رہے گا کہ اس کے مقدمہ کو تحقیقات اور سماعت جلدی اور کھلی عدالت میں ہو۔ جو اس ریاست کے اور ضلع کی غیر جانبدار جیوری کرے۔ جہاں جرم کا ارتکاب ہوگا اور جرم کی نوعیت اور اس کے سبب سے متعلقہ شخص کو آگاہ کیا جائے گا اور اس کو ان گواہوں کے، جو اس کے مخالف ہیں، بالمقابل کر دیا جائے گا۔ اس کی حمایت میں گواہان لازمی طور پر فراہم کیے جائیں اور اس کے دفاع کے لئے مشیران قانون کی امداد حاصل ہونی چاہیے۔

(۷) عام قانونی مقدمات میں جہاں تنازعہ کی رقم کا تشخص بیس ڈالر سے تجاوز کر جائے، وہاں جیوری مقدمہ کی سماعت کا حق محفوظ کر لے گی اور جس واقعہ کی تحقیق جیوری کر چکی ہوگی اس کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کوئی عدالت بھی سوائے عام قانونی ضابطوں کسی اور طریقہ سے دوبارہ تحقیق نہیں کرے گی۔

(۸) زیادہ ضمانت طلب نہیں کی جائے گی، نہ زیادہ جرمانے کیے جائیں گے، نہ ہی ظالمانہ اور غیر معمولی سزائیں دی جائیں گی۔

(۹) آئین میں بعض حقوق کے تعین کو، دوسرے قوانین کی تردید یا تحقیر کی غرض سے بطور تعبیر کام میں نہیں لایا جائے گا، جو قوم نے قائم کیے ہیں۔

(۱۰) جو اختیارات آئین نے ریاست ہائے متحدہ کو تفویض نہیں کیے ہیں یا اس نے ریاستوں کو، ان سے روکا نہیں ہے وہ بالترتیب ریاستوں یا عوام کے لئے محفوظ ہیں۔

(۱۱) غالباً حذف کردی گئی۔

(۱۲) ایضاً

(۱۳) (الف): غلامی یا زبردستی کی خدمت سوائے بطور سزا ایسے جرم کے لئے جس میں فریق جائز طریقہ پر مجرم قرار دیا جاچکا ہوگا، ریاست ہائے متحدہ میں یا کسی ایسی جگہ پر جوان کی عملداری میں ہوگی، باقی نہیں رہے گی۔
(ب): کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(۱۴) (الف) وہ تمام اشخاص جو ریاست ہائے متحدہ میں پیدا ہوئے ہیں یا جنہوں نے وہاں کی شہریت حاصل کر لی ہے اور اس کی عملداری میں ہیں، ریاست ہائے متحدہ کے اور اس ریاست کے (باقاعدہ) شہری متصور ہوں گے، جہاں وہ مقیم ہیں۔
(ب): کوئی ریاست نہ ایسا قانون وضع کرے گی، نہ نافذ کرے گی جو ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ان کے حقوق۔ ان کی آزادیوں سے محروم کردیں گے۔ نہ ہی کوئی ریاست کسی شخص کو اس کی زندگی آزادی یا املاک سے بغیر مناسب قانونی کارروائی کے، محروم کرے گی نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی عملداری میں ہوگا قانون کے مساوی تحفظ دینے سے انکار کرے گی۔

(۱۵) (الف) ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ووٹ دینے کے حق سے نہیں روکا جائے گا یا ریاست ہائے متحدہ یا کوئی ریاست، نسل، رنگ یا غلامی کی سابقہ شرط سے محروم نہیں کرے گی۔
(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔
(بعد کی تمام ترامیم حذف کردی گئیں)

خطبہ حجۃ الوداع

خطبہ حجۃ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا ایسا عالمی منشور ہے، جو پیغمبر انسانیت محسن عالم ﷺ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ سیدھا، صاف، سچا فرمان۔ اس منشور اعظم کا اجراء نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا، نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار، یہ نہ کسی طبقہ یا گروہ کی طرف سے دباؤ یا دھونس، دھاندلی سے متاثر ہو کر جاری کیا گیا۔ نہ کسی حال واحوال کا تابع تھا، نہ کسی معاہدے کی تکمیل۔ یہ دراصل وہ خطبہ انقلاب تھا جو ہر قسم کی انسانی، حکومتی، سیاسی، معاشرتی، معاشی یا معاہداتی منظوری سے بے نیاز وقت کی آواز بن کر گونجا اور تمام انسانوں کے حقوق کے محافظ ونگراں کی حیثیت سے ابھرا اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے قیامت تک کیلئے شرف آدمیت واحترام انسانیت کے چراغ روشن کر گیا۔
ہمارا یہ بیان محض لفاظی یا عبارت آرائی قرار نہیں دیا جا سکتا، اگر ہمارے سامنے عہد جدید میں بہت شہرت پانیوالے اعلانات، معاہدات، دستاویزات اور نوشتہ ہائے حقوق کی حقیقت و ماہیت آشکار ہو جائے۔ مثلاً آج کل انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث کا نقطہ آغاز بالعموم ''میگنا کارٹا'' کو قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ ایک نا قابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اس منشور کا اجراء شہنشاہ انگلستان (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء) نے تیرہوں صدی عیسوی (جون ۱۲۱۵ء) میں کیا تھا اور وہ بھی کس طرح؟ صریحاً سیاسی مصلحت کے تحت امراء کی بغاوت کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے اور حالات کے وقتی حل کے لئے ''میگنا کارٹا'' جاری کیا گیا (۸۳/ضمیمہ،۳) مطلب بالکل صاف ہے کہ اس مین کسی لحاظ سے ابدی، آفاقی، انسانی، عالمی پہلوؤں کی کارفرمائی موجود نہ تھی اور چونکہ اس منشور کا اجراء برطانوی تاریخ کے

ایک مخصوص زمانے، مخصوص حالات میں، مخصوص مقاصد کے پیش نظر، محدود عرصے کے لئے ہوا تھا اس لئے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی افادیت بہت حد تک محدود، عارضی، وقتی اور مقامی تھی۔

علاوہ ازیں جس زمانے (جون ۱۲۱۵ء/۱۳ ویں صدی عیسوی) میں میگنا کارٹا کو جاری کیا گیا اس وقت تک مسلمانوں کی تاریخ سینکڑوں نشیب و فراز دیکھ چکی تھی اور اسلام کے عطا کردہ حقوق اور آزادیوں کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہو چکا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں مندرجہ ذیل مسلمان حکمران انسانی آزادیوں اور حقوق کی پاسداری کر رہے تھے:

- خلافت عباسیہ بغداد۔ خلیفہ ابوالعباس احمد بن مستضی (ناصرلدین اللہ) (۵۷۵ تا ۶۲۲ھ/۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)
- ایوبیہ مصر۔ ملک عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب (۵۹۶ تا ۶۱۵ھ/۱۲۰۰ تا ۱۲۱۸ء)

۳۔ موحدین اندلس۔ ابوعبداللہ محمد الملقب بہ ناصر (۵۹۵ تا ۶۱۰ھ/ ۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۴ء) سلطان ابو یعقوب الملقب بہ مستنصر (۶۱۰ تا ۶۲۰ھ/۱۲۱۴ تا ۱۲۲۳ء)

۴۔ خاندان غلاماں (ہندوستان) سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ تا ۶۲۳ھ/۱۲۱۰ تا ۱۲۳۶ء)

ان حقائق کے پیش نظر بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میگنا کارٹا کی اولیت عالمی تاریخی پس منظر اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے حوالے سے میزان عدل پر کیا وقعت رکھتی ہے؟

میگنا کارٹا کے اجراء پر پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد فرانس کے اعلان حقوق انسانی و باشندگان (۱۷۸۹ء) نے بھی شہرت پائی۔ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کارفرما تھے (۸۵/ضمیمہ ۴) کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اعلان تھا جس نے آزادی کی شمع روشن کی۔ عہد جدید کی ایک اور اہم دستاویز امریکی نوشتہ حقوق (Bill of Rights) مجریہ ۱۷۹۱ء ہے۔ جو فرانس کے اعلان حقوق انسانی کی طرح دستوریت اور قانونیت کی اعلیٰ مثال خیال کی جاتی ہے۔ (۸۸/ضمیمہ ۵)

اس تفصیل سے یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق اگر کوئی دستاویز ہو سکتی ہے تو یہی خطبہ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے اور اگر کوئی اعلان، منشور، دستور، نوشتہ بہ درجہ، آفاقیت، انسانی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت بن سکتا ہے تو وہ بجز خطبہ انقلاب، خطبہ رسالت مآب ﷺ کوئی نہیں اور عرصہ تاریخ میں اولیت کا تاج صرف خطبہ حجۃ الوداع کو ہی پہنایا جا سکتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں دیئے گئے حقوق، ضمانتیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت و سلطنت کی منظوری تائید و تجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے ہادی اعظم سرور عالم ﷺ جس منشور انسانیت کا اجراء فرما رہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہو گیا اور قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے واجب الاذعان قرار پایا۔

یہ خطبہ (حجۃ الوداع) اللہ کے آخر رسول کا انسانیت کے نام آخری پیغام اور آخری وصایا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ عظیم میں ان عظیم الشان اصولوں کا اعلان فرمایا گیا جو عالم انسانیت کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے۔

یہ خطبہ زبان رسالت مآب ﷺ کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ ہے۔ جس میں بہ طرز ایجاز و اطناب اور بہ کمال جامعیت، دین و مذہب اسلامی کا خلاصہ، تمدن و معاشرت کے اصولوں، نظام حیات کی اساسیات، اجتماعی زندگی کی بنیادوں اور اصول و

معنوی اقتدار کا روشن بیان موجود ہے۔

خطبہ کی ابتداء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے خطبہ کی ابتداء فرمائی:

((الحمد للّٰه نحمده و نستعينه ونستغفره و نتوب اليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيآت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده و رسوله اما بعد))

''سب تعریف اللہ کے لئے، ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد و مغفرت طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے دامن عفو میں اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی سہیم وشریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ امابعد!''

بنیادی باتیں:

لوگو!

میری بات اچھی طرح سن لو، سمجھ لو، کیا خبر، شاید اس سال کے بعد اس جگہ میری تمہاری ملاقات کبھی نہ ہو سکے۔

اے اللہ کے بندو!

آج کے بعد واللہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں تم سے اس مقام پر پھر کبھی نہ مل سکوں گا۔

لوگو!

خاموش ہو جاؤ، تم لوگ اس سال کے بعد شاید مجھے نہ دیکھ سکو۔

لوگو!

سنو! میں تمہیں وضاحت کے ساتھ (سب کچھ) بتا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ شاید اس سال کے بعد پھر کبھی تم سے نہ مل سکوں۔

لوگو!

حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

اللہ اسے تر و تازہ و شاداب رکھے جس نے میری باتیں سنیں اور انہیں دوسروں تک پہنچایا، بعض اوقات سننے والا سمجھ دار نہیں ہوتا اور کبھی کبھی جس کو پہنچایا جائے، وہ اس سے زیادہ سمجھدار نکلتا ہے۔

لوگو! تم لوگ شاید مجھ سے آئندہ اس حال میں نہ مل سکو جس حال میں تم اب مل رہے ہو۔

اساسیات:

دفعہ نمبر ۱ : لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔
دیکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، مگر ہاں تقویٰ کے سبب۔

دفعہ نمبر ۲ : اے اللہ کے بندو! میں تمہیں تقویٰ شعاری (اللہ سے ڈرنے) کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور اپنے خطبے کا آغاز نیک بات سے کرتا ہوں۔

دفعہ نمبر ۳ : جان لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے (روندی گئی) ہے (اب تمام آثار جاہلیت کالعدم اور ساقط ہو گئے ہیں)

خبردار! اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے (ان دونوں) قدموں کے نیچے ہے۔
سن لو! جاہلیت کا ہر خون (انتقام) مال (مغصوبہ) اور آثار جاہلیت (خاندانی، موروثی مفاخر) میرے قدموں تلے تا قیامت کالعدم ٹھہرائے جاتے ہیں۔
اور جاہلیت کے تمام باعث فخر وغرور عہدے ختم کیے جاتے ہیں، صرف سدانہ (کعبہ کی نگرانی ونگہبانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے، قتل عمد کا قصاص (بدلہ) لیا جائے گا، قتل عمد کے مشابہ وہ (قتل) ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے اور اس کی (دیت) سو اونٹ مقرر ہے، اس سے زیادہ جو طلب کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہوگا۔
اور ہر قسم کا سود آج سے ممنوع قرار پاتا ہے، البتہ تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا نقصان، اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
اور زمانہ جاہلیت کے تمام سود (سودی کاروبار) اب باطل ہیں اور جہاں تک کہ عباس بن عبدالمطلب کے سود کا تعلق ہے تو وہ تمام کا تمام ساقط ہے۔
اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون (کے بدلے، انتقام) اب کالعدم ہیں۔
اور میں اپنے خاندان میں سے پہلا انتقام جسے میں معاف کرتا ہوں ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب کے بچے کا ہے جس کی رضاعت بنی لیث میں ہو رہی تھی کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا، پس میں پہل کرتے ہوئے انتقام ہائے جاہلیت میں سے خون کا بدلہ معاف کر رہا ہوں)
لوگو!
بے شک نسئی (مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا) ازدیاد کفر کا ہی باعث ہے، اس سے کافر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک سال تو (اپنی نفسانی غرض سے) اسے حلال ٹھہراتے ہیں پھر دوسرے سال (جب کوئی ذاتی غرض نہ ہو) اس کو حرام کر دیتے ہیں، تا کہ اللہ نے جو گنتی (حرام مہینوں کی) مقرر کر رکھی ہے اسے پورا کر لیں، اس طرح وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال اور اس کے حلال کیے ہوئے کو حرام کر لیتے ہیں۔
دیکھو!
اور اب زمانہ گھوم پھر کر اسی جگہ آ گیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا، مہینوں کی گنتی (تعداد) اللہ کے نزدیک سال میں بارہ ہے، ان میں سے چار محترم ہیں کہ تین (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) تو متواتر ہیں اور ایک الگ آتا

ہے یعنی رجب جو شہر مضر کہلاتا ہے اور جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ ہے اور مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، تیس کا بھی۔
کہو! میں نے اپنی بات تم تک پہنچادی ہے نا؟ تو مجمع نے کہا: بے شک۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا!
سن لو! حج قیامت تک اب ذی الحجہ کے مہینے کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

دفعہ نمبر ٤ : لوگو! (تمہیں معلوم ہے کہ تم پر کون سا مہینہ سایہ فگن ہے؟ تم کس دن میں یہاں جمع ہوئے ہو؟ کس شہر میں موجود ہو؟ سب نے کہا۔ محترم دن، محترم شہر اور محترم مہینے میں!
تب آپ ﷺ نے فرمایا:
بے شک تمہارا خون (ایک دوسرے پر حرام ہے)

دفعہ نمبر ٥ : اور تمہارا مال (وملکیت)

دفعہ نمبر ٦ : تمہاری عزت وآبرو

دفعہ نمبر ٧ : تمہاری کھال (جلد، جسم، بدن) بھی (ایک دوسرے کے لئے) معزز ومحترم ہے۔ جس طرح حرمت تمہارے اس دن کو تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر کو حاصل ہے، یہاں تک کہ تم اللہ سے جاملو۔

دفعہ نمبر ٨: میری بات سنو! زندگی پا جاؤ گے۔
خبردار! (ایک دوسرے پر) ظلم نہ کرنا۔
دیکھو! ظلم (وزیادتی) نہ کرنا۔
خوب سمجھ لو! ایک دوسرے پر باہم ظلم وستم نہ کرنا۔

اجتماعیات:

دفعہ نمبر ٩ : اللہ کے بندو! میری بات سنو اور سمجھو!
بلا شبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی۔

دفعہ نمبر ١٠ : خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ومحترم ہے۔

دفعہ نمبر ١١ : اور ہر مومن دوسرے مومن پر حرام ومحترم ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت، اس کا گوشت اس پر حرام ہے کہ اسے کھائے، اس کی عدم موجودگی میں غیبت کرکے اور اس کی عزت وآبرو اس پر حرام ہے کہ (اس کی چادر عزت) پھاڑ دے۔
اس کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ اس پر طمانچے لگائے جائیں اور تکلیف دہی بھی حرام کہ اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اور یہ بھی حرام کہ تکلیف رسانی کے لئے اسے دھکا دیا جائے اور کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان بھائی کا خون حلال سمجھے۔ مال مسلم بھی حلال وجائز نہیں سوائے اس کے کہ جو وہ اپنی خوشی سے دے۔ اور میں تمہیں بتاؤں کہ مسلمان درحقیقت ہے کون؟

دفعہ نمبر ١٢ : مسلمان وہی ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگوں کو محفوظ رکھے۔

دفعہ نمبر ١٣: اور مومن درحقیقت وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کا جان ومال امن وعافیت میں رہے۔

دفعہ نمبر ١٤: اور مہاجر درحقیقت وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے کنارہ کشی کرلے۔

دفعہ نمبر ۱۵: اور مجاہد تو دراصل وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی خاطر اپنے نفس کا مقابلہ کرے۔

دفعہ نمبر ۱۶: خبردار! اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس لوٹ دے۔

دفعہ نمبر ۱۷: قرض واپس ادائیگی کا متقاضی ہے۔

دفعہ نمبر ۱۸: ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کیا جانا چاہیے۔

دفعہ نمبر ۱۹: عطیہ لوٹایا جائے۔

دفعہ نمبر ۲۰: ضامن ضمانت (تاوان) کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ نمبر ۲۱: دیکھو اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ نمبر ۲۲: جان لو اب نہ باپ کے جرم کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا

دفعہ نمبر ۲۳: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات (احکام) کے تحت ان کے ستر تمہارے کے لئے حلال ہوئے۔

دفعہ نمبر ۲۴: خبردار! تمہارے لیے عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت ہے کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں، اور اس کے سوا تم کسی معاملے میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔

دفعہ نمبر ۲۵: لوگو! جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں (سنو! تمہاری عورتوں پر جس طرح کچھ حقوق تمہارے واجب ہیں اسی طرح تمہاری عورتوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے)۔

جہاں تک تمہارے ان حقوق کا تعلق ہے جو تمہاری عورتوں پر واجب ہیں تو وہ یہ ہیں:

وہ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں۔

وہ تمہارا بستر کسی ایسے شخص سے پامال نہ کرائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔

وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرو مگر یہ کہ تمہاری اجازت سے۔

اگر وہ عورتیں (ان باتوں) کی خلاف ورزی کریں تو تمہارے لیے اجازت ہے کہ:

تم انہیں بستروں پر اکیلا، تنہا چھوڑ دو۔

(ان پر سختی کرو) مگر شدید تکلیف والی چوٹ نہ مارو۔

دیکھو! کچھ حقوق ان کے بھی تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں مثلاً

یہ کہ کھانے پینے، پہنے اوڑھنے (خوراک ولباس) کے بارے میں ان سے اچھا سلوک کرو۔

(اگر وہ تمہاری نافرمانی سے باز آجائیں اور کہا مانیں تو ان کا کھانا کپڑا تمہارے ذمے ہے)

(اور عورتوں پر یہ بھی واجب ہے کہ)

عورتیں معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔

اور اگر وہ فرمانبرداری کریں تو ان پر (کسی قسم کی) زیادتی کا تمھیں کوئی حق نہیں۔

کوئی عورت اپنے گھر میں اخراجات نہ کرے، مگر ہاں اپنے شوہر کی اجازت سے۔
جان لو! لڑکا (اولاد) اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ (بچہ شوہر کی اولاد متصور ہوگا)
اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا سنگساری ہے۔ اور ان کا حساب اللہ کے ذمے۔
دیکھو! کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔
خبردار! جس نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا، یا کسی غلام نے (جان بوجھ کر) اپنے آقا کے سوا کسی اور آقا سے نسبت قائم کی تو اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

دفعه نمبر ۲۶ : اور ہاں غلام تمہارے غلام! (ان سے حسن سلوک کرو)
جو تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔
جو تم پہنتے ہو اس میں سے ان کو بھی پہناؤ۔
اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم دیکھو کہ معاف نہیں کر سکتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کر دو (مگر) انہیں بھیانک سزا نہ دو۔
ان کے بارے میں بھی تمہیں (حسن سلوک کی) وصیت کرتا ہوں، جو لونڈیاں (تمہارے زیر تصرف) ہیں، پس ان کو وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم کھاتے پہنتے ہو۔

دینیات:

دفعه نمبر ۲۷ : لوگو! بے شک مجھے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور جب وہ اس کلمے کا اقرار کرلیں تو گویا انہوں نے اپنی اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا اور باقی حساب اللہ کے ذمے ہے۔

دفعه نمبر ۲۸ : اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دفعه نمبر ۲۹ : اور نہ کسی کی ناحق جان لو (نہ قتل کرو)

دفعه نمبر ۳۰ : نہ بدکاری (زنا) کرو۔

دفعه نمبر ۳۱ : اور نہ ہی چوری کرو۔

دفعه نمبر ۳۲ : لوگو! (اچھی طرح سمجھ لو!) میرے بعد نہ کوئی پیغمبر ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت ہوگی۔
اپنے خطاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا، پھر ذکر میں کافی طول پکڑا، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، پس میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں۔
بیشک میری سب سے افضل دعا بلکہ تمام انبیائے ماقبل کی یہی ہے:
((لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد بيده الخير، يحيى و يميت و هو على كل شى قدير))

دفعہ نمبر۳۳: خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے رب گھر (خانہ کعبہ) کا حج کرو، اپنی زکوۃ خوشی خوشی دیا کرو، اپنے حکام کی اطاعت کرو (اور اس طرح ان امور کی انجام دہی کے بعد بطور اجر) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

دفعہ نمبر۳۴ : اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں ناپ تول میں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد کرتے نہ پھرو۔

دفعہ نمبر۳۵: خبردار! دین میں غلو (مبالغہ آمیزی، انتہا پسندی) سے بچو، اس لئے کہ تم سے پہلی قومیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں۔

دفعہ نمبر۳۶ : لوگو!

دیکھو، شیطان اس بات سے تو بے شک بالکل مایوس ہو چکا ہے، کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی مگر چوکنا رہو وہ اس بات پر بھی راضی ہوگا کہ اس (پرستش) کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، پس اپنے دین وایمان کی (حفاظت کی) خاطر اس سے بچے رہنا۔

دفعہ نمبر۳۷: لوگو!

اللہ نے میراث (ترکہ) میں ہر وارث کا (جداگانہ) حصہ مقرر کر دیا ہے۔

اس لیے وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں (چنانچہ) کسی کو ایک تہائی سے زائد (مال) کی وصیت کا حق نہیں ہے۔

(بقول راوی پھر حضورﷺ نے ہمیں صدقے کا حکم دیا اور فرمایا:)

دفعہ نمبر ۳۸: صدقہ دیا کرو اس لیے میں نہیں جانتا مگر شاید تم آج کے بعد مجھے پھر نہ دیکھ سکو۔

دفعہ نمبر ۳۹ : اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسمیں نہ کھایا کرو، کیونکہ جو اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسم کھائے گا اللہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

دفعہ نمبر ۴۰ : لوگو! علم (تعلیم، معلومات) میں جو کچھ حاصل کر سکتے ہو، لے لو اس سے پہلے کہ وہ سمیٹ لیا جائے اور قبل اس کے کہ علم کو اٹھا لیا جائے۔

خبردار! علم کے اٹھائے جانے (ختم ہو جانے) کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کے جاننے والے علماء ختم ہو جائیں آپﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

دفعہ نمبر ۴۱ : دیکھو!

تین باتیں ایسی ہیں جن میں (مومن کا) دل (دھوکہ فریب) کینے کا شکار نہیں ہوتا:

عمل میں اخلاص کہ صرف اللہ کے لئے۔

(مسلمان) حاکموں کی خیر خواہی میں۔

عام مسلمانوں (کی جماعت) سے وابستگی میں کیونکہ ان (مسلمانوں) کی دعائیں انہیں گھیرے رہتی ہیں (ان پر سایہ فگن رہتی ہیں)

اللہ نے ایسی کوئی بیماری (دکھ، تکلیف) پیدا نہیں کی جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو سوائے بڑھاپے کے۔

دفعه نمبر ۴۲: لوگو! میری بات سمجھو! کیونکہ میں نے سب کچھ تم تک پہنچا دیا ہے:
اور میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو تھامے (پکڑے) رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔
صاف وروشن اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

دفعه نمبر ۴۳: لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تمہارے اوپر کوئی ناک کٹا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ (کے احکام) کو قائم (نافذ) کرے۔

دفعه نمبر ۴۴: جان لو!
ہر نبی کی دعا گزر چکی ہے سوائے میری دعا کے، کہ میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لئے ذخیرہ کر دیا ہے۔
امابعد! انبیاء علیہم السلام (قیامت کے دن) کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھے (اپنی بداعمالیوں کے سبب) رسوا نہ کر دینا، میں حوض کوثر پر (تمہارے انتظار میں) رہوں گا۔
خبردار! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچوں گا، اور دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا، تو کہیں میری رسوائی کا باعث نہ بن جانا۔
سنو!
میں بعض لوگوں کو (شفاعت کر کے) چھڑا لوں گا مگر بعض لوگ مجھ سے چھڑا لیے جائیں گے، پھر میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب (امتی) ہیں نا؟ اللہ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں کر ڈالی تھیں۔

دفعه ۴۵ : خبردار! میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

دفعه نمبر ۴۶: اور ہاں سنو!
تم اپنے رب سے ملو گے تو اللہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں (ضرور) باز پرس کرے گا۔
پس جو (دنیا میں رہتے ہوئے ہمہ وقت) آخرت کو ہی اپنے پیش نظر رکھے گا تو اللہ اسے دل جمعی عطا کرے گا، اور اسے اس کی آنکھوں کے سامنے (دنیا میں ہی) بے نیازی وتونگری عطا کرے گا اور دنیا اس کے (قدموں میں) سرنگوں ہو کر خود آئے گی، لیکن جو دنیا کو ہی اپنا محبوب ومقصود قرار دے گا تو اللہ اس کے معاملات کو منتشر ومتفرق کر دے گا اور وہ (آدمی دنیا میں ہی) اپنی آنکھوں کے سامنے افلاس وتنگ دستی دیکھ لے گا اور دنیا میں (سے تو) اسے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے لئے (مقدر میں) لکھا جا چکا ہے۔

دفعه نمبر ۴۷ : دیکھو! اب تم نے مجھے (جی بھر کر) دیکھ بھی لیا ہے اور مجھ سے ان تمام باتوں کو سن بھی لیا ہے، تم سے عنقریب میرے بارے میں پوچھا جائے گا (تو سچ سچ بتانا) پس جس نے بھی مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

دفعه نمبر ۴۸ : دیکھو!
جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک یہ سب باتیں پہنچا دے۔

ہوسکتا ہے کہ بعض ایسے کہ جن تک یہ باتیں پہنچیں، یہاں موجود بعض سننے والوں سے زیادہ سمجھدار ثابت ہوں۔

سن لو! تم میں سے جو یہاں قریب ہیں (ان کے لئے لازم ہے کہ) اپنے دور والوں (بعد میں آنے والے لوگوں) تک یہ (تمام) باتیں پہنچا دیں۔

اختتام خطبہ:

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ! (دیکھ لے) میں نے (تیرا پیغام بھرپور طور پر) پہنچا دیا ہے یا نہیں؟

(پھر لوگوں سے فرمایا)

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک اچھی طرح نہیں پہنچا دیا۔

سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا نہیں کر دیا؟

دیکھو! کیا میں نے تعلیم وتلقین دین کی انتہا نہیں کر دی؟

تو سب حاضرین، سامعین، مجمع والے بیک آواز اقرار واعتراف کرنے لگے: بے شک! بے شک! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟

تو سب نے کہا:

ہم گواہی دیتی ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک پہنچا دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور (امت کو) نصیحت کرنے کی انتہا فرما دی۔

پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکایا اور فرمایا:

اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا۔!

والسلام علیکم ورحمة الله وبركاته۔

حرف آخر:

خطبہ حجۃ الوداع، اس کے انسانی اور آفاقی پہلوؤں اور متعلقات کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم اس منزل تک آ پہنچے ہیں کہ جہاں سے اس منارۂ نور کا نظارہ صاف نظر آتا ہے اور ہم بحیثیت مجموعی یہ کہہ سکتے ہیں کہ محسن انسانیت، رہبر آدمیت، رسول الثقلین، حضور سرور کونین ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع الفاظ کے پیراہن میں کتنے ہی چمن زار معانی رکھتا ہے، جس کی نکہتوں نے پورے عالم کو معطر کر دیا تھا، اور چمن انسانیت میں جس کی خوشبو آج تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اس خطبہ جلیلہ کے بہت سے روشن تر پہلوؤں میں سے روشن تر پہلو اور نمایاں ترین وصف اس کا انسانی پہلو اور اس کی ہمہ گیریت وآفاقیت ہے، اس بات کا اندازہ نہ صرف یہ کہ خطبہ کے الفاظ، اس کے مضمون اور اس کے محل وقوع سے ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا صاف قرینہ یہ بھی ہے کہ چونکہ پیغمبر انسانیت ﷺ کی بعثت مبارک تمام عالم کے لئے، تمام زمینوں کے اور تمام زمانوں کے لئے ہوئی، نیز آپ پر ایک عالمی آفاقی کتاب ہدایت کا نزول ہوا، اور آپ کی دعوت وتبلیغ کا منتہیٰ، آپ کا لایا ہوا پیغام اور آپ ﷺ کا مشن بھی

عالمی انسانی آفاقی نوعیت کا تھا اس لیے کہ اپنے ہمہ صفت، ہمہ جہت رسول ﷺ کی رسالت کا اظہار اور ہادی عالم کی عالمگیر نبوت کا تقاضا بھی دراصل اپنے خطاب جامع کی صورت میں ہی موزوں ہو سکتا تھا، جس کے آئینہ میں ہر زمانہ اپنی تصویر دیکھ لے اور جان لے کہ اس دائمی منشور انسانیت کی رو سے وہ شرف آدمیت وانسانیت کی کون سے منزل میں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے اس خطبہ عظیمہ کے انسانی اور آفاقی پہلوؤں کی معنویت واہمیت کا جائزہ اپنے زمانے اور تاریخی پس منظر کے حوالے سے ہم پچھلے صفحات میں لے چکے ہیں لیکن یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس خطبہ کی اہمیت اپنے پیش منظر کے حوالے سے فزوں تر ہو جاتی ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد بھی عرصہ دراز تک یہی انسانی اور آفاقی اقدار اسلامی معاشرہ کی روح رواں بنی رہیں جن کی ترجمانی اس منشور انسانیت میں کی گئی تھی، بلکہ شاید یہ کہنا بھی مبالغہ متصور نہ کیا جائے گا کہ آزادی وحقوق انسانی کا جو پروانہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا، اس نے انسانوں میں جرات وہمت اور آزادی وبے باکی کے ایسے شرارے بھر دیئے تھے کہ جس کے سبب اس کی گردن کٹ تو سکتی تھی مگر جھک نہیں سکتی تھی، پھر جب اسلامی اقتدار حدود عرب سے نکل کر شمال میں آگے بڑھا اور مشرق ومغرب کی وسعتوں پر چھاتا چلا گیا تو حقوق انسانی کی سوغات اور آزادیوں کا توشہ دوسری اقوام وملل کو بھی ملا اور یوں جہاں جہاں شرف آدمیت کے چراغ روشن ہوئے اور احترام وحقوق انسانی کے لئے آواز بلند کی گئی، اس کا سرچشمہ اسی منشور انسانیت میں پنہاں ہے۔

آج ہم جس عہد میں زندگی گزار رہے ہیں، بادی النظر میں اس کی چکا چوند نگاہوں کو یقیناً خیرہ کر سکتی ہے، لیکن بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ظرف اور زماں کی ہزار تبدیلیوں کے باوجود ''انسانیت'' دم بہ دم خیر وفلاح سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے، فضائے عالم میں رفتہ رفتہ ایک عالمگیر جاہلیت، کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا جارہا ہے بقول ایک مصنف انسانوں نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا، مچھلیوں کی طرف پانی میں تیرنا سیکھ لیا، لیکن آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا بھول گئے۔ اخلاق ومعنویات اور حقیقی صفات وکمالات میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض لوہے اور دھات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور ''آدمیت'' کو ہر طرح زوال ہوا۔ قوم ہو یا فرد آج ہر ایک کمزوروں سے طاقت کی وہی زبان استعمال کر رہا ہے اور قوت کی وہی دلیل آگے لا رہا ہے جو کبھی عہد جہالت کا طرۂ امتیاز تھا، انسانی حقوق کی پامالی اور آزدیوں کی غلامی کے ہزار عنوان قائم ہو گئے ہیں، شیطانیت وبہیمیت کا صحرا پھیلتا چلا جارہا ہے اور شرف آدمیت وانسانیت کے چھوٹے چھوٹے نخلستان باقی رہ گئے ہیں۔ اسی مصنف کے بقول آج بھی غیر اللہ کی عبادت وطاقت کا بازار گرم ہے، آج بھی خواہشات نفس کا بت برسر راہ پوجا جارہا ہے..... آج عالم انسانیت اپنی وسعت، وسائل سفر کی فراوانی، نقل وحرکت کی آسانی اور اقوام وممالک کے قرب واتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے۔ اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے فوائد اور خواہشات نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ خود غرضی نے اس کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے چوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں، تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصور وار ہے، نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اس کے ہر کمال کی منکر ہے، اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔ انسانی معاشروں میں جاہلیت کے آثار ومفاخر نے پھر سے جنم لے لیا ہے، امن عالم کو پہلے سے زیادہ خطرہ درپیش ہے، استعماریت، طبقاتی کشمکش، نسلی اور قومی امتیازات نے خشکی وتری ہر جگہ فساد بپا کر رکھا ہے، اور بحیثیت مجموعی، قبائے انسانیت گرد آلود ہو گئی ہے۔ اس صورت حالات میں، ایسے عالم میں پھر سے ضرورت ہے کہ ''اس صوت ہادی'' کو سنا جائے جس نے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے کایا پلٹ دی تھی۔ کیا عجب منشور انسانیت کے ان چند فقروں کی دیانت دارانہ تعمیل سے ہی عالم انسانیت کتنی ہی لعنتوں سے نجات پا جائے اور اس شاہراہ حیات پر گامزن ہو جائے جو دین ودنیا کی فلاح کی راہ ہے۔

بہر حال حضور اکرم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع جسے عالمی انسانی منشور قرار دیا جانا مناسب ہے، اپنی مستقل حیثیت، اہمیت وافادیت رکھتا ہے، باعث اجر و برکت اور ہر لحاظ سے قابل توجہ اور قابل عمل ہے، اس کا متن، مواد اور مضامین سر تا سر الہامی ہیں:

(و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی)

ایک تو اس لیے کہ یہ خود کلام نبوت ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآنی تعلیمات اور احادیث رسالت مآب کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ تیسرے یہ خطبہ آنحضرت ﷺ کے ۲۳ سالہ دعوتی، تبلیغی اور پیغمبرانہ شعور وحکمت کا آئینہ دار اور ۱۰ سالہ حاکمانہ بصیرت و تجربات سے مستفاد تھا۔ گویا اس میں ہر پہلو سے جامعیت اس کی داخلیت میں پنہاں ہے، ایک اور اہم پہلو جس نے اس خطبہ، منشور اور کلام نبوت کو لامحدود تسلسل عطا کر دیا ہے اور وقت و زمانہ کی قید سے آزاد، پیغام جانفزا، مژدۂ حیات بنا دیا ہے، وہ اس کی آخری دفعہ (۴۷) ہے۔ البتہ اس سے پہلے (دفعہ ۴۶ میں) یہ تنبیہ پہلے کر دی گئی کہ آپ ﷺ کے پیغام وصایا اور امانت خطبہ) کو دوسروں تک بالکل ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست، جھوٹ یا کمی بیشی کے بغیر پہنچایا اور منتقل کیا جائے پھر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: خبر دار!

۱۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک (میری) یہ سب باتیں پہنچا دے۔

۲۔ کیونکہ جن تک یہ باتیں پہنچیں گی ممکن ہے وہ یہاں موجود سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ہوں۔ (عمل کر کے فلاح و نجات پالیں)۔

۳۔ سن لو! تم میں سے قریب والوں پر لازم ہے کہ اپنے سے دور والوں تک (یہ پیغام) پہنچا دیں۔

اس دفعہ ۴۷ کا تقاجا یہ تھا کہ حاضر سے غائب تک یعنی حال سے مستقبل تک ترسیل (خطاب) تبلیغ (خلاصہ دین) توضیح (منشور انسانی) اور توسیع (دعوت خیر و فلاح) کا سلسلہ غیر مختتم تمام، ناظرین، حاضرین و سامعین کی وساطت سے غائبین در غائبین، طبقہ بہ طبقہ، سینہ بہ سینہ، ذہن بہ ذہن منتقل ہوتا چلا جائے اور جو اسے (کلی یا جزوی طور پر) سنتا جائے، (فرض کفایہ کے تحت) اسے دوسروں تک پہنچاتا چلا جائے (بلغوا عنی ولو آیۃ) بظاہر یہ سادہ سی ہدایت تھی لیکن اس میں گویا ابلاغ عامہ کے عمودی رخ کی تمام وسعتیں پنہاں تھیں جب کہ دوسری شق میں (یہ فرما کر کہ) قریب والوں (اپنوں) پر لازم ہے کہ (دوسروں، غیروں) دور والوں تک یہی پیغام جانفزا (برابر مسلسل) پہنچاتے رہیں، یہ گویا افقی طرز ابلاغ ہے، چنانچہ قاعدے کے مطابق اگر نجوم ہدایت لیے یہی ابلاغی لہریں واسطہ در واسطہ عمودی اور افقی دونوں سمتوں میں حرکت پذیر رہیں تو پورے کرۂ وجود پر اجالا پھیل جاتا ہے، اور کوئی زاویہ، کوئی سمت، کوئی سطح روشنی سے دامن نہیں بچا سکتی۔

حضور پر نور ﷺ اجالے پھیلانے، روشن کو روشن تر کرنے آئے تھے:

((قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین))(سورئہ مائدہ ، آیت ۱۵)

اور یہ بھی گویا آپ ﷺ کے فرض منصبی میں داخل تھا کہ عوام الناس کو مقام آشناء، حقوق آشناء کر کے ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی دہلیز پر لے آئیں:

((لتخرج الناس من الظلمات الی النور))(سورئہ ابراھیم، آیت ۱)

اس لیے آپ ﷺ کے ہر امتی کا فرض منصبی ٹھہرا کہ آپ ﷺ کے آفتاب ہدایت و ارشاد سے ایک ایک کرن مستعار لے کر ہر ایک کے لباس وجود میں ٹانک دے تاکہ آج وفور معلومات کے باوجود افکار میں جو تیرگی بڑھ گئی ہے اسے روشنی نصیب ہو۔ تسلسل ابلاغ کی جو ذمے داری (از روئے دفعہ ۴۷) ہر مسلمان (فرد و جماعت) پر عائد ہوتی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع (عالمی انسانی منشور) کو ہر ممکن طریقہ سے دوسروں تک پہنچایا جائے تاکہ جو سلسلہ غیر مختتم صدیوں سے جاری ہے اس

میں خلل واقع نہ ہو۔

باب نمبر 2:

حج بیت اللہ وعمرہ کا طریقہ اور اس کی فضیلت

فصل نمبر 1:

حج اور عمرہ کے وجوب کے دلائل اور ان کی ادائیگی میں جلدی کرنے کا بیان

اللہ ہم کو اور آپ کو حق کی معرفت اور اتباع کی توفیق عطا فرمائے، معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے عزت والے گھر کا حج واجب کیا ہے اور اسے اسلام کا ایک رکن بنایا ہے، اس کا ارشاد ہے:

((وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین))
(آل عمران:۹۷)

"اور اللہ کی رضا کے لئے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔"

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

۱۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔
۲۔ نماز قائم کرنا۔
۳۔ زکوۃ ادا کرنا۔
۴۔ رمضان کے روزے رکھنا۔
۵۔ بیت اللہ الحرام کا حج کرنا۔

سعید نے اپنی سنن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا:

"میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے لوگوں کو شہروں میں بھیجوں تا کہ وہ اس کی تحقیق کریں کہ جن لوگوں میں حج کی طاقت ہے پھر بھی حج نہیں کرتے وہ ان پر جزیہ مقرر کردیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"جو شخص حج پر قادر ہو پھر بھی چھوڑ دے تو اس کے لئے برابر ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔"

جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے اب تک نہیں کیا ہے تو اس کو جلدی کرنا چاہیے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"فریضہ حج کے لئے جلدی کرو، کسی کو معلوم نہیں کہ اس کو کیا عذر پیش آ جائے۔" (مسند احمد)

اس لئے بھی کہ جس پر حج فرض ہو چکا ہے اس کے لئے اللہ اس ارشاد کے مطابق فی الفور حج ادا کرنا واجب ہے:

((وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین))(آل عمران:۹۷)

''اور اللہ کی رضا کے لئے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں، اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔''

اور خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا:

''لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس لئے حج کرو۔'' (صحیح مسلم)

عمرہ کے وجوب پر بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے اسلام کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، بیت اللہ کا حج اور عمرہ کرو، جنابت کا غسل کرو، پورا وضو کرو، اور رمضان کے روزے رکھو۔''

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور دار قطنی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور دار قطنی نے کہا کہ اس کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ یہ حدیث بھی کہ انہوں نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں لڑائی نہیں، یعنی حج اور عمرہ۔''

اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

حج اور عمرہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''حج ایک مرتبہ فرض ہے اور جو اس سے زیادہ کرے تو نفل ہے۔''

البتہ نفلی حج اور عمرہ کثرت سے کرنا مسنون ہے، کیونکہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنا درمیان کی خطاؤں کے لئے کفارہ ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔''

فصل نمبر 2:

توبہ اور حلال کمائی سے حج وعمرہ

جب مسلمان حج یا عمرہ کے سفر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرے، یعنی احکامات الٰہی پر عمل اور نواہی سے اجتناب کی تاکید کرے، اور اس کا یا اس کے ذمہ جتنا قرض ہو اس کو لکھ ڈالے اور اس پر گواہ بنا دے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے سچی توبہ کرنے میں جلدی کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وتوبوا الى الله جميعا ايها المؤمنون لعلكم تفلحون))

''اے ایمان والو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔'' (سورۃ النور: ۳۱)

سچی توبہ ہے گناہوں سے باز آنا، ان کو چھوڑ دینا، پچھلے گناہوں پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم رکھنا۔ اگر اس کے پاس لوگوں کے مال، آبرو، یا جان کا کوئی حق باقی ہو تو اپنے سفر سے پہلے اس کو ان تک واپس کردے یا ان سے معاف کرالے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص کے پاس اس کے بھائی کے مال یا آبرو کا کوئی حق باقی ہو اسے چاہئے کہ اس دن کے آنے سے پہلے اس سے پاک وصاف ہو جائے جس دن نہ درہم ہوگا نہ دینا، اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو صاحب حق کو اس کے حق کے بقدر دیدی جائیں گی، اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو صاحب حق کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔''

حج وعمرہ کے لئے پاکیزہ حلال کمائی میں سے خرچ کا انتظام کرنا چاہئے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالی پاکیزہ ہے پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔''

اور طبرانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب آدمی پاکیزہ زادِ سفر کے ساتھ حج کے لئے نکلتا ہے اور اپنا پاؤں سواری کے رکاب میں رکھ کر لبیک پکارتا ہے تو اس کو آسمان سے ایک پکارنے والا جواب دیتا ہے کہ تیری لبیک قبول، اور رحمت الٰہی تجھ پر نازل ہو، تیرا توشہ حلال اور تیری سواری حلال اور تیرا حج مقبول ہے، گناہوں سے پاک ہے۔''

جب آدمی حرام کمائی کے ساتھ حج کے لئے نکلتا ہے اور سواری کے رکاب میں پاؤں رکھ کر لبیک پکارتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا جواب دیتا ہے کہ تیری لبیک قبول نہیں، نہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، تیرا زادِ سفر حرام، تیری کمائی حرام اور تیرا حج غیر مقبول[1] ہے۔

حاجی کو چاہئے کہ لوگوں کی کمائی سے بے نیاز رہے اور سوال کرنے سے پرہیز کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو خود کو بچائے گا اللہ اس کو بچائے گا، اور جو استغناء کرے گا، اللہ اس کو غنی کرے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

''آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔''

فصل نمبر 3:

حج کا مقصد اور حج کا طریقہ سیکھنا

حاجی کو چاہئے کہ اپنے حج اور عمرہ سے اللہ کی رضا اور دار آخرت کی فلاح کا طالب ہو اور ان مقدس مقامات میں ایسے اقوال واعمال سے اللہ کا تقرب چاہے جو اللہ کو پسند ہوں اور حج کے ذریعہ دنیا کمانے سے پوری طرح بچے، اسی طرح حج کے ذریعہ ریا، شہرت اور فخر ومباہات بھی نہ چاہے کیونکہ یہ سب بدترین مقاصد ہیں اور اعمال کی بربادی اور عدم قبولیت کا سبب ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

((من كان يريد الحياة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون۔اولئك الذين ليس لهم في الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها وباطل ما كانوا يعملون))(هود: ۱۵،۱۶)

''جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہے۔''

نیز فرمایا:

((من كان يريد العاجلة له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلونها مذموما مدحورا ومن اراد الاخرة وسعى لها سعيها وهو مومن فاولئك كان سعيهم مشكورا))(الاسراء ۱۸، ۱۹)

''جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے پھر اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے، وہ اس میں بدحال راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے پوری سعی کے گا بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو سوا یسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''میں تمام شریکوں سے شرک سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ اور کوئی بھی شریک کرتا ہے میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

حاجی کو چاہئے کہ اپنے سفر میں صاحب طاعت وتقویٰ اور عالم دین کا ساتھ اختیار کرے اور جہلاء وفساق کے ساتھ سے پرہیز کرے۔

اسی طرح حاجی کو چاہئے کہ حج اور عمرہ کی مشروع باتوں کو سیکھ اور سمجھ لے اور مشکل مسائل دریافت کر لے تا کہ اسے پوری بصیرت حاصل ہو جائے۔

جب وہ اپنی سواری موٹر یا ہوائی جہاز یا کسی اور سواری پر سوار ہو تو بسم اللہ کہنا اور اللہ کی حمد وتعریف کرنا چاہئے اور تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھنا چاہئے:

((سبحن الذی سخرلنا هذا وما كنا له مقربين وانا الى ربنا لمنقلبون اللهم انی اسئالك فی سفری هذا البر والتقوى ومن العمل ماترضى، اللهم هون علينا سفرنا هذا واطو عنا بعده، اللهم انت الصاحب فی السفر والخليفة من الاهل، اللهم انی اعوذبك من وعثاء السفر ومن كراهة المنتظر وسوء المنقلب فی المال والاهل))

''پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس کو مسخر کر دیا اور ہم میں یہ طاقت کہاں تھی کہ اس کو بس میں کرتے، بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! میں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا جس سے تو راضی ہے۔ اے اللہ! ہم پر اس سفر کو آسان کر دے اور اس کا بعد مسافت گھٹا دے۔ اے اللہ! تو ہمارا اس سفر میں ساتھی ہے اور اہل وعیال میں جانشین۔ اے اللہ! میں سفر کی تکلیفوں اور برے منظر سے اور اہل وعیال اور مال کو بری حالت میں دیکھنے سے پناہ مانگتا ہوں۔''

کیونکہ ایسا کرنا نبی ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے جسے مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے۔

حاجی پورے سفر میں کثرت سے ذکر واستغفار اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا اور گریہ وزاری، قرآن کی تلاوت اور اس کے معانی پر تدبر کرتا رہے، نماز باجماعت کی پوری پابندی کرے اور کثرت کلام سے زبان کو بچائے، بیکار باتوں کی کرید اور حد سے زیادہ مزاح سے بچے، نیز اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی اور اپنے دوستوں اور مسلمانوں کی ہنسی اڑانے سے بچائے، اس کے بجائے اس کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان کی مصیبتیں دور کرے، انہیں جتنا ہو سکے حکمت وموعظت کے ساتھ بھلائی کا حکم دے اور برے

کاموں سے روکے۔

فصل نمبر 4:

میقات اوراس کے احکامات

حاجی جب میقات پر پہنچ جائے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے اور خوشبو لگائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے احرام کے وقت سلے ہوئے کپڑے اتار دیئے تھے اور غسل فرمایا تھا، نیز صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ احرام باندھنے سے قبل میں رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگایا کرتی تھی۔

حضرت عائشہ نے عمرہ کے لئے احرام باندھ رکھا تھا اور وہ حائضہ ہوگئیں تو آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ غسل کر لیں اور حج کے لئے احرام باندھیں اور اسماء بنت عمیس کو جب ذوالحلفیہ میں بچہ پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ غسل کر لیں اور کپڑا استعمال کریں پھر احرام باندھ لیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حائضہ یا نفاس والی عورت جب میقات پر پہنچے تو غسل کر کے لوگوں کے ساتھ احرام باندھ لے اور بیت اللہ کے طواف کے علاوہ باقی حج کے تمام کام ویسے ہی کرے جیسے دوسرے حاجی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ اور اسماء بنت عمیس کو اس کا حکم فرمایا۔

احرام باندھنے والے کے مستحب ہے کہ اپنی مونچھ، ناخن اور زیر ناف اور بغل کے بال کی دیکھ بھال کر لے اور ان میں جو ضروری ہو ان کو تراش لے، تاکہ احرام باندھنے کے بعد حالت احرام میں اس کی ضرورت نہ پڑے۔ یہ اس لئے بھی مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کی نگہداشت کا حکم دوسرے اوقات کے لئے بھی فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرانا، موئے زیر ناف صاف کرنا، مونچھ چھوٹی کرنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھاڑنا''

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے لئے مونچھ تراشنے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے اور موئے زیر ناف مونڈنے کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے کہ ہم انہیں چالیس دنوں سے زیادہ نہ چھوڑیں۔

نسائی میں یوں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں کے لئے ہمارے لئے وقت مقرر کیا ہے۔ اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے بھی نسائی کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

البتہ احرام کے وقت سر کے بالوں کا کچھ حصہ مونڈنا نہ عورت کے لئے مشروع ہے نہ مرد کے لئے۔

داڑھی کا مونڈنا یا اس کا کچھ حصہ بھی کم کرنا ہر وقت حرام ہے، بلکہ داڑھی کو چھوڑ دینا اور اس کو بڑھانا واجب ہے، جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔''

مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو چھوڑ دو، اور مجوس کی مخالفت کرو۔''

افسوس اس زمانے میں یہ وباء عام ہوگئی ہے اور کثرت سے لوگ داڑھی کی اس سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور کفار اور عورتوں کی مشابہت کے لئے زور لگاتے ہیں، خاص طور پر علم اور تعلیم سے نسبت رکھنے والے لوگ، '' انا للہ و انا الیه راجعون'' اللہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو سنت کی موافقت اور سختی سے اس پر عمل کی اور ہدایت کی راہ پر چلنے کی اور اکثر لوگوں کے اعراض کے باوجود انہیں اس کی دعوت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حسبنا الله ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

اس کے بعد حاجی ایک تہہ بند اور ایک چادر پہن لے، بہتر ہے کہ دونوں سفید اور صاف ہوں، اور مستحب ہے کہ دونوں جوتے پہن کر احرام باندھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہر شخص کو ایک ازار اور ایک چادر اور دو جوتوں میں احرام باندھنا چاہئے۔''

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

البتہ عورت کے لئے جائز ہے کہ کالا یا سبز یا کسی بھی رنگ کا کپڑا احرام میں استعمال کرے، صرف اس کا لحاظ رکھے کہ اس کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو، احرام کی حالت میں اس کے لئے نقاب اور دستانے استعمال کرنا درست نہیں، نبی کریم ﷺ نے محرم عورت کو اس سے منع فرمایا ہے، نقاب اور دستانے کے علاوہ کسی اور چیز سے وہ اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں ڈھک لے، جو لوگ عورت کے احرام کے لئے سبز یا کالے رنگ کو خاص کرتے ہیں یہ بے اصل چیز ہے۔

غسل اور صفائی اور احرام کے کپڑے پہننے کے بعد حج یا عمرہ جس کا ارادہ رکھتا ہو دل سے اس کی نیت کی جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی جو نیت کرتا ہے وہی پاتا ہے۔''

نیت لفظوں میں کرنا مشروع ہے، اگر عمرہ کی نیت ہے تو کہے '' لبيك عمرة'' یا کہے '' اللهم لبيك عمرة'' اور اگر حج کی نیت ہے تو کہے '' لبيك حجا'' یا'' اللهم لبيك حجا'' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ ہے تو کہے '' اللهم لبيك عمرة وحجا'' افضل یہ ہے کہ نیت کے یہ الفاظ سواری یا جانور یا موٹر وغیرہ پر سوار ہونے کے بعد ادا کئے جائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت لبیک پکارا تھا جب آپ سواری پر بیٹھ گئے تھے اور سواری میقات سے چلنے کے لئے آپ کو اٹھا چکی تھی، اہل علم کا سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

نیت الفاظ کے ساتھ صرف احرام ہی کے لئے مشروع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں خاص طور سے مروی ہے، لیکن نماز و طواف وغیرہ کے لئے لفظوں کے ساتھ نیت نہیں کرنی چاہئے مثلاً: یوں نہیں کہنا چاہئے کہ میں نے اس نماز کی نیت کی، یا میں طواف کی نیت کرتا ہوں، اس طرح لفظوں میں نیت کرنا بدعت ہے، اور بلند آواز سے کہنا اور بھی زیادہ قبیح اور گناہ کا کام ہے، اگر نیت لفظوں کے ساتھ کرنا مشروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان کرتے یا اپنے فعل یا قول سے امت کے لئے اس کی وضاحت فرماتے اور سلف صالحین بھی اس پر ہم سے پہلے عمل کئے ہوتے، لیکن جب نہ تو نبی کریم ﷺ سے یہ منقول ہے، نہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے، تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''سب سے بدتر کام وہ ہے جو نیا ایجاد کیا گیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (صحیح مسلم)

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس دین سے نہیں، تو وہ کام مردود اور نا قابل قبول ہے۔'' (متفق علیہ)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا، تو وہ کام مردود اور نا قابل قبول ہے۔''

میقات پانچ ہیں:

۱۔ ''ذوالحلیفہ'' جو مدینہ والوں کی میقات ہے جس کو اب لوگ ابیار علی کہتے ہیں۔

۲۔ ''جحفہ'' جو اہل شام کی میقات ہے، یہ رابغ کے قریب ایک ویران بستی ہے، لیکن لوگ اب رابغ ہی سے احرام باندھتے ہیں، اور جو لوگ بھی رابغ سے احرام باندھتے ہیں ان کا احرام میقات ہی سے شمار ہوتا ہے کیونکہ رابغ جحفہ سے تھوڑا ہی پہلے واقع ہے۔

۳۔ ''قرن المنازل'' جو اہل نجد کی میقات ہے جس کو آج کل ''سیل'' کہا جاتا ہے۔

۴۔ ''یلملم'' جو اہل یمن کی میقات ہے۔

۵۔ ''ذات عرق'' جو اہل عراق کی میقات ہے۔

ان میقاتوں کو نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا میقات والوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، یہ ان سب لوگوں کے لئے بھی ہے جو حج اور عمرہ کی نیت سے ان میقاتوں سے گزریں، اور جو شخص بھی مکہ جانے کے لئے حج یا عمرہ کی نیت سے ان میقاتوں سے گزرے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہاں سے احرام باندھ لے، بغیر احرام باندھے یہاں سے آگے بڑھنا حرام ہے، خواہ اس کا گزر خشکی کے راستہ سے ہو یا فضائی راستہ سے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان میقاتوں کو مقرر کرتے وقت یہ عام حکم فرمایا تھا:

''یہ میقاتیں ان شہر والوں کے لئے ہیں اور ان کے علاوہ ان لوگوں کے لئے بھی جو حج اور عمرہ کی نیت سے یہاں سے گزریں۔''

جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے ہوائی جہاز سے مکہ کی طرف جا رہا ہو اس کو چاہئے کہ جہاز میں بیٹھنے سے پہلے غسل وغیرہ کرلے، جب جہاز میقات کے قریب پہنچے تو تہبند اور چادر پہن کر اگر وقت میں گنجائش ہے تو عمرہ کے لئے لبیک پکار دے اور اگر وقت تنگ ہو تو صرف حج کے لئے لبیک پکارے۔ اگر سوار ہونے سے پہلے ہی یا میقات کے قریب ہونے سے قبل کوئی شخص احرام کی چادریں اوڑھ لے تب بھی کچھ حرج نہیں، لیکن جب تک میقات کے قریب یا بالمقابل نہ آجائے اس وقت تک لبیک نہ پکارے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے میقات ہی سے احرام باندھا ہے اور امت کا فرض ہے کہ تمام دینی کاموں کی طرح وہ اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ))

''تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' (الاحزاب:۲۱)

اور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

((''خذوا عنی مناسککم''))

''مجھ سے اپنے حج کے مسائل سیکھ لو۔''

لیکن جو شخص حج اور عمرہ کی نیت نہیں رکھتا، مثلاً: بیوپاری، لکڑی والا، پوسٹ مین وغیرہ، ایسا شخص مکہ جائے تو اس کے لئے احرام ضروری نہیں، وہ خود چاہے تو اور بات ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مواقیت کے بیان میں سابقہ حدیث میں یہ فرمایا:

((''ھن لھن ولمن اتی علیھن من غیر اھلھن ممن اراد الحج والعمرۃ''))

''یہ میقاتیں ان شہروالوں کے لئے ہیں اور حج وعمرہ کے ارادہ سے آنے والے ان تمام لوگوں کے لئے بھی جو ان میقاتوں سے گزریں۔''

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان میقاتوں سے گزرے لیکن اس کا ارادہ حج اور عمرہ کا نہ ہو تو اس کے لئے احرام ضروری نہیں، اور یقیناً بندوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت اور سہولت ہے۔ فللہ الحمد و الشکر

اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو احرام کی حالت میں نہیں تھے بلکہ آپ سر پر خود پہنے ہوئے تھے، کیونکہ اس وقت حج اور عمرہ کی نیت سے نہیں بلکہ مکہ فتح کرنے اور اس سے شرک دور کرنے کی نیت سے آئے تھے۔

جن لوگوں کا مکان میقات کے اندر ہو، جیسے جدہ، ام سلم، بحرہ شرائع، بدر اور مستورہ وغیرہ کے باشندے، تو ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان مذکورہ بالا پانچوں میقاتوں میں سے کسی کے پاس جا کر احرام باندھیں، بلکہ ان کا یہ مسکن ہی ان کی میقات ہے، وہ حج یا عمرہ جس کی بھی نیت رکھتے ہوں یہیں سے اس کا احرام باندھیں۔

اگر کسی کا دوسرا مسکن میقات سے باہر ہو تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو میقات سے احرام باندھے ورنہ اپنے اس گھر ہی سے احرام باندھ لے جو مکہ کی طرف میقات سے پہلے ہے، کیونکہ عبداللہ بن عباس کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میقات کا ذکر کرتے ہوئے عام بات فرمائی تھی:

''جو لوگ میقات کے اندر رہوں ان کے احرام کی جگہ ان کا گھر ہے یہاں تک کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔''

(بخاری ومسلم)

البتہ جو لوگ حرم میں ہوں اور عمرہ کرنا چاہتے ہوں ان پر واجب ہے کہ حل (حدود حرم کے باہر) کی طرف جائیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں، اس لئے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ان کے بھائی عبدالرحمن کو حکم فرمایا کہ وہ ان کو لے کر حل کی طرف جائیں اور وہاں سے احرام بندھوا کر لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ عمرہ کرنے والا اپنا احرام حرم سے نہیں باندھ سکتا بلکہ اس کو حل میں جانا ہوگا۔ یہ حدیث عبداللہ بن عباس کی پچھلی حدیث کو خاص کر دیتی ہے اور اس کی وضاحت کر دیتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کو جو مکہ سے احرام باندھنے کا حکم فرمایا تھا، وہ عمرہ کے لئے نہیں بلکہ صرف حج کے لئے مخصوص تھا، کیونکہ اگر عمرہ کا احرام حرم سے باندھنا جائز ہوتا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اجازت دے دی ہوتی اور انہیں حل کی طرف جانے کا حکم نہ فرماتے، اور یہ ایک کھلا ثبوت ہے اور یہی تمام جمہور علماء کا قول ہے اور مومن کے لئے سب سے زیادہ احتیاط کی بات بھی یہی ہے کیونکہ اس میں دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ واللہ الموفق۔

فصل نمبر 5:

حج کے بعد کثرت سے عمرہ کرنا مشروع نہیں

جو لوگ حج کے بعد تنعیم یا جعرانہ وغیرہ سے بکثرت عمرہ کرتے ہیں جبکہ حج سے پہلے عمرہ کر چکے ہوتے ہیں، تو اس کی مشروعیت کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسا عمرہ نہ کرنا ہی افضل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ نہیں کیا تھا۔ رہا تنعیم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ کرنا تو وہ محض اس سبب سے تھا کہ جب وہ مکہ تشریف لائیں تو

اپنے ایام ماہواری کی بناء پر عمرہ نہیں کر سکی تھیں، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ انہیں اپنے اس عمرہ کے عوض جس کے لئے میقات سے وہ احرام باندھ کر آئی تھیں، اب دوبارہ عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی، اس طرح ان کے دو عمرے ہو گئے، پہلا عمرہ تو ان کے حج کے ساتھ، اور یہ ایک الگ عمرہ، لہٰذا جس کو حضرت عائشہ جیسا عذر درپیش ہو اس کے لئے اجازت ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کرے۔ اس طرح تمام دلائل پر عمل بھی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے لئے وسعت اور آسانی بھی ہوگی۔

بلاشبہ حج سے فارغ ہونے کے بعد حجاج کا اس نئے عمرے کے لئے مشغول ہونا سب کے لئے تکلیف کا باعث ہے، اس سے بھیڑ میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور حادثات بھی ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت بھی ہوتی ہے۔ واللہ الموفق۔

فصل نمبر 6:

موسم حج کے علاوہ جو شخص میقات پر پہنچے اس کو عمرہ کے احرام کی نیت کرنی چاہیے

اگر حج کے مہینوں کے علاوہ مثلاً: رمضان اور شعبان میں میقات پر پہنچیں تو ان کو چاہیے کہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھیں اور اس طرح زبان سے لبیک پکاریں" لبيك عمرة يا اللهم لبيك عمرة "اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرح لبیک ان لفظوں میں پکاریں:

((لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد و النعمة لك و الملك، لا شريك لك))

اور یہ تلبیہ اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتے ہوئے بیت اللہ تک پہنچیں، پھر بیت اللہ پہنچ کر تلبیہ بند کر دیں اور بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کریں اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھیں، پھر صفا کی طرف جائیں اور صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائیں، اس کے بعد اپنے سر کے بال منڈوائیں یا چھوٹے کرائیں، اس کے ساتھ ہی ان کا عمرہ پورا ہو گیا اور احرام کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہو گئی تھیں حلال ہو گئیں۔

دوسری حالت یہ ہے کہ حاجی میقات پر حج کے مہینوں یعنی شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں پہنچے، ایسے شخص تو تین باتوں کا اختیار حاصل ہے: صرف حج، صرف عمرہ، یا دونوں ایک ساتھ، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر جب ذیقعدہ میں میقات پر پہنچے تو آپ نے اپنے اصحاب کو ان تینوں طریقوں کا اختیار دیا تھا۔

لیکن ایسے شخص کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ صرف عمرہ کا احرام باندھے اور سب ارکان ویسے ہی ادا کرے جیسے غیر موسم حج میں عمرہ کرنے والا ادا کرتا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تھے یہ حکم فرمایا تھا کہ اپنا احرام عمرہ کے لئے خاص کر لیں، اور مکہ پہنچ کر انہیں مزید تاکید بھی فرمائی، لہٰذا صحابہ کرام نے طواف وسعی کی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع میں بال منڈوا کر حلال ہو گئے، رہے وہ لوگ جن کے پاس قربانی کے جانور تھے تو آپ نے ان کو حکم فرمایا کہ یوم النحر تک اپنے احرام میں باقی رہیں۔ جو لوگ اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے کر آتے ہیں ان کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے تھے، تو آپ نے بھی ایسا ہی کیا تھا اور آپ کے اصحاب میں سے جو لوگ قربانی کا جانور لے کر آئے تھے اور عمرہ کا احرام باندھا تھا، ان کو یہ حکم دیا کہ وہ عمرہ کے ساتھ ہی حج کا تلبیہ بھی شامل کر لیں اور دونوں سے قربانی کے دن ہی حلال ہوں، اور جو شخص قربانی کا جانور لایا ہو اور صرف حج کا احرام باندھے ہو وہ

بھی اپنے احرام میں باقی رہے اور قارن حاجی کی طرح وہ بھی یوم النحر ہی کو حلال ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے صرف حج کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو لیکن اس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے احرام میں باقی رہے، بلکہ اس کے حق میں سنت یہ ہے کہ اپنا احرام عمرہ کے لئے کر لے اور طواف وسعی اور بال کتروا کر حلال ہو جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ان اصحاب کو جن کے پاس جانور نہیں تھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا۔ البتہ جو شخص بالکل آخر میں آیا ہو اور حج چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اپنے سابقہ احرام میں باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔!

فصل نمبر 7:

عذر کے خوف سے مشروط احرام باندھنا

اگر کسی محرم کو اپنی بیماری یا دشمن کے خوف کی وجہ سے حج کی عدم ادائیگی کا خوف ہو تو اس کو چاہئے کہ احرام باندھتے وقت یوں کہہ دے کہ: ''اگر کوئی عذر مجھے لاحق ہوا تو میں وہیں حلال ہو جاؤں گا جہاں میرا عذر مجھے روک دے گا۔'' جیسا کہ ضباعہ بنت زبیر نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میں حج کا ارادہ کرتی ہوں لیکن بیمار ہوں، تو آپ نے ان کو حکم فرمایا کہ حج کرو اور یہ شرط باندھ لو کہ میں وہیں حلال ہو جاؤں گی جہاں میرا عذر مجھے روک دے گا۔'' (متفق علیہ)

اس شرط کا فائدہ یہ ہے کہ اگر محرم کو کسی بیماری یا دشمن کی رکاوٹ کا کوئی عارضہ پیش آجائے جو اس کے لئے حج کی تکمیل سے مانع ہو تو اس کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

فصل نمبر 8:

چھوٹی عمر کے حج کے احکام

چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا حج صحیح ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے بچے کو پیش کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے رسول! کیا اس کا بھی حج ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں اور ثواب تم کو ملے گا۔''

صحیح بخاری میں حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات برس کی عمر میں حج کرایا گیا۔''

بچے کا یہ حج نفلی ہوگا اور فرض حج کے لئے کافی نہ ہوگا، یہی حال غلام اور لونڈی کا بھی ہے کہ ان کا حج تو صحیح ہوگا لیکن فرض حج کے لئے کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو بچہ حج کرے پھر بالغ ہو تو اس پر دوبارہ حج واجب ہے، اور جو غلام حج کرے پھر آزاد کر دیا جائے تو اس پر دوبارہ حج واجب ہے۔''

اسے ابن شیبہ اور بیہقی نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔

اگر بچہ عقل وشعور نہیں رکھتا تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے احرام کی نیت کرے گا اور اس کو احرام پہنا کر اس کی طرف سے لبیک کہے گا، اور بچہ اس وقت محرم سمجھا جائے گا، اور جو چیزیں بڑے محرم کے لئے حرام ہیں وہی اس کے لئے بھی حرام ہوں گی، اسی طرح وہ بچی جو عقل وشعور نہیں رکھتی اس کا ولی اس کی طرف سے احرام کی نیت کرے گا، اس کی طرف سے لبیک پکارے گا اور وہ بچی محرم ہو جائے گی اور اس پر بھی وہ سب چیزیں حرام ہوں گی جو بڑی عورت پر حرام ہوتی ہیں، حالت طواف میں ان کے بدن اور کپڑے پاک وصاف ہونے چاہئیں، کیونکہ طواف نماز ہی کی طرح ہے جس میں طہارت شرط ہے۔

اگر بچہ یا بچی عقل وشعور والے ہوں تو اپنے ولی کی اجازت سے احرام باندھیں گے، اور احرام کے وقت غسل وخوشبو وغیرہ سب ویسے ہی کریں گے جیسا بڑا محرم کرتا ہے، ان کا ولی ان کے کاموں کا نگراں اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا ہوگا، خواہ وہ ان کا باپ ہو یا ماں یا اور کوئی، اور جو کام کرنے سے یہ بچے عاجز رہیں ان کا ولی کرے گا، مثلاً: کنکری مارنا وغیرہ، البتہ اس کے سوا سب کام ان کو خود کرنا ہوگا جیسے عرفات کا وقوف، منیٰ ومزدلفہ میں رات گزارنا، طواف وسعی کرنا، لیکن اگر وہ طواف وسعی نہ کر سکتے ہوں تو انہیں اٹھا کر طواف وسعی کرایا جائے، اس صورت میں اٹھانے والے شخص کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنا طواف وسعی اس کے ساتھ مل کر نہ کرے، بلکہ وہ ان بچوں ہی کے لئے طواف وسعی کی نیت کرے اور اپنے لئے الگ دوبارہ طواف وسعی کرے، یہ محض اللہ کی عبادت وبندگی میں احتیاط اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کی خاطر ہے:

''شک کی بات چھوڑ کر یقینی بات پر عمل کرو۔''

لیکن اگر اٹھانے والا اپنی اور بچے کی بھی نیت طواف وسعی کے لئے ساتھ ہی کر لے تو بھی اصح قول کے مطابق کافی ہوگا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو الگ سے طواف کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، جس نے اپنے بچے کے حج کی بابت آپ سے پوچھا تھا، اگر یہ واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور بیان فرما دیتے۔ واللہ الموفق۔

باشعور بچے اور بچی کو طواف شروع کرنے سے پہلے حدث ونجاست سے طہارت کی تاکید کی جائے گی، جیسا بڑے محرم کے لئے ضروری ہے اور چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کی طرف سے ان کے ولی پر احرام باندھنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف نفل ہے، اگر کرے تو باعث اجر وثواب ہے ورنہ کوئی گناہ نہیں، واللہ اعلم۔

فصل نمبر 9:

احرام کی ممنوع اور مباح چیزوں کا بیان

احرام کی نیت کے بعد محرم خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے بال یا ناخن کاٹے یا خوشبو استعمال کرے۔

خاص طور پر مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مخصوص شکل کا سلا ہوا کپڑا جیسے قمیص وغیرہ اپنے پورے بدن یا جسم کے بعض حصے پر پہنے، جیسے بنیائن، پائجامہ، موزے، جراب وغیرہ، ہاں اگر تہبند نہ پائے تو پائجامہ پہن سکتا ہے اور اسی طرح جس کو جوتے میسر نہ ہوں تو وہ کاٹے بغیر موزے پہن سکتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ عباس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جوتے نہ پائے وہ موزے پہن لے اور جو تہبند نہ پائے وہ پائجامہ پہن لے۔''

رہی عبداللہ بن عمر کی وہ حدیث جس میں بوقت حاجت موزوں کو کاٹ کر پہننے کا حکم دیا گیا ہے، تو وہ منسوخ ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے جب مدینہ طیبہ میں پوچھا گیا کہ محرم کونسا کپڑا پہنے تو اس وقت آپ نے یہ فرمایا تھا، لیکن جب عرفات میں آپ نے خطبہ دیا تو جوتا نہ ہونے

کی وقت موزہ پہننے کا حکم فرمایا اور اس کو کاٹنے کا حکم نہیں دیا، اس خطبہ میں وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کا مدینہ والا جواب نہیں سنا تھا، اور بیان ضرورت کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ علم اصول حدیث اور اصول فقہ سے ثابت ہے، لہٰذا موزوں کے کاٹنے کے حکم کا منسوخ ہونا ثابت ہوا، اگر یہ ضروری ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرماتے، واللہ اعلم۔!

محرم کے لئے ان موزوں کا پہننا جائز ہے جو ٹخنوں کے نیچے ہوں، اس لئے کہ وہ بھی جوتے ہی کی جنس سے ہے۔

نیز محرم کے لئے ازار کی گرہ باندھنا اور اس کو کپڑے سے لپیٹنا وغیرہ بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں۔

اسی طرح محرم غسل کر سکتا ہے، اپنا سر دھو سکتا ہے اور آہستہ ونرمی سے سر بھی کھجلا سکتا ہے، اگر کھجلانے سے کوئی چیز گر جائے تو کوئی حرج نہیں۔

محرم عورت کے لئے چہرہ پر سلا ہوا کپڑا پہننا جیسے برقع اور نقاب، اور ہاتھوں پر دستانہ وغیرہ کا استعمال حرام ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''عورت نہ نقاب لگائے نہ (قفاز) دستانے پہنے۔'' (صحیح بخاری)

اور قفاز اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اون یا سوت وغیرہ سے ہاتھ کے برابر بنایا جاتا ہے۔

البتہ عورت کے لئے اس کے علاوہ دوسرے سلے ہوئے کپڑے جیسے قمیص، پائجامہ، موزہ اور جراب وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

اسی طرح اس کے لئے بوقت ضرورت چہرے پر بغیر پٹی کے اوڑھنی کا ڈالنا بھی جائز ہے، اگر اوڑھنی اس کے چہرے پر لگتی رہے تو کچھ حرج نہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں رہتی تھیں، جب لوگ ہمارے سامنے آتے تو عورتیں اپنے چہروں پر اوڑھنیاں لٹکا لیتیں اور جب وہ چلے جاتے تو کھول لیتیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی بروایت ام سلمہ)

اسی طرح عورت کے لئے کپڑے وغیرہ سے اپنے ہاتھوں کو ڈھانکنا بھی جائز ہے اور جب اجنبی مرد موجود ہوں تو چہرے اور ہاتھوں کا ڈھانکنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ سب اعضاء پردہ کے حکم میں ہیں:

((ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن))

''عورتیں اپنی زینت کو اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کے لئے ظاہر نہ کریں۔'' (سورۃ النور:۳۱)

اور بلاشبہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں زینت کے عظیم مقامات میں سے ہیں اور چہرے کو ہتھیلی سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

((واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن))(الاحزاب:۵۳)

''اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔''

اکثر عورتیں اوڑھنی کے نیچے جو پٹی لگاتی ہیں تاکہ اوڑھنی چہرے سے اٹھی رہے، تو ہمارے علم کی حد تک شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اگر یہ مشروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی امت سے اس کو ضرور بیان کرتے اور آپ اس کی طرف سے خاموش نہ رہتے۔

محرم عورتوں اور مردوں کے لئے میل یا کسی اور وجہ سے احرام کے کپڑوں کو دھونا جائز ہے اور اس کی جگہ دوسرے کپڑوں کا بدلنا بھی جائز ہے۔

لیکن کسی ایسے کپڑے کا پہننا جائز نہیں جس کو زعفران یا ورس (کمیلہ) لگا ہو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عمر کی حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

محرم کے لئے ضروری ہے کہ بیہودہ گوئی، فسق اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج))(البقره:۱۹۷)

''حج کے مقررہ مہینے ہیں، پس جو شخص ان میں حج ادا کرے تو نہ بے حیائی کی بات بولے، نہ فسق اور نہ حج میں جھگڑا کرے۔''

نبی کریم ﷺ سے یہ ارشاد ثابت ہے:

''جو شخص حج کرے اور اس میں بے حیائی و فسق نہ کرے تو اس دن کی طرح (پاک وصاف) ہو کر لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔''

''رفث'' کہتے ہیں جماع اور بیہودہ بات اور کام کو۔ ''فسوق'' عام گناہوں کو کہتے ہیں۔

''جدال'' کا مطلب ہے باطل یا بے فائدہ باتوں میں لڑائی کرنا۔

لیکن وہ بحث جو حق کے اظہار اور باطل کے روکنے کے لئے اچھے طریقے سے کی جائے تو اس میں نہ صرف کوئی حرج نہیں بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن))
(النحل:۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور لوگوں سے اچھے طریقہ پر بحث کرو۔''

محرم مرد کے لئے کسی چپکنے والی چیز سے سر کا ڈھانکنا حرام ہے جیسے ٹوپی، غترہ یا عمامہ وغیرہ، اسی طرح چہرہ بھی ڈھانکنا، حرام ہے، کیونکہ عرفہ کے دن جو صحابی اپنی سواری سے گر کر وفات پا گئے تھے ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''ان کو پانی اور بیری سے غسل دو اور احرام والے دونوں کپڑوں میں ان کو کفنا دو اور ان کا سر اور چہرہ نہ ڈھانکو، کیونکہ قیامت کے دن وہ لبیک کہتے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔'' (متفق علیہ، الفاظ مسلم کے ہیں)

لیکن موٹر کی چھت یا چھتری وغیرہ سے سایہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے خیمہ اور درخت وغیرہ سے سایہ حاصل کرنا جائز ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے وقت نبی کریم ﷺ پر کپڑے سے سایہ کیا گیا تھا، اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مقام نمرہ میں آپ کے لئے ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا، جس کے نیچے عرفہ کے دن آپ آفتاب ڈھلنے تک بیٹھے رہے۔

محرم مرد و عورت پر خشکی کے شکار مارنا، اس میں مدد دینا، شکار کو اپنی جگہ سے بھڑکانا، نکاح کرنا اور جماع کرنا اور عورتوں کو شادی کا پیغام دینا اور شہوت کے ساتھ ان سے مباشرت کرنا سب حرام ہے، جیسا کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''محرم نہ نکاح کرے، نہ نکاح کرائے اور نہ شادی کا پیغام دے۔'' (صحیح مسلم)

اگر محرم غلطی یا جہالت سے سلے ہوئے کپڑے پہن لے یا سر ڈھانک لے تو اس پر کوئی فدیہ نہیں، اور جب بھی یاد آجائے یا جان جائے تو اس کو دور کر دے، اسی طرح جو شخص بھول کر یا جہالت سے بال مونڈ لے یا اپنے بال میں سے کچھ کتر لے یا اپنے ناخن کاٹ لے تو

صحیح قول کے مطابق اس پر کچھ نہیں۔
مسلمان خواہ محرم ہو یا غیر محرم، مرد ہو یا عورت، اس کو حرم کا شکار کرنا اور اس کے قتل پر آمادہ کرنا یا اشارے سے مدد پہنچانا اور اسی طرح شکار کو اس کی جگہ سے بھڑکا کر لے جانا حرام ہے، نیز حرم کے درخت اور اس کے سبزہ زاروں کو کاٹنا اور اس کی پڑی ہوئی چیزوں کو اٹھانا حرام ہے سوائے اس کے جو اس چیز کو جانتا ہو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''یہ شہر یعنی مکہ اللہ کی حرمت کے ساتھ قیامت تک حرام ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے، نہ اس کا شکار بھڑکایا جائے، نہ اس کی گھاس کاٹی جائے اور نہ اس کی گری پڑی چیز منشد کے علاوہ کوئی اٹھائے۔'' (متفق علیہ)

''منشد'' کہتے ہیں پہچان کرانے والے کو، اور ''خلا'' کہتے ہیں تازہ گھاس کو۔ واضح رہے کہ منیٰ اور مزدلفہ حرم میں ہیں اور عرفہ حل میں ہے۔

فصل نمبر 10:

مکہ اور کعبۃ اللہ میں داخل ہونا اور طواف

حاجی جب مکہ پہنچ جائے تو اس کو چاہئے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے، جب مسجد حرام پہنچے تو مسنون ہے کہ اپنا داہنا پاؤں پہلے داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:

((''بسم الله والصلاة والسلام على رسول الله، اعوذ بالله العظيم، وبوجهه الكريم، وسلطانه القديم، من الشيطان الرجيم، اللهم افتح لى ابواب رحمتك''))

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول پر، میں پناہ مانگتا ہوں اللہ عظمت والے کی اور بزرگ ذات کی اور اس کی قدیم سلطنت کی شیطان مردود سے، اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اور یہی دعا سب مسجدوں میں داخل ہونے کے وقت پڑھے، مسجد حرام میں داخلہ کے لئے جہاں تک میں جانتا ہوں رسول اللہ ﷺ سے کوئی مخصوص دعا ثابت نہیں۔

حاجی جب کعبہ کے پاس پہنچے تو اگر وہ تمتع یا عمرہ کرنے والا ہے تو طواف شروع کرنے سے پہلے لبیک کہنا بند کر دے، پہلے حجر اسود کے سامنے آئے، اس کو داہنے ہاتھ سے چھوئے اور اگر ممکن ہو تو بوسہ دے، لیکن کسی کو دھکا دے کر تکلیف نہ پہنچائے، چھوتے وقت: ''بسم اللہ واللہ اکبر'' یا صرف ''اللہ اکبر'' کہے، اگر بوسہ دینا مشکل ہو تو ہاتھ یا چھڑی سے اس کو چھوئے، پھر اپنی چھڑی یا ہاتھ کو بوسہ دے، اگر استلام بھی مشکل ہو تو اللہ اکبر کہہ کر اشارہ ہی کر لے، لیکن جس چیز سے اشارہ کرے اس کو بوسہ نہ دے۔ طواف صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طواف کرنے والا حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہو، کیونکہ طواف بھی نماز کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ طواف میں بولنے کی اجازت ہے، بیت اللہ کو طواف کی حالت میں اپنی بائیں جانب کرے، اگر طواف کے شروع میں یہ دعا پڑھے تو بہتر ہے:

((''اللهم ايمانا بك وتصديقا بكتابك ووفاء بعهدك واتباعا لسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم''))

''اے اللہ! تجھ پر ایمان لا کر اور تیری کتاب کی تصدیق کر کے اور تیرے عہد کی وفا کر کے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے (طواف کرتا ہوں)۔''

اس لئے کہ نبی ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے، طواف سات چکر کرے، پہلے تین چکر میں رمل کرے، یہ اس طواف میں کرے گا جو مکہ آتے ہی سب سے پہلے کرتا ہے، خواہ یہ طواف عمرہ کا ہو یا حج تمتع کا یا قران کا یا افراد کا، بقیہ چار چکروں میں معمول کی رفتار سے چلے۔ ہر چکر حجر اسود سے شروع کر کے اسی پر ختم کرے۔

''رمل'' کہتے ہیں چھوٹے چھوٹے قدم کے ساتھ تیز چلنا، اس پورے طواف میں اضطباع کرنا مستحب ہے، اس کے علاوہ دوسرے طواف میں نہیں۔

''اضطباع'' کہتے ہیں چادر کا پچھلا حصہ اپنے داہنے کندھے کے نیچے کرے اور اس کے دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر رکھے۔

اگر طواف کے چکروں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو یقین پر یعنی کم تعداد پر بنیاد رکھے، یعنی اگر شک پڑ جائے کہ تین چکر کئے ہیں یا چار، تو اس کو تین ہی سمجھے، اسی طرح سعی میں بھی کرے۔

جب طواف سے فارغ ہو جائے تو اپنی چادر کو اوڑھ لے، اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے چادر کو اپنے دونوں کندھوں پر رکھ لے اور چادر کے کناروں کو سینے پر لٹکا لے۔

عورتوں کے لئے جس چیز سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا ضروری ہے وہ ہے ان کا زینت اور مہکنے والی خوشبوؤں کو لگا کر بے پردگی کے ساتھ طواف کرنا، طواف کی حالت میں پردہ کرنا اور زینت سے پرہیز کرنا ان کے لئے ضروری ہے، اور ان اوقات میں بھی جب مردوں کے ساتھ ان کا ملنا جلنا زیادہ ہو، اس لئے کہ عورتیں مکمل پردہ ہیں اور فتنہ بھی ہیں، اور عورت کا چہرہ اس کی سب سے نمایاں زینت ہے، لہٰذا محرم کے سوا کسی کے سامنے اس کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن))

''اور وہ (عورتیں) اپنی زینت کو شوہروں کے سوا (کسی کے لئے) ظاہر نہ کریں۔'' (النور:۳۱)

لہٰذا حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت مرد اگر ان کو دیکھتے ہوں تو ان کا چہرہ کھولنا جائز نہیں، اگر حجر اسود چھونے اور بوسہ دینے کی گنجائش میسر نہ ہو تو مردوں کے ساتھ کشمکش کرنا بھی ان کے لئے جائز نہیں ہے، اس وقت ان کو چاہئے کہ مردوں کے پیچھے ہو کر وہ طواف کریں، یہ ان کے لئے مردوں سے کشمکش کی صورت میں بیت اللہ کے قریب طواف کرنے سے زیادہ بہتر اور ثواب میں بھی زیادہ ہے۔

طواف قدوم کے سوا رمل اور اضطباع کسی اور طواف میں مشروع نہیں اور نہ سعی میں مشروع ہے اور نہ ہی عورتوں کے لئے رمل اور اضطباع مشروع ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے رمل و اضطباع صرف اپنے اس پہلے طواف میں کیا جب آپ مکہ تشریف لائے تھے۔

محرم کو طواف کی حالت میں حدث اور خباثت سے پاک رہنا چاہئے، اور اپنے رب کے لئے جھکا ہوا اور اس کے لئے متواضع رہنا چاہئے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر اور دعا کرتے رہنا چاہئے، اگر طواف میں کچھ قرآن بھی پڑھتا رہے تو اور بہتر ہے۔

اس طواف اور سعی میں اور اس کے علاوہ کسی بھی طواف و سعی میں کسی مخصوص ذکر و دعا کا پڑھنا ضروری نہیں، جن لوگوں نے طواف و سعی کے ہر چکر کے لئے ایک ایک مخصوص دعا ایجاد کر لی ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ جو بھی ذکر و دعا میسر ہو اس کا پڑھنا کافی ہے۔ جب رکن یمانی کے مقابل آئے تو ''بسم اللہ واللہ اکبر'' کہہ کر اپنے داہنے ہاتھ سے اس کو چھولے، اگر رکن یمانی کا چھونا مشکل ہو تو اس کو چھوڑ کر طواف کرتا رہے۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

((ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار)) (البقرہ:۲۰۱)

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔''

جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اس کو چھوئے اور بوسہ دے اور اللہ اکبر کہے، اگر چھونا اور بوسہ دینا آسان نہ ہو تو جب بھی سامنے آئے تو اس کی طرف اشارہ کرے اور اللہ اکبر کہے، زمزم اور مقام ابراہیم کے پیچھے سے طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھیڑ کے وقت تو خاص طور پر، پوری مسجد حرام طواف کی جگہ ہے، اگر مسجد کے چھجوں میں طواف کیا جائے تو بھی کافی ہے، لیکن کعبہ کے قریب طواف افضل ہے بشرطیکہ آسان ہو، طواف سے فارغ ہو کر اگر ممکن ہو تو مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے، اگر بھیڑ وغیرہ کی وجہ ممکن نہ ہو تو مسجد کے کسی بھی حصے میں پڑھ لے۔

ان دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ''قل یاایھا الکافرون'' ، اور قل ھو اللہ احد ، کا پڑھنا مسنون ہے، افضل یہی ہے، لیکن اگر دوسری سورتیں پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں، طواف کے بعد حجر اسود کا رخ کرے اور اگر ممکن ہو تو نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے اس کو داہنے ہاتھ سے چھو لے۔

فصل نمبر 11:

سعی اور اس کے آداب کا بیان

باب صفا سے نکل کر صفا پہاڑی کی طرف جائے اور اس پر چڑھ جائے یا اس کے پاس کھڑا ہو جائے، اگر میسر ہو تو صفا پر چڑھنا افضل ہے، پہلا چکر شروع کرتے وقت یہ آیت کریمہ پڑھے:

((ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ))

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' (البقرہ:۱۵۸)

مستحب ہے کہ قبلہ کو سامنے کرے اور اللہ کی حمد بیان کرے اور کہے:

((''لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، یحیی و یمیت وھو علی کل شیء قدیر، لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ، ونصر عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ''))

''اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے تعریف، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اس تنہا نے تمام جماعتوں کو شکست دی۔''

اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر جس قدر بھی دعا کر سکتا ہو کرے، یہ ذکر اور دعائیں تین مرتبہ پڑھے، پھر اتر کر مروہ کی طرف چلے، جب پہلے (سبز) نشان پر پہنچے تو مرد چلنے میں تیزی کرے یہاں تک کہ دوسرے نشان تک پہنچ جائے لیکن عورت ان دونوں نشانوں کے درمیان نہ دوڑے، اس کے لئے پوری سعی میں صرف چلنا ہے، پھر چل کر مروہ پر چڑھے یا مروہ کے پاس کھڑا ہو جائے، اگر ممکن ہو تو چڑھنا افضل ہے، مروہ پر بھی وہی دعا کرے جو صفا پر کی تھی، البتہ آیت کریمہ: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ نہ پڑھے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں اس کا صرف پہلے چکر میں صفا پر چڑھتے وقت چڑھنا مشروع ہے۔

پھر اتر کر چلنے کی جگہ چلے اور دوڑنے کی جگہ دوڑے، یہاں تک کہ صفا تک پہنچ جائے، ایسا سات مرتبہ کرے، جانا ایک سعی ہے اور

لوٹنا ایک سعی ہے، نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(("خذوا عني مناسككم"))

"مجھ سے اپنے حج کے مسائل سیکھ لو۔"

سعی میں جہاں تک ممکن ہو ذکر و دعا کثرت سے کرنا چاہئے اور حدث و نجاست سے پاک رہنا چاہئے، اگر بغیر وضو بھی سعی کرے تو کافی ہے، اسی طرح اگر طواف کے بعد عورت کو حیض یا نفاس ہو جائے اور وہ سعی کرے تو اس کی سعی ہو جائے گی، اس لئے کہ سعی میں طہارت شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

جب سعی پوری کر لے تو اپنے بال منڈوا لے یا چھوٹے کروا لے، مرد کے لئے بال منڈوانا افضل ہے، لیکن اگر عمرہ میں قصر کر لے اور حلق حج کے لئے چھوڑ دے تو بہتر ہے، اگر اس کا مکہ آنا حج کے وقت سے قریب ہو تو اس کے حق میں بال چھوٹے کرانا افضل ہے تا کہ حج میں بقیہ بال منڈوا لے، اس لئے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب جب ۴ ذی الحجہ کو مکہ آئے تو آپ نے ان لوگوں کو جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائے تھے حکم دیا کہ وہ حلال ہو جائیں اور بال چھوٹے کرا لیں، آپ نے انہیں بال منڈوانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بال چھوٹے کرانے کی صورت میں پورے سر سے بال لینا ضروری ہے، سر کے بعض حصے کے بال چھوٹے کرانا کافی نہیں، اسی طرح سر کے بعض حصے کا منڈوانا بھی کافی نہیں، اور عورت کے لئے صرف بال چھوٹے کرانا ہی مشروع ہے، اس کو چاہئے کہ اپنی چوٹی سے انگلی کے پور کے برابر بال کاٹ لے، پورا انگلی کے سرے کو کہتے ہے، عورت اس سے زیادہ بال نہ کاٹے۔

اتنی باتیں محرم کر لے تو الحمد للہ اس کا عمرہ پورا ہو گیا اور اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہو گئی جو احرام کی وجہ سے حرام تھی، البتہ جو شخص قربانی کا جانور حل سے لایا ہو وہ اپنے احرام میں باقی رہے گا اور حج و عمرہ دونوں کر کے حلال ہو گا۔

جس شخص نے صرف حج یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو اس کے لئے مسنون ہے کہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور جس طرح حج تمتع والا کرتا ہے ایسا ہی وہ بھی کرے، ہاں اگر جانور ساتھ لایا ہے تب نہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہی حکم دیا تھا اور فرمایا تھا:

((" لو لا اني سقت الهدى لا حللت معكم"))

"اگر میں جانور نہ لایا ہوتا تو تمہارے ساتھ حلال ہو جاتا۔"

اگر عورت عمرہ کے احرام کے بعد حیض یا نفاس سے دو چار ہو جائے تو پاک ہونے تک نہ بیت اللہ کا طواف کرے نہ صفا و مروہ کی سعی کرے، جب پاک ہو جائے تو طواف و سعی کرے اور بال بھی چھوٹے کروائے، اس سے اس کا عمرہ پورا ہو جائے گا، لیکن اگر وہ یوم الترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) سے پہلے پاک نہ ہو سکے تو جہاں ٹھہری ہوئی ہے وہیں سے حج کا احرام باندھ لے اور سب لوگوں کے ساتھ منیٰ چلی جائے، اور عرفات اور مشعر حرام کے وقوف، کنکری مارنے، مزدلفہ و منیٰ میں رات گزارنے، قربانی کا جانور ذبح کرنے اور بال چھوٹا کرنے میں ایسے ہی کرے جیسا سب حاجی کرتے ہیں، جب پاک ہو جائے تو بیت اللہ کا ایک طواف اور صفا و مروہ کی ایک سعی کر لے یہ اس کے حج اور عمرہ دونوں ہی کے لئے کافی ہو گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق کہ ان کو عمرہ کے احرام کے بعد حیض آیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

"حاجی جو کچھ کرتے ہیں تم بھی کرو، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرنا یہاں تک کہ تم پاک ہو جاؤ۔" (متفق علیہ)

جب حائضہ اور نفاس والی عورت قربانی کے دن کنکری مارلے اور اپنے بال چھوٹے کرا لے تو اس کے لئے وہ تمام چیزیں حلال ہو جائیں گی جو احرام کی وجہ سے حرام تھیں، جیسے خوشبو وغیرہ، سوائے شوہر کے یہاں تک کہ اپنا حج پورا کر لے۔ جب دوسری پاک عورتوں کی

طرح وہ بھی اپنا حج پورا کرلے اور پاک ہونے کے بعد طواف وسعی کرلے تو اس کے لئے اس کا شوہر بھی حلال ہوگیا۔

فصل نمبر 12:

۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ جانے کا بیان

جب آٹھویں ذی الحجہ (ترویہ کا دن) آئے تو جو لوگ عمرہ سے حلال ہو کر مکہ میں مقیم ہوں اور اہل مکہ میں سے جو لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ اپنے گھروں سے حج کا احرام باندھیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مقام ابطح میں مقیم تھے اور آپ کے حکم سے یوم الترویہ کو اپنی قیام گاہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ جائیں اور اس کے پاس سے یا میزاب کے پاس سے احرام باندھیں، اسی طرح آپ نے ان کو منیٰ جانے کے وقت طواف وداع کا بھی حکم نہیں دیا تھا، اگر یہ مشروع ہوتا تو آپ صحابہ کو ضرور بتلاتے، اور بھلائی تو سب کی سب نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع میں سے ہے۔

حج کے احرام کے وقت غسل کرنا اور خوشبو استعمال کرنا اور صاف ستھرا ہونا مستحب ہے، جیسے میقات کے پاس احرام باندھتے وقت کیا جاتا ہے۔

یوم الترویہ کو حج کا احرام باندھنے کے بعد زوال سے پہلے یا بعد منیٰ جانا مسنون ہے، اور جمرۃ العقبہ کی رمی کرنے تک کثرت سے لبیک پکارنا چاہئے، حجاج ظہر، عصر، مغرب عشاء اور فجر منیٰ ہی میں پڑھیں گے، سنت یہ ہے کہ ہر نماز اپنے وقت پر قصر پڑھی جائے، جمع نہ کی جائے، سوائے مغرب اور فجر کے کیونکہ ان میں قصر جائز نہیں، اس میں اہل مکہ اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ اور دوسروں نے منیٰ اور عرفہ اور مزدلفہ میں قصر ہی نماز پڑھائی تھی اور مکہ والوں کو نماز پوری کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، اگر یہ ضروری ہوتا تو آپ ان سے بیان کردیتے۔

فصل نمبر 13:

عرفہ جانے کا بیان

عرفہ کے دن آفتاب نکلنے کے بعد حاجی منیٰ سے عرفہ کی طرف جائیں گے، اور مسنون ہے کہ لوگ زوال تک مقام نمرہ میں ٹھہرے رہیں، بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کی اقتدا ہوجائے، آفتاب ڈھلنے کے بعد امام یا اس کا نائب لوگوں کو ایسا مناسب حال خطبہ دے، جس میں اس دن اور اس دن کے بعد والے دن کے لئے ان باتوں کا ذکر ہو جو حاجی کے لئے مشروع ہیں، خطیب لوگوں کو تقویٰ، توحید الٰہی اور اخلاص فی العمل کی تاکید کرے، انہیں حرام باتوں سے ڈرائے، کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ نے مضبوط پکڑنے کی وصیت کرے اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کو اپنے تمام کاموں میں فیصلہ کن بنانے کی ترغیب دے، تاکہ ان تمام باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا ہو، خطبہ کے بعد لوگ ظہر وعصر اول وقت میں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے مطابق قصر اور جمع پڑھیں۔ (صحیح مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد لوگ مقام عرفہ میں وقوف کریں بطن عرفہ کے علاوہ پورا عرفہ وقوف کی جگہ ہے، اگر میسر ہو تو قبلہ اور جبل رحمت کو سامنے رکھنا مستحب ہے، اگر دونوں کو سامنے کرنا میسر نہ ہو تو قبلہ کو سامنے کرلے اور جبل رحمت کو سامنے نہ کرے، اس وقوف میں حاجی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس سے دعا، اس کی طرف آہ وزاری میں پوری جدوجہد کرے، دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھائے، اگر لبیک پکارتا

رہے اور قرآن بھی پڑھتا رہے تو اور بھی بہتر ہے، اور اس دعا کو بکثرت پڑھنا مسنون ہے:

((" لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحيي ويميت، وهو على كل شئي قدير"))

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''سب سے اچھی دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور سب سے اچھی دعا جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی وہ یہ ہے:

((" لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحيي ويميت، وهو على كل شيء قدير"))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ چار کلمے اللہ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں:

((" سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله، والله اكبر"))

اس دعا کو خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ کثرت سے بار بار پڑھنا چاہئے، اسی طرح شرع میں جو دوسرے اذکار اور دعائیں دوسرے اوقات کے لئے آئی ہیں ان کو بھی کثرت سے پڑھے، خصوصیت سے اس جگہ اور اس عظیم دن میں اور بھی پڑھنا چاہئے اور جامع اذکار اور دعاؤں کو خصوصیت سے منتخب کرنا چاہئے، جن میں خاص طور پر یہ دعائیں ہیں:

(("سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم"))

''پاک ہے اللہ اور اس کی حمد بیان کرتے ہیں، پاک ہے اللہ عظمت والا۔''

((" لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين"))

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔''

(("لا اله الا الله، ولا نعبد الا اياه، له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن، لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون"))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم سب اسی کی بندگی کرتے ہیں، اسی کے لئے نعمت ہے اور فضل، اور اسی کے لئے اچھی تعریف ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہیں خواہ کافر پسند نہ کریں۔''

"لا حول ولا قوة الا بالله"

''نہیں ہے کسی کو زور اور قوت اللہ کے سوا۔''

((ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار))

''اے ہمارے رب! عطا کر ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں جہنم کے عذاب سے۔''

((" اللهم اصلح لي ديني الذي هو عصمة امري، واصلح لي دنياي التي فيها معاشي، واصلح لي اخرتي فيها معادي، واجعل الحياة زيادة لي في كل خير،

واجعل الموت راحة لی من کل شر))

''اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو درست فرمادے جو میرے کام کی عصمت ہے، اور میرے لئے میری دنیا کو درست فرمادے جس میں میری روزی ہے، اور میرے لئے میری آخرت سدھار دے جس میں مجھے لوٹ کر جانا ہے، اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں زیادتی کا باعث بنادے اور موت کو میرے لئے ہر برائی سے راحت بنادے۔''

((''اعوذ باللہ من جھد البلاء ودرك الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء''))

''پناہ چاہتا ہوں اللہ کی آزمائش کی سختی سے اور نحوست کے پانے سے اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کے ہنسنے سے۔''

((''اللھم انی اعوذبك من الھم والحزن، ومن العجز والکسل ومن الجن والبخل، ومن الماثم والمغرم، ومن غلبة الدین وقھر الرجال''))

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور عاجزی وسستی سے، اور بزدلی اور بخل سے اور گناہ اور قرض خواہ سے، اور قرض کے غلبہ اور لوگوں کے دباؤ سے۔''

((''اعوذ بك اللھم من البرص والجنون والجزام، ومن سئی الاسقام''))

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص سے، جنون سے، کوڑھ سے اور بری بیماریوں سے۔''

((''اللھم انی اسالك العفو والعافیة فی الدنیا والآخرة''))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں درگزر کا اور دنیا وآخرت میں عافیت کا۔''

((''اللھم انی اسألك العفو والعافیة فی دینی ودنیای واھلی ومالی''))

''اے اللہ! میں تجھ سے درگزر اور عافیت کا سوال کرتا ہوں اپنے دین اور دنیا اور اہل اور مال کے بارے میں۔''

((''اللھم استر عوراتی وامن روعاتی، اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی' وعن شمالی ومن فوقی، واعوذبك بعظمتك ان اغتال من تحتئی))

''اے اللہ! میرے عیوب کو چھپادے اور مجھے خوف سے محفوظ رکھ اور میری حفاظت کر میرے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں بائیں اور اوپر سے اور تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نیچے سے اچک لیا جاؤں۔''

((''اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی، واسرافی فی امری، وما انت اعلم به منی''))

''اے اللہ! میرے لئے بخش دے میری خطا اور نادانی کو، اور میرے کام میں میری زیادتی کو، اور جو کچھ بھی تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔''

((''اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطئتی وعمدی، وکل ذلك عندی''))

''اے اللہ! میری حقیقت، مذاق، خطا اور ارادے کو بخش دے، اور یہ سب ہی میرے پاس ہے۔''

((اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت، وما اسررت وما اعلنت، وما انت اعلم به منی، انت المقدم وانت الموخر، وانت علی کل شیء قدیر''))

''اے اللہ! معاف کردے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور بعد میں کیا، اور جو کچھ خفیہ کیا اور جو کچھ اعلانیہ کیا، اور جس کو تو مجھ سے

بہتر جانتا ہے، تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

((" اللهم انی اسالك الثبات فی الامر والعزیمة علی الرشد، واسألك شكر نعمتك وحسن عبادتك، واسألك قلباً سلیماً ولساناً صادقاً، واسألك من خیر ما تعلم واعوذبك من شر ما تعلم، واستغفرك لما تعلم، انك علام الغیوب"))

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کام میں ثابت قدمی کا اور ہدایت پر استقلال کا، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمت پر شکر کا اور تیری عبادت اچھی طرح کرنے کا، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں قلب سلیم کا اور سچی زبان کا اور سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تو جانتا ہے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس برائی سے جس کو تو جانتا ہے، اور مغفرت چاہتا ہوں تجھ سے اس برائی کی جس کو تو جانتا ہے، بیشک تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔"

((" اللهم رب النبی محمد علیه الصلوة والسلام اغفرلی ذنبی واذهب غیظ قلبی واعذنی من مضلات الفتن ما ابقیتنی"))

"اے اللہ! نبی محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کے غصے کو دور کردے اور گمراہ کن فتنوں سے مجھے بچا جب تک تو مجھ کو زندہ رکھے۔"

((" اللهم رب السموات ورب الارض ورب العرش العظیم، ربنا ورب كل شئی فالق الحب والنوی، منزل التوراة والانجیل والقرآن، اعوذ بك من شر كل شئی انت اخذ بناصیة، انت الاول فلیس قبلك شئی، وانت الآخر فلیس بعدك شیء وانت الباطن فلیس دونك شئی، اقض عنا الدین واغننا من الفقر"))

"اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے! ہر اس چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں تو جس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے، تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور باطن ہے تیرے ماوراء کوئی چیز نہیں، میری طرف سے قرض ادا کردے اور مجھے فقر سے بے نیاز کردے۔"

((" اللهم اعظ نفس تقواها، وزكها انت خیر من زكاها، انت ولیها ومولاها"))

"اے اللہ! عطا کر میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری، اور اس کو صاف کردے، تو ہی سب سے اچھا اس کو صاف کرنے والا ہے، تو ہی اس کا ولی اور مولی ہے۔"

((" اللهم انی اعوذبك من العجز والكسل واعوذبك من الجبن ولهرم والبخل، واعوذبك من عذاب القبر"))

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں مجبوری اور سستی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور بڑھاپے اور بخیلی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔"

((" اللهم لك اسلمت وبك امنت وعلیك توكلت والیك انبت وبك خاصمت،

اعوذ بعزتك ان تضلنی، لا اله الا انت،انت الحئی الذی لا یموت، والجن والانس یموتون"))

"اے اللہ! میں تیرے لئے فرمانبردار ہوا، اور تیری ذات پر ایمان لایا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا، اور تیرے سہارے لڑا، میں پناہ چاہتا ہوں تیری عزت کی کہ تو مجھے گمراہ کرے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو زندہ ہے مرے گا نہیں، جبکہ جن وانسان مرجائیں گے۔"

((" اللهم انی اعوذبك من علم لا ینفع، ومن قلب لا یخشع، ومن نفس لا تشبع، ومن دعوة لا یستجاب لها"))

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس قلب سے جو خوف نہ کھائے، اور اس نفس سے جو آسودہ نہ ہو، اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔"

((" اللهم جنبنی منکرات الاخلاق والاعمال والاهوا والادواء"))

"اے اللہ! مجھ کو برے اخلاق اور برے اعمال اور بری خواہشات اور بیماریوں سے بچا۔"

((" اللهم الهمنی رشدی واعذنی من شر نفسی"))

"اے اللہ! مجھے میری ہدایت کی خبر کر، اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔"

((" اللهم اکفنی بحلالك عن حراملك، واغننی بفضلك عمن سواك"))

"اے اللہ! میری کفایت کر اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے ماسوا سے مجھے بے نیاز کر دے۔"

((اللهم انی أسألك الهدی والتقی والعفاف الغنی))

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا، اور پارسائی کا، اور پاکدامنی اور بے نیازی کا۔"

((" اللهم انی أسألك الهدی والسداد"))

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت و درستگی کا۔"

((" اللهم انی أسالك من الخیر کله عاجله وآجله ما علمت منه وما لم اعلم، واعوذبك من الشر کله عاجله وآجله ما عملت منه وما لم اعلم واسألك من خیر ما سالك منه عبدك ونبیك محمد صلی الله علیه وسلم، واعوذبك من شر ما استعاذك منه عبدك ونبیك محمد صلی الله علیه وسلم"))

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر بھلائی کا جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی، جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر برائی سے جلد آنے والی اور دیر میں آنے والی، جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جس کو تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے مانگا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس چیز کی برائی سے جس سے تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی۔"

(("اللهم انی اسالك الجنة وما قرب الیها من قول او عمل، واعوذبك من النار وما قرب الیها من قول او عمل، واسالك ان تجعل كل قضاء قضیة لی خیرا"))

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جنت کا اور اس عمل یا قول کا جو جنت سے قریب کرے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم سے اور اس عمل یا قول سے جو جہنم سے قریب کرے، اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کا کہ ہر فیصلے کو جو تو نے میرے لئے مقرر کیا ہے اس کو بھلا و بہتر کر دے۔"

(("لا اله الا الله، وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت، بيده الخير، وهو على كل شيء قدير"))

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے سب تعریف، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

((" سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله، والله اكبر، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم"))

"پاک ہے اللہ، اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور نہ کوئی زور ہے نہ قوت مگر اللہ بلند عظمت والے کو۔"

((" اللهم صل على محمد وعلى آل محمد، كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم، انك حميد مجيد، وبارك على محمد وعلى آل محمد، كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم، انك حميد مجيد"))

"اے اللہ! رحمت نازل کر محمد ﷺ پر اور آل محمد پر جس طرح تو نے رحمت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر، بے شک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے، اور برکت نازل کر محمد ﷺ پر اور آل محمد پر، جس طرح تو نے برکت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر، بے شک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

((ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار))

"اے ہمارے رب! ہمیں عطا کر دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔"

عرفات کے اس عظیم موقف میں حاجی کو چاہئے کہ مذکورہ بالا اذکار اور دعائیں اور اس مفہوم کی دوسری دعائیں اور اذکار پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجے، دعا میں آہ وزاری کرے اور اللہ سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں مانگے، نبی کریم ﷺ جب دعا مانگتے تو دعا کو تین تین بار دہراتے تھے، لہٰذا اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرنی چاہئے۔

عرفات کے اس میدان میں مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں اور اس کے سامنے عاجزی و زاری کریں، اس کی بارگاہ میں جھکیں، اس کے سامنے انکساری کریں، اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھیں اور اس کے عذاب و ناراضگی سے ڈریں، اپنے نفس کا حساب لیں اور خالص توبہ کی تجدید کریں، اس لئے کہ یہ بہت بڑی عظمت اور بڑے اجتماع کا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سخاوت کرتا ہے اور ان کے ذریعہ اپنے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور اس دن کثرت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے، اور یوم عرفہ

سے زیادہ کسی اور دن شیطان کو ذلیل وحقیر اور پریشان ہوتے نہیں دیکھا گیا سوائے بدر کے دن کے، اس لئے کہ شیطان دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کتنا فضل واحسان ہے اور کتنی کثرت سے وہ لوگوں کو جہنم سے آزاد اور معاف کرتا ہے، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عرفہ سے زیادہ کسی اور دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد نہیں کرتا، اور وہ اس دن (اپنے بندوں سے) قریب ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں''؟

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کو اپنی طرف سے بھلائی دکھائیں اور اپنے دشمن شیطان کو ذلیل کریں اور کثرت سے ذکر ودعا اور تمام گناہوں سے استغفار وتوبہ کر کے شیطان کو مغموم کریں، آفتاب کے غروب ہونے تک حجاج برابر ذکر ودعا اور آہ وزاری میں مشغول رہیں۔

جب آفتاب غروب ہو جائے تو سکینت اور وقار کے ساتھ مزدلفہ کی طرف لوٹیں، کثرت سے لبیک پکاریں اور جہاں راستہ کھلا ملے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں وہاں ذرا تیز چلیں، عرفات سے آفتاب غروب ہونے سے پہلے واپس آنا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ آفتاب غروب ہونے تک وہیں ٹھہرے رہے اور آپ نے فرمایا:

((" خذوا عنی مناسککم "))

''مجھ سے اپنے حج کے مسائل سیکھ لو۔''

فصل نمبر 14:

مزدلفہ میں رات گزارنے کا بیان

لوگ جب مزدلفہ پہنچ جائیں تو فوراً پہلے مغرب تین رکعات اور عشاء دو رکعت ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا، مزدلفہ میں لوگ مغرب کے وقت پہنچیں یا عشاء کے وقت نماز کی ترتیب یہی ہونی چاہئے۔

جو لوگ مزدلفہ پہنچتے ہی نماز سے پہلے کنکریاں چننے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی مشروع ہے تو ایسا کرنا بالکل غلط ہے اس کی کوئی اصل نہیں، نبی کریم ﷺ نے مشعر الحرام سے واپسی پر کنکری چننے کا حکم دیا تھا، جس جگہ سے بھی کنکری چن لی جائے کافی ہے، مزدلفہ ہی سے چننے کو خاص نہ کیا جائے، بلکہ منیٰ سے بھی چننا جائز ہے، آج کے دن نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں صرف جمرۃ العقبہ کو رمی کرنے کے لئے سات کنکریاں چننا سنت ہے، بقیہ تین دن منی ہی سے ہر روز اکیس کنکریاں چنی جائیں اور تینوں جمرات کو ماری جائیں۔

کنکریوں کو دھونا مستحب نہیں، بغیر دھوئے ہی مارنا چاہئے، کیونکہ کنکریوں کو دھونا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے نہ آپ کے اصحاب سے، البتہ استعمال شدہ کنکریوں کو دوبارہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

حاجی کو آج کی رات مزدلفہ ہی میں گزارنی ہوگی، البتہ کمزور عورتوں اور بچوں وغیرہ کو اگر اخیر رات میں منیٰ بھیج دیں تو عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسرے حجاج کے لئے ضروری ہے کہ نماز فجر پڑھنے تک مزدلفہ ہی میں مقیم رہیں، نماز فجر کے بعد قبلہ کو سامنے کر کے مشعر الحرام کے سامنے کھڑے ہوں اور کثرت سے ذکر الٰہی اور تکبیر اور دعا کریں، یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہو جائے، دعا کے دوران ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، کوئی ضروری نہیں کہ حاجی مشعر الحرام ہی کے قریب کھڑے ہوں بلکہ جہاں کہیں کھڑے ہو جائیں کافی ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں یہاں یعنی مشعر الحرام کے قریب کھڑا ہوا اور پورا مزدلفہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔'' (صحیح مسلم)

فصل نمبر 15:

منیٰ میں جانا اور رمی جمار

جب صبح خوب روشن ہو جائے تو آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ کر جائیں اور چلتے ہوئے کثرت سے لبیک پکاریں، جب وادی محسر آ جائے تو ذرا جلدی سے گزریں، منیٰ پہنچ کر جمرۃ العقبہ کے پاس لبیک کہنا بند کر دیں، وہاں پہنچتے ہی جمرہ کو پے در پے سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے وقت ہاتھ اٹھائیں اور اللہ اکبر کہیں، مستحب یہ ہے کہ کنکری مارتے وقت کعبہ کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب کر کے وادی کے اندر سے کنکری ماریں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا، اگر دوسری جانب سے بھی مار دیا اور کنکری رمی کی جگہ پر پڑ گئی تو کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ کنکری رمی کی جگہ میں باقی رہے، بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس میں گر جائے، اگر لگ کر نکل جائے تو اہل علم کے مشہور قول کے مطابق کافی ہے جس کی صراحت امام نووی نے شرح المہذب میں کی ہے، کنکریاں خزف کے برابر ہونی چاہئیں جو چنے سے کچھ بڑی ہوتی ہے۔

کنکری مارنے کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرے، ذبح کرتے وقت ''بسم الله الله اكبر اللهم هذا منك ولك'' کہنا چاہئے اور جانور کو قبلہ رخ کرنا چاہئے۔

اونٹ ذبح کرنے کا مسنون طریقہ ہے کہ وہ کھڑا ہو اور اس کا بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو، گائے اور بکری کو بائیں پہلو پر ذبح کرنا چاہئے، اگر قبلہ کے علاوہ دوسری طرف رخ کر کے ذبح کر دیا تو سنت چھوٹ جائے گی لیکن ذبیحہ ہو جائے گا، کیونکہ ذبح کے وقت قبلہ رخ کرنا سنت ہے واجب نہیں، اپنی قربانی کے جانور میں سے خود کھانا اور ہدیہ دینا اور صدقہ کرنا مستحب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((فكلو منها و اطعموا لباس الفقير))(الحج ۲۸))

''اس میں سے خود کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ۔''

فصل نمبر 16:

قربانی کے ایام کا بیان

اہل علم کے صحیح قول کے مطابق قربانی کا وقت ایام تشریق کے دوسرے دن آفتاب ڈوبنے تک ہے، لہٰذا قربانی کے کل تین دن ہوئے: دسویں ذی الحجہ اور دو دن اس کے بعد۔

جانور نحر یا ذبح کرنے کے بعد حاجی اپنا سر منڈا لے یا بال چھوٹے کرا لے، لیکن حلق (سر منڈانا) افضل ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا تین بار فرمائی اور قصر کرنے والوں کے لئے ایک مرتبہ، سر کے کچھ حصے کے بال کٹوانا کافی نہیں بلکہ منڈانے کی طرح پورے سر کے بال چھوٹے کرانا بھی ضروری ہے، اور عورت انگلی کے پور کے برابر اپنی چوٹیوں میں سے کاٹ لے۔

کنکری مارنے اور بال منڈانے کے بعد محرم کے لئے عورت کے سوا دہ سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے اس پر حرام تھیں، اس حلال ہونے کو تحلل اول کہا جاتا ہے، اس تحلل کے بعد حاجی کے لئے خوشبو لگانا اور مکہ جا کر طواف کرنا مسنون ہے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور حلال ہونے کے لئے طواف بیت اللہ سے پہلے خوشبو لگایا کرتی تھی۔ (بخاری مسلم)

اس طواف کو طواف افاضہ اور طواف زیارت بھی کہا جاتا ہے، جو حج کا ایک رکن ہے، اس کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

((ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق))

''چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، اپنی منتیں پوری کریں اور پرانے گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' (الحج:۲۹))

طواف اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اگر حاجی متمتع ہے تو صفا اور مروہ کی سعی کرے گا، یہ سعی اس کے حج کے لئے ہوگی اور اس کی پہلی سعی عمرہ کے لئے تھی۔

فصل نمبر 17:

حج تمتع اور سعی

علماء کے اصح قول کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی روشنی میں متمتع کے لئے ایک سعی کافی نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے نکلے، اس حدیث میں وہ آگے چل کر کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا بھی احرام باندھے اور عمرہ و حج دونوں کر کے حلال ہو۔''

آگے فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف وسعی کر کے حلال ہو گئے، پھر جب وہ منی سے واپس آئے تو حج کے لئے دوسرا طواف کیا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا حج کے بعد منی سے واپس آ کر انہوں نے دوبارہ طواف کیا، تو اس طواف سے مراد صفا و مروہ کا طواف (سعی) ہے، جو اس حدیث کی تشریح میں سب سے صحیح قول ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عائشہ کی مراد طواف افاضہ ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ طواف افاضہ تو سب کے لئے رکن ہے، جس کو سبھی نے کیا، اس طواف سے مراد وہ ہے جو متمتع حاجی کے ساتھ خاص ہے، یعنی صفا و مروہ کی دوبارہ سعی جو حج کی تکمیل کے بعد منی سے واپسی کے بعد کی جاتی ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول بھی ہے، اس کی صحت پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا، جب ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے حج کے احرام کو عمرہ بنالو، سوائے ان لوگوں نے جن کے پاس قربانی کا جانور موجود ہو۔''

چنانچہ ہم نے بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا طواف کیا، اپنی عورتوں کے پاس بھی آئے اور کپڑے بھی پہن لئے، آپ نے ان کے بارے میں جن کے پاس جانور تھے فرمایا کہ وہ ایسا نہ کریں، کیونکہ وہ اس وقت تک حلال نہ ہوں گے جب تک قربانی کا جانور اپنی جگہ یعنی منیٰ میں نہ پہنچ جائے، آٹھویں ذی الحجہ کی شام کو ہمیں آپ نے حکم فرمایا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، جب

ہم تمام مناسک حج سے فارغ ہوگئے تو مکہ آئے اور بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا۔''

اس تفصیل سے ہمارا مقصود پورا ہوگیا، اس میں متمتع حاجی کے لئے دو مرتبہ سعی کی صراحت موجود ہے، واللہ اعلم۔

رہی وہ حدیث جس کو مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروہ کا صرف ایک یعنی پہلا ہی طواف کیا تھا، تو یہ ان صحابہ کرام کے بارے میں ہے جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ اپنے احرام میں باقی رہ گئے تھے، یہاں تک کہ وہ حج و عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہوئے اور نبی کریم ﷺ نے بھی حج و عمرہ ہی کا احرام باندھا تھا اور جو لوگ قربانی کا جانور لائے تھے ان کو حکم فرمایا کہ وہ عمرہ کے ساتھ حج کا بھی احرام باندھیں اور جب تک دونوں سے فارغ نہ ہو جائیں حلال نہ ہوں، اور حج و عمرہ کو اکٹھا کرنے والے (قارن) پر ایک ہی سعی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے اور دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح جس نے صرف حج کا احرام باندھا اور قربانی کے دن تک اپنے احرام میں باقی رہا اس پر بھی ایک ہی سعی ہے، لہٰذا جب قارن اور مفرد طواف قدوم کے بعد سعی کر لیں تو طواف افاضہ کے بعد کی سعی کے لئے یہ کافی ہو جائے گی، اس طرح حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس کی حدیث اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی حدیث کے درمیان جمع و تطبیق ہو جاتی ہے اور اس سے تعارض بھی دور ہو جاتا ہے اور تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

اس جمع و تطبیق کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ اور ابن عباس کی احادیث صحیحہ نے متمتع کے حق میں دوسری سعی کو ثابت کیا اور حضرت جابر کی حدیث کا ظاہر متن اس کی نفی کرتا ہے اور علم الاصول اور مصطلح حدیث کے مطابق مثبت، منفی پر مقدم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ الموفق للصواب ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

فصل نمبر 18:

یوم نحر کے احکام

حاجی کے لئے افضل یہ ہے کہ یوم نحر کو یہ چاروں کام مذکورہ ترتیب کے ساتھ کرے، یعنی پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی، پھر نحر، پھر حلق یا تقصیر، پھر بیت اللہ کا طواف۔ اس کے بعد متمتع کے لئے سعی، اور مفرد و قارن بھی اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی نہ کی ہو تو ان کے لئے بھی سعی ضروری ہے، اگر ان چاروں میں سے کسی کو کسی پر مقدم کر دیا جائے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کی رخصت کا ثبوت موجود ہے، اور سعی کو طواف سے پہلے کر لینا بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ یہ بھی یوم النحر کو کئے جانے والے کاموں میں سے ایک ہے، لہٰذا صحابی کے اس قول میں داخل ہوگا کہ اس دن (یوم النحر کو) جو کام بھی مقدم و مؤخر کیا گیا اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا:

''کرو، کوئی حرج نہیں۔''

اور اس وجہ سے بھی کہ سعی کو مقدم و مؤخر کرنے میں بھول اور لاعلمی واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ بھی ''کرو، کوئی حرج نہیں'' کے عموم میں داخل ہوگا، کیونکہ اس میں حجاج کے لئے آسانی اور سہولت ہے، اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے طواف سے پہلے سعی کر لی تھی، تو آپ نے فرمایا:

''کوئی حرج نہیں۔''

اس حدیث کوابوداؤد نے اسامہ بن شریک سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ طواف اور سعی کا مقدم ومؤخر کرنا بلاشبہ اس عموم میں داخل ہے، واللہ الموفق۔!

جن کاموں سے حاجی پورے طور پر حلال ہو جاتا ہے وہ تین ہیں: جمرۃ العقبہ کو کنکری مارنا، بال منڈانا یا کتروانا اور طواف افاضہ، اور اس کے بعد ان کے لئے سعی جس کا ذکر کیا گیا، جب یہ تینوں کام کر لے تو اس کیلئے ہر چیز حلال ہو گئی، مثلاً: بیوی خوشبو وغیرہ جو احرام کی وجہ سے حرام تھی، اور جس نے اس میں سے دو کام کئے تو اس کیلئے بیوی کے سوا بقیہ چیزیں حلال ہو جائیں گی اور اسے تحلل اول کہا جاتا ہے۔

فصل نمبر 19:

زمزم پینے کا بیان

حاجی کے لئے زمزم کا پانی پینا اور خوب آسودہ ہونا مستحب ہے، زمزم کا پانی پیتے وقت جتنی بھی مفید دعائیں یاد ہوں کرنی چاہئیں، زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جاتا ہے پوری ہوتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمزم کے پانی کے بارے میں فرمایا:

''وہ غذا ہے۔''

ابوداؤد میں اتنا زیادہ ہے:

''زمزم بیماری کے لئے شفاء بھی ہے۔''

فصل نمبر 20:

منیٰ کے لئے واپسی اور وہاں تین دن کا قیام

طواف افاضہ اور جن پر سعی واجب ہے ان کی سعی کے بعد حجاج منیٰ جائیں اور وہاں تین دن اور تین راتیں قیام کریں، اور ہر دن آفتاب ڈھلنے کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں ماریں۔

کنکری مارنے میں اس ترتیب کا لحاظ کرنا ضروری ہے: پہلے اس جمرہ سے رمی شروع کرنی چاہئے جو مسجد خیف کے قریب ہے، اس کو متواتر سات کنکریاں مارنی چاہئے اور ہر کنکری کے ساتھ ہاتھ اٹھانا چاہئے، مسنون ہے کہ جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جائے اور اس کو اپنی دائیں بائیں جانب کر لے اس طرح کہ قبلہ سامنے ہو اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لے اور خوب دعا و آہ و زاری کرے۔

پھر پہلے کی طرح دوسرے جمرہ کو کنکری مارے، مسنون ہے کہ رمی کے بعد تھوڑا آگے بڑھ جائے اور جمرہ کو داہنی جانب اور قبلہ کو سامنے کر لے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر خوب دعا مانگے، پھر تیسرے جمرے کو کنکری مارے لیکن وہاں ٹھہرے نہیں۔

اسی طرح دوسرے دن زوال کے بعد ان تینوں جمرات کو کنکری مارے اور جس طرح پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس پہلے دن کیا تھا، ویسے ہی دوسرے دن کرے تاکہ نبی کریم ﷺ کی اقتدا پوری ہو۔

ایام تشریق کے پہلے دو دنوں میں رمی کرنا حج کے واجبات میں سے ہے، اسی طرح پہلی اور دوسری رات منیٰ میں گزارنا واجب ہے، سوائے پانی پلانے والوں اور چرواہوں کے اور جو ان کے حکم میں ہوں، ان کے لئے منیٰ میں رات گزارنا ضروری نہیں۔

پہلے دو دنوں کی رمی کے بعد جو منیٰ سے جلد جانا چاہے اس کے لئے جائز ہے، لیکن اس کو آفتاب ڈوبنے سے پہلے ہی نکل جانا

چاہئے، لیکن جو تاخیر کرے اور تیسری رات بھی گزارے اور تیسرے دن بھی جمرات کو کنکری مارے تو وہ افضل اور ثواب میں زیادہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

((واذکروا الله فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه ومن تاخر فلا اثم علیه لمن اتقی))(البقرہ:۲۰۳)

''ان چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو، جو شخص (منی) دو دن قیام کر کے واپسی کی جلدی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس شخص پر کوئی گناہ ہے جو تاخیر کر کے جائے، یہ اللہ سے ڈرنے والے کے لئے ہے۔''

تاخیر کرنا اس لئے بھی افضل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو تعجیل کرنے کی رخصت دی، لیکن خود تعجیل نہیں کی بلکہ منی میں ٹھہر کر ۱۳ تاریخ تک زوال کے بعد جمرات کو کنکری ماری، پھر ظہر پڑھنے سے پہلے آپ وہاں سے کوچ کر گئے۔

چھوٹے بچے جو کنکری نہیں مار سکتے ان کے ولی کے لئے جائز ہے کہ اپنی طرف سے کنکری مارنے کے بعد ان کی طرف سے بھی کنکری مارے، اسی طرح چھوٹی بچی جو کنکری نہیں مار سکتی اس کی طرف سے اس کا ولی کنکری مار سکتا ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے، ہم نے بچوں کی طرف سے لبیک بھی پکارا اور رمی بھی کی۔'' (ابن ماجہ)۔

جو شخص اپنی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے یا عورت اپنے حمل کی وجہ سے کنکری نہ مار سکتی ہو وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((فاتقوا الله ما استطعتم))

''جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (التغابن:۱۶)

چونکہ یہ لوگ جمرات کے پاس لوگوں کی بھیڑ برداشت نہیں کر سکتے اور رمی کا وقت فوت ہو جائے گا جس کی قضاء مشروع نہیں، اس لئے ان کے لئے جائز ہے کہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیں، دوسرے مناسک کے برخلاف جن کی ادائیگی کے لئے نیابت جائز نہیں، خواہ اس کا حج نفلی ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا خواہ وہ نفلی سہی ان کو پورا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((واتموا الحج والعمرة لله))

''اور حج وعمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔'' (البقرہ:۱۹۶)

طواف وسعی کا زمانہ فوت نہیں ہوتا لیکن رمی کا وقت جو محدود ہے فوت ہو جاتا ہے، جہاں تک عرفہ کے وقوف، مزدلفہ اور منی میں رات گزارنے کی بات ہے، تو بلا شبہ اس کا وقت بھی فوت ہو جاتا ہے، لیکن کسی معذور کے لئے اس تکلیف اٹھا کر ان جگہوں میں پہنچ جانا ممکن ہے لیکن رمی کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں، نیز معذور کے لئے رمی میں نائب بنانا سلف صالحین سے ثابت ہے، لیکن دوسرے مناسک کے لئے ثابت نہیں ہے، اور عبادات کا معاملہ توفیقی ہے، یعنی ان کا دارومدار شریعت کی خبر ہے، لہذا کسی کے لئے جائز نہیں کہ دلیل کے بغیر کسی چیز کو شروع کرے۔ نائب کے لئے جائز ہے کہ پہلے اپنی طرف سے رمی کرے، پھر اپنے موکل کی طرف سے ایک ہی جگہ کھڑے، یہ ضروری نہیں کہ پہلے تینوں جمرات کو اپنی طرف سے رمی کرے پھر اپنے موکل کی طرف سے دوبارہ سب کی رمی کرے، کیونکہ اس کے

خلاف کوئی دلیل موجود نہیں اور علماء کا سب سے صحیح قول یہی ہے، اور اس کے خلاف کرنے میں تکلیف و مشقت بھی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وما جعل علیکم فی الدین من حرج))

''اور اللہ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔''

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''آسانی کرو سختی مت کرو۔''

نیز رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی سے ایسا مروی نہیں کہ انہوں نے اپنے بچوں اور کمزوروں کی طرف سے دوبارہ لوٹ کر رمی کی ہو، اگر ایسا کیا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا کیونکہ نقل و روایات کے لئے ہمتیں پوری موجود تھیں، واللہ اعلم۔

فصل نمبر 21:

متمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے

حاجی جب متمتع یا قارن ہو اور وہ مسجد حرام کا رہنے والا نہ ہو تو اس پر ایک قربانی واجب ہے، دم خواہ ایک بکری ہو یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ہو۔

ضروری ہے کہ یہ جانور حلال مال اور پاکیزہ کمائی سے ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔

مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ قربانی کے لئے یا غیر قربانی کے لئے لوگوں سے سوال کرنے سے بچے، خواہ وہ بادشاہ ہوں یا کوئی اور ہوں، جب اللہ اس کے مال میں اتنی آسانی پیدا کر دے کہ وہ اپنے پاس سے قربانی دے لے اور دوسروں کی کمائی سے خود بے نیاز کر دے، جیسا کہ بے شمار احادیث میں سوال کی مذمت اور اس کا عیب بیان کیا گیا ہے اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ان کی تعریف کی گئی ہے۔

اگر متمتع اور قارن جانور ذبح کرنے سے عاجز ہوں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ ایام حج میں تین دن روزہ رکھیں اور جب گھر لوٹ جائیں تو سات دن اور رکھیں، ان کو اختیار ہے کہ یہ تینوں روزے یوم نحر سے پہلے ہی رکھ لیں یا ایام تشریق کے تینوں دنوں میں رکھیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلاثه ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم یكن اهله حاضری المسجد الحرام))(البقره ۱۹۶)

''جس نے حج کا زمانہ آنے تک عمرہ کا فائدہ اٹھایا وہ حسب مقدور جانور ذبح کرے، اگر جانور میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں رکھے اور سات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے، یہ رعایت اس کے لئے ہے جس کا گھر مکہ میں نہ ہو۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی صرف اسی کو رخصت دی گئی ہے جو قربانی کا جانور نہ پا سکے، یہ روایت نبی کریم ﷺ کی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے، اور افضل یہ ہے کہ یہ تینوں روزے یوم عرفہ سے پہلے ہی رکھ لئے جائیں تاکہ یوم عرفہ کو حاجی روزہ سے نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کا وقوف افطار کی حالت میں کیا تھا، اور آپ

نے یوم عرفہ کا مقام عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس لئے بھی کہ آج افطار کرنے سے ذکر و دعا میں زیادہ نشاط حاصل ہوگا، ان تینوں دن کا روزہ ایک ساتھ اور الگ الگ دونوں طرح رکھنا جائز ہے، اسی طرح ساتوں دن کے روزے بھی مسلسل رکھنے ضروری نہیں، اکٹھے اور متفرق دونوں طرح رکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلسل کو مشروط نہیں کیا ہے اور نہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے، ان سات روزوں کو گھر جا کر رکھنا زیادہ افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وسبعة اذا رجعتم))

''اور سات روزے اس وقت رکھو جب تم گھر لوٹ جاؤ۔''

قربانی کی طاقت نہ رکھنے والے کے لئے امراء سے جانور مانگ کر ذبح کرنے کے بجائے روزہ رکھنا افضل ہے، اور جس شخص کو بغیر مانگے اور نفس کے لالچ کے بغیر قربانی کا جانور یا کچھ اور دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، خواہ وہ حاجی حج بدل کے لئے آیا ہو، بشرطیکہ نائب بنانے والے لوگ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے جانور خریدنے کی شرط نہ لگاتے ہوں، رہے وہ لوگ جو مانگتے ہیں تو بلاشبہ ایسا کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ جھوٹ بول کر کھانے کے برابر ہے۔

عافانا الله و المسلمين من ذلك

فصل نمبر 22:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

حجاج پر اور غیر حجاج پر بھی جو سب سے بڑی چیز واجب ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہے اور جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز کی پابندی بھی، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی زبان سے دیا ہے، مکہ کے بہت سے باشندگان جو اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور مسجدوں کو معطل کر رکھا ہے، یہ ان کی بہت بڑی غلطی اور شریعت کی مخالفت ہے، ان کو اس سے منع کرنا اور مسجدوں میں نماز کی پابندی کرنے کا حکم دینا ضروری ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مکتوم سے اس وقت فرمایا جب وہ اپنے اندھے پن اور مسجد سے گھر دور ہونے کا عذر پیش کر رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا:

''کیا آپ نماز کی اذان سنتے ہیں؟''

انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا:

''تب مسجد آنا ضروری ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کہا:

''میں تمہارے لئے رخصت کی کوئی گنجائش نہیں پاتا۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے ارادہ کیا ہے کہ نماز کا حکم دوں جب وہ کھڑی ہو جائے تو کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دوں۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنن ابن ماجہ میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جس نے اذان سن لی پھر بھی بلا عذر مسجد میں نہیں آیا تو اس کی نماز نہیں۔''

صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ کل وہ اللہ سے مسلم ہو کر ملے، تو اس کو چاہئے کہ ان پانچوں نمازوں کی پوری حفاظت کرے جب بھی ان کے لئے اذان دی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لئے ہدایت کے طریقے مشروع فرمائے ہیں۔ نمازیں انہی ہدایت کے طریقوں میں سے ہیں، اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو جس طرح یہ پیچھے رہنے والے اپنے گھر میں پڑھتے ہیں تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے، اور جو شخص بھی اچھا وضو کرتا ہے پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ ایک گناہ معاف فرماتا ہے، اور ہم نے دیکھا کہ نماز سے پیچھے رہنے والے صرف کھلے منافقین ہی ہوتے، ورنہ آدمی اس حالت میں بھی لایا جاتا کہ اسے دو آدمیوں کے سہارے صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

حجاج اور دوسروں پر اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا اور ان کے ارتکاب سے دور رہنا ضروری ہے، جیسے زنا، لواطت، چوری، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، معاملات میں دھوکہ دینا، امانت میں خیانت کرنا، نشہ آور چیزوں اور سگریٹ کا پینا، کپڑوں کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا، تکبر، حسد، ریاکاری، غیبت، چغلی، مسلمانوں کا مذاق، موسیقی کے آلات کا استعمال کرنا جیسے عود، بربط، مزامیر وغیرہ کا سننا، اور ریڈیو وغیرہ آلات طرب سے گانے سننا، اور چوسر، شطرنج، جوا اور لاٹری کا کام کرنا، اور ذی روح آدمیوں کی تصویریں کھینچنا اور اس کام کو پسند کرنا، یہ سب وہ بری باتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ اپنے بندوں پر حرام قرار دیا ہے، لہذا ان سے حجاج اور باشندگان حرم کا بچنا دوسروں سے زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ اس بلد امین میں ان معاصی کا گناہ زیادہ سخت اور ان کی سزا زیادہ بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم))

''اور جو شخص حرم میں ظلم کے ساتھ الحاد کا خواہاں ہوگا، ہم اسے عذاب الیم کی سزا چکھائیں گے۔'' (الحج: ۲۵

تو جب اللہ تعالیٰ نے حرم میں ظلم کے ذریعہ الحاد کا ارادہ کرنے والوں کو دھمکی دی ہے تو ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا، جو الحاد کر گزریں، بلاشبہ یہ انتہائی عظیم اور شدید بات ہوگی، لہذا اس سے اور تمام معاصی سے بچنا ضروری ہے۔

حاجی کو حج کا ثواب اور گناہوں کی بخشش ان گناہوں اور دوسری حرام باتوں سے بچے بغیر نہیں مل سکتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص حج کرے اور اس میں بے حیائی اور فسق نہ کرے تو اس دن کی طرح ہو کر لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے پیدا کیا۔''

تمام اہل علم خواہ وہ حجاج ہوں یا بلد اللہ الامین اور مدینۃ الرسول کے مقیمین، ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کی شریعت لوگوں کو سکھائیں اور شرک و معاصی وغیرہ جو کچھ اللہ نے ان پر حرام کیا ہے، ان سے روکیں اور اسے دلائل سے پوری شرح و بسط کے ساتھ نہایت واضح اور شافی بیان کے ذریعہ بیان کریں، تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لائیں، اور اس طرح ان پر اللہ نے جو تبلیغ و بیان کا فریضہ واجب کیا ہے اس کو ادا کریں، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((واذا اخذ اللہ میثاق الذین اوتو الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ))

(آل عمران: ۱۸۷)

''اور جب اللہ نے ان سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اس کو لوگوں سے بیان کرو گے اور تم اس کو لوگوں سے چھپاؤ

سے نہیں۔"

اس آیت کا مقصود اس امت کے علماء کو ڈرانا ہے کہ وہ حق کے چھپانے کے سلسلے میں ظالم اہل کتاب کے مسلک پر نہ چلیں تا کہ اس کے ذریعہ آخرت کی بجائے دنیا کمائیں، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

((ان الذین یکتمون ماانزلنا من البینات والهدی من بعد ما بیّنٰه للناس فی الکتاب اولئك یلعنهم الله و یلعنهم اللاعنون الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولئك اتوب علیهم وانا التواب الرحیم))

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں وہ دلیلیں اور ہدایت جسے ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد کہ ہم نے اس کو لوگوں سے کتاب میں بیان کر دیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں، سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا تو انہی کی توبہ میں قبول کروں گا، اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں۔" (البقرہ:۱۶۰)

بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی طرف دعوت دینا اور بندوں کو اللہ کی طرف راہ دکھا: بہترین نیکی اور اہم ترین فرائض میں سے ہے اور قیامت تک کے لئے یہی انبیاء اور ان کے متبعین کا راستہ بھی ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:

((ومن احسن قولاً ممن دعا الی الله وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین))

"اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور صالح عمل کرے اور کہے کہ بیشک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (حم السجد:۳۳)

اللہ تعالی کا مزید ارشاد ہے:

((قل هذه سبیلی ادعو الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحان الله وما انا من المشرکین))

"کہہ دو یہی ہے میری راہ کہ میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف اور میرے متبعین بھی بصیرت کے ساتھ، اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" (یوسف:۱۰۸)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرے اس کے لئے اس کے کرنے والے کے برابر اجر ہے۔" (صحیح مسلم)

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اگر اللہ آپ نے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ آپ کے لیے سرخ اونٹنیوں سے بہتر ہے۔" (متفق علیہ)

اس مضمون کی آیات واحادیث بہت سی ہیں، اہل علم وایمان کو چاہئے کہ دعوت الی اللہ میں اپنی کوششوں کو اور بھی بڑھا دیں اور اللہ کے بندوں کو نجات کی راہ دکھانے اور ہلاکت کے اسباب سے بچانے میں پوری پوری جدوجہد کریں، خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ لوگوں کی خواہشات غالب ہو چکی ہیں اور تباہ کن افکار ونظریات اور گمراہ کن باتیں پھیل چکی ہیں اور داعیان حق کم سے کم تر ہو چکے ہیں اور الحاد وا باحیت کے داعیوں کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔

فالله المستعان ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

فصل نمبر 23:

حجاج اور اللہ کی اطاعت

حجاج جب تک مکہ میں مقیم رہیں ان کو چاہئے کہ برابر اللہ کا ذکر، اس کی اطاعت اور عمل صالح کرتے رہیں، اور نماز اور بیت اللہ کا طواف کثرت سے کریں، کیونکہ حرم کی نیکی کا ثواب چند در چند ہے، اسی طرح حرم کی برائیاں بھی بہت سخت ہوتی ہیں، اسی طرح حجاج کو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجتے رہیں۔

جب حاجی مکہ سے نکلنا چاہیں تو ان پر بیت اللہ کا طواف وداع ضروری ہے تا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ سے ہو کر گزرے، سوائے حائضہ اور نفاس والی عورت کے کہ ان دونوں پر طواف وداع نہیں ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو لیکن آپ نے حائضہ عورت کے لئے اس کی تخفیف فرمائی۔ (متفق علیہ)

جب بیت اللہ کو داع کر کے فارغ ہو اور مسجد حرام سے نکلنا چاہے تو سیدھے منہ نکل جائے الٹے پاؤں ہرگز نہ چلے، کیونکہ ایسا کرنا نہ تو نبی کریم ﷺ سے منقول ہے نہ آپ کے اصحاب سے، بلکہ یہ صریح بدعت ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہماری شریعت نہیں تو وہ کام مردود اور نا قابل قبول ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بدعات کے کاموں سے بچو، اس لئے کہ ہر نئی ایجاد ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر قائم رکھے اور اپنی مخالفت سے ہمیں محفوظ رکھے، بیشک وہ بڑا سخی اور بزرگ ہے۔

فصل نمبر 24:

مسجد نبوی اور روضہ نبی کریم ﷺ کی زیارت

حج سے پہلے یا اس کے بعد مسجد نبوی اور روضہ نبی ﷺ کی زیارت مسنون ہے، جیسا کہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک وقت کی نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک وقت کی نماز دوسری مسجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے، مسجد حرام کے سوا۔'' (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک وقت کی نماز دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نماز سے افضل ہے مسجد حرام کے علاوہ، اور مسجد حرام میں ایک وقت کی نماز میری مسجد کی ایک سو نماز سے بہتر ہے۔'' (احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے مسجد حرام کے سوا، اور مسجد حرام کی ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔'' (احمد وابن ماجہ)

اور اس مضمون کی حدیثیں بکثرت ہیں۔

جب زیارت کرنے والا مسجد نبوی کے پاس پہنچے تو اس کو چاہیے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے اپنا داہنا پیر داخل کرے اور یہ دعا پڑھے:

((''بسم الله والصلاة والسلام على رسول الله، اعوذ بالله العظيم، وبوجهه الكريم، وسلطانه القديم، من الشيطان الرجيم، اللهم افتح لي ابواب رحمتك''))

''اللہ کے نام سے، اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول پر، اللہ عظمت والے کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی بزرگ چہرے اور قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

یہ ایسے ہی کہے جیسے دوسری مسجدوں میں داخل ہوتے وقت کہتا ہے، مسجد نبوی میں داخلہ کی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے جس میں اللہ سے دنیا و آخرت کی محبوب چیزیں مانگے، اگر یہ دونوں رکعتیں روضہ شریفہ (ریاض الجنہ) میں پڑھے تو اور افضل ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ کو اس طرح سلام کرے:

((''السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته''))

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں حسن سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دے گا، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں گا۔''

اگر زیارت کرنے والا اپنے سلام میں یوں کہے تو بھی کچھ حرج نہیں:

((''السلام عليك يانبي الله، السلام عليك يا خيره الله من خلقه، السلام عليك يا سيد المرسلين وامام المتقين، اشهد انك قد بلغت الرسالة، واديت الامانة ونصحت الامة وجاهدت في الله حق جهاده))

''سلامتی ہو آپ پر اے اللہ کے نبی! سلامتی ہو آپ پر اے اللہ کے سب سے بہترین مخلوق! سلامتی ہو آپ پر اے رسولوں کے سردار اور متقیوں کے امام! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت کی تبلیغ فرما دی، امانت ادا کر دی، امت کی خیر خواہی فرما دی اور اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کا فریضہ ادا کر دیا۔''

کیونکہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ہیں، اور آپ پر درود بھیجے اور آپ کے لئے دعا کرے جیسا کہ شریعت میں درود وسلام کو جمع کرنے کی مشروعیت ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما)) (الاحزاب ۵۶)

''اے ایمان والو! آپ پر درود بھیجو اور سلام۔''

پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجے اور ان دونوں کے لئے دعا کرے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام بھیجتے تھے تو عموماً اس سے زیادہ نہیں کہتے تھے:

((''السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابابكر، السلام عليك يا ابتاه''))

یہ کہہ کر لوٹ جاتے تھے۔

یہ زیارت صرف مردوں کے لئے مشروع ہے، عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت جائز نہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں پر مسجد بنانے والے اور چراغ جلانے والے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کی زیارت عام ہے کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی میری شفاعت اس کے حق میں واجب ہوگئی۔'')

مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور اس میں دعا اور دوسری مسجدوں کی طرح مشروع کام کی نیت سے مدینہ کا قصد کرنا سب کے لئے مشروع ہے۔

زائر کو چاہئے کہ پانچوں وقت کی نمازیں مسجد نبوی پڑھے اور اس میں کثرت سے ذکر، دعا اور نفلی نمازوں کا اہتمام کرے، اور زیادہ ثواب کمانے کی اس فرصت کو غنیمت سمجھے۔ اسی طرح ریاض الجنہ میں کثرت سے نفلی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

لیکن فرض نمازوں کے لئے چاہئے کہ زائر آگے بڑھے اور جہاں تک ہو سکے پہلے صف کی پابندی کرے، اگر چہ اگلی صف وہ ہو جس کی قبلہ کی جانب توسیع ہوئی ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں پہلی صف کی ترغیب پائی جاتی ہے، مثلاً آپ کا یہ فرمانا:

''اگر لوگ جان جائیں کہ اذان اور پہلی صف میں کتنا ثواب ہے پھر قرعہ اندازی کئے بغیر جگہ نہ پا سکیں تو ضرور قرعہ اندازی کریں گے۔'' (متفق علیہ)

اسی طرح آپ کا یہ فرمانا:

''آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو، اور تمہاری اقتدا تمہارے بعد والے کریں، آدمی نماز سے پیچھے ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ بھی اس کو پیچھے کر دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''آدمی پہلی صف سے برابر پیچھے ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو جہنم سے بعد میں نکالے گا (اور جنت میں تاخیر سے داخل کرے گا)۔''

رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''ایسی صف کیوں نہیں بناتے جیسی ملائکہ اپنے پاس بناتے ہیں۔''

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ملائکہ اپنے رب کے پاس کیسی صف بناتے ہیں؟ فرمایا: ''اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔'' (صحیح مسلم)

اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں جو مسجد نبوی اور دوسری مسجدوں کے لئے عام ہیں، توسیع اضافہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی۔
نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اپنے اصحاب کو صف کے داہنی طرف کھڑے ہونے کے لئے ترغیب دیتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ قدیم مسجد نبوی میں داہنی صف روضہ کے باہر ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صف اور داہنی طرف کی صفوں میں نماز کی پابندی کرنا ریاض الجنۃ میں نماز کی پابندی سے زیادہ افضل ہے، جو شخص بھی اس بارے میں وارد احادیث پر غور کرے گا اس کو یہ فرق واضح طور پر معلوم ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں:

''اے اللہ! اپنے نبی کو میرا شفیع بنا، اے اللہ! اپنے فرشتوں اور مومن بندوں کو میرا سفارشی بنا، اے اللہ! میرے فوت شدہ بچوں کو میرا سفارشی بنا۔''

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ سے شفاعت کا سوال کرنا جائز تھا اور قیامت کے دن بھی جائز ہوگا، کیونکہ آپ کو اس پر قدرت حاصل ہوگی، آپ کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ آپ آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کے طلب گار کی بابت سوال کریں، دنیا میں شفاعت طلب کرنے کے جواز کی بات تو معلوم و معروف ہے، یہ صرف آپ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ایک عام بات ہے آپ کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی، لہٰذا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے بھائی سے کہے کہ میرے رب سے میرے بارے میں ایسی اور ایسی شفاعت کردو، یعنی میرے لئے دعا کردو، اور جس سے کہا گیا اس کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ اللہ سے سوال کرے اور اگر طلب کی ہوئی چیز مباح ہے تو اپنے بھائی کے لئے اس کی شفارش کردے، لیکن قیامت کے دن کوئی شخص بھی کسی کیلئے اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ))

''کون ہے، جو اللہ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔'' (البقرۃ: ۲۵۵)

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی زندگی سے زیادہ کامل ہے، لیکن وہ ایسی زندگی کے مانند نہیں جیسی موت سے قبل تھی اور نہ قیامت کے دن کی زندگی کی طرح ہے، بلکہ قبر کی زندگی ایسی ہے جس کی حقیقت و کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی لئے حدیث شریف میں آپ کا یہ ارشاد پہلے گزر چکا ہے:

''جو شخص مجھ پر سلام کرے گا تو اللہ تعالیٰ مجھ میں میری روح لوٹا دے گا، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں گا۔''

یہ موت آپ کی حیات برزخی کے لئے مانع نہیں، جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لئے مانع نہیں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

((ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون))

(آل عمران: ۱۶۹)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔''

زیارت کرنے والے بعض لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آواز بلند کرتے ہیں اور دیر تک کھڑے رہتے ہیں یہ بھی خلاف شرع ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کو نبی کی آواز پر بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور جس طرح لوگ آپس میں بلند آواز سے باتیں

کرتے ہیں اس طرح آپ کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا ہے اور لوگوں کو آپ کے پاس آواز نیچی رکھنے کی ترغیب دی ہے، فرمایا:

((یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول الله اولئك الذین امتحن الله قلوبھم للتقوی لھم مغفرة واجر عظیم))

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوی کے لئے خاص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔'' (الحجرات:۲،۱)

اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس دیر تک کھڑے رہنے اور بار بار آپ پر سلام پڑھنے سے بھیڑ میں اضافہ ہوگا اور آپ کی قبر کے پاس شور و غل بڑھے گا، جو ان باتوں کے خلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مسلمانوں کے لئے مشروع کیا ہے، آپ ﷺ زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں قابل احترام ہیں، لہٰذا کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ آپ کی قبر کے پاس ایسا عمل کرے جو ادب شرعی کے خلاف ہو۔

قبر نبوی ﷺ کی زیارت حج کے لئے نہ واجب ہے نہ شرط، جیسا کہ عوام الناس کا خیال ہے، بلکہ جو لوگ مسجد نبوی کی زیارت کریں یا مسجد سے قریب ہوں ان کے لئے مسجد کی زیارت کے ساتھ قبر کی زیارت بھی مستحب ہے، مسجد نبوی کے لئے سفر کر کے آنا سنت ہے، جب مدینہ آ جائیں تو آپ کی قبر اور حضرت ابو بکر و عمر کی قبروں کی بھی زیارت کر لیں۔

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''میری قبر کو عید (میلہ گاہ) مت بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان، اور مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود تم جہاں کہیں بھی رہو مجھ تک پہنچ جائے گا۔''

قبر اقدس کی زیارت کے بارے میں درج ذیل حدیثیں ہیں، یہ احادیث ضعیف اور بعض موضوع ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک ہی سال میں میری اور میرے والد ابراہیم کی زیارت کی میں اللہ کے پاس اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اگر کوئی حدیث ان میں سے صحیح بھی ہو تو اس کو شرعی زیارت پر محمول کیا جائے گا۔

اضافه از مترجم:

بہت سی صحیح اور حسن سند سے مروی احادیث موجود ہیں جن میں زیارت قبر اقدس کی ترغیب دی گئی ہے۔

ان احادیث میں سے سب سے اچھی سند کے لحاظ سے وہ حدیث جو کہ اس سند سے مروی ہے:

((موسی بن هلال العبدی عن عبد اللہ بن عمر العمری وعبید اللہ بن عمر العمری عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من زارقبری وجبت له شفاعتی))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

صحیح یہ ہے کہ عبدی نے العمری صغیر اور کبیر دونوں سے روایت کی ہے اور العمری میں اگر چہ کلام ہے لیکن وہ حسن الحدیث ہے اور امام ابن معین نے اس کی روایت عن نافع میں فرمایا کہ یہ صالح اور ثقہ ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

((''مَن زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِی''))

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگی۔''

اس حدیث کو درج ذیل محدثین نے نقل کیا ہے:

السنن	امام دارقطنی	278/2
الکنی والاسماء	امام الدولابی	64/2
شعب الایمان	الامام بیہقی	490/3
تلخیص المشابہ فی الرسم	امام خطیب بغدادی	581/1
الزیل علی التاریخ	امام الابیثی	170/2
تاریخ المدینہ	ابن النجار	142
الضعفاء	امام عقیلی	170/4
الکامل	امام ابن عدی	2350/6
شفاء السقام	امام تقی الدین السبکی	ص2-ص14

ان تمام حضرات نے یہ حدیث اس سند سے ذکر کی ہے، موسیٰ بن ہلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر وہ دونوں حضرات امام نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

یہ سند ''حسن'' ہے چاہے موسیٰ بن ہلال عبدی عبید اللہ بن عمر سے روایت کرے یا ان کے بھائی عبد اللہ بن عمر یا ان دونوں سے روایت کرے۔

اس کو امام عبدالحق اشبیلی نے صحیح کہا۔

اور امام سبکی نے شفاء السقام نے اس کو صحیح یا حسن کہا۔

امام سیوطی نے ''مناهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء'' میں حسن کہا ہے اور ان کے بعد متاخرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایا:

((وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا))

''اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پرظلم کریں تو آئیں آپ کے پاس، اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کی بخشش کے لیے سفارش کردے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنیوالا پائیں گے۔''

یہ آیت کریمہ حیات ووصال دونوں حالتوں کو شامل ہے اور جس نے اس کوطرف حالت حیات کے ساتھ مخصوص کرلیا وہ صحیح راستہ سے بھٹک گیا، کیونکہ فعل سیاق شرط میں عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عموم کے لیے سب سے اعلیٰ صیغہ وہ ہے جو سیاق شرط میں واقع ہو۔
(ارشادالفحول، 122)

استاذعلامہ السید عبداللہ بن صدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''یہ آیت عام ہے اور حالت حیات ووصال دونوں کو شامل ہے اور کسی ایک حالت کے ساتھ اس کی تخصیص دلیل کی محتاج ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ اور کوئی کہے کہ یہاں عموم کہاں سے آیا کہ حالت حیات کے ساتھ اس کی تخصیص دلیل کی محتاج ہوتو ہم کہیں گے کہ یہاں فعل شرط کے ساتھ واقع ہوا ہے اور کتاب اصول میں یہ اصول طے شدہ ہے کہ فعل جب شرط کے تحت واقع ہوتو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ فعل نکرہ کے معنی میں مصدر نکرہ کو متضمن ہوتا ہے اور نکرہ جب سیاق نفی یا سیاق شرط سے واقع ہوتو یہ عموم کے لیے موضوع ہوگا۔''

(الردالمحکم المتین، 44)

پس یہ آیت شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہر حالت میں آنے کی طلب میں نص ہے کیونکہ اس میں ''جاء وك'' مقام شرط میں واقع ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

اور مفسرین کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا ہے۔ اس لیے آپ ملاحظہ کریں گے کہ انہوں نے اس آیت کے تحت امام عتبی کی حکایت بیان کی ہے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کہ ان میں سے شیخ ابوالنصر الصباغ ہیں، نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں امام عتبی کی مشہور حکایت ذکر کی ہے کہ عتبی نے کہا:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ پس ایک اعرابی آیا اور عرض گزار ہوا:

((السلام علیك یا رسول اللّٰه))

میں نے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

((وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰه وَاستغفرلَهُمُ الرَّسول لوجد اللّٰه تَوَّابًا رَّحِيْمًا))

تو میں آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔

پھر اس اعرابی نے یہ اشعار پڑھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

فطاب من طیبهن القاع والاکنه

نفسی الفدا لقبر انت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم

پھر اعرابی لوٹا اور میری آنکھوں پر اونگھ غالب آئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:
''اے عتبی! اعرابی کو مل اور اسے بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے۔'' (مترجم کا کلام ختم ہوا۔)

فصل نمبر 25:

مسجد قبا اور جنت البقیع کی زیارت

مدینہ کی زیارت کرنے والے کے لئے مسجد قبا کی زیارت کرنا اور اس میں نماز پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ مسجد قبا کی زیارت سواری پر اور پیدل چل کر کرتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔
(صحیح بخاری ومسلم)

اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جس نے اپنے گھر وضو کیا، پھر مسجد قبا آ کر اس میں نماز پڑھی اس کے لئے ایک عمرہ کا اجر ہے۔''
اسی طرح بقیع اور شہداء احد کی قبروں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت بھی مسنون ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ ان کی زیارت کرتے اور ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے، اور آپ کا یہ ارشاد بھی ہے:
''قبروں کی زیارت کرو وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔'' (صحیح مسلم)
نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو یوں کہیں:

((" السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون، نسال الله لنا ولکم العافیة"))

''اس دیار کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔'' (صحیح مسلم بروایت سلیمان بن بریدہ عن ابیہ)
اور ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو ان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

((" السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم، انتم سلفنا ونحن بالاثر"))

''اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، اللہ ہم کو اور تم کو بخش دے، تم ہم سے پہلے گئے اور ہم تمہارے بعد میں ہیں۔''
ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کی شرعی زیارت کا مقصد یہ ہے کہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور اس سے مردوں کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے لئے دعا اور رحم کی درخواست کرنے کا موقع ملتا ہے۔

☆☆☆

حصہ نہم:

مکہ مکرمہ کے مشہور اور اہم مقامات، خطے اور سیر گاہیں

باب نمبر 1:

دعا کی قبولیت کے مقامات

علماء نے لکھا ہے کہ پندرہ مقامات ایسے ہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے:

۱۔ کعبہ شریف کے اندر۔ ۲۔ ملتزم۔
۳۔ موقف عرفات۔ ۴۔ موقف مزدلفہ۔
۵۔ حجر اسود کے پاس۔ ۶۔ طواف کرتے وقت۔
۷۔ سعی کے دوران۔ ۸۔ صفا۔
۹۔ مروہ۔ ۱۰۔ زمزم کے پاس۔
۱۱۔ مقام ابراہیم کے پیچھے۔ ۱۲۔ میزاب یعنی کعبہ شریف کے پرنالے کے نیچے۔
۱۳، ۱۴، ۱۵۔ تینوں جمرات کے پاس۔

بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دونوں ستونوں کے آگے دعا قبول ہوتی ہے۔

ملتزم پر آدھی رات کے وقت۔

موقف عرفات میں غروب آفتاب کے وقت۔

موقف مزدلفہ میں طلوع آفتاب کے وقت۔

طواف میں ہر وقت۔

سعی میں صفا اور مروہ پر۔

مروہ پر عصر کے وقت۔

زمزم کے پاس آفتاب ڈوبنے کے وقت۔

مقام ابراہیم کے پاس ہر وقت۔

میزاب کے نیچے سحری کے وقت۔

جمرات کے پاس طلوع آفتاب کے وقت دعا۔

مراۃ الحرمین میں ہے:

مکہ میں دعا قبول ہونے کے مقامات مقدسہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ولادت گاہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

((ویستجاب الدعاء فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم))۔

۲۔میزابِ رحمت: بیت اللہ شریف کے پرنالہ کے نیچے۔ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم جانتے ہو میں کہاں سے آیا ہو میں کہاں سے آیا ہوں۔؟ عرض کی گئی: امیر المومنین! آپ فرمائیں۔فرمایا: میں اب تک جنت میں رہا اور آپ میزاب کے نیچے رہے تھے۔

۳۔ملتزم شریف: حجر اسود اور کعبہ شریف کی درمیانی جگہ۔
دعا کے التزام کی وجہ سے ہی اس کا نام ملتزم ہے۔

۴۔رکن یمانی: حجر اسود پر پہنچنے سے پہلا کونہ رکن یمانی کہلاتا ہے کہ یمن کی جانب ہے۔

۵۔صفاومروہ: دونوں مقدس پہاڑیاں جن کے درمیان سعی ہوتی ہے۔قرآن مقدس نے نمایاں ذکر فرمایا ہے:

((ان الصفا والمروة من شعائر الله))

''صفا اور مروہ شعائر اللہ ہیں۔''

۶۔کعبہ شریف کے اندر۔
۷۔منیٰ شریف میں۔
۸۔مزدلفہ شریف میں۔
۹۔عرفات شریف میں۔
۱۰۔باب بنی شیبہ۔
۱۱۔باب النبی۔
۱۲۔باب ابراہیم۔
۱۳۔باب الصفا۔
۱۴۔زمزم۔
۱۵۔مقام ابراہیم۔
۱۶۔حجر اسود۔
۱۷۔رکن شامی۔
۱۸۔حطیم شریف۔
۱۹۔رکن عراقی۔

باب نمبر 2:

معجن، کعبۃ اللہ میں مصلیٰ جبرئیل و مصلیٰ نبی کریم

باب کعبہ اور رکن عراقی کے درمیان:

باب کعبہ اور رکن عراقی کے درمیان ایک گڑھا تھا جسے ''معجن'' یا مصلیٰ جبرئیل کہا جاتا تھا، جو اس وقت موجود نہیں ہے۔

اما تجرائیل:

علامہ ازرقی سیدنا عبداللہ بن عباس کی سند سے لکھتے ہیں:

''حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے باب کعبہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کرائی۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی گڑھے والی جگہ حضرت جبرئیل نے نبی کریم ﷺ کی امامت کرائی تھی اور اکثر علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے جن میں امام ازرقی بھی شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرئیل امین نے باب کعبہ کے قریب دو مرتبہ مجھے نماز پڑھائی۔

یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ مقام ابراہیم مذکورہ گڑھے کی طرف تھا۔اس وجہ سے وہاں جبرئیل نے نماز پڑھائی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی جگہ نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی اور مقام ابراہیم کی بھی تھی ،لیکن سیدنا فاروق اعظم نے بعد میں مقام ابراہیم کو دوسری جگہ نصب کر دیا۔

فتح مکہ کے دن نماز:

حضرت ابن سائب کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ شریف کے سامنے جو سفید جگہ پائی جاتی ہے، وہاں نماز پڑھی تھی۔

شاذروان کا ساتواں یا نواں پتھر:

علامہ ازرقی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھے وہ جگہ بتائی جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور وہ جگہ شاذروان کے ساتویں یا نویں پتھر کے پاس ہے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے بھی ہمیں بتایا تھا کہ حضور انور ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی تھی اور اسی جگہ مقام ابراہیم بھی تھا، لیکن سیل ام نہشل کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر نے اسے موجودہ جگہ نصب کیا۔

مصلیٰ جبرائیل:

امام تقی الدین فاسی نے بھی شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام اور شیخ احمد بن موسیٰ بن العجیل شیخ یمن کا قول نقل کیا ہے کہ مصلیٰ جبرئیل کی جگہ یہی سنگ مرمر سے بنا ہوا گڑھا ہے۔

کعبہ شریف سے متصل:

نیز امام تقی الدین فاسی نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں مقام ابراہیم مذکورہ گڑھے کے کنارے کعبہ شریف کے متصل تھا، اس روایت سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ شریف سے نکل کر مقام ابراہیم کے پاس اسی گڑھے میں نماز پڑھی تھی۔

مصنف کے نزدیک معجن کی حقیقت:

میں نے مناسک حج، فقہ، لغت اور تاریخ کی بہت سی کتابیں چھان ماری ہیں، مگر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مصلیٰ جبرئیل، مصلیٰ نبوی ﷺ اور مقام ابراہیم کی جگہ وہی گڑھا تھا اور جب نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو اسی جگہ جبرائیل نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔

علامہ طاہر کردی کے نزدیک معجن کی حقیقت:

1: علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم کی تحقیق کے مطابق اس جگہ سیدنا اسماعیل کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت گارا بناتے تھے جس کی وجہ سے گڑھا بن گیا اور اسی نسبت سے اسے "معجن" کہا گیا۔

2: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کو غسل دینے کا پانی اس میں جمع ہوتا تھا اور یہ احتمال ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے اس کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا۔ اگرچہ انہوں نے بعض لوگوں سے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہی، لیکن کوئی آدمی بھی ان کی رہنمائی نہ کر سکا۔ صرف غسل کعبہ کا پانی اس میں بھرا ہوا دیکھ کر انہوں نے یہ گمان کر لیا۔ اگر گڑھا کعبہ شریف کے دروازہ کے متصل ہوتا تب تو ان کا یہ گمان صحیح سمجھا جاتا، لیکن وہ دروازہ سے تقریباً سات میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

پانچ نمازیں جبرائیل کی معیت میں:

مذکورہ روایات میں آپ ﷺ کا کعبہ شریف کے سامنے نماز پڑھنے کا جو ذکر ہے وہ بلاشبہ اسی گڑھے کی جگہ کے متعلق ہے، کیونکہ اس

جگہ مقام ابراہیم تھا اور اسی مقام پر آپ ﷺ نے جبرئیل کی معیت میں پانچ نمازیں پڑھیں۔ گویا کہ یہی مصلیٰ جبرئیل مصلیٰ نبوی ﷺ اور مقام ابراہیم کی جگہ تھی۔

معجن میں مقام ابراہیم کیوں نصب کیا گیا:

اگر کوئی آدمی اعتراض کرے کہ اس گڑھے میں آپ ﷺ نے کس وجہ سے نماز پڑھی اور وہاں مقام ابراہیم کو کیوں نصب کیا گیا۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ شریف کی ہر سمت نماز ادا فرمائی، تاکہ مسلمانوں کے لئے آپ کا عمل حجت بن جائے، اور اس جگہ مقام ابراہیم کا نصب کرنا عقلاً ونقلاً معیوب نہیں بلکہ مستحسن معلوم ہوتا ہے، اگر اسے باب کعبہ کے پاس یا ملتزم کے قریب رکھا جاتا تو زائرین کے لئے شدت تکلیف کا باعث ہوتا۔ لہٰذا کعبہ شریف کے سامنے ہی اسے نصب کرنا زیادہ موزوں تھا۔

مقام ابراہیم پہلے بھی معجن کے کنارے تھا:

ایک قول یہ بھی ہے کہ مقام ابراہیم ابتداء میں اس جگہ یعنی گڑھے کے کنارے نصب تھا، لیکن سیلاب ام نہشل کے بعد امیر المومنین عمر فاروق نے موجودہ جگہ نصب کر دیا۔ یہ روایت بلاشبہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

معجن کو بند کرنا:

حج کے قیام میں حجاج کی کثرت کے باعث کئی آدمی اس میں گر جاتے تھے، جس کے باعث یہ گڑھا زائرین کیلئے تکلیف دہ ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ سعودی حکومت نے اسے بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں جب کعبہ شریف کی چھت تبدیل کی گئی تو اس موقع پر اسے بھی بھر دیا گیا۔

تاریخ الحجاز، عربی: ۲۳۰ میں ہے:

> ''بالآخر بروز جمعرات ۲ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۵۸ء کو پرانا مستعمل چونا جو کعبہ شریف کی چھت گرانے سے حاصل ہوا تھا اس میں ڈال کر بھر دیا گیا۔ پھر اس پر آب زمزم میں دھلی ہوئی ریت کی تہہ لگائی گئی۔ بعد میں اس پر چونا ملی ہوئی مٹی کا گارا لگا کر سفید سنگ مرمر کا فرش لگا دیا گیا اور سیاہ سنگ مرمر کا حاشیہ بھی لگایا گیا، تاکہ گڑھے کا امتیازی نشان قائم رہے۔ یہ کام جمعرات کو چاشت کے وقت شروع ہوا اور ظہر سے پہلے مکمل ہو گیا۔''

تیس سینٹی میٹر گہرا گڑھا:

اس گڑھے کا تذکرہ نہ تو عہد ابراہیمی میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے بعد زمانہ جاہلیت میں اور حقیقت میں یہاں گڑھا وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ابتداء اسلام میں محض مٹی کا کچا فرش تھا اور اس جگہ علامت کے طور پر سفید ریت ڈالی گئی تھی۔ بعد ازاں جب مطاف میں پتھروں اور سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا تو اس جگہ تیس سینٹی میٹر گہرا گڑھا نما حوض بھی بنا دیا گیا۔

معجن کی پیمائش:

امام فاسی کہتے ہیں کہ ۸۰۱ ہجری میں اس کے فرش کی تجدید کی گئی تھی، جو ان کے زمانہ تک موجود تھا، امام موصوف نے اس کا طول وعرض حسب ذیل تحریر کیا ہے:

شمالاً جنوباً طول ۴ ذراع (۱ میٹر ۸۳ سینٹی میٹر)۔

عرض شرقاً غرباً سوا دو ذراع (ایک میٹر ۳ سینٹی میٹر)۔

گہرائی نصف ذراع (۲۳ سینٹی میٹر)۔

تاریخ حجاز میں ہے:

''یہ مستطیل شکل کا حوض نما گڑھا تھا، جس کا طول ۲ میٹر، عرض ۱ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور گہرائی ۲۸ سینٹی میٹر تھی۔ حجر اسود سے اس کا اگلا کونہ ۴۰ میٹر اور ۸۰ سینٹی میٹر تھا۔ جب کہ رکن عراقی سے ۵ میٹر اور ۶۰ سینٹی میٹر کا فاصلہ تھا اور مقام ابراہیم کی پہلی کھڑکی سے اس کا اگلا حصہ ۱۰ میٹر دور تھا، اس میں چار آدمی سہولت سے نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس پتھر کا طول ۷۰ سینٹی میٹر اور عرض ۴۳ سینٹی میٹر ہے۔ یہ پتھر اب بھی موجود ہے۔''

مصلیٰ نبی کے چند مقامات:

امام ابن ظہیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کے چند مقامات اور بھی بیان کئے ہیں۔

مقام ابراہیم کے قریب، حجر اسود کے قریب، رکن شامی اور رکن عراقی کے قریب۔

کثیر بن کثیر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی سہم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ سامنے سے گزر رہے تھے، جب کہ آپ کے آگے سترہ بھی نہیں تھا۔ (ابوداؤد، باب صلوٰۃ فی الکعبہ)

کعبۃ اللہ میں نماز نبی:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ اونٹنی پر سوار حرم شریف میں تشریف لائے۔ اسامہ بن زید بھی ساتھ تھے۔ آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور چابی طلب فرمائی۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس گیا اور حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا، مگر وہ چابی دینے پر رضامند نہ ہوئی۔ عثمان نے کہا: اگر چابی ان کے حوالے نہ کی گئی تو پھر میری زندگی کی امید نہ رکھنا، اس پر والدہ نے چابی دے دی۔ عثمان چابی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے در کعبہ کھولا اور اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ کی معیت میں کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ کچھ دیر کے لئے دروازہ بند کر دیا گیا۔ جب دوبارہ دروازہ کھولا گیا تو میں لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا کعبہ شریف میں داخل ہو گیا۔ بلال دروازہ کے قریب کھڑے تھے، میں نے ان سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے کس جگہ نماز ادا فرمائی ہے، تو انہوں نے بتایا کہ پہلے دو شامی ستونوں کے درمیان، اس وقت کعبہ شریف کے اندر چھ ستون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنی رکعات پڑھی تھیں۔

(بخاری، جلد ۱، باب انملاق البیت، صفحہ ۲۱۷) (ابوداؤد، باب دخول کعبہ)

البتہ حضرت عمر فاروق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے اس موقع پر دو رکعات پڑھی تھیں۔

(ابوداؤد، باب دخول الکعبہ)

سیدنا معاویہ کی مصلیٰ نبی پر نماز:

جناب شیبہ بن جبیر سے روایت ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہ جب اپنے عہد خلافت میں حج بیت اللہ کو گئے تو انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ شریف کے اندر کس جگہ نماز پڑھی تھی، تو انہوں نے بتایا کہ پہلے دو ستونوں کے درمیان اور سامنے والی دیوار سے دو یا تین ذراع کے فاصلہ پر، چنانچہ سیدنا معاویہ نے اس جگہ نماز ادا کی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۸۹)

زائر کے لیے حکم:

اگر کعبہ شریف میں داخل ہونا نصیب ہو تو تکریم کرے، غایت ادب کے باعث کعبہ شریف کی طرف بھی نہ دیکھے۔ حضور اقدس ﷺ

کے مصلیٰ پر نماز پڑھنے کا اردہ کرے۔ جب نماز پڑھ لے تو اپنے رخسار کعبہ شریف کی دیوار پر رکھ کر اللہ پاک کی حمد وثناء بیان کرے اور توبہ و استغفار کرے۔ پھر چاروں کونوں میں حمد وثناء، تسبیح وتہلیل، تکبیر اور استغفار کا ورد کرے اور سرور دو عالم ﷺ کی ذات بابرکات کے لئے درود شریف پڑھے، خوب گریہ وزاری سے دعا کرے، لیکن کسی بدعت کا ارتکاب ہرگز نہ کرے۔

باب نمبر 3:

صفا اور مروہ...... مسعیٰ کی تعمیر نو

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کی بلندی:

صفا اور مروہ کعبہ شریف کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن پر سیدہ ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں انتہائی بے تابی کے عالم میں سات چکر لگائے تھے۔ اللہ کریم کو ان کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اسے حج اور عمرہ کا لازمی رکن قرار دے دیا۔ اگرچہ ابتداء میں یہ پہاڑیاں کافی بلند تھیں مگر حرم شریف کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کیلئے جس قدر بلند کیا جاتا رہا، ان پہاڑیوں کی بلندی بتدریج کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ اس وقت معمولی سے ٹیلی کی شکل میں باقی رہ گئی ہیں۔

مسلسل جبل صفا و مروہ کی بلندی کا کم ہونا:

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم نے کعبہ شریف ایک بلند مقام پر تعمیر فرمایا تھا جس کے گرد وپیش کے راستے نشیب میں تھے۔ مگر چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں سیلاب پہاڑوں سے مٹی اور پتھر بہا کر نشیبی جگہوں میں ڈالتے رہے، جس کے باعث کعبہ شریف نشیب میں اور نشیبی راستے اور سڑکیں بلندی میں تبدیل ہو گئے۔ تقریباً چار سو سال پہلے وادی ابراہیم (برساتی نالہ) حرم کے شمالی جانب باب الزیادہ اور جنوبی سمت باب اجیاد کی جانب سے مٹی بہا کر مسفلہ کی جانب جمع کرتا رہا۔ جس کی وجہ سے حرم شریف کو آنے والے راستے بند ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر باب ابراہیم تک پہنچتے تھے۔ مگر اب صرف تین سیڑھیاں باہر رہ گئی ہیں، اور باقی سب مٹی میں دب چکی ہیں۔''

صفا اور مروہ کی پندرہ سیڑھیاں:

اسی طرح صفا اور مروہ پر چڑھنے کے لئے خلیفہ ابی جعفر المنصور نے سیڑھیاں بنوائی تھیں، اور علامہ ابن حجر کی تصریح کے مطابق صفا کی بارہ اور مروہ کی پندرہ سیڑھیاں تھیں، لیکن ۱۳۸۵ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کا کام شروع ہوا تو بہت سے پہاڑوں کو پیوند زمین کر کے وہ جگہ حرم کے صحن میں شامل کر لی گئی۔ یونہی صفا اور مروہ کی پہاڑیاں بہت ہی پست ہو گئیں، اور مذکورہ تمام سیڑھیاں دب گئیں۔

شیخ الاسلام ابن حجر ایضاح النووی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''صفا پر چڑھنے کیلئے بارہ اور مروہ پر چڑھنے کیلئے پندرہ زینے ہیں، مسعیٰ (صفا مروہ کے درمیان کی جگہ) اتنی گہری ہے کہ اگر دو گھوڑے چلیں جن پر آدمی بھی کھڑا ہو تو حرم شریف سے آدمی کا صرف سر ہی نظر آ سکتا ہے۔''

صفا کی پیمائش:

علامہ رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''صفا کی پہاڑی ۶ میٹر لمبی، ۳ میٹر چوڑی اور ۲ میٹر بلند ہے۔ اس پر چڑھنے کیلئے چار زینے ہیں، جب کہ آٹھ زینے دب

گئے ہیں۔"

ابو جعفر کی تعمیر:

علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کی سیڑھیاں سب سے پہلے عبدالصمد بن علی نے خلیفہ ابن ابی جعفر المنصور کے عہد میں بنائی تھیں۔

کیا سعی کی جگہ حرم میں شامل کی جاسکتی ہے؟

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں کہ اس وقت جس جگہ سعی کی جاتی ہے کیا یہ ساری جگہ وہی ہے جہاں حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سعی کی جاتی تھی یا اس کا کچھ حصہ تو وہی ہے اور کچھ اس کے علاوہ ہے۔ اس صورت میں حج اور عمرہ کے اس رکن کی ادائیگی میں خلل آئے گا یا نہیں؟

موصوف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں مسعی کی جگہ کافی کشادہ اور چوڑی تھی، بعد کے زمانہ میں اس چوڑائی میں بعض جگہ مکان بھی بنا لیے گئے، جنہیں خلیفہ مہدی عباسی نے منہدم کر کے حرم کو کشادہ کیا تھا۔ اس طرح مسعی کا کچھ حصہ حرم میں شامل ہو گیا مگر اسے پوری طرح تبدیل نہیں کیا۔ خلیفہ موصوف کی اس کارکردگی پر علماء کرام اور ائمہ مجتہدین نے کوئی اعتراض نہیں کیا، حالانکہ امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ مجتہدین نے بھی اس جگہ سعی کرنا جائز اور صحیح قرار دیا اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

البتہ یہ بات الگ ہے کہ مسعی کو مسجد میں داخل کرنا جائز تھا یا نہیں؟ تو اس میں ائمہ مجتہدین کا یہی فرمان ہے کہ مسعی بمعول راستہ کے ہے اور راستہ کو بوقت ضرورت مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

مسعی کا فاصلہ:

علامہ ابن جبیر اندلسی نے مسعی کا فاصلہ اس طرح بیان کیا تھا:

مقام صفا سے میل اول تک ۹۳ قدم، جب کہ قدم تین بالشت کا ہو۔

وہاں سے دوسرے میل تک ۷۵ قدم۔

پھر دوسرے میل سے مروہ تک ۳۵۰ قدم۔

اس طرح کل فاصلہ ۵۱۸ قدم ہے۔

یہ تقریباً ۱۱۰۵ فٹ بنتے ہیں۔ (سفر نامہ ابن جبیر، صفحہ ۸۹)

صفا سے مروہ کا فاصلہ:

علامہ طاہر کردی نے صفا سے مروہ کا فاصلہ ۳۹۴ میٹر بیان کیا ہے۔

صفا مروہ کا عرض اور دو منزلہ عمارت:

شیخ عباس کرارہ کے بیان کے مطابق:

صفا سے مروہ تک ۳۹۴ میٹر ۵۰ سینٹی میٹر فاصلہ ہے۔

عرض ۲۰ میٹر۔

پہلی منزل کی بلندی ۱۲ میٹر۔

دوسری منزل ۹ میٹر بلند ہے۔ (تاریخ حرمین، عباس کرارہ)

سعودی توسیع کے بعد:

سعودی حکومت کی توسیع کے بعد ذی الحج ۱۳۹۸ھ میں جو نقشہ ہے وہ مذکورہ بیانات سے بہت مختلف ہے، اس وقت صفا کی جانب سے مسعیٰ یا حرم شریف میں داخل ہونے کے لئے ۳ زینے چڑھ کر دروازہ سے اندر ۸ زینے اتر کر مسعیٰ میں اور مزید ۳ زینے اتر کر صحن حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں برائے نام باقی رہ گئی ہیں، لیکن ان پر چڑھنے کے لئے زینے نہیں ہیں صرف ڈھلوان سی بنادی گئی ہے۔

مسعی کی تعمیر نو:

ایک دور میں سعی کی جگہ اور حرم شریف کے درمیان بلند و بالا مکانات اور مسعی کے دونوں جانب بازار بن گیا تھا اور دکانوں کے اوپر بھی کئی منزلہ مکان بنے ہوئے تھے۔ گویا کہ یہ عبادت گاہ ایک پر رونق بازار کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے سعی کرنے والوں کو سخت تکلیف اور دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ادھر مسجد حرام کی پرشکوہ عمارت عرصہ دراز سے تعمیر و مرمت کی خواستگار تھی۔ کسی بادشاہ یا امیر نے اس کی تجدید یا توسیع کے متعلق غور و فکر نہیں کیا، حالانکہ حج کے علاوہ بھی جمعہ اور عید کے موقع پر لوگوں کو جگہ کی تنگی کے باعث سخت تکلیف ہوتی تھی۔ ایام حج میں دھوپ کی وجہ سے لوگ مجبوراً حرم کے متصل گلی کوچوں میں نماز پڑھتے تھے۔

چنانچہ سعودی حکومت نے ۱۳۷۵ھ میں حرم شریف اور مسعی کی توسیع کے ایک جامع منصوبہ پر غور و خوض کے لئے انجینئروں کی میٹنگ بلائی، جس میں مسعی کے کام کو اس طرح انجام دینے کی سکیم طے پائی کہ وہ راستہ جو مسعی سے گزر کر حرم کے سامنے سے گزرتا ہے اس جگہ کو نئی عمارت میں داخل کر کے صفا کے باہر راستہ بنادیا جائے۔ چونکہ یہ راستہ سیلاب کی گزرگاہ تھی، جو حرم کے دروازہ سے حرم میں داخل ہوتا تھا۔ جس نے کئی مرتبہ نا قابل تلافی نقصان بھی پہنچایا۔ اس لئے سیلاب کا رخ پھیرنے کے لئے توسیع کی حدود سے باہر متبادل گزرگاہ یا نالہ بنانے کی تجویز پاس ہوگئی۔

یہ مجوزہ کام ۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو ایک عظیم الشان تقریب میں اس توسیع کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر مختلف اسلامی ممالک کے مندوبین، مذہبی اور سیاسی رہنما، اعلیٰ سرکاری افسران بھی موجود تھے۔

مسعی کی دو منزلہ عمارت مکمل ہو جانے کے بعد طول عرض اور جملہ کیفیت اس طرح ہے:

صفا سے مروہ تک اندرونی حد ۳۹۴.۵۰ میٹر، عرض ۲۰ میٹر۔

پہلی منزل کی بلندی ۱۲ میٹر۔

دوسری منزل ۹ میٹر۔

مشرق کی جانب آٹھ دروزے ہیں جن کی کھڑکی نما گزرگاہیں جن میں پیتل کی موٹی گرل لگی ہوئی ہے۔

ان کی تعداد ۱۴ ہے۔

اسی طرح دوسری منزل میں بھی کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔

صفا پر ایک خوشنما گنبد اور مینار بنایا گیا ہے۔

مینار کی بلندی ۹۲ میٹر اور عرض ۷x۸ میٹر ہے۔

عظمت از روئے قرآن:

صفا اور مروہ مناسک حج سے متعلق مقامات میں سے یہ دونوں مقام بہت اہم ہیں۔ خلاق کائنات جل مجدہٗ نے ان کی عظمت کو اس طرح ارشاد فرمایا:

((ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ))

''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

سعی کا مطلب:

ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر شمار ہوتا ہے اور اس طرح سات چکروں میں سعی مکمل ہوتی ہے۔

صفا اور مروہ کی وجہ تسمیہ:

جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا نزول صفا پر ہوا اور حضرت حوا مروہ پر اتاری گئیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے نام المصطفےٰ کی نسبت سے یہ پہاڑی صفا کہلائی، امراۃ عورت کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پہلی خاتون کا نزول ہوا لہذا مروہ کہلائی۔

صفا اور مروہ پر سعی اور زمانہ جاہلیت کے بت:

حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے۔ اس کے رہ جانے سے قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ ایک زمانہ میں اساف نامی ایک آدمی اور نائلہ نامی عورت نے کعبہ شریف میں ایک دوسرے کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا۔ دونوں پتھر ہو گئے۔ عبرت کے طور پر اساف کو صفا اور نائلہ کو مروہ پر رکھ دیا کہ لوگ گناہ کے خیال سے بچیں۔ پھر دور جاہلیت شروع ہوا تو ان بتوں کی تعظیم شروع کر دی گئی۔ صفا پر اساف کو مس کرتے مروہ پر نائلہ کو۔ مسلمانوں کو مدینہ منورہ پہنچ کر صفا و مروہ کے درمیان دوڑ ناپسند نہ ہوا کہ یہ بت پرستی سے مشابہت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر صفا و مروہ کو نشانات قدرت قرار دیا۔ بتوں کو مٹا دیا گیا۔ اصل عبادت جاری رکھی گئی۔ ارشاد ہے:

((ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت و اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما و من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم))

''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کوئی حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کی سعی کرے اور جو خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ شکر قبول کرنے والا اور علم والا ہے۔''

دو سبز ستون جن کے درمیان سعی کرنا لازم ہے:

میلان اخضران (دو سبز ستون) اس سعی کے درمیان واقع ہیں۔ یہ سبز ستون ہیں جن کے درمیان حاجی کو تیز چلنا ہوتا ہے، عورتیں تیز چلنے سے مستثنیٰ ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 4:

میدانِ عرفات

عرفات کمان کی مانند پہاڑی:

جبل عرفات ایک بڑی کمان کی مانند ہے، جو ایک وسیع وادی کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کی مسافت دو میل ہے، اس میں ایک چھوٹی سی پہاڑی جبل رحمت کے نام سے مشہور ہے۔

عرفات کی بلندی اور طول:

جبل عرفات کی بلندی ۳۰ میٹر اور طول ۳۰۰ میٹر ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے غیر منظم بڑی بڑی ۹۱ سیڑھیاں ہیں۔

مسجد ابراہیم اور مصلّٰی نبی:

پہاڑی پر چڑھتے ہی ایک اونچا پتھر (تھڑا) بنا ہوا ہے جس کا طول ۱۵ میٹر اور عرض ۱۰ میٹر ہے، اسے مسجد ابراہیم کہا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس جگہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ مگر یہ بات پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔

مسجد صخرات کی حقیقت:

یہ تھڑا اور سیڑھیاں ۵۵۹ھ میں وزیر محمد بن علی بن المنصور المعروف الجواد نے بنائی تھی۔ اسی طرح جبل رحمت کے دامن میں مسجد نما تھڑا بنا ہوا ہے جو مسجد صخرات کے نام سے مشہور ہے، لیکن وہاں بھی نبی کریم ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

عرفات پر شمع:

ابراہیم پاشا کہتے ہیں:

”ترکی دور میں جبل رحمت کے اوپر ۴ میٹر بلند ایک برج بنا ہوا ہے۔ حجاج کی رہنمائی کے لئے عرفات کی رات اس پر شمع روشن کی جاتی ہے۔“ (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۴۴)

عرفات پر آباد قبیلہ:

علامہ رشدی الصالح لکھتے ہیں:

”عرفات کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً ۲+۲ میل ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں مکہ مکرمہ کا ایک قبیلہ آباد تھا، جو کھیتی باڑی اور باغبانی بھی کرتے تھے، مگر آج وہاں آبادی کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔“

وادی عرنہ:

عرفات کے متصل مغربی جانب وادی عرنہ ہے جو دو نشانات کے درمیان واقع ہے، یعنی حدود حرم اور حدود عرفات کے نشانات کے درمیان والی جگہ کو وادی عرنہ کہا جاتا ہے۔ (تعلیقات اخبار مکہ)

اگر حاجی اس جگہ حج کے دن ٹھہرے رہیں تو ان کا حج نہیں ہوگا، انہیں عرفات کی حدود کے اندر ٹھہرنا لازم ہے۔

عرفات اور دیگر مشہور مقامات کی چوڑائی:

منٰی، مزدلفہ اور عرفات کی چوڑائی اس طرح ہے:

عرفات ۲،۸۸۹۶ کلومیٹر۔

مزدلفہ ۳،۷۰۰ کلومیٹر۔

منیٰ ۳،۷۸ کلومیٹر۔

عرفات کے دیگر نام:

عرفات کا نام مشعر الحرام اور مشعر الاقصیٰ ہے۔ اس پہاڑی کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل رحمت واقع ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۲۴۱) (روح المعانی، جلد ۲، صفحہ ۸۸)

عرفات کی وجہ تسمیہ:

لفظ ''عرفہ'' معروف سے مشتق ہے۔ میدان عرفات مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۹ کلومیٹر دور ہے۔

عرفات کو عرفہ یا عرفات کہنے کی درج ذیل وجوہات علماء نے بیان کی ہیں:

۱۔ رئیس المفسرین علامہ عماد الدین ابن کثیر اور علامہ محمد الوسی نے اپنی اپنی تفاسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ سے مروی ہے کہ جب سیدنا جبرائیل سیدنا ابراہیم کو مناسک حج ادا کراتے ہوئے عرفات میں پہنچے تو دریافت کیا: ''اعرفت'' کیا آپ نے پہچان لیا؟ کیونکہ اس سے پہلے بھی آپ عرفات میں جا چکے تھے، حضرت ابراہیم نے ارشاد فرمایا: ''عرفت'' میں نے اس میدان کو پہچان لیا ہے، اس وجہ سے اس کا نام عرفہ ہو گیا۔

۲۔ بعض علماء کا کہنا ہے: ''عرف'' سے مشتق ہے، یعنی اس میدان میں خوشی آیند و روح پرور بو پائی جاتی ہے، بخلاف منیٰ کے۔ وہاں جانور وغیرہ ذبح کرنے کے باعث بو قدرے متعفن ہوتی ہے، جب کہ عرفات اس چیز سے خالی ہے، اس لئے اسے عرفہ یا عرفات کہا جاتا ہے۔

۳۔ اس میدان میں بندگان خدا عبادت اور دعاؤں کے ذریعہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ مقصود دوسرے مقامات پر بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ مقام ایک منفرد عظمت و جلالت کا حامل ہے۔ جس سے دیگر مقامات خالی ہیں، لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے عرفہ معروف سے مشتق ہو گا۔

۴۔ سیدنا آدم اور سیدہ حوا آسمان سے اترنے کے عرصہ دراز بعد اسی میدان میں اکٹھے ہوئے اور باہم تعارف ہوا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب سیدنا آدم اور سیدہ حوا کو اللہ رب العزت نے جنت سے نکال کر زمین پر اتارا تو سیدنا آدم کو سراندیپ (سری لنکا) میں اور سیدہ حوا جدہ میں ٹھہریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کو حج کرنے کا حکم فرمایا تو وہاں سیدہ حوا کو پایا اور ایک دوسرے کا تعارف ہوا، اس لئے اس دن سے اس کا نام عرفات رکھ دیا گیا۔

امام ضحاک اور سدی سے مروی ہے کہ یہاں سیدنا آدم اور سیدہ حوا اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ اس سبب سے اس کا نام عرفہ مشہور ہوا۔ (روح المعانی، جلد ۲، صفحہ ۸۸)

۵۔ سیدنا آدم کو سیدنا جبرئیل امین نے حج کرنے کے طریقے سکھائے۔ جب عرفات میں قیام فرمایا تو جبرئیل نے دریافت کیا: ''اعرفت'' کیا آپ پہچان گئے ہیں؟ تو سیدنا آدم نے فرمایا: ''نعم'' ہاں پہچان گیا۔ اس وجہ سے اس کا نام عرفات ہوا۔

۶۔ سیدنا علی، سیدنا ابن عباس، سیدنا عطاء اور سیدنا السدی کا قول ہے کہ سیدنا ابراہیم جب حج کے لئے عرفات پہنچے تو اس مقام کو پہچان لیا، کیونکہ قبل ازیں انہیں اس کے نشانات اور اوصاف بتا دیئے گئے تھے۔

۷۔ جبرئیل امین نے سیدنا ابراہیم کو مناسب حج سکھائے اور جب انہیں عرفات میں لائے تو دریافت کیا:

((اعرفت کیف طوف و فی ای موضع تقف قال نعم))

''کیا آپ پہچان گئے ہیں کہ طواف کیسے کرنا ہے اور کس جگہ ٹھہرنا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں''

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

''سیدنا جبرائیل نے سیدنا خلیل اللہ کو اس میدان میں مناسب حج سے آگاہ کرنے کے بعد دریافت کیا کہ کیا آپ نے حج کے ارکان واحکام کو پہچان لیا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں نے پہچان لیا ہے۔'' (ابن شیبہ، جلد ۴، صفحہ ۳۵۸)

۸: یہ جگہ اس قدر معظم ومحترم اور مشہور ہے کہ اس کی تعمیر کئے بغیر ہی لوگ اسے پہچان لیتے ہیں، اس لئے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمر، حضرت عطا اور ابومجلز کے بھی اقوال اسی طرح ہیں۔

۹۔ لفظ عرفات جمع ہے واحد نہیں ہے۔ اس میدان میں انسان اپنے رب کی معرفت اور بذریعہ عبادت وذکر اللہ تعالیٰ کا تقریب حاصل کرتا ہے۔ نیز مشرق ومغرب (دنیا کے گوشے گوشے) کے مسلمانوں کو آپس میں یہاں تعارف کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے بھی اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ عرفہ اعتراف سے مشتق ہے کہ جب حجاج عرفات میں قیام کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، جلالت، اس کی بے نیازی اور استغناء کا اعتراف کرتے ہیں، اور اپنی ذات کے متعلق غربت، ذلت، مسکینی اور محتاجی کا اقرار کرتے ہیں۔

۱۱۔ عرفات عرف سے مشتق ہے اور اس کے معنی پاکیزہ خوشبو کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ويد خلهم الجنة عرفها لهم))

''ان کے لئے اس کی خوشبو ہوگی۔''

مطلب یہ ہوا کہ حجاج نے جب اس مقدس مقام میں اپنے گناہوں سے صدق دل سے توبہ کرلی، تو اب وہ گناہوں کی نجاست سے پاک صاف ہوگئے اور اللہ کریم کے ہاں سے روح پرور پاکیزہ خوشبو پا رہے ہیں۔ (تفسیر کبیر، جلد ۲، صفحہ ۱۷۱)

۱۲۔ جب سیدنا ابراہیم اپنی عفت مآب رفیقہ حیات اور فرزندار جمند کو مکہ معظمہ کے مقام پر چھوڑ کر شام واپس تشریف لے گئے اور کئی سال بعد جب دوبارہ بیوی اور بیٹے سے ملاقات ہوئی، تو عرفہ کے دن میدان عرفات میں ہوئی تھی۔ اس سبب سے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ سیدنا ابراہیم نے ترویہ کی شب (آٹھویں ذی الحجہ کی رات) کو خواب دیکھا، گویا کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو آپ متفکر اور متردد تھے کہ اللہ جانے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یا شیطانی وسوسہ ہے۔ پھر دوسری شب عرفہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ اپنے گوشہ جگر کو ذبح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ تب صبح کے وقت آپ نے کہا:

((عرفت یا رب انه من عندك))

''اے میرے رب! میں نے پہچان لیا کہ یہ حکم واقعی تیری جانب سے ہے۔''

اسی وجہ سے اس کا نام عرفات ہوا۔

۱۴۔ جب سیدنا آدم اور سیدہ حوا نے یہاں وقوف کیا تو یہ دعا پڑھی:

((ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکون من الخسرین))

جواب میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

((الان عرفتما انفسکما))

''اب آپ دونوں نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہے۔''

۱۵۔ حجاج کرام جب یہاں جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کا تعارف ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ اس دن اللہ رب العزت اپنے بندوں کو مغفرت اور رحمت کے ساتھ پہچانتا ہے۔

وقوف عرفہ کی اہمیت:

یہی وہ مقدس میدان ہے جہاں دنیا بھر کے حجاج کرام کا وقوف کرنا بڑا ہی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((الحج عرفة))

''حج عرفہ میں قیام ہے۔''

باقی احکام حج رہ جانے سے تلافی ہو سکتی ہے مگر وقوف عرفہ رہ جائے تو کوئی بدل نہیں۔ اسی میدان میں حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع فرمایا۔ ایک لاکھ ۲۵ ہزار سے زائد کا عظیم اجتماع تھا اور آواز مبارک ہر ایک کو سنی جا رہی تھی۔

یوم عرفہ کے اسماء:

کتب میں یوم عرفہ کے کئی نام ہیں:

یوم عرفہ۔	یوم اساس۔	یوم اکمال۔	یوم اتمام۔
یوم رضوان۔	یوم حج اکبر۔	شفع۔	وتر۔
شاہد۔	مشہود۔		

خطبہ حجۃ الوداع:

حضور سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو جو آخری خطبہ فرمایا اسی مقدس میدان عرفات میں ہی تھا۔ اس مختصر خطبہ میں حضور سید عالم ﷺ نے بے شمار اہم معاملات کو سمو دیا ہے، اگر آپ اس مبارک خطبہ کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں تو حقائق منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ مسلمانوں کے باہمی حقوق کا ربط ایک دوسرے کے مال و جان کی حفاظت، تبلیغ اسلام کی ذمہ داری، بیویوں کے حقوق کی پاسداری، خدا خوفی، سود کی حرمت، ناحق قتل کے مذمت، خون بہا کو معاف کرنا، کتاب اللہ سے مضبوط وابستگی، ختم نبوت کا مسئلہ، عبادات کی تاکید، حقوق اللہ کا خیال، ایماندار حکمرانوں کی اطاعت، بیویوں کی اصلاح کا طریق کار، قیامت کے دن جوابدہی کے لئے تیاری، اپنے وصال کی خبر ایسے اہم واقعات کا ذکر موجود ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کا بیان ایک مستقل باب میں کیا جائے گا۔

میدان عرفات کی حد.....عرنہ

حاجی کو حکم ہے کہ عرنہ کی جگہ وقوف نہ کرے۔ یہ میدان عرفات کی حد ہے۔

((ان الوقوف ببطن عرنه مکروه))(شفاء، صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)

''وادی عرنہ میں وقوف مکروہ ہے۔''

دوسری روایت بھی اسی عنوان کی تائید ہے:

((''عرفة كلها موقف الاعرنه''))

''میدان عرفات سارے کا سارا موقف ہے مگر وادی عرنہ۔''

باب نمبر5:

منیٰ

میدان منیٰ اور حجاج:

سیدنا عبداللہ بن عباس سے کسی نے پوچھا کہ منیٰ کا میدان بہت تنگ نظر آرہا ہے، لیکن ایام حج میں حجاج کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے، تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ منیٰ اپنی اہل کیلئے اسی طرح کشادہ ہو جاتا ہے جس طرح ماں کا رحم بچے کیلئے۔ (مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۴۴)

منیٰ کی وجہ تسمیہ:

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ جب سیدنا آدم مناسک حج سے فارغ ہو کر حضرت جبرئیل امین سے جدا ہونے لگے تو جبرئیل نے دریافت کیا کہ آپ کی کوئی اور تمنا ہے؟ تو حضرت آدم نے فرمایا: اب صرف جنت کی تمنا ہے اور لفظ منیٰ تمنیٰ سے مشتق ہے۔ علاوہ ازیں یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ منیٰ بمعنی یمنی الدماء، یعنی ایسی جگہ جہاں قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے۔ (اخبار مکہ، عنوان ماسمیت منیٰ)

میدان منیٰ کی چوڑائی:

علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۱۸ھ میں میدان منیٰ کی چوڑائی ۶۳۸ میٹر بیان کی تھی۔ (مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۳۲۵)

۱۳۹۳ھ میں سعودی حکومت نے توسیع کا جو عظیم منصوبہ بنایا ہے جس کے باعث منیٰ میں جنوب کی جانب واقع جبل ثبیر کا بہت سا حصہ کاٹ کر کشادہ سڑکیں بنا دیں۔ علاوہ ازیں مسجد خیف کے قریب سے ایک سرنگ حرم شریف تک بنائی گئی ہے جو تمام تر ایئر کنڈیشن اور روشنی سے منور ہے۔ اس میں نہایت کشادہ پختہ سڑک بنی ہوئی ہے تاکہ پیدل چلنے والے حجاج کو آسانی ہو۔ مکہ مکرمہ سے منیٰ کا فاصلہ ۷ کلومیٹر ہے، جبکہ سرنگ کے راستہ سے ۵ کلومیٹر ہے۔

منیٰ، عرفات اور کعبۃ کے درمیان جدید ترین کا آغاز:

موجودہ دور میں حجاج کی آسانی کے لیے حرم شریف سے عرفات اور منیٰ و مزدلفہ تک تیز ترین ریل گاڑی کا انتظام کیا گیا ہے اور پچھلے دو سالوں میں اس گاڑی سے بے شمار حجاج نے سفری فائدہ حاصل کیا۔ جو سفر پہلے کئی گھنٹوں میں طے ہوتا تھا وہ سفر اس ریل گاڑی کے ذریعے منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ یہ ریل گاڑی دوسری سڑکوں کے اوپر سڑک بنا کر چلائی گئی ہے اور یہ بہت تیز رفتار گاڑی ہے۔ ایک وقت میں پچیس ہزار سے زائد حجاج اس طرح کی ریل گاڑیوں سے سفر کر سکتے ہیں۔ واقعی یہ ریل گاڑی خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ کی طرف سے حجاج کے لیے ایک بہترین تحفہ اور ہدیہ ہے۔

منیٰ میں عظیم اجتماع:

منیٰ سر زمین مکہ کا مقدس مقام ہے جسے حج مناسک سے گہرا تعلق ہے۔۸ ذی الحجہ کو حجاج سے عظیم شہر آباد ہو جاتا ہے۔۱۲ ذی الحجہ تک حجاج ٹھہرتے ہیں جو ۱۲ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے نہ جاسکیں انہیں ۱۳ کو بھی ٹھہرنا ہوتا ہے۔

منیٰ میں مکان بنانا منع ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے عرض کی گئی آپ کے لئے منی میں مکان بنوا دیا جائے؟ آپ نے منع فرمادیا۔

وادی سرر:

حضور علیہ السلام نے اس میدان کو وادی سرر فرمایا۔

فرشتے حفاظت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس میدان کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

الجمار

یہ جگہ بھی منی شریف میں ہے۔رمی جمار کی اصطلاح بڑی متعارف ہے جمرہ اولی، جمرہ وسطی، جمرہ عقبی۔حج کے دنوں انہیں کنکریاں ماری جاتی ہیں۔"شیطانوں کو کنکریاں مارنا" حاجیوں میں متعارف ہے۔دس ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔۱۱،۱۲ ذی الحجہ کو تینوں کو بالترتیب رمی کی جاتی ہے۔اگر ۱۲ ذی الحجہ کو شام منی میں ہی ہو جائے تو ۱۳ کو رمی کرنے کے بعد سے جانا ہوگا۔

باب نمبر 6:

مزدلفہ

مزدلفہ:

مکہ مکرمہ کے مقدس مقامات میں سے ایک مقام مزدلفہ بھی ہے۔عرفات سے واپسی پر حجاج کا یہاں ٹھہرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ مزدلفہ کو مزدلفہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ یہاں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں۔اس لئے کہ آدم وحوا علیہما السلام یہاں اکٹھے ہوئے تھے یا اس لئے یہاں مغرب اور عشاء کی دو نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔وقوف مزدلفہ رہ جانے پر دم (قربانی) لازم آتا ہے۔

المشعر الحرام

اس جگہ پر حاجی کے وقوف کو مستحب فرمایا گیا ہے۔یہ وقوف دس ذی الحجہ کو صبح کے وقت ہے۔یہ جگہ میدان مزدلفہ میں ہے۔یہی جگہ ہے جہاں حجاج دعا کے لئے اکٹھا ہوتے ہیں اور مشعر الحرام کے نام سے ہی متعارف ہے۔ابو عمر بن صلاح فرماتے ہیں:

"اسے قزح بھی کہتے ہیں۔یہ مزدلفہ کی انتہا پر ہے۔"

قرآن مقدس نے اس مقام کو وضاحت سے ذکر فرمایا:

((فاذا افضتم من عرفات فاذكر الله عند المشعر الحرام))

''جب میدان عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔''

جاہلیت کی رسم کی مذمت:

زمانہ جاہلیت میں لوگ عرفات سے واپسی پر ساری رات یہاں آگ جلاتے۔اسلام نے اس بیہودہ رسم کو ختم کر کے اللہ اللہ کرنے کا حکم دیا۔حضور ﷺ نے عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا فرمائی تو حقوق اللہ معاف کر دیئے گئے، پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی تو حقوق العباد بھی بخشش دیئے گئے۔(مشکوۃ المصابیح)

صوفیاء کی اصطلاح:

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں عرفات و مزدلفہ کو اپنے ظاہری معنی کو صحیح جانتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حاجی جب معرفت الٰہی کے میدان سے لوٹے تو راستے میں ایک مقام سرروحی آتا ہے جسے مشعر الحرام بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں پر مشاہدہ جمال ہوتا ہے، یہاں پہنچ کر بھی رب کا ذکر کرو۔

منیٰ کی وجہ تسمیہ:

مزدلفہ زلف سے مشتق ہے، جس کے معنی قریب اور نزدیک کے ہیں، چونکہ حجاج اس جگہ پہنچ کر منیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں جو حج کے مقامات میں سے ہے، نیز زلف ہموار اور صاف زمین کو بھی کہتے ہیں، اور یہ میدان بہ نسبت منیٰ وغیرہ کے زیادہ ہموار ہے اس لئے اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا آدم اور سیدہ حوا کی اس جگہ ملاقات ہوئی اور ایک دوسرے کے یار و مددگار بن گئے تھے جب کہ تعارف اس سے پہلے میدان عرفات میں ہو چکا تھا۔

علاوہ ازیں ازلاف کے معنی اجتماع کے بھی ہیں، چونکہ حجاج اس جگہ نماز مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں اس لئے بھی اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔اس مقام پر وقوف کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا آدم اور سیدہ حوا ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے۔(تفسیر کبیر، جلد ۴، صفحہ ۱۷۳)

مکہ سے دوری:

مکہ مکرمہ سے مزدلفہ ۱۲ کلو میٹر ہے۔

باب نمبر 7:

مکہ مکرمہ کے چند مشہور پہاڑ

یوں تو سر زمین حجاز مقدس خصوصاً مکہ مکرمہ پہاڑوں میں بسا ہوا شہر ہے۔چھوٹے بڑے سب پہاڑوں کا ذکر تو مشکل ہے تاہم ان چند ایک پہاڑوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تذکرہ تاریخ اسلام میں موجود ہے۔چند ایک پہاڑوں کے نام یہ ہیں:

جبل صفا۔	جبل مروہ۔	جبل منیٰ۔	جبل عرفات۔
جبل حجون۔	جبل ثبیر۔	جبل طویٰ۔	جبل مرسلات۔
جبل البکاء۔	جبل عمر۔	جبل ابوقبیس۔	جبل ثور۔
جبل حراء۔	جبل البرم۔	جبل البرود۔	جبل ابن عمر۔

جبل ابی المہد۔	جبل ابی یزید۔	جبل تفاحہ۔	جبل الحسش۔
جبل الحازمین۔	جبل حسن۔	جبل الجزل۔	جبل خلیفہ۔
جبل القط۔	جبل الدہلیتی۔	جبل الرقمتین۔	جبل ذرذر۔
جبل اضرع۔	جبل الاحمر۔	جبل الابیض۔	جبل الازاخر۔
جبل زبطیا۔	جبل شیبہ۔	جبل الصفا۔	جبل الردہ۔
جبل الصفائح۔	جبل عرفہ۔	جبل العیرہ۔	جبل قلفل۔
جبل کنانہ۔	جبل کراء۔	جبل لعلع۔	جبل مرازم۔
جبل المغش۔	جبل المشاۃ۔	جبل السطر۔	جبل نبہان۔
جبل نفیع۔	جبل ہندی۔		

جبل الحجون:

جنت المعلیٰ کے پہلو میں حجون پہاڑ ہے یا اس پہاڑ کے پہلو میں جنت المعلیٰ ہے، مکہ مکرمہ کو داخل ہوتے بائیں اور نکلتے دائیں جانب ہے، مشہور ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قبر اسی پہاڑ پر ہے مگر یہ بات خلاف تحقیق ہے۔

کتاب الشفاء میں ہے:

((''یستجیب للمحرم دخول مکة ھھنا''))

''محرم کے لیے مستحب ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہیں سے داخل ہو۔'' (شفاء، صفحہ ۲۹۵، جلد ا)

جبلِ رحمت:

یہ پہاڑی عرفات کے مشرق میں واقع ہے جس پر دعا قبول ہوتی ہے۔اس پر ایک سفید مینار بنا ہوا ہے جو سیدہ ام سلمیٰ کی طرف منسوب ہے۔اس کے ساتھ ہی ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کے پتھر کہن سالی کے باعث گھس گئے ہیں۔اس کے قبلہ رخ ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔زائرین ان میں نوافل پڑھتے ہیں۔

کوہِ ثبیر

کوہ ثبیر منیٰ میں ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے عرفات کو اس وقت چلتے جب اس کی چوٹی دھوپ سے چمک جاتی۔

جبلِ خندمہ:

یہ پہاڑ جبل ابوقبیس سے معلاء کی طرف پھیلا ہوا ہے۔اس کے دامن میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے، واقع ہے۔ایک روایت کے مطابق اس کے دامن میں ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔علامہ قطب الدین نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر استراحت فرمائی تھی۔

ذوطوی

''یہ مکہ مکرمہ کی نچلی جانب ہے۔طریق عمرہ پر واقع ہے۔چاروں مسالک کے آئمہ یہاں غسل کو مستحب کہتے ہیں۔''

غارالمرسلات:

وہ پہاڑ جو مسجد خیف شریف سے ملتا ہے، اس میں غار ہے جسے غارالمرسلات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس غار مبارک میں حضور ﷺ کے سر مبارک کا نشان موجود ہے۔ جب آرام کی غرض سے بیٹھے تو وہاں سے پتھر پگھل گیا اور نشان بن گیا۔یہیں پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے اس کی تائید ملتی ہے۔آپ فرماتے:

((''نحن مع النبی صلی الله علیه وسلم فی غار بمنی اذ نزلت علیه والمرسلات''))

''ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ منی کے ایک غار میں تھے کہ سورۃ المرسلات نازل ہوئی۔حضور ﷺ تلاوت فرما رہے تھے کہ اچانک ایک سانپ نمودار ہوا۔حضور علیہ السلام نے ہمیں اس کے مارنے کا حکم فرمایا۔مگر وہ چھپ گیا۔حضور ﷺ نے فرمایا:

((''وقیت شرکم کما وقیتم شرھا''))

''وہ تمہارے شر سے بچ گیا جیسے تم اس کے شر سے۔''

یہ غار مسجد خیف شریف کے پچھلے پہاڑ میں ہے۔(شفاء الغرام)

جبل البکاء:

جبل البکاء کا نام بعض حضرات نے جبل المقلع بھی بیان کیا ہے۔یہ وہ پہاڑ ہے جو حضور ﷺ کے فراق میں رویا تھا، اسی باعث اس کا نام جبل البکار مشہور ہوا۔یہ پہاڑ تنعیم سے حرم شریف کو جاتے ہوئے راستہ میں واقع ہے۔(شفاء الغرام،۱/۲۸۶)

جبل کداء:

اسے حجون بھی کہا جاتا ہے۔نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔۱۳۲۸ھ میں شریف حسین بن علی امیر مکہ نے اس کے درمیان سے سڑک نکال کر راستہ قریب اور آسان بنا دیا۔

جبل عمر:

سرزمین مکہ مکرمہ میں محلہ مسفلہ سے شروع ہو کر محلہ شبیکہ تک پھیلے پہاڑ کو'جبل عمر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس مقدس نام کے ساتھ اس کی شہرت کا باعث یہ ہے کہ اسی کے دامن میں خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔اسی باعث جبل عمر مشہور ہوا۔(تاریخ مکہ، صفحہ ۳۲۶، جلد ۱)

تاریخ مکہ میں ہے:

''یہ پہاڑ محلہ شبیکہ سے محلہ مسفلہ تک پھیلا ہوا ہے۔اس کے قریب سیدنا فاروق اعظم کا مکان ولادت ہے۔اسی وجہ سے پہاڑ کا نام بھی جبل عمر مشہور ہو گیا۔''

جبل ابی قبیس:

ایک روایت کے مطابق سیدنا آدم علیہ السلام کی قبر بھی اسی پہاڑ کی غار الکنز میں ہے، یہ اس کا شرف کا باعث ہے کہ نبی کی قبر اس پر واقع ہے۔سیدنا آدم علیہ السلام کی قبر کے متعلق مختلف دوسری روایات یہ ہیں:

۱۔مسجد خیف منی میں۔

۲۔ مسجد خیف کے سامنے۔
۳۔ ہندوستان میں جہاں اتارے گئے۔
۴۔ کعبۃ اللہ میں۔
مستند روایت یہ ہے کہ مسجد خیف میں ہے۔

جبل ابوقبیس پر شق القمر کا مشہور ظاہر ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے چاند کو پھٹتے دیکھا ہے، اس کا ایک حصہ جبل ابی قبیس پر تھا دوسرا کدی پر۔ (شفاء، صفحہ ۲۷۶، جلد ۱)

قطب حلبی کہتے ہیں:

''شق القمر کا معجزہ جبل ابی قبیس پر ظاہر ہوا۔''

سیدنا عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے سیدنا انس سے یہی روایت لی ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اسے شفاء میں بیان کیا ہے۔ مسروق نے ابن مسعود سے، ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اسے لیا ہے۔ ابن مسہر نے اعمش سے سیدنا علی المرتضیٰ، جبیر ابن مطعم، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اسی روایت کو بیان کیا ہے کہ معجزہ شق القمر جبل ابو قبیس پر ظاہر ہوا۔ اسی موقعہ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

((''اقتربت الساعة وانشق القمر''))

''قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔''

مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، زمعہ بن اسود، نضر بن حارث کے متفقہ مطالبہ پر یہ معجزہ دکھایا گیا۔

جبل ابوقبیس کو الامین بھی کہا گیا ہے کہ طوفان نوح میں حجر اسود کو اس پہاڑ سے محفوظ رکھا، سیدنا خلیل علیہ السلام کو کعبہ تعمیر کرتے وقت اس نے ندا دی تھی کہ حجر اسود ادھر ہے۔

اس پہاڑ کے اوصاف میں سے ایک بات یہ ہے کہ اس پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اہل مکہ قحط سالی کے موقعہ پر یہاں دعا مانگا کرتے تھے۔

دنیا پر سب سے پہلا پہاڑ جو رکھا گیا یہی ہے۔

بعض علماء نے اسے کوہ حرا سے بھی افضل کہا ہے کہ کعبہ سے قریب ہے مگر یہ دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ اگر جسمانی قرب افضلیت کا سبب قرار دیا جائے تو وہ مکانات جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ قریب ہیں افضل ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں۔

اس پہاڑ کے متعلق اہل مکہ کی ایک عادت کا پتہ چلتا ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اس پہاڑ کی چوٹی پر شکار کا بھنا ہوا سر کھایا جائے تو سر کی بیماریوں سے امن ملتا ہے۔

((''وهذه من توهمات القديمة لااصل لهافقط''))

''یہ محض توہمات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔''

جدید تاریخ مکہ میں ہے:

''جبل ابی قبیس کی بلندی ۴۲۰ میٹر ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق زمین پر سب سے پہلے یہی پہاڑ پیدا کیا گیا تھا۔ قبیلہ ایاد میں سے ابوقبیس نامی ایک آدمی نے اس پر مکان بنایا تھا، جس کی وجہ سے یہی نام مشہور ہو گیا۔ یہ پہاڑ

حرم شریف کے مشرق میں واقع ہے۔ طوفان نوح کے وقت قدرتی طور پر حجر اسود اس میں امانت رکھا گیا جسے سیدنا ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے وقت حاصل کر کے نصب فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر دعا قبول ہوتی ہے۔"

جبل ثبیر:

محمد القزوینی نے اپنی کتاب "عجائب المخلوقات" میں وضاحت کی ہے کہ یہ پہاڑ مکہ مکرمہ میں منیٰ کے قریب ہے، ہم اس کی زیارت کا بھی اشتیاق رکھتے ہیں۔ اسی پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدل میں دنبہ اتارا گیا۔ حدیث شریف میں ہے، حضور سید عالم ﷺ نے عرفات کا سفر اس وقت شروع فرمایا، جب کوہ ثبیر کی چوٹی دھوپ سے چمک اٹھی تھی، جن مؤرخین نے کوہ ثبیر کو مزدلفہ میں بتایا ہے وہ تحقیق کے خلاف ہے۔ عرفات شریف کو جاتے وقت بائیں جانب واقع ہے۔ ابوبکر نقاش فرماتے ہیں:

"اس پہاڑ پر بھی دعا قبول ہوتی ہے۔"

حضور علیہ السلام نے اعلان نبوت سے قبل اس پہاڑ پر بھی عبادت فرمائی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وہاں [illegible] بھی ثابت ہے۔ جہاں سیدہ عائشہ نے قیام فرمایا، اس پتھر کو صخرہ عائشہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے پہاڑ پر تجلی فرمایا تو اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے، تین مدینہ منورہ میں جا پڑے جن کے نام یہ ہیں: احد، ورقان، رضوی۔ تین مکہ کرمہ میں گرے، جن کے نام یہ ہیں: حرا، ثبیر، ثور۔"

تاریخ مکہ جدید میں ہے:

"مکہ معظمہ سے منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر واقع ہے جب کہ اس کے بالمقابل جبل حرا ہے۔ اسی پہاڑ کے ایک حصہ کا نام ثبیر الاثمرہ ہے جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب سورج کی کرنیں اس پر پڑیں تو حاجی منیٰ سے عرفات روانہ ہو جائیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جب قریش نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تو اس وقت آپ جبل ثبیر پر تھے۔ اس پہاڑ نے آپ ﷺ سے استدعا کی کہ میرے اندر آپ چھپ جائیں تا کہ قریش اپنے مذموم ارادہ میں ناکام رہیں۔"

جبل ثور:

اس پہاڑ کے غار میں ہجرت کی رات حضور ﷺ نے قیام فرمایا۔ اسی پہاڑ کے غار کا ذکر قرآن مجید نے فرمایا:

((ثانی اثنین اذ هما فی الغار))

"دونوں میں دوسرا جب دونوں غار میں تھے۔"

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((ان ابابکر الصدیق قال لابنه یا بنی ان حدث فی الناس حدث فأت الغار الذی اختبئت فیه فسیأتیك رزقك غدوة و عشیة))

"سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اگر لوگوں میں کوئی حادثہ پیش آئے تو اس غار میں [illegible] صبح و شام [illegible] تجھے رزق ملتا رہے گا۔"

اس حدیث کو بزاز نے نقل کیا ہے۔

صاحب شفاء الغرام نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے۔ اس غار نے حضور ﷺ کو خود اپنی طرف بلایا:

((الی یا محمد فقد آویت قبلك سبعین نبیاً))

''اے محمد! میری طرف آیئے! آپ سے پہلے ستر انبیاء کو میں نے اپنے ہاں بلایا ہے، ٹھہرایا ہے۔''

اس پہاڑ کو اطحل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جبل ثور مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عبد مناف کے بیٹے ثور نے یہاں ڈیرہ لگایا تھا، اسی وجہ سے جبل ثور مشہور ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل بھی اسی جگہ کیا تھا، اس میں ایسی قسم کی بوٹی پائی جاتی ہے جس کے استعمال کے بعد کسی زہر کا اثر نہیں ہوتا۔

ثور نام سے مشہور ایک پہاڑ مدینہ منورہ میں بھی ہے۔ مکہ کا پہاڑ ۷۵۹ کلومیٹر اونچا ہے۔ حرم شریف سے قریباً ۴ کلومیٹر ہے۔ غار ثور کی لمبائی ۶ انچ۔۱۳ فٹ ہے۔ منہ تنگ تھا جسے شریف اعوان مکہ نے منہ کشادہ کرایا اور غار تک پہنچنے کے لیے راستہ میں کئی ٹھڑے بنائے گئے تھے۔ امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف میں وضاحت کی ہے ۱۲۹۰ھ میں عثمان پاشا نوری نے راستہ مزید کھلا کر دیا۔

مراۃ الحرمین میں ہے:

''یہ پہاڑ ۷۵۹ میٹر اونچا اور حرم سے تقریباً ۴ کلومیٹر دور ہے، اس کی چوٹی پر غار ثور ہے جہاں نبی کریم ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت کے وقت تین شب روپوش رہے تھے۔ اس کے قریب ثور بن عبد مناف نے اقامت اختیار کی تھی جس کے باعث پہاڑ کا نام ثور مشہور ہو گیا۔ غار ثور کی لمبائی ۶۔۱۳ فٹ یعنی ۴ میٹر سے کچھ زائد، جب کہ اس کا منہ ۹۔۳ فٹ لمبا تھا اور منہ کی چوڑائی صرف ۱۹ انچ تھی۔ لوگوں کے بکثرت داخلہ دنے اور نکلنے کے باعث اس وقت تقریباً ایک میٹر کشادہ ہو چکا ہے۔ امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف میں لکھا ہے کہ اب اس کے دو کشادہ منہ بن گئے ہیں۔ ۱۲۹۹ھ میں شریف عون امیر مکہ نے اس کا منہ کشادہ کرایا تھا۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں غار تک پہنچنے کے لئے راستہ میں چار مقامات پر ٹھڑے بنے ہوئے تھے، جو تین میٹر بلند اور چار میٹر چوڑے تھے۔ لوگ ان پر آرام کرتے تھے۔ مگر بعد میں ٹھڑوں کی بجائے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر بنا دیئے گئے۔ ۱۲۹۹ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز اور ۱۳۰۷ھ میں سید اسماعیل حقی پاشا والی حجاز نے اس راستہ کو کشادہ اور صاف کرایا تھا۔''

جبل حراء:

حراء پہاڑ پر غار حرا ہے جس میں سب سے پہلی وحی: "اقراء باسم ربك الذی خلق" نازل ہوئی۔ اسی غار مقدس کا ذکر حدیث پاک میں ہے:

((''فجار الحق وهفی غار حراء''))

''حضور علیہ السلام غار حرا میں تھے کہ ان پر وحی نازل ہوئی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل حراء میں بارہا مرتبہ تشریف لائے۔ یہ مقدس پہاڑ مکہ مکرمہ سے مشرقی جانب تین میل کے فاصلہ پر ہے، اسی پہاڑ کو جبل نور کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس سارے پہاڑ پر غار حرا کی عظمت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس کی شہرت اسی غار کی نسبت سے ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا عبادت کے لئے اس غار کا انتخاب کرنا بھی حکمت پر مبنی ہے۔

تاریخ کے مؤلف علامہ ازرقی نے تین حکمتیں بیان کی ہیں:

پہلی حکمت یہ کہ یہ غار بلندی پر واقع ہے۔ یہاں پر لوگوں کے اختلاط سے زیادہ محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

دوسری حکمت یہ کہ اس غار سے باہر کھڑا ہو کر بیت اللہ شریف کی زیارت کی جا سکتی تھی۔

تیسری حکمت یہ کہ غار بجانب مشرق ہے اور مادی آفتاب سمت مشرق سے طلوع ہوتا ہے، لہٰذا روحانی آفتاب محمد رسول اللہ ﷺ کا اعلان حق بھی اسی سمت سے بلند ہونا مناسب تھا کہ ''توافق بین النسمتین'' ہو جائے۔

اس مقدس غار کی زیارت کے لئے صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، گرمی ہو یا سردی آپ دیکھیں گے کہ عشاق قطار در قطار، موج در موج آ جا رہے ہیں۔ یہی غار مقدس محبوب کبریا ﷺ کی تنہائیوں کا نشیمن ہے۔ اسی غار کو جی بھر کر چہرہ رسول ﷺ دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ اسی غار کے سامنے عشاق کی جبین نیاز جھکی دکھائی دیتی ہے کہ محبوب پاک کا پیارا غار ہے جس نے جبریل علیہ السلام کے پیروں کی آواز اور پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی ہے۔ یہی غار ہے جس کے اندر حضور سید عالم ﷺ کے آنسوؤں کے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی مقدس غار میں حاضری دے کر آنسوؤں کی دھاریں دامن کا زاد راہ بن جاتی ہیں۔

تاریخ مکہ جدید میں ہے:

''یہ پہاڑ مکہ مشرفہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ اسے جبل نور بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہیں سے انوار نبوت کا ظہور ہوا تھا۔ اس کی چوٹی پر غار حراء واقع ہے۔ جہاں نبوت سے پہلے نبی کریم ﷺ مدتوں عبادت کرتے رہے اور اسی میں نزول وحی کا آغاز ہوا تھا۔ حرم سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔''

جبل قعیقعان:

اسے جبل ہندی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ۴۳۰ میٹر بلند ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں کہا جاتا ہے کہ شاہ تبع نے اس کے قریب ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد اس پہاڑ کو قعیقعان کہا جانے لگا۔ اس کے ابتداء میں مروہ واقع ہے۔ جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان حرم کعبہ ہے۔

باب نمبر 8:

مکہ مکرمہ کے چند مشہور مقامات

مکہ مکرمہ کے مشہور ترین مقامات یہ ہیں:

جنت المعلیٰ	باب بنی شیبہ	جعرانہ	تنعیم
جمار	طریق ضب	حدیبیہ	مقام ابراہیم
مطاف	محصب۔	محر	کداء۔
الماز مان			

جنت المعلیٰ

مکہ مکرمہ کے مقدس قبرستان کو ''جنت المعلے'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

((من اقبر فی هذه المقبرة بعث امنا یوم القیمة))

''جو شخص مکہ مکرمہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا وہ قیامت کو امن سے اٹھے گا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''بہترین قبرستان مکہ مکرمہ کا قبرستان ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اس مقدس قبرستان کے ستر ہزار افراد بلاحساب جنت میں جائیں گے اور ہر ایک ستر ہزار کی سفارش کرے گا۔''

سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے وصال کے وقت وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ حجاج بن یوسف نہ پڑھائے۔ ان دنوں حجاج مکہ کا گورنر تھا۔ وصال پر آپ کے دوست عبداللہ بن خالد نے رات کو نماز جنازہ پڑھائی ۷۴ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ آل اسید آل سفیان کی قبروں کے ساتھ اسی مقدس قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (شفاء، صفحہ ۲۸۶، جلد ۲)

اس قبرستان میں دعا قبول ہوتی ہے۔ (شفاء: ۱/۲۸۵)

حضور سید عالم ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کی شرافت، دیانت اور پاکدامنی سے متاثر ہو کر حضور علیہ السلام کو پیغام نکاح بھیجا تھا۔ ان کی موجودگی میں حضور علیہ السلام نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ سیدہ نے ہجرت نبوی سے تین سال پہلے انتقال فرمایا، جنت المعلیٰ میں آپ کی قبر شریف ہے، وصال کے وقت آپ کی عمر ۶۵ برس تھی۔

(زرقانی، صفحہ ۲۲۶، جلد ۱)

ابا نصر ابن الفخار کہتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جنت المعلے سے کسی مدفون آدمی کو نکالا جا رہا ہے اور کسی دوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے۔ انہوں نے نکالنے والوں سے پوچھا:

''اسے کیوں نکالا جا رہا ہے۔؟''

جواب ملا:

''یہ قبرستان تو پاکیزہ لوگوں کی جگہ ہے۔ یہ شخص دین کا دشمن ہے، اس لئے یہ جگہ اس کے لئے نہیں۔''

مقبرہ مہاجرین:

سرزمین مکہ مکرمہ میں ایک قبرستان مقبرہ مہاجرین کے نام سے مشہور ہے۔

مقبرہ شبیکیہ:

مقبرہ شبیکیہ بھی مشہور قبرستان ہے۔

مقام سرف:

مقام سرف مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ۷ھ کو حضور علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔ آپ حضور علیہ السلام کی آخری بیوی ہیں۔ آپ سے ۷۶ احادیث نبوی روایت ہیں۔ آپ نے ۵۱ھ میں مقام سرف میں وصال فرمایا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عبداللہ بن سلام، یزید بن اصم، عبداللہ ابن شداد، عبداللہ خولانی نے قبر میں اتارا۔

باب بنی شیبہ

محرم کے لئے مستحب ہے کہ حرم شریف میں داخل اس دروازہ سے ہو کہ نبی کریم ﷺ باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور باب بنی مخزوم سے نکلے۔

التنعیم:

یہ مقدس جگہ حرم شریف سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسی جگہ سے حضور علیہ السلام نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو احرام باندھنے کا حکم دیا اور ان کے بھائی حضرت عبد الرحمٰن کو ساتھ جانے کا ارشاد فرمایا۔ مدینہ منورہ روڈ پر جگہ واقع ہے۔ اب یہاں ایک خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ جسے مسجد عائشہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

الجعرانہ:

اس جگہ پر بھی حضور سید عالم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد طائف شریف سے واپسی پر احرام باندھا تھا۔ اب بھی طائف کی سمت سے آنے والے لوگ اسی جگہ سے احرام باندھتے ہیں۔ یہ جگہ حرم مکہ سے تقریباً ۱۱ میل ہے۔ حرم شریف کے سامنے ڈرائیور حضرات آوازیں دیتے ہیں: ''برا عمرہ'' ''چوتا عمرہ'' برے سے مراد جعرانہ سے عمرہ ہے۔ ''جوتے'' سے مراد تنعیم سے عمرہ ہے۔

یوسف بن مالک فرماتے ہیں:

''اس مقام جعران سے تین سو انبیاء علیہم السلام نے احرام باندھا تھا اور مسجد خیف میں ستر نبیوں نے نماز ادا کی۔ جعرانہ پر حضور علیہ السلام نے اپنا عصا گاڑا، جس سے پانی کا چشمہ اُبلا جو نہایت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔''

مشہور ہے اسی جگہ پر کنواں ہے اسی نسبت سے لوگ پانی پیتے ہیں۔

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں:

''جب حضور علیہ السلام نے طائف سے واپسی پر یہاں قیام فرمایا تو اس وقت یہیں پر مال غنیمت بھی تقسیم فرمایا تھا۔ آپ نے ۲۸ شوال کو یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔''

سہیل کہتے ہیں:

''یہ جگہ ایک عورت ریطہ بنت سعد کی تھی۔ اس عورت کا لقب جعرانہ تھا، اسی باعث یہ جگہ جعرانہ مشہور ہوئی۔''

الجمار:

یہ جگہ بھی منیٰ شریف میں ہے۔ رمی جمار کی اصطلاح بڑی متعارف ہے۔ جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ، جمرہ عقبیٰ۔ حج کے دنوں انہیں کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ''شیطانوں کو کنکریاں مارنا'' حاجیوں میں متعارف ہے۔ دس ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو تینوں کو بالترتیب رمی کی جاتی ہے۔ اگر ۱۲ ذی الحجہ کو شام منیٰ میں ہی ہو جائے تو ۱۳ کو رمی کرنے کے بعد جانا ہوگا۔

طریق ضب:

یہ منیٰ و عرفات کے درمیان ہے۔ مستحب ہے کہ حاجی عرفات کو جاتے وقت اس پر چلے۔ یہ مقام منیٰ سے عرفات کو جاتے دائیں جانب واقع ہے۔ تاریخ مکہ میں علامہ ارزقی کہتے ہیں:

''حضور سید عالم ﷺ نے اس راستہ سفر فرمایا اور عرفات پہنچے۔ عطاء کہتے ہیں موسیٰ بن عمران بھی اسی راستہ گئے۔''

الحدیبیہ:

یہ وہی مقدس جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے مدینہ منورہ سے آتے وقت قیام فرمایا۔ آپ محرم تھے۔ یہاں بیر شمسی بھی مشہور ہے۔ جدہ سے آتے ہوئے یہ دوسرا مقام ہے۔

کداء:

مکہ مکرمہ کے چند مقدس مقامات میں سے یہ بھی ایک مقدس جگہ ہے، محرم کے لئے مستحب ہے کہ اس جگہ سے مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہو۔ اسے حجون ثانی بھی کہتے ہیں۔ اس وادی کا ذکر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے:

عدمت ثنيتي ام لم تروها

تثير النقع عن كتفي كداء

حدیث شریف میں ہے حضور سید عالم ﷺ جب حج کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مقام کداء سے اندر تشریف لے گئے۔

علامہ ازرقی فرماتے ہیں:

''حضور علیہ السلام حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہیں سے اندر تشریف لے گئے۔''

المازمان:

یہ مقام مزدلفہ اور عرفات کے درمیان واقع ہے۔ حاجی کے لیے مستحب ہے کہ جب عرفہ سے لوٹے تو اس جگہ چلے۔ ابن شعبان کہتے ہیں کہ مازمان مکہ مکرمہ کی دو مشہور پہاڑیاں ہیں۔

علامہ نووی نے اپنی تحقیق کے مطابق ان پہاڑیوں کو مزدلفہ اور عرفات کے درمیان بتایا ہے۔ مازم لغت میں تنگ راستے کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اہل مکہ اب بھی المضیق کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ یہ راستہ دو پہاڑوں کے درمیان ہے اور تنگ ہے۔

(شفاء، صفحہ ۳۱۱، جلد ۱)

محسر:

یہاں سے تیز گزرنا مستحب ہے۔ یہ جگہ منی اور مزدلفہ کے درمیان واقع ہے۔ اسے وادی نار بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: محسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پہنچ کر لوگ تہلیل پڑھتے ہوئے تیزی سے گزر جاتے ہیں۔

محب طبری اور ابن خلیل کہتے ہیں کہ اس وادی کو وادی محسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ابرہہ جب کعبہ کو ڈھانے کے لئے مست ہاتھیوں کو لایا ان بدمست ہاتھیوں کی قیادت محمود نامی ہاتھی کر رہا تھا، وہ سارے کے سارے یہاں تھک کر بیٹھ گئے، آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی۔ سنگ باری بھی یہیں ہوئی۔ اس لئے حجاج سے کہا گیا کہ تیزی سے گزر جاؤ عذاب کی جگہ سے تیزی سے نکل جاؤ۔

علامہ ازرقی فرماتے ہیں:

''یہ وادی ۴۵×۵۰۰ گز ہے۔ حضور سید عالم ﷺ اس جگہ سے تیزی سے گزر گئے۔''

محصب:

مستحب ہے کہ حاجی جب منی سے لوٹے تو یہاں کچھ قیام کرے، اس جگہ کو محصب اس لئے کہا جانے لگا کہ پانی کا بہاؤ اس مقام پر کنکر پتھر اکٹھے کر دیتا ہے۔ بعض نے کہا:

''وادی محصب اور ابطح ایک ہی ہے۔''

مطاف:

مقدس مقامات سے ایک یہ بھی ہے جس سے حاجی کو قریبی تعلق ہے۔ کعبہ شریف اور مقام ابراہیم کے درمیانی حصہ اور کعبہ شریف

کی ساری سمتوں سے ملنے والی جگہ کا نام ہے۔تفصیل گزر چکی۔

مقام ابراہیم:

مکہ مکرمہ کے وہ مقدس مقامات جن سے حاجی کو کسی نہ کسی طرح ربط ہے ان میں ایک مقام ابراہیم بھی ہے۔قرآن مجید نے فرمایا:

((واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى))

''مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔''

طواف کے بعد حاجی کو حکم ہے کہ وہ دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے قریب پڑھے۔

یہ پتھر مبارک حجر اسود کی طرح جنت سے اتارا گیا۔

اسی پتھر مبارک پر کھڑے ہو کر سیدنا خلیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔

یہی مقدس پتھر ہے جس پر آپ نے قدم رکھا اور سیدنا اسماعیل کی اہلیہ نے سر دھویا۔

یہی مقدس پتھر ہے جو آپ کو سواری پر چڑھنے اترنے کا کام دیتا۔

یہی مقدس مقام ہے جس کا اطلاق حرم شریف کے کسی حصہ پر بھی ہو جاتا ہے۔مجاہد اور نخعی کا یہی قول ہے۔

حضور ﷺ نے سیدنا فاروق اعظم کا ہاتھ پکڑ کر یہ پتھر دکھایا جس کا نام ابراہیم ہے۔فاروق اعظم نے عرض کی:

''حضور! جب یہ پتھر اتنا معظم ہے تو اسے مصلیٰ کیوں نہ بنالیا جائے۔؟''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''مجھے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔''

تب آفتاب غروب ہونے سے پہلے ''واتخذو من مقام ابراهيم مصلىٰ'' کا حکم نازل ہوا۔سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین معاملات میں میری رائے سے موافقت کا حکم فرمایا۔پہلی یہ کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنا دیا گیا، یہی میں چاہتا تھا۔دوسری یہ کہ امہات المومنین کے پردہ کرنے کا مشورہ میں نے پیش کیا تو پردہ کا حکم نازل ہوا۔تیسری یہ کہ ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ازدواج مطہرات سے توجہ ہٹائی تو میں نے امہات المومنین سے کہا: اگر حالات اچھے نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کو نعم البدل دے گا تو سورہ تحریم کی آیات اتریں۔

اگر چہ یہ مقدس پتھر (مقام ابراہیم) جنت کا ہے مگر اس کی تعظیم کا باعث جنت نہیں بلکہ قدم خلیل اللہ علیہ السلام ہے جیسے لفظ ''من مقام'' سے نمایاں ہو رہا ہے۔

اگر چہ لاکھ کا ثواب تو پورے حرم شریف میں ہے کہیں بھی نماز پڑھ لی جائے مگر اس مبارک پتھر کے قریب ہو کر نماز کا حکم اس کی عظمت کو نمایاں کر رہا ہے۔

سیدنا خلیل علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے بلایا تھا، جس کا ذکر قرآن مقدس فرماتا ہے:

((اذن في الناس بالحج))

یہی مبارک پتھر ہے۔(تاریخ مکہ، صفحہ ۳۶۴، جلد ۲)

اس پتھر کے اندر سیدنا خلیل علیہ السلام کے مقدس قدموں کے نشانات نمایاں دکھائی دے رہے ہیں۔

قدموں کے یہ نشان کعبہ کے قبلہ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے بلایا تو یہ پتھر جبل ابوقبیس سے بھی اونچا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز کو پوری کائنات میں پہنچا دیا۔ (تفسیر کبیر، صفحہ ۴۷۰، جلد ۱)

ابن مردویہ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم کعبہ شریف کے اندر تھا، فتح مکہ پر حضور علیہ السلام نے باہر نکال کر نصب کیا۔

سیدنا فاروق اعظم کے دور میں شدید سیلاب سے پتھر دور بہہ گیا پھر تلاش کر کے یہاں نصب کیا گیا۔

یہ پتھر باہر نصب ہونے سے پہلے لکڑی کے صندوق میں تھا، لوگ زیارت کرنے جاتے تو صندوق کھول کر سیدنا خلیل علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات میں زمزم شریف ڈال کر تبرک کے طور پر پیتے تھے۔

عبداللہ بن عثمان نے ۱۶۰ھ میں خلیفہ مہدی عباسی کو یہ پتھر بطور تحفہ پیش کیا تو خلیفہ نے محبت سے چوما ہاتھ پھیر کر تبرک حاصل کر کے قدموں کے گڑھوں میں زمزم ڈال کر پیا۔ پھر اندرون خانہ بھی ایسے ہی کیا گیا۔ پھر اسے واپس مقام پر لوٹا دیا گیا۔ خلیفہ نے تحفہ لانے والے کو زمین کا ایک پلاٹ دیا، جو سات ہزار درہم میں فروخت ہوا۔

خلیفہ مہدی نے ۲۹۱۶ تولے سونا کا طوق بنا کر مقام پر چڑھایا، خلیفہ متوکل نے تین ہزار تولہ سونا کا طوق چڑھایا۔

مزید تفصیلات کتاب کے آخری حصے میں ملاحظہ فرمائیے۔

باب نمبر9:

مکہ کے رباط (مسافر خانے)

مکہ معظمہ جہاں اطراف واکناف عالم سے زائرین جوق در جوق سارا سال آتے رہتے ہیں ان کی آسائش اور راحت رسانی کی خاطر صاحب ثروت و دولت مند لوگوں نے مختلف ادوار میں متعدد رباطیں (سرائیں، مسافر خانے، ہاسٹل) تعمیر کرائیں اور انہیں وقف عام کر دیا، جو چاہے وہاں قیام و آرام کرے۔ اس دور میں بھی چند رباطیں موجود ہیں۔ اکثر حجاج کرائے کے مکان اور ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔

رباط السدرۃ:

یہ رباط حرم شریف کی شرقی جانب باب بنی شیبہ کے قریب واقع تھی۔ امام تقی الدین فاسی فرماتے ہیں:

"یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس نے تعمیر کرائی اور کب وقف کی، البتہ اتنا اندازہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل بنائی گئی تھی اور یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں ہارون الرشید کے زمانہ میں دارالقوار پر تعمیر ہوا تھا۔"

رباط ابی بکر:

قاضی القضاۃ ابی بکر محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم المراغی کا یہ رباط دروازہ حرم شریف کے باب الجنائز کے قریب تھا، جو ۵۷۰ھ میں وقف کر گئی تھی۔

رباط امیر اقبال المستنصر عباسی:

رباط مستنصر عباسی بھی باب ابن ابی شیبہ کے قریب دروازہ میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب تھی۔ یہ ۶۴۱ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

رباط ام خلیفہ ناصر العباسی:

خلیفہ ناصر العباسی کی والدہ ماجدہ جو عطیفہ کے لقب سے مشہور تھی، یہ ان کی طرف سے وقف کردہ رباط ہے۔ یہاں عطیفہ والی مکہ کی

رہائش تھی، یہ جگہ ۵۹۹ھ کو وقف کی گئی۔اس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ فقراء، صوفیاء، اصفیاء اور علماء وغیرہ کے لئے وقف ہے۔

رباط حافظ ابی عبداللہ بن مندہ الاصفہانی:

یہ رباط دار الندوہ کے قریب واقع تھی اور برہان طبری کے نام سے شہرت پذیر تھی۔اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ اصفہان سے آنے والے حجاج کے لئے چالیس دن کے لئے وقف ہے اور دوسرے ہر ملک کے زائرین کے لئے دس ماہ اور بیس دن گویا کہ سارا سال۔

رباط الشیخ ابی حفص عمر بن عبدالمجید المیانشی:

رباط ابی حفص کو رباط العطامیہ بھی کہا جاتا تھا۔یہ ۴۹۲ھ میں وقف کی گئی تھی۔

رباط صالحہ:

مکہ مکرمہ میں ایک رباط صالحہ کے نام سے مشہور تھی۔

رباط الخاتون:

رباط الخاتون جو ابن محمود کے نام سے مشہور تھی، یہ ۵۷۷ھ میں وقف کی گئی تھی۔اس کے دروازہ کے پتھر پر لکھا ہوا تھا کہ یہ عرب وعجم کے صوفیاء اور نیک لوگوں کے لئے وقف کی جاتی ہے اور یہ فاطمہ بنت الامیر ابی لیلیٰ محمد بن نوشیروان الحسنی نے وقف کی ہے۔

باب نمبر 10:

مکہ معظّمہ کے باغات

مکہ مکرمہ کی سرزمین جس کا تعارف سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے ''بواد غیر ذی ذرع'' سے کرایا تھا اور قرآن مجید نے بھی اسے بے آب وگیاہ مقدس سرزمین کو اسی وصف سے یاد فرمایا۔ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود تاریخ بھی اسی نظریہ پر قائم تھی۔مگر اس رنگ بدلتی دنیا میں عجائبات قدرت کا ظہور ہر روز ہوتا رہتا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صدیوں کے اٹل نظریات اور تجربات ہوا کی طرح تحلیل ہو جاتے ہیں۔بالخصوص سائنسی اور مشینی ایجادات نے تو دنیا کی کایا پلٹ دی۔تسخیر خلا تو کوئی تعجب انگیز بات ہی نہیں رہی۔اب تو چاند پر قدم جمانے کے بعد زہرہ پر کمند ڈالی جارہی ہے جو زمین سے کروڑوں میل کی مسافت پر ہے۔ایک قدیم نظریہ کے مطابق فضا میں محدود حد سے تجاوز کرنا ناممکنات میں تھا، لیکن خلائی دوڑ نے اس موہومہ کو تار تار کر دیا۔مواصلات کی محیر العقول ترقی نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔معدنیات اور زیر زمین ذخائر کی دریافت پر صدیاں گزر چکی ہیں، مگر کروزن آئل، پٹرولیم اور سوئی گیس جیسی دولت کروڑوں برس زمین کے پیٹ میں مخفی رہی۔جن کے وجود کا کسی کو وہم تک نہیں تھا۔اسی طرح بہت سے علوم وفنون نیز عمرانی اور زرعی ترقی نے عہد کہنہ کے تجربات کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔زرعی مشینی آلات اور کیمیاوی کھاد نے نہ صرف اجناس کی افزائش میں بے پناہ اضافہ کیا بلکہ عمل تقلیم کی بدولت نارنگی سے کنوں اور مالٹے کی نفیس ترین اقسام سامنے آئی ہیں۔کھجور کے بار آور ہونے کے متعلق یہ مثل مشہور تھی کہ ''دادا لگائے اور پوتا کھائے''، لیکن اب یہ مثل بھی غلط ثابت ہو گئی ہے۔

اسی طرح تمدنی اور عمرانی ترقی کے پیش نظر آج مکہ کے قدیم شہر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا بلکہ دنیا کے متمدن ممالک کے حسین ترین شہر کی تمام تر خوبیاں اور اوصاف کا یہ مجموعہ بن گیا ہے۔کل تک تو یہی تصور تھا:

لیس بها نهر ولا بئر يشرب ماؤها	وليس بجميع مكة شجر مثمر
فاذا جزت الحرم فهناك عيون	وابار و مزارع و نخيل

''اس میں نہ تو کوئی نہر ہے نہ کنواں جس سے پانی پیا جائے۔ اور نہ ہی تمام شہر میں کوئی پھلدار درخت، پودہ اور کھیتی ہے۔''

جب آپ حرم سے باہر نکلیں، تو چشمے، کنوئیں، کھیت اور کھجوروں کے باغات پائیں گے، لیکن اب حرم کی حدود کے اندر بھی پھلدار اور پھولدار درخت شہر کے اندر اور باہر موجود ہیں۔

وہ سرزمین جو پیدائشی طور پر زراعت، ثمرات، کنووں اور نہروں سے خالی تھی آج فضل الٰہی اور لوگوں کی عمرانی جدوجہد اور محنت کے باعث سرسبز وشاداب، پھولدار اور پھلداری کے قابل بن گئی ہے۔ عصر جدید میں زرعی آلات اور عمرانی تجربات نے مکہ مکرمہ کے باغات کی بہاروں میں اضافہ کر دیا ہے۔ مختلف اوقات میں حدود حرم کے اندر باہر باغات کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں اور بعض آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی نظر ہو چکے ہیں۔ قابل ذکر تنعیم اور مسفلہ کے بعض باغات ہیں۔

۱۔ ۹۶۷ھ میں خواجہ قینی محمد بن محمود آفندی قاضی مکہ نے معلاء کے راستہ کی دائیں جانب باغ لگایا تھا۔ اس جگہ ۸۵۰ھ میں خواجہ بہرام ناظر حرم نے اس میں رفاہ عامہ کے لئے سبیل اور حوض تعمیر کرائے جس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے تھے۔ پھر وزیر اعظم رستم پاشا کی زوجہ محترمہ نے اس میں اضافہ کیا تھا۔ اس باغ کا تذکرہ علامہ قطب الدین نے بھی کیا ہے۔

۲۔ ۱۰۵۱ھ میں عثمان بن حمیدان مشیر امیر مکہ نے معابدہ میں باغ لگایا جو بہت وسیع وعریض تھا۔ جس میں انواع واقسام کی سبزیوں کے علاوہ پھلدار درخت بھی تھے۔ عثمان موصوف اسی باغ میں بری بڑی دعوتوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ مگر اب اس کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔

۳۔ ۱۰۴۰ھ میں مسعود بن ادریس نے معابدہ میں جہاں ابی طالب کا حوض پایا جاتا تھا، باغ لگایا پھر اسے دخیل اللہ العواجی نے خرید لیا اور اسی نسبت سے اس کا نام بستان عواجی مشہور ہوا۔ علامہ سباعی کے بیان کے مطابق اب اس کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

۴۔ ۱۲۷۰ھ میں میر اسحاق علوی نے ہجلہ اور شبیکہ کے درمیان باغ لگایا۔ موصوف شریف عبدالمطلب اور والی کامل پاشا کے زمانہ میں تھے، لیکن اب یہاں آبادی ہو چکی ہے۔ اس باغ کا ذکر بھی علامہ سباعی نے کیا ہے۔

۵۔ باغ برکہ ماجن، حرم محترم سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر مسفلہ میں واقع تھا۔ غالب خیال ہے کہ یہ باغ سب سے قدیم ہے، کیونکہ برکہ ماجن اور اس کا شیریں پانی آٹھویں صدی ہجری سے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اس کے پانی سے بہت بڑا رقبہ سیراب کیا جاتا تھا، جس سے مکہ مشرفہ میں سبزیوں کی معقول مقدار فراہم ہوتی تھی۔ یہ باغ ایک سے دوسرے ہاتھ میں چلا آتا رہا اور آج بھی موجود ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس وقت کس کی ملکیت ہے۔ ۸۴۸ھ میں اس کی تعمیر اور اصلاح بھی کی گئی تھی اور غالباً سید حسین ناظر اسکندریہ نے اصلاح کرائی تھی۔

۶۔ باغ وزیر عثمان نوری پاشا، موصوف دولت عثمانیہ سے پہلے مکہ کے والی ہو گزرے ہیں۔ یہ سب سے پہلا باغ ہے جس پر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے قابل زراعت اور انتفاع بنایا گیا، اس میں وافر مقدار میں ہر طرح کی زراعت کا انتظام کیا گیا۔ حرم محترم سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر جرول میں واقع تھا۔

۷۔ شریف عون الرفیق مکہ مکرمہ جن کی ولادت ۱۲۵۶ھ میں ہوئی اور امارت مکہ پر ۱۲۹۹ھ میں فائز ہوئے۔ انہوں نے جرول میں ایک باغ بنایا۔ جو کعبہ شریف سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ جس میں ہر قسم کے پھل دار درخت، سبزیاں اور دوسری اجناس تھیں۔ پھر ۱۳۱۰ھ وزیر عثمان پاشا نوری نے اس کا انتظام سنبھالا، اور یہ بے نظیر باغ ۱۳۵۰ھ تک موجود تھا، لیکن بعد میں اجڑ گیا اور زراعت کے آثار مٹ گئے۔ پھر اس قطعہ اراضی کو امیر متعب بن عبدالعزیز آل سعود نے خریدا۔ بعد ازاں ۱۳۶۷ھ میں یہاں

ہسپتال بن گیا۔

اس باغ میں سبزیوں کے علاوہ اخروٹ، مالٹا، لیموں، انگور، چھوہارا، بند گوبی، بینگن اور ٹماٹر وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

الشیخ محمد ابراہیم رفعت پاشا نے اس باغ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"یہ باغ جرول میں مستطیل شکل کا ہے۔ بحری جانب سے طول ۲۷۰ میٹر اور مغرب میں ۱۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف دو میٹر بلند دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ باغ کے درمیان ایک مربع شکل کا بہت بڑا حوض ہے۔ جس کا ہر ضلع ۱۶ میٹر ہے۔ اس کی گہرائی چار میٹر جب کہ زمین سے دیواروں کی بلندی سوا تین میٹر تھی۔ دیوار زرد رنگ کے مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی تھی اور اندر باہر سے پلستر شدہ تھی۔ اس حوض سے باغ کی آب پاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے جن سے لوگ نہاتے اور کپڑے وغیرہ دھوتے تھے۔ اس باغ میں اخروٹ، مالٹا، لیموں، کھجور، انگور، گلاب، بریم حجازی، بند گوبی، ٹماٹر وغیرہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ایسے پھولدار درخت بھی کثرت سے تھے جن کے پھولوں سے عطر اور خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔"

۸۔ بستان الشہداء: یہ تنعیم کے راستہ میں واقع ہے جو حرم شریف سے پانچ کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔ یہ کوئی چالیس سال پہلے وجود میں آیا تھا، اور اب بھی آباد ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اب کس کی ملکیت ہے۔

۹۔ ۱۳۵۲ھ میں الشیخ عبداللہ السلیمان سابق وزیر مالیات نے جرول میں اپنے مکان کے قریب بنایا تھا۔ یہ حرم محترم سے صرف دو کلو میٹر دور ہے، اور آج بھی پُر از میوہ و بہار ہے۔ اس میں امرود بہت عمدہ قسم کا ہوتا ہے۔ پپیتا اور آم کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے پھل اور سبزیاں ہیں۔

۱۰۔ شیخ محمد سرور الصبان وزیر مالیات و اقتصادیات نے جدہ روڈ پر ام الدرج کے قریب باغ لگایا تھا، جو حرم سے چار کلومیٹر دور ہے۔ بہت خوبصورت اور ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس کے اندر ایک چھوٹا سا باغیچہ تفریح کے لئے بنا ہوا ہے۔

۱۱۔ باغ الشیخ عبداللہ الکعکی، یہ مسفلہ میں ہے۔ اس کے اور حرم کے درمیان چار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ سیر و سیاحت کے لئے بے حد روح پرور جگہ ہے۔ اس کی بنیاد ۱۳۶۹ھ میں رکھی گئی تھی۔ اس باغ کا ذکر رفعت پاشا نے بھی مراۃ: ۹/۱/۱۷ میں کیا ہے۔

۱۲۔ منیٰ کے راستہ میں یہ کافی لمبا باغ ہے، اس میں کئی کنوئیں اور نل ہیں اور بہت سے درخت ہیں، جن میں املی کے درخت بھی ہیں۔ یہ باغ ایک میل سے بھی زیادہ لمبا ہوگا۔ سڑک کے درمیان بے حد نشاط افزا منظر پیش کرتا ہے۔ پھولدار اور پھلدار درخت کثرت سے ملتے ہیں۔

باب نمبر 11:

مکہ مکرمہ کے چند مقدس گھر

یوں تو حرم کا ذرہ ذرہ ہی رشک طور ہے، کوئی پہاڑ ہو یا وادی، مکان ہو یا صحرا، ارض سنگلاخ ہو یا گلستان سبھی ہی نور علیٰ نور ہیں۔ تاہم ان مقامات میں چند ایسے اہم مقامات بھی ہیں جن کا ذکر نہ کیا جائے تو سرزمین مکہ مکرمہ کے تاریخی واقعات کو مکمل نہیں کیا جا سکتا۔

دار نبی:

یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں سید الانبیاء حبیب کبریا، آفتاب نبوت حضور ﷺ کی پہلی شعاع پڑی۔ یہی وہ مقام ہے جسے عرب سے

پہلے چہرہ مصطفیٰ ﷺ دیکھنے کا شرف ملا۔ یہ مکان آپ کا آبائی مکان تھا۔ جب حضور ﷺ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے تو یہ مکان اپنے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو دے دیا۔ ان سے یہ مکان محمد بن یوسف ثقفی نے خرید لیا، خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں ان کی والدہ نے محمد بن یوسف سے خرید کر یہاں مسجد بنوادی۔ (اخبار مکہ ازرقی مولد النبی ﷺ)

یہ مسجد مبارک مختلف ادوار سے گزرتی رہی، خلیفہ الناصر عباسی، ملک مظفر، حفیدہ المجاہد، ملک اشرف، سلطان سلیمان خان نے اپنے اپنے زمانوں میں اس مسجد کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۰۰۹ھ میں مراد خان نے اسے از سر نو تیار کیا۔ دولت عثمانیہ میں یہاں درس گاہ بنا دی گئی۔ (مراۃ الحرمین، صفحہ ۱۹۰، جلد ۲) (تاریخ مکہ، صفحہ ۳۵۴، جلدا)

۹۔ عباس بن یوسف قطان نے ۱۳۷۰ھ میں بہترین مکان تعمیر کرنے کا منصوبہ کیا۔ جسے ان کے بیٹے شیخ امین نے مکمل کیا۔ جس میں عوام کے استفادہ کے لئے قیمتی کتب کا ذخیرہ رکھا گیا۔ آج اس مکان پر ''الکتبہ'' کا جلی بورڈ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ مقدس جگہ سوق اللیل میں واقع ہے۔ حرم پاک کی صفا کی سمت سے غزہ بازار کو جائیں تو یہ جگہ دائیں آتی ہے۔ اس جگہ کا نام اہل مکہ کی زبان پر ''زوم نبی'' رہا۔ اس کا نام ''روم'' عبداللہ بن جراد کی روایت سے ملتا ہے۔

((''ولد رسول اللہ بالروم''))

علامہ قطب الدین اپنی کتاب ''کتاب الاعلام'' میں فرماتے ہیں: (شفاء، صفحہ ۳۶۹)

''یستجاب الدعاء فی مولد النبی ﷺ''

''حضور کی ولادت گاہ پر دعا قبول ہوتی ہے۔''

ہر پیر کی رات کو وہاں محفل ذکر ہوا کرتی تھی۔ (کتاب الاعلام، صفحہ ۳۵۵)

اب وہاں پر ہر وقت ذکر بصورت تلاوت قرآن مجید اور دینی کتب کے مطالعہ کی صورت میں ہوتا ہے، کیونکہ یہ لائبریری بہت مشہور ہے، اور دنیا جہاں کے لوگ اس گھر کی برکت سمیٹنے یہاں آتے ہیں اور کتب کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔

مراۃ الحرمین اور تاریخ القویم میں ہے:

''وہ مقدس مکان جہاں آفتاب نبوی طلوع ہوا تھا، وہ شہ کونین ﷺ کے والد ماجد کی ملکیت تھا۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے لگے تو اپنے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان سے محمد بن یوسف ثقفی جو حجاج بن یوسف کا بھائی تھا، نے خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اسی کے نام سے ''بیت ابن یوسف'' مشہور ہوا۔ حتیٰ کہ ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب بیت اللہ کو گئی تو اس نے وہ مکان خرید کر وہاں مسجد تعمیر کرا دی جس میں لوگ نماز پڑھنے لگے۔ (اخبار مکہ ازرقی، عنوان مولد النبی ﷺ)

الشیخ رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کا مکان ولادت سڑک سے تقریباً ڈیڑھ میٹر نشیب میں واقع ہے۔ جس میں داخل ہونے کیلئے پتھر کی بنی ہوئی چند سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے۔ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ۱۲ میٹر لمبا اور ۶ میٹر چوڑا صحن ہے۔ اس کے دائیں جانب ایک دروازہ چھوٹے سے کمرہ کی طرف کھلتا ہے، جس کے اندر لکڑی کا ایک چبوترا بنا ہوا ہے۔ جس میں سنگ مرمر کا ایک پتھر ہے جو درمیان سے کھود کر گہرا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نبی کی ولادت گاہ ہے، اس کا کل رقبہ تقریباً ۸۰ مربع میٹر ہے۔''

مذکورہ مسجد مصر سلطنت کے اوقاف کے زیر انتظام تھی جس میں امام اور موذن مقرر تھے لیکن زمانہ دراز کے بعد مسجد کو پتھر مکان میں تبدیل کر دیا گیا۔جس کی تعمیر و مرمت مختلف سلاطین اپنے اپنے دور میں کرتے رہے:

۵۷۶ھ میں خلیفہ الناصر عباسی۔

۶۶۶ھ میں ملک مظفر صاحب یمن۔

۷۴۰ھ میں حفیدہ المجاہد۔

۷۵۸ھ میں مصر کے ایک رئیس۔

۷۶۶ھ،۸۰۱ھ میں ملک اشرف شعبان۔

۹۳۵ھ میں سلطان سلیمان خان نے یہ خدمت انجام دی۔

۹۶۳ھ میں سلطان سلیمان خان نے تین بیش بہا قندیلیں بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف کیلئے اور ایک مولد النبی ﷺ میں آویزاں کرنے کیلئے۔

۱۰۰۹ھ میں سلطان مراد خان نے از سر نو تعمیر کرائی اور اس پر ایک عظیم الشان گنبد اور مینار بنوایا۔بعد ازیں دولت عثمانیہ میں اس جگہ دینی درسگاہ قائم کردی گئی۔(مراۃ الحرمین:۱۸۸/۲)

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم تحریر کرتے ہیں۔۱۳۴۳ھ میں یہ عمارت منہدم ہوگئی تھی جسے الشیخ عباس بن یوسف القطان المتوفی ۱۳۷۰ھ نے اپنے ذاتی اخراجات سے تعمیر کرنا شروع کیا تھا لیکن چند ہی ماہ بعد ان کا وصال ہوگیا۔چنانچہ ان کے خلف الرشید الشیخ امین نے کام مکمل کرایا۔مرحوم نے وصیت کی تھی کہ یہاں ایک جلیل القدر لائبریری بنائی جائے جس سے علماء اور طلباء استفادہ کریں۔بہر حاصل وہاں افادہ عوام کیلئے عالی شان لائبریری بنی ہوئی ہے اور دروازہ پر المکتبۃ المکہ کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔

دار سیدہ خدیجۃ الکبریٰ:

مکہ مکرمہ کی اہم جگہوں میں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبرے کا مکان بھی ہے،حرم شریف سے بالائی جانب جائیں
تو اس مکان کی زیارت ہوجاتی ہے۔آج کل چھتہ بازار کے نام سے یہ علاقہ مش مار میں سوائے سیدنا
ابراہیم کے سبھی یہاں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔سیدہ خدیجۃ الکبریٰ درس قرآن حکیم
کا سلسلہ جاری ہے۔اسی مکان میں جبریل علیہ السلام کی حاضری ہو ـ نے لے
لیا تھا۔اس مکان میں تین مشہور مقامات بتائے گئے ہیں۔

۱۔ مولد الفاطمہ ۲۔ قبۃ الوحی

۳۔ المختبی (جہاں حضور علیہ السلام چھپ کر بیٹھے اس کا نام المختبر

محب طبری فرماتے ہیں:

''مسجد حرام کے بعد تمام مکانات سے اعلیٰ خدیجۃ الکبریٰ کا مکان ہے۔''

تاریخ جدید مکہ میں ہے:

''ام المومنین سیدہ خدیجہ کا مکان درب الحجر میں واقع تھا جہاں اب زیورات کی
ﷺ کی ساری اولاد انہیں کے بطن اطہر سے اسی گھر میں پیدا ہوئی۔صرف حضر

میں پیدا ہوئے، اسی میں سیدہ فاطمہ نے بھی پرورش پائی تھی اور سیدہ خدیجہ کا وصال بھی اسی مکان میں ہوا تھا۔ سڑک سے مکان نشیب میں ہے۔ چند سیڑھیاں اتر کر ایک تنگ راستہ جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کمرہ جو ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ لمبا) اور ۶ ذراع (۹ فٹ) چوڑا ہے۔ اس میں بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کی دائیں جانب دو سیڑھیاں چڑھ کر ایک دروازہ ہے۔ اس دروازہ سے آگے چھوٹا سا راستہ ہے جس میں تین دروازے ہیں۔ بائیں طرف والا کمرہ صرف ساڑھے ۴ فٹ لمبا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کمرہ کے اندر دائیں طرف ایک گہری جگہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمایا کرتے تھے۔ مذکورہ تنگ راستہ میں داخل ہوتے ہی جو سامنے کمرہ ہے اس کی لمبائی ۶ میٹر ۱۹ فٹ ساڑھے ۸ انچ ہے اور چوڑائی ۴ میٹر ۱۳ فٹ ڈیڑھ انچ ہے۔ یہاں آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہائش رکھتے تھے۔ جو کمرہ دائیں جانب ہے اس کی لمبائی ساڑھے ۷ میٹر (۲۴ فٹ ۷ انچ) اور چوڑائی ۴ میٹر (۱۳ فٹ ڈیڑھ انچ) ہے۔ اس کے اندر لکڑی کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ سیدہ فاطمہ کی ولادت گاہ ہے۔ اس کمرہ میں مشرقی دیوار کے پاس چکی کا ایک حصہ پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ کی چکی تھی۔ اس کمرہ کی لمبائی کیساتھ ساتھ شمال کی طرف ایک کھلی جگہ ہے جو تقریباً ڈیڑھ گز اونچی ۱۶ گز لمبی اور ۷ گز چوڑی ہے۔ اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سیدہ خدیجہ مال تجارت رکھتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکان اپنے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو دے دیا۔ پھر سیدنا امیر معاویہ نے اس سے خرید کر یہاں مسجد بنادی۔ مسجد کا ایک دروازہ سیدنا ابوسفیان کے اس مکان کی طرف بھی بنایا جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا۔''

مسجد کا حدود اربعہ بیت خدیجہ کے برابر رکھا گیا، اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی۔''

الشیخ رفعت پاشا مصری شفاء الغرام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بیت خدیجہ کی جگہ بنی ہوئی مسجد کی کیفیت اس طرح ہے: ۸ ستونوں پر برآمدہ بنا ہوا ہے جس کی سات محرابیں (ڈاٹیں) ہیں۔ قبلہ والی دیوار میں تین محرابیں ہیں۔ اس کے سامنے والے برآمدہ میں چار محرابیں ہیں۔ ان دونوں برآمدوں کے درمیان صحن ہے۔ اس گھر میں تین مقامات کی طرف سے زیارت کیلئے لوگ آتے ہیں۔ مولد فاطمہ۔ اس کے قریب ہی قبۃ الوحی اور اختبا جو قبہ وحی کے قریب واقع ہے کہا جاتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین سنگ باری کرتے تھے تو آپ اس کے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اختبا کا رقبہ 3x4 ذراع ہے۔ خلیفہ الناصر عباسی، ملک اشرف شعبان، المقتدر عباسی، ملک ناصر فہج بن برقوس نے تعمیری خدمات انجام دیں۔ ۹۳۰ھ میں سلیمان خان نے بھی اس کی تعمیر کی تھی۔ (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۲)

علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں:

''۱۳۶۸ھ میں الشیخ عباس بن یوسف نے اسے از سر نو تعمیر کرنا شروع کیا جو ۱۳۷۰ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اس میں حفظ قرآن کا مدرسہ جاری کیا۔''

دار ارقم:

یہ مشہور مقام صفا کے قریب واقع ہے۔ شروع اسلام میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں رہا کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ تبلیغی نظام

پروان چڑھانے کے منصوبے بنتے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی حویلی کے بعد اسے شرف حاصل ہے کہ حضور سید عالم ﷺ دیر تک اس میں رہے اور سب سے بڑی وجہ شرف حضور علیہ السلام ﷺ کی نسبت ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ نے اس جگہ پر مسجد تعمیر کروائی۔ بعد ازاں امین الملک مصلح، وزیر الجواد، مستنصر عباسی، جمال الدین، شرف الاسلام، ابوجعفر، سلطان مراد خاں اور ابراہیم کلب نے اپنے اپنے دور میں اس کی مرمت و تزئین میں حصہ لیا۔ (تاریخ مکہ: ۱/۳۶۰)

حرم شریف کی توسیع کے پروگرام میں یہ جگہ شامل کر لی گئی، اب دار ارقم کا نشان نہیں ملتا۔

یہ مقدس و متبرک مکان صفا سے بائیں جانب ۳۵ یا ۴۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہ ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن جندب اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسے عرصہ دراز تک تبلیغ، تدریس اور نماز کا مرکز بنائے رکھا، کیونکہ مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے آپ ﷺ اعلانیہ نہ تو نماز پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی تبلیغ دین کی خدمت انجام دے سکتے تھے، اس لئے آپ یہاں تشریف فرما ہو جاتے اور دیگر مسلمان بھی اس شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہو کر اسلام کے احکام سے بہرہ یاب ہوتے اور اسی مکان میں سیدنا فاروق اعظم نے اسلام قبول کیا تھا۔ جس کے بعد سیدنا عمر فاروق کی شجاعت نے مسلمانوں کو سر عام نماز پڑھنے کی ہمت سے ہمکنار کر دیا۔

۱۷۱ھ میں خیزران والدہ خلیفہ ہارون الرشید جب حج کیلئے آئیں تو دار ارقم کو خرید کر یہاں مسجد تعمیر کرائی۔ امام تقی فاسی کے بیان کے مطابق مسجد کا طول تقریباً ۸ گز (۲۴ فٹ) اور عرض تقریباً ۷ گز (۲۱ فٹ) تھا۔

ابن جبیر اندلسی نے ۵۷۸ھ میں بھی اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دروازہ مشرق کو کھلتا تھا۔ ۱۳۲۷ھ میں محمد لبیب البتونی نے بھی ذکر کیا ہے۔ مسجد کے اندر دو پتھر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

((بسم الله الرحمن الرحيم فی بیوت اذن الله ان ترفع و یذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو و الاصال۔ هذا مختیار سول الله و دار الغیز ران وفیها مبتد الاسلام امر بتجدیده الفقیر الی مولاه آمین الملك مصلح ابتغاء ثواب الله و رسوله و الله لا یضیع اجر المحسنین))

اور دوسرے پتھر پر یہ عبارت کندہ تھی:

((بسم الله الرحمن الرحیم هذا مختیار رسول الله صلی الله علیه وسلم المعروف بدار الخیزران امر بعمله و انشائه العبد الفقیر لرحمة الله تعالیٰ جمال الدین شرف الاسلام ابو جعفر محمد بن علی بن ابی منصور الاصفهانی وزیر الشام والموصل الطالب وصول الی الله تعالیٰ الراجی لرحمته اطال الله فی اطاعة بقاه و انا له فی الدارین ابناه فی سنة خمس و خمسین و خمس مائة))

اس جگہ خیزران ام الرشید نے ۱۷۱ھ میں مسجد بنوائی تھی۔ بعد ازاں اس کی تعمیر حسب ذیل امراء اور سلاطین نے کی:

امین الملک مصلح۔	وزیر الجواد۔
مستنصر عباسی۔	جمال الدین۔
شرف الاسلام۔	ابوجعفر ۵۵۵ھ۔

سلطان مراد خان ۱۱۱۲ھ ابراہیم بک۔

ابراہیم بک نے بنیادوں سے لے کر چھت تک پوری عمارت کی تجدید کی، لیکن ۱۳۴۳ھ میں عمارت منہدم ہوگئی تھی۔ ۱۳۷۵ھ میں جب سعودی حکومت نے حرم شریف کی بے مثال توسیع کا پروگرام بنایا تو یہ جگہ اور مسجد بھی اس کی زد میں آگئی جس کی وجہ سے اسے گرا دیا گیا اور یہاں ایک سہ منزلہ مارکیٹ بنائی گئی اور ایک مکان اس جگہ مخصوص بنایا گیا، جس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا ''دارارقم'' جو کہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء تک موجود تھی۔ مگر بعد ازاں سڑکوں کی توسیع کے باعث اس جگہ کو زمین کے برابر کر دیا گیا، بلکہ شارع ارقم جو تقریباً ایک سو فٹ بلندی پر تھی اسے بھی پیوند زمین کر دیا گیا۔ اس طرح نہ تو یہاں مسجد کا نشان باقی رہا اور نہ ہی دارارقم کا۔

دارابوبکر صدیق:

یہ مکان بھی مکہ مکرمہ کے متبرک مکانات سے ایک ہے، اس کے دروازہ پر پتھر پر کندہ ہے:

''هذه الدار لرفيق رسول الله صلي الله عليه وسلم فى الغارورفيقه فى الاسفار''

''یہ مکان رسول اللہ ﷺ کے یار غار اور سفر کے ساتھی صدیق اکبر کا ہے۔''

اس مکان کے سامنے کی دیوار پر پتھر تھا، مشہور ہے جب حضور اکرم ﷺ یہاں سے گزرتے تو یہ پتھر آپ کو سلام کیا کرتا۔ ہوسکتا ہے یہی پتھر ہو جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہوا:

((''انی لاعرف حجرا بمكة كان يسلم علي''))

''میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا۔''

دارعلی المرتضیٰ:

سرزمین مکہ مکرمہ کے مقدس مکانات میں سے سیدنا علی المرتضیٰ کا مکان بھی شامل ہے۔ یہ مکان بھی حضور سید عالم ﷺ کی ولادت گاہ کے قریب واقع تھا۔ اس سلسلہ میں متعدد کتب کا مطالعہ کیا مگر نمایاں راہنمائی نہ مل سکی۔ یہ جگہ بھی سوق اللیل میں ہی واقع ہے۔ علامہ طاہر کردی کہتے ہیں:

''یہ خالی میدان تھا جس سے سعودی حکومت نے مدرسہ حفظ القرآن جاری کیا جس کی عمارت کے تمام اخراجات جدہ کے رئیس شربتلی نے برداشت کئے۔'' (تاریخ القویم، صفحہ ۱۷۴، جلد ۱) (تاریخ مکہ: ۱/۳۵۸)

تاریخ تقویم کی جلد اول میں ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکان نبی کریم ﷺ کے مکان ولادت سے کوئی ۲۰۰ میٹر کے فاصلہ پر سوق اللیل میں واقع تھا۔''

علامہ طاہر کردی لکھتے ہیں کہ ۱۳۷۶ھ میں یہاں کوئی عمارت نہیں تھی۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے شاہ سعود سے درخواست کی کہ یہاں ایک دارالعلوم قائم کیا جائے جہاں حفظ قرآن، تجوید اور دیگر تمام علوم پڑھانے کا معقول انتظام ہو۔ شاہ موصوف نے اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا، لیکن جدہ کے رئیس الشیخ السید حسن الشربتلی نے دارالعلوم کی تعمیر اور دیگر تمام تر اخراجات کی کفالت کا اعلان کیا۔ جن کی مساعی جمیلہ سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (تاریخ القویم، جلد ۱، صفحہ ۱۷۴)

دار سیدہ ام ہانی:

سیدہ ام ہانی حضور سید عالم ﷺ کی چچازاد بہن ہیں۔حضور ﷺ آپ کے ہاں آیا کرتے تھے۔فتح مکہ پر بھی آپ تشریف لائے اور نوافل ادا فرمائے۔معراج کی رات بھی اسی مکان سے سفر کا آغاز ہوا۔۱۹۶۰ء میں یہ جگہ جدید حرم میں داخل کے جا چکی تھی۔ بر بنایہ بھی ایک مبارک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ کی آمد و رفت رہی۔

سیدہ ام ہانی سرور دو عالم ﷺ کی چچازاد بہن ہیں۔آپ ﷺ اکثر ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔بعض روایات کے مطابق معراج کی شب بھی آپ ﷺ انہی کے گھر میں آرام فرما تھے اور یہیں سے معراج کے لئے تشریف لے گئے۔

ان کا مکان موجودہ باب الوداع کے قریب تھا۔زمانہ قدیم میں مؤرخین نے اس کا محل وقوع سوق حناطین حزورہ والے مینار کے قریب بیان کیا ہے۔قصی بن کلاب نے العجول نامی کنواں اسی جگہ کھودا تھا۔جہاں سیدہ ام ہانی کا گھر تھا۔

۱۶۷ھ میں جب خلیفہ مہدی عباسی نے حرم شریف کی توسیع کی تو یہ جگہ حرم میں آ گئی تھی۔رکن یمانی سے باب الوداع کی طرف ۱۲۰ میٹر کے فاصلہ پر یہ مقدس مکان واقع تھا۔(تاریخ القویم: جلد ا،عنوان دارام ہانی)

دار سیدنا عباس بن عبد المطلب:

سیدنا عباس امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا ہیں۔یہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ان کا مکان باب علی اور باب النبی کے درمیان مسعی (سعی کرنے والی جگہ) میں تھا۔دسویں صدی ہجری میں اسے منہدم کر کے رباط (مسافر خانہ) بنا دیا گیا جس میں فقراء اور مساکین ٹھہرتے تھے۔

۱۳۶۷ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کا کام جاری تھا تو اسے بھی گرا کر یہ جگہ حرم شریف میں شامل کر لی گئی،مسعی میں جہاں میلین اخضرین (دو سبز ستون) ہیں اس جگہ یہ مکان تھا۔پھر اس جگہ سعی کرنے والوں کیلئے لوہے اور کنکریٹ کی شیڈ بنا دی گئی تا کہ سایہ رہے۔صفا سے مروہ جاتے وقت دائیں جانب دار عباس اور شمال مشرق میں دار ابوسفیان تھا۔

دار ابی سفیان:

سرزمین حرم میں ہونے کے علاوہ اس مکان کی عظمت حضور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی نمایاں ہو رہی ہے،جب بارگاہ رسالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یا رسول اللہ!ابوسفیان مکہ کے سرداروں میں سے ایک ہے،فخر کو پسند کرتا ہے اس کے لئے کوئی ایسی صورت پیدا فرما دی جائے جس کے باعث یہ اپنے کو باعث عزت سمجھے اور ممتاز ہو سکے۔''

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:اعلان کر دو!

(("من دخل دار ابی سفیان فھو امن"))

''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے امن ہوگا۔''

ابوسفیان عرض کرتے ہیں:

''حضور میرا گھر تو مختصر ہے،سارے آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔؟''

فرمایا:

"جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔"

محمد شریف پاشا نے اس جگہ ہسپتال بنوایا، پھر سلطان عبدالمجید کی والدہ نے توسیع کروائی اور وزارت صحت کا دفتر بنوایا۔ سعودی حکومت نے اس جگہ لائبریری بنوائی، اب اس جگہ بازار ہے۔

یہ مکان مروہ کی جانب مدعا کے بالکل آخر میں واقع تھا۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسفیان کی عزت افزائی کی خاطر ارشاد فرمایا تھا:

((من دخل داره واغلق بابه فهو امن ومن دخل المسجد فهو امن، ومن دخل دار ابى سفيان فهو امن))

"جس آدمی نے اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا وہ امن میں آ گیا اور جو آدمی مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا اور جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امن میں آ گیا۔"

۱۲۶۶ھ میں محمد شریف پاشا نے اس جگہ ہسپتال بنا دیا۔

۱۲۸۲ھ میں سلطان عبدالمجید خان کی والدہ محترمہ نے اس میں توسیع کی۔

۱۳۶۴ھ میں وزارت صحت کا دفتر بنا دیا گیا۔

پھر ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ہسپتال گرا کر اس جگہ پبلک لائبریری بنا دی۔

اس وقت لائبریری بھی نہیں رہی بلکہ یہاں بازار بن چکا ہے۔

علامہ کردی فرماتے ہیں:

"۲۸ رجب ۱۳۷۶ھ کو میں نے یہ مکان اندر سے دیکھا۔ اس میں ایک پتھر کی تختی پر خط ثلث میں یہ حدیث لکھی ہوئی تھی:

((من دخل دار ابى سفيان فهو امن۔ كتبه محمد عارف مصطفى شكرى ۱۳۱۳ھ))

باب نمبر 12:

مکہ معظمہ کے محلے

مکہ مکرمہ کے درج ذیل مشہور محلے ہیں:

حارة الباب۔	جیاد۔	مسفلہ	
شامیۃ۔	الغزہ۔	قشاشیہ۔	سلیمانیہ
المعابدہ۔	جرول۔	اتعاد	القرارہ۔
شعب علی۔	الفلق۔	سوق اللیل	شبیکہ
حی الزاہرہ۔	الرضیفہ۔	المشعلیہ۔	حی الششہ۔
العتیبہ۔	الہنداویہ۔		محلة النزہہ

فصل نمبر 1:

عثمانی دور میں مکہ معظّمہ کے محلے

مشہور ترین محلے:

عثمانی دور میں مکہ مکرمہ کے درج ذیل مشہور ترین محلے تھے:

۱۔ سوق اللیل۔ ۲۔ شعب علی۔
۳۔ شعب عامر۔ ۴۔ السلیمانیہ۔
۵۔ المعدہ۔ ۶۔ جرول۔
۷۔ النقا۔ ۸۔ الغلق۔
۹۔ قرارہ۔ ۱۰۔ الشامیہ۔
۱۱۔ اجیاد۔ ۱۲۔ القشاشیہ۔
۱۳۔ شبیکہ۔ اسی میں محلہ بھی شامل ہے۔ ۱۴۔ حارۃ الباب۔
۱۵۔ مسفلہ۔

محلّہ السلیمانیہ:

یہ النقا، الحنی، معاہدہ، البیاضیہ اور المعلاء پر مشتمل ہے۔ یہاں شریف غالب امیر مکہ کا مکان ہے اور مسجد اجابہ بھی واقع ہے۔ اس میں اکثر ہندی لوگ آباد ہیں۔ یہاں سبزی منڈی کے علاوہ بھیڑ، بکریاں اور اونٹوں کی منڈی بھی لگتی ہے۔ سید محمد صالح الشیبی کا باغ بھی اسی محلّہ میں واقع ہے۔ (مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۲)

محلّہ جیاد:

حرم شریف سے جنوب مشرق میں ہے، یہ محلّہ پورے شہر میں زیادہ خوبصورت ہے، کیونکہ اس کی سڑکیں کشادہ اور مکانات ترکی طرز کے عالیشان بنے ہوئے ہیں۔ اس میں ترکی حکومت کا دیوان بھی ہے، بعض لوگ جھونپڑیوں میں بھی گزر بسر کر رہے ہیں۔ یہاں فوج کے قیام اور ضرورت کے لئے ایک میدان ہے۔ اسی محلّہ میں امیریہ پریس، ڈاک خانہ، ٹیلیگراف آفس، ہسپتال اور کئی دیگر سرکاری دفاتر ہیں، یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

محلّہ جرول:

اس کے قریب جبل حبیشہ ہے۔ شریف عون رفیق کا باغ بھی اسی محلّہ میں ہے۔ بیر ذی طوی جس سے نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف میں داخل ہوتے وقت غسل فرمایا تھا اسی میں واقع ہے۔ یہاں محمل مرئی رکھنے کا مکان بھی بنا ہوا ہے اور سلطان عبد الحمید خان نے اس جگہ حجاج کے لئے مسافر خانہ بھی بنوایا تھا۔

محلّہ القرارہ:

حافظ قطب الدین لکھتے ہیں:

"یہ محلّہ شامیہ نامی محلّہ کے شمال میں ہے۔ اس میں امیر مکہ شریف عبد المطلب کا محل ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی

ہے۔"

محلّہ الغزة:

حافظ ہی نے لکھا ہے کہ یہ محلّہ حرم سے شمال مشرقی جانب ہے۔اس میں بیت الامارت تھا، جس میں محمد علی پاشا رہتے تھے۔مگر اس وقت عون رفیق پاشا قیام پذیر ہیں۔

محلّہ مسفلہ:

یہ محلّہ حرم شریف کے جنوب میں واقع ہے، اس میں شریف عبداللہ کا باغ اور سیدنا حمزہ اور حضرت ابوبکر کی ولادت کے مکانات ہیں۔

محلّہ شعب بنی عامر:

یہ محلّہ غزہ کے شمال میں ہے، اس میں مولد النبی ﷺ، مولد علی اور بنی ہاشم کے مکانات تھے۔اس کے شرقی حصہ میں زمانہ جاہلیت میں بنی عبدالمطلب آباد تھے، لیکن آج کل یہاں اشراف مکہ مقیم ہیں۔قریش کے مکانات زیادہ تر حرم شریف کے شمال کی طرف تھے۔

محلّہ قشاشیہ:

یہ محلّہ حرم شریف سے مشرق کی طرف ہے۔اس کے مشرقی حصہ میں شعب علی جسے شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے واقع ہے۔اسی میں دار خیزران، دار ارقم بن ابی ارقم، دار ابی سفیان اور بنی شیبہ کے مکانات تھے، علاوہ ازیں بیت خدیجہ اور مولد فاطمہ بھی اسی میں تھے۔ اسی محلّہ میں ابوجہل کا مکان بھی تھا جس کی جگہ اب بیت خلاء بنے ہوئے ہیں۔یہ جگہ باب النبی ﷺ کے سامنے واقع تھی، اس جگہ زیر زمین تقریباً ۳۵۰ بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں۔

محلّہ الشامیہ:

یہ محلّہ حرم کے شمال مغربی سمت ہے۔یہاں بہت بڑا بازار ہے جس میں جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں محلوں کی تعداد:

علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم نے لکھا ہے:

"دوسرے ممالک سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مکہ معظمہ میں آباد ہوتی رہی جس کے باعث آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں محلوں کی تعداد ۲۶ تک پہنچ گئی۔"

محلوں کو آباد کرنے والے رئیس:

ان محلوں کے آباد کرنے والے یا رئیس حسب ذیل حضرات گزرے ہیں:

محلہ کا نام	آباد کرنے والے کا نام
محلّہ اجیاد	سعد ظفران
محلّہ شامیہ	الشیخ عبدالقادر جانشاہ
محلّہ سلیمانیہ	شعب عامر
محلّہ حجون	الشیخ حامد عدس

محلہ الزاہر	نبیہ بن سعد
محلہ مسفلہ	الشیخ سراج ابوزیزہ
محلہ شبیکہ	الشیخ حمزہ عالم
محلہ القشاشیہ	احمد محمد نصار
محلہ النزہۃ	علی محمد سابق
محلہ القرارہ	حامد ہرسانی
محلہ النقاہ	الشیخ یحی حابس
سوق اللیل	محمد علی عیاد
الهنداویہ	جمیل محمد باوزیر
محلہ المعابدہ	سعد بن ربیقان
جرول	خلیل اللہ جمعہ

ل نمبر2:

سعودی عہد میں مکہ کے محلے

ئے آباد ہونے والے محلے:

سعودی دور میں جب آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تو مکہ مکرمہ کی حدود دور دور تک وسیع ہوگئیں۔ جس کے سبب ۱۳۶۰ھ میں مذکورہ بالا ں کے علاوہ درج ذیل محلے بھی آباد ہوگئے:

۱۔ محلة الرصیفة۔

۲۔ محلہ المشعلیة۔

۳۔ محلة النزہة۔

۴۔ محلہ العقبیة۔

۵۔ الهنداویة۔

۶۔ محلہ البقر

جسے آج کل العزیزیة کہا جاتا ہے۔

۷۔ محلہ الزاہر۔

۸۔ محلہ الطنبداوی۔

اس میں شارع منصور ہے۔

۹۔ محلہ الششة۔

۱۰۔ محلہ الروضة۔

۱۱۔ محلہ الخانسة۔

☆☆☆

باب نمبر 13:

مکہ مکرمہ کی سڑکیں اور راستے

فصل نمبر 1:

مکہ کے مشہور راستے

اس شہر میں داخل ہونے یا باہر جانے کیلئے قدیم زمانہ میں صرف تین ہی راستے تھے۔ مورخین ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

علامہ ازرقی لکھتے ہیں:

مکہ کے تین راستے مشہور ہیں:

۱۔ طریق کداء۔ ۲۔ طریق جدہ۔ ۳۔ طریق یمن۔

طریق کداء:

یہ سڑک عراق، طائف اور عرفات کی طرف جاتی ہے اور فتح مکہ کے دن حضور اقدس ﷺ اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔

طریق جدہ:

یہ سڑک مدینہ منورہ، جدہ، شام اور مصر وغیرہ کی طرف جاتی ہے۔

طریق یمن:

یہ راستہ یمن کی سمت جاتا ہے، ایک اور راستہ الجوں بھی ہے، مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (اخبار مکہ: صفحہ ۲۸۳)

تین راستے:

مؤرخ شہیر علامہ تقی الدین فاسی رقمطراز ہیں:

''پہاڑوں کی قدرتی تنصیب (Setting) شہر پناہ کا کام دیتی ہے۔ ازمنۂ قدیم میں ان راستوں پر تین دروازے بنے ہوئے تھے، جن میں سے ایک کا نام باب المعلاۃ تھا، اس میں دو دروازے تھے، ایک تو اب بالکل بند پڑا ہے اور دوسرے کے کواڑ نہیں ہیں۔ دوسرا دروازہ باب الشبیکہ تھا۔ اس میں ایک بڑا دروازہ اور ایک کھڑکی تھی اور تیسرا دروازہ باب الیمن کے نام سے شہرت پذیر تھا، کیونکہ یہ سڑک یمن کی طرف جاتی تھی۔ آج کل اسے مسفلہ کہتے ہیں۔''

مؤرخ عصر حاضر علامہ طاہر کردی مدظلہ لکھتے ہیں:

''شمالی دروازہ جو معلہ کی طرف تھا، طائف، نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں سے آنے والے لوگوں کا راستہ ہے۔ غربی دروازہ جسے باب الشبیکہ کہا جاتا ہے، یہ جدہ، مدینہ منورہ اور سمندری مسافروں کے داخل ہونے کا راستہ ہے۔ جنوبی دروازہ مسفلہ کی سمت واقع تھا جس سے یمن کے لوگ آتے ہیں۔''

نو سڑکیں:

اس دور میں دروازے وغیرہ تو قطعاً ختم ہو چکے ہیں بلکہ ان سے کہیں دور دور تک آبادی پھیل گئی ہے اور تین کی بجائے اب نو راستے بن گئے ہیں:

۱۔ مشرق میں دو سڑکیں ہیں:

درب الشرائع۔ طریق منیٰ

۲۔ مغرب میں چار سڑکیں ہیں:

باب جدہ۔ باب ابی لہب۔ ریع الکحل۔ درب الهنداویہ۔

۳۔ شمال میں تین سڑکیں ہیں:

ریع اللصوص۔ ریع اذاخر۔ درب الخانسہ

(تاریخ القویم، جلد۲، صفحہ ۶۹)

۱۳۹۹ اور ۱۴۰۰ ہجری دو سالوں میں سعودی حکومت نے ان راستوں سے گزرنے والی سڑکوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔

بہترین سڑکیں:

مکہ مشرفہ کی سڑکیں کسی زمانہ میں انتہائی تنگ، دشوار گزار اور ناگفتہ بہ حالت میں تھیں، لیکن تمدنی اور عمرانی ترقی نے اس خامی کو ایسا دور کیا کہ آج یورپ کے متمدن شہروں کی سڑکوں سے اس شہر خوباں کی سڑکیں زیادہ کشادہ، خوبصورت اور مضبوط ہیں۔ نہ صرف اس شہر کے اندر کی سڑکیں قابل تعریف ہیں بلکہ دنیا بھر کے اسلامی ملکوں سے ام القریٰ کو جانے کیلئے شاہرائیں ایسی بے نظیر ہیں جن کی تعریف اخیار کے علاوہ اغیار بھی کرنے پر مجبور ہیں۔

کسی زمانہ میں امریکن پادری ایس ایم ذویمیر نے پیشن گوئی کی تھی:

”ہم عرب کے بیت المقدس (مکہ) کے متعلق یہ رائے قائم کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اس صدی ۱۸۵۵ء کے گزرنے سے پہلے مکہ کا سفر برلن کے سفر سے زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔“ (حالات عرب وعراق وعمان، صفحہ ۲۰)

آج واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ برلن نہیں بلکہ پیرس اور لندن جیسے شہروں سے بھی مکہ مشرفہ کا سفر آرام دہ اور آسان ہے۔ بری، بحری اور ہوائی راستوں سے شب و روز حجاج اور زائرین بغیر کسی دشواری اور خوف و خطر کے اس مقدس شہر کی زیارت کے لئے جوق در جوق جا رہے ہیں۔ ہم ذیل میں شہر کی سڑکوں کے علاوہ بعض مسلم ممالک سے ام القریٰ پہنچنے والی شاہراہوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

نائب جدہ کا کارنامہ:

ازمنہ قدیمہ کے مورخین نے مختلف ادوار میں شہر کی سڑکوں اور راستوں کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ الامام تقی الفاسی لکھتے ہیں:

”مکہ مکرمہ کے راستے بہت تنگ تھے، جا بجا خاردار درخت اور چٹانیں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ ۸۱۵ھ میں نائب جدہ امیر جوشن الکلدی نے بڑی بڑی چٹانوں اور خاردار درختوں کو کاٹ کر سڑکوں کو کشادہ کیا، جس سے حجاج کو آسانی، سہولت اور راحت نصیب ہوئی، تو لوگوں نے امیر موصوف کا بے حد شکریہ ادا کیا۔“

ازمنہ قدیم اور مکہ کی سڑکیں:

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا مصری لکھتے ہیں:

”مکہ مکرمہ کی سڑکیں تنگ اور غیر منظم ہیں۔ ان کی چوڑائی ۸ سے ۱۰ میٹر ہے، یہ راستے پیچ دار اور تنگ ہیں۔“ (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

مکہ معظمہ کے درمیان سے ایک سڑک مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے، جو شہر کی سمت سے بڑی سڑک کہلاتی ہے۔ یہ شہر کی

مختلف اطراف سے گزرتی ہے، اسی وجہ سے اس کے نام بدلتے جاتے ہیں اور یہی نام محلہ جات کے مشہور ہیں۔ یہ سڑک جب جرول سے مغرب کی طرف جاتی ہے تو اسے ''حارۃ الباب'' کہتے ہیں۔ پھر جب حرم شریف کے دائیں جانب سے جنوب کو مڑتی ہے تو ''سوق صغیر'' کے نام سے پکاری جاتی ہے، اس سے اگلے حصہ کو جیاد کہا جاتا ہے، لیکن جب یہ سڑک یہاں سے صفاء کو جاتی ہے تو مسعی کہلاتی ہے۔ پھر قشیشیہ، پھر سوق اللیل اور پھر غزہ کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ سڑک شہر کے مشرقی دروازہ جسے باب معلاء کہا جاتا تھا، تک جاتی ہے۔

جدید وقدیم سڑکوں کا تجزیہ:

علامہ طاہر کردی مدظلہ قدیم اور جدید سڑکوں کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:

''۱۳۰۰ھ میں اصلاح، تعمیر اور ترقی کا ایسا جامع منصوبہ بنایا گیا، جس کے سبب ۱۳۸۵ھ تک اس عظیم الشان شہر کی حالت بالکل تبدیل ہوگئی۔ راستوں سے پتھر اور چٹانیں غائب ہوگئیں۔ خاردار درختوں نے حجاج سے الجھنا چھوڑ دیا۔ گڑھے اور نالے کشادہ اور خوبصورت شاہراہوں میں تبدیل ہوگئے، اور اب یہ شہر بلا مبالغہ ''عروس البلدان'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔''

(تاریخ القویم [illegible])

فصل نمبر 2:

مکہ مشرفہ سے مدینہ منورہ کا راستہ

قدیم زمانہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کیلئے چار مختلف راستے تھے جن سے حجاج کرام زیارت مدینہ سے شرف بار ہوتے تھے:

السلطانی۔ الضرعی۔ الغایر۔ الشرقی۔

الطریق السلطانی

اس راستے سے جانے والے قافلے حرم شریف کے باب العمرہ سے رخصت ہوتے تھے۔ اس راستہ میں پانی کی فراوانی، شاہ[illegible] آسانی تھی۔ اس میں حسب ذیل مقامات پائے جاتے تھے:

وادی فاطمہ:

یہ سرسبز وشاداب جگہ ہے، یہاں باغات اور کھیتی باڑی کثرت سے ہوتی ہے، پانی میٹھا اور عمدہ ہے۔ طائف کے پہاڑوں سے یہاں اکثر سیلاب آتے ہیں۔ عرب کے اشراف اس جگہ آباد ہیں۔ وادی فاطمہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہولحیان آباد تھے۔ اس جگہ سیدام المومنین میمونہ کی قبر اطہر ہے۔

وادی عسفان:

یہاں پانی کی قلت تھی، راستہ بھی تنگ اور دشوار گزار تھا۔

وادی خلیص:

اس جگہ پانی عمدہ اور زیادہ تھا، یہاں قبائل زبید مقیم تھے۔ کھجوروں کے باغات بھی تھے۔

وادی القدیمہ:

القدیمہ یا القضیمہ، ساحل کے قریب چھوٹا سا قریہ تھا، لوگ جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ پانی کی شدید قلت تھی۔ بارش [illegible]

گڑھوں میں جمع کر دیا جاتا، وہ ہی پیتے اور دوسری ضروریات میں استعمال کرتے تھے۔ان کی گزراوقات سمندر کے شکار پر تھی۔

رابغ:

بحر احمر کے کنارے واقعہ ہے۔یہاں ترکوں کا ایک فوجی قلعہ بنا ہوا ہے۔کنوؤں اور گڑھوں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔یہ بندرگاہ بھی تھی جہاں چھوٹے جہاز ٹھہرتے تھے، جن میں زیادہ تر اسلحہ وغیرہ ہوتا تھا۔

مستورہ:

یہاں سے ایک راستہ بدر کو اور ایک راستہ الصفراء کو جاتا ہے، یہاں پانی اچھا نہیں تھا۔اسی مقام پر سیدہ آمنہ ام النبی ﷺ کی قبر مبارک ہے۔

بیئر الشیخ:

یہاں قبائل صبح آباد تھے اور پانی کھارا تھا۔

دیار بنی حصانی:

یہاں قبائل صبح اور حوازم آباد تھے، پانی اچھا نہیں تھا۔

الحمراء:

یہاں میٹھے پانی کی نہر جاری تھی۔مختلف پھلوں، سبزیوں اور کھجوروں کے باغات پائے جاتے تھے۔سیب، لیموں، کیلا اور مہندی کی پیداوار بکثرت تھی، یہاں قبائل حوازم آباد تھے۔

الجدیدہ:

یہاں پانی عمدہ اور میٹھا ہے۔قبائل حوازم اور احامدہ آباد ہیں۔یہاں سید عبدالرحیم البرعی المصری کی قبر ہے۔

بیئر عباس:

حوازم، صبح اور احامدہ کے لوگ آباد ہیں۔پانی کی قلت ہے۔اس کے مشرق کی طرف سے راستہ گزرتا ہے۔

بیئر درویش:

یہاں احامدہ اور حلہ قبائل آباد ہیں۔

بیئر علی:

یہ جگہ مدینہ منورہ سے ۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔یہاں قبائل عوف اور بنی عمرو آباد ہیں۔نیز یہ مدینہ طیبہ کے میقات بھی ہے۔یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔

سعودی دور حکومت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے درمیان جو پختہ سڑک بنائی گئی ہے وہ تقریباً انہی مقامات سے گزرتی ہے۔

مکہ معظمہ سے جموم (وادی فاطمہ) عسفان، خلیص، دف، صعر، رابغ، مستورہ، نصایف، بدر، واسطہ، مسجید، برالراحۃ، فریش، ابیار علی اور مدینہ منورہ، اس راستہ سے مدینہ طیبہ ۵۰۰ کلو میٹر ہے۔رابغ، مستورہ اور بدر بڑی منزلیں ہیں۔یہاں حجاج آرام کرتے، کھانا کھاتے اور نماز پڑھتے ہیں۔کھانے پینے کا اچھا انتظام ہے۔

الطریق الفرعی:

مکہ مکرمہ سے رابغ پہنچ کر شمال مشرقی جانب راستہ نکل جاتا ہے۔اسی راستہ میں وادی حرشان اور نقر الغار آتا ہے، جہاں بنو سالم تھے، راستہ بہت تنگ تھا، ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔

بیئر رضوان:

یہاں پانی عمدہ اور میٹھا تھا۔

ابو ضباع:

یہاں بھی پانی عمدہ اور میٹھا تھا، بنو عوف کی آبادی تھی۔

الریاض یا وادی الریان:

یہ جگہ سرسبز وشاداب، پانی کی فراوانی اور درخت کثرت سے پائے جاتے تھے۔

الغدیر:

یہاں ایک برساتی نالہ ہے۔

وادی المعظم:

اس جگہ پانی بہت عمدہ ہے۔

بیئر الماش:

پانی عمدہ اور بنو عوف آباد ہیں۔

طریق الغایر:

یہ راستہ رابغ یا مستورہ سے نکلتا ہے۔جبل الغایر کے شمال سے گزرتا ہے۔سخت تنگ اور دشوار گزار راستہ ہے۔نشیب وفراز ناہموار ہونے کی وجہ سے پرخطر اور صبر آزما ہے۔ایک ایک اونٹ بھی سخت مشکل سے چل سکتا تھا۔اگرچہ قریب ترین تھا مگر سخت دشوار۔ مصری قافلے اسی راستہ سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔

طریق الشرقی

مکہ مشرفہ سے باب المعلی سے نکل کر منیٰ اور پھر مشرقی جانب سے ہوتا ہوا بئر البارود کو جاتا تھا۔اس راستہ میں حسب ذیل مقامات تھے:

وادی اللیمون:

یہاں لیموں اور رنگی کثرت سے ہوتی تھی، دیگر پھل اور سبزیاں بھی پائی جاتی تھیں۔جبال الہدی سے چشمے جاری تھے۔

الحفایر:

یہاں پانی عمدہ اور زمین میں بہت قریب تھا۔

برکۃ سموۃ:

گرمیوں کے پورے عرصے میں پانی کی سخت قلت رہتی تھی۔

بركة اسلح:

یہاں باغات کی کثرت اور پانی بھی بہت عمدہ تھا۔

الحسیط:

یہاں کھجور کے باغات پائے جاتے تھے۔

السویرجیة:

اسی جگہ آل حسین آباد تھے، پانی کی فراوانی اور کھیتی باڑی بہت ہوتی تھی۔

الحجریة:

اس مقام سے پانی کافی فاصلہ پر ملتا تھا۔

غراب:

اس جگہ زمین میں پانی اس قدر قریب تھا کہ نصف گز یا زیادہ سے زیادہ ایک گز کے فاصلہ پر پانی آجاتا تھا۔

الغدیر:

بعض مؤرخین نے اس جگہ کا نام الحق لکھا ہے، یہاں بارش کا پانی گڑھوں میں جمع کر لیا جاتا تھا اور وہی استعمال ہوتا تھا۔

(تاریخ القویم:۲۴۱،۲۴۳)

طریق الہجرہ:

سعودی حکومت نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کیلئے ایک عظیم الشان سڑک تعمیر کی ہے۔ جس کا نام ''طریق الہجرہ'' ہے۔ ہجرت نبوی کے راستہ پر یہ سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی لمبائی مکہ سے مدینہ تک ۴۲۰ کلومیٹر ہے۔ یہ وسیع وعریض سڑک تین سال میں مکمل ہوئی تھی۔ اس پر مجموعی اخراجات ۲،۵۴۳،۰۰۰،۰۰۰ دو ارب چون کروڑ تیس لاکھ ریال خرچ آئے تھے۔

(تاریخ کعبہ:۴۶۶)

فصل نمبر 3:

مکہ کو آنے والی چند شاہرائیں

عمان سے مکہ مکرمہ تک:

عمان سے فرق، عو، ساحل ہباہ، شحریہ، کندہ، مرجح، لج، عدن، لولو، بنی مجید، منجلۃ، رکب، منذب، زبید، غلافقۃ، غک، حردۃ، حکم، عشر، مرسی علکان، مرسی حلی، نزبن، اغیار، ہرباب، شعیہ، منزل، جدہ اور مکہ مکرمہ۔

مکہ مکرمہ سے یمن:

مکہ مکرمہ سے بئر ابن مترفع، قرن المنازل یہ ایک بڑا شہر ہے، فتق، یہ بڑا قصبہ ہے۔ صفن، یہ بڑا قصبہ ہے۔ کری، اس میں باغات اور چشمے ہیں۔ رنیۃ، یہاں باغات اور چشمے پائے جاتے ہیں۔ تبالہ، یہ بہت بڑا شہر ہے اور چشمے بھی ہیں۔ بیشۃ بعطان، یہ کافی بڑا شہر ہے، اور پانی بکثرت پایا جاتا ہے۔ جسداء، یہاں کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ بنات حرب، یہ بڑا قصبہ ہے، جس میں کنوئیں اور چشمے بھی ہیں۔

یبمم غیر آباد ہے۔ کتنہ بڑا قصبہ ہے اور کنوئیں بھی کثرت سے ہیں۔ تجہ یہاں کنواں ہے۔ سردم، یہ قصبہ سرسبز و شاداب ہے اور کافی ہے۔ مھجرة یہ بھی بہت بڑی آبادی ہے۔ مکہ اور یمن کا مال تجارت جمع ہونے کی منڈی ہے۔ عرفتہ، یہاں پانی بہت کم ہے اور ویران ہے۔ صعدہ، بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں چمڑہ دباغت دیا جاتا ہے اور جوتے بنائے جاتے ہیں۔ الاعمیشتہ، یہاں چھوٹا کنواں ہے مگر آبادی نہیں۔ خیوان، یہ عظیم الشان قصبہ ہے، یہاں دو بڑے تالاب ہیں، انگور بکثرت پائے جاتے ہیں اور زراعت و باغبانی بھی ہوتی ہے۔

بصرہ سے مکہ معظّمہ تک:

بصرہ سے مکہ تک درج ذیل علاقے آتے ہیں:

منجشانیۃ۔	حفیر۔	رحیل۔	شجی۔
خرجاء۔	حفر۔	مادیۃ۔	ذات العشر۔
ینسوعۃ۔	سمینہ۔	نباج۔	عن سجۃ۔
قرتیجین۔	رامنہ۔	امرۃ۔	طخفہ۔
ضریۃ۔	جلدیلہ۔	فلتۃ۔	دفینۃ۔
قبا۔	مران۔	وجرۃ۔	اوطاس۔
ذات عراق۔			

فصل نمبر 4:

مکہ مکرمہ سے بعض مشہور شہروں کا فاصلہ

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ام القریٰ مکہ معظّمہ سے حسب ذیل شہروں کا فاصلہ بیان کیا ہے۔ ممکن ہے موجودہ شاہراہوں کی اصلاحات کے باعث کمی بیشی ہوگئی ہو، لیکن ہم موصوف کی محنت کی قدر کرتے ہوئے اس جدول کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

نمبر شمار	بلاد	سمت	فاصلہ
۱	مدینۃ المنورہ	شمال	۱۱۲میل
۲	القدس	شمال مغرب	۸۴۰میل
۳	الفسطاط	شمال مغرب	۸۵۴میل
۴	دمشق	شمال مغرب	۷۴۸میل
۵	بغداد	شمال مشرق	۶۴۲میل
۶	ثغر	جنوب	۴۷۶میل
۷	زبید	جنوب مغرب	۴۷۶میل
۸	طائف	جنوب مغرب	۴۰میل

باب نمبر 14:

مکہ کے کنوئیں اور حوض

فصل نمبر 1:

مشہور کنویں

زمانہ آدم سے زمانہ جاہلیت تک:

مکہ کی مقدس سرزمین میں سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام نے شعب حرا میں ایک کنواں کر آدم کھودا تھا جس کا پانی لوگ استعمال کرتے تھے۔

اسی طرح مرۃ بن کعب بن لوی نے ''رم''
کلاب بن مرہ نے بنی مخزوم کے لئے ''خم''
ہاشم بن عبد مناف نے ''سجلہ'' صفا اور مروہ کے درمیان کھودا تھا۔
بعد میں یہ کنواں جبیر بن معطم کے نام سے مشہور ہوا۔
عبد الشمس بن عبد مناف نے ''الطوی'' بنوایا تھا جو بعد میں عقیل بن ابی طالب نے بحال کیا تھا۔
امیہ بن عبد الشمس نے ''الجعفر'' نامی کنواں جیاد میں کھودا۔
بنی عبد الشمس کے کنوئیں ''ام جعلان'' اور ''علوق'' بھی تھے۔
ام ہانی کے مکان والی جگہ قصی بن کلاب نے ''الخجول'' کھودا تھا۔

دور اسلام:

دور اسلام میں حسب ذیل کنوئیں بھی بنائے گئے:
سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عثمان نے منیٰ میں شعب آب عمر کے مقام پر۔
بنی مخزول میں بیر الشرکاء۔
جیاد میں بیر عکرمہ۔
دب میں عمر میں عبداللہ بن صفوان الجمحی نے۔
ابوموسیٰ اشعری کا کنواں شعب بن ابی دب میں حجون کے مقام پر واقع تھا۔
بیئر شوذب باب بنی شیبہ کے قریب پایا جاتا تھا۔
یہ جگہ ۱۶۱ھ میں خلافت مہدی عباسی کے دوران حرم میں داخل ہوگئی تھی۔
راش بن امیہ نے بیر ود۔
ذی طویٰ میں بیر بکار۔
بیرو ردان ذی طویٰ۔

بیر الصلاصل منیٰ میں عقبہ کے قریب۔

بیر سقیا یہ عرفات میں عبداللہ بن زبیر بن العوام نے بنوایا تھا۔

مکہ کے اٹھاون کنویں:

علامہ تقی فاسی نے ۵۸ کنویں بیان کیے ہیں:

باب معلاء سے منیٰ تک ۱۷۔

منیٰ میں ۱۵۔

مزدلفہ میں ۳۔

باب الشبیکہ سے تنعیم تک ۲۳۔

عرفات میں زیادیۃ الکبریٰ، زیادیۃ الصغریٰ اور الشمر دقیہ نامی کنویں۔

علاوہ ازیں عسقلانی، جعرانہ اور زاہر جیسے کنوئیں بھی پائے جاتے تھے۔ جعرانہ تو اب بھی موجود ہے، چونکہ ابتداء میں آبادی تھوڑی اور حجاج کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لئے کنوئیں کے پانی سے گزر ہو جاتی تھی، لیکن جب آبادی اور زائرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو پھر مزید انتظام کی شدید ضرورت در پیش تھی۔ چنانچہ نہریں اور برساتی تالاب بھی بنائے جانے لگے۔

مکہ مکرمہ کے مشہور کنویں:

شیخ ازرقی نے بہت سے کنوؤں کا ذکر کیا ہے جو دور قدیم میں بہت مشہور تھے۔ ان دنوں ان کی تلاش بے سود ہوگی، تاہم چونکہ تاریخ کا حصہ ہیں اس لیے ذکر کیا جا رہا ہے:

بئر ام جحر۔	بئر حزامیہ۔
بئر بستیہ۔	بئر رباط ربیع۔
بئر الوردیہ۔	بئر عکرمہ۔
بئر خوش۔	بئر مسعود۔
بئر المعلم۔	بئر بنت التاج۔
بئر اجیاد۔	بئر رباط الدمشقیہ۔
بئر النبی۔	بئر خلف بن وھب۔
بئر ھوت عرفطہ۔	بئر الاشراف۔
بئر زقاق۔	بئر بستان۔
بئر مجازیہ۔	بئر التجاد۔
بئر میمون بن حضرمی۔	بئر ملک المنصور۔
بئر الشعب۔	بئر رباط سدر۔
بئر مدرسہ فضیلہ۔	بئر میضاۃ۔
بئر رباط ام الخلیفہ۔	بئر منصوریہ۔

بئر مدرسہ مجاہدیہ۔ بئر رباط کلال۔
بئر المطہرہ الناصرہ۔ بئر میضاۃ الملک۔
بئر الجام۔ بئر ساطیہ۔ (یہ حضور علیہ السلام کی ولادت گاہ کے قریب تھا۔)
بئر ابی مفاسں۔ بئر البستان۔
بئر ام فاغیہ۔ بئر رباط الزیت۔
بئر رباط الغزی۔ بئر الزین۔
بئر الواسعہ۔ بئر عفراء۔

فصل نمبر 2:

مکہ مکرمہ کے بعض مشہور حوض

مکہ مکرمہ کے درج ذیل حوض بہت مشہور تھے:

حوض کا نام	وقف کی تاریخ
حوض ملک الناصر بن قلاوون	۷۲۸ھ میں وقف ہوا
حوض الامیر	۷۴۵ میں وقف ہوا
حوض الامیر مختمش ناصری	۷۶۹ھ میں وقف ہوا
حوض ملک الاشرف	۷۷۶ھ میں وقف ہوا
حوض ام سلیمان التصوفہ	۷۹۷ھ میں وقف ہوا
حوض امیر زین الدین	۸۱۷ھ میں وقف ہوا
حوض الامیر الطیفا۔	نامعلوم

باب نمبر 15:

مکہ کی مشہور نہر......نہر زبیدہ اور دیگر نہریں

اہالیان مکہ اور زائرین چشموں، کنوؤں اور تالابوں کا پانی استعمال کرتے تھے، لیکن ایک سعادت مند خاتون نے ایک ایسا فقید المثال کارنامہ انجام دیا جو قیامت تک تابندہ و پائندہ رہے گا۔ ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن المنصور المتوفی ۲۱۶ھ جس کا نام امۃ العزیز تھا۔ بچپن میں ان کے دادا الملک المنصور محبت سے زبیدہ کہا کرتے تھے، اس لئے اسی نام سے مشہور ہوگئیں۔ یہ خلیفہ ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھیں، جو موصوف کے عقد میں آئیں۔ ملکہ زبیدہ جب فریضہ حج ادا کرنے آئیں تو حجاج کرام اور اہالیان مکہ کو پانی کی دشواری اور سخت مشکلات میں مبتلا دیکھ کر شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے اخراجات سے ایک عظیم و جلیل نہر کھودنے کا حکم دیا۔

مکہ مکرمہ سے ۳۵ کلومیٹر شمال مشرق میں وادی حنین کے ''جبال طاذ'' سے نہر نکالنے کا پروگرام بنایا، جس کے لئے مختلف ممالک سے ماہر انجینئر بلائے گئے۔ ایک اور نہر جس کا پانی جبال قرا سے وادی نعمان کی طرف جاتا تھا اسے بھی اس میں شامل کیا۔ یہ مقام عرفات سے ۱۲ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ علاوہ ازیں منیٰ کے جنوب میں صحرا کے مقام پر ایک تالاب بیر زبیدہ نامی تھا جس میں بارش کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ اس سے سات کاریس کے ذریعہ پانی نہر میں لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے ایک لائن مکہ معظمہ کی طرف اور ایک عرفات میں مسجد نمرہ تک لے جائی گئی۔ اس طرح اس عظیم الشان منصوبہ پر ۱۷،۰۰،۰۰۰ دینار خرچ ہوئے۔

اس عظیم الشان کام کی انجام دہی سے فراغت کے بعد منتظم اور نگران حضرات نے اخراجات کی تفصیلات تحریری طور پر ملکہ کی خدمت میں پیش کی، جب کہ ملکہ دریائے دجلہ کے کنارے واقع اپنے محل میں تھیں۔ انہوں نے وہ تمام کاغذات دریا برد کر دیئے اور فرمایا کہ میں یہ حساب قیامت کے دن پر چھوڑتی ہوں۔ میں نے یہ کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا ہے۔ مجھے حساب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں اس تالاب کو نقصان پہنچا اور نہر کی دیواریں بھی ٹوٹ گئیں جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔ شہر کے لوگ سخت پریشانی کا شکار ہو گئے۔ خصوصاً حج کے موقع پر پانی کی قلت انتہا کو پہنچ گئی اور دس درہم میں ایک مشکیزہ فروخت ہونے لگا، جب کہ حج سے پہلے چھ، سات درہم میں مل جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں تاتاریوں کے بادشاہ سلطان ابی سعید بن خربندہ یا خدا بندہ کے نائب سلطنت امیر جوبان عراق کو شوق ہوا کہ مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے خلق خدا فیض یاب ہوتی رہے۔ چنانچہ اس نے نہر زبیدہ تعمیر کرنے کا تہیہ کر لیا۔ بازان نامی ایک معتمد خاص کو پچاس ہزار دینار دے کر روانہ کیا۔ چار ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۷۲۶ھ میں یہ کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں یہ جدت بھی کی گئی کہ ۸ جمادی الثانی ۷۲۵ھ میں صفا مروہ کے درمیان جو کنواں بنایا گیا تھا نہر کا پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ پانی میں اس قدر فراوانی تھی کہ لوگوں نے باغات اور سبزیاں لگانا شروع کر دیں۔ اس منصوبہ پر ۵۰۰۰۰ درہم خرچ ہوئے۔

بعد ازاں ۷۲۸ھ میں ملک ناصر بن قلادون نے ایک برساتی نالہ اس میں ملا دیا۔ ۷۴۴ھ میں مصری حکومت نے منیٰ کے ایک نالہ کا مزید اضافہ کیا۔ ۸۱۸ھ میں اس کی پھر تعمیر ہوئی۔ ۸۲۱ھ میں مصر، شام اور حرمین شریفین کے قائدین کی مشترکہ جدوجہد سے اس کی تعمیر و مرمت کا کام کیا گیا لیکن اسی سال موسم حج میں پھر پانی کی قلت ہو گئی۔ چنانچہ ۸۲۲ھ میں اسے گہرا کیا گیا اور ۸۲۵ھ میں خواجہ بیرم نے اس کی اصلاح کرائی۔ ۸۷۵ھ میں ملک قایتبائی نے اس کی تعمیر کرائی۔ جس کے بعد عرصہ دراز تک حجاج اور اہل مکہ پانی کی نعمت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مگر جب حکام وقت نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر داخلی امور کی بجائے خارجی معاملات پر مرکوز کر دی تو پھر نہر کی حالت خستہ وشکستہ ہو گئی۔ جس کے باعث ۹۳۰ھ سے ۹۷۰ھ تک پانی بند رہا اور لوگ ایک مرتبہ پھر شدائد و مشکلات کا شکار ہو گئے۔ پانی کی قلت ایسی سنگین صورت اختیار کر گئی جو بیان سے باہر ہے۔ تین لیٹر کا ایک مشکیزہ ایک پونڈ سرخ میں فروخت ہونے لگا۔

چونکہ مکہ معظمہ کے باشندے اس سے براہ راست متاثر تھے اس لئے انہوں نے ۹۶۹ھ میں سلطان سلیمان خان سے نہر کی اصلاح و مرمت کا پے در پے مطالبہ کیا، تاکہ اس ناگہانی آفت سے نجات مل جائے۔ سلطان موصوف کی عالی مرتبت زوجہ مکرمہ مسماۃ مہر ماہ نے اس خدمت جلیلہ کو سرانجام دینے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی تاکہ اس کار خیر کے ذریعہ باشندگان مکہ کی خدمت کا شرف حاصل ہو سکے۔ ملکہ معظمہ نے اپنے ذاتی مال میں سے زر کثیر دے کر اپنے ایک قابل اعتماد آدمی کو یہ کام انجام دینے کیلئے مکہ مکرمہ روانہ کر دیا۔ اس دانشور آدمی نے مکہ پہنچ کر اکابرین ومعززین کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور ان کے مشورہ اور رہنمائی کے مطابق کام شروع کرا دیا۔ چنانچہ نہر کھودنے، ٹوٹی ہوئی شاخوں کو مرمت کرانے اور ان کی برانچوں کی صفائی کا کام پورے زور وشور سے شروع ہو گیا۔

جب عین حنین سے نہر زبیدہ تک اصلاح ومرمت کا کام پورا ہوگیا تو منتظمہ کمیٹی اس بات پر غور کرنے لگی کہ نہر زبیدہ شہر کی سطح سے نشیب میں واقع ہے، کیوں نہ اسے کسی بلند جگہ تعمیر کیا جائے تاکہ پانی کی سپلائی میں سہولت ہو۔ اگر چہ ۲۵ میٹر بلند پہاڑی پر اس کام کو انجام دینا بے حد دشوار تھا، لیکن ان کی عالی ہمتی اور عزم مصمم کے سامنے پہاڑ بھی موم بن گیا اور کئی پہاڑوں کو کاٹ کر ۹۷۹ھ میں اس نہر کو شہر تک پہنچا کر اپنے مشن کو مکمل کر دیا۔ اس نئی تعمیر میں نہر کو ڈیڑھ میٹر چوڑا اور ڈیڑھ میٹر اونچا کر دیا گیا۔

مؤرخ شہیر طاہر کردی لکھتے ہیں کہ سلطنت سلیمانیہ کے سلطان سلیمان خان کے ایوانوں تک صورت حال کی سنگینی کی صدا پہنچائی گئی۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے عبدالباقی بن علی المغربی قاضی مکہ اور خیر الدین صنجقدار امیر جدہ کو نہروں کی تجدید وتعمیر کا فرمان جاری کیا۔ انہوں نے بڑی محنت اور جدوجہد سے اوجر سے نعمان اور پھر مکہ مکرمہ تک پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) ذراع یعنی بائیس ہزار پانچ گز تک نہر کی تجدید وتعمیر کرائی اور باقی حصہ کی مرمت اور صفائی کی خدمت انجام دی۔ اس کام پر تین ہزار دینار خرچ آئے۔

۹۶۹ھ میں بیگم سلطان سلیمان نے نہر کی تجدید وتعمیر کے لئے ابراہیم پاشا دفتر دار مصر کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) دینار دے کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ موصوف شریف محمد بن ابی نمی صاحب مکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہروں کی تعمیر وصفائی کے لئے مشاورت کی۔ چنانچہ پہلے تو ان کنوؤں کی صفائی کرائی گئی جن سے اہلیان مکہ پانی پیتے تھے، پھر نہر نعمان کی صفائی مرمت اور تعمیر کا کام شروع کرایا۔

نہر کی گہرائی اور صفائی کا کام ''اوجر'' کے مقام سے وادی نعمان کا شروع کیا۔ اس کام میں چار سو آدمی مشغول تھے۔ پھر موصوف نے حکومت کو مزید آدمی، کاریگر اور دیگر سامان مثل لوہا، پیتل، اصاص وغیرہ بھیجنے کو لکھا۔ جب مزید کمک پہنچ گئی تو مختلف حصے مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیئے گئے جو کھدائی اور صفائی کا کام کرنے لگے۔ چنانچہ جب منیٰ کے راستہ میں واقع ''بیر زبیدہ'' تک کام مکمل کر لیا گیا تو اس سے آگے نہ تو نہر کے نشانات مل سکے اور نہ ہی کوئی نالہ یا چشمہ معلوم ہوسکا جو شہر کے اندر جاتا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملکہ زبیدہ اسی کنویں تک نہر پہنچا سکی تھیں۔ اس لئے آگے بہت سخت پتھر واقع تھے، جنہیں توڑنے کے لئے آلات مفقود تھے، بالآخر عاجز ہو کر کام ختم کر دیا تھا۔

وہ سخت ترین پہاڑ پانچ سو گز طویل اڑھائی گز عرض اور پچیس گز گہرا کھود کر مکہ مکرمہ نہر پہنچانا ناممکن تھا اور زیر زمین سرنگ بنانا بھی ممکن نہ تھا۔ اب اس جاں گداز کام کو انجام دینا بھی جان لیوا تھا اور چھوڑ دینا مملکت کی بدنامی اور ناکامی کا موجب تھا۔

طویل غور وخوض کے بعد طے پایا کہ پہاڑ پر بہت زیادہ آگ جلائی جائے، رات بھر آگ جلانے سے پتھر کچھ نرم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بار بار آگ جلا کر پتھر نرم کیا جاتا، اور تھوڑا تھوڑا کھودا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کے جنگلات درختوں سے خالی ہو گئے، جس کی وجہ سے دور دراز علاقوں سے لکڑی لائی جانے لگی اور کام کرنے والوں کے حوصلے پست ہونے لگے اور پانچ لاکھ دینار خرچ ہو چکے تھے۔

اسی اثناء میں ۹۷۴ھ میں ابراہیم پاشا مذکور کی رحلت کا سانحہ پیش آیا۔ ان کی جگہ امیر قاسم بک کو مامور کیا گیا اور ادھر سلطان سلیمان خان کے انتقال پر ملال کے باعث سلطنت سلطان سلیم خان کو تفویض ہو چکی تھی۔ سلطان موصوف نے محمد بک دفتر دار کو اس خدمت پر تعینات کیا، لیکن ۹۷۶ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر یہ خدمت امیر قاسم بک مذکور کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے شیخ الاسلام قاضی القضاۃ وناظر مسجد الحرام قاضی حسین الحسینی کے ساتھ مل کر کام آگے بڑھایا۔ دس سال کی مسلسل جدوجہد اور جاں گداز محنت وکاوش کے بعد ۲۰ ذیقعدہ ۹۷۹ھ کو مکہ معظمہ شہر میں نہر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس عظیم الشان کام کی تکمیل پر بے حد خوشی منائی گئی، سینکڑوں بھیڑ بکریاں اور اونٹ ذبح کر کے غرباء اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا۔ جب یہ ایمان افروز خبر ملکہ عالیہ کو سنائی گئی تو انہوں نے ناقابل فراموش کارگزار پر بے حد انعامات وکرامات سے نوازا۔

علامہ السنجاری نے ''منائح الکرم'' میں لکھا ہے کہ اس کام پر پانچ لاکھ سات ہزار (۵۰۷،۰۰۰) دینار خرچ آیا (جو تقریباً ایک کروڑ ایک لاکھ چالیس ہزار ریال ہوتے ہیں)

اس کے بعد سلطان سلیم خان نے ''ابطح'' سے ''مسفلہ'' تک ایک علیحدہ نہر کھودنے کا کام امیر احمد بک کو سونپا۔ موصوف قاضی السیح کے ساتھ مل کر کام کا انتظام کیا ''المدعا'' سے کام کا آغاز کیا، مروہ کے قریب سے گزرتے ہوئے ''سویقہ'' اور پھر سوق صغیر میں پہنچ کر کام مکمل کرلیا۔ ''ابطح'' کے مقام پر عالیشان قبہ بنایا، پانی پینے کیلئے ٹوٹیاں لگائیں، مسجد تعمیر کرائی، ایک سبیل اور حوض بنوایا۔ حوض جانوروں کو پانی پلانے کیلئے بنوایا۔ ''معلاء'' کے آخر میں بھی مسجد اور سبیل بنوائی اور وضو کیلئے ٹوٹیاں لگائی۔

۹۸۲ھ میں سلطان مراد خان کے وزیر محمد پاشا نے مکہ مکرمہ کے کنویں اور نہر کی صفائی کرائی، عرفات سے مکہ مکرمہ تک نہر کی صفائی مرمت کرائی۔

۱۰۲۵ھ میں سلطان احمد خان کے حکم سے حسن پاشا نے تعمیر، مرمت اور صفائی کا کام کرایا۔

۱۰۶۶ھ میں نہر خشک ہو جانے پر لوگوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ محمد بک صاحب جدہ نے تعمیر، مرمت اور صفائی کرائی اور پانی جاری ہو گیا۔

۱۰۸۴ھ میں نہر کی مرمت کا کام محمد جاوش نے کرایا۔ جہاں کہیں سوراخ ہو گئے تھے انہیں بند کرایا۔ مرمت کرنے کے دوران پانی بند رہا۔

۱۰۹۱ھ میں سلطان محمد خان مکہ مکرمہ تشریف لائے تو نہر کی صفائی، مرمت اور تعمیر کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ شگاف وغیرہ بند کر کے نہر کو گہرا کیا گیا اور سیلاب کی وجہ سے نہر کو شدید نقصان پہنچتا تھا۔ لہٰذا مکہ مکرمہ اور مصر کے انجینئر اس بات پر متفق ہوئے کہ وادی نعمان میں بند باندھ کر سیلاب کی روک تھام کی جائے، سلطان موصوف کے حکم سے بند تعمیر کرایا دیا گیا اور نہر محفوظ ہو گئی۔

۱۱۰۴ھ میں نہر کی دیوار ٹوٹ گئی جس کی لمبائی پندرہ گز تھی۔ اس کی اطلاع مولانا شریف سعد کو ہوئی، تو انہوں نے نہر کی مرمت کیلئے انجینئر بھیجے، انہوں نے عارضی طور پر لکڑی کی نہر بنا کر پانی جاری رکھنے کا فیصلہ اور ٹوٹی ہوئی دیوار کو مرمت کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ وزیر عثمان حمیدان نے تعمیر و مرمت کے لئے درکار تمام میٹریل مہیا کر دیا جس سے مکہ مکرمہ میں تختے تیار کر کے نہر سی بنائی گئی جسے مطلوبہ جگہ نصب کر کے نہر مضبوطی سے مرمت کر دی گئی۔

۱۱۲۴ھ سوال المکرم ۱۱۲۳ھ میں سلطان احمد خان کی جانب سے محمد بک بن حسین پاشا کو نہر زبیدہ کی تعمیر و مرمت کیلئے مکہ معظمہ بھیجا گیا۔ جس نے مکہ معظمہ کے مشائخ، معززین اور مہندسین حضرات سے تبادلہ خیالات کیا اور پھر سب حضرات عرفات تشریف لے گئے، ساری نہر کا بغور معائنہ کیا، سامان اور اخراجات کا تخمینہ لگایا اور تفصیلات سے سلطان موصوف کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ بھی طے پایا کہ حج کا موسم قریب ہے لہٰذا مناسک حج کی ادائیگی کے بعد کام شروع کیا جائے۔

چنانچہ ایک لاکھ اشرفی اور دیگر تمام ساز و سامان اور انجینئر وغیرہ مصر سے پہنچ جانے پر نہر انتہائی مضبوطی اور خوبصورتی سے تعمیر کر دی گئی۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت تھی مرمت کا کام کیا گیا۔

۱۲۴۲ھ بارش اور سیلاب کے باعث نہر میں جا بجا شگاف پڑ گئے، جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی اور پانی کی ترسیل منقطع ہو گئی تھی۔ اسی دوران وزیر اعظم سید محمد شیروانی پاشا والی حجاز مکہ مکرمہ آیا۔ موصوف کو حالات سے آگاہ کیا گیا، تو اس نیت سے ہزار ''قرش'' نہر کی مرمت، تعمیر اور صفائی کے لئے مختص کر دیئے اور کاریگر بھی فراہم کئے، لیکن اچانک وزیر اعظم کا وصال ہو گیا۔ جس کے باعث امیر مکہ کی خدمت میں علماء

اور معززین شہر کی جماعت گئی اور نہر کے لئے عوام الناس سے اپیل کی گئی۔اس وفد میں شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی مکہ، شیخ عبداللہ الشیبی ، شیخ عبدالرحمٰن جمال، شیخ عبدالقادر خوقیر وغیرہ شامل تھے،امیر موصوف نے اس کار خیر کی اجازت دے دی۔مذکورہ کمیٹی کا رابطہ سب سے پہلے ہندوستانی تاجروں سے ہوا۔چنانچہ شیخ احمد آفندی نے ایک سوجنی اپنی طرف سے پیش کئے اور دوسرے ہندوستانی تاجروں سے بھی رقم جمع کی۔جن میں الحاج عبدالواحد اور الحاج عبداللہ عرب میمن شامل ہیں۔

۱۲۹۵ھ میں الحاج عبدالواحد اور الحاج عبداللہ عرب اور ان کے دیگر ہندی رفقاء نے اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔امیر مکہ شریف حسین پاشا سے اس کام کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے رئیس مفتی احناف فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن سراج اور خازن شیخ عبدالواحد ہندی تھے۔امیر مکہ کی مشاورت سے ممالک اسلامیہ میں وفود اور خطوط بھیجے گئے، خاص کر مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں سے پرزور اپیل کی گئی۔امیر مکہ نے حکومت کی جانب سے سات سو پچاس ریال کی پیش کش کی، جب خاطر خواہ رقم جمع ہوگئی تو ہند سے انجینئر اور کاریگر بلائے گئے اور کام شروع ہوا۔

وادی نعمان سے مکہ مکرمہ تک نہر کی پیائش کی گئی جو سترہ ہزار میٹر تھی۔عرفات سے کام شروع کر کے وادی نعمان تک پورا کیا بعد میں مکہ مکرمہ تک کام مکمل کیا گیا۔نہر کی تعمیر جدید، توسیع اور مرمت جملہ کام نہایت مضبوط اور محکم کئے گئے اور جا بجا مخزن بنائے گئے جن سے ہر ایک آدمی بسہولت پانی پی سکتا تھا۔اسی طرح شہر کے اندر بھی مخزن بنادیئے گئے۔اسی طرح نہر حنین کی تعمیر و مرمت کی گئی۔

(تاریخ القویم:۵۸/۶تا۷۸)

نہر کا طولانی رقبہ بہت وسیع ہے، درمیان میں یا تو ریگستانی سرزمین ہے یا کوہستانی، جبکہ دونوں آب رسانی میں مزاحم ہیں، نیز بدو جنہیں موسم حج میں پانی کے ذریعہ لاکھوں روپیہ کی آمدن ہوتی ہے، ہمیشہ اس نہر کی خرابی کا باعث بنتے رہے ہیں۔اس لئے صدیوں سے اس نہر سے انتفاع بہت کم ہوتا ہے۔سلطنت عثمانیہ نے کئی مرتبہ اس کی اصلاح اور درستگی کی مگر چند سالوں میں ان کے آثار مفقود ہوگئے۔

۱۳۲۴ھ میں پانی کی شدید قلت پیدا ہوگئی، امیر مکہ شریف علی پاشا نے سلطنت عثمانیہ کو آگاہ کیا اور اپنے طور پر دس ہزار جنیہ جمع کئے اور حکومت کی جانب سے چھتیس ہزار جنیہ کی امداد وصول ہوئی اور نشات بک اور توفیق بک وغیرہ انجینئر بھی حکومت نے بھیج دیئے، جنہوں نے وادی نعمان میں نہر کے منبع سے کام شروع کیا اور مکہ مکرمہ تک جہاں کہیں تعمیر یا مرمت کی ضرورت تھی عمدگی کے ساتھ کام کیا اور پانی جاری ہوگیا۔

۱۳۲۶ھ میں نہر کے منبع اور دیگر مقامات پر مرمت کا کام کیا گیا، یہ کام شریف حسین بن علی ملک الحجاز کے حکم پر انجام دیا گیا۔

۱۳۲۸ھ میں سیلاب کی تباہ کاریوں سے نہر زبیدہ بھی بری طرح متاثر ہوئی۔جابجا شگاف پڑ گئے اور جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی اور پانی بند ہوگیا۔شبانہ روز کی محنت شاقہ سے نہر کی صفائی اور مرمت کی گئی اور پانی جاری ہوگیا۔

۱۳۳۰ھ میں محرم الحرام میں پھر سیلاب آیا جس سے نہر تباہ ہوگئی، جسے امیر مکہ نے صاف کرایا اور مرمت کرائی۔

۱۳۳۵ھ میں سعودی عہد حکومت میں پہلی مرتبہ نہر کی مرمت اور صفائی کا کام کرایا گیا۔جہاں سیلاب کی گزرگاہ تھی وہاں چونے سے پتھر لگائے گئے تاکہ سیلاب میں محفوظ رہیں۔۱۳۴۴ھ میں شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعود نے نہر کی تعمیر و مرمت پر بہت بڑی رقم خرچ کر کے پانی جاری کرایا اور ضروریات پوری ہونے لگیں۔

باب نمبر 16:

مکہ مکرمہ میں سیلاب اور ان کی روک تھام کے لیے اقدامات

اس شہر خوباں میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ ہی ندی نالہ، مگر اس کے باوجود نہ صرف شہر بلکہ اللہ کے مقدس گھر کو بھی متعدد بار سیلاب سے نا قابل تلافی نقصان پہنچتا رہا۔ اگر چہ یہ بات قارئین کیلئے حیران کن ہے کہ ''مکہ'' جہاں نہ دریا، نہ ندی نالہ اور نہ ہی بارشوں کی کثرت ہے وہاں سیلاب کیسے اور کہاں سے آجاتا ہے؟ لیکن مندرجہ ذیل تفصیلات سے واضح ہے کہ اگر طائف وغیرہ کے پہاڑوں پر بارش ہو جائے تو وہ بھی سیلاب کی شکل اختیار کر کے مکہ شریف میں تباہی مچا دیتی ہے۔

تفصیلات	سنہ ہجری	شمار
ایک مرتبہ جرہم کے زمانہ میں ایسا تباہ کن سیلاب آیا جس سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے جرہم کو نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑی۔	زمانہ جاہلیت	۱
خزاعہ کے زمانہ میں بھی زبردست سیلاب آیا جس میں فارۃ نامی ایک عورت ڈوب گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ سیلاب فارہ کے نام سے مشہور ہوا۔	زمانہ جاہلیت	۲
علامہ ازرقی نے زمانہ جاہلیت کے ایک اور سیلاب کا ذکر کیا ہے مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔	زمانہ جاہلیت	۳
ظہور اسلام کے بعد پہلا تباہ کن سیلاب ۱۸ھ میں سیدنا فاروق اعظم کے دور میں آیا تھا جو 'ام نہشل' کے نام سے مشہور ہوا، کیونکہ اس میں ایک عورت ام نہشل بنت عبیدہ بن سعید بن العاص بن امیہ ڈوب گئی تھی۔ اس سیلاب میں مقام ابراہیم بھی بہہ گیا جو بڑی تلاش و جستجو کے بعد محلہ مسفلہ سے دستیاب ہوا تھا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیلات اس کتاب کی دوسری جلد ''حجر اسود'' کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔ (اخبار مکہ: ۲۷۵)(اعلام الاعلام: ۷۶)	۱۸ھ	۴
خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸ ذی الحجہ کی صبح کے وقت زبردست سیلاب آیا اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ بہت سے مکانات زمین بوس ہو گئے جن کے نیچے دب کر کئی آدمی جاں بحق ہوئے۔ اکثر لوگوں نے پہاڑوں پر چڑھ کر جان بچائی جب کہ کچھ لوگ منیٰ جا چکے تھے۔	۸۰ھ	۵

۶	۸۸ھ	عرصہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے سیدنا عمر بن عبد العزیز نے تنعیم میں نماز استسقاء پڑھائی جس کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور قیامت خیز سیلاب بھی آیا۔ امام طبری نے اس کی تباہ کاری کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اس سال ایسا خوفناک سیلاب آیا کہ شہر میں جس قدر حجاج اور مقامی آدمی تھے سب کو بہا کر لے گیا۔ جہاں تک اس کی رسائی ہوئی نہ تو کوئی مکان سلامت رہا اور نہ ہی کوئی دوسری چیز بچ سکی۔ سب کچھ سیلاب کی نذر ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام ''عام الجحاف'' مشہور ہو گیا تھا۔ الجحاف کے معنی بہا لے جانے کے ہیں۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ سیلاب اتنا شدید تھا کہ اونٹ بمعہ سامان اور سواروں کو بہا کر لے گیا۔ کئی اونٹوں پر مرد، عورتیں اور سامان بہتے ہوئے دیکھا گیا۔ حرم میں حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا تھا اور پورا حرم جھیل نما نظر آتا تھا۔ (طبری: واقعات ۸۰ھ)
۷	۸۴ھ	اس سیلاب کے بعد ایک مرض پھیل گئی تھی اسی نسبت سے اس کا نام سیلاب مخبل مشہور ہوا۔
۸	۱۲۰ھ	خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں یہ سیلاب آیا تھا۔ ۱۱۹ھ میں ابی شاکر نے حج ادا کیا تھا اور اسی کے نام سے یہ سیلاب مشہور ہوا۔
۹	۲۰۲ھ	خلیفہ مامون الرشید کے دور میں جب یزید بن محمد بن حنظلہ مکہ کا گورنر تھا، یہ سیلاب آیا اور گورنر موصوف کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں بہت سے لوگ جاں بحق ہوئے اور بعد میں کئی امراض پیدا ہو گئے تھے۔
۱۰	۲۰۸ھ	یہ سیلاب بھی مامون ہی کے زمانہ میں آیا تھا، مگر پہلے سیلاب سے کم درجہ کا تھا۔ یہ اس قدر اچانک آیا کہ لوگوں کو خبر تک نہ ہو سکی۔ حرم مٹی، کیچڑ اور پتھروں سے بھر گیا جسے شہر کے لوگوں، حجاج اور عورتوں وغیرہ نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔
۱۱	۲۲۵ھ	اس سال چاہ زمزم میں پانی اس قدر زیادہ ہو گیا کہ کنوئیں سے نکل کر حرم میں پھیل گیا اور سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی۔
۱۲	۲۴۰ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکان مسمار ہو گئے اور منیٰ میں مسجد خیف کو بھی نقصان پہنچا۔
۱۳	۲۵۳ھ	اس سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو کر حجر اسود کے قریب تک پہنچ گیا تھا، نشیبی علاقہ کے اکثر مکان منہدم ہو گئے۔ لوگوں کا بہت سا مال و متاع پانی میں بہہ گیا اور حرم شریف مٹی اور کیچڑ سے بھر گیا تھا۔
۱۴	۲۶۲ھ	اس سیلاب میں حرم شریف کی تمام کنکریاں پانی میں بہہ گئیں۔ اس کی بلندی حجر اسود کے قریب تک تھی اور تھوڑی دور تک مقام ابراہیم کو بھی بہا کر لے گیا تھا۔

۱۵	۲۷۹ھ	اس سیلاب میں سارا حرم شریف پانی سے بھر گیا تو کعبہ شریف کے دروازہ تک پانی آ گیا تھا۔ زمزم بھی بھر گیا تھا۔
۱۶	۴۱۷ھ	اس سیلاب میں حرم شریف کا کتب خانہ بھی خراب ہوا اور بہت سی کتابیں تلف ہوئیں۔
۱۷	۴۸۹ھ	یہ سیلاب وادی المعلاۃ تک پہنچ گیا تھا جس کے باعث بہت سے لوگ مر گئے اور مال و متاع کا نقصان بھی ہوا۔
۱۸	۵۲۸ھ	سات دن تک مسلسل بارش جاری رہی۔ جس کے باعث بہت سے مکانات منہدم ہو گئے اور لوگوں کا مالی نقصان بہت زیادہ ہوا۔
۱۹	۵۴۹ھ	بارش اور سیلاب سے اہل مکہ کو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔
۲۰		بارش اور شدید اولے برسے، وادی ابراہیم لبریز ہو گئی اور اولے انڈے کے برابر موٹے تھے۔
۲۱	۵۶۹ھ	شدید بارش کے باعث باب بنی شیبہ سے حرم شریف میں بھی پانی داخل ہو گیا جو دار الامارات تک پہنچ گیا۔
۲۲	۵۷۰ھ	اس سال بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور وادی ابراہیم میں پانچ مرتبہ سیلاب آیا۔
۲۳		۸ صفر پیر کے دن سخت طغیانی آئی اور باب ابراہیم کے دروازے کا کچھ حصہ پانی کی نذر ہو گیا۔ منبر شریف اور کعبہ شریف کی سیڑھی بھی پانی میں بہہ گئی۔ سیلاب اس قدر شدید تھا کہ حرم شریف میں لگی ہوئی قندیلوں تک پہنچ گیا۔ بہت سے مکانات بھی منہدم ہو گئے۔
۲۴	۶۲۰ھ	سیلاب کا پانی کعبہ شریف میں داخل ہو گیا جس کے باعث کعبہ شریف منہدم ہونے کا خدشہ ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرما لیا۔ بہت سے لوگ ڈوب کر مر گئے اور کئی آدمی مکانات کی چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے۔ (تاریخ القویم جلد ۲)
۲۵	۶۵۱ھ	مؤرخین نے اس کی تفصیلات کا ذکر نہیں کیا۔
۲۶	۶۶۹ھ	اس صدی کا شدید ترین سیلاب تھا۔ جمعہ کے دن ۱۴ شعبان کو شروع ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حرم شریف میں داخل ہو گیا اور ۱۵ شعبان کی رات کے وقت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ منبر شریف پانی پر تیر رہا تھا۔ غرقابی اور ہلاکت کے خوف سے لوگ حرم شریف میں نماز ادا کرنے بھی نہ آ سکے۔ حرم شریف میں نہ اذان ہوئی اور نہ ہی طواف کی کسی کو ہمت ہو سکی۔ البتہ اس قیامت خیز منظر میں بھی ایک اللہ کا نیک بندہ جان پر کھیل کر طواف میں مصروف رہا، لوگ اس کی جرأت شجاعت اور مردانگی پر داد تحسین پیش کر رہے تھے۔

۲۷	۷۳۰ھ	مکہ شریف میں بارش نہ ہونے کے باوجود ندی نالوں میں سیلاب آگیا اور دو دن تک حرم شریف میں پانی کھڑا رہا۔
۲۸	۷۳۲ھ	ذی الحجہ کے آخری ایام میں سخت بارش ہوئی اور آسمانی بجلیاں بھی گریں۔ جبل ابی قبیس پر بجلی گرنے سے بہت سے آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ منیٰ میں مسجد خیف پر بھی بجلی گری جس سے کچھ آدمی جاں بحق ہو گئے۔ اسی طرح جعرانہ میں بجلی گرنے سے دو آدمیوں کی موت واقع ہوئی۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ بجلی گرنے کے حادثات ہو چکے تھے۔ ۱۵۴ھ میں بھی حرم شریف میں بجلی گرنے سے چند مؤذن موت کا لقمہ بن گئے تھے۔ (شفاء الغرام)
۲۹	۷۳۸ھ	۱۰ جمادی الثانی بروز جمعرات زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے اندر بھی ایک ایک بالشت تک چڑھ گیا۔ حرم میں بلند و بالا قندیلوں تک پہنچ گیا تھا۔ منبر اور کعبہ شریف کی سیڑھی خس و خاشاک کی طرح پانی میں تیر رہے تھے۔ حرم شریف کا کتب خانہ بھی متاثر ہوا۔ حرم شریف کیچڑ سے بھر گیا جسے مسلسل کئی دن تک نکالا جاتا رہا۔ ایک دوسری روایت میں اس سیلاب کی تفصیلات اس طرح مذکور ہیں۔ سیلاب حرم کے تمام دروازوں سے داخل ہوا۔ اس کی شدت کے باعث باب بنی شیبہ اور باب ابراہیم کے علاوہ بہت سے ستونوں کے گرد تقریباً گیارہ فٹ گہرے گڑھے بن گئے تھے، اگر ان کی بنیادیں مضبوط اور گہری نہ ہوتیں تو یقیناً سیلاب انہیں بہا کر لے جاتا۔ حرم محترم کے اکثر دروازے گر گئے۔ کعبہ شریف کے چاروں طرف چھ فٹ کے قریب پانی بلند تھا اور دہلیز کے اوپر سے پانی اندر داخل ہوا اور تقریباً ڈیڑھ فٹ پانی اندر جمع ہو گیا۔ مطاف میں بلند و بالا کھمبوں پر نصب قندیلوں کی چوٹیوں سے پانی ان میں بھر گیا۔ بہت سے مرد اور عورتیں پانی میں ڈوب گئے۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے اور ان کے ملبے میں دب کر بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ اگر یہ قیامت خیز کیفیت صبح تک جاری رہتی تو یقیناً سارا شہر فنا ہو جاتا۔ (شفاء الغرام، عنوان سیلاب مکہ)
۳۰	۷۵۰ھ	سخت طوفان باد و باراں آیا، بجلیاں گریں اور مطاف میں قندیلوں کے تمام کھمبے زمین بوس ہو گئے۔
۳۱	۷۷۱ھ	سخت بارش اور ژالہ باری کے باعث سیلاب آیا، اولے بہت بڑے بڑے تھے۔ حرم شریف میں پانی داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی ہلاک، ایک ہزار مکانات منہدم اور چالیس اونٹ مر گئے تھے۔ (تاریخ القویم، جلد ۲، سیلاب مکہ)

۳۲	۸۰۲ھ	۸ جمادی الاول ۸۰۲ھ میں سخت بارش شروع ہوئی جو ۹ جمادی الاول کو اور بھی شدت اختیار کر گئی۔ یہ سیلاب وادی ابراہیم کی جانب رواں دواں تھا لیکن وادی اجیاد کا پانی بھی اس کے ساتھ شامل ہوا تو یہ ایک بحر ذخار کی صورت اختیار کر گیا اور حرم شریف میں بھی داخل ہو گیا۔ حرم جھیل کی طرح نظر آتا تھا۔ پانی کی سطح سات فٹ سے بھی بلند تھی۔ کعبہ شریف کی دہلیز سے پانی ڈیڑھ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ جس کے سبب اندر بھی داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف کی سیڑھی بہا کر باب ابراہیم کے قریب جا پھینکی۔ اگر پہاڑ راستہ میں حائل نہ ہوتے تو خدا جانے کہاں تک لے جاتا۔ باب مجلہ کے قریب ستون خستہ حال ہو گئے۔ پورے شہر میں مکانات گرنے سے تباہی مچ گئی۔ بہت سے لوگ ملبے میں دب کر ہلاک ہو گئے۔ بے انداز مال و اسباب برباد ہوا۔ حرم شریف میں رکھے ہوئے قرآن مجید بھی سیلاب کی ستم ظریفی سے نہ بچ سکے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو لوگوں کے کانوں میں اذان کی آواز پڑی لیکن ساتھ ہی اعلان ہوا کہ حرم شریف کیچڑ سے اٹا پڑا ہے، راستے سخت خطرناک ہیں لہٰذا نماز اپنے اپنے گھروں میں ادا کی جائے۔ یہی کیفیت نماز جمعہ تک قائم رہی۔ خطبہ جمعہ منبر پر پڑھنا ممکن نہیں تھا۔ مسجد کے شمالی جانب رکن یمانی کی سمت کچھ آدمی دوروز سے رکے ہوئے تھے اسی جگہ خطبہ پڑھا گیا اور مختصری جماعت سے نماز جمعہ ادا ہوئی۔
۳۳	۸۱۴ھ	ظہر کے وقت سیلاب شروع ہوا اور نہر زبیدہ کا بند بھی ٹوٹ گیا تھا۔
۳۴	۸۲۵ھ	۲۷ ذی الحجہ ہفتہ کے دن صبح کی نماز کے بعد اچانک بارش شروع ہوئی اور سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو کر باب کعبہ کی دہلیز تک پہنچ گیا اور کعبہ شریف کی سیڑھی کو باب الحزورہ کے قریب جا پھینکا۔ (شفاء الغرام، سیلاب کعبہ)
۳۵	۸۲۷ھ	۲ جمادی الاول نماز عصر کے بعد بارش شروع ہوئی، دوسرے دن مغرب کے بعد اور بھی شدت اختیار کر گئی۔ شمالی دروازوں سے پانی حرم میں داخل ہو کر حجر اسود تک پہنچ گیا۔ حرم شریف میں کوڑا بہت زیادہ جمع ہو گیا تھا۔ بعد میں پانی خشک ہونے پر بڑی مشکل سے صاف کیا گیا۔
۳۶	۸۳۸ھ	سیلاب حرم شریف میں پانی داخل ہو کر باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔ تقریباً ایک ہزار مکانات منہدم ہو گئے۔
۳۷	......	اسی سال دوبارہ سخت سیلاب آیا، جس نے حرم میں داخل ہو کر زمزم کے چبوترہ کا دروازہ گرا دیا اور آٹھ سو مکانات کو نقصان پہنچا تھا۔
۳۸	۸۶۵ھ	سیلاب حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کی دہلیز تک پہنچ گیا۔

۳۹	۸۶۷ھ	موسلا دھار بارش کے بعد شدید طغیانی آئی اور حرم کے شمالی اور مشرقی سب دروازوں سے پانی اندر داخل ہو گیا۔ جس میں کعبہ شریف کا دروازہ بھی دو فٹ تک ڈوب گیا۔
۴۰	۸۷۱ھ	اس مرتبہ بھی سیلاب نے خوب تباہی مچائی۔ حرم شریف، کعبہ شریف اور چاہ زمزم میں پانی بھر گیا۔
۴۱	۸۸۰ھ	اس سیلاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جاہلیت اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا سیلاب تھا، صرف حرم شریف کے اندر ۱۸۰ آدمی ڈوب کر جاں بحق ہوئے، دیگر تباہی اس کے علاوہ تھی۔
۴۲	۸۸۳ھ	۱۵ اور ۲۳ رمضان کو سخت بارش کے بعد دو مرتبہ سیلاب آیا۔
۴۳	۸۸۷ھ	۴ ذیقعدہ کو انتہائی شدید بارش ہوئی اور اس کے بعد سیلاب آ گیا جس میں لا تعداد انسان ہلاک اور بے شمار مکانات تہس نہس ہو گئے۔
۴۴	۸۸۸ھ	سیلاب سے بہت نقصان ہوا۔
۴۵	۸۹۵ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا اور حجر اسود تک پانی بلند ہو گیا۔ کئی مکانات تباہ ہو گئے۔
۴۶	۸۹۷ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا جو حرم میں بھی داخل ہو گیا۔
۴۷	۹۰۰ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ حرم شریف میں داخل ہو کر حجر اسود تک بلند ہو گیا اور بہت سا مالی نقصان بھی ہوا۔
۴۸	۹۰۱ھ	شدید بارش کے بعد سخت سیلاب آیا جو حرم میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا اور حرم کی قندیلیں پانی میں ڈوب گئیں۔
۴۹	۹۲۰ھ	سیلاب حرم میں داخل ہو گیا جس کے باعث مطاف کی قندیلیں ڈوب گئیں، چاہ زمزم بھی بھر گیا اور باب کعبہ تک پانی پہنچ گیا۔
۵۰	۹۳۱ھ	زبردست ژالہ باری اور بارش ہوئی، لوگوں نے اولے جمع کر لئے جو کئی دن تک محفوظ رہے۔
۵۱	۹۷۱ھ	سیلاب اتنا شدید تھا کہ کعبہ شریف کے تالہ تک پانی پہنچ گیا اور ایک دن رات تک مطاف میں پانی کھڑا رہا۔
۵۲	۹۸۳ھ	زبردست سیلاب آیا جو حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالہ تک پہنچ گیا۔ ایک دن رات پانی مطاف میں کھڑا رہا، جس کی وجہ سے سات نمازیں جماعت سے ادا نہ ہو سکیں۔ امیر المعظم احمد بک نے خدام حرم اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسفلہ کی طرف راستہ بنا کر پانی نکالا۔ بعد میں حرم کو صاف کر کے دھویا اور کعبہ شریف کو بھی اندر سے غسل دیا۔
۵۳	۹۸۴ھ	یہ سیلاب بھی باب کعبہ تک پہنچ گیا تھا۔
۵۴	۹۸۹ھ	منیٰ کے قیام کے دوران شدید بارش کے بعد ہر جانب سے سیلاب آ گیا، جس میں حجاج کا کافی مال و متاع غرقاب ہو گیا تھا۔

۵۵	۱۰۰۹ھ	سخت بارش ہوئی اور زبردست سیلاب آیا۔
۵۶	۱۰۱۹ھ	شدید بارش کے بعد سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔
۵۷	۱۰۲۱ھ	بارش کے ساتھ بڑے وزنی اولے پڑے اور سیلاب بھی آیا۔
۵۸	۱۰۲۴ھ	اس سیلاب میں بہت سے مکانات گر گئے۔
۵۹	۱۰۳۳ھ	۷ جمادی الثانی کو بارش ہوئی اور سخت سیلاب آیا جس کا پانی حجر اسود تک بلند ہو گیا۔
۶۰	۱۰۳۹ھ	مکہ مکرمہ اور گردونواح میں بہت زیادہ بارش ہوئی، اتنی شدید بارش عرصہ دراز سے نہیں ہوئی تھی جس کے بعد زبردست سیلاب آیا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ کعبہ شریف بھی پانی سے بھر گیا۔ پانی کی سطح مطاف کی قندیلوں تک بلند تھی، ایک ہزار کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ اسی سیلاب میں کعبہ شریف بھی منہدم ہوا جس کی تعمیر سلطان مراد خان نے کرائی۔
۶۱	۱۰۵۳ھ	۹ ذی الحجہ یعنی حج کے دن عرفات میں شدید بارش ہوئی اور ندی نالوں میں طغیانی آ گئی۔ حجاج کرام شام کو مزدلفہ نہ جا سکے، حتیٰ کہ رات کے آخری حصہ میں جب پانی میں کمی ہوئی تو بڑی مشکل سے لوگ مزدلفہ پہنچے۔
۶۲	۱۰۵۵ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا اور باب کعبہ سے ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ اسی طرح چاہ زمزم کا چبوترہ تقریباً چھ فٹ پانی میں ڈوب گیا، البتہ کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔
۶۳	۱۰۷۳ھ	اس سیلاب کا پانی بھی حرم شریف میں داخل ہو کر باب کعبہ کے نصف سے بھی اونچا ہو گیا تھا۔
۶۴	۱۰۸۱ھ	یہ سیلاب بھی حرم شریف میں داخل ہوا اور باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
۶۵	۱۰۹۰ھ	اس سیلاب سے بہت زیادہ مالی نقصان ہوا۔
۶۶	۱۰۹۱ھ	سیلاب کا پانی حرم شریف میں داخل ہو گیا اور کعبہ شریف نصف تک پانی میں ڈوب گیا۔ کئی اونٹ سامان سمیت سیلاب نے بہا کر حرم شریف میں جا پھینکے۔ سیلاب میں ڈوب جانے کے خوف سے ایک سو پچاس آدمی معلاء کی جانب ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھ گئے لیکن سیلاب اس قدر شدید تھا کہ وہ درخت بھی جڑوں سے اکھڑ گیا اور بہتا ہوا باب صفا تک جا پہنچا۔ پانچ ہزار حیوان بھی اس میں ہلاک ہوئے۔
۶۷	۱۱۰۸ھ	شدید بارشوں کے باعث سیلاب کا پانی باب کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔
۶۸	۱۱۵۳ھ	سخت سیلاب آیا جو باب کعبہ تک پہنچ گیا۔
۶۹	۱۱۵۸ھ	ذی الحجہ کے ایام تشریق میں سخت بارش ہوئی جب کہ حجاج منیٰ میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں بارش ہوئی اور اس قدر سخت اندھیرا تھا کہ پاس والی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
۷۰	۱۲۰۸ھ	سخت سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے تالے تک پہنچ گیا۔

۷۱	۱۲۴۲ھ	اس سیلاب سے نہر زبیدہ کو نقصان پہنچا۔
۷۲	۱۲۷۸ھ	شدید بارش کے باعث نماز فجر کے وقت اچانک سیلاب آ گیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا جس میں قندیلیں بھی ڈوب گئیں۔ چاہ زمزم بھی بھر گیا اور پانچ وقت کی جماعت بھی حرم شریف میں نہ ہو سکی۔ حرم شریف کے اندر اور باہر بہت سے لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے۔
۷۳	۱۳۲۵ھ	بارش کے بعد سیلاب آیا مگر زیادہ نقصان نہیں ہوا۔
۷۴	۱۳۲۷ھ	۲۱ ذی الحجہ کو سخت بارش ہوئی اور مکہ شریف کے چاروں طرف ندی نالے سمندر کی صورت اختیار کر گئے۔ حرم شریف کے تمام دروازوں سے سیلاب اندر داخل ہو گیا۔ اونٹ اور کجاوے پانی میں کشتیوں کی طرح تیر رہے تھے۔
۷۵	۱۳۲۷ھ	اس سیلاب کی نسبت عباس حلمی پاشا خدیو جو مصری حاکم تھا اس کی طرف ہے جس کی وجہ سے سیلاب کا نام ''سیل خدیو'' ہے جب کہ موصوف حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف جا چکا تھا۔ ۲۳ ذی الحجہ کو سیلاب آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا اور تقریباً گیارہ فٹ پانی جمع ہو گیا۔ مطاف میں کیچڑ اور مٹی بہت زیادہ جمع ہو گئی۔ اس سیلاب سے نہر زبیدہ بھی متاثر ہوئی اور شہر میں پانی کی سپلائی بند ہو گئی۔
۷۶	۱۳۲۸ھ	یہ سیلاب وادی نعمان کی جانب سے بڑی تیزی کے ساتھ آیا اور حرم شریف میں داخل ہو گیا۔
۷۷	۱۳۳۰ھ	یہ بھی وادی نعمان کی جانب سے آیا تھا۔
۷۸	۱۳۳۵ھ	اس سال محرم اور شعبان میں دو مرتبہ سیلاب آیا۔
۷۹	۱۳۴۴ھ	یہ سیلاب بھی وادی نعمان کی طرف سے آیا تھا۔
۸۰	۱۳۵۰ھ	ساڑھے تین گھنٹے کی موسلا دھار بارش کے بعد وادی ابراہیم میں سخت سیلاب آیا جو مطاف میں تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر تھا۔ مکانات اور مال و متاع کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔
۸۱	۱۳۶۰ھ	ماہ ربیع الاول میں ایک دن صبح کے وقت بارش ہوئی جو سارا دن جاری رہی اور عصر کے بعد اور بھی شدت اختیار کر گئی جس سے سیلاب آ گیا اور حرم شریف میں داخل ہو کر کعبہ شریف کے دروازہ تک پانی چڑھ گیا۔ جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نماز اور طواف سے لوگ معذور ہو گئے۔ حرم شریف اور سڑکیں، مٹی، کیچڑ اور کوڑا کرکٹ سے بھر گئیں۔
۸۲	۱۳۷۶ھ	اس سال حرم محترم کی توسیع کا کام جاری تھا کہ سخت بارش شروع ہو گئی جس سے سیلاب آ گیا مگر کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔
۸۳	۱۳۸۲ھ	بارش کی کثرت سے سیلاب آیا لیکن کوئی نقصان نہیں ہوا۔

۸۴	۱۳۸۴ھ	۵ شعبان بدھ کے دن عصر کے قریب بارش شروع ہوئی اور مسلسل کئی گھنٹے تک موسلا دھار ہوتی رہی۔ کافی شدید طغیانی بھی آئی مگر کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔
۸۵	۱۳۸۸ھ	حج سے تقریباً ایک ہفتہ بعد زبردست بارش ہوئی اور سیلاب آ گیا۔ سیلاب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ بہت سی کاریں بھی بہا کر لے گیا۔ وہ کاریں پانی کے نکاسی والے نالے میں جا پھنسیں اور پانی رک کر حرم میں داخل ہو گیا۔ جس کے باعث حرم جھیل کی مانند جل تھل نظر آتا تھا۔ مطاف میں پانی کی طرف تقریباً ۴ فٹ بلند تھی۔ زمزم کا کنواں پانی سے لبریز ہو گیا اور قرآن مجید پانی میں تیر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے بڑی جرأت سے تیر کر قرآن مجید باہر نکالے۔ جو لوگ حرم شریف میں تھے ان کا باہر نکلنا ناممکن ہو گیا۔ اس کے باوجود طواف کرنے والے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ اس خوفناک سیلاب میں بھی تیر کر طواف کعبہ میں مصروف تھے۔ جب بارش تھم گئی اور سیلاب کا زور ٹوٹ گیا تو لوگوں نے مطاف اور حرم شریف کو صاف کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمزم کا کنواں جو غلیظ پانی سے بھر گیا تھا، اسے بجلی کی موٹر سے صاف کرنے کی میونسپلٹی کے عملے نے سرتوڑ کوشش کی، مگر وہ موٹر چلانے میں بری طرح ناکام رہے، متعدد موٹریں بھی جل گئیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر ایک پاکستانی انجینئر کی مدد سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ چونکہ حج کے فوراً بعد سیلاب آیا تھا اور زمزم کا کنواں بھی متاثر ہوا تھا، اس لئے اکثر حجاج زمزم کا تحفہ اپنے ساتھ وطن لانے سے محروم رہے۔
۸۶	۱۳۸۹ھ	۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳۸۹ھ بدھ کے دن صبح کے وقت تقریباً گھنٹہ موسلا دھار بارش ہوئی اور حرم شریف جل تھل ہو گیا۔ مطاف میں قرآن مجید کی الماریاں کشتی کی طرح پانی پر تیر رہی تھیں۔

سیلاب کی روک تھام کے لئے بند کی تعمیر

کعبۃ اللہ اور مکہ شہر بیسیوں مرتبہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنے۔ اگرچہ سیلاب کی روک تھام اور رخ تبدیل کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں مگر وہ دیرپا ثابت نہ ہو سکیں۔ پہلا بند خزاعہ نے تعمیر کیا تھا اور بعد میں کئی مرتبہ بند باندھے گئے۔ خزاعہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ شدید سیلاب آیا جس میں ایک مرد اور ایک عورت جاں بحق ہو گئے، مرد کی شناخت تو نہ ہو سکی البتہ عورت کا نام فارہ تھا جو قبیلہ بنو بکر کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عنئذ بنت زاعہ نے کعبہ شریف کی حفاظت کیلئے ایک پشتہ تعمیر کر دیا، لیکن شہری آبادی پہاڑوں اور ندی نالوں کے کنارے تھی جس کی حفاظت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

(تاریخ القویم، جلد ۲، صفحہ ۲۰۴)

۱۷ھ میں زبردست سیلاب آیا جو مقام ابراہیم بھی بہا کر لے گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم نے کعبہ شریف اور شہر کی حفاظت کیلئے 'المدعا'، یعنی مردہ کے قریب نہایت مضبوط اور محکم بند باندھا۔ اس زمانہ میں منیٰ، جبل حراء اور الحجون کی طرف سے سیلاب آتا اور مدعا

سے حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔اس وقت یہ جگہ بہت گہری تھی۔ یہ بند بڑی بڑی چٹانوں،سنگ ریزوں اور مٹی سے اس قدر مضبوط بنایا گیا تھا کہ ۱۸۵ سال تک بالکل صحیح حالت میں قائم رہا۔بالآخر ۲۰۲ھ میں سیلاب کی نذر ہو گیا۔

اس کا تباہ شدہ منظر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنی بڑی اور وزنی چٹانیں ہم نے کبھی نہیں دیکھیں۔

جب بند تعمیر ہو گیا تو سیلاب نے اپنا رخ شمال کی طرف کر لیا،حالانکہ اس سے پہلے مدعا،مسعی اور باب السلام کی جانب سے حرم شریف میں داخل ہو کر تباہی مچا دیتا تھا۔۷اھ سے ۱۴۰۰ھ تک بند والی جگہ اس قدر اونچی ہو چکی ہے کہ اب پانی میں سوق اللیل سے گزر کر حرم کے جنوب سے مسفلہ کی طرف چلا جاتا ہے۔سیلاب کے اس قدیم راستہ کو وادی ابراہیم کہا جاتا تھا۔

جمادی الاول ۱۳۹۸ھ مطابق اپریل ۱۹۷۸ء میں سعودی حکومت نے سیلاب کی روک تھام کے لئے ستر کروڑ ریال سے ایک عظیم منصوبہ شروع کیا تھا جس کے بعد شہر اور حرم سیلاب کی آفت سے محفوظ ہو گیا ہے۔

باب نمبر 17:

مکہ مکرمہ کی مشہور مساجد

فصل نمبر 1:

چند مشہور مساجد کے نام

مکہ معظمہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مساجد کی تعمیر اور تعداد میں اضافہ ناگزیر تھا۔اکثر انہیں مقامات پر تعمیر کی گئیں جہاں حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔مسجد حرام یعنی کعبۃ اللہ کے علاوہ مکہ مکرمہ کی درج ذیل مساجد مشہور ترین ہیں:

۱۔مسجد ذی طویٰ۔
۲۔مسجد اجابہ۔
۳۔مسجد المحکا۔
۴۔مسجد رایہ۔
۵۔مسجد جن۔
۶۔مسجد المجتا۔
۷۔مسجد ابراہیم۔
۸۔مسجد جن،محلہ سلیمانیہ۔
۹۔مسجد الجمیزہ،محلہ معابدہ۔
۱۰۔مسجد الامیرۃ حصہ،حجون میں۔
۱۱۔مسجد حمدان الفرح،محلہ عتیبہ۔
۱۲۔مسجد ابن رشد الھمزانی،محلہ معابدہ۔
۱۳۔مسجد ملک عبدالعزیز قصر عالی کے قریب محلہ معابدہ میں۔
۱۴۔مسجد حی التوفیق،محلہ جرول۔
۱۵۔مسجد ملک عبدالعزیز،محلہ الزاہر۔
۱۶۔مسجد بیشر الحمام،محلہ شعب عامر۔
۱۷۔مسجد الامیر بندر،محلہ المعابدہ۔
۱۸۔مسجد آل الشیخ شارع المنصور۔
۱۹۔مسجد الکویتی،شارع المنصور۔
۲۰۔مسجد الطیبی محلہ جرول۔
۲۱۔مسجد الکعکی،محلہ جرول۔
۲۲۔مسجد البدوی یا مسجد رایہ۔
۲۳۔مسجد مدعیٰ۔
۲۴۔مسجد صدیق۔
۲۵۔مسجد صولتیہ۔
۲۶۔مسجد جعرانہ۔

۲۷۔ مسجد تنعیم۔
۲۸۔ مسجد نمرہ۔
۲۹۔ مسجد خیف
۳۰۔ مسجد کبش

فصل نمبر 2:

مسجد حرام

پہلی مسجد مقدس ہے جس کا ذکر قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا:

((سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً من المسجد الحرام))

''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ خاص کو مسجد حرام سے۔''

اس مسجد مبارک کو حرم شریف بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مقدس نے اس طرح ذکر فرمایا:

((فول وجهك شطر المسجد الحرام))

''(نماز میں) اپنا چہرہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیرلیں۔''

اس جگہ مسجد حرام کعبہ شریف کے معنی میں استعمال ہے۔ تیسری جگہ پر قرآن مقدس نے اس مسجد مقدس کا ذکر اس طرح فرمایا:

((لتد خلن المسجد الحرام))

''آپ سرزمین مکہ میں ضرور داخل ہوں گے۔''

اس مقام پر مسجد حرام شہر مکہ کے معنی میں استعمال ہے۔

چوتھی جگہ پر قرآن مقدس نے اس مسجد مبارک کا ذکر اس طرح فرمایا:

((الا الذین عاهدتم من المشرکین عند المسجد الحرام))

مگر وہ لوگ جن سے تم نے وعدہ کیا مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں)''

مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے کتاب کے ابتدائی ابواب ملاحظہ کیجئے۔

فصل نمبر 3:

مسجد خیف

منیٰ کی مساجد میں سب سے بڑی اور مشہور مسجد خیف ہے۔ اس کے فضائل میں حضور نبی کریم ﷺ نے بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔

امام ابن ظہیرہ لکھتے ہیں:

''الشیخ مجد الدین صاحب قاموس نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوتا تو ہر ہفتہ کے دن مسجد خیف کی زیارت کو جاتا۔''

امام ازرقی نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد خیف میں ۷۵ انبیاء کرام نے نماز پڑھی ہے، جن میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔''

(اخبار مکہ ۴۰۰)

امام ازرقی نے مسجد خیف کی تفصیلات بڑی شرح وسط سے بیان فرمائی ہیں:
مسجد کا طول شمالاً جنوباً ۲۹۳ ذراع اور ۱۱۲/ انگل (تقریباً ۴۲۸ فٹ، ۱۵۳ میٹر)
عرض ۲۰۴ ذراع اور ۱۱۲ انگل ہے۔ (۸۔۳۰۶ فٹ، ۴۵ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر)
اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں لیکن مغربی حصہ میں تین برآمدے تھے جن کے ستونوں کی تعداد ۱۲۸ ہے۔
مغربی برآمدہ میں ۸۷ ستون ہیں۔
جنوب یعنی پہاڑ کی سمت میں ۳۸ ستون ہیں۔
مشرقی یعنی عرفات کی طرف ۳۴ ستون ہیں۔
شمال میں ۳۱ ستون ہیں۔
ان ستونوں پر جو محرابیں بنی ہوئی تھیں ان کی تعداد ۱۹۱ تھی۔
قبلہ کی سمت ۷۲ محرابیں۔
شمال ۳۳ محرابیں۔
جنوب میں ۳۵ محرابیں۔
عرفات کی جانب ۲۴ محرابیں۔
محرابوں کی بلندی ۹ ذراع ۱۱۲ انگل تھی (۶۔۱۳ فٹ۔ ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر)
ان میں سے بعض ستونوں کی بلندی بھی زیادہ تھی اور ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ بھی نسبتاً زیادہ تھا۔
مسجد میں روشنی کرنے کیلئے ۱۷۱ قندیلیں آویزاں تھیں۔
مغربی برآمدہ میں ۸۱ قندیلیں۔
شمال میں ۳۵ قندیلیں۔
جنوب میں ۳۱ قندیلیں۔
مشرق میں ۲۴ قندیلیں۔
مغربی برآمدہ کا عرض ۳۷ ذراع (۶۔۵۵ فٹ۔ ۲۰۔۱۶ میٹر)
شمالی برآمدہ ۱۱ ذراع (۶۔۶ فٹ یعنی تقریباً ۵ میٹر)
مشرقی برآمدہ ۱۰ ذراع (۱۵ فٹ یعنی ۶۰۔۴ میٹر)
جنوب والا ۱۱۱ ذراع، ۱۰، انگل تھا (ساڑھے ۱۷ انچ، ۱۶ فٹ یعنی ۷۔۵ میٹر)
ان کی بلندی ۲۴ ذراع تھی (۳۷ فٹ یعنی ۱۱ میٹر)
مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی تھا۔
اس حوض کا طول ۵۰ ذراع (۷۵ فٹ یعنی ۹۰۔۲۲ میٹر)
عرض ۵ ذراع (۶۔۷ فٹ یعنی ۲۸۔۲ میٹر)

گہرائی ۹ ذراع (٦۔۳۱فٹ یعنی ۱۱۔۴ میٹر)
حوض کے دروازے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔
مسجد کے دروازوں کی مجموعی تعداد ۲۰ تھی:
شمال کی طرف ۹ دروازے تھے جن میں سے بعض کی بلندی اس سے کم وبیش تھی۔
مشرقی دیوار میں پانچ دروازے تھے جن کی بلندی ۸ ذراع ۱۲، انگل (۹۔۱۲فٹ یعنی ۹۰۔۳ میٹر) اور چوڑائی ۵ ذراع تھی (٦۔۷ فٹ یعنی ۲۸۔۲ میٹر) اور بعض چوڑائی میں کم وبیش تھے۔
جنوب والی دیوار میں ۴ دروازے تھے۔ ان میں سے تین دروازے ۸ ذراع لمبے تھے (۱۲ فٹ یعنی ۲۵۔۳ میٹر) پہلے دروازہ کی چوڑائی ۵ ذراع (٦۔۷ فٹ یعنی ۲۸۔۲ میٹر) دوسرا دروازہ ۴ ذراع ۴ انگل (۳۔٦ فٹ یعنی ۹۰۔۱ میٹر) اور تیسرا ۳۱۱ ذراع ۱۸ انگل تھا (۷۔۵ فٹ یعنی ۰۷۔۱ میٹر) جب کہ چوتھا دروازہ ۷ اذراع (٦۔۱۰فٹ یعنی ۹۰۔۱ میٹر) اونچا اور ۳ ذراع (٦۔۴ فٹ یعنی ۳۷۔۱ میٹر) چوڑا تھا۔
قبلہ والی دیوار میں بھی دو دروازے تھے جن میں سے ایک کی لمبائی ٦ ذراع ۱۲ انگل (۹۔۹ فٹ یعنی تقریباً ۳ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع (٦ فٹ یعنی ۸۳۔۱ میٹر) اور دوسرے کی لمبائی ۴ ذراع ٦ انگل (۴۔٦ فٹ یعنی ۹۳۔۱ میٹر) اور چوڑائی ۲ ذراع تھی (٦ فٹ یعنی ۸۳۔۱ میٹر)
مسجد کے وسط میں ایک مربع شکل مینار تھا جس کی چوڑائی ٦ ذراع اور ۱۲ انگل اور بلندی ۲۴ ذراع تھی اس کے اندر ۴۱ سیڑھیاں تھیں۔
۸۵۳ھ میں ملک ظاہر جقمق کے حکم سے ناظر حرم خواجہ بہرام نے مسجد خیف کی تعمیر نو کرائی۔ جس پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا اور اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔
۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اسے انتہائی قابل رشک اور عالیشان تعمیر کرایا۔ اس کے چاروں طرف دیوار بنوائی اور قبلہ والی جانب یکے بعد دیگرے چار برآمدے بنوائے (جب کہ پہلے چاروں طرف ایک ایک برآمدہ تھا)
مسجد کے صحن میں ایک ذی شان قبہ تعمیر کرایا اور قبہ اتنی جگہ گھیرے ہوئے تھا جو نبی ﷺ کی مسجد کی حدود تھی اور جہاں آپ ﷺ کا مصلی تھا وہاں محراب بنوائی۔ اس کے قریب ہی اذان کی جگہ بنوائی جب کہ دروازہ کے قریب پہلے ہی اذان دینے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔
مسجد کے دروازے کے قریب امراء، رؤساء اور حجاج کے قیام کے لئے ایک محل تعمیر کرایا اور اس کے دروازہ کے قریب ایک سبیل بنوائی، جو مسجد کے صحن میں حوض سے بھری جاتی تھی۔ جب کہ حوض بارش کے پانی سے بھرا جاتا تھا۔
مسجد کا ایک اور دروازہ مشرق کی طرف بنوایا، اس میں پہاڑ کی جانب ایک چھوٹی کھڑکی بنائی جو غار مرسلات کی طرف کھلتی تھی۔
مؤرخ علامہ ازرقی لکھتے ہیں:
''اگر چہ اب بھی مذکورہ عمارت قائم ہے مگر یہ تعمیر جدید کی خواستگار ہے''

(اعلام الاعلام: ۲۲۳)

الشیخ رفعت پاشا مصری لکھتے ہیں:
مسجد کا طول ۱۳۰ میٹر ہے۔

عرض ۱۰۰ میٹر ہے۔
بڑے دروازہ پر مؤذنہ بنا ہوا ہے جس کی بلندی ۱۴ میٹر ہے۔
مغربی جانب شمالاً جنوباً چار برآمدے ہیں۔ ان کا مجموعی عرض ۳۷ میٹر ہے۔
ہر ایک برآمدہ میں ۲۱ ستون ہیں۔
چھت کے اندر ایسے بے نظیر گنبد بنے ہوئے ہیں جو صرف اندر سے نظر آتے ہیں جبکہ اوپر سے چھت ہموار ہے۔
مغربی دیوار میں محراب اور منبر بنا ہوا ہے اور محراب پر گنبد بنا ہوا ہے۔
صحن میں آٹھ ستونوں پر قائم ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ اس کی مغربی دیوار میں محراب بنی ہوئی ہے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے دن خیمہ لگایا تھا۔ اسی خیمہ میں آپ نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور عرفہ کی فجر ادا فرمائی تھی۔
قبہ کی مشرقی جانب موذنہ بنا ہوا ہے جو ۶۰۔۱۴ میٹر بلند ہے۔
قبہ کے باہر ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جہاں سے اندر راستہ جاتا ہے اور اندر ۳۷ سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک سیڑھی کی بلندی ۲۰ سینٹی میٹر ہے۔
صحن میں چار بہت بڑے حوض بنے ہوئے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع کرلیا جاتا ہے اور ایام حج میں حجاج استعمال کرتے ہیں۔
۲۵۶ھ میں خلیفہ المعتمد احمد بن متوکل العباسی نے اس کی تعمیر کرائی تھی بعد ازاں ۵۵۹ میں وزیر محمد بن علی المعروف الجواد اصفہانی نے تجدید کرائی۔ اسی طرح خلیفہ الناصر الدین اللہ العباسی کی والدہ مکرمہ اور ملک مظفر جو یمن کا بادشاہ تھا، نے بھی تجدید کرائی تھی۔ ۶۷۴ھ میں یمن کے بادشاہ نے اس کی تعمیر و مرمت پر ۲۰ ہزار درہم خرچ کئے۔ ۸۲۰ء میں الشیخ علی البغدادی نے اور ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر کا حکم دیا۔ اسے بے حد مضبوط اور خوبصورت بنوایا۔ ۱۰۷۲ھ میں سلطان محمد قزلدر آغا نے اور پھر ۱۰۹۲ میں سلیمان آغا نے سلطان محمد خان کے حکم سے اس کی تجدید کرائی۔
(مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۵)
اس ذی شان مسجد کی تعمیر جدید کا حکم شاہ عبدالعزیز آل سعود نے دیا تھا، مگر اس کی تکمیل شاہ خالد کے دور میں ہوئی۔ اس کے شمالی دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((بسم الله الرحمن الرحيم انما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الاخر امر بتجديد عمارة هذا المسجد على نفقة الخاصه حضرت صاحب الجلالة الملك عبد العزيز بن عبد الرحمن الفيصل ال سعود ايده الله ۱۳۶۲ھ واعيد تجديده فى عهد صاحب الجلالة الملك فيصل بن عبد االعزيز ايده الله ۱۳۹۲ھ))

اسے مکمل طور پر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو بالکل نئے انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اب نہ تو اس میں گنبد ہے اور نہ ہی قدیم نقشہ۔
علامہ قطب الدین لکھتے ہیں:
''یہ مسجد مقدس میدان منی کی عظیم مسجد ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میرا قیام مکہ معظمہ میں ہوتا ہے تو ہفتہ کے دن مسجد خیف کی زیارت کو جاتا۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: مسجد خیف شریف میں ۷۵ انبیاء علیہم السلام کا ورود ہوا ہے اور انہوں نے نماز پڑھی ہے۔''

فصل نمبر 4:

مسجد صولتیہ

محلہ حارت الباب میں مدرسہ صولتیہ کی یہ مسجد ہے۔۱۴۰۲ھ میں جب حرم شریف کی توسیع کی جارہی تھی، زم زم کے قریب اتم خانہ حرم کی عمارت کو گرایا گیا، جس کا سارا ملبہ مولانا رحمت اللہ نے خرید لیا اور اس مبارک ملبہ سے مدرسہ کے احاطہ میں مسجد تعمیر کرائی۔

اگر چہ اس مسجد کی تعمیر قدیم زمانہ سے متعلق نہیں ہے تاہم مساجد میں اس کا نام بھی مذکور ہے۔ یہ مسجد محلہ حارۃ الباب میں واقع ہے۔ معلم عمر اکبر مرحوم کے دفتر سے بالکل متصل ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ادارہ میں بھی کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اب یہ جگہ مدرسہ صولتیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

فصل نمبر 5:

مسجد جعرانہ

حضور انور ﷺ نے جعرانہ کے مقام سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ بعد میں قریش کے ایک آدمی نے اس جگہ مسجد بنادی جس کا نام امام ازرقی کے زمانہ میں مسجد اقصیٰ تھا۔ محرش الکعبی سے روایت ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ شریف تشریف لے گئے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد جعرانہ واپس تشریف لائے اور صبح کی نماز اسی جگہ ادا فرمائی، بعد ازاں مقام سرف تشریف لے گئے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۴۳۰)

امام ابن ظہیرہ نے امام فاکہی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جعرانہ سے تین سو انبیاء کرام نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اس جگہ جو کنواں واقع ہے، اسے نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کھودا تھا۔ پھر خود اور تمام لوگوں نے پانی پیا تھا اور اس جگہ کی نسبت قریش کی ایک عورت کی طرف ہے جس کا لقب جعرانہ تھا اور یہ اسد بن عبدالعزیٰ کی بیوی تھی۔

امام تقی الدین فاسی لکھتے ہیں کہ جعرانہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ ۱۸ میل ہے اور اس مسجد کا نام ''مسجد اقصیٰ'' بیان کیا ہے۔

اخبار مکہ میں ہے:

''حضور سید عالم ﷺ فداہ وابی وامی نے اس مقام سے عمرہ کا احرام بھی باندھا تھا۔ طائف کی سمت سے آنے والے لوگ عمرہ کا احرام یہیں سے باندھتے ہیں۔ عرب ڈرائیوروں کی زبان میں اسے ''بڑا عمرہ'' بڑا عمرہ بھی کہا جاتا ہے کہ حرم شریف سے بہ نسبت تنعیم کے دور ہے، مقام تنعیم سے بھی عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے جو حرم شریف سے تقریباً ۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہ جگہ بہ نسبت جعرانہ کے بہت قریب ہے۔ عرب ڈرائیور اسے ''چھوٹا عمرہ'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ یہاں سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، عمرہ ادا فرمایا، واپس تشریف لائے اور نماز فجر وہیں ادا فرمائی۔''

(اخبار مکہ: ۴۲۷) (تاریخ مکہ، صفحہ ۴۴۳)

ابن ظہیرہ نے لکھا ہے:

''مقام جعرانہ سے سینکڑوں انبیاء علیہم السلام نے عمرہ کا احرام باندھا ہے۔ اس جگہ کا کنواں حضور سید عالم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے کھودا تھا۔ اس جگہ کی نسبت قریش کی ایک عورت کی طرف ہے جس کا لقب جعرانہ تھا، یہ اسد کی بیوی تھی۔''

فصل نمبر 6:

مسجد تنعیم

۹ھ میں جب حضور سید عالم ﷺ حج کے لیے تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا ساتھ تھیں، اپنی بیماری کے باعث طواف نہ کرسکیں، حضور سید عالم ﷺ تشریف لائے تو انہیں مغموم پایا۔ فرمایا:

''عائشہ پریشان نہ ہوں یہ عارضہ بنات آدم پر لکھا گیا ہے۔''

حضور ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو فرمایا:

''عائشہ کو ساتھ لے جائیں اور مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کرلیں۔'' (بخاری، جلد ا) (تاریخ مکہ: ۳۴۴)

ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے:

''تنعیم کے کچھ دور بائیں طرف ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کی قبریں ہیں جن پر پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اب تک لوگ آتے جاتے ان منحوس قبروں پر سنگ باری کررہے ہیں۔'' (تاریخ مکہ، صفحہ ۴۴۵)

سب سے پہلے محمد بن علی شافعی نے مسجد تعمیر کی، پھر ابوالعباس امیر مکہ نے قبہ بنوایا۔ بعدازاں ایک بوڑھی خاتون نے خوبصورت مسجد بنوائی۔ (اخبار مکہ)

پھر ۶۱۹ء میں ملک مسعود نے مسجد بنوائی۔ ۱۰۱۱ھ میں سلطان محمود غزنوی نے سعادت حاصل کی۔ ۹۷۸ھ میں سنان پاشا عمرہ ادا کرنے آئے تو یہاں پانی کو دیکھ کر چشمہ بنوایا، کہ انسانوں کے ساتھ جانور بھی فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ قاضی حسین الحسینی نے پوری توجہ اور محنت سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس مسجد کا طول ۱۶ میٹر ہے جبکہ عرض ۱۵ میٹر، اونچائی ۴ میٹر۔

امام ابن ظہیرہ اس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اس کے دائیں جانب جو پہاڑ واقع ہے اس کا نام نعیم ہے اور بائیں جانب ناعم اور ان دونوں کے درمیان والی وادی کا نام نعمان ہے۔ اس نسبت سے یہ جگہ تنعیم مشہور ہوئی۔''

۹ھ میں جب نبی کریم ﷺ حج کیلئے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سیدہ عائشہ بھی تھیں۔ آپ نے مناسک حج تو سب ادا کئے مگر بیماری کی وجہ سے طواف ادا نہ کرسکیں۔ پھر جب آپ پاک ہوگئیں تو طواف ادا کیا لیکن حضور ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو فرمایا کہ انہیں ساتھ لے جاؤ اور تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرلیں۔ آپ نے یہ عمرہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی میں کیا۔

سراقہ بن مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حج کے بعد ذی الحجہ کے بقیہ ایام میں عمرہ کرنے کا حکم صرف آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ یہ حکم ہمیشہ کیلئے اور سب مسلمانوں کیلئے ہے۔ (بخاری، جلد ا، صفحہ ۲۴۰)

ابن خثیم کا قول ہے کہ میں نے عطا بن ابی رباح، مجاہد، عبداللہ بن کثیر الداری اور بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ رمضان کی ۲۷ ویں شب میں تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی زندگی بھر اس کو اپنا معمول بنالیا، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے یہ عمل ترک ہوگیا۔

اس جگہ سب سے پہلے محمد بن علی شافعی نے مسجد تعمیر کی۔ امام خزاعی فرماتے ہیں: پھر جب ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن داؤد امیر مکہ نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تو اس جگہ جو کنواں تھا اس کے اوپر قبہ بنایا۔ بعدازاں ایک بڑھیا نے اس مسجد کو بڑی زیب وزینت کے

ساتھ تعمیر کرایا۔(اخبار مکہ:۴۳۱)

۶۱۹ھ میں ملک مسعود نے اس کی تجدید کرائی۔اس کے بعد مسجد کا نام ''ہلیلجۃ الشجرۃ'' مشہور ہوا۔

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں:

''ہمارے دور میں یہ مسجد بالکل منہدم ہو چکی تھی صرف اس کی دیواروں کے آثار باقی رہ گئے تھے۔اس کے قریب ایک گڑھا تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا اور عمرہ کرنے والے اس پانی سے وضو کیا کرتے تھے۔

۹۷۸ھ میں وزیر المعظم المجاہد فی سبیل اللہ حضرت سنان پاشا جب عمرہ ادا کرنے کیلئے تنعیم آئے تو اس وقت گڑھے میں پانی بالکل خشک ہو چکا تھا، کیونکہ کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی تھی۔وزیر موصوف نے دیکھا کہ دور دور سے لوگ پانی بھی اپنے ساتھ اٹھائے آرہے ہیں۔معتمرین کی تکلیف کو دیکھ کر وزیر کو سخت دکھ ہوا۔اس جگہ ایک پرانا کنواں بھی تھا جو خراب اور خستہ حال تھا۔مٹی اور پتھروں سے اٹا پڑا تھا۔وزیر نے شیخ الاسلام ناظر المسجد الحرام قاضی حسین الحسینی کو اس کی صفائی اور کھدائی کا حکم دیا۔چنانچہ شیخ الاسلام نے اس کنوئیں کو کھود کرا زسرنو تعمیر کرایا۔پھر کنوئیں سے گڑھے تک نالی بنوا کر اسے بھرنے کا حکم دیا تا کہ عمرہ کرنے والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی وضو کرنے اور پینے کیلئے استعمال کریں اور جانور بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔

الشیخ ابراہیم رفت پاشا لکھتے ہیں:

''کنوئیں سے حوض کا فاصلہ ۲۰۰ میٹر تھا۔حوض تک پانی پہنچانے کیلئے قد آدم کے برابر اونچی پتھر سے پختہ نالی بنوائی گئی اور قدیم گڑھے کو حوض بنا دیا اور پانی کھینچنے کیلئے اوقاف کی جانب سے آدمی مقرر کئے گئے۔جو ۹۸۱ھ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔حوض کا طول ۲۴ میٹر، عرض ۱۹ میٹر اور گہرائی تین میٹر تھی۔(مراۃ الحرمین، جلد ا، صفحہ ۳۴۳)

موصوف نے مسجد کا طول وعرض اس طرح بیان کیا ہے:

''طول ۱۶ میٹر، عرض ۵ میٹر اور بلندی ۴ میٹر ہے۔محراب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

((بسم الله الرحمن الرحيم انما يعمر مساجد الله من امن بالله))

''اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے، بے شک اللہ کی مساجد کی تعمیر وہی کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔''

اس کی تجدید جمادی الثانی ۱۰۱۱ھ میں سلطان محمود نے کرائی، پھر امیر عبداللہ بن محمد بن داؤد عباسی امیر مکہ نے اس کے بعد المقتدر کی بوڑھی والدہ نے، بعد ازاں ملک المنصور کی بیگم نے اور آخر میں والی جدہ محمود بک نے ۱۰۱۲ھ میں تعمیر کرائی جو مؤرخ موصوف رفعت پاشا کے عہد تک قائم تھی۔(مراۃ الحرمین:۳۴۳)

فصل نمبر 7:

مسجد کبش

یہ مسجد جبل ثبیر کے دامن میں واقع ہے جہاں سیدنا ابراہیم نے سیدنا اسماعیل کو ذبح کرنا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے فدیہ میں جنت سے دنبہ یہاں پہنچا کر ذبح کرا دیا۔یہ مسجد علی بن عبداللہ بن عباس نے بنائی تھی اور مسجد کبش کے نام سے مشہور ہوئی۔

(اخبار مکہ:۴۴۴)

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں:

یہ مسجد شریف کوہ ثبیر کے پہلو میں ہے۔ اسی مقدس مقام پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا:

((قد صدقت الرؤيا انا كذالك نجزى المحسنين))

''بے شک تو نے اپنی خواب سچی کر دکھائی اسی طرح ہم محسنین کو اجر دیتے ہیں۔''

فصل نمبر 8:

مسجد المتکا

یہ مسجد محلہ جیاد میں واقع ہے۔ اس میں ایک پتھر تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تکیہ لگایا تھا، حالانکہ یہ روایت پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔

(اخبار مکہ: ۴۲۵)

فصل نمبر 9:

مسجد نمرہ

یہ مسجد عرفات کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ۸۴۳ میں ملک ظاہر جقمق نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر ۸۵۳ھ میں بھی اس کی اصلاح اور مرمت کرائی گئی۔ ۸۷۴ھ میں ملک اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر اور مرمت کرائی اور مسجد کے درمیان دو بڑے برآمدے بنوائے تا کہ حجاج نماز کے وقت دھوپ سے محفوظ رہیں۔

اسے مسجد عرفہ، جامع ابراہیم اور مصلی عرفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا طول ۹۰ میٹر اور عرض ۸۰ میٹر ہے۔ اس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ محراب تین میٹر اونچا اور ۵ میٹر چوڑا ہے۔ اس کا منبر ساڑھے دو میٹر اونچا اور دس سیڑھیوں والا ہے۔ ۸۴۳ھ میں سلطان جقمق نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ پھر ۸۷۴ھ میں سلطان قیتبائی نے اور ۱۰۷۳ھ میں سلیمان بک والی جدہ نے تعمیر کرایا۔

سعودی حکومت نے پوری مسجد از سر نو تعمیر کی۔ راقم الحروف جب ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں زیارت حرمین شریفین سے شرف بار ہوا تو اس وقت مسجد کا مغربی حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ مینار زیر تعمیر تھے اور برآمدہ کے علاوہ موجودہ مشرقی حصہ تعمیری پروگرام میں شامل تھا، لیکن ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں جب زیارت نصیب ہوئی تو تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ موجودہ تعمیر کا تقریباً نصف حصہ حدود عرفات سے باہر ہے۔ جس کے ابتداء میں فرش نہیں بنایا گیا اور ایک بڑے سائن بورڈ پر عربی، انگریزی، اردو اور دو ایک دوسری زبانوں میں یہ اعلان لکھا ہوا ہے:

''اعلان بہت اہم ہے۔ حاجی بھائی! یہ عرفہ کی ہے اور جو حاجی اس تختے کے پیچھے کھڑا ہوا گا تو اس وجہ سے اس کا حج نہیں ہو گا۔''

یہ مسجد مبارک مقدس میدان عرفات کے مغربی کنارے واقع ہے اسے مسجد عرفہ بھی کہتے ہیں، مسجد ابراہیم بھی کہا جاتا ہے، بعض مصلی عرفہ کہہ دیتے ہیں۔ انداز تعمیر نہایت خوبصورت ہے۔ ۸۰ میٹر عرض اور ۹۰ میٹر طول، محراب شریف کی بلندی تقریباً ۳ میٹر ہے اور چوڑائی ۱۵ میٹر، اس مسجد مبارک کے منبر کی دس سیڑھیاں ہیں۔

۸۴۳ھ میں سلطان جقمق نے اسے تعمیر کرایا۔ ۸۵۳ھ، ۸۷۴ھ، ۱۵۷۲ھ میں مختلف تعمیری مراحل طے ہوئے۔

فصل نمبر 10:

مسجد رائیہ

حضور نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس مقام پر اپنا جھنڈا نصب فرمایا تھا اور جبیر بن مطعم بن عدی کے کنویں کے قریب ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ بعد میں جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی وہاں مسجد بنادی گئی اور جھنڈے کی نسبت سے شہرت پذیر ہوئی۔

علامہ قطب الدین نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں مسجد کے پیچھے وہ کنواں موجود تھا، یہ جگہ قدیم زمانہ میں شہر پناہ کے قریب تھی لیکن بعد میں شہر پناہ کے آثار مٹ گئے۔

تاریخ مکہ میں ہے:

''حضور سید عالم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس جگہ اپنا جھنڈا مبارک لگایا تھا اور سیدنا جبیر بن مطعم کے کنویں کے قریب آپ نے نماز ادا فرمائی، پھر یہیں پر مسجد شریف بنادی گئی۔ جھنڈے مبارک کی نسبت سے مسجد رایہ مشہور ہوئی۔ (رایہ عربی زبان میں جھنڈے کو کہا جاتا ہے۔)'' (تاریخ مکہ، صفحہ ۳۴۰) (خبار مکہ، صفحہ ۴۲۵)

فصل نمبر 11:

مسجد جن

یہ مسجد مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں حجون کے سامنے واقع ہے۔ علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ اہل مکہ اسے مسجد الحرس کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنات حاضر ہوئے اور ایمان لائے تھے اور یہ روایت بھی ہے کہ جس مقام پر حضور ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود کو بٹھا کر چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ دیا تھا تاکہ جنات کے شر سے محفوظ رہیں، بعد میں اسی جگہ یہ مسجد بنائی گئی۔ (اخبار مکہ: ۴۲۴)

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں لوگ اسے مسجد فرہادیہ کہتے ہیں۔ یہ مسجد مبارک مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں حجون کے مقابل واقع ہے، بعض نے اسے مسجد خرس بھی کہا ہے۔ اسی مقام پر جنات کی ایک جماعت دربار رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ بے شمار مخلوقات الٰہیہ میں سے جن بھی ایک مخلوق کا نام ہے، ان کے جسم بھی ہیں روح بھی، انسانوں کی طرح عقل وشعور بھی رکھتے ہیں۔ صحاح ستہ کی کتب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب جنوں کا آسمان پر جانا روک دیا گیا تھا اور انہوں نے اس کا سبب معلوم کرنے کے لئے مختلف مقامات پر جنات کے وفود بھیجے، جو وفد حجاز میں بھیجا گیا وہ مقام نخلہ پر پہنچا تو وہاں حضور سید عالم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ نماز فجر ادا فرما رہے تھے، جنات کے اس وفد نے جب قرآن حکیم سنا تو کہنے لگے: واللہ! یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ بنا ہے۔

((انا سمعنا قرانا عجبا))

اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اس مقام پر ان آیات کا نزول ہوا۔

علامہ ابن جوزی نے کتاب الصفوہ میں اپنی سند کے ساتھ سہل بن عبداللہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے ایک بوڑھے جن کو دیکھا جو بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے، اس پر ایک خوبصورت قیمتی جبہ ہے۔ اس کے سلام پھیرنے پر انہوں نے اسے

کیا، اس نے جواب دیا اور کہا: تو اس جبہ پر تعجب کر رہا ہے۔ یہ جبہ سات سو برس سے میرے پاس ہے، اسی جبہ میں میں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے اسی میں پیارے محمد ﷺ کی زیارت کی ہے اور کہا: میں انہیں جنات میں سے ہوں جن کے بارے میں سورۃ جن نازل ہوئی۔

سید الوسی بغدادی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں:

جنات نے دربار رسالت میں چھ مرتبہ وفود کی شکل میں حاضری دی، اسی وجہ سے احادیث میں تعارض نہیں، مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے حالات ہیں۔ پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر قرآن مقدس نے ان آیات میں فرمایا، نخلہ کے مقام پر سورۃ اقراء یا طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی، جنات کا گروہ جب گزرا تو سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر رک گیا، بس کیا تھا غفلت کے پردے چاک ہو گئے، دل کی دنیا بدل گئی تو ایمان سے سینے روشن ہو گئے۔

سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے اور اہل کتاب تھے، اس لئے واقعہ اور اس واقعہ میں نمایاں فرق ہے۔

سیدنا رافع بن عمیر اپنے اسلام لانے کا دلچسپ واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عالج کے جنگل میں رات ٹھہرا، دور جاہلیت کے مطابق میں نے سونے سے پہلے یہ کہا:

((''اعوذ بعظیم هذا لوادی من الجن''))

''جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر سو گیا، خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے، گھبرا گیا، جاگا تو کوئی موجود نہ تھا، پھر سو گیا پھر ایسا ہی ہوا، پھر بیدار ہوا تو کسی کو نہ پایا، تیسری مرتبہ سو گیا تو پھر دیکھا کہ ایک جوان میری اونٹنی ذبح کرنا چاہتا ہے اور اسے ایک بوڑھے نے روک رکھا ہے اور کہتا ہے: اس اونٹنی کے بدلے ان جنگلی جانوروں میں سے کسی ایک کو ذبح کر لو، اسے نہ چھیڑو۔ پھر وہ بوڑھا مجھے کہتا ہے: آئندہ کے لئے کسی جنگل سے گزرنے کا اتفاق ہو تو کسی جن سے پناہ لینے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ لیا کرو:

((''اعوذ بالله رب محمد من هول هذا الوادی''))

''میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد رسول اللہ کا رب ہے اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔''

میں نے بوڑھے سے پوچھا: وہ محمد کون ہیں؟ اس نے کہا: محمد عربی ہے، نہ شرقی ہے نہ غربی ہے (بلکہ پوری کائنات کے لئے ہے)۔ میں نے پوچھا: وہ رہتے کہاں ہیں؟ بوڑھے نے کہا: یثرب میں جہاں کھجوروں کے درخت بہت زیادہ ہیں۔ میں صبح اٹھا اور مدینہ طیبہ کی راہ لی، وہاں پہنچا تو حضور علیہ السلام نے میرے بتانے سے پہلے ہی رات کا واقعہ سنا دیا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

روایات حدیث میں جو لیلۃ الجن کا واقعہ مذکور ہے جس میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اس میں آپ کا وادی جنات میں جانا، انہیں حق کی تبلیغ کرنا، دعوت اسلام دینا منقول ہے، وہ اس مشہور واقعہ کے بعد کا ہے جس کا ذکر سورۂ جن میں آتا ہے۔ علامہ خفاجی کے قول کے مطابق جنات کے وفود چھ مرتبہ حاضر ہوئے، بریں مختلف روایات میں تضاد قطعی نہیں۔

جن واحد ہے جنی جمع ہے، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

((اصل الجن ستر الشیء عن الحاسة))

''کسی شئے کا حواس سے پوشیدہ رہنے کو جن کہتے ہیں۔''

ج۔ن کے مادہ میں چھپنے کا مفہوم ملتا ہے۔ جنین حمل کو کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں چھپا ہے۔ جنان: دل کو کہتے ہیں کہ

سینہ میں چھپا ہوتا ہے۔ جنہ: ڈھال کو کہتے ہیں کہ دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ جنون: وہ مرض ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جنت: باغ کو کہتے ہیں کہ اس کی شاخوں سے زمین چھپی ہوئی ہے۔ جنوں کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے، انسانوں کی طرح ان میں بھی نر مادہ ہیں۔ توالد تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ جنات کا وجود قرآن مقدس سے ثابت ہے۔ سورۃ الجن کا وجود شہادت کے لئے کافی ہے۔

قرآن مقدس نے فرمایا:

((وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون))

''میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔''

دوسری جگہ پر ارشاد ہے:

((وخلق الجان من مارج من نار))

''اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہوتے تو ان کی پیدائش بھی خاک سے ہوتی۔ انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

((وخلق الانسان من صلصال))

''اور انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔''

معلوم ہوا جن وانس دونوں کا مادہ الگ الگ ہے۔ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں ہی کا فرد تھا جو سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے بارگاہ قدس سے مردود ہوا۔ قرآن مقدس نے جنات کے بارے میں ان کے ایک وصف کا ذکر کر کے انسانوں سے الگ قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

((انه یراکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم))

''شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔''

جنات کے وجود کے منکرین کا یہ کہنا کہ جو حواس کی گرفت سے باہر ہو وہ شئی ہی نہیں، غلط استدلال ہے۔ اس ضابطہ کے پیش نظر تو روح، فرشتے، وحی الٰہی کا بھی انکار ہوگا کہ یہ سب کچھ حواس سے بالاتر ہے۔

فصل نمبر 12:

مسجد المختبا

امام ابن ظہیرہ لکھتے ہیں کہ سوق اللیل میں مولد النبی ﷺ کے قریب ایک مسجد ہے جسے لوگ مسجد المختبا کہتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں اس کی زیارت کثرت سے کی جاتی ہے، لیکن علامہ تقی الدین فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اس مسجد کا ذکر نہ تو کسی کتاب میں پڑھا اور نہ ہی کسی عالم سے سنا ہے۔

البتہ علامہ سراج الدین عمر بن فہد نے لکھا ہے کہ اس مقام پر سیدنا عثمان ذی النورین کا مکان تھا۔ جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے

اوراسی مکان میں کفار سے بچنے کیلئے نبی کریم ﷺ روپوش ہوئے تھے۔

فصل نمبر 13:

مسجد صدیق اکبر

یہ محلہ مسفلہ میں واقع ہے، جہاں حضرت صدیق اکبر کا رہائشی مکان تھا اور اسی جگہ سے نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر کی معیت میں ہجرت فرمائی تھی۔ جب حضور ﷺ نے صدیق اکبر کو ہجرت کی اجازت مل جانے کی اطلاع دی تو اس کے بعد صدیق اکبر نے گھر ہی میں ایک جگہ کو مسجد بنا کر اس میں عبادت شروع کر دی تھی۔ (بخاری شریف، جلد ا، باب الہجرت)

علامہ قطب الدین لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں یہ 'دار الہجرت' کے نام سے مشہور ہے۔'' (اعلام الاعلام، صفحہ ۴۵۴)

علامہ ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''شہر کے منتہیٰ میں خرما، انار، عناب اور حنان کے سرسبز و شاداب باغات کے درمیان یہ مسجد واقع ہے۔ اس جگہ صدیق اکبر کا مکان تھا۔'' (ابن جبیر، صفحہ ۹۶)

تاریخ مکہ میں ہے:

''یہ مسجد شریف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے یہ مقدس مسجد محلہ مسفلہ میں واقع ہے۔ اسی مقام پر حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رہائشی مقام تھا۔ ہجرت کی اجازت مل جانے پر حضور پر نور ﷺ اسی مکان پر تشریف لائے اور صدیق اکبر سے اجازت کا ذکر فرمایا۔ فوراً صدیق اکبر نے عرض کی: حضور! میں بھی۔ فرمایا: تو بھی، اسی مکان کو مسجد میں بدل دیا گیا۔ علامہ ابن جبیر نے بھی اپنی کتاب میں اس مسجد، مکان اور محل وقوع کا ذکر فرمایا ہے کہ بہت بڑے سرسبز علاقہ میں واقع ہے۔ آج کل یہ مسجد شریف دو منزلہ ہے۔ مدرسہ فرقانیہ بھی یہیں قائم ہے۔''

سعودی دور حکومت میں جب اس کی نئی تعمیر ہوئی تو اسے دو منزلہ بنا دیا گیا۔ پہلی منزل میں دفتری خانہ ہے جب کہ نماز اوپر والی منزل پر پڑھی جاتی ہے اور مدرسہ الفرقانیہ بھی قائم ہے۔

فصل نمبر 14:

مسجد اجابہ

مسجد اجابہ منیٰ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ ثنیۃ اذاخر میں واقع ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ علامہ قطب الدین لکھتے ہیں:

''ہمارے دور میں یہ مسجد ویران اور منہدم ہو چکی ہے البتہ اس میں ایک پتھر پر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ مسجد اجابہ ہے اور اسے ۲۰ ۶۷ ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بعد ازاں منہدم ہو گئی۔ اس کے قرب و جوار میں کچھ آبادی ہو گئی تھی وہ لوگ اس میں نماز پڑھتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مگر آبادی کے اضافہ کی وجہ سے اس میں توسیع اور تعمیر نو کی ضرورت تھی۔''

فصل نمبر 15:

مسجد ابراہیم

یہ مسجد جبل ابی قبیس پر بنی ہوئی ہے۔علامہ ازرقی نے اس کا نام مسجد ابراہیم رکھا ہے۔انہوں نے اپنے دادا سے دریافت کیا کہ یہ مسجد کب بنائی گئی ہے؟ توانہوں نے کہا کہ یہ قدیم زمانہ سے موجود ہے۔امام ازرقی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے اہل علم حضرات سے پوچھا: کیا اسے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا تھا تو انہوں نے اس بات کا انکار کیا اور کہا کہ یہ ابراہیم قبیسی نے بنائی تھی۔وہ آدمی پہاڑ پر رہائش پذیر تھا۔(اخبار مکہ)

اسی طرح محب الدین طبری التوفی ۶۹۴ھ نے ام القریٰ صفحہ ۶۶۴ میں امام ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف صفحہ ۲۰۵ میں بھی اس کا نام مسجد ابراہیم بیان کیا ہے لیکن اللہ جانے اس کا نام مسجد بلال کب اور کیسے مشہور ہوگیا۔علامہ کردی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہند کے کسی آدمی نے تعمیر کی تھی۔(تاریخ القویم، جلد۲، صفحہ ۲۸۵)

۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے ایک عجیب بات دیکھی۔مذکورہ مسجد کا مؤذن جب اذان کیلئے مینار پر کھڑا ہوتا ہے تو قبلہ کی سمت سے اذان شروع کر کے الٹے پاؤں چلتا ہے، یہاں تک کہ مینار کا پورا چکر لگا کر قبلہ کی طرف پہنچ کر اذان پوری کرتا ہے، لیکن ۱۹۷۸ء میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔

تاریخ مکہ میں ہے:

''یہ مسجد مقدس جبل ابی قبیس پر واقع ہے۔علامہ ازرقی فرماتے ہیں: میں نے اس کے بارے میں متعدد علماء سے پوچھا کہ یہ مسجد سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے بنوائی تھی تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ ایک دوسرے شخص ابراہیم قبیسی نے تیار کروائی تھی جو یہیں کا باشندہ تھا۔صاحب اخبار مکہ نے بھی اسی مضمون پر یہی فرمایا ہے۔علامہ محب الدین طبری نے اپنی کتاب ام القرای میں، ابن ظہیرہ نے جامع اللطیف میں اس مسجد کا نام مسجد ابراہیم ہی لکھا ہے۔عوام کے زبان زد عام مسجد ہلال ہے۔حرم انور میں میزاب رحمت کی طرف بیٹھے سامنے دیکھیں تو زیارت ہوتی ہے۔اہل مکہ سے میں نے یہی سنا ہے۔اس مسجد کو مسجد ہلال بھی کہتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ یہیں پر ہوا ہے۔(ہلال عربی میں چاند کو کہتے ہیں۔)'' (تاریخ مکہ، جلد۱، صفحہ ۳۴)

فصل نمبر 16:

مسجد مدعیٰ

یہ مسجد زقاق مجزرہ میں واقع ہے، اس کے متعلق علامہ فاسی نے لکھا ہے کہ اس جگہ نبی کریم ﷺ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی تھی۔ اس میں دو پتھر پڑے ہیں جن پر عبدالرحمٰن بن ابی حربی کے ہاتھ سے اس کی تعمیر کرنے کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ایک پتھر پر ۵۸۸ھ اور دوسرے پر ۶۴۷ھ میں تعمیر کا ذکر ہے۔(اعلام الاعلام: ۴۵۴)

فصل نمبر 17:

مسجد ذی طویٰ

حضور نبی کریم ﷺ جب بھی عمرہ یا حج کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو اس جگہ قیام فرماتے تھے۔ جب آپ حج کیلئے تشریف لائے تو یہاں رات کو قیام فرمایا اور صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ سیدنا ابن عمر کا بھی یہی معمول تھا۔
(بخاری، جلد۱، صفحہ۲۳۷، ۲۳۸)

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک سعادت مند خاتون زبیدہ بازج نے اس جگہ مسجد تعمیر کرادی۔ (اخبار مکہ: ۴۲۶)

حضور سید عالم ﷺ نے عمرہ یا حج کے سفر مقدس میں اسی مسجد مقدس کو نوازا، یہاں رات کو قیام فرمایا۔ حضور ﷺ کی اقتداء میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسفار مقدسہ میں ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

حصہ دہم:

کعبۃ اللہ اور مکہ مکرمہ دور جدید میں

باب نمبر 1:

کعبۃ اللہ جدید دور میں

فصل نمبر 1:

پنکھے

نومبر ۱۹۷۸ء تک حرم شریف میں پنکھوں کی مجموعی تعداد ۲۸۷۰ تھی، لیکن اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں حرم شریف میں جنگ کی وجہ سے تہہ خانہ بالکل بند کر دیا گیا ہے، جس میں ۹۰۷ پنکھے لگے ہوئے تھے۔

قدیم عثمانی تعمیر میں:	۳۰۷عدد
جدید سعودی تعمیر کی پہلی منزل میں:	۶۰۲عدد
جدید سعودی تعمیر کی دوسری منزل میں:	۹۶۳عدد
تہہ خانہ میں:	۹۰۷عدد
مسعیٰ میں:	۲۰۸عدد
میزان:	۲۸۷۰عدد

قدیم تعمیر میں ہر ستون کے درمیان عرضاً تقریباً ۱۲ فٹ کی بلندی پر لکڑی لگی ہوئی ہے جس کے ساتھ پنکھے لگائے گئے ہیں، ستونوں کی پہلی صف کے طول میں بھی لکڑی لگی ہوئی ہے مگر اس کے ساتھ پنکھے وغیرہ نہیں ہیں۔ اس پر لوہے کی چادر چڑھی ہوئی ہے، اور اوپر چھوٹی چھوٹی کیلیں لگی ہیں تاکہ پرندے وغیرہ نہ بیٹھیں۔ جدید سعودی تعمیر میں پنکھے اور بلب چھت میں لگے ہوئے ہیں۔

اب کعبۃ اللہ، صفا مروہ اور پہلی و دوسری منزل پر چالیس ہزار کے قریب پنکھے ہیں، بہترین جدید اے سی اور بڑے گھومنے والے پنکھے اس کے علاوہ ہیں۔

فصل نمبر 2:

حرم شریف کے ملازمین

حرم شریف کے ملازمین کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے جس میں درج ذیل عہدیدار شامل ہیں۔

خطباء۔	آئمہ۔
مدرسین	موذنین۔
چپڑاسی	فراش۔
لائٹ اور روشنی کا خیال رکھنے والے۔	جاروب کش

دربان — چاہ زمزم سے پانی نکالنے والے اور موٹروں کا خیال رکھنے والے۔

قنادیل حرم کو دھونے والے

نوٹ: حرم شریف کی تمام ملازمتیں موروثی ہیں، لیکن عام ورکر مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

فصل نمبر 3:

گھڑی

قدیم زمانہ میں وقت معلوم کرنے کیلئے دھوپ گھڑی ہوتی تھی، جس پر سورج کے سایہ سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حرم شریف کی تاریخ میں سب سے پہلے ۵۵۱ھ میں وزیر الجواد نے صحن حرم میں دھوپ گھڑی نصب کرائی جسے مزولہ اور میزان الشمس بھی کہا جاتا تھا اور قاضی ابن ظہیرہ مخزومی نے دو گھڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک صحن مسجد میں اور دوسری چاہ زمزم کے چبوترہ کے اوپر۔

مراۃ الحرمین میں ہے کہ ۶ ذی الحجہ ۱۰۷۹ھ کو شیخ محمد بن سلیمان المغربی نے باب السلام کی جانب قد آدم کے برابر گھڑی بنوائی۔

۱۳۰۱ھ میں عثمان نوری پاشا نے ان دھوپ گھڑیوں کو ختم کر کے دو مشینی گھڑیال حرم شریف میں لگائیں۔ جن کا طول تقریباً دو میٹر تھا۔ یہ گھڑیاں حرم شریف کے متصل مینارہ باب علی کے قریب باب بازان پر لگی ہوئی تھیں۔ اگر یہ گھڑیال ۱۳۵۴ھ تک حرم شریف میں موجود تھیں، لیکن ان کی دیکھ بھال اور صفائی نہ ہونے اور عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے بیکار ہو چکی تھیں۔

۱۳۵۲ھ میں جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل نے دیکھا کہ نماز کے اوقات معلوم کرنے میں لوگوں کو تکلیف اور پریشانی ہے تو انہوں نے ایک بہت بڑی گھڑی نصب کرنے کا حکم دیا۔ جس کا ٹائم اور آواز دور سے دیکھا اور سنا جا سکے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ السلیمان الحمدان وزیر مالیات نے حرم شریف کے متصل دار الحکومت کی بلند عمارت کے اوپر ایک پندرہ میٹر بلند ستون بنا کر گھڑی نصب کرائی۔

اس عمارت اور حرم شریف میں پچیس میٹر کا فاصلہ تھا۔ گھڑی دو جانب سے دکھائی دیتی تھی۔ حرم شریف کے اندر اور محلہ جیاد کی طرف سے بھی ٹائم دیکھا جا سکتا تھا، اس کے گھنٹے کی آواز اس قدر بلند تھی کہ پورے حرم میں سنائی دیتی تھی، بلکہ مسعی اور حرم کے گرد واقع مدارس میں بھی اس کی آواز آتی تھی۔ حجاز کی سرزمین میں اتنی بڑی ضخامت کی یہ پہلی گھڑی تھی۔ رات کے وقت بجلی کے ذریعہ اس کے ہند سے بھی نظر آتے تھے۔ (تاریخ عمارۃ المسجد الحرام، صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۱)

چونکہ قدیم زمانہ میں گھڑیوں کا رواج عام نہیں تھا، اس لئے حرم شریف کے لئے خصوصی انتظام کرنا ضروری تھا۔ اس زمانہ میں تو ہر آدمی کے پاس گھڑی موجود ہے، لیکن اس کے باوجود حرم شریف میں بعض بعض جگہ نہایت عمدہ قسم کی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں اور موذن کے چبوترہ میں بھی اذان کے لئے گھڑیال لگے ہوتے ہیں۔

فصل نمبر 4:

روشنی کا انتظام

مسجد الحرام میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے والوں کے لئے روشنی کا انتظام سب سے پہلے عقبہ بن الازرق بن عمرو نے کیا تھا۔ ان کا گھر حرم شریف کے پاس تھا۔ اس زمانہ میں حرم شریف کے باہر چار دیواری نہیں تھی اور حدود حرم یا مطاف بھی زیادہ وسیع نہیں تھا۔ عقبہ

بن ازرق اپنے گھر کی دیوار پر ایک بڑا شمع دان رکھ دیتے جس سے پورے حرم میں روشنی ہو جاتی۔ یہ سلسلہ اسی طرح خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور تک جاری رہا۔ بعد میں خالد بن عبداللہ القسری نے حجراسود کے سامنے زمزم کے قریب ایک اونچے ستون پر چراغ نصب کیا، جس کے بعد عقبہ بن ازرق کا چراغ بند کر دیا گیا۔ ان کے مکان کا نصف حصہ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے عہد میں اور بقیہ نصف خلیفہ مہدی کے زمانہ میں توسیع کے وقت حرم میں شامل کر لیا گیا۔ حرم شریف کے لئے چراغ اور تیل کا باقاعدہ انتظام امیرالمومنین سیدنا معاویہ نے کیا تھا۔

صفا اور مروہ کے درمیان روشنی کا انتظام خالد بن عبداللہ نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں کیا تھا۔ ۲۱۶ھ میں محمد بن سلیمان نے مامون کے دور میں رکن عراقی کی جانب واقع ستون پر ایک اور چراغ کا انتظام بھی کر دیا۔ ۲۲۲ھ میں محمد بن داؤد گورنر مکہ نے رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان ایک ستون نصب کر کے اس پر چراغ جلانے کا انتظام کیا۔ ۲۳۲ھ میں واثق باللہ نے مطاف کے گرداگرد لکڑی کے دس ستون نصب کئے جن پر چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ (اخبار مکہ: ۲۰۱)

علامہ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''واثق باللہ نے لکڑی کے دس ستون روشنی کے لئے نصب کرائے تھے۔ جن کی تعداد بعد میں ۳۲ ہوگئی تھی۔ پھر لکڑی کی جگہ پتھر اور اینٹوں کے پختہ ستون بنائے گئے، جن میں سے ۱۸ ستون اینٹوں کے اور ۱۴ منقش پتھروں کے تھے۔ ان کے درمیان قندیلیں لٹکانے کے لئے قوس نما لکڑی لگائی گئی جس سے سات قندیلیں آویزاں کی جاتی تھیں۔ بعدازاں وہ ستون پیتل کے بنا دیئے گئے جن کی تعداد ۳۸ تھی اور ان کے درمیان لکڑی کی جگہ لوہے کا راڈ لگا دیا گیا۔'' (مراۃ الحرمین، جلد ۱، صفحہ ۲۶۱)

امام ازرقی کے دور میں چھوٹی بڑی قندیلوں کی تعداد حسب ذیل تھی:

کل تعداد ۴۵۵ تھی۔ جن میں سے ۸ قندیلیں چار بڑی اور چار چھوٹی صرف موسم حج اور رمضان شریف میں روشن کی جاتی تھیں۔ ان میں سے ایک قندیل باب دارالامارۃ پر نصب تھی جو سال بھر جلائی جاتی تھی، اور اس کی روشنی بہت زیادہ تھی۔ تمام قندیلیں قیمتی زنجیروں سے لٹکائی گئی تھیں۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۳۲)

علامہ ابن جبیر لکھتے ہیں کہ برآمدوں کے کنگروں پر دو، دو لکڑیاں کیلوں سے جڑی ہوئی اور ان میں آہنی ٹک لالٹینیں لگانے کے لئے لگے ہوئے تھے۔ (سفرنامہ ابن جبیر: ۸۶)

۱۳۲۰ھ میں علامہ ابراہیم رفعت پاشا نے حرم شریف کی قندیلوں کی تعداد اس طرح بیان کی ہے:

مشرقی برآمدوں میں	۱۶۷عدد۔
مغربی آمدوں میں	۱۴۷عدد۔
شمالی برآمدوں میں	۲۳۰عدد۔
قبلہ سمت	۱۸۷عدد۔
مطاف میں	۲۵۷عدد۔
میزان	۱۰۸۸عدد۔

۱۹۷۸ء کو حرم شریف کی ٹیوبوں، بلبوں اور قندیلوں کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

''مطاف کے کناروں پر کنکریٹ سے بنے ہوئے ۱۶ کھمبے نصب تھے۔ ان میں سے چودہ پر دو، دو قندیلیں تھیں جن کے

درمیان ایک تیز روشنی والا بلب بھی نصب تھا۔ جب کہ چاہ زمزم کے دونوں طرف دو کھمبوں پر اسی طرح کے بلب تھے۔ قندیلوں کے اوپر دو جگہ اللہ جل جلالہ لکھا ہوا تھا۔ ان کھمبوں کے ساتھ لاؤڈ اسپیکر کی انیس لمبی یونٹیں لگی ہوئی تھیں جن میں سے ۱۶ کا رخ صحن حرم کی طرف اور تین کا مطاف کی جانب تھا۔ نیز چاہ زمزم کی سیڑھیوں کے دونوں طرف دو کھمبے اور موذن کی جگہ کے قریب بھی دو کھمبے نئے لگے ہوئے تھے، جن پر تیز روشنی والے بلب لگے تھے۔ علاوہ ازیں صحن حرم میں یعنی کنکریوں والی جگہ میں مذکورہ کھمبوں سے بھی زیادہ بلند ۲۸ کھمبے لگے ہوئے تھے۔ جن کے اوپر لوہے کی ایک چھتری سی بنی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے چاروں طرف آٹھ آٹھ مرکزی بلب لگے ہوئے تھے۔ چھتری کے کناروں پر خوبصورت کنگرے بنے ہوئے تھے اور اس کے اوپر استادہ آہنی پلیٹ کے دونوں جانب ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ پلیٹ کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی تاریں لگی ہوئی تھیں تاکہ کبوتر وغیرہ نہ بیٹھیں۔ حطیم کی دیوار پر تین خوبصورت قندیلیں لگی ہوئی تھیں۔ اس طرح مطاف اور صحن حرم میں کل ۲۹۵ بلب اور قندیلیں لگی ہوئی تھیں۔ حرم شریف کی قدیم عمارت کے اندر ۱۶۴ مرکزی بلب اور ۳ بلب عام قسم کے تھے، ان کے علاوہ ۴۴۰ قندیلیں آویزاں تھیں۔ جن کے نیچے مصالحے کا خول چڑھا ہوا تھا، اور آدھ انچ موٹے دو پائپوں سے لٹکائی ہوئی تھیں۔ درمیان میں تقریباً ایک مربع فٹ کا خوبصورت پھول بنا ہوا تھا۔ سعودی تعمیر کے پہلے برآمدے میں ۶۳۰ مرکزی بلب تھے جب کہ دوسری منزل میں ۶۰۰ مرکزی بلب تھے۔ ان میں سے صفا پر واقع گنبد کے اندر ۱۶ بلب، صفا اور مروہ کے درمیان ۹۵ بلب اور مروہ پر ۷ بلب تھے۔ تہہ خانے میں ۲۲۲ مرکزی بلب اور ۳۱۹۲ ٹیوبیں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ ہر ایک مینار پر ۴۸، ۴۸ عام قسم کے بلب لگے ہوئے تھے جن کی کل تعداد ۳۳۶ تھی۔ حرم شریف کی چھت پر لوہے کے ۵۴ کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ہر ایک کھمبہ پر ۲،۲ تیز روشنی والے بلب لگے ہوئے تھے اور ہر ایک جگہ تین تین کھمبے اکٹھے لگے ہوئے تھے، جن پر کل ۱۰۸ بلب مطاف میں روشنی کرنے کی غرض سے لگے ہوئے تھے۔ حرم شریف کے اندر لگے ہوئے بلبوں، ٹیوبوں اور قندیلوں کی کل تعداد ۵۶۰۴ تھی۔ ان کے علاوہ حرم شریف کے باہر بھی بہت بڑی تعداد میں بلب لگے ہوئے تھے جنہیں شمار نہیں کیا گیا، لیکن ۱۹۷۸ء میں پورے صحن حرم کو مطاف بنا دیا گیا ہے، اس لئے نہ تو وہاں کھمبے اور بلب باقی رہے اور نہ ہی کنکریاں۔ اب مطاف میں روشنی کرنے کیلئے چھت پر لگے ہوئے مذکورہ بالا بلب ہی جلائے جاتے ہیں، اس اعتبار سے ۲۹۲ بلب مذکورہ تعداد سے کم ہو گئے ہیں۔''

قندیلوں اور ٹیوبوں کی مذکورہ تعداد اور نظام کے بعد ۱۹۷۹،۸۰ء میں مزید تبدیلی رونما ہوئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

''مطاف میں سے تمام کھمبے اور لائٹیں ختم کر دی ہیں جن کی تعداد ۲۹۲ تھی۔ اسی طرح حرم کی زیریں اور بالائی دونوں منزلوں میں ٹیوبوں اور بلبوں کی جگہ قندیلیں اور نئی طرز کی ٹیوبیں نصب کی گئی ہیں۔ جن سے روشنی کا انتظام بے حد حسین اور انتہائی عمدہ ہو گیا ہے۔ حرم شریف کی پوری تاریخ میں اس قدر حسین و جمیل روشنی کا انتظام کبھی نہیں ہوا۔''

۲۹ شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۸۲ء میں قندیلوں اور ٹیوبوں کی تفصیل یہ ہے:

''قدیم عثمانی تعمیر میں ۱۶۹ بلب اور ۳۰۷ چھوٹی قسم کی قندیلیں ہیں۔ قندیلوں میں نصف گلوب میں ۳ بلب اور اس کے نیچے بھی تین بلب لگے ہیں۔ سعودی تعمیر کی زیریں منزل ۶۱۱ قندیلیں آویزاں ہیں، جن میں پندرہ بلب اس ترتیب سے لگے ہیں۔ ایک دائرہ کے نیچے چھ اور اس کے اوپر بھی چھ بلب ہیں جب کہ دائروں کے اندر تین بلب ہیں۔ بعض قندیلوں میں بیس، بیس بلب لگے ہوئے ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان ۱۰۳ قندیلیں آویزاں ہیں جب کہ مسعی کے دونوں جانب دیوار

کے ساتھ ساتھ ۱۲۲ تیز روشنی والی لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جن کا رخ چھت کی جانب ہے۔ اس طرح قندیلوں کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ صفا مروہ کے درمیان زیریں منزل کی طرح بالائی منزل پر بھی ۱۰۳ قندیلیں اور ۱۲۲ لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں زمزم پینے کی تین جگہوں پر لائٹوں کی تعداد اس طرح ہے۔ چاہ زمزم کے قریب مردانہ حصہ میں انتہائی دیدہ زیب گول ۱۵۳ لائٹیں نصب ہیں، اور اتنی ہی تعداد اس کے متصل زنانہ حصہ میں بھی ہے۔ اس طرح اس جگہ ۳۰۶ لائٹیں ہیں اور باب الحدیبیہ کے نیچے ۷۰ لائٹیں اور باب الشبیکہ کے نیچے ۶۶ لائٹیں ہیں۔ اس طرح حرم شریف میں لائٹوں کی مجموعی تعداد ۱۹۴۲ ہے اور میناروں کے ۳۳۶ بلب اور چھت پر نصب کھمبوں کی ۱۰۸ لائٹیں ملا کر ۲۳۸۶ تعداد ہو جاتی ہے۔''

موجودہ دور ۱۴۳۴ ہجری ہر تین صفوں کے بعد مطاف اور حرم کے دوسرے حصوں میں عالیشان واٹر کولر اور گلاس رکھے گئے ہیں ساتھ ہی گندگی اور استعمال شدہ گلاس پھینکنے کے لیے باسکٹ بھی رکھی گئی ہیں۔

٭موجودہ دور میں حرم کعبہ میں ۳۵۰۰۰ سے زائد لائٹیں اور ۵۰۰۰ سے زائد بہترین قندیلیں نصب کی گئی ہیں۔

باب نمبر 2:

مکہ مکرمہ جدید دور میں

فصل نمبر 1:

عالمی تجارتی منڈی میں مکہ کا مقام

عربوں کی تجارت زمانہ تاریخ سے بھی پہلے عالمی شہرت حاصل کر چکی تھی، گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں سب سے پہلے جس تجارتی قافلہ کا ذکر ملتا ہے وہ بنی اسماعیلی تاجروں پر مشتمل تھا، جو عیسیٰ کی ولادت باسعادت سے اٹھارہ سو سال پہلے حجاز سے مصر جا رہا تھا۔

جرجی زیدان لکھتا ہے:

''اسلامی تمدن عرب کے کاروباری فروغ کا کوئی نیا زمانہ نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے بنوحمیر، کہلان اور سبا کے خاندان بھی مشرق اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت کا واسطہ رہ چکے ہیں، کیونکہ ملک یمن اس زمانہ کے متمدن ممالک کے وسط میں واقع تھا۔''

ہندوستان کا تجارتی مال بحر ہند کے ذریعہ بلاد یمن اور حضر موت تک پہنچتا اور پھر یمنی تاجر اسے حبشہ، مصر، فینیقیہ، فلسطین، بلاد ادومیین، عمالقہ، اور مدیانیین کے علاوہ بلاد مغرب تک پہنچا دیتے تھے۔

اسماعیلی عربوں نے آباد دنیا کے انتہائی کناروں تک خشکی کے راستہ اپنی تجارت کا سلسلہ بڑھایا ہوا تھا اور وہ اس زمانہ میں آباد ملکوں میں عقد تجارت کا واسطہ بنے ہوئے تھے۔

جرجی زیدان ''عرب قبل الاسلام'' میں لکھتا ہے:

''تجارتی قافلے حضر موت یا عمان سے جب چلتے تو قیدار کے شمال سے گزر کر دھناء تک پہنچتے۔ پھر دوان سے غربی جانب گزرتے ہوئے نجد پہنچ جاتے، جہاں سے حجاز میں داخل ہوتے تھے۔ اس کے بعد مکہ مدینہ یا ینبوع جاتے جہاں سے مدائن

کی طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا۔اس تجارتی شاہراہ کا ذکر زمانہ قدیم کے مورخین میں سے بلینیوس اور بطلیموس نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔''(عرب قبل الاسلام: ۱۵۰)

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا جس کے مقالہ نگار نے مکہ مشرفہ کی قدامت کا انکار بڑے شد و مد سے کیا ہے، لیکن اسے بھی اس حقیقت سے انکار کی جرأت نہ ہوسکی۔چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''مکہ قدیم تجارتی منڈی ہے جو بحر اوقیانوس کو جنوبی عرب، مشرقی افریقہ اور جنوبی ایشیا سے ملاتا تھا۔یہ علاقہ مآرب یعنی سبا اور پیٹرا جسے الرقیم کہا جاتا ہے کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے رومی اور بازنطینی حکومتوں کے عروج کے وقت بھی مذہبی اور تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔''(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، لفظ مکہ مطبوعہ ۱۹۷۷ء)

رومی حکومت کو عروج کب نصیب ہوا؟ اس کا جواب بھی ہم کسی مسلمان مورخ کے حوالے سے نہیں بلکہ ایک سخت متعصب مغربی مورخ کی کتاب سے پیش کرتے ہیں۔فلپ کے حتی ''پری پلوس آف دی اری تھرائن سی'' کے حوالہ سے لکھتا ہے:

''مکہ ۵۰ عیسوی میں جب کہ رومی حکومت عروج پر تھی مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی واسطہ بنا ہوا تھا۔''

نویلدگی نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مکہ کو شاہراہ تجارت پر مرکزیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہاں ایک کنواں تھا جسے زم زم کہا جاتا تھا جس میں وافر مقدار میں پانی پایا جاتا تھا۔یمن اور شام کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گزرتے تھے اور اسے طبعی طور پر دیوتاؤں کا عطیہ سمجھتے تھے۔''(ریلجنس اینڈ اتھس انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ ۱۹۵۹ء لفظ ''عرب'')

فلپ کے حتی ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

''یورپ اور ہندوستان کے درمیان بری (خشک) راستے عراق اور شام سے گزرتے تھے، ان تجارتی راستوں پر سب سے پہلے سکندر نے قبضہ کیا۔بعد میں پارتھیہ (فارس) اور اہل رومہ انہیں حاصل کرنے کیلئے مدت دراز تک جنگ و جدال میں مصروف رہے، لیکن جنوب کا راستہ پہلی صدی عیسوی کے قریب تک مسلسل عربوں کے قبضہ میں رہا۔عرب کے تاجر ملکی پیداوار کے علاوہ ہندوستان اور حبشہ کی پیداوار بھی جمع کر کے مآرب (سبا) سے مکہ کے راستے شام اور مصر لے جاتے تھے۔ اس بری راستے پر قابض ہونے کی وجہ سے بحر قلزم کے جان لیوا سفر کی صعوبتوں سے وہ بچ جاتے تھے۔''

انتہائی قدیم زمانہ میں عالمی تجارتی شاہراہ پر مکہ کی مرکزیت کا اعتراف کرتے ہوئے فلپ کے حتی لکھتا ہے:

''زمانہ قدیم میں ''مصالح کی سڑک'' شہر مکہ کے درمیان سے گزرتی تھی، بلکہ اس سے بھی بہت پہلے یہ شہر مآرب یعنی سبا اور غزہ کے وسط کی منزل تھا۔جس کے باعث ترقی پسند مکہ کے تاجروں نے اسے بہت جلد دولت مند شہر بنا دیا۔''

فلپ کے حتی تاریخ لبنان میں اس شاہراہ تجارت کی تفصیلات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''۲۷۰۰ قبل مسیح سے ۲۲۰۰ ق م تک بری اور بحری تجارت کا سلسلہ غالباً بہت بڑھ چکا تھا اور مزید کئی اجناس کی خرید و فروخت بھی شروع ہوگئی تھی۔چھٹے شاہی خاندان کے جو کتبات ملے ہیں ان میں مصری جہازوں کو ''جبلہ'' کے جہاز بتایا گیا ہے، تجارتی قافلے اس بڑی بین الاقوامی شاہراہ پر چلتے تھے، جو ڈیلٹا کے علاقہ سے شروع ہوتی اور جزیرہ نما سینا کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔جزیرہ نما سینا میں اس کی ایک شاخ جدا ہو کر جنوب کی طرف تانبے اور فیروزے کی کانوں کو چلی جاتی تھی۔جو جزیرہ نما کی مشہور کانیں تھیں۔کچھ آگے بڑھ کر ایک شاخ ساحل کے ساتھ ساتھ جنوبی عرب پہنچ جاتی تھی،

جہاں سے لوبان آتا تھا۔اصل بڑی شاہراہ شمال کے رخ مڑ کر فلسطینی ساحل کے ساتھ جنوبی لبنان میں داخل ہو جاتی تھی اور یہاں وہ شاخوں میں بٹ جاتی تھی۔ایک بدستور ساحل کے ساتھ ساتھ صور،صیدا،جبیلہ اور دوسرے شہروں سے گزرتی ہوئی شمالی سمت نکل جاتی تھی اور دوسری شاخ بل کھاتی ہوئی وادی لیطانی اور البکا (مکہ) سے گزرتی تھی پھر البکا والی شاخ اور ساحلی شاخیں نہر کبیر کے راستے قدلیس کے مقام پر مل جاتی تھیں۔"(تاریخ البنان:۸۰۔۸۱)

روم لانڈ واس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ قدیم زمانہ میں عالمی شاہراہ تجارت میں بڑی اہمیت کا اڈہ تھا:

"اور حق بات تو یہ ہے کہ مکہ جس میں کعبہ قائم ہے،قدیم زمانہ سے ہی عربوں کے نزدیک بے حد قابل تعظیم ہے۔قافلے صحرا میں دور دراز سے سفر کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتہائی مصائب و آلام سے گزر کر پہنچتے تھے۔قافلوں کی اس شاہراہ پر مکہ بہت بڑی اہمیت کا اڈہ تھا۔سفر کے دوران سوار،سواریاں اور سارا سامان ریت اور گرد و غبار سے بری طرح متاثر ہو جاتا تھا۔جلا دینے والی دھوپ اور بے آب و گیاہ صحرا قافلوں کیلئے جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔لیکن مکہ جسم اور روح دونوں کی تسکین اور سرور کا مقام تھا۔جب قافلے یہاں پہنچتے تو جان میں جان آجاتی اور یہاں پڑاؤ کرتے اور اس جگہ ہندی اور رومانی مال تجارت کا تبادلہ بھی کرتے تھے۔"

مغربی مؤرخین کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی قدیم زمانہ سے مشرق اور مغرب کی تجارتی شاہراہ پر مکہ معظمہ ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور اس عالمی شاہراہ پر یہاں بہت بڑی منڈی تھی۔ان دلائل و براہین کی موجودگی میں کیا مکہ معظمہ کی قدامت کا انکار ممکن ہے؟

اب تک تورات،انجیل،زبور،یونانی،مسیحی اور یہودی تاریخوں کے جو حوالہ جات بیان کئے گئے ہیں،ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

۱۔ مکہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل نے آباد کیا تھا۔
۲۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ نے مل کر بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔
۳۔ ان کی آمد سے پہلے جرہم مکہ کے قرب و جوار میں موجود تھے جن کی ایک دوشیزہ سے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ نے شادی کی۔
۴۔ ۱۸۰۰ قبل مسیح میں سیدنا یعقوب کے وقت جس قافلہ کے ہاتھ سیدنا یوسف کو فروخت کیا گیا تھا،وہ اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے۔
۵۔ جرجی زیدان کے بقول ۱۸۰۰ قبل مسیح میں عمالقہ نے عراق سے ہجرت کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔
۶۔ پطرس بستانی کے بقول ۱۵۰۰ قبل مسیح میں یہود بابل سے ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہوئے تھے۔
۷۔ زبور کی تصریح کے مطابق ۱۰۰۰ قبل مسیح میں سیدنا داؤد بیت اللہ شریف کے دیدار کے لئے سخت بیتاب تھے۔
۸۔ پطرس بستانی کے بیان کی روشنی میں بیت اللہ کا حج ۱۵۰۰ قبل مسیح سے بہت زمانہ پہلے شروع ہو چکا تھا۔
۹۔ ۱۰۰ قبل مسیح میں یونانی مؤرخ دیودورس الصقلی نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔
۱۰۔ ۵۰ عیسوی میں پری پلوس وَف دی اری تھرائن نے بیت اللہ کا ذکر کیا۔
۱۱۔ دوسری صدی عیسوی میں میکسی مس نائرس،بلینیوس الطبیعی اور بطلیموس نے مکہ مکرمہ کے حالات بیان کیے۔

اس قدر روشن دلائل اور ٹھوس ثبوت کے باوجود بھی یورپین مورخین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو پھر ان کا قصور نہیں بلکہ وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم ان کی فطری جبلت کو بدلنے کی استعداد نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہی انہیں ہدایت کی لازوال دولت سے مالا مال فرمائے۔ہم نے اپنے دعوے کی تصدیق ان کی مایہ ناز کتابوں سے پیش کردی ہے۔اگر ان میں جرأت ہے تو ان حقائق کو جھوٹا ثابت کر کے دکھائیں۔

فصل نمبر 2:

مردم شماری

اس مقدس شہر کی آبادی کی تعداد علامہ قطب الدین نے ۹۲۳ھ میں مردوں، عورتوں اور بچوں سمیت ۱۲۰۰۰ بیان کی تھی۔

(اعلام الاعلام: ۲۸۵)

بعد ازاں علامہ فواد ہاشم نے مختلف ادوار میں حسب ذیل اعداد و شمار بیان کیے ہیں:

۱۲۵۰ھ میں ۱۸۰۰۰۔

۱۷۹۱ء میں ۲۵۰۰۰۔

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ھ میں ۱۰۰۰۰۰ (یہ صرف مردوں کی تعداد ہے۔)

علامہ رفعت پاشا نے ۱۳۲۷ھ میں ۱۲۰۰۰۰۔

التجونی نے ۱۳۲۹ھ ۱۵۰۰۰۰۔

۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء ۲۰۰۰۰۰۔

علامہ لبیب بتنونی نے چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جو اعداد و شمار بیان کیے ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اہالی	۵۰۰۰۰	جاوا	۱۵۰۰۰
اعراب	۲۵۰۰۰	سلیمانیہ اور افغان	۱۰۰۰۰
بخارا	۲۰۰۰۰	شورم	۵۰۰۰
ہندوستان	۱۲۰۰۰	مغربی	۵۰۰۰

مختلف ممالک ۸۰۰۰۔

اس طرح مجموعی تعداد ۱۵۰۰۰۰ ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق ۱۹۶۲ء میں ۲۵۰۰۰ مردم شماری تھی۔مگر جدید ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں تین لاکھ کا تخمینہ بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح عربی کی مشہور عالم لغت منجد میں بھی تین لاکھ تعداد بتائی گئی ہے۔۲۳ مارچ ۱۹۷۶ء میں تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار سات سو ایک تعداد تھی۔

سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

''مکہ کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب ہے، یہ شہر سعودی عرب کی مشہور بندرگاہ جدہ سے تقریباً ۶۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔اس کے مشرق میں طائف، مغرب میں جدہ، شمال کی طرف مدینہ منورہ اور جنوب کی طرف عمیر اور اس سے ذرا آگے یمن ہے۔''

۲۰۱۳ء میں مکہ مکرمہ کی خالص آبادی بارہ لاکھ کے قریب ہے، غیر ملکی لوگ بھی دو لاکھ کے قریب آباد ہیں۔حج کے موسم میں

مکہ مکرمہ میں ایک تخمینے کے مطابق پچپن لاکھ لوگ ہوتے ہیں۔

فصل نمبر 3:

قہوہ خانے

عرب کے دستور کے مطابق مکہ مکرمہ میں بھی بکثرت قہوہ خانے پائے جاتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ ہوٹل کا روپ دھار چکے ہیں۔ ڈاکٹر لی بان فرانسیسی قہوہ خانہ کی کیفیات اس طرح بیان کرتا ہے:

''قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ چٹائیوں، قہوہ کے پیالوں اور نارگیلوں (چلم) کے سوا کوئی سامان ان میں نہیں ہوتا، لیکن جو قہوہ یہاں بنایا جاتا ہے وہ اس قدر نفیس ہوتا ہے کہ یورپ واپس آنے کے بعد سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو از سر نو اس بے مزہ اور بے لطف جوشاندہ کا عادی کرنا پڑتا ہے، جسے ہمارے ہاں قہوہ کہتے ہیں۔''

ہمیں معلوم ہے کہ مشرق میں قہوہ کا استعمال بالکل جدید ہے۔ تمدن عرب کے عروج کے وقت نہیں تھا، قہوہ پیتے وقت اس خوشبودار اور مزیدار تمبا کو پینے کا بھی دستور ہے جس کی محض مصنوعی نقل یورپ سے آئی ہے۔

یہ تمباکوا کثر لمبے، پیچ والی نارگیلیوں میں جن کی کئی شکلیں ہوتی ہیں، پیتے ہیں۔ یہ نارگیلیاں اس طرح بنی ہیں کہ دھواں پینے والے کے منہ میں آنے سے پہلے پانی میں سے گزرتا ہے جس کی وجہ سے تمباکو کی بو رفع ہو جاتی ہے۔ نارگیلی کا تمباکو پہلے پانی میں بھگوتے ہیں پھر باریک کپڑے میں نچوڑ لیتے ہیں۔ تمباکو چلم پر رکھا جاتا ہے اور پھر اس پر دہکتے ہوئے کوئلے کا ٹکڑا رکھ دیتے ہیں، بعد ازاں نیچے والے سرے کو منہ سے کھینچتے ہیں اور ذرا سی کش لگانے سے دھواں منہ میں آجاتا ہے۔

اگرچہ حجاز اور دیگر ممالک میں ''قہوہ خانہ'' کے قیام کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہوسکی، مگر کم از کم پانچ سو سال سے ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ قہوہ خانہ میں روح اور بدن کو خوش کرنے کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ ہر طرح کے پھل، کھانا، پانی اور دیگر مشروبات دن رات ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔

ان میں جو سامان استعمال ہوتا ہے اس کی تفصیلات اس طرح ہیں:

لکڑی کی میز جن کی لمبائی قد انسانی کے برابر اور زمین سے تین فٹ اونچی ہوتی ہیں، ایک کرسی پر تین آدمی آسانی سے اور ضرورت کے وقت چار بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ میزوں کے پائے لکڑی کے ہوتے ہیں اور بیٹھنے کی جگہ کھجور کی رسی سے بنی ہوتی ہے۔ یہی میز چارپائی کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں جن پر سردی اور گرمی ہر موسم کے مطابق بستر لگا دیئے جاتے ہیں۔ لوگ دن رات انہی پر سوتے ہیں۔

ان قہوہ خانوں میں پانی اور چائے وغیرہ پینے کے لئے مٹی کے گلاس اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ کہیں کہیں ٹین کے نفیس گلاس بھی پائے جاتے تھے۔ زائرین اور حجاج کی سہولت کیلئے قہوہ خانے دن رات کھلے رہتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں رابغ، ینبوع، مستورا اور دوسری جگہ بھی قہوہ خانے موجود ہیں۔ ان میں ٹھنڈا پانی، مچھلی، لوبیا، انڈے، چاول، مسور، گوشت اور پھل وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

اس زمانہ میں بھی یہ قہوہ خانے مکہ مشرفہ کے باہر اور مدینہ منورہ کے راستہ میں بہت سی جگہوں پر موجود ہیں۔ جہاں استراحت کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی تمام چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ قہوہ خانے اب جدید سے جدید سہولیات سمیٹے ہوئے ہیں۔

فصل نمبر4:

ہوٹل (فندق)

مکہ مکرمہ بلکہ پورے حجاز میں ایسے ہوٹلوں کا کہیں نام ونشان نہیں تھا، جو ریسٹوران کی حیثیت رکھتے ہوں اوران میں مسافروں کے قیام وطعام کا انتظام ہو۔اگرچہ مکہ معظمہ میں ہر دور میں ایسی عمارتیں موجود رہیں ہیں جنہیں حجاج قیام کے لئے استعمال کرتے تھے جو ''رباط'' یعنی مسافرخانہ کہلاتی تھیں، لیکن ریسٹورنٹ نہیں تھا۔ بلکہ ۱۳۵۲ھ تک پورے سعودی عرب میں ایسا کوئی ہوٹل نہیں تھا۔

جب لوگ مکہ مکرمہ سے جدہ یا جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ یا کسی دوسرے شہر میں سفر کرتے، تو وہاں اپنے رفقاء اور شناسا لوگوں کے ہاں بطور مہمان قیام کرتے یا پھر تھوڑی یا طویل مدت کے لئے کسی کا مکان کرایہ پر لیتے اور اگر کوئی سرکاری مہمان ہوتا تو وہ ریسٹ ہاؤس میں قیام کرتا۔اسی طرح حجاج اپنے وکلاء کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔

الاستاذ ابراہیم عبدالقادر المازنی بھی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ جدہ میں کوئی ریسٹوران نہیں ہے۔آنے والے مسافر اپنے واقف کار لوگوں کے پاس یا پھر کرائے کے مکان میں قیام کرتے ہیں۔مکہ معظمہ میں سب سے پہلا ریسٹوران ۱۳۵۵ھ میں فندق مصر محلہ جیاد میں مصر کی وزارت مالیات نے بنایا تھا۔ جو بے حد خوبصورت اور بڑا تھا، جسے ۱۳۶۶ھ میں الشیخ کعکی نے خرید لیا۔ پھر اس کے بعد آٹھ فندق اور بن گئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

فندق مصر۔	فندق السلام۔	فندق الحرم۔	فندق عرفات۔
فندق التیسیر۔	فندق شبرا۔	فندق ام القریٰ۔	فندق مکہ۔
فندق بالاس۔			

آج کل ان کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی ہے۔حرم محترم کے چاروں طرف فلک بوس ہوٹل اپنی نرالی شان دکھارہے ہیں۔اس کے علاوہ بھی بعض شاہراہوں پر اسی طرح کے خوبصورت، بلند و بالا ہوٹل موجود ہیں۔صرف حرم کے اردگرد جو بڑے بڑے ہوٹل ہیں ان کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

خوقیر ہوٹل، محلہ جیاد کے سامنے ۱۳ منزلہ ہے۔ جو تمام ہوٹلوں سے بڑا ہے۔اس کے ساتھ ہی غربی سمت شبرا ہوٹل ۱۲ منزلہ ہے۔مروہ کی جانب باب السلام کے سامنے تقریباً ایک سوگز کے فاصلہ پر عمارت الاشراف کی دوسری منزل میں فندق زمزم واقع ہے۔سبز رنگ کی ٹیوبیں جوڑ کر انتہائی خوبصورت ''فندق زمزم'' لکھا ہوا ہے۔عمارت الاشراف مکہ مکرمہ کی تمام عمارتوں سے بڑی ہے۔باب عمرہ کے سامنے مکہ ہوٹل ۱۲ منزلہ عمارت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی ۹ منزلہ عمارت میں ہوٹل عرفات واقع ہے۔اس کے ساتھ ہی درج ذیل فندق موجود ہیں:

قطب الدین۔	فندق الانصار۔	فندق افریقیا۔	فندق الحرم۔
فندق الفتح۔	فندق المدینہ۔	فندق القطان۔	فندق الصفاء۔

جدہ روڈ پر جہاں مکہ مکرمہ کی آبادی ختم ہورہی ہے، سڑک کے دائیں جانب فرانسیسی طرز کی ایک ماڈرن قسم کی عمارت میں ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل واقع ہے اور اس کے بالمقابل بائیں جانب غلاف کعبہ بننے کا کارخانہ ہے۔

محلہ جیاد میں پاکستانی ہوٹل واقع ہے۔ جہاں صرف پاکستانی طرز کا کھانا ملتا ہے جو بازار کی نسبت رعائت بھی ہوتا ہے۔

قدیم دور میں مکہ مکرمہ کے مشہور مسافر خانے درج ذیل تھے:

رباط السدرۃ۔	رباط المراغی۔
رباط الامیر۔	رباط ام الخلیفہ الناصر العباسی۔
رباط الشیخ ابی حفص۔	رباط الحافظ بن مندہ اصفہانی۔
رباط الفقاعیہ۔	رباط السیانشی۔
رباط شارع السویقہ۔	رباط القربہ۔
رباطہ صالحہ۔	رباطہ القزوینی۔
رباط الزنجیلی۔	رباط الخوزی۔
رباط الشیخ ابی القاسم۔	رباط الشریف بن عجلان۔
رباط الجمال محمد بن فرج۔	رباط بادل زقاق اجیات۔
رباط علی۔	رباط السلطان شاہ شجاع۔
رباط بانیاسی۔	رباط الخیزران۔
رباط العباس۔	رباط ابی القاسم ابن کلالہ۔
رباط المعروف بہ ابوالعباس احمد۔	رباط الاجلاتی۔
رباط عطیہ بن خلیفہ۔	رباط ابی سماہہ۔
رباط ابراہیم بن محمد اصفہانی۔	رباط سعید الہندی۔
رباط قبالہ۔	رباطہ ابی قتیبہ۔
رباط بیت المؤذنین۔	رباطہ الدریبہ۔
بیمارستان۔	رباط زاویہ۔
رباط ام سلیمان۔	رباط غزی۔
رباط ربیع۔	رباط بنت التاج۔
رباط السکینہ۔	رباط الحزامیہ۔
رباط الدوری۔	رباط السبیہ۔
رباط الوزاق۔	رباط بیت الحزالی۔
رباط للنسوہ۔	رباط ابی رقیبہ۔
رباط العضیف۔	رباط الطویل۔
رباط جہنیہ۔	رباط ابن سوداء۔
رباط ابن غنائم۔	

فصل نمبر 5:

اہل مکہ کی خوراک

شیخ رفعت پاشا اہالیان مکہ کی خوراک کے متعلق لکھتے ہیں:

''لباس کی طرح خوراک بھی عمدہ اور پرتکلف ہوتی ہے۔ قسم قسم کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں جن میں ہندی، مغربی، شامی، ترکی اور مصری وغیرہ ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ مکہ کے لوگ مہمان نوازی میں بے حد فیاض ہیں۔ مہمان اور میزبان قالین پر بیٹھتے ہیں، پہلے قہوہ سے تواضع کی جاتی ہے اور پھر باری باری ہر قسم کا کھانا رکھتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دن میں دو وقت صبح اور عصر کے بعد کھانا کھاتے ہیں البتہ قہوہ سارا دن چلتا رہتا ہے۔'' (مراۃ الحرمین)

قدیم زمانہ میں مکہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے تھے بلکہ بازار سے پکواتے تھے۔ شہر میں مختلف مقامات پر روٹی پکانے والے چولہے ہوتے تھے جن میں لکڑی جلائی جاتی تھی۔ لوگ گھروں میں آٹا گوندھ کر پیڑے بناتے اور لکڑی کی ایک تختی پر رکھ کر بچوں یا نوکروں کو دے کر چولہے پر بھیج دیتے۔ وہاں صبح سے شام تک خوب بھیڑ رہتی تھی۔ لوگ بازار کی دکانوں سے روٹی قطعاً نہیں کھاتے تھے، بلکہ گھر میں آٹا گوندھ کر بازار سے پکواتے تھے۔ البتہ غریب اور مزدور جنہیں آٹا میسر نہیں آتا تھا وہ بازار سے کھاتے تھے۔

۱۳۷۵ھ میں جب مکہ مشرفہ میں تمدنی اور عمرانی تہذیب عروج پر تھی اور قدیم طرز کی پرانی اور بوسیدہ عمارات کی جگہ بلند و بالا، عالیشان اور مضبوط محلات تیار ہونے لگے، تو جن مقامات پر چولہے تھے وہاں بھی مکان بن گئے۔ صرف چند جگہیں جو جدید تعمیراتی منصوبہ سے متاثر نہیں ہوئی تھیں، وہاں چولہے باقی رہ گئے، لیکن جہاں ہر ایک چیز میں ترقی ہو رہی تھی اس نظام میں بھی تبدیلی ناگزیر تھی۔ بنابریں تیل سے جلنے والے لوہے کے چولہے استعمال ہونے لگے۔ جن پر پکائی ہوئی روٹی قدیم طرز کے چولہوں کی نسبت زیادہ عمدہ اور لذیذ ہوتی تھی جسے اہل مکہ نے بہت زیادہ پسند کیا اور گھروں میں آٹا گوندھ کر روٹی پکوانے کی بجائے تیل کے چولہوں پر پکی ہوئی روٹی بڑی رغبت سے خریدنے لگے۔ یہاں تک کہ امیر، وزیر، فقیر اور غریب ہر طبقہ کے لوگوں نے بازار سے خریدنا شروع کر دی۔ اگرچہ گھر سے آٹا گوندھ کر پکوائی جانے والی روٹی کی نسبت یہ مہنگی تھی۔ اب تو گھر میں روٹی پکانے کا دستور ختم ہو گیا ہے۔ تقریباً نصف صدی پہلے لوگوں نے گھروں میں کھانا پکانا اور سردی کے ایام میں آگ تاپنے کے لئے چولہے بنا رکھے تھے، جن میں لکڑی یا کوئلہ جلایا جاتا تھا، لیکن ۱۳۴۳ھ کے بعد تیل سے جلنے والے چولہے اور بجلی کے ہیٹر استعمال ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۳۷۳ھ میں لکڑی جلانے کا رواج تقریباً ختم ہو گیا۔

اب تیل سے جلنے والے چولہے بھی بہت کم استعمال ہوتے ہیں بلکہ فان گیس کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور بازار میں چولہوں پر روٹی پکانے کا طریقہ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ ان کی جگہ ہر محلہ میں دو دو، تین تین تنور لگے ہوئے ہیں جن میں لکڑی جلائی جاتی ہے۔ البتہ گھروں میں روٹی پکانے کا طریقہ مفقود ہے۔ تنور سے تازہ روٹی ملنے کے علاوہ بیکری سے بھی روٹی ملتی ہے جو مختلف نام سے پکاری جاتی ہے۔ مثلاً: صمولی، گول اور لمبی روٹی، عیش، موٹی روٹی، تمیز، تنوری روٹی، شامی، نان کی مانند اور ابوثمن، گھر والی روٹی، لوگ گھروں میں ترکاری پکا لیتے ہیں اور روٹی بازار سے خریدتے ہیں۔ ترکاری میں سرخ مرچ قطعاً استعمال نہیں کرتے صرف کالی مرچ استعمال ہوتی ہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں آٹومیٹک بیکریاں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ یہ مشین گاڑی میں نصب ہوتی ہے اور جہاں ضرورت ہو اسے لے جاتے ہیں۔ حج کے دنوں میں شہر کے علاوہ منیٰ اور عرفات میں بھی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس مشین میں آٹا اور پانی حسب ضرورت

ڈال دیا جاتا ہے اور پکی پکائی روٹی برآمد ہوتی ہے۔

ہنڈیا پکانے کیلئے حسب ذیل اشیاء دستیاب ہیں:

اونٹ، دنبہ، بکرا اور گائے کا گوشت بکثرت ملتا ہے۔

مرغی اور مچھلی بھی خوب فروخت ہوتی ہے۔

سبزیاں تقریباً سبھی دستیاب ہے۔ مثلاً: شلغم، مولی، گاجر، پیاز، بینگن، سبز توری، بھنڈی توری، گھیا، حلوہ کدو، لوکی، پھول اور بند گوبھی۔

مٹر، ٹماٹر، سبز موٹی مرچ، آلو، کریلہ۔

فریش بین اور دالوں میں دال چنا، دال مونگ، دال مسور، لوبیا وغیرہ۔

پھلوں میں کھجور، آم، مالٹا، تربوز، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، سیب، امرود، کیلا، انناس، ناشپاتی، انگور اور انار وغیرہ ہر موسم کے پھل اور سبزیاں سارا سال ملتے ہیں۔

چائے عموماً بغیر دودھ کے استعمال کرتے ہیں جسے اسود کہتے ہیں۔ تیز گرم پانی گلاس میں ڈال کر چینی اور لپٹن ٹی پیک ڈال دیا جاتا ہے جس سے چائے تیار ہو جاتی ہے۔ دودھ اکثر خشک استعمال ہوتا ہے جس میں نیڈو، نیسلے اور لیکوٹ زیادہ عمدہ ہے۔ بند ڈبوں میں لیکوڈ دودھ بھی ملتا ہے جو وادی فاطمہ میں پیک کیا جاتا ہے۔ گائے اور بکری کا کچا اور پکا دودھ بھی مل جاتا ہے۔ دہی اور ملائی گتے اور ٹین کے ڈبوں میں بند ملتی ہے۔

اہل مکہ سبز قہوہ، سونٹھ کا قہوہ اور پودینہ کا قہوہ بھی بڑے ذوق سے پیتے ہیں۔

ابھی جدید بیکری کے کھانے اور پیک کھانے کے ساتھ ساتھ بکرے میں چاول بھر کر پکانے کا اور ان لذیذ کھانوں کو کھانے کا بہت رواج ہے۔ اہل مکہ کو اللہ کے گھر کی برکت سے وہ کھانے اور پھل میسر ہیں جو دنیا جہاں کے امراء کو بھی میسر نہیں ہیں۔ یہاں کھانا انتہائی سستا ہے کہ چند ریالوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا جا سکتا ہے۔

جو پھل دنیا کے کسی حصہ سے نہ ملتا ہو، نایاب ہو اور مہنگا ترین ہو وہ مکہ سے ضرور مل جاتا ہے۔

فصل نمبر 6:

اہل مکہ کے مشروبات

مکہ مشرفہ کے لوگ مہمان نوازی کے وصف میں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ مہمان کی دلجوئی اور دلداری پر جان قربان کرتے ہیں۔ زائرین کی آمد یا مختلف خوشی کے مواقع مثلاً: عید، شادی، بچوں کا ختنہ اور بچوں کا حفظ یا ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے موقع پر شربت سے تواضع کی جاتی ہے۔

علامہ ازرقی لکھتے ہیں:

''اہل مکہ مٹی کے مٹکے یا تانبے کے گاگر پانی سے بھر کر ان میں شکر ڈالتے اور پھر اسے رنگدار بنانے کیلئے زرد، سرخ، سبز یا گلابی رنگ ڈالتے۔ عراق گلاب، کیوڑہ یا مصطگی سے خوشبودار بنا کر خوش ذائقہ بنانے کی خاطر ناٹری یا لیموں دستیاب ہوں تو وہ نچوڑ لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد شیشے کے گلاسوں میں بھر کر مہمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس طرح کا

شربت مخصوص تقریبات میں پیش کیا جاتا تھا۔شربت پلانے کے بعد قہوہ پلایا جاتا تھا۔اس کے علاوہ بازار میں حسب ذیل مشروبات فروخت ہوتے تھے:

شربت تمر ہندی۔ شربت انگور۔
شربت کھجور۔ شربت لیمن۔

خشک روٹی کا مخصوص طریقہ سے تیار کردہ شربت وغیرہ۔شربت سے مٹکا بھر کر قدرتی ہوا یا ہاتھ کے پنکھے سے ٹھنڈا کر کے اسے لذیذ بنانے کی خاطر تخم ریحان ڈالتے تھے۔جب کوئی شخص دکاندار سے شربت طلب کرتا تو وہ شیشے کے گلاس میں تر شدہ تخم ریحان ڈال کر اس میں شربت ڈالتا اور پھر گاہک کو پیش کرتا۔اس شربت کو''القازوزہ'' کہتے تھے۔''

اس نوعیت کے مشروبات ۱۳۸۵ھ سے تقریباً ۳۰ سال پہلے استعمال ہوتے تھے،لیکن بعد میں ان کی جگہ مختلف قسم کے نئے مشروب آ گئے۔شربت گلاب،شربت اورنج،شربت توت اور شربت انار وغیرہ یہ مصر اور شام میں تیار ہوتے تھے۔

۱۳۷۰ھ میں جب برف دستیاب ہونے لگی تو کوکا کولا،اورنج،برتقال،پیپسی،مرنڈا،التفاح اور سینال کو وغیرہ بھی آنا شروع ہو گئے۔کوکا کولا کے مالکان شیخ صدقہ اور شیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جدہ میں فیکٹری لگائی۔یہ مشروبات بوتلوں میں بند ہوتے ہیں اور انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے برف میں لگایا جاتا ہے جس سے یہ بے حد لذیذ بن جاتے۔

اب تو دن بدن جدید اور لذیذ مشروبات بکثرت ملتے ہیں۔کیلا،مالٹا،خربوزہ کا جوس،جو کا پانی،پیپسی کولا،مینگو،لیمن،اورنج سکوائش کے علاوہ گتے کے ڈبہ میں سن ٹاپ جو پائپ (''سٹرا'') لگا کر پیا جاتا ہے،بھی دستیاب ہے۔اکثر مشروب ٹین کے ڈبوں میں بند ہوتے ہیں۔ڈھکن میں ایک چھوٹی سی پتری ایسی عمدگی سے لگی ہوتی ہے،جسے ہاتھ سے پکڑ کر اتار دیا جاتا ہے اور اس سوراخ سے مشروب پیتے ہیں۔

مہمان نوازی میں اس قدر زیادہ تکلف کیا جاتا ہے کہ متوسط درجہ کے لوگ بھی متعدد اقسام کے کھانے ضیافت میں پیش کرتے ہیں۔

ناشتہ کی ایک دعوت جہاں صاحب خانہ صرف سادہ چائے کی دعوت دیتا اور اپنی معذوری کا بار بار اظہار بھی کرتا ہے،درج ذیل چیزیں شامل ہوتی ہیں:

پراٹھا۔ فرائی انڈہ۔ ڈبل روٹی۔ گوشت۔
مکھن۔ پنیر۔ زیتون کا اچار۔ حلوہ۔
پیسٹریاں۔ بسکٹ۔ مٹھائی۔ کیک۔
چائے۔

ایک مرتبہ شاہی دعوت جس میں سینکڑوں آدمی مدعو تھے،کھانے کا انتظام ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا۔جب لوگ اندر جانے لگے تو ہال کے وسط میں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آیا۔تعجب ہوا کہ شاہی مہمان خانہ میں اونٹ کا کیا سروکار؟ لیکن چند ہی لمحوں میں شاہی خدام چھریاں لیکر اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کا پیٹ چیر کر ایک بکرا نکالا،بکرے کے پیٹ سے مرغ اور مرغ کے پیٹ سے تیتر نکالا اور یہ تمام چیزیں بڑی عمدگی سے روسٹ کی ہوئی تھیں۔بعد ازاں مہمانوں نے انہیں چھریوں سے کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔

کھانا تو کیا تھا مہمان اس سوچ کی موج میں گم تھے کہ انہیں کس طرح روسٹ کیا گیا اور پورا اونٹ پکانے کیلئے اتنے بڑے برتن کیسے مہیا کئے اور پھر اس کے پیٹ میں دوسرے جانوروں کو کس عمدگی سے پکایا اور سجایا گیا۔

حج کے موقع پر بڑی بڑی پر تکلف دعوتیں ہوتی ہیں جن میں سے الشیخ بن باز وزیر تعلیم کی دعوت خدیقۃ الزہرا میں تمام ممالک کے سربرآوردہ علماء کرام کی ہوتی ہے۔ دعوت میں متعدد مرغن کھانوں کے ساتھ سالم بکرے بھی بھنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مہمانوں کو قالین پر بٹھا کر کھانا پیش کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں شیخ بن باز چونکہ بدوی ہیں اس لئے منیٰ میں اپنے خیمہ کے اندر جہاں قیمتی قالین بچھے ہوتے ہیں، بدوؤں کی قہوہ سے ضیافت کرتے ہیں۔ یہ دور دن رات چلتا رہتا ہے اور اس میں بے مثال سادگی کا منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

فصل نمبر 7:

خوشبو اور بستر

اہل مکہ خوشبو کا استعمال اس کثرت سے کرتے ہیں کہ مہمانوں کو بھی خوشبو سے معطر کر دیتے ہیں۔ چارپائی کا استعمال ابھی تک بہت کم ہے، فرش پر قالین اور غالیچے ہوتے ہیں جن پر تکیہ رکھ کر سوتے ہیں۔ اب تو فوم کے گدے، تکئے اور لحاف بھی استعمال ہونے لگے ہیں۔ نیز بیش بہا قیمتی صوفہ سیٹ بھی گھروں کی زینت بن گئے ہیں۔

فصل نمبر 8:

مٹھائیاں

مکہ مکرمہ میں نہ تو کوئی حلوائی کی دکان تھی، نہ ہی ٹافیوں اور چاکلیٹوں کی کوئی صنعت، البتہ ہندوستانی حجاج اپنے ساتھ لڈو، جلیبی، برفی، نمک پارے اور دیگر اقسام کی مٹھائیاں لے جاتے تھے اور اسی سے مٹھائی کی ضرورت پوری کی جاتی۔

۱۳۷۴ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے سب سے پہلے مٹھائی کا کارخانہ بنایا۔ اب مختلف قسم کی ٹافیوں اور چاکلیٹوں سے بڑی بڑی دکانیں بھری پڑی ہیں اور اب تو غیر ملکی مصنوعات کثرت سے آتی ہیں جو بے حد لذیذ، خوش ذائقہ اور عمدہ ہیں۔

فصل نمبر 9:

مچھلی کی درآمد

حجاز میں لفظ حوت اور سمک ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ دوسرے ممالک میں چھوٹی مچھلی کو حوت اور بڑی کو سمک کہتے ہیں۔ حجاز کے ساحلی شہروں جدہ، رابغ، ینبوع، المواقع اور اللیث میں مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ ماضی اور حال میں مکہ شریف میں تین قسم کی مچھلی دستیاب ہے۔ ماضی میں تازہ مچھلی نہیں ملتی تھی بلکہ جدہ سے تیل میں بھنی ہوئی مچھلی کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے ہوادار ٹوکروں میں بند کر کے جسیم اور طاقتور گدھوں پر لائی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ پہلے سے بھنی ہوتی تھی مگر گرمی سے خراب ہونے کے خطرہ کے پیش نظر دن کو سفر کرنے کی بجائے یہ قافلے مغرب کے قریب جدہ سے چل کر صبح سویرے مکہ پہنچ جاتے تھے۔

اونٹوں کی رفتار ان کی نسبت کم ہوتی تھی۔ اونٹ جدہ سے مکہ کا سفر دو راتوں میں طے کرتے تھے۔ پہلی رات سفر کے ''بحیرہ'' نامی گاؤں جو مکہ اور جدہ کے درمیان واقع ہے میں قیام کرتے، اور دوسری رات کو وہاں سے روانہ ہو کر صبح مکہ شریف پہنچ جاتے۔ دن کے وقت گرمی کی شدت کے باعث سفر کرنا سخت تکلیف دہ ہونے کے علاوہ مچھلی خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا تھا۔ اس لئے اونٹوں پر مچھلی نہیں

لاتے تھے۔ یہ بھنی ہوئی مچھلی مکہ کے دکاندار خرید کر دوبارہ بھون کر فروخت کرتے تاکہ خراب نہ ہو جائے۔

یہ طریقہ قدیم زمانہ میں پایا جاتا تھا، لیکن جب سعودی حکومت میں موٹر گاڑیوں کا عام استعمال ہونے لگا تو جہاں سفر میں بے حد آسانی اور آسائش ہوئی وہاں سامان کے نقل وحمل میں بھی بہت زیادہ سہولت ہوگئی۔ علاوہ ازیں ریفریجریٹر اور برف کے استعمال سے مچھلی تازہ دستیاب ہونے لگی۔

جدہ، رابغ اور ینبوع میں رات کے وقت مچھلی پکڑی جاتی اور صبح سویرے مکہ شریف پہنچ جاتی، جب کہ مچھلی اسی طرح تر وتازہ ہوتی تھی۔ مکہ میں زقاق الوزیر میں منڈی لگتی جہاں سے دکاندار خرید کا صندوق میں برف لگا کر رکھ لیتے۔ اس طرح دو تین دن تک تازہ رہتی۔ جدہ سے روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر مچھلی آتی اور آنے کا مدار پہلا مال فروخت ہونے پر ہوتا تھا۔

اس زمانہ میں تیسری قسم خشک مچھلی بھی ہے جو کئی ماہ تک خراب نہیں ہوتی۔ یہ زیادہ تر جھینگا مچھلی ہوتی ہے جو جدہ اور دوسرے شہروں سے خشک ہی درآمد کی جاتی ہے۔

مکہ کے لوگ مختلف طریقہ سے مچھلی پکاتے ہیں مگر زیادہ تر سالم تلی ہوئی پسند کرتے ہیں۔ جدہ والے مچھلی پکانے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ قدرتی طور پر مچھلی کا گوشت، پرندوں، مرغی اور دوسرے گوشت کی نسبت زود ہضم اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔

یہ کیفیات اور حالات آج سے پندرہ برس پہلے کے تھے۔ مگر اس وقت مچھلی اور سبزیاں فروخت کرنے کیلئے ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں استعمال کی جاتی ہیں اور پھر ان اشیاء کو تر وتازہ رکھنے کے لئے کولڈ سٹورز میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ جس کی بناء پر ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں تک خراب نہیں ہوتیں۔

فصل نمبر 10:

مرغی خانے

مکہ مشرفہ میں دیسی مرغیوں اور انڈوں کا رواج کچھ عرصہ پہلے تک موجود تھا، لیکن ۱۳۷۲ھ میں پولٹری مرغیوں اور انڈوں کا استعمال کثرت سے شروع ہو گیا۔ اگرچہ ابتداء میں دیسی مرغ اور انڈے وافر مقدار میں مل جاتے تھے، لیکن پولٹری مرغیوں اور انڈوں کی اس قدر بہتات ہوئی کہ رفتہ رفتہ دیسی مرغیاں اور انڈے مکہ سے غائب ہو گئے۔

چوزے جنہیں مکہ والے "الفراخ" اور مصری "الکتاکیت" کہتے ہیں، باہر سے درآمد کئے جاتے ہیں اور انہیں مخصوص مرغی خانوں میں جہاں ایک دو کمرے ٹھنڈے بنے ہوتے ہیں، رکھا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ان کی مخصوص خوراک اور نگہبانی کے لئے ایک تجربہ کار آدمی بھی رکھا جاتا ہے۔

مرغی خانے کو "مزرعۃ الدواجن" کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں صرف تین مرغی خانے تھے۔ سب سے پہلے مزرعۃ فقیہ الدواجن قائم ہوا، پھر مزرعۃ الشیخ عبداللہ کعکی اور بعد میں مزرعۃ عبداللہ کوبر۔

اس کاروبار میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اب دیسی مرغ بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں اور دیسی انڈوں کا کہیں وجود نہیں ہے جب کہ پولٹری مرغ اور انڈوں کی جا بجا دکانیں پائی جاتی ہیں جن پر خریداروں کا ہر وقت جم گھٹا رہتا ہے۔

فصل نمبر 11:

مکہ مکرمہ کی بعض مشہور سبیلیں

مکہ مکرمہ میں درج ذیل سبیلیں ہیں:

سبیل عطیہ ابن ظہیرہ مکہ کی بالائی جانب۔
صفامروہ کے قریب۔
سبیل لابن علجد۔
سبیل سیدنا قاضی زین الدین، حجون کے قریب۔
سبیل سعد الدین۔
سبیل عامرہ۔
سبیل قاضی الدین۔
سبیل معلم عبدالرحمٰن بن عقبہ۔
سبیل بنت القاضی۔
سبیل الجوحی۔
سبیل سیدہ ام حسین۔
سبیل قاسم الزکی، مسجد رایہ کے قریب۔
سبیل ام سلیمان۔
سبیل المطیر۔
سبیل ابن ضداد۔
سبیل سید شریف حسن۔
سبیل سعد الدین۔
سبیل الزنجیلی۔
سبیل الملک المنصور یمنی۔

فصل نمبر 12:

مکہ مشرفہ کے ہسپتال

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ ہسپتال نہیں تھا۔ البتہ شریف حسین بن علی کے دور میں جیاد اور المدعا میں دو ہسپتال قائم ہوئے۔ پہلے کا نام مستشفیٰ اجیاد اور دوسرا مستشفیٰ القبان کے نام سے مشہور تھا۔ ان دونوں میں تقریباً پانچ اطباء کام کرتے تھے اور تمام امراض کا تسلی بخش علاج ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں مروہ کے قریب ایک چھوٹی ڈسپنسری ''حسنین'' کے نام سے تھی۔ اس کے بعد ''فاتة الشفاء'' کے نام سے ایک دکان حرم شریف کے قریب باب القطبی اور باب الباسیسہ کی جانب شروع کی گئی۔ ان کے علاوہ کچھ پنسار کی دکانیں بھی تھیں، جہاں عرق اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ ادویات اور ہندی گولیاں ملتی تھیں۔

مکہ مکرمہ میں بعض ہندوستان کے اطباء بھی تھے جہاں یونانی طریقہ علاج جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا تھا، چونکہ آبادی بہت تھوڑی تھی اس لئے مذکورہ علاج کا نظام کافی تھا، لوگ ان ادویات پر حسن عقیدت رکھتے تھے اور توکل علی اللہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ علاوہ ازیں امراض بھی زیادہ نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں شفاء سے نوازتا تھا۔

جب سعودی حکومت کے دور میں آبادی بڑھنے لگی، عمرانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ گئی اور مختلف ممالک سے لوگوں کی آمد میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے طرح طرح کے امراض پھیل گئے۔ چنانچہ حکومت نے مختلف ممالک سے مغربی طریقہ علاج کے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کیں، جب سے ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں جن میں زود اثر انگریزی ادویات کا انتظام کیا گیا۔ سب سے بڑا اور عالیشان ہسپتال جرول میں ''مستشفیٰ الزاہر'' ہے۔ جس میں ہر مرض کے بہت سے سپیشلسٹ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں مریض ہر روز

ادویہ حاصل کرتے ہیں۔ بیرونی مریضوں کیلئے صاف ستھرے بستروں کا انتظام ہے۔حج کے دنوں میں بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے۔محلہ جیاد میں بھی اسی نوعیت کا ہسپتال ہے۔

ان کے علاوہ ہر محلہ میں ڈسپنسریاں بھی ہیں۔ڈاکٹر بڑی دیانتداری اور جاں فشانی سے کام کرتے ہیں۔ان ہسپتالوں میں یہ بات انتہائی قابل تعریف ہے کہ عورتوں کیلئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔اس حصہ میں ڈاکٹر سے لے کر چپڑاسی تک سارا عملہ عورتوں پر مشتمل ہے۔مردوں کو اس طرف جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔البتہ سنگین امراض میں مرد ڈاکٹروں سے تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔

مریضوں کیلئے مکسچر اور لیکوڈ ادویات پلاسٹک کی شیشیوں میں بند دی جاتی ہیں،سعودی ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے علاوہ ہر مسلم حکومت حج کے ایام میں حجاج کے لئے تقریباً ہر محلہ میں ڈسپنسریاں قائم کرتی ہے،لیکن انتظامات اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے سعودی ہسپتالوں کو فوقیت حاصل ہے۔

سعودی حکومت نے صحت وصفائی کا انتہائی معقول اور موثر انتظام کیا۔انہیں حجاج،زائرین اور مقامی آبادی سب کی صحت کا یکساں خیال اور پاس ولحاظ ہے۔تمام امراض کی دیکھ بھال اور متعدی امراض کی روک تھام کے لئے خصوصی انتظامات کئے ہیں۔وزارت صحت دو خاص بنیادی اصولوں پر کاربند ہے۔

احتیاطی تدابیر (Preventive Hygine)

ادویات(Medication)

ملک کے ہر باشندے،زائرین اور حجاج کا بلا امتیاز اور بلا معاوضہ علاج کیا جاتا ہے۔ادویہ قیمتی اور عمدہ دی جاتی ہیں۔زچہ بچہ کی نگرانی کے لئے علیحدہ ہسپتال قائم ہیں۔وزارت تعلیم نے مدارس کے طلبہ وطالبات کے علاج معالجہ کیلئے بھی ہسپتال قائم کئے ہیں (جو یونیورسٹی کے اندر اور اسکولوں کے احاطہ میں الگ بنائے گئے ہیں) گشتی شفاخانے بھی حج کے موقع پر جابجا خدمات انجام دیتے ہیں۔

مولف روڈ ٹو مکہ (Road to Macca) نے کنگ ڈم آف سعودی عرب (Kingdom of Saudi Arabia) کے حوالہ سے لکھا ہے۔سعودی عرب کا ہر شہری ہسپتال میں اپنا معائنہ کرا سکتا ہے اور اسے جو ادویات ضرورت ہوں وہ بالکل مفت مہیا کی جاتی ہیں۔

اسی طرح عالمی ادارہ صحت کے ڈائریکٹر نے ۱۹۶۲ء میں بارہویں عالمی کانفرنس منعقدہ ریاض کے موقع پر کہا تھا کہ سعودی حکومت میں صحت کا معیار خاصا بلند اور اطمینان بخش ہے۔صحت یا علاج کی سہولتیں ملکی باشندوں کے علاوہ لاکھوں حجاج کو بھی مفت مہیا کی جاتی ہیں۔دنیا کے ممالک کو صحت وصفائی کی مثال پیش کرنے کیلئے ایام حج نہ صرف مثالی ہیں بلکہ صحت وصفائی کا اعلیٰ معیار قائم کرنے میں پوری دنیا میں ممتاز ہیں۔

ایام حج میں ہر ملک سے ڈاکٹرز اور معاونین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔مختلف ممالک سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ڈاکٹرز آتے ہیں۔

فصل نمبر 13:

پرنٹنگ پریس

قدیم زمانہ میں اہل علم حضرات خطاطی کے فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ہر فن کی کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔مکہ مکرمہ میں بھی علم کا تمام ذخیرہ قلمی تھا،لیکن ہاتھ سے لکھنے میں جہاں وقت زیادہ خرچ ہوتا تھا وہاں مالی اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔علاوہ

ازیں علم کی ترویج اور تدریس کے لئے کسی کتاب کے ایک نسخہ سے کام چلانا بھی ممکن نہیں تھا، بلکہ اس مقصد کے حصول کیلئے متعدد کتابوں کی ضرورت تھی۔ مثلاً: کافیہ جو علم نحو کی مشہور اور چھوٹی سی کتاب ہے، اگر اسے ہاتھ سے لکھوایا جائے پھر اس کی تصحیح کرائی جائے تو کم ازکم ایک مہینہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر مدرسہ میں پچاس طلباء ہوں تو انہیں پچاس کتابوں کی ضرورت ہوگی، اگر اتنی ہی تعداد کاتبوں کی ہو تو وہ ایک ماہ میں پچاس کتابیں لکھیں گے اور اگر ایک کاتب ہو تو پچاس ماہ یعنی ۴ سال ۲ ماہ کی مدت دراز میں اتنی تعداد میں کتابیں لکھ سکے گا۔ پھر ایک کاتب جو ایک ماہ میں ایک کتاب لکھے گا اسے مہینہ بھر کی ضروریات کے لئے اجرت بھی اسی قدر یا کچھ زائد درکار ہوگی، کیونکہ وہ اتنے عرصہ میں کتابت کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتا اور یہی طرزِ عمل ماضی میں کاتبوں کا تھا۔

کاتبوں کے مختلف طبقات تھے، بعض کاتب صرف قرآن مجید اور حدیث شریف کی کتابت کرتے تھے اور اس میں انہیں بہت زیادہ مہارت تھی۔ بعض سیرت النبی ﷺ اور آپ کے اوصاف حمیدہ پر مشتمل کتابوں کے مخصوص کاتب تھے۔ اسی طرح بعض کاتب قدیم اور جدید شعراء کے دیوان اور قصائد لکھنے میں ممتاز تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بادشاہوں، وزراء، امراء اور رؤساء کی خدمت کیلئے اپنے فن کو مخصوص کر رکھا تھا اور ۱۳۴۲ھ جو خلافت اسلامیہ ترکیہ کا آخری دور تھا اس میں کچھ کاتبوں نے شاہی فرامین اور احکامات کی کتابت کا پیشہ اختیار کرلیا تھا۔ ایسے کاتبوں کو صرف اجرت ہی نہیں ملتی تھی بلکہ سلطانی انعامات و اکرامات سے بھی نوازا جاتا تھا، جس سے اس کی اولاد در اولاد آسودہ حاصل ہو جاتی تھی اور اگر کوئی کاتب کسی بادشاہ کی خدمت میں قرآن مجید لکھ کر پیش کرتا تو اسے اس قدر انعام ملتا جو ساری زندگی کیلئے کافی ہو جاتا تھا لیکن جب اسلامی اور غیر اسلامی تمام ممالک میں پریس کے ذریعے کتابت شروع ہوئی تو مصنفین اور مولفین پریس سے کتابیں چھپوانے لگے۔ ہر ملک کے لوگ اپنی زبانوں میں عربی، فارسی، اردو، ترکی، جاوی، سریانی، عبرانی، لاطینی، فرانسیسی، المانی اور انگریزی وغیرہ میں طباعت کرانے لگے۔

پریس کی ایجاد سے جہاں کام میں سہولت، طباعت میں نفاست اور اخراجات میں کمی جیسے بہت سے فوائد حاصل ہوئے مگر اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ خطاطی کا فن یکسر ختم ہوگیا۔ پہلے ہر ملک میں لوگوں کے خط انتہائی عمدہ اور خوبصورت تھے۔ بڑی بڑی کتابیں وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے لیکن پریس کی سہولت ہونے کے بعد ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی بھی نہیں جاسکتی۔

۱۴۳۱ء میں المانیہ میں پریس ایجاد ہوا، لیکن قرآن مجید عربی رسم الخط میں پہلی مرتبہ ۱۱۱۳ھ میں المانیہ کے شہر ہمبرگ میں طبع ہوا تھا جو اب بھی مصر کے دارالکتب میں محفوظ ہے بعد ازاں ۱۵۱۶ء میں اٹلی کے بندقیہ پریس میں دوسری مرتبہ قرآن مجید طبع ہوا۔ اس وقت تک کسی اسلامی ملک میں پریس کا انتظام نہیں تھا۔

اٹلی میں جب پریس نے کام شروع کیا تو بعض علماء کرام نے اس میں اسلامی مطبوعات کو ممنوع قرار دے دیا جس کے باعث لوگوں نے مطبوعہ کتب خریدنے سے اجتناب کیا۔ پھر جب سلطان احمد ثالث کے عہد سلطنت میں ترکی میں پریس نے کام شروع کیا تب مشائخ نے قرآن مجید کے سوا دوسری اسلامی کتب کی طباعت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے دور میں پریس میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

۱۱۲۹ھ میں عربی کی پہلی کتاب ''صحاح الجوہری'' طبع ہوئی۔ اسی سال شیخ الاسلام نے عبداللہ آفندی کے پریس سے غیر اسلامی کتابوں کی طباعت کا فتویٰ بھی دیا۔ بعد ازاں ۱۱۴۱ھ میں طباعت میں بہت فروغ ہوا۔ لغت، ادب اور تاریخ کی کتابیں عربی، ترکی اور فارسی زبانوں میں طبع ہونے لگیں۔ پریس کی منفعت کے پیش نظر علماء نے دینی کتابوں کی طباعت اور مشین کے ذریعے قرآن مجید کی جلد بندی کا فتویٰ صادر فرمایا۔

۱۷۱۲ھ میں ٹیونس کے بادشاہ محمد پاشاہائی نے اپنے ملک میں پریس درآمد کیا۔

۱۶۹۸ء میں پہلی مرتبہ حلب میں پریس نصب ہوا۔

۱۷۳۳ء میں لبنان میں پہلی مرتبہ ''قزحیا'' پریس نے سریانی طباعت کا کام شروع کیا۔ پھر عربی طباعت بھی شروع کر دی۔

۱۷۵۳ میں جاور جیوس نے بیروت میں ''مطبعۃ القدیس'' قائم کیا۔ بعد ازاں مالطہ میں ۱۸۲۲ھ میں المطبعۃ الامیرکیۃ قائم ہوا جو ۱۸۳۴ میں بیروت میں منتقل ہو گیا۔ پھر ۱۸۴۸ میں المطبعۃ الکاثولیکیۃ نے بھی کام شروع کیا۔ اس وقت طباعت کا کام پتھروں پر کیا جاتا تھا۔ عربی، انگریزی، یونانی، سریانی عبرانی اور آرمنی زبانوں کی طباعت حروف کے ذریعے ہونے لگی۔

۱۷۹۸ء میں پہلی مرتبہ ''مطبعۃ الحملۃ الفرنساویہ'' قائم کیا جہاں عربی رسائل اور کتب طبع ہوتی تھیں۔

۱۸۰۱ء میں قاہرہ میں ''المطبعۃ الاھلیۃ'' شروع ہوا۔ اس کے بعد بیس سال تک پریس کا کام موقوف رہا۔ پھر ۱۸۲۱ میں محمد علی پاشا والی مصر نے اسی پریس کو دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ پریس ''مطبعۃ بولاق'' کے نام سے مشہور ہوا، کیونکہ یہ قاہرہ میں دلاق کی جانب لگایا گیا تھا اور ۱۸۲۲ میں عربی میں قاموس ایطالی کی طباعت ہوئی۔ یہ پریس تقریباً ۹۰ سال تک قائم رہا۔ دنیا میں عربی مطبوعات کا یہ سب سے بڑا پریس تھا۔ بعد میں یہی پریس المطبعۃ الامیریہ کے نام سے شہرت پذیر ہوا، جس کی حسین و جمیل مطبوعات آج پورے عالم اسلام میں موجود ہیں۔

۱۳۰۳ھ میں عثمان پاشا نوری والی حجاز نے خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں پہلی بار مکہ میں حرم شریف کے قریب محلہ جیاد میں ایک چھوٹا سا پریس لگایا۔ جو مذکورہ بالا مطبعۃ الامیریہ کی ایک شاخ تھی۔ جس کا نام ''مطبعۃ ام القری'' رکھا گیا۔ جو بعد میں ''مطبعۃ الحکومۃ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر جب سعودی حکومت کا آفتاب حجاز میں طلوع ہوا تو اس پریس کو بہت زیادہ ترقی دی گئی۔

۱۳۲۷ھ میں الشیخ محمد ماجد الکردی نے اپنے ذاتی اخراجات سے محلہ الفلق میں ''المطبعۃ الماجدیۃ'' کے نام سے پریس لگایا۔ جس میں بہت سی کتابیں طبع ہوئیں۔ مکہ شریف میں یہ دوسرا پریس تھا۔

۱۳۴۵ھ میں الشیخ محمد صالح نے ''المطبعۃ السلفیۃ'' قائم کیا جو بعد میں فروخت کر دیا۔ ایک پریس ''المطبعۃ العربیۃ'' اخبارات و رسائل کی اشاعت کیلئے لگایا گیا۔ جس میں اخبار ''صوت الحجاز'' کی طباعت ہونے لگی۔

۱۳۷۳ھ میں اہل مکہ کے بعض مخیر حضرات نے ''مطابع الندوہ'' قائم کیا۔ اس کے بعد استاد صالح محمد جمال نے ایک پریس سٹیشنری کی طباعت کیلئے لگایا۔ پھر الاساذ احمد سباعی نے ''مطبعۃ قریش'' قائم کیا۔

۱۳۶۸ھ میں ''مطبعۃ مصحف مکۃ المکرمۃ'' نے کام شروع کیا۔ علاوہ ازیں ''مطبعۃ الوفاء الحمدیہ'' شیخ عبد الرحیم اینڈ برادرز اور ''المطبعۃ الوطنیۃ'' الشیخ عبداللہ کردی نے لگایا۔

اس وقت متعدد پریس کام کر رہے ہیں جن میں کام بڑی عمدگی اور جدت سے کیا جا رہا ہے۔

فصل نمبر 14:

ذرائع ابلاغ

ذرائع ابلاغ میں اخبارات و جرائد بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملکی، ملی، مذہبی اور سیاسی ہر ایک موضوع سے روشن خیال اور اہل علم حضرات ہر وقت تازہ حالات سے باخبر رہنے کیلئے اخبار بینی کو ضروریات زندگی میں شمار کرتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں علی الصبح ہر

آدمی اخبار دیکھنے کا عادی ہے۔ پھر وہ اس ایٹمی اور مشینی دور میں نئی ایجادات، تجربات، انکشافات اور حادثات کی اطلاعات سے آگاہی سلطنتوں اور مملکتوں کے قوانین و آئین کا جزو لازمی بن گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اخبارات ملک و ملت اور حکومت کے فکری نظریاتی تمدنی اور اقتصادی نظام اور صحافت و ثقافت کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ممالک اور ہر بڑے شہر کی طرح مکہ مشرفہ بھی جو کہ سب سے زیادہ مسلمانوں کی توجہات کا مرکز اور پوری دنیا میں سب سے بڑی اجتماع گاہ ہے۔ مکہ مکرمہ کے باشندوں کے علاوہ اسلامیان عالم کو اس مقدس شہر کے احوال و حالات سے روشناس کرانے کیلئے اخبارات و جرائد کی اشاعت میں کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہے۔

کچھ عرصہ قبل مکہ مکرمہ میں اخبارات اور رسائل کی درآمد اور طباعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ روزنامہ البلاد السعودیہ اور الندوہ جو پہلے ''جریدہ حراء'' اور ''جریدہ ام القریٰ'' کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ یہی اخبار شریف حسین والی مکہ کے زمانہ میں ''جریدۃ القبلۃ'' کے نام سے موسوم تھا۔ اسی طرح ''مجلۃ المنہل''، ''مجلۃ الحج'' اور جریدہ قریش بھی شائع ہوتے تھے۔

۱۳۸۱ھ میں جدہ سے شائع ہونے والے چند اخبار پورے ملک میں تقسیم ہوتے تھے، مگر بعد میں مکہ مکرمہ سے بھی کچھ اخبار شائع ہونا شروع ہوگئے۔ جریدۃ ام القریٰ، جریدۃ الندوہ، مجلۃ الحج۔

عربی زبان میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۹۹ء میں قاہرہ سے ''الحوادث الیومیۃ'' کے نام سے شائع ہوا۔ پھر ۱۸۵۸ء میں ''حدیقۃ الاخبار'' کے نام سے لبنان۔ ۱۸۵۶ء میں دمشق سے ''سوریا''۔ ۱۸۶۹ء میں عراق سے ''الزوراء''۔ ۱۸۷۹ء میں یمن سے ''صنعاء'' اور ۱۹۰۴ء میں فلسطین سے ''النفیر العثمانی'' جاری ہوا۔

الشیخ رشیدی کی تحقیق کے مطابق مکہ مشرفہ میں وارد ہونے والا سب سے پہلا ہفت روزہ اخبار ''الحجاز'' تھا جو عربی اور ترکی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار ۱۳۰۱ھ میں جاری ہوا اور ۱۳۳۴ھ تک مسلسل شائع ہوتا رہا، لیکن خلافت عثمانیہ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی اشاعت بند ہوگئی۔ یہ اخبار چار صفحات کا تھا۔ احمد جمال آفندی، احمد حقی آفندی اور الشیخ محمود شلوب کے اشتراک سے مطبعۃ الامیریہ سے شائع ہوتا تھا۔

۱۳۲۷ھ میں مکہ مکرمہ سے روزنامہ ''شمس الحقیقۃ'' کی اشاعت شروع ہوئی جس کا ہفتہ وار ایڈیشن عربی اور ترکی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر مسؤل محمد توفیق مکی اور نائب مدیر ابراہیم ادھم تھے۔ یہ جمعیۃ الاتحاد والترقی کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

خلافت عثمانیہ میں تعلیم و تدریس کی کمی کے باعث جہالت کا دور دورہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں صرف ایک ہی مدرسہ تھا جس کی بناء پر اخبارات کے شائقین بھی تھوڑے تھے، لیکن خلافت عثمانیہ کے بعد سعودی حکومت کو جب استقلال نصیب ہوا تو تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ ثقافت و صحافت کو فروغ اور ترقی سے ہمکنار کیا گیا۔

چنانچہ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں ملک عبدالعزیز آل سعود کے عہد میں اخبار ''ام القریٰ'' کی اشاعت شروع ہوئی۔ جس کے پہلے مدیر الاستاذ الشیخ یوسف یوسین تھے۔ پھر استاذ رشیدی ملحس پھر محمد سعید عبدالمقصود، استاذ عبدالقدوس انصاری اور آخر میں الاستاذ الطیب الساسی مقرر ہوئے۔

۱۳۴۷ھ میں ایک ماہنامہ جاری ہوا جو دینی اور اخلاقی مضامین کا مجلہ تھا، جس کی ادارت کی خدمات استاذ محمد حامد الفقی انجام دیتے تھے، لیکن ۱۳۴۹ھ میں اس کی اشاعت خدمت ہوگئی۔

۱۳۵۰ھ میں الشیخ محمد صالح نے اخبار ''صوت الحجاز'' شروع کیا۔ جس کے مدیر الاستاذ عبدالوہاب آشی تھے۔ اس کے بعد استاذ احمد

ابراہیم الغزادی، السید حسن الفقی، محمد سعید العامودی، محمد حسن عواد، احمد الهساعی، محمد علی رضا اور محمد علی مغربی وغیرہ ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۳۵۴ھ میں یہ اخبار ''شرکۃ الطبع والنشر العربیۃ'' کے زیر اہتمام ہفتہ وار نکلنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہونے لگا، لیکن چند سال جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہونے کے باعث بند رہا۔ پھر ۱۳۶۵ھ میں یہی اخبار ہفتہ وار ''البلاد السعودیہ'' کے نام سے الاستاذ عبداللہ عریف کے زیر ادارت دوبارہ شروع ہونے لگا۔ جو بعد میں ہفتہ میں دو مرتبہ اور کچھ عرصہ بعد ہفتہ میں تین مرتبہ شائع ہونے لگا۔

بالآخر ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ کو روزنامہ کی حیثیت سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس اخبار نے صحافت وثقافت عربی کا صحیح حق ادا کیا۔ ہر طبقہ کے لوگ صبح سویرے اسے پڑھنے کے منتظر رہتے۔ ملکی اور غیر ملکی خبریں پورے وثوق کے ساتھ شائع کرتا۔

۱۳۵۵ھ میں اخبار ''المنہل'' مدینہ منورہ سے استاذ عبدالقدوس الانصاری کی ادارت میں شروع ہوا۔ جس نے علم وادب میں بہت جلد شہرت اور قبولیت حاصل کرلی اور ۱۳۵۶ھ میں مکہ مکرمہ سے بھی شائع ہونے لگا۔ یہ اخبار سرکاری تھا جو حکومت سعودی کی پوری ترجمانی کرتا تھا۔

رجب ۱۳۶۶ھ میں ماہنامہ ''مجلۃ الحج'' کی اشاعت شروع ہوئی۔ ابتداء میں کئی سال الاستاذ السید ہاشم زواری ایڈیٹر رہے۔ پھر ۱۳۷۰ھ میں علامہ طاہر کردی مولف تاریخ القویم (دامت برکاتہم) بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ رسالہ حج اور حجاج سے متعلق مضامین کے علاوہ بلند پایہ اسلامی، ادبی اور علمی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔

اس وقت عکاظ اور البلد کثیر الاشاعت روزنامے اور جریدہ ام القریٰ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔

فصل نمبر 15:

فونٹین پین کا استعمال

قدیم زمانہ میں لکھائی کیلئے نرکل (بانس) کی قلم اور کالی سیاہی استعمال ہوتی تھی۔ یہ طریقہ نہ صرف عمومی تھا بلکہ شاہی محلات میں سرکاری اور تجارتی دفاتر میں بھی یہی رواج تھا۔ البتہ کتابوں کے مولفین کالی اور سرخ دو رنگہ سیاہی استعمال کرتے تھے۔ سرخ سیاہی جو عموماً شنگرف سے بنائی جاتی تھی، عنوانات، ابواب، فصول اور مخصوص نشانات کے لئے استعمال ہوتی اور کالی سیاہی سے بقیہ مضامین لکھے جاتے تو اس بنا پر ہر پڑھے لکھے آدمی کے پاس قلمدان ہوتا ہے جس میں دوات اور قلمیں رکھی جاتی تھیں۔

۱۳۳۰ھ کی پہلی عالمی جنگ کے بعد حجاز میں فونٹن پین کا استعمال شروع ہوا جب کہ ۱۳۳۴ھ میں مکہ شریف میں درآمد کیا گیا اور اس کے لئے مختلف رنگوں کی سیاہی بھی درآمد کی گئی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر کے علاوہ تقریباً ہر آدمی نے اس کا استعمال شروع کردیا۔ جس کے باعث وہ قدیم زمانہ کی قلمیں اور دواتیں بالکل غائب ہوگئیں۔

البتہ اب بھی خطاط ان قلموں اور کالی سیاہی کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ صرف بشمول مکہ مکرمہ حجاز کے تمام شہروں میں اپنایا گیا بلکہ دنیا بھر میں اسے پذیرائی حاصل ہوئی۔

فونٹن پین کی عمدہ سے عمدہ اقسام اچھے داموں دستیاب ہیں اور بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ حجاج بھی بطور یادگار وہاں سے خرید لاتے ہیں۔

فصل نمبر 16:

رسل ورسائل اور نقل وحمل کا نظام

سعودی عرب میں رسل و رسائل اور نقل وحمل کا نظام اونٹ، خچر اور گھوڑے، گدھے وغیرہ پر مبنی تھا، لیکن عصر جدید کی سائنسی ایجادات، ریل، تار، فون اور وائرلیس وغیرہ سے پوری طرح استفادہ کیا جا رہا ہے

سعودی وزارت مواصلات چار اہم شعبوں پر مشتمل ہے: ڈاک خانہ جات، ٹیلیفون، ٹیلیگراف، تعمیر واصلاح شاہرات۔

ڈاک خانہ:

پیغام رسانی کا قدیم ذریعہ صرف ''خط وکتابت'' تھا اور اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے سرور دو عالم ہادی کل، ختم رسل حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کی طرف نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے اور اس کے بعد سیدنا امیر معاویہ نے ڈاک کا نظام قائم کیا، لیکن اس دور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈاک لے جانے کیلئے خچر، گھوڑے اور گدھے استعمال کئے جاتے تھے۔ بعض اوقات اونٹ سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ ان جانوروں کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے ہر ۲۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مخصوص مکان بنایا گیا جس تک ایک جانور ڈاک پہنچا دیتا اور اس جگہ سے آگے دوسرا جانور ڈاک لے جاتا تھا۔

مثلاً: مکہ مکرمہ سے جدہ جانے والی ڈاک ایک جانور مکہ سے لے کر روانہ ہوتا اور ۲۳ کلومیٹر کی مسافت طے کر کے ''الشمیس'' کے مقام پر پہنچا دیتا۔ پھر وہاں سے دوسرا جانور ۲۳ کلومیٹر تک لے جاتا اور اس جگہ سے تیسرا جانور اسے جدہ تک پہنچاتا تھا۔ اس طرح ۹۶ کلومیٹر کا فاصلہ تین جانور طے کرتے تھے۔ یہی طریقہ تمام شہروں تک ڈاک پہنچانے کا تھا، لیکن اس طرح نامہ و پیام پہنچانے میں بہت زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا۔ اس لئے جنگ اور بعض دوسرے اہم مواقع میں جہاں خط جلدی پہنچانا مقصود ہوتا تو یہ خدمت خاص قسم کے سکھائے ہوئے کبوتروں سے لی جاتی۔ ان کی اڑان بڑی تیز ہوتی تھی۔ ایک دن میں تقریباً ۴۰، ۵۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ان شہروں میں یہ کبوتر دن میں دس مرتبہ ڈاک پہنچا سکتے تھے۔ کبوتروں کی اس قابل قدر وصف کی بنا پر ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جو سونے کی سات سو اشرفیوں سے لے کر ایک ہزار اشرفی تک ہوتی تھی۔ اسی طرح ان کے دو انڈوں کی قیمت بیس اشرفیاں تھیں۔ یہ کبوتر پیدائشی طور پر سیکھے ہوئے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کے لئے خاص قسم کے آدمی مقرر ہوتے جو ان کی رہائش کے لئے عمدہ اور ہوادار جگہ بناتے۔

اگرچہ سائنسی ایجادات نے ان کی ضرورت واہمیت کو بالکل ختم کر دیا ہے مگر اس کے باوجود آج بھی بعض ممالک میں یہ کبوتر سرکاری طور پر پالے جاتے ہیں، ان کی پوری طرح نگہداشت کی جاتی ہے جس طرح متعدد دوسرے عجائبات کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ان کی حفاظت کا بھی پوری طرح اہتمام کیا جاتا ہے۔ مصر، شام اور عراق کے علاوہ بعض مغربی ممالک میں آثار قدیمہ کی طرح ان کی نگرانی کی جاتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں ڈاک کا نظام خلافت عثمانیہ ترکیہ میں کافی ترقی کر چکا تھا۔ جدہ، طائف مدینہ منورہ اور بعض دوسرے شہروں کو ہر روز ڈاک روانہ ہوتی تھی۔ عملہ انتہائی دیانتدار اور امانت دار تھا۔ ڈاک ہی کے ذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس وقت کا سکہ ریال اور اشرفیاں سونے اور چاندی کی ہوتی تھیں۔ جب نقدی زیادہ ہوتی تو دو ایک آدمی حفاظت کے لئے مزید ساتھ بھیجے جاتے تھے۔ سعودی حکومت میں ۱۳۴۷ھ تک یہی طریقہ رائج رہا۔ اس کے بعد موٹروں کے ذریعہ ڈاک بھیجنے کے انتظامات کئے گئے۔ پھر اندرون اور بیرون ملک ہوائی جہازوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جانے لگی۔

خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ڈاک خانہ کے نظام کو ''البوستہ'' کہا جاتا تھا۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ مگر اس وقت یہ نظام بڑا تکلیف دہ اور مشکل تھا۔ خط کی ترسیل میں بہت زیادہ وقت ضائع ہوتا تھا۔ دور جدید میں ڈاک اور تار وغیرہ کا نظام پہلی مرتبہ ''الاسعاف الخیری'' نے قائم کیا۔

ابتداء میں خط پر کوئی ٹکٹ نہیں لگایا جاتا تھا لیکن شریف حسین بن علی کے دور میں ٹکٹ لگانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سعودی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں ٹکٹ پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔ ''سلطنۃ نجد و والحجاز'' لیکن کچھ عرصہ بعد ''المملکۃ العربیۃ السعودیۃ'' لکھا جانے لگا۔

مکہ شریف میں سعودی عہد میں پہلا بڑا ڈاک خانہ محلّہ ''القشاشیۃ'' میں قائم ہوا جس کے پوسٹ ماسٹر الشیخ عبد اللہ کاظم تھے۔ ۱۳۷۹ھ میں اسے ''عمارۃ الاشراف محلّہ جیاد'' میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں اس کے شعبہ جات میں اضافہ کیا گیا اور کارکردگی کو بہتر بنایا گیا، لیکن یہاں سے بھی منتقل کر کے ''سوق المعلاء'' میں ایک بلند و بالا اور عالیشان عمارت میں تبدیل کر دیا گیا، جہاں آج بھی موجود ہے۔

۱۳۸۵ھ تک تقریباً پندرہ ڈاک خانہ جات مختلف محلوں میں قائم تھے۔ مثلاً: قشاشیہ جیاد، مسفلہ، سبیکہ اور جرول وغیرہ۔ ایام حج میں منیٰ میں بھی ڈاک کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ڈاک خانہ جات میں تار اور ٹیلیفون کا محکمہ شامل ہوتا ہے۔

ایام حج میں جب کہ ساری دنیا کے لاکھوں فرزندان توحید جمع ہو جاتے ہیں تو خطوط کی تعداد حجاج کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ۱۳۸۴ھ میں ایام حج میں صرف ایک دن کی ڈاک میں دو ہزار خطوط مختلف ممالک سے حجاج کے نام آتے ہیں جن میں بھارت، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، چند مغربی ممالک اور عرب ممالک شامل تھے۔

محرم ۱۴۰۰ھ میں جہاں ڈاک خانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا ہے وہاں ڈاک تقسیم کرنے کا انتظام بھی قابل تعریف ہے۔ ۷۵۔۱۹۷۴ء میں دار ارقم کے اوپر صفا کے قریب ایک ڈاک خانہ تھا، لیکن سڑک کی توسیع کے باعث وہاں سے سوق اللیل میں منتقل کر دیا گیا۔

مقامی لوگوں کے خطوط ص ب (صندوق البرید) یعنی پوسٹ بکس کے نمبر پر جاتے ہیں۔ جب کہ حجاج کی ڈاک معلم کی معرفت جاتی ہے۔ معلم لکڑی کے ایک ڈبہ میں خطوط رکھ دیتے ہیں۔ جہاں سے حجاج اپنے اپنے خط تلاش کر لیتے ہیں۔ ایام حج میں مکہ مکرمہ کے ڈاک خانوں سے ٹکٹ والے لفافے یا ایروگرام بہت تھوڑی تعداد میں دستیاب ہوتے ہیں، البتہ ٹکٹ بکثرت مل جاتے ہیں، لیکن ٹکٹ حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خط لکھ کر سادہ لفافہ میں بند کر کے اس پر پتہ لکھیں اور پھر ڈاک خانہ میں وہ خط دکھا کر ٹکٹ حاصل کر لیں۔ اس طرح ایک خط ہو یا زیادہ ان کے لئے ٹکٹ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ورنہ صرف ٹکٹ نہیں ملتے۔ اب تو مشین کے ذریعہ ٹکٹ کی مہر بھی لگائی جاتی ہے۔ ہر ملک کے لئے ٹکٹ کی قیمت مختلف ہے۔

ٹیلیگرام:

ٹیلیگرام کا نظام ۱۸۳۲ء میں تین مغربی باشندوں صاموبل مورس، مسٹر رونالڈز اور ولیم فوڈ کیا نے ایجاد کیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نظام میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج پوری دنیا میں یہ نظام جاری ہے۔

مکہ مکرمہ میں خلافت عثمانیہ ترکیہ کے دور سے یہ نظام قائم ہے۔ مگر اس وقت اس سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ عموماً جنگی خبروں اور خاص معاملات میں تار کا استعمال ہوتا تھا، لیکن جب سعودی سلطنت میں ہر ایک چیز میں ترقی ہوئی تو یہ محکمہ بھی زیادہ مقبول ہوا اور اس کی حسن کارکردگی سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

ٹیلیفون:

۱۸۷۶ء میں پہلی مرتبہ ٹیلیفون گسندر بل نے ایجاد کیا۔ اس سے لوگوں کو ہر معاملہ میں بے حد سہولت اور بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ مکہ مشرفہ میں خلافت عثمانیہ کے زمانہ میں ٹیلیفون نصب ہو چکے تھے۔ شریف حسین بن علی والی حجاز کے زمانہ میں مکہ شریف میں تقریباً ۲۰ ٹیلیفون کام کر رہے تھے، لیکن ۱۳۴۳ھ میں جب سعودی حکومت قائم ہوئی اور پوری مملکت میں ہر شعبہ میں بے انتہا ترقی ہوئی تو پھر سرکاری دفاتر، تجارتی مراکز، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ٹیلیفون نصب کئے گئے اور ۱۳۸۵ھ تک تقریباً ۵۰۰۰ ٹیلیفون لگ چکے تھے، کیونکہ اب مکہ شریف کی آبادی کے ساتھ ساتھ اقتصادی، تمدنی اور عمرانی ترقی بھی عروج کو پہنچ چکی ہے۔

یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں مکہ مکرمہ کے تقریباً تمام مکانات اور دکانوں میں ٹیلیفون لگے ہوئے ہیں اور کئی مقامات پر لوکل کال آفس بنے ہوئے ہیں، حرم شریف میں بھی ایک لوکل کال آفس موجود ہے اور مؤذن کے چبوترہ میں بھی فون نصب ہے۔

عرب کے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے عالمی شہرت رکھتے تھے۔ خصوصاً حجاز کے شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں انتہائی عمدہ نسل اور طاقتور قسم کے تھے، کیونکہ سفر، تجارت اور حج کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان جانوروں کی افادیت اور اہمیت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے:

((والانعام .... ما تعلمون))(سورۃالنمل ، آیت ۵ تا ۷)

''اور ہم نے تمہارے لئے جانور پیدا کئے ان میں جوڑے بھی ہیں۔ ان میں کتنے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے ان میں عبرت ہے۔ جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں، جہاں تک تم سخت وقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے، بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے اور زینت کے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور جو تم نہیں جانتے وہ بھی پیدا کرتا ہے۔''

اہل حجاز اور خصوصیت سے حرمین شریفین کے لوگ اونٹ، گھوڑے اور گدھے بڑے انس اور دل لگی سے پالتے تھے۔ ان کی خوراک، پانی اور راحت کا بہت خیال رکھتے۔ البتہ خچر ان شہروں میں بہت ہی تھوڑی تعداد میں پائے جاتے تھے، کیونکہ یہ جانور پہاڑی علاقوں میں زیادہ وزنی سامان کے پہنچانے کے لئے یا پھر جنگ و جدال میں دشمن کے مقابلہ میں پہاڑوں پر سامان لے جانے کیلئے استعمال کئے جاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑوں سے اہل عرب کو اس قدر پیار اور لگاؤ تھا کہ جس طرح وہ اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی پشتوں اور نسلوں کو جانتے تھے اسی طرح ان جانوروں کے آباؤاجداد کے نام اور دو پوری پوری نسلوں سے واقف تھے۔ ان جانوروں کی سواری کیلئے بھی ان کے کچھ قواعد وضوابط تھے۔

دور دراز سفر کے لئے جن اونٹوں پر سواری کی جاتی تھی انہیں الرکائب، النجائب اور الہجن کہا جاتا تھا۔ ان پر اکثر ایک ہی آدمی سوار ہوتا تھا اور کبھی ضرورت کے وقت دوسرے آدمی کو سواری کرنا تو وہ اس کی پیٹھ کے پیچھے بٹھاتا۔ اس پر چند ضروری ہلکی اشیاء کے سوا زیادہ بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ اس بنا پر دوسرے اونٹوں کی نسبت اس کی رفتار بھی تیز ہوتی تھی۔ جن اونٹوں پر زیادہ وزن ہوتا اس پر دو، تین آدمی بھی ہودج پر سوار ہو جاتے اور بعض اونٹ صرف مال برداری کیلئے استعمال کئے جاتے۔ ان پر کوئی آدمی سوار نہیں ہوتا تھا۔ ان کی رفتار بھی کم

ہوتی۔ایسے اونٹ جدہ سے مکہ مکرمہ تک دوراتوں میں سفر طے کرتے۔دن کے وقت گرمی سے بچنے کیلئے راستہ میں ''بحرۃ'' کے مقام پر آرام کرتے اور دوسری رات سفر کر کے صبح مکہ پہنچ جاتے۔

اس طرح وہ مال ومتاع کی نقل وحمل اور سفر میں ان جانوروں سے کام لیتے تھے۔یہی طریقہ تقریباً پوری دنیا میں رائج تھا۔یہاں تک کہ ۱۳۰۰ھ میں ریل گاڑیاں، موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہازوں کے دور کا آغاز ہوا۔بنابریں ہر ملک میں اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں کی جگہ بتدریج ان نئی مضبوط اور تیز رفتار سواریوں سے کام لیا جانے لگا۔

ایک زمانہ تھا کہ اہل عرب شتربانی کے سوا کچھ جانتے تک نہیں تھے اور حج کے مہینوں میں ہزاروں اونٹ مکہ مکرمہ میں جمع ہو جاتے تھے، تاکہ حجاج کرام کو مناسک حج کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر سے مکہ معظمہ اور پھر منیٰ، مزدلفہ اور عرفات لے جائیں اور لے آئیں۔ مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد حجاج کو مدینۃ الرسول ﷺ کی زیارت کرائیں۔اس طرح جہاں حجاج کو سفر طے کرنے میں آسانی ہوتی وہاں شتربانوں کی روزی کا ایک معقول ذریعہ بھی تھا۔

چنانچہ مکہ مکرمہ کی تھوڑی سی آبادی، تنگ اور دشوار گزار راستوں میں حجاج کے ساتھ ساتھ اونٹوں کا بھی بے پناہ ہجوم ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے سب ہی وہاں سما جاتے۔

حجاز کے شہروں میں جب موٹر گاڑیاں چلنا شروع ہوئیں تو ان کی آواز کی دہشت سے اونٹ بدکنے لگے اور شہروں میں ان کا چلنا محال ہو گیا۔علاوہ ازیں نئی سواروں کے فوائد کے پیش نظر شہر میں آباد لوگوں نے اونٹ رکھنا چھوڑ دیئے اور موٹریں خرید لیں۔اس طرح ہزاروں لاکھوں اونٹ بادہ وصحرا اور پہاڑی علاقوں میں چلے گئے جہاں بدو ان پر سواری کرتے، سامان لادتے اور ان کا گوشت کھاتے۔

۱۳۴۰ھ میں مکہ مکرمہ کی سرزمین میں جو پہلی موٹر گاڑی آئی وہ ہندوستان کے ایک رئیس تاجر کندوانی نے شریف حسین بن علی امیر مکہ کو بطور تحفہ پیش کی تھی۔مگر شریف حسین نے اسے بہت کم استعمال کیا کیونکہ وہ گھڑسواری کا شائق تھا اور مکہ شریف کے ناہموار اور تنگ راستے گاڑی کے لئے کارآمد بھی نہیں تھے۔

۱۳۴۳ھ میں جب حجاز پر جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کی حکومت قائم ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے حجاز کی ریت کے ذروں سے تیل کے سمندر جاری کر دیئے جس سے اہل حجاز کی کایا پلٹ گئی اور تیل کی دولت نے سعودی حکومت کو عرب کی تمام حکومتوں سے زیادہ دولت مند بنا دیا۔

حکومت نے تمدنی اور عمرانی ترقی پر بہت زیادہ توجہ دی۔سڑکیں کشادہ اور پختہ بنائی گئیں۔شہروں کی حالت دن بدن بہتر ہونے لگی۔ہر آدمی کے پاس دولت کی فراوانی ہوگئی۔

۱۳۴۶ھ میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ کے لئے مغربی ممالک سے گاڑیاں درآمد کرنے کی غرض سے ایک کمپنی بنائی گئی۔اس کے بعد گاریوں کے کئی اور تجارتی ادارے اور مراکز قائم ہوئے اور حکومت نے بھی درآمدی لائسنس جاری کر کے اس کام کی حوصلہ افزائی کی۔ بہت سی اقسام، مختلف اور دیدہ زیب رنگ کی لاتعداد گاڑیاں درآمد ہونے لگیں۔اب تو حکومت کے ہر شعبہ، ہر دفتر اور ہر آدمی کے پاس گاڑی موجود ہے۔

۱۳۷۳ھ میں جب ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کا انتقال ہوا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔شہر کی سڑکوں پر ہر جانب تیز رفتار اور آرام دہ گاریاں چلتی نظر آتی تھیں۔اس طرح حجاج کرام کو بھی سفر کی سہولتیں میسر آئیں۔

۱۳۴۸ھ کے بعد مکہ مشرفہ میں بہت کثرت سے گاڑیاں استعمال ہونے لگیں، ان کی کثرت سے اور سفر کی سہولت کے باعث حجاج

کرام کی تعداد میں بھی ہر سال بے پناہ اضافہ ہونے لگا۔

یہ کیفیت تو ۱۳۸۵ھ تک کی بیان کی گئی ہے، جب کہ اس کے بعد گاڑیوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ مکہ میں کوئی گھر بشمکل ایسا ہوگا جن کے ہاں موٹر کار نہ ہو بلکہ امیر گھرانوں میں گھر کے ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ کار ہوتی ہے۔ اس وقت نہ صرف اہل مکہ موٹر گاڑیوں اور کاروں میں سفر کی سہولت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں بلکہ تمام زائرین اور حجاج کرام بھی ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کرایہ پر چلنے والی ٹیکسیاں اس قدر اعلیٰ معیار کی ہیں جن میں سفر کرتے ہوئے احساس تک نہیں ہوتا۔ ٹیوٹا، کرونا، مزدہ، ڈاٹسن اور مرسڈیز وغیرہ مارک I-II بطور ٹیکسی چل رہی ہیں۔ اندرون شہر دو تین ریال عام کرایہ ہے اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گورنمنٹ ۱۲ یا ۱۴ ریال، پرائیویٹ ٹیکسیاں ۲۰ سے ۴۰ ریال اور ایئر کنڈیشنڈ گاڑیاں جو ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو شروع ہوتی ہیں، ۴۰ ریال سے ۷۰ ریال تک وصول کرتی ہیں۔ اسٹیشن ویگن جنہیں اہل طباب کہتے ہیں کا کرایہ ۳۰ ریال ہے۔ مگر یہ کرائے متعین نہیں ہیں۔ حج کے ایام میں ان میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت مکہ میں دو بڑی ٹرانسپورٹ کمپنیاں پائی جاتی ہیں:

الشرك الاهليه

النقل الجماعی

فصل نمبر 17:

عمرانی ترقی

یہ نظریہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا کہ مکہ کے لوگ عمرانیات اور تمدن سے قطعاً بے خبر ہیں اور وہاں عمرانی وسائل کا سخت فقدان ہے، لیکن اب تو سائنسی ایجادات نے ہر ناممکن کو ممکن کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت مکہ کے بازار، دکانات، مواصلات، تمدنی اور عمرانی زندگی کے ہر شعبہ میں یورپ کے ترقی یافتہ اور حسین ترین شہروں سے کسی چیز میں پیچھے نہیں ہیں۔ قارئین کی خدمت میں مکہ کی عمرانی اور تمدنی ترقی کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بلدیہ (میونسپلٹی)	۱۳۳۲ھ	شہر کی فلاح و بہبود اور نگرانی کے لئے بلدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔
فونٹن پین	۱۳۳۴ھ	مکہ میں پہلی بار فونٹن پین آیا۔
موٹر کار	۱۳۳۸ھ	والی مکہ شریف حسین بن علی کو ہندوستان کے ایک رئیس نے کار تحفہ میں پیش کی۔ البتہ ۱۳۴۶ھ میں کثرت سے گاڑیاں چلنے لگیں۔
برف سازی	۱۳۳۹ھ	الحاج نسیم الشامی نے برف سازی کا کارخانہ لگایا۔
بجلی	۱۳۴۶ھ	پہلی مرتبہ بجلی آئی اور اس کا استعمال حرم شریف میں شروع ہوا۔ ۱۳۶۵ھ میں پورا مکہ بجلی کے قمقموں سے منور ہو گیا۔
پختہ سڑکیں	۱۳۵۲ھ	تارکول اور بجری کی آمیزش سے سڑکیں پختہ بنائی گئیں۔

اسکول	۱۳۵۴ھ	مروجہ تعلیم کا نظام شروع ہوا۔اگرچہ دینی مدارس کا سنگ بنیاد فتح مکہ کے بعد نبی نے رکھا تھا۔
برقی پنکھے	۱۳۶۶ھ	برقی پنکھوں کی ابتداء بھی حرم شریف سے شروع ہوئی، لیکن اب تو پورا شہر ایئر کنڈیشنڈ بن چکا ہے۔
لاؤڈ سپیکر	۱۳۶۷ھ	حرم محترم جہاں لاکھوں فرزندان توحید نماز با جماعت ادا کرتے ہیں، ان تک امام صاحب کی آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال شروع ہوا۔
پریس	۱۳۶۹ھ	جب پہلی بار پریس نصب کیا گیا، اس کا افتتاح قرآن مجید کی طباعت سے کیا گیا۔
وزارت	۱۳۷۴ھ	
شرشورہ	۱۳۷۶ھ	میت کی تجہیز و تکفین کیلئے یہ محکمہ قائم کیا گیا۔
پختہ عمارات	۱۳۷۵ھ	اس سال مٹی کی بجائے سیمنٹ سے پختہ مکانات پہلی مرتبہ بنائے گئے۔
شفاخانے	۱۳۷۱ھ	نئے آلات اور مشینری سے استفادہ کرنے کی غرض سے کثیر تعداد میں ہسپتال کھولے گئے۔
حمام	۱۳۷۳ھ	حمام اور سیلون کا سلسلہ شروع ہوا۔
تعمیر مساجد	۱۳۷۰ھ	پورے شہر میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئیں۔
گرلز سکول	۱۳۷۸ھ	لڑکیوں کے سکولوں کا اس سال اجرا ہوا۔
واٹر موٹر	۱۳۶۸ھ	برقی موٹروں کا استعمال شروع ہوا، ان سے کنوؤں اور دوسرے مخازن سے مکانات میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔
فوٹو گرافی	۱۳۵۵ھ	اگرچہ شرعاً فوٹو گرافی ممنوع ہے مگر بعض قومی، ملکی اور بین الاقوامی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے اس سال فوٹو سٹوڈیو قائم ہوئے۔
ٹیلیفون	۱۳۵۰ھ	شہر میں فون کا نظام شروع ہوا۔اگرچہ سرکاری دفاتر میں اس سے قبل بیس ٹیلیفون کام کر رہے ہیں۔
خوراک میں جدت	۱۳۵۰ھ	خشک دودھ، دہی اور بعض سبزیاں ڈبوں میں بندور آمد ہونا شروع ہوئیں۔
گھی کا استعمال	۱۳۵۵ھ	چھوٹے اور بڑے ڈبوں میں گھی کی درآمد شروع ہوئی۔
سڑکوں کی تعمیر	۱۳۸۰ھ	سڑکوں کی توسیع کا کام شروع ہوا۔ پہلے ۱۰ سے ۲۰ میٹر تک چوڑی تھیں اور اس سال ۳۰ سے ۹۰ میٹر تک چوری کر دی گئی۔

فصل نمبر 18:

اہل مکہ کی صنعت

زرگری:

انسانی ضروریات، آرائش اور خوبصورتی کیلئے زیور کو بے حد قدر و منزلت حاصل ہے۔ خصوصاً عورتوں کے فطری احساسات اور خواہشات کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ قدیم زمانہ سے مختلف بیش بہا قیمتی دھاتوں اور جواہرات سے زیورات بنانے کا سلسلہ قائم ہے۔ اس معاملہ میں دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مشرفہ بھی برابر کا شریک ہے۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے زیورات، مصر، یمن، عراق اور بعض دوسرے ممالک کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مکہ مشرفہ کے کاریگر اس صنعت میں مدت دراز سے قابل تعریف ترقی کر چکے تھے۔ اس دور میں بھی انتہائی نفیس اور عمدہ، دلربا اور جاذب نظر زیورات بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ نادر الوجود اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع سونے کے لاکٹ، ہار، کنگن اور نفیس و کریم قیمتی پتھروں کے نگینوں سے مرصع انگوٹھیاں قابل ذکر ہیں۔

بعض زرگر کئی پشتوں سے یہ کام کر رہے ہیں، جبکہ بعض نئے کاریگروں نے ذوق اور شوق میں درجہ کمال حاصل کر لیا ہے۔ مکہ مکرمہ زیورات درآمد کرنے کا چنداں محتاج نہیں ہے۔

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی تانبے کے برتن بنانے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ خصوصاً ہانڈی اور کھانا پکانے کے برتن بڑے عمدہ اور خوبصورت بنائے جاتے تھے، لیکن مٹی کی ہانڈی یا دوسرے برتن نہیں بنتے تھے، کیونکہ مکہ شریف کی مٹی اس کام کیلئے موزوں نہیں تھی۔ البتہ مصر اور یمن میں مٹی کی ہانڈیاں بنتی تھیں اور یمن میں ہانڈیوں کے علاوہ چائے کے دیگچے اور پیالیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ اب بھی ان کی یہ صنعت مشہور ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مٹی کے برتن میں لکڑی کی آگ پر پکا ہوا کھانا تانبہ کے برتنوں میں تیل کے چولہے پر پکے ہوئے کھانے سے زیادہ خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

تانبے کے برتنوں کی صنعت اب تک مکہ مکرمہ میں قائم ہے، لیکن ۱۳۳۰ھ میں جب ایلومینیم کی مصنوعات ایجاد ہوئیں تو اس کے برتنوں کو اس قدر پذیرائی ہوئی کہ بازاروں کے بازار بھرے پڑے ہیں، جب کہ حجاز کے شہروں میں یہ برتن ۱۳۶۰ھ میں آئے تھے۔

آٹا مشین:

قدیم زمانہ میں دنیا کے تمام ممالک میں گندم، مکئی اور دیگر غلہ پتھر کی بنی ہوئی ہاتھ چکی سے پیستے تھے۔ جن علاقوں میں پانی وافر مقدار میں ہوتا وہاں پن چکی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں بھی گندم، باجرہ، مکئی اور چنے وغیرہ ہاتھ چکی سے پیسنے کا رواج تھا۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ چکی پیسا کرتی تھیں۔ تقریباً ہر گھر میں ہاتھ چکی موجود تھی۔

دولت عثمانیہ کے آخری ایام میں ۱۳۴۰ھ میں فہمی آفندی قرملی الترکی نے محلہ الفلق میں آٹا پیسنے والی مشین لگائی۔ لوگ اسے دیکھ کر تعجب کرتے اور اسے ''بابور الطحین'' (انجن والی گاڑی) کہتے تھے۔ اس مشین کے آگے سے ہاتھ چکی کا رواج رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا، حتیٰ کہ ۱۹۸۵ء میں بہت تھوڑے گھروں میں ہاتھ چکی باقی رہ گئی تھی۔ اکثر لوگ مشین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ابتداء میں اس کا انجن ڈیزل سے چلتا تھا، مگر اس وقت بجلی سے چلنے والی مشینیں لگی ہوئی ہیں۔

اس دور میں اگرچہ مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں میں روٹی نہیں پکاتے بلکہ تنور اور بیکری سے روٹی خریدتے ہیں اس کے باوجود تقریباً ہر

محلہ میں مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ گزشتہ کئی سال سے پاکستانی حجاج کو راشن کے طور پر مکہ شریف میں گندم ملتی تھی جو پاکستان سے بوریوں میں بند کر کے بھیجی جاتی تھی۔ اکثر حجاج اسے مشین سے پسوا کر اپنے کام میں لاتے تھے۔ ممکن ہے کسی دوسرے ملک کے حاج کو بھی اس طرح راشن ملتا ہو، علاوہ ازیں مکہ شریف میں گندم، باجرہ اور دوسری اجناس دکانوں سے دستیاب ہیں۔

آراء مشین:

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں لکڑی چیرنے کا نہایت سادہ مگر سخت محنت طلب اور تکلیف دہ انتظام تھا۔ جس لکڑی کو چیرنا مقصود ہوتا اس کا ایک سرا زمین میں گاڑ کر دو مستری اس کے اوپر والے سرے سے آرا چلانا شروع کرتے جب وہ نصف تک چیر لیتے یعنی اوپر والا سرا زمین میں گاڑ دیتے اور زمین والا اوپر کر کے پھر آرا چلانا شروع کر دیتے، اس طرح پہلے اس کے دو حصے کرتے۔ پھر حسب ضرورت ان کی چھوٹی چھوٹی تختیاں اور بھلیاں ایک آدمی بھی بنالیتا تھا۔

اس طریقہ میں جہاں تکلیف اور مشقت بہت زیادہ ہوتی تھی وہاں وقت بھی کافی خرچ ہوتا تھا، جب مکہ کی آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا اور لکڑی کے کام کی مانگ بڑھ گئی تو ۱۳۵۸ھ میں الشیخ احمد نحاتیس نے بجلی سے چلنے والی آرا مشین لگائی جس سے کام میں بے حد آسانی ہوگئی۔ پھر رفتہ رفتہ دوسرے لوگوں نے بھی یہ کاروبار شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ تک شہر میں تیس آراء مشینیں لگ چکی تھیں، جن سے نجاری کے کام میں بہت سہولت ہوگئی۔

اگرچہ اس وقت مکانات کے لئے لکڑی کا کام بہت کم ہوتا ہے، لیکن فرنیچر کی لکڑی ان مشینوں سے حسب ضرورت چیری جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ تعداد میں اب کمی بیشی ہوگئی ہو کیونکہ اب حالات کافی بدل چکے ہیں۔

صراحی کی صنعت:

مکہ معظمہ میں پانی ٹھنڈا کرنے کیلئے مٹی کی صراحی کا استعمال بکثرت ہوتا تھا۔ یہ مختلف طرز اور سائز کی چھوٹی، بڑی، متوسط، گول اور لمبی کئی قسم کی ہوتی تھیں۔ پھر ان پر دیدہ زیب نقاشی کر کے اور بھی زیادہ دلکش بنادی جاتی تھیں۔ ان میں پانی بھر دیا جاتا جو کچھ دیر بعد ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ منورہ کی مٹی زیادہ مفید ثابت ہوئی، اس مٹی کی صراحی مضبوط ہونے کے علاوہ پانی ٹھنڈا کرنے میں زیادہ مشہور تھی۔ اس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔

۱۳۶۰ھ کے بعد برف، کولر اور فرج وغیرہ آگئے تو ان صراحیوں کی صنعت ماند پڑ گئی، اور لوگ ان کی بجائے نئی ایجادات سے مستفید ہونے لگے۔ اس کے علاوہ وضو کے لئے مٹی کے لوٹے اور گھڑے بھی مکہ مکرمہ میں بنائے جاتے تھے۔

رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''ہم نے ان صراحیوں کا کرشمہ دیکھا کہ رمضان المبارک میں ظہر کے بعد زمزم سے بھر کر باب السلام کی جانب صحن حرم میں واقع گرم کنکریوں میں رکھ دی جاتیں۔ جب کہ دھوپ بھی کافی تیز ہوتی تھی، لیکن افطار کے وقت حجاج اور زائرین جب ان صراحیوں سے پانی پیتے تو خاصا ٹھنڈا ہوتا تھا، حالانکہ دھوپ میں اور پھر گرم کنکریوں پر پانی گرم ہونا تو یقینی امر ہے مگر اس کا ٹھنڈا ہونا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ رمضان المبارک کے بعد ہم اپنی قیام گاہوں میں بھی ان صراحیوں کے ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں ان صراحیوں کی بجائے برف اور فرج کا پانی بکثرت ملتا رہا۔ بازار میں صراحیاں بہت کم دیکھی گئیں، کیونکہ اب تو ان کا رواج بالکل ختم ہو گیا ہے، البتہ بعض حجاج تحفۃً خرید کر لاتے ہیں۔

برف سازی:

دوسرے ممالک کی نسبت مکہ مکرمہ میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی اولے بھی پڑتے ہیں جو اہالیان مکہ خصوصاً بچوں کے لئے نادر تحفہ ہوتا ہے۔ جنہیں جمع کر کے شربت میں ڈال کر خوشی خوشی پیتے ہیں۔ اگر اولے چھوٹے چھوٹے دانے ہوں تو انہیں حب الغمام اور حب المزن کہتے ہیں۔ بعض اوقات انگور کے برابر یا اس سے قدرے چھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ یمن کے علاقہ میں بعض دفعہ انار اور سیب کے برابر بھی اولے پڑے ہیں، لیکن مکہ والے مصنوعی برف یعنی کارخانہ میں تیار شدہ برف سے ناواقف تھے۔ علامہ ازرقی کی روایت کے مطابق مکہ شریف میں ۱۶۴ھ میں پہلی مرتبہ برف اس وقت آئی جب خلیفہ مہدی عباسی فریضہ حج ادا کرنے آیا تھا۔

(اخبار مکہ عنوان تعمیر مہدی عباسی)

چنانچہ مختلف اوقات میں مندرجہ ذیل کارخانے لگائے گئے جن سے شہر میں کسی حد تک برف کی ضرورت پوری ہونے لگی:

۱۔ ۱۳۳۸ھ میں پہلا کارخانہ الحاج نسیم شامی نے لگایا۔ یہ کارخانہ جنت المعلاء کی جانب سوق المعلاء میں تھا۔ بعد میں الشیخ عبداللہ باحمرین نے خرید لیا اور عرصہ دراز تک اسی جگہ قائم رہا۔ بعد ازاں جدہ روڈ پر ام الدود کے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

۲۔ ۱۳۷۰ھ میں الشیخ صدقہ اور الشیخ سراج کعکی دو بھائیوں نے جرول میں ایک کارخانہ لگایا۔

۳۔ ۱۳۷۵ھ میں الشیخ عبداللہ کعکی نے مسفلہ میں لگایا۔

۴۔ ۱۳۷۷ھ میں الشیخ طہ اخیاط نے مکہ اور منیٰ کے درمیان الششہ کی جانب لگایا تھا۔

۵۔ ۱۳۷۹ھ میں الشیخ محمد عمر سعید عید نے مکہ اور منیٰ کے درمیان حوض البقر کے مقام پر کارخانہ لگایا تھا۔

اس وقت نہ صرف برف سازی کے کارخانوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے، بلکہ اب تو تقریباً ہر گھر میں برف بنانے اور دوسری اشیاء کو محفوظ رکھنے کیلئے ریفریجریٹر موجود ہیں۔ مشروبات کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے ہر دکان پر ڈیفریزر موجود ہیں۔ یہ ترقی زیادہ تر ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء کے بعد ہوئی ہے، بلکہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کے آخر میں آٹومیٹک برف ساز گاڑیاں بھی حجاج کو اپنی طلسم کاری سے محفوظ کر رہی تھیں۔ ان گاڑیوں کے باعث منیٰ میں حجاج کو بے حد سہولت نصیب ہوئی۔ موٹر کے اگلے حصہ میں پائپ سے پانی داخل ہوتا اور دوسری طرف سے برف بن کر نکل آتی تھی، جس کا بلاک تقریباً ۱۰ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

آج کے دور میں اس میں مزید ترقی آ گئی ہے۔ مکہ مکرمہ دنیا کے ان بائیس شہروں میں سے ایک ہے جہاں برف اور ٹھنڈا پانی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

پلاسٹک کی صنعت:

۱۳۸۲ھ میں الشیخ محمد ابو بوقری نے پلاسٹک کی مصنوعات کا ایک کارخانہ لگایا جس میں بجلی کا سامان، بعض عمارتی سامان، سٹیشنری کی بعض چیزیں، بوتلیں اور کین وغیرہ بنائے جانے لگے۔ اس صنعت میں خاصی ترقی ہوئی۔

اس وقت پلاسٹک کے لوٹے، بوتلیں اور کین بہت بڑی تعداد میں تیار کئے جا رہے ہیں اور پلاسٹک کی چپلیں بھی بنائی جاتی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''اب تو تھوڑی بہت انڈسٹریز اور ٹیکسٹائل ملز بھی لگ گئی ہیں۔ فرنیچر اور برتن بھی بنائے جاتے ہیں۔''

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۷۷ء لفظ مکہ)

دور جدید میں اس صنعت کو مکہ میں بہت عروج ملا۔ بچوں کے کھلونے اور دیگر پلاسٹک کا سامان اہل مکہ کا منافع بخش کاروبار ہے

فصل نمبر 19:

بجلی کا استعمال

قدیم زمانہ سے مکہ مکرمہ کے لوگ گھروں اور سڑکوں پر روشنی کے لئے مٹی کے تیل سے جلنے والے چراغ جلاتے تھے۔ بازاروں میں قندیلیں جلائی جاتی تھیں، لیکن ۱۳۴۴ھ میں جب شہر میں بجلی آگئی تو بازاروں اور گھروں کو بجلی سے منور کیا جانے لگا۔ اگرچہ بجلی کا استعمال سب سے پہلے حرم محترم میں ہوا۔ اس کے بعد جب زیادہ عمدہ انتظام ہوگیا اور بجلی وافر مقدار میں سپلائی ہونے لگی تو پھر تمام شہر کو روشن کر دیا گیا۔

اس وقت بجلی کا نظام اس قدر عمدہ اور تسلی بخش ہے کہ نہ صرف بجلی سے روشنی کا کام لیا جا رہا ہے بلکہ ہزار ہا مشینیں، پنکھے، ہیٹر، فریزر، ایئر کنڈیشنر اور خدا جانے کیا کیا چیزیں چل رہی ہیں۔ بجلی گھر تنعیم کے قریب واقع ہے۔

بیت اللہ اور مسجد نبوی کے لیے علیحدہ علیحدہ بجلی گھر تعمیر کیے گئے ہیں، جہاں پر مختلف قسم کے جدید جنریٹر بھی نصب ہیں۔

فصل نمبر 20:

ٹیلیویژن کا استعمال

۱۹۰۸ء میں کامبل سونیٹون نے ٹیلی ویژن ایجاد کیا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں جل پیرڈ نے اس میں بہت سی اصطلاحات کیں۔ اسلامی ممالک میں سب سے پہلے ۱۳۷۸ھ میں مطابق ۱۹۵۹ء میں مصر میں استعمال کیا گیا۔ ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ربیع الاول ۱۹۸۵ء کو مکہ مکرمہ میں بھی ٹی وی کا استعمال شروع ہوا۔ جس پر پند ونصائح اور اصلاحی پروگرام نشر ہوتے تھے۔

اب مکہ مکرمہ سے لائیو نشریات دکھائی جاتی ہیں، لائیو نشریات دکھانے والے دو مشہور ٹیلی ویژن ہیں۔ ایک کعبۃ اللہ اور دوسرا مسجد نبوی سے لائیو پروگرام دکھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مکہ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کئی اسٹیشن ہیں۔

فصل نمبر 20:

لاؤڈ اسپیکر

اذان کی آواز دور تک پہنچانے کیلئے حرم شریف کے ہر ایک مینار پر ایک ایک مؤذن اذان دیا کرتا تھا لیکن جب لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوا، اور اس کے ذریعے نہ صرف اذان کی آواز دور دراز تک پہنچائی جانے لگی، بلکہ لاکھوں مقتدیوں کو امام کی قرأت اور تکبیرات سننے میں بھی بے حد سہولت ہوگئی۔ اس طرح درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور جمعہ وعیدین کا خطبہ سننے میں بھی ہر ایک آدمی محظوظ ہونے لگا۔

چنانچہ ۱۳۶۸ھ میں سعودی حکومت نے حرم شریف کے لئے لاؤڈ سپیکر درآمد کیا۔ جسے میناروں پر، مبلغین کے چبوتروں پر، نماز میں امام کے سامنے اور خطبہ کے وقت منبر پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مؤذن اور مکبر کی جگہ حنفی مصلّٰی کے اوپر بنی ہوئی تھی اور اسی جگہ لاؤڈ سپیکر کی مشینری رکھی جاتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بہت زیادہ اضافہ اور ترقی ہوئی۔ رکن یمانی کے سامنے دولت عثمانیہ کی تعمیر کے باہر ایک دو منزلہ شیش محل بنایا گیا۔ جس میں نہایت عمدہ قسم کے متعدد ایمپلی فائر نصب کئے گئے۔ جن پر سینکڑوں کی تعداد میں یونٹیں چلتی ہیں۔ جن کی تفصیلات ہم نے پیش نظر کتاب کی دوسری جلد میں بیان کر دی ہیں۔

علاوہ ازیں اسی چبوترہ میں ریڈیو سیٹ بھی نصب کیا گیا۔ جس کے ذریعہ اذان، نماز اور خطبہ براڈ کاسٹ کیا جاتا ہے۔ محرم الحرام

۱۳۹۹ھ میں مطاف کی توسیع کے باعث یہ چبوترہ منہدم کر کے اس کے متصل برآمدوں میں نیا شیش محل بنا دیا گیا۔

فصل نمبر 22:

گھڑیوں کی آمد

قدیم زمانہ میں وقت معلوم کرنے کے بے حد سادے اور مختلف طریقے رائج تھے۔ شمسی (دھوپ گھڑی) اور قمری گھڑیاں قابل اعتماد سمجھی جاتی تھیں، بلکہ موجودہ سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں نماز کے اوقات معلوم کرنے کیلئے شمسی اور قمری گھڑیاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں سورج کے سایہ سے بھی اندازہ کیا جاتا تھا اور رات کے وقت ستاروں اور مرغ کی اذان سے وقت معلوم کرنے کا رواج بھی تھا۔

لیکن محیر العقول سائنسی ایجادات نے وقت معلوم کرنے کیلئے گھڑیاں ایجاد کیں۔ اس صنعت نے اس قدر جلدی ترقی کی کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ چھوٹی اور بری انتہائی خوبصورت مختلف سائز اور ڈیزائن میں گھڑیاں ہر ملک میں دستیاب ہیں۔ آج سے پچھتر سال پہلے حکومت عثمانیہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں بہت تھوڑی تعداد میں صرف جیب گھڑی پائی جاتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مضبوط اور قیمتی جیب گھڑی ''راسکوف'' تھی۔ اس کی قیمت سونے کی ایک گنی تھی۔ یہ سوئزرلینڈ کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی چابی نصف انچ سے کچھ لمبی اور دیا سلائی کے برابر موٹی تھی۔

۱۳۶۰ھ میں متعدد انواع و اقسام، دیدہ زیب اور دلفریب جیب گھڑیاں اور ہاتھ گھڑیاں ٹائم پیس اور کلاک آنے لگے۔ ابتداء میں جب گھڑی، ہاتھ گھڑی اور ٹائم پیس کو روزانہ اور کلاک کو ہفتہ وار چابی دی جاتی تھی۔ مگر اب ایسی آٹو میٹک ہاتھ گھڑیاں بن گئی ہیں جنہیں چابی دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح ہاتھ گھڑی، ٹائم پیس اور کلاک (الیکٹرونک) سیل سے چلنے والے ایجاد ہو چکے ہیں۔

یہ سیل ایک سال تک چلتا ہے۔ اس کے بعد نیا سیل تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ کلاک کی صنعت میں یہ پیش رفت ہوئی کہ ہفتہ وار چابی دینے کی بجائے ۱۵ اور ۳۰ دن بعد چابی دی جانے لگی اور اس وقت بیٹری سیل سے چلنے والی ٹائم پیس اور کلاک بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو مکہ مکرمہ میں بھی دستیاب ہیں۔ چونکہ ان کی مختلف اقسام ہیں اس لئے ان کی قیمتیں بھی مختلف ہیں۔

قدیم زمانہ میں گھڑیوں کی صنعت میں سوئٹزرلینڈ پوری دنیا میں مشہور تھا، لیکن اس وقت جرمن ٹائم پیس اور جاپان کلاک اور ہاتھ گھڑی کی صنعت میں پوری دنیا پر چھا گیا ہے۔ اگرچہ بعض اقسام چائنہ، فرانس اور انگلینڈ کی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ اس وقت چند مشہور اور قیمتی گھڑیاں حسب ذیل ہیں:

رومیکا۔ رولیکس۔ رومر۔ لونجین۔ زینت۔ راڈو۔

فصل نمبر 23:

اسٹوڈیو

قدیم زمانہ میں دوسرے ممالک کی طرح مکہ مکرمہ میں بھی دخول کے لئے کوئی خاص پابندی نہیں تھی، لیکن بعض انتظامی اور ملکی امور کے استحکام کی خاطر دنیا بھر میں سرکاری، نیم سرکاری محکموں اور نو واردلوگوں کے لئے فوٹو کی ضرورت پیش آئی۔ ابتداء میں مکہ مکرمہ میں شرعی احکام کے پیش نظر اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی، مگر واقعات اور حالات کی سنگینی کے باعث بعض اہم ضروریات میں تصویر بنوانا از بس ضروری تھا۔

چنانچہ ۱۳۵۰ھ میں فوٹوگرافی کی ایک دکان قائم ہوئی تاکہ بیرون ملک جانے والے حضرات کے پاسپورٹ کیلئے یا دوسرے ممالک کے لوگ جو مکہ میں اقامت کے خواہشمند ہوں ان کے لئے تصویر سازی کی جائے۔اسی طرح بعض سرکاری اجلاس اور مجالس کی تصاویر لینا بھی مقصود تھا، لیکن ابتداء سے اب تک عورتوں کی تصاویر پاسپورٹ، اقامہ یا کسی بھی ضرورت کے لئے جائز قرار نہیں دی گئی۔ یہ مطلقاً ممنوع ہے۔ مذکورہ بالا ضروریات میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا رفتہ رفتہ فوٹوگرافی کا کام بھی بڑھتا گیا۔حتیٰ کہ ۱۳۸۵ھ میں مندرجہ ذیل ۱۳ دکانیں بن چکی تھیں:

۱۔ صبری بوشناق: یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کررہا تھا۔
۲۔ جمیل بوشناق: یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کررہا تھا۔
۳۔ محمود شفیق: یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کررہا تھا۔
۴۔ سعید شارولس: یہ مکہ مکرمہ کا باشندہ تھا جو پہلے سے یہ کام کررہا تھا۔
۵۔ الزبیر: یہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور ۱۳۶۵ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۶۔ اسٹوڈیو الشباب: یہ دکان علی ہزاع کی تھی جس نے ۱۸۳ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۷۔ اسٹوڈیو الشرق: یہ حضرموت کا رہنے والا تھا، ۱۳۷۹ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۸۔ اسٹوڈیو اکفا: یہ جاوہ کا آدمی تھا، ۱۳۷۱ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۹۔ اسٹوڈیو الشمس: یہ بھی ہندوستانی تھا جس نے ۱۳۸۱ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۱۰۔ اسٹوڈیو العلم الاخضر: یہ دکان ۱۳۸۲ھ میں شروع ہوئی۔
۱۱۔ اسٹوڈیو العصر: یہ آدمی جاوہ یا ہند کا تھا، ۱۳۸۳ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۱۲۔ محمد سلیمان الکثیری: یہ حضرموت کا رہنے والا تھا، ۱۳۷۴ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔
۱۳۔ اسٹوڈیو العاصمہ: یہ احمد محمد العدنی کا سٹوڈیو تھا، جس نے ۱۳۸۲ھ میں مکہ شریف میں کام شروع کیا۔

اس کے علاوہ بھی بعض محلوں میں اسٹوڈیو پائے جاتے ہیں مگر ہم نے بطور نمونہ چند مشہور اسٹوڈیوز کی نشاندہی کر دی ہے۔علاوہ ازیں طلباء اور بعض دوسرے لوگوں کے پاس بھی کیمرے ہوتے ہیں۔خواہشمند حضرات مختلف مقامات کی تصویریں بناتے ہیں۔

جہاں مختلف شعبہ جات کی ترقی ہوئی وہاں فوٹوگرافی میں بھی کافی پیش رفت ہوئی۔فوٹو سٹوڈیو کے علاوہ اب تو پورے شہر اور حرم شریف کے اندر اور باہر آٹومیٹک کیمرے نصب ہیں، جو مواصلاتی سیاروں کے ذریعے بیرونی ممالک میں بھی تصویر بھیجتے ہیں۔

مقدس مقامات کی زیارت کے لئے جب زائرین جاتے ہیں تو وہاں کئی آدمی کیمرے لئے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں فو بنوانے کی ترغیب دلاتے ہیں اور عموماً دس ریال میں ایک تصویر بناتے ہیں۔ یہ کام ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء تک تو نہیں تھا مگر اس کے ! بہت زیادہ ہو گیا ہے۔

حرم شریف اور کعبۃ اللہ شریف کی تصاویر لینے سے حکام سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات کیمرے چھین کر توڑ بھی د ہیں۔ مگر اس کے باوجود چوری چھپے لوگ تصاویر لے لیتے ہیں، لیکن دوسرے ممالک کے خصوصی نمائندوں یا کسی خاص کمپنی وغیرہ ک شریف کی تصاویر لینے کیلئے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی ہے۔

فصل نمبر 24:

مکہ مکرمہ کے اسکول

مکہ مکرمہ میں لڑکوں کے سکولز:

۱۴۰۳-۰۴ھ (۸۴-۱۹۸۳ء) میں مکہ مکرمہ میں اسکولوں کی تعداد ۱۹۸ تھی جن میں ابتدائی تعلیم کے ۱۱۹ اسکولوں میں ۳۵۶۰۳ طلباء تھے۔ ۵۵ انٹرمیڈیٹ اسکولوں میں ۹۴۳۲ اور ۷ اسکینڈری اسکولوں میں ۳۰۱۶ طلباء تھے۔ دو ٹیچرز ٹریننگ اسکول تھے جن میں ۲۱۰ طلباء تھے۔ چار اسکول جو اسپیشل تعلیم کے تھے ان میں ۱۵۵ طلباء تھے اور دو اسکول ٹیکنیکل تعلیم کے تھے جن میں طلباء کی تعداد ۱۰۷ تھی۔

۱۴۳۱ ہجری (2011ء کے آخر) میں مکہ مکرمہ میں اسکولوں کی تعداد ۸۳۹ تک پہنچ گئی۔ کچھ سکولز ایسے ہیں جہاں ابتدائی رسمی تعلیم وغیر رسمی تعلیم کی کلاسز دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ سکولز میں فقط ناظرۃ القرآن، تجوید، حفظ القرآن اور درس نظامی کی کلاسز مخصوص وقت میں ہوتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں طالبات کے سکولز:

مکہ مکرمہ میں طالبات کے پرائیویٹ اسکول گورنمنٹ اسکولوں سے پہلے قائم ہوئے تھے۔ ان کے نصاب میں خاص طور پر قرآن اور عربی زبان کی تعلیم پر زور دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ریاضی بھی اہم مضمون تھا۔

طالبات کا سب سے پہلا گورنمنٹ اسکول ۱۳۸۰ ہجری (۱۹۶۰ء) میں قائم ہوا اور تب سے گورنمنٹ اور پرائیویٹ لڑکیوں کے اسکولوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۱۲ء میں مکہ مکرمہ میں لڑکیوں کے اسکول ۳۰۵ اور مکہ کے اطراف میں ۵۱۲ تھے۔

فصل نمبر 25:

کتب خانے اور لائبریری

مکہ مکرمہ میں مذہبی، ادبی، عربی کتب، اخبارات، رسائل اور عصری کتابیں حرم شریف کے قریب دکانوں پر فروخت ہوتی تھیں۔ باب السلام کبیر، باب السلام صغیر، باب زیادہ، باب ابراہیم، باب العمرہ اور باب دریبہ کے ساتھ ساتھ کتب خانے پائے جاتے تھے، لیکن حرم شریف کی توسیع کے باعث بہت سی دکانیں اور مکانات منہدم کرنے پڑے۔ جس کے باعث یہ کتب خانے شہر کے مختلف بازاروں میں منتقل ہو گئے۔

ان کتب خانوں میں مختلف ممالک کے مطبوعہ قرآن مجید، تفاسیر، احادیث، فقہ اور تمام علوم اسلامیہ، تاریخ اور فنون کے علاوہ دیگر رسائل بھی فروخت ہوتے ہیں لیکن سٹیشنری کا سامان ان دکانوں پر نہیں ہوتا تھا۔

کچھ عرصہ قبل حسب ذیل کتب خانے پائے جاتے تھے:

۱	مكتبة المعارف	شیخ احمد سعید حلوانی	صفاء کے قریب
۲	مكتبة العرابي	شیخ عبداللہ عرابی	صفاء کے قریب
۳	المكتبة التجارية	شیخ نبیل مصطفیٰ الباز	صفاء کے قریب

۴	مکتبۃ دارالتعاون	شیخ عباس احمد الباز	مروہ کے قریب
۵	مکتبۃ میرو	شیخ مصطفیٰ میرو	مروہ کے قریب
۶	مکتبۃ الثقافۃ	شیخ صالح محمد جمال	سوق اللیل
۷	مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ	شیخ عبدالشکور فدا	سوق اللیل
۸	مکتبۃ مرزا	شیخ عبدالعزیز مرزا واولاده	مروہ کے قریب
۹	مکتبۃ السلفیہ	شیخ صالح الباز واولاده	قشاشیہ میں
۱۰	مکتبۃ النھضہ	شیخ علی الباز واولاده	صفاء کی جانب
۱۱	مکتبۃ العلمیہ	شیخ عبدالفتاح فدا واولاده	باب الاسلام کے قریب
۱۲	مکتبۃ التقدیم العلمیہ	شیخ عبدالحمید فدا	صفاء کے قریب

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں اکثر کتب خانے مروہ اور باب العمرہ کے درمیان واقعہ بازار میں منتقل ہو چکے ہیں اور سوق اللیل میں ایک مکتبہ محلہ جیاد میں مستشفیٰ اجیاد کے عقب میں اور دو کتب خانے محلہ شبیکہ میں بھی واقع ہیں۔

مکتبۃ التجاریہ یہ مروہ کے بالکل قریب واقع ہے۔

مکتبۃ مرزا یہ مروہ کے بالکل قریب واقع ہے۔

مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ اس باب العمرہ الصغیر کے بالکل سامنے۔ اس کتبہ کے مالک عبدالشکور فدا نے تاریخ القویم شائع کی ہے اور اس کے دائیں مکتبۃ الفکر العربی، اس کے ساتھ مکتبہ تقدم العلمی اور اس کے جائیں جانب مکتبہ امدادیہ واقع ہے۔ ایک کتب خانہ باب عمرہ کے سامنے اور دو مروہ کی جانب ہیں۔ اس طرح پورے بازار میں سات کتب خانے پائے جاتے تھے، لیکن اب فقط ان مکتبوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو کتابوں کو طبع کرتے ہیں اور جو فقط فروخت کرتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

مرأة الحرمین اور تاریخ القویم میں ہے:

''وہ مقدس مکان جہاں آفتاب نبوی طلوع ہوا تھا۔ وہ شہ کونین ﷺ کے والد ماجد کی ملکیت تھا۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے لگے تو اپنے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان سے محمد بن یوسف ثقفی جو حجاج بن یوسف کا بھائی تھا، نے خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اسی کے نام سے ''بیت ابن یوسف'' مشہور ہوا۔ حتیٰ کہ ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب بیت اللہ کو گئی تو اس نے وہ مکان خرید کر وہاں مسجد تعمیر کرا دی جس میں لوگ نماز پڑھنے لگے۔ (اخبار مکہ ازرقی، عنوان مولد النبی ﷺ)

الشیخ رفعت پاشا لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کا مکان ولادت سڑک سے تقریباً ڈیڑھ میٹر نشیب میں واقع ہے۔ جس میں داخل ہونے کیلئے پتھر کی بنی ہوئی چند سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے۔ شمالی دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی ۱۲ میٹر لمبا اور ۶ میٹر چوڑا صحن ہے۔ اس کے دائیں جانب ایک دروازہ چھوٹے سے کمرہ کی طرف کھلتا ہے، جس کے اندر لکڑی کا ایک چبوترا بنا ہوا ہے۔ جس میں سنگ مرمر کا ایک پتھر ہے جو درمیان سے کھود کر گہرا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نبی کی ولادت گاہ ہے، اس کا کل رقبہ تقریباً

۸۰ مربع میٹر ہے۔"
مذکورہ مسجد مصر سلطنت کے اوقاف کے زیر انتظام تھی جس میں امام اور موذن مقرر تھے لیکن زمانہ دراز کے بعد مسجد کو پھر مکان میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کی تعمیر و مرمت مختلف سلاطین اپنے اپنے دور میں کرتے رہے:

۵۷۶ھ میں خلیفہ الناصر عباسی۔ ۶۶۶ھ میں ملک مظفر صاحب یمن۔
۷۴۰ھ میں حفیدہ المجاہد۔ ۷۵۸ھ میں مصر کے ایک رئیس۔
۷۶۶ھ، ۸۰۱ھ میں ملک اشرف شعبان۔ ۹۳۵ھ میں سلطان سلیمان خان۔

۹۶۳ھ میں سلطان سلیمان خان نے تین بیش بہا قندیلیں بھیجیں جن میں سے دو کعبہ شریف کیلئے اور ایک مولد النبی ﷺ میں آویزاں کرنے کیلئے۔ ۱۰۰۹ھ میں سلطان مراد خان نے از سر نو تعمیر کرائی اور اس پر ایک عظیم الشان گنبد اور مینار بنوایا۔ بعد ازیں دولت عثمانیہ میں اس جگہ دینی درسگاہ قائم کر دی گئی۔ (مراۃ الحرمین: ۱۸۸/۲) علامہ طاہر کردی دامت برکاتہم تحریر کرتے ہیں۔ ۱۳۴۳ھ میں یہ عمارت منہدم ہو گئی تھی جسے الشیخ عباس بن یوسف القطان التوفی ۱۳۷۰ھ نے اپنے ذاتی اخراجات سے تعمیر کرنا شروع کیا تھا لیکن چند ہی ماہ بعد ان کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ ان کے خلف الرشید الشیخ امین نے کام مکمل کرایا۔ مرحوم نے وصیت کی تھی کہ یہاں ایک جلیل القدر لائبریری بنائی جائے جس سے علماء اور طلباء استفادہ کریں۔ بہر حال اس وقت وہاں افادہ عوام کیلئے عالی شان لائبریری بنی ہوئی ہے اور دروازہ پر المکتبۃ المکہ کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر جو کعبۃ اللہ کے قریب ہی تھا وہاں ترکی حکومت کے دور میں ہسپتال بنا دیا گیا، پھر ۱۳۸۵ھ میں سعودی حکومت نے ہسپتال گرا کر اس جگہ پبلک لائبریری بنا دی۔

باب نمبر 3:

خواب میں مکہ مکرمہ کو دیکھنے کی تعبیریں

کعبہ شریف کے قریب دیکھے گئے خواب یا کعبہ شریف کو خواب میں دیکھنا:

☆: حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے:

((حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن نافع، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما. أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "أرانى الليلة عند الكعبة فرايت رجلا آدم كأحسن ما أنت راء من أدم الرجال، له لمة كأحسن ما أنت راء من اللمم، قد رجلها تقطر ماء، متكئا على رجلين. أو على عواتق رجلين. يطوف بالبيت، فسألت من هذا فقيل المسيح ابن مريم . ثم إذا أنا برجل جعد قطط أعور العين اليمنى كأنها عنبة طافية، فسألت من هذا فقيل المسيح الدجال))(صحيح بخارى، كتاب التعبير، جلد سوم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات مجھے کعبہ کے پاس ایک خواب دکھایا گیا۔ میں نے ایک گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھا۔ وہ گندمی رنگ کے کسی سب سے خوبصورت آدمی کی طرح تھے، ان

کے لیے خوبصورت بال تھے، ان سب سے خوبصورت بالوں کی طرح جوتم دیکھ سکے ہوگے، ان میں انہوں نے کنگھا کیا ہوا تھا اور پانی ان سے ٹپک رہا تھا اور وہ دو آدمیوں کے سہارے یا (یہ فرمایا کہ) دو آدمیوں کے شانوں کے سہارے بیت اللہ کا طواف کررہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون صاحب ہیں۔؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں۔ پھر اچانک میں نے ایک گھنگھریالے بال والے آدمی کو دیکھا جس کی ایک آنکھ کانی تھی اور انگور کے دانے کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مجھے
بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔''

☆: حضرت ابن عمر سے روایت ہے:

((حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهری، أخبرنی سالم بن عبد الله بن عمر، أن عبد الله بن عمر. رضی الله عنهما. قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " بينا أنا نائم رأيتنی أطوف بالكعبة فإذا رجل آدم سبط الشعر بين رجلين ينطف رأسه ماء ، فقلت من هذا قالوا ابن مريم . فذهبت ألتفت فإذا رجل أحمر جسيم جعد الرأس أعور العين اليمنی، كأن عينه عنبة طافية، قلت من هذا قالوا هذا الدجال. أقرب الناس به شبها ابن قطن ." وابن قطن رجل من بنی المصطلق من خزاعة))(صحيح بخاری، كتاب التعبير، جلد سوم)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اچانک ایک صاحب نظر آئے، گندم گوں، بال لٹکے ہوئے تھے اور دو آدمیوں کے درمیان (سہارا لیے ہوئے تھے) ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام۔ پھر میں مڑا تو ایک دوسرا شخص سرخ، بھاری جسم والا، گھنگریالے بال والا اور ایک آنکھ سے کانا جیسے اس کی آنکھ پر خشک انگور ہو، نظر آیا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا کہ یہ دجال ہے۔ اس کی صورت عبدالعزیٰ بن قطن سے بہت ملتی تھی۔ یہ عبدالعزیٰ بن قطن بنی مصطلق میں تھا جو خزاعہ قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔''

☆: جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ تشریف لے جانے لگے تو آپ نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ بلاخوف مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور قربانی کر رہے ہیں۔ بعض حلق (پورا سر مونڈھانا) اور بعض قصر (کچھ بال کاٹنا) کررہے ہیں۔ اس خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست بغیر اس فرشتہ کے جو خوابوں پر مامور ہے بشارت دی گئی۔ یہ خواب اتنا واضح ہے کہ اس کی تعبیر و تفسیر کی چنداں ضرورت نہیں۔

((وقوله تعالى (لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين محلقين رءوسكم ومقصرين لا تخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحاً قريباً))(صحيح بخاری، كتاب التعبير، جلد سوم)

''اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ انا فتحنا میں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا کہ یقیناً تم مسجد الحرام میں

داخل ہو گے، اگر اللہ نے چاہا امن کے ساتھ۔ کچھ لوگ اپنے سر کے بالوں کو منڈوائیں گے یا کچھ کتروائیں گے اور تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ بات معلوم تھی جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ پھر اللہ نے سردست تم کو ایک فتح (فتح خیبر) کرادی۔"

☆: حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ایک بار میں حطیم کعبہ میں مسند پر سو رہا تھا، آنکھ لگی تو ایک خواب دیکھا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اسی عالم میں اٹھا اور ایک قریشی کاہنہ کے پاس گیا تا کہ اس خواب کی تعبیر معلوم کروں۔ خواب میں ایک درخت دیکھا، اس کی چوٹی بڑھتے بڑھتے آسمان کو چھونے لگی، پھیلتے پھیلتے مشرق و مغرب تک پھیل گئی۔ اس درخت سے نور جیسی شعاعیں پھوٹیں کہ سورج بھی اس کے آگے ماندہ، عرب و عجم کے لوگ اس درخت کے آگے سجدہ ریز تھے، کبھی وہ درخت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور کبھی آب و تاب سے نمودار ہو جاتا تھا۔ قریش کی ایک جماعت اس کی ٹہنیوں سے لپٹی ہوئی تھی، دوسری اس کو کاٹنے کے درپے تھی، اتنے میں کاٹنے والے گروہ کے قریب ایک جوان رعنا نمودار ہوا، ایسا حسین و پاکیزہ خوشبو والا کہ میں نے آج تک ایسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ ان دشمنانِ درخت کو بھگاتا ہے، ان کی کمریں توڑتا ہے اور ان کی آنکھیں پھوڑتا ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھایا کہ اس درخت کا ثمر (پھل) کھاؤں تو اس جوان نے کہا:

"اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ تو ان کے نصیب میں ہے جو اس کی شاخوں سے لٹک رہے ہیں۔"

اس خواب نے مجھ کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسی بات سے میں پریشان ہوں۔ اب میں نے جو کاہنہ کا چہرہ غور سے دیکھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بار بار اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ بڑی دیر بعد اس نے کہا:

"اگر واقعی تم نے ایسا خواب دیکھا ہے تو پھر تمہاری اولاد میں سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جو مشرق و مغرب پر حکمرانی کرے گی۔" (جلال الدین سیوطی، الخصائص الکبریٰ، جلد ا، صفحہ نمبر ١٠١) (ابن جوزی، الوفاء، صفحہ نمبر: ١٠٢)

☆: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی ارزق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور وادی ہرشی میں حضرت یونس علیہ السلام کو حج کیلئے آتے ہوئے دیکھا کہ وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور پھر یہ بات آپ نے اپنے ساتھ والے صحابہ کو بھی بتادی۔ (صحیح مسلم)

☆: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ خواب میں دیکھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور کچھ صحابہ نے سر منڈائے ہیں اور کچھ نے بال ترشوائے ہیں۔"

یہ خواب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح حدیبیہ سے پہلے آیا تھا۔ ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا مگر بشارت موجود ہے۔ اس خواب کو دیکھنے کے بعد آپ اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہو گئے اور صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:

"میں عمرہ کیلئے جاؤں گا تم بھی تیار رہنا۔"

☆: ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں عمرہ ادا فرمایا۔

یہ مختصر خواب ایک غیر معمولی اور عہد آفرین واقعہ کا پیش خیمہ بن گیا، اس خواب کے بعد آپ نے عمرہ کی تیاریاں شروع کیں اور پھر صحابہ کے ہمراہ مدینے سے بیت اللہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آتے رہے ان کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ جس کو قرآن حکیم نے فتح مبین کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں موجود ہے:

((لقد صدق الله ورسوله الرء يا بالحق لتد خلن المسجد الحرام ان شاء الله

امنین محلقین رءوس مقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلم فجعل من دون ذالك فتحاً قریباً))(سورۃ الفتح، آیت نمبر:۲۷)

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا کہ یقیناً تم مسجد حرام میں داخل ہو جاؤ گے امن کے ساتھ اگر اللہ نے چاہا تو سر منڈا کر اور بال کٹوا کر۔تم پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔''

☆: حضرت عمرو بن الجُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک بار میں زیارت کعبہ کے ارادے سے مکہ گیا۔ایک رات دیکھا کہ بیت اللہ سے ایک سیل نور (روشنی کا سیلاب) نکلا جس میں یثرب کے پہاڑ نظر آئے۔نور میں سے آواز آ رہی تھی:

''ظلمت و تیرگی چھٹ گئی، ہر طرف روشنی چھا گئی۔لوگو! سن لو! خاتم الانبیاء دنیا میں مبعوث ہو گئے۔''

اس کے بعد نور کا ایک اور دھاوا بلند ہوا جس میں حیرو مدائن کے محلات دکھائی دیئے،اس دفعہ نور (کے اندر) سے کوئی پکار رہا تھا:

''اسلام ظاہر ہو گیا، بت ٹوٹ گئے۔بیگانے شیر و شکر ہو گئے۔''

میں خواب سے بیدار ہوا تو دل سہما ہوا تھا۔واپس جا کر میں نے اپنی قوم سے کہا:

''بخدا مکہ میں کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔''

اس کے کچھ عرصے بعد میں نے اس گاؤں میں سنا کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا ہے۔یہ سن کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا خواب انہیں سنایا اور ان سے ایمان کی دولت لے کر (اسلام قبول کر کے) اپنے گاؤں واپس ہو گیا۔

☆: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے پاس حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے ہیں۔میں بھی آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور انہیں مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔میں برابر دیکھ رہا تھا۔پھر وہاں سے بہت جلد حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ کعبہ کے رب کی قسم! میرے جھگڑے کا فیصلہ ہو گیا۔پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ کعبہ کے رب کی قسم! اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔''

خواب میں مکہ مکرمہ، کعبۃ اللہ اور حج دیکھنے کی تعبیریں:

خواب میں مکہ مکرمہ یا کسی شہر یا گاؤں میں لپک لپک کر چلنا دشمنوں پر کامیابی حاصل کرنے کی بشارت ہے۔کبھی تیز چلنا تیزی سے دنیا سے نکلنے یا منصب کے زائل ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے اور کبھی اس کی تعبیر حج نصیب ہونے سے بھی کی جاتی ہے۔

اگر کوئی دیکھے کہ وہ مکہ مدینہ کی مسجد میں گیا ہے تو دلیل ہے کہ وہ سب طرح کے خوف سے امن میں ہوگا۔

جو شخص دیکھے کہ وہ مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے تا کہ حج کرے ان شاء اللہ تعالیٰ اسے حج نصیب ہوگا۔اگر وہ مریض ہو تو مرض طویل ہو گا، ہو سکتا ہے کہ موت آ جائے۔

جو دیکھے کہ وہ مکہ کا مجاور ہے تو وہ ناقص عمر پائے گا۔اگر دیکھے کہ وہ مردوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہے تو اسے شہادت نصیب ہوگی، اور جو خواب میں صرف تجارت کی غرض سے مکہ کا رخ کرے تو دلیل ہے کہ وہ دنیا کا حریص ہے۔

مکہ مکرمہ کو سرسبز دیکھنا خیر کی دلیل ہے۔

حضرت جابر مغربی نے فرمایا ہے:

''اگر کوئی دیکھے کہ مکہ مکرمہ میں صلاح اور زہد کے ساتھ ہے اور عبادت میں مشغول ہے تو دلیل ہے کہ دنیاوی منفعت میں ہے اور اگر مکہ مکرمہ کو آباد اور بھرا ہوا دیکھے تو دلیل ہے کہ مال اور نعمت اس پر فراخ ہوگی۔ اور اگر اجڑا ہوا دیکھے تو اس کی تاویل اول کے خلاف ہے۔''

مکہ میں داخل ہونا ایسی خوبصورت دلہن کی دلیل ہے جس کا پیغام نکاح دینے والے بہت ہوں، گنہگار کے لئے مکہ میں داخل ہونا توبہ کی دلیل ہے۔ کافر کیلئے اسلام قبول کرنے کی بشارت ہے، کنوارے کیلئے شادی کی علامت ہے، اگر صاحب خواب کسی مقدمہ میں پھنسا ہوا ہو تو مد مقابل پر غلبہ حاصل کرے گا۔ مکہ میں داخل ہونا خوف سے مامون ہونے کی بھی دلیل ہے۔

خواب میں مکہ مکرمہ کی تعبیر امام وقت سے کی جاتی ہے، لہٰذا مکہ مکرمہ میں کوئی کمی زیادتی دیکھے تو اسے امام وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا یا صاحب خواب کے دین کی طرف۔ جو شخص مکہ مکرمہ کو اپنی منزل دیکھے اور وہ غلام تھا تو آزادی ملے گی، اگر آزاد تھا تو سلطان سے عزت ملے گی، اور لوگ علم سیکھنے کے لئے اس کے پاس چلے آئیں گے، خواب میں جو شخص مکہ کو اپنی پشت کے پیچھے کرے تو رئیس یا سلطان سے علیحدگی ہوگی، جو دیکھے کہ مکہ مکرمہ منہدم ہوا ہے تو اشارہ ہے کہ وہ نماز بہت کم پڑھنے والا ہے۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا:

''اگر کوئی اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں دیکھے تو دلیل ہے کہ کعبہ کی زیارت اور حج کرے گا اور اگر دیکھے کہ مکہ مکرمہ کی طرف تجارت کے لئے گیا ہے اور حج کے لئے نہیں گیا ہے تو دلیل ہے کہ مال دنیا پر حریص ہے۔''

بغیر محراب کے یا خلاف سمت قبلہ مسجد بنائی تو تعبیر خیر کی جگہ شر سے کی جائے گی۔

اگر کوئی قبرستان میں قبلہ رو کر نماز پڑھتے ہوئے داخل ہوا تو دلیل ہے کہ وہ اہل خیر اور حلقہ ذکر میں داخل ہونے والا ہے اور دلیل ہے کہ اس کو حج نصیب ہوگا اور جو کچھ اس میں دیکھا اور سنا اس سے نفع ملے گا۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا:

''اگر کوئی دیکھے کہ قبلہ چھوڑا ہے اور مشرق کی طرف نماز پڑھتا ہے تو دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر رغبت نہ کرے گا اور اگر دیکھے کہ قبلہ کو نہیں پہچانتا ہے تو دلیل ہے کہ دین کی راہ میں پریشان اور حیران ہوگا۔''

معبرین کے نزدیک خواب میں قبلہ سے پھرنا ضلالت و گمراہی کی نشانی ہے۔

نماز میں قبلہ سے ہٹ جانے کی تعبیر بھی دینی تحریف ہے۔ اگر کسی نے اپنے گھر کے اندر کعبہ کو دیکھا اور وہ بادشاہ کا خادم بھی نہیں ہے تو دلیل ہے کہ وہ ایک شریف اور اہل خیر عورت سے شادی کرے گا اور کعبہ نماز پر بھی دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ وہ نمازیوں کا قبلہ ہے۔

کعبہ مسجد یا جامع مسجد پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا گھر ہے اور ان چیزوں پر بھی دلالت کرتا ہے جن کی اقتداء کی جائے، ان کے ذریعہ ہدایت ملے جیسا کہ اسلام، قرآن پاک، سنت، عالم، والد، سردار اور شوہر وغیرہ۔ کعبہ جنت پر بھی دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ بیت اللہ ہے اور اس کو جنت میں لے جایا جائے گا۔ کبھی اس کی دلالت حج کے موسم اور جماعت پر استقبال کرنے پر بھی ہوتی ہے۔

کسی نے خواب دیکھا کہ کعبہ اس کا گھر بن گیا تو تعبیر ہے کہ بادشاہ بنے گا یا علم وعمل کی وجہ سے لوگ اس کے دروازے کی طرف دوڑیں گے اور اس میں لوگوں کا اژدحام ہوگا۔ یہی خواب اگر غلام دیکھے تو اس کی آزادی کی دلیل ہوگا۔

حضرت جابر مغربی نے فرمایا:

''اگر بادشاہ دیکھے کہ کعبہ میں گیا ہے تو دلیل ہے کہ خلیفہ سے بزرگی پائے گا اور اگر دیکھے کہ کعبہ گرا ہے، جلا ہے تو دلیل ہے کہ

خلیفہ کا حال بُرا ہوگا۔ اگر دیکھے کہ اس نے کعبے میں سے کوئی چیز لی ہے تو دلیل ہے کہ اس کو خلیفہ سے فائدہ ہوگا اور اگر دیکھے کہ کعبہ میں نماز پڑھی ہے تو دلیل ہے کہ خلفاء سے اس کا کام عمدہ ہوگا۔''

اگر کوئی دیکھے کہ حجر اسود کی طرف رخ کر کے بوسہ دیتا ہے تو دلیل ہے کہ حج کرے گا اور اگر دیکھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک کر رہا ہے یا مقام ابراہیم کو دیکھتا ہے تو دلیل ہے کہ حج کو جائے گا اور سلامتی سے واپس آئے گا۔ اگر کوئی اپنے آپ کو کعبہ کی چھت پر دیکھے تو بد مذہب ہونے پر دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم کرمانی نے فرمایا:

'' کعبے کا اصل ایمان اور مسلمانی ہے اور اگر کوئی اپنے آپ کو کعبے میں دیکھے تو دلیل ہے کہ دشمن کی طرف سے شرارت سے امن میں رہے گا اور اس کی دعا قبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ومن دخله كان امناً))

''اور جو شخص اس میں داخل ہوگا، امن میں ہوگا۔''

اگر کسی نے دیکھا کہ فرشتے نے آسمان سے اتر کر کعبہ کے ستون کو اٹھا کر دوسرے شہر میں رکھ دیا تو اگر شہر میں فتنہ واقعہ ہو تو حاکم وقت بھی اسی میں موجود ہوگا۔ اگر کسی نے خواب میں کعبہ کو ویران دیکھا تو دلیل ہے کہ وہ بے نمازی ہے۔ اگر کسی نے کعبہ میں کمی زیادتی یا اس کو اپنی جگہ سے ہٹا ہوا یا اس کو اپنے حال سے متغیر دیکھا تو اس کی تعبیر امام کے اندر ان حادثات کے وقوع پذیر ہونے سے کی جاتی ہے۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو کعبہ کا طواف کرتے یا کوئی بھی منسک کو ادا کرتے دیکھا تو بقدر مناسک اس کے دین کی اصلاح ہوگی۔

حرم امن کی جگہ ہے، اگر کوئی دیکھے کہ حرم کعبہ میں ہے تو دلیل ہے کہ دنیا کی آفات سے امن میں رہے گا اور حج اس کو نصیب ہوگا۔ اگر کوئی خواب میں کعبہ کو اپنے گھر کے اندر دیکھے تو وہ مرتے دم تک لوگوں میں قوت وشہرت اور خداموں والا رہے گا، لیکن اگر کعبہ کو بری شکل میں دیکھے تو یہ صاحب منزل کیلئے اچھا شگون نہیں ہے۔ اگر کسی نے اپنے گھر کو کعبہ پایا تو وہ امام کے ساتھ رہے گا کیونکہ کعبہ مسلمانوں کا امام ہے۔ اگر کسی نے خواب میں خود کو کعبہ کے اوپر نماز پڑھتا ہوا دیکھا تو اشارہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہوگا۔ اگر کسی نے حرم میں داخل ہو کر کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو وہ خیر پائے گا اور ولایت پائے گا اور ہر جگہ سے ٹیکس حاصل کرے گا مگر بد مذہبی کے ساتھ۔ اگر کسی نے خواب دیکھا کہ وہ کعبہ کے اوپر سے چھلانگ لگا رہا ہے تو دلیل ہے کہ وہ سنت کی مخالفت کرے گا اور اہل ہوا (خواہشات کی پیروی کرنے والوں) کے مذہب میں داخل ہوگا۔

خواب میں کعبہ کے دیواروں میں سے کسی دیوار کا گرنا خلیفہ کی موت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کسی نے کعبہ میں جا کر کچھ بھی مناسک ادا نہیں کیے تو تعبیر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض قائم کرنے کی حالت میں مرے گا، یا تعبیر ہے کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔ خواب میں کعبہ کی طرف نظر کرنا ڈر سے مامون ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی کو خواب میں مکہ کا حاکم بنایا گیا تو بیداری میں اس کو امام کے معاملہ کا آمر بنایا جائے گا۔ اگر کسی نے خواب میں کعبہ سے اتار چڑایا تو وہ اپنی کسی ذی محرم کے ساتھ بدنام ہوگا۔ اگر کسی نے دیکھا کہ وہ کعبہ کی طرف جا رہا ہے یا اس کے سامنے آ گیا تو وہ اپنی اصلاح کرے گا۔ اگر صاحب خواب مکہ میں مردوں کے ساتھ ہے اور وہ اس سے سوال کر رہے ہیں تو دلیل ہے کہ وہ شہادت کی موت مرے گا۔

اگر کوئی دیکھے کہ اس نے احرام باندھا ہوا ہے اور رخ کعبے کی طرف ہے تو یہ اس کی صلاحیت کی زیادتی پر دلیل ہے اور اگر دیکھے کہ اس کا مکان کعبہ ہو گیا ہے اور لوگ زیارت کو آتے ہیں تو دلیل ہے کہ امانت کی حفاظت کرے گا اور عزت اور مرتبہ پائے گا۔

خواب میں کعبہ دیکھنے کی تعبیر خلیفہ اور وزیر اور رئیس ہے یا دلیل تزویج ہے۔ کبھی خواب میں کعبہ میں داخل ہونا بیداری میں اس میں داخل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خواب میں کعبہ دیکھنا پیش ہونے والی خیر یا آنے والے شر کے دفع ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی نے خواب میں کعبہ میں نماز پڑھی تو اس کو رئیس یا شریف امام کا قرب حاصل ہوگا اور وہ دشمن سے مامون رہے گا اور اسے خیر نصیب ہوگی۔ اگر وہ بیت اللہ میں داخل بھی ہوا تو دلیل ہے کہ خلیفہ کے پاس جائے گا۔ اگر اس سے کوئی چیز لی تو وہ خلیفہ سے کچھ حاصل کرے گا۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا:

''خواب میں کعبہ شریف کا دیکھنا خلیفہ کو دیکھنا ہے اور جو زیادتی اور نقصان کہ کعبے میں دیکھے گا خلیفہ میں ہوگی۔ اگر کوئی دیکھے کہ اس نے کعبے کا طواف کیا ہے تو اس کے دین کی اصلاح پر دلیل ہے اور خلیفہ سے راحت پائے گا۔''

اگر کوئی دیکھے کہ زمین سے ہوا پر کودا ہے اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور پھر اپنے آپ کو حرم کعبہ یا مکہ یا مدینہ شریف میں دیکھا ہے تو یہ سب حج کرنے کی دلیلیں ہیں۔

مقام ابراہیم میں داخل ہونا خائف کیلئے امن کی علامت ہے۔ کبھی اس کی دلالت بادشاہت جیسے منصب جلیل پر فائز ہونے یا لوگوں کو علم سکھانے کیلئے تیار ہونے یا اپنے والد یا والدہ کی میراث پانے کی دلیل ہے۔ خواب میں بیت اللہ یا مسجد حرام میں داخل ہونا کسی عورت کو نکاح کی دعوت دینے والے شخص کیلئے عظیم دلہن کے ساتھ داخل ہونے کی دلیل ہے۔

دخول بیت الحرام لہو ولعب کی طرف متوجہ ہونے اور حلال کمائی پر قدرت حاصل کرنے اور طاقت رکھ سکنے کے باوجود حرام کی طلب میں رہنے کی دلیل ہے، خاص کر مسجد حرام میں بغیر نماز یا کشف عورت کے ساتھ داخل ہونا۔ اسی طرح مسجد حرام میں داخل ہونا خوف سے مامون ہونے اور وعدے کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔

خواب میں کعبہ کو دیکھنا صلاحیت دین حاصل ہونے و نصرت ورفعت ہونے یا خدمت والدین وسعادت کی دلیل ہے۔

حضرت جعفر صادق نے فرمایا:

خواب میں کعبہ چار وجہ پر ہے:

1: خلیفہ۔ 2: امام۔ 3: ایمان اور مسلمانی۔ 4: خوف سے سب طرح کا امن۔

بعض اہل تعبیر نے بیان کیا ہے کہ اس کو اس حرم کے اہل سے کام پڑے گا اور اگر دیکھے کہ اس کو بادشاہ نے اپنے حرم میں خود بلایا ہے اور اسی جگہ مقیم ہوا ہے تو دلیل ہے کہ بادشاہ کا کام کرے گا اور اس کو اس کام سے بدنامی ہوگی۔ اگر دیکھے کہ کسی ظالم بادشاہ کے حرم میں گیا ہے تو اس کی بھی یہی تاویل ہے۔

اگر کسی نے خود کو کعبہ کی طرف متوجہ دیکھا تو دلیل ہے کہ وہ اپنے دین اور دنیا کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے یا دلیل ہے کہ بادشاہ کی حکومت میں شمولیت کے لئے کوشاں ہے۔ اگر کسی نے دیکھا کہ اس نے حج کے مناسک میں سے کچھ کمی کی اور سنت کے خلاف کیا تو یہ اس کے دین کی تحریف کی علامت ہے۔ اگر کوئی خواب میں کوے کو کعبہ کے دروازے پر گرا دیکھے تو اشارہ ہے کہ صاحب خواب فاسق آدمی ہے مگر شریف عورت کے ساتھ شادی کرے گا۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو گرجا گھر میں دیکھا اگر وہ اس میں اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور رو رہا ہے یا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے اندر اموات دیکھنے کی وجہ سے بزدلی ہوگی یا پھر یہ خواب نماز جنازہ پر دلالت کرتا ہے۔

کسی نے خواب دیکھا کہ گویا اس نے حج کیا اور طواف کیا تو یہ درج ذیل کی دلیل ہے:

1: دین کی درستگی۔

2: دین پر استقامت۔

3: اللہ کی طرف سے اجر ملنا۔ 4: خوف سے مامون ہونا۔
5: قرض کی ادائیگی۔ 6: مسلمانوں کی امانتوں کی ادائیگی۔
7: قسم کا کفارہ۔ 8: نذر کا پورا کرنا۔

کبھی طواف بیت اللہ کرنا کسی شریف حکمران کے معاملے میں شامل ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اگر غلام خواب میں خود کو بیت اللہ کا طواف کرتا دیکھے تو دلیل ہے کہ وہ آزاد ہوگا، اور گناہ گار کا یہ خواب دیکھنا گناہ کے عذاب سے بچنے کی دلیل ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے یہ خواب شادی کی علامت ہے اور ترقی کرنے کی صلاحیت رکھنے والے کیلئے ترقی کرنے اور بلند مرتبہ پانے کی دلیل ہے۔

کبھی طواف کرنا اپنی نذر کو پورا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ طواف کعبہ کرنا صاحب خواب کے لیے صلاحیت دین حاصل ہونے اور استغفار کرنے کی دلیل ہے۔ اگر کسی نے دیکھا کہ وہ قبلہ کو نہیں پہچان رہا ہے یا قبلہ کی تلاش میں ہے، مگر اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو دلیل ہے کہ وہ اپنے دین کے سلسلے میں حیران وسرگرداں ہوگا۔ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا اس کے دین کے درست ہونے کی علامت ہے۔

اگر کسی نے خواب دیکھا کہ غیر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھی اور سفید کپڑا زیب تن کیا ہوا ہے اور درست قرآن پڑھ رہا ہے تو تعبیر ہے کہ اس کو حج نصیب ہوگا۔ کسی نے خواب دیکھا کہ گویا وہ قبلہ کی پشت کے قریب رخ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو دلیل ہے کہ اس نے معاصی کا ارتکاب کر کے یا جھوٹی قسم کھا کر یا کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگا کر اسلام کو پس پشت ڈال دیا ہے، نہ ہی فواحش کے ارتکاب سے خود کو بچاتا ہے اور نہ ہی احکام الٰہی کی پاسداری کرتا ہے۔ کسی نے خواب دیکھا کہ مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو دلیل ہے کہ وہ مذہب کے لحاظ سے غلط سمت چلنے والا، لوگوں پر زیادہ بہتان تراشی کرنیوالا اور گناہوں پر بے باک ہے، کیونکہ اس نے سمت قبلہ میں یہودیوں کی موافقت کی۔ مشرق کے قریبی سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والا آدمی دین میں باطل ملا کر بدعت کا ارتکاب کرنیوالا ہے۔ حرم کعبہ میں شکار کرنا یا ناجائز جانور کا شکار کرنا تعبیری لحاظ سے اچھا نہیں۔ جس نے خواب میں سورۃ الطور یا اس کا کچھ حصہ پڑھا یا اس کے سامنے پڑھا گیا تو اللہ کے گھر کعبہ کی مجاورت کئی سال اور کئی مہینے نصیب ہوگی۔

حضرت اسماعیل اشعث نے فرمایا:

''اگر کوئی دیکھے کہ اس کے سر کے بال حج کے موسم میں خانہ کعبہ میں تراشے گئے ہیں، اگر قرض دار ہے تو قرض سے نجات پائے گا اور غم سے چھوٹے گا۔''

خواب میں احرام یا دخولِ مکہ کے لئے غسل کرنا درج ذیل کی دلیل ہے:

1: فرحت وسرور۔ 2: غائبین کا واپس آجانا۔ 3: قرضہ کی ادائیگی۔

خواب میں رمیِ جمار (حج کے دوران شیطان کو کنکریاں مارنے) اور طواف کے لئے غسل کرنا بھی مذکورہ بالا چیزوں پر دلالت کرتا ہے۔ بسا اوقات رمی کے لئے غسل کرنا دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ خواب میں غسل کرنا حصولِ رزق کی کوشش یا بادشاہوں اور ان کے علاوہ اکابر کی خدمت کی دلیل ہے۔ طواف کے لئے غسل کرنا بیوی یا والدین کے پاس بار بار آنے کی علامت ہوتا ہے۔

مسجد میں بغیر قبلہ کے یعنی دوسری طرف نماز پڑھنے والا گناہوں سے توبہ کرے کیونکہ اس کے دین میں نقصان ہونے کی دلیل ہے۔

اگر مسجد ایسی تعمیر کی جس طرح کی تعمیر جائز نہیں ہے یا اس کا محراب قبلہ کی جانب نہ ہو تو یہ شر کی دلیل ہے۔

اگر مسجد کا محراب قبلہ سے ہٹا ہوا ہو یا وہ بدبودار ہو یا اس کے اندر سڑی ہوئی لاش پڑی ہے تو یہ صاحب خواب کے کفر یا بدعت یا نفاق

کی دلیل ہے۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا:

''اگر خواب میں دیکھے کہ مندر میں بیٹھا ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تو دلیل ہے کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا اور دین میں قوی ہوگا، کیونکہ مندر عبادت کی جگہ ہے۔ یہودیوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھے تو دلیل ہے کہ یہودیوں سے محبت رکھتا ہوگا''

اگر دیکھے کہ مشرک قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے یا حق تعالیٰ کا شکر کرتا ہے تو دلیل ہے کہ مسلمان ہوگا اور نعمت اس پر زیادہ ہوگی۔ فرمان حق تعالیٰ ہے: اللہ نور السموت والارض مثل نورہ کمشکوۃ۔الخ۔ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال طاق کی مانند ہے)۔اور اگر دیکھے کہ کوئی مُشرک کسی مسلمان کے گھر آیا ہے تو بھی یہی تاویل ہے۔

نکاح کرنا اپنی مادر یا خواہر یا اور کسی زن ایسی سے جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام تھا یعنی محرمہ سے تو صاحب خواب کے لیے شرف زیارت خانہ کعبہ کی دلیل ہے یا اپنے قرابت داروں سے نیکی کرنے اور صلہ رحم کی نشانی ہے۔

مسجد میں نماز پڑھنا خانہ کعبہ کے حج ادا کرنے کی دلیل ہے۔

جس شخص نے دیکھا کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو دلیل ہے اس شخص کے مستقیم ہونے کی اور جس شخص نے دیکھا کہ وہ غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور سفید کپڑے پہنے ہوئے قرآن مجید کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کر رہا ہے تو دلیل ہے کہ یہ شخص حج کرے گا۔

اگر کوئی دیکھے کہ کعبہ میں نماز پڑھی ہے تو دلیل ہے کہ اس کا کام خلیفہ کی طرف سے انتظام کے ساتھ ہوگا۔

اگر کوئی دیکھے کہ اس نے کعبہ میں کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی ہے تو دلیل ہے کہ کعبہ کا رخ کرے گا اور اس کی عاقبت بخیر ہوگی۔

حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

خواب میں حج کرنا سات وجہ پر ہے:

1: نکاح کرنا۔ 2: کنیز خریدنا۔ 3: عادل بادشاہ کی زیارت کرنا۔ 4: نیکی۔
5: نیک کام کی کوشش کرنا۔ 6: ثواب کی اجرت پانا۔ 7: اہل علم کی صحبت میں جانا۔

کافر کا خواب میں حج کرنا دولت اسلام سے مشرف ہونے کی نوید ہے۔خواب میں سواری پر سوار ہو کر حج کے لئے سفر کرنا ایسے مدد گار ملنے کی دلیل ہے جن پر سواری دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ بختی اونٹ پر سوار ہو کر حج کو جانا ایسے لوگوں سے معاشرت اختیار کرنے کی علامت ہے جن پر بختی اونٹ دلالت کرتا ہے۔ کسی سواری کی لگام کو پکڑ کر جانا کسی عورت کی مدد سے وہاں تک پہنچنے کا اشارہ ہے۔ ہاتھی پر سوار ہو کر حج کو جانا کسی بادشاہ کی مصاحبت میں حج کرنے کی دلیل ہے۔خواب میں پیدل حج کو جانا ایسے کام میں واقع ہونے کی دلیل ہے جس کا کفارہ اس پر واجب ہے۔

کبھی حج کرنا مندرجہ ذیل امور پر بھی دلالت کرتا ہے:

1: رزق۔ 2: مال غنیمت۔ 3: سفر سے لوٹنا۔ 4: تنگی کے بعد خوشحالی۔
5: بیماری کے بعد صحت۔ 6: اپنے سابقہ کام کی طرف رجوع کرنا۔

خواب میں زاد سفر ہمراہ لے کر سفر حج کرنا تقویٰ کی دلیل ہے۔فقیر کا یہ خواب دیکھنا اس کے مالدار ہونے کی علامت ہے اور مقروض

کے لئے ادائیگی قرض کی نشانی ہے۔ خواب میں حج کے لئے جانا اور حج کے اعمال نہ کرنا کسی حاجت کی بناء پر کسی بادشاہ کے پاس جانے کی دلیل ہے۔ کسی نے خواب دیکھا کہ وہ اکیلا حج کے کیلئے جارہا ہے اور لوگ اس کو رخصت کر رہے ہیں تو یہ اس کے مرنے کی علامت ہے۔

خواب میں حرم شریف (مسجد حرام) میں ہونا عزت و توقیر حاصل ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم کرمانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

''اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ حج کو گیا ہے اور حرم شریف میں لبیک کہتا ہے تو دلیل ہے کہ اس کو خوف اور ڈر ہوگا اور اگر دیکھے کہ حج اس پر واجب ہوا ہے تو دلیل ہے کہ کسی سے صلح کرے گا۔ اگر دیکھے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتا ہے تو دلیل ہے کہ بزرگوں سے نفع پائے گا اور اس کا کام بہتر ہوگا۔''

کبھی خواب میں حج کرنا ارادے میں تردد واقع ہونے کی علامت ہوتا ہے اور قرضوں کی ادائیگی، نیک کام کرنے اور ان واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرنے کی علامت ہے، جن کو پورا کرنا اس پر لازمی ہے، مثلاً: والدین و استاذ کی اطاعت کرنے کی علامت ہے یا ہجرت کرنے کی دلیل ہے یا کسی عالم یا عابد کی زیارت نصیب ہونے کی بشارت ہے۔ پہلوان کا یہ خواب دیکھنا لوگوں کی خدمت میں کوشش کرنے پر دلالت کرتا ہے اور یہ خواب غیر شادی شدہ کے لئے دلیلِ نکاح ہے اور بادشاہ کے لئے دشمنوں سے محفوظ ہونے، باغیوں کے زیر ہونے اور کفار کے کسی بڑے شہر پر قبضہ کرنے کی دلیل ہے اور کبھی حج کی دلالت جہاد کرنے پر بھی ہوتی ہے۔ حج کے ارادے والا خواب کبھی طالب علم کے لئے اپنی مراد پانے کی اور فقیر کے لئے غنی ہونے کی نشانی ہے۔ کبھی مریض کے لئے حج کرنا اس کے مرنے کی علامت ہے اور گناہگار کیلئے توبہ کرنے کی۔ شادی شدہ کے لئے حج کرنا اپنی بیوی کو طلاق دینے پر دلالت کرتا ہے اور حج سے دین و دنیا میں منقطع ہونے والے کے ساتھ معاشرت اختیار کرنے کی دلیل ہے۔

حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

''اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اس نے حج کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نصیب میں حج کرے گا۔ اگر بیمار یہ خواب دیکھے تو شفاء پائے گا، اگر قرض دار ہو تو قرضے سے فارغ ہوگا اور اگر مسافر دیکھے تو وطن کو سلامتی سے واپس آئے گا۔ اگر خواب میں دیکھے کہ حج کو گیا ہے اور حج نہیں کر سکا تو دلیل ہے کہ عمر دراز ہوگی اور کام نظام سے ہوگا۔''

خواب میں حج ادا کرنا، بیت اللہ کا طواف کرنا اور مناسک حج میں سے بعض کو ادا کرنا درج ذیل کی دلیل ہے:

1: دینی درستگی۔ 2: دین پر استقامت۔ 3: ثواب۔ 4: خوف سے امن۔

5: قرض سے نجات۔ 6: مسلمانوں کی امانت ان تک پہنچانا۔

اگر کسی نے دیکھا کہ اس نے حج یا عمرہ کیا تو دلیل ہے کہ وہ طویل زندگی گزارے گا اور اس کے اعمال مقبول ہوں گے۔ اگر کوئی حکمران خواب میں خود کو حج کے لئے نکلتے ہوئے دیکھے تو یہ اس کی معزولی کی دلیل ہے، تاجر کے لئے یہ خواب نقصان و خسارے کی علامت ہے، مسافر کے لئے یہ لوٹ جانے کی طرف اشارہ ہے اور صحت مند کے لئے مرض کی علامت ہے۔

اگر کسی نے موسم حج میں خواب دیکھا کہ وہ حج کے لئے نکلنے والا ہے، اگر وہ حکمرانی سے معزول ہے تو تعبیر ہے کہ دوبارہ حکمران بنے گا اور اگر مسافر ہے تو مامون ہوگا، اگر تاجر ہے تو منافع پائے گا، اگر مریض ہے تو تندرست ہوگا، اگر مقروض ہے تو قرض سے نجات ملے گی، اگر حج نہیں کیا ہے تو حج نصیب ہوگا اور اگر گمراہی کے راستے پر چل رہا ہے تو راہِ راست پر آئے گا۔

اگر کسی نے خواب دیکھا کہ اس پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن وہ حج نہیں کرتا تو تعبیر ہے کہ صاحب خواب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری

کر رہا ہے اور امانتوں کی ادائیگی سے انکار کر رہا ہے۔ جو شخص دیکھے کہ وہ لوگوں کے مجمع کی جانب روانہ ہوا ہے تو وہ فکر و غم سے بری ہوگا۔ جو دیکھے کہ وہ مقام منیٰ میں نماز پڑھتا ہے اور خطبہ دیتا ہے حالانکہ وہ اس مقام کا آدمی نہیں ہے تو اس کے خواب کی تاویل و تعبیر اس کا ہم نام یا ہم مثل آدمی ہے، بصورت دیگر وہ دنیا کی چند مصیبتوں میں گرفتار ہوگا، اگر اس نے خطبہ اچھا دیا ہے اور دین کے مطابق اس کی تکمیل کی ہے تو اسے ایسی ولایت و حکومت ملے گی کہ لوگ اس ولایت کے تابع ہوں گے۔

اگر کسی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں تو دلیل ہے کہ وہ سلطانِ عظیم کا دربان بنے گا۔

اگر کسی نے دیکھا کہ وہ سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے خچر پر سوار ہو کر قبلہ کی طرف چلا ہے تو یہ صاحب خواب کے حج کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر قبلہ کے علاوہ کسی دوسری سمت کو چلا تو یہ شرف کے ساتھ سفر کرنے کی دلیل ہے۔

خواب میں دوران حج اپنے ہاتھوں سے حلق کرنا ادائیگی قرض کی دلیل ہے۔ خواب میں کسی عورت کا سر مونڈا ہوا دیکھنا دلیل ہے کہ اس کا شوہر اس کو طلاق دے گا یا مر جائے گا یا اس سے جدا ہوگا۔ عورت کا خواب میں کسی دینی مصلحت یا کسی دلیل کی بناء پر بالوں کو مونڈنا یا کم کرنا ادائے قرض اور ادائے امانت کی دلیل ہے۔ مذکورہ تعبیریں تب ہیں جب کہ صاحب خواب خود کو حرم مکرم میں بال مونڈتے یا کم کرتے دیکھے۔

اگر بادشاہ خواب میں دیکھے کہ کعبہ اس کا گھر ہے یا اس کا گھر کعبہ ہے تو دلیل ہے کہ اس کی سلطنت کو زوال نہ ہوگا اور دشمن سے امن میں رہے گا۔ اگر مشرک اپنے آپ کو خواب میں مسلمان ہوتے ہوئے دیکھے اور قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتا ہوا یا اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا دیکھے تو یہ اس کے مسلمان ہونے اور ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔

اگر کسی نے دیکھا کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد قبلہ رو ہو کر استغفار کر رہا ہے تو تعبیر یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہوگی اور غیر قبلہ رو ہو کر استغفار کرنا بعد گناہ توبہ کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص غیر قبلہ رو ہو کر یا غیر عربی زبان میں اذان دے تو تعبیر ہے کہ اس کو کوئی جھوٹ اور چغلی کی خبر دے گا اور کبھی اس خواب کی تعبیر شہر میں بدعت اور خارجیوں کے پھیلنے سے بھی کی جائے گی۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کوئی دیکھے کہ قبلہ کی جانب سے اڑا ہے اور پھر اپنی جگہ پر آیا ہے تو دلیل ہے کہ سفر سے جلدی واپس آئے گا اور بہت سا نفع اٹھائے گا، خاص کر اگر پر بھی رکھتا ہو۔ اگر بغیر پر کے اڑتا ہے تو دلیل ہے کہ اپنی حالت سے پھرے گا۔

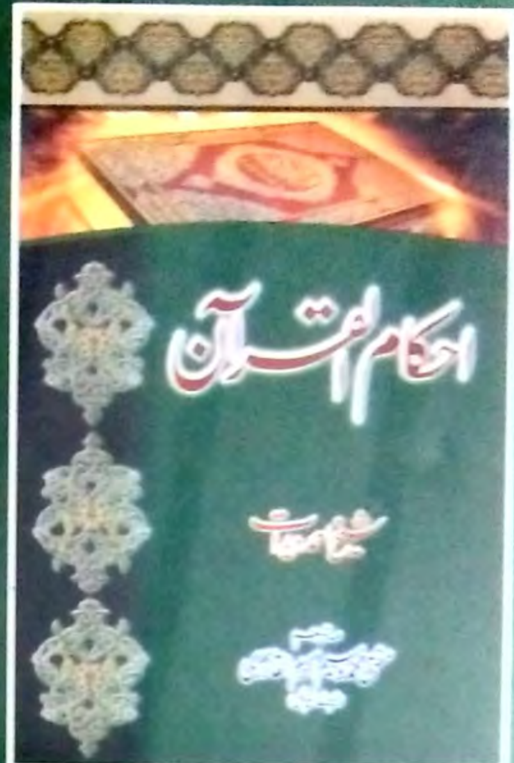
اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کعبہ کی چھت پر اذان دیتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ صاحب خواب مبتدع ہے یا صحابہ کو گالیاں دینے والا ہے۔ اگر اندھا خواب میں قبلہ سے پھر جائے تو اس کی گمراہی کی علامت ہے۔

امام خواب میں اپنے آپ کو طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رو ہو کر بغیر کمی و زیادتی کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھاتے ہوئے دیکھے تو تعبیر یہ ہے کہ اگر وہ ولایت کا اہل ہے تو اس کو ولایت ملے گی۔

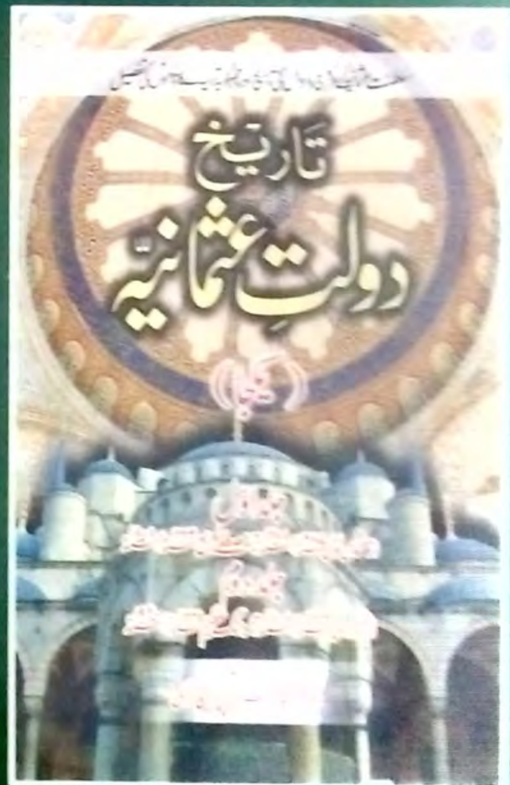
اگر کسی نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھنے کا حکم دے رہا ہے اور لوگوں کو لے کر قبلہ رو ہو کر درست نماز پڑھا رہا ہے تو یہ علامت ہے کہ صاحب خواب والی بن جائے گا اور اس میں عدل سے کام لے گا یا اس کی یہ بھی تعبیر ہے کہ صاحب خواب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرے گا۔

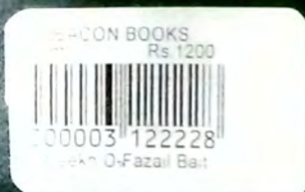
☆☆☆











مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور